

مقبولین

اردو شرح

تفسیر جلالین

جلد پنجم

الروم ۳۰ تا الجاثیة ۴۵

مؤلفین: شیخ عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ عبدالرحمن جلال الدین عماد بن احمد سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم و شارح

حضرت مولانا شمس الدین حفظہ اللہ

نظر ثانی و تفسیری فوائد

مولانا حافظ عبدالمنان صاحب

رجسٹرڈ

۱۸-۱۹ لاہور پاکستان
37231788 37211788

مکتبۃ العلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش رویت قرآن مجید

کاپی رایت رجسٹریشن نمبر



مکتبۃ احسان العلوم

نام کتاب: مقبولین اردو شرح جلالین جلد اول

مؤلفین: شیخ عبدالمنین بن ابی بکر جلال الدین سیلمی رحمۃ اللہ علیہ
شیخ عبدالرحمن جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ

شارح: حضرت مولانا شمس الدین مظہر

ناشر: مکتبۃ احسان العلوم

طبع: تاپاسنر پرنٹرز

طبع: خالد مقبول

تمام حقوق محفوظ ہیں

دفعہ ۱۷۱ آئین کاظم ہرگز نہیں چھین

حقیقی کتب خانہ محمد معاذ خان

درس لکھی گئے ایک صفحہ ترین

لیتھو گری

رہن کمیٹی احمدیٹ ۰ غزنی سٹریٹ ۰ اٹو بازار لاہور پاکستان ۳۷۲۴۱۷۸۸

کتبہ جویریہ ۱۸ - اردو بازار ۰ لاہور ۰ پاکستان ۳۷۲۱۱۷۸۸

کتبہ رحمانیہ آراء مشرف غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔ ۳۷۲۲۴۲۲۸

کتبہ علوم اسلام، آراء مشرف غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور ۳۷۳۵۵۷۴۳

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث و سنی صحیحین اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

تنبیہ

ہمارے ادارے کا نام بغیر ہماری تحریری اجازت بطور نئے کاپی و اسٹری بیوز، ناشر یا تقسیم کنندگان وغیرہ میں نہ لکھا جائے۔ بصورت دیگر اس کی تمام تر ذمہ داری کتاب طبع کروانے والے پر ہوگی۔ ادارہ بذات اس کا جواب دہ نہ ہوگا اور ایسا کرنے والے کے خلاف ادارہ قانونی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔

تمام حقوق محفوظ ہیں

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۵	مسرور ہوں گے، مجرمین بد حال ہوں گے:.....	۲۱:۵	پاؤں
۵۱	سوم: آسمان اور زمین کی تخلیق کا اور:.....		جو عورت کسی کے نکاح میں ہو اس سے نکاح کرنے کی
۵۹	فطرت سے کیا مراد ہے؟:.....	۱۶	حرمت.....
۶۱	اہل باطل کی صحبت سے الگ رہنا فرض ہے:.....	۱۵	قرآن کی تلاوت کرنے اور نماز قائم کرنے کا حکم:
۶۳	کفر و معصیت کی وجہ سے بحر و بر میں فساد کا ظہور:.....	۱۶	نماز بے حیائی سے روکتی ہے.....
	لقمان	۱۷	ذکر اللہ کے فضائل:.....
۷۵	سراسر ہدایت اور عظیم الشان رحمت:.....	۱۹	اہل کتاب سے مجادلہ اور مباحثہ کرنے کا طریقہ:
۷۵	ہدایت قرآنی سے استفادے کیلئے بنیادی شرائط:	۲۳	ربط آیات:.....
	قرآن کے دشمنوں کی حرکتیں، ان کے لیے عذاب مہین کی	۲۵	موت کے بعد کفار کو عذاب اور مؤمنوں کو جنت:
۷۶	دعید:.....	۲۶	ہجرت کی اہمیت اور ضرورت:.....
۷۷	گانے بجانے کی مذمت و حرمت.....	۲۷	ہرجان کو موت چکھنی ہے:.....
	ارشاد نبوی ﷺ کہ میں گانے بجانے کی چیزیں مٹانے	۲۷	رزق مقدر میں لکھا جا چکا، ضرور ملے گا:.....
۷۸	کے لیے آیا ہوں:.....	۳۰	دار دنیا کی حقارت اور دار آخرت کی فضیلت:.....
۷۹	جاہل پیروں کی بد عملی:.....		الزوم
۷۹	لَقَدْ اَلْحَدِيثُ (جو چیز کھیل میں لگائے).....	۳۶	مصر کہ روم و فارس کا انجام:.....
۸۰	شطنج وغیرہ کا تذکرہ:.....	۳۲	کائنات کا ہر ذرہ دعوتِ فکر دیتا ہے:.....
۸۲	حضرت لقمان نبی تھے یا نہیں؟.....		قیامت کے دن مختلف جماعتیں ہونگی، مؤمنین باغوں میں
	والدین کی شکر گزاری اور اطاعت فرض ہے، مگر حکم الہی		

الاحزاب

منہ بولے بیٹے تمہارے حقیقی بیٹے نہیں ہیں ان کی نسبت
 ان کے باپوں کی طرف کرو: ۱۳۰
 ظہار کیا ہے: ۱۳۱
 بیٹا بنالینا: ۱۳۱
 ضروری مسائل: ۱۳۲
 تکمیل ایمان کی ضروری شرط: ۱۳۳
 حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لینا: ۱۳۵
 ذکر قصہ غزوہ احزاب وغزوہ بنی قریظہ: ۱۴۰
 غزوہ احزاب کا مفصل واقعہ: ۱۴۱
 دشمنوں سے حفاظت کے لیے خندق کھودنا: ۱۴۱
 دشمنوں کا خندق پار کرنے سے عاجز ہونا: ۱۴۲
 بعض کافروں کا مقتول ہونا: ۱۴۳
 جہاد کی مشغولیت میں بعض نمازوں کا قضا ہو جانا: ۱۴۳
 رسول اللہ ﷺ کی دعا: ۱۴۴
 دعا کی قبولیت اور دشمنوں کی ہزیمت: ۱۴۴
 بعض ان واقعات کا تذکرہ جو خندق کھودتے وقت پیش
 آئے یعنی سخت بھوک اور سردی کا مقابلہ: ۱۴۵
 رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کہ مسلمان فلاں فلاں
 علاقوں پر قابض ہوں گے: ۱۴۵
 حضرت جابرؓ کے ہاں ضیافت عامہ: ۱۴۷
 منافقین کی بدعہدی اور شرارتیں: ۱۴۸
 پیغمبر کے اسوہ حسنہ کو اپنانے کی ہدایت و تلقین: ۱۵۳
 منافقوں کے مقابلے میں سچے مسلمانوں کا رویہ: ۱۵۴

کے خلاف کسی کی اطاعت جائز نہیں: ۸۶
 قیامت کے دن اعلیٰ اخلاق کام آئے گا: ۸۶
 اچھے اخلاق کا بیان: ۹۰
 تکبر کی مذمت کا بیان: ۹۱
 فخر و گھمنڈ کی مذمت کا بیان: ۹۲
 سنگبر اندروش سے احتراز و اجتناب کی تعلیم و تلقین: ۹۲
 خود پسندی اور شہنی بازی اللہ کو نا پسند ہے: ۹۲
 میانہ روی کی تعلیم و تلقین: ۹۳
 اپنی آواز کو پست رکھنے کی ہدایت: ۹۳
 سمندر میں چلتے بحری جہازوں اور کشتیوں میں سامان غورو
 فکر: ۱۰۱

السنجدة

انسان اور فرشتوں کا ساتھ: ۱۱۱
 قیامت کے دن مجرمین کی بد حالی اور دنیا میں واپس ہونے
 کی درخواست کرنا: ۱۱۴
 اہل ایمان کی صفات، مؤمنین کا جنت میں داخلہ، اہل کفر کا
 دوزخ میں برا ٹھکانہ: ۱۱۵
 نماز تہجد کی فضیلت: ۱۱۶
 مؤمن اور ناسق برابر نہیں: ۱۱۹
 شب معراج اور نبی اکرم ﷺ: ۱۲۲
 کسی قوم کا مقتداء و امام بننے کے لیے دو شرطیں: ۱۲۳
 نافرمان اپنی بربادی کو آپ بلاوا دیتا ہے: ۱۲۳
 وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ ۱۳۰

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
۱۹۶	نبوت کے مفہوم کی تحریف ظلی اور بروہی نبوت کی ایجاد:	۱۵۷	اہل کتاب کو غداری کی سزا مل گئی اور اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرما دیا:
۲۰۳	رسول اللہ ﷺ کی خاص صفات:	۱۶۳	اہمات المؤمنین سے پرسش! دین یا دنیا؟
۲۰۶	آیت مذکورہ میں اس کے متعلق تین احکام بیان کیے گئے ہیں:	۱۶۵	دو ہرے عذاب و ثواب کا استحقاق
۲۰۷	طلاق کے وقت تعدد یعنی لباس کی تفصیل:	۲۲۰	ازواج مطہرات کو خاص ہدایات:
۲۰۷	اسلام میں حسن معاشرت کی بے نظیر تعلیم:	۱۶۹	کیا ازواج مطہرات سارے عالم کی عورتوں سے افضل ہیں؟
۲۱۳	رسول اللہ ﷺ کی زاہدانہ زندگی اور اس کے ساتھ تعدد ازواج کا مسئلہ:	۱۷۱	قراریہ نبوت سے مواقع ضرورت مستثنیٰ نہیں:
۲۱۸	نزول آیت حجاب کا واقعہ:	۱۷۲	حضرت ام المؤمنین صدیقہ عائشہ کا سفر بصرہ اور جنگ جمل کے واقعہ پر رد انفس کے نفوات:
۲۲۰	حکم پردہ کے بارے میں رعایت کا ذکر:	۱۷۵	ازواج مطہرات کو قرآن کی ہدایات:
۲۲۰	اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے رسول اللہ پر صلوة بھیجتے ہیں، اے مسلمانو! تم بھی نبی پر صلوة و سلام بھیجا کرو:	۱۷۵	یہ ہدایات سب مسلمانوں کے لیے عام ہیں:
۲۲۲	درود شریف کے فضائل:	۱۷۶	آیت میں اہل بیت سے کیا مراد ہے؟
۲۲۵	درود شریف پڑھنے کی حکمتیں:	۱۷۸	قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت:
۲۲۷	اللہ کو ایذا پہنچانے کا جرم اور اس کی سنگینی:	۱۸۵	زید بن حارثہ کا تعارف:
۲۲۷	اہل ایمان کی ایذا رسانی حرام:	۱۸۶	زید بن حارثہ سے زینب بنت جحش کی طلاق:
۲۳۰	ازواج مطہرات اور بنات طاہرات اور عام مؤمنات کو پردہ کا اہتمام کرنے کا حکم، اور منافقین کیلئے وعید:	۱۸۷	زینب بنت جحش کا رسول اللہ کے نکاح میں آنا:
۲۳۳	ایمان والوں کو خطاب کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی:	۱۸۸	متنبی کی سابقہ بیوی سے نکاح کرنے کا جواز:
۲۳۶	اللہ اور رسول کی اطاعت میں کامیابی ہے:	۱۹۰	فوائد ضروریہ:
۲۳۶	امانت سے کیا مراد ہے:	۱۹۲	رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں:
۲۳۷	عرض امانت کی تحقیق:	۱۹۵	مسئلہ ختم نبوت:
۲۳۸	عرض امانت اختیاری تھا جبری نہیں:	۱۹۵	آپ کا خاتم النبیین ہونا آخر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے منافی نہیں:
۲۳۹	عرض امانت کا واقعہ کس زمانے میں ہوا؟		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۷۹	قدیم شیطانی فریب:	۲۳۹	خلافت ارضی کے لیے بار امانت اٹھانے کی صلاحیت ضروری تھی:
۲۸۰	کافروں کا عذاب اور انکار اور عذاب و انجام کار:	۲۴۰	تحمل امانت کے نتیجہ و انجام کا ذکر و بیان:
۲۸۰	پیشبر کے لیے تسکین و تسلیہ کا سامان:		سبباً
۲۸۰	تکذیب رسل کا نتیجہ و انجام ہلاکت و تباہی:	۲۵۲	حضرت داؤد پر انعامات الہی:
۲۸۳	کفار مکہ کو دعوت:	۲۵۵	تسخیر جنات کا مسئلہ:
۲۸۴	باطل ایک بے بنیاد اور بے ثبات چیز ہے:	۲۵۶	مساجد میں محراب مستقل مکان بنانے کا حکم:
۲۸۴	مشرکین کے قلوب و ضمائر کو چھوڑنے والی تمبیہ:		شرح اسلام میں جاندار کی تصویر بنانے اور استعمال کرنے کی ممانعت:
	فتاویٰ	۲۵۸	حرمت تصویر پر ایک عام شہ اور اس کا جواب:
۲۸۵	عذاب کے وقت منکروں کی بے بسی اور لاچارگی:	۲۵۹	نوٹو کی تصویر بھی تصویر ہی ہے:
۲۸۹	تحمید خداوند حمید و مجید برائے اثبات توحید:	۲۶۰	شکر کی حقیقت اور اس کے احکام:
۲۹۲	لطائف معارف:	۲۶۱	حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا عجیب واقعہ:
۲۹۵	احادیث صحیحہ و صحیحہ:		قوم سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے انعامات، پھر ناشکری کی وجہ سے نعمتوں کا مسلوب ہونا:
۲۹۶	وجود ملائکہ پر فلاسفہء حال کے شبہات:	۲۶۳	بحث و مناظرہ میں مخاطب کے نفسیات کی رعایت اور اشتعال انگیزی سے پرہیز:
۳۰۱	کائنات کی عظیم الشان درس گاہ میں غور و فکر:	۲۷۱	رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا اعلان:
۳۰۲	عزت سے سرفرازی کے صحیح طریقے کی تعلیم:	۲۷۵	کافروں کی سرکشی:
	حقیقی عزت سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ایمان اور عمل صالح:	۲۷۶	گمراہ پیشواؤں کی اپنے پیروؤں کو مزید ڈانٹ:
۳۰۲	سمندر کے سفر کے فوائد اور چاند سورج کی تسخیر کا بیان:	۲۷۷	پیروؤں کی طرف سے پیشواؤں کے قول کی تردید:
۳۰۳	رات دن کے ادا کرنے میں دعوت غور و فکر:	۲۷۸	پیروؤں کا اپنے گروؤں پر مزید جملہ اور الزام:
۳۰۵	تسخیر شمس و قمر کا مطلب اور اس کا تقاضا:	۲۷۸	باطل پرستوں کے گلوں کے طوقوں کا ذکر و بیان:
۳۰۶	رب کی معرفت اسکی کائنات میں غور و فکر کے ذریعے:		دنیا کی دولت و عزت کو مقبولیت عند اللہ کی دلیل سمجھنے کا
۳۰۸	سب اللہ تعالیٰ ہی کے محتاج ہیں:		
	پیغام حق سے فیضیابی کے لیے چند بنیادی شرائط و خصال کا ذکر و بیان:		
۳۰۹	ذکر و بیان:		
۳۱۰	ایک موازنہ:		

سنوان

صفحہ

سنوان

صفحہ

بازش کے منافع، نیک بندوں کی صفات اور ان کا اجر و ثواب: ۳۱۳

اعمال صالحہ کی مثال تجارت سے: ۳۱۷
امت محمدیہ خصوصاً اس کے علماء کی ایک اہم فضیلت و خصوصیت: ۳۱۹

امت محمدیہ کی تین قسمیں: ۳۱۹
ایک شبہ اور جواب: ۳۲۰

علماء امت محمدیہ کی عظیم الشان فضیلت: ۳۲۱
اللہ تعالیٰ کا قانون عدل و انصاف سب کیلئے یکساں: ۳۲۶

کافروں کے لیے خسارہ ہی خسارہ: ۳۲۷
قسمیں کھا کر کرنے والے ظالم: ۳۲۷

یَسِّنُ

آنحضرتؐ کی نبوت پر قرآن حکیم سے استدلال: ۳۳۳
ایک بستی میں پیامبروں کا پہنچنا اور بستی والوں کا معاندانہ طریقہ پر گفتگو کرنا: ۳۳۹

مذکورہ بستی کے باشندوں میں سے ایک شخص کا پیامبروں کی تصدیق کرنا اور بستی والوں کو توحید کی تلقین کرنا: ۳۴۰

پارہ ۵: ۳۳

مذاق اڑانے والوں کا حال قیامت کے روز: ۳۵۷
مجرمین سے خطاب اور ان کے عذاب کا تذکرہ: ۳۵۹

مجرمین کے خلاف ان کے اعضاء کی گواہی: ۳۶۰
شاعری رسول اللہ ﷺ کی شان کے لائق نہیں: ۳۶۵

آیات کونہیہ میں غور و فکر کی دعوت: ۳۶۶
مشرکین کی بیوقوفی: ۳۶۷

انسان قیامت کا منکر، وہ اپنی خلقت کو بھول گیا: ۳۶۷

الصّٰفّٰتِ

مسلمات سے ریل: ۳۶۹
سورت کے مضامین: ۳۷۳

پہلا مضمون توحید: ۳۷۴
نماز میں صفوف کی درستی اور اس کی اہمیت: ۳۷۵

فرشتوں کی قسم کیوں کھائی گئی؟ ۳۷۶
حق تعالیٰ کا قسم کھانا اور اس کے متعلق احکام اور سوال

و جواب: ۳۷۶
معجزات کا استہزاء کرنے والوں اور وقوع قیامت کے

منکرین کی تردید: ۳۷۹
آنحضرت ﷺ کے معجزات کا ثبوت: ۳۸۱

قیامت کے دن مجرمین کا ایک دوسرے پر بات ڈالنا اور چھوٹوں کا بڑوں کو الزام دینا: ۳۸۸

مجرمین کا اقرار کہ ہم عذاب کے مستحق ہیں: ۳۸۹
اسکبار خرابیوں کی خرابی اور محرومیوں کی جڑ و بنیاد: ۳۹۰

بندے کی عظمت اسکی شان بندگی اور اتباع حق ہے: ۳۹۰
ایک جنتی اور اس کا کافر ملاقاتی: ۳۹۱

بڑی صحبت سے بچنے کی تعلیم: ۳۹۲
موت کے خاتمہ پر تعجب: ۳۹۲

شَجَرَةُ الزَّقْوِيمِ کا تذکرہ جسے اہل جہنم کھائیں گے: ۳۹۳
زقوم کی حقیقت: ۳۹۳

حضرت نوح علیہ السلام کا دعا کرنا اور ان کی قوم کا ہلاک ہونا اور ان کی ذریت کا نجات پانا: ۳۹۷

کیا طوفان نوح سارے عالم کو محیط تھا؟ ۳۹۹

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۰۰	ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا:.....	۲۳۰	مشرکین کی تردید جو اللہ کیلئے اولاد تجویز کرتے تھے:.....
۲۰۲	ستاروں پر نگاہ ڈالنے کا مقصد:.....	۲۳۱	مشرکین سے ان کے دعوے پر دلیل کا مطالبہ:.....
۲۰۳	علم نجوم کی شرعی حیثیت:.....	۲۳۲	تعارف سورہ مس:.....
۲۰۵	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیماری کا مطلب:.....	۲۳۵	تاریخ سے درس عبرت لینے کی ہدایت:.....
۲۰۶	تورہ کا شرعی حکم: فیصل:.....	۲۳۸	رسول اکرم کو تسلی اور حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ:.....
۲۰۷	بیٹے کی قربانی کا واقعہ:.....	۲۳۹	حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دو شخصوں کا حاضر ہونا
۲۰۹	وحی غیر متلو کا ثبوت:.....	۲۳۹	فیصلہ چاہنا اور آپ کا فیصلہ دینا:.....
۲۰۹	حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی طرف سے اپنے والد	۲۴۰	داؤد علیہ السلام کا بتلائے امتحان ہونا پھر استغفار کرنا:.....
۲۰۹	بزرگوار کو یہ یقین بھی دلایا کہ:.....	۲۴۱	شرکاء مالیات کا عام طریقہ:.....
۲۱۱	ذبح حضرت اسماعیل تھے یا حضرت اسحاق:.....	۲۴۲	داؤد علیہ السلام کی ایک دعاء:.....
۲۱۶	حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کا تذکرہ:.....		ض
۲۱۷	حضرت الیاس علیہ السلام:.....	۲۴۶	سورہ ص کا مجملہ.....
۲۱۸	بعثت کا زمانہ اور مقام:.....	۲۴۶	ایک مشہور قصہ کی تردید:.....
۲۱۸	قوم کے ساتھ کشمکش:.....	۲۵۰	حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت کا اعلان:.....
۲۱۹	کیا حضرت الیاس علیہ السلام حیات ہیں؟.....	۲۵۰	اتباع ہوئی کی مذمت:.....
۲۲۱	غیر اللہ کی طرف تخلیق کی صفت منسوب کرنا جائز نہیں:.....	۲۵۱	گمراہ لوگ عذاب شدید کے مستحق ہیں:.....
۲۲۱	حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ اور قوم کا ہلاک ہونا اور بیوی	۲۵۵	مفسدین اور اعمال صالحہ والے، مؤمنین اور متقین اور فجار
۲۲۱	کے علاوہ ان کے تمام اہل و عیال کا نجات پانا:.....	۲۵۵	برابر نہیں ہو سکتے!.....
۲۲۲	اہل مکہ کو عبرت دلانا:.....	۲۵۶	حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ:.....
۲۲۷	حضرت یونس علیہ السلام کا کشتی سے سمندر میں کود پڑنا، پھر مچھلی	۲۶۱	ایوب علیہ السلام کی بیماری اور دعا اور شفا یابی کا تذکرہ:.....
۲۲۷	کے پیٹ میں تسبیح میں مشغول رہنا:.....	۲۶۱	قرآن مجید کی تصریحات سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ
۲۲۸	قرعہ اندازی کا حکم:.....	۲۶۲	یہ ہیں:.....
۲۲۹	ایک نیل دار درخت کا سایہ دینا:.....	۲۶۳	دعا کی قبولیت اور برکات:.....
۲۲۹	امتوں کی تعداد:.....	۲۶۵	سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر کے موافق ہوتا ہے:.....
۲۳۰	تسبیح و استغفار سے مصائب دور ہوتے ہیں:.....	۲۶۶	مکمل تذکرہ حضرت ایوب علیہ السلام:.....

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
۲۴۴	پارہ ۵	۳۷۱	صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے، وہ واحد قہار ہے، مالک ارض و سما ہے، عزیز و غفار ہے:.....
۵۰۰	مشرکین کی سزا اور موحدین کی جزا:.....	۳۷۲	ابلیس کی حکم عدولی اور سرتابی، آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر کے سخت لعنت ہونا اور بنی آدم کو درغلا تا:.....
۵۰۱	عبرت و بصیرت:.....	۳۷۳	ابلیس اور اس کے تبعین سے دوزخ کو بھر دیا جائیگا ۳۷۳
۵۰۲	موت اور نیند کے وقت قبض روح اور دونوں میں فرق کی تفصیل:.....	الذمیر	
۵۰۶	صبح و شام کے بعض وظائف:.....	۳۷۴	دعوت حق پر کسی معارضہ کا مطالبہ نہیں:.....
۵۱۰	دنیا کے انسانوں کو رحمت و عافیت اور نجات و مغفرت کی قرآنی دعوت:.....	۳۷۹	سورۃ الزمر:.....
۵۱۲	اثابت الی اللہ کا مفہوم:.....	۳۸۰	باطل عقائد کی تردید:.....
۵۱۲	رحمت خداوندی سے مایوسی جرم عظیم ہے:.....	۳۸۱	تخلیق کائنات اور عقیدہ توحید:.....
۵۱۵	آپ فرمادیجیے کہ اے جاہلوں میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کر سکتا:.....	۳۸۲	صالحین کی صفات:.....
۵۱۷	قیامت کے دن صور پھونکے جانے کا تذکرہ.....	۳۸۳	نماز تہجد کی فضیلت:.....
۵۱۸	إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ کا استشناء:.....	۳۸۶	اللہ سے ڈرنے اور خالص اسکی عبادت کرنے کا حکم:.....
۵۲۰	اہل کفر اور اہل ایمان کی جماعتوں کا گروہ گروہ اپنے ٹھکانوں تک پہنچنا:.....	۳۸۹	پانی کی نعمت اور اس کے نہایت پر حکمت نظام میں سامان غور و فکر:.....
۵۲۳	دوزخ و جنت کے دروازے اور ان میں داخل ہونیوالوں کو کیفیات:.....	۳۹۳	شرح صدر کی دونشائیاں.....
۵۲۳	جنت کے دروازے اعمال کی مناسبت سے متعین:.....	۳۹۳	ذکر اللہ کی فضیلت اور اہمیت:.....
۵۳۰	اللہ کی آیات میں جدال ہلاکت کا سامان:.....	۳۹۴	قیامت کے روز مکبرین کے حال بد کی ایک تصویر:.....
۵۳۱	ملائکہ حاملین عرش کی اہل ایمان کیلئے دعا:.....	۳۹۴	مکبرین و مستکبرین کی ایک اور تذلیل کا ذکر:.....
۵۳۷	اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو اور دلوں کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے:.....	۳۹۵	موحد اور مشرک کے بارے میں ایک مثال کا بیان:.....
		۳۹۶	مشرکوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑنے والا ایک سوال:.....
		۳۹۶	اکثریت نور علم سے محروم و بے بہرہ:.....
		۳۹۷	مشرک کی عدالت میں مظلوم کا حق ظالم سے وصول کرنے کی صورت:.....

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
۵۷۷	اللہ کے وعدے قطعاً حق ہیں:	۵۴۱	آل فرعون میں سے ایک مؤمن بندہ کی حق گوئی نیز تنبیہ اور تہدید:
۵۸۱	بحث ایمان باس دایمان یا اس:	۵۴۲	آل فرعون کے مرد مؤمن کا ناصحانہ خطاب اور اس کے خصوصی نکات:
۵۸۶	قرآن کی آیات منصل ہیں، وہ بشیر ہے اور نذیر ہے، منکرین اس سے اعراض کرتے ہیں:	۵۴۸	آل فرعون کے مرد مؤمن کے ایمان و اخلاص سے صدیق اکبرؑ کا جذبہ ایمان بڑھ کر تھا:
۵۸۷	حصول نجات اور اتباع رسول ﷺ:	۵۵۰	یَوْمَ التَّنَادِ کی تفسیر:
۵۹۲	آسمان وزمین کی تخلیق اور ایام تخلیق کی تعیین:	۵۵۱	مرد مؤمن کا فناء دنیا اور بقاء آخرت کی طرف متوجہ کرنا، اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا:
۵۹۶	آسمان دنیا کی تزئین کا عظیم الشان انتظام:	۵۵۶	مرد مؤمن کا قوم کی شرارتوں سے محفوظ ہو جانا اور قوم فرعون کا برباد ہونا:
۵۹۷	حق سے اعراض کرنے والوں کو تنبیہ اور تہدید عار و خمود کی بربادی کا تذکرہ:	۵۵۸	عالم برزخ اور وہاں کا عذاب:
۶۰۰	اللہ کے دشمنوں کا دوزخ کی طرف جمع کیا جانا ان کے اعضاء کا ان کے خلاف گواہی دینا:	۵۵۹	عذاب قبر کی وحی قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی یا مدینہ منورہ میں:
۶۰۳	کافروں کو ان کے گمان بدنے ہلاک کیا:	۵۶۱	رسولوں اور اہل ایمان کو دنیا و آخرت میں مدد کی بشارت:
۶۰۳	مشرکین اور کافرین پر برے ساتھی مسلط کر دیئے:	۵۶۲	انسان کی دوبارہ پیدائش کے دلائل:
۶۰۵	قرآن سے روکنے کی ایک سکیم کا ذکر:	۵۶۶	دعا کی حقیقت اور اس کے فضائل و درجات اور شرط قبولیت:
۶۰۶	کافروں کیلئے عذاب شدید:	۵۶۷	فضائل دعا:
۶۰۷	گمراہ لوگ درخواست کریں گے کہ ہمارے بڑوں کو سامنے لایا جائے، تاکہ قدموں سے روند ڈالیں:	۵۶۸	قبولیت دعا کا وعدہ:
۶۰۷	گمراہ کن لیڈروں اور پیشواؤں کے خلاف غیظ و غضب کا ایک منظر:	۵۶۹	قبولیت دعا کی شرائط:
۶۰۷	استقامت اور اس کی بہترین جزا:	۵۶۹	توحید اور ربوبیت پر ایک اور دلیل:
۶۰۸	فضیلت دعوت الی اللہ و بیان صبر و استقامت و حلم و درگزر در راہ حق:	۵۷۲	رسول اللہ ﷺ کی مشرکین کو دعوت توحید:
۶۱۳	دعوت الی اللہ کے آداب اور صبر و تحمل کے بہترین ثمرات:	۵۷۳	کفار کو عذاب جہنم اور طوق و سلاسل کی وعید:
۶۱۵	أَحْسَنُ قَوْلًا کی تحقیق:	۵۷۶	
۶۱۹	طحدین ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں، جو چاہو کر لو!		

مستوفان

۶۲۱..... پیغمبر کیلئے تسکین و تسلیہ کا سامان:	اور طالب دنیا کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا:..... ۶۵۰	
۶۲۲..... مسکین کی کٹ جتنی اور ہٹ دھرمی کا ایک نمونہ:	إِنَّ الْمَوَدَّةَ بَيْنَ الْمُتَّقِينَ كَالْفَسَدِ..... ۶۵۳	
۶۲۳..... اللہ اپنے بندوں پر ذرہ برابر کوئی ظلم نہیں کرتا:.....	ذو القربى کی محبت السنّت کے نزدیک ایمان کی بنیاد:..... ۶۵۹	
پارہ ۵: ۲۵		
قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اس دن مشرکین کی حیرانی	تو بہ کی حقیقت:..... ۶۶۰	
و برہادى:..... ۶۲۷	جو بھی کوئی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے تمہارے اعمال کی وجہ	
انسان کی تنگ ظرفی کا ایک نمونہ و مظہر:..... ۶۲۸	سے ہے:..... ۶۶۳	
تنگ ظرف انسان کا حال مصیبت کے موقع پر:..... ۶۲۹	سمندروں کی تسخیر قدرت الہی کی نشانی:..... ۶۶۵	
تنگ ظرف انسان کا منتہائے مقصود متاع دنیا:..... ۶۲۹	مشورہ کی اہمیت اور اس کا طریقہ:..... ۶۶۸	
متاع دنیا کا ایک خطرناک پہلو:..... ۶۳۰	عفو و انتقام میں معتدل فیصلہ:..... ۶۷۰	
الشُّبُوحُ		
قرآن کریم کی حقانیت کے بعض دلائل..... ۶۳۱	برائی کا بدلہ برائی کے برابر لے سکتے ہیں، معاف کرنے	
انبیائے کرام کی ایک امتیازی صفت کا ذکر و بیان:..... ۶۳۷	اور صلح کرنے کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے:..... ۶۷۰	
اللہ پاک کی عظمت شان سے متعلق دو صفتوں کا ذکر:..... ۶۳۸	اولاد کا اختیار اللہ کے پاس ہے:..... ۶۷۵	
قیامت کا آنا یقینی ہے:..... ۶۳۹	الْبُرُوفُ	
مشرکین کا شرک:..... ۶۴۱	قرآن کی قسم کھائی جس کے معانی روشن ہیں:..... ۶۸۳	
ہر اختلاف کا فیصلہ اللہ ہی کے حوالے:..... ۶۴۲	سیلغ کو مایوس ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے:..... ۶۸۳	
ابتداء تشریح احکام اور جملہ انبیاء علیہم السلام کا اصول،	مشرکین کا اقرار کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ:..... ۶۸۳	
شرائع میں اتفاق:..... ۶۴۶	زمین کے عظیم الشان پتھروں نے میں سامان غور و فکر:..... ۶۸۵	
بیان نزول کتاب باحق و صداقت و نزول میزان برائے	زمین کے اندر پائے جانے والے راستوں میں سامان غور	
عدل و انصاف:..... ۶۴۷	و فکر:..... ۶۸۶	
خوف آخرت ایمان و معرفت کا ثمرہ ہے:..... ۶۴۸	پانی کی نعمت میں غور و فکر کی دعوت و تحریک:..... ۶۸۶	
ایک مجرب عمل:..... ۶۵۰	مردہ زمین کو زندہ کرنے میں سامان غور و فکر:..... ۶۸۷	
طالب آخرت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ ہوگا	بعث بعد الموت کی تذکیر و یاد دہانی:..... ۶۸۷	
	تمہاری سواریوں میں سامان غور و فکر:..... ۶۸۸	
	سوار ہونے کی دعا:..... ۶۸۸	
	تَحَوُّرُنَا کی تشریح:..... ۶۸۹	

سوال	سوال
دوزخ اور دوزخیوں کی درگت: ۷۲۲	اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد جمویز کرنے والوں کی تردید، فرشتوں کو بیٹیاں بتانے والوں کی جہالت اور حماقت: ۶۸۹
الدخان	مشرکین کی ایک جاہلانہ بات کی تردید، آباء و اجداد کو پیشوا بنانے کی حماقت اور ضلالت ۶۹۱
دخان سے کیا مراد ہے؟ ۷۳۵	اہل باطل سے اظہار بیزاری کا درس: ۶۹۴
مؤمن کی موت پر آسمان وزمین کا رونا: ۷۳۷	معبود حقیقی کا استثناء: ۶۹۵
بنی اسرائیل پر انعام اور امتنان: ۷۳۹	مکہ والوں کا جاہلانہ اعتراض اور اس کا جواب: ۶۹۷
بنی اسرائیل کی عظمت و برتری اپنے دور کے سب جہانوں پر: ۷۳۹	تقسیم معیشت کا قدرتی نظام: ۶۹۸
مکرمین قیامت کی کٹ جھتی، یہ لوگ قوم تیج سے بہتر نہیں ہیں جو ہلاک کر دیئے گئے: ۷۴۱	معاشی مساوات کی حقیقت: ۶۹۹
تیج کون تھے؟ ۷۴۱	اسلامی مساوات کا مطلب: ۷۰۱
زقوم مکرمین قیامت کی خوراک ہوگا: ۷۴۵	مال و دولت کی زیادتی فضیلت کا سبب نہیں ہے: ۷۰۲
دنیا کی بڑائی کا انجام: ۷۴۶	پیغمبر کے لیے تسکین و تسلیہ کا سامان: ۷۰۶
الجاثیہ	انبیاء کے صحیفوں میں توحید کی تعلیم: ۷۰۸
مستیوں کے انعامات، باغ اور چشمے، لباس اور ازواج، ہر قسم کے پھل اور حیات ابدی: ۷۴۷	موسیٰ علیہ السلام کا قوم فرعون کے پاس پہنچنا اور ان لوگوں کا معجزت دیکھ کر تکذیب اور تضحیک کرنا، فرعون ... ۷۱۱
ہر جھوٹے، گنہگار اور متکبر اور منکر کیلئے عذاب الیم: ۷۵۳	کا اپنے ملک پر فخر کرنا اور بالآخر اپنی قوم کے ساتھ غرق ہونا: ۷۱۱
دریا کا مسخر ہونا: ۷۵۵	وَإِنَّكَ لَعَلَّمَهُ لِلشَّاعِرِ (اور بلاشبہ وہ قیامت کے علم کا ذریعہ ہے): ۷۱۷
ہر چیز کا مسخر ہونا: ۷۵۵	اللہ کا خوف اور پیغمبر کی اطاعت ذریعہ نجات: ۷۱۷
بنی اسرائیل پر طرح طرح کے انعامات، کتاب حکم اور نبوت سے سرفراز فرمانا، طیبات کا عطیہ اور جہانوں پر فضیلت: ۷۵۷	عیسیٰ کے نام لیواؤں کی گروہ بندیوں کا ذکر: ۷۱۸
پچھلی امتوں کی شریعتوں کا حکم ہمارے لیے: ۷۵۸	دوستی درحقیقت وہی ہے جو اللہ کے لیے ہو: ۷۱۸
اتباع ہوئی کے بارے میں ضروری تشبیہ: ۷۶۲	مستیوں کے لیے دخول جنت کا حکم و ارشاد: ۷۲۲
دہریوں کی جاہلانہ باتیں اور ان سے ضروری سوال: ۷۶۳	جنتیوں کی ہر خواہش کی تکمیل: ۷۲۳
مکرمین قیامت کی حجت بازی ۷۶۴	اہل جنت کے لیے جنت کی میراث کی خوشخبری: ۷۲۳

الجزء ٢١

أُنزِلَ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ الْقُرْآنِ وَ أَقِمِ الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ
 شَرُّ عَايٍ مِنْ شَأِنِهَا ذَلِكَ مَا دَامَ الْمَرْءُ فِيهَا وَ لَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ مِنْ غَيْرِهِ مِنَ الطَّاعَاتِ وَ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا
 تَصْنَعُونَ ۝ فَيَجَازِيكُمْ بِهِ وَ لَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي آيَ بِالْمَجَادِلَةِ الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ
 كَالَّذِي عَاوَىٰ إِلَى اللَّهِ بِآيَاتِهِ وَ التَّنْبِيهِ عَلَىٰ حُجَجِهِ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ بَأْسٌ حَارٌّ وَ آوَابُوا أَنْ يُقْرَؤُوا بِالْجِزْيَةِ
 فَجَادِلُوهُمْ بِالسَّيْفِ حَتَّىٰ يَسْلِمُوا أَوْ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ وَ قُولُوا لِمَنْ قَبْلَ الْإِقْرَارِ بِالْجِزْيَةِ إِذَا اخْتَبَرْتُمْ
 بِشَيْءٍ مِمَّا فِي كُتُبِهِمْ أَمْنًا بِالَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْنَا وَ أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ وَ لَا تُصَدِّقُوهُمْ وَ لَا تُكذِّبُوهُمْ فِي ذَلِكَ وَ
 إِلَهُنَا وَ إِلَهُكُمْ وَاحِدٌ وَ نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ مُطِيعُونَ وَ كَذَلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ ۚ الْقُرْآنَ آيٌ كَمَا
 أَنْزَلْنَا إِلَيْهِمُ التَّوْرَةَ وَ غَيْرَهَا قَالَتِ الَّذِينَ اتَّبَعْتَهُمُ الْكِتَابَ التَّوْرَةَ كَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ وَ غَيْرِهِ يَوْمَئِذٍ بِهِ ۚ
 بِالْقُرْآنِ وَ مِنْ هُوَ لِأَيِّ أَهْلِ مَكَّةَ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَ مَا يَجْعَدُ بِآيَتِنَا بَعْدَ ظُهُورِهَا إِلَّا الْكٰفِرُونَ ۝
 آيِ الْيَهُودِ وَ ظَهَرَ لَهُمْ أَنَّ الْقُرْآنَ حَقٌّ وَ الْجَائِي بِهِ مُحَقَّقٌ وَ جَعَدُوا ذَلِكَ وَ مَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ آيِ
 الْقُرْآنِ مِنْ كِتَابٍ وَ لَا تَحْطَأُ بِسِينِكَ إِذَا آيٌ لَوْ كُنْتَ قَارِئًا كَاتِبًا لَرَتَابٌ شَكَّ الْمُبْطِلُونَ ۝ آيِ
 الْيَهُودِ فِيكَ وَ قَالُوا الَّذِي فِي التَّوْرَةِ أَنَّهُ أُمِّيٌّ لَا يَقْرَأُ وَ لَا يَكْتُبُ بَلْ هُوَ آيِ الْقُرْآنِ الَّذِي جِئْتَ بِهِ آيَاتٍ
 بَيِّنَاتٍ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُولُوا الْعِلْمَ ۚ آيِ الْمُؤْمِنِينَ يَخْفَظُونَهُ وَ مَا يَجْعَدُ بِآيَتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ۝
 الْيَهُودُ جَعَدُوا بِهَا بَعْدَ ظُهُورِهَا لَهُمْ وَ قَالُوا آيِ كُفَّارِ مَكَّةَ لَوْ لَا هَلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ عَلَى مُحَمَّدٍ آيَاتٍ
 مِنْ رَبِّهِ ۚ وَ فِي قِرَاءَةِ آيَاتِ كِنَافَةِ صَاحِبِ وَعَصَا مُوسَىٰ وَ مَائِدَةَ عِيسَىٰ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ
 يُنزِلُهَا كَمَا يَشَاءُ وَ إِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ مُظْهِرٌ انذَارِي بِالنَّارِ أَهْلَ الْمَعْصِيَةِ أَوْ لَمْ يَكْفِهِمْ فِيمَا
 طَلَبُوهُ أَنَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ فَهُوَ آيَةٌ مُسْتَمَرَّةٌ لَا انْقِضَاءَ لَهَا بِخِلَافِ مَا ذَكَرَ
 مِنَ الْآيَاتِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لِكِتَابٍ لِرَحْمَةٍ وَ ذِكْرٍ عِظَمَ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

١٣٤١

١٣٥٥

توجیح چہنہما: جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ کو اس کو پڑھا سکتے (مراد قرآن کریم ہے) اور نماز کی پابندی رکھے بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی ہے (شرعاً جو کام ناشائستہ ہو یعنی یہ نماز کی خصوصیت ہے جب تک کوئی نماز کے اندر رہے) اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے (دیگر طاعات کی بہ نسبت) اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کا جانتا ہے (لہذا اس پر بدلہ دے گا) اور تم اہل کتاب سے مجادلہ مت کرو بجز اس طریقے (مجادلہ) کے جو مہذب ہو۔ (جیسے حق تعالیٰ کی طرف اس آیات کے ذریعہ دعوت دے کر اور اس کے دلائل پر آگاہ کے) ہاں جو ان میں زیادتی کریں (اس طرح سے کہ آمادہ جنگ ہوں اور جزیہ قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کے ساتھ تلوار سے جہاد کیجئے یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں یا جزیہ دیں) اور کہہ دیجئے (اس غیر مسلم سے جو جزیہ جانتے ہوئے اپنی مذہبی کتابوں میں سے کوئی بات بیان کرے) کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں (اہل کتب کی اس سلسلہ میں نہ تصدیق کرو نہ تکذیب کرو) اور ہمارا اور تمہارا معبود تو ایک ہی ہے اور ہم تو اس کے فرمانبردار (اطاعت گزار) ہیں اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی (یعنی قرآن پاک جیسے کہ پہلے انبیاء پر تورات وغیرہ کتابیں نازل کیں) سو جن لوگوں کو ہم نے (تورات) دی جیسے عبد اللہ بن سلام وغیرہ) وہ اس قرآن پر ایمان لے آتے ہیں اور ان لوگوں (اہل مکہ) میں سے بھی بعض اس (قرآن) پر ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں کا (ان کے ظاہر ہونے کے بعد) بجز کافروں کے کوئی انکار کرنے والا نہیں مراد یہود ہیں اور نشانوں سے ان کے سنے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرآن برحق ہے اور اس کا لانے والا بھی برحق ہے مگر یہودی تب بھی نہیں مانتے اور آپ اس (قرآن) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے (اس وقت جب کہ آپ پڑھ یا لکھ سکتے) ناحق شناس لوگ شبہ نکالنے لگتے (یہود مراد ہیں) جو کہتے ہیں کہ تورات میں تو یہ ہے کہ وہ نبی امی ہوں گے نہ پڑھنا جائیں گے اور نہ لکھنا) بلکہ یہ کتاب (قرآن کریم) جو آپ پیش کر رہے ہیں) بہت سی واضح دلیلیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم عطا ہوا ہے (مسلمان حفاظ) اور ہماری آیتوں سے بس ضدی لوگ ہی انکار کیے جاتے ہیں (یہود مراد ہیں جو دلائل واضح ہو جانے کے بعد بھی انکار کئے چلے جاتے ہیں) اور یہ (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ ان (محمدؐ) پر کوئی نشانی ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اتری (ایک قرأت میں لفظ آیات ہے جیسے صالح کی اونٹنی، عصائے موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے لئے دسترخوان) آپ کہہ دیجئے کہ بس نشانیاں تو اللہ کے قبضے میں ہیں (وہ جب اور جیسے چاہے اتارے) اور میں تو بس ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں (کھلے بندوں نافرمانوں کو جہنم سے) کیا ان کی فرمائشوں کے سلسلہ میں) ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) اتاری ہے جو ان کو سنائی جاتی رہتی ہے (یہ نشانی تو ایک دائمی اور مسلسل نشانی ہے برخلاف دوسری نشانوں کے) بیشک اس کتاب میں بڑی رحمت اور نصیحت (وعظ) ہے ایمانداروں کے لئے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: وَ لَذِكْرِ اللَّهِ أَكْبَرُ: یعنی تمام بہت بڑی ہے۔ ذکر سے نماز کا تذکرہ کیا کیونکہ نماز ذکر پر مشتمل ہے۔ وہ نیکوں پر

فضیلت میں نہایت عمدہ ہے یا اللہ تعالیٰ کا تمہارا تذکرہ کرنا یہ تمہارے اس کی یاد کرنے کے کام سے بڑھ کر ہے۔

قولہ: مِمَّا فُجِّ كُتِبَهُمْ: جو کچھ ان کی کتابوں میں ہے اور یہ مجادلہ حسنہ سے ہے۔

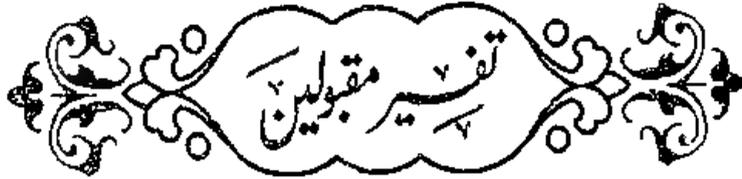
قولہ: إِلَّا الْكُفْرُونَ ③: کفر میں کامل۔

قولہ: وَلَا تَحْطَأُ يَبِينِكَ: یمن کا تذکرہ آپ سے کتابت کی نفی میں شاندار منظر پیش کرتا ہے۔

قولہ: الْيَهُودُ: یعنی تیری نبوت کا دعویٰ باطل ہو اس لیے کہ یہ ہماری کتابوں کے خلاف ہے تو یہ ابطال واقع کے اعتبار سے ہے نہ کہ فرض۔

قولہ: يَحْفَظُونَ: وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں، کسی کو تحریف کی مجال نہیں۔

قولہ: لِرَحْمَةٍ: یہ نعمت کے معنی میں ہے۔



أَتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ

(رابط) گزشتہ آیات میں توحید کا ذکر تھا اور اس بات کا ذکر تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور شرک سے منع کیا بالآخر وہ منکرین ہلاک ہوئے اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کا مضمون ذکر کرتے ہیں اور منکرین رسالت کے بعض شبہات کا جواب دیتے ہیں

قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور نماز قائم کرنے کا حکم:

اس آیت کریمہ میں دو حکم ہیں، پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب آپ کو دی ہے آپ اس کی تلاوت کرتے رہیں۔ تنہائی میں تلاوت کرنا، نمازوں میں قرآن مجید پڑھنا، لوگوں کے سامنے پڑھنا اور اس کی تعلیم دینا الفاظ کا عموم ان سب کو شامل ہے دوسرا حکم یہ ہے کہ آپ نماز قائم کریں۔ دیگر آیات میں بھی نماز قائم کرنے کا حکم وارد ہوا ہے، سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے (الْقِمِ الصَّلَاةَ لِلذُّلُوكِ الشَّمْسِيِّ) اور سورۃ ہود میں فرمایا ہے (وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَرُفُقَاتِي مِنَ اللَّيْلِ) ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے، اور یہ حکم جہاں آپ ﷺ کو ہے وہاں آپ کی امت کو بھی ہے اور امت کو علیحدہ خطاب بھی ہے۔ سورۃ بقرہ میں فرمایا: (وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَأَتُوا الزُّكُوتَ) علماء نے فرمایا ہے کہ لفظ اقامۃ الصلوٰۃ اپنے مفہوم کے اعتبار سے بہت زیادہ عام ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو پڑھنے کی طرح پڑھو اس میں سنتوں اور مستحبات کا اہتمام اور نماز باجماعت کی ادائیگی اور خشوع و خضوع سے پڑھنا سب آجاتا ہے۔

نماز بے حیائی سے روکتی ہے

پھر نماز کا خاصہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: (إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ) (بلاشبہ نماز بے حیائی

سے اور برے کاموں سے روکتی ہے۔)

نماز کا برائیوں سے روکنا دو معنی میں ہو سکتا ہے۔ ایک بطریق تسبب، یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ نے خاصیت و تاثیر رکھی ہو کہ نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دے جیسے کسی دوا کا استعمال کرنا بخار وغیرہ امراض کو روک دیتا ہے۔ اس صورت میں یاد رکھنا چاہیے کہ دوا کے لیے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لیے کافی ہو جائے۔ بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں۔ اس وقت ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔ پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی التاثير دوا ہے۔ جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں اکیسیر کا حکم رکھتی ہے۔ ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ٹھیک مقدار میں اس احتیاط اور بدرقہ کے ساتھ جو اطباء نے تجویز کیا ہو خاصی مدت تک اس پر مواظبت کی جائے۔ اس کے بعد مریض خود محسوس کرے گا کہ نماز کس طرح اس کی پرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ کو دور کرتی ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطور اقتضاء ہو یعنی نماز کی ہر ایک ہیئت اور اس کا ہر ایک ذکر مقضی ہے کہ جو انسان ابھی ابھی بارگاہ الہی میں اپنی بندگی، فرمانبرداری، خضوع و تذلل، ادرحق تعالیٰ کی ربوبیت، الوہیت اور حکومت و شہنشاہی کا اظہار و اقرار کر کے آیا ہے، مسجد سے باہر آ کر بھی بدعہدی اور شرارت نہ کرے اور اس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو۔ گویا نماز کی ہر ایک ادا نمازی کو پانچ وقت حکم دیتی ہے کہ اور بندگی اور غلامی کا دعویٰ کرنے والے واقعی بندوں اور غلاموں کی طرح رہ۔ اور بزبان حال مطالبہ کرتی ہے کہ بے حیائی اور شرارت و سرکشی سے باز آ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز بلاشبہ اسے روکتی اور منع کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ خود روکتا اور منع فرماتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ) (نحل: 90) پس جو بد بخت اللہ تعالیٰ کے روکنے اور منع کرنے پر برائی سے نہیں رکھتا نماز کے ادا کرنے پر بھی ان کا نہ رکنا محل تجب نہیں۔ ہاں یہ واضح رہے کہ ہر نماز کا روکنا اور منع کرنا اسی درجہ تک ہوگا جہاں تک اس کے ادا کرنے میں خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو۔ کیونکہ نماز محض چند مرتبہ اٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔ سب سے بڑی چیز اس میں خدا کی یاد ہے۔ نمازی ارکان صلوٰۃ ادا کرتے وقت اور قرأت قرآن یا دعاء و تسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کو مستحضر اور زبان و دل کو موافق رکھے گا اتنا ہی اس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سنے گا۔ اور اسی قدر اس کی نماز برائیوں کو چھڑانے میں موثر ثابت ہوگی۔ ورنہ جو نماز قلب لاہی و غافل سے ادا ہو وہ صلوٰۃ منافق کے مشابہ ٹھہرے گی۔ جس کی نسبت حدیث میں فرمایا:

((لا یدکر اللہ فیہا الا قلیلا)) اسی کی نسبت ((لم یزد د بہا من اللہ الا بعدا)) کی وعید آئی ہے۔

درحقیقت نماز کو نماز کی طرح پڑھا جائے تو وہ گناہوں کے چھڑانے کا سبب بن جاتی ہے، نماز میں قرأت قرآن بھی ہے اور تسبیح بھی تکبیر بھی ہے تمجید بھی، رکوع بھی ہے سجود بھی، خشوع بھی ہے خضوع بھی، اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اظہار بھی ہے اور اپنی عاجزی اور فروتنی کا تصور بھی، ان سب امور کا دھین کر کے نماز پڑھی جائے تو بلاشبہ نمازی آدمی بے حیائی کے کاموں اور گناہوں سے رک جائے گا، جس شخص کی نماز جس قدر اچھی ہوگی اسی قدر گناہوں سے دور ہوگا اور جس قدر نماز میں کمی ہوگی اسی قدر گناہوں کے چھوٹنے میں دیر لگے گی، آدمی اگر چہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو بہر حال نماز پڑھتا رہے کبھی نہ کبھی اس کی نماز انشاء اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو چھڑا ہی دے گی۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو نماز پڑھتا ہے اور صبح ہوتی ہے تو چوری کر لیتا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس کا نماز پڑھنے والا عمل اسے اس عمل سے روک دے گا جسے تو بیان کر رہا ہے۔ (ذکر صاحب الروع و مزاہ الی احمد و ابن ابی حاتم و ابی یوسف ص ۲۱)

دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ گناہوں میں بھی مشغول رہتے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں اس پر جو اشکال ہوتا ہے اس کا جواب ہمارے بیان میں گزر چکا ہے اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ نماز تو بلاشبہ برائیوں سے روکتی ہے لیکن روکنے کی وجہ سے رک جانا ضروری نہیں، آخر واعظ بھی تو وعظ کرتے ہیں، برائیوں کی وعیدیں سناتے ہیں، پھر جو رکنا چاہتا ہے وہی رک جاتا ہے اور جو رکنا نہیں چاہتا وہ گناہ کرتا رہتا ہے۔ اور بعض علماء نے جواب دیا ہے کہ نماز کم از کم اتنے وقت تک تو گناہوں سے روکتی ہی ہے جتنی دیر نماز میں مشغول رہتا ہے۔

بعض گناہ ایسے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے انسان نماز نہیں پڑھ سکتا نمازی آدمی اس سے ضرور بچے گا۔ مثلاً پیشاب کر کے یوں ہی اٹھ جائے اور استنجانہ کرے، نمازی سے یہ نہیں ہو سکتا، اور کوئی نمازی ستر کھول کر رائیں دکھاتا ہوا نہیں پھر سکتا، اور نماز کو جاتے ہوئے راستہ میں گناہ نہیں کر سکتا۔ اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو غور کرنے سے سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

ذکر اللہ کے فضائل:

نماز کی اہمیت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: **وَلَنذَكُرَنَّ اللّٰهَ الْكَبِيْرَ** (اور اللہ کا ذکر البتہ بہت بڑی چیز ہے) درحقیقت اللہ کا ذکر ہی پورے عالم کی جان ہے، جب تک دنیا میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے آسمان وزمین قائم ہیں اور دوسری مخلوق بھی موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین میں ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (رواہ مسلم ص ۸، ج ۱)

نماز بھی اللہ کا ذکر کرنے کے لیے ہے جو سراپا ذکر ہے، سورۃ طہ میں فرمایا: **(وَاتَّقِ الصَّلٰوةَ لِآلِئِذٍ تُكْرِمُكَ)** کہ میری یاد کے لیے نماز قائم کیجیے، نماز میں اول سے آخر تک ذکر ہی ذکر ہے نمازی آدمی تکبیر تحریر سے لے کر سلام پھیرنے تک برابر اللہ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے، اس کی زبان بھی ذکر اللہ میں مشغول رہتی ہے اور دل بھی۔

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بیان فرمایا: **((كَأَنَّ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِي كُلِّ أَحْيَانِهِ))** (کہ آپ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے)۔ (رواہ مسلم باب ذکر اللہ تعالیٰ حال الجنائزہ وغیرہا)

یوں تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا ہر عمل اللہ کے ذکر میں شامل ہے لیکن دیگر اعمال ایسے ہیں کہ ہر وقت ان کی ادائیگی کے مواقع نہیں ہوتے اور ذکر اللہ ایسی چیز ہے جو وضو بے وضو ہر وقت حتیٰ کہ ناپاکی کی حالت میں بھی ہو سکتا ہے، البتہ غسل فرض ہو تو تلاوت کرنا ممنوع ہے۔

تلاوت قرآن مجید، تسبیح و تحمید، تکبیر، تہلیل، دعایہ سب اللہ کا ذکر ہے، درود شریف بھی اللہ کے ذکر میں شامل ہے، اس میں حضور نبی کریم ﷺ کے لیے اللہ سے رحمت کی دعا مانگی جاتی ہے، وہ لوگ مبارک ہیں جو دل سے بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں، اس

کی نعمتوں کے شکر گزار ہوتے ہیں، اس کی کتاب کی تلاوت میں مشغول رہتے ہیں اور اس کی حمد و ثناء بیان کرتے رہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی تلاوت کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی کتاب میں سے ایک حرف پڑھے اس کی وجہ سے اسے ایک نیکی ملے گی اور ہر نیکی دس گنا ہو کر ملے گی۔ (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح)

اور تسبیح و تحمید وغیرہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر میں ایک بار (سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ) کہہ لوں تو یہ مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج نکلتا ہے۔ (رواہ مسلم کما فی المسکوٰۃ ص ۲۰)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر بلکہ ہیں ترازو میں بھاری ہوں گے، رُحْمٰن کو محبوب ہیں اور وہ یہ ہیں: (سُبْحَانَ اللَّهِ وَيَحْمَدُهُ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ) (رواہ البخاری وهو آخر الحمد یث من کتابہ)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے (سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَيَحْمَدُهُ) کہا اس کے لیے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی، انہوں نے فرمایا کہ اے محمد اپنی امت کو میرا سلام کہہ دینا اور بتا دینا کہ جنت کی اچھی مٹی ہے اور بیٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے یہ ہیں: (سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ) (رواہ الترمذی وقال حسن غریب اسناداً) مطلب یہ ہے کہ جنت میں ہے تو سب کچھ مگر اسی کے لیے ہے جو یہاں سے کچھ کر کے لے جائے، جو عمل سے خالی ہاتھ گیا اس کے لیے تو چٹیل میدان ہی ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک ایسے درخت پر گزر رہا جس کے پتے سوکھے ہوئے تھے، آپ نے اس میں اپنی عصا کو مارا تو پتے جھڑنے لگے آپ نے فرمایا کہ (الْحَمْدُ لِلَّهِ أَوْ سُبْحَانَ اللَّهِ أَوْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) (رواہ الترمذی)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلَّهِ) یعنی سب سے بڑی فضیلت و اما ذکر (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) ہے اور سب سے بڑی فضیلت دعا (الْحَمْدُ لِلَّهِ) ہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا ارشاد فرمائیے! فرمایا: (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ) ہے۔ (رواہ البخاری)

جب ذکر اللہ کی اس قدر فضیلت ہے تو اسی میں نگر رہنا چاہیے، ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیں، بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ کوئی کام کاج نہیں، ریٹائرمنٹ کے بعد بس بیس سال گزار دیتے ہیں، دکانوں میں لڑکے اور ملازم کام کرتے ہیں اور اتنی بڑی قیمتی زندگی فضول گفتگو میں، اخبار پڑھنے میں، دنیا کے ملکوں کا تذکرہ کرنے میں بلکہ غیبتوں میں گزار دیتے ہیں، یہ بڑے نقصان کا سودا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھے جس میں انہوں نے

اللہ کا ذکر نہیں کیا تو یہ مجلس ان کے لیے نقصان کا باعث ہوگی، پھر اگر اللہ چاہے تو انہیں عذاب دے اور چاہے تو مغفرت فرمادے۔
(رواہ الترمذی)

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کی چیزیں تو بہت ہیں آپ مجھے ایک ایسی چیز بتلا دیجیے کہ میں اسی میں لگا رہوں، آپ نے فرمایا: (لَا يَزَالُ لِسَانَكَ رَطْبًا مِمَّنْ ذَكَرَ اللَّهَ) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۸، الترمذی وغیرہ) (کہ تیری زبان ہر وقت اللہ کی یاد میں تر رہے) ایک اور شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ فضیلت کے اعتبار سے سب سے بڑا عمل کون سا ہے؟ فرمایا وہ عمل یہ ہے کہ تو دنیا سے اس حال میں جدا ہو کہ تیری زبان اللہ تعالیٰ کی یاد میں تر ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۸ عن الترمذی وغیرہ)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر اللہ کے علاوہ زیادہ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بولنے سے دل میں قساوت یعنی سختی آ جاتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور وہی شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (رواہ الترمذی)

نیز حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کے لیے صاف کرنے کی ایک چیز ہوتی ہے اور دلوں کو صاف کرنے والی چیز اللہ کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دینے والی کوئی چیز نہیں، صحابہؓ نے عرض کیا کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس قدر جہاد کرے کہ مارتے مارتے اس کی تلوار ٹوٹ جائے تو یہ عمل بھی عذاب سے بچانے میں ذکر اللہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر کما فی المسکوٰۃ ص ۱۹۹) آخر میں فرمایا: وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿۱۰﴾ (اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو) ہر شخص کے اعمال خیر اور اعمال شر کا اس کو علم ہے، وہ اپنی حکمت کے مطابق اصحاب اعمال کا بدلہ دے گا، عمل کرنے والے اس چیز کا مراقبہ کرتے رہیں کہ ہمارے اعمال پیش ہوں گے اور ان کا بدلہ دیا جائے گا۔

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ

اہل کتاب سے مجادلہ اور مباحثہ کرنے کا طریقہ:

ان آیات مبارکہ میں اللہ رب العزت نے اہل کتاب سے مباحثہ کرنے کے بارے میں نصیحت فرمائی ہے، ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ سے جب گفتگو کرنے کا موقع آجائے تو ان سے اچھے طریقے پر بحث کرو۔ یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں، اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کرامؑ مبعوث فرمائے اس لیے ان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور پیغمبروں کی رسالت کے بارے میں کوئی بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی، البتہ خاتم الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے جو منکر تھے ان سے اس بارے میں بحث کرنے کی ضرورت تھی، اور ان لوگوں نے جو اپنے دین میں تحریف کر لی تھی اور اپنی کتابوں کو بدل دیا تھا اور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت مسیح کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا۔ ان کی اس گمراہی پر بھی تمہیہ کرنا ضروری تھا۔ یہودی پہلے سے مدینہ منورہ میں رہتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں سے واسطہ پڑا، ان سے دینی امور میں مباحثہ ہوتا رہتا

تھا اور ایک مرتبہ نجران کے نصاریٰ بھی حاضر ہوئے ان سے بھی بحث ہوئی اور سورۃ آل عمران کے شروع کی تقریباً اسی آیات نازل ہوئیں جن میں مہالہ کی دعوت بھی ہے جو آیت کریمہ: (فَقُلْ تَعَالَوْا اَدْعُ الْاَبْنَاءَ نَاوَابْنَاءَ كُمْ وَنِسَاءَ نَاوَابْنَاءَ كُمْ) (الایہ) میں مذکور ہے۔ اہل مکہ مشرک تھے ان سے بھی بحث ہوئی رہتی تھی۔ سورۃ نحل میں تمام انسانوں سے دعوت حق کا خطاب کرنے کے لیے ارشاد فرمایا: (ادْعُ اِلَى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالتَّوَعُّظِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ) اور یہاں سورۃ عنکبوت میں خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب سے اچھے طریقے پر بحث کرنے کا حکم فرمایا ہے، اچھے طریقے پر بحث کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سخت بات کا جواب نرمی کے ساتھ اور غصہ کا جواب بردباری کے ساتھ اور جاہلانہ شور و شغب کا جواب باوقار گفتگو کے ساتھ دیا جائے، حق کی تبلیغ ہو اور نرمی اور بردباری کے ساتھ ہو تو وہ زیادہ نافع ہوتی ہے، ہاں جن لوگوں نے ضد اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لی ہو تو وہ خوش اخلاقی سے پیش آنے والے داعی کی بات بھی قبول نہیں کرتے لیکن داعی کو چاہیے کہ ہر حال میں حلم اور وقار، سنجیدگی اور نرمی پر قائم رہے مذکورہ بالا نصیحت کے ساتھ (اَلَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا) بھی فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بے انصافی پر ہی اتر آئیں اور بھونڈے طریقے پر گفتگو کرنے لگیں تو تم بھی انہیں ایسا جواب دے سکتے ہو جس سے ان کی بدتمیزی اور بیوقوفی کا کاٹ ہوتا ہو۔

صاحب روح المعانی نے حضرت مجاہد تابعیؒ سے نقل کیا ہے کہ اَلَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ سے وہ اہل کتاب مراد ہیں جنہوں نے اللہ کے لیے بیٹا تجویز کیا اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرایا جنہوں نے یوں کہا کہ: (اِنَّ اللّٰهَ فَعِيْذٌ يَّابِیْوْنَ) کہا: (يَذُ اللّٰهَ مَعْلُوْلَةٌ) ایسی باتیں سن کر مومن آدمی کو زیادہ غصہ آجاتا ہے، اس غصہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور عظمت ثابت کرتے ہوئے کوئی سخت بات نکل جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

اس کے بعد فرمایا: (وَ قُولُوْا اٰمَنَّا بِالَّذِيْ اُنزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهِنَا وَ اِلٰهَكُمْ وَ اٰحَدٌ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ) (اور یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں) اس خطاب میں اہل کتاب سے بات کرنے کا طریقہ بتایا ہے اور وہ یہ کہ تم اہل کتاب سے یوں کہو کہ ہم تو قرآن کریم پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا اور ان کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تم پر نازل ہوئیں یعنی تورات اور انجیل، اور ہمارا اور تمہارا معبود بھی ایک ہی ہے پھر تم دین اسلام سے دور کیوں بھاگتے ہو؟ اگر تمہاری کتابوں کو اللہ تعالیٰ کی کتاب نہ مانتے اور ہمارا تمہارا معبود ایک نہ ہوتا تو اختلاف کرنے اور دور بھاگنے کی کوئی وجہ بھی تھی، جب کوئی وجہ اختلاف نہیں ہے تو آ جاؤ اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آؤ، اختلاف ختم ہم تم ایک، جو کچھ انکار ہے تمہاری طرف سے ہے، اصحاب کتاب ہو کر اللہ کی آخری کتاب سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ دیکھو ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں تم بھی فرمانبردار ہو جاؤ اور اس کے آخری نبی ﷺ پر ایمان لے آؤ۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے عربی میں اس کی تفسیر بیان کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: (لا تصدقوا اهل الكتب ولا تكذبوهم و قُولُوْا اٰمَنَّا بِالَّذِيْ اُنزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهِنَا وَ اِلٰهَكُمْ وَ اٰحَدٌ وَ نَحْنُ لَهٗ

مُسْلِمُونَ) (اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب کرو اور یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا اور ہمارا اور تمہارا مہبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں) جب ہمیں معلوم نہیں کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں یا جھوٹ تو ان کی تکذیب یا تصدیق کیسے کر سکتے ہیں۔

بعض صحابہؓ نے یہود سے جو بعض روایات لی ہیں (اور تفسیر کی کتابوں میں بھی نقل ہو گئی ہیں) وہ صرف تاریخی حیثیت سے لے لی گئی ہیں احکام شرعیہ اور حلال و حرام میں ان کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

وَمَا كُنْتُمْ تَشَلُّونَ مِنْ قَبْلِهِ....

نزول قرآن سے پہلے آپ کی عمر کے چالیس سال ان ہی مکہ والوں میں گزرے۔ سب جانتے ہیں کہ اس مدت میں نہ آپ کسی استاد کے پاس بیٹھے نہ کوئی کتاب پڑھی نہ کبھی ہاتھ میں قلم پکڑا، ایسا ہوتا تو ان باطل پرستوں کو شہ نکالنے کی جگہ رہتی کہ شاید اگلی کتابیں پڑھ کر یہ باتیں نوٹ کر لی ہوں گی، ان ہی کو اب آہستہ آہستہ اپنی عبارت میں ڈھال کر سنا دیتے ہیں۔ گو اس وقت بھی یہ کہنا غلط ہوتا، کیونکہ کوئی پڑھا لکھا انسان بلکہ دنیا کے تمام پڑھے لکھے آدمی مل کر اور کل مخلوق کی طاقت کو اپنے ساتھ ملا کر بھی ایسی بے نظیر کتاب تیار نہیں کر سکتے، تاہم جھوٹوں کو بات بنانے کا ایک موقع ہاتھ لگ جاتا لیکن جب کہ آپ کا امی ہونا مسلمات میں سے ہے تو اس سرسری شبہ کی بھی جڑ کٹ گئی اور یوں ضدی لوگ کہنے کو تو اس کو بھی کہتے تھے۔ (آسَاطِیْرُ الْأَوَّلِیْنَ اَلْکِتَابِہَا فَہِیْ مُثَلِّ عَلَیْہِہُ بُکْرًا وَّ اَصِیْلًا) (الفرقان: ۲۵)

وَقَالُوا الْوَلَاؤُ الْاَوَّلِ عَلَیْہِہُ اَیْتٌ مِّنْ رَّبِّہٖ.....

کافروں کی ضد، تکبر اور ہٹ دھرمی بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے ایسی ہی نشانی طلب کی جیسی کہ حضرت صالح سے ان کی قوم نے مانگی تھی۔ پھر اپنے نبی کو حکم دیتا ہے انہیں جواب دیجئے کہ آیتیں معجزے اور نشانات دکھانا میرے بس کی بات نہیں۔ یہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ اگر اس نے تمہاری نیک نیتیں معلوم کر لیں تو وہ معجزہ دکھائے گا اور اگر تم اپنی ضد اور انکار سے بڑھ بڑھ کر باتیں ہی بنا رہے ہو تو وہ اللہ تم سے دبا ہوا نہیں کہ اس کی چاہت تمہاری چاہت کے تابع ہو جائے تم جو مانگو وہ کر ہی دکھائے گا۔ جیسے ایک اور روایت میں ہے کہ آیتیں بھیجنے سے ہمیں کوئی مانع نہیں سوائے اس کے کہ گذشتہ لوگ بھی برابر انکار ہی کرتے رہے۔ قوم شموڈ کو دیکھو ہماری نشانی اونٹنی جو ان کے پاس آئی انہوں نے اس پر ظلم کیا۔ کہہ دو کہ میں تو صرف ایک مبلغ ہوں پیغمبر ہوں قاصد ہوں میرا کام تمہارے کانوں تک آواز اللہ کو پہنچا دینا ہے میں نے تو تمہیں تمہارا برا بھلا سمجھا دیا نیک بد سمجھا دیا اب تم جانو تمہارا کام جانے۔ ہدایت خلافت اللہ کی طرف سے ہے وہ اگر کسی کو گمراہ کر دے تو اس کی رہبری کوئی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ایک اور جگہ ہے تجھ پر ان کی ہدایت کا ذمہ نہیں یہ اللہ کا کام ہے اور اس کی چاہت پر موقوف ہے۔ بھلا اس فضول گوئی کو تو دیکھو کہ کتاب عزیزان کے پاس آ چکی جس کے پاس کسی طرف سے باطل پہنک نہیں سکتا اور انہیں اب تک نشانی کی طلب ہے۔ حالانکہ یہ تو تمام معجزات سے بڑھ کر معجزہ ہے۔ تمام دنیا کے فصیح و بلیغ اس کے معارضہ سے اور اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز آ گئے۔ پورے قرآن کا تو معارضہ کیا کرتے؟ دس سورتوں کا بلکہ ایک سورت کا معارضہ بھی چیلنج کے باوجود نہ

کر سکے۔ تو کیا اتنا بڑا اور اتنا بھاری معجزہ انہیں کافی نہیں؟ جو اور معجزے طلب کرنے بیٹھے ہیں۔ یہ تو وہ پاک کتاب ہے جس میں گذشتہ باتوں کی خبر ہے اور ہونے والی باتوں کی پیش گوئی ہے اور جھگڑوں کا فیصلہ ہے اور یہ اس کی زبان سے پڑھی جاتی ہے جو محض امی ہے جس نے کسی سے الف با بھی نہیں پڑھا جو ایک حرف لکھنا نہیں جانتا بلکہ اہل علم کی صحبت میں بھی کبھی نہیں بیٹھا۔ اور وہ کتاب پڑھتا ہے جس سے گزشتہ کتابوں کی بھی صحت و عدم صحت معلوم ہوتی ہے جس کے الفاظ میں حلاوت جس کی لطم میں ملاحت جس کے انداز میں فصاحت جس کے بیان میں بلاغت جس کا طرز دلربا جس کا سیاق دلچسپ جس میں دنیا بھر کی خوبیاں موجود۔ خود بنی اسرائیل کے علماء بھی اس کی تصدیق پر مجبور۔ اگلی کتابیں جس پر شاہد۔ بھلے لوگ جس کے مداح اور قائل و عامل۔ اس اتنے بڑے معجزے کی موجودگی میں کسی اور معجزہ کی طلب محض بدعتی اور گریز ہے۔ پھر فرماتا ہے اس میں ایمان والوں کے لیے رحمت و نصیحت ہے۔ یہ قرآن حق کا ظاہر کرنے والا باطل کو برا کرنے والا ہے۔ گزشتہ لوگوں کے واقعات تمہارے سامنے رکھ کر تمہیں نصیحت و عبرت کا موقع دیتا ہے گنہگاروں کا انجام دکھا کر تمہیں گناہوں سے روکتا ہے۔ کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور اس کی گواہی کافی ہے۔ وہ تمہاری تکذیب و سرکشی کو اور میری سچائی و خیر خواہی کو بخوبی جانتا ہے۔ اگر میں اس پر جھوٹ باندھتا تو وہ ضرور مجھ سے انتقام لیتا وہ ایسے لوگوں کو بغیر انتقام نہیں چھوڑتا۔ جیسے خود اس کا فرمان ہے کہ اگر یہ رسول مجھ پر ایک بات بھی گھڑ لیتا تو میں اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ جاں کاٹ دیتا اور کوئی نہ ہوتا جو اسے میرے ہاتھ سے چھڑا سکے۔ چونکہ اس پر میری سچائی روشن ہے اور میں اسی کا بھیجا ہوا ہوں اور اس کا نام لے کر اس کی کبھی ہوئی تم سے کہتا ہوں اس لیے وہ میری تائید کرتا ہے اور مجھے روز بروز غلبہ دیتا جاتا ہے اور مجھ سے معجزات پر معجزات ظاہر کراتا ہے۔ وہ زمین و آسمان کے غیب کا جاننے والا ہے اس پر ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں باطل کا ماننے والے اور اللہ کو نہ ماننے والے ہی نقصان یانتہ اور ذلیل ہیں قیامت کے دن انہیں ان کی بد اعمالی کا نتیجہ بھگتنا پڑھے گا اور جو سرکشاں دنیا میں کی ہیں سب کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ بھلا اللہ کو نہ ماننا اور بتوں کو ماننا اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہوگا؟ وہ علیم و حکیم اللہ اس کا بدلہ دیے بغیر ہرگز نہیں رہے گا۔

قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۚ بِصَدَقِي يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَمِنْهُ خَالِكُمْ
 وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا بِالْبٰطِلِ وَهُوَ مَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ مِنْكُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٩﴾ فِي
 صَفٰتِهِمْ حَيْثُ اِشْتَرَوْا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ ۙ وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۗ وَ لَوْ لَا اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّهٗ
 لَجَآءُهُمُ الْعَذَابُ ۗ عَاجِلًا ۙ وَ لِيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً ۙ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٣٠﴾ بِوَقْتِ اٰتِيَانِهٖ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ
 بِالْعَذَابِ ۗ فِي الدُّنْيَا وَ اِنْ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۙ بِالْكَافِرِيْنَ ﴿٣١﴾ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ
 الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَ يَقُوْنَ فِيْهِ بِالْتَوْنِ اٰى نَامُرُ بِالْقَوْلِ ۙ وَ بِالْبَيٰٓءِ اٰى يَقُوْلُ الْمُوَكَّلُ
 بِالْعَذَابِ ذُو قُوٰمًا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٢﴾ اٰى جَزَاۗئِهٖ فَلَا تَقْرٰوُنَا يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ اَرْضِىْ وَاَرْضَعَةٌ

فَأَيُّ قَوْمٍ فَأَعْبُدُونَ ﴿۵﴾ فِي أَيِّ أَرْضٍ نَبِّسَتْ فِيهَا الْعِبَادَةَ بِأَنَّ لَهَا جِزْوَةَ الْبَيْتِ مِنْ أَرْضٍ لَمْ يَبْسُطْ فِيهَا نَزْلَ
 فِي ضَعْفَاءِ مُسْلِمِي مَكَّةَ كَأَنْوَافِي ضَيْقٍ مِنْ أَظْهَارِ الْإِسْلَامِ بِهَا كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ الْبَيْتَ
 تَرْجِعُونَ ﴿۶﴾ بِالنَّامِ وَالْبَيْتِ بَعْدَ الْبُعْثِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْبُوَنَّهُمْ نَزَلْنَاهُمْ وَفِي قِرَاءَةِ
 بِالْمَثَلَةِ بَعْدَ النَّوْنِ مِنَ النَّوَى الْإِقَامَةُ وَتَعْدِيَتُهُ إِلَى غُرْفٍ بِحَدْفٍ فِي مَنَ الْجَنَّةِ غُرْفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
 الْأَنْهَارُ خَلِيدِينَ مُقَدَّرِينَ الْخُلُودَ فِيهَا لِعَمَلِهِمْ أَجْرُ الْعَمَلِينَ ﴿۷﴾ هَذَا الْأَجْرُ لَهُمُ الَّذِينَ صَبَرُوا عَلَى آذَى
 الْمُسْرِكِينَ وَالْهَجْرَةَ لِأَظْهَارِ الدِّينِ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۸﴾ فَيُزَكِّيهِمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُونَ وَ
 كَايِنَ كَمْ مِّنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا لِيُضْعَفَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ أَيُّهَا الْمُهَاجِرُونَ وَإِن لَّمْ
 يَكُنْ مَعَكُمْ زَادٌ وَلَا نَفَقَةٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۹﴾ بِضَمِّيرِكُمْ وَلَكِنَّ لَأَمْ قَسَمَ سَأَلْتَهُمْ أَيِ
 الْكُفَّارِ مَنَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لِيَقُولَنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۱۰﴾
 يُضْرَفُونَ عَنْ تَوْجِيهِهِ بَعْدَ إِقْرَارِهِمْ بِذَلِكَ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوسِعُهُ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ امْتَحَانًا
 وَيَقْدِرُ يَضِيقُ لَهُ بَعْدَ الْبَسْطِ أَوْلِمَنْ يَشَاءُ ابْتِلَاءً إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنَهُ مَخْلُ الْبَسْطِ
 وَالتَّضْيِيقِ وَلَكِنَّ لَأَمْ قَسَمَ سَأَلْتَهُمْ مَنَ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا
 لِيَقُولَنَّ اللَّهُ فَكَيْفَ يُشْرِكُونَ بِهِ قُلْ لَهُمُ الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى ثُبُوتِ الْحُجَّةِ عَلَيْكُمْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا
 يَعْقِلُونَ ﴿۱۲﴾

ع

تَرْجِعْتُمَا: آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان (میری صداقت پر) بطور گواہ کے اس کو ہر شئی کی خبر ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے (میرا اور تمہارا حال بھی اسی میں ہے) اور جو لوگ ایمان لائے باطل پر (جو غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں) اور اللہ کے مگر ہو گئے (تم میں سے) تو یہ لوگ بڑے زیاں کار ہیں (نقصان میں ہیں کہ کفر کو ایمان کے بدلہ خرید لیا) اور یہ لوگ آپ سے عذاب کا جلد تقاضہ کرتے ہیں اور اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو ان پر (جلد) عذاب آجاتا اور وہ عذاب ان پر دفعتاً آ پینچے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی، یہ لوگ آپ سے عذاب کا جلد تقاضہ کرتے ہیں (دنیا میں) اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جہنم ان کافروں کو گھیرے گا جس دن کہ عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے انہیں گھیرے گا اور حق تعالیٰ فرمائے گا) نقول نوین کے ساتھ یعنی ہم حکم دیں گے اور یاء کے ساتھ بھی ہے یعنی موکل عذاب فرشتہ کہے گا) کہ جو کچھ تم کرتے رہے ہو

چکھو (اس کی سزا بھگتو تم ہم سے بچ نہیں سکتے) اے میرے ایماندار بندو میری زمین فراغ ہے سو خالص میری ہی عبادت کرو (جس سر زمین میں بھی عبادت کرنا ممکن ہو یعنی جہاں عبادت ممکن نہ رہے وہاں سے ہجرت کر جاؤ اس جگہ جہاں عبادت ہو سکے یہ آئیں ان کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئیں جو مکہ میں اظہار اسلام سے عاجز تھے) ہر جان دار کو موت کا مہرہ چکھنا ہے پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے (قیامت کیے دن، ترجعون تا اور یاء کے ساتھ ہے) اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ہم ان کا قیام کرائیں گے (مکان دیں گے ایک قراءت لنشوینہم نون کے بعد ثاء کے ساتھ ہے ثوی سے ماخوذ ہے اور غرف کی طرف متعدی ہے فی محذوف مانتے ہوئے) جنت کے بالا خانوں میں جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے (ان میں ہمیشہ رہنے کی تجویز کر لی گئی ہے) کیا ہی اچھا اجر ہے نیک کام کرنے والوں کا (مذکورہ اجر، یہ وہ) لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا (مشرکین کی ایذا رسانیوں پر اور غلبہ دین کی خاطر ہجرت کرنے پر) اور اپنے خدا پر توکل کرتے رہے (لہذا ان کو ایسی صورتوں سے رزق ملا جن کی طرف سے ان کا وہم و گمان بھی نہ تھا) اور کتنے جانور ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے (کمزور ہونے کی وجہ سے) اللہ ہی انہیں روزی پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی (اے مہاجرین اگرچہ فی الحال تمہارے پاس سامان نہیں ہے) اور وہی خوب سننے والا ہے (تمہاری باتوں کو) خوب جاننے والا ہے (تمہاری پوشیدہ چیزوں کو) اور یقیناً (لام قسمیہ ہے) آپ اگر (کفار سے) دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ تو پھر یہ لائے کدھر چلے جا رہے ہیں (توحید کا اعتراف کرنے کے بعد پھر اس سے پھر رہے ہیں) اللہ ہی روزی فراغ کر دیتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے (آزمائش کے طور پر) اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہے کشادہ کرنے کے بعد یا آزمائش کے طور پر، بلاشبہ اللہ ہی ہر چیز سے واقف ہے اچھی طرح (مخملہ ان کے فراغ اور تنگ کرنے کے مواقع کا جاننا ہے) اور اگر آپ (لام قسمیہ ہے) ان سے پوچھیے کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا؟ پھر اس سے زمین کو خشکی کے بعد تروتازہ کر دیا تب بھی یہ لوگ کہیں گے اللہ نے (پھر کیسے اس کیساتھ شریک کر رہے ہیں) آپ کہہ دیجئے الحمد للہ (کہ تم پر حجت قائم ہو چکی ہے) لیکن اکثر لوگ ان میں سے سمجھتے بھی نہیں (اس بارے میں اپنے تضاد کو)۔

رابط آیات:

پچھلی آیات میں کفار کی عداوت اور توحید و رسالت و حق وال حق سے دشمنی کا بیان تھا اقل کفی ہا اللہ الخ سے توحید و رسالت کی دلیل بیان کی جا رہی ہے چونکہ کفار کی عداوت بسا اوقات اہل ایمان کو ترک وطن اور ہجرت پر مجبور کر دیتی ہے اس لیے آیت: یا عبادی الذین امنوا الخ میں ہجرت کا حکم ہو رہا ہے پھر اس ہجرت میں عزیز واقارب کی محبت اور خیال اور آئندہ نقرہ فاقہ کا اندیشہ رکاوٹ بن سکتا ہے۔ والذین امنوا و عملوا الصلحت الخ میں تسلی دی جا رہی ہے کہ ہم اہل ایمان کو جنت میں بہترین ٹھکانہ دیں گے جو دنیاوی ٹھکانوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور انہیں اہل ایمان کو الذین صبروا الخ سے صبر کی تلقین کی جا رہی ہے آیت: وَلَٰكِنْ سَأَلْتَهُمْ لَخِمْ تَوْحِيدًا كَيْفَ بَيَانٍ هُوَ چوںکہ شروع سورہ سے اہل ایمان کی مختلف پریشانیوں اور

مصائب کا ذکر چلا آ رہا ہے اس لئے اختتام سورہ پر آیت: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِي سَبِيلِنَا وَمُنَالُوا لَنَا بِالْحَقِّ وَأَلَّوْا بِالْبَيْتِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُخْرِجَهُمُ اللَّهُ مِنْهُنَّ بِالْحَقِّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ پر بشارت عظمیٰ دی جا رہی ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: تَعْدِيَّتُهُ: متعدی اس وقت ہوگا جب لَنْبُوْتُهُمْ پڑھیں گے کیونکہ وہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے، اس لئے یہاں دوسرے مفعول کی طرف اس کا تعدیہ حرف جر کے حذف سے ہے اور لَنْبُوْتُهُمْ یہ بذات خود مفعول کی طرف متعدی ہے۔
قوله: هَذَا الْأَجْزُ: یہ مخصوص بالمدح ہے۔

قوله: لِضَعْفِهَا: کمزوری کی وجہ سے اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں۔

قوله: بَعْدَ الْبَسْطِ: پس یہ شخص جس پر وسعت کی گئی اور تنگی کی گئی، باری کے اعتبار سے ایک ہیں۔

قوله: أَوْلَمَنْ يَشَاءُ: اس صورت میں ضمیر من کی طرف راجع نہیں بلکہ من یشاء کی جگہ آگئی اس لیے کہ دونوں کے مبہم ہونے کی وجہ سے دونوں کو جامع ہوگئی۔ گویا لفظ من کمر آ گیا پس مرزوق متعدد ہوئے۔

تفسیر مقبولین

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ...

موت کے بعد کفار کو عذاب اور مومنوں کو جنت:

مشرکوں کا اپنی جہالت سے عذاب الہی طلب کرنا بیان ہو رہا ہے یہ اللہ کے نبی سے بھی یہی کہتے تھے اور خود اللہ تعالیٰ سے بھی یہی دعائیں کرتے تھے کی جناب باری اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا ہمیں اور کوئی دردناک عذاب کر۔ یہاں انہیں جواب ملتا ہے کہ رب العلمین یہ بات مقرر کر چکا ہے کہ ان کفار کو قیامت کے دن عذاب ہونگے اگر یہ نہ ہوتا تو انکے مانگتے ہی عذاب کے مہیب بادل ان پر برس پڑتے۔ اب بھی یہ یقین مانیں کہ یہ عذاب آئیں گے اور ضرور آئیں گے بلکہ انکی بے خبری میں اچانک اور یک بہ یک آ پڑیں گے۔ یہ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور جہنم بھی انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں یعنی یقیناً انہیں عذاب ہوگا۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ جہنم یہی بحرِ خضر ہے ستارے اسی میں جھڑیں گے اور سورج چاند اس میں بے نور کر کے ڈال دیئے جائیں گے اور یہ بھڑک اٹھے گا اور جہنم بن جائے گا۔ مسند احمد میں مرفوع حدیث ہے کہ سمندر ہی جہنم ہے راوی حدیث حضرت یعلیٰ سے لوگوں نے کہا کہ کیا آپ لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آیت: (كَأَنَّهُمْ يُخْرِجُونَ الْجِبَالَ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُغْنِي عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهَا عَاكِفُونَ) (الکہف: ۲۹) یعنی وہ آگ جسے قاتل گھیرے ہوئے ہیں تو فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں یعلیٰ کی جان ہے کہ میں اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گا جب تک اللہ کے سامنے پیش نہ کیا جاؤنگا اور

مجھے اس کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچے گا یہاں تک کہ میں اللہ کے سامنے پیش کیا جاؤں۔ یہ تفسیر بھی بہت غریب ہے اور یہ حدیث بھی بہت ہی غریب ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ اس دن انہیں نیچے سے آگ ڈھا تک لے گی۔ جیسے اور آیت میں ہے: (الہم من جہنم مہادومن فوقہم غواش) ان کے لیے جہنم میں اڑنا پھونکا ہے اور آیت میں ہے: (لَہُمْ مِنْ فَوْقِہُمْ ظُلُلٌ مِنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِہُمْ ظُلُلٌ ذٰلِکَ یُخَوِّفُ اللّٰہُ بِہٖ عِبَادَہٗ فَاَلْقُوْنَ) (المر: ۱۶) یعنی ان کے اوپر نیچے سے آگ ہی کا فرش و سائبان ہوگا۔ اور مقام پر ارشاد ہے: (لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَسْکُتُوْنَ عَنْ وُجُوْہِہُمُ النَّارُ وَلَا عَنْ ظُہُوْرِہُمْ وَلَا ہُمْ یُنصَرُوْنَ) (الانبیاء: ۳۹) یعنی کاش کہ کافر اس وقت کو جان لیں جبکہ نہ یہ اپنے آگے سے آگ کو ہٹائیں گے نہ پیچھے سے ان آیتوں سے معلوم ہو گیا کہ ہر طرف سے ان کفار کو آگ کھا رہی ہوگی آگے سے پیچھے سے اوپر سے نیچے سے دائیں سے بائیں سے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی ڈانٹ ڈپٹ اور مصیبت ہوگی۔ ادھر ہر وقت کہا جائے گا لو اب عذاب کے مزے چکھو پس ایک تو وہ ظاہری جسمانی عذاب دوسرا یہ باطنی روحانی عذاب۔ اسی کا ذکر آیت: (یَوْمَ یُسْعَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْہِہُمْ حُمْقُ مَآسٍ سَفَرًا) (اتر: ۴۸) یعنی جبکہ جہنم میں اوندھے منہ گھیٹے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ لو اب آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ جس دن انہیں دھکے دے دے کر جہنم میں ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا یہ وہ جہنم ہے جسے تم جھٹلاتے رہے اب بتاؤ! یہ جادو ہے؟ یا تم اندھے ہو؟ جاؤ اب جہنم میں چلے جاؤ اب تمہارا مہر کرنا یا نہ کرنا یکساں ہے۔ تمہیں اپنے اعمال کا بدلہ ضرور بھگتنا ہے۔

یُعْبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ اَرْضِیْ وَاِیْسَعَةُ فَاٰتٰی فَاَعْبُدُوْنَ ﴿۱۹﴾

ہجرت کی اہمیت اور ضرورت:

مسالم التنزیل (جلد ۳ ص ۴۷۲) میں علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ آیت: (یُعْبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) (الایۃ) ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے اسلام قبول کر لیا تھا وہاں کے مقامی حالات کی وجہ سے (جو کافروں کی طرف سے دکھ تکلیف کی صورت میں پیش آتے رہتے تھے) اپنا ایمان ظاہر کرنے سے قاصر تھے، اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ میری زمین وسیع ہے فرار ہے یہاں سے ہجرت کر جاؤ، دشمنوں کے خوف کی وجہ سے میری عبادت نہیں کر سکتے ہو تو اس شہر کو چھوڑ دو اور میری عبادت میں لگو۔ اس وقت مدینہ منورہ دارالہجرت تھا، رسول اللہ ﷺ اور بہت سے صحابہ مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے اور اس سے پہلے بہت سے صحابہ حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے، کوئی شخص اللہ کے لیے وطن چھوڑ کر ہجرت کرنے کو آمادہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے اور رہنے کا ٹھکانہ ملتا ہے، جیسا کہ سورۃ نساء میں فرمایا: (وَمَنْ یُّہَاجِرْ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مَرٰغًا کَثِیْرًا وَّاسِعًا) (اور جو شخص اللہ کے لیے وطن چھوڑے وہ زمین میں جانے کی بہت سی جگہ پائے گا اور اسے کشادگی سے جگہ ملے گی) چونکہ وطن کو مستقل طریقہ پر چھوڑ دینا دنیاوی حالات کے اعتبار سے ایک مشکل چیز ہے اس لیے بعض لوگ ہجرت کرنے کی اہمیت نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان سے فرمایا کہ میری زمین بہت وسیع ہے ہجرت کرو اور میری عبادت کرو۔

ہجرت کرنے میں دو طرح کی تکلیفیں پیش آنے کا خطرہ ہوتا ہے، اول موت کا خطرہ (کافروں کی طرف سے حملہ آور ہونے کا قوی احتمال) اور دوسرے بھوکے مرجانے کا خطرہ۔ انسان سوچتا ہے کہ یہاں اپنے گھر میں کمائی کرتا ہوں، بیٹے بھی کھاتے ہیں، تجارت چالو ہے، اپنی کھیتی باڑی ہے، وطن سے باہر نکلتا ہوں تو کھانے کو کہاں سے ملے گا؟
ہر جان کو موت چکھنی ہے:

اللہ تعالیٰ شانہ نے دونوں باتوں کا جواب دے دیا، اول تو یہ فرمایا: **كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ** کہ ہر جان کو موت چکھنی ہے کہیں بھی رہو موت اپنے مقرر وقت پر آجائے گی پھر موت سے کیا ڈرنا اور اس کے لیے ہجرت کو چھوڑنے کے کیا معنی؟ **ثُمَّ رَأَيْنَا أَنْ تُرْجَعُونَ** (پھر موت کے بعد ہمارے پاس آؤ گے) اگر ہجرت کر لی تو اس کا اجر پاؤ گے، اور اگر بالفرض ہجرت نہ کی تو سزا ملے گی۔

اس کے بعد اہل ایمان کے اجر و ثواب کا تذکرہ فرمایا: **(وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ)** (الآیۃ) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ضرور با ضرور ہم انہیں جنت کے بالا خانوں میں ٹھکانہ دیں گے، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا (اتنی بڑی جنت کا چھوٹا سا گھر اور وطن بالوف چھوڑنے کے عوض مل جانا بہت بڑی کامیابی ہے۔

رزق مقدر میں لکھا جا چکا، ضرور ملے گا:

دوسری بات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: **(وَكَأَيِّن مِّن ذَا بَلَاءٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِنَّا كُنْه)** (زمین پر چلنے والے بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق نہیں اٹھاتے، اللہ ان کو رزق دیتا ہے) اس کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ جانور اپنا رزق ساتھ لیے نہیں پھرتے جہاں ہوتے ہیں اللہ ان کا رزق دے دیتا ہے، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ ذخیرہ نہیں رکھتے، جو ملا کھالیا آگے کی فکر نہیں کرتے نہ ان کے یہاں رزق جمع کرنے کا انتظام ہے نہ تحصیل رزق کی کوشش، وہ اسباب کے پیچھے نہیں پڑتے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے رزق عطا فرماتا ہے، اسی طرح جب تم ہجرت کرو گے تو وہ تمہیں رزق دے گا اب تک جس نے کھل یا پلایا ہجرت کے بعد بھی وہی کھلائے پلائے گا۔

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دیتا جیسے پرندوں کو رزق دیتا ہے، وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ، مشکوٰۃ الصالحین ص ۴۵۲)

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ رزق بندہ کو اس طرح طلب کر لیتا ہے جیسے اسے موت طلب کرتی ہے۔ (مشکوٰۃ الصالحین ص ۴۵۴)

آخر میں فرمایا: **وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ** (اور اللہ تعالیٰ سنے والا اور جاننے والا ہے) وہ سب کی باتیں سنتا ہے اور سب کے احوال جانتا ہے، جو شخص اخلاص کے ساتھ ہجرت کرے، سچے دل سے اللہ پر توکل کرے، اور جو شخص عذر کی وجہ سے ہجرت

کرنے سے رکے، اور جو شخص محض دنیاوی مفاد کے پیش نظر ہجرت کے لیے نکلے، اللہ تعالیٰ کو ان سب کے احوال و اقوال معلوم ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو بہت سے لوگ مکہ معظمہ میں رہ گئے ان میں اصحابِ عذر بھی تھے اور وہ لوگ بھی تھے جن کے لیے واقعی عذر نہ تھا، وہ ہجرت کر سکتے تھے، اس زمانے میں مدینے کے لیے ہجرت کرنا فرض تھا، جو شخص ہجرت نہ کرتا اس کا ایمان معتبر نہ سمجھا جاتا تھا، جب مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو ہجرت کی فرضیت منسوخ ہو گئی، لیکن مختلف احوال کے اعتبار سے ہمیشہ ایسے احوال مسلمانوں کے لیے پیش آتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے ایمان اور اعمال باقی رکھنے کے لیے ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے لیکن گھر بار، مال، جائیداد اور رشتہ داروں کی محبت میں وطن نہیں چھوڑتے، ایسی جگہوں میں رہتے ہیں جہاں اذان بھی نہیں دے سکتے، نماز بھی نہیں پڑھ سکتے مگر دنیا کی محبت انہیں ہجرت نہیں کرنے دیتی، ایسے لوگ تارکِ فرض ہوتے ہیں۔ (انوار البیان)

اس کے بعد کی آیات میں رزق کا اصلی ذریعہ بتلایا ہے جو حق تعالیٰ کی عطاء ہے اور فرمایا ہے کہ خود ان منکروں کا فروں سے سوال کرو کہ آسمان زمین کس نے پیدا کیے؟ اور شمس و قمر کس کے تابع فرمان چل رہے ہیں؟ بارش کون برساتا ہے؟ پھر اس بارش کے ذریعہ زمین سے نباتات کون اگاتا ہے؟ تو مشرکین بھی اس کا اقرار کریں گے کہ یہ سب کام ایک ذات حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ تو ان سے کہتے کہ پھر تم اللہ کے سوا دوسروں کی پوجا پاٹ اور ان کو اپنا کارساز کیسے سمجھتے ہو۔ اگلی آیات: **وَكَيِّنَ سَاءَ لَنَهُمْ مِّنْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ سَاءَ فِرْعَوْنَ تَكَ** اسی کا بیان ہے۔

تَنَافَضَهُمْ فِي ذَلِكَ وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُمْ وَكُفُوبٌ وَأَمَّا الْقُرْبُ فَمِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ لِيُظْهِرُوا
 نَمْرَتَهَا فِيهَا وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ مِمَّا كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٢٩﴾ ذَلِكَ مَا أَنْزَلْنَا الدُّنْيَا
 عَلَيْهَا فَإِذَا رَكَبُوا فِي السَّمَاءِ دَعَا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ أَيُّ الدُّعَاءِ أَيُّ لَا يَدْعُونَ مَعَهُ غَيْرَهُ لِأَنَّهُمْ
 فِي شِدَّةٍ وَلَا يَكْشِفُهَا إِلَّا هُوَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿٣٠﴾ بِهِ لِيُكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ
 النِّعْمَةِ وَلِيَتَشْتَعُوا بِاجْتِمَاعِهِمْ عَلَى عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ وَفِي قِرَاءَةِ بِسْمِ اللَّهِ الْإِلَهِيِّ أَمْرٌ تَهْدِيدٌ فَسَوْفَ
 يَعْلَمُونَ ﴿٣١﴾ عَاقِبَةُ ذَلِكَ أَوْ لَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوا أَنَّا جَعَلْنَا بَلَدَهُمْ مَكَّةَ حَرَمًا آمِنًا وَيُخَطَفُ النَّاسُ مِنْ
 حَوْلِهِمْ قَتْلًا وَسَبْيًا ذُو نَهْمٍ أَفْبَالِ الْبَاطِلِ الصَّنَمِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿٣٢﴾ بِإِشْرَاكِهِمْ وَمَنْ
 أَظْلَمُ أَيْ لَا أَحَدًا أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا بَانَ أَشْرَكَ بِهِ أَوْ كَذَبَ بِالْحَقِّ النَّبِيِّ أَوْ الْكِتَابِ لَمَّا
 جَاءَهُ ۗ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ﴿٣٣﴾ أَيُّ فِيهِ ذَلِكَ وَهُوَ مِنْهُمْ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا فِي
 سَبِيلِ اللَّهِ لَنُهَدِيَ يَتَّخِذُوا سُبُلَنَا أَيْ طُرُقَ الشَّيْرِ النَّبَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٤﴾ الْمُؤْمِنِينَ بِالنَّصْرِ وَالْعَوْنِ

تو بچتا ہے: اور یہ دنیاوی زندگی کے جز کھیل تماشہ کچھ بھی نہیں ہے (البتہ قرابت داریاں سو وہ آخرت میں داخل ہیں کیونکہ کہ ان کے ثمرات آخرت سے تعلق رکھتے ہیں) دراصل زندگی آخرت کی ہے (حیوان حیات کے معنی میں ہے) کاش انہیں اس بات کا علم ہوتا (تو یہ دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے) اور یہ لوگ جب کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (دین، دعا کے معنی ہے یعنی اس کے ساتھ کسی اور کو نہیں پکارتے کیونکہ وہ ایسی سختی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ جس سے ان کو اس کے سوا کوئی نجات نہیں دے سکتا) پھر وہ جب انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو پھر ایک دم شریک کرنے لگتے ہیں یعنی جو نعمت ان کو دی ہے اس کی ناشکری کرنے لگتے ہیں یہ لوگ کچھ دن اور فائدہ اٹھالیں، بت پرستی پر جمع ہو کر اور ایک قراءت میں ولیمت معوالام کے سکون کے ساتھ بصیغہ امر تہدید کے لیے آیا ہے (پھر تو انہیں عنقریب معلوم ہوا ہی جاتا ہے، کیا یہ نہیں جانتے کہ ہم نے مکہ شہر کو امن والا بنا دیا حالانکہ ان کے گرد و پیش لوگوں کو نکالا جا رہا ہے (مار دھاڑ کر اور گرفتار کر کے اور یہ لوگ محفوظ ہیں) کیا یہ لوگ جھوٹے معبودوں (بتوں) پر ایمان رکھیں گے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہی کرتے رہیں گے (شرک کر کے) اور اس سے بڑھ کر اور ظالم کون ہے (کوئی نہیں) جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے یا اس طور کہ اس کے ساتھ شرک کرے یا سچی بات (تینمبر یا کتاب) کو جھٹلائے جب اس کے پاس آئے کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنم نہ ہوگا (یہ مکہ والے بھی انہیں میں ہوں گے) اور جو لوگ ہماری راہ (ہمارے حق میں) مشقت برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (تک پہنچنے کے) راستے ضرور دکھلائیں گے اور بلاشبہ اللہ مخلصوں کے ساتھ ہے (اپنی مدد اور اعانت کے ذریعہ)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: بِمَعْنَى الْحَيَاةِ: دنیا کی ذات میں زندگی تو بطور مبالغہ قرار دی گئی۔ حقیقی زندگی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس پر موت کا طاری ہونا منتہی ہے۔

قولہ: لِيَكْفُرُوا: یہ لازم کی ہے۔ یعنی وہ اس لیے شرک کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے شرک کی وجہ سے نجات کی نعمت کی ناشکری اختیار کریں۔

قولہ: فَيُنَا: استفہام تقریری ہے (یعنی الیس میں)

قولہ: جَاهِدُوا فَيُنَا: ہمارے لیے اور ہماری خاطر۔ فی لام سبب کے معنی میں ہے۔

قولہ: السَّيْرِ إِلَيْنَا: یعنی ہماری جناب میں پہنچنے کا راستہ۔

تفسیر مقبولین

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ

دار دنیا کی حقارت اور دار آخرت کی فضیلت:

گزشتہ آیت میں یہ فرمایا: بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۱۱﴾ یعنی اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے دنیا کی ظاہری آرائش پر مفتون ہیں اگر عقل سے کام لیں تو سمجھ جائیں کہ دنیا کا تمام کارخانہ فنا اور زوال اور ضعف اور انحلال پر مبنی ہے تو جان لیں کہ یہ دنیا بالکل بے حقیقت ہے اور سرائے فانی ہے جس سے ایک دن کوچ قطعی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور نہیں ہے یہ دنیاوی زندگانی جس پر یہ بے عقل فریفتہ ہیں مگر طفلان بے شعور کے دل بہلانے کا ایک مشغلہ جیسے بچے لالچی کو گھوڑا بنا کر اس پر سوار ہو جاتے ہیں اس کو بازی بچوں کہتے ہیں اور محض ایک کھیل اور تماشایہ جیسے گانا بجانا اور پتنگ بازی اور کبوتر بازی جس میں بسا اوقات جوان بھی شریک ہو جاتے ہیں یہاں حق تعالیٰ نے دنیا کی حقارت بیان کرنے کے لیے دو لفظ اختیار فرمائے ایک لہو اور ایک لعب اور دونوں کے مفہوم میں لغت کے اعتبار سے کچھ فرق ہے لہو اس مشغلہ کو کہتے ہیں جس سے دل بہل جائے اور لعب کھیل تماشہ کو کہتے ہیں جو تھوڑی دیر رہ کر ختم ہو جائے مگر اس پر کوئی معتد بہ شمرہ مرتب نہیں ہوتا یہی حال دنیاوی زندگی کا ہے مقصود یہ ہے کہ دنیا کی حقیقت صرف اتنی ہے جو اس قابل نہیں کہ اس سے دل لگایا جائے اور تحقیق دار آخرت وہی حقیقی زندگی ہے جو ہر قسم کے تکدر سے پاک اور منزہ ہے اور ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے جہاں موت نہیں پس جس جگہ ہر وقت کوچ کا طبل بجاتا رہتا ہو وہ جگہ جی لگانے کے قابل نہیں کاش کہ لوگ دنیا اور آخرت کے فرق کو سمجھتے تو دنیا میں اس قدر مٹتے ہوتے اور سمجھ لیتے کہ قابل توجہ اور التفات دار آخرت ہے لہذا اگر کچھ عقل ہے تو اصل فکر آخرت کی کرو اور دنیا کو اس کا وسیلہ اور ذریعہ بناؤ پس یہ شیدا یا ان حیوانوں کا دنیا جب کبھی دریا کا سفر کرتے ہیں اور کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور ان کو غرق ہونے کا ڈر ہوتا ہے تو اس وقت اس دنیا کے لہو و لعب کو بھول جاتے ہیں اور اپنے معبودوں کو بھی بھول جاتے ہیں اور اللہ کو پکارتے ہیں در آنحالیکہ خالص اللہ کی عبادت کی نیت کرنے والے ہوتے ہیں اور اپنے معبودوں کو بھول جاتے ہیں اور خوف اور اضطراب کو دفع کرنے کے لیے اللہ کو پکارتے ہیں اور اس کی پناہ ڈھونڈتے ہیں جب اللہ کا نبی توحید کی طرف بلاتا ہے تو صاف انکار کر دیتے ہیں اور جب سر پر مصیبت آ پڑتی ہے تو توحید اور اخلاص کے نعرے لگانے لگتے ہیں پھر جب خدا ان کو اس مصیبت سے نجات دیتا ہے اور سلامتی کے ساتھ دریا سے خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو کشتی سے اترتے ہی حسب عادت پھر شرک کرنے لگتے ہیں جب آفت سر پر آ پینچی تو اللہ کو پکارنے لگے پھر جب وہ آفت سر سے ٹلی تو پھر وہی کفر اور شرک اور بتوں کو پکارنا شروع کر دیا گویا کہ کفر و شرک سے ان کی غرض یہ ہوئی کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہیں اور دنیا کے مزے اڑاتے رہیں خیر بہتر ہے چند روز زل کے ارمان نکال لیں سو معترب جان لیں گے کہ ناشکری کا کیا انجام ہوتا ہے۔

أَوْ لَكُمُ يَوْمَئِذٍ عَذَابٌ مُّهِينٌ

اوپر کی آیات میں مشرکین مکہ کی جاہلانہ حرکتوں کا ذکر تھا کہ سب چیزوں کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ کو یقین کرنے کے باوجود پتھر کے خود تراشیدہ بتوں کو اس کی خدائی کا شریک بتاتے ہیں اور صرف تخلیق کائنات ہی کا اللہ تعالیٰ کو مالک نہیں سمجھتے بلکہ آڑے وقت میں مصیبت سے نجات دینا بھی اسی کے اختیار میں جانتے ہیں مگر نجات کے بعد پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ان کے کفر و شرک کا ایک عذر بعض مشرکین مکہ کی طرف سے یہ بھی پیش کیا جاتا تھا کہ ہم آپ کے دین کو تو حق و درست مانتے ہیں لیکن اس کی پیروی کرنے اور مسلمان ہو جانے میں ہم اپنی جانوں کا خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ کیونکہ سارا عرب اسلام کے خلاف ہے ہم اگر مسلمان ہو گئے تو باقی عرب ہمیں اچک لے جائیں گے اور مار ڈالیں گے۔ (ساروی من امن مہاس روح)

اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا یہ عذر بھی لغو ہے۔ کیونکہ اہل مکہ کو تو حق تعالیٰ نے بیت اللہ کی وجہ سے وہ شرف اور بزرگی دی ہے جو دنیا میں کسی مقام کے لوگوں کو حاصل نہیں ہے۔ ہم نے مکہ کی پوری زمین کو حرم بنا دیا ہے۔ عرب کے باشندے مؤمن ہوں یا کافر سب کے سب حرم کا احترام کرتے ہیں۔ اس میں قتل و قتال کو حرام سمجھتے ہیں حرم میں انسان تو انسان وہاں کے شکار کو قتل کرنا اور وہاں کے درختوں کو کاٹنا بھی کوئی جائز نہیں سمجھتا باہر کا کوئی آدمی حرم میں داخل ہو جائے تو وہ بھی قتل سے مامون ہو جاتا ہے۔ تو مکہ مکرمہ کے باشندوں کو اسلام قبول کرنے سے اپنی جانوں کا خطرہ بتلانا بھی ایک عذر رنگ ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

اس آیت میں ایک اہم مضمون بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اللہ کی رضا اختیار کرنے اور اس کی طلب میں محنت کرنے اور مشقت اٹھانے پر اللہ تعالیٰ شانہ کا وعدہ ہے کہ وہ ضرور بالضرور اپنے راستے پر چلا دے گا۔ آیت شریفہ میں بہت بڑی جامعیت ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جس طرح بھی جو بھی کوششیں کی جائیں مثلاً طلب علم ہو، کافروں سے مقابلہ ہو، اہل فتن سے مقابلہ ہو زبان سے یا قلم سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو یا ظالموں کے سامنے اظہار حق ہو، یہ سب کچھ مجاہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ہمارے بارے میں یعنی ہماری رضا کے لیے ہمارے دین کو بلند کرنے کے لیے محنت کریں گے، تکلیف اٹھائیں گے، مصیبتیں برداشت کریں گے ہم انہیں ضرور ضرور اپنے راستے دکھادیں گے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انہیں اور زیادہ ہدایت سے نوازیں گے جیسا کہ سورۃ محمد میں فرمایا: (وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ) (اور جن لوگوں نے ہدایت کو اختیار کیا اللہ تعالیٰ انہیں اور زیادہ ہدایت دے گا اور انہیں تقویٰ عطا فرما دے گا) دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنت کے راستے دکھادیں گے۔

جو شخص علم میں لگے اللہ تعالیٰ اس کے لیے علم کی راہیں کھول دیتے ہیں اور علم پر عمل کرنے سے مزید علم عطا فرماتے ہیں۔ جو شخص دعوت و تبلیغ اور جہاد کے کام میں لگے، تصنیف و تالیف کا کام کرے اس کا سینہ کھول دیتے ہیں، تفسیر قرآن لکھنے لگے تو اسے ایسی معرفت عطا فرماتے ہیں جس کی وجہ سے قرآن مجید کے اسرار و رموز اس پر کھلتے چلے جاتے ہیں، جو شخص معاشرہ کی اصلاح کرنا چاہے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی نظر معاشرہ کی خرابیوں پر جاتی ہے پھر زبان سے یا تحریر سے ان خرابیوں پر تنبیہ کرنے کی بھی توفیق ہو جاتی ہے اور بات کہنے کے ایسے پیرائے ذہن میں ڈال دیئے جاتے ہیں جنہیں اختیار کرنے سے مخاطبین بات کو قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔ مؤمن بندہ کو اپنے ہر عمل میں مخلص ہونا لازم ہے یعنی محض اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی مدد نازل ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بڑھے تو سہی پھر دیکھے کہ اس کا کیا فضل و انعام ہوتا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے: ((من تقرب منی شبرا تقربت منه ذراعاً ومن تقرب منی ذراعاً تقربت منه

اباعا))۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جو شخص ایک ہاتھ میرے نزدیک ہو تو میں چار ہاتھ اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں۔

آخر میں فرمایا کہ: (إِنَّ اللَّهَ لَمَنَّعُ الْمُحْسِنِينَ) (اور بلاشبہ اللہ محسنین کے ساتھ ہے) لفظ (مُحْسِنِينَ) جمع ہے محسن کی، جو لفظ احسان سے لیا گیا ہے اور احسان کا معنی ہے اچھائی کرنا، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، اس کو وحدہ لا شریک ماننا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کرنا، اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرنا نماز کے ارکان اور اعمال ادا کرنے میں خوبی اختیار کرنا خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھنا، ہر عمل کو ریاء کاری اور شہرت کے جذبہ سے پاک رکھنا اور جس طرح جس عمل کے ادا کرنے کا حکم ہو اسی طرح عمل کرنا لفظ "احسان" ان سب کو شامل ہے۔ جو لوگ صفت احسان سے متصف ہیں وہ محسنین ہیں ان کے بارے میں (وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ) اور (وَيُكَيِّرُ الْمُحْسِنِينَ) فرمایا، اور یہاں سورۃ عنکبوت میں فرمایا، (وَإِنَّ اللَّهَ لَمَنَّعُ الْمُحْسِنِينَ) (اور بلاشبہ اللہ محسنین کے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ کی معیت یہ ہے کہ وہ مدد فرماتا ہے اور آفات و مصائب سے محفوظ رکھتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور ہدایت پر باقی رکھتا ہے اور مزید ہدایت دیتا ہے۔

سورۃ عنکبوت کے ابتداء میں فرمایا: (أَحْسِبُ النَّاسَ أَنْ يُلَازِمُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ) (کیا لوگوں نے یہ خیال کیا کہ ہم یوں کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی) وہاں یہ بتا دیا تھا کہ اہل ایمان کو تکلیفیں پہنچیں گی، اور سورت کے ختم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد و نصرت اور معیت کا وعدہ فرمایا۔

سُورَةُ الرُّومِ

سورة روم مکہ میں نازل ہوئی
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 آیاتھا ۶۰ آیتھا ۶۰

سورة روم مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی ساتھ آیتیں ہیں اور چھ رکوع

الَّذِي اعْلَمَ بِمُرَادِهِ بِهٖ غَلَبَتِ الرُّومُ ﴿۱﴾ وَهُمْ اَهْلُ كِتَابٍ غَلَبَتْهَا فَارِسٌ وَلَيْسُوا اَهْلُ كِتَابٍ بَلْ
 يُعْبُدُونَ الْاَوْثَانَ فَفَرِحَ كُفَّارُ مَكَّةَ بِذٰلِكَ وَقَالُوا لِلْمُسْلِمِيْنَ نَحْنُ نَغْلِبُكُمْ كَمَا غَلَبَتْ فَارِسُ الرُّومُ فِي
 اَدْنٰى الْاَرْضِ اَيْ اَقْرَبِ اَرْضِ الرُّومِ اِلَى فَارِسٍ بِالْجَزِيْرَةِ التَّقِيْ فِيْهَا الْجَيْشَانِ وَالْبَادِي بِالْعَزْوِ وَالْفَرَسِ وَ
 هُمُ اَيِ الرُّومِ مِنْ بَعْدِ عَلَيْهِمْ اَضِيْفَ الْمُضَدَّرِ اِلَى الْمَفْعُوْلِ اَيِ غَلَبَتْ فَارِسُ اِيَّاهُمْ سَيُعْلَبُوْنَ ﴿۲﴾
 فَارِسٌ فِيْ بَضْعِ سِدِّيْنِ ۝ هُوَ مَا بَيْنَ الثَّلَاثِ اِلَى التِّسْعِ اَوِ الْعَشْرِ فَالتَّقِي الْجَيْشَانِ فِي السَّنَةِ السَّابِعَةِ مِنْ
 الْاِلْتِقَاءِ الْاَوَّلِ وَغَلَبَتِ الرُّومُ فَارِسَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدِ ۝ اَيِ مِنْ قَبْلِ غَلَبَةِ الرُّومِ وَمِنْ بَعْدِهِ
 الْمَعْنٰى اَنَّ غَلَبَةَ فَارِسٍ اَوَّلًا وَغَلَبَةَ الرُّومِ ثَانِيًا بِاَمْرِ اللّٰهِ اَيِ اِرَادَتِهِ وَ يَوْمَئِذٍ اَيِ يَوْمِ تَغْلِبُ الرُّومُ يَفْرَحُ
 الْهُمُومُونَ ﴿۳﴾ يَنْصُرِ اللّٰهُ ۝ اِيَّاهُمْ عَلَى فَارِسٍ وَقَدَّرَ حُوقًا بِذٰلِكَ وَعَلِمُوا بِهٖ يَوْمَ وَقُوْعِهِ يَوْمَ بَدْرٍ بِنُزُوْلِ
 جِبْرِئِلَ بِذٰلِكَ فِيْهِ مَعَ فُرْجِهِمْ يَنْصُرِهِمْ عَلَى الْمَشْرِكِيْنَ فِيْهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ ۝ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَالِبُ
 الرَّحِيْمُ ﴿۴﴾ بِالْمُؤْمِنِيْنَ وَعَدَّ اللّٰهُ ۝ مُضَدَّرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهِ وَالْاَضْلُ وَعَدَّهُمُ اللّٰهُ التَّنْصُرَ لَا يُخْلِفُ
 اللّٰهُ وَعَدَّاهُ وَعَدَّهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اَيِ كُفَّارُ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ وَعَدَّهُ تَعَالٰى يَنْصُرِهِمْ يَعْلَمُوْنَ
 ظَاهِرًا مِنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۝ اَيِ مَعَايِشَهَا مِنَ التِّجَارَةِ وَالرَّرَاعَةِ وَالْبِنَاءِ وَالْعَزْرِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَهُمْ عَنِ
 الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ ﴿۶﴾ اِعَادَةُ هُمْ تَاكِدٌ اَوْ لَمْ يَتَّفَكَّرُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ ۝ لِيَرْجِعُوْا عَنْ غَفْلَتِهِمْ مَا
 خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ۝ لِذٰلِكَ تَقِنِيْ عِنْدَ اِنْتِهَائِهِ وَبَعْدَهُ

الْبُغْتُ وَإِنْ كَثُرُوا مِنْ النَّاسِ أَى كُفَّارِ مَكَّةَ بِلِقَائِي رَبِّهِمْ لَكْفِرُونَ ﴿٥﴾ أَى لَا يُؤْمِنُونَ بِالْبُغْتِ بَعْدَ
 الْمَوْتِ أَوْ لَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ مِنَ الْأُمَمِ وَهِيَ
 إِهْلَاكُهُمْ بِتَكْذِيبِهِمْ رُسُلَهُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ كُفُورًا كَمَا دُرُؤُةٌ تُؤَدُّ وَتَأْكُرُ الْأَرْضَ حَرَّتُوهَا وَقَلْبُوهَا
 لِلزَّرْعِ وَالنَّخْرِيسِ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا أَى كُفَّارِ مَكَّةَ وَجَاءَ تُهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
 بِالْمُحَجِّجِ الظَّاهِرَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ بِإِهْلَاكِهِمْ بِغَيْرِ جُزْمٍ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٦﴾
 بِتَكْذِيبِهِمْ رُسُلَهُمْ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ أَسَاءُوا الشُّوْأَى نَابِتُ الْأُسْوَةِ الْأَقْبَحِ خَيْرٌ كَانَ عَلَى رَفْعِ
 عَاقِبَةُ وَأَسْمُ كَانَ عَلَى نَصْبِ عَاقِبَةُ وَالْمُرَادُ بِهَا جَهَنَّمَ وَأَسَاءَ تُهُمْ أَنْ أَى بِأَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ الْفُرْقَانِ
 بِعِ ۙ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٧﴾

تَوْجِیْہِہٖ: اَللّٰہُ (اس کی حقیقی مراد سے اللہ ہی واقف ہے) مغلوب ہو گئے رومی لوگ (یہ اہل کتاب تھے جن پر فارس کے
 لوگ غالب آ گئے تھے جو اہل کتاب نہیں تھے بلکہ بت پرست تھے جس پر کفار مکہ نے خوشیاں منائیں اور مسلمانوں کو طعنہ دیا
 کہ جس طرح اہل فارس رومیوں پر غالب آ گئے ہم بھی تم پر غالب آ کر رہیں گے) قریب ہی کی سر زمین میں یعنی یہ رومی خطہ
 فارسیوں کی بہ نسبت عرب سے قریب تر تھا جو ایک جزیرہ کی صورت میں تھا وہاں دونوں لشکروں کی ٹڈ بھڑ ہوئی اور حملہ کی ابتدا
 فارسیوں کی طرف سے ہوئی اور وہ (رومی) اپنے مغلوب ہونے کے بعد (غلب مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی فارسیوں
 کے رومیوں پر غلبہ کے بعد) عنقریب چند سالوں میں فارسیوں پر غالب آ جائیں گئے) اور وہ تین سال سے نو یا دس کے
 درمیان ہے چنانچہ پہلے مقابلے کے سات سال کے بعد دونوں لشکروں کا دوبارہ مقابلہ ہوا اور رومی فارسیوں پر غالب آ گئے، اللہ
 ہی کے لئے پہلے بھی اختیار تھا اور بعد میں بھی اسی کا اختیار (یعنی رومیوں کے غلبہ سے پہلے بھی اور بعد میں بھی) حاصل یہ ہے کہ
 پہلے حملہ میں فارسیوں کی کامیابی اور دوسرے حملہ میں رومیوں کی کامیابی اللہ ہی کے حکم و ارادہ سے ہوئی ہے) اور اس روز (جب
 رومی کامیاب ہوں گے) مسلمان خوش ہوں گے اللہ کی اس امداد پر (جو رومیوں کی فارسیوں کے مقابلہ میں ہوئی ہے چنانچہ غزوہ
 بدر کے موقع پر جب مسلمانوں کو مشرکین کے مقابلہ میں فتح ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام رومیوں کے غلبہ کی خبر لائے تو مسلمانوں کو بڑی
 شادمانی ہوئی) اللہ جسے چاہے غالب کر دیتا ہے وہ زبردست (غالب) ہے (مسلمانوں پر) بڑا مہربان ہے یہ اللہ کا وعدہ ہے
 (مصدر لفظی طور پر بجائے فعل کے ہے اصل عبارت و وعدہم اللہ النصر تھی) اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کیا کرتا البتہ
 اکثر (کفار مکہ میں سے) نہیں جانتے (اللہ کے وعدہ مدد (کو) یہ لوگ صرف دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں (یہاں کی
 معاشرت تجارت، زراعت، عہارت، باغبانی وغیرہ کو) اور آخرت سے یہ لوگ بے خبر ہیں) لفظ ہم کا تکرار تاکید کے لئے ہے

کیا انہوں نے اپنے دلوں میں غور نہیں کیا (تا کہ غفلت سے باز رہتے) کہ اللہ نے آسمان کو اور زمین کو اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے کسی حکمت ہی سے اور ایک مقررہ میعاد تک کے لئے پیدا کیا ہے (اس لئے مدت پوری ہونے پر یہ دنیا ختم ہو جائے گی اس کے بعد قیامت ہے) اور کثرت سے (مکہ کے رہنے والے) اللہ کی ملاقات کے منکر ہیں (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو نہیں مانتے) کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کا کیا انجام ہوا؟ پچھلی قوموں کو انکے پیغمبروں کے جھٹلانے کی وجہ سے تباہ کر دیا گیا) حالانکہ وہ ان سے طاقت میں بڑھ ہوئے تھے (جیسے قوم عاد و ثمود) انہوں نے زمین کو بویا جو تباہ (کاشت کی اور زمین کو زراعت اور باغبانی کے لئے گاھا) اور اسے آباد کیا تھا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے (کفار مکہ نے) آباد کر رکھا ہے اور ان کے ہاں بھی انکے پیغمبر معجزے (مکمل نشانیاں) لے کر آئے تھے سو اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا (بے تصور نہیں ہلاک کر دیتا) لیکن وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے (اپنے پیغمبروں کو جھٹلا کر) پھر ان لوگوں کا انجام جنہوں نے برا کیا تھا برا ہی ہوا لفظ سوای، اسواء کا مونث ہے بمعنی عقبہ اور عاقبہ کو مرفوع پڑھنے کی صورت میں السوای، کان کی خبر ہوگا اور عاقبہ منصوب پڑھنے کی صورت میں کان کا اسم ہوگا اس سے مراد جہنم اور اس کی برائی ہے اور یہ برائی) اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ کی آیات (قرآن) جھٹلایا اور ان کا مذاق اڑاتے رہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: فِي أَدْنَى الْأَرْضِ: یعنی رومیوں کا جو علاقہ جزیرہ عرب کے قریب ہے اور جزیرہ عرب رومیوں کے علاقہ سے سب سے قریب ہے۔

قولہ: الْجَيْشَانِ: رومیوں اور فارسیوں کے لشکر۔

قولہ: وَالْبَادِي: ابتداء کرنے والا۔

قولہ: بَدَّلَ مِنَ اللَّفْظِ: یعنی يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ کے لفظ سے بدل ہے اور فعل مقدر ہے اور لفظ اللہ کو ضمیر کی جگہ بعد کی وجہ سے لائے۔

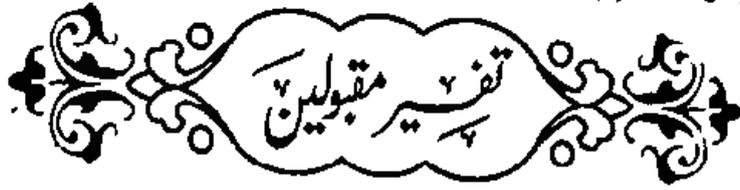
قولہ: أَوْ لَمْ يَتَّفَكَّرُوا: کیا انہوں نے اپنے نفوس کے معاملہ میں سوچ بچار نہیں کی وہ دوسروں کی نسبت ان سے نہایت قریب ہے اور بصیرت والے کے لیے جلی آئینہ ہے۔ اس میں ممکنات سب چیزیں روشن نظر آتی ہیں جن سے ایجاد کرنے والے کی اعادے پر قدرت کا اظہار ہوتا ہے۔

قولہ: مَا خَلَقَ اللَّهُ: یہ قول سے متعلق ہے یعنی فَيَقُولُوا يَا عَالِمُوا۔ یہ مخدوف ہیں اور کلام ان پر دلالت کرتا ہے اور وہ ارشاد ہے أَوْ لَمْ يَتَّفَكَّرُوا ای فبقولوا ویعلموا مَا خَلَقَ اللَّهُ

قولہ: بِذَٰلِكَ جَارَ تَعْلُقِ اجَلِ سے ہے اور ذَلِكْ کا اشارہ مَا خَلَقَ اللهُ کی طرف ہے۔

قولہ: بِإِلْقَائِي رَيْثَهُمْ: وقت مقرر مٹم ہونے پر اس کو جزا دپالے گا۔

قولہ: أَسْأَلُكَ وَاللَّسْتُ أَمِي: یعنی سزا یا بری نصلت، تو ظاہر کو ضمیر کی جگہ لائے تاکہ جوان کا انجام ہونا چاہیے ہو۔



عُلَيْتِ الزُّومُ

معرکہ روم و فارس کا انجام:

یہ آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جبکہ عیثا پور کا شاہ فارس بلاد شام اور جزیرہ کے آس پاس کے شہروں پر غالب آ گیا اور روم کا بادشاہ ہرقل تک آ کر تسطیہ میں محصور ہو گیا۔ مدتوں محاصرہ رہا آخر پانسہ پلٹا اور ہرقل کی فتح ہو گئی۔ مفصل بیان آگے آ رہا ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ رومیوں کو شکست پر شکست ہوئی اور مشرکین نے اس پر بہت خوشیاں منائیں۔ اس لیے کہ جیسے یہ بت پرست تھے ایسے ہی فارس والے بھی ان سے ملتے جلتے تھے اور مسلمانوں کی چاہت تھی کہ رومی غالب آئیں اس لیے کہ کم از کم وہ اہل کتاب تو تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب یہ ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا رومی عنقریب پھر غالب آ جائیں گے۔ صدیق اکبر نے مشرکین کو جب یہ خبر پہنچائی تو انہوں نے کہا آؤ کچھ شرط لگا لو اور مدت مقرر کر لو اگر رومی اس مدت میں غالب نہ آئیں تو تم ہمیں اتنا اتنا دینا دینا اور اگر تم سچے نکلے تو ہم تمہیں اتنا اتنا دیں گے۔ پانچ سال کی مدت مقرر ہوئی وہ مدت پوری ہو گئی۔ اور رومی غالب نہ آئے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خدمت نبوی میں یہ خبر پہنچائی آپ نے فرمایا تم نے دس سال کی مدت مقرر کیوں نہ کی۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں قرآن میں مدت کے لیے لفظ بضع استعمال ہوا ہے اور یہ دس سے کم پر اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ یہی ہوا بھی کہ دس سال کے اندر اندر رومی پھر غالب آ گئے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کے بعد رومی بھی فارسیوں پر غالب آ گئے حضرت عبداللہ کا فرمان ہے کہ پانچ چیزیں گذر چکی ہیں دخان اور لزام اور بطشہ اور شق قمر کا مجزہ اور رومیوں کا غالب آنا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر کی شرط سات سال کی تھی۔ حضور نے ان سے پوچھا کہ بضع کے کیا معنی تم میں ہوتے ہیں؟ جواب دیا کہ دس سے کم۔ فرمایا پھر جاؤ مدت میں دو سال بڑھا دو چنانچہ اسی مدت کے اندر اندر رومیوں کے غالب آ جانے کی خبریں عرب میں پہنچ گئیں اور مسلمان خوشیاں منانے لگے۔ اسی کا بیان ان آیتوں میں ہے۔ اور روایت میں ہے کہ مشرکوں نے حضرت صدیق اکبر سے یہ آیت سن کر کہا کہ کیا تم اس میں بھی اپنے نبی کو سچا مانتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں اس پر شرط ٹھہری اور مدت گذر چکی اور رومی غالب نہ آئے۔ حضور کو جب اس شرط کا علم ہوا تو آپ رنجیدہ ہوئے اور جناب صدیق اکبر سے فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب ملا کہ اللہ اور اس کے رسول کی سچائی پر بھروسہ کر کے آپ نے فرمایا پھر جاؤ اور مدت میں دس سال مقرر کر لو خواہ چیز بھی بڑھانی پڑے۔ آپ گئے مشرکین نے دوبارہ یہ مدت بڑھا کر

شرط منظور کر لی۔ ابھی دس سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ رومی فارس پر غالب آگئے اور مدائن میں ان کے لشکر پہنچ گئے۔ اور رومیہ کی بنا انہوں نے ڈال لی۔ حضرت صدیق نے قریش سے شرط کامل لیا اور حضرت ﷺ کے پاس آئے آپ نے فرمایا اسے صدقہ کر دو۔ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ایسی شرط لگانے کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس میں ہے کہ مدت چھ سال مقرر ہوئی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ پیشینگوئی پوری ہوئی اور رومی غالب ہوئے تو بہت سے مشرکین ایمان بھی لے آئے (ترمذی) ایک بہت عجیب و غریب قصہ امام جنید ابن داؤد نے اپنی تفسیر میں وارد کیا ہے کہ عکرمہ فرماتے ہیں فارس میں ایک عورت تھی جس کے بچے زبردست پہلوان اور بادشاہ ہی ہوتے تھے۔ کسریٰ نے ایک مرتبہ اسے بلوایا اور اس سے کہا کہ میں رومیوں پر ایک لشکر بھیجنا چاہتا ہوں اور تیری اولاد میں سے کسی کو اس لشکر کا سردار بنانا چاہتا ہوں۔ اب تم مشورہ کر لو کہ کسے سردار بناؤ؟ اس نے کہا کہ میرا فلاں لڑکا تو لومڑی سے زیادہ مکار اور شکرے سے زیادہ ہوشیار ہے۔ دوسرا لڑکا فرخان تیر جیسا ہے۔ تیسرا لڑکا شہر برازب سے زیادہ حلیم الطبع ہے۔ اب تم جسے چاہو سرداری دو۔ بادشاہ نے سوچ سمجھ کر شہر براز کو سردار بنایا۔ یہ لشکروں کو لے کر چلا رومیوں سے لڑا بھڑا اور ان پر غالب آ گیا۔ ان کے لشکر کاٹ ڈالے ان کے شہر اجاڑ دیئے۔ ان کے باغات برباد کر دیئے اس سرسبز و شاداب ملک کو دیران و غارت کر دیا۔ اور اذرعات اور صرہ میں جو عرب کی حدود سے ملتے ہیں ایک زبردست معرکہ ہوا۔ اور وہاں فارسی رومیوں پر غالب آ گئے۔ جس سے قریش خوشیاں منانے لگے اور مسلمان ناخوش ہوئے۔ کفار قریش مسلمانوں کو طعنے دینے لگے کہ دیکھو تم اور نصرانی اہل کتاب ہو اور ہم اور فارسی ان پڑھ ہیں ہمارے والے تمہارے والوں پر غالب آ گئے۔ اسی طرح ہم بھی تم پر غالب آئیں گے اور اگر لڑائی ہوئی تو ہم تم کو بتلا دیں گے کہ تم ان اہل کتاب کی طرح ہمارے ہاتھوں شکست اٹھاؤ گے۔ اس پر قرآن کی یہ آیتیں اتریں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ ان آیتوں کو سن کر مشرکین کے پاس آئے اور فرمانے لگے اپنی اس فتح پر نہ اتراؤ یہ عنقریب شکست سے بدل جائے گی اور ہمارے بھائی اہل کتاب تمہارے بھائیوں پر غالب آئیں گے۔ اس بات کا یقین کر لو اس لیے کہ یہ میری بات نہیں بلکہ ہمارے نبی ﷺ کی یہ پیشگوئی ہے۔ یہ سن کر ابی بن خلف کھڑا ہو کر کہنے لگا اے ابوالفضل تم جھوٹ کہتے ہو۔ آپ نے فرمایا اے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے۔ اس نے کہا اچھا میں دس دس اونٹنیوں کی شرط لگاتا ہوں۔ اگر تین سال تک رومی فارسیوں پر غالب آ گئے تو میں تمہیں دس اونٹنیاں دوں گا ورنہ تم مجھے دینا۔ حضرت صدیق اکبر نے یہ شرط قبول کر لی۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے آ کر اس کا ذکر کیا تو آپ نے کہا میں نے تم سے تین سال کا نہیں کہا تھا بضع کا لفظ قرآن میں ہے اور تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔ جاؤ اونٹنیاں بھی بڑھا دو اور مدت بھی بڑھا دو۔ حضرت ابو بکر چلے جب ابی کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا شاید تمہیں پچھتاوا ہوا؟ آپ نے فرمایا سنو میں تو پہلے سے بھی زیادہ تیار ہو کر آیا ہوں۔ آؤ مدت بھی بڑھاؤ اور شرط کامل بھی زیادہ کر دو۔ چنانچہ ایک سوا دن مقرر ہوئے اور نو سال کی مدت ٹھہری اسی مدت میں رومی فارس پر غالب آ گئے اور مسلمان قریش پر چھا گئے۔ رومیوں کے غلبے کا واقعہ یوں ہوا کہ جب فارس غالب آ گئے تو شہر براز کا بھائی فرخان شراب نوشی کرتے ہوئے کہنے لگا میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کسریٰ کے تخت پر آ گیا ہوں اور فارس کا بادشاہ بن گیا ہوں۔ یہ خبر کسریٰ کو بھی پہنچ گئی۔ کسریٰ نے شہر براز کو لکھا کہ میرا یہ خط پاتے ہی اپنے اس بھائی کو قتل کر کے اسکا سر میرے پاس بھیج دو۔ شہر براز نے لکھا کہ اے بادشاہ تم اتنی جلدی نہ کرو۔ فرخان جیسا بہادر شیر اور جرات کے ساتھ دشمنوں کے جھگڑے میں

گھنے والا کسی کو تم نہ پاؤ گے بادشاہ نے پھر جواب لکھا کہ اس سے بہت زیادہ اور شیریں پہلوان میرے دربار میں ایک سے بہتر ایک موجود ہیں تم اس کا غم نہ کرو اور میرے حکم کی فوراً تعمیل کر دے شہر براز نے پھر اس کا جواب لکھا اور دوبارہ بادشاہ کسریٰ کو سمجھایا اس پر بادشاہ آگ بگولا ہو گیا اس نے اعلان کر دیا کہ شہر براز سے میں نے سرداری چھین لی اور اس کی جگہ اس کے بھائی فرخان کو اپنے لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اسی مضمون کا ایک خط لکھ کر قاصد کے ہمراہ شہر براز کو بھیج دیا کہ تم آج سے معزول ہو اور تم اپنا عہدہ فرخان کو دے دو۔ ساتھ ہی قاصد کو ایک پوشیدہ خط دیا کہ شہر براز جب اپنے عہدے سے اتر جائے اور فرخان اس عہدے پر آ جائے تو تم اسے میرا یہ فرمان دے دینا۔ قاصد جب وہاں پہنچا تو شہر براز نے خط پڑھتے ہی کہا کہ مجھے بادشاہ کا حکم منظور ہے، میں بخوشی اپنا عہدہ فرخان کو دے رہا ہوں۔ فرخان جب تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور لشکر نے اس کی اطاعت قبول کر لی تو قاصد نے وہ دوسرا خط فرخان کے سامنے پیش کیا جس میں شہر براز کے قتل کا اور اس کا سردر بار شاہی میں بھیجنے کا فرمان تھا۔ فرخان نے اسے پڑھ کر شہر براز کو بلایا اور اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا شہر براز نے کہا بادشاہ جلدی نہ کر مجھے وصیت تو لکھ لینے دے۔ اس نے منظور کر لیا تو شہر براز نے اپنا دفتر منگوا یا اور اس میں وہ کاغذات جو شاہ کسریٰ نے فرخان کے قتل کے لیے اسے لکھے تھے وہ سب نکالے اور فرخان کے سامنے پیش کیے اور کہا دیکھ اتنے سوال و جواب میرے اور بادشاہ کے درمیان تیرے بارے میں ہوئے۔ لیکن میں نے اپنی عقلمندی سے کام لیا اور عجلت نہ کی تو ایک خط دیکھتے ہی میرے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ ذرا سوچ لے ان خطوط کو دیکھ کر فرخان کی آنکھیں کھل گئیں وہ فوراً تخت سے نیچے اتر گیا اور اپنے بھائی شہر براز کو پھر سے مالک کل بنا دیا۔ شہر براز نے اسی وقت شاہ روم ہرقل کو خط لکھا کہ مجھے تم سے خفیہ ملاقات کرنی ہے اور ایک ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے اسے میں نہ تو کسی قاصد کی معرفت آپ کو کہلواسکتا ہوں نہ خط میں لکھ سکتا ہوں۔ بلکہ میں خود ہی آسنے سامنے پیش کرونگا۔ پچاس آدمی اپنے ساتھ لے کر خود آ جائے اور پچاس ہی میرے ساتھ ہونگے قیصر کو جب یہ پیغام پہنچا تو وہ اس سے ملاقات کے لیے چل پڑا۔ لیکن احتیاطاً اپنے ساتھ پانچ ہزار سوار لے لیے۔ اور آگے آگے جاسوسوں کو بھیج دیا تاکہ کوئی مکر یا فریب ہو تو کھل جائے جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ کوئی بات نہیں اور شہر براز تنہا اپنے ساتھ صرف پچاس سواروں کو لے کر آیا ہے اس کے ساتھ کوئی اور نہیں۔ چنانچہ قیصر نے بھی مطمئن ہو کر اپنے سواروں کو لوٹا دیا اور اپنے ساتھ صرف پچاس آدمی رکھ لیے۔ جو جگہ ملاقات کی مقرر ہوئی تھی وہاں پہنچ گئے۔ وہاں ایک ریشمی قہ تھا اس میں جا کر دونوں تنہا بیٹھ گئے پچاس پچاس آدمی الگ چھوڑ دئے گئے دونوں وہاں بے ہتھیار تھے صرف چھریاں پاس تھیں اور دونوں کی طرف سے ایک ترجمان ساتھ تھا۔ خیمہ میں پہنچ کر شہر براز نے کہا اے بادشاہ روم بات یہ ہے کہ تمہارے ملک کو دیران کرنے والے اور تمہارے لشکروں کو شکست دینے والے ہم دونوں بھائی ہیں ہم نے اپنی چالاکیوں اور شجاعت سے یہ ملک اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ لیکن اب ہمارا بادشاہ کسریٰ ہمارا حسد کرتا ہے اور ہمارا مخالف بن بیٹھا ہے مجھے اس نے میرے بھائی کو قتل کرنے کا فرمان بھیجا میں نے فرمان کو نہ مانا تو اس نے اب یہ طے کر لیا ہے کہ ہم آپ کے لشکر میں آ جائیں اور کسریٰ کے لشکروں سے آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں۔ قیصر نے یہ بات بڑی خوشی سے منظور کر لی۔ پھر ان دونوں میں آپس میں اشاروں کنایوں سے باتیں ہوئی جن کا مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں ترجمان قتل کر دیئے جائیں ایسا نہ ہو کہ یہ راز ان کی وجہ سے کھل جائے کیونکہ جہاں دو کے سوا تیسرے کے کان میں کوئی بات پہنچی تو پھر وہ پھیل جاتی ہے۔ دونوں اس پر

اتفاق کر کے کھڑے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنے ترجمان کا کام تمام کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو ہلاک کر دیا اور حدیبیہ والے دن اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی اصحاب رسول ﷺ اس سے بہت خوش ہوئے۔ یہ سیاق عجیب ہے اور یہ خبر غریب ہے۔ اب آیت کے الفاظ کے متعلق سنئے۔ حروف مقطعه جو سورتوں کے شروع میں ہوتے ہیں ان کی بحث تو ہم کر چکے ہیں سورۃ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں دیکھ لیجئے۔ رومی سب کے سب عیسیٰ بن اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں بنو اسرائیل کے چچا زاد بھائی ہیں۔ رومیوں کو بنو صفر بھی کہتے ہیں یہ یونانیوں کے مذہب پر تھے یونانی یا فٹ بن نوح کی اولاد میں ہیں ترکوں کے چچا زاد بھائی ہوتے ہیں یہ ستارہ پرست تھے ساتوں ستاروں کو مانتے اور پوجتے تھے۔ انہیں متحیرہ بھی کہا جاتا ہے یہ قطب شمالی کو قبلہ مانتے تھے۔ دمشق کی بنا انہی کے ہاتھوں بڑی وہیں انہوں نے اپنی عبادت گاہ بنائی جس کے محراب شمال کی طرف ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد بھی تین سو سال تک رومی اپنے پرانے خیالات پر ہی رہے ان میں سے جو کوئی شام کا اور جزیرے کا بادشاہ ہو جاتا اسے قیصر کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے رومیوں کا بادشاہ قسطنطین بن قسطنس نے نصرانی مذہب قبول کیا۔ اس کی ماں کا نام مریم تھا۔ ہیلانیہ غند قانیہ تھی حران کی رہنے والی۔ پہلے اسی نے نصرانیت قبول کی تھی پھر اس کے کہنے سننے سے اس کے بیٹے نے بھی یہی مذہب اختیار کر لیا۔ یہ بڑا فلسفی، عقلمند اور مکار آدمی تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دراصل دل سے اس مذہب کو نہیں مانا تھا۔ اس کے زمانے میں نصرانی جمع ہو گئے۔ ان میں آپس میں مذہبی چھیڑ چھاڑ اور اختلاف اور مناظرے چھڑ گئے۔ عبداللہ بن اویس سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور اس قدر انتشار اور تفریق ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ تین سو اٹھارہ پادریوں نے مل کر ایک کتاب لکھی جو بادشاہ کو دی گئی اور وہ شاہی عقیدہ تسلیم کی گئی۔ اسی کو امانت کبریٰ کہا جاتا ہے۔ جو درحقیقت خیانت صغریٰ ہے۔ نیز فقہی کتابیں اسی کے زمانے میں لکھی گئی۔ ان میں حلال حرام کے مسائل بیان کیے گئے اور ان کے علماء نے دل کھول کر جو چاہا ان میں لکھا۔ جس قدر جی میں آئی کمی یہ زیادتی اصل دین مسیح میں کی۔ اور اصل مذہب محرف و مبدل ہو گیا مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے لگے۔ بجائے ہفتہ کے اتوار کو بڑا دن بنایا۔ صلیب کی پرستش شروع ہو گئی۔ خنزیر کو حلال کر لیا گیا اور بہت سے تہوار ایجاد کر لیے جیسے عید صلیب عید قدس عید غطاس وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان علماء کے سلسلے قائم کیے گئے ایک تو بڑا پادری ہوتا تھا پھر اس کے نیچے درجہ بدرجہ اور مٹکے ہوتے تھے۔ رہبانیت اور ترک دنیا کی بدعت بھی ایجاد کر لی۔ کلیسا اور گرجے بہت سارے بنائے گئے اور شہر قسطنطیہ کی بنا رکھی گئی۔ اور اس بڑے شہر کو اسی بادشاہ کے نام پر نامزد کیا گیا۔ اس بادشاہ نے بارہ ہزار گرجے بنا دیے۔ تین محرابوں سے بیت لحم بنا۔ اس کی ماں نے بھی تمام بنا دیا۔ ان لوگوں کو ملکیہ کہتے ہیں اس لیے کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر تھے۔ ان کے بعد یعقوب پھر سطور یہ۔ یہ سب سطور کے مقلد تھے۔ پھر ان کے بہت سے گروہ تھے جیسے حدیث میں ہے کہ ان کے بہتر (۷۲) فرقے ہو گئے۔ ان کی سلطنت برابر چلی آتی تھی ایک کے بعد ایک قیصر ہونا آتا تھا یہاں تک کہ آخر میں قیصر ہرقل ہوا۔ یہ تمام بادشاہوں سے زیادہ عقلمند تھا بہت بڑا عالم تھا دانائی زیرکی دور اندیشی اور دور بینی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے سلطنت بہت وسیع کر لی اور مملکت دور دراز تک پھیلا دی اس کے مقابلے میں فارس کا بادشاہ کسریٰ کھڑا ہوا اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اس کی سلطنت قیصر سے بھی زیادہ بڑی تھی۔ یہ مجموعی لوگ تھے آگ کو پوجتے تھے۔ ہندو جہ بالا روایت میں تو ہے کہ اس کا سپہ سالار مقابلہ پر گیا لیکن مشہور بات یہ ہے کہ خود کسریٰ اس کے مقابلے پر

گیا۔ قیصر کو شکست ہوئی یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ میں گھر گیا۔ نصرانی اس کی بڑی عزت اور تعظیم کرتے تھے گو کسریٰ لمبی مدت تک محاصرہ کیے پڑا ہا لیکن دارالسلطنت کو فتح نہ کر سکا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا ملک نصف سمندر کی طرف تھا اور نصف خشکی کی طرف تھا۔ تو شاہ قیصر کو کمک اور رسد تری کے راستے سے برابر پہنچتی رہی آخر میں قیصر نے ایک چاں چلا اس نے کسریٰ کو کہلوا بھیجا کہ آپ جو چاہیں مجھ سے تسلی لے بیجئے اور جن شرائط پر چاہیں مجھ سے صلح کر لیجئے۔ کسریٰ اس پر راضی ہو گیا اور اتنا مال طلب کیا کہ وہ اور یہ مل کر بھی جمع کرنا چاہے تو ناممکن تھا۔ قیصر نے اسے قبول کر لیا کیونکہ اس نے اس سے کسریٰ کی بیوقوفی کا پتہ چلا لیا کہ یہ وہ چیز مانگتا ہے جس کا جمع کرنا دنیا کے اختیار سے باہر ہے بلکہ ساری دنیا مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کر سکتی۔ قیصر نے کسریٰ سے کہلوا بھیجا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اپنے ملک سے باہر چل پھر کر اس دولت کو جمع کر لوں اور آپ کو سو نپ دوں۔ اس نے یہ درخواست منظور کر لی اب شاہ روم نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور ان سے کہا میں ایک ضروری اور اہم کام کے لیے اپنے مخصوص احباب کے ساتھ جا رہا ہوں۔ اگر ایک سال کے اندر اندر آ جاؤں تو یہ ملک میرا ہے ورنہ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ تو آپ ہی ہیں خواہ دس سال تک بھی آپ نہ لوئے تو کیا ہوا۔ یہ یہاں سے مختصری جانناز جماعت لے کر چپ چاپ چل کھڑا ہوا۔ پوشیدہ راستوں سے نہایت ہوشیاری احتیاط اور چالاکی سے بہت جلد فارس کے شہروں تک پہنچ گیا اور یکا یک دھاوا بول دیا چونکہ یہاں کی فوجیں تو روم پہنچ چکی تھیں عوام کہاں تک مقابلہ کرتے۔ اس نے قتل عام شروع کیا۔ جو سامنے آیا تلوار کے کام آیا یونہی بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مدائن پہنچ گیا جو کسریٰ کی سلطنت کی کرسی تھی وہاں کی محافظ فوج پر بھی غالب آیا انہیں بھی قتل کر دیا اور چاروں طرف سے مال جمع کیا۔ ان کی تمام عورتوں کو قید کر لیا اور تمام لڑنے والوں کو قتل کر ڈالا۔ کسریٰ کے لڑکے کو زندہ گرفتار کیا اس محل سرائے کی عورتوں کو زندہ گرفتار کیا۔ اس کی دربارداری عورتیں وغیرہ بھی پکڑی گئیں اس کے لشکر کا سرمنڈا کر گدھے پر بٹھا کر عورتوں سمیت کسریٰ کی طرف بھیجا کہ لیجئے جو مال اور عورتیں اور غلام تو نے مانگے تھے وہ سب حاضر ہیں۔ جب یہ قافلہ کسریٰ کے پاس پہنچا کسریٰ کو سخت صدمہ ہوا یہ ابھی تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کیے پڑا تھا اور قیصر کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کے پاس اس کا کل خاندان اور ساری حرم سرا اس ذلت کی حالت میں پہنچی۔ یہ سخت غضبناک ہوا اور شہر پر بہت سخت حملہ کر دیا لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی اب یہ نہر جیحون کی طرف چلا کہ قیصر کو وہاں روک لے کیونکہ قیصر کا فارس سے قسطنطنیہ آنے کا راستہ یہی تھا۔ قیصر نے اسے سن کر پہلے سے بھی زبردست حملہ کیا یعنی اس نے اپنے لشکر کو تو دریا کے اس دہانے چھوڑا اور خود تھوڑے سے آدی لے کر سوار ہو کر پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیا کوئی ایک دن رات کا راستہ چلنے کے بعد اپنے ساتھ جو کئی چوہ لید گوبر وغیرہ لے گیا تھا اسے پانی میں بہا دیا۔ یہ چیزیں پانی میں بہتی ہوئی کسرا کے لشکر کے پاس سے گذریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر یہاں سے گذر گیا ہے۔ یہ اس کے لشکروں کے جانوروں کے آثار ہیں۔ اب قیصر واپس اپنے لشکر میں پہنچ گیا ادھر کسریٰ اس کی تلاش میں آگے چلا گیا۔ قیصر اپنے لشکروں سمیت جیحون کا دہانہ عبور کر کے راستہ بدل کر قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ جس دن یہ اپنے دارالسلطنت میں پہنچا نصرانیوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ کسریٰ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس کا عجب حال ہوا کہ نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن نہ تو روم ہی فتح ہوا اور نہ فارس ہی رہا رومی غالب آگئے فارس کی عورتیں اور وہاں کے مال ان کے قبضے میں آئے۔ یہ کل امور نو سال میں ہوئے اور رومیوں نے اپنی کھوئی ہوئی

سلطنت فارسیوں سے دوبارہ لے لی اور مغلوب ہو کر غالب آگئے۔ اذراعات اور بصرہ کے معرکے میں اہل فارس غالب آگئے تھے اور یہ ملک شام کا وہ حصہ تھا جو حجاز سے ملتا تھا یہ بھی قول ہے کہ یہ ہزیمت جزیرہ میں ہوئی تھی جو رومیوں کی سرحد کا مقام ہے اور فارس سے ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر نو سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آگئے قرآن کریم میں لفظ بضع کا ہے اور اس کا اطلاق بھی نوتک ہوتا ہے اور یہی تفسیر اس لفظ کی ترمذی اور ابن جریر والی حدیث میں ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر سے فرمایا تھا کہ تمہیں اہل طادس سال تک رکھنے چاہئے تھے کیونکہ بضع کے لفظ اطلاق تین سے نوتک ہوتا ہے اس کے بعد قبل اور بعد پر پیش اضافت ہٹا دینے کی وجہ ہے کہ اس کے بعد حکم اللہ ہی کا ہے اس دن جب کہ روم فارس پر غالب آجائے گا تو مسلمان خوشیاں منائیں گے اکثر علماء کا قول ہے کہ بدر کی لڑائی والے دن رومی فارسیوں پر غالب آگئے۔ ابن عباس سدی ثوری اور ابوسعید ہی فرماتے ہیں ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ غلبہ حدیبیہ والے سال ہوا تھا عکرمہ زہری اور قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے بعض نے اس کی توجیہ یہ بیان کی کہ قیصر روم نے نذرمانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے فارس پر غالب کرے گا تو وہ اس کے شکر میں پیادہ بیت المقدس تک جائے گا چنانچہ اس نے اپنی نذر پوری کی اور بیت المقدس پہنچا۔ یہ یہیں تھا اور اس کے پاس رسول کریم ﷺ کا نامہ مبارک پہنچا جو آپ نے حضرت وحیہ کلبیہ کی معرفت بصری کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل کو پہنچایا تھا ہرقل نے نامہ نبی ﷺ پاتے ہی شام میں جو حجازی عرب تھے انہیں اپنے پاس بلایا ان میں ابوسفیان صحبن حرب اموی بھی تھا اور دوسرے بھی قریش کے ذی عزت بڑے بڑے لوگ تھے اس نے ان سب کو اپنے سامنے بٹھا کر ان سے پوچھا کہ تم میں سے اس کا سب زیادہ قریبی رشتہ دار کون ہے؟ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں ہوں۔ بادشاہ نے انہیں آگے بٹھا لیا اور ان کے ساتھیوں کو پیچھے بٹھا لیا اور ان سے کہا کہ دیکھو میں اس شخص سے چند سوالات کروں گا اگر یہ کسی سوال کا غلط جواب دے تو تم اس کو جھٹلا دینا۔ ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو لوگ اس کو ظاہر کر دیں گے اور پھر اس جھوٹ کو میری طرف نسبت کریں گے تو یقیناً میں جھوٹ بولتا۔ اب ہرقل نے بہت سے سوالات کیے۔ مثلاً حضور کے حسب نسب کی نسبت آپ کے اوصاف و عادات کے متعلق وغیرہ وغیرہ ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے ابوسفیان نے کہا کہ آج تک تو کبھی بد عہدی وعدہ شکنی اور غداری کی نہیں۔ اس وقت ہم میں اس میں ایک معاہدہ ہے نہ جانے اس میں وہ کیا کرے؟ ابوسفیان کے اس قول سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس میں حضور ﷺ اور قریش کے درمیان یہ بات ٹھہری تھی کہ آپس میں دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی۔ یہ واقعہ اس قول کی پوری دلیل بن سکتا ہے کہ رومی فارس پر حدیبیہ والے سال غالب آئے تھے۔ اس لیے کہ قیصر نے اپنی نذر حدیبیہ کے بعد پوری کی تھی واللہ اعلم۔ لیکن اس کا جواب وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ غلبہ روم فارس پر بدر والے سال ہوا تھا یہ دے سکتے ہیں کہ چونکہ ملک کی اقتصادی اور مالی حالت خراب ہو چکی تھی ویرانی غیر آبادی و تنگ حالی بہت بڑھ گئی تھی اس لیے چار سال تک ہرقل نے اپنی پوری توجہ ملک کی خوشحالی اور آبادی پر رکھی۔ اس کے بعد اس طرف سے اطمینان حاصل کر کے نذر کو پوری کرنے کے لیے روانہ ہوا واللہ اعلم۔ یہ اختلاف کوئی ایسا اہم امر نہیں۔ ہاں مسلمان رومیوں کے غلبہ سے خوش ہوئے اس لیے کہ وہ کیسے ہی ہوں تاہم تھے اہل کتاب۔ اور ان کے مقابلے میں مجوسیوں کی جماعت تھی جنہیں کتاب سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ تو لازمی امر تھا کہ مسلمان ان کے غلبے سے ناخوش ہوں اور رومیوں کے غلبے

سے خوش ہوں۔ خود قرآن میں موجود ہے کہ ایمان والوں کے سب سے زیادہ دشمن یہود اور مشرک ہیں اور ان سے دوستیاں رکھنے میں سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں اس لیے کہ ان میں علماء اور درویش لوگ ہیں اور یہ متکبر نہیں قرآن سن کر یہ رو دیتے ہیں کیونکہ حق کو جان لیتے ہیں پھر اترار کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم ایمان لائے تو ہمیں بھی ماننے والوں میں کر لے۔ پس یہاں بھی یہی فرمایا کہ مسلمان اس دن خوش ہو گئے جس دن اللہ تعالیٰ رومیوں کی مدد کرے گا وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ بڑا غالب اور بہت مہربان ہے۔ حضرت زبیر کلای فرماتے ہیں میں نے فارسیوں کا رومیوں پر غالب آنا پھر رومیوں کا فارسیوں پر غالب آنا پھر روم اور فارس دونوں پر مسلمانوں کا غالب آنا اپنی آنکھوں سے پندرہ سال کے اندر دیکھا لیا آخر آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے بدلہ اور انتقام لینے پر قادر اور اپنے دوستوں کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرمانے والا ہے۔ جو خبر تمہیں دی ہے کہ رومی عنقریب رومیوں پر غالب آ جائیں گے یہ اللہ کی خبر ہے رب کا وعدہ ہے پروردگار کا فیصلہ ہے۔ ناممکن ہے کہ غلط نکلے نکل جائے یا خلاف ہو جائے۔ جو حق کے قریب ہو اسے بھی رب حق سے بہت دور والوں پر غالب رکھتے ہیں ہاں اللہ کی حکمتوں کو کم علم نہیں جان سکتے۔ اکثر لوگ دنیا کا علم تو خوب رکھتے ہیں اس کی گھتیاں منٹوں میں سلجھا دیتے ہیں اس میں خوب دماغ دوڑاتے ہیں۔ اس کے برے بھلے نقصان کو پہچان لیتے ہیں بہ یک نگاہ اس کی اونچ نیچ دیکھ لیتے ہیں۔ دنیا کمانے کا پیسے جوڑنے کا خوب سلیقہ رکھتے ہیں لیکن اسوردین میں اخروی کاموں میں محض جاہل غبی اور کم فہم ہوتے ہیں۔ یہاں نہ ذہن کام کرے نہ سمجھ پہنچ سکے نہ غور و فکر کی عادت۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں بہت سے ایسے بھی ہیں کہ نماز تک تو ٹھیک پڑھ نہیں سکتے لیکن درہم چنگی میں لیتے ہی وزن بتا دیا کرتے ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں دنیا کی آبادی اور رونق کی تومیسوں صورتیں ان کا ذہن گھڑ لیتا ہے۔ لیکن دین میں محض جاہل اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

أَوْلَمَّا يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ...

کائنات کا ہر ذرہ دعوتِ فکر دیتا ہے:

چونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ حق بل دعا کی قدرت کا نشان ہے اور اس کی توحید اور ربوبیت پر دلالت کرنے والا ہے اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ موجودات میں غور و فکر کیا کرو اور قدرت اللہ کی نشانیوں سے اس مالک کو پہچانو اور اس کی قدر و تعظیم کرو۔ کبھی عالم علوی کو دیکھو کبھی عالم سفلی پر نظر ڈالو کبھی اور مخلوقات کی پیدائش کو سوچو اور سمجھو کہ یہ چیزیں عبث اور بیکار پیدا نہیں کی گئیں۔ بلکہ رب نے انہیں کارآمد اور نشان قدرت بنایا ہے۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے یعنی قیامت کا دن۔ جسے اکثر لوگ مانتے ہی نہیں۔ اس کے بعد نبیوں کی صداقت کو اس طرح ظاہر فرماتا ہے کہ دیکھ لو ان کے مخالفین کا کس قدر عبرتناک انجام ہوا؟ اور ان کے ماننے والوں کو کس طرح دونوں جہاں کی عزت ملی؟ تم چل پھر کر اگلے واقعات معلوم کرو کہ گذشتہ امتیں جو تم سے زیادہ زور آور تھیں تم سے زیادہ مال و زر والی تھیں تم سے زیادہ آبادیاں انہوں نے کیں تم سے زیادہ کھیتیاں اور باغات ان کے تھے اس کے باوجود جب ان کے پاس اس زمانے کے رسول آئے انہوں نے ویلیں اور معجزے دکھائے اور پھر بھی اس زمانے کے ان بدنصیبوں نے ان کی نہ مانی اور اپنے خیالات میں مستغرق رہے اور سیاہ کاریوں میں مشغول رہے تو بالآخر عذاب اللہ ان پر برس

پڑے۔ اس وقت کوئی نہ تھا جو انہیں بچا سکے یا کسی عذاب کو ان پر سے ہٹا سکے۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے۔ یہ عذاب تو ان کے اپنے کرتوتوں کا وبال تھا۔ یہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے رب کی باتوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ان کی بے ایمانی کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں کو انکی نگاہوں کو پھیر دیا اور انہیں ان کی سرکشی میں حیران چھوڑ دیا ہے۔ اور آیت میں ہے ان کی کجی کی وجہ سے اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور اس آیت میں ہے کہ اگر اب بھی منہ موڑیں تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں پر ان کی پکار کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔

اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ أَيُّ يَنْشِئُ خَلْقَ النَّاسِ ثُمَّ يُعِيدُهُ أَيُّ خَلَقَهُمْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ⑤
 بِالنَّارِ وَالنَّيِّبِ وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ⑥ يَسْكُتُ الْمُسْرِ كِزْنَ لَا يَنْقَطِعُ حُجَّتِهِمْ وَ لَمْ
 يَكُنْ أَيُّ لَا يَكُونُ لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ مِمَّنْ أَسْرَكُوهُمْ بِاللَّهِ وَ هُمْ الْأَصْنَامُ لِشَفَعُوا لَهُمْ شَفَعُوا
 وَ كَانُوا أَيُّ يَكُونُونَ بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ⑦ أَيُّ مُتَّبِعِينَ مِنْهُمْ وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ تَأْكُفِدُ
 يَتَفَرَّقُونَ ⑧ أَيُّ الْمُؤْمِنُونَ وَ الْكَافِرُونَ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ
 يُحْبَرُونَ ⑨ يُسْرُونَ وَ أَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا الْقُرْآنِ وَ لِقَائِي الْآخِرَةِ الْبُعْثِ وَ غَيْرِهِ
 فَأُولَئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ⑩ فَسَبِّحْ لِلَّهِ أَيُّ سَبَّحُوا اللَّهَ بِمَعْنَى صَلُّوا حِينَ تُسَبِّحُونَ أَيُّ
 تَدْخُلُونَ فِي الْمَسَاءِ فِيهِ صَلَاتَانِ الْمَغْرِبِ وَ الْعِشَاءِ وَ حِينَ تُصْبِحُونَ ⑪ تَدْخُلُونَ فِي الصَّبَاحِ وَ فِيهِ
 صَلَاةُ الصُّبْحِ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ اعْتَزَّضْ وَ مَعْنَاهُ يَحْمَدُهُ أَهْلُهُمَا وَ عَشِيًّا عَطْفُ عَلَى
 حِينَ وَ فِيهِ صَلَاةُ الْعَصْرِ وَ حِينَ تَطْهَرُونَ ⑫ تَدْخُلُونَ فِي الظُّهْرِ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ كَمَا لِلنَّسَانِ مِنَ
 التُّطْفَةِ وَ الطَّائِرِ مِنَ الْبَيْضَةِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ التُّطْفَةَ وَ الْبَيْضَةَ مِنَ الْحَيِّ وَ يُحْيِي الْأَرْضَ بِالنبَاتِ بَعْدَ
 مَوْتِهَا أَيُّ يَبْسُطُهَا وَ كَذَلِكَ الْإِخْرَاجُ تُخْرِجُونَ ⑬ مِنَ الْقُبُورِ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَ لِلْمَفْعُولِ

ع ۵

ترجمہ: اللہ تعالیٰ خلق کو اول بار بھی پیدا کرتا ہے (یعنی لوگوں کی تخلیق کی ابتداء وہی کرتا ہے) پھر وہی دوبارہ بھی اس کو پیدا کرے گا (یعنی لوگوں کے مرنے کے بعد انہیں جلئے گا) پھر اسی کے پاس تم لائے جاؤ گے (تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز مجرم لوگ آس توڑ کر رہ جائیں گے (ان کے پاس دلیل نہ ہونے کی وجہ سے چپ رہ جائیں گے اور ان کے شریکوں میں سے) جنہیں ان لوگوں نے خدا کا ساتھی ٹھہرایا تھا یعنی بت تاکہ وہ ان کے سفارشی ہوں) ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور یہ لوگ اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے (ان سے الگ تھلگ ہو جائیں گے) اور جس روز قیامت

قائم ہوگی اس روز (یہ یومِ مشیل پہلے یوم کی تاکید ہے) سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے (یعنی مومن اور کافر) چنانچہ جو لوگ ایمان لائے تھے اور انہوں نے اچھے کام کئے تھے وہ تو باغ (جنت) میں لگن (مسرور) ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری (قرآنی) آیات کو اور آخرت کے پیش آنے (بعث وغیرہ) کو جھٹلایا تھا سو ایسے لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے پس تم اللہ کی تسبیح کیا کرو اللہ کی تسبیح پڑھتے رہو (یعنی نماز پڑھا کرو) شام کے وقت (یعنی جب تم شام کرو سب حوا یعنی صلوا ہے اس میں مغرب اور عشاء کی نمازیں آگئیں) اور صبح کے وقت (صبح ہونے پر) (اس میں نماز فجر آگئی) اور تمام آسمانوں اور زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے (یہ جملہ معترضہ ہے یعنی آسمان زمین میں رہنے والے اسی کی حمد کرتے ہیں) اور زوال کے بعد (اس کا عطف لفظ حین پر ہے اس میں نماز عصر آگئی) اور ظہر کے وقت بھی (ظہر میں جب آؤ۔ اس میں نماز ظہر آگئی) وہ جاندار کو بے جان سے باہر نکلتا ہے (جیسے انسان نطفہ سے اور پرندہ انڈے سے) اور بے جان (نطفہ اور انڈے) کو جاندار سے باہر نکلتا ہے اور زعمہ کرتا ہے زمین کو (بزیوں سے) اس کے مردہ (خشک) ہونے کے بعد اس (نکلنے) کی طرح تم بھی باہر لائے جاؤ گے (قبروں سے تخرجون معروف اور مجہول دونوں طرح ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: لَا يَكُونُ: ماضی کے الفاظ سے اس کو تعبیر کیا تاکہ اس کا یقین ہونا ثابت کر دیا جائے۔
 قولہ: سَبَّحُوا اللَّهَ: یہ خبر ہے جو امر کے معنی میں لائی گئی ہے۔
 قولہ: فِي الظُّهْرِ: دن کا اور میان، دوپہر۔

تفسیر مقبولین

اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ.....

یہاں سے معاد یعنی حشر شروع ہوتا ہے اور اس بات کو مدلل کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ مخلوق کو شروع سے پیدا کرتا ہے، یہ بات نہیں کہ پیدا کر کے فارغ ہو گیا، اگرچہ بھاری بھاری چیزیں اس عالم کی تو پیدا کر دیں۔ جیسا کہ آسمان و زمین، کواکب و عناصر۔ اب ان کے علاوہ انسان نباتات حیوان ہر روز لکھوں چیزیں پیدا کیا کرتا ہے کہ ان کا اول میں کچھ نام و نشان بھی نہیں ہوتا ہے۔ پھر جو سرے سے پیدا کرتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے بلکہ اس کا وعدہ ہے کہ وہ اس عالم کے فنا ہونے کے بعد ہر چیز کو بارگرا پیدا کرے گا اور پھر لوگ عدالت کے دربار میں خدا تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں گے۔ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ۝ یہاں سے اس روز کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جس دن قیامت برپا ہوگی نافرمان و مجرم ناامید ہو جائیں گے۔ مجرم کون ہیں، کافر و مشرک اور اہل اسلام میں سے فاسق و بدکار، مگر آیت میں کافر و مشرک مراد ہیں، ان کے وہ دلی منصوبے سب

جاتے رہیں گے۔ بعض کہا کرتے تھے کہ ہم کو گناہی بچالے گی، بعض کہتے تھے کہ گائے کی دم پکڑ کے بحر عذاب سے پار ہو جاویں گے اور براہمن نے اس مسئلہ کو اپنے معتقدوں کے دل میں خوب جمار کھا تھا، اس لیے دھرماتما گائے دان کیا کرتے تھے۔ بعض مہاراجہ یہ سمجھتے تھے کہ نیل پر سوار ہو کر پار ہو جاویں گے۔ بعض کہتے تھے ہنومان جی بچالیں گے، بعض کہتے تھے۔ حضرت عیسیٰ مسیح تو ہمارے تمام گناہ خواہ وہ کیسے ہی ہوں، اپنے اوپر اٹھا کے لے گئے۔ اب کیا ہے جس نے بہتسہ یعنی اصطبارغ پایا مرتے ہی خدا تعالیٰ کے دائیں طرف تخت رب العالمین کا کنارہ دبا کر بیٹھ جاویں گے، اس طرح مکہ بلکہ عرب کے بت پرست کہیں لات منات پر تکیہ کیے ہوئے تھے، کہیں ملائکہ عناصر اور آفتاب کو قاضی الحاجات دافع المشکلات جانتے تھے۔ وہاں دیکھیں گے تو کچھ بھی نہیں و لَمْ يَكُنْ لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ اِنَّ كَافِرِيْنَ اِنْ كَانَتْ سِغَاتِمْ كَفْرًا نَّ هُوَ اَبْلَغُ مِنْ شُرَكَائِهِمْ كَفِرْتُمْ اِنَّ كَافِرِيْنَ ۝ اپنے ان معبودوں سے منکر ہو کر کہنے لگیں گے کہ ہم تو ان کو نہیں پوجتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ: سیدکفرون بعبادتهم۔

ہاں حضرات انبیاء خصوصاً سید المرسلین ﷺ اور ان کے پیرو کاہن ان ایمانداروں کے لیے ضرور سفارش کریں گے کہ جن سے بمقتضائے بشریت کوئی خطا دنیا میں ہو گئی ہے، کیونکہ وہ درگاہ کبریائی کے باغی نہ تھے کہ جو اس کے سوا انہوں نے کسی کو معبود بنا لیا ہو اور آیت میں صاف اشارہ ہے کہ جو کوئی ان انبیاء کو معبود بنا لے گا، اس کی وہ سفارش نہ کریں گے۔ پھر انجام کار وہاں کیا ہوگا؟ اس کی تفصیل فرماتا ہے، وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِئِنَّا يَتَفَقَّهُونَ ۝ کہ اس روز قیامت برپا ہوگی۔ خدا تعالیٰ کے مجرموں کو فرمانبرداروں سے الگ کر دیا جاوے گا۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ يَمُرُّوْا بِمِثْلِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَلَا يَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّسِيْرًا وَّ لَا يَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّسِيْرًا وَّ لَا يَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّسِيْرًا وَّ لَا يَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّسِيْرًا ۝ کہ انہوں نے نیک کام کیے وہ بیشتوں میں چین کریں گے۔ مدار نجات کا ایمان اور نیک کام کرنے پر رکھا ہے، خواہ اس میں کوئی غریب ہو یا امیر وضع ہو یا شریف وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ يَمُرُّوْا بِمِثْلِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَلَا يَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّسِيْرًا وَّ لَا يَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّسِيْرًا وَّ لَا يَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّسِيْرًا ۝ کہ انہوں نے کفر اختیار کیا۔ اللہ کی آیتیں جھٹلائیں اور قیامت کے منکر ہوئے۔ اس میں شرک اور ہر قسم کی بدکاری اور گناہ بھی آگئے، جن کو وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَلَا يَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّسِيْرًا وَّ لَا يَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّسِيْرًا وَّ لَا يَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّسِيْرًا ۝ کہ انہوں نے کفر جو شرک کرتے ہیں۔ وہ آیات توحید کی تکذیب کرتے ہیں اور معصیت کو حلال جان کر کرتے ہیں، اس میں تکذیب آیات قیامت ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحَضَّرُوْنَ ۝ پس وہ عذاب میں پکڑے ہوئے لائے جاویں گے۔ یحبرون یسرون بانواع اللسار لحظة فليحظة جره اذا سره (نیشاپوری)

وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِئِنَّا يَتَفَقَّهُونَ ۝

قیامت کے دن مختلف جماعتیں ہونگی، مؤمنین باغوں میں مسرور ہوں گے، مجرمین بد حال ہوں گے:

ان آیات میں اول تو یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر جب سب مر جائیں گے تو دوبارہ زندہ فرمادے گا اور یہ دوبارہ زندہ ہونا قیامت کے دن ہوگا، مرنے والے زندہ ہو کر اس دن حساب کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اس کے بعد مجرمین کی حالت بیان فرمائی کہ جب قیامت قائم ہوگی تو وہ ناامید ہو جائیں گے، ان مجرموں میں شرک بھی ہوں گے جنہوں نے دنیا میں مخلوق کو عبادت میں اللہ کا شریک بنا رکھا تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے لیے سفارش

کریں گے ان میں سے کوئی بھی ان کی سفارش نہیں کرے گا نہ کر سکے گا بلکہ شفاعت کے امیدوار خود ہی منکر ہو جائیں گے اور یوں کہیں گے کہ ہم تو مشرک تھے ہی نہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن حاضر ہونے والے مختلف حالتوں میں ہوں گے، اہل ایمان کی حالت اہل کفر کی حالت سے مختلف ہوگی، جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ تو بہشت کے باغوں میں مسرور اور خوش و خرم ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا اور قیامت کے دن کی ملاقات کو نہ مانا، یہ لوگ عذاب میں حاضر کر دیئے جائیں گے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُمْبِحُوْنَ ﴿۵﴾

اس ارشاد سے اس حقیقت سے آگہی بخشی گئی کہ اسی کیلئے حمد و ثنا ہے آسمانوں اور زمین میں۔ یعنی اس پوری کائنات میں۔ ارشاد فرمایا کہ اسی کے لیے ہے تعریف آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ زبان حال سے تو۔ زمین و آسمان۔ کی ہر چیز اسی کی تسبیح و تعریف کرتی ہے۔ اور زبان قائل سے بھی اس کی لاتعداد بے شمار مخلوق اس کے ذکر و تسبیح سے رطب اللسان اور سرشار و شاد کام ہے۔ اور جب اس کی یہ شان ہے تو پھر تمہیں بھی ہر وقت اسی کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہنا چاہیے۔ نیز اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اس غنی مہطلق اور محمود مطلق کو تمہاری حمد و ثنا کی کوئی حاجت نہیں کہ اس کی حمد و ثنا تو زمین و آسمان کی ہر چیز کر رہی ہے اور برابر و لگا تار کر رہی ہے۔ مگر تمہاری اس تحمید و ثنا کا فائدہ خود تم ہی لوگوں کو ہوگا اور وہ اپنے کرم سے تمہیں اس کی جزا سے نوازے گا۔ نیز جو اس کی حمد و ثنا سے مشرف و شاد کام ہوتے ہیں وہ اس پوری کائنات سے ہم آہنگ اور اس کی سر میں شریک ہوتے ہیں۔ اور جو اس کے علاوہ اور کسی کی بندگی کرتے ہیں۔ ان کا سر اس کائنات سے بالکل بے جوڑ ہوتا ہے۔ بہر کیف وہی وحدہ لا شریک ہے جس کی حمد و ثنا سے کائنات کا ایک ایک گوشہ معور و منور ہے۔

وَمِنْ آيٰتِهِ تَعَالٰى الدَّابَّةِ عَلَى قُدْرَتِهِ تَعَالٰى اَيُّ اَضْلٰكُمْ اَدَمُ اَنْ تَمَّ اِذَا اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّنْ دَمٍ وَّلَحْمٍ تَتَنَسَّرُوْنَ ﴿۵﴾ فِى الْاَرْضِ وَمِنْ آيٰتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا فَاَخْلَقْتَ خَوًّا مِّنْ ضَلْعٍ اَدَمٍ وَّ سَائِرِ النِّسَاءِ مِّنْ نُطْفِ الرَّجَالِ وَ النِّسَاءِ لِيَتَسَكَّنُوْا اِلَيْهَا وَ تَالِفُوْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ جَمِيْعًا مَّوَدَّةً وَ رَحْمَةً ۗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶﴾ فِى ضَنْعِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمِنْ آيٰتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اَخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ اَيُّ لُغَاتِكُمْ مِّنْ عَرَبِيَّةٍ وَ عَجَمِيَّةٍ وَ عِبْرِهِمَا وَ اَوْلَانِكُمْ ۗ مِّنْ بَيَاضٍ وَ سَوَادٍ وَ غَيْرِ هِمَا وَ اَنْتُمْ اَوْ لَادُ رَجُلٍ وَ اِحِدٍ وَ اَمْرَاةٍ وَ اِحِدَةٍ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّدٰلٰلٍ عَلَى قُدْرَتِهِ تَعَالٰى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷﴾ بِفَتْحِ اللّٰمِ وَ كَسْرِهَا اَيُّ ذَوِّ الْعُقُوْلِ وَ اَوْلٰى الْعِلْمِ وَمِنْ آيٰتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَ

النَّهَارِ بِإِزَادَتِهِ تَعَالَى رَاحَةً لَكُمْ وَابْتِغَاءَ وَكُمْ بِالنَّهَارِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ أَي تَصَرُّفُكُمْ فِي طَلَبِ الْمَعِيشَةِ
 بِإِزَادَتِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُسْمِعُونَ ﴿۳۷﴾ سَمَاعٌ تَدْبُرُ وَاعْتِبَارٌ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمْ أَي إِزَاتِكُمْ
 الْبُرُقَ خَوْفًا لِلْمَسَافِرِ مِنَ الصُّوَاعِقِ وَطَمَعًا لِلْمُقِيمِ فِي الْمَطَرِ وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ
 الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ أَي يُبَيِّنُهَا بِأَنَّ ثَبِتَ إِنَّ فِي ذَلِكَ الْمَذْكَورِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۳۸﴾ يَتَدَبَّرُونَ
 وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ۚ بِإِزَادَتِهِ مِنْ عَمِيرٍ عَمِدٌ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ
 الْأَرْضِ ۚ بِأَنَّ يَنْفُخَ اسْتِرَافِقِلُ فِي الصُّورِ لِيُبْعَثَ مِنَ الْقُبُورِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ﴿۳۹﴾ مِنْهَا أَحْيَاءٌ فَخَرُّوا حُكْمَ
 مِنْهَا بَدْعُوه مِّنْ آيَاتِهِ تَعَالَى وَ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ مُلَكًا وَخَلْقًا وَعَبِيدًا ۚ كُلُّ لَهُ قَدْتُونَ ﴿۴۰﴾
 مُطِيعُونَ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ لِلنَّاسِ ثُمَّ يُعِيدُهُمْ بَعْدَ هَلَاكِهِمْ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ مِنَ الْبَدْأِ
 بِالنَّظَرِ إِلَى مَا عِنْدَ الْمُخَاطَبِينَ مِنْ أَنْ أَعَادَةَ الشَّيْءِ أَشْهَلُ مِنْ إِجْتِدَائِهِ وَالْأَفْهَمُ عِنْدَهُ تَعَالَى سِوَايَ فِي
 السَّهْوَةِ وَ لَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَى فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ أَي الصِّفَةُ الْعُلْيَا وَهِيَ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَهُوَ الْعَزِيزُ
 فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ﴿۴۱﴾ فِي خَلْقِهِ

۳۷

ترجمہ: اور اسی نشانیوں میں سے (جو اللہ کی قدرت پر انہماکی کرنے والی ہیں) یہ ہے کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا (یعنی تمہارے باپ آدم کو) پھر تھوڑے ہی روز بعد تم (خون اور گوشت سے) آدمی بن کر (زمین میں) پھیل گئے اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی ہم جنس بیویاں بنا لیں (چنانچہ جو آدم کو آدم کی پسلی سے اور باقی عورتوں کو مردوں اور عورتوں کے نطفے سے پیدا کیا) تاکہ تم کو ان کے پاس سکون حاصل ہو (ان سے الفت ہو) اور تم میاں بیوی میں (باہمی) محبت اور ہمدردی پیدا کی اس (بیان کردہ بات) میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو (اللہ کی صنعت میں) فکر سے کام لیتے رہتے ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں یعنی لغات کا (اختلاف ہے) بعض عربی اور بعض عجمی وغیرہ اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے کسی کا رنگ سفید اور (کسی کا کالا وغیرہ) حالانکہ تم ایک مرد اور ایک عورت کی اولاد ہو۔ دانش مندوں کے لئے یقیناً ان میں قدرت کی نشانیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو علم و عقل رکھنے والوں کے لئے اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا لینا ہے رات اور دن میں (اللہ کے ارادہ سے تمہیں آرام پہنچانے کے لئے) اور (دن میں) تمہارا اللہ کی روزی کو تلاش کرنا ہے (اللہ کے حکم سے مطلب معاش کے لئے تمہارے وسائل اختیار کرنا ہے) اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں (غور اور عبرت کا سنتا) اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم

کو دکھاتا ہے بجلی جس سے (مسافروں کو کڑک سے) ڈر بھی معلوم ہوتا ہے اور مقیموں کو بارش کی امید بھی نظر آتی ہے اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے (یعنی سوکھ جانے کے بعد اس میں پیداوار کرتا ہے) اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں (نصیحت حاصل کرتے ہیں) اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں (بغیر ستون کے محض اس کے ارادے پر) پھر جب وہ تمہیں پکار کر زمین سے بلائے گا (اس طرح کہ اسرائیل قبروں سے اٹھنے کے لئے صورت پھونکیں گے تو تم یکبارگی نکل پڑو گے) زمین سے زندہ ہو کر۔ سو اللہ کے حکم سے تمہارا زمین سے نکل پڑنا اللہ کی نشانیوں میں سے ہے) اور اسی کی ملک ہیں جو کچھ آسمان اور زمین میں ہیں (ملوک اور مخلوق اور بندے ہیں) سب اسی کے تابع (مطیع) ہیں اور وہی ہے جو پہلی بار مخلوق (لوگوں) کو پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا (مرنے کے بعد) اور یہ تو اس کے لئے بہت آسان ہے (ابتدائی پیدائش کے مقابلہ میں۔ مخاطبین کے اس نقطہ نظر کی رو سے کہ کسی چیز کا دہرانا بہ نسبت پہلی دفعہ کے آسان ہوا کرتا ہے ورنہ خدا کے لئے تو ابتداء اور اعادہ دونوں آسان ہونے میں برابر ہیں) اور آسمان اور زمین میں اس کی شان اعلیٰ ہے (بلند صفت ہے یعنی یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) اور وہ (اپنی سلطنت میں) زبردست اور (پیدا کرنے میں) حکمت والا ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: إِذَا أَنْتُمْ: إِذَا مفاعلات کے لیے ہے کہ پھر تم اچانک پھیلنے والے انسان بن گئے۔

قولہ: وَسَائِرِ النِّسَاءِ: اور تمام عورتوں کو آدمیوں کے نظموں سے پیدا کیا۔

قولہ: لِتَسْكُنُوا: تاکہ تم اس کی طرف میلان اختیار کر سکو۔

قولہ: جَمِيعًا: تمام مردوں و عورتوں کے مابین نکاح کے ذریعہ محبت و تعلق پیدا کیا یا افراد جنس کے درمیان مؤدت پیدا کی۔

قولہ: مِنْ بَيَاضٍ: اس طرح کہ اس سے امتیاز ہو، یہاں تک کہ جڑواں بچے بھی مختلف ہوتے ہیں۔

قولہ: يُرِيكُمْ الْبُرْقِ: ان مقدر ہے۔ ای بان بیری کم اس لیے تاکہ تم کو بجلی دکھائے۔

قولہ: طَبَعًا: نفس کی علت ہونے کی وجہ سے منصوب کیا۔ مقارنت کی وجہ سے اصل علت سے تشبیہ مقصود ہے اور قائل ایک ہے اللہ تعالیٰ خوف و طمع کے خالق ہیں۔

قولہ: بَارِزَاتِهِ: امر سے تعبیر کمال قدرت اور آلات سے استغناء میں مبالغہ کے لیے لائے۔

قولہ: وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ: ۱۔ هُوَ کا ذکر لانا اس کے ساتھ ساتھ کہ وہ اعادہ کی طرف لوٹنے والی ہے تو یہ خبر کے لحاظ سے ہے اور هُوَ مفعول ہے۔

قولہ: فِي السَّمَوَاتِ: ان دونوں میں اسی ہی کے ساتھ اس کی تعریف ہوتی ہے فرمان سے ہو یا دولت سے۔

قولہ: وَهِيَ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ: یعنی الوہیت والی صفت اور وحدانیت والی صفت ہے۔

تفسیر مقبولین

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر اور توحید کے دلائل یہ پوری آٹھ آیات کا ترجمہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق اور مخلوقات میں تصرف فرمانے کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق اور تصرفات بیان فرماتے ہوئے بار بار یوں فرمایا ہے کہ اس میں نشانیاں ہیں، یہ بات چار جگہ فرمائی ہے۔ اولاً: (إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ) اور ثانیاً: (إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْغَالِبِينَ) اور ثالثاً: (إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ) اور رابعاً: (إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ) فرمایا ہے، درحقیقت ان آیات میں جن مظاہر قدرت کو بیان فرمایا ہے، ان میں غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق اور صفت ربوبیت والوہیت اور اس کا وحدہ لا شریک نہ ہونا پوری طرح سمجھ میں آ جاتا ہے۔ آخری تین آیتوں میں قیامت کے دن دوبارہ پیدا فرمانے کا تذکرہ فرمایا ہے، اور یہ فرمایا کہ جس نے ابتداء تخلیق فرمائی وہ دوبارہ بھی پیدا فرمائے گا۔

اول: تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے تم لوگ انہیں کی نسل سے ہو، سورۃ نساء میں فرمایا: (يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَذِئْبًا وَنِسَاءً) (اے لوگو! اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی ایک جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے خوب زیادہ مرد و عورت پھیلانے) (نَفْسٍ وَاحِدَةٍ) (ایک جان) سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں، ان کی تخلیق مٹی سے تھی لہذا سب انسانوں کی اصل مٹی ہی ہوئی۔ اسی لیے یہاں سورۃ روم میں (خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ) فرمایا، حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے ان کا جوڑا پیدا کیا یعنی حضرت حوا جو دم میں آئیں، پھر دونوں میاں بیوی سے نسل چلی، نسلیں چلتی ہیں مرد و عورت پیدا ہوتے ہیں، تدریجی طور پر نشوونما ہوتی ہے، ہوش سنبھالتے ہیں، جسم میں قوت آتی ہے، اپنی حاجات اور ضروریات کے لیے زمین میں پھیل پڑتے ہیں، مٹی جو بالکل بے جان چیز تھی، اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلہ بنایا پھر اس میں جان ڈال دی، اس طرح سب سے پہلے انسان کی تخلیق ہوئی۔ اس کے بعد برابر مادہ منویہ سے تخلیق ہو رہی ہے جس نے بے جان مٹی میں جان ڈال دی اور بے جان مادہ سے جاندار کو پیدا فرما دیا۔ اسے قدرت ہے کہ وہ موت دینے کے بعد دوبارہ پیدا فرما دے، جبکہ مٹی میں رمل مل چکے ہوں گے۔

پہلے رکوع کے ختم پر جو (وَكَذَلِكَ نُخْرِجُكُمْ مِنْ رُحْمِ أُمَّكُمْ) فرمایا تھا اس کی مزید تفہیم اس رکوع کی پہلی آیت میں فرمادی۔ دوم: یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے جوڑے پیدا فرمادیے جو تم ہی میں سے ہیں یعنی عورت مرد جو آپس میں شرعی نکاح کے ذریعہ زوجین بن جاتے ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے۔ اگر وہ بیویاں پیدا نہ فرماتا تو انسان کو زندگی گزارنا دودھ بھر ہو جاتا۔ بیویوں کے تذکرہ میں جو (خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا) فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عورتیں جو تمہاری بیویاں ہیں یہ تمہاری ہی جنس سے ہیں، اگر یہ ہم جنس نہ ہوتیں تو الفت کے ساتھ زندگی نہ گزرتی، اسی لیے (لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا) بھی فرمایا،

مطلب یہ ہے کہ ان بیویوں کی تخلیق تمہارے لیے ہے تاکہ تم ان کے پاس جاؤ اور ان سے تمہیں سکون حاصل ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیوی وہ ہونی چاہیے جس کے پاس جانے اور رہنے اور زندگی گزارنے سے سکون اور چین نصیب ہو۔ جب میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے آرام و راحت کا خیال رکھتے ہیں تو اچھی طرح زندگی گزرتی ہے، جن عورتوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ نافرمانی کرتی ہیں، بات بات میں لڑتی جھگڑتی ہیں وہ مرد کے لیے وبال بن جاتی ہیں۔

مزید فرمایا: (وَجَعَلْ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً) (اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا فرمادی) یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ میاں بیوی میں ایسا تعلق پیدا فرمادیتا ہے کہ صرف شرعی قانونی ہی نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کے دل میں الفت بھی پیدا فرمادیتا ہے اور رحمت بھی یہ دونوں ایک دوسرے کے چاہنے والے اور ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد اور رحمت کا برتاؤ کرنے والے بن جاتے ہیں۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ شوہر کہاں کا بیوی کہاں کی، جب نکاح ہو جاتا تو ایک دوسرے میں بے مثال محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، (لَمْ تَزَلْ لِمُعَاہِدِينَ مَفْعَلِ النَّكَاحِ) مکتوٰۃ الصواع صفحہ ۲۶۸ (کہ اے مخاطب دو محبت کرنے والوں میں نکاح سے بڑھ کر تو نے کوئی چیز نہیں دیکھی) چونکہ نکاح والی زندگی ہے اور اس میں جذبات نفسانیہ کی تسکین کے علاوہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کے جذبات بھی ہوتے ہیں اور عموماً زندگی بھر ساتھ رہنے کی نیت ہوتی ہے اس لیے مؤمن مرد اور عورت آپس میں میل و محبت سے رہنے ہی کو ترجیح دیتے ہیں اور آپس میں اونچ نیچ کو نباہتے ہوئے زندگی گزارتے رہتے ہیں۔

بعض مفسرین نے یہاں یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ (مَوَدَّةً) کا تعلق جوانی کے زمانہ سے ہے جس میں دونوں کی خواہشات آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے پر مجبور کرتی ہیں اور (رَحْمَةً) کا تعلق بڑھاپے سے ہے جب جذبات شہوانیہ ختم ہو جاتے ہیں تو آپس میں صرف رحمت ہی کا تعلق رہ جاتا ہے اور طبعی طور پر ایک دوسرے پر رحم کھاتے ہیں کہ جس کے ساتھ اتنی لمبی زندگی گزار رہی ہے اس کے اعذار اور امراض کے زمانہ میں خدمت کرنی چاہیے اور اس کے کام آنا چاہیے۔ نکاح سے پہلے بھی یہ دیکھ لینا ہے کہ عورت میل و محبت کے ساتھ رہنے والی ہے یا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے (تَزَوُّجُوا النُّوُودَ وَالْوُلُودَ فَإِنَّ مَكَاثِرَهُ بِكُمْ الْأُمَّمِ) (ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت کے ساتھ گزارہ کرنے والی ہو اور جس سے اولاد زیادہ ہو کیونکہ میں دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا) رواہ ابوداؤد و الترمذی کانی مکتوٰۃ الصواع صفحہ ۲۶۸۔ عورت کے خاندان کی عورتوں کے احوال جاننے سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ خاندان کثیر الاولاد ہے کہ نہیں۔

نکاح کے برخلاف جو نفسانی تعلق مردوں اور عورتوں میں پیدا ہو جاتا ہے جس کا مظہر ہر زنا کاری کی صورت میں ہوتا ہے، اس سے آپس میں محبت پیدا نہیں ہوتی، ایک نفسانی اور مطلب برآری کا تعلق ہوتا ہے یہ تعلق کٹتا رہتا ہے، جہاں جس سے مطلب نکلتا دیکھا اسی سے جوڑ لگایا پھر جب جی چاہا تعلق تو زریا۔ جیسا کہ انگلینڈ میں اس کا عام مزاج اور رواج بن گیا ہے وہاں زنا کار مرد اور عورت جو آپس میں دوست (فرینڈ) بنتے ہیں وہ جھوٹی دوستی ہوتی ہے، آپس میں محبت اور رحمت کے وہ جذبات نہیں ہوتے جو شرعی نکاح کی وجہ سے دلوں میں رچ بس جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مؤمن بندہ کو خوف خدا کی نعمت حاصل ہونے کے بعد نیک بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت حاصل نہیں ہوئی، اگر اس بیوی کو حکم دے تو فرمانبرداری کرے اور اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کرے اور اگر وہ اس سے متعلق کوئی قسم کھا بیٹھے تو اسے قسم میں سچا کر دے (ایسا معاملہ نہ کرے جس سے اس کی قسم ٹوٹ جائے) اور اگر شوہر کہیں چلا جائے تو اپنی جان میں اور اس کے مال میں اس کی خیر خواہی کرے۔ مشکوٰۃ الصالح صفحہ ۲۶۸۔ (یعنی اس کی خیانت نہ کرے) مرد کو بھی چاہیے کہ نبائے اور آرام پہنچانے کی فکر رکھے اگر کوئی بات ناگوار ہو تو اسے ٹال دے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مؤمن مرد اپنی مؤمن بیوی سے بغض نہ رکھے اگر اس کی کوئی خصلت ناگوار ہوگی تو دوسری خصلت پسند آ جائے گی۔ (رواہ مسلم)

(إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ) (بلاشبہ ان میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں) یعنی میاں

بیوی کے۔

مذکورہ تعلق کے مختلف پہلوؤں پر اور ان سے حاصل ہونے والے دینی اور دنیاوی مقاصد پر نظر کی جائے تو بہت سی نشانیاں سمجھ آ سکتی ہیں۔

سوم: آسمان اور زمین کی تخلیق کا اور:

چهار: انسان کی بولیوں اور نکتوں کا تذکرہ فرمایا، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ آسمان و زمین کی تخلیق کا دیگر آیات میں بھی تذکرہ ہے، ان دونوں کا وجود سب کے سامنے عیاں ہے، ظاہر ہے، آسمان اور زمین بڑی چیزیں ہیں، بنی آدم آسمان کے نیچے رہتے ہیں، زمین کے فرش پر بستے ہیں انسانوں کی زبانوں کا مختلف ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا مظاہرہ ہے، انسانوں کو بولنے کی صفت سے متصف فرمانا اور اسے الفاظ و کلمات سکھانا اور بات کرنے کی قوت اور استعداد عطا فرمانا یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور اس میں قدرت الہیہ کا مظاہرہ بھی ہے، جس کسی کو گونگا بنا دیا وہ بول نہیں سکتا اور جس کسی کو بولنے کی قوت دی ہے وہ حروف اور کلمات کی ادائیگی میں خود مختار نہیں، حروف کے جو مخارج اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادئے ہیں انسان انہی مخارج سے حروف ادا کرنے پر مجبور ہے۔ ب دونوں ہونٹوں کے ملنے سے ادا ہوتی ہے اور میم کا مخرج بھی یہی ہے لیکن ب بری ہے اور میم بحری ہے (اسے اصحاب تجوید جانتے ہیں) ایک کو دوسرے کی جگہ سے ادا نہیں کر سکتے، جب ب اور میم کا یہ حال ہے جو بہت زیادہ قریب المخرج ہیں (بلکہ دونوں کا مخرج ایک ہی بتایا جاتا ہے) تو ب کو جیم کے مخرج سے اور جیم کو ج کے مخرج سے کیسے ادا کر سکتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جو قوت گویائی عطا فرمائی ہے یہ مختلف لغات میں اور بے شمار بولیوں میں بٹی ہوئی ہیں، مشرق سے مغرب تک اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کتنی زبانیں ہیں، ہر زبان کے لغات علیحدہ ہیں، طرز تکلم مختلف ہے، کسی زبان میں مضاف الیہ پہلے بولا جاتا ہے اور کسی زبان میں مضاف پہلے ہوتا ہے، بعض زبانوں میں مذکر مونث کے لیے ایک ہی فعل ہے (مثلاً فارسی میں) اور بعض زبانوں میں تشبیہ کا صیغہ الگ ہے اور جمع کا صیغہ اس سے مختلف ہے، بعض زبانوں میں وہ حروف ہیں جو دوسری زبانوں میں

نہیں ہیں مثلاً اور ظ اور ا اور ث عربی زبان میں ہیں اور کھ اور گھ اردو زبان میں ہیں جو دوسری زبانوں میں نہیں ہیں، اور برمی زبان میں رائ نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ جو حرف جس زبان کا ہے اس کے علاوہ دوسری زبان والے آدمی کو اس کا بولنا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ بہت سے لوگ محنت کرنے پر بھی نہیں بول سکتے۔ ان امور کا برابر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بھی مظاہرہ ہے اور اس کی نعمت کا بھی اور انسانوں کے عاجز ہونے کا بھی۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ کلمات اور لغات تو مختلف ہیں ہی لب و لہجہ بھی مختلف ہے، آوازیں بھی مختلف ہیں، مختلف علاقوں کے لوگ مختلف لب و لہجہ میں بات کرتے ہیں، بات سننے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں علاقہ کا آدمی ہے یا فلاں نسب و نسل سے تعلق رکھتا ہے، پھر مردوں کی آواز الگ اور عورتوں کی آواز جدا، بچوں کی آواز علیحدہ، پھر ہر فرد ہر شخص کی آواز علیحدہ، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہیں۔

زبانوں کا اختلاف بیان فرمانے کے بعد نکتوں کا اختلاف بیان فرمایا، سارے انسانوں کی صورتیں اس اعتبار سے تو ایک ہی ہیں کہ ہر شخص کے چہرہ ناک ہے اور ناک کے اوپر دو آنکھیں ہیں اور ناک کے نیچے منہ ہے اور اس کے اندر دانت ہیں جو ہونٹوں کے کھولنے سے نظر آتے ہیں، لیکن صورتوں میں اتنا اختلاف ہے کہ نسب و نسل کے اعتبار سے بھی صورتیں مختلف ہیں اور علاقوں کے اعتبار سے بھی، مردانہ صورتیں علیحدہ ہیں اور زنانہ صورتیں الگ، اور باہمی امتیاز بھی ہے، ہر شخص اور ہر فرد کی صورت جدا ہے، یہ تو ہوا صورتوں کی ہیئتوں کا اختلاف، پھر ان صورتوں کا مزید اختلاف رنگوں کے اعتبار سے بھی ہے، کسی کا رنگ کالا ہے کسی کا گورا ہے، پھر ان میں بھی تفاوت ہے۔ یہ الوان و اشکال کا فرق صرف اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا:

(اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ) (بلاشبہ اس میں جاننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔)

پہم اور ششم: الن اور الوان کی نعمت کا تذکرہ فرمانے کے بعد انسانوں کے سونے اور رزق تلاش کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ بات یہ ہے کہ انسانوں کا سونا اور سونے کے لیے مجبور ہونا اور نیند کا آجانا اور آرام پانا جو عموماً رات کو ہوتا ہے اور بہت سے افراد دن میں بھی سو جاتے ہیں خاص کر جنہیں قبولہ کی عادت ہوتی ہے، یہ سونا اور آرام پانا سب اللہ تعالیٰ کی نعمت بھی ہے اور اس کی قدرت کی نشانی بھی، انسان بعض مرتبہ سونا نہیں چاہتا لیکن نیند کا غلبہ اسے سلا ہی دیتا ہے اور بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سونے کی نیت سے لیٹا، دماغ تھکا ہوا ہے جسم تھکن سے بے جان ہو رہا ہے آنکھیں میچتا ہے، کروٹیں بدلتا ہے، پوری رات گزر جاتی ہے لیکن نیند نہیں آتی، اللہ تعالیٰ ہی چاہتا ہے تو سلا دیتا ہے اور وہی چاہتا ہے تو جگا دیتا ہے۔ اسی لیے تو سو کر اٹھنے کی دعا میں دونوں نعمتوں کی یاد دہانی کرائی گئی ہے، اور نیند چونکہ موت کی بہن ہے اس لیے اسے موت سے تعبیر فرمایا ہے۔ سو کر اٹھنے کی دعا یہ ہے (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَاَنَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اَلَيْهِ النُّشُوْرُ) (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں موت دے کر زندگی بخش دی اور اسی کی طرف زندہ ہو کر قبروں سے نکل کر جانا ہے) کیونکہ بہت سے لوگ رات میں بھی کسب کرتے ہیں اور رزق تلاش کرتے ہیں اس لیے (هَنَّا مُكُمْ بِاللَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ اَبْتِعَاؤُكُمْ فَمِنْ فَضْلِهِ) فرمایا۔ جس طرح دن میں بھی سونا ہو جاتا ہے گو عمومی طور پر سونے کے لیے رات ہی کو اختیار کیا جاتا ہے اسی طرح رات میں بھی تحصیل رزق کی صورتیں بن جاتی ہیں، الفاظ کے عموم نے دو باتیں بنا دی ہیں۔

دن کا نکلنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور رزق تلاش کرنے کے قابل ہونا بھی اس کا انعام ہے، اور ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، آدی نہ سونے میں مختار ہے نہ جاگنے میں نہ رزق کمانے کے لیے گھر سے باہر نکلنے میں، اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت کا ارادہ ہو تو یہ سب چیزیں وجود میں آتی ہیں، آخر میں فرمایا: (إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَسَمَّوْنَ) (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔)

ہفتم و ہشتم: بجلی کے چمکنے اور آسمان سے پانی نازل فرمانے اور اس کے ذریعہ زمین کو زندہ فرمانے کا تذکرہ فرمایا۔ جب بجلی چمکتی ہے تو انسان ڈرتے بھی ہیں اور بارش ہونے کی امید بھی رکھتے ہیں، کیونکہ عام طور پر بجلی چمکنے کے بعد بارش ہو جاتی ہے اور جب بارش ہو جاتی ہے تو مردہ زمین میں زندگی آ جاتی ہے، زمین سرسبز ہو جاتی ہے اور کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں، ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، عقلمندوں کو چاہیے کہ اس میں غور کریں اور سوچیں، بجلی چمکی، خوف دہراں طاری ہوا، بارش کی امید بندھی، پانی برسنا، زمین سرسبز ہوئی، یہ سب کیسے ہوا؟ کس کی قدرت سے ہوا؟ (إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَعَقَّلُوْنَ) (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں) اگر غور کریں گے تو یہی سمجھ میں آئے گا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت اور ارادہ سے ہوا۔

نہم اور دہم: یہ فرمایا کہ آسمان اور زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں۔ تین آیات میں پہلے آسمان اور زمین کے پیدا فرمانے کا تذکرہ تھا اور اس آیت کریمہ میں آسمان اور زمین کی بقا کا تذکرہ ہے، جب تک ان کے باقی رکھنے کا اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے اس وقت تک باقی رہیں گے اور جب قیامت کے دن ان کا حال بدلنے کا ارادہ ہوگا تو اس وقت ان کی حالت بدل جائے گی، آسمان پھٹ پڑیں گے اور زمین میں زلزلہ آ جائے گا، آسمان کو اپنی مقررہ جگہ پر اور موجودہ حالت پر قائم رکھنا اور زمین کو اس کی مقررہ جگہ پر اور موجودہ حالت پر باقی رکھنا یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہے اس میں کسی اور کا کچھ بھی کوئی دخل نہیں۔ سورۃ قاطر میں فرمایا: (إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَ لَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَكْتَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِہٖ) (بلاشبہ اللہ آسمان اور زمین کو اس سے روکے ہوئے ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹیں اور اگر وہ اپنی جگہ سے ہٹیں تو اس کے علاوہ کوئی بھی نہیں روکنے والا نہیں ہے۔)

یہ آسمان قائم ہے، اس کے نیچے جتنے لوگ ہیں زمین کے اوپر بستے ہیں، اس کے بقا کی اللہ تعالیٰ کے علم میں ایک مدت مقرر ہے وہ جب تک اس دنیا کو باقی رکھے گا باقی رہے گی، جب فنا کرنا چاہے گا فنا ہو جائے گی، صور پھونکا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا بلاوا ہوگا، قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور حساب کے میدان میں جمع ہو جائیں گے اسی کو فرمایا: (ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةَ الْمَٔتَمِنِ الْاَرْضِ اِذَا اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ) (پھر جب وہ تمہیں بلائے گا زمین سے اچانک تم نکل آؤ گے) پھر فرمایا: (وَلَا مَنُّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لٰكُلِّ لٰئِهٖ قَدْرٌ ۗ) (آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہے اور سب اس کے حکم کے تابع ہیں، نکوینی طور پر وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔)

آخری آیت میں ابتدا اور اعادہ کا تذکرہ فرمایا: (وَهُوَ الَّذِي يَبْدُؤُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُہٗ) (اور وہی ہے جو پہلی بار پیدا فرماتا ہے پھر وہی دوبارہ زندہ فرمائے گا) (وَهُوَ اٰهْوَنُ عَلَیْہِ) (اور اسے دوبارہ پیدا فرمانا پہلی بار پیدا فرمانے کے بہ نسبت

زیادہ آسان ہے) یہ لوگوں کی سمجھ کے اعتبار سے فرمایا ہے کیونکہ لوگ اس بات کو جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ کسی چیز کا دوبارہ وجود میں لانا پہلی دفعہ لانے کے اعتبار سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔

اسی لیے حدیث قدسی میں فرمایا: فاما تكذيبه اياي فقولہ لن يعيدني كما بدأني ولئیس اول الخلق باهون علی من اعادته (ابن آدم یوں کہہ کر مجھے جھٹلاتا ہے کہ اللہ نے جو پہلی بار مجھے پیدا کیا تھا اس کے بعد مجھے دوبارہ ہرگز پیدا نہ فرمائے گا حالانکہ میرے لیے پہلی بار پیدا کرنا دوسری بار پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے) یعنی جو قدرت ابتداء پیدا کرنے پر ہے وہی دوبارہ پیدا کرنے پر ہے، اس کے لیے دونوں برابر ہیں (رواہ البخاری) هذا اذا ارید باهون ما یذلل علیہ اسم التفضیل۔ (قال صاحب الروح وروی الزجاج عن ابي عبيدة و كثير من اهل اللغة ان (اهون) ههنا بمعنى هين وروی ذلك عن ابن عباس والربيع وكذا هو في مصحف عبد الله۔ (یہ اس وقت ہے جب کہ یہاں اہون کو اسم تفضیل کا صیغہ سمجھا جائے تفسیر روح المعانی والے کہتے ہیں الزجاج نے ابو عبیدہ اور بہت سارے اہل لغت سے روایت کیا ہے کہ یہاں اہون ہین کے معنی میں ہے اور پہلی بات حضرت عبد اللہ بن عباس اور ربیع سے بھی مروی ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کے مصحف میں بھی اسی طرح تھا۔)

پھر فرمایا: (وَلَوْ أَنَّمثلُ الْأَعْلَى) (اور آسمانوں اور زمین میں اس کی شان اعلیٰ ہے) یعنی آسمان اور زمین کے رہنے والے جانتے ہیں اور اس کا یہ وصف بیان کرتے ہیں کہ اس کی شان سب سے اعلیٰ وارفع ہے، وہ صفات کمال سے متصف ہے، اس کی صفت قدرت بھی عام ہے اور حکمت بھی تام ہے، قال صاحب الروح فی السموات والارض متعلق بمضمون الجملة المتقدمة علی معنی انه سبحانه وقد وصف بذلك وعرف به فیہما علی السنة الخلائق والسنة الدلائل (تفسیر روح المعانی کے مصنف علامہ لوسی فرماتے ہیں (فی السموات والارض) پچھلے جملہ کے مضمون سے متعلق ہے اس کے معنی ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان صفات کے ساتھ آسمانوں اور زمینوں میں اسی وصف کے ساتھ جانا پہچانا جاتا ہے مخلوقات کی زبانوں پر بھی یہی ہے اور دلائل کی زبان سے بھی) (وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) (اور وہ عزت اور غلبہ والا ہے اس کی بڑی قدرت ہے اور وہ حکمت والا بھی ہے) قیامت واقع کرنے اور دوبارہ پیدا فرمانے میں جو تاخیر ہے وہ اس کی حکمت کے موافق ہے۔

ضَرْبَ جَعَلَ لَكُمْ اِيَّهَا الْمُسْرِ كُونَ مَثَلًا كَثِيْرًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ وَهُوَ هَلْ لَكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اٰى مِنْ مَمَالِيْكِكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ لَكُمْ فِيْ مَا رَزَقْتُمْ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَغَيْرِهَا فَاَنْتُمْ وَهْمٌ فِيْهِ سَوَاءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۗ اٰى اَفْتَالِكُمْ مِّنَ الْاَحْزَارِ وَالْاِسْتِفْهَامُ بِمَعْنٰى لَنْفِي الْمَعْنٰى لَيْسَ مَمَالِيْكِكُمْ شُرَكَاءَ لَكُمْ اِلٰى اٰخِرِهِ عِنْدَكُمْ فَكَيْفَ تَجْعَلُوْنَ بَعْضَ مَمَالِيْكِ اللّٰهِ شُرَكَاءَ لَهٗ كَذٰلِكَ نَقِصُّ الْاٰيٰتِ نَبِيْنَهَا مِثْلَ ذٰلِكَ التَّفْصِيْلِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ۝۱۵ يَتَذَكَّرُوْنَ بَلِ اشْبَعِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِالْاِشْرٰكِ

أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۚ أَيُّ لَاهِدِي لَكَ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ مَا
 نَعَيْنَ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ فَإِمْ يَأْمَحْمَدُ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ مَائِلًا إِلَيْهِ أَيُّ أَخْلَصُ دِينَكَ لِلَّهِ أَنْتَ وَمَنْ
 تَبِعَكَ فَطَرَتِ اللَّهُ خَلْقَهُ الَّتِي فَطَرَ خَلَقَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ وَهِيَ دِينُهُ أَيُّ الرُّمُوهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ
 اللَّهِ ۚ لِدِينِهِ أَيُّ لَا تَبْدِيلُ لَهُ بَانَ تُشْرِكُوا ذَلِكَ الدِّينَ الْقَدِيمَ ۚ الْمُسْتَقِيمَ تَوْحِيدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
 أَيُّ كُفَّارًا مَكَّةَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ تَوْحِيدَ اللَّهِ مُنْبِئِينَ رَاجِعِينَ إِلَيْهِ تَعَالَى فِيمَا أَمَرَ بِهِ وَنَهَى عَنْهُ حَالٍ مِنْ
 فَاعِلٍ أَيْمَ وَمَا أُرِيدُ بِهِ أَيُّ أَتَمُّوا وَاتَّقُوا خَافُوهُ وَاقْبِسُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنْ
 الدِّينِ بَدَلُ بِإِعَادَةِ الْجَارِ فَزُقُوا دِينَهُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ فِيمَا يَعْبُدُونَ وَكَانُوا شَيْعًا ۚ فِرْقَانِي ذَلِكَ كُلِّ
 حِزْبٍ مِنْهُمْ بِمَا لَدَيْهِمْ عِنْدَهُمْ فَرِحُونَ ۝ مَسْرُورُونَ وَفِي قِرَاءَةِ فَارِقُوا أَيُّ تَرَكُوا دِينَهُمْ الَّذِي
 أَمَرُوا بِهِ وَإِذَا هَسَّ النَّاسُ أَيُّ كَفَارًا مَكَّةَ ضُرَّ شِدَّةً دَعَا رَبَّهُمْ مُنْبِئِينَ رَاجِعِينَ إِلَيْهِ دُونَ غَيْرِهِ
 ثُمَّ إِذَا أَذَاهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً بِالْمَصْرِ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ۝ يَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ
 أُرِيدُ بِهِ التَّهْدِيدُ فَتَبَتُّعُوا قَسُوفَ تَعْلَمُونَ ۝ عَاقِبَةُ تَمْتَعِكُمْ فِيهِ التِّفَاتُ عَنِ الْعَيْبَةِ أَمْ بِمَعْنَى هَمْزَةٍ
 الْإِنْكَارِ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا حُجَّةً وَكِتَابًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ تَكَلَّمَ دَلَالَةً بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ۝ أَيُّ
 يَأْمُرُهُم بِالْإِشْرَاقِ لَا وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ فَارَ مَكَّةَ وَغَيْرَهُمْ رَحْمَةً نِعْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۚ فَرِحَ بَطَرٌ وَإِنْ
 نُصِبَهُمْ سَيِّئَةً شِدَّةً بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيَهُمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ۝ يَتَسَوَّنَ مِنَ الرَّحْمَةِ وَمِنْ شَأْنِ الْمُؤْمِنِ
 أَنْ يَشْكُرَ عِنْدَ النِّعْمَةِ وَيَرْجُو رَبَّهُ عِنْدَ الشِّدَّةِ أَوْ لَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يَوْسَعُهُ لِمَنْ
 يَشَاءُ انْتِحَانًا وَيَقْدِرُ ۚ يَضِيقُهُ لِمَنْ يَشَاءُ ابْتِلَاءً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ بِهَا قَاتِذَا
 الْقُرْبَى الْقَرَابَةَ حَقَّهُ وَمِنَ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ السُّكُونِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ الْمُسَافِرِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَأَمَةُ النَّبِيِّ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبِعَ لَهُ فِي ذَلِكَ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ أَيُّ تَوَابَهُ بِمَا يَعْلَمُونَ وَأَوْلِيكَ هُمْ
 الْمُفْلِحُونَ ۝ الْفَائِزُونَ وَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ رَبِّكَ بَانَ يُعْطَى شَيْئًا هَبَّةً أَوْ هَدِيَّةً لِيَطْلُبَ أَكْثَرَ مِنْهُ فَسَمَى بِاسْمِ

الْمَطْلُوبِ مِنَ الزِّيَادَةِ فِي الْمَعَامَلَةِ لِيُزْبَوُا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ الْمُعْطِينَ أَيْ يَزِيدُوا فَلَا يَزِيدُوا إِلَّا كَمَا عِنْدَ اللَّهِ ؕ أَيْ لَا ثَوَابَ فِيهِ لِلْمُطِيعِينَ وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ فَذَلِكُمْ تَرِيدُونَ بِهَا وَجَهَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿۱۵﴾ ثَوَابُهُمْ بِمَا أَرَادُوا فِيهِ الْإِنْفَاقَ عَنِ الْخِطَابِ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مِمَّنْ أَسْرَكْتُمْ بِاللَّهِ قِمْنَ يَفْعَلُ مِنْ ذَلِكُمْ مِنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: بتلائی تم کو (تمہارے لئے بیان کی اے مشرکین) ایک مثل تمہارے اندر سے (اور وہ یہ ہے) کیا تمہارے غلاموں میں (جو تمہارے مملوک ہوں) کوئی شخص تمہارا شریک ہے (تمہارے مال وغیرہ میں) جو ہم نے تم کو دیا ہے کہ تم اور وہ آپس میں برابر ہوں جن کا تم ایسا ہی خیال کرو جیسا کہ تم اپنے آپس والوں کا خیال رکھتے ہو؟ (یعنی جو تم جیسے آزاد ہو۔ اس میں استقامت نفی کے معنی میں ہے) حاصل یہ ہے کہ تمہارا کوئی غلام بھی تمہاری برابر کا تمہارے نزدیک شریک نہیں سمجھا جاتا پھر اللہ کے کچھ بندوں کو تم اس کا شریک کیسے بناتے ہو؟ ہم اسی طرح صاف صاف دلائل بیان کر دیا کرتے ہیں (جس طرح یہاں کھول کر بیان کر دیا ہے) سمجھداروں (تدبر کرنے والوں) لیے بلکہ (شرک کرنے والے) ان ظالموں نے اتباع کر رکھا ہے بلا دلیل اپنے نییالات کا، سو جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کون راہ راست پر لاسکتا ہے (یعنی کوئی اس کا راہنما نہیں ہو سکتا) اور نہ ان کا کوئی حمایتی ہوگا (عذاب الہی کو روکنے والا) سو (اے محمد) تم اپنا رخ اس دن کی طرف یکسو رکھو (دین کی طرف متوجہ ہو کر یعنی آپ اپنا دین اور آپ کے پیروکار اللہ کے لئے خالص رکھیں) اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو (جو اس کی پیدا کردہ ہے) جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے (اور اس کا دین ہے۔ یعنی تم اسے لازم پکڑو) اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہے (یعنی اس کے دین میں تم اسے شرک کر کے تبدیل مت کرو) یہی ہے سیدھا دین (راہ مستقیم اللہ کی توحید ہے) لیکن اکثر لوگ (کفار مکہ) نہیں جانتے (اللہ کی توحید کو) تم اسی کی طرف رجوع رہو (جس چیز کا اس نے حکم دیا اور جس بات سے منع کیا مُنِيبِينَ حَالِ دَاقِعٍ ہے اقم کے فاعل سے اور جو اقم کی مراد میں داخل ہوں یعنی تم سب متوجہ ہو جاؤ) اور اسی سے ڈرو اور نرمی کی پابندی رکھو اور شرک کرنے والوں میں مت رہو یعنی ان لوگوں میں (یہ بدل ہے حرف جار کے اء دہ سے) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا (طریقہ عبادت یا معبود میں اختلاف کی وجہ سے) اور بہت سے گروہ ہو گئے (دین میں فرتے بن گئے) ہر گروہ (ان میں سے) اس طریقہ پر (جو ان کا بنایا ہوا ہے) نازاں ہے (خوش ہے اور ایک قرأت میں لفظ فارقوا ہے یعنی انہوں نے اپنے اس دین کو چھوڑ دیا جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا) اور جب (کفار مکہ میں سے) لوگوں کی کوئی تکلیف (مصیبت) پہنچ جاتی ہے تو اپنے پروردگار کو پکارنے لگتے ہیں اسی کی طرف رجوع ہو کر (دوسری طرف نہیں) پھر اللہ تعالیٰ جب اپنی عنایت (بارش) کا کچھ مزا چکھا دیتے ہیں تو پھر ان میں سے بعض لوگوں اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہے اس سے ناشکری کریں (اس کا مقصد دھمکی ہے) سو کچھ اور فائدہ اٹھا لو پھر جلد ہی تمہیں پتہ چل جائے گا (اپنے

پہلے مکتبہ تبلیغ شریعت جلالپور (جلد اول) سے دیکھا جائے۔ جلد اول - سہ ماہی ۱۹۸۰ء

مڑے ازانے کا انجام، اس میں غائب کے صیغہ سے التفات ہے) کیا (ہمزہ انکار کے معنی میں ہے) ہم نے ان پر کوئی سزا کی ہے (حجت اور کتاب) کہ وہ کہہ رہی ہو (زبان حال سے) شرک کرنے کو نہیں اور جب ہم تو گویں جیسی مکہ کے کفار وغیرہ کو کبھی رحمت (نعمت) کا مزا دکھا دیتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں (مستی سے اترتے ہیں) اور گران پر کوئی معصیت آپڑتی ہے ان کے اہل کے بدلہ میں جو پید کر چکے ہیں تو بس وہ لوگ ناامید ہو جاتے ہیں (رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں) تاکہ مومن کی شان یہ ہے کہ نعمت پر شکر ادا کرے اور معصیت میں اللہ سے امید رکھے (کیا ان کی نظر اس پر نہیں (وہ نہیں جانتے) کہ اللہ کشادہ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے (بطور آرزوئیں) درخت بردیتا ہے۔ جسے چاہے آرزوئیں کے لئے لکھتا دیتا ہے) بیشک اس میں نشانیاں ہیں ایمانداروں کے لئے سو قرابت داروں کو اس کا حق دیا کرو (بھلائی اور اچھے سلوک کر کے) اور مسکین اور مسرف کو بھی (راہ گیر کو خیرات میں سے۔ آنحضرت سے سزا کی امت بھی اس حکم میں آپ کے تابع ہے) یہ ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے جو اللہ کو خوشنودی کے طلب گار ہیں (اپنے اہل کے ڈاب کے) اور ایسے ہی لوگ فدا جانے والے ہیں (کامیاب ہیں) اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ زیادہ ہو جائے (اس طرح سے کہ کوئی شخص سب یا ہدیہ کے طور پر کسی کو دے تاکہ اس سے زیادہ حاصل ہو جائے اس لئے معاملہ میں زیادتی کو مطلوب کا نام دیا گیا ہے) لوگوں کے ماں میں شامل ہو کر (جو مال دینے والے ہیں یعنی مال، مال میں مل کر بڑھ جائے) تو یہ بڑھتا نہیں ہے (یعنی اس میں دینے والوں کو تو اب نہیں ملے گا) اور جو تم صدقہ دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو سو ایسے لوگ اللہ کے نزدیک بڑھتے رہیں گے (جس ثواب کا وہ ارادہ کریں گے۔) اس میں صیغہ مخاطب سے التفات ہے (اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تمہیں موت دیتا ہے پھر تمہیں جائے گا کیا تمہارے شرکاء میں سے بھی) جنہیں تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے (کوڈ) ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کرتے (نہیں) وہ پاک ہے اور بلند ہے ان سب چیزوں سے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: **مَنْ أَنْفَسِكُمْ** - یعنی تمہارے اپنے نفسوں سے لی گئی اور تمام احوال سے حاصل کی گئی کیونکہ وہ تمہارے نفسوں سے قریب تر ہے۔

قوله: **فَطَرَتَ اللَّهُ** - یہ الزام کی وجہ سے منصوب ہے۔ اے الزمو افطره الله۔ تم فطرت الہی کو لازم پکڑو۔

قوله: **لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ** - یعنی کسی کو تبدیل کرنے کی قدرت نہیں یا کسی کو اس کی تبدیلی مناسب نہیں۔

قوله: **وَمَا أُرِيدُ بِهِ** - اور جو اِقْبَمُ سے مراد لی گئی ہے حالانکہ وہ رسول اور ان کی امت ہے کیونکہ آیت جناب نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت کو سوا ہے۔

قوله: **بِمَا يَعْبُدُونَهُ** - ان میں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں یعنی اپنی خواہشات کے استلاف کے مطابق۔

قوله: **أُرِيدُ بِهِ** - یعنی ان کا لِيُكْفَرُوا امر ہے اس سے مراد تہدییہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کفر کا حکم نہیں دیتے اور بعض نے کہا کہ

لام تو لام جا رہ ہے اور ان مقدر ہے اور لام لام عاقبت ہے۔

قولہ: **بِفِرْعَ بَنِي إِسْرَائِيلَ** کہتے ہیں۔

قولہ: **بِهَذَا** کمال قدرت و حکمت پر استدلال کرتے ہیں۔

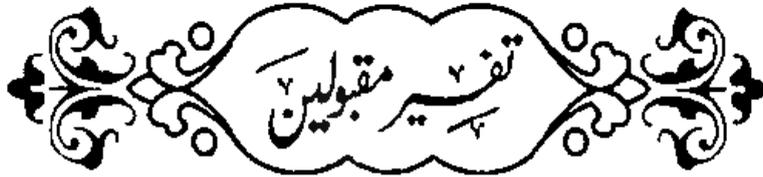
قولہ: **يَتَّبِعْ لَهُ فِي ذَلِكَ** دینے کے لازم ہونے میں جو کما پ کے حکم کے علم سے سمجھ آ رہا ہے۔

قولہ: **بِالْمُطِيعِينَ** یعنی تاکہ دینے والوں کے مال میں اضافہ ہو۔

قولہ: **هُمُ الضُّعُفُونَ** ⑤ یعنی وہ ثواب کو بڑھانے والے ہیں اور **مُضْعِفِ** کی مثال مقوی و موسر جوڑی قوت اور ذی

سبب ہو۔

قولہ: **فِيهِ الْبَغَاتُ** اس تعظیم کے لیے حاضر سے مخاطب کیا۔



صَوَّبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ ۗ

مشرکین مکہ اپنے بزرگوں کو شریک اللہ جانتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی مانتے تھے کہ یہ سب اللہ کے غلام اور اس کے ماتحت ہیں۔ چنانچہ وہ حج و عمرے کے موقع پر لہیک پکارتے ہوئے کہتے تھے کہ دعا (لیک لا شریک لک الا شریک کاھو لک تملکھ و ماملک) یعنی ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ کہ وہ خود اور جس چیز کا وہ مالک ہے سب تیری ملکیت میں ہے۔ یعنی ہمارے شریکوں کا اور ان کی ملکیت کا تو ہی اصلی مالک ہے۔ پس یہاں انہیں ایک ایسی مثال سے سمجھا جا رہا ہے جو خود یہ اپنے نفس ہی میں پائیں۔ اور بہت اچھی طرح غور و خوض کر سکیں۔ فرماتا ہے کہ کیا تم میں سے کوئی بھی اس امر پر رضامند ہوگا کہ اس کے کل مال وغیرہ میں اس کے غلام اس کے برابر کے شریک ہوں اور ہر وقت اسے یہ دھڑکا رہتا ہو کہ کہیں وہ تقسیم کر کے میری جائیداد اور ملکیت آدھوں آدھ بانٹ نہ لے جائیں۔ پس جس طرح تم یہ بات اپنے لیے پسند نہیں کرتے اللہ کے لیے بھی نہ چاہو جس طرح غلام آقا کی ہسری نہیں کر سکتا اسی طرح اللہ کا کوئی بندہ اللہ کا شریک نہیں ہو سکتا۔ یہ عجب نا انصافی ہے کہ اپنے لیے جس بات سے چیزیں اور نفرت کریں اللہ کے لیے وہی بات ثابت کرنے بیٹھ جائیں۔ خود بیٹیوں سے جلتے تھے اتنا سنتے ہی کہ تیرے ہاں لڑکی ہوئی ہے منہ کالے پڑ جاتے تھے اور اللہ کے مقرب فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں کہتے تھے۔ اسی طرح خود اس بات کے کبھی روادار نہیں ہوتے کہ اپنے غلاموں کو اپنا برابر کا شریک و سہم سمجھیں لیکن اللہ کے غلاموں کو اللہ کا شریک سمجھ رہے ہیں کس قدر انصاف کا خون ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مشرک جو لہیک پکارتے تھے اور اس پر یہ آیت اتری۔ اور اس میں بیان ہے کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر کا شریک ٹھہرانے سے عار رکھتے ہو تو اللہ کے غلاموں کو اللہ کا شریک کیوں ٹھہرا رہے ہو۔ یہ صاف بات بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ ہم اسی طرح تفصیل وار دلائل غفلوں

کے سامنے رکھ دیتے ہیں پھر فرماتا ہے اور بتلاتا ہے کہ مشرکین کے شرک کی کوئی سند عقلی نقلی کوئی دلیل نہیں صرف کرشمہ جہالت اور بیرونی خواہش ہے۔ جبکہ یہ راہ راست سے ہٹ گئے تو پھر انہیں اللہ کے سوا اور کوئی راہ راست پر لائیں سکتا۔ یہ گودد سروں کا اپنا کار ساز اور مددگار، نئے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ دشمنان اللہ کا دست کوئی نہیں۔ کون ہے جو اس کی مرضی کے خلاف لب ہلا سکے۔ کون ہے جو اس پر مہربانی کرے جس پر اللہ نامہربان ہو؟ جو وہ چاہے وہی ہوتا ہے اور جسے وہ نہ چاہے ہو نہیں سکتا۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا....

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو یا عام مخاطب کو حکم دیا ہے کہ جب شرک کا نام مقبول اور ظلم عظیم ہونا ثابت ہو گیا تو آپ سب خیالات مشرکانہ کو چھوڑ کر اپنا رخ صرف دین اسلام کی طرف پھیر لیجئے۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا

اس کے بعد اس دین اسلام کا مطابق اور مقتضائے فطرت ہونا اس طرح بیان فرمایا: فَطَرَتِ اللَّهُ النَّاسَ عَلَىٰ هَٰذَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۗ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾ یہ جملہ پہلے جملے فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا کی توضیح اور دین حنیف جس کے اتباع کا حکم پہلے جملے میں دیا گیا ہے اس کی ایک مخصوص صفت کا بیان ہے کہ وہ دین فطرت ہے اور فطرۃ اللہ کی ترکیب نحوی میں منسوب ہونے کی وجہ مفسرین نے مختلف لکھی ہیں کہ لفظ اتبع یہاں سے محذوف ہے، یا لفظ اعنی، بہر حال یہ متعین ہے کہ دین حنیف جس کا اتباع کا پہلے جملے میں حکم دیا گیا ہے اس کو اس جملے میں فطرۃ اللہ قرار دیا ہے اور معنی اس کے خود اگلے جملے میں یہ بتلائے کہ اللہ کی فطرت سے مراد یہ ہے کہ جس فطرت پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

فطرت سے کیا مراد ہے؟:

اس معاملہ میں مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں ان میں دو زیادہ مشہور ہیں۔

اول: یہ کہ فطرت سے مراد اسلام ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان اپنی فطرت اور جبلت کے اعتبار سے مسلمان پیدا کیا ہے۔ اگر اس کو گرد و پیش اور ماحول میں کوئی خراب کرنے والا خراب نہ کر دے تو ہر پیدا ہونے والا بچہ مسلمان ہی ہوگا۔ مگر عادت ہوتا ہے کہ ماں باپ اس کو بعض اوقات اسلام کے خلاف چیزیں سکھادیتے ہیں، جس کے سبب وہ اسلام پر قائم نہیں رہتا۔ جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث میں مذکور ہے۔ قرطبی نے اسی قول کو جمہور سلف کا قول قرار دیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فطرت سے مراد استعداد ہے۔ یعنی تخلیق انسانی میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ ہر انسان میں اپنے خالق کو پہچاننے اور اس کو ماننے کی صلاحیت و استعداد موجود ہے جس کا اثر اسلام کا قبول کرنا ہوتا ہے، بشرطیکہ اس استعداد سے کام لے۔

مگر پہلے قول پر متعدد اشکالات ہیں، اول یہ کہ خود اسی آیت میں یہ بھی آگے مذکور ہے لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ اور یہاں خلق اللہ سے مراد ہی فطرۃ اللہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اس لیے معنی اس جملے کے یہ ہیں کہ اللہ کی اس فطرت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا، حالانکہ حدیث صحیحین میں خود یہ آیا ہے کہ پھر ماں باپ بعض اوقات بچے کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ اگر فطرت

کے معنی خود اسلام کے لیے جائیں جس میں تبدیلی نہ ہونا خود اسی آیت میں مذکور ہے تو حدیث مذکور میں یہودی، نصرانی بنانے کی تبدیلی کیسے صحیح ہوگی اور یہ تبدیلی تو عام مشاہدہ ہے کہ ہر جگہ مسلمانوں سے زیادہ کافر ملتے ہیں، اگر اسلام ایسی فطرت ہے جس میں تبدیلی نہ ہو سکے تو پھر یہ تبدیلی کیسے اور کیوں؟

دوسرے حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا اس کے متعلق صحیح حدیث میں ہے کہ اس لڑکے کی فطرت میں کفر تھا، اس لیے خضر علیہ السلام نے اس کو قتل کیا، یہ حدیث بھی اس کے منافی ہے کہ ہر انسان اسلام پر پیدا ہوتا ہو۔

تیسرا شبہ یہ ہے کہ اگر اسلام کوئی ایسی چیز ہے جو انسان کی فطرت میں اس طرح رکھ دیا گیا ہے جس کی تبدیلی پر بھی اس کو قدرت نہیں تو وہ کوئی اختیاری فعل نہ ہوا پھر اس پر آخرت کا ثواب کیسا؟ کیونکہ ثواب تو اختیاری عمل پر ملتا ہے۔

چوتھا شبہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ کے مطابق فقہاء امت کے نزدیک بچہ بالغ ہونے سے پہلے ماں باپ کے تابع سمجھا جاتا ہے، اگر ماں باپ کافر ہوں تو بچے کو بھی کافر قرار دیا جائے گا۔ اس کی تجہیز و تکفین اسلامی طرز پر نہیں کی جائے گی۔

یہ سب شبہات امام تورپشتی نے شرح مصابیح میں بیان کیے ہیں اور اسی بناء پر انہوں نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ اس خلقی استعداد کے متعلق یہ بھی صحیح ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، جو شخص ماں باپ یا کسی دوسرے کے گمراہ کرنے سے کافر ہو گیا اس میں استعداد اور قابلیت حق یعنی اسلام کی حقانیت کے پہچاننے کی ختم نہیں ہوتی غلام خضر کے واقع میں اس کے کفر پر پیدا ہونے سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں حق کو سمجھنے کی استعداد ہی نہ رہی تھی اور چونکہ اس خداداد استعداد اور قابلیت کا صحیح استعمال انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے اس لیے اس پر ثواب عظیم کا مرتب ہونا بھی واضح ہو گیا اور حدیث صحیحین میں جو یہ مذکور ہے کہ بچے کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں اس کا مفہوم بھی اس دوسرے معنی کے اعتبار سے واضح اور صاف ہو گیا کہ اگرچہ اس میں استعداد اور قابلیت فطری ہے جو اللہ نے اس کی تخلیق میں رکھی تھی وہ اسلام ہی کی طرف لے جانے والی تھی، مگر عوارض اور موانع حائل ہو گئے اور اس طرف نہ جانے دیا اور حضرات سلف سے جو پہلا قول منقول سے بظاہر اس کی مراد بھی اصل اسلام نہیں، بلکہ یہی استعداد اسلام اور اس کی قابلیت و صلاحیت ہے۔ محدث دہلوی نے لعات شرح مشکوٰۃ میں جمہور کے قول کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔

اور اسی کی تائید اس مضمون سے ہوتی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بے شمار قسم کی مخلوقات مختلف طبائع اور مزاج کی بنائی ہیں، ہر مخلوق کی فطرت اور جبلت میں ایک خاص مادہ رکھ دیا ہے، جس سے وہ مخلوق اپنی تخلیق کے منشاء کو پورا کر سکے قرآن کریم میں اَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جس مخلوق کو خالق کائنات نے کسی خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اس کو اس مقصد کے لیے ہدایت بھی دے دی ہے، وہ ہدایت یہی مادہ اور استعداد ہے۔ شہد کی مکھی میں یہ مادہ رکھ دیا کہ وہ درختوں اور پھولوں کو پہچانے اور انتخاب کرے پھر اس کے رس کو اپنے پیٹ میں محفوظ کر کے اپنے چھتے میں لا کر جمع کرے۔ اسی طرح انسان کی فطرت و جبلت میں ایسا مادہ اور استعداد رکھ دی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے، اس کی شکر گزاری اور اطاعت شعاری کرے، اس کا نام اسلام ہے۔

لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۗ، مذکور الصدر تقریر سے اس جملے کا مطلب بھی واضح ہو گیا کہ اللہ کی دی ہوئی فطرت یعنی حق کو پچانے کی صلاحیت و استعداد میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اس کو غلط ماحول کا فرو تو بنا سکتا ہے مگر اس کی استعداد قبول حق کو بالکل فنا نہیں کر سکتا۔

اور اسی سے اس آیت کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے جس میں ارشاد ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ، یعنی ہم نے جن اور انسان کو اور کسی کام کے لیے نہیں پیدا کیا، بجز اس کے وہ ہماری عبادت کیا کریں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی فطرت میں ہم نے عبادت کی رغبت اور استعداد رکھ دی ہے۔ اگر وہ اس استعداد سے کام لیں تو بجز عبادت کے کوئی دوسرا کام اس کے خلاف ہرگز مزد نہ ہو۔

اہل باطل کی صحبت اور غلط ماحول سے الگ رہنا فرض ہے:

آیت مذکورہ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ کا جملہ اگرچہ بصورت خبر ہے یعنی اللہ کی اس فطرت کو کوئی بدل نہیں سکتا، لیکن اس میں ایک معنی امر کے بھی ہیں کہ بدلنا نہیں چاہئے۔ اس لیے اس جملے سے یہ حکم بھی استفادہ ہوا کہ انسان کو ایسے اسباب سے بہت پرہیز کرنا چاہئے جو اس قبول حق کی استعداد کو معطل یا کمزور کر دیں اور وہ اسباب بیشتر غلط ماحول اور بری صحبت ہے، یا اہل باطل کی کتابیں دیکھنا جب کہ خود اپنے مذہب اسلام کا پورا عالم اور مبرہنہ ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

ظَهَرَ الْفُسَادُ فِي الْبَرِّ ۗ اِى الْقَفَارِ بِقَحْطِ الْمَطَرِ وَقَلَّةِ النَّبَاتِ وَالْبَحْرِ اِى الْبِلَادِ الَّتِي عَلَى الْاَنْهَارِ بِقَلَّةِ مَائِهَا بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ مِنَ الْمَعَاصِي لِيُنذِرَهُمْ بِالنُّونِ وَالْيَاثِ بِعَضِّ الذِّمَى عَمِلُوا اِى عَقُرُوهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٠﴾ يَتُوبُونَ قَلَّ لِكُفَّارِ مَكَّةَ سَيَرُوا فِي الْاَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۗ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿١١﴾ فَاهْلِكُوا بِاَشْرَاكِهِمْ وَمَسَاكِينِهِمْ وَمَنَازِلِهِمْ خَاوِبَةٌ فَاَقْمِرْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَدِيمِ دِينِ الْاِسْلَامِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللّٰهِ هُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿١٢﴾ فِيهِ اِذْ غَامَ النَّارُ فِي الْاَصْلِ فِي الضَّادِ يَتَفَرَّقُونَ بَعْدَ الْحِسَابِ اِلَى الْجَنَّةِ وَالنَّارِ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۗ وَبِالْ كُفْرِ هُوَ النَّارُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا لِنَفْسِهِمْ لِيَهْدُوْنَ ﴿١٣﴾ يُؤْتِطُونَ مَنْ مَنَازِلِهِمْ فِي الْجَنَّةِ لِيَجْزِيَ مُتَعَلِّقٌ بِصَدَّعُونَ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ قَبْلِهِ ۗ يُنَبِّئُهُمْ اِنَّهُمْ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤﴾ اِى يُعَاقِبُهُمْ وَمِنْ اٰيَاتِهِ تَعَالَى اَنْ يُرْسِلَ الرِّيَّاحَ مُبَشِّرَاتٍ بِمَعْنَى لِنَبِّئَنَّكُمْ بِالْمَطَرِ وَلِيُنذِرَكُمْ بِهَا مِنْ رَحْمَتِهِ الْمَطَرِ وَالْحَضْبُ وَلِتَجْرِيَ الْفُلُكُ الشُّقْنُ بِهَا بِاَمْرِهِ بِارَادَتِهِ

وَلَيْسَتَبْتَغُوا تَطْلُبُوا مِنْ فَضْلِهِ الرِّزْقَ بِالتِّجَارَةِ فِي الْبَحْرِ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ هَذِهِ النِّعَمُ بِأَهْلِ مَكَّةَ
 فَتَوَخَّذُونَهَا وَ لَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ بِالْمُحَجِّجِ الْوَاصِحَاتِ
 عَلَى صِدْقِهِمْ فِي رَسُولِهِمْ إِلَيْهِمْ فَكَذَّبُوهُمْ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا ۝ أَهْلَكْنَا الَّذِينَ كَذَّبُواهُمْ وَ
 كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ عَلَى الْكَافِرِينَ أَهْلًا كَيْهِمْ وَانْجَاءِ الْمُؤْمِنِينَ اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ
 الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا تَزْعِجُهُ فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ مِنْ قَلْبِهِ وَكَثْرَةً وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا يَفْتَحُ
 السَّيْنِ وَسُكُونَهَا قِطْعًا مُتَفَرِّقَةً فَتَرَى الْوَدْقَ الْمَطْرُ يُخْرَجُ مِنْ خَلْلِهِ ۝ أَيُّ وَسْطِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ
 بِالْوَدْقِ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادَةٍ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ يَفْرَحُونَ بِالْمَطْرِ وَإِنْ وَقَدْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ
 أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ تَاكِيدًا لِمُهْلِسِينَ ۝ أَيُّسِينَ مِنْ أَنْزَالِهِ فَانظُرْ إِلَى أَثَرِ وَفِي قِرَاءَةِ أَثَرِ
 رَحْمَتِ اللَّهِ أَيُّ نِعْمَتِهِ بِالْمَطْرِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۝ أَيُّ بِسْبِهَا بِأَنْ تُثَبَّتَ إِنَّ ذَلِكَ الْمُحْيِي
 الْأَرْضَ لِنَجْحِي الْمَوْتَى ۝ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَلَئِنْ لَمْ قَسَمِ أَرْسَلْنَا رِيحًا مَضْرَّةً عَلَى نَبَاتِ
 فِرَاوَةَ مُصَفَّرًا لَظُلُومًا ضَارُوا جَوَابِ أَنْفَسِهِمْ مِنْ بَعْدِهِ أَيُّ بَعْدَ اضْفِرَارِهِ يَكْفُرُونَ ۝ يَجْحَدُونَ النِّعْمَةَ
 بِالْمَطْرِ فَإِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا بَتَحَقِيقِ الْهَمَزَتَيْنِ وَتَسْمِعُ النَّائِبَةَ
 بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الْبَيَاءِ وَكُلُوا مُدْبِرِينَ ۝ وَمَا أَنْتَ بِهَدَى الْعُيُ عَنْ ضَلَلَتِهِمْ ۝ إِنَّ مَا تَسْمِعُ سَمَاعِ أَفْهَامِ وَ
 قَبُولِ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الْقُرْآنِ فَهَمَّ مُسْلِمُونَ ۝ مُخْلِصُونَ بِتَوْحِيدِ اللَّهِ

ترجمہ: پھیل پڑی ہے خرابی جنگل میں (یعنی جنگلات میں بارش کے نہ ہونے اور پیداوار کی کمی سے) اور دریا میں (یعنی
 ساحلی علاقوں میں پانی کی کمی کی وجہ سے) لوگوں کے اعمال کے سبب (یعنی گناہوں کی وجہ سے) تاکہ اللہ ان کے بعض اعمال کا
 مزا (بدل) چھکائے (لِيُذِيقَهُمْ نُونَ اور ياء کے ساتھ دونوں طرح سے ہے) تاکہ وہ لوگ باز آ جائیں (توبہ کر لیں) آپ فرما
 دیجئے (کفار مکہ سے) کہ ملک میں چلو پھر دیکھو جو لوگ پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا۔ ان میں اکثر مشرک ہی
 تھے (چنانچہ وہ مشرک کی پاداش میں تباہ ہو گئے ان کے گھر مملات کھنڈرات بنے پڑے ہیں) سو آپ اپنا رخ دینِ قیم (اسلام)
 کی طرف رکھئے قبل اس کے کہ ایسا دن آجائے جس کے لئے پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹا نہیں ہوگا (یعنی قیامت کا دن) اس
 دن سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے (يَصْدَعُونَ) ۝ اصل میں بتصدعون تھا۔ تاء کا صا در میں ادغام کر دیا گیا۔ حساب و کتاب

کے بعد جنت و جہنم میں الگ الگ بٹ جائیں گے) جو شخص کفر کر رہا ہے اس پر تو اس کا کفر پڑ رہا ہے (کفر کا وبال یعنی جہنم) اور جو نیک کام کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لیے سامان کر رہے ہیں) (جنت میں اپنے لئے محل تعمیر کر رہے ہیں) تاکہ اللہ جزا دے (یہ یَصَدَّقُونَ کے متعلق ہے) ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اپنے فضل سے (انہیں ثواب عطا فرمائے گا) بیشک اس کو نہیں بھاتے کفر کرنے والے (یعنی انہیں سزا دے گا) اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوشخبری دیتی ہیں (یعنی وہ ہوائیں بارش کا پیغام لاتی ہیں) اور مُبَشِّرَاتٌ لبشر کے معنی میں ہے تاکہ وہ ان ہواؤں کے سبب اپنی رحمت (بارش اور سرسبزی) کا مزا چکھائے اور تاکہ کشتیاں (جہاز ہواؤں کے سبب) چلیں اللہ کے حکم (ارادہ) سے اور تاکہ تم تلاش کرو (ڈھونڈو) اس کی روزی (سمندری تجارت کے ذریعہ معاش) اور تاکہ تم شکر کرو (اے مکہ والوں! ان نعمتوں کا لہذا توحید بجالاؤ) اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر (ان کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ ان کے پاس دلائل لے کر آئے) کھلی جھتیں اپنی اپنی رسالت کی سچائی پر لیکن انہوں نے ان کو جھٹلادیا) سو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو جرائم کے مرتکب ہوئے تھے (ہم نے رسولوں کے جھٹلانے والوں کو برباد کر دیا) اور ایمانداروں کو غالب کر دینا ہمارے ذمہ تھا) کافروں کے مقابلہ میں۔ کفار کو ہلاک کر کے اور مسلمانوں کو نجات دے کر) اللہ ہی وہ ہے کہ جو ہوائیں بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں (ہنکاتی ہیں) پھر اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلاتا ہے (کم یا زیادہ) اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے کسفاسین کے فتح اور سکون کے ساتھ۔ متفرق ٹکڑے) پھر تم بارش (مینہ) کو دیکھتے ہو کہ اس کے اندر (بیج سے) نکلتی ہے پھر وہ اپنے بندوں سے جس کو چاہتا ہے (بارش) پہنچا دیتا ہے تو بس وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں (بارش کی وجہ سے خوش ہو جاتے ہیں) اور واقعہ یہ ہے کہ (ان قد کے معنی میں ہے) وہ لوگ اس سے پہلے (خوش ہونے سے پہلے من قبلہ تاکید ہے) ناامید تھے (بارش سے امید ختم کیے ہوئے تھے) سو دیکھو اثر (ایک قراءت میں لفظ آثار آیا ہے) رحمت الہی کا (یعنی بارش کی نعمت) کہ اللہ کس طرح زندہ کرتا ہے زمین کو مردہ ہونے کے بعد (یعنی خشک ہو جانے کے بعد پیداوار کے قابل بنا دیتا ہے) بے شک وہی ہے (زمین کو زندگی بخشنے والا) مردوں کو جلانے والا۔ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور یقیناً اگر ہم (مام قسم کے لیے ہے) ان پر اور ہوا چلا دیں (کھیتوں کو نقصان پہنچانے والی) پھر یہ لوگ کھیتی کو زرد ہوا دیکھیں تو ہو جائیں (أَنظَلُّوا معنی صاروا کے ہے یہ جواب قسم ہے) اس کے بعد (زرد ہونے کے بعد) لوگ ناشکری کرنے لگیں (بارش کی نعمت کا انکار کرنے لگیں) سو آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہرہوں کو آواز سنا سکتے ہیں جب کہ (تحقیق ہمزتین کے ساتھ اور ہمزہ ثانی کی تسہیل کرتے ہوئے ہمزہ اور یاء کے درمیان) یہ لوگ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور آپ اندھوں کو انکی بے راہ راوی سے راہ پر نہیں لا سکتے بس آپ سنا سکتے ہیں (یہاں ان ما کے معنی میں ہے وہ سماع مراد ہے جو سمجھ کر ہو اور سنی ہوئی بات کو مقبول کرنے کے جذبہ سے ہو) انہیں لوگوں کو جو ہماری آیتوں (قرآن) کا یقین رکھتے ہیں (توحید میں اخلاص رکھنے والے ہیں)۔

کلمات تفسیر یہ کی توضیح و تشریح

- قوله: **الْقِيَمِ**: کمال استقامت والا۔
 قوله: **مِنَ اللّٰهِ**: یہ یَاقِی سے متعلق ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ **مَرَدًّا** کے متعلق ہو کیونکہ معنوی اعتبار سے مصدر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو رد نہیں فرماتے اس لیے کہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہے۔
 قوله: **الَّذِينَ آمَنُوا**: اور مومنوں کے بدلے پر اکتفاء اس بات کو ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ مقصود بالذات ہے۔
 قوله: **بِئْتِبَهُمْ**: یہ لیجزی کی تفسیر ہے۔
 قوله: **قد**: قد مقدر سے اشارہ ہے کہ ان مخففہ من المثقلہ ہے۔
 قوله: **بِقِيَمٍ**: اس میں دلالت ہے کہ بارش کو ہوائے طویل عرصہ ہو گیا اس وجہ سے توجہ مایوسی کی طرف پھیری گئی۔
 قوله: **فَرَاوَهُ مَوْصِرًا**: وہ اس اثر یا کھیتی کو دیکھتے اور وہ آیت **فَانظُرْ اِلَى اَثْرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَاٰدِلُوْلٍ** ہے۔

تفسیر مقبولین

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَحْرِ وَالْبَحْرِ ...

کفر و معصیت کی وجہ سے بحر و بر میں فساد کا ظہور:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجا اور اسے ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کا حکم فرمایا، امتحان کے لیے اس میں خیر و شر کے اپنانے کی قوت رکھ دی، اس کے اندر ایسے جذبات ہیں جو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی طرف کھینچتے ہیں اور شیطان بھی ساتھ لگا ہوا ہے وہ لوگوں کو ایمان سے اور اعمال صالحہ سے ہٹاتا ہے اور کفر اور شرک کی راہ پر ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ یہ بتا دیا کہ کفر اور شرک اور برے اعمال کا نتیجہ برا ہے، کفر اور شرک کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی اور کفر اور شرک کے علاوہ جو برے اعمال ہیں ان کی سزا بھی دونوں جہاں میں مل سکتی ہے، انسانوں کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ عموماً برائیوں کی طرف زیادہ ڈھلتے ہیں اور یہ برائیاں طرح طرح کی مصیبتوں کا سبب بن جاتی ہیں، دنیا میں امن و امان قائم نہیں رہتا اور ایسے ایسے انقلاب آتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے دنیا مصیبتوں کی آماجگاہ بنی رہتی ہے۔ آیت کریمہ (ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَحْرِ وَالْبَحْرِ) میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ خشکی (جس میں آبادیاں اور جنگل سب شامل ہیں) اور سمندر میں فساد ظاہر ہو گیا، آپس میں قتل و خون ہوتا اور قحط آتا ہے، مہلک امراض کا عام ہو جانا، نئے نئے امراض کا پیدا ہو جانا، آندھیوں کا چلنا، کھیتوں کو کیزوں کا کھا جانا اور زلزلوں کا آنا اور سخت سروی سے تباہ ہو جانا (جسے بعض علاقوں میں پالامانا کہتے ہیں) اور اس طرح کی بہت سی مصیبتوں کا ظہور ہونا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سزائیں دی جاتی ہیں تاکہ بندے ہوش میں

آئیں، کفر و شرک اور گناہوں کو چھوڑیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور یہ انسانوں کے پورے اعمال کی سزا نہیں ہے بلکہ بعض اعمال کی سزا ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے (لِيُنذِرَ يَهُودَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ) (تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے) اگر تمام اعمال پر گرفت کی جائے تو زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا زندہ نہ بچے۔ سورۃ فاطر میں فرمایا: (وَلَوْ يَدُّوا إِلَهُ النَّاسِ لَمَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهِمَا مِنَ الذَّاتِ وَلَكِنَّ لِيُؤْتِيَهُمُ الْآيَاتِ مَسْتَشِيًّا) (اور اگر اللہ لوگوں کا مواخذہ فرمائے ان کے اعمال کی وجہ سے تو زمین کی پشت پر کسی بھی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑے اور لیکن وہ انہیں مقررہ میعاد تک مؤخر فرماتا ہے) اور سورۃ شوریٰ میں فرمایا: (وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ آيَاتِكُمْ وَتَعْلَمُونَ كَيْفِيَّتِهَا) (اور جو کچھ تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے سو وہ تمہارے اعمال کے سبب سے ہے اور اللہ بہت سے اعمال کو معاف فرمادیتا ہے۔)

زمین کے خشک حصہ میں جو فساد اور بگاڑ ہے وہ تو نظروں کے سامنے ہے سمندر میں جو فساد ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں تفسیر قرطبی میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا ہے جب بارش ہوتی ہے تو سمندر میں جو سپیاں ہیں ان کا منہ کھل جاتا ہے اور جس سپی میں بارش کا قطرہ گر جائے وہ موتی بن جاتا ہے اور بارشیں انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے رک جاتی ہیں لہذا موتیوں کی پیدائش بھی کم ہو جاتی ہے اور یہ موتی جو انسان کے کام آتے ہیں ان سے انسان محروم ہو جاتے ہیں۔

صاحب روح المعانی نے حضرت مجاہدؒ (تابعی) سے یوں نقل کیا ہے کہ ظالم لوگ غریب کشتی والوں کی کشتیاں چھین لیتے تھے۔ آیت میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔ (اور یہ کشتی چھیننا بطور مثال کے ہے، سمندر کی سطح پر کشتیوں اور جہازوں میں جو لوگوں پر ظلم ہوتے ہیں، ٹیکس لیے جاتے ہیں اور ملکوں کی آپس کی لڑائیوں کی وجہ سے جو گولہ باری ہوتی ہے، جہاز تباہ ہوتے ہیں، ہر فریق کے آدمی مرتے ہیں اور سامانوں سے بھرے ہوئے جہاز ڈبو دیئے جاتے ہیں، یہ سب فساد فی البحر کے ذیل میں آتا ہے۔)

یاد رہے کہ آیت کریمہ میں عمومی فساد کا ذکر ہے جب گناہوں کی وجہ سے عمومی مصیبتیں آتی ہیں تو ان کی وجہ سے مومن اور کافر، نیک اور بدحتی کہ جانور بھی متاثر ہوتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے سنا کہ ایک شخص یوں کہہ رہا ہے کہ ظالم شخص صرف اپنی ہی جان کو نقصان پہنچاتا ہے، اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ دوسری مخلوق بھی اس سے متاثر ہوتی ہے یہاں تک کہ حباری (ایک پرندہ کا نام ہے) بھی اپنے گھونسلہ میں ظالم کے ظلم کی وجہ سے دہلی ہو کر مر جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ الصحیح ص ۱۳۶)

جب بارش نہ ہوگی تو زمین میں پانی کی بھی کمی ہوگی۔ بارش کا پانی جو جگہ جگہ ٹھہر جاتا ہے جس سے انسان اور جانور سب ہی پیتے ہیں وہ نہ ہوگا تو پیاس سے مریں گے اور بارش نہ ہونے کی وجہ سے جب کھیتوں میں پیداوار نہ ہوگی تو انسان اور جانور سب ہی مصیبت میں پڑ جائیں گے۔

یاد رہے کہ آیت کریمہ میں ان تکلیفوں کا ذکر نہیں ہے جو نیک بندوں کو ان کے گناہ معاف کرنے یا درجات بلند کرنے کے لیے پیش آتی ہیں۔ ان حضرات کو آلام و امراض سے تکلیف تو ہوتی ہے لیکن یہ ان کے حق میں مفید ہوتی ہے اس لیے مصیبت نہیں راتی۔ پھر یہ لوگ صبر کرتے ہیں اس کا بھی ثواب پاتے ہیں اور گناہوں پر متنبہ ہو کر توبہ و استغفار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں،

لہذا یہ تکلیفیں ان پر بطور تہنیت نہیں ہوتیں، ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور مہربانی ہوتی ہے اور صبر اور توبہ و استغفار کا مستقل ثواب ملتا ہے۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ...

یہاں تک توحید و نبوت و معاد کے مسائل کو براہین قاطعہ و حجج ساطعہ سے ایسا ثابت کیا تھا کہ جو کوئی ذرا بھی عقل سلیم رکھے تو خود سمجھ لے اور جو اس سے بھی بلید الذہن ہو تو ان کی کیفیت کسی سے سن کر مان لے، مگر کفار مکہ اپنی بد قسمتی اور ازلی محرومی سے اس مرتبہ میں بھی نہ تھے، اس پر بھی ان کا وہی اصرار وہی انکار چلا جاتا تھا۔ تو اب ان کی نسبت یہی صادق آ گیا تھا کہ وہ حیات انسانی سے بہرہ ور نہیں۔ گویا مرے ہیں اور نہ ان کے جو اس سلیبہ بجا ہیں۔ اندھے، بہرے بھی ہیں۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ اس میں آپ کا کیا تصور ہے؟ یہ مردے ہیں۔ آپ مردوں کو سنانے نہیں آئے اور بہرے ہیں، ایسے بہروں کو جو پیٹھ پھیر کر بھاگ انھیں تو آپ انہیں بھی نہیں سنا سکتے۔ کاش بہرے ہوتے اور سامنے آتے ہاتھوں کے اشارے سے ہی سمجھ جاتے مگر جبکہ انہوں نے یہ قصد مصمم کر لیا کہ ہم ہرگز نہیں مانیں گے تو گویا پیٹھ پھیر کر بھاگ اٹھے اور یہ ازلی اندھے ہیں۔ آپ ان کو کیونکر رہنمائی کر سکتے ہو۔ آپ صرف ان لوگوں کے سنانے کو آئے ہیں کہ جن میں ایمان لانے کا مادہ اور صلاحیت ہے، جس کو اِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا، ان کی قابلیت و استعداد فعلیت کے مرتبہ کے پاس آگئی ہے۔ پس وہی مانتے ہیں۔ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے لے کر فَهَمْ مُسْلِمُونَ تک یہ مطلب ہوا۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے لے کر فَهَمْ مُسْلِمُونَ تک یہ مطلب ہوا۔ فَاِنَّكَ میں جو ف آئی ہے، وہ اس لیے کہ وہ مردے ہیں۔ حیات انسانی ان میں نہیں، بس آپ مردوں کو نہیں سنا تے۔ الموتی سے مراد وہی کفار ہیں کہ جن کو مردوں سے تشبیہ دی گئی اور الضمّہ سے مراد بھی وہی لوگ ہیں کہ جن کو مردوں سے تشبیہ دی گئی اور الضمّہ سے بھی وہی مراد ہیں کہ جن کو اندھوں سے تشبیہ دی گئی۔ میت، صم، عمی کے الفاظ کا اطلاق حقیقت عرفی کے مطابق اسی متعارف مردے، بہرے، اندھے پر ہوتا ہے جو ظاہری جان نہ رکھے نہ ظاہری کان نہ ظاہری آنکھ مگر کنایہ کے طور پر یا مجازاً بعلاقہ تشبیہ ایسے لوگوں پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

اِذَا دُكُوْا مُدْبِرِيْنَ ۝۱۰ کی قید کا فائدہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو بھاگ اٹھے تو پھر کسی طرح بھی سمجھ نہیں سکتا، سنا تو درکنار اور اِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ کے معنی بھی معلوم ہو گئے کہ جن میں ایمان کی قابلیت ہے، پس اب یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ جو اللہ کی آیتوں پر خود ایمان لاتے ہیں ان کو سنانے کی کیا ضرورت؟ تحصیل حاصل ہے۔

سماع موتی کی بحث: ان آیات سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردہ نہیں سنا اور اس کی سند میں کچھ احادیث و اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ آج کل یہ مسئلہ سماع موتی باہمی قیل و قال کا بڑا میدان ہو رہا ہے، اگرچہ اس کی پوری تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، مگر مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں۔ ان آیات میں تو عدم سماع موتی کا اشارہ تک بھی نہیں اس لیے ان سے استدلال کرنا بے فائدہ بات ہے، رہے احادیث و اقوال ان سے بھی صاف نہیں معلوم ہوتا کہ میت سن نہیں سکتے، بلکہ بہت سی صحیح احادیث اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ مردے زندوں کی آواز سنتے ہیں۔ از آنجملہ وہ احادیث جو زیارت قبور کی بابت وارد ہیں جن میں مردوں

سے خطاب کر کے کلام کیا۔ جیسا کہ ترمذی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ کے قبرستان پر سے گزرے تو یہ فرمایا: السلام علیکم یا اہل قبور اور اس طرح مسلم نے عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بقیع میں جا کر یہ فرمایا: السلام علیکم دار قوم مؤمنین اے اور ایسا ہی تعلیم بھی فرمایا۔ ازاں جملہ احادیث عذاب قبر میں جیسا کہ بخاری و مسلم نے انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر اس کے لوگ واپس پھرتے ہیں تو انہیں لیسلم قرع نعالہم وہ ان کی جوتیوں کی آواز سننا ہے۔ اے ازاں جملہ وہ جو بدر کے روز آنحضرت ﷺ نے کفار قریش کے مقتولوں سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ تم نے آج دیکھ لیا، اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ جس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا حضرت یہ کیا سنتے ہیں؟ فرمایا تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں، لیکن جواب نہیں دیتے، اس کو بھی بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

قرء طمس بضم الضاد وفتحها في الثلاثة ولكن الضم مختار ۱۲

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ مَاءٍ مَهِينٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ آخَرَ وَهُوَ ضَعْفُ الطَّفُولِيَّةِ قُوَّةٌ
 أَيْ قُوَّةَ الشَّبَابِ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً ضَعْفُ الْكِبَرِ وَشَيْبُ الْهَرَمِ وَالضُّعْفُ فِي
 الثَّلَاثَةِ بِضَمِّ أَوَّلِهِ وَفَتْحِهِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ مِنَ الضُّعْفِ وَالْقُوَّةِ وَالشَّبَابِ وَالشَّيْبَةِ وَهُوَ الْعَلِيمُ بِتَدْبِيرِ
 خَلْقِهِ الْقَدِيرُ ⑤ عَلَى مَا يَشَاءُ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ بِخَلْفِ الْمَجْرُمُونَ ⑥ الْكَافِرُونَ مَا كُنْتُمْ
 فِي الْقُبُورِ غَيْرَ سَاعَةٍ ⑦ قَالَ تَعَالَى كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ⑧ يُضْرَفُونَ عَنِ الْحَقِّ الْبَعْثِ كَمَا ضَرَفُوا
 عَنِ الْحَقِّ الصِّدْقِ فِي مَدَّةِ اللَّبَثِ وَقَالَ الَّذِينَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَغَيْرِهِمْ لَقَدْ
 كُنْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ فِيمَا كَتَبْنَا فِي سَابِقِ عِلْمِهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ الَّذِي أَنْكَرْتُمُوهُ وَ
 لَكُنْتُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ⑨ وَفُوعَهُ فَيَوْمِئِذٍ لَا يَنْفَعُ بِالنَّاءِ وَالْبَاءِ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعذِرَتُهُمْ فِي
 أَنْكَارِهِمْ لَهُ وَلَا هُمْ يَسْتَعْتَبُونَ ⑩ يُطَلَّبُ مِنْهُمْ الْعُتْبَى أَيْ الرَّجُوعُ إِلَى مَا بَرَّضَى اللَّهُ وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا
 جَعَلْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ⑪ تَنْبِيهِهَا لَهُمْ وَلَكِنْ لَا مَقَسَمٍ جَنَّتُهُمْ يَا مُحَمَّدُ بِآيَةٍ
 مِثْلَ الْعَصَا وَالْيَدِ لِمُوسَى لِيَقُولَنَّ حَذَفَ مِنْهُ نُورُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي التَّنَوُّاتِ وَالْوَاوُضْمِيِّ الْجَمْعِ لِانْتِقَاءِ
 السَّاكِنِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ مَا أَنْتُمْ أَيْ مُحَمَّدٌ وَأَصْحَابُهُ إِلَّا صَبْطُونَ ⑫ أَصْحَابُ أَبَاطِيلٍ
 كَذَلِكَ يُطَبِّعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ⑬ لَتَوَجِدَنَّ كَمَا طَبَّعَ عَلَى قُلُوبِ هَؤُلَاءِ فَاصْبِرْ إِنْ
 وَعَدَّ اللَّهُ بِنَصْرِكَ عَلَيْهِمْ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفُّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ⑭ بِالْبَعْثِ أَيْ لَا يَحْمِلُكَ عَلَى ⑮

الْخِفَّةِ وَالطَّيِّبِشِ بِتَرْكِ الضَّبْرِ أَيْ لَا تَنْتُرُ كَنَّهُ

ترجمہ: اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا (حقیر پانی سے) پھر ناتوانی (بچپن کی کمزوری) کے بعد (جوانی کی قوت) تو انائی عطا فرمائی پھر تو انائی کے بعد ضعف اور بڑھادیا (بڑھاپے کی کمزوری اور بے انتہاء کمزوری۔ لفظ ضعف تینوں جگہ ضم اول اور فتح اول کے ساتھ ہے) وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (کمزوری اور قوت جوانی اور بڑھاپا) اور وہ (اپنی مخلوق کی تدبیر) جاننے والا (جو چاہے اس پر) قدرت رکھنے والا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی قسم کھا بیٹھیں گے (حلف اٹھائیں گے) مجرم (کافر) وہ (قبروں میں) ایک گھڑی سے زیادہ رہے ہی نہیں (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) اسی طرح تھے اٹھے جاتے (قیامت کے حق ہونے سے ایسے ہی پھر گئے جیسے ٹھہرنے کی مدت کی سچائی سے منہ موڑ رہے ہیں) اور جن لوگوں کو علم اور ایمان عطا ہوا ہے (فرشتے وغیرہ) وہ کہیں گے کہ تم نوشہ الہی کے مطابق (جو اس نے علم ازلی کے مطابق لکھا ہے) قیامت کے دن تک رہے ہو۔ سو قیامت کا دن یہی ہے (جس کا تم انکار کیا کرتے تھے) لیکن تم یقین نہ کرتے تھے (اس کے ہونے کا) غرض اس روز نفع نہ دے گا (باور تا کے ساتھ ہے) ظالموں کو ان کا عذر کرنا (قیامت کے انکار کے سلسلہ میں) اور نہ ان سے خدا کی ناراضگی کی سزا چاہی جائے گی (خدا کی ناراضگی دور کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا یعنی خدا کی خوشنودی کی طرف رجوع کرنے کے لئے) اور ہم نے بیان کئے (بنائے) لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر طرح کے عمدہ مضامین (اس کی تشبیہ کے لئے) اور اگر (لام برائے قسم) آپ (محمدؐ) ان کے پاس کوئی نشان لے آئیں (جیسے عصائے موسیٰ اور ید بیضا) تب بھی یہی کہیں گے (لَیَقُولَنَّ سَے نون رفع حذف کر دیا گیا ہے تین نون جمع ہو جانے کی وجہ سے اور واؤ ضمیر جمع بھی حذف کر دیا گیا ہے القاء ساکنین کی وجہ سے) وہ لوگ جو (ان میں) کافر ہیں کہ تم سب (اے محمدؐ اور ان کے ساتھیوں) محض باطل پر (غلط کار لوگ) ہو اسی طرح مہر لگا دیتا ہے ان کے دلوں پر جو یقین نہیں کرتے (توحید پر جسے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے) سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ (ان کے مقابلہ میں آپ کی مدد کا) سچا ہے اور اکھاڑ نہ دیں تجھ کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے (یعنی وہ لوگ آپ کو ہلکے پن جوش میں مبتلا کر کے بے تاب ہونے پر آمادہ نہ کرنے پائیں یعنی صبر کا دامن نہ چھوڑیے)

کلمات تفسیر کے توضیح و شرح

قوله: مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ: اس سے اشارہ کر دیا کہ ظاہر کو ضمیر کی جگہ لانے سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے کی پہلے سے مغایرت ثابت ہو جائے۔

قوله: تَقْوَمُ السَّاعَةُ: قیامت کو ساعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کی گھڑیوں میں سے آخری گھڑی ہوگی۔

قوله: فَبِمَا كَتَبْنَا: یعنی جس کو اس نے واجب و لازم کیا۔

قوله: فَبِمَا عَلَّمْنَا: یعنی اپنی سابقہ معلومات میں۔

قولہ: اِلٰی یَوْمِ الْبَیْثَةِ اَبْرٰہِیْمَ لے لہا اور نہں پہ آہوں نے آہ میں اٹھائیں، ان لوگوں نے ساتھ لانا پیمانے کا۔
 قولہ: فَهٰذَا اَبْرٰہِیْمُ: لاپرواہی کے لئے اب میں آئی ہے۔ لہذا یہ ہے ان کا کہ تم میں سے کون ہے جس کا وہی دن ہے۔
 قولہ: بِاللَّیْلِ: ایسے وقت یہاں صدر نے کئی میں ہے۔

قولہ: اَلْعَمَّیْیُ: رضوانندی۔ میں نے اس سے رضوانندی طلب لی، اس سے رضوانندی ظاہر کر دی۔

قولہ: اَللّٰہِیْہِ اَللّٰہِیْمُ: ان کی تو یہ بات ہے کہ وہ اللہ کے لئے ہے۔

قولہ: اَضْحٰحٰنَ اِبٰہِ اَمَلِیْلِ: اہل میں بن ہا مل اس کا معنی بھوت ہے۔

قولہ: وَ اَلْمَطَّیْیٰسُ: بظلمت اب، ہے قہ اری۔



اِنَّہٗ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ

اس سورت کا: اہم ترین قیامت کے شہادت کے ازالہ سے متعلق ہے جس کے لیے حق تعالیٰ قدرت و طاقت کا مالہ اور علمت بالذات کی بہت سی آیات اور نشانیاں، اظہار و ناقلان انسان اور مخلوقات سے پیدا کرنے کا سامان لیا گیا ہے۔ مذکورہ صدر پہلی آیت میں ایک نئے انداز سے انی مضمون کا اظہار ہے یہ کہ انسان اپنی طبیعت سے جلد باز واقع ہوا ہے اور سامنے کی چیزوں میں لگ کر ماضی و مستقبل کو بھلا دینے کا مادی ہے اور اس کی نہیں مانتا اس اور بہت سی غلطیوں میں مبتلا کرتی ہے۔ جس وقت انسان ہوا ہوتا ہے اس کی قوت اپنے شہاب پہ ہوتی ہے، یہ اپنی قوت کے زور میں کسی کو ہتھی نہیں سمجھتا، حدود پر قائم رہتا اس کو اور ہر معلوم ہوتا ہے۔ اس کو متوجہ کرنے کے لیے اس آیت میں قوت و ضعف کے اعتبار سے انسانی وجود کا ایک عمل خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں اظہار یا ہے کہ انسان کی ابتدا بھی لزوم ہے اور انتہا بھی اور بیان میں بہت تھوڑے دلوں کے لیے اس کو ایک قوت ملتی ہے۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو ہندو راہ قوت کے زمانہ میں اپنی پہلی لزوری اور آنے والی لزوری سے کبھی ناقل نہ ہو، بلکہ اپنی اس لزوری کے مختلف درجات کو بھولے۔ مانتے رہے۔ جن سے گذر کر یہ قوت و شہاب تک پہنچا ہے۔

خَلَقَکُمْ مِّنْ ضَعْفٍ مِّنْ اِنْسَانٍ لَّیْسَ بِیَقِیْنٍ: یا کیا کہ اپنی اصل بنیاد کو دیکھو اس قدر ضعیف بلکہ عین ضعف ہے کہ ایک قطرہ ہے جان، ہے امور، ناپاک، کمزور، ناپاکی ہے۔ اس میں نور لڑ کر اس کی قدرت و علمت نے اس کو فنا کرنے کا ایک خون محمد کی صورت میں پھر خون کو کوشش کی صورت میں پھر اس کو کوشش کے اندر ہڈیاں بنائیں۔ پھر اس کے اعضاء و عوارض کی نازک نشانیوں بنائیں کہ یہ ایک تھوڑا سا وجود ایک چلتی پھرتی فیکٹری بن گیا جس میں سینکڑوں عجیب و غریب خود کار مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ اور زیادہ نور سے کام لے تو ایک فیکٹری نہیں بلکہ ایک عالم اصغر ہے کہ پورے جہان کے نمونے اس کے وجود میں شامل ہیں۔ اس کی تخلیق و تکوین بھی کسی بڑے درجہ شہاب میں نہیں، بلکہ بطن مادر کی تین اندھیریوں میں ہوئی اور کو مہینے انی تک و تار یک ہر کہ میں بطن مادر نے خون اور آلائشوں سے غذا پاتے ہوئے حضرت انسان کا وجود تیار ہوا۔

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ظہور کے لیے راستہ آسان فرما دیا اس عالم میں آئے تو ان کی شان یہ تھی کہ اَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا یعنی تمہیں شکم مادر سے اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے، اب قدرت نے تعلیم و تلقین کا سلسلہ شروع کیا، سب سے پہلا ہنر رونے کا سکھایا جس سے ماں باپ متوجہ ہو کر اس کی بھوک پیاس اور ہر تکلیف کو دور کرنے پر لگ جائیں۔ پھر ہونٹوں، مسوڑوں کو دبا کر ماں کی چھاتیوں سے دودھ نکالنے کا ہنر سکھایا جس سے وہ اپنی غذا حاصل کرے۔ کس کی مجال تھی جو اس لا ینظر بچے کو یہ دونوں ہنر سکھا دے جو اس کی موجودہ ساری ضرورتوں کی کفالت کرتے ہیں، بجز اس قدرت کے جو اس کی تخلیق کی مالک ہے اب ضعیف بچہ ہے ذرا ہوا لگ جائے تو پڑمردہ ہو جائے، ذرا سردی یا گرمی لگ جائے تو بیمار ہو جائے نہ اپنی کسی ضرورت کو مانگ سکتا ہے نہ کسی تکلیف کو دور کر سکتا ہے۔ یہاں سے چلے اور جوانی کے عالم تک اس کی تدریجی منازل تک غور کرتے جائیے تو قدرت حق جل شانہ کا ایسا عظیم شاہکار سامنے آئے گا کہ عقل حیران رہ جائے گی۔

ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا اب یہ قوت کی منزل میں پہنچے تو زمین آسمان کے قلابے ملانے لگے، چاند اور مرتخ پر کند پھینکنے لگے، بحر و بر پر اپنے قبضے جمانے لگے، اپنے ماضی و مستقبل سے غافل ہو کر مَنِّ اَشْتَدُّ مِثْلًا قُوَّةً (ہم سے زیادہ کون قوی ہو سکتا ہے) کے نعرے لگانے لگے۔ یہاں تک کہ اسی قوت کے نشہ میں اپنے پیدا کرنے والے کو بھی بھول گئے اور اس کے احکام کی بیروی کو بھی مگر قدرت نے اس کو بیدار کرنے کے لیے فرمایا: ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَ شَيْبَةً کہ غافل! خوب سمجھ لے کہ یہ قوت تیری چند روزہ ہے۔ پھر اسی ضعف کے عالم کی طرف لوٹنا ہے اور اسی تدریج سے ضعف بڑھنا شروع ہوگا جس کا اثر ایک وقت کے بعد شبیبہ بالوں کی سفیدی کی صورت میں ظاہر ہوگا اور پھر سب ہی اعضاء و جوارح کی شکل و صورت میں تبدیلیاں لائے گا۔ دنیا کی تاریخ اور دوسری کتابیں نہیں خود اپنے وجود میں لکھی ہوئی اس مخفی تحریر کو پڑھ لو تو اس یقین کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَ هُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ کہ یہ سب کار سازی اس رب العزت کی ہے جو پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جس طرح چاہتا ہے اور علم میں بھی سب سے بڑا ہے اور قدرت میں بھی کیا اس کے بعد بھی اس میں کچھ شبیبہ کی گنجائش رہ گئی، کہ وہ جب چاہے مردوں کو دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔ (تفسیر معارف القرآن، مفتی شفیع)

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ...

یہ تین آیات ہیں، پہلی آیت میں یہ بتایا کہ جب قیامت قائم ہوگی اور زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے تو اس وقت مجرمین یعنی کافر لوگ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم تو موت کے بعد قبروں میں تھوڑی سی ہی دیر رہے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے بتایا کہ اس سے دنیا کی زندگی مراد لیں گے اور ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا میں ہم ذرا دیر ہی رہے تھے، عمریں تو اچھی خاصی گزاریں لیکن ایمان نہ لائے اور نیک عمل نہ کیے، اتنی بڑی زندگی بیکار ہی چلی گئی، جو چیز زیادہ ہو اور اس سے نفع نہ اٹھایا جائے تو وہ قلیل مانی جاتی ہے جیسا کہ قلیل چیز نفع مند ہو تو اسے کثیر کہا جاتا ہے۔ (ذکر صاحب ارواح)

ان لوگوں کا کہنا کہ ہم دنیا میں یا برزخ میں صرف ذرا دیر ہی رہے جھوٹ ہی ہوگا اور یہ ان کا پہلا جھوٹ نہیں ہوگا بلکہ دنیا

میں جب ان کے سامنے حق آتا تھا تو اس سے اعراض کرتے تھے اور اس کی تکذیب کرتے تھے اور الٹی ہی چال چلتے تھے شیطان اور نفس انہیں حق کی تکذیب پر آمادہ کرتے تھے۔ جن لوگوں کو اللہ نے علم دیا اور ایمان دیا (ان میں فرشتے بھی ہیں اور بنی آدم میں سے وہ افراد بھی ہیں جنہیں علم اور ایمان کے لیے منتخب فرمایا) یہ حضرات ان سے یوں کہیں گے کہ تم اللہ کے نوشتہ میں یعنی اللہ کی کتاب میں بعث کے دن تک ٹھہرے رہے ہو، اللہ تعالیٰ شانہ نے جو لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا اور اپنی کتاب میں جو (وَمِنْ وَاذَاهُمْ بَعَثْنَا فِي نَارِ يَوْمِ يُنْعَقُونَ) فرما دیا تھا تم اسی کے مطابق بعث کے دن تک ٹھہرے رہے ہو۔ یَوْمَ الْبَعْثِ قبروں سے اٹھائے جانے کا دن مراد ہے۔

اہل علم و ایمان مجرمین سے خطاب کرتے ہوئے یوں کہیں گے کہ یہ یوم البعث ہے، قبروں سے زندہ ہو کر اٹھائے جانے کا دن ہے، تم جس کے منکر تھے وہ سامنے آ گیا اور آج واضح ہو گیا کہ تمہارا انکار کرنا باطل تھا لیکن تم نہیں جانتے تھے، جو حضرات قیامت واقع ہونے اور وہاں کی پیشی ہونے کی باتیں کرتے تھے تم ان کو جھٹلاتے تھے اور مذاق اڑاتے تھے، ان کی بات مانتے تو تمہیں آج کے دن کا اور آج کے دن کے حالات کا علم ہوتا۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، کفر اختیار کیا، قیامت کے دن پر ایمان نہ لائے اب جو بھی کوئی معذرت کریں وہ قبول نہیں ہوگی اور معذرت انہیں کوئی نفع نہ دے گی اور نہ ان کو اس کا موقع دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیں کیونکہ کفر پر مرنے کے بعد توبہ کرنے کا کوئی موقع نہیں اور ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کبھی ناراض نہیں ہوگا۔

فَاَصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ...

یعنی جب ان بد بختوں کا حل ضد و عناد کے اس درجہ پر پہنچ گیا تو آپ ﷺ ان کی شرارتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔ بلکہ پیغمبرانہ صبر و تحمل کے ساتھ اپنے دعوت و اصلاح کے کام میں لگے رہیں۔ اللہ نے جو آپ سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے یقیناً پورا کر کے رہے گا۔ اس میں رتی برابر تفاوت و تخلف نہیں ہو سکتا۔ آپ اپنے کام پر جسے رہیے۔ یہ بد عقیدہ اور بے یقین لوگ آپ کو ذرا بھی آپ کے مقام سے جنبش نہ دے سکیں گے۔

سُورَةُ الْقَلْبِ

۱۲ آیتیں

توالت

۲۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْقَلْبِ

۱۲ آیتیں

اس کی چونتیس آیتیں ہیں اور چار رُکوع

سرورِ قرآن کہ جسے نازل ہوا ہے شریفانہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الَّذِي أَعْلَمَ بِمَزَاجِهِ بِه تِلْكَ أَى هَذِهِ الْآيَةُ الْكَلِمَةُ الْقُرْآنُ الْحَكِيمِ ۝ ذِي الْحِكْمَةِ
وَالْإِضَافَةُ بِمَعْنَى مَنْ هُوَ هُدًى وَرَحْمَةٌ بِالرَّفْعِ لِلْمُحْسِنِينَ ۝ وَفِي قِرَاءَةِ الْعَامَةِ بِالنَّصْبِ خَالًا مِنَ
الْأَنَابِ الْعَامِلِ فِيهَا مَا فِي تِلْكَ مِنْ مَعْنَى الْإِشَارَةِ الَّذِينَ يَقِيمُونَ الصَّلَاةَ بَيَانٌ لِلْمُحْسِنِينَ وَيُؤْتُونَ
الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُؤْتُونَ ۝ هُمُ الْثَانِي تَأْكِدًا أَوْلِيكَ عَلَى هُدًى مَنِ رَبِّهِمْ وَأَوْلِيكَ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ ۝ الْفَائِزُونَ وَمِنَ الثَّانِي مَنْ يَشْتَرِي لَهُوَ الْحَدِيثُ أَى مَا يَهْلِي مِنْهُ عَنْ مَا يَعْنِي لِيُضِلَّ
بِفَتْحِ الْبَاءِ وَضَمِّهَا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ طَرِيقِ الْإِسْلَامِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۝ وَيَتَّخِذَهَا بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلَى يَضِلُّ
وَبِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلَى يَشْتَرِي هُزُؤًا ۝ مَهْزُؤًا بِهَا أَوْلِيكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ ذُوَاهَانَةٌ وَإِذَا تَنَسَّلَ عَلَيْهِ
أَيْتْنَا الْقُرْآنُ وَلِي مُسْتَكْبِرًا مُتَكَبِّرًا كَانَ لَمْ يَسْمَعَهَا كَانَ فِي أُذُنَيْهِ وَقِرَاءَةً صَمًّا وَجُمْلَتَا التَّشْبِيهِ
خَالًا مِنْ ضَمِيرٍ وَلِي أَوِ الثَّانِيَةِ بَيَانٌ لِلْأُولَى فَبَشْرَةٌ أَعْلَمُهُ بِعَذَابِ الْيَوْمِ ۝ مُؤَلِّمٌ وَذِكْرُ الْبَشَارَةِ
تَهْكِيمٌ بِهِ وَهُوَ التَّضَرُّبُ مِنَ الْحَارِثِ كَانَ يَأْتِي الْحَيْزَةَ يَشْجُرُ فَيَشْتَرِي كُتِبَ أَخْبَارِ الْأَعَاجِمِ وَيُحَدِّثُ بِهَا
أَهْلَ مَكَّةَ وَيَقُولُ إِنْ مُحَمَّدًا يُحَدِّثُكُمْ أَحَادِيثَ عَادِيَةً وَتَمُودَ وَأَنَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيثَ فَارِسَ وَالرُّومِ
فَيَسْتَمْلِحُونَ حَدِيثَهُ وَيُزَكُّونَ اسْتِمَاعَ الْقُرْآنِ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ
النَّعِيمِ ۝ خَلِيدِينَ فِيهَا ۝ خَالٌ مُقَدَّرَةٌ أَى مُقَدَّرًا خَلُودُهُمْ فِيهَا إِذَا دَخَلُوهَا وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا أَى
وَعَدَّهُمُ اللَّهُ ذَلِكَ وَحَقًّا حَقًّا وَهُوَ الْعَزِيزُ الَّذِي لَا يَغْلِبُهُ شَيْءٌ فَيَمْنَعُهُ عَنِ نَجَازِ وَعْدِهِ وَوَعْدُهُ

الْحَكِيمُ ۝ الَّذِي لَا يَضَعُ شَيْئًا إِلَّا فِي مَخْلَقِهِ خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا أَيُّ الْعَمَدِ جَمَعَ عِمَادٍ
 وَهُوَ الْأُسْطُوَانَةُ وَهُوَ صَادِقٌ بِأَنَّ لَا عَمَدًا أَصْلًا وَالْقِي فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيًۭا جِبَالًا مَرْتَفَعَةً أَنْ لَا تَمِيدَ
 تَتَحَزَّكَ بِكُمْ وَبَتْ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۖ وَ أَنْزَلْنَا فِيهِ الْغِيَاثَ عَنِ الْغَيْبَةِ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا
 مِنْ كُلِّ نَوْعٍ كَرِيمٍ ۝ صِنْفٍ حَسَنٍ هَذَا خَلَقَ اللَّهُ أَيُّ مَخْلُوقِهِ فَأَرُونِي أَخْبِرُونِي يَا أَهْلَ مَكَّةَ مَاذَا
 خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۖ مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۖ غَيْرَهُ أَيُّ الْهَيْئَتِكُمْ حَتَّىٰ أَشْرَ كُتُمُوهَا بِهِ تَعَالَىٰ وَمَا
 اِسْتَفْهَمُوا انْتِكَارٍ مُبْتَدَأٌ وَذَا بِمَعْنَى الَّذِي بِصِلَتِهِ خَبْرَةٌ وَأَرُونِي مُعَلَّقٌ عَنِ الْعَمَلِ وَمَا بَعْدَهُ سَدَمَسَدٌ
 الْمَفْعُولَيْنِ بَلِ لِلْإِنْتِقَالِ الظُّلْمُونَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ بَيْنَ يَأْشُرًا كَيْهَمٌ وَتَتَمُّ مِنْهُمْ

ترجمہ: اللہ (اس کی مراد کا حقیقی علم اللہ کے پاس ہے) یہ (آیتیں) آیات ہیں کتاب (قرآن) حکیم کی (جو حکمت والی ہے ایٹ الکتیب میں اضافت مذیہ ہے۔ وہ (قرآن) جو کہ ہدایت اور رحمت ہے (رفع کے ساتھ) نیکی کرنے والوں کے لئے عام قرآت میں لفظ "رحمت" نصب کے ساتھ "آیات" سے حال واقع ہے اور عامل اس میں تک کے معنی اشارہ ہیں) جو نماز کی پابندی کرتے ہیں (محسنین کا بیان ہے) اور زکوٰۃ کو ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا پورا یقین رکھتے ہیں (دوسرا ہم تاکید ہے) یہی لوگ ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت کے راستے پر اور یہی لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں (یعنی کامیاب ہیں) اور ایک آدمی ایسا بھی ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی باتیں خریدتا ہے (جو ضروریات کے کام کو چھڑا کر فضولیات میں لگا دیتی ہیں) تاکہ گمراہ کر دے (سہی فتحہ اور ضمہ کے ساتھ) اللہ کی راہ (اسلام) سے بے سمجھے ہو جھے اور اڑائے اسکی (تخذ نصب کے ساتھ لیضلاً پر عطف ہوگا اور رفع کے ساتھ یَشْتَرُونِي پر عطف ہوگا) ہنسی (مذاق) ایسے ہی لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے (توہین آمیز) اور جب اس کے سامنے ہماری آیتیں (قرآن کریم سے) پڑھی جاتی ہیں تو وہ شخص منہ موڑ لیتا ہے تکبر کرتے ہوئے جیسے اس نے سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے کانوں میں نخل ہے (یعنی بہرا پن۔ اور دونوں تشبیہیں جملہ ولی کی ضمیر سے حال واقعی ہیں یا دوسرا جملہ پہلے جملہ کا بیان ہے) سو آپ اس کو خوشخبری سنا دیجئے (بتلا دیجئے دردناک عذاب کی) جو شدید ہوگا اور بشارت کا لفظ بطور مذاق کے ہے اور وہ شخص نصر بن حارث تھا جو تجارت کی غرض سے مقام حیرہ میں آیا کرتا تھا اور وہاں سے عجمی تاریخ کی کتابیں خرید کر لے جاتا اور جا کر مکہ والوں کو سنایا کرتا اور کہا کرتا کہ محمد (ﷺ) تو تمہارے سامنے عادی شمود کے قصبے بیان کرتا ہے لیکن میں فارس اور روم کے حالات سنا تا ہوں چنانچہ لوگوں کو اس کی داستان سرائی میں لطف آتا اور قرآن سنا چھڑ دیتے) البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ان کے لئے عیش کی جنتیں ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (اللہ حال مقدرہ ہے۔ یعنی یہ لوگ اس حال میں جنت میں جائیں گے کہ ان کے لئے دوام تجویز ہوگا) یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے (یعنی اللہ نے ان سے یہ وعدہ کیا ہے اور سچا وعدہ کیا ہے) اور وہ زبردست ہے (اس پر کوئی غالب نہیں کہ اسے اپنے وعدہ اور وعید کے پورا

ہونے سے روک سکے) رحمت والا ہے (ہر چیز ٹھیک بر محل رکھتا ہے) اس نے آسمان کو بلا ستونوں کے بتایا ہے تم ان کو دیکھ رہے ہو (یعنی ستون کو۔ عمدہ ماد کی جمع ہے ستون یہ فرمانا اس صورت میں بھی صحیح ہو سکتا ہے کہ ہائل ستون ہی نہ ہو) اور زمین میں پہاڑ ایل رکھے (اچی اونچی چٹانیں) کہ وہ تم کو لے کر ڈالو ڈول (ڈنگا ڈا) نہ ہونے لگے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں (اور ہم نے برمایا) اس میں صیغہ غائب سے التفات ہے) آسمان سے پانی پھر اس میں ہر قسم کے عمدہ اقسام (بہترین) اگائے یہ اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں (مخلوق) ہیں اب تم مجھ کو دکھاؤ (اے مکہ کے رہنے والو! مجھے بتلاؤ) اللہ کے علاوہ جو میں انہوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں (غیر اللہ یعنی تمہارے معبودوں نے حتیٰ کہ تم انہیں خدا کا شریک تجویز کرنے لگے ہو اور ما استفہامیہ انکار کے لئے ہے اور مبتدأ واقع ہے اور ذمہ یعنی الذی مع اپنے صلہ کے اس کی خبر ہے اور فادونی عمل سے متعلق ہے اور اس کے بعد دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے) بلکہ (لفظ بیل انتقال کلام کے لئے ہے) یہ عالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں جو ان کے شرک سے واضح ہے اور تم بھی انہیں ظالموں میں سے ہو۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: لَهُوَ الْحَدِيثُ: یہ اضافت من کے معنی میں ہے اس سے خبر دار کرنا مقصود ہے، اگر اس سے حدیث منکر مراد لی اور تجزیہ میں کہہ کر اس سے عام مراد لیا تب بھی درست ہے۔

قوله: يَفْتَحُ الْبَابَ: معنی یہ ہو گا تا کہ وہ اپنی گمراہی پر ثابت قدم رہے اور اس میں اضافہ کرے۔

قوله: وَجَعَلْنَا التَّشْبِيهَ حَالًا: یعنی اس کا حال اس شخص جیسا ہے جس نے اسے نہ سنا اور اس کے مشابہ ہے کہ جس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہو۔

قوله: جَنَّاتُ النَّعِيمِ: یعنی ان کو جنّتوں کی نعمتیں ملیں گی، مبالغہ کے لیے اس کو الٹ کر دیا، اس طرح کہ اس سے جنات کی وضاحت کر دی۔

قوله: وَعَدَّهُمُ اللَّهُ: یہ دونوں معاً کہ مصدر ہیں، پہلا اپنے نفس کے لیے دوسرا غیر کے لیے، کیونکہ ہم جنات وعدہ ہے اور ہر وعدہ کے لیے حق ہونا لازم نہیں۔

قوله: أَنْ لَا تَمَيِّدَ بِكُمْ: ان کے اجزاء کی مشابہت۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی اشیاء، طور طریقوں کی تبدیلی کا تقاضا کرتی ہیں۔

قوله: صِنْفٍ حَسَنِ: یعنی بہت نفع بخش۔

قوله: وَأَرْوِي مَعَلَّقًا: افعال قلوب کی خصوصیت تطبیق اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا لفظی عمل باطل ہو جاتا ہے معنی رہ جاتا ہے، اس کی شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے کلمہ استفہام یا نفی یا لام ابتدا سے اس کے معمول پر داخل ہو۔

قوله: بِاللَّائِنِقَالِ: اس کے شرمسار کرنے سے اعراض کر کے ان کی گمراہی کے ان کے حق میں لکھے جانے کو ذکر کیا جائے کہ جو

تفسیر مقبولین

الذَّٰرِعُ

(ربط) یہ سورت ”سورۃ لقمان“ کے نام سے موسوم ہے جس میں لقمان حکیم علیہ السلام کے کلمات حکمت و موعظت و مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا ذکر ہے اس لیے سورت کا آغاز قرآن کریم کی مدح اور توصیف سے کیا گیا کہ یہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب حکمت و ہدایت ہے جس سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں گذشتہ سورت کے اخیر میں قرآن کریم کے اعجاز اور اس کے مکتبین کا ذکر تھا اور اس سے ذرا پہلے اہل علم اور اہل ایمان کا ذکر تھا اس لیے اس سورت کے شروع میں اول قرآن کی مدح اور توصیف ذکر فرمائی اور اس کے بعد سعدا مظلمین اور اشقیاء خاسرین کا حال اور مال اور ان کے مراتب اور مقامات کو بیان کیا تاکہ دونوں فریق میں کمال تباہی ظاہر ہو جائے جیسا کہ گذشتہ سورت کی آیت: **وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ** میں ذکر تھا کہ قیامت کے دن نیک و بد ہر قسم کے لوگ الگ الگ کر دیئے جائیں گے۔

هٰذِي وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ ﴿٥﴾

سراسر ہدایت اور عظیم الشان رحمت:

یعنی یہاں پر ہادی نہیں ہڈی اور رحمت فرمایا گیا ہے جو کہ مشتق نہیں مصدر ہیں۔ جو تاکید و مبالغہ کے مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔ سو یہ کتاب سراسر ہدایت اور عین رحمت ہے۔ سو یہ کتاب حکیم ایسے لوگوں کو اپنی ہدایت اور راہنمائی سے نوازتی ہے جس سے ان کو صحیح راہ نصیب ہوتی ہے اور وہ زندگی میں حق و ہدایت کی اس شاہراہ پر گامزن ہوتے ہیں جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخوردگی سے سرفراز و مشرف کرنے والی عظیم الشان شاہراہ ہے۔ نیز یہ کتاب حکیم ایسے لوگوں کو اس عظیم الشان رحمت سے نوازتی ہے جو ایک طرف تو ان کو اس دنیا میں حیات طیبہ۔ پاکیزہ زندگی۔ کی دولت سے سرفراز کرتی ہے اور دوسری طرف یہ آخرت میں انکو جنت کی ابدی نعمتوں سے بہرہ مند کرتی ہے۔ سو جو اس کتاب حکیم سے منہ موڑتے ہیں وہ سراسر اپنا اور صرف اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

ہدایت قرآنی سے استفادے کے لیے بنیادی شرائط:

سو اس ارشاد سے اس کتاب حکیم سے استفادے کیلئے بنیادی شرائط کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی اس کتاب حکیم کا فیضان ہدایت و ارشاد ہے تو سب کے لیے عام اور اس کا در رحمت سب کے لیے وا ہے مگر اس سے مستفید و فیضیاب وہی ہو سکتے ہیں جو ایمان و احسان کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ جیسا کہ شفا خانہ تو اپنی جگہ قیمتی دو دلوں سے بھرا ہوتا ہے اور وہ ہوتا سب کے لیے ہے مگر اس سے فائدہ وہی اٹھا سکتے ہیں جو سچے دل اور طلب صادق کے ساتھ اس کی طرف رجوع کریں اور حسب

ہدایت و راستہ استعمال کریں۔ اور حسن احسان سے ماخوذ ہے جس کے معنی اچھا کرنے کے ہیں۔ اور اچھائی ظاہر اور باطن دونوں کے اعتبار سے ہوتی ہے کہ نیت بھی صحیح ہو اور عمل بھی درست۔ یعنی کتاب و سنت کے مطابق ہو۔ جیسا کہ حضرت نبی مصومؐ - علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مشہور حدیث میں احسان کی تعریف میں ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو کہ گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم سے یہ نہ ہو سکے تو کم سے کم یہ سوچو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَانَّهُ يَرَاكَ - اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ الْمُفْلِحِيْنَ بِمَخْضِ مَنَّاكَ وَكَرَمِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ - بہر کیف احسان اور ایمان و تقویٰ کی صفات عظیمہ اور نصاب حمیدہ اس کتاب حکیم کی ہدایت و رحمت سے مستفید ہونے کا اولین تقاضا اور اس کیلئے بنیادی شرائط ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ ...

قرآن کے دشمنوں کی حرکتیں، ان کے لیے عذاب مہین کی وعید:

قرآن پر ایمان لانے والوں کے اعمال اور ان کے ہدایت پر کامیاب ہونے کی بشارت دینے کے بعد قرآن کا انکار کرنے والوں اور اس کے مقابلہ میں بعض چیزیں اختیار کرنے والوں کا مشغل پھر ان کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے جو قرآن کے مخالف ردیہ رکھتے ہیں اور قرآن سے خود بھی دور رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لَهْوَ الْحَدِيثِ ہر وہ بات جو اللہ کی یاد سے غافل کرے اور کھیل میں لگائے۔ حضرت حسن بصریؒ نے (لَهْوَ الْحَدِيثِ) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: (هو كل ما مشغلك عن عبادۃ اللہ تعالیٰ و ذکرہ) یعنی ہر وہ چیز جو اللہ کی عبادت سے بنائے وہ (لَهْوَ الْحَدِيثِ) ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اس سے غناء یعنی گانا بجانا مراد ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ بات منقول ہے۔ حضرت کھول تابعیؒ نے فرمایا کہ (لَهْوَ الْحَدِيثِ) سے گانے بجانے والی لوندیاں مراد ہیں۔ (روح المعانی)

آیت بالا کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے کئی باتیں منقول ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ نضر بن حارث (جو مشرکین کہ میں سے اسلام کے بڑے کٹر دشمنوں میں سے تھا) نے ایک گانے والی باندی خرید لی تھی اسے جس کسی کے بارے میں یہ خبر ملتی کہ وہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر رہا ہے تو وہ اسے اس لوندی کے پاس لے جاتا تھا اور اس لوندی کو کہتا تھا کہ اس شخص کو کھلا پلا اور گانا سنا، پھر جس شخص کو ساتھ لے جاتا تھا اس سے کہتا تھا کہ یہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تجھے محمد ﷺ دعوت دیتے ہیں، وہ تو کہتے ہیں کہ نماز پڑھ روزے رکھ اور ان کے ساتھ مل کر ان کے دشمنوں سے جنگ کر، اس پر آیت کریمہ: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ نازل ہوئی۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ نضر بن حارث عجمت کے لیے فارس جاتا تھا وہاں سے عجمیوں کی کتابیں خریدتا تھا پھر انہیں مکہ معظمہ میں لاکر قریش کو سنانا تھا اور کہتا تھا کہ محمد ﷺ تمہیں عباد اور خود کی باتیں سنانے ہیں اور میں تمہیں رستم اور اسفندیار اور فارس کے بادشاہوں کی خبریں سنانا ہوں، لوگوں کو یہ باتیں پسند آتی تھیں اور قرآن کے بجائے ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے، اس پر آیات بالانا نازل ہوئی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ابن خطل نے یہ حرکت کی تھی کہ اس نے گانے والی باندی خریدی تھی جو ایسے گانے والی تھی جو مسلمان کو اور اسلام کے

برے الفاظ سے ذکر کرنے پر مشتمل ہوتے تھے۔

حضرت حسن بصریؒ نے یہ جو فرمایا کہ (لَهُوَ الْحَدِيثُ) سے ہر وہ چیز مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اور اس کے ذکر سے ہٹائے یہ نعت کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے اور حدیث شریف سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (كُلُّ شَيْءٍ يَلْهَوِيهِ الرَّجُلُ بِاطِلَالٍ أَلَّا رَمِيَهُ بِقَوْسِهِ وَتَأْدِيبِهِ وَمَلَأَتْهُ امْرَأَتُهُ فَانْهَنَ مِنَ الْحَقِّ) (رواہ الترمذی وابن ماجہ کانی مشکوٰۃ ص ۳۳۷) مطلب یہ ہے کہ تین چیزوں کے علاوہ جو بھی کوئی لہو کا کام کوئی شخص کرتا ہے تو وہ باطل ہے ہاں تین کھیل ایسے ہیں جو درست ہیں (۱) اپنی کمان سے تیر پھینکنے کی مشق کرنا۔ (۲) گھوڑے کو سدھارنا (یہ دونوں جہاد کے کام میں آتے ہیں جو دینی ضرورت ہے۔) (۳) اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنا (جو نفس و نظر کو پاک رکھنے کا ذریعہ ہے۔)

گانے بجانے کی مذمت و حرمت

لہو و لعب میں ہر طرح کا جو اور تاش کھیلنا اور ہر وہ شغل آجاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہو اور جو نماز سے اور اللہ کے ذکر سے غافل کرتا ہو۔ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے اچھی آواز دی ہو اور وہ قرآن مجید کی تلاوت کرے یا نعت کے اشعار پڑھے (جس میں بجانے کا سامان بالکل نہ ہو) یا عبرت کے لیے کچھ اشعار پڑھے تو یہ جائز ہے۔ گندے گانے، عشقیہ غزلیں اگرچہ ان کے ساتھ بجانے کا سامان نہ ہو یہ سب ممنوع ہیں، اس قسم کے گانوں کو بعض اکابر نے رقیۃ الزناء (زنا کا منتر) فرمایا ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (الْغِنَاءُ يُنْبِثُ التِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِثُ الْمَاءُ الزَّرْعَ) (کہ گانا دل میں نفاق کو آگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو آگاتا ہے۔) (مشکوٰۃ المعاجم ص ۱۱۱)

اگر عشقیہ غزلیں نہ ہوں تو پھر شعر پڑھنے والا خوش آواز ہو تب بھی اسے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ میرے آس پاس کون ہے، اگر عورتیں آواز سن رہی ہیں تو پھر شعر نہ پڑھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ انجوشہؓ ایک صحابی تھے وہ سفر میں جا رہے تھے۔ عرب کا طریقہ تھا کہ سفر میں اونٹوں کو مست کرنے اور اچھی رفتار سے چلانے کے لیے بلند آواز سے شعر پڑھتے ہوئے جاتے تھے۔ انجوشہؓ خوش آواز آدمی تھے انہوں نے اونٹوں کی رفتار جاری رکھنے کے لیے اشعار پڑھنا شروع کیے جسے حدی پڑھنا کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کی آواز سن لی اور فرمایا کہ اے انجوشہؓ! ٹھہر جاؤ شیشوں کو نہ توڑو۔ راوی قتادہ نے شرح کرتے ہوئے بتایا کہ شیشوں سے عورتیں مراد ہیں جو جلدی متاثر ہو جاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المعاجم ص ۱۱)

آج کل تو گانا بجانا جزو زندگی بن چکا ہے، حلق سے لقمہ ہی تب اترتا ہے جب گانے کی کیسٹ لگا کر کھانا شروع کریں۔ اور آج کل تو ہر گھر کوئی وی نے ناچ گھر اور گانا گھر بنا دیا ہے، چھوٹے بڑے مل کر سب گانا سنتے ہیں جس کی وجہ سے فرض نمازیں تک غارت کی جاتی ہیں اور اللہ کی یاد میں مشغول ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے جن گھروں کو بھی شریف گھرانہ سمجھا جاتا تھا آج ان گھرانوں کی بچیوں کو ناچ گانا سکھایا جاتا ہے اور ان کی ہمت افزائی کی جاتی ہے اور انہیں گلوکارہ اور فنکارہ کے القاب دیئے جاتے ہیں، پھر اوپر سے غضب یہ ہے کہ اسلامی ثقافت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گانے والی لونڈیوں کی فروخت نہ کرو اور انہیں

(گانا) نہ سکھاؤ، اور ان کی قیمت حرام ہے۔ اور فرمایا اسی جیسے معاملے کے لیے آیت کریمہ: **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ**
الْعَدِيثِ نَازِلَ هُوَ۔

حضرت ابوالصہباء نے بیان کیا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں حضرت ابن مسعودؓ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس آیت میں غناء یعنی گانے کی مذمت کی گئی ہے۔ (معالم القرآن ج ۳: ص ۱۹۰)

گانے بجانے کے شغل نے لوگوں کو بربادی کے گڑھے پر لاکھڑا کر دیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جو مصیبتیں آتی ہیں انہیں اپنی بد عملی کا نتیجہ نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے ہیں تو جھوٹی زبان سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے لیکن ان اعمال کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے، گناہوں میں جیسے لت پت تھے ایسے ہی مصیبتوں کے آنے پر ان میں مشغول رہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم نے نفس ہی کو آگے رکھ لیا ہے، اسی کو امام بنا لیا ہے، اسے ناراض کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

حضرت ابو عامر اشعریؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ضرور ایسے لوگ ہوں گے جو زنا کو اور ریشم کو اور شراب کو اور گانے بجانے کے سامان کو حلال کریں گے اور بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جو ایک پہاڑ کے قریب قیام کریں گے ان کے جانور شام کو ان کے پاس پہنچا کریں گے، ان کے پاس ایک شخص کسی ضرورت سے آئے گا تو اسے کہیں گے کہ کل کو آنا، پھر کل آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک فرما دے گا، اور ان پر پہاڑ گر پڑے گا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو قیامت کے دن تک کے لیے بند رخنہ بنا دے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۶ از صحیح بخاری)

ارشاد نبوی ﷺ کہ میں گانے بجانے کی چیزیں منانے کے لیے آیا ہوں:

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر اور جہانوں کے لیے ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کے آلات کو اور بتوں کو اور صلیب کو (جسے عیسائی پوجتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو منادوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۸) اب نام نہاد مسلمانوں کو دیکھو کہ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ جن چیزوں کو منانے کے لیے تشریف لائے انہیں چیزوں کو آنحضرت ﷺ کی نعت سننے میں استعمل کرتے ہیں، پھر اوپر سے ثواب کی امید کرتے ہیں۔ نفس و شیطان نے ایسا مزاج بنا دیا ہے کہ قرآن و حدیث کا قانون بتانے والوں کی بات ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ راتوں رات ہارمونیم و رسارنگی پر اشعار سنتے ہیں اور ساری رات اس کام میں مشغول رہتے ہیں جس کے منانے کے لیے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور رات بھر قوالی سن کر فجر کی اذان ہوتے ہی نماز پڑھے بغیر سو جاتے ہیں۔ دیکھ لو یہ ہیں حب نبوی کے متوالے جنہیں فرض نمازوں کے غارت کرنے پر ذرا بھی ملال نہیں، خدا را انصاف کرو یہ راتوں کو جاگنا نبی اکرم ﷺ کی نعت سننے کے لیے ہے یا آپ ﷺ کا اسم گرامی استعمال کر کے نفس و شیطان کو لذیذ گانے کی غذا دینے کے لیے ہے؟

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے (الْحَجْرُسُ مَرَامِيْرُ الشَّيْطَانِ) (گھنٹیاں شیطان کے باجے ہیں) اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ: (لَا تَصْحَبِ الْمَلَائِكَةُ رَفَقَةً فِيْهَا كَلْبٌ وَلَا جُرْمٌ) (جن لوگوں کے ساتھ کتا یا گھنٹی ہو رحمت کے فرشتے

ان کے ساتھ نہیں رہتے) ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ (مَعَ كُلِّ جَرَسٍ شَيْطَانٌ) (ہر گھنٹی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے) حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں ایک لڑکی داخل ہونے لگی، اس کے پاؤں میں بجنے والا زیور تھا، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ اس لڑکی کو میرے پاس ہرگز نہ لائیں جب تک اس کے جھانجر نہ کاٹ دیئے جائیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جس گھر میں گھنٹی ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

بات یہ ہے کہ گانے بجانے کا دھندا شیطانی دھندا ہے، جو لوگ شیطانی اعمال کرتے ہیں انہیں بجنے بجانے والی چیزوں سے محبت اور رغبت ہوتی ہے، اسی لیے دیکھا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے مندروں اور نصاریٰ کے گرجوں میں اور ان تمام مواقع میں جہاں شیطان کا راج ہو گا بجانے کا انتظام اور اہتمام ہوتا ہے، شیطان ان سے گانے گواتا ہے اور باجے بجواتا ہے اور خود بھی سنا ہے مزے لیتا ہے۔

جاہل پیروں کی بد عملی:

بعض لوگ جو پیری مریدی کا پیشہ کرتے ہیں وہ اپنی خانقاہوں میں اور قبروں پر ساز سارنگی اور ہارمونیم اور طبلہ بجانے کا خاص اہتمام کرتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کو کار خیر سمجھتے ہیں اور بزرگوں کا طریقہ بتاتے ہیں، حالانکہ جن بزرگوں سے نعتیہ اشعار سنا منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ ایسی محفلوں میں شریک ہونے کی شرط یہ ہے کہ ”بجانے کا سامان نہ ہو اور بے ریش لڑکے نہ ہوں اور عورتیں نہ ہوں“ اگر کسی شخص نے ساز اور سارنگی کے ساتھ قوالی سن لی (اگر چہ پیر بنتا ہو) تو اس کا یہ عمل کیسے دلیل بن سکتا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں گانے بجانے کے سامان کو منانے کے لیے آیا ہوں۔ اسلام میں جب بجاتا ہوا زیور گوارا نہیں، ورنہ جانوروں کے گلے میں گھنٹی ڈال دی جاتی ہے اور وہ بھی برداشت نہیں تو گانے بجانے کا اہتمام کرنا اور اس کے لیے جمع ہونا کیسے گوارا ہو سکتا ہے؟

حضرت نافعؓ نے بیان کیا ہے کہ میں حضرت بن عمرؓ کے ساتھ جا رہا تھا انہوں نے مزار کی آواز سنی (جو بجانے کی چیز تھی) یہ آواز سن کر انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے دیں اور ایک جانب کو راستہ سے دور ہو گئے ردور چلے جانے کے بعد دریافت فرمایا کہ اے نافع کیا آواز آ رہی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اب آواز نہیں آ رہی، اس پر انہوں نے اپنے کانوں سے انگلیاں ہٹا دیں اور فرمایا کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپ نے ایک بانسری کی آواز سنی اور یہی عمل کیا ہے جو میں نے کیا ہے۔ واقعہ بیان کر کے حضرت نافعؓ نے فرمایا کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے میں اس وقت کم عمر تھا۔

(مشکوٰۃ الصالحین ص ۱۱۸ از احمد ابو داؤد)

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے شراب سے جوے سے طبل اور غیر اے سے منع فرمایا۔ یہ اہل حبشہ کی ایک شراب تھی، اور فرمایا کہ ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔ (مشکوٰۃ الصالحین ص ۲۱۸)

لَهُوَ الْحَدِيثُ (جو چیز کھیل میں لگائے)

اس کے عموم میں ہر چیز آ جاتی ہے، چونکہ سب نزول میں گانے بجانے کی چیزوں کا بھی ذکر ہے اور یہ اللہ کے ذکر سے اور

نماز سے غافل کرنے میں سب سے زیادہ بڑھ کر ہے اور بعض لوگ ساز اور سارنگی کے ساتھ قوالی سننے کو ثواب سمجھتے ہیں اس لیے مندرجہ بالا مضمون کو ہم نے اہتمام سے بیان کیا ہے اور گانے بجانے کے سلسلہ میں جو روایات سرسری طور پر سامنے آئی ہیں ان کو جمع کر دیا ہے، جو لوگ کسی بھی ایسے کام میں مشغول ہوں جو اللہ کی یاد سے ہٹائے یہ سب (لَهُوَ الْحَدِيثُ) ہے۔

یاد رہے کہ لایعنی باتوں میں مشغول ہونے میں یہ نقصان بہر حال ہے کہ جتنی دیر میں یہ باتیں کی جائیں گی، تلاوت قرآن اور ذکر اللہ سے محروم رہے گا جو بہت بڑا نقصان ہے، مباح ہونا اور بات ہے اور ثواب سے محروم ہونا دوسری چیز ہے اور غیبت اور چغلی جھوٹ تو بہر حال حرام ہی ہے۔

(لَهُوَ الْحَدِيثُ) میں بعض چیزیں حرام ہیں جن میں قمار یعنی جو اکیلنا بھی شامل ہے اور بعض چیزیں مکروہ ہیں جن میں گناہ تو نہیں مگر وقت ضائع ہوتا ہے، اگر ضیافت طبع اور دماغ کی تفریح کے لیے کوئی شعر پڑھا جائے جو گندانہ ہو تو یہ مباح ہے۔
شطرنج وغیرہ کا تذکرہ:

شطرنج کے بارے میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ شطرنج سے وہی شخص کھیلے گا جو گنہگار ہوگا۔ اور انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ باطل چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کو باطل چیز پسند نہیں۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۲۸۷) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نزد سے کھیلا (جو شطرنج کی طرح کھیلنے کی ایک چیز تھی) سو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۲۸۶) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو کبوتر کے پیچھے لگا ہوا تھا، اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جو شیطان کے پیچھے لگ رہا ہے۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۲۸۶) روایات حدیث میں ناش کھیلنے کا ذکر نہیں ہے۔ یہاں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس زمانے میں نہیں تھا، اگر ہار جیت کی شرط کے ساتھ ہو تو تمار یعنی جو ہے، اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر قمار کے بغیر ہو تو بہر حال اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کرنے والا تو ہے ہی جیسا کہ تاش کھیلنے والوں کو دیکھا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ فرمایا ہے۔ اَشْتَرَى کے لغوی معنی خریدنے کے ہیں اور ایک کام کے بدلہ دوسرے کام کو اختیار کرنے کے لیے بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ (أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ) میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں آیت کریمہ میں جَوِشْتَرِي فرمایا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بعض لوگ قرآن کو چھوڑ کر اس کے عوض لَهْوَ الْحَدِيثِ کو اختیار کر لیتے ہیں یعنی کھیلنے کی چیزوں میں لگ جاتے ہیں اور قرآن کریم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جس کی تفصیلت سورۃ کے شروع کی دو آیتوں میں بیان فرمائی، (قال البغوی فی معالم التنزیل ای یستبدل و باختیار الغناء و المزامیر و المعازف علی القرآن) (ج ۲ ص ۲۹۰) علامہ بغویؒ نے معالم التنزیل میں لکھا ہے ”یعنی گانے بجانے اور ہولعب کے آفات کو قرآن کے بدلے میں لیتا ہے اور انہیں قرآن کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے۔“

خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ...

آفاق دلائل میں غور و فکر کی دعوت: اس سے کائنات کے بعض اہم دلائل و شواہد میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ زوج

کے معنی قسم اور جوڑے کے آتے ہیں۔ سو قرآن حکیم نے چودہ صدیاں قبل جس حقیقت کو بیان فرمایا تھا دنیا اپنی طویل تک دور کے بعد اب جا کر اس کا ادراک کر سکی ہے اور آج کا ترقی یافتہ علم نباتات بتاتا ہے کہ ہر پودے میں نرمادہ کا سلسلہ ہے اور اس کی تخلیق کی مختلف شکلیں ہیں۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ بہر کیف اس آیت کریمہ میں کائنات کے ان بعض دلائل و شواہد میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے جو اس میں ہر طرف پھیلے بکھرے ہیں اور جن میں غور و فکر سے کام لے کر ایک متوسط درجے کی عقل کا آدی بھی یہ ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کا خالق عزیز یعنی ہر چیز پر غالب و مقتدر بھی ہے اور اس بے پایاں قدرت کے ساتھ ساتھ وہ نہایت ہی حکیم بھی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ اسی کی قدرت بے نہایت اور حکمت بے پایاں کا ایک عظیم الشان منظر ہے کہ اس نے آسمان کی اس عظیم الشان چھت کو بغیر ایسے ستونوں کے کھڑا کر دیا جو تمہیں نظر آسکیں۔ اور اسی نے زمین کے اندر پہاڑوں کے یہ عظیم الشان ٹکڑا ل دیئے کہ کہیں یہ تمہارے ساتھ لڑھک نہ جائے۔ اور اس نے اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے۔ آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے ہر قسم کی عمدہ پیداواریں اگائیں۔ پس معبود برحق وہی وحدہ لا شریک ہے اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے اس میں کسی بھی اور کو شامل کرنا شرک ہوگا جو کہ ظالم عظیم ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ مِنْهَا الْعِلْمُ وَالذِّبَانَةُ وَالْإِصَابَةُ فِي الْقَوْلِ وَحِكْمَةٌ كَثِيرَةٌ مَا تُورَثُ كَانَتْ يُفْتِيهِ
 قَبْلَ نَعْتِ دَاوُدَ وَادْرَاكِ زَمَنَهُ وَأَخَذَ مِنْهُ الْعِلْمَ وَتَرَكَ الْفُتْيَا وَقَالَ فِي ذَلِكَ أَلَا كُنْتُمْ إِذَا كُنْتُمْ وَقِيلَ لَهُ أَيْ
 النَّاسِ شَرٌّ قَالَ الَّذِي لَا يُبَالِي أَنْ رَأَى النَّاسَ مُسِيئًا أَنْ أَيْ وَقُلْنَا لَهُ اشْكُرْ لِلَّهِ عَلَى مَا أَعْطَاكَ مِنَ
 الْحِكْمَةِ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ لِأَنَّ ثَوَابَ شُكْرِهِ لَهُ وَمَنْ كَفَرَ لِنِعْمَةِ فَإِنَّ اللَّهَ عَنِي
 عَنْ خَلْقِهِ حَبِيدًا ۝ مَحْمُودٌ فِي ضَنْعِهِ وَأَذْكَرُ إِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَبْنِيُّ تَصْغِيرُ اشْفَاقِ
 لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّ الشِّرْكَ بِاللَّهِ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝ فَرَجَعَ إِلَيْهِ وَأَسْلَمَ وَوَضِينَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۖ
 أَمْرًا أَنْ يَبْرَهُمَا حَمَلَتُهُ أُمُّهُ فَوَهْنَتْ وَهْنًا عَلَى وَهْنِ أَيْ صَعَفَتْ لِلْحَمْلِ وَوَضَعَتْ لِلطَّلْقِ وَوَضَعَتْ
 لِلرَّوَادَةِ وَفِصْلُهُ نِطَامُهُ فِي عَامَيْنِ وَقُلْنَا لَهُ أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۚ إِلَى الْمَصِيرِ ۝ أَيْ الْمَرْجِعِ وَ
 إِنَّ جَاهِدَكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ مُوَافِقَةٌ لِلْوَاقِعِ فَلَا تُطْعِمُهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي
 الدُّنْيَا مَعْرُوفًا أَيْ بِالْمَعْرُوفِ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالتَّبَعِ سَبِيلَ طَرِيقٍ مَنْ أَنْابَ رَجَعَ إِلَيَّ ۚ بِالطَّاعَةِ ثُمَّ
 إِلَى مَرْجِعِكُمْ فَإِنَّتُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ فَأَجَارِيكُمْ عَلَيْهِ وَجُمْلَةُ الْوَصِيَّةِ وَمَا بَعْدَهَا اغْتِرَاضُ
 يَبْنِيُّ لِأَنَّهَا أَيْ الْخُصْلَةُ السَّبَبَةُ إِنَّ تَكُ وَثِقَالَ حَبْتٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَوَاتِ أَوْ

فِي الْأَرْضِ أَى فِي أَخْطَى مَكَانٍ مِنْ ذَلِكَ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ فَيَحَاسِبُ عَلَيْهَا إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ
 بِاسْتِخْرَاجِهَا خَيْرٌ ۝ بِمَكَانِهَا يَلْبَثِي أَقْبَمَ الصَّلَاةِ وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَنَّهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْدِرُ عَلَى
 مَا أَصَابَكَ بِسَبَبِ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ إِنَّ ذَلِكَ الْمَذْكُورِ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝ أَى مَعْرُومَاتِهَا الَّتِي يُغْزَمُ
 عَلَيْهَا لِجُوبِهَا وَلَا تُصْعَقُ وَفِي قِرَاءَةِ تَصَاعُرٍ خَدَّكَ لِلنَّاسِ لَا تَمَلُ وَجْهَكَ عَنْهُمْ تَكْبَرًا وَلَا تَنْشِئُ
 فِي الْأَرْضِ مَرَحًا أَى خُبْلًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ عَلَى النَّاسِ وَ
 أَقْصِدُ فِي مَشْيِكَ تَوَسَّطَ فِيهِ بَيْنَ الدَّبِيبِ وَالْإِسْرَاعِ وَعَلَيْكَ السَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ وَاعْظُضْ أَخْفِضْ
 عُنُقَ مِنْ صَوْتِكَ ۝ إِنَّ الْأَصْوَاتِ أَقْبَحُهَا لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝ أَوْلُهُ زَيْبُورٌ وَآخِرُهُ شَهِيْقٌ

ترجمہ: اور ہم نے دی لقمان کو عقلمندی (اس کے ساتھ عم، دیانت، گفتگو میں پختگی اور ان کی دانائی کی بہت سی باتیں منقول
 ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت سے پہلے وہ فتویٰ دیا کرتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہمعصر ہیں، ان سے علم حاصل کرنا
 شروع کیا اور فتویٰ دینا ترک کر دیا اور معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ ”جب ضرورت نہیں رہی تو کیوں نہ بس کروں“ ان سے
 پوچھا گیا کہ سب سے بدترین کون شخص ہے؟ فرمایا ”وہ شخص کہ جس کو لوگ بدترتی حاست میں دیکھ کر بھی لیس تب بھی وہ کسی کی
 پرواہ نہ کرے“ یہ کہ یعنی ہم نے انہیں حکم دیا (کہ) اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہو (اس دانائی پر جو ہم نے تمہیں عطا کی ہے) اور
 جو شخص شکر کرے گا وہ اپنے بھلے ہی کو شکر کرتا ہے (کیونکہ اس کے شکر کرنے کا ثواب اسی کو ملے گا) اور جو کوئی (نعمت کی ناشکری
 کرے گا سو اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق سے) بے نیاز، خوبیوں والا (اپنی کارگیری میں لائق تعریف) ہے اور (آپ یاد کیجئے جب کہ
 لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! یہ تصغیر ہے بربناء شفقت) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا
 بیشک (اللہ کے ساتھ) دوسرے کو شریک ٹھہرانا بڑا بھاری ظلم ہے (بیٹے نے شرک چھوڑ دیا اور مسلمان ہو گیا) اور ہم نے انسان کو
 اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی (ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا) اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں
 رکھا (یعنی ایک تو حمل سے کمزوری ہوئی دوسرے دردزہ کی وجہ سے کمزوری ہوئی تیسرے پیدائش کی کمزوری آئی) اور بچہ کا انگ
 ہونا (دودھ چھوٹنا) دو سال میں ہوا (اور ہم نے انسان کو حکم دیا کہ) تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کہ، میری ہی
 طرف لوٹ کر آنا ہے (یعنی ٹھکانہ ہے) اور اگر وہ دونوں تجھ کو زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی
 تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو (واقع کے مطابق نہ ہو) تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ دستور کے موافق (یعنی احسان،
 نیک سلوک اور صلہ رحمی سے پیش آنا) اور اسکی راہ (ڈاگر) پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو (طاعت کے ذریعہ) پھر میری ہی
 طرف آنا ہے پھر جو کچھ تم کرتے رہتے تھے میں تمہیں سب جتنا دوں گا (ان کاموں پر بدلہ دوں گا اور دَوْصَيْنَا الْإِنْسَانَ سے آخر
 تک جملہ معترضہ ہے) بیٹا اگر کوئی عمل (یعنی بری عادت) رانی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں

ہو یا زمین کے اندر ہو یعنی اس سے بھی کہیں زیادہ پوشیدہ جگہ ہو) اللہ تعالیٰ اس کو ضرور نکال لائے گا (پھر اس پر عتاب کرے گا، بلاشبہ اللہ اس کو نکالنے کے بارے میں) باریک بین ہے (اوڑ) بڑا باخبر ہے (اس کی جگہ کے متعلق) بیٹا نماز پڑا کرو اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کرو اور برے کاموں سے روکا کرو اور تم پر جو مصیبت پڑے اس پر صبر کیا کرو (کسی بات کے کرنے یا نہ کرنے کو کہنے کی وجہ سے) بیشک یہ (بات) ہمت کے کاموں میں سے ہے (یعنی وہ ہمت طلب کام کہ جن کے ضروری ہونے کی وجہ سے ان کے کرنے کی ہمت کی جائے) اور مت پھیرنا (اور ایک قراءت میں لاتصاعو ہے) اپنا رخ لوگوں سے (برہنہ تکبر) اور زمین پر اکڑ کر مت چلنا (شجی مارتے ہوئے) بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے (ایٹھ مروڑ سے چلنے والے) فخر کرنے والے کو (لوگوں کے سامنے) پسند نہیں کرتا اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر (جو ہلکی چال اور بھاگ دوڑ کے درمیان اعتدال کی چال ہو) اور سنجیدگی و وقار کو ملحوظ رکھ (اور اپنی آواز پست رکھ بیشک بری سے بری آواز گدھے کی آواز ہے) گدھے کی پہلی آواز کا نام زفیر ہے اور آخری کا نام شہیق (اور بڑا عظمت والا) ہے

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: لَقْمَنَ: ان کے والد کا نام باعورا ہے۔
 قوله: مَا نُورَةٌ: یہ منقولہ کے معنی دیتا ہے۔
 قوله: وَقَالَ فِي ذَٰلِكَ: لقمان نے ترک دنیا کے متعلق فرمایا، میں اس میں فتویٰ کے ترک پر اکتفاء کرتا ہوں، میرے لیے داؤد علیہ السلام کا علم کافی ہے مجھے فتویٰ کی ضرورت نہیں۔
 قوله: وَقُلْنَا لَهُ: ایاء حکمت یہ قول کے معنی میں ہے، پس یہ ان تفسیر یہ ہے۔
 قوله: لِإِبْنِهِ: اس کا نام انعم یا اشکم تھا یا ماتان بتایا جاتا ہے۔
 قوله: فَرَجَعَ إِلَيْهِ: وہ اصل میں کافر تھے۔
 قوله: فَوَهَّنتُ: وہنا یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔
 قوله: لِلطَّلُقِ: کمزوری برداشت کی دروزہ کے لیے۔
 قوله: فِي عَامِينَ: دو سال کے اختتام پر اور قرینہ اس پر ہے کہ مضاف محذوف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ
 قوله: وَمَا بَعْدَهَا اغْتَرَضُ: اس کے بعد جملہ معترضہ ہے تاکہ اس کے متعلق وصیت خوب مؤکد ہو جائے۔
 قوله: بِاسْتِخْرَةِ اجْهًا: یعنی اس کا علم ہر مخنی تک پہنچنے والا ہے۔
 قوله: مَعَزُومَاتِهَا: قطعی طور پر واجب امور، گویا مصدر بمعنی مفعول ہے۔

قوله: وَلَا تَصْعَقْ: صر ایک بیماری ہے جو اونٹوں کو لگتی ہے جس سے اس کی گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔

قوله: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ يَزْمُوْنَ رُوِيَ۔

قوله: شَهِيْقٌ: زفير سانس باہر نکالنا اور الشہیق: سانس لوٹانا۔ جیسا وہ شخص جس پر حرارت مسلط ہو جائے۔



وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ...

حضرت لقمان نبی تھے یا نہیں؟

اس میں سلف کا اختلاف ہے کہ حضرت لقمان نبی تھے یا نہ تھے؟ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ آپ نبی نہ تھے پر ہیزگار ولی اللہ اور اللہ کے پیارے بزرگ بندے تھے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ حبشی غلام تھے اور بڑھی تھے۔ حضرت جابر سے جب سوال ہوا تو آپ نے فرمایا حضرت لقمان پستہ قد اوپچی ناک والے مولے ہونٹ والے نبی تھے۔ سعد بن مسیب فرماتے ہیں آپ مصر کے رہنے والے حبشی تھے۔ آپ کو حکمت عطا ہوئی تھی لیکن نبوت نہیں ملی تھی آپ نے ایک مرتبہ ایک سیاہ رنگ غلام حبشی سے فرمایا اپنی رنگت کی وجہ سے اپنے تئیں حقیر نہ سمجھتے تھے جو تمام لوگوں سے اچھے تھے تینوں سیاہ رنگ تھے۔ حضرت بلالؓ جو حضور رسالت پناہ کے غلام تھے۔ حضرت معج جو جناب فاروق اعظم کے غلام تھے اور حضرت لقمان حکیم جو جبرئیل کے نوپہ تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت لقمان جو حبشی غلام بڑھی تھے ان سے ایک رذوان کے مالک نے کہا بکری ذبح کرو اور اس کے دو بہترین اور نفیس نکلے گوشت کے میرے پاس لاؤ۔ وہ دل اور زبان لے گئے کچھ دنوں بعد ان کے مالک نے کہا کہ بکری ذبح کرو اور دو بہترین گوشت کے نکلے میرے پاس لاؤ آپ آج بھی یہی دو چیزیں لے گئے مالک نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بہترین مانگے تو بھی یہی لائے گئے اور بدترین مانگے تو بھی یہی لائے گئے یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا جب یہ اچھے رہیں تو ان سے بہترین جسم کا کوئی عضو نہیں اور جب یہ برے بن جائیں تو پھر سب سے بدتر بھی یہی ہیں۔ حضرت مجاہد کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے نیک بندے تھے۔ سیاہ فام غلام تھے مولے ہونٹوں والے اور بھرے قدموں والے اور ایک بزرگ سے بھی یہ مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں قاضی تھے۔ ایک اور قول ہے کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ ایک مرتبہ آپ کسی مجلس میں وعظ فرما رہے تھے کہ ایک چرواہے نے آپ کو دیکھ کر کہا کیا تو دی نہیں ہے جو میرے ساتھ فلاں فلاں جگہ بکریاں چرایا کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں اس نے کہا پھر تجھے یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا؟ فرمایا سچ بولنے اور بیکار کلام نہ کرنے سے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی بلندی کی وجہ یہ بیان کی کہ اللہ کا فضل اور امانت ادائیگی اور کلام کی سچی اور بے نفع کاموں کو چھوڑ دینا۔ الغرض ایسے ہی آثار صاف دلیل ہیں کہ آپ نبی نہ تھے۔ بعض روایتیں اور بھی ہیں جن میں گوصراحت نہیں کہ آپ نبی نہ تھے لیکن ان میں بھی آپ کا غلام ہونا بیان کیا گیا ہے جو ثبوت ہے اس

امر کا کہ آپ نبی نہ تھے کیونکہ غلامی نبوت کے منافی ہے۔ انبیاء کرام عالی نسب اور عالی خاندان کے ہوا کرتے تھے۔ اسی لیے جمہور سلف کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے۔ ہاں حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ آپ نبی تھے لیکن یہ بھی جب کے سند صحیح ثابت ہو جائے لیکن اسکی سند میں جابر بن یزید جعلی ہیں جو ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔ کہتے ہیں کہ حضرت لقمان حکیم سے ایک شخص نے کہا کیا تو بنی حساس کا غلام نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہوں۔ اس نے کہا تو بکریوں کا چرواہا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہوں۔ کہا گیا تو سیاہ رنگ نہیں؟ آپ نے فرمایا طاہر ہے میں سیاہ رنگ ہوں تم یہ بتاؤ کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا یہی کہ پھر وہ کیا ہے؟ کہ تیری مجلس پر رہتی ہے؟ لوگ تیرے دروازے پر آتے ہیں تری باتیں شوق سے سنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو بھائی جو باتیں میں تمہیں کہتا ہوں ان پر عمل کرو تو تم بھی مجھ جیسے ہو جاؤ گے۔ آنکھیں حرام چیزوں سے بند کر لو۔ زبان بیہودہ باتوں سے رک لو۔ مال حلال کھایا کرو۔ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔ زبان سے سچ بات بولا کرو۔ وعدے کو پورا کیا کرو۔ مہمان کی عزت کرو۔ پڑوسی کا خیال رکھو۔ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دو۔ انہی عادتوں کی وجہ سے میں نے بزرگی پائی ہے۔ ابو داؤد فرماتے ہیں حضرت لقمان حکیم کسی بڑے گھرانے کے امیر اور بہت زیادہ کنبے قبیلے والے نہ تھے۔ ہاں ان میں بہت سی بھلی عادتیں تھیں۔ وہ خوش اخلاق خاموش غور و فکر کرنے والے گہری نظر والے دن کو نہ سونے والے تھے۔ لوگوں کے سامنے تھوکتے نہ تھے نہ پاخانہ پیشاب اور غسل کرتے تھے لغو کاموں سے دور رہتے ہتے نہ تھے جو کلام کرتے تھے حکمت سے خالی نہ ہوتا تھا جس دن ان کی اولاد فوت ہوئی یہ بالکل نہیں روئے۔ وہ بادشاہوں امیروں کے پاس اس لیے جاتے تھے کہ غور و فکر اور عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ اسی وجہ سے انہیں بزرگی ملی۔ حضرت قتادہ سے ایک عجیب اثر وارد ہے کہ حضرت لقمان کو حکمت و نبوت کے قبول کرنے میں اختیار دیا گیا تو آپ نے حکمت قبول فرمائی راتوں رات ان پر حکمت بر سادی گئی اور رگ دپے میں حکمت بھردی گئی۔ صبح کو ان کی سب باتیں و عادتیں حکیم نہ ہو گئیں۔ آپ سے سوال ہوا کہ آپ نے نبوت کے مقابلے میں حکمت کیسے اختیار کی؟ تو جواب دیا کہ اگر اللہ خود مجھے نبی بنا دیتا تو اور بات تھی ممکن تھا کہ منصب نبوت کو میں نبھا جاتا۔ لیکن جب مجھے اختیار دیا گیا تو مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں نبوت کا بوجھ نہ سہار سکوں۔ اس لیے میں نے حکمت ہی کو پسند کیا۔ اس روایت کے ایک راوی سعید بن بشیر ہیں جن میں ضعف ہے واللہ اعلم۔ حضرت قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مراد حکمت سے اسلام کی سمجھ ہے۔ حضرت لقمان نہ نبی تھے نہ ان پر وحی آئی تھی پس سمجھ علم اور عبرت مراد ہے۔ ہم نے انہیں اپنا شکر بجالانے کا حکم فرمایا تھا کہ میں نے تجھے جو علم و عقل دی ہے اور دوسروں پر جو بزرگی عطا فرمائی ہے۔ اس پر تو میری شکر گزری کر۔ شکر گزار کچھ مجھ پر احسان نہیں کرتا وہ اپنا ہی بھلا کرتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: **وَمَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلَا نَفْسٍ بِهِمْ يُصَوِّرْهُمْ** (الروم: 44) نیکی والے اپنے لیے بھی بھلا تو شہ تیار کرتے ہیں۔ یہاں فرمان ہے کہ اگر کوئی ناشکری کرے تو اللہ کو اسکی ناشکری ضرر نہیں پہنچا سکتی وہ اپنے بندوں سے بے پرواہ ہے سب اس کے محتاج ہیں وہ سب سے بے نیاز ہے ساری زمین والے بھی اگر کافر ہو جائیں تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے وہ سب سے غنی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے۔

وَاذْ قَال لُقْنُن لَابِيه ...

حضرت لقمان کے کلمات حکمت میں سب سے اول تو عقائد کی درستگی ہے، اور ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو سارے عالم کا خالق و مالک بلا شرکت غیرے یقین کرے، اس کے ساتھ کسی غیر اللہ کو شریک عبادت نہ کرے کہ اس دنیا میں اس سے بڑا بھاری ظلم کوئی نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ کسی مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرائے، اس لیے فرمایا یسین لا تشرک باللہ ان الشرک الظلم عظیم، آگے حضرت لقمان کی دوسری نصائح اور کلمات حکمت آئے ہیں، جو اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمائے تھے۔ درمیان میں حق تعالیٰ نے شرک کے ظلم عظیم ہونے اور کسی حال میں اس کے پاس نہ جانے کی ہدایات کے لیے ایک اور حکم ارشاد فرمایا:

والدین کی شکر گزاری اور اطاعت فرض ہے، مگر حکم الہی کے خلاف کسی کی اطاعت جائز نہیں:

کہ اگرچہ ہم نے اولاد کو اپنے ماں باپ کی اطاعت اور شکر گزاری کی بڑی تاکید کی ہے، اور اپنی شکر گزاری و اطاعت کے ساتھ ساتھ والدین کی شکر گزاری اور اطاعت کا حکم دیا ہے، لیکن شرک اور ظلم عظیم اور سنگین جرم ہے کہ وہ ماں باپ کے کنبے سے اور مجبور کرنے سے بھی کسی کے لیے جائز نہیں ہوتا، اور کسی کو اس کے والدین اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دینے پر مجبور کرنے لگیں تو اس معاملہ میں والدین کا کہنا بھی ماننا جائز نہیں۔

اور یہاں جبکہ والدین کے حقوق اور ان کی شکر گزاری کا تصور دیا گیا تو اس کی حکمت یہ بتلائی کہ اس کی ماں نے اس کے وجود و بقا میں بڑی محنت برداشت کی ہے کہ تو جیسے تو اس کو اپنے شکر میں رکھ کر اس کی حفاظت کی اور اس کی وجہ سے جو روز بروز اس کو ضعف پر ضعف اور تکلیف پر تکلیف بڑھتی گئی اس کو برداشت کیا، پھر اس کے پیدا ہونے کے بعد بھی دوسرا تک اس کو دودھ پلانے کی زحمت برداشت کی، جس میں ماں کو خاص محنت تھی تب روز اٹھائی پڑتی ہے، اور اس کا ضعف بھی اس سے بڑھتا ہے، اور چونکہ بچے کی پرورش میں محنت و مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس لیے شریعت میں ماں کا حق باپ سے بھی مقدم رکھا گیا ہے۔

قیامت کے دن اہل اخلاق کا مہ آئے گا:

حضرت لقمان کی یہ اور دو سہیتیں ہیں اور ہونے یہ سب صفتوں سے پڑیں۔ قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے تاکہ لوگ ان پر عمل کریں۔ فرماتے ہیں کہ برائی خط ظہر ہے چاہے برائی سے دانے سے برابر کی ہو، دو نواہ تہاں پوشیدہ اور دکھا چھپا کیوں نہ ہو قیامت کے دن اللہ اسے پیش کرے گا نیز ان میں سب درصہ ہے گا اور جہاں یہ جہاں کا یہ نام پر جزا ہے پر سزا جیسے فرمان ہے آیت: **وَنَضْعُ الْمَوَازِينُ نَبْضًا يُبْوَرُ نَبْضًا فَلَا تُصَدَّقُ نَفْسٌ شَيْئًا**۔ یعنی قیامت کے دن ہول کے تراژور رکھ کر ہر ایک کو جانچیں گے کوئی ظلم نہ کیا ہو گا۔ اور آیت میں ہے ذرے برابر سبلی اور ذرے برابر برائی ہر ایک دکھ لے گا خواہ وہ سبلی یا بدن کسی مکان میں کھلے ہو، پھر کے سورخ میں آسمانوں کے دونوں میں زمین کی تہ میں ہو کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں وہ اسے درپیش کرے گا وہ بڑے باریک مرور ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس پر ظاہر ہے اللہ میری

رات میں چیونٹی جو چل رہی ہو اس کے پاؤں کی آہٹ کا بھی وہ علم رکھتا ہے۔ بعض نے یہ بھی جائز رکھا ہے کہ انہا میں ضمیر شان کی اور قصہ کی ہے اور اس بنا پر انہوں نے مثقال کی لام کا پیش پڑھنا بھی جائز رکھا ہے لیکن پہلی بات ہی زیادہ اچھی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صحرہ سے مراد وہ پتھر ہے جو ساتوں آسمان اور زمین کے نیچے ہے۔ اس کی بعض سندیں بھی بنی اسرائیل سے ہیں اگر صحیح ثابت ہو جائیں۔ بعض صحابہ سے مروی تو ہے واللہ اعلم۔ بہت ممکن ہے کہ یہ بھی بنی اسرائیل سے منقول ہو لیکن ان کی کتابوں کی کسی بات کو ہم نہ سچی مان سکیں نہ جھٹلا سکیں۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بقدر رائی کے دانہ کے کوئی عمل حقیر ہو اور ایسا پوشیدہ ہو کہ کسی پتھر کے اندر ہو۔ جیسے مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی عمل کرے کسی بے سوراخ کے پتھر کے اندر جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی ہو نہ سوراخ ہوتا ہم اللہ تعالیٰ اسے لوگوں پر ظاہر کر دے گا خواہ کچھ ہی عمل ہو نیک ہو یا بد۔ پھر فرماتے ہیں بیٹے نماز کا خیال رکھنا۔ اس کے فرائض اس کے واجبات ارکان اوقات وغیرہ کی پوری حفاظت کرنا۔ اپنی طاقت کے مطابق پوری کوشش کرنا ساتھ اللہ کی باتوں کی تبلیغ اپنوں پر ایوں میں کرتے رہنا بھلی باتیں کرنے اور بری باتوں سے بچنے کے لیے ہر ایک سے کہنا اور چونکہ نیکی کا حکم یعنی بدی سے روکنا جو عموماً لوگوں کو کڑوی لگتی ہے۔ اور حق گو شخص سے لوگ دشمنی رکھتے ہیں اس لیے ساتھ ہی فرمایا کہ لوگوں سے جو ایذا اور مصیبت پہنچے اس پر صبر کرنا اور حقیقت اللہ کی راہ میں تنگی شمشیر رہنا اور حق پر مصیبتیں جھیلنے ہوئے پست ہمت نہ ہونا یہ بڑا بھاری اور جوانمردی کا کام ہے۔ پھر فرماتے ہیں اپنا منہ لوگوں سے نہ موڑنا نہیں حقیر سمجھ کر یا اپنے تئیں بڑا سمجھ کر لوگوں سے تکبر نہ کر۔ بلکہ نرمی برت خوش خلقی سے پیش آ۔ خندہ پیشانی سے بات کر۔ حدیث شریف میں ہے کہ کسی مسلمان بھائی سے تو کشادہ پیشانی سے ہنس کھ ہو کر ملے یہ بھی تیری بڑی نیکی ہے۔ تہبند اور پا جائے کو ٹخنے سے نیچا نہ کر یہ کبر غرور ہے اور اللہ کو ناپسند ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو تکبر نہ کرنے کی وصیت کی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اللہ کے بندوں کو حقیر سمجھ کر تو ان سے منہ موڑ لے اور مسکینوں سے بات کرنے سے شرمائے۔ منہ موڑے ہوئے باتیں کرنا بھی غرور میں داخل ہے۔ باچھیں پھاڑ کر لہجہ بدل کر حاکمانہ انداز کے ساتھ گھمنڈ بھرے الفاظ سے بات چیت بھی ممنوع ہے۔ صر ایک بیماری ہے جو اونٹوں کی گردہ میں ظاہر ہوتی ہے یا سر میں اور اس سے گردن نیڑی ہو جاتی ہے، پس متکبر شخص کو اسی نیڑھے منہ والے شخص سے ملادیا گیا۔ عرب عموماً تکبر کے موقع پر صر کا استعمال کرتے ہیں اور یہ استعمال ان کے شعروں میں بھی موجود ہے۔ زمین پر تن کرا کر اتر کر غرور و تکبر سے نہ چلو یہ چال اللہ کو ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند رکھتا ہے جو خود بین متکبر سرکش اور فخر و غرور کرنے والے ہوں اور آیت میں ہے (وَلَا تَمْنُنَ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا) (الاسراء: ۷۸) یعنی اکر کر زمین پر نہ چلو نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو۔ اس آیت کی تفسیر بھی اس کی جگہ گذر چکی ہے۔ حضور کے سامنے ایک مرتبہ تکبر کا ذکر کیا گیا تو آپ نے اس کی بڑی مذمت فرمائی اور فرمایا کہ ایسے خود پسند مغرور لوگوں سے اللہ غصہ ہوتا ہے اس پر ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں جب کپڑے دھوتا ہوں اور خوب سفید ہو جاتے ہیں تو مجھے بہت اچھے لگتے ہیں میں ان سے خوش ہوتا ہوں۔ اسی طرح جوتے میں تسمہ بھلا لگتا ہے۔ کوڑے کا خوبصورت غلاف بھلا معلوم ہوتا ہے آپ نے فرمایا یہ تکبر نہیں ہے تکبر اس کا نام ہے کہ تو حق کو حقیر سمجھے اور لوگوں کو ذلیل خیال کرے یہ روایت اور طریق سے بہت لمبی مروی ہے اور اس میں حضرت ثابت کے انتقال اور ان کی وصیت کا ذکر بھی

ہے۔ اور میانہ روی کی چال چلا کر نہ بہت آہستہ خراماں خراماں نہ بہت جلدی لمبے ڈگ بھر بھر کے۔ کلام میں مبالغہ نہ کرے بے قاعده
 چیخ چلا نہیں۔ بدترین آواز گدھے کی ہے۔ جو پوری طاقت لگا کر بے سود چلاتا ہے۔ باوجودیکہ وہ بھی اللہ کے سامنے اپنی عاجزی
 ظاہر کرتا ہے۔ پس یہ بری مثال دے کر سمجھا دیا کہ بلا وجہ چیخا ڈانٹ ڈپٹ کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بری
 مثالوں کے لائق ہم نہیں۔ اپنی دے وی ہوئی چیز واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتاب جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ نسائی میں اس
 آیت کی تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب کرو اور جب گدھے
 کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرو۔ اس لیے کہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے۔ ایک روایت میں ہے رات کو۔ واللہ اعلم۔ یہ
 وصیتیں حضرت لقمان حکیم کی نہایت ہی نفع بخش ہیں۔ قرآن حکیم نے اسی لیے بیان فرمائی ہیں۔ آپ سے اور بھی بہت حکیمانہ
 قول اور وعظ و نصیحت کے کلمات مروی ہیں۔ بطور نمونہ کے اور دستور کے ہم بھی تھوڑے سے بیان کرتے ہیں۔ مسند احمد میں
 بزبان رسول اللہ ﷺ حضرت لقمان حکیم کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اللہ کو جب کوئی چیز سوچ دی جائے اللہ تبارک و تعالیٰ
 اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور حدیث میں آپ کا یہ قول بھی مروی ہے کہ تصنع سے بچ یہ رات کے وقت ذرا کوئی چیز ہے اور دن کو
 مذمت و برائی والی چیز ہے آپ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا تھا کہ حکمت سے مسکین لوگ بادشاہ بن جاتے ہیں۔ آپ کا فرمان
 ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچو پہلے اسلامی طریق کے مطابق سلام کرو پھر مجلس کے ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ دوسرے نہ بولیں تو تم بھی
 خاموش رہو۔ اگر وہ ذکر اللہ کریں تو تم ان میں سب سے پہلے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کرو۔ اور اگر وہ گپ شپ کریں تو تم اس
 مجلس کو چھوڑ دو۔ مروی ہے کہ آپ اپنے بچے کو نصیحت کرنے کے لیے جب بیٹھتے تو رائی کی بھری ہوئی ایک تھیلی اپنے پاس رکھ لی
 تھی اور ہر نصیحت کے بعد ایک دانہ اس میں سے نکال لیتے یہاں تک کہ تھیلی خالی ہوگئی تو آپ نے فرمایا بچے اگر اتنی نصیحت کسی
 پہاڑ کو کرتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا چنانچہ آپ کے صاحبزادے کا بھی یہی حال ہوا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں
 حبشیوں کو دوست رکھا کرن میں سے تین شخص اہل جنت کے سردار ہیں لقمان حکیم نجاشی اور بلال مودن۔ تو وضع اور فروتنی کا بیان
 حضرت لقمان نے اپنے بچے کو اس کی وصیت کی تھی اور ابن ابی الدنیانے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ ہم اس میں
 سے اہم باتیں یہاں ذکر کر دیتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بہت سے پراگندہ بالوں والے میلے کپیلے کپڑوں والے جو
 کسی بڑے گھر تک نہیں پہنچ سکتے اللہ کے ہاں اتنے بڑے مرتبہ والے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم لگا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ اسے بھی
 پوری فرما دے۔ اور حدیث میں ہے براء بن مالک ایسے ہی لوگوں میں سے ہیں رضی اللہ عنہ۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت
 معاذؓ کو قبر رسول کے پاس روٹے دیکھ کر دریافت فرمایا تو جواب ملا کہ صاحب قبر ﷺ سے ایک حدیث میں نے سنی ہے جسے
 یاد کر کے رو رہا ہوں۔ میں نے آپ سے سنا فرماتے تھے تھوڑی سی ریا کاری بھی شرک ہے اللہ تعالیٰ انہیں دوست رکھتا ہے جو حق
 ہیں جو لوگوں میں چھپے چھپائے ہیں جو کسی گنتی میں نہیں آتے اگر وہ کسی مجمع میں نہ ہوں تو کوئی ان کا پرسان حال نہیں اگر آجائیں تو
 کوئی آد بھگت نہیں لیکن ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر ایک غبار آلود اندھیرے سے بچ کر نور حاصل کر لیتے ہیں۔
 حضور فرماتے ہیں یہ میلے کپیلے کپڑوں والے جو ذلیل گئے جاتے ہیں اللہ کے ہاں ایسے مقرب ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو
 اللہ پوری کر دے گا انہیں اللہ نے دنیا نہیں دی لیکن ان کی زبان سے پوری جنت کا سوال بھی نکل جائے تو اللہ پورا کر دیتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر آ کر وہ لوگ ایک دینار ایک درہم بلکہ ایک فلوس بھی مانگیں تو تم نہ دو لیکن اللہ کے ہاں وہ ایسے پیارے ہیں کہ اگر اللہ سے جنت کی جنت مانگیں تو پروردگار دے دے ہاں دنیا نہ تو انہیں دیتا ہے نہ روکتا ہے اس لیے کہ یہ کوئی قابل قدر چیز نہیں۔ یہ میلی کچی دو چادروں میں رہتے ہیں اگر کسی موقعہ پر قسم کھا بیٹھیں تو جو قسم انہوں نے کھائی ہو اللہ پوری کرتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ جنت کے بادشاہ وہ لوگ ہیں جو پراگندہ اور بکھرے ہوئے بالوں والے ہیں غبار آلود اور گرد سے اٹے ہوئے وہ امیروں کے گھر جانا چاہیں تو انہیں اجازت نہیں ملتی اگر کسی بڑے گھرانے میں نکاح کی مانگ کر ڈالیں تو وہاں کی بیٹی نہیں ملتی۔ ان مسکینوں سے انصاف کے برتاؤ نہیں برتتے جاتے۔ ان کی حاجتیں اور ان کی انگلیں اور مرادیں پوری ہونے سے پہلے ہی خود ہی فوت ہو جاتی ہیں اور آرزوئیں دل کی دل میں ہی رہ جاتی ہیں انہیں قیامت کے دن اس قدر نور ملے گا کہ اگر وہ تقسیم کیا جائے تو تمام دنیا کے لیے کافی ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کے شعروں میں ہے کہ بہت سے وہ لوگ جو دنیا میں حقیر و ذلیل سمجھے جاتے ہیں کل قیامت کے دن تخت و تاج والے ملک و منال والے عزت و جلال والے بنے ہوئے ہونگے۔ باغات میں نہروں میں نعمتوں میں راحتوں میں مشغول ہونگے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جناب باری کا ارشاد ہے سب سے زیادہ میرا پسندیدہ ولی وہ ہے جو مؤمن ہو کم مال والا کم عیال والا غازی عبادت و اطاعت گزار پوشیدہ و اعلائیہ مطیع ہو لوگوں میں اس کی عزت اور اس کا وقار نہ ہو اس کی جانب انگلیاں اٹھتی ہوں اور وہ اس پر صابر ہو پھر حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ جھاڑ کر فرمایا اس کی موت جلدی آ جاتی ہے اس کی میراث بہت کم ہوتی ہے اس کی رونے والیاں تھوڑی ہوتی ہیں۔ فرماتے ہیں اللہ کے سب سے زیادہ محبوب بندے غرباء جو اپنے دین کو لیے پھرتے ہیں جہاں دین کے کمزور ہونے کا خطرہ ہوتا ہے وہاں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں یہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیساتھ جمع ہونگے۔ حضرت فضیل بن عیاض کا قول ہے کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندے سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ پر انعام و اکرام نہیں فرمایا؟ کیا میں نے تجھے دیا نہیں؟ کیا میں نے تیرا جسم نہیں ڈھانپا؟ کیا میں نے تمہیں یہ نہیں دیا؟ کیا وہ نہیں دیا؟ کیا لوگوں میں تجھے عزت نہیں دی تھی؟ وغیرہ تو جہاں تک ہو سکے ان سوالوں کے جواب دینے کا موقعہ کم ملے اچھا ہے۔ لوگوں کی تعریفوں سے کیا فائدہ اور مذمت کریں تو کیا نقصان ہوگا۔ ہمارے نزدیک تو وہ شخص زیادہ اچھا ہے جسے لوگ برا کہتے ہوں اور وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہو۔ ابن عبیر نے تو دعا کرتے تھے کہ اللہ میری شہرت نہ ہو۔ فضیل بن احمد اپنی دعا میں کہتے تھے اللہ مجھے اپنی نگاہوں میں تو بلندی عطا فرما اور خود میری نظر میں مجھے بہت حقیر کر دے اور لوگوں کی نگاہوں میں مجھے درجہ کار کھ پھر شہرت کا باب باندھ کر امام صاحب اس حدیث کو لائے ہیں انسان کو یہی برائی کافی ہے کہ لوگ اس کی دینداری یا دنیا داری کی شہرت دے لگیں اور اس کی طرف انگلیاں اٹھنے لگیں اشارے ہونے لگیں۔ پس اسی میں آ کر بہت سے لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں مگر جنہیں اللہ بچالے۔ سنو اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمالوں کو دیکھتا ہے۔ حضرت حسن سے بھی یہی روایت مرسل مروی ہے جب آپ نے یہ روایت بیان کی تو کسی نے کہا آپ کی طرف بھی انگلیاں اٹھتی ہیں۔ آپ نے فرمایا سمجھے نہیں مراد انگلیاں اٹھنے سے دینی بدعت یا دنیوی فسق و فجور ہے۔ حضرت علیؑ کا فرمان ہے کہ شہرت حاصل کرنا نہ چاہو۔ اپنے تئیں اونچا نہ کرو کہ لوگوں میں مذکرے ہونے لگیں عم

حاصل کرو لیکن چھپاؤ چپ رہو تا کہ سلامت رہو نیکیوں کو خوش رکھو بدکاروں سے اعراض رکھو۔ حضرت ابراہیم بن ادھم فرماتے ہیں کہ شہرت کا چاہنے والا اللہ کا ولی نہیں ہوتا۔ حضرت ایوب کا فرمان ہے جسے اللہ دوست بنا لیتا ہے وہ تو لوگوں سے اپنا درجہ چھپاتا ہے۔ محمد بن علفا فرماتے ہیں اللہ کے دوست لوگ اپنے تئیں ظاہر نہیں کرتے۔ سماک بن سلمہ کا قول ہے عام لوگوں کے میل جول سے اور احباب کی زیادتی سے پرہیز کرو۔ حضرت ابان بن عثمان فرماتے ہیں اگر دین کو سالم رکھنا چاہتے ہو تو لوگوں سے کم جان پہچان رکھو۔ حضرت ابو العالیہ کا قاعدہ تھا جب دیکھتے کہ انکی مجلس میں تین سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے تو انہیں چھوڑ کر خود چل دیتے۔ حضرت طلحہؓ کھڑے تھے حضرت عمرؓ نے کوڑا تانا اور فرمایا اس میں تابع کے لیے ذلت اور متبوع کے لیے فتنہ ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے ساتھ جب لوگ چلنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم پر میرا باطن ظاہر ہو جائے تو تم میں سے دو بھی میرے ساتھ چلنا پسند نہ کریں۔ حماد بن زید کہتے ہیں جب ہم کسی مجلس کے پاس سے گذرتے اور ہمارے ساتھ ایوب ہوتے تو سلام کرتے اور وہ سختی سے جواب دیتے۔ پس یہ ایک نعمت تھی۔ آپ لمبی لمبی پھنتے اس پر لوگوں نے کہا تو آپ نے جواب دیا کہ اگلے زمانے میں شہرت کی چیز تھی۔ لیکن یہ شہرت اس کو اونچا کرنے میں ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنی ٹوپیاں مسنون رنگ کی رنگوائی اور کچھ دنوں تک پہن کر اتار دی اور فرمایا میں نے دیکھا کہ لوگ انہیں نہیں پہنتے۔ حضرت ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ نہ تو ایسا لباس پہنو کہ لوگوں کی انگلیاں انہیں نہ اتنا گھنیا پہنو کہ لوگ حقارت سے دیکھیں۔ ثوری فرماتے ہیں عام سلف کا یہی معمول تھا کہ نہ بہت بڑھیا کپڑا پہنتے تھے نہ بالکل گھنیا۔ ابو قلابہ کے پاس ایک شخص بہت سی بہترین اور شہرت کا لباس پہنے ہوئے آیا تو آپ نے فرمایا اس آواز دینے والے گدھے سے بچو۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے دلوں میں تو تکبر بھر رکھا ہے اور ظہر لباس میں تواضع کر رکھی ہے گویا چادر ایک بھاری ہتھوڑا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ آپ نے بنی اسرائیل سے فرمایا میرے سامنے تو درویشوں کی پوشاک میں آئے ہو حالانکہ تمہارے دل بھیڑیوں جیسے ہیں۔ سنو لباس چاہے بادشاہوں جیسا پہنو مگر دل خوف اللہ سے نرم رکھو۔

ایچھے اخلاق کا بیان:

حضور ﷺ سب سے بہتر اخلاق والے تھے۔ آپ سے سوال ہوا کہ کونسا مؤمن بہتر ہے فرمایا سب سے ایچھے اخلاق والا۔ آپ کا فرمان ہے کہ باوجود کم اعمال کے صرف ایچھے اخلاق کی وجہ سے انسان بڑے بڑے درجے اور جنت کے اعلیٰ منازل حاصل کر لیتا ہے۔ اور باوجود بہت ساری نیکیوں کے صرف اخلاق کی برائی کی وجہ سے جہنم کے نیچے کے طبقے میں چلا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں ایچھے اخلاق ہی میں دنیا آخرت کی بھلائی ہے۔ فرماتے ہیں انسان اپنی خوش اخلاقی کے باعث راتوں کو قیام کرنے والے اور دنوں کو روزے رکھنے والوں کے درجوں کو پالیتا ہے۔ حضور سے سوال ہو کہ دخول جنت کا موجب عام طور سے کیا ہے؟ فرمایا اللہ کا ڈر اور اخلاق کی اچھائی۔ پوچھا گیا عام طور سے جہنم میں کونسی چیز لے جاتی ہے؟ فرمایا دوسرا رخ دار چیزیں یعنی منہ اور شرمگاہ۔ ایک مرتبہ چند اعراب کے اس سوال پر کہ انسان کو سب سے بہتر عطیہ کیا ملا ہے؟ فرمایا کہ حسن اخلاق۔ فرمایا کہ نیکی کی ترازو میں ایچھے اخلاق سے زیادہ وزنی چیز اور کوئی نہیں۔ فرماتے ہیں تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو سب سے

اچھے اخلاق والا ہو۔ فرماتے ہیں جس طرح مجاہد کو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے صبح شام اجر ملتا ہے اسی طرح اچھے اخلاق پر بھی اللہ ثواب عطا فرماتا ہے۔ ارشاد ہے تم میں مجھے سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب وہ ہے جو سب سے اچھے اخلاق والا ہو۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ بغض و نفرت کے قابل اور مجھ سے سب سے دور جنت میں وہ ہوگا جو بد خلق بد گو بد کلام بد زبان ہوگا۔ فرماتے ہیں کامل ایماندار اچھے اخلاق والے ہیں جو ہر ایک سے سلوک و محبت سے ملیں جلیں۔ ارشاد ہے جس کی پیدائش اور اخلاق اچھے ہیں اسے اللہ تعالیٰ جہنم کا لقمہ نہیں بنائے گا۔ ارشاد ہے کہ دو خصلتیں مومن میں جمع نہیں ہو سکتی بخل اور بد اخلاقی۔ فرماتے ہیں بد خلقی سے زیادہ بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اس لیے کہ بد اخلاقی سے ایک سے ایک بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حضور کا ارشاد ہے اللہ کے نزدیک بد اخلاقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اچھے اخلاق سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بد اخلاقیوں نیک اعمالوں کو غارت کر دیتی ہیں۔ جیسے شہد کو سر کہ خراب کر دیتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ غلام خریدنے سے غلام نہیں بڑھتے البتہ خوش اخلاقی سے لوگ گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ امام محمد بن سیرین کا قول ہے کہ اچھا خلق دین کی مدد ہے۔

تکبر کی مذمت کا بیان:

حضور ﷺ فرماتے ہیں وہ جنت میں نہ جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو۔ اور وہ جہنمی نہیں جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان ہو۔ فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر تکبر ہے وہ اندھے منہ جہنم میں جا کیں گے۔ ارشاد ہے کہ انسان اپنے غرور اور خود پسندی میں بڑھتے بڑھتے اللہ کے ہاں جباروں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر سرکشوں کے عذاب میں پھنس جاتا ہے۔ امام مالک بن دینار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ایک دن حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹے تھے آپ کی دربار میں اس وقت دو لاکھ انسان تھے اور دو لاکھ جن تھے آپ کو آسمان تک پہنچایا گیا یہاں تک کہ فرشتوں کی تسبیح کی آواز کان میں آنے لگی۔ اور پھر زمین تک لایا گیا یہاں تک کہ سمندر کے پانی سے آپ کے قدم بھیگ گئے۔ پھر ہاتھ غیب نے ندا دی کہ اگر اس کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی تکبر ہوتا تو جتنا اونچا گیا تھا اس سے زیادہ نیچے دھنسا دیا جاتا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے خطبے میں انسان کی ابتدائی پیدائش کا بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ دو شخصوں کی پیشاب گاہ سے نکلتا ہے۔ اس طرح اسے بیان فرمایا کہ سننے والے کراہت کرنے لگے۔ امام شعبی کا قول ہے جس نے دو شخصوں کو قتل کر دیا وہ بڑا ہی سرکش اور جبار ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: (اَلَّذِيذُنْ اَنْ تَقْتُلِيْ كَيْمًا قَتَلْتُمْ نَفْسًا بِالْاَمْسِ) (انقص 19) کیا تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے؟ جیسے کہ تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا ہے۔ تیرا ارادہ تو دنیا میں سرکش اور جبار بن کر رہنے کا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت حسن کا مقولہ ہے وہ انسان جو ہر دن میں دو مرتبہ پنا پنا خانہ اپنے ہاتھ سے دھوتا ہے وہ کس بنا پر تکبر کرتا ہے اور اس کا وصف اپنے میں پیدا کرنا چاہتا ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور اپنے قبضے میں رکھا ضحاک بن سفیان سے دنیا کی مثال اس چیز سے بھی مروی ہے جو انسان سے نکلتی ہے۔ امام محمد بن حسین بن علی فرماتے ہیں جس دل میں جتنا تکبر اور گھمنڈ ہوتا ہے اتنی ہی عقل اسکی کم ہو جاتی ہے۔ یونس بن عبید فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنے کے ساتھ تکبر اور توحید کیساتھ نفاق نہیں ہوا کرتا۔ بنی امیہ مار مار کر اپنی اولاد کو اکڑا کر چلن سکھاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو آپ کی خلافت سے پہلے ایک مرتبہ اٹھلاتی ہوئی

چال چلتے ہوئے دیکھ کر حضرت طاؤس نے انکے پہلو میں ایک ٹھوکا مارا اور فرمایا یہ چال اس کی جس کے پیٹ میں پاخانہ بھرا ہوا ہے؟ حضرت عمر بن عبدالعزیز بہت شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے معاف فرمائیے ہمیں مار مار کر اس چال کی عادت ڈالوائی گئی ہے۔

فخر و گھمنڈ کی مذمت کا بیان:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص فخر و غرور سے اپنا کپڑا نیچے لٹکا کر گھسیٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکی طرف رحمت سے نہ دیکھے گا۔ فرماتے ہیں اسکی طرف اللہ قیامت کے دن نظر نہ ڈالے گا جو اپنا تہبند شکائے۔ ایک شخص دو عمدہ چادریں اوڑھے دل میں غرور لیے اکڑتا ہوا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا قیامت تک وہ دھنسا ہوا چلا جائے گا۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ ...

متکبرانہ روش سے احتراز و اجتناب کی تعلیم و تلقین:

متکبرانہ روش سے احتراز و اجتناب کی تعلیم و تلقین کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ لوگوں کے ساتھ منہ پھیر کر بات نہ کرنا۔ تصعیر خد کے معنی ہیں تکبر و غرور کی بنا پر لوگوں سے بے رنجی اور لاپرواہی برتنا۔ اور یہ لفظ صعر سے ماخوذ ہے جو اونٹ کی ایک ایسی بیماری کو کہتے ہیں جس سے وہ گردن دوسری طرف نہیں موڑ سکتا۔ پس جو شخص تکبر کے طور پر اپنی گردن اکڑا کر، پھلا کر اور منہ ایک طرف پھیر کر بات کرتا ہے وہ درحقیقت ایسے اونٹ کی طرح ہوتا ہے جو ایسی بیماری کی وجہ سے اپنی گردن دوسری طرف نہیں کر سکتا۔ لہذا تم کبھی ایسے نہیں کرنا بلکہ عجز و نیاز اور شرافت و بندگی کی چال ڈھال ہی کو اپنائے رکھنا۔ سواد پر شکر خداوندی اور اس کے آثار و ثمرات اور اس کے نتائج و موجبات کا ذکر فرمایا گیا اور اب یہ ان دونوں باتوں کا مقابل ذکر فرمایا جا رہا ہے جو اس شکرگزاری کے منافی ہیں۔ سو شکر کا مظہر و نتیجہ احسان و تواضع ہے اور اس کی ضد غرور و تکبر۔ والعیاذ باللہ۔ سو تنگ طرف لوگ نعمت پا کر اکڑنے اور اترانے والے بن جاتے ہیں جس کے باعث وہ ان لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں جو انکے ہمسر نہیں ہوتے۔ اسی لیے حضرت لقمین نے اپنے بیٹے کو اس روش کے اختیار کرنے سے روکا اور منع فرمایا کہ تم غرور و تکبر کی اس روش سے ہمیشہ بچ کر رہنا۔

خود پسندی اور شیخی بازی اللہ کو ناپسند ہے:

ارشاد فرمایا گیا اور حرف تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا کسی خود پسند شیخی باز کو۔ مختال وہ شخص کہلاتا ہے جو اپنے جی میں اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتا ہو اور فخور ہو جو دوسروں کے سامنے اپنی بڑائی جتا کر فخر کرتا ہو۔ جس کو شیخی باز کہا جاتا ہے۔ سو یہ ممنوع و محذور ہے۔ مگر جو اظہار و بیان تحدیث نعمت کے طور پر ہو وہ اس میں داخل نہیں بلکہ وہ مطلوب و محمود ہے۔ ارشاد ربانی ہے: {وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ} (الضحیٰ: ۱۱) سو اس میں بڑی سخت تشبیہ ہے ان اترانے والوں کیلئے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے مال و جان کو اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان سمجھنے کی بجائے اس کو اپنی لیاقت و قابلیت کا نتیجہ اور اپنا استحقاق سمجھنے لگتے ہیں جسکے نتیجے میں ان کے اندر شکر کی بجائے غرور کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے آگے کئی قسم کے رذائل جنم لیتے ہیں۔

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاعْظُضْ ...

میانہ روی کی تعلیم و تلقین:

ارشاد فرمایا گیا اور میانہ روی کو اپنائے رکھنا اپنی چال ڈھال میں۔ یعنی نہ تو تکبروں کی طرح اکڑ کر اور ایڑیاں مار مار کر چلنا اور نہ مریضوں اور بیماروں کی طرح قدم گن گن کر ڈالنا کہ یہ چال بھی تکبر کی ہی ایک دوسری قسم ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال اور میانہ روی کی روش کو اپنانا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کے قول فعل اور طرز عمل سے ثابت ہے کہ وہی اصل سچا اور کامل نمونہ ہے۔ سوا پر جن باتوں کی نہیں کے اسلوب میں تعلیم و تلقین فرمائی گئی تھی اب اسی تواضع اور فروتنی کی تعلیم مثبت نڈاز میں دی جا رہی ہے کہ تم اپنی چال ڈھال میں اکڑنے اور اترانے کی بجائے تواضع اور فروتنی کی روش کو اپنانا اور اللہ کی زمین پر ایڑیاں مار کر چلنے کی بجائے اللہ کے نیک اور صالح بندوں کی طرح، جزی اور تواضع کے ساتھ چلنا۔ جیسا کہ عباد الرحمن کی صفات و خصال کے ذکر و بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا: (وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا) (الفرقان: 63) نیز دوسرے مقام پر تکبر سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا (وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا نَكَرًا لَنْ تَخْرُقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا) (نبی سرائیل: 27) یعنی تم زمین میں اکڑ کر اور ایڑیاں مار مار کر مت چلا کرو کہ نہ تو اس طرح تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی تم پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔

اپنی آواز کو پست رکھنے کی ہدایت:

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو اپنی نصیحت کے دوران مزید کہا اور کسی قدر پست رکھنا اپنی آواز کو۔ یعنی تکبر لوگوں کی طرح کڑک کر اور زور سے بولنے کی ضرورت نہیں بلکہ ضرورت موقع کے مطابق عمل کرنا۔ محض چیخنا، چلانا اور بلا ضرورت اونچی آواز سے بولنا اگر کوئی محمود اور قابل تعریف چیز ہوتی تو گدھے کی آواز سب سے زیادہ اچھی اور قابل تعریف ہوتی۔ حالانکہ وہ تمام آوازوں میں سب سے بری اور کریہہ آواز ہے۔ پس تم اے میرے بیٹے اس سے بچ کر رہنا کہ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اور حسن کلام اور حسن بیان سے مشرف و سرفراز ہونے کے باوصف اپنے مرتبہ و مقام کو چھوڑ کر اور اپنی سطح بلند سے اتر کر گدھوں کی صف میں شامل ہو جانا کتنی بڑی حماقت و رکس قدر خسارے کا سودا ہے۔ پس تم اپنی آواز میں کرخنگلی و خشونت کے بجائے نرمی اور لینت ہی کو اپنائے رکھنا۔ یہاں پر کلمہ من کے استعمال سے ایک اہم درس یہ بھی ملتا ہے کہ خالق نے جب سب لوگوں کو ایک ہی آواز پر پیدا نہیں فرمایا بلکہ اس کو اس صلاحیت اور اختیار سے نوازا ہے کہ وہ اپنی آواز کو جتنا چاہے اونچا یا پست کر سکتا ہے تو اس کو چاہیے کہ خواہ خواہ گدھوں کی طرح اپنا حلق اور لوگوں کے کان پھاڑنے کی بجائے موقع و مقام کے مطابق آواز کو پست یا بلند کرے سبحان اللہ! کتنی لطافتیں اور کس قدر بلا غنمیں ہیں اس کلام حکیم میں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَعْلَمُوا مَا فِي الصَّمَوَاتِ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنُّجُومِ لِتَشْفَعُوا بِهَا
وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنَ النَّمَارِ وَالْأَنْهَارِ وَالْدَّوَابِّ وَأَسْبَغَ أَوْسَعَ وَآتَمَّ عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ ظَاهِرًا وَهِيَ حَسَنٌ

الصُّورَةَ وَتَشْوِيَةُ الْأَعْضَاءِ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَبَاطِنَةٌ هِيَ الْمَعْرِفَةُ وَغَيْرِهَا وَمِنَ النَّاسِ أَيْ أَهْلُ مَكَّةَ
مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ٥ أَنْزَلَهُ اللَّهُ تَبْلٌ بِالتَّقْلِيدِ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ
اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَكْتُمُكَ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا قَالِ تَعَالَى أَوْ يَسْبِعُونَكَ لَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ
يَدْعُوهُمْ إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ ٥ أَيْ مُوجِبَاتِهِ لَا وَمَنْ يُسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ أَيْ يُسْبِلُ عَلَى طَاعَتِهِ وَ
هُوَ مُحْسِنٌ مُوَحَّدٌ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى بِالطَّرْفِ الْأَيْتِي الَّذِي لَا يَخَافُ انْقِطَاعَهُ وَإِلَى
اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ٥ مَرَجِعُهَا وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنُكَ بِالْمَحَمَدِ كُفْرُهُ لَا تَهْتَمُ بِكُفْرِهِ الْيُنَا
مَرَجِعُهُمْ فَذَكَّرْتَهُمْ بِمَا عَمِلُوا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ٥ أَيْ بِمَا فِيهَا كَفَرِهِ فَمَجَّازٌ عَلَيْهِ
نَمَتَهُمْ فِي الدُّنْيَا قَلِيلًا آيَاتِمْ حَيَاتِهِمْ ثُمَّ نَضَّطَّرَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَى عَذَابٍ عَنِيظٍ ٥ وَهُوَ عَذَابُ النَّارِ
لَا يَجِدُونَ عَنْهُ مَحِيضًا وَلَكِنْ لَمْ قَسَمَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لِيَقُولُنَّ اللَّهُ خُذْ
مِنَهُ نُونُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي الْأَمْثَالِ وَرَوَا الضَّمِيرِ لِاتِّفَاقِ السَّاكِنِينَ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى ظُهُورِ الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ
بِالتَّوْحِيدِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ٥ وَجُودُهُ عَلَيْهِمْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مُلْكًا وَخَلْقًا وَعَيْنًا
فَلَا يَسْتَحِقُّ الْعِبَادَةُ فِيهِمَا غَيْرُهُ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ عَنِ خَلْقِهِ الْحَمِيدُ ٥ الْمَحْمُودُ فِي صُنْعِهِ وَكَوْنُ مَا
فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ عَطْفٌ عَلَى اسْمِ أَنْ يَمْدَأَ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ
كَلِمَتُ اللَّهِ ٥ الْمَعْبَرُ بِهَا عَنْ مَعْلُومَاتِهِ بِكُتُبِهَا بِتِلْكَ الْأَقْلَامِ بِذَلِكَ الْمَدَادِ وَلَا بِأَكْثَرِ مِنْ ذَلِكَ لِأَنَّ
مَعْلُومَاتِهِ تَعَالَى غَيْرُ مُتَنَاهِيَةٍ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ لَا يَعْجُزُهُ شَيْءٌ حَكِيمٌ ٥ لَا يَخْرُجُ شَيْءٌ عَنْ عِلْمِهِ
وَحِكْمَتِهِ مَا خَلَقَكُمْ وَلَا بَعَثَكُمْ إِلَّا كُنُفُسٍ وَاحِدَةً ٥ خَلَقُوا وَبَعَثْنَا لَاتَهُ بِكَلِمَةٍ كُنْ فَيَكُونُ إِنَّ اللَّهَ
سَبِيحٌ ٥ يَسْمَعُ كُلَّ مَسْمُوعٍ بَصِيرٌ ٥ يَبْصُرُ كُلَّ مُبْصَرٍ لَا يَسْتَعْلَهُ شَيْءٌ عَنْ شَيْءٍ أَلَمْ تَرَ تَعْلَمُ يَا
مَخَاطَبَا أَنَّ اللَّهَ يُوَلِّجُ يَدْخُلُ الْيَلَّ فِي النَّهَارِ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ وَيَدْخُلُهُ فِي الْيَلِّ فَيَزِيدُ كُلَّ مِنْهُمَا
بِمَانْقَضٍ مِنَ الْآخِرِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلَّ مِنْهُمَا يُجْرِي فِي فَلَكَهِ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى هُوَ يَوْمٌ

تفسیر مقبولین

اَللّٰهُ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ ...

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہر اور باطن نعمتوں کا جو ذکر فرمایا ہے اس کی تفسیر میں علمائے مفسرین نے بہت سے قول لکھے ہیں اور اس مقام پر جس قدر کثرت سے قول علماء مفسرین نے لکھے ہیں وہ بجا بھی ہیں کیونکہ انسان پر اللہ کی جو نعمتیں ہیں انکا کچھ حد و حساب ہی نہیں پھر جس طرح بے حد و حساب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اسی طرح بے حد و حساب ان نعمتوں کی تفسیر بھی ہے اسی واسطے جو اللہ تعالیٰ نے سورہ ابراہیم میں اپنی نعمتوں کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ: **وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوها** جس کے حاصل معنی یہ ہیں کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا تو درکنار انسان اگر اللہ کی نعمتوں کی فقط گنتی بھی کرے تو نہیں ہو سکتی جب خود اللہ تعالیٰ کی تفسیر کی رو سے اللہ کی نعمتوں کی تفصیل اور تفسیر انسان کی قدرت سے باہر ہے تو مفسرین نے دس بارہ قول جو اس آیت کی تفسیر میں لکھے ہیں ان سے اللہ کی نعمتوں کی کیا تفسیر ہو سکتی ہے لیکن بہت ہی اور دلیلی وغیرہ نے امام المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا ایک صحیح قول جو اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے وہ ذکر کر دیا جاتا ہے تاکہ آیت کی کسی قدر تفسیر ہو جائے وہ قول یہ ہے کہ عطاء بن رباح جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے مشہور شاگردوں میں ہیں اور تابعین میں سیدنا تبعین علماء نے ان کو لکھا ہے وہ کہتے ہیں ایک روز میں نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ خود میں نے بھی اس آیت کی تفسیر آنحضرت ﷺ سے پوچھی تھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظاہری نعمتوں سے اللہ کی مثلا ایک یہی کتنی بڑی نعمت ہے کہ ہاتھ پیر آنکھوں ناک سب اعضا اللہ تعالیٰ نے تیرے صحیح سالم پیدا کیے اور تندرستی عطا کی اور باطن کی نعمتوں میں یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ تیرے ایسے برے کام اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے چھپائے کہ اگر آج وہ سب لوگوں پر ظاہر ہو جاویں تو خود تیرے گھرو لے تیرے دشمن ہو جاویں غیروں کا تو کیا ٹھکانا حاصل کلام یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے سمجھانے کی غرض سے ایک نعمت ظاہری اور ایک نعمت باطنی اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی بے گنتی نعمتوں میں سے مثال کے طور پر بیان فرمادی اس طرح قرآن اور حدیث سے نکال کر ہزاروں لاکھوں کروڑوں نعمتیں اللہ کی بیان کی جاویں تو ممکن ہیں مگر اس ہزاروں لاکھوں کروڑوں کی گنتی سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ کی گنتی پوری ہوگئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمانے کے موافق یہ بات انسان کی طاقت سے باہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی گنتی پوری کی جاوے اس لیے مفسروں نے اپنی اپنی تفسیر میں جو کچھ اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے وہ سب مثال کے طور پر خیال کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر انسان کو کم ہے اس واسطے آنحضرت ﷺ نے اس بات میں طرح طرح کی نصیحت بھی فرمائی ہے مثلا ابو ہریرہؓ کی صحیح مسلم کی روایت میں فرمایا ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ تندرستی اور خوشحالی میں جو کم درجہ ہو ایسے شخص پر نظر ڈالے اور جو شخص اپنے سے بڑھتی درجہ میں ہو اس پر کبھی نظر نہ ڈالے تاکہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری لازم نہ آوے حاصل مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان میں مثلا سورج چاند مینہ زمین میں کھیتی باغ انسان کی یہ سب ضرورت کی چیزیں پیدا کیں اس پر بھی بعضے ناشکرے لوگ نادانی سے اللہ

تعالیٰ کے وحدہ لا شریک ہونے میں بغیر کسی دلیل کے طرح طرح کی جھتیں نکالتے ہیں۔“

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ ...

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنی معلومات اور اپنی قدرت کے تصرفات اور اپنی نعمتوں کی ایک مثال دی ہے کہ وہ غیر متناہی ہیں۔ نہ کسی زبان سے، وہ سب ادا ہو سکتے ہیں نہ کسی قلم سے ان سب کو لکھا جاسکتا ہے۔ مثال یہ فرمائی کہ ساری زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان سب شاخوں کے قلم بنا لیے جائیں اور ان کے لکھنے کے لیے سمندر کو روشنائی بنا دیا جائے اور یہ سب قلم حق تعالیٰ کی معلومات اور تصرفات قدرت کو لکھنا شروع کریں تو سمندر ختم ہو جائے گا اور معلومات و تصرفات ختم نہ ہوں گے۔ اور ایک سمندر نہیں اس جیسے سات سمندر اور بھی شامل کر دیے جائیں، جب بھی سب سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔ کلمات اللہ سے مراد اس کے علم و حکمت کے کلمات ہیں (روحِ مظہری) اور شیون قدرت اور نعمائے آہلیہ بھی اس میں داخل ہیں۔ اور سات سمندر سے مطلب یہ نہیں کہ کہیں سات سمندر موجود ہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک سمندر کے ساتھ فرض کر لو اور سات سمندر مل جائیں جب بھی ان سب سے سب کلمات اللہ کو ضبط تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ اور سات کا عدو بھی بطور مثال ہے، حصر مقصود نہیں۔ اور دلیل اس کی دوسری آیت قرآن ہے جس میں فرمایا ہے: قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَكُمْت رَبِّي لِنَفْثِ الْبَحْرَ قَبْلَ أَنْ تَنْفُذَ كَلِمَتِ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا، یعنی اگر سمندر کو کلمات اللہ کو لکھنے کے لیے روشنائی بنا لیا جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا اور کلمات اللہ ختم نہ ہوں گے، اور صرف یہی سمندر نہیں اسی جیسے اور سمندر کو بھی شامل کر دیں تب بھی بات یہی رہے گی۔ اس آیت میں بمثلہ فرما کر اشارہ کر دیا کہ یہ سلسلہ دور تک چلایا جائے کہ اس سمندر کے مثل دوسرا سمندر مل گیا پھر اس کی مثل تیسرا چوتھا، غرض سمندروں کی کتنی ہی مقدار فرض کر لو ان کی روشنائی کلمات اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ عقلی طور پر وجہ ظاہر ہے کہ سمندر سات نہیں سات ہزار بھی ہوں وہ بہر حال محدود اور متناہی ہیں اور کلمات اللہ یعنی معلومات اللہ غیر متناہی ہیں، کوئی متناہی چیز غیر متناہی کا احاطہ کیسے کر سکتی ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت اجبار یہود کے ایک سوال کے جواب میں نازل ہوئی وجہ یہ تھی کہ قرآن کی آیت ہے: وَمَا أوتيتهم من العلم الا قليلاً، یعنی تمہیں نہیں دیا گیا مگر تھوڑا سا علم، جب آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو چند اجبار یہود حاضر ہوئے اور اس آیت کے بارے میں معارضہ کیا کہ آپ جو کہتے ہیں کہ تمہیں تھوڑا علم دیا گیا، یہ آپ نے اپنی قوم کا حال ذکر کیا ہے، یا اس میں آپ نے ہمیں بھی داخل کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری مراد سب ہیں، یعنی ہر قوم بھی اور یہود و نصاریٰ بھی۔ تو انہوں نے یہ معارضہ کیا کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا فرمائی ہے جس کی شان تہیان لکل شیء، یعنی ہر چیز کا بیان ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بھی علم الہی کے مقابلہ میں قلیل ہی ہے۔ پھر تورات میں جتنا علم ہے اس کا بھی تمہیں پورا علم نہیں، بقدر کفایت ہی ہے۔ اس لیے علم الہی کے مقابلہ میں ساری آسمانی کتابوں اور سب انبیاء کے علوم کا مجموعہ بھی قلیل ہی ہے۔ اسی کلام کی تائید کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ ولو ان ما في الارض من شجرة اقلام۔ الاية (ابن کثیر)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوَجِّعُ الْاَيْلَ فِي النَّهَارِ ...

اس سے کائنات کے بعض عظیم الشان مظاہر کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے جن میں بڑے عظیم الشان درہمائے عبرت و بصیرت ہیں، جن میں حضرت حق جلّ جلالہ کی قدرت و حکمت، اسکی رحمت و عنایت، اور اسکی وحدانیت و یکتائی کے عظیم الشان دلائل ہیں، لیکن انسان کی غفلت و لاپرواہی ہے کہ وہ ان میں غور و فکر سے کام نہیں لیتا، اس لیے محروم کا محروم ہی رہتا ہے، سو اس کو غور و فکر کی دعوت اور اسکی تحریک و ترغیب کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس قدر پر حکمت طریقے سے رات کو داخل فرماتا ہے دن میں، اور دن کو داخل فرماتا ہے رات میں، جس سے کبھی دن بڑا، اور رات چھوٹی، اور کبھی اس کے برعکس اور یہ عمل پوری پابندی کے ساتھ لگاتار ہورہا ہے، تو آخر یہ کون کرتا ہے، سو وہی ہے اللہ قادر مطلق، سبحانہ و تعالیٰ اور اسی نے سورج اور چاند کے ان دو عظیم الشان کروں کو اپنے بندوں کیلئے کام میں لگا رکھا ہے۔ جو منٹوں اور سیکنڈوں کی پابندی کے ساتھ آرہے ہیں، اور جارہے ہیں، سو وہی اللہ وحدہ لا شریک معبود ہے تم سب کا، سبحانہ و تعالیٰ، پس انسان اگر صحیح طور پر غور و فکر سے کام لے، تو اس کے لیے کائنات کی اس عظیم الشان اور کھلی کتاب میں عظیم الشان درہمائے عبرت و بصیرت ہیں، حضرت خالق کل اور مالک مطلق کے وجود باوجود، اس کی وحدانیت و یکتائی، اس کی قدرت بے نہایت، اور رحمت و عنایت بے غایت پر دلالت کرتے ہیں، اور اپنی زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ وہی اللہ وحدہ لا شریک ہی اسی ساری کائنات کا خالق اور اس میں حاکم و تصرف ہے،

اَلْعَظِيْمُ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ الشَّفْنَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ يَا مَعْخَاطِبِيْنَ بِذٰلِكَ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۙ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ عِبْرًا لِّكُلِّ صَبَّارٍ ۙ عَنِ مَعْصِي اللّٰهِ شَكُوْرٍ ۝۱۰ لِنَعْمِهٖ وَاِذَا غَشِيَهُمْ اَيُّ غَلَا الْكُفَّارِ مَوْجٌ كَالظَّلِيْلِ كَالْجِبَالِ الَّتِي تَظَلُّ مِنْ تَحْتِهَا دَعْوُ اللّٰهِ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَيُّ الدُّعَاۤءِ بِاَنۢ يُنَجِّبَهُمْ اَيُّ لَا يَدْعُوْنَ مَعَهٗ فَلَمَّا نَجَّوْهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۙ مُّتَوَسِّطٌ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ وَمِنْهُمْ بَاقٍ عَلٰى كُفْرِهٖ وَمَا يَجْحَدُ بِآيٰتِنَا ۙ وَمِنْهَا الْاِنۢجَاۤءُ مِنَ الْمَوْجِ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ ۙ غَدَارٍ كَقُبُوْرٍ ۝۱۱ لِنَعْمِ اللّٰهِ بِآيٰتِهَا النَّاسُ اَيُّ اَهْلٍ مَّكَّةَ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِيْ بُغْيٰنِيْ وَالِدُ عَنْ وَاٰلِهٖ فِيْهِ شَيْئًا ۙ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَاٰلِهٖ فِيْهِ شَيْئًا ۙ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بِالْبَعْثِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوَةُ الدُّنْيَا ۙ عَنِ الْاِسْلَامِ وَلَا يَغُرَّنَّكُمۡ بِاللّٰهِ فِيْ جِلْمِهٖ وَاَمْهَالِهٖ الْغُرُوْرُ ۝۱۲ الشَّيْطٰنُ اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۙ مَنۢ يُّنۡزِلُ بِالْخَفِيْفِ وَالتَّشْدِيْدِ الْغَيْثَ ۙ بِوَقْتٍ يَّعْلَمُهٗ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۙ

اذْكَرْ اَمَّ اَنْثَى وَلَا يَعْلَمُ وَاِحْدَا مِّنَ الثَّلَاثَةِ غَيْرِ اللّٰهِ تَعَالَى وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ عَدَاۗءُ مِنْ خَيْرٍ

اَوْ شَرٍّ وَيَعْلَمُهُ اللّٰهُ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِاٰمِي اَرْضٍ تَمُوْتُ وَيَعْلَمُهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِكُلِّ شَيْءٍ

حَدِيثُ بِنَاتِيْنِهٖ كَطَّاهِرِهٖ رَوَى الْبُخَارِيُّ عَنْ ابْنِ عُمَرَ حَدِيْثِ مَفَاتِيْحِ الْغَيْبِ خَمْسَةٌ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ اِلَى اٰخِرِ السُّوْرَةِ۔

ترجمہ: کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتیاں (بحری جہاز) دریا میں چلتی رہتی ہیں تاکہ اے مخاطبین! اس کے ذریعہ تم کو دکھائے (اپنی قدرت) نشانیاں یقیناً آئیں (عبرتیں) ہیں (گناہوں سے) ہر بچنے والے (اللہ کی نعمتوں کا) شکر نبجالانے والے کے لئے اور جب ان کو گھیر لیتی ہیں (کفار پر غالب آ جاتی ہیں) سائبانوں کی طرح موجیں (جو پہاڑوں جیسی کشتیوں کے نیچے اٹھتی رہتی ہیں) تو وہ خالص اعتقاد کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (سلامتی کی دعائیں مانگنے لگتے ہیں کسی اور کو نہیں پکارتے) پھر جب ان کو سلامتی کے ساتھ خشکی کی طرف لے آتا ہے سو بعض ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں (ریمان و کفر کے درمیان اور کچھ ان میں کافر ہی رہتے ہیں) اور ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہوتے ہیں (ان نشانیوں میں سے موج سے ان کو نکال لینا بھی ہے) جو بد عہد (غدار) ناشکرے (اللہ کی نعمتوں کے) ہیں اے لوگو! (مکہ کے باشندو!) اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو کہ مطالبہ ادا نہیں کر سکے گا (بے نیاز نہیں بنا سکے گا) کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے (کچھ بھی) اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ مطالبہ ادا کر سکے گا اپنے باپ کی طرف سے (ذرا بھی) یقیناً اللہ کا وعدہ (قیامت کے بارے میں) سچا ہے سو تم کو دنیاوی زندگی (اسلام سے ہٹا کر) دھوکہ میں نہ ڈال دے اور نہ شیطان (تم کو) اللہ کی برو باری اور ڈھیل دینے کے بارے میں دھوکہ میں ڈالے بلاشبہ اللہ ہی کو خبر ہے قیامت کی (کہ کب آئے گی) اور وہی برساتا ہے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) بارش (اس وقت میں جس کو وہ جانتا ہے نازل (تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے) اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے (لڑکا یا لڑکی اور ان تینوں باتوں میں سے کسی چیز کی خبر اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا (اچھا کام یا برا کام لیکن اللہ کو خبر ہے) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا (مگر اللہ جانتا ہے) بیشک اللہ ہی (سب باتوں کا) جاننے والا باخبر ہے (ظاہر کی طرح باطن سے واقف ہے) بخاری نے ابن عمرؓ سے مفاتیح الغیب خمسہ والی حدیث روایت کی ہے: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَ كَا عِلْمِ السَّاعَةِ اِلَى آخِرِ سُوْرَةِ۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

نولہ: الزائل: وہ اپنی ذات کی حد تک زائل ہونے والی ہیں اور کوئی چیز اس کے کرنے کے بغیر نہیں پائی جاسکتی۔
ولہ: بِنِعْمَتِ اللّٰهِ: یعنی اسباب کے مہیا کرنے میں اس کا احسان محض ہے۔

قولہ: مُنْتَزِبِينَ الْكُفْرِ: کسی طرف جھکنے والے نہیں۔

قولہ: كُلُّ خَتَّارٍ: نہایت درجہ کا دھوکہ باز۔

قولہ: يُعْزِي: یعنی کی یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ يُعْزِي کی یا مضموم ہے اور یہ مفتوح ہو تو اس کا معنی لا یقضی عنہ پورا کرنا۔

قولہ: فِيهِ شَيْئًا: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ موصوف کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے۔

تفسیر مقبولین

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ ...

سمندر میں چلتے بحری جہازوں اور کشتیوں میں سامان غور و فکر:

اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام بیان فرمایا ہے کہ سمندر میں جو کشتی چلتی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ دیکھو آدھا تولہ لوہا سمندر میں ڈالو تو اسی دقت ڈوب جائے گا اور سونے کی لکڑی جو کشتی (جہاز) کی صورت میں ہے وہ نہیں ڈوبتا، یہ کشتیاں ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک لے جاتی ہیں، سامان لاتی ہیں، ضرورت کی چیزیں ان کے آنے جانے کی وجہ سے فراہم ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے انہیں ہواؤں کے تھپڑوں کے ذریعہ اس حال میں کر دیتا ہے کہ ان کا چلنا تیرنا مشکل ہو جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ہواؤں کا رخ بدل دیتا ہے تو آرام سے چلتی ہیں، یہ سب عبرت کی چیزیں ہیں ان کے ذریعہ خاق کائنات جل مجدہ کی معرفت حاصل کرنی چاہیے، جو لوگ صبر اور شکر کا مزاج رکھتے ہیں وہی اللہ کی آیات سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ چلتی ہوئی کشتی کو پانی کا طوفان گھیر لیتا ہے، بڑی بڑی موجیں جو سائبانوں اور بادلوں کی طرح ہوتی ہیں وہ ڈھانپ لیتی ہیں۔ اس صورت میں انسان کو اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ سمجھ میں نہیں آتا جو مومن بندے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف اخلاص کے ساتھ رجوع ہوتے ہی ہیں اور اس سے دعا مانگتے ہیں لیکن جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اس وقت وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پوری سچائی اور پھر پورے اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں ان میں جو مومن بندے ہوتے ہیں وہ برابر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں خشکی میں آ کر غیر اللہ کو نہیں پکارتے اور شرک میں مبتلا نہیں ہوتے، ان کے بارے میں فرمایا فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ (سوجب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات کر لیتے ہیں۔ سورہ عنکبوت میں اسی کو فرمایا: فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ) (سوجب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات

دے دیتا ہے تو وہ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں۔)

وَمَا يَجْعَلُ بَيْنَنَا إِلَّا كَلًّا خَتَّارًا كَفُورًا (اور ہماری آیتوں کا ہر وہ شخص انکار کرتا ہے جو عہد کا بہت جھوٹا بہت ناشکر ہو) ان جھوٹے عہد کرنے والوں میں وہ بھی ہوتے ہیں جو کشتی میں اخلاص کے ساتھ توحید کا عہد کرتے ہیں پھر کشتی سے باہر خشکی میں آ کر توڑ دیتے ہیں، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بڑے بڑے دلائل اور آیات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے اور توحید کی دعوت کو قبول نہیں کرتے اور نہ صرف یہ کہ حق کو قبول نہیں کرتے بلکہ جھوٹ بھی بولتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری بھی کرتے ہیں، آیت کے آخر میں اسی کو بیان فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَاحْشُوا يَوْمًا ...

یہاں سے حجت تمام کر کے ایک ایسا حکم دیتا ہے جو تمام نیکیوں کا اصل الاصول ہے، وہ کیا اتَّقُوا رَبَّكُمُ کہ اپنے رب سے ڈرا کرو، جو اپنے رب سے ڈرے گا کسی مصیبت کے پاس نہ جائے گا اور کسی حکم الہی کے بجالانے میں کوتاہی نہ کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اوصیکم بتقوی اللہ الخدیث رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کہ میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، یعنی بتا کہ حکم دیتا ہوں، چونکہ خدا سے ڈرنا بغیر یاد دلانے کسی آنے والی بلائے عظیم کے جو اللہ کے ہاں سے آنے والی ہو مشکل ہے، اس لیے اس آنے والی بلا کا ذکر فرماتا ہے۔ و اخصوا یومالا یجزی والدعن ولدہ ولا مولودہو جاز عن والدہ شیئا کہ اس روز سے ڈرو یعنی قیامت کے دن سے کہ جس دن باوجود شفقت پدری کے کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہ آدے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آدے گا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، بغیر ایمان اور عمل صالح کے کچھ چارہ نہ ہوگا، جب باپ بیٹے کا یہ حال ہوگا تو اور کسی کی قرابت یا محبت کا تو کیا ذکر ہے۔ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اے قریش! اپنی خلاصی ڈھونڈو میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے بنی عبدمناف میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، اے عباس میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے صفیہ محمد ﷺ کی پھوپھی میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے فاطمہ محمد ﷺ کی بیٹی مجھ سے جو مال چاہے لے لے اللہ کے معاملہ میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا، یعنی اعمال و ایمان چھوڑ کر یہ نکیہ نہ کر بیٹھو کہ ہم پیغمبر کے اقارب ہیں۔ جیسا کہ عیسائیوں نے مسیح (علیہ السلام) کے کفارہ ہونے پر نکیہ کر کے اعمال صالحہ کو بے فائدہ ٹھہرا دیا اور ضمناً ہر قسم کی بدکاری کی اجازت دے دی، اس سے شفاعت کا انکار نہیں نکلتا، کیونکہ وہ ایمانداروں خدا کے فرمانبرداروں کے لیے ان کے رفع درجات یا قصوروں کی بابت ہوگی۔ سو یہ اور بات ہے، کفار سمجھتے تھے کہ ایسا دن کبھی نہیں آئے گا، کیونکہ وہ قیامت کے منکر تھے، اس لیے فرماتا ہے، إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، ضرور وہ دن آئے گا فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا پھر تم دنیا کی زندگی پر دھوکا نہ کھاؤ، سدا کوئی نہیں جے گا، وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ بِاللَّهِ الْغُرُورُ اور اسی طرح اللہ کے معاملہ میں بھی دھوکے میں نہ رہو کہ ہم کو دنیا میں سرداری دی ہے، وہاں بھی دے گا اور جس طرح یہاں ہمارے اقارب اور اعزہ حمایت کر کے چھڑا لیتے ہیں، چھڑا لیں گے یا ہمارے معبود جو اللہ کے گھر کے مختار ہیں، ہمیں بچالیں گے۔ الغرور فریب یا فریب دہندہ شیطان کہ شیطان تم کو فریب نہ دے۔ اس کے بعد کفار یہ پوچھتے ہوں گے کہ وہ کب آوے گی، اس کی

مدت بیان کر اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۝ ...

یعنی قیامت آ کر رہے گی، کب آئے گی؟ اس کا علم خدا کے پاس ہے۔ نہ معلوم کب یہ کارخانہ توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا جائے آدمی دنیا کے باغ و بہار اور وقتی تروتازگی پر سمجھتا ہے، کیا نہیں جانتا کہ علاوہ فانی ہونے کے فی الحال بھی یہ چیز اور اس کے اسباب سب خدا کے قبضہ میں ہیں۔ زمین کی ساری رونق اور مادی برکت (جس پر تمہاری خوشحالی کا مدار ہے) آسمانی بارش پر موقوف ہے۔ سال دو سال مینہ نہ برسے تو ہر طرف خاک اڑنے لگے۔ نہ سامان معیشت رہیں نہ اسباب راحت، پھر تعجب ہے کہ انسان دنیا کی زینت اور تروتازگی پر فریفتہ ہو کر اس ہستی کو بھول جائے جس نے اپنی بارانِ رحمت سے اس کو تروتازہ اور پر رونق بنا رکھا ہے۔ علاوہ بریں کسی شخص کو کیا معلوم ہے کہ دنیا کے عیش و آرام میں اس کا کتنا حصہ ہے۔ بہت سے لوگ کوشش کر کے اور ایڑیاں رگڑ کر مرتے ہیں۔ لیکن زندگی بھر چین نصیب نہیں ہوتا۔ بہت ہیں جنہیں بے محنت دولت مل جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر بھی کوئی آدمی جو دین کے معاملہ میں تقدیر الہی پر بھروسہ کیے بیٹھا ہو، دنیاوی جدوجہد میں تقدیر پر قانع ہو کر ذرہ برابر کمی نہیں کرتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ تدبیر کرنی چاہئے۔ کیونکہ اچھی تقدیر عموماً کامیاب تدبیر ہی کے ضمن میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ علم خدا کو ہے کہ فی الواقع ہماری تقدیر کیسی ہوگی اور صحیح تدبیر بن پڑے گی یا نہیں۔ یہ ہی بات اگر ہم دین کے معاملہ میں سمجھ لیں تو شیطان کے دھوکہ میں ہرگز نہ آئیں۔ بیشک جنت دوزخ جو کچھ ملے گی تقدیر سے ملے گی جس کا علم خدا کو ہے مگر عموماً اچھی یا بری تقدیر کا حوالہ دے کر ہم تدبیر کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ یہ پتہ کسی کو نہیں کہ اللہ کے علم میں وہ سعید ہے یا شقی۔ جنتی ہے یا دوزخی، مفلس ہے یا غنی، لہذا ظاہری عمل اور تدبیر ہی وہ چیز ہونی جس سے عاۃً ہم کو نوعیت تقدیر کا قدرے پتہ چل جاتا ہے۔ ورنہ یہ علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہے کہ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور پیدا ہونے کے بعد اس کی عمر کیا ہو۔ روزی کتنی ملے، سعید ہو یا شقی، اسی کی طرف وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۝ میں اشارہ کیا ہے۔ رہا شیطان کا یہ دھوکا کہ فی الحال تو دنیا کے مزے اڑاؤ، پھر تو یہ کر کے نیک بن جانا، اس کا جواب (وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا) (لقمان: ۳۴) میں دیا ہے۔ جتنی کسی کو خبر نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا؟ اور کچھ کرنے کے لیے زندہ بھی رہے گا؟ کب موت آ جائے گی اور کہاں آئے گی؟ پھر یہ وثوق کیسے ہو کہ آج کی بدی کا تدارک کل نیکی سے ضرور کر لے گا اور توبہ کی توفیق ضرور پائے گا؟ ان چیزوں کی خبر تو اسی علیم وخبیر کو ہے۔

جب سے دنیا میں آلات کارواج ہو گیا ہے اس وقت سے ایمانیات میں فرق آنے لگا ہے اور لوگ یوں کہتے ہیں کہ فضا میں جو آلات نصب کر دیتے ہیں وہ بتا دیتے ہیں کہ بارش کب ہوگی، اور ایک سرے کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حاملہ عورت کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ، ان لوگوں کو یہ پتہ نہیں کہ آیت شریفہ میں آلات کے ذریعہ جو علم حاصل ہو اس کا ذکر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے وہ ازل سے ہے، ہمیشہ سے ہے جب دنیا میں انسان نہیں آیا تھا اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ انسانوں کی نسلیں چلیں گی اور فلاں فلاں عورت حاملہ ہوگی اور اس کے پیٹ میں نر ہوگا یا مادہ ہوگا، ناقص پیدا ہوگا یا کامل! کہاں اللہ تعالیٰ کا علم ازل اور کہاں بنی آدم کا علم جو آلات اور اسباب اور تجربات پر موقوف ہے پھر اس بات کو کبھی جاننے والے جانتے ہیں کہ اسباب و

آلات سے پتہ چلانے والوں کی پیشین گوئیاں غلط بھی ہو جاتی ہے، لہذا یہ کہنا کہ بندے بھی علم قطعی کے طور پر بارش آنے کا وقت بتا دیتے ہیں اور حاملہ عورتوں کے پیٹوں میں جو ہے اس سے باخبر کر دیتے ہیں، یہ ان لوگوں کی جاہلانہ باتیں ہیں جو آیت کا مفہوم نہ جاننے کی وجہ سے صادر ہوتی ہیں۔ واضح رہے کہ آیت میں جو پانچ چیزوں کا ذکر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان چیزوں کے علاوہ دوسری غیب کی چیزوں کو بندے جانتے ہیں، غیب کی تمام چیزوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، ہر غیب کا علم علم قطعی، علم ازلی، علم ذاتی، علم محیط صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

(تشبیہ) یاد رکھنا چاہیے کہ مغیبات جنس احکام سے ہوگی یا جنس اکوان سے، پھر اکوان غیبیہ زمانی ہیں یا مکانی، اور زمانی کی باعتبار ماضی، مستقبل حال کے تین قسمیں کی گئی ہیں۔ ان میں سے احکام غیبیہ کا کلی علم پیغمبر ﷺ کو عطا فرمایا گیا (فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَيَمْنُ خَلْفَهُ رَصَدًا لِيَبْلُغَهُمْ) (البقرہ: ۲۵۳) جس کی جزئیات کی تفصیل و ترویج اذکما یرسلت ربہم و احاطت بہما لذلک ہمہ و اخصی کل شئ عداً (البقرہ: ۲۵۳) سے بھی اتنا وافر اور عظیم الشان حصہ ملا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم اکوان غیبیہ کا علم کلی رب العزت ہی کے ساتھ مختص رہا۔ آیت ہذا میں جو پانچ چیزیں مذکور ہیں احادیث میں ان کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے جن کا علم (یعنی علم کلی) بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ فی الحقیقت ان پانچ چیزوں میں کل اکوان غیبیہ کی انواع کی طرف اشارہ ہو گیا۔ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۗ فِي غَيْبٍ مَّكَانِيهِ مَا ذَا تُكْسِبُ عَدَاً ۗ میں زمانیہ مستقبلہ مَا فِي الْأَنْحَاہِ ۗ میں زمانیہ حالیہ اور يُؤْتِي الْغَيْثَ ۗ میں غالباً زمانیہ ماضیہ پر تشبیہ ہے۔ یعنی بارش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ پہلے سے کیا ایسے اسباب فراہم ہو رہے تھے کہ ٹھیک اسی وقت اسی جگہ اسی مقدار میں بارش ہوئی، ماں بچہ کو پیٹ میں لیے پھرتی ہے پر اسے پتہ نہیں کہ پیٹ میں کیا ہے۔ لڑکا یا لڑکی؟ انسان واقعات آئندہ پر حاوی ہونا چاہتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ کل میں خود کیا کام کروں گا؟ میری موت کہاں واقعہ ہوگی؟ اس جہل و بیچارگی کے باوجود تعجب ہے کہ دنیاوی زندگی پر مفتون ہو کر خالق حقیقی کو اور اس دن کو بھول جائے جب پروردگار کی عدالت میں کشاں کشاں حاضر ہونا پڑے گا۔ بہر حال ان پانچ چیزوں کے ذکر سے تمام اکوان غیبیہ کے علم کلی کی طرف اشارہ کرنا ہے حصر مقصود نہیں اور غالباً ذکر میں ان پانچ کی تخصیص اس لیے ہوئی کہ ایک سائل نے سوال انہی پانچ باتوں کی نسبت کیا تھا جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کافی الحدیث۔

سُورَةُ السَّجْدَةِ

سُورَةُ السَّجْدَةِ
۳۲ مَكِّيَّةٌ ۴۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اِيَاتُهَا
۳۰

سورہ سجدہ کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اس کی تیس آیتیں ہیں اور تین رکوع

الْمَلَأَ اللَّهُ أَعْلَمَ بِمُرَادِهِ بِه تَنْزِيلُ الْكِتَابِ الْقُرْآنِ مُبْتَدَأُ لَا رَبِّبَ شَكَّ فِيهِ خَيْرٌ أَوْلُ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ خَيْرٌ ثَانِي أَمْ بَلْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ مُحَمَّدٌ لَا بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا مَّا نَافِيَةٌ أَنَّهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ يَا نَذَارِكَ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ أَوْلَاهَا الْأَحَدُ وَآخِرُهَا لُجُمُعَةُ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ ۝ وَهُوَ فِي اللَّغَةِ سَرِيضُ الْمَلِكِ اسْتَوَى يَلِيقُ بِه مَا لَكُمْ بِكَافَرٍ مَكَّةَ مِنْ دُونِهِ غَيْرِهِ مِنْ وَلِيٍّ اسْمُ مَا بَرِ يَادَةُ مِنْ أَيْ نَاصِرٍ وَلَا شَفِيعٍ ۝ يَدْفَعُ عَنْكُمْ عَذَابَهُ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝ هَذَا فَوْزٌ مُتَوْنٌ يَدْبُرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ مَدَّةَ الدُّنْيَا ثُمَّ يَعْرُجُ بِرُجُوعِ الْأَمْرِ وَالتَّذَكُّرِ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ۝ فِي الدُّنْيَا وَفِي سُورَةِ سَالِ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ لِشِدَّةِ أَهْوَايِهِ بِالتَّشْبِيهِ إِلَى الْكَافِرِ وَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَكُونُ أَحْفَ عَلَيْهِ مِنْ صَلَوةٍ مَكْتُوبَةٍ يُصَلِّيُهَا فِي الدُّنْيَا كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ ذَلِكَ الْخَالِقُ الْمُدَبِّرُ عَلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَيْ مَا غَابَ عَنِ الْخَلْقِ وَمَا حَضَرَ الْعَزِيزُ الْمُبِينُ فِي مَلِكِهِ الرَّحِيمِ ۝ بِأَهْلِ طَاعَتِهِ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ بِفَتْحِ الْأَمِّ فِعْلًا مَا ضِيًّا صِفَةً وَبِسُكُونِهَا بَدَلُ اشْتِمَالٍ وَبَدَأَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ أَدَمَ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ۝ ضَعِيفٍ هُوَ النَّطْفَةُ ثُمَّ سَوَّاهُ أَيْ خَلَقَ أَدَمَ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ أَيْ جَعَلَهُ حَيًّا حَسَّاسًا بَعْدَ أَنْ كَانَ جَمَادًا وَجَعَلَ لَكُمْ أَيْ الذَّرِّيَّةَ السَّمْعَ بِمَعْنَى الْأَسْمَاعِ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۝ الْقُلُوبَ قَلِيلًا مَا

تَشْكُرُونَ ۝ مَا زَايَدَهُمْ مَوْجِدَهُ لِلْفَلَةِ وَقَالُوا أَيُّ مَذْكَرٍ وَالتَّبْعِ ءِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ غِبْنَا فِيهَا بَأْنَ صِرْنَا
 تَرَابًا مُخْتَلِطًا بِنُزَابِهَاءِ إِيَّاكَ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ اسْتَفْهَامُ انْكَارٍ بِتَحْقِيقِ الهمزتين وَتَسْهِيلِ الْقَائِنَةِ وَ
 إِذْ خَالَ الْفِ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوُجْهِينِ فِي الْمَوْضِعِينَ قَالَ تَعَالَى بَلْ هُمْ بِلِقَائِي رَبِّهِمْ بِالْبُغْثِ
 كَفَرُونَ ۝ قُلْ لَهُمْ يَتَوَقَّعُكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ أَيُّ بَقْبَضِ أَرْوَاحِكُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ

عُرْجُونَ ۝ أَحْيَاءُ فَيَجَازِبُكُمْ بِأَعْمَالِكُمْ

تَوَجَّهْتُمْ إِلَى اللَّهِ ۝ (اسکی مراد سے اللہ ہی بہتر طور پر واقف ہے) بلاشبہ یہ کتاب (قرآن کریم) تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے (تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مَبْدَأٌ هُوَ لَا رَيْبَ فِيهِ خَيْرٌ أَوْلَى مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ خبر ثانی ہے) بلکہ وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ (اس کے ذریعہ) اس قوم کو ڈرائیں کہ جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا (مانا فیہ ہے) تاکہ وہ (آپ کے ڈرانے سے) ہدایت حاصل کریں، اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو زمین اور کواور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھ دن میں پیدا کیا (ان میں سے پہلا دن اتوار ہے اور آخری دن جمعہ) پھر وہ عرش پر قائم ہو گیا (عرش لغت میں تخت شاہی کو کہتے ہیں، ایسا قیام جو اسکی شان کے لائق ہے۔ اے کفر مکہ!) تمہارے لیے اس کے سوا کوئی حمایتی نہیں ہے (من ولی من کی زیادتی کے ساتھ ما کا اسم ہے یعنی کوئی مددگار نہیں) اور نہ کوئی سفارشی (کہ جو تم سے اس کے عذاب کے دور کر سکے) پھر کیا تم (اس کو) سمجھتے نہیں ہو (کہ ایمان لے آؤ) آسمان سے زمین تک (دنیا کی مدت تک) تدبیر کرتا ہے (پھر تمام مور اور تدبیریں) اسی کی طرف لوٹ جائیں گی ایسے دن میں کہ جس کی مقدار تمہارے شمار کے اعتبار سے ایک ہزار سال ہوگی (دنیاوی شمار کے اعتبار سے۔ سورہ سال میں پچاس ہزار سال ہے، اور وہ قیامت کا دن ہے اس کی شدید ہولناکی وجہ سے بہ نسبت کافر کے، رہ مومن تو وہ دن اس پر ایک فرض نماز کہ جس کو وہ پڑھا کرتا تھا دنیا میں اس سے بھی ہلکا ہوگا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے) یہ (خالق اور مدبر) غائب اور حاضر کا جاننے والا ہے (یعنی ہر اس چیز کا جو مخلوق کی نظروں سے اوجھل اور جو حاضر ہے) جو غالب ہے (اپنے ملک میں) اور نہایت رحم کرنے والا ہے (اپنی فرہ برداری کرنے والوں پر) جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی (خَلْقَةَ لَامِ الْفَتْحِ کے ساتھ فعل ماضی ہے اور صفت واقع ہے اور لام کے سکون کے ساتھ بدل اشمال ہے) اور انسان (آدم) کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر بنایا اس کی نسل (ذریعہ) کو خاصہ اخلاط (مجمد خون) ایک حقیر پانی کے قطرہ سے (جو معمولی ہوتا ہے یعنی نطفہ سے) پھر اسے برابر کیا (آدم کی تخلیق کو) اور اس میں اپنی روح پھونک دی (یعنی اس کو زندہ، حساس بنا دیا حالانکہ وہ ایک بے جان مادہ تھا) اور بنائے تمہارے لئے (اے آدم کی اولاد!) کان (سمع، اسماع کی معنی میں ہے) اور آنکھیں اور دل تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (مازائد ہے قلت کی تاکید کے لئے) یہ لوگ (قیامت کے منکر) کہتے ہیں کہ جب ہم زمین پر نیست و نابود ہو گئے (مٹی میں مل کر خود بھی مٹی ہو گئے اور رمل مل گئے) تو کیا پھر ہم نئے جنم میں آئیں گے (استفہام انکار کے لئے ہے۔ دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ و ران دونوں صورتوں میں دونوں جگہ

دونوں ہمزوں کے درمیان الف زائد کرتے ہوئے۔ فرمایا) معاملہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار سے (دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد) ملنے سے منکر ہیں آپ (ان سے) فرمایا دیجئے تمہارا قصہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے تمام کروے گا (تمہاری روحوں کو نکال کر) پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے (زندہ کر کے وہ تمہارے کاموں کا بدلہ دے گا)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: **وَلَا تُشْفِعُ** یعنی جب تم رضاء الہی کی مخالفت کر کے حد سے تجاوز کر جاؤ تو تمہارے لیے کوئی سفارشی نہ ہوگا جب دونوں معنی مجاوزت ہو تو اللہ تعالیٰ کا شفیع ہونا لازم ہی نہیں آتا۔

قولہ: **يُدَبِّرُ الْأَمْرَ** وہ دنیا کے معاملات کی تدبیر آسمانی اسباب سے کرتا ہے جیسے فرشتے زمین کی طرف اس کے آثار لے کر اترتے ہیں۔ **إِلَى الْأَرْضِ** یہ **يُدَبِّرُ** کے ساتھ اس طرح متعلق ہے کہ اس میں نزول کا معنی ضمناً موجود ہے۔

قولہ: **يَرْجِعُ الْأَمْرَ** یعنی اس کے علم میں ثابت و قائم رہتا ہے۔

قولہ: **الْفِ سَنَةٍ** یعنی زمانے کے تھوڑے سے حصہ میں تدبیر و وقوع میں وہ غلبہ پانے والا ہے۔

قولہ: **ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ** نسل کو اس لیے نسل کہتے ہیں کہ وہ اس سے جدا ہوتی ہے۔

قولہ: **خَلَقَ** جیسا مناسب تھا اس کے اعضاء کی تصویر بنائی۔

قولہ: **مِنْ رُوحِهِ** مخلوق عجیبہ ہونے کی وجہ سے اپنی طرف بطور شرف نسبت کر دی۔

قولہ: **قَلِيلًا مَّا** یعنی بہت معمولی سا شکر یہ تم بجالاتے ہو، تو مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب قرار دیا۔

تفسیر مقبولین

الْعَمَّ

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سونے سے پہلے الم تنزیل السجده اور تبارک الذی بیدہ الملك پڑھ لیا کرتے تھے (

اخرجه الامام احمد والترمذی والنسائی وغيرهم عن جابر)

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

اس سے پہلی سورۃ میں توحید اور حشر کے دلائل بیان فرمائے تھے اور وہ دو طرف ہیں، اس لیے اس سورۃ میں امر و اوسط یعنی

اس رسالت کا ذکر کرتا ہے کہ جس پر قرآن کی برہان قائم ہے۔ فقال: تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ یہ

کتاب یعنی قرآن (کہ جس کے برحق ہونے میں عاقل کو غور و تامل کے بعد کوئی بھی شبہ نہیں رہتا) رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ کی طرف

سے ہے۔ رَبِّ الْعَالَمِينَ ؕ کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ جو تمام جہان کا پرورش کرنے والا ہے، روحانی پرورش بھی اسی کا خاص حصہ ہے، اس لیے اس نے دنیا کی شانستگی کے لیے ایک ایسی کتاب نازل کی جو آفتاب کی طرح سے اپنے لیے آپ گواہ ہے، مگر کوڑھ مغزی اور تیرہ باطنی بھی عجب بد بلا ہے، ایسے لوگ یہ کہہ دیتے تھے کہ اس کو محمد ﷺ نے از خود بنا لیا ہے، خدا نے نازل نہیں کیا ہے۔ اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ؕ اس کے جواب میں فرماتا ہے: بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ؕ کہ یہ قرآن برحق ہے تیرے رب کے ہاں سے آیا ہے، اس کی شان ربوبیت کا مقتضی ہے۔ یہ کس لیے نازل ہوا؟ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا اَتَتْهُمْ مِنْ نَذِيرٍ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ؕ تاکہ تو، محمد ﷺ خصوصاً ان لوگوں کو پر حذر کرے اور ان کو آنے والے عذاب الہی سے ڈرائے کہ جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا پیغمبر نہیں آیا ہے۔ اس قوم کی خصوصیت نہیں کہ آنحضرت ﷺ خاص عرب ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے، ان کا نام اس لیے آ گیا کہ سب سے اول انہی سے کلام تھا، اس لیے کہ دوسری جگہ آ گیا ہے: تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا اور آنحضرت ﷺ نے بھی فرما دیا ہے کہ میں تمام عالم کے لیے نبی کیا گیا ہوں۔ پس اس جملہ سے یہ سمجھ لینا کہ آنحضرت ﷺ خاص عرب کی قوم کے لیے مبعوث ہوئے تھے بڑی غلطی ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے ایک عرصہ دراز تک عرب میں کوئی نبی مبعوث ہو کر نہیں آیا تھا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کے گمراہ ہونے کے بعد بجز حضرت کے ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔ اس میں سب آگئے۔ اِنَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اِنَّ يٰهٰٓا س سے وہ بات بیان فرماتا ہے کہ جس کا پہنچانا رسول پر فرض ہے، جیسا کہ پہلے رسالت اور اس کی ضرورت بیان کی تھی، یعنی اللہ وہ ہے کہ جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا نہ وہ لوگ کہ جن کو مشرکین اس کے ساتھ ملا رہے ہیں۔ مَا لَكُمْ قَبْلَ دُوْنٰٓيَهٗ مِنْ وَّلٰٓيٍ وَّ لَا شَفِيعٍ ؕ اس میں اس بات کا بھی رد ہے کہ جن کو تم اس کا شریک سمجھ رہے ہو، وہ خدا تو کیا اس کی اجازت بغیر کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے نہ کسی کے حامی مددگار بن سکتے ہیں، جس خیال سے کہ مشرکین غیر اللہ کو اس کا شریک سمجھتے ہیں۔ اس آیت میں جس طرح اس کی اجازت بغیر اوروں کی ولایت و شفاعت کی نفی ہے، اسی طرح اس کی طرف سے ولایت و شفاعت یعنی حمایت کا ثبوت ہے۔ اس میں بت پرستوں کی تجہیل ہے، وہ جو یہ اقرار کر کے کہ اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں یہ سمجھتے تھے کہ وہ ہماری سفارش کریں گے، جب خلق کو بیان فرما چکا تو اس کے بعد امر کو بیان فرماتا ہے۔

اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ؕ ...

مَا اَتَتْهُمْ قَبْلَ نَذِيرٍ. نذیر سے مراد اس جگہ رسول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قریش مکہ میں آنحضرت محمد ﷺ سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا تھا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انبیاء کی دعوت بھی ان کو اب تک نہ پہنچی تھی۔ کیونکہ دوسری آیت قرآن میں واضح طور پر ارشاد ہے: وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيهَا لَنَذِيرٍ، یعنی کوئی امت اور جماعت دنیا میں ایسی نہیں جس میں کوئی اللہ سے ڈرانے والا اور اس کی طرف دعوت دینے والا نہ آیا ہو۔

اس آیت میں لفظ نذیر اپنے عام لغوی معنی میں ہے۔ یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے والا وہ خواہ رسول اور پیغمبر ہو یا ان کا کوئی نائب، خلیفہ یا عالم دین۔ تو اس آیت سے تمام امتوں اور جماعتوں تک توحید کی دعوت پہنچ جانا معلوم ہوتا ہے، وہ اپنی جگہ

صحیح درست اور حق تعالیٰ کی رحمت عامہ کا مقتضا ہے، جیسا کہ ابو حیان نے فرمایا کہ توحید اور ایمان کی دعوت کسی زمانے اور کسی مکان اور کسی قوم میں کبھی منقطع نہیں ہوتی، اور جب کہیں نبوت پر زمانہ دراز تک گزر جانے کے بعد اس نبوت کا علم رکھنے والے علماء بہت کم رہ گئے تو کوئی دوسرا نبی و رسول مبعوث ہو گیا۔ اس کا منطقی یہ ہے کہ اقوام عرب میں بھی بقدر ضرورت توحید کی دعوت پہلے سے ضرور پہنچی ہوگی مگر اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ یہ دعوت خود کوئی نبی و رسول لے کر آیا ہو، ہو سکتا ہے کہ ان کے ناسین علماء کے ذریعہ پہنچ گئی ہو۔

اس لیے اس سورۃ اور سورہ یس وغیرہ کی وہ آیتیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قریش عرب میں آپ سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا تھا، ضروری ہے کہ اس میں نذیر سے مراد اصطلاحی معنی کے اعتبار سے رسولِ نبی ہو۔ اور مراد یہ ہو کہ اس قوم کے اندر آپ سے پہلے کوئی نبی و رسول نہیں آیا تھا، اگرچہ دعوت ایمان و توحید دوسرے ذرائع سے یہاں بھی پہنچ چکی ہو۔

زمانہ فترت یعنی رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے بہت سے حضرات کے متعلق یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ دین ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام پر قائم تھے، توحید پر ان کا ایمان تھا، بت پرستی اور بتوں کے لیے قربانی دینے سے متنفر تھے۔

روح المعانی میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ زید بن عمرو بن نفیل جو آنحضرت محمد ﷺ کی بعثت اور نبوت سے پہلے آپ سے ملے بھی تھے، مگر نبوت سے پہلے ان کا انتقال اس سال میں ہو گیا، جس میں قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی اور یہ واقعہ آپ کی نبوت سے پانچ سال پہلے کا ہے، ان کا حال موسیٰ بن عقبہ نے یہ نقل کیا ہے کہ قریش کو بت پرستی سے روکتے تھے اور بتوں کے نام پر قربانی دینے کو بہت برا کہتے تھے اور مشرکین کے ذبايح کا گوشت نہ کھاتے تھے۔

اور ابوداؤد طیالسی نے زید بن عمرو بن نفیل کے صاحبزادے حضرت سعید بن زید بن عمرو سے جو صحابہ میں عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔ یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میرے والد کا جو کچھ حال تھا وہ آپ کو معلوم ہے کہ توحید پر قائم، بت پرستی کے منکر تھے، تو کیا میں ان کے لیے دعائے مغفرت کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ان کے لیے دعائے مغفرت جائز ہے، وہ قیامت کے روز ایک مستقل امت ہو کر اٹھیں گے۔ (روح)

اسی طرح ذوقہ بن نوفل جو آپ کے زمانہ نبوت شروع ہونے اور نزول قرآن کی ابتداء کے وقت موجود تھے توحید پر قائم تھے اور رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے کا اپنا عزم ظاہر کیا تھا، مگر فوراً بعد ہی ان کی وفات ہو گئی۔ یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ اقوام عرب بھی دعوت الہیہ اور دعوت ایمان و توحید سے محروم تو نہیں تھیں، مگر خود ان کے اندر کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ واللہ اعلم

يَذُوبُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ

بڑے کام اور اہم تنظیمات کے متعلق عرشِ عظیم سے مقرر ہو کر نیچے حکم اترتا ہے۔ سب اسبابِ حسی و معنوی، ظاہری و باطنی، آسمان و زمین سے جمع ہو کر اس کے انصرام میں لگ جاتے ہیں۔ آخروہ کام اور انتظام اللہ کی مشیت و حکمت سے مدتوں جاری رہتا ہے، پھر زمانہ دراز کے بعد اٹھ جاتا ہے۔ اس وقت اللہ کی طرف سے دوسرا رنگ اترتا ہے۔ جیسے بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرونوں رہا، یا کسی بڑی قوم میں سرداری جو نسلوں تک چلی۔ وہ ہزار برس اللہ کے ہاں ایک دن ہے (موضع پیغمبر)

مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہزار سال کے انتظامات و تدابیر فرشتوں کو القاء کرتا ہے۔ اور یہ اس کے ہاں ایک دن ہے۔ پھر فرشتے جب (انہیں انجام دے کر) فارغ ہو جاتے ہیں، آئندہ ہزار سال کے انتظامات القاء فرمادیتا ہے۔ یہ ہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ بعض مفسرین آیت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اللہ کا حکم آسمانوں کے اوپر سے زمین تک آتا ہے، پھر جو کاروائیاں اس کے متعلق یہاں ہوتی ہیں وہ دفتر اعمال میں درج ہونے کے لیے اوپر چڑھتی ہیں جو سائے دنیا کے محدب پر واقع ہے۔ اور زمین سے وہاں تک کا فاصلہ آدمی کی متوسط رفتار سے ایک ہزار سال کا ہے جو خدا کے ہاں ایک دن قرار دیا گیا۔ مسافت تو اتنی ہے یہ جداگانہ بات ہے کہ فرشتہ ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم میں قطع کر لے۔ بعض مفسرین یوں معنی کرتے ہیں کہ ایک کام اللہ تعالیٰ کو کرنا ہے تو اس کے مبادی و اسباب کا سلسلہ ہزار سال پہلے سے شروع کر دیتے ہیں۔ پھر وہ حکمت بالغہ کے مطابق مختلف ادوار میں گزرتا اور مختلف صورتیں اختیار کرتا ہوا بتدریج اپنے منتہائے کمال کو پہنچتا ہے۔ اس وقت جو نتائج و آثار اس کے ظہور پذیر ہوتے ہیں بارگاہ ربوبیت میں پیش ہونے کے لیے چڑھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یوم سے یوم قیمت مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک تمام دنیا کا بندوبست کرتا ہے۔ پھر ایک وقت آئے گا جب یہ سارا قصہ ختم ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائے گا اور آخری فیصلہ کے لیے پیش ہوگا۔ اس کو قیامت کہتے ہیں۔ قیامت کا دن ہزار سال کے برابر ہے۔ بہر حال فی یوم کو بعض نے یوم حج کے متعلق کیا ہے اور بعض نے تنازع فعلین مانا ہے۔ واللہ اعلم۔

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝

اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو بھی پیدا فرمایا نہایت عمدگی سے پیدا فرمایا، اور ایسا اور اس طور پر کہ ہر چیز سے اس کی قدرت بے نہایت اسکی حکمت بے غایت اور اس کے کمال ربوبیت کے عظیم الشان شواہد و مظاہر سامنے آتے ہیں، اور ایسے اور اس طور پر کہ سوچنے اور غور کرنے سے اس کی صنعت و کاریگری پر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اور وہ بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔ (فَتَلَوَّكُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ) (المومن: ۱۴) یعنی بڑا ہی برکت والا ہے وہ اللہ جو نہایت ہی عمدہ پیدا کرنے والا ہے۔ اور پھر اس کیلئے انسان کو خود اس کی اپنی ذات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی کہ اس کیلئے تم لوگوں کو کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ تم لوگ خود اپنی ہی خلقت و پیدائش میں غور کر کے دیکھ لو۔ اور خود اپنی ہی تخلیق کے مختلف مدارج و مراحل میں غور و فکر کر لو۔ اور دیکھو کہ اس کی قدرت و حکمت اور اس کی رحمت و ربوبیت کی کیا کیا شائیں خود تمہارے اپنے وجود کے اندر پائی جاتی ہیں، یہ انسان جو اپنی لیاقتوں اور قابلیتوں پر نازاں و فرحان ہے حضرت قادر مطلق جل جلالہ، نے اس کو اس بے جان اور بے حس مٹی سے بنایا اور پیدا کیا ہے، جو اس کے پاؤں تلے روندی جانے والی چیز ہے، ذرا سوچو کہ کہاں یہ خاک بے جان اور کہاں اس سے وجود میں آنے والا، و عقل و فکر کے جوہر سے آراستہ پیراستہ یہ انسان جو کسی کو خاطر میں لانے کو تیار نہیں، قادر مطلق نے اس کو کہاں سے اٹھا کر کہاں پہنچا دیا۔ پھر خلقت انسانی کے دوسرے مرحلے میں اس کو مٹی کے بجائے ایک حقیر و ناپاک پانی کے ست سے بنایا۔ اور پھر اس کے تسویہ یعنی اس کی نوک پلک سنوارنے کے بعد اس کے اندر اپنی روح پھونک دی۔ جس کے نتیجے میں اس کے اندر سمع و بصر، دل و دماغ، اور عم و ادراک، کی وہ عظیم الشان صلاحیتیں نمودار ہوئیں جن سے یہ دوسری تمام حیوانی مخلوقات سے امتیازی پوزیشن کا حامل بنا۔ سو اس روح سے مراد وہ ملکوتی روح ہے جو حیوانی روح سے الگ، اور اس سے اعلیٰ و بالا نوعیت کی

پھر کی جان قبض کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتا جب تک مجھے اللہ کا حکم نہ ہو۔ حضرت جعفر کا بیان ہے کہ ملک الموت ﷺ کا دن میں پانچ وقت ایک ایک شخص کو ڈھونڈ بھال کرنا یہی ہے کہ آپ پانچوں نمازوں کے وقت دیکھ لیا کرتے ہیں اگر وہ نمازوں کی حفاظت کرنے والا ہو تو فرشتے اس کے قریب رہتے ہیں اور شیطان اس سے دور رہتا ہے اور اس کے آخری وقت فرشتہ اسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کرتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں ہر دن ہر گھر پر ملک الموت دو دفعہ آتے ہیں۔ کعب احبار اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر دروازے پر ٹھہر کر دن بھر میں سات مرتبہ نظر مارتے ہیں کہ اس میں کوئی وہ تو نہیں جس کی روح نکالنے کا حکم ہو چکا ہو۔ پھر قیامت کے دن سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے قبروں سے نکل کر میدان محشر میں اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اپنے کیے کا پھل پانا ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ الْكَافِرُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ مُطَاطِفُوا هِيَ حَيَاتُهُمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا
 أَبْصَرْنَا مَا أَنْكَرْنَا مِنَ النَّبِيِّ وَ سَمِعْنَا مِنْكَ تَصْدِيقَ الرُّسُلِ فِيمَا كَذَبْنَا هُمْ فِيهِ فَأَرْجِعْنَا إِلَى الدُّنْيَا
 نَعْمَلْ صَالِحًا قَلِيلًا إِنَّا مَوْقِنُونَ ۗ ۝۱۰ ۗ الْآنَ فَمَا يَنْفَعُهُمْ ذَلِكَ وَلَا يَرْجِعُونَ وَجَوَابَ لَوْلَا رَبَّتْ أَمْوَاطِطِيْعًا
 قَالَ تَعَالَىٰ وَكَوَشْنَا لَاتَيْنَا كُلِّ نَفْسٍ هُدَانَهَا فَنَهَدِي بِالْإِيمَانِ وَالطَّاعَةِ بِاخْتِيَارٍ مِنْهَا وَلَكِنْ حَقَّ
 الْقَوْلُ مِنِّي لِمَنْ لَامَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ الْجِنِّ وَ النَّاسِ أَجْعَلِينَ ۝۱۱ وَتَقُولُ لَهُمُ الْخَزَنَةُ إِذَا
 دَخَلُوا قَدْ وَقُوا الْعَذَابَ بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا ۗ أَيْ بَيَّرَكُمْ الْإِيمَانَ بِهِ إِنَّا نَسِينَكُمْ
 تَرَكْنَاكُمْ فِي الْعَذَابِ وَ ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ الدَّائِمِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۱۲ مِنَ الْكُفْرِ وَالتَّكْذِيبِ
 إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الْقُرْآنَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِهَا حَرُّوا سُجَّدًا وَ سَبَّحُوا مُتَلَبِّسِينَ بِحَمْدِ
 رَبِّهِمْ أَيْ قَالُوا سُبْحَانَ اللَّهِ وَ بِحَمْدِهِ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝۱۳ عَنِ الْإِيمَانِ وَالطَّاعَةِ تَتَجَافَى
 جُنُوبُهُمْ تَرْتَفِعُ عَنِ الْمَضَاجِعِ مَرَاضِعِ الْإِضْطِجَاعِ بِفَرْشِهَا الصَّلَاةُ بِهِمْ بِاللَّيْلِ تَهْجُدًا يَدْعُونَ رَبَّهُمْ
 خَوْفًا مِنْ عِقَابِهِ وَ طَمَعًا فِي رَحْمَتِهِ وَ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝۱۴ يَتَصَدَّقُونَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مِمَّا أُخْفِيَ
 حُبِّي هُمْ مِنْ قَرَّةِ أَعْيُنٍ ۗ فَاتَّقِرْبِهِ أَعْيُنُهُمْ وَفِي قِرَاءَةِ بِسْمِ اللَّهِ الْبِيَاءِ مُضَارِعٌ جَزَاءً بِمَا كَانُوا
 يَعْمَلُونَ ۝۱۵ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ ۝۱۶ أَيْ الْمُؤْمِنُونَ وَ الْفَاسِقُونَ أَمَّا
 الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْبَاوِيِّ نُزُلًا وَ هُمْ فِيهَا يَعْمَلُونَ ۝۱۷ وَ

أَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا بِالْكَفْرِ وَالْكَذِبِ فَمَا لَهُمْ النَّارُ كَمَا أَرَادُوا أَنْ يُخْرِجُوا مِنْهَا أَعْيُدُ وَفِيهَا وَ

قِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهِ تُكذِّبُونَ ۝ وَ لَنْذِيْقَهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الَّاذْنِي

عَذَابِ الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْإِسْرِ وَالْجَذْبِ سِنِينَ وَالْأَمْرَاضِ دُونَ قَبْلِ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ عَذَابِ الْآخِرَةِ

لَعَلَّهُمْ أَىٰ مَنْ بَقِيَ مِنْهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ اِلَى الْاِيْمَانِ وَ مَنْ اَظْلَمَ مِمَّنْ ذَكَرَ بِاٰيَاتِ رَبِّهِ الْقُرْآنِ ثُمَّ

اَعْرَضَ عَنْهَا اَى لَا اَحْذَاظْلَمَ مِنْهُ اِنَّا مِّنَ الْمُهْرَمِيْنَ اَى الْمُسْرِ كِيْنَ مُنْتَقِمُونَ ۝

ع ۱۵

ترجمہ: اور اگر آپ دیکھ لیں کہ جب مجرم (کافر) اپنے پروردگار کے پاس سر جھکائے ہوں گے (مارے شرم کے گردن نیچے کئے ہوئے عرض کریں گے) اے ہمارے پروردگار ہم نے دیکھ لیا جس کا ہم انکار کرتے تھے یعنی بعث بعد الموت) ہم نے سن لیا (یعنی آپ سے پیغمبروں کی تصدیق سن لی ان امور میں جن میں ہم ان کو جھٹلاتے تھے) سو ہم کو پھر بھیج دیجئے (دنیا میں) ہم (وہاں رہ کر) نیک کام کریں گے ہمیں پورا یقین آ گیا (اب۔ مگر وہ یقین انہیں نفع نہ دے گا اور انہیں دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا اور لو کا جواب لرأیت امرأ فطیعا مخدوف ہے ارشاد ہے) اور اگر ہم چاہتے تو ہم ہر شخص کو اس کا راستہ عنایت فرما دیتے (جس سے وہ ایمان اور اطاعت کی راہ اپنے اختیار سے خود اپنا لیتا) اور لیکن میری یہ بات محقق ہو چکی ہے (وہ یہ ہے) کہ میں جہنم کو ضرور بھر دوں گا جنات و انسان دونوں سے (اور جہنم میں داخلہ کے وقت داروغہ جہنم ان سے کہے گا) سولوا ب مزہ چکھو عذاب کا) کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھولے ہوئے تھے (اس دن کا یقین نہ کرتے ہوئے) ہم نے تمہیں بھلاوے میں ڈال دیا (عذاب میں رکھ چھوڑا) اور دائمی عذاب کا مزہ چکھو اپنے اعمال (کفر و تکذیب) کی بدولت ہماری آیتوں (قرآن) پر ایمان تو بس وہی لوگ لاتتے ہیں کہ جب انہیں یہ ددلائی جائے (نصیحت کی جائے) اس کی آیتیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور تسبیح کرنے لگتے ہیں اپنے پروردگار کی (حمد کے ساتھ متلبس ہوتے ہوئے۔ یعنی سبحان اللہ و بحمدہ پڑھنے لگتے ہیں) اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے (ایمان اور اطاعت سے) ان کے پہلو عیجہ (دور) رہتے ہیں خواب گا ہوں سے (نماز تہجد کی وجہ سے بستروں سے الگ رہتے ہیں) اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں (اس کے عذاب سے) ذرتے ہوئے اور (اس کی رحمت سے) امید رکھتے ہوئے اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کر رکھا ہے اس میں سے خرچ (صدقہ) کرتے رہتے ہیں سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو خزانہ غیب میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے سامان چھپا ہوا ہے (جس سے انکی آنکھوں کو چین ہو۔ ایک قرأت میں لفظ اُخْفِی سکون یاء کے ساتھ ہے فعل مضارع) یہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ہے تو جو شخص مومن ہو وہ اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو۔ یہ یکساں نہیں ہو سکتے (یعنی مومن و ناسق) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے سوان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانہ جنتیں ہیں جو بطور مہمانی کے ہیں (وہ کھانا جو مہمانوں کے سامنے پیش کیا جائے) ان کے اعمال کے بدلے میں اور جو لوگ نافرمان تھے (کفر و تکذیب کر کے) سوان کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہ لوگ جب اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کا وہ عذاب چکھو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور انہیں قریب کا

عذاب بھی چکھا دیں گے (دنیا میں قتل، قید، قحط سالی اور بیماریوں کی صورت میں) علاوہ (پہلے) بڑے عذاب (آخرت) کے شاید کہ یہ لوگ (یعنی جو ان میں سے باقی رہ جائیں گے) پھر جائیں گے (ایمان کی طرف) اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے پروردگار کی آیتیں (قرآن کریم کی) یاد دلا دی جائیں پھر وہ ان سے منہ پھیر رہے (یعنی ان سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہے) ہم ایسے مجرموں (مشرکوں) سے بدلہ لے کر رہیں گے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي: یہ ان کے عدم ایمان کی تصریح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ان کا ایمان نہیں جو کہ حکم کے سبقت کرنے کے لیے مستبہ بن سکتا ہے اس لیے کہ وہ دوزخی ہیں اور اس کو عذاب کے چکھنے کا مستبہ قرار دینا اس کے نسیانِ عاقبت اور آیت فَذُوقُوا میں تکرار نہ کرنے کی وجہ سے ہے، یہ اس کو دور نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ وہ تو اسبابِ دو سائل کی حد تک ہے۔

قولہ: بِنَزْوِ كُمْ الْاِيْمَانِ: اس میں اشارہ کیا کہ بِمَا نَسِيتُمْ میں ما مصدر یہ ہے، موصولہ نہیں۔

قولہ: تَرْكُنَاكُمْ: اللہ تعالیٰ کی ذات بھول دسیان سے بالاتر ہے۔

قولہ: ذُوقُوا: امر کو تاکید کے لیے مکرر رہا ہے۔

قولہ: مَّا اُخْفِيَ: اگر مضارع مانیں تو یا ساکن ہوگی۔

قولہ: الْبَاوِي: جنت حقیقی ٹھکانہ ہے۔ دنیا کوچ کی جگہ ہے۔

قولہ: اُعِيْدُوا فِيهَا: یہ ان کے ہمیشہ رہنے کی تعبیر ہے۔

قولہ: ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ: یہ ان کی توہین ہے اور ان پر غصہ میں اظہار کا اضافہ ہے۔

قولہ: ثُمَّ اَعْرَضْ عَنْهَا: ثم، یہ اعراض کے ان سے بعد قرار دینے کے لیے لائے حالانکہ وہ تو بالکل واضح ہے۔

قولہ: الْمُشْرِكِيْنَ: تو جو سب ظالموں سے بڑا ظالم ہوگا اس کے حال کا خود اندازہ لگا لو۔

تفسیر مقبولین

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ

قیامت کے دن مجرمین کی بد حالی اور دنیا میں واپس ہونے کی درخواست کرنا

یہ تین آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے، پہلی آیت میں مجرمین کی ایک حالت بتائی ہے کہ یہ لوگ دنیا میں وقوعِ قیامت کا انکار

کرتے تھے اور یوں کہتے تھے: (وَقَالُوا إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَذًا نَالِفِي خَلْقٍ جَدِيدًا) جب یہ لوگ قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور بارگاہ الہی میں پیشی ہوگی تو رسوائی اور زلت کے مارے ہوئے سر جھکائے ہوں گے اور یوں کہیں گے کہ ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا جس بات کے منکر تھے وہ سمجھ میں آگئی لہذا ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیجیے اب واپس ہو کر اچھے عمل کریں گے، ہمیں پوری طرح ان باتوں کا یقین آ گیا جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے نائبین سناتے اور سمجھاتے تھے۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ہدایت دے دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ دوزخ کو جنات سے اور انسانوں سے بھر دینا ہے، دونوں گروہ کے افراد کثیر تعداد میں دوزخ میں جائیں گے جنہوں نے دنیا میں کفر اختیار کیا یہ لوگ وہاں اکٹھے ہوں گے، یہ بات ازل سے طے شدہ ہے اور کافروں کے لیے مقدر ہے۔ جب ابلیس نے (لَا أُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ) کہا تھا اس وقت اللہ جل شانہ نے فرمادیا تھا: لَا مَلَكٌ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۰﴾ (کہ اے ابلیس میں تجھ سے اور جو تیرا اتباع کرے گا ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا۔)

ہدایت بمعنی ارادة الطريق تو سب ہی کے لیے ہے لیکن ہدایت بمعنی ایصال الی المطلوب سب کے لیے نہیں ہے، دوزخ کو بھی بھرنا ہے اور جنت کو بھی، اور جو شخص دوزخ میں جائے گا وہ اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنے کی وجہ سے جائے گا۔ اسے دنیا میں ایمان اور کفر کے دونوں راستے دکھادیے گئے، اسے اختیار دے دینے کی وجہ سے کسی کو ایمان یا کفر پر مجبور نہیں کیا گیا، جیسا کہ سورۃ کہف میں فرمایا: (وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَن شَاءَ فَلْيُكْفُرْ) (اور آپ فرمادیجیے کہ تمہاری طرف حق آچکا ہے سو تم میں سے جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرے) بہر حال اللہ تعالیٰ نے اختیار بھی دیا ہے اور قضاء اور قدر کا فیصلہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ کافر ہوں گے اور بہت سے لوگ مؤمن ہوں گے اور کافر دوزخ میں جائیں گے اور اہل ایمان جنت میں۔ جو امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہے اس کا وجود میں آنا ضروری ہے۔ کفار جو وہاں کہیں گے کہ ہمیں واپس کر دیا جائے ہم نیک بنیں گے، ان کا یہ وعدہ غلط ہوگا، سورۃ انعام میں فرمایا: (لَوْ رُدُّوْا الْعَاكِفُو الْيَمَانُ لَوَاعَتْهُ وَاثْمُهُمْ لَكُنِّيْبُونَ) (اور اگر واپس کر دیئے جائیں تو پھر لازم طور پر وہی کام کریں گے جن سے منع کیا گیا ہے اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں) اور سورۃ فاطر میں ہے کہ ان کے واپس لوٹا دیئے جانے کی درخواست کے جواب میں یوں ارشاد ہوگا: (اَوَلَمْ نُنْعِمْكُمْ مَّا نَتَدَكَّرُ فِيْهِ مِنْ تَدَكَّرٍ وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ) (کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر لیتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تھا۔)

تیسری آیت میں فرمایا کہ مجرمین کی واپسی کی درخواست کے جواب میں ان سے کہا جائے کہ تم آج کے دن کی ملاقات کو جو بھول گئے تھے (اور اسی بھولنے کی وجہ سے نافرمانی پر تلے ہوئے تھے) اس بھولنے کی وجہ سے عذاب چکھ لو۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِهَا....

اہل ایمان کی صفات، مؤمنین کا جنت میں داخلہ، اہل کفر کا دوزخ میں براٹھکانہ:

ان آیات میں مؤمنین صالحین کی بعض صفات اور ان کے انعامات بیان فرمائے ہیں اور کافرین فاسقین کا ٹھکانہ اور ان

کی بد حالی بیان فرمائی ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ ہماری آیات پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جو تذکیر اور نصیحت کا اثر لیتے ہیں، جب انہیں ہماری آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو انہیں سن کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح اور تحمید میں مشغول ہو جاتے ہیں اور تکبر بھی نہیں کرتے۔ مزید فرمایا کہ ان کے پہلو اپنے لیٹنے کی جگہوں سے یعنی خوابگا ہوں سے دور ہو جاتے ہیں وہ ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اس میں نماز تہجد پڑھنے والوں کی فضیلت بتائی ہے کہ یہ لوگ سونے اور آرام کرنے کے لیے لیٹتے ہیں پھر تھوڑا سا آرام کر کے بستر کو چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور وضو کر کے نماز میں لگ جاتے ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگتے ہیں اور اس کے انعامات کی امید بھی رکھتے ہیں اور گرفت اور مواخذہ ہونے سے بھی ڈرتے ہیں۔ درحقیقت خوف اور طمع (ڈرنا اور نعمتوں اور مغفرتوں کی امید رکھنا) یہ دونوں مؤمن کی زندگی کے اہم جزو ہیں، مؤمن کی زندگی میں یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ رہنی چاہئیں یعنی گناہوں سے بچتا رہے اعمال صالح کرتا رہے اور عدم قبولیت کا خوف بھی لگا رہے، جیسا عمل چاہیے ویسا نہ ہونے کی وجہ سے مواخذہ سے بھی ڈرے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے اچھی امید بھی لگائے رکھے، جس کے دل سے خوف گیا وہ گناہ بھی کرے گا اعمال بھی ترک کرے گا اور فسق میں ترقی کرتا چلا جائے گا اور جس کے دل سے امید نکل گئی، اللہ کی طرف سے مغفرتوں اور نعمتوں کا امیدوار نہ رہا ایسا شخص دعا بھی نہ کرے گا، خوف اور طمع نہ ہو تو بندہ محرومی کے غار میں اترتا چلا جاتا ہے۔

جو شخص تہجد کا اہتمام کرے گا ظاہر ہے کہ فرائض و سنن کی ادائیگی کا اس سے زیادہ فکر مند ہوگا، لہذا اس میں نمازوں کا اہتمام کرنے والوں کی تعریف بیان فرمادی اور ساتھ ہی (میتا رزقنہم ینفقون) بھی فرمادیا کہ یہ لوگ نمازوں کا اہتمام بھی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں۔ لفظوں کا عموم زکوٰۃ اور نفی صدقہ اور صدقہ داجبہ سب کو شامل ہے اور قلیل و کثیر سب کچھ اس میں آ گیا، یعنی یہ جو فرمایا کہ ہم نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اس میں ایک پیسے سے لے کر لاکھوں خرچ کرنا سب داخل ہو گیا، اللہ کی رضا میں خرچ کرنے کے لیے مالدار ہونا ضروری نہیں جس کے پاس تھوڑا سا مال ہو وہ اسی میں سے خرچ کرے، خرچ کرنے کا ذوق ہو تو زیادہ مالیت اور کم مالیت سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور تھوڑا مال ہونا بھی خرچ سے مانع نہیں ہوتا، بعض صحابہؓ نے تو یہاں تک کیا کہ اپنے پاس کچھ نہ ہو تو مزدوری کر کے کچھ حاصل کیا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

نماز تہجد کی فضیلت:

تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ سے نماز تہجد مراد ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، صاحب معالم التنزیل (جلد ۳) فرماتے ہیں کہ یہ اشہر الاقوال ہے اور اس کی تائید میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے ایک روایت بھی نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں ساتھ چلتے ہوئے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتائیے جس کے ذریعہ جنت میں داخل ہو جاؤں اور روزخ سے دور رہ سکوں، سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے بہت بڑی چیز کا سوال کیا اور حقیقت میں کچھ بڑی بھی نہیں، جس کے لیے اللہ تعالیٰ آسان فرمادیں، اس کے لیے بے شک ضرور آسان ہے، اس کے بعد فرمایا کہ (وہ عمل یہ ہے کہ) تو اللہ کی عبادت کر اور کسی کو

اس کا شریک نہ بنا اور نماز قائم کر اور زکوٰۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کر، پھر فرمایا کہ کیا تم کو خیر کے دروازے نہ بتا دوں؟ (سنو!) روزہ ڈھال ہے (جو نفس کی شہوتوں کو توڑ کر شیطان کے حملہ سے بچاتا ہے) اور صدقہ گناہ کو بجھا دیتا ہے (یعنی گناہوں کی وجہ سے جو دوزخ کی آگ جلائی ہے اس سے محفوظ کر دیتا ہے گویا کہ اس آگ کو بجھا دیتا ہے) اور انسان کا رات کے درمیان نماز پڑھنا (تہجد کے وقت) نیک بندوں کا امتیازی نشان ہے، اس کے بعد سرور کائنات ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (جس میں تہجد پڑھنے والوں کی تعریف کی گئی ہے) تَتَجَاوَىٰ جُنُودَهُم مِّنَ الْمَصَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مِّمَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ جَزَاءً لِّبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (ان کی کروٹیں) (بستر سے چھوڑ کر) لیٹنے کی جگہوں سے جدا ہوتی ہیں، وہ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں سو کسی شخص کو خیر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے لیے چھپا دیا گیا ہے یہ خزانہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے) پھر فرمایا کہ تم کو احکام الہیہ کی جڑ اور اس کا ستون اور اس کی چوٹی کا عمل نہ بتا دوں! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور بتائیے! آپ ﷺ نے فرمایا احکام الہیہ کی جڑ فرمانبرداری ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور چوٹی کا عمل جہاد ہے۔ پھر فرمایا کیا تم کو ان سب کا جزو اصلی نہ بتا دوں (جس کو عمل میں لانے سے ان سب چیزوں پر عمل کر سکو گے) میں نے عرض کیا یا نبی اللہ ضرور ارشاد فرمائیے! آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا اسے قبو میں رکھ کر اپنی نجات کا سامان کر دو میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! جو باتیں ہم بولتے ہیں کیا ان پر بھی پکڑ ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ! تم بھی عجیب آدمی ہو! دوزخ میں منہ کے بل اندھے کر کے جو چیز لوگوں کو دوزخ میں گرائے گی وہ ان کی زبان کی باتیں ہی تو ہوں گی۔ پھر فرمایا تم جب تک خاموش رہتے ہو محفوظ رہتے ہو اور جب بولتے ہو تو تمہارا بول تمہارے لیے ثواب یا عذاب کا سبب بنا کر لکھ دیا جاتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل نے یہ حدیث اپنی سند سے ذکر کی ہے اور صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے ص ۱۴ پر مسند احمد اور سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ سے نقل کی ہے، خوابگا ہوں سے پہلو جدا ہوتے ہیں اس کا مصداق نماز تہجد بتا کر صاحب معالم التنزیل نے دیگر اقوال بھی نقل کیے ہیں، حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی، یہ حضرات مغرب کی نماز پڑھ کر ٹھہر جاتے تھے اور جب تک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز نہ پڑھ لیتے تھے گھروں کو نہیں جاتے تھے حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت ان صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی جو مغرب کی نماز کے بعد عشاء تک برابر نماز پڑھتے رہتے تھے، اور حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابو ذر اور حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ اس آیت میں ان حضرات کی تعریف فرمائی ہے جو عشاء اور فجر جماعت سے پڑھتے ہیں۔ (معالم التنزیل جلد ۳ ص ۵۰۰)

در حقیقت ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے البتہ صلوة اللیل یعنی نماز تہجد کا مصداق ہونا متبادر ہے اور حدیث شریف سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے، البتہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ جب نماز تہجد کے لیے خوابگا چھوڑنے کی نصیحت ہے جو نفل نماز ہے تو نماز فجر کے لیے گرمی اور سردی میں بستر چھوڑ کر نماز فجر ادا کرنے کی نصیحت کیوں نہ ہوگی جو فرض نماز ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں نماز فجر جماعت سے پڑھ لوں تو یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے جو پوری رات نماز میں کھڑا رہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کو ایک ہی میدان میں جمع کیا جائے گا (اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک منادی پکار کر کہے گا کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو خواہاں ہوں سے جدا ہو جاتے تھے، یہ سن کر کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں گے جن کی تعداد تھوڑی ہوگی یہ لوگ بغیر حساب جنت میں داخل ہو جائیں گے، اس کے بعد باقی لوگوں کا حساب شروع کرنے کا حکم ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۷)

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ

جن حضرات کی صفات اور پر بیان ہوئی ہیں ان کا انعام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے لیے جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پوشیدہ کیا ہوا ہے اسے کوئی شخص نہیں جانتا، اس میں اجمالی طور پر جنت کی نعمتوں کا مرتبہ بتایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے بندوں کے لیے وہ سامان تیار کیا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا گذر ہوا، اس کے بعد راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: (فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ)

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰)

درحقیقت بات یہ ہے کہ جنت کی جن چیزوں کا قرآن وحدیث میں تذکرہ ہے اس میں کسی نعمت کی پوری کیفیت بیان نہیں کی گئی جو کچھ بیان فرمایا ہے وہاں کی نعمتیں اس سے بہت بلند ہیں اور بالا ہیں اس لیے فرمادیا کہ آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان اہل جنت کے لیے تیار کیا گیا ہے کوئی آنکھ تو دنیا میں اسے کیا دیکھ پاتی کسی کان نے اس کی کیفیت کو سنا تک نہیں اور کسی کے دل میں اس کا تصور تک نہیں آیا۔ جنت کے متعلق جو کچھ سن کر اور پڑھ کر سمجھ میں آتا ہے جب جنت میں جائیں گے تو اس سے بہت بلند و بالا پائیں گے، پھر جنت کی جن نعمتوں کا تذکرہ قرآن وحدیث میں موجود ہے وہاں ان کے علاوہ بہت زیادہ نعمتیں ہیں، نیز کسی چیز کے دیکھنے اور استعمال کرنے سے جو پوری واقفیت حاصل ہوتی ہے وہ محض سننے سے حاصل نہیں ہوتی لہذا اس دنیا میں رہتے ہوئے نعمائے جنت کی واقعی حقیقت و کیفیت کا ادراک نہیں ہو سکتا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر جنت کی نعمتوں میں سے اتنی تھوڑی سی کوئی چیز دنیا والوں پر ظاہر ہو جائے جسے ناخن پر اٹھا سکتے ہیں تو آسمان اور زمین کے کناروں میں جو کچھ ہے وہ سب مزین ہو جائے اور اہل جنت میں سے کوئی شخص دنیا کی طرف جھانک لے جس سے اس کے نگلن ظاہر ہو جائیں تو اس کی روشنی سورج کی روشنی کو ختم کر دے جیسا کہ سورج ستاروں کی روشنی کو ختم کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ ساری دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب سے بہتر ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی جنت میں نہیں ہے صرف ناموں کی مشابہت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنت کی نعمتوں کے تذکرہ میں جو سونا چاندی، موتی، ریشم، درخت، پھل، ہیرے، تخت، گدے، کپڑے وغیرہ آئے ہیں یہ چیزیں وہاں کی چیزیں ہوں گی اور اسی عالم کے اعتبار سے ان کی خوبی اور بہتری ہوگی، دنیا کی کوئی بھی چیز جنت کی

کسی چیز کے پاسگ بھی نہیں ہے۔

تنبیہ: نیک بندوں کی تعریف فرماتے ہوئے (وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ) بھی فرمایا ہے یہ سبلی صفت ہے دیگر صفات ایجابی ہیں۔ بات یہ ہے کہ تکبر بہت بری بلا ہے اپنی بڑائی بگھارنا، شہرت کا طالب ہونا، دوسروں کو حقیر جاننا دکھا دے کے لیے عبادت کرنا تاکہ لوگ معتقد ہوں، یہ سب تکبر کے شعبے ہیں۔ تکبر عبادات کا ناس کھودیتا ہے، کیا کرایا سب مٹی میں مل جاتا ہے، ریا کاری کی وجہ سے اعمال باطل ہوجاتے ہیں اور وہ مستوجب سزا بھی ہے جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کا تذکرہ آیا ہے، مؤمن بندوں پر لازم ہے کہ تکبر سے دور رہیں، تواضع اختیار کریں، فرائض بھی ادا کریں، واجبات بھی پورے کریں، نوافل بھی پڑھیں، زکوٰۃ بھی دیں، صدقہ بھی کریں، سب سے اللہ کی رضا مقصود ہو، دکھاوانہ کریں اور نہ بندوں سے تعریف کے خواہشمند ہوں۔

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا

مؤمن اور فاسق برابر نہیں:

مؤمنین صالحین کا اجر و انعام بتانے کے بعد ارشاد فرمایا: أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا کیا جو شخص مؤمن ہو وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟ پھر خود ہی جواب دے دیا لَا يَسْتَوُونَ ﴿۱۰﴾ (مؤمنین اور فاسقین برابر نہیں ہو سکتے) اس کے بعد دوبارہ اہل ایمان کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا اور ساتھ ہی کافروں کے عذاب کا بھی، ارشاد فرمایا: أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ الْمَمْلُوءِ (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے باغ ہوں گے ٹھہرنے کی جگہوں میں) نُزُلًا مِمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱﴾ (یہ بطور مہمانی ان اعمال کا بدلہ ہوں گے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے) دَٰرَ الْمُقَابَلَةِ (اور ان جن لوگوں نے نافرمانی کی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے) كَلِمًا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَيْهَا (جب بھی اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں داہس لوٹا دیئے جائیں) وَقِيلَ لَهُمْ دُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿۱۲﴾ (اور ان سے کہا جائے گا کہ آگ کا عذاب چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے) جب ایمان والوں اور نافرمانوں کے انجام میں فرق ہے کہ اہل ایمان ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں ہوں گے اور وہاں ان کے ساتھ مہمانوں جیسا برتاؤ ہوگا اور نافرمان دوزخ میں جائیں گے تو دونوں فریق برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اہل کفر کی ذلت کا یہ عالم ہوگا کہ جب اس میں سے نکلنا چاہیں گے تو اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم جھٹلانے والا عمل کیا کرتے تھے اس کی وجہ سے آگ کا عذاب چکھتے رہو۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ: (أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا) حضرت علیؑ اور ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی، دونوں میں کچھ گفتگو ہو رہی تھی ولید نے حضرت علیؑ سے کہہ دیا کہ چپ ہو جا تو بچہ ہے اور میں بولنے میں تجھ سے بہتر ہوں اور نیزہ بھی زیادہ تیز ہے اور دلاور بھی تجھ سے زیادہ ہوں، اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ چپ ہو جا تو فاسق ہے، اس پر آیت بالا نازل ہوئی (فی صحیحہ کلام طویل ذکرہ صاحب الروح فر اجمعہ ان شئت، قال صاحب الروح و فی روایة اخری انها نزلت فی علی کرم اللہ وجہہ من قریش ولم یسمہ) (اس بات کے صحیح ہونے میں طویل کلام ہے جسے روح المعانی والے نے ذکر کیا ہے اگر آپ چاہیں تو اسے دیکھ لیں۔ روح المعانی کے مصنف

رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ایک دوسرے آدمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ دوسرے آدمی کا نام ذکر نہیں کیا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ التَّوْرَةَ وَقَدْ فَلَاحُنَّ فِي مِرْيَةٍ شَكٍّ مِّنْ لِّقَائِهِ وَقَدْ التَّقْيَالِيلَةَ الْإِسْرَاءَ وَ
 جَعَلْنَاهُ أَيْ مُوسَى أَوِ الْكِتَابِ هُدًى هَادِي لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ۖ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً بِتَحْفِينٍ
 الْهَمَزَيْنِ وَابْدَالِ الثَّانِيَةِ يَاءٍ قَادَةً يَهُدُونَ النَّاسَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۗ عَلَى دِينِهِمْ وَعَلَى الْبَلَاءِ مِنْ
 عَدُوِّهِمْ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا الدَّالَّةِ عَلَى قُدْرَتِنَا وَوَحْدَانِيَّتِنَا يُوقِنُونَ ۗ وَفِي قِرَاءَةِ بِكْسْرِ الْأَمِّ وَتَخْفِينِ
 الْمِيمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۗ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ أَوْ كَمْ
 يَهْدِي لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ أَيْ لَمْ يَبْتَسِنْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ إِهْلَاكُنَا كَثِيرًا مِّنَ الْقُرُونِ الْأُمِّ
 بِكُفْرِهِمْ يَبْشُرُونَ حَالٍ مِنْ ضَمِيرٍ لَهُمْ فِي مَسْكِنِهِمْ ۗ فِي أَشْفَارِهِمْ إِلَى الشَّامِ وَغَيْرِهَا فَتَعْتَبِرُوا إِنَّ فِي
 ذَلِكَ لَآيَاتٍ ۗ دَلَالَاتٍ عَلَى قُدْرَتِنَا أَفَلَا يَسْمَعُونَ ۗ سِمَاعٌ تَدْبُرُ وَتِعَاطُ أَوْ كَمْ يَرَوْنَ أَنَا نَسُوقُ الْمَاءَ
 إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ الْيَابِسَةِ الَّتِي لَأَنْبَاتٍ فِيهَا فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَانْفُسُهُمْ ۗ أَفَلَا
 يَبْصُرُونَ ۗ هَذَا فَيَعْتَمِدُونَ أَنَا نَقْدِرُ عَلَى إِعَادَتِهِمْ وَيَقُولُونَ لِلْمُؤْمِنِينَ مَتَى هَذَا الْفَتْحُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
 إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۗ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ بِإِنْزَالِ الْعَذَابِ بِهِمْ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيْسَانُهُمْ وَلَا
 هُمْ يُنظَرُونَ ۗ يُمَهِّلُونَ لِتَوْبَةٍ أَوْ مَعْدِرَةٍ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنْزَالَ الْعَذَابِ بِهِمْ إِنَّهُمْ
 مُنْتَظَرُونَ ۗ بِكَ خَادِثٌ مَوْتٍ أَوْ قَتْلٍ فَيَسْتَرْجِعُونَ مِنْكَ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِقِتَالِهِمْ

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی (یعنی تورات) سو تم دھوکے (شک) میں مت رہو اس کے ملنے سے (چنانچہ معراج کی رات نبی کریم ﷺ موسیٰ علیہ السلام دونوں کی بالمشافہ ملاقات ہوئی) اور ہم نے اس کو (یعنی موسیٰ یا تورات کو) ہدایت (باعث ہدایت) بنایا اسرائیلیوں کے لئے اور ہم نے ان میں سے بہت سے پیشوا بنادئے (لفظ ائمہ دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور ہمزہ ثانی کو یاء سے بدل کر ہے بمعنی قائد) جو ہمارے حکم سے (لوگوں کو) ہدایت دیا کرتے تھے جب کہ وہ لوگ صبر کئے رہے (اپنے دین پر اور دشمنوں کی طرف سے مصیبت پر) اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا (جو ہماری قدرت اور وحدانیت پر دلالت کر نیوالی تھیں) یقین رکھتے تھے (اور ایک قراءت میں لام کے کسرہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے، یعنی لَمَّا) بلاشبہ آپ کا

پروردگار سب کے درمیان قیامت کے دن ان میں فیصلہ کر دے گا جن میں یہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے (دین کے معاملہ میں) کیا ان کی ہدایت کے لئے کافی نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنے ہلاک کر چکے ہیں (کیا کفار مکہ پر یہ واضح نہیں کہ ہم نے ہلاک کر دیا ہے بہت سی امتوں کو) (ان کے کفر کی وجہ سے) یہ آتے جاتے رہتے ہیں (یہ لہم کی ضمیر سے حال واقع ہے) ان کے مقامات میں (شام وغیرہ کے سفروں میں پس ان سے عبرت حاصل کرنی چاہئے) اس کے اندر نشانیاں ہیں (ہماری قدرت کے دلائل ہیں) تو کیا یہ لوگ سنتے نہیں (وعظ و نصیحت کے طور پر سننا) کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کیا کہ ہم خشک زمین کی طرف پانی بہاتے رہتے ہیں (سوکھی زمین جس میں گھاس پھوس نہ ہو) پھر اس کے ذریعہ سے کھیتی پیدا کر دیتے ہیں جس سے انکے چوپائے اور وہ خود بھی کھاتے ہیں۔ تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں (اس منظر کو۔ اس لیے انہیں یقین کر لینا چاہئے کہ ہم انہیں دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہیں) اور یہ لوگ کہتے ہیں (مسلمانوں سے) کہ یہ فیصلہ (ہمارے اور تمہارے درمیان کب ہوگا؟) اگر تم سچے ہو تو کہہ دیجئے کہ اس فیصلہ کے دن (ان کے عذاب نازل ہونے کے متعلق) کافروں کو ان کا ایمان لانا ذرا بھی نفع نہ دے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی (تو بہ یا معذرت کا انہیں موقع نہیں دیا جائے گا) سو آپ ان کا خیال چھوڑ دیجئے اور منتظر رہئے (ان پر عذاب نازل ہونے کا) وہ بھی منتظر ہیں (آپ کے دفات یا شہادت کے جس سے انہیں آپ کی طرف سے چین آ جائے یہ حکم ان کے ساتھ قتال کے حکم سے پہلے کا ہے)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: **يَا مَعْزِرَاتُ** وہ ہمارے ہدایت دینے سے لوگوں کی راہنمائی کرتے تھے۔

قولہ: **لَبَّاسًا صَبْرًا** یعنی ان کے صبر کی وجہ سے۔ ماہ مصدر یہ ہے۔

قولہ: **هُوَ يَفْصِلُ** یعنی وہ حق کو باطل سے الگ کرتا ہے، حق والے کو باطل پرست سے جدا کر کے۔

قولہ: **الْجُرُزِ** جس زمین کی نباتات منقطع ہو جائے۔ (بمعنی بنجر)

قولہ: **أَنْعَامَهُمْ** گھاس جو چوپایوں کے کھانے میں کام آتی ہے۔

قولہ: **وَأَنْفُسَهُمْ** انسان اناج کھاتا ہے۔

قولہ: **بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ** ہمارے اور تمہارے مابین کب فیصلہ ہوگا۔

قولہ: **وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ** جب کفار نے تکذیب پر جلد عذاب طلب کیا تو فرمایا: پھر مہلت نہ ملے گی جلدی نہ مچاؤ۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ

شب معراج اور نبی اکرم ﷺ:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات دی تو اس کی ملاقات کے بارے میں شک و شبہ میں نہ رہ۔ قنادہ فرماتے ہیں یعنی معراج والی رات میں۔ حدیث میں ہے میں نے معراج والی رات حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ گندم گوں رنگ کے لانے قد کے گھونگر یا لے ہالوں والے تھے ایسے جیسے قبیلہ شنواہ کے آدمی ہوتے ہیں۔ اسی رات میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا وہ درمیانہ قد کے سرخ و سفید تھے سیدھے بال تھے۔ میں نے اسی رات حضرت مالک کو دیکھا جو جہنم کے داروغہ ہیں اور دجال کو دیکھا یہ سب ان نشانیوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائیں پس اس کی ملاقات میں شک و شبہ نہ کر۔ آپ نے یقیناً حضرت موسیٰ کو دیکھا اور ان سے ملے جس رات آپ کو معراج کرائی گئی۔ حضرت موسیٰ کو ہم نے بنی اسرائیل کا ہادی بنا دیا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ ہم نے اسرائیلیوں کو ہدایت دی۔ جیسے سورۃ بنی اسرائیل میں ہے آیت (وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا تَقْتُلُوا مِنْ دُونِهِ وَكَيْلًا) (الاسراء: ۲) یعنی ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور بنی اسرائیل کے لیے ہادی بنا دیا کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ سمجھو۔ پھر فرماتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اس کی نافرمانیوں کے ترک اس کی باتوں کی تصدیق اور اس کے رسولوں کی اتباع و صبر میں جے رہے ہم نے ان میں سے بعض کو ہدایت کے پیشوا بنا دیا جو اللہ کے احکام لوگوں کو پہنچاتے ہیں بھلائی کی طرف بلا تے ہیں برائیوں سے روکتے ہیں۔ لیکن جب ان کی حالت بدل گئی انہوں نے کلام اللہ میں تبدیلی تحریف تاویل شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے یہ منصب چھین لیا ان کے دل سخت کر دیئے عمل صالح اور اعتقاد صحیح ان سے دور ہو گیا۔ پہلے تو یہ دنیا سے بچے ہوئے تھے حضرت سفیان فرماتے ہیں یہ لوگ پہلے ایسے ہی تھے لہذا انسان کے لیے ضروری ہے کہ اس کا کوئی پیشوا ہو جس کی یہ اقتدا کر کے دنیا سے بچا ہوا رہے آپ فرماتے ہیں دین کے لیے علم ضروری ہے جیسے جسم کے لیے غذا ضروری ہے۔ حضرت سفیان سے حضرت علیؑ کے اس قول کے بارے میں سوال ہوا کہ صبر کی وجہ سے ان کو ایسا پیشوا بنا دیا کہ وہ ہمارے حکم کی ہدایت کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے تمام کاموں کو اپنے ذمہ لے لیا اللہ نے بھی انہیں پیشوا بنا دیا۔ چنانچہ فرمان ہے ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب حکمت اور نبوت دی اور پاکیزہ روزیاں عنایت فرمائیں اور جہاں والوں پر فضیلت دی۔ یہاں بھی آیت کے آخر میں فرمایا کہ جن عقائد و اعمال میں ان کا اختلاف ہے ان کا فیصلہ قیامت کے دن خود اللہ کرے گا۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً

کس قوم کا مقتداء و امام بننے کے لیے دو شرطیں:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۗ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴿۳۲﴾ یعنی ہم نے بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگوں کو امام اور پیشوا و مقتداء بنا دیا جو اپنے پیغمبر کے نائب ہونے کی حیثیت سے باذن ربانی لوگوں کو ہدایت کیا کرتے تھے، جبکہ انہوں نے صبر کیا اور جبکہ وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں۔“

اس آیت میں علماء بنی اسرائیل میں سے بعض کو امامت و پیشوائی کا درجہ عطا فرمانے کے دو سبب ذکر فرمائے ہیں، اول صبر کرنا، دوسرے آیات الہیہ پر یقین کرنا۔ صبر کرنے کا مفہوم عربی زبان کے اعتبار سے بہت وسیع اور عام ہے۔ اس کے لفظی معنی باندھنے اور ثابت رہنے کے ہیں۔ اس جگہ صبر سے مراد احکام آلہیہ کی پابندی پر ثابت قدم رہنا اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان سے اپنے نفس کو روکنا ہے جس میں تمام احکام شریعت کی پابندی آ جاتی ہے اور یہ بہت بڑا عملی کمال ہے۔ دوسرا سبب ان کا آیات الہیہ پر یقین رکھنا ہے۔ اس میں آیات کے مفہوم کو سمجھنا پھر سمجھ کر اس پر یقین کرنا دونوں داخل ہیں، یہ بہت بڑا کمال علمی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امامت و پیشوائی کے لائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ لوگ ہیں جو عمل میں بھی کامل ہوں اور علم میں بھی، اور یہاں عملی کمال کو علمی کمال سے مقدم بیان فرمایا ہے کہ ترتیب طبعی میں علم عمل سے مقدم ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ علم قابل اعتبار ہی نہیں جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔

وَيُوقِنُونَ مَثَلِي هَذَا الْفَتْحِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۳﴾

نا فرمان اپنی بربادی کو آپ بلا داتا ہے:

کافر اعتراضاً کہا کرتے تھے کہ اے نبی ﷺ تم جو ہمیں کہا کرتے ہو اور اپنے ساتھیوں کو بھی مطمئن کر دیا ہے کہ تم ہم پر فتح پاؤ گے اور ہم سے بدلے لوگے وہ وقت کب آئے گا؟ ہم تو مدتوں سے تمہیں مغلوب زیر اور بے وقعت دیکھ رہے ہیں۔ چھپ رہے ہو اور رہے ہو اگر سچے ہو تو اپنے غلبے کا اور اپنی فتح کا وقت بتاؤ۔ اللہ فرماتا ہے کہ جب عذاب اللہ آ جائے گا اور جب اس کا غصہ اور غضب اتر پڑتا ہے خواہ دنیا میں ہو خواہ آخرت میں اس وقت نہ تو ایمان نفع دیتا ہے نہ مہلت ملتی ہے۔ جیسے فرمان ہے آیت: فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ (قاف: ۸۳) یعنی جب ان کے پاس اللہ کے پیغمبر دلیلیں لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے علم پر نازاں ہونے لگے، پوری دوا آیتوں تک۔ اس سے فتح مکہ مراد نہیں۔ فتح مکہ والے دن تو رسول اللہ ﷺ نے کافروں کا اسلام لانا قبول فرمایا تھا اور تقریباً دو ہزار آدمی اس دن مسلمان ہوئے تھے۔ اگر اس آیت میں یہی فتح مکہ مراد ہوتی تو چاہیے تھا کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ ان کا اسلام قبول نہ فرماتے جیسے اس آیت میں ہے کہ اس دن کافروں کا اسلام لانا مقبول ہوگا۔ بلکہ یہاں مراد فتح سے فیصلہ ہے جیسے قرآن میں ہے آیت: نَفَا فُتِحَ بَنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجْنِي وَمَنْ مَعِيَ وَمِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الشعرا: ۱۱۸) ہمارے اور ان کے درمیان تو فتح کر لی یعنی لیصلہ کر۔ اور جیسے اور مقام پر ہے آیت: قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ (سبا: ۲۶)

یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں جمع کرے گا پھر ہمارے آپس کے فیصلے فرمائے گا اور آیت میں ہے: **وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ** (ابراہیم: ۱۵) یہ فیصلہ چاہتے ہیں سرکش ضدی تباہ ہوئے اور جگہ ہے آیت: **(وَكَانُوا مِنْ قَبْلِ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا)** (البقرہ: ۸۹) اس سے پہلے وہ کافروں پر فتح چاہتے تھے اور آیت میں فرمان باری ہے آیت: **إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَ كُذُّ الْفِتْحِ** (الانفال: ۱۹) اگر تم فیصلے کے آرزو مند ہو تو فتح آگئی۔ پھر فرماتا ہے آپ ان مشرکین سے بے پرواہ ہو جائیے جو رب نے اتارا ہے اسے پہنچاتے رہیے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اپنے رب کی وحی کی اتباع کرو اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ پھر فرمایا تم اپنے رب کے وعدوں کو سچا مان لو اسکی باتیں اٹل ہیں اس کے فرمان سچے ہیں وہ عنقریب تجھے تیرے مخالفین پر غالب کرے گا وہ وعدہ خلافی سے پاک ہے یہ بھی منتظر ہیں۔ چاہتے ہیں کہ آپ پر کوئی آفت آئے لیکن ان کی یہ چاہتیں بے سود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے والوں کو بھولتا نہیں نہ انہیں چھوڑتا ہے بھلا جو رب کے احکام پر جے رہیں اللہ کی باتیں دوسروں کو پہنچائیں وہ تائید ایزدی سے کیسے محروم کر دیئے جائیں؟ یہ جو کچھ تم پر دیکھنا چاہتے ہیں وہ ان پر اترے گا بد بختی (نکبت) وادبار میں ہائے وائے وادیل میں گرفتار کیے جائیں گے۔ رب کے عذابوں کا شکار ہونگے۔ کہہ دو کہ اللہ ہمیں کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

سُورَةُ الْاِحْزَابِ

الاحزاب
سورة ۳۳ آیت ۹۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انآئها ۴۲
رکوعاها ۹

سورة الاحزاب مدینہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی تہتر آیتیں ہیں اور نو رکوع

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ ۖ دُمْ عَلَىٰ تَقْوَاهُ ۖ وَلَا تَطِغِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۗ فَيَمَّا يَخٰلِفُ شَرِيْعَتَكَ اِنَّ اللَّهَ
 كَانَ عَلِيْمًا بِمَا يَكُوْنُوْنَ قَبْلَ كُوْنِهِ حَكِيْمًا ۙ فَيَمَّا يَخْلُقُهَا ۙ وَاتَّبِعْ مَا يُوحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۗ اٰى الْقُرْاٰنِ
 اِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ وَفِي قِرْاٰةِ الْبَلٰغِ قٰنِيْنَةٌ ۙ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۗ فِىْ اَمْرِكَ ۙ وَكَفَى بِاللّٰهِ
 وَكِيْلًا ۙ حٰفِظًا لِّكَ وَاُمَّتُكَ تَبِعْ لَهٗ فِى ذٰلِكَ كُلِّهٖ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبِيْنَ فِىْ جَوْفِهِ ۗ رَدًّا عَلٰى
 مَنْ قَالَ مِنَ الْكٰفِرِ اِنَّ لَهٗ قَلْبِيْنَ يَعْقِلُ بِكُلِّ مِنْهُمَا اَفْضَلُ مِّنْ عَقْلِ مُحْتَدٍ ۙ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمْ اِلَيْكُمْ
 بِهَمْزَةٍ وَاِيَّاهُ بِلَا يَاءٍ تُظْهِرُوْنَ بِلَا اَلْفِ قَبْلَ الْهَآءِ وَبِهَا وَالْتِآءِ الثَّآنِيَّةِ فِى الْاَصْلِ مُدْغِمَةٌ فِى الظَّآءِ مِنْهُنَّ
 يَقُوْلُ الْوَاحِدِ مَثَلًا لِّرَوْجِيَّتِهِ اَنْتِ عَلٰى كَظْهَرِ اُمِّى اَمْهَتِكُمْ ۗ اٰى كَالْاَمْهَاتِ فِى تَحْرِيمِهَا بِذٰلِكَ الْمَعْدِ
 فِى الْجَاهِلِيَّةِ طَلًا قًا وَاِنَّمَا تَجِبُ بِهٖ الْكٰفٰرَةُ بِشَرْطِهِ كَمَا ذَكَرَ فِى سُورَةِ الْمُجَادَلَةِ ۙ وَمَا جَعَلَ
 اَدْعِيَاءَكُمْ جَمْعُ دَعِيٍّ وَهُوَ مَنْ يُدْعٰى لِغَيْرِ اَبِيْهِ اَبْنَاءَكُمْ ۗ حَقِيْقَةٌ ذٰلِكُمْ قَوْلَكُمْ يَا قٰوَاهِكُمْ ۗ اٰى
 الْيَهُودِ وَالْمُنٰفِقِيْنَ قَالُوْا لِمَا تَزُوْجِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشِ النَّبِيِّ كَانَتْ اِمْرَاةَ زَيْدِ
 بْنِ حَارِثَةَ الَّذِى تَبَنٰهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا تَزُوْجِ مُحَمَّدٍ اِمْرَاةَ اَبْنِهِ فَاكْذَبَهُمُ اللّٰهُ فِى ذٰلِكَ وَ
 اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقُّ فِى ذٰلِكَ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ۙ سَبِيْلَ الْحَرِّ لَكِنْ اَدْعُوْهُمْ لِاَبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ
 اَعْبُدُ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْا اَبَاءَهُمْ فَاِخْوَانِكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ مَوٰلِيْكُمْ ۗ بِنُّوْعِمِكُمْ ۙ وَ لَيْسَ
 عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِىْمَا اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۗ فِى ذٰلِكَ وَلٰكِنْ فِى مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبَكُمْ ۗ فِىْهِ وَهُوَ بَعْدَ النَّهْيِ وَ

كَانَ اللَّهُ عَفُورًا لِمَا كَانَ مِنْ قَوْلِكُمْ قَبْلَ التَّهْيِ رَجِيمًا ۝ بِكُمْ فِي ذَلِكَ النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ
 أَنفُسِهِمْ فِيمَا دَعَاَهُمْ إِلَيْهِ وَدَعَتْهُمْ أَنفُسُهُمْ إِلَىٰ خِلَافِهِ وَزَوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ۗ فِي حُرْمَةِ نِكَاحِهِمْ
 عَلَيْهِمْ وَأَوْلُو الْأَرْحَامِ ذُورًا الْقُرَابَاتِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي الْإِرْثِ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
 وَالْمُهَاجِرِينَ أَيُّ مِنَ الْإِرْثِ بِالْإِيمَانِ وَالْهِجْرَةِ الَّذِي كَانَ أَوَّلَ الْإِسْلَامِ فَتَسْخِ إِلَّا لَكِنَّ أَنْ تَفْعَلُوا
 إِلَىٰ أَوْلِيَّكُمْ مَعْرُوفًا ۗ بِوَصِيَّةِ فَجَائِزٌ كَانَ ذَلِكَ أَيُّ نَسْخِ الْإِرْثِ بِالْإِيمَانِ وَالْهِجْرَةِ بِإِرْثِ ذُو
 الْأَرْحَامِ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ۝ وَأَزِيدَ بِالْكِتَابِ فِي الْمَوْضِعِينَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ وَ أَذْكَرَ إِذْ أَخَذْنَا
 مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ حِينَ أُخْرِجُوا مِنْ ضَلْبِ آدَمَ كَالَّذِي جَمَعَ ذُرَّةً وَهِيَ أَضْعَفُ النَّمْلِ وَمِنْكَ وَمِنْ
 نُوحٍ وَ إِبْرَاهِيمَ وَ مُوسَىٰ وَ عِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ ۗ بَانَ يَعْبُدُوا اللَّهَ وَيَدْعُوا النَّاسَ إِلَىٰ عِبَادَتِهِ وَ ذَكَرَ
 الْخَمْسَةَ مِنْ عَطْفِ الْخَاصِ عَلَى الْعَمِّ وَ أَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۝ شَدِيدًا بِالْوَفَاءِ بِمَا حَمَلُوهُ
 وَهُوَ الْيَمِينُ بِ اللَّهِ تَعَالَى ثُمَّ أَخَذْنَا الْمِيثَاقَ لِيَسْئَلَ اللَّهُ الضَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۗ فِي تَبْلِيغِ الرِّسَالَةِ
 تَبْكِتًا لِلْكَافِرِينَ بِهِمْ وَ أَعَدَّ تَعَالَى لِلْكَافِرِينَ بِهِمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ مَوْلَاهُمْ عَطْفٌ عَلَى أَخَذْنَا

ترجمہ: اے نبی اللہ سے ڈرتے رہئے (تقویٰ پر مداومت رکھے) اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے) خلاف شرع
 امور میں (بیشک اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا ہے) ہونے والی بات سے اس کے واقع ہونے سے بھی پہلے (بڑی حکمت والا ہے ہر
 چیز کے پیدا کرنے میں) اور جو حکم) قرآن (آپ کے پروردگار کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اسی کی پیروی کیجئے۔ بلاشبہ اللہ
 تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے جو کچھ تم کرتے رہتے ہو) تعملون ایک قراءت میں تاء کے ساتھ ہے (اور آپ) اپنے کام میں
 اللہ پر بھروسہ رکھے اور اللہ ہی کار سازی کے لئے کافی ہے) آپ کا محافظ ہے اور آپ کی امت اس بات میں آپ کی پیروی
 ہے (اللہ نے کسی شخص کے سینہ میں دودل نہیں پیدا کیے) اس سے کافروں کی اس بات کو رد کر دیا کہ فلاں شخص کے دودل ہیں جن
 کی وجہ سے وہ محمد ﷺ سے سے زیادہ ادراک کر لیتا ہے (اور تمہاری بیویوں کو جن سے) الحج ہمزہ اور یاء کے ساتھ اور بغیر یاء
 کے ہم تم ظہار کر لیتے ہو نظہرون ہا سے پہلے الف نہیں ہے اور الف کے ساتھ بھی ہے اور اصل میں تاء ثانی ظاہر ہو کر
 خام میں مدغم ہو گئی ان کو ضلاً کسی کا اپنی بیوی کو: انت علی کظہر امی کہہ دینے سے تمہاری ماکیں نہیں بنا دیا ہے یعنی ماں کی
 طرح انہیں بالکل حرام نہیں کر دیا ہے جیسا کہ جاہلیت میں اس کو طلاق سمجھا جاتا تھا البتہ شروط کے ساتھ اس پر کفارہ آئے گا جیسا
 کہ سورہ مجادلہ ہے (اور نہ تمہارے منہ بولے بیویوں کو) ادعیاء، دعی کی جمع ہے دوسرے کے بیٹے کو معنی بنا لیتا (تمہارا)

حقیقتاً (بیٹا نہیں بنا دیا ہے یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے) یعنی یہود و منافقین نے اس وقت اعتراض کیا جب آنحضرت ﷺ نے اپنے متنی کی بیوی سے خود نکاح کر لیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی (اور اللہ حق فرماتا ہے) اس بارے میں (اور وہی سیدھا راستہ) حق کا راستہ (دکھاتا ہے) ہاں البتہ (تم انکو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو کہ یہی اللہ کے نزدیک راستی) انصاف (کی بات ہے اور اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہاری برادری کے) چچا زاد (بھائی ہیں اور) اس میں (تم سے جو بھول چوک ہو جائے تو اس سے تم پر کچھ گناہ نہیں۔ ہاں گناہ تو اس صورت میں ہے کہ تم جان بوجھ کر کہو) اور وہ بھی ممانعت کے بعد (اللہ تعالیٰ) ممانعت سے پہلے جو کچھ تمہارے منہ سے نکلا ہے (بڑی مغفرت کرنے والا) اور اس بارے میں تم پر (بڑی رحمت کرنا والا ہے نبی ایمان والوں کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں) جس پیغام کی طرف انہوں نے دعوت دی دراصل ایک تمہارے نفسوں نے اس کے خلاف کی طرف بدایا ہے (اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں) ان بیویوں سے انہیں نکاح کرنا حرام ہے (اور رشتہ دار) قرابت دار (ایک دوسرے سے) میراث میں (زیادہ تعلق رکھتے ہیں کتاب اللہ کی رو سے بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے) یعنی ایمان و ہجرت کی وجہ سے جو میراث ابتدائے اسلام میں تھی پھر منسوخ ہو گئی (مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو) و عینت کر کے تو جائز ہے (یہ بات یعنی ایمان و ہجرت کی بابت ذوی الارحام کی میراث کی وجہ سے منسوخی نوشتہ الہی میں لکھی جا چکی تھی) کتاب سے مراد دونوں جگہ لوح محفوظ ہے (اور) یاد کیجئے (جب کہ ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا) جس وقت وہ حضرت آدم کی پشت سے چیونٹیوں کی طرح برآمد ہوئے تھے ذر، ذرہ کی جمع ہے، چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں (اور آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے بھی) کہ اللہ کی عبادت کرنا اور لوگوں کو بھی اس کی عبادت کی دعوت دینا اور پانچ پیغمبروں کا ذکر خاص کا عام پر عطف ہے (اور ہم نے ان سے خوب پختہ عہد لیا تھا) جو ذمہ داری ان پر ڈالی گئی اس کے پورا کرنے کا قسموں کے ذریعہ یقین دلایا پھر اس کے بعد عہد لیا (تا کہ ان بچوں سے) اللہ (ان کے سچ کی نسبت سوال کرے) پیغام پہنچانے کے سلسلے میں ان سے نفرت کرنے والوں پر رحمت قائم کرنے کے لئے (اور کافروں کے لئے) اللہ تعالیٰ نے (درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے) جو تکلیف دہ ہوگا اَعْدًا كَاعْطَفَ اَخَذْنَا پَرَّہ۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: **مَنْهَن** نعل کومن سے متعدی بنایا کیونکہ اس کے ضمن میں علیحدگی کا معنی تھا اس لیے کہ یہ طلاق تھی۔

قوله: **الْمُعَدَّ** وہ جاہلیت میں شمار ہوتا تھا۔

قوله: **اُدْعِيَاءُكُمْ** یہ دعویٰ کی جمع ہے یہ شاذ وزن ہے۔

قوله: **ذِكْرُكُمْ** اس سابقہ مذکور یا اخیر کی طرف اشارہ ہے۔

قوله: **قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ** یعنی واقعہ میں اس کی کچھ حقیقت نہیں، وہ بات کی بات ہے۔

قوله: بئذ عَمَّكُمْ: یعنی اس طرح کہو: هذا الخی و مولائی، یہ میرا بھائی اور چچا زاد ہے۔

قوله: وَهُوَ بَعْدَ النَّهْيِ: فعمد جان بوجھ کر کرنا تو ممانعت کے بعد ہوتا ہے اور خطا اس سے پہلے یا سبقت لسانی سے۔

قوله: فِيمَا دَعَاَهُمُ الْيَتِيمَ: وہ ان کو اس بات کا حکم دیتے ہیں جس میں ان کی بھلائی ہوتی ہے بخلاف ان کے اپنے نفوس کے۔

قوله: مِنْ عَطْفِ الْخَاصِ: ان کو خصوصاً ذکر کیا کیونکہ شریعتوں والے انبیاء علیہم السلام یہی معروف ہیں۔

قوله: شَدِيدًا: اس وصف کو بیان کرنے کے لیے اس کو دوبارہ لائے۔

تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ.....

یہ مدنی سورۃ ہے اس کے بیشتر مضامین رسول کریم ﷺ کی محبوبیت اور خصوصیت عند اللہ پر مشتمل ہیں، جس میں آپ کی تعظیم کا واجب ہونا اور آپ کی ایذا رسانی کا حرم ہونا مختلف عنوانات سے بیان ہوا ہے اور باقی مضامین سورۃ بھی انہی کی تکمیل و اتمام سے مناسبت رکھتے ہیں۔

اس سورۃ کے سبب نزول میں چند روایات منقول ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے، تو مدینہ کے آس پاس یہود کے قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع وغیرہ آباد تھے۔ رحمۃ العالمین کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ اتفاقاً ان یہودیوں میں سے چند آدمی آپ کی خدمت میں آنے لگے اور منافقانہ طور پر اپنے آپ کو مسلمان کہنے لگے، دلوں میں ایمان نہیں تھ۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو غنیمت سمجھا، کہ کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں تو دوسروں کو دعوت دینا آسان ہو جائے گا۔ اس لیے آپ ان لوگوں کے ساتھ خاص مدارات کا معاملہ فرماتے اور ان کے چھوٹے بڑے آنے والوں کا احترام کرتے تھے اور کوئی بری بات بھی ان سے صادر ہوتی تو دینی مصلحت سمجھ کر اس سے چشم پوشی فرماتے تھے۔ اس واقعہ پر سورۃ احزاب کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ (ترطبی)

ایک دوسرا واقعہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ہجرت کے بعد کفار مکہ میں سے ولید بن مغیرہ اور شبیبہ ابن ربیعہ مدینہ طیبہ آئے اور آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ ہم سب قریش مکہ کے آدھے اموال آپ کو دے دیں گے اگر آپ اپنے دعوے کو چھوڑ دیں۔ اور مدینہ طیبہ کے منافقین اور یہود نے آپ کو یہ دھمکی دی کہ اگر آپ نے اپنا دعویٰ اور دعوت سے رجوع نہ کیا تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ اس پر یہ بیہیتیں نازل ہوئیں۔ (روح)

تیسرا ایک واقعہ ثعلبی اور واحدی نے بغیر سند یہ نقل کیا ہے کہ ابوسفیان اور عمرہ ابن ابی جہل اور ابوالاعور سلمی اس زمانے میں جب واقعہ حدیبیہ میں کفار مکہ اور آنحضرت ﷺ کے مابین ترک جنگ پر معاہدہ ہو گیا تھا تو یہ لوگ مدینہ طیبہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے معبودوں کا برائی سے ذکر کرنا چھوڑ دیں، صرف اتنا کہہ دیں کہ یہ بھی شفاعت

کریں گے اور نفع پہنچائیں گے۔ آپ اتنا کر لیں تو ہم آپ کو اور آپ کے رب کو چھوڑ دیں گے، جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ ان کی بات رسول اللہ ﷺ اور سب مسلمانوں کو سخت ناگوار ہوئی، مسلمانوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان سے معاہدہ صلح کر چکا ہوں اس لیے ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں (روح) یہ روایات اگرچہ مختلف ہیں مگر درحقیقت ان میں کوئی تضاد نہیں، یہ واقعات بھی آیات مذکورہ کے نزول کا سبب ہو سکتے ہیں۔

ان آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کو دو حکم دئے گئے: پہلا اَتَقِ اللّٰهَ یعنی اللہ سے ڈرو، دوسرا وَ لَا تَطْعَمُ الْكٰفِرِيْنَ، یعنی کافروں کا کہنا نہ مانو۔ اللہ سے ڈرنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ ان لوگوں کو قتل کرنا عہد شکنی ہے جو حرام ہے۔ اور کفار کی بات نہ ماننے کا حکم اس لیے کہ ان تمام واقعات میں کفار کی جو فرمائشیں ہیں وہ ماننے کے قابل نہیں۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اَتَقِ اللّٰهَ، یہ رسول اللہ ﷺ کا خاص اعزاز و اکرام ہے کہ پورے قرآن میں کہیں آپ کو نام لے کر مخاطب نہیں کیا گیا، جیسا کہ دوسرے انبیاء کے خطابات میں یا آدم، یا نوح، یا ابراہیم، یا موسیٰ وغیرہ بار بار آیا ہے، بلکہ خاتم الانبیاء ﷺ کو پورے قرآن میں جہاں خطاب کیا گیا وہ کسی لقب نبی یا رسول وغیرہ سے خطاب کیا گیا۔ صرف چار مواقع جن میں یہی بتلانا منظور تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ان میں آپ کا نام ذکر کیا گیا ہے جو ضروری تھا۔

اس خطاب میں آنحضرت محمد ﷺ کو دو حکم دیئے گئے۔ ایک خدا تعالیٰ سے ڈرنے کا، کہ مشرکین سے جو معاہدہ ہو چکا ہے اس کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہئے، دوسرے مشرکین اور منافقین و یہود کی بات نہ ماننے کا۔ یہاں جو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو ہر گناہ سے معصوم ہیں، عہد شکنی بھی گناہ کبیرہ ہے، اور کفار و مشرکین کی وہ باتیں جو شان نزول میں اوپر بیان کی گئیں، ان کا ماننا بھی گناہ عظیم ہے تو آپ خود ہی اس سے محفوظ تھے۔ پھر اس حکم کی ضرورت کیا پیش آئی؟ روح المعانی میں ہے کہ مراد ان احکام سے آئندہ بھی ان پر قائم رہنے کی ہدایت ہے جیسا کہ اس واقعہ میں آپ ان پر قائم رہے اور اَتَقِ اللّٰهَ کے حکم کو اس لیے مقدم کیا کہ مسلمانوں نے ان مشرکین کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جن سے معاہدہ صلح ہو چکا تھا۔ اس لیے عہد شکنی سے بچنے کی ہدایت لفظ اَتَقِ اللّٰهَ کے ذریعہ مقدم کی گئی۔ بخلاف اطاعت کفار و مشرکین کے کہ اس کا کسی نے ارادہ بھی نہ کیا تھا اس لیے اس کو مؤخر کیا گیا۔

اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں اگرچہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے مگر مراد امت کو سنانا ہے۔ آپ تو معصوم تھے، احکام الہیہ کی خلاف ورزی کا آپ سے کوئی احتمال نہ تھا۔ مگر قانون پوری امت کے لیے ہے، ان کو سنانے کا عنوان یہ اختیار کیا گیا کہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو فرمایا جس سے حکم کی اہمیت بڑھ گئی، کہ جب اللہ کے رسول بھی اس کے مخاطب ہیں تو امت کا کوئی فرد اس سے کیسے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔

اور ابن کثیر نے فرمایا کہ اس آیت میں کفار و مشرکین کی اطاعت سے منع کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ آپ ان سے مشورے نہ کریں، ان کو زیادہ مجالست کا موقع نہ دیں۔ کیونکہ ایسے مشورے اور باہمی روابط بسا اوقات اس کا سبب بن جایا کرتے ہیں کہ ان کی بات مان لی جائے تو اگرچہ ان کی بات مان لینے کا رسول اللہ ﷺ سے کوئی احتمال نہ تھا مگر ان کے ساتھ ایسے روابط رکھنے اور ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرنے سے بھی آپ کو روک دیا گیا، اور اس کو اطاعت کے لفظ سے اس لیے

تعبیر کر دیا کہ ایسے مشورے اور باہمی روابط عادتاً ماننے کا سبب بن جایا کرتے ہیں۔ تو یہاں درحقیقت آپ کو اسباب اطاعت سے منع کیا گیا ہے، نفس اطاعت کا تو آپ سے احتمال ہی نہ تھا۔

رہا یہ سوال کہ آیت مذکورہ میں کافروں کی طرف سے خلاف شرع اور خلاف حق باتوں کا اظہار تو کوئی بعید نہیں، ان کی اطاعت سے منع کرنا بھی ظاہر ہے۔ مگر منافقین نے اگر اسلام کے خلاف کوئی بات آپ سے کہی تو پھر وہ منافقین نہ رہے، کلمہ کافر ہو گئے، ان کو الگ ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہوتی؟ جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ منافقین نے بالکل کھول کر تو کوئی بات خلاف اسلام نہ کہی ہو مگر دوسرے کفار کی تائید اور حمایت میں کوئی کلمہ کہا ہو۔

اور منافقین کا جو واقعہ شان نزول میں اوپر بیان ہوا ہے، اگر اس کو سبب نزول قرار دیا جائے تو اس میں اشکال ہی نہیں۔ کیونکہ اس واقعہ کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کو اس سے روکا گیا ہے کہ ان اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے یہود سے آپ زیادہ مدارات کا معاملہ نہ کریں۔

اس آیت کے آخر میں إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا، فرما کر اس حکم کی حکمت بیان کر دی گئی۔ جو اوپر دیا گیا ہے کہ اللہ سے ڈریں، اور کفار و منافقین کا کہنا نہ مائیں۔ کیونکہ عواقب امور اور نتائج کا جاننے والا اللہ تعالیٰ بڑا حکیم ہے، وہی مصالح عہد کو جانتا ہے، یہ اس لیے فرمایا کہ کفار یا منافقین کی بعض باتیں ایسی بھی تھیں جن سے شر و فساد کم ہونے اور باہمی رواداری کی فضا قائم ہونے وغیرہ کے فوائد حاصل ہو سکتے تھے۔ مگر حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا کہ ان لوگوں کے ساتھ یہ رواداری بھی مصلحت کے خلاف ہے، اس کا انجام اچھا نہیں۔

وَأَتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝

یہ پہلے ہی حکم کا کلمہ ہے کہ آپ کفار و منافقین کی باتوں میں نہ آئیں، ان کی بات نہ مائیں بلکہ جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ کو بذریعہ وحی بتلایا گیا ہے بس آپ اور صحابہ اسی کا اتباع کریں۔ چونکہ اس خطاب میں صحابہ کرام اور عام مسلمان بھی شامل ہیں، اس لیے آخر میں بصیغہ جمع بِمَا تَعْمَلُونَ فرما کر تنبیہ کر دی گئی۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

یہ بھی اسی حکم کی تکمیل ہے۔ اس میں ارشاد ہے کہ آپ ان لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھریں اور اپنے مقصد کی کامیابی میں صرف اللہ پر بھروسہ کریں کہ وہی کافی کارساز ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی کی رواداری کی ضرورت نہیں۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرِجَالٍ مِنَ قَلْبَيْنِ فِي جُوفِهِ ۚ

منہ بولے بیٹے تمہارے حقیقی بیٹے نہیں ہیں ان کی نسبت ان کے باپوں کی طرف کرو:

تفسیر قرطبی جلد نمبر ۱۱ ص ۱۱۶ میں لکھا ہے کہ جمیل بن معمر فہری ایک آدمی تھا اس کی ذکاوت اور قوت حافظہ مشہور تھی، قریش اس کے بڑے معتقد تھے اور کہتے تھے کہ اس کے سینہ میں دو دل ہیں اور وہ خود بھی یوں کہتا تھا کہ میرے دو دل ہیں ان دونوں کے ذریعہ جو کچھ سمجھتا ہوں وہ محمد ﷺ کی عقل سے زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی باتوں کی تردید فرمائی اور فرمایا، مَا

جَعَلَ اللَّهُ لُجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ ۗ (کہ اللہ نے کسی بندہ کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے) جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے اسے اپنے دعوے کی سزا ضرور ملتی ہے اور اس کے دعوے کے خلاف ظاہر ہو جاتا ہے چنانچہ اس شخص کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا جو یہ کہتا تھا کہ میرے اندر دو دل ہیں۔ قصہ یہ ہوا کہ یہ شخص بھی جنگ بدر میں شریک تھا جب مشرکین کو شکست ہو گئی تو ابوسفیان نے اسے پوچھا کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا وہ تو شکست کھا گئے، ابوسفیان نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ تیری ایک چپل تیرے ایک ہاتھ میں ہے اور دوسری تیرے پاؤں میں ہے، کہنے لگا اچھا یہ بات ہے! میں تو یہی سمجھ رہا ہوں کہ وہ دونوں میرے پاؤں میں ہیں، اس وقت لوگوں پر ظاہر ہو گیا کہ اگر اس کے دو دل ہوتے تو اپنی چپل کو ہاتھ میں لٹکائے ہوئے یہ نہ سمجھتا کہ وہ میرے پاؤں میں ہے۔

ظہار کیا ہے:

اہل عرب میں ظہار کا طریقہ جاری تھا یعنی مرد اپنی بیوی سے یوں کہہ دیتا تھا کہ: (أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي) (تو میرے لیے ایسی ہے جیسے میری ماں کی کمر ہے) ایسا کہہ دینے سے اس عورت کو اپنے اوپر ہمیشہ کے لیے حرام سمجھ لیتے تھے۔ اسلام میں اگر کوئی شخص ایسا کہہ دے تو اس کے لیے کفارہ مقرر کر دیا گیا ہے جو سورۃ الجاولہ کے پہلے رکوع میں مذکور ہے، اہل عرب جو اپنے اوپر عورت کو ہمیشہ کے لیے حرام سمجھ لیتے تھے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا جَعَلَ أَذْوَابَكُمْ أَلْفًا تُظْهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ ۗ (اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری حقیقی اور واقعی ماں نہیں بنا دیا) لہذا اگر کوئی شخص ظہار کر لے تو اس کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لیے حرام نہ ہو جائے گی مقررہ کفارہ دے دے تو پھر میاں بیوی کی طرح رہیں۔

بیٹا بنانا:

اہل عرب کا یہ بھی طریقہ تھا کہ جب کسی لڑکے کو منہ بولا بیٹا بنا لیتے تھے (جو اپنا بیٹا نہیں دوسرے شخص کا بیٹا ہوتا تھا جسے ہمارے محاورہ میں لے پالک کہتے ہیں) تو اس لڑکے کو بیٹا بنانے والا شخص اپنی ہی طرف منسوب کرتا تھا یعنی حقیقی بیٹے کی طرح سے اسے۔ مثلاً اور سمجھتا تھا اور اس سے بیٹے جیسا معاملہ کرتا تھا اس کو میراث بھی دیتا تھا اور اس کی موت یا طلاق کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کرنے کو بھی حرام سمجھتا تھا اور عام طور سے دوسرے لوگ بھی اس لڑکے کو اسی شخص کی طرف منسوب کرتے تھے جس نے بیٹا بنایا ہے اور ابن فلاں کہہ کر پکارتے تھے، ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ) (کہ اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا اصلی اور واقعی بیٹا قرار نہیں دیا) تم جو نہیں بیٹا بنانے والے کا بیٹا سمجھتے ہو اور اس پر حقیقی بیٹے کا قانون جاری کرتے ہو یہ غلط ہے۔ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ ۗ (یہ تمہاری اپنی منہ بولی باتیں ہیں، اللہ کی شریعت کے خلاف ہیں) وَاللَّهُ يَفْقَهُ الْخَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۗ (اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور حق راہ بتاتا ہے) اسی میں سے یہ بھی ہے کہ منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا نہ سمجھا جائے۔ اَدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ ۗ (تم ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارا کرو یہ اللہ کے نزدیک انصاف کی چیز ہے) فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَاخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوْلَايُكُمْ ۗ (سو اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو مثلاً کسی لڑکے کو پال لیا جس کا باپ معلوم نہ تھا مثلاً کسی لقیط (پڑا ہوا بچہ) کو

اٹھالیا۔ اس کے باپ کا علم نہیں بیٹا بنانے والے کو ہے نہ بستی والوں کو تو اسے یا انی (میرا بھائی) کہہ کر بلاؤ کیونکہ وہ تمہارا دینی بھائی ہے، یا دوست کہہ کر بلاؤ مَوَالِی، مَوَالِی کی جمع ہے جس کے متعدد معانی ہیں، ان میں سے ایک ابن العم یعنی چچا کے بیٹے کے معنی میں بھی آتا ہے، اس لیے صاحب جلالین نے مَوَالِیْکُمْ کا ترجمہ بنو عمکم کیا ہے یعنی چچا زاد کہہ کر پکار لو۔ وَ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ فِیْمَا اَخْطَاْتُمْ بِہُ (اور جو کچھ تم سے خطا ہو جائے اس کے بارے میں تم پر کوئی گناہ نہیں) تم سے بھول چوک ہو جائے اور منہ سے بیٹا بنانے والے کی طرف نسبت کر بیٹھو تو اس پر گناہ نہیں ہے۔ وَ لَکِنَّمَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُکُمْ (لیکن اس حکم کی خلاف ورزی قلبی ارادہ کے ساتھ قصداً ہو جائے تو یہ مواخذہ کی بات ہے) وَ کَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا رَحِیْمًا (اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے) گناہ ہو جائے تو مغفرت طلب کرو اور توبہ کرو۔

ضروری مسائل:

مسئلہ: اگر کسی لڑکے یا لڑکی کو کوئی شخص لے کر پال لے اور بیٹا بیٹی کی طرح اس کی پرورش کرے جیسا کہ بعض بے اولاد ایسا کر لیتے ہیں تو ایسا کرنا جائز ہے لیکن حقیقی ماں باپ، بہن اور دیگر رشتہ داروں سے اس کا تعلق حسب سابق باقی رہنے دیں، شرعی اصول کے مطابق آنا جانا ملنا جلنا جاری رہے قطع رحمی نہ کی جائے۔

مسئلہ: قرآن مجید میں بتا دیا کہ مُتَّحِنٌ یعنی منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہو جاتا لہذا اس کو پالنے والے مرد یا عورت کی میراث نہیں ملے گی، بعض مرتبہ کسی کو بیٹا بیٹی بنا لینے کے بعد اپنی اولاد پیدا ہو جاتی ہے اور اولاد کے علاوہ دیگر شرعی درثناء بھی ہوتے ہیں پس سمجھ لیا جائے کہ میراث اسی اصل ذاتی اولاد اور دیگر شرعی ورثاء کو ملے گی منہ بولے بیٹے بیٹی کا اس میں کوئی حصہ نہیں، البتہ منہ بولے بیٹے کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے جو تہائی مال سے زیادہ نہ ہو اور اس وصیت کرنے میں اصل وارثوں کو محروم کرنے یا ان کا حصہ کم کرنے کی نیت نہ ہو۔

مسئلہ: منہ بولا بیٹا بیٹی چونکہ اپنے حقیقی بیٹا بیٹی نہیں بن جاتے اس لیے اگر وہ محرم نہیں ہیں تو ان سے وہی غیر محرم والا معاملہ کیا جائے گا اور سمجھا رہے ہونے پر پردہ کرنے کے احکام نافذ ہوں گے، ہاں اگر کسی مرد نے بھائی کی لڑکی لے کر پال لی تو اس سے پردہ نہ ہوگا یا اگر کسی عورت نے بہن کا لڑکا لے کر پال لیا تو اس سے بھی پردہ نہ ہوگا کیونکہ دونوں صورتوں میں محرم ہونے کا رشتہ سامنے آ گیا، ہاں جس کا رشتہ محرمیت نہ ہوگا اس سے پردہ ہوگا، مثلاً کسی عورت نے اپنے بھائی یا بہن کی لڑکی لے کر پال لی جس کا عورت کے شوہر سے کوئی رشتہ محرمیت نہیں ہے تو اس مرد کے حق میں وہ غیر ہوگی اس سے پردہ ہوگا۔

مسئلہ: کسی نے کسی کو منہ بولا بیٹا بنایا اور اس بیٹا بنانے والے کی لڑکی بھی ہے تو اس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے بشرطیکہ حرمت نکاح کا کوئی دوسرا سبب نہ ہو۔

مسئلہ: اگر کسی نے کسی نامحرم کو اپنا بیٹا بنایا اور اس لڑکے کی کسی لڑکی سے شادی کر دی پھر یہ لڑکا مر گیا یا طلاق دے دی تو اس بیٹا بنانے والے شخص سے مرنے والے کی بیوی کا نکاح ہو سکتا ہے بشرطیکہ کوئی دوسری وجہ حرمت نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو اپنا بیٹا بنالیا تھا پھر بڑا ہو جانے پر اپنی پھوپھی کی لڑکی حضرت زینب بنت جحشؓ سے ان کا نکاح کر دیا

تھا، جب انہوں نے طلاق دے دی تو آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا، اس پر عرب کے جاہلوں نے اعتراض کیا کہ دیکھو بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا، (جس کا تذکرہ اس سورت کے پانچویں رکوع میں آ رہا ہے، انشاء اللہ) ان لوگوں کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے (وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَ كُمْ أَبْنَاءَ كُمْ) فرمادیا (کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنا دیا تھا۔) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمد ﷺ کہا کرتے تھے۔ جب آیت: مَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَ كُمْ أَبْنَاءَ كُمْ نازل ہوئی تو ہم نے ایسا کہنا چھوڑ دیا۔

مسئلہ: دوسروں کے بچوں کو شفقت اور پیار میں جو بیٹا کہہ کر بلا لیتے ہیں جبکہ ان کا باپ معروف و مشہور ہو تو یہ جائز تو ہے لیکن بہتر نہیں ہے۔

مسئلہ: جس طرح کسی کے منہ بولے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانے والے کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح اس کی بھی اجازت نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی کو اپنا باپ بنائے یا بتائے یا کاغذات میں لکھوائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف نسبت کی حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔ (رواہ البخاری عن سعد بن ابی وقاص) آج کل جو لوگوں میں اپنا نسب بدلنے، جھوٹا سید بننے یا اپنی قوم و قبیلہ کے علاوہ کسی دوسرے قبیلہ کی طرف منسوب ہونے کا رواج ہو گیا ہے یہ حرام ہے ایسا کرنے والے حدیث مذکور کی وعید کے مستحق ہیں۔

مسئلہ: اگر کسی عورت نے زنا کیا اور اس سے حمل رہ گیا پھر جلدی سے کسی سے نکاح کر لیا اور اس طرح سے اس شوہر کا بچہ ظاہر کر دیا جس سے نکاح کیا ہے تو یہ بھی حرام ہے، اور اگر کسی شخص کا واقعی بچہ ہے اور وہ اس کا انکار کرے تو یہ بھی حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی عورت کسی قوم میں کسی ایسے بچے کو شامل کر دے جو ان میں سے نہیں ہے تو اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اللہ اسے ہرگز اپنی جنت میں داخل نہ فرمائے گا، اور جس کسی مرد نے اپنے بچے کا انکار کر دیا حالانکہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اپنی رحمت سے دور فرمادے گا اور اسے (قیامت کے دن) اولین و آخرین کے سامنے رسوا کرے گا۔ (رواہ ابوداؤد)

الَّذِينَ أُولَىٰ بِالنَّفْسِ مِن مِّنْ أَوْلَادِهِمْ وَأَزْوَاجُهُمْ وَأُمَّهَاتُهُمْ ۖ

تکمیل ایمان کی ضروری شرط:

چونکہ رب العزت و حدہ لا شریک کو علم ہے کہ حضور ﷺ اپنی امت پر خود ان کی اپنی جان سے بھی زیادہ مہربان ہیں۔ اس لیے آپ کو ان کی اپنی جان سے بھی انکا زیادہ اختیار دیا۔ یہ خود اپنے لیے کوئی تجویز نہ کریں بلکہ ہر حکم رسول کو بدل و جان قبول کرتے جائیں جیسے فرمایا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحِبُّوكَ كَمَا يُحِبُّونَ آبَاءَهُمْ وَأُمَّهَاتِهِمْ حَتَّىٰ إِذَا دَعَاكَ إِلَىٰ جَنْبِهِمْ أَنْ يَخْرُجُوا مَعَكَ قَالُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَكَ حَتَّىٰ تَخْرُجَ مَعَهُمْ ۚ (النساء: ۶۵) تیرے رب کی قسم یہ مؤمن نہ ہونگے جب تک کہ اپنے آپس کے تمام اختلافات میں تجھے منصف نہ مان لیں اور تیرے تمام ترا حکام اور فیصلوں کو بدل و جان بکشاہدہ پیشانی قبول نہ کر لیں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی با ایمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ میں اسے اس کے نفس سے

اس کے مال سے اسکی اولاد سے اور دنیا کے کل لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ آپ مجھے تمام جہان سے زیادہ محبوب ہیں لیکن ہاں خود میرے اپنے نفس سے۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں عمر فرمایا یا رسول اللہ آپ مجھے خود تیرے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ یہ سن کر جناب فاروقؓ فرمانے لگے قسم اللہ کی یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے ہر چیز سے یہاں تک کہ میری اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں آپ نے فرمایا اب ٹھیک ہے۔ بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں تمام مومنوں کا زیادہ ہمدار دنیا اور آخرت میں خود ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ میں ہوں۔ اگر تم چاہو تو پڑھ لو: اَلَّذِي اَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهُمْ وَاَوْلَاؤُا الْاَزْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُهَاجِرِيْنَ اِلَّا اَنْ تَفْعَلُوْا اِلَىٰ اَوْلِيَّيْكُم مَّعْرُوْفًا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُوْرًا (الاحزاب: ۶) اور فرمان نبویؐ ہے: سنو جو مسلمان مال چھوڑ کر مرے اس کا مال تو اس کے وارثوں کا حصہ ہے۔ اور اگر کوئی مر جائے اور اس کے ذمہ قرض ہو یا اس کے چھوٹے چھوٹے بال بچے ہوں تو اس کے قرض کی ادائیگی کا میں ذمہ دار ہوں اور ان بچوں کی پرورش میرے ذمے ہے۔ پھر فرماتا ہے حضور ﷺ کی ازواج مطہرات حرمت اور احترام میں عزت اور اکرام میں بزرگی اور عظام میں تمام مسلمانوں میں ایسی ہیں جیسی خود کی اپنی مائیں۔ ہاں ماں کے اور احکام مثلا خلوت یا ان کی لڑکیوں اور بہنوں سے نکاح کی حرمت یہاں ثابت نہیں گو بعض علماء نے ان کی بیٹیوں کو بھی مسلمانوں کی بہنیں کھا ہے جیسے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر میں نصاب فرمایا ہے لیکن یہ عبارت کا اطلاق ہے نہ حکم کا اثبات۔ حضرت معاریہ وغیرہ کو جو کسی نہ کسی ام المؤمنین کے بھائی تھے انہیں ماموں کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو کہا ہے کہہ سکتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ حضور ﷺ کو ابوالمؤمنین بھی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ خیال رہے کہ ابوالمؤمنین کہنے میں مسلمان عورتیں بھی آجائیں گی جمع مذکر سالم میں باعتبار تغلیب کے مؤنث بھی شامل ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے کہ نہیں کہہ سکتے امام شافعی رحمۃ اللہ کے دو قولوں میں بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے۔ ابی بن کعب اور ابن عباسؓ کی قرأت میں اَمَّهُتُهُمْ کے بعد یہ لفظ ہیں وهو اب لهم یعنی آپ ان کے والد ہیں۔ مذہب شافعی میں بھی ایک قول یہی ہے۔ اور کچھ تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا میں تمہارے لے قائم مقام باپ کے ہوں میں تمہیں تعلیم دے رہا ہوں سنو تم میں سے جب کوئی پاخانے میں جائے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھے۔ نہ اپنے داہنے ہاتھ سے ڈھیلے لے نہ داہنے ہاتھ سے استنجہ کرے۔ آپ تین ڈھیلے لینے کا حکم دیتے تھے اور گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنے کی ممانعت فرماتے تھے (نسائی وغیرہ) میں دوسرا قول یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو باپ نہ کہا جائے کیونکہ قرآن کریم میں ہے آیت: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبًا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٰتِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (الاحزاب: ۴۰) حضور تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ بہ نسبت عام مومنوں مہاجرین اور انصار کے ورثے کے زیادہ مستحق قرابتدار ہیں۔ اس سے پہلے رسول کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں جو بھائی چارہ کرایا تھا اسی کے اعتبار سے یہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے اور قسمیں کھا کر ایک دوسروں کے جو حلیف بنے ہوئے تھے وہ بھی آپس میں ورثہ بانٹ لیا کرتے تھے۔ اس کو اس آیت نے منسوخ کر دیا۔ پہلے اگر انصاری مر گیا تو اس کے وارث اس کی قرابت کے لوگ نہیں ہوتے تھے بلکہ مہاجر ہوتے تھے

جن کے درمیان اللہ کے نبی ﷺ نے بھائی چارہ کر دیا تھا۔ حضرت زبیر بن عوامؓ کا بیان ہے کہ یہ حکم خاص ہم انصاری و مہاجرین کے بارے میں اترا ہم جب مکہ چھوڑ کر مدینے آئے تو ہمارے پاس مال کچھ نہ تھا یہاں آ کر ہم نے انصاریوں سے بھائی چارہ کیا یہ بہترین بھائی ثابت ہوئے یہاں تک کہ ان کے فوت ہونے کے بعد ان کے مال کے وارث بھی ہوتے تھے۔ حضرت ابو بکر کا بھائی چارہ حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا۔ حضرت عمرؓ کا فلاں کے ساتھ۔ حضرت عثمان کا ایک زرتی شخص کے ساتھ۔ خود میرا حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ یہ زخمی ہوئے اور زخم بھی کاری تھے اگر اس وقت ان کا انتقال ہو جاتا تو میں بھی ان کا وارث بنتا۔ پھر یہ آیت اتری اور میراث کا حکم ہمارے لیے بھی ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے ورثہ تو ان کا نہیں لیکن ویسے اگر تم اپنے مخلص احباب کے ساتھ سلوک کرنا چاہو تو تمہیں اختیار ہے۔ وصیت کے طور پر کچھ دے دلا سکتے ہو۔ پھر فرماتا ہے اللہ کا یہ حکم پہلے ہی سے اس کتاب میں لکھا ہوا تھا جس میں کوئی ترمیم و تبدیلی نہیں ہوئی۔ سچ میں جو بھائی چارے پر ورثہ بنتا تھا یہ صرف ایک خاص مصلحت کی بنا پر خاص وقت تک کے لیے تھا اب یہ ہٹا دیا گیا اور اصلی حکم دے دیا گیا واللہ اعلم۔

وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ.....

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لینا:

اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے جو عہد لیا تھا اس آیت میں اس کا ذکر ہے، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا عمومی اور حضرت خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کا خصوصیت کے ساتھ نام لیا ہے، ان حضرات کی مخلص اپنی اپنی امتوں کو تبلیغ کرنے سے متعلق بہت زیادہ تھیں، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ان حضرات کی فضیلت زائدہ ظاہر فرمانے اور یہ بتانے کے لیے کہ یہ حضرات گذشتہ اصحاب شراعیع والے انبیاء (علیہ السلام) میں مشہور ہیں ان حضرات کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے۔

صاحب روح المعانیؒ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کا ذکر مقدم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کی تخلیق مقدم تھی اس لیے ذکر میں آپ ﷺ کی تقدیم فرمائی، اور اس بارے میں ضیاء الدین مقدسی کی کتاب المختارہ سے ایک مرفوع حدیث بھی نقل کی ہے: (بدیء بی الخلق و کنت آخرهم فی البعث) (مخلوق کی پیدائش کی ابتداء مجھ سے کی گئی اور میں بعثت میں سب انبیاء سے آخری ہوں) اور ایک حدیث یوں نقل کی ہے: (کنت اول الثبیین فی الخلق و آخرهم فی البعث) (میں پیدائش کے لحاظ سے تمام انبیاء سے اول ہوں اور بعثت کے لحاظ سے آخری ہوں) (یہ حدیث علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ (ص ۳) میں بھی نقل کی ہے) نیز یہ بھی لکھا ہے کہ چونکہ آپ سب سے پہلے نبوت سے سرفراز کیے گئے تھے اس لیے بھی آپ ﷺ کا ذکر مقدم کیا گیا۔ اس بارے میں اور بھی متعدد روایات ہیں جنہیں علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں مختلف کتابوں سے جمع کیا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۳ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بحوالہ سنن ترمذی نقل کیا ہے کہ حضرات صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی نبوت کب ثابت ہو گئی، آپ ﷺ نے فرمایا (وَأَدَمُ بَيْنَ)

الرُّوحَ وَالْجَسَدِ) (یعنی میرے لیے اس وقت نبوت ثابت ہوگئی تھی جب آدم روح و جسم کے درمیان تھے) اور حضرت عریض بن ساریہ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ میں اس وقت اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب آدم اپنی مٹی سے بنا تھا۔

حضرات انبیاء کرام سے کیا عہد لیا جس کا اس آیت شریف میں ذکر ہے، اس کے بارے میں صاحب روح المعانی (جلد ۲۱ ص ۱۵۴) لکھتے ہیں (ای واذکر وقت اخذنا من النبیین كافة عهدوهم بتبلیغ الرساله والشرائع والدعاء الی الدین الحق) (یعنی اس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے تمام نبیوں سے یہ عہد لیا کہ رسالت کی تبلیغ کریں گے، احکام شریعت پہنچائیں گے اور دین حق کی طرف بلائیں گے) مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴ پر مسند احمد سے نقل کیا ہے جو حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر (الْأَشْتِ بِرَبِّكُمْ) (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) فرمایا تو سب نے بلی کہا یعنی اقرار کیا کہ ہاں واقعی آپ ہمارے رب ہیں، اسی موقع پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ایک خصوصی عہد لیا گیا جو رسالت اور نبوت کے بارے میں تھا جو آیت (مذکورہ بالا) وَاِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ مِّنْ

سورہ آل عمران رکوع نمبر ۹ میں بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لینے کا ذکر ہے اس کا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔

وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا (اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا) جس عہد کا شروع آیت میں ذکر ہے بطور تاکید اس کو دوبارہ ذکر فرمایا، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ پہلے مذکورہ بالا عہد لینے کے بعد پھر اللہ کی قسم دلا کر دوبارہ عہد لیا جسے مِيثَاقًا غَلِيظًا سے تعبیر فرمایا۔ (ذکر فی الروح)

يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ مِّنَ الْكُفَّارِ مَتَخَرَّبُونَ أَيَّامَ خُفْرِ
 الْخَنْدَقِ فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۗ مَلَائِكَةٌ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَالِغًا ۗ
 الْخَنْدَقِ وَبِالْيَأْيِ مِنْ تَحْرِيبِ الْمَشْرِكِ بَصِيرًا ۗ اِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ مِّنْ
 أَعْلَى الْوَادِيِّ وَأَسْفَلِهِ مِنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ۗ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ ۗ مَالَتْ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَىٰ عَدُوِّهَا مِنْ
 كُلِّ جَانِبٍ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ ۗ جَمَعَ خَنْجَرَةٌ وَهِيَ مُنْتَهَى الْحُلُقُومِ مِنْ سِدَّةِ الْخَوْفِ وَتُظُنُّونَ
 بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۗ الْمُخْتَلِفَةَ بِالنَّصْرِ وَالْيَأْيِ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَخُفِرُوا الْيَتَبِينَ الْمُخْلِصُ مِنْ
 غَيْرِهِ وَزُلُّوا حَزْرًا زَلْزَالًا شَدِيدًا ۗ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَعِ وَ اِذْ كُرِ اِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي
 قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ ضَعُفَ اِعْتِقَادِ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ بِالنَّصْرِ إِلَّا عُرُورًا ۗ بَاطِلًا ۗ اِذْ قَالَتْ

ظَافِفَةٌ مِنْهُمْ أَيِ الْمُنَافِقِينَ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ هِيَ أَرْضُ الْمَدِينَةِ وَلَمْ تَنْصَرِفْ لِلْعَلَمِيَّةِ وَوَزْنُ الْفِعْلِ لَا
 مَقَامَ لَكُمْ بِضَمِّ الْمِيمِ وَفَتْحِهَا أَيِ لَا إِقَامَةَ وَلَا مَكَانَةَ فَارْجِعُوا إِلَى مَنَازِلِكُمْ مِنَ الْمَدِينَةِ وَكَانُوا
 خَرَجُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى سَلْعِ جَبَلٍ خَارِجِ الْمَدِينَةِ لِلْقِتَالِ وَيَسْتَأْذِنُ قَرِيبٌ مِنْهُمْ
 النَّبِيَّ فِي الرُّجُوعِ يَقُولُونَ إِنَّ بِيوتَنَا عَوْرَةٌ غَيْرَ حَصِينَةٍ نَخْشَى عَلَيْهَا قَالَ تَعَالَى وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ
 إِنَّ إِنْ مَا يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ١٠ مِنَ الْقِتَالِ وَكَوَدُخْتُ أَيِ الْمَدِينَةِ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا نَوَّجِيهَا ثُمَّ
 سُئِلُوا أَيِ سَأَلَهُمُ الدَّاخِلُونَ الْفِتْنَةَ الشِّرْكَ لَا تَوْهَا بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ أَيِ أَعْطَوْهَا وَفَعَلَوْهَا وَمَا
 تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا لَيْسِيًّا ١١ وَ لَقَدْ كَانُوا عَاهِدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلِ لَا يُؤْلُونَ الْأَدْبَارَ وَ كَانَ عَهْدُ اللَّهِ
 مَسْئُولًا ١٢ عَنِ الْوَفَاءِ بِهِ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذَا إِنْ فَرَرْتُمْ لَا
 تَسْتَعِينُونَ فِي الدُّنْيَا بَعْدَ فِرَارِكُمْ إِلَّا قَلِيلًا ١٣ بَقِيَّةُ أَحْبَابِكُمْ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِيكُمْ يَجِبُرُكُمْ مِّنْ
 اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ هَلَكَ أَوْ هَزَمَهُ أَوْ يُصِيبِكُمْ بِسُوءٍ إِنْ أَرَادَ اللَّهُ بِكُمْ رَحْمَةً ١٤ خَيْرًا وَلَا
 يَجِدُونَ لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَيِ غَيْرِهِ وَكَيْفَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا تَصِيرًا ١٥ يَدْفَعُ الضَّرَّ عَنْهُمْ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ
 الْمُعْوِقِينَ الْمُسَبِّطِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ تَعَالَوْا إِلَيْنَا ١٦ وَلَا يَأْتُونَ الْبَاسَ
 الْقِتَالِ إِلَّا قَلِيلًا ١٧ رِيَاءٌ وَسَمْعَةٌ أَشْحَةٌ عَلَيْكُمْ ١٨ بِالْمَعَاوَنَةِ جَمْعُ شَجِيحٍ وَهُوَ حَالٌ مِنْ ضَمِيرِ يَأْتُونَ
 فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدَاوُرَ أَعْيُنِهِمْ كَالَّذِي كَنَظَرَ أَوْ كَدَوَّرَانَ الَّذِي يُغْشَى
 عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ١٩ أَيِ سَكَرَاتِهِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ وَخَيَّرَتِ الْعَنَائِمُ سَلَقُواكُمْ اذْوَكُمْ وَضَرَبُواكُمْ
 بِالسِّنَةِ جِدَادٍ أَشْحَةٌ عَلَى الْخَيْرِ ٢٠ أَيِ الْغَيْمَةِ يَطْلُبُونَهَا أَوْلِيكَ لَمْ يُؤْمِنُوا حَقِيقَةً فَاحْبَطَ اللَّهُ
 أَعْمَالَهُمْ ٢١ وَ كَانَ ذَلِكَ الْإِحْبَاطَ عَلَى اللَّهِ لَيْسِيًّا ٢٢ بَارَادَتِهِ يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ مِنْ أَكْفَارٍ لَمْ
 يَذْهَبُوا ٢٣ إِلَى مَكَّةَ لِخَوْفِهِمْ مِنْهُمْ وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ كَرَّةً أُخْرَى يُوَدُّوْنَ يَسْمَتُوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ
 فِي الْأَعْرَابِ أَيِ كَانُوا فِي الْبَادِيَةِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَثْبَائِكُمْ ٢٤ أَخْبَارِكُمْ مَعَ الْكُفَّارِ وَ لَوْ كَانُوا فِيكُمْ

توجہ چاہئے: (اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو جب تم پر کفار کے بہت سے لشکر) خندق کھودنے کے دنوں میں جتھ بندی کر کے چڑھ آئے تھے تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور فرشتوں کی ایسی فوج بھیجی کہ جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی (اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال) تعملون تاء کے ساتھ یعنی خندق کا کھودنا اور یاء کے ساتھ مشرکین کی توڑ پھوڑ (دیکھ رہے تھے جبکہ وہ لوگ چڑھ آئے تھے تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی) مشرقی سمت کے اعلیٰ حصہ سے اور مغربی سمت کے نچلے حصے سے (اور جب کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں) ہر طرف سے ہٹ کر دشمن پر لگ رہی تھیں جو ہر جانب سے حملہ آور تھا (اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے) مدد آنے اور مایوسی کے مختلف گمان (اس موقع پر مسلمانوں کا پورا امتحان لیا گیا) ان کی آزمائش کی گئی تاکہ مخلص غیر مخلص سے نمایاں ہو جائے (اور انکو خوب بھنجھوڑا گیا) ان کو ہلا دیا گیا شدت خوف کے ذریعہ (اس وقت کو یاد کیجئے جب کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا) اعتقادی کمزوری تھی (کہہ رہے تھے کہ ہم سے اللہ اور رسول نے) مدد کے متعلق دھوکہ (جھوٹ کا وعدہ کر رکھا ہے اور جب کہ ان میں بعض لوگوں) منافقوں نے کہا اے یثرب کے لوگو! اہل مدینہ۔ لفظ یثرب علیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے (تمہارے ٹھہرنے کا موقع نہیں) مقام یم کے ضمہ اور فتح کے ساتھ ہے یعنی نہ ٹھہرتا ہے اور نہ اس کی جگہ ہے (سولوٹ چلو) مدینہ اپنے اپنے گھر اور یہ منافقین مدینہ سے باہر سلع پہاڑ تک نبی کریم ﷺ کے ساتھ میدان جنگ میں جانے کے لئے آئے تھے (اور ان میں سے بعض لوگ پیغمبر سے) (واپسی کی) اجازت مانگتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں (کھلے پڑے ہیں ہمیں ان کا خطرہ ہے۔ ارشاد فرمایا کہ) (حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں یہ محض) جنگ سے) بھاگنا ہی چاہتے تھے اور اگر آگھسے) مدینہ میں (ان پر آس پاس سے) مدینہ کے ارد گرد سے پھر ان سے فساد) شرک (کی درخواست کریں) یعنی ان سے آنے والے استدعا کریں تو اسے منظور کر لیں یہ لفظ مد کے ساتھ اور بغیر مد کے ہے یعنی ان کی خواہش پوری کرتے ہوئے شریک فتنہ ہو جائیں گے (اور اپنے ان گھروں میں برائے نام ہی ٹھہریں حالانکہ یہی لوگ پیشتر اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ بیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کے) پورا کرنے کے (متعلق باز پرس ہوگی آپ فرمادیجئے بھاگنا کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا۔ اگر تم مرنے سے یا قتل ہونے سے بھاگتے ہو) اور اس حالت میں (اگر تم بھاگے تو کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے) بھاگنے کے بعد دنیا میں (مگر چند روزہ) باقی زندگی (آپ کہہ دیجئے کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے) پناہ دے کر (اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے) ہلاک کر کے یا ٹھکست دے کر یا وہ کون ہے جو تمہیں مصیبت میں ڈال سکے (اگر اللہ تم پر فضل) مہربانی (کرنا چاہے اور وہ لوگ اللہ کے سوا کسی کو اپنا حمایتی) نفع بخش (نہ پائیں گے اور نہ کوئی مددگار) جو ان سے نقصان ہٹا سکے (اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو رکاوٹ بنتے ہیں) نال مثل کرتے رہتے ہیں (اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ) بھاگ آؤ (اور یہ لوگ لڑائی) جنگ (میں نام ہی کو آتے ہیں) ریا کاری اور شہرت کی نیت سے (تمہارے حق میں بخیلی لئے ہوئے) امداد کے لحاظ سے اشحہ صحیح کی جمع ہے اور ضمیر یا تون سے حال واقع ہے (پھر جب کوئی خطرہ پیش آتا ہے تو آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ

وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے) دیکھنا یا گھمانا اس شخص کا (کہ اس پر موت کی بیہوشی جاری ہو یعنی سکرات شروع ہو گئی ہوں) پھر وہ خطرہ جب نل جاتا ہے (اور مال غنیمت جمع ہونے لگتا ہے) تو تمہیں تیز تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں) ستانے اور مارنے کی صورت میں (مال پر رکھتے ہوتے) مال غنیمت کی جستجو میں رہتے ہیں (یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے) حقیقت میں (چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال بیکار کر رکھے ہیں) اور یہ بیکار کر دینا اللہ کے ارادہ کے لئے بالکل آسان ہے (ان لوگوں کا خیال ہے کہ لشکر) کفار (گئے نہیں ہیں) مکہ لوٹ کر انہیں ان سے خطرہ کی وجہ سے (اور یہ لشکر اگر آپڑیں دوبارہ حملہ کر کے) تو یہ لوگ یہی چاہیں گے (تمنا کریں گے کاش یہ دیہات میں باہر رہتے ہوتے) یعنی جنگل میں بے ہوتے) تمہاری خبریں پوچھتے رہتے) تمہارے ورکفار کے حالات (اور اگر تم میں ہی رہیں) اس حملہ میں (تو بھی بہت کم لڑتے) ریاکاری کے طور پر اور عار کے خوف سے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قولہ: إِذْ جَاءُكُمْ: یہ بدل ہے۔
- قولہ: مُتَحَرِّضُونَ: وہ گروہ بندی کر رہے تھے یہ قریش، بنو غطفان اور یہود تھے۔
- قولہ: إِذْ جَاءُوكُمْ: یہ پہلے اوسے بدل ہے۔
- قولہ: مِنْ أَعْلَى الْوَادِي: یہ بنو غطفان تھے۔
- قولہ: وَأَسْفَلِهِ مِنَ الْمَشْرِقِ: یہ قریش تھے۔
- قولہ: مِنْ شِدَّةِ الْخَوْفِ: پھیپھڑے سخت خوف کی وجہ سے پھول جاتے ہیں، درحجرہ کے منہ کی طرف بلند ہوتے ہیں۔
- قولہ: الظُّنُونَا: الرسول کی طرز الف فواصل کی خاطر لاتے ہیں۔
- قولہ: مُقَامًا: یہ اقام کا مصدر میسی ہے۔
- قولہ: الْمَدِينَةَ: فاعل کو حذف کر دیا تاکہ اس کی طرف اشارہ ہو کہ گروہی شکل میں اس کا مدینہ میں داخلہ ممکن نہ رہا۔
- قولہ: مَا تَلَبَّثُوا فِيهَا: یہ وہاں پس فتنہ برپا کرنے کی حد تک ٹھہریں گے۔
- قولہ: لَا تُنْتَعُونَ: یعنی بھاگنا مفید نہ ہوگا اور اس سے چنداں فائدہ نہ اٹھا سکو گے۔
- قولہ: الْقَائِلِينَ: یہ مدینہ کے رہائشی دوستوں کو منافقین کہتے ہیں۔
- قولہ: جَمْعُ شَجِيحٍ: بخیل پر بولا جاتا ہے۔
- قولہ: تَدَاوَرَّ أَعْيُنُهُمْ: ان کی آنکھیں، اپنے حوالی میں غشی دانے کی طرح گھومتی ہیں۔
- قولہ: فَأَحْبَطَ اللَّهُ: ان کے بطلان کو ظاہر کر دیا ورنہ تو ان کے اعمال ہی نہیں۔ جو باطل ہوں۔

قولہ: بَارِزَاتِيَه: ان کے اعمال کا ضبط ارادہ الہی کے سامنے نہایت معمولی ہے۔
 قولہ: يَسْأَلُونَ: وہ اس شخص سے پوچھتے پھرتے جو مدینہ سے آتا کہ مسلمانوں کا کیا بنا؟

تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

ذکر قصہ غزوہ احزاب و غزوہ بنی قریظہ:

غزوہ احزاب کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کی مدد اور کفار کی جماعت کی بد حالی اور بدحواسی۔
 اس رکوع میں غزوہ احزاب کا ذکر ہے جسے غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے، یہ ہجری کا واقعہ ہے، تھوڑی سی تمہید کے بعد اس غزوہ کی تفصیل نقل کی جاتی ہے۔

مدینہ منورہ میں زمانہ قدیم سے یہودی رہتے تھے اور دو قبیلے یمن سے آ کر آباد ہو گئے تھے جن میں سے ایک کا نام اور اور دوسرے کا نام خزرج تھا، انہیں خبر دی گئی تھی کہ نبیؐ خرا زمان خاتم النبیین ﷺ اس شہر میں تشریف لائیں گے، یہ لوگ آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کا اتباع کرنے کے لیے یہاں آ کر بس گئے تھے۔ جب حضور انور ﷺ نے حج کے موقع پر اس اور خزرج کو منیٰ میں ایمان لانے کی دعوت دی تو وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ یہودیوں کے سامنے حق ظاہر ہو گیا تب بھی ایمان نہ لائے (فَلَمَّا جَاءَهُمْ كَفَرُوا بِهِ) یہودیوں کے تین قبیلے مدینہ منورہ میں آباد تھے ان میں سے ایک بنی قینقاع اور دوسرا بنی نضیر اور تیسرا بنی قریظہ تھا۔ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان تینوں سے تعاون اور تناصر کا معاہدہ فرمایا تھا۔

بنی نضیر کا یہ واقعہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ دو مقتولین کی دیت کے سلسلہ میں ان کے پاس تشریف لے گئے، یہودیوں نے کہا کہ آپ تشریف رکھئے ہم اس بارے میں مالی تعاون کریں گے، اوھر تو آپ ﷺ سے یہ کہا اور ادھر یہ مشورہ کیا کہ کوئی شخص اوپر چڑھ کر ان کے اوپر بھاری پتھر گرا دے، یہود میں سے ایک شخص نے اس کا ارادہ اور وعدہ کر لیا اور پتھر گرانے کے لیے اوپر چڑھ گیا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے مشورے سے مطلع فرمادیا اور آپ ﷺ جلدی سے واپس تشریف لے آئے اور آپ نے محمد بن مسلمہؓ کو یہود کے پاس پینچ دے کر بھیجا کہ تم لوگ مدینہ منورہ چھوڑ دو اور یہاں سے چلے جاؤ، منافقین نے یہودیوں کو بھڑکایا اور کہا تم یہیں رہو اور ہرگز مت جاؤ، ہم تمہاری مدد کریں گے، اس سے ان کو تقویت پہنچ گئی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ سے نہیں نکلیں گے اور ہمارے اور آپ کے درمیان جو عہد ہے وہ بھی توڑتے ہیں، جب ان کی طرف سے یہ پیغام آیا تو آپ ﷺ نے ان سے جہاد کرنے کی تیاری کی اور حضرت ابن ام مکتوم کو نائب بنا کر اور دیگر صحابہ کرامؓ کو ساتھ لے کر بنو نضیر کے محلہ کی طرف روانہ ہو گئے (یہ محلہ شہر سے ذرا دور تھا) آپ ﷺ وہاں پہنچے تو وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ فرمایا، منافقین نے یہودیوں کو خبر بھیجی کہ تم ڈٹے رہنا ہم تمہیں بے یار مددگار نہیں چھوڑیں گے، اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم بھی ساتھ لڑیں گے مگر انہوں نے کچھ بھی مدد نہ کی لہذا انہوں نے

رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ ہمیں جلاوطن کر دیں مگر قتل نہ فرمائیں اور ہمیں ہتھیار بھی نہ لے جانے دیں، اس کے علاوہ جتنا سامان اونٹوں پر لے جا سکیں اسے لے جانے کی اجازت دیں، آپ نے انہیں جلاوطن کرنا منظور فرمایا اور حکم فرمایا کہ تین دن میں مدینہ منورہ سے نکل جاؤ، وہ لوگ مدینہ منورہ سے نکل کر خیبر میں آباد ہو گئے اور بعض لوگ شام چلے گئے (بطور تمہید یہ واقعہ ہم نے البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۷۵ سے نقل کیا ہے، مفصل قصہ انشاء اللہ سورۃ الحشر کی تفسیر میں بیان کریں گے) یہود نے جو اموال چھوڑے وہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں تقسیم فرما دیئے، یہ ۴ ہجری کا واقعہ ہے۔

غزوہ احزاب کا مفصل واقعہ:

اب غزوہ احزاب کا واقعہ سنئے اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ بنو نضیر کو جب حضور انور ﷺ نے مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا تو وہ وہاں جا کر بھی شرارتوں سے اور اپنی یہود والی بیہودگیوں سے باز نہ آئے، ان کے چودھری مکہ معظمہ میں پہنچے اور قریش مکہ سے کہا کہ آؤ ہم تم مل کر داعی اسلام ﷺ سے جنگ کریں اور ان کو ان کے کام کو اور ان کے ساتھیوں کو سب کو ختم کر دیں۔ قریش مکہ نے کہا (جو مشرک تھے) کہ تم اہل کتاب ہو، سچ بولو ہمارا دین بہتر ہے یا محمد ﷺ کا دین بہتر ہے؟ ان لوگوں نے پوری ڈھٹائی کے ساتھ دین شرک کو دین توحید سے بہتر بتایا اور قریش سے کہہ دیا کہ تمہارا دین محمد ﷺ کے دین سے بہتر ہے، یہ بات سن کر قریش بہت خوش ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے، اس کے بعد یہودیوں کے سردار قبیلہ بنی غطفان کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ دیکھو محمد ﷺ سے جنگ کرنا ہے قریش مکہ نے ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا ہے تم لوگ بھی ہمارے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاؤ تاکہ اسلام اور مسلمانوں کا قصہ ہی ختم ہو جائے، ان کے علاوہ دیگر قبائل کی جماعتیں بھی جنگ کرنے کے لیے تیار ہو گئیں۔

دشمنوں سے حفاظت کے لیے خندق کھودنا:

رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کے ارادہ بد کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ کے باہر خندق کھودی جائے، انہوں نے بتایا کہ اہل فارس دشمن سے محفوظ رہنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کرتے ہیں، چنانچہ خندق کھودی گئی جو مدینہ منورہ کے اس جانب تھی جدھر سے دشمنوں کے آنے کا اندیشہ تھا، اس خندق کی کھدائی میں سید دو عالم ﷺ خود شریک ہوئے، سردی کا موسم تھا اور ہر طرف سے خوف ہی خوف تھا، سید دو عالم ﷺ نے خود ہی خط کھینچ کر خندق کی حدود مقرر فرمائیں اور ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ کا رقبہ کھودنے کے لیے دیا، (بعض حضرات نے اس خندق کی لمبائی ساڑھے تین میل بتائی ہے) حضرت سلمان فارسیؓ بڑے قوی اور تند رست آدمی تھے ان کے متعلق مہاجرین و انصار میں اختلاف ہوا، انصار نے کہا کہ سلمان ہم میں سے ہیں اور مہاجرین نے کہا کہ ہم میں سے ہیں ان کو ہمارے ساتھ قطعہ کھودنے کے لیے دیا جائے، یہ سن کر سید دو عالم ﷺ نے فرمایا (سَلْمَانٌ مِّثْلُ اَسْهَلِ الْبَيْتِ) (یعنی سلمان نہ مہاجرین میں سے ہیں نہ انصار میں سے ہیں بلکہ وہ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں) جب دشمنوں کی جماعتیں مدینہ طیبہ کے قریب پہنچیں جن کی تعداد دس بارہ ہزار تھی تو انہوں نے خندق کھدی ہوئی پائی اور کہنے لگے یہ تو عجیب دفاعی تدبیر ہے جسے اہل

عرب نہیں جانتے تھے، وہ لوگ خندق کے اس طرف رہ گئے اور رسول اللہ ﷺ خندق کے اس طرف تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ جبل سلع کی طرف پشت کر کے قیام پذیر ہو گئے اور عورتوں اور بچوں کو حفاظت کی جگہوں یعنی قلعوں میں محفوظ فرما دیا۔
 اِذْ جَاءُوكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ ----

دشمنوں کا خندق پار کرنے سے عاجز ہونا:

خندق کو دیکھ کر مشرکین مسلمانوں تک پہنچ تو نہ سکے جس سے آمنے سامنے ہو کر دونوں لشکروں کی جنگ ہوتی لیکن اپنی جگہ سے جلدی واپس بھی نہیں ہوئے اپنی جگہ پر جمے رہے، ان کا اپنی جگہ پر جمے رہنا تقریباً ایک مہینہ تک تھا، گو وہ خندق پار نہیں آسکتے تھے لیکن انہیں چھوڑ کر چلے جانے کا بھی موقع نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ اپنی جگہ پر مقیم رہے، اس موقع پر مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیف پہنچی، سردی بھی تھی، کھانے پینے کا انتظام بھی نہ تھا اور خندق بھی اس حال میں کھودی کہ بھوک کی وجہ سے پیٹوں پر پتھر بندھے ہوئے تھے پھر دشمن کے مقابلہ میں اتنا لمبا پڑاؤ ڈالنا پڑا۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن، اس وقت جو سخت مصیبت کا سامنا تھا اسے اللہ جل شانہ نے آیت بالا میں بیان فرمایا کہ دشمن تمہارے اوپر چڑھ آئے اور نیچے کی جانب سے بھی آگئے اور آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور دل حلقوم کو پہنچ گئے جسے اردو کے محاورہ میں کہتے ہیں کلیجہ منہ کو آ گیا، اس وقت مسلمان آزمائش میں ڈالے گئے اور سختی کے ساتھ جھنجھوڑ دیئے گئے، مفسرین نے فرمایا ہے کہ (مِّنْ فَوْقِكُمْ) سے وادی کا دریا کا حصہ مراد ہے جو مشرق کی جانب تھا اس جانب سے بنو عطفان اور ان کے ساتھی آئے تھے جن میں اہل نجد بھی تھے اور بنو قریظہ بھی تھے اور بنو نضیر بھی، اور (أَسْفَلَ مِنْكُمْ) سے وادی کا نیچے والا حصہ مراد ہے جو مغرب کی جانب تھا اس جانب سے قریش مکہ، بنی کنانہ اور اہل تہامہ آئے تھے۔

(تَطَّلُونُ بِاللَّهِ الظُّنُونَا) جو فرمایا اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ صیغہ خطاب مجموعی طور پر مدعیان اسلام کو شامل ہے جس میں مخلص اہل ایمان بھی تھے اور منافقین بھی، مؤمنین بھی، مؤمنین تو یہی گمان کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا اور نبی کریم ﷺ کی مدد فرمائے گا، اور منافقین دوسری قسم کا خیال کر رہے تھے وہ سمجھ رہے تھے کہ اب تو اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان ہی مٹ جائے گا اور یوں سمجھتے تھے کہ اتنے لوگوں سے جنگ کرنا ان تھوڑے سے مسلمانوں کے بس کی بات نہیں ہے (وقال بعضهم انه خطاب للمؤمنين المخلصين و كانت ظنونهم من خاطر نفس وهو اجسها التي يوجبها الخوف الطبيعي وهذا لا مؤاخذه فيه قال صاحب الروح بعد هذا الذي ذكرنا او يقال: ظنونهم المختلفة هي ظن النصر بدون نيل العدو منهم شيء او ظنه بعد النيل و ظن الامتحان و على هذا لا يحتاج الى الاعتذار) (اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ (و تَطَّلُونُ بِاللَّهِ الظُّنُونَا) کا خطاب مؤمنین مخلصین سے ہے۔ مؤمنین مخلصین کے گمان دل کے خیالات تھے جن سے طبعی خوف پیدا ہوتا ہے اور ایسے گمانوں میں کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ روح المعانی والے نے اس کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا بعض نے کہا کہ ان کے اس طرح کے مختلف گمان مراد ہیں کہ دشمن سے لڑائی کے بغیر ہی مدد ہو جائے اور دشمن سے لڑائی کے بعد اور آزمائش کا گمان اور اس طرح کے گمانوں پر کسی

معذرت کی ضرورت نہیں ہے۔)

بعض کافروں کا مقتول ہونا:

دشمن نے خندق کو پار کرنے کی ہمت تو نہ کی البتہ کچھ تیر اندازی ہوتی رہی، مشرکین میں سے چند آدمی اپنے گھوڑے لے کر خندق میں اتر گئے جنہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، ان میں سے ایک شخص عمرو بن عبدود بھی تھا، جنگ بدر میں اس نے سخت چوٹ کھائی تھی اس لیے جنگ احد میں شریک نہ ہو سکا تھا، غزوہ خندق کے موقع پر وہ خندق میں کودا اور اس نے اپنی بہادری دکھانے کے لیے پکار کر کہا کہ (هَلْ مَنْ يُبَارِزُ) یعنی مجھ سے کون مقابلہ کرتا ہے؟ (اس وقت وہ ہتھیاروں سے لیس تھا) اس کو اہل عرب ہزار سواروں کے برابر سمجھتے تھے حضرت علیؑ آپ ﷺ سے اجازت لے کر اس کے سامنے آئے عمرو بن عبدود نے کہا کہ تم کون ہو؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں علی بن ابی طالب ہوں! اس نے کہا کہ تمہاری عمر کم ہے میں اچھا نہیں سمجھتا کہ تمہارا خون بہاؤں، تمہارے چچاؤں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو عمر میں تجھ سے بڑے ہیں ان میں سے کسی کو سامنے لاؤ، حضرت علیؑ نے فرمایا لیکن مجھے تو یہ پسند ہے کہ تیرا خون بہاؤں، یہ بات سن کر وہ غصہ میں بھر گیا اور تلوار نکال کر حضرت علیؑ کی طرف بڑھا اور حضرت علیؑ نے اس سے مقابلہ کیا اور ڈھال آگے بڑھادی، اس نے ایسے زور سے تلوار ماری کہ ڈھال کٹ گئی، پھر حضرت علیؑ نے اس کے مونڈھے کے قریب تلوار ماری جس سے وہ گر گیا، غبار بلند ہوا اور حضرت علیؑ نے زور سے اللہ اکبر کہا، تکبیر کی آواز میں مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ حضرت علیؑ نے دشمن کو ختم کر دیا ہے، مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمیں اس کی نعش دے دی جائے ہم اس کے عوض بطور دیت کے دس ہزار درہم دے دیں گے، بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے بارہ ہزار درہم کی پیشکش کی، آپ ﷺ نے جواب میں کہلوادیا کہ تم اس کی نعش کو لے لو ہم مردوں کی قیمت نہیں کھاتے، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ اس کی نعش دے دو اس کی نعش بھی خبیث ہے اس کی دیت بھی خبیث ہے۔ عمرو بن عبدود کے علاوہ دشمن کے اور بھی تین چار آدمی مارے گئے جن میں سے ایک یہودی کو حضرت صفیہ بنت عبدالمطلبؑ نے قتل کیا جو مسلمان عورتوں کے قلعہ کے باہر چکر لگا رہا تھا، مسلمانوں میں سے حضرت سعد بن معاذؓ کو ایک تیرا کر لگا جس نے ان کی اکھل نامی رگ کاٹ دی، انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اتنی زندگی اور نصیب فرما کہ بنی قریظہ (قبیلہ یہود) کی ذلت اور ہلاکت دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لوں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی جس کا تذکرہ غزوہ احزاب کے تذکرہ کے بعد آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ شہید ہونے والوں میں انس بن اوس اور عبد اللہ بن اہل اور طفیل بن نعمان، ثعلبہ ابن غنمہ اور کعب بن زیدؓ کے اسمائے گرامی ذکر کیے گئے ہیں۔

جہاد کی مشغولیت میں بعض نمازوں کا قضا ہو جانا:

غزوہ احزاب کے موقع پر اس قدر مشغولیت اور پریشانی رہی کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز بھی نہ پڑھ سکے، آپ نے بدو عادیتے ہوئے فرمایا: (ملاء الله عليهم بيونهم وقبورهم نازا كما شغلونا عن الصلوة الوسطى حتى غابت الشمس) (اللہ ان دشمنوں کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے جیسا کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے

ایسا مشغول رکھا کہ سورج بھی غائب ہو گیا) اس کے بعد آپ نے وضو فرمایا پھر آپ نے عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی، بعض روایات میں ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء آپ ﷺ نے رات کا ایک حصہ گزر جانے پر ان کو اسی ترتیب سے پڑھا جس ترتیب سے قضا ہوئی تھیں، (عشاء تو وقت عشاء ہی میں پڑھی گئی کیونکہ رات باقی تھی) البتہ جس وقت پڑھی جاتی تھی اس سے مؤخر ہو گئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی دعا:

رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی مشکل پیش آتی تھی نماز میں مشغول ہو جاتے تھے، غزوہ خندق کے موقع پر بھی آپ ﷺ دعائیں کرتے رہے، دشمنوں کے شکست خوردہ ہو کر بھاگنے سے پہلے تین دن تک خوب زیادہ دعا کا اہتمام کیا، صحیح بخاری ص ۵۹۰ میں حضرت عبداللہ بن ابی اونیؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقابلے میں آنے والی جماعتوں کی شکست کے بارے میں یوں دعا کی (اللَّهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيعَ الْحِسَابِ أَهْزِمِ الْأَحْزَابَ اللَّهُمَّ أَهْزِمْهُمْ وَزَلِّ لَهُمْ) (اے اللہ کتاب کے نازل فرمانے والے جلدی حساب لینے والے ان جماعتوں کو شکست دے اور ان کو ڈگدگادے)

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں بھی کوئی دعا بتائیے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو: (اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا) (اے اللہ ہماری آبرو کی حفاظت فرما اور ہمارے خوف کو ہٹا کر امن عطا فرما۔)

دعا کی قبولیت اور دشمنوں کی ہزیمت:

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور سخت تیز ہوا بھیج دی جس سے دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے، چولہے بجھ گئے، ہانڈیاں الٹ گئیں، ہوا تیز بھیجی تھی اور سخت سرد بھی، دشمنوں کی جماعتیں اس سے متاثر ہو کر بھاگ کھڑی ہوئیں، ابوسفیان جو اس وقت قریش مکہ کا قائد بن کر آیا تھا اس نے کہا تھا اے قریشیو! اب یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں رہا ہتھیار بھی ختم ہو چکے، جو نور بھی ختم ہو چکے اور بنو قریظہ معاہدہ کی خلاف ورزی کر چکے ہیں، ہوا کے تھپیڑوں کو تم دیکھ ہی رہے ہو، اب یہاں سے چلے جاؤ میں تو جا رہا ہوں، اس کے بعد ابوسفیان اپنے اونٹ پر بیٹھا اور چل دیا پھر قریش بھی چلے گئے، قبیلہ بنو غطفان کو قریش کی یہ حرکت معلوم ہوئی تو وہ بھی واپس ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنا انعام یاد دلایا اور فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا أَلَمْ تَرَوْهَا! (اے ایمان والو اللہ کی نعمت جو تمہیں ملی اسے یاد کرو جبکہ تمہارے پاس لشکر آ گئے سو ہم نے ان پر ہوا بھیج دی اور لشکر بھیج دیئے جو تم نے نہیں دیکھے) ”جن لشکروں کو نہیں دیکھا“ ان سے فرشتے مراد ہیں، اس موقع پر فرشتے نازل ہوئے تھے لیکن انہوں نے قتال میں حصہ نہیں لیا البتہ دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈالنے کا کام کیا، جب ہوا کے تھپیڑوں سے عاجز آ کر مشرکین بھاگ رہے تھے تو فرشتے تکبیر بلند کر رہے تھے اور یوں کہتے جا رہے تھے کہ بھاگ چلو یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعہ دشمنان اسلام کو واپس کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب یہ لوگ ہم سے لڑنے کے لیے نہ آئیں گے اور ہم ہی ان سے لڑنے کے لیے جائیں گے۔ چنانچہ غزوہ خندق کے بعد دشمن مدینہ منورہ پر چڑھائی کا ارادہ نہیں کر سکے، ہجری میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور اس کے بعد عرب کے لوگ مسلمان ہو گئے، جوق در جوق مدینہ منورہ میں ان کے وفود آتے تھے اور اسلام قبول کرتے تھے۔

بعض ان واقعات کا تذکرہ جو خندق کھودتے وقت پیش آئے یعنی سخت بھوک اور سردی کا مقابلہ:

جس وقت دشمن چڑھ آئے تھے اس وقت سخت سردی کا زمانہ تھا، کھانے پینے کا بھی معقول انتظام نہ تھا، بھوک کی مصیبت بھی درپیش تھی، رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس خندق کھودنے میں شریک تھے، حضرات صحابہ کرامؓ بھی اس کام میں مشغول تھے، پیٹوں پر پتھر باندھ رکھے تھے، خندق کھودنی بھی پڑتی تھی اور اس کی مٹی بھی منتقل کرنی پڑتی تھی جسے اپنے کندھوں اور پشتوں پر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے تھے، کھانے کے لیے ایک مٹھی جو لائے ہوتے تھے جنہیں اہال لیا جاتا تھا اور یہاں بٹے ہوئے جو ایسے تیل یا چربی کے ساتھ سامنے رکھ لیے جاتے تھے جس میں بو آ جاتی تھی اور اس کو کھانا بھی آسان نہ تھا مشکل سے گلے سے اترتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس موقع پر یہ پڑھتے جاتے تھے (كُلُّهُمْ اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ) (اے اللہ زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے سو آپ انصار اور مہاجرین کو بخش دیجیے) آپ ﷺ کی یہ بات سن کر صحابہ کرامؓ جواب میں یوں کہتے تھے۔

نَحْنُ الَّذِي بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا اَبَدًا

(ہم وہ ہیں جنہوں نے جہاد پر محمد سے بیعت کی ہے ہم جب تک بھی زندہ رہیں ہماری بیعت باقی ہے)

رسول اللہ ﷺ خندق کھودنے میں شریک تھے اور مٹی منتقل کرنے کی وجہ سے آپ ﷺ کے شکم مبارک پر اتنی مٹی لگ گئی کہ کھال دیکھنے میں نہیں آتی تھی، اس موقع پر آپ ﷺ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے جو حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کے شعر ہیں۔

وَلَا نَصْرًا لَدُنَّا وَلَا صَالِحِينَ	اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَبُنِيَتِ الْاَقْدَامُ اِنْ لَا قِيْنَا	فَا نَزَلْنَا سَكِيْنَةً عَلَيْنَا
وَ اِنْ اَرَادُوْا قِتْلَنَا	اِنْ اَلَا لِيْ قَدْ دَعَا عَلَيْنَا

(۱) اے اللہ اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے، اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔

(۲) سو ہم پر اطمینان نازل فرمائیے، اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھئے اگر ہماری ٹڈ بھیڑ ہو جائے اور بے شک ان لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے۔ تو اگر یہ لوگ فتنہ چاہتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔

آخری کلمہ آئیننا کو رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کہ مسلمان فلاں فلاں علاقوں پر قابض ہوں گے:

خندق کھودتے وقت ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک ایسی سخت چٹان برآمد ہوئی جس کا توڑنا حضرات صحابہؓ کے بس سے باہر ہو گیا، صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ میں اس میں اترتا ہوں، آپ ﷺ نے پھاؤڑہ لے کر اس میں مارا جس سے وہ ریت کا ڈھیر بن گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اس چٹان میں پھاؤڑہ مارا تو ضرب لگنے کی وجہ سے ایک ایسی تیز روشنی ظاہر ہوئی جس سے مدینہ منورہ کی دونوں جانب روشنی ہو گئی، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اندھیری رات میں چراغ جل گیا ہو، اس پر آپ ﷺ نے فتح یابی ظاہر کرنے والی تکبیر کہی اور مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا، حضرت سلمان فارسیؓ اور دیگر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیا روشنی تھی جو بار بار ظاہر ہو رہی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب پہلی بار روشنی ہوئی تو اس میں مجھے حیرت شہر کے محلات اور کسریٰ کے شہر ظاہر ہو گئے، مجھے جبریل نے بتایا کہ آپ کی امت ان پر غلبہ پائے گی اور دوسری بار جو چمک ظاہر ہوئی اس سے روم کی سرزمین کے سرخ محلات ظاہر ہو گئے مجھے جبریل نے بتایا کہ میری امت ان پر غلبہ پائے گی اور تیسری بار جو روشنی چمکی اس سے مجھے صنعاء کے محلات ظاہر ہوئے (جو یمن کا مشہور شہر ہے) جبریل نے مجھے بتایا کہ میری امت ان پر بھی غلبہ پائے گی لہذا تم خوش ہو جاؤ، اس پر مسلمان بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور یقین کر لیا کہ یہ سچا وعدہ ہے اور پورا ہو کر رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب مذکورہ بالا شہروں کو فتح ہونے کی خبر دی تو منافقین کہنے لگے کہ ان کو دیکھ لو یثرب سے ان کو حجرہ اور کسریٰ کے محل نظر آ رہے ہیں اور یہ خبر دی جا رہی ہے کہ تم انہیں فتح کرو گے اور حال یہ ہے کہ تم لوگ خندق کھود رہے ہو یعنی مصیبت میں گرفتار ہو۔

اور بعض روایات میں یوں ہے کہ جب آپ نے بسم اللہ پڑھ کر پہلی بار ضرب ماری تو اس چٹان کا تہائی حصہ ٹوٹ گیا آپ نے فرمایا: اللہ اکبر مجھے ملک شام کے خزانے دے دیئے گئے، پھر دوبارہ ضرب ماری تو اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا اور فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک ذریعہ کی چابیاں دے دی گئیں ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا اللہ کی قسم! شام کے سرخ محل اور مدائن کا سفید محل اور صنعاء کے دروازے ابھی یہیں اسی وقت دیکھ رہا ہوں۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب یہ شہر فتح ہوتے جاتے تھے تو حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس ذات کے قبضہ میں ابو ہریرہ کی جان ہے اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے جن شہروں کو فتح کر لیا اور قیامت تک جن شہروں کو فتح کرو گے ان سب کی چابیاں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی سے دے دی گئی تھیں، یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری دے دی گئی تھی کہ آپ کی امت ان کو فتح کرے گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ یہ بھی فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تو اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں اب تم ان کو حاصل کر رہے ہو۔ (البدایہ النہایہ ج ۴ ص ۹۹ تا ۱۰۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم قیصر و کسریٰ کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے مشارق اور مغارب مجھے عطا فرمادیئے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے میری امت کا ملک وہاں تک پہنچ جائے گا۔

حضرت جابرؓ کے ہاں ضیافت عامہ:

حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ خندق کھودتے وقت جب ایک سخت چٹان پیش آگئی تو صحابہ کرامؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایسی جگہ نکل آئی ہے جس کی مٹی بہت سخت ہے (جو ہمارے قابو میں نہیں آرہی) آپ ﷺ نے فرمایا میں اترتا ہوں اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کی شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا اور بھوک کا یہ عالم تھا کہ ہم نے تین دن سے کچھ بھی نہیں چکھا تھا آپ نے پھاؤ ڈالیا اور اس سخت زمین میں مارا جس کی وجہ سے ایسا ہو گیا جیسے ریت کا ڈھیر ہو وہ خود ہی پھسلا جا رہا تھا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی کہ ذرا گھر ہو آؤں، آپ نے اجازت دے دی، میں اپنے گھر گیا اور بیوی سے کہا کہ تمہارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے محسوس کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سخت بھوک کی حالت میں ہیں، اسی پر میری بیوی نے چڑے کا ایک تھیلا نکالا جس میں ایک صاع یعنی تین کلو کے لگ بھگ جو تھے، اس کے علاوہ ہماری ایک چھوٹی سی پالتو بکری بھی تھی میں نے اسے ذبح کیا اور میری اہلیہ نے جو پینا شروع کیے اتنے میں میں نے بکری کی بونیاں بنا کر ہانڈی میں ڈالیں وہ جو پینے سے فارغ ہو گئی، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جانے لگا تو وہ کہنے لگی جا تو رہے ہو رسول اللہ ﷺ کے سامنے مجھے رسوا مت کرنا (ایسا نہ ہو کہ زیادہ افراد آجائیں) میں حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہم نے تھوڑا سا کھانا تیار کیا ہے آپ تشریف لے چلیں اور اپنے ہمراہ ایک دو آدمی اور لے لیں، آپ ﷺ نے فرمایا کتنا کھانا ہے؟ میں نے پوری صورت حال عرض کر دی، آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو بہت ہے، پھر آپ نے زور سے اعلان فرمایا کہ خندق والو! آ جاؤ جابر نے کھانا تیار کیا ہے، آپ ﷺ مہاجرین و انصار کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے، آپ آگے تشریف لارہے تھے اور حضرات صحابہؓ آپ کے پیچھے چل رہے تھے، میں جدی سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور پوری کیفیت بیان کر دی (کہ جمع کثیر آ رہا ہے) اس پر وہ ناراض ہوئی اور کہا کہ وہی ہونا! جس کا مجھے اندیشہ تھا، میں نے کہا تھا کہ مجھے رسوا مت کرنا! پھر کہنے لگی اچھا تم نے رسول اللہ ﷺ کو سب بات بتادی تھی؟ میں نے کہا کہ ہاں میں نے سب کچھ بتا دیا تھا، تو وہ کہنے لگی پھر کوئی بات نہیں، اب اللہ اور اللہ کے رسول جانیں۔ آپ تشریف لائے تو جو گوندھا ہوا آنا تھا اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر ہانڈی کی طرف توجہ فرمائی اور اس میں بھی لعاب مبارک ڈال دیا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر فرمایا کہ ایک روٹی پکانے والی اور بلا اور ہانڈی کو جو لہے سے مت اتارو، حضور اکرم ﷺ نے صحبہؓ سے فرمایا کہ تم گھر میں آ جاؤ کھجنگ میں مت بیٹھو، چنانچہ صحابہ کرامؓ بیٹھ گئے اور روٹی پکتی رہی جو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوتی رہی، آپ روٹی توڑ توڑ کر اس پر گوشت کی بونیاں رکھ کر اور شور با بھر بھر کر حاضرین کو دیتے رہے یہاں تک کہ سب نے پیٹ بھر کر کھالیا، حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ کھانے والے ہزار آدمی تھے میں اللہ کی قسم کھ کر کہتا ہوں کہ انہوں نے خوب کھایا اور سیر ہو کر واپس چلے گئے اور ہماری ہانڈی کا یہ حال تھا کہ جیسی تھی اسی طرح اہل ری تھی اور ہمارا آنا جیسا تھا ویسا ہی رہا (گویا اس میں سے کچھ بھی خرچ نہیں ہوا) آپ ﷺ نے میری بیوی سے فرمایا کہ یہ بچا ہوا کھانا خدکھا لو اور (پڑوسیوں کو بھی) ہدیہ دو کیونکہ لوگ بھوک کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، ۵۸۹)

اسی طرح کا ایک واقعہ حافظ ابن کثیر نے بحوالہ محمد بن اسحق یوں بیان کیا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی بہن نے بیان کیا کہ میری والدہ نے مجھے لپ بھر کر کھجوریں دیں جو میرے کپڑے میں ڈال دیں اور کہا کہ اے میری بیٹی جاؤ اسے اپنے والد اور اپنے ماموں عبد اللہ بن رواحہ کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ صبح کے وقت ان کو کھالیں (یہ دونوں حضرات بھی خندق کھودنے میں مشغول تھے) میں یہ کھجوریں لے کر روانہ ہوئی، اپنے والد اور ماموں کی تلاش میں تھی کہ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ پر میرا گذر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے بیٹی! یہ تمہارے پاس کیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ کچھ کھجوریں ہیں جو میری والدہ نے بھیجی ہیں تاکہ اپنے والد اور اپنے ماموں کو دے دوں! حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کو یہاں لاؤ، میں نے وہ کھجوریں آپ ﷺ کی ہتھیلیوں میں ڈال دیں، وہ اتنی کم تھیں کہ ان سے آپ کی دونوں ہتھیلیاں نہ بھر سکیں، آپ ﷺ نے ایک کپڑا بچھانے کا حکم دیا پھر وہ کھجوریں اس پر پھیلا دیں اور ایک شخص سے فرمایا کہ اونچی آواز میں خندق والوں کو پکارو کہ آ جاؤ صبح کا کھانا کھا لو، خندق کے کام میں جو حضرات مشغول تھے حاضر ہوئے اور ان کھجوروں میں سے کھاتے رہے یہاں تک کہ سب فارغ ہو کر واپس ہو گئے۔ (قال ابن کثیر فی الہدایۃ - وانھا یج ۴ ص ۱۹۹ حکد ارواہ ابن اسحاق وفیہ انقطاع)

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ

منافقین کی بد عہدی اور شرارتیں:

یہ لو آیات کا ترجمہ ہے جس میں منافقین کی قولی اور عملی خداری کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان کی مخالفت اور بزدلانہ حرکتوں کو بیان کیا ہے۔

کابلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا (جو ضعیف الاعتقاد تھے) انہوں نے یوں کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ محض ایک دھوکہ ہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خندق کھودتے وقت بشارت دی کہ تم حیرہ کے محل اور کسریٰ کے شہر اور یمن کے شہر اور روم کے محل فتح کرو گے، تو اس پر منافقین نے کہا لو دیکھ لو! یہاں کیا مصیبت پڑی ہوئی ہے، خندق کھودی جا رہی ہے، ذرا بھی باہر نہیں جاسکتے، اگر یہاں سے جائیں تو قتل ہو جائیں حال تو یہ ہے لیکن بشارتیں یوں دی جا رہی ہیں کہ یوں شہر فتح ہوں گے اور ایسے محلات پر قبضہ ہوگا، کچھ نہیں یہ سب دھوکہ ہی دھوکہ ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ تَا زَل فرمائی۔

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کو دل سے مانتے ہی نہیں تھے پھر انہوں نے مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ كَيْسَ كَمَا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منافق کا کوئی دین نہیں ہوتا وہ منہ دیکھی باتیں کرتا ہے، کیونکہ وہ لوگ بظاہر اسلام کے مدعی تھے اور حضرات صحابہؓ کے سامنے یہ بات کہہ رہے تھے اس لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا کہ آپ کو رسول ماننے کا دم بھریں لیکن انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دھوکہ دہی کی نسبت کریں گے تو مسلمان ہمیں کیسے مسلمان مانیں گے۔

دوسری آیت میں منافقوں کی ایک جماعت کی یہ بات نقل فرمائی ہے کہ انہوں نے اس موقع پر یوں کہا کہ اے یثرب

والو یعنی مدینے میں سکونت کرنے والو! یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے لہذا اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جاؤ کیونکہ بظاہر قتل ہونے کی صورت بن رہی ہے، اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ گے تو قتل ہونے سے بچ جاؤ گے ورنہ تمہیں بھی یہیں موت کے منہ میں جانا پڑے گا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ بات رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کہی تھی۔ مفسرین نے لا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا کا ایک مطلب تو وہی لکھا ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا، اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اب محمد ﷺ کے دین میں رہنے کا موقع نہیں رہا لہذا تم اپنے پرانے دین شرک پر واپس ہو جاؤ۔ اور ایک مطلب یہ لکھا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے تم نے جو بیعت کی ہے اس سے واپس ہو جاؤ اور انہیں دشمنوں کے حوالے کر دو۔

یثرب مدینہ منورہ کا سابق نام ہے، بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ عمالقمہ میں سے ایک شخص کا نام یثرب تھا اسی کے نام پر یہ نام رکھا ہے، چونکہ (قُرْبَ يَثْرِبَ) ملامت کرنے کے معنی میں آتا ہے اس لیے اب اس کو اس نام سے یاد کرنا ممنوع ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے (مَنْ سَمِعِيَ الْمَدِينَةَ يَثْرِبَ فَلْيَسْتَعْفِرِ اللَّهَ تَعَالَى هِيَ طَابَةٌ هِيَ طَابَةٌ) (یعنی جو شخص مدینہ کو یثرب کے نام سے یاد کرے وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے) جتنی عمدہ ہے مبارک ہے اچھا شہر ہے۔ (رواہ احمدی مسند ابن البراء بن عازب)

رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد اس شہر کا نام مدینہ منورہ ہی مشہور ہو گیا اگرچہ اس کے علاوہ اس کے اور بھی نام ہیں: آیت بالا میں بعض منافقوں کے اجازت لینے کا بھی ذکر ہے، ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہمیں واپس ہونے کی اجازت دے دی جائے کیونکہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، چھوٹی چھوٹی دیواریں ہیں، چوروں کا خوف ہے، جب یہاں آگے تو وہاں کوئی حفاظت کا انتظام بھی نہیں اور وہ دشمنوں کے پہنچنے کا ڈر ہے کیونکہ خندق کی جگہ سے دور ہیں۔ مفسرین نے بتایا ہے کہ جب منافقوں نے یہ کہا کہ اے یثرب والو! یہاں سے چلے جاؤ ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے، تو ان کی باتوں میں آ کر قبیلہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس ہونے کی اجازت طلب کر لی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور فرمایا: وَمَا هِيَ بِعَوْدَةٍ (یہ بات نہیں ہے کہ ان کے گھر غیر محفوظ ہیں) اِنْ يُؤَيَّدُونَ اِلَّا فِرَادًا (ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ بھاگ جائیں۔)

تیسری آیت میں ان لوگوں کی فتنہ پردازی کا تذکرہ فرمایا وَ لَوْ دَخَلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ اَقْطَارِهَا (آیۃ) (اگر مدینہ کے اطراف سے کوئی لشکر ان پر گھس آئے پھر ان سے فتنے کا سوال کیا جائے تو یہ ضرور فتنے کو منظور کر لیں گے) مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جو گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا بہانہ کر کے آپ ﷺ سے اجازت لے کر راہ فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں ان کا مقصد مسلمانوں کے ساتھ شریک قتال ہونے سے منہ موڑنا ہے۔ اگر کافروں کا کوئی لشکر ان کے پاس پہنچ جائے اور وہ ان سے یہ کہے کہ چلو مسلمانوں سے لڑو تو یہ ضرور ان کی بات مان لیں گے اور اپنے گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں گے بس کافروں کے کہتے ہی چل پڑیں گے یا اتنی دیر لگائیں گے جتنی دیر میں ہتھیار لے لیں، اس وقت انہیں گھروں کی حفاظت کا خیال بالکل نہیں رہے گا، انہیں مسلمانوں سے دشمنی ہے اور کافروں سے محبت ہے۔ (قال صاحب الروح ان طلبهم الاذن في الرجوع ليس

لاختلال بیوتہم بل لنفاقہم وکراہتہم نصر تک) (تفسیر روح المعانی کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کا واپسی کی اجازت مانگنا واقعتاً کوئی گھروں کے نقصان کے اندیشہ کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ان کے منافق ہونے اور تیری مدد کو ناپسند کرنے کی وجہ سے تھا۔)

آیت کریمہ کی دوسری طرح بھی تفسیر کی گئی ہے، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں، (والوجوہ المحتملة فی الآیات کثیرة کما لا یخفی من لہ ادنی تأمل وما ذکرناہ اولاً ہوا لظہر فی ما أری) (آیات میں کئی سارے احتمالات موجود ہیں جیسا کہ ذرا غور بھی کرنے والے آدمی پر محفل نہیں ہے جو ہم نے سب سے پہلے توجیہ ذکر کی ہے میرے خیال میں وہی زیادہ راجح ہے۔)

چوتھی آیت میں بھی انہیں لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے گھروں کے خالی ہونے کا بہانہ کر کے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے اجازت طلب کی تھی، ارشاد فرمایا: وَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُولُونَ الْآذِبَارَ (الآیہ) یعنی ان لوگوں نے اس سے پہلے عہد کیا تھا کہ پشت پھیر کر نہ جائیں گے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بنو حارثہ کا ذکر ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے قبیلہ بنو سلمہ مراد ہے، یہ لوگ غزوہ احد کے موقع پر بزدلی دکھا چکے تھے پھر توبہ کر کے شریک ہو گئے تھے اور خندق کا واقعہ پیش آنے سے پہلے عہد کیا تھا کہ راہ فرار اختیار نہ کریں گے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ میں ان منافقوں کا ذکر ہے جو غزوہ بدر کی شرکت سے رہ گئے تھے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے وہاں مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور کافروں کو بری طرح شکست دی تو یہ کہنے لگے افسوس ہم شریک نہ ہوئے، اگر ہم شریک ہوتے تو یوں کرتب دکھاتے اور ایسا دیا کرتے، آئندہ جب کوئی جہاد کا موقع ہوگا تو ہم اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں گے، جب غزوہ خندق کا موقع آیا تو ان کے سارے دعوے اور معاہدے دھرے کے دھرے رہ گئے اور فرار کی راہیں اختیار کرنے لگے، وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا (اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی) عہد کی خلاف ورزی اور عہد شکنی کر کے سزا کے مستحق ہو چکے ہیں۔

پانچویں اور چھٹی آیت میں راہ فرار اختیار کرنے والوں کو تعبیر فرمائی کہ اگر تم موت سے یا قتل کے ڈر سے بھاگ گئے تو تمہارا یہ بھاگنا تمہیں نفع نہ دے گا، اگر بھاگ گئے تو کتنا جیو گے؟ اجل مقررہ کے مطابق موت تو آ ہی جائے گی اور عمر کا جو بقیہ حصہ ہے اس سے بھی زیادہ نفع حاصل نہیں کر سکتے، بھاگ کر عمر نہیں بڑھ سکتی کیونکہ اس کا وقت مقرر ہے۔

مزید فرمایا کہ ہر چیز کا فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے اگر تم بھاگ گئے اور جہاں پہنچے وہاں اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہلاک فرمادیا تو تمہیں اللہ سے کون بچا سکتا ہے؟ اور وہ تم پر اپنا فضل فرمائے مثلاً تمہیں زندہ رکھے جو کہ ایک دنیاوی رحمت ہے تو اسے اس سے کون روک سکتا ہے؟

ساتویں اور آٹھویں آیت میں بھی ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو دوسروں کو شرکت جہاد سے روک رہے تھے اور مسلمانوں کے حق میں اپنے قول اور فعل سے برا کردار ادا کر رہے تھے، ارشاد فرمایا اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو دوسروں کو جنگ میں شریک ہونے سے روکتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ایک مخلص مسلمان غزوہ خندق کے موقع پر اپنے گئے بھائی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ بھنا ہوا گوشت کھا رہا ہے اور اس کے پاس نیند

(کھجوروں کا بیٹھا پانی) پڑا ہے، یہ شخص منافق تھا، مخلص مسلمان (اس کا بھائی) جو اس کے پاس سے گزر رہا تھا، نے اس سے کہا تو یہاں ہے؟ اور رسول اللہ ﷺ نیزوں اور تلواروں کے درمیان ہیں، اس پر بھنا ہوا گوشت کھانے والے شخص نے کہا کہ تو بھی میرے پاس آ جا کہ اب تو تم لوگ ایسے گھبرے میں آ گئے ہو کہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، مخلص مسلمان نے کہا کہ تو جھوٹا ہے اللہ کی قسم میں تیری بات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو کر دوں گا، یہ صاحب امام الانبیاء ﷺ کی خدمت عالی میں پہنچے تو دیکھا کہ جبریل علیہ السلام یہ آیت کریمہ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ لَمْ يَأْتِ الْيَوْمَ لِيُجَادِلْ فِي الْكَلِمَاتِ وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ وَلَا تَقْرَبُوا الْبَيْعَ الْمُعَرَّبَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْكٰفِرِينَ کہنا چاہتا ہے۔

اور صاحب معالم التنزیل نے (جلد ۳ صفحہ ۵۱۸) لکھا ہے کہ یہودیوں نے منافقوں کو کہلا بھیجا کہ تم لوگ ابوسفیان اور اس کی جماعت اور دوستوں کے ہاتھ پر کیوں اپنی جان کو تباہ کر رہے ہو، اگر اس مرتبہ انہوں نے تم پر قابو پایا تو تم میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے، ہمیں تم پر ترس آ رہا ہے تم ہمارے بھائی ہو اور پڑوسی ہو ہمارے پاس آ جاؤ، (اس صورت میں انخوان سے برادر نسبتی نہیں بلکہ برادر وطنی مراد ہوں گے) یہودی کی باتوں سے متاثر ہو کر رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی مؤمنین و مخلصین کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں جنگ کرنے سے روکنے لگے اور خوف زدہ کرنے لگے کہ دیکھو اگر ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے تم پر قابو پایا تو تم میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے، تمہیں محمد (ﷺ) سے کس خیر کی امید ہے اس کی جنگ کا تو یہ حاصل ہے کہ ہم سب یہیں مقتول ہو جائیں گے، چلو ہم اپنے یہودی بھائیوں کے پاس چلے چلیں، منافقوں کی یہ بات سن کر اہل ایمان کا ایمان اور مضبوط ہو گیا اور ان میں ثواب کی امید اور زیادہ پکی ہو گئی۔

لَا يَأْتُونَ الْبِئْسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۰﴾ (اور یہ لوگ یعنی منافقین لڑائی کے موقع پر جو حاضر ہو جاتے ہیں ان کا یہ حاضر ہونا بس ذرا سا نام کرنے کو ہے)

يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذُؤْا

منافقوں کی انتہائی بزدلی کا ایک نمونہ اور مظہر: فرمایا گیا کہ یہ سمجھتے ہیں کہ حملہ آورا بھی تک گئے نہیں اور وہ لشکر اگر ان پر دوبارہ حملہ کر دیں تو ان کی خواہش یہ ہوگی کہ یہ کہیں باہر جا کر کسی گاؤں میں دیہاتیوں کے بیچ میں رہیں اور وہیں سے ہو کر یہ تمہارے حالات کے بارے میں پوچھتے رہیں۔ سو یہ ان کی بزدلی کی انتہاء ہے۔ نیز یہاں سے قرآن پاک کا ایک اور معجزہ بھی سامنے آیا کہ قرآن پاک ان کے دلوں کے احوال کی خبر اس طرح دے رہا ہے اور ان کے اندر کی کیفیات کو اس صراحت و وضاحت سے بیان فرما رہا ہے جس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کلام کسی بشر کا کلام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ اس ذات اقدس و اعلیٰ کا کلام صدق نظام ہے جو کہ عَلَيْنَا يَذَاتُ الصُّدُورِ ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ بہر کیف یہ منافقوں کی بزدلی کا ایک نمونہ اور مظہر ہے کہ دشمنوں کی جماعتیں تو پسپا ہو کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر واپس پہنچ گئیں لیکن ان لوگوں کے دلوں پر ان کا خوف بدستور مسلط ہے۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے نور ایمان دیقین سے محرومی کا۔ جبکہ مؤمن صادق اپنی قوت ایمانی کی بنا پر ہمیشہ مطمئن رہتا ہے اور وہ اپنے ایمان دیقین کی بنا پر اپنے لیے ہر حالت کو بہتر ہی سمجھتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْغَبُ فِي الْغَيْرِ وَالْقِتَالِ وَالشَّبَابِ فِي

مَوَاطِنِهِ لِيَمُنَّ بِدَلٍّ مِنْ لَكُمْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ يَخَافُهُ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝ بِخِلَافٍ مِنْ
 لَيْسَ كَذَلِكَ وَكَمَا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ ۝ مِنَ الْكُفَّارِ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنَ الْإِتِّبَانِ
 وَالتَّضَرُّرِ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ نَبِيُّ الْوَعْدِ وَمَا زَادَهُمْ ذَلِكَ إِلَّا إِيْمَانًا تَصَدِّقًا بِوَعْدِ اللَّهِ وَ
 تَسْلِيمًا ۝ لِأَمْرِهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۝ مِنَ الثَّبَاتِ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ مَاتَ أَوْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ ۝ ذَلِكَ وَمَا بَدَّلُوا
 تَبْدِيلًا ۝ فِي الْعَهْدِ وَهُمْ بِخِلَافٍ حَالِ الْمُنَافِقِينَ لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ
 الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ بِأَنْ يَمِيتَهُمْ عَلَى نِفَاقِهِمْ أَوْ يُتَوَبَ عَلَيْهِمْ ۝ إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا لِيَمُنَّ تَابَ
 رَحِيمًا ۝ بِهِ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَيْ الْأَحْزَابَ بِغَيْظِهِمْ كَمَا يَنَالُوا خَيْرًا مُرَادًا هُمْ مِنَ الظُّفْرِ
 بِالْمُؤْمِنِينَ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ ۝ بِالرِّيحِ وَالْمَلِكَةِ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَلَى الْإِجَادِ مَا يَرِيدُ
 عَزِيزًا ۝ غَالِبًا عَلَى أَمْرِهِ وَ أَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أَي فُرِيضَةَ مِنْ
 صِيَامِيهِمْ حُضُورَهُمْ جَمْعٌ صَبِيئَةٌ وَهُوَ مَا يُشْحَضُ بِهِ وَقَدَّافٍ فِي قُلُوبِهِمُ الرَّعْبَ الْخَوْفَ فَرِيقًا
 تَقْتُلُونَ مِنْهُمْ وَهُمْ الْمُقَاتِلَةُ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۝ مِنْهُمْ أَيْ الذَّرَارِيَّ وَ أَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ
 ع ۱۹
 أَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ تَطَّوَّرْهَا ۝ بَعْدُ وَهِيَ خَيْرٌ أُخِذَتْ بَعْدُ فُرِيضَةَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝

ترجمہ: (یقیناً تمہارے لئے جنگ میں آپ کی پیروی کرنے اور موقع جنگ میں ثابت قدم رہنے میں) عمدہ نمونہ موجود ہے (لفظ اسوقہ کے ہمزہ پر کسرہ اور ضمہ کے ساتھ) (یعنی اس شخص کے لئے) یہ لکم سے بدلہ واقع ہے (جو اللہ اور آخرت کے دن سے ڈرتا) خوف کھاتا (ہو اور اللہ کا بکثرت ذکر کرتا ہو) برخلاف اس شخص کے جو ایسا نہ ہو (اوجب اہل ایمان نے) کفار کے (لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے یہی ہے وہ جس کی ہمیں اللہ ورسول نے خبر دی تھی) یعنی آزمائش و نصرت الہی (اور اللہ ورسول نے وعدہ کیا فرمایا تھا) اس سے (ان کے ایمان) اللہ کا وعدہ سچا جاننے میں (اور) حکم کی (فرمانبرداری میں ترقی ہی ہوئی ان اہل ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے) انتقال کر گئے یا شہید ہو گئے اور کچھ ان میں کے (اس کے مشاق ہیں اور انہوں نے ذرا فرق نہیں آنے دیا) عہد میں انکی حالت منافقین کے برخلاف ہے (یہ واقعہ اس لئے ہوا کہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا صلہ دے) اور منافقین (کو اگر چاہے تو سزا دیدے) ان کو نفاق کی حالت میں موت دے کر (یا) چاہے تو (انہیں توبہ کی توفیق دیدے بیشک اللہ تعالیٰ) توبہ کرنے والے کے لئے (معاف کرنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے) اور (اللہ نے

کافروں) جماعتوں (کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کے کچھ بھی ہاتھ نہ لگا) مسلمانوں پر کامیابی کی تمنا پوری نہیں ہوئی (اور جنگ میں اہل ایمان کی طرف سے اللہ ہی کافی ہو گیا) ہوا اور فرشتوں کو بھیج کر (اور اللہ تعالیٰ تو) اپنے ارادہ کے پورا کرنے پر (ہے ہی بڑی طاقت والا، زبردست) اپنے حکم پر غالب (اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی) یعنی بنو قریظہ نے (انہیں ان کے قلعوں سے اُتار دیا) صیاصی، صیصیہ کی جمع ہے بمعنی محافظ، مراد قلعے ہیں (اور انکے دلوں میں تمہاری دھاک دہشت) بٹھادی (پھر کچھ لوگوں کو) ان میں سے بعض جنگجوؤں کو (تم قتل کرنے لگے اور ان میں سے بعض) یعنی عورتوں بچوں (کو تم نے گرفتار کر لیا اور تمہیں مالک بنا دیا ان کی زمینوں کا ان کے گھروں کا ان کا مالوں کا اور اس زمین کا جس پر تم نے قدم نہیں دیکھا اب تک) اور وہ سر زمین خیر ہے جو جنگ قریظہ کے بعد حاصل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز بڑی قدرت رکھتا ہے

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: أَسْوَأَ : عمدہ خصلت ہے جس کا حق تم پر یہ ہے کہ تم اس کی پیروی کرو۔ أَسْوَأَ، نموند۔
 قولہ: وَمَا زَادَهُمْ : اس چیز نے صرف ان کے ایمان میں اضافہ کیا۔ زَادَ کی ضمیر لَهُمْ کی طرف ہے۔
 قولہ: مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ : انہوں نے اپنی نذر کو پورا کیا جیسا حمزہ، مصعب، انس بن نضر رضی اللہ عنہم۔ نَحْبٌ استعارۃ موت کے لیے استعمال کیا ہے کیونکہ وہ نذر ہی کی طرح ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔
 قولہ: مَنْ يَنْتَظِرُ : یہ انتظار کرنے والے عثمان و طلحہ رضی اللہ عنہما تھے۔
 قولہ: لِيَجْزِيَ اللَّهُ : یہ منطوق معرض کی تعلیق ہے۔
 قولہ: بَغِيْظِهِمْ : وہ غصہ سے دانت پیس رہے تھے۔
 قولہ: لَمْ يَنَالُوا : یہ حال کے بعد حال ہے۔
 قولہ: ظَاهِرُوهُمْ : انہوں نے احزاب کی پشت پناہی کی۔

تفسیر مقبولین

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
 پیغمبر کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی ہدایت و تلقین:

یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اس امر پر کہ آنحضرت ﷺ کے تمام اقوال افعال احوال اقتدا پیروی اور تابعداری کے لائق ہیں۔ جنگ احزاب میں جو صبر و تحمل اور عدیم المثال شجاعت کی مثال حضور ﷺ نے قائم کی۔ مثلاً راہ اللہ کی تیاری شوق

جہاد اور سختی کے وقت بھی رب سے آسانی کی امید اس وقت آپ نے دکھائی یقیناً یہ تمام چیزیں اس قابل ہیں کہ مسلمان انہیں اپنی زندگی کا جزو اعظم بنالیں اور اپنے پیارے پیغمبر اللہ کے حبیب احمد مجتہبی محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے لیے بہترین نمونہ بنالیں اور ان اوصاف سے اپنے تئیں بھی موصوف کریں۔ اسی لیے قرآن کریم ان لوگوں کو جو اس وقت سٹ پٹا رہے تھے اور گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کرتے تھے فرماتا ہے کہ تم نے میرے نبی ﷺ کی تابعداری کیوں نہ کی؟ میرے رسول تو تم میں موجود تھے ان کا نمونہ تمہارے سامنے تھا تمہیں صبر و استقلال کی نہ صرف تلقین تھی بلکہ ثابت قدمی استقلال اور اطمینان کا پہاڑ تمہاری نگاہوں کے سامنے تھا۔ تم جبکہ اللہ پر قیامت پر ایمان رکھتے ہو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ تم اپنے رسول کو اپنے لیے نمونہ اور نظیر نہ قائم کرتے؟ پھر اللہ کی فوج کے سچے مومنوں کو حضور ﷺ کے سچے ساتھیوں کے ایمان کی پختگی بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے جب بڑی بول لشکر کفار کو دیکھا تو پہلی نگاہ میں ہی بول اٹھے کہ انہی پر فتح پانے کی ہمیں خوشخبری دی گئی ہے۔ ان ہی کی شکست کا ہم سے وعدہ ہوا ہے اور وعدہ بھی کس کا اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اور یہ ناممکن محض ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کا وعدہ غلط ہو یقیناً ہمارا سر اور اس جنگ کی فتح کا سہرا ہوگا۔ ان کے اس کامل یقین اور سچے ایمان کو رب نے بھی دیکھ لیا اور دنیا آخرت میں انجام کی بہتری انہیں عطا فرمائی۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ کے جس وعدہ کی طرف اس میں اشارہ ہے وہ آیت یہ ہو جو سورۃ بقرہ میں گذر چکی ہے۔ آیت: (أَحْسِبُ النَّاسَ أَنْ يُلَاقُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ) (احکبوت: ۲) یعنی کیا تم نے یہ سمجھ لیا؟ کہ بغیر اس کے کہ تمہاری آزمائش ہو تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ تم سے اگلے لوگوں کی آزمائش بھی ہوئی انہیں بھی دکھ درد لڑائی بھرائی میں مبتلا کیا گیا یہاں تک کہ انہیں بلایا گیا کہ ایماندار اور خود رسول کی زبان سے نکل گیا کہ اللہ کی مدد کو دیر کیوں لگ گئی؟ یاد رکھو رب کی مدد بہت ہی قریب ہے یعنی یہ صرف امتحان ہے ادھر تم نے ثابت قدمی دکھائی ادھر رب کی مدد آئی۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ سچا ہے فرماتا ہے کہ ان اصحاب پر رسول ﷺ کا ایمان اپنے مخالفین کی اس قدر زبردست جمعیت دیکھ کر اور بڑھ گیا۔ یہ اپنے ایمان میں اپنی تسلیم میں اور بڑھ گئے۔ یقین کامل ہو گیا فرمانبرداری اور بڑھ گئی۔ اس آیت میں دلیل ہے ایمان کی زیادتی ہونے پر۔ بہ نسبت اوروں کے ان کے ایمان کے قوی ہونے پر جمہور ائمہ کرام کا بھی یہی فرمان ہے کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے۔ ہم نے بھی اس کی تقریر شرح بخاری کے شروع میں کر دی ہے واللہ الحمد والمنة۔ پس فرماتا ہے کہ اس کی تنگی ترشی نے اس سختی اور تنگ حالی نے اس حال اور اس نقشہ نے انکا جو ایمان اللہ پر تھا اسے اور بڑھا دیا اور جو تسلیم کی خُو ان میں تھی کہ اللہ رسول کی باتیں مانا کرتے تھے اور ان پر عامل تھے اس اطاعت میں اور بڑھ گئے۔

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ ۙ

منافقوں کے مقابلے میں سچے مسلمانوں کا رویہ و نمونہ:

منافقوں کے مقابلے میں سچے اہل ایمان کا رویہ و نمونہ اور ان کا ایمان افروز اعلان و بیان یہ تھا کہ انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھتے ہی کہا کہ اسی کا وعدہ فرمایا تھا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے۔ بالکل سچا اور درست وعدہ فرمایا تھا۔ اور اس سے ان کے جذبہ تسلیم درضا میں اور بھی اضافہ ہوا۔ یعنی یہ کہ راہ حق میں تمہاری آزمائش ضرور ہوگی مگر غلبہ بہر حال تمہارا ہی ہوگا

اور اگر تم نے ثابت قدمی دکھائی تو اللہ پاک ضرور تمہاری نصرت و امداد فرمائے گا۔ جیسا کہ سورہ بقرہ آیت نمبر 214 اور عنکبوت آیت نمبر 322 وغیرہ مختلف مقامات پر فرمایا گیا ہے۔ نیز بعض روایات کے مطابق حضرت یونسؑ نے صحابہ کرام - رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ان احزاب کی حملہ آوری سے پہلے یہ بھی فرمایا تھا کہ آئندہ چند ہی دنوں میں دشمن کی فوجیں تم پر حملہ آور ہوں گی مگر اللہ پاک ایک آندھی بھیج کر اور ان پر رعب ڈال کر ان کو بھگا دے گا۔ سو یہ سب کچھ اس وعدے کے عموم میں داخل ہے۔ بہر کیف منافقین کے مقابلے میں یہ سچے اور مخلص مسلمانوں کا تاثر اور ان کا نمونہ درود یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے ان حملہ آور دشمنوں کو دیکھتے ہی اپنے ساتھیوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ یہ تو وہی امتحان ہمیں پیش آ رہا ہے جس کی خبر ہمیں اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول نے دی تھی اور اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ بالکل سچا ثابت ہوا۔ پس جو لوگ اس مرحلے میں ثابت قدم رہیں گے وہ آئندہ ظہور میں آنے والے وعدوں کی صداقت بھی دیکھ لیں گے اور وقت آنے پر مسلمان قیصر و کسرلی کے خزانوں کے بھی مالک ہوں گے۔ سو ایمان و یقین کی دولت دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والی دولت ہے۔

اس واقعے سے سچے ایمانداروں اور منافقوں کا ایک ہی واقعہ پر تاثر اور ان کا رد عمل تھا جو اوپر گزرا کہ منافقوں نے مشکل اور آزمائش کے اس موقع پر کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدے ہم سے کیے تھے وہ سب فریب تھے۔ والعیاذ باللہ۔ اور مؤمنوں کا یہ جواب یہاں بیان فرمایا جا رہا ہے کہ انہوں نے دشمنوں کے لشکروں کو دیکھتے ہی کہا کہ یہی تو وہی امتحان ہے جس کی خبر اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں دی تھی اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے۔ سچ ہے کہ۔ بارہا کہ در لطافت طبعش خلاف نیست۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس۔ سو ایک ہی واقعہ اہل ایمان کے ایمان و یقین میں اضافہ اور ترقی کا باعث بنا اور منافقوں کے نفاق اور ان کی محرومی میں اضافے کا باعث۔ سو صدق و اخلاص اور ایمان و یقین کی دولت دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور کفر و نفاق محرومی و ہلاکت کا ذریعہ۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ صدق و اخلاص اور ایمان و یقین کی دولت سے سرفراز رکھے اور نفاق اور کھوٹ کے ہر شاخے سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔

آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا ...

اس کے بعد مؤمنین صحابہؓ کی تعریف فرمائی کہ جب انہوں نے کافروں کے گروہوں کو دیکھ لیا کہ وہ باہمی مشورے کر کے آگے ہیں تو انہوں نے کہا: هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ (یہ وہ ہے جس کا اللہ نے اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا تھا) یعنی اہل ایمان کی جانچ اور امتحان کا جو قرآن کریم میں کئی جگہ ذکر ہے اسی میں ایک یہ بھی امتحان و ابتلا ہے، دشمنوں کی آمد اہل ایمان کے لیے ایمان میں اضافہ کا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو زیادہ بشارت کے ساتھ تسلیم کرنے کا سبب بن گئی، سورہ بقرہ میں امتحان کا ذکر فرمایا ہے: (وَلْتَبْلُوْا نَفْسَكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ) (الآیہ) اور سورہ آل عمران میں فرمایا ہے: (أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الظَّالِمِينَ) اور سورہ عنکبوت میں فرمایا ہے: (الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الدُّنْيَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ) اور فرمایا: (وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ) ان آیات میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے کہ اہل ایمان کا امتحان ہوگا اور مؤمنین و منافقین الگ الگ

پہچان لیے جائیں گے۔

اس کے بعد ان مؤمنین کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے ایمان والے عام عہد اور اقرار کے علاوہ بھی کچھ عہد زائد کیا تھا، ان کے لیے فرمایا کہ بعض نے تو اپنی نذر پوری کر دی یعنی معاہدہ کے مطابق جہاد میں شرکت کر کے شہید ہو گئے، ان کے بارے میں **فَبَهُمْ مَن قَتَلْتُمْ نَحْبَهُ فَرَمَايَا۔** اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں کہ جب موقع ہوگا اپنی جان کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیں گے۔

یہاں مفسرین کرام نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جو حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ میرے چچا انس بن النضرؓ غزوہ بدر کی شرکت سے رو گئے تھے انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہؐ آپ کا مشرکین سے جنگ کرنے کا یہ پہلا موقع تھا میں جس میں شریک نہ ہوا، اب اگر اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جنگ کرنے کا موقع دیا تو میں جان جو کھوں میں ڈال کر دکھا دوں گا۔ جب غزوہ احد کا موقع آیا تو یہ اس میں شریک ہو گئے اور مسلمانوں کو جب ظاہری شکست ہو گئی تو بارگاہ الہی میں عرض کیا کہ ایمان والوں نے جو کچھ کیا میں اس کی معذرت پیش کرتا ہوں اور مشرکین نے جو کچھ کیا میں اس سے برأت ظاہر کرتا ہوں، یہ کہہ کر آگے بڑھے مشرکین کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت سعد بن معاذؓ سے ملاقات ہو گئی اور ان سے کہا میرے رب کی قسم! مجھے احد کے درے جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اس کے بعد لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب ان کی نعش ملی تو چونکہ مشرکین نے ان کے ناک کان کاٹ دیئے تھے جس سے چہرہ بدل گیا تھا اس لیے انہیوں کے پوروں سے ان کی بہن نے انہیں پہچانا، شمار کیا تو دیکھا کہ ان کے جسم پر اسی سے کچھ اوپر تلوار، نیزہ اور تیر کے زخم تھے ہم سمجھتے تھے کہ یہ آیت یعنی **مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِمْ** حضرت انس بن نضر اور ان جیسے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ (ذکرہ ابنہوی فی معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۶، و ذکرہ البخاری فی کتاب التفسیر من جامع ج ۲ ص ۷۰۵ قال انس بن مالک نزلت غداً فی نزولت فی انس بن نضر)

حضرت انس بن مالکؓ نے جو فرمایا کہ یہ آیت انس بن نضر اور ان جیسے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان اصحاب کے اسمائے گرامی جو مفسرین نے لکھے ہیں ان میں سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ ہیں، بعض روایات میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو یہ بات پسند کرے کہ کسی ایسے شخص کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھے جس نے اپنی نذر پوری کر دی ہو تو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھے (معالم التنزیل) حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ غزوہ احد اور غزوہ احزاب میں شہید نہیں ہوئے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں **مَن قَتَلْتُمْ نَحْبَهُ** کا مصداق بتایا کیونکہ انہوں نے غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو دشمنوں کے تیروں سے اپنے ہاتھ کے ذریعہ بچایا تھا یعنی ذوالحال کی جگہ اپنے ہاتھوں سے کام لیا تھا جس کی وجہ سے ان کا ہاتھ شل ہو گیا تھا اور ان کے جسم میں ستر سے کچھ اوپر زخم آ گئے تھے، اپنی طرف سے تو انہوں نے نذر پوری کر ہی دی اور شہید ہونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی دی اور جنگ جمل کے موقع پر ۳ ہجری میں شہید ہوئے۔ صحابہ کرام کے دشمن ذرا غور تو کریں کہ انہوں نے کیسی کسی قربانیاں دی ہیں؟ **وَمِنْهُمْ مَّن يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا** (اور بعض وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے کچھ بھی تبدیلی نہیں

کی یعنی جو حضرات ابھی زندہ ہیں اور شہادت کے منتظر ہیں اور اپنے عہد پر قائم ہیں اپنے عزم کو انہوں نے ذرا بھی نہیں بدلا،
وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا

اس سے اس نتیجہ و انجام کو بیان فرمادیا گیا جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل و اعتماد کے نتیجے میں، اس جنگ، یعنی غزوہ احزاب میں ظاہر ہوا، کہ کافر لوگ جس طرح حق اور اہل حق کے خلاف دشمنی و عداوت اور بغض و عناد کے ساتھ بھرے ہوئے آئے تھے۔ اسی طرح اس بغض و عناد کی آگ کے ساتھ بھرے ہوئے واپس لوٹے اس کے کچھ حصے کو بھی یہ لوگ اپنے اندر سے نہ نکال سکے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف وہ جو بڑے بڑے منصوبے لے کر آئے تھے ان میں سے کسی میں بھی ان کو کسی بھی طرح کی کوئی کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ اور اس لڑائی میں اللہ خود ہی مسلمانوں کو کافی ہو گیا۔ ان کو کوئی لڑائی لڑنی ہی نہیں پڑی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کے دشمنوں کے پاؤں اکھاڑنے کیلئے ہاد تند و تیز بھیج دی۔ اور ان کی مدد کیلئے آسمان سے فرشتوں کے لشکر اتار دیئے۔ آیت کریمہ کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی قوت والا، انتہائی زبردست ہے وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے اس کیلئے نہ کچھ مشکل ہو سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ پس جو لوگ صدق دل سے اس پر بھروسہ کریں گے اور اسی کے بھروسے پر اس کی راہ میں انھیں گے وہ ان کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ بلکہ عناصر کائنات کو ان کی مدد میں لگا دیگا۔ اور ان کی مدد کیلئے وہ ملائکہ کی فوج بھیج دیگا،
وَ أَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ ...

اہل کتاب کو غداری کی سزا مل گئی اور اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرمادیا:

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ مدینہ منورہ میں پہلے سے یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے، جب رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں کے تمام رہنے والوں کے درمیان ایک معاہدہ کروادیا جس میں خود آپ ﷺ بھی مہاجرین و انصار کے ساتھ شریک تھے اور یہودیوں کے تینوں قبیلوں کو بھی شریک فرمایا تھا۔ اس معاہدے میں جو باتیں لکھی گئی تھیں ان میں یہ بھی تھا کہ آپس میں جنگ نہ کریں گے اور یہ کہ مدینہ منورہ پر کوئی دشمن حملہ آور ہوگا تو سب مل کر دفاع کریں گے، ان میں سے بنی قریظہ نے غزوہ بدر کے بعد ہی اس عہد کو توڑ دیا تھا جس کی سزا انہیں مل گئی۔ ان کے بعد قبیلہ بنی نضیر نے عہد توڑا جنہیں ۴ھ میں مدینہ منورہ سے جلا وطن کر دیا گیا اور وہ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے اور وہاں بس جانے کے بعد قریش مکہ اور بنی غطفان وغیرہم کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا جس کے نتیجے میں غزوہ احزاب پیش آیا، اب صرف قبیلہ بنو قریظہ مدینہ منورہ میں باقی رہ گیا تھا جو اپنے عہد پر قائم تھا، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا بنی نضیر کو جب مدینہ منورہ سے جلا وطن کر دیا گیا تو انہوں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر قریش مکہ اور بنی غطفان کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف ابھارا اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا اور یہ عزم لے کر چلے کہ مسلمانوں کو بالکل ختم ہی کر دینا ہے۔ جن یہودیوں نے قریش مکہ اور بنو غطفان وغیرہم کو اس کے لیے آمادہ کیا تھا ان میں جی بنی نضیر کا سردار تھا، جب یہ دشمنان اسلام کی جماعتوں کو لے کر مدینہ منورہ پہنچا اور خندق کے باہر پڑاؤ ڈالنا پڑا تو وہ موقع پا کر بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا اور اسے عہد شکنی پر آمادہ کرنے

کی کوشش کی، کعب بن اسد نے اول تو اپنے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور ابن اخطب کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی اور یہ کہہ کر عہد شکنی سے انکار کر دیا کہ محمد ﷺ سے میرا معاہدہ ہے میں نے ان کی طرف سے وفائے عہد اور سچائی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا لہذا میں عہد شکنی نہیں کروں گا، لیکن ابن اخطب برابر اصرار کرتا رہا اور باتیں بنا تا رہا، کعب بن اسد نے کہا کہ اچھا اگر قریش مکہ اور بنی غطفان نامراد ہو کر واپس ہو گئے اور محمد ﷺ صحیح سالم مدینہ منورہ میں رہ گئے تو تیرا اور ہمارا کیا معاملہ بنے گا؟ ابن اخطب نے کہا کہ میں تیرے ساتھ تیرے قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا پھر جو تیرا حال بنے گا میں بھی اسی میں تیرا ساتھی رہوں گا، یہ بات سن کر کعب بن اسد نے معاہدہ توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ سے جو معاہدہ کیا تھا اس سے بری ہو گیا۔

جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور عبد اللہ بن رواحہ اور خواتین بن جبیرؓ کو بھیجا کہ جاؤ تحقیق حال کرو، یہ حضرات بنو قریظہ پہنچے تو دیکھا کہ وہ واقعی عہد توڑ چکے ہیں، ان حضرات نے واپس ہو کر رسول اللہ ﷺ کو اصل صورت حال سے مطلع کر دیا، اس کے بعد جب قریش مکہ اور بنی غطفان وغیرہم ناکام واپس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ شہر مدینہ منورہ میں واپس تشریف لے آئے اور ہتھیار رکھ کر غسل فرمایا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ہتھیار رکھ دیئے؟ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اللہ کی قسم ہم نے تو ہتھیار نہیں رکھے، اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں میں بھی ان کی طرف جا رہا ہوں میں ان کے قلعوں میں زلزلہ لاؤں گا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے اور مسلمانوں کے پاس خبر بھیج دی کہ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں اور وہیں جا کر عصر کی نماز پڑھیں، حضرات صحابہ کرامؓ روانہ ہوئے بعض نے یہ سمجھ کر راستہ میں عصر کی نماز پڑھ لی کہ وقت ختم ہو رہا ہے، انہوں نے آپ کے ارشاد کا یہ مطلب سمجھا کہ نماز پڑھ لی جائے تاکہ نماز قضاء نہ ہو اور بعض حضرات نے نماز قضاء کر دی اور وہیں جا کر پڑھی، ان حضرات نے ظاہر حکم کو دیکھا اور اپنی طرف سے اس کا کوئی مفہوم تجویز نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ نے دونوں جماعتوں میں سے کسی کو بھی ملامت نہیں کی۔

اس سے علماء نے یہ اخذ کیا ہے کہ مجتہدین کرام کا اختلاف (جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں) منکر نہیں ہے، ہر مجتہد کو اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں ثواب ملتا ہے۔

بنی قریظہ کا قبیلہ مدینہ منورہ سے باہر تین چار میل کے فاصلے پر رہتا تھا، رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ [ان کے علاقوں میں پہنچ گئے اور وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے، آپ ﷺ نے پچیس دن تک ان کا محاصرہ فرمایا۔ یہ محاصرہ ان کے لیے مصیبت بن گیا ان سے کعب بن اسد نے کہا کہ دیکھو میں تم پر تین باتیں پیش کرتا ہوں جس کو چاہو قبول کر لو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم سب مل کر محمد ﷺ پر ایمان لے آئیں اور آپ ﷺ کی تصدیق کر لیں، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم پر یہ بات کھل چکی ہے کہ یہ واقعی نبی ہیں اور رسول ہیں اور ان کی شخصیت وہی ہے جن کا تم اپنی کتاب یعنی تورات شریف میں ذکر پاتے ہو، اگر ایسا کر لو گے تو تمہاری جانیں اور تمہاری اولاد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے اموال سب محفوظ ہو جائیں گے، یہ سن کر وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم اپنا دین نہیں چھوڑ سکتے۔ کعب بن اسد نے کہا کہ اگر تم اس رائے کو قبول نہیں کرتے تو دوسری رائے یہ ہے کہ ہم سب

اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیں اور محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کی طرف ننگی تلواریں لے کر نکل جائیں، پھر اللہ کا جو فیصلہ ہو وہ ہو جائے گا اگر ہم سب ہلاک ہو گئے تو بال بچوں کی طرف سے کوئی فکر نہ رہے گی، اور اگر ہم نے غلبہ پالیا تو اور عورتیں مل جائیں گی اور اولاد بھی پیدا ہو جائے گی، یہ بات سن کر اس کی قوم کے لوگ بولے کہ ان مسکینوں کو اگر ہم قتل کر دیں تو ان کے بعد زندگی کا کیا مزہ ہے؟ کعب بن اسد نے کہا تیسری صورت یہ ہے کہ آج لیلۃ السبت ہے یعنی سنیچر کی رات ہے، قلعوں سے اتر کر ہم محمد ﷺ اور ان کے اصحاب پر چپکے سے حملہ کر دیں، ہو سکتا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ہمارے حملہ سے غافل ہوں کہ آج لیلۃ السبت ہے ہم ان پر حملہ نہ کریں گے، کعب بن اسد کی یہ رائے بھی ان کی قوم نے قبول نہیں کی اور کہنے لگے کہ ہم سنیچر کے دن کو کیوں خراب کریں۔

اس کے بعد بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس ابولبابہؓ کو بھیج دیجیے، یہ انصاری صحابی تھے، ان کا قبیلہ زہرہ نہ جاہلیت میں بنو قریظہ کا حلیف تھا، یہود بنو قریظہ نے انہیں مشورہ لینے کے لیے طلب کیا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھیج دیا، جب یہود کی ان پر نظر پڑی تو ان کی عورتیں اور بچے ابولبابہ کے سامنے رونے لگے، یہودیوں نے ان سے مشورہ لیا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا ہم محمد ﷺ کے فیصلہ پر قلعے سے نیچے اتر آئیں؟ حضرت ابولبابہؓ نے رائے تو دے دی کہ ہاں اتر آؤ اور ساتھ ہی اپنے حلق کی طرف اشارہ کر دیا یعنی یہ بتا دیا کہ تم ذبح کر دیے جاؤ گے، اشارہ تو کر دیا لیکن اسی وقت دل میں یہ بات آگئی کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کی ہے، یہ سوچا اور سیدھے مسجد نبی میں حاضر ہوئے اور مسجد کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا اور کہنے لگے کہ میں اس جگہ سے نہ ٹلوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ فرمائے۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ سورۃ الانفال کی آیت: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنِيَّتَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ) کا سبب نزول حضرت ابولبابہؓ ہی کا واقعہ ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے میں دیر ہوئی اور آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایسا واقعہ پیش آیا ہے تو آپ نے فرمایا اگر وہ میرے پاس آ جاتا تو میں اس کے لیے اللہ سے استغفار کر دیتا، اب اس نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے تو اب میں نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمائے۔ چھ دن تک وہ ستون سے بندھے رہے، ہر نماز کے وقت ان کی بیوی آتی تھی اور نماز کے لیے کھول دیتی تھی، نماز سے فارغ ہو کر وہ پھر اپنے آپ کو ستون سے باندھ لیتے تھے، اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی توبہ کے بارے میں سورۃ توبہ کی آیت (وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنْ اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ) جب ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان ہو گیا (جو سحر کے وقت ہوا تھا) تو لوگ انہیں کھولنے کے لیے دوڑے، انہوں نے کہا کہ میں تمہارے ہاتھوں سے نہیں کھلوں گا رسول اللہ ﷺ ہی کھولیں گے تو میں کھلنا منظور کروں گا پھر جب رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے لیے باہر تشریف لائے تو ان کو کھول دیا۔

بنو قریظہ طول محاصرہ سے بلبلا اٹھے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اب مقابلہ کا کوئی راستہ نہیں تو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی ہو گئے یعنی یہ کہلوا بھیجا کہ آپ جو بھی فیصلہ فرمائیں ہمیں منظور ہے۔

جب وہ لوگ آپ کے فیصلے پر راضی ہو گئے تو قبیلہ اوس کے اشخاص آگے بڑھے (جو انصار میں سے تھے) انہوں نے

عرض کیا کہ یہ ہمارے حلیف تھے ان کا معاملہ ہمارے سپرد فرما دیجیے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا فیصلہ تم میں سے ایک شخص کے سپرد نہ کر دو؟ کہنے لگے کہ جی ٹھیک ہے، آپ نے فرمایا میں ان کا فیصلہ سعد بن معاذ کے سپرد کرتا ہوں۔ (حضرت سعد بن معاذ قبیلہ بنی اوس کے سردار تھے۔)

پہلے گزر چکا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ دشمنوں کے مقابل اپنے صحابہ کے ساتھ جبل سلع کے قریب قیام پذیر تھے اور مقابلہ تقریباً ایک ماہ تک تھا اس وقت حضرت سعد بن معاذ کی ایک رگ میں (جسے عربی میں اکمل کہتے ہیں) ایک تیرا کر کا جس کی وجہ سے ان کو تکلیف ہو گئی انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ زخم جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے لہذا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک بنی قریظہ کا انجام دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں رفیدہ نامی ایک عورت کے خیمہ میں ٹھہرا دیا تھا جب آپ نے ان کو بنی قریظہ کا فیصلہ سپرد فرما دیا تو انہیں بلایا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے ان کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ اپنے سید کے لیے کھڑے ہو جاؤ (چونکہ وہ مریض تھے اور انہیں سواری سے اتارنے کی ضرورت تھی اس لیے آپ ﷺ نے کھڑے ہونے کا اور ان کی مدد کرنے کا حکم فرمایا) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہود بنی قریظہ تمہارے فیصلہ پر راضی ہو گئے ہیں (راضی تو ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر، پھر جب انصار کے قبیلہ بنی اوس نے کہا کہ ان کا معاملہ ہمارے سپرد کر دیجیے تو آپ ﷺ نے سعد بن معاذ کے سپرد فرما دیا، اس سے یہود بھی خوش ہوئے کیونکہ یہ ان کے حلفاء میں سے تھے اور خود ان کے اپنے قبیلہ کے لوگ بھی خوش ہوئے اور ان سے کہتے رہے کہ اپنے حلفاء کے بارے میں اچھا فیصلہ کرنا) حضرت سعد بن معاذ نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ جو لوگ جنگ کرنے کے لائق ہیں ان سب کو قتل کر دیا جائے اور مال تقسیم کر دیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے، جب انہوں نے اپنا یہ فیصلہ دے دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے وہ فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

اس کے بعد مدینہ منورہ کے بازار میں خندقیں کھودی گئیں، بنو قریظہ کی جماعتیں وہاں پہنچائی جاتی رہیں اور ان کی گردنیں ماری جاتی رہیں، ان مقتولین میں جی بنی اخطب بھی تھا اور کعب بن اسد بھی، جو بنو قریظہ کا سردار تھا جس نے بنو قریظہ پر تین ہاتھ پیش کی تھیں ان کی پیشکش پر قوم مسلمان نہ ہوئی تو اس نے بھی اسلام قبول نہ کیا۔ یاد رہے کہ جی بنی اخطب وہی شخص ہے جو اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ معظمہ پہنچا تھا اور قریش مکہ اور بنو عطفان کو مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے پر آمادہ کیا تھا اور اسی نے کعب بن اسد کو نقض عہد پر آمادہ کیا تھا اور آخر میں یوں کہا تھا کہ اگر ان جماعتوں کو شکست ہوئی، جو باہر سے آئی ہیں تو میں بھی تیرے ساتھ قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا اور جو مصیبت تم لوگوں کو پہنچے گی میں بھی اس میں شریک رہوں گا، اسی عہد کی وجہ سے وہ واپس خیر نہیں گیا جہاں بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا تھا اور بنی قریظہ کے ساتھ یہ بھی مقتول ہوا۔ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ طاہرہ حضرت صفیہ کا والد بھی تھا جنہیں ۷ ہجری میں غزوہ خیبر کے موقع پر قید کر کے لایا گیا تھا۔

بنی قریظہ میں سے صرف ایک عورت کو قتل کیا گیا اور باقی جو مقتولین تھے حضرت سعد بن معاذ کے فیصلہ کے مطابق سب مرد تھے، جس عورت کو قتل کیا گیا اس نے حضرت خلد بن سویڈ پر ہتھی کی کا پاٹ گرا دیا تھا جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئے تھے، بنی قریظہ میں سے حضرت عطیہ قرظی کو بھی قتل نہیں کیا گیا کیونکہ وہ اس وقت تک بلوغ کی حد کو نہیں پہنچے تھے۔

فیصلہ یہ ہوا کہ جس کے زیر ناف بال نکل آئے ہوں اسے بالغ سمجھا جائے اور قتل کر دیا جائے اور جس کے بال نہ نکلے ہوں اسے قتل نہ کیا جائے۔ حضرت عطیہ قرظیؓ نے بتایا کہ میرے بال اگنے کی جگہ پر نظر ڈالی گئی تو دیکھا کہ میرے بال نہیں نکلے ہیں لہذا مجھے چھوڑ دیا گیا اور قیدیوں میں شامل کر دیا گیا یہ بات انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بتائی تھی۔ بنی قریظہ کے کتنے افراد قتل کیے گئے؟ اس میں تین قول ہیں (۱) چھ سو (۲) سات سو (۳) آٹھ سو اور نو سو کے درمیان۔

یہود میں سے چند ایسے لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا جو بنی قریظہ میں سے تھے اور نہ بنی نضیر میں سے تھے، جس رات بنی قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہونے کا اعلان کیا اسی وقت یہ لوگ مسلمان ہوئے، ان کے نام یہ ہیں: ثعلبہ بن سعید، اسد بن سعید، اسد بن عبید، یہ لوگ بنی بحدل میں سے تھے۔

بنی قریظہ کے مردوں کو رسول اللہ ﷺ نے قتل فرما دیا اور ان کے مال اور ان کی عورتوں اور بچوں کو مال غنیمت بنا کر مجاہدین میں تقسیم فرما دیا اور ان کے اموال سے خمس یعنی ۱/۵ نکال دیا جیسا کہ مال غنیمت تقسیم کرنے کا طریقہ ہے۔ بنی قریظہ میں سے جن بچوں اور عورتوں کو قیدی بنایا تھا ان میں سے بعض کو مجد کی طرف بھیج دیا، حضرت سعد بن زید انصاریؓ آپ ﷺ کے حکم سے انہیں لے گئے اور انہیں بیچ کر گھوڑے اور ہتھیار خرید لیے تاکہ جہاد میں مسلمانوں کے کام آئیں۔

جب بنی قریظہ کا معاملہ ختم ہوا یعنی انہیں قتل کر دیا گیا تو حضرت سعد بن معاذؓ کا زخم جاری ہو گیا اور خون بہتا رہا جو ان کی موت کا ظاہری سبب بن گیا، چونکہ یہ زخم انہیں جہاد کے موقع پر تیر لگنے کی وجہ سے آ گیا تھا اس لیے ان کی یہ موت شہادت کی موت ہوئی۔ حضرت سعدؓ کا بدن بھاری تھا جب ان کا جنازہ اٹھا کر لے جانے لگے تو ہلکا محسوس ہوا، بعض لوگوں نے کہا کہ اس شخص کا بدن تو بھاری تھا جنازہ اتنا ہلکا کیوں ہے؟ یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا جنازہ کو اٹھانے والی تمہارے علاوہ دوسری مخلوق بھی تھی، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے فرشتوں کو سعدؓ کی روح پہنچنے پر خوشی ہوئی اور ان کے لیے عرش بھی متحرک ہو گیا۔

حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ ہم سعد بن معاذؓ کی وفات کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی پھر جب انہیں دفن کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے دیر تک تسبیح پڑھی پھر تکبیر پڑھی، اس پر ہم نے بھی تکبیر پڑھی اور عرض کیا کہ آپ نے پہلے تسبیح پڑھی پھر تکبیر پڑھی اس کی کیا وجہ تھی؟ آپ نے فرمایا اس نیک بندہ پر اس کی قبر تک ہو گئی تھی (میں برابر تسبیح پڑھتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مشکل دور فرمادی) اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے لیے عرش متحرک ہو اور آسمان کے دروازے کھولے گئے اور ستر بزا فرشتے حاضر ہوئے، قبر میں اس کو کچھ دبایا گیا پھر تکلیف دور کر دی گئی۔ (جب حضرت سعد بن معاذؓ کو زمین نے دبایا جو شہید ہو گئے تھے تو دوسرے لوگ اپنے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں جو نماز نہیں پڑھتے اور گناہوں میں لت پت ہیں۔)

نزوہ بنی قریظہ کا منصل قصہ بیان کر دیا گیا ہے جو میرت ابن ہشام سے ماخوذ ہے، ان میں سے بعض چیزیں کتب حدیث میں بھی ملتی ہیں۔ تفصیل کے ساتھ پورا واقعہ پڑھنے کے بعد آیت بالا کے ترجمہ پر دوبارہ نظر ڈال لیں۔

ممکن ہے بعض قارئین کو یہ اشکال ہو کہ بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو معاہدہ کر رکھا تھا اسے انہوں نے توڑ دیا

تھا جس کی سزا پائی لیکن ابوسفیان نے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے یہ کیوں کہا کہ قریش وغیرہ کے ساتھ جو عہد کیا تھا، بنو قریظہ اس عہد کو توڑ چکے ہیں حالانکہ (من فؤدکم) کی تفسیر میں یہ بتایا گیا ہے کہ ادپر کی جانب سے بنی قریظہ آگئے تھے اور ان لوگوں کو جی بنی قریظہ نے اپنے ساتھ مانے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ کر لیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو قریظہ قریش کے ساتھ تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ بنی قریظہ نے قریش مکہ کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کا وعدہ تو کر لیا تھا لیکن نعیم بن مسعود کی ایک تدبیر سے بنو قریظہ مشرکین مکہ اور ان کے ساتھیوں کی امداد سے بھی پھر گئے تھے، ہوا یہ کہ نعیم بن مسعود نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے لیکن میری قوم کو اس کا پتہ نہیں ہے آپ مجھے جو کچھ حکم فرمائیں میں حاضر ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کوئی ایسی صورت نکالو جس سے یہ جماعتیں ایک دوسرے کی مدد سے منحرف ہو جائیں۔ حضرت نعیم بن مسعود بنی قریظہ کے پاس گئے جاہلیت میں تو ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا تھا ان سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے میری تمہاری کیسی دوستی ہے درکیسے خصوصی تعلقات ہیں؟ بنو قریظہ نے جواب میں کہا کہ واقعی تم ہمارے دوست ہو ہم اس بات کو مانتے ہیں اس پر ان سے فرمایا کہ دیکھو قریش اور بنی غطفان تمہاری طرح سے نہیں ہیں تم شہر مدینہ میں رہتے ہو اس میں تمہارے اموال ہیں، بچے ہیں، عورتیں ہیں، اس شہر کو چھوڑ کر تم کہیں نہیں جا سکتے، رہے قریش اور بنی غطفان سو وہ محمد رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے آئے ہیں اور تم ان کی مدد کر رہے ہو، اب دیکھو بات یہ ہے کہ انہیں اگر موقع مل گیا تو غلبہ پالیں گے اور اگر شکست ہو گئی تو اپنے شہروں کو چلے جائیں گے، اس کے بعد تم بے یار و مددگار رہ جاؤ گے، اور محمد رسول اللہ ﷺ سے مقابلہ کرنے کی تم میں طاقت نہیں ہے، لہذا میری رائے یہ ہے کہ تم قریش مکہ سے یوں کہو کہ تم لوگ اپنے سرداروں کو بطور رہن ہمارے پاس چھوڑ دو، اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ لوگ تمہیں چھوڑ کر بھاگ نہ سکیں گے انہیں اپنے آدمیوں کی نگر لائق ہوگی، یہ بات سن کر بنو قریظہ نے کہا واقعی تمہاری رائے تو ٹھیک ہے۔

اس کے بعد نعیم بن مسعود قریش کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ یہودی اس بات پر پچھتا رہے ہیں کہ انہوں نے تمہارا ساتھ دینے کا وعدہ کیا اور محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو معاہدہ تھا وہ توڑ دیا، اب انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس خبر بھیجی ہے کہ آپ ہم سے اس بات پر راضی ہو جائیں کہ ہم قریش اور بنی غطفان کے سرداروں پر قبضہ کر کے آپ کے پاس بھیج دیں اور آپ ان کی گردنیں مار دیں اس کے بعد ہم آپ کے ساتھ مل کر ان لوگوں کو بالکل ہی ختم کر دیں گے، اور ساتھ ہی قریش اور بنی غطفان سے یہ بھی کہا کہ دیکھو اگر یہودی تم سے یہ مطالبہ کریں کہ بطور رہن ہمیں اپنے آدمی دے دو تو تم بات مت ماننا اور انہیں اپنا ایک آدمی بھی نہ دینا پھر حضرت نعیم بن مسعود بنی غطفان کے پاس آئے اور ان سے بھی یہی کہا کہ دیکھو تمہارے سرداروں میں سے یہودی بطور رہن کچھ افراد طلب کریں گے تم اپنا ایک شخص بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔

اس کے بعد ابوسفیان نے اور بنی غطفان کے چودھریوں نے بنی قریظہ کے پاس عکر مہ بن ابی جہل کو قریش و غطفان کے چند افراد کے ساتھ پیغام دے کر بھیجا انہوں نے یہود سے کہا کہ دیکھو ہمارے ٹھہرنے کا موقع نہیں رہا، ہمارے پاس جو اونٹ اور گھوڑے تھے وہ ہلاک ہو چکے ہیں، آؤ صبح سب مل کر یکبارگی محمد ﷺ پر حملہ کر دیں اور معاملہ کو منسود کریں، یہودیوں نے

جواب میں کہا کہ ہم اس وقت تک تمہارا ساتھ نہیں دیں گے جب تک تم اپنے چند آدمی بطور رہن ہمیں نہ دے دو، جب تمہارے آدمی ہمارے ساتھ ہوں گے تو ہمیں بھروسہ رہے گا، ہمیں ڈر ہے کہ تم لوگ لڑائی میں شکست کھا گئے تو ہمیں چھوڑ کر اپنے شہروں کو بھاگ جاؤ گے، جب یہ لوگ بنی قریظہ کا جواب لے کر قریش اور بنی عطفان کے پاس واپس پہنچے تو کہنے لگے کہ واقعی نعیم بن مسعود نے سچ کہا تھا کہ بنو قریظہ تم سے بطور رہن آدمی طلب کریں گے، اس پر قریش اور بنی عطفان نے بنی قریظہ کو نکالنا جواب دیا کہ ہم اپنا ایک شخص بھی تمہیں نہیں دیں گے، لہذا بنو قریظہ نے جواب دے دیا کہ ہم اس کے بغیر محمد ﷺ سے جنگ نہیں کر سکتے لہذا اب صورت حال یہ پیدا ہو گئی کہ بنو قریظہ نے وہ معاہدہ بھی توڑ دیا جو رسول اللہ ﷺ سے کر رکھا تھا اور قریش و بنی عطفان کی مدد سے بھی دستبردار ہو گئے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی تلوار کی زد سے بھی نہ بچ سکے۔ نعیم بن مسعود کی یہ تدبیر ابن ہشام نے لکھی ہے، اور حافظ ابن کثیر نے بھی ”الہدایہ والنہایہ“ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ (قولہ تعالیٰ: مِنْ صَيِّأِيهِمْ اى من حصونهم جمع صيصة وهي كل ما يمتنع به ويقال لقرن الثور والظباء ولشوكه الديك التي في رجله كالقرن الصغير، وتطلق الصياصي على الشوك الذي للنساجين ويتخذ من الحديد) (روح المعاني) (اللہ تعالیٰ کا قول مِنْ صَيِّأِيهِمْ یعنی ان کے قلعوں سے یہ صیصیہ کی جمع ہے اور یہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو رکاوٹ بنے اور تیل کے سینگ، مرغ کے ناخن کو بھی کہا جاتا ہے گویا کہ وہ چھوٹا سینگ ہے اور صیصیہ کا لفظ لوہے کے اس کانٹے پر بھی بولا جاتا ہے جو کپڑا بننے والوں کے پاس ہوتا ہے۔)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجَكُمْ وَهُنَّ تَسْعُ وَطَلَبْنَ مِنْهُ مِنْ زِينَةِ الدُّنْيَا مَا لَيْسَ عِنْدَهُ إِنْ كُنْتُمْ تُرِيدُونَ الْحَيَاةَ
الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ أَيْ مَتَّعَةَ الطَّلَاقِ وَأَسْرَحُكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ اُطْلِقُكُنَّ مِنْ غَيْرِ
ضَرَارٍ وَإِنْ كُنْتُمْ تُرِيدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالْأَخْرَجَ إِلَى الْجَنَّةِ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ
بِازْدَادَةِ الْآخِرَةِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ أَيْ الْجَنَّةِ فَاخْتَرْنَ الْآخِرَةَ عَلَى الدُّنْيَا لِيُنْسَأَ النَّبِيُّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ
بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ يَفْتَحُ الْبَيَاءَ وَكَسْرِهَا أَيْ بَيِّنَتْ أَوْ هِيَ بَيِّنَةٌ يُضَعْفُ وَفِي قِرَاءَةٍ يُضَعْفُ بِالتَّشْدِيدِ وَفِي
أُخْرَى يُضَعْفُ بِالتَّنْوِينِ مَعَهُ وَنَصَبِ الْعَذَابِ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۝ ضِعْفَيْنِ عَذَابٍ غَيْرِ هُنَّ أَيْ مِثْلِيهِ وَ
كَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝

توجہ فرمائیے: (اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرمادیجئے) نو بیویاں جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے ایسی آرائشی چیزوں کا مطالبہ کیا تھا جو آپ کے پاس نہیں تھیں (کہ اگر تم دنیاوی سجاوٹ اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دوں) (متحدہ طلاق) (خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دوں) (بغیر نقصان پہنچائے طلاق دیدوں) (اور اگر اللہ اور رسول اور آخرت) (جنت) کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک کرداروں کیلئے) جو طلب گار آخرت ہوں (اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے) یعنی چنانچہ ازواج

مطہرات نے دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دی (اے نبی کی بیویو! تم میں اگر کوئی کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی) لفظ مُبَيِّنَاتُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ کے فتح اور کسرہ کے ساتھ ہے یعنی بینت کی تاویل میں یا بینہ کی تاویل میں ہوگی (تو) ایک قرأت میں یضعف تشدید کے ساتھ ہے اور دوسری قرأت میں یضعف فون کے ساتھ اور لفظ عذاب منصوب ہے (اس کی دوسری سزا دی جائے گی) دوسری عورتوں کے مقابلہ میں دوگنی یعنی اوروں سے دوچند (اور یہ اللہ کے لئے بہت آسان ہے)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **مِنْكُمْ**: یہ من بیانہ ہے۔ تبعیضیہ نہیں کیونکہ تمام امہات محسنات تھیں۔

قوله: **بِفَاحِشَةٍ**: بڑا گناہ۔

قوله: **أَوْ هِيَ**: یعنی مبینہ، بینہ کے معنی میں ہے۔ (واضح)

تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأُزَوِّجَكُمُ...

امہات المؤمنین سے پرش! دین یاد نیا؟

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی بیویوں کو دو باتوں میں سے ایک کی قبولیت کا اختیار دے دیں۔ اگر تم دنیا پر اور اس کی رونق پر مائل ہوئی ہو تو آؤ میں تمہیں اپنے نکاح سے الگ کر دیتا ہوں اور اگر تم تنگی ترشی پر یہاں صبر کر کے اللہ کی خوشی رسول ﷺ کی رضامندی چاہتی ہو اور آخرت کی رونق پسند ہے تو صبر و سہار سے میرے ساتھ زندگی گزارو۔ اللہ تمہیں وہاں کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ اللہ آپ کی تمام بیویوں سے جو ہماری مائیں ہیں خوش رہے۔ سب نے اللہ کو اس کے رسول ﷺ کو اور دار آخرت کو ہی پسند فرمایا جس پر رب راضی ہوا اور پھر آخرت کے ساتھ ہی دنیا کی مسرتیں بھی عطا فرمائیں۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ اس آیت کے اترتے ہی اللہ کے نبی ﷺ میرے پاس آئے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ میں ایک بات کا تم سے ذکر کرنے والا ہوں تم جو اب میں جلدی نہ کرنا اپنے ماں باپ سے مشورہ کر کے جواب دینا۔ یہ تو آپ جانتے ہی تھے کہ ناممکن ہے کہ میرے والدین مجھے آپ سے جدائی کرنے کا مشورہ دیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے فوراً جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس میں ماں باپ سے مشورہ کرنے کی کوئی بات ہے۔ مجھے اللہ پسند ہے اس کے رسول ﷺ پسند ہیں اور آخرت کا گھر پسند ہے۔ آپ کی اور تمام بیویوں نے بھی وہی کیا جو میں نے کیا تھا اور روایت میں ہے کہ تین دفعہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ دیکھو بغیر اپنے ماں باپ سے مشورہ کیے کوئی فیصلہ نہ کر لینا پھر جب حضور ﷺ نے میرا جواب سنا تو آپ خوش ہو گئے اور ہنس دیئے، پھر آپ دوسری ازواج مطہرات کے حجروں

آسان ہے) ”واضح طور پر معصیت“ یہ لفظ بِفَاحِشَةٍ قُبَيْلَةٍ کا ترجمہ ہے۔ صاحب بیان القرآن نے اس کا ترجمہ کھلی ہوئی بیہودگی کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس سے وہ معاملہ مراد ہے جس سے رسول اللہ ﷺ تنگ اور پریشان ہوں۔ صاحب المعالم التقریل نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا یہی مطلب نقل کیا ہے، (فقال المراد بالفاحشة النشور وسوء الخلق) صاحب روح المعانی نے بھی بعض حضرات سے یہی تفسیر نقل کی ہے، (فقال وقيل: ذلك طلبهن ما يشق عليه الصلوة والسلام او ما يضيق به ذرعه ويغتم ﷻ لاجله) (یعنی بِفَاحِشَةٍ سے یہ مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی چیزیں طلب کی جائیں جس سے آپ تنگ دل ہوں اور آپ کو گھٹن محسوس ہو۔ اور بعض حضرات نے بِفَاحِشَةٍ قُبَيْلَةٍ کا ترجمہ (مَعْصِيَةٌ ظَاهِرَةٌ) کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ علی السبیل الفرض ہے کافی قولہ تعالیٰ: (لَمَنْ أَشْرَكَ كَمَا لِيَخْبَطُنَّ عَلَيْكَ)

یہ دو ہر اعذاب دیئے جانے کی وعید اس لیے ہے کہ جن کے مرتبہ بلند ہوتے ہیں ان کا مواخذہ زیادہ ہوتا ہے اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بعض ان چیزوں پر عتاب ہو جن پر دوسرے مؤمنین پر عتاب نہیں ہوتا۔ ایک جاہل شخص ایک عمل کرے اور کوئی عالم شخص اس عمل کو کر لے تو اس عالم کا مواخذہ جاہل کے مواخذہ سے زیادہ ہوتا ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام زین العابدینؑ سے کہہ دیا کہ آپ تو اہل بیت کے فرد ہیں جو بخشے بخشائے ہیں، اس پر وہ غصہ ہونے لگے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی ازواج کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے ہم اپنے کو اسی کا مستحق سمجھتے ہیں ہم میں سے جو محسن ہیں ان کے لیے دوہرے اجر کی امید رکھتے ہیں اور ہم میں سے جو شخص کوئی گناہ کرے اس کے لیے دوہرے عذاب کا اندیشہ رکھتے ہیں، اس کے بعد انہوں نے آیت کریمہ: يُنْسَأُ النَّبِيَّ مَنْ يَاتِ مِنْكُمْ اور اس کے بعد والی آیت وَ مَنْ يَفْعَلْ مِنْكُمْ شُرْكًَا يَفْعَلْ لِنَفْسِهِ عَذَابًا يُدْرِكُهُ الْاُولَئِكَ مَتَّعْنَاهُمْ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا قُلُوبَهُمْ وَ كَرَّمُوا قُلُوبَنَا وَ مَن يَفْعَلْ مِنْكُمْ شُرْكًَا يَفْعَلْ لِنَفْسِهِ عَذَابًا يُدْرِكُهُ الْاُولَئِكَ مَتَّعْنَاهُمْ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا قُلُوبَهُمْ وَ كَرَّمُوا قُلُوبَنَا

(روح المعانی جلد ۲۱: ص ۱۸۴)

۳۳

وَمَنْ يُقْنُطْ بَطْنٌ مِنْكُمْ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا تَوْبَتَهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ أَيْ مِثْلِي ثَوَابٍ غَيْرِ هُنَّ
 مِنْ نِسَاءِ وَفِي قِرَاءَةِ بِالتَّحْتَابِيَةِ فِي تَعْمَلْ وَتَوْبَتَهَا وَاعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ۝ فِي الْجَنَّةِ زِيَادَةٌ لِنِسَاءِ
 النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ كَجَمَاعَةٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنْ اتَّقَيْتُنَّ اللَّهَ فَإِنَّ كُنَّ أَكْبَرًا فَلَا تُخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ
 لِلرِّجَالِ قِيَطَعِ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ نِفَاقٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ مِنْ غَيْرِ خُضُوعٍ وَقَرْنَ بِكُنُسِ
 الْقَافِ وَفَتَحِهَا فِي بَيُوتِكُنَّ مِنَ الْقَرَارِ وَأَضْلَهُ قَرْنَ بِكُنُسِ الزَّيْرِ وَفَتَحِهَا مِنْ أَقْرُنِ بِنَفْسِ الزَّيْرِ وَكُنُسِهَا
 نُقِلَتْ حَرْكَةُ الزَّيْرِ إِلَى الْقَافِ وَحُدِفَتْ مَعَ هَمْزَةِ الْوَصْلِ وَلَا تَبْرَجْنَ بِتَرِكِ الْإِخْوَانِ مِنَ النَّبِيِّ مَنْ أَضْلَهُ
 تَبْرَجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى أَيْ مَا قَبْلَ الْإِسْلَامِ مِنْ إِظْهَارِ النِّسَاءِ مَخَاسِنَهُنَّ لِلرِّجَالِ وَالْإِظْهَارِ بَعْدَ
 الْإِسْلَامِ مَذْكَورٌ فِي آيَةِ وَلَا يَبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطَعْنَ اللَّهَ وَ
 رَسُولَهُ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الْأَيْمَنَ يَا أَهْلَ الْبَيْتِ أَيْ نِسَاءَ النَّبِيِّ وَيُطَهِّرَكُمْ مِنْهُ
 تَطْهِيرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُكَلِّفُ فِي بَيُوتِكُنَّ مِنَ آيَاتِ اللَّهِ الْقُرْآنِ وَالْحِكْمَةِ ۝ السَّنَةُ ۱۱۰۰ إِنْ كَانَ اللَّهُ كَانَ لَطِيفًا
 بِالْأُولِيَاءِ خَيْرًا ۝ بِجَمِيعِ خَلْقِهِ

ع ۱

ترجمہ: اور تم میں سے کوئی اللہ اور اس کے رسولوں کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک کام کریگی تو ہم اس کو دو ہر اجر
 دیں گے دوسری عورتوں کی بہ نسبت دو ہر اجر۔ اور ایک قراءت میں تَعْمَلْ وَتَوْبَتَهَا میں یا تَحْتَابِيَةِ کے ساتھ ہے اور ہم نے
 اس کے لیے جنت میں مزید براں بہترین روزی تیار رکھی ہے اور اے نبی کی بیویوں! تم عورتوں کی طرح معمولی نہیں ہو اگر تم
 اللہ کا تقویٰ اختیار کر دو بلاشبہ تم بڑے درجوں والی ہو، تم مردوں سے گفتگو میں نرم لہجہ مت اختیار کرو، کہ جس کے دل میں مرض
 نفاق ہو وہ طمع کرنے لگے اور تم نرمی اور نزاکت کے بغیر قاعدہ کے مطابق کلام کرو اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔ قرن
 میں کسرہ اور فتح دونوں کے ساتھ ہے، قرار سے مشتق ہے اسکی اصل قررن ہے راء کے فتح اور کسرہ سے مشتق ہے راء کی حرکت
 کاف کی طرف منتقل ہوگئی اور مع ہمزہ وصل حذف ہوگئی اور قدیم زمانہ جہالت کے دستور کے مطابق تم اپنی زینت کا اظہار
 مت کرو یعنی اسلام کی آمد سے پہلے عورتوں کو مردوں کے لیے اظہار محاسن کے مانند اور زمانہ اسلام کے بعد کا اظہار اور وَلَا
 يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا میں مذکور ہے اور نماز کی پابندی رکھو اور روزہ ادا کرتی رہو اور اللہ اور اسکے رسول کی
 اطاعت کرتی رہو، اے اہل بیت یعنی نبی کی بیویوں! اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے گناہ کی آلودگی دور کرے اور تم کو خوب
 پاک صاف رکھے اور تم ان فرمان قرآنی اور حکمت سنت کو یاد رکھو جن کا تمہارے گھروں میں تذکرہ رہتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ

اپنے اولیاء پر لطف کرنے والا اور اپنی تمام مخلوق سے باخبر ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: تَعْمَلُ: یہ لفظ کی وجہ سے صیغہ اس طرح لایا گیا۔

قولہ: تَنْزِيهَا: اس میں ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسم کی طرف راجع ہے۔

قولہ: كَجَمَاعَةٍ: احد کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا کہ احد میں نفی عام ہے، جس میں ایک اور زیادہ اور مذکورہ مؤنث سب

برابر ہیں۔

قولہ: فَلَا تَخْضَعْنَ: یعنی تم نرم جواب مت دو جیسے مشکوک عورتوں کی عادت ہوتی ہے۔

قولہ: مَرَضٌ: فحور و شہوت کا مرض۔

قولہ: قَرْنٌ: وقر یقر و قار سے ہے یا قر یقر سے۔

قولہ: وَلَا تَبْرَجْنَ: ناز و انداز سے مت چو۔

قولہ: مَأْقَبَلِ الْإِسْلَامِ: یعنی جاہلیت کفر اور دوسری جاہلیت مسلمان ہو کر فسق و فجور اختیار کر لے۔

قولہ: يَا أَهْلَ الْبَيْتِ: یہ مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یہ ندا کی وجہ سے منصوب ہے۔

تفسیر مقبولین

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ....

ان آیات کریمات سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ اتمام حجت کے اعتبار سے ہوگا۔ اور اعمال کا صلہ و بدلہ ان حالات کے اعتبار سے ملے گا جن میں ان کو انجام دیا گیا ہوگا۔ ازواج مطہرات کو رسول اللہ ﷺ کی زوجیت اور ان کی رفاقت و معیت کا جو شرف حاصل تھا وہ بلاشبہ ایک عظیم الشان اور بے مثال شرف و اعزاز تھا، اور رسول اتمام حجت کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتے ہیں اس لیے جہاں ازواج مطہرات کا شرف و مرتبہ سب سے بڑا اور بلند تھا وہاں ان کی مسؤلیت اور ذمہ داری بھی سب سے بڑی تھی، اور اسی اعتبار سے ان کے مواخذے کی شدت بھی دوسروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوگی اور رسول کی رفاقت کے تقاضوں کو کما حقہ پورا کرنا، اور اس عظیم الشان رشتہ و تعلق کو پوری طرح نبھانا، کوئی اہل اور آسان کام نہیں تھا۔ اس لیے اس کا صلہ و بدلہ اور اجر و ثواب بھی دوگنا رکھا گیا۔ اعمال کے صلہ و بدلہ اور جرموں پر گرفت و مواخذہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا دستور یہی رہا ہے اور یہ عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق اور جہنی بر عدل و حکمت ہے، اس لیے یہاں پر پیغمبر کے ذریعے اور آپ ﷺ کے واسطے سے ازواج

مطہرات کو کھلوا یا گیا کہ اگر بالفرض ان سے کوئی جرم و قصور صادر و سرزد ہو گیا، تو ان کو دوسروں کی نسبت سے دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ اور اسکے برعکس جو صدق دل سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اور نیک عمل کرتی رہیں گی۔ انکو اجر و ثواب بھی دوہرا اور دوگنا دیا جائے گا۔ اور ان کو رزق کریم سے بھی نوازا جائے گا۔ رزق کے بارے میں حضرات اہل علم کا کہنا ہے کہ جب اس کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد دراصل اس کا فضل و کرم اور انعام و احسان ہوتا ہے، اور اس کی صفت کریم لاکر اس فضل و کرم اور انعام و احسان کا درجہ و مرتبہ اور بلند کر دیا جاتا ہے، کیونکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ان کو یہ فضل و کرم بطور صدقہ و خیرات نہیں ملے گا۔ بلکہ یہ اس واہب مطلق جل جلالہ کی طرف سے بطور حق اور ہمیشہ کیلئے ملے گا اور ان کو یہ کسی قہر و شرط کے بغیر اور بدوں کسی اندیشہ حساب و مواخذہ کے ملے گا۔ سبحان اللہ! کیا کہنے اس کی شان کرم کے، جس سے حضرت حق جل جلالہ کی طرف سے اسکے بندوں کو نوازا جاتا ہے، سو اس واہب مطلق جل و علا کی طرف سے نوازا ہی نوازا جاتا ہے، اور ہمیشہ اور ہر طرح سے نوازا، پس بندے کی طرف سے اپنے اس خالق و مالک کے ساتھ تعلق درابطہ صحیح ہونا چاہیے، کہ اس پر ایمان و یقین بھی پکاسچا ہو، اس پر بھروسہ و اعتماد بھی کامل ہو، اور وہ دل و جان سے رجوع بھی ہمیشہ اسی کی طرف رہے، اور مدد بھی اسی سے مانگے، اسی کی یاد و شاد سے سرشار رہے، اور سب کچھ اسی سے ہونے کا یقین رکھے، کہ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے،

يُنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ ...

ازواج مطہرات کو خاص ہدایات:

يُنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنَّ النَّبِيَّ فَلَآ تَخْضَعْنَ بِالنُّوْلِ، سابقہ آیات میں ازواج مطہرات کو رسول اللہ ﷺ سے ایسے مطالبات کرنے سے روکا گیا ہے جن کا پورا کرنا آپ کے لیے دشوار ہو یا جو آپ کی شان کے مناسب نہ ہوں۔ اور جب انہوں نے اس کو اختیار کر لیا تو ان کا درجہ عام عورتوں سے بڑھا دیا گیا کہ ان کے ایک عمل کو دو کے قائم مقام بنا دیا۔ آگے ان کو اصلاح عمل اور رسول اللہ ﷺ کی محبت و زوجیت کے مناسب بنانے کے لیے چند ہدایات دی گئی ہیں۔ یہ سب ہدایات اگرچہ ازواج مطہرات کے لیے مخصوص نہیں بلکہ تمام ہی مسلمان عورتیں ان کی مامور ہیں، مگر یہاں ازواج مطہرات کو خصوصی خطاب کر کے اس پر متوجہ کیا ہے کہ یہ اعمال و احکام جو سب مسلمان عورتوں کے لیے لازم و واجب ہیں آپ کو ان کا اہتمام دوسروں سے زیادہ کرنا چاہئے اور: لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ سے یہی خصوصیت مراد ہے۔

کیا ازواج مطہرات سارے عالم کی عورتوں سے افضل ہیں؟

آیت کے ان الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات تمام دنیا کی عورتوں سے افضل ہیں۔ مگر قرآن کریم کی آیت حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں یہ ہے: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكَ وَطَهَّرَكَ وَاصْطَفٰكَ عَنِ نِّسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ، اس سے حضرت مریم کا سارے جہاں کی عورتوں سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور ترمذی میں حضرت انس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کافی ہیں تم کو ساری عورتوں میں سے مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد (ام المؤمنین) اور

فاطمہ بنت محمد ﷺ اور آسیہ زوجہ فرعون۔ اس حدیث میں حضرت مریم کے ساتھ اور تین عورتوں کو نساء عالمین سے افضل فرمایا ہے۔

اس لیے اس آیت میں جو ازواج مطہرات کی افضلیت اور فوقیت بیان کی گئی ہے، وہ ایک خاص حیثیت یعنی ازواج النبی اور نساء النبی ہونے کی ہے، جس میں تمام عالم کی عورتوں سے بلاشبہ افضل ہیں۔ اس سے عام فضیلت مطلقہ ثابت نہیں ہوتی جو دوسری نصوص کے خلاف ہو۔ (مظہری)

لَسْتُمْ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ کے بعد إِنَّ التَّقِيَّةَ یہ شرط اس فضیلت کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو نساء نبی ہونے کی وجہ سے بخشی ہے۔ مقصود اس سے اس بات پر تشبیہ کرنا ہے کہ فقط اس نسبت و تعلق پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں کہ ہم ازواج رسول ہیں، بلکہ تقویٰ اور اطاعت احکام آلہیہ پر فضیلت کی شرط ہے۔ (قرطبی و مظہری)

اس کے بعد چند ہدایات ازواج مطہرات کو دی گئیں۔

پہلی ہدایت عورتوں کے پردہ سے متعلق آواز اور کلام پر پابندی ہے۔ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ یعنی کسی غیر محرم سے پس پردہ بات کرنے کی ضرورت بھی پیش آئے تو کلام میں اس نزاکت اور لطافت کے لہجہ سے بتکلف پرہیز کیا جائے جو لفظنا عورتوں کی آواز میں ہوتی ہے۔ مطلب اس نرمی اور نزاکت سے وہ نرمی ہے جو مخاطب کے دل میں میلان پیدا کرے جیسا کہ اس کے بعد فرمایا ہے: قَيْطَعُ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَوْضٌ، یعنی ایسی نرم گفتگو نہ کرو جس سے ایسے آدمی کو طمع اور میلان پیدا ہونے لگے جس کے دل میں مرض ہو، مرض سے مراد نفاق ہے یا اس کا کوئی شعبہ ہو۔ اصلی منافق سے تو ایسی طمع سرزد ہونا ظاہر ہی ہے، لیکن جو آدمی مؤمن مخلص ہونے کے باوجود کسی حرام کی طرف مائل ہوتا ہے وہ منافق نہ سہی مگر ضعیف الایمان ضرور ہی ہے۔ اور یہ ضعیف ایمان جو حرام کی طرف مائل کرتا ہے درحقیقت ایک شعبہ نفاق ہی کا ہے۔ ایمان خالص جس میں شائبہ نفاق کا نہ ہو اس کے ہوتے ہوئے کوئی حرام کی طرف مائل نہیں ہو سکتا۔ (مظہری)

خلاصہ اس پہلی ہدایت کا عورتوں کے لیے اجنبی مردوں سے اجتناب اور پردہ کا وہ اعلیٰ مقام حاصل کرنا ہے کہ جس سے کسی اجنبی ضعیف الایمان کے دل میں کوئی طمع یا میلان پیدا ہو سکے اس کے پاس بھی نہ جائیں۔ پردہ نسواں کی مفصل بحث اسی سورۃ میں آگے آنے والی آیات کے تحت میں بیان ہوگی۔ یہاں ازواج مطہرات کے لیے خصوصی ہدایات کے ضمن میں جو کچھ آیا ہے صرف اس کی تشریح لکھی جاتی ہے۔ کلام کے متعلق جو ہدایت دی گئی ہے اس کو سننے کے بعد بعض اہمات المؤمنین اس آیت کے نزول کے بعد اگر غیر مرد سے کلام کرتیں تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتیں تاکہ آواز بدل جائے۔ اس لیے حضرت عمرو بن عاص کی ایک حدیث میں ہے: ((ان النبی ﷺ نہی ان تکلم النساء الا باذن ازواجہن))

(رواہ الطبرانی بسند حسن مظہری)

مسئلہ: اس آیت اور حدیث مذکور سے اتنا تو ثابت ہوا کہ عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں، لیکن اس پر بھی احتیاطی پابندی یہاں بھی لگادی اور تمام عبادات اور احکام میں اس کی رعایت کی گئی ہے کہ عورتوں کا کلام جہری نہ ہو جو مرد سنیں۔ امام کوئی غلطی کرے تو مقتدیوں کو لقمہ زبان سے دینے کا حکم ہے، مگر عورتوں کو زبان سے لقمہ دینے کے بجائے یہ تعلیم دی گئی کہ اپنے ہاتھ کی

پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر تالی بجا دیں جس سے امام متنبہ ہو جائے زبان سے کچھ نہ کہیں۔

دوسری ہدایت:

کامل پردہ کرنے کی ہے: **وَقَدْ وَفَّيْنَا فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ** یعنی بیٹھو اپنے گھروں میں اور زمانہ قدیم کی جاہلیت والیوں کی طرح نہ پھرتی یہاں جاہلیت اولیٰ سے مراد وہ جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس لفظ میں اشارہ ہے کہ اس کے بعد دوسری بھی کوئی جاہلیت آنے والی ہے، جس میں اس طرح کی بے حیائی و بے پردگی پھیل جائے گی، وہ شاید اس زمانہ کی جاہلیت ہے، جس کا اب مشاہدہ ہر جگہ ہو رہا ہے۔

اس آیت میں پردہ کے متعلق اصلی حکم یہی ہے کہ عورتیں گھروں میں رہیں (یعنی بلا ضرورت شرعیہ باہر نہ نکلیں) اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جس طرح اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت کی عورتیں علانیہ بے پردہ پھرتی تھیں ایسے نہ پھرو۔ لفظ تبرج کے اصلی معنی ظہور کے ہیں اور اس جگہ مراد اس سے اپنی زینت کا اظہار ہے غیر مردوں پر، جیسا کہ دوسری آیت میں غیب و متبرجت بزینتہ آیا ہے۔

عورتوں کے پردہ کی پوری بحث اور مفصل احکام آگے اسی سورت میں آئیں گے۔ یہاں صرف آیت مذکورہ کی تشریح لکھی جاتی ہے۔ اس آیت سے پردہ کے متعلق دو باتیں معلوم ہوئیں، اول یہ کہ اصل مطلوب عند اللہ عورتوں کے لیے یہ ہے کہ وہ گھروں سے باہر نہ نکلیں، ان کی تخلیق گھریلو کاموں کے لیے ہوئی ہے ان میں مشغول رہیں، اور اصل پردہ جو شرعاً مطلوب ہے وہ حجاب البیوت ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر بضرورت کبھی عورت کو گھر سے نکلنا ہی پڑے تو زینت کے اظہار کے ساتھ نہ نکلے، بلکہ برقع یا جلباب جس میں پورا بدن ڈھک جائے وہ پہن کر نکلے۔ (تفسیر معارف القرآن، مفتی شفیع)

وَقَدْ وَفَّيْنَا فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ....

قراریت سے مواقع ضرورت مستثنیٰ نہیں:

وَقَدْ وَفَّيْنَا فِي بُيُوتِكُنَّ میں عورتوں پر قراریت البیوت واجب کیا گیا۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ عورتوں کے لیے گھر سے باہر نکلنا مطلقاً ممنوع اور حرام ہو۔ مگر اول تو خود اسی آیت **وَلَا تَبَرَّجْنَ** سے اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ مطلقاً خروج بضرورت ممنوع نہیں بلکہ وہ خروج ممنوع ہے جس میں زینت کا اظہار ہو۔ دوسرے سورۃ احزاب کی آیت جو آگے آرہی ہے، اس میں خود: **يَدْعُونَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي نَجِيحٍ مِّنْ جَلَابِيْنٍ** کا حکم یہ بتلا رہا ہے کہ کسی درجہ میں عورتوں کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت بھی ہے بشرطیکہ برقع وغیرہ کے پردہ کے ساتھ نکلیں۔

اس کے علاوہ خود رسول اللہ ﷺ نے مواقع ضرورت کا اس حکم سے مستثنیٰ ہونا ایک حدیث میں واضح فرمادیا۔ جس میں ازواج مطہرات کو خطاب کر کے فرمایا: ((قد اذن لکن ان تخرجن لحاجتکمن)) رواہ مسلم، یعنی تمہارے لیے اس کی اجازت ہے کہ اپنی ضرورت کے لیے گھر سے نکلو، پھر رسول اللہ ﷺ کا عمل آیت حجاب نازل ہونے کے بعد اس پر شاہد

ہے کہ ضرورت کے مواقع میں عورتوں کو گھروں سے نکلنے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ حج و عمرہ کے لیے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ازواج مطہرات کا جانا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اسی طرح بہت سے غزوات میں ساتھ جانا ثابت ہے۔ اور بہت سی روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ ازواج مطہرات اپنے والدین وغیرہ سے ملاقات کے لیے اپنے گھروں سے نکلتی تھیں اور عزیزوں کی بیمار پرسی اور تعزیت وغیرہ میں شرکت کرتی تھیں اور عہد نبوی میں ان کو مساجد میں جانے کی بھی اجازت تھی۔

اور صرف یہی نہیں کہ حضور ﷺ کے ساتھ یا آپ کے زمانے ہی میں ایسا ہوا ہو، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی حضرت سودہ اور زینب بنت جحش وغیرہ کے علاوہ سب ازواج مطہرات کا حج و عمرہ کے لیے جانا ثابت ہے۔ جس پر صحابہ کرام میں سے کسی نے نکیر نہیں کیا بلکہ فاروق عظیم نے اپنے عہد خلافت میں ازواج مطہرات کو خود اپنے اہتمام سے حج کے لیے بھیجا۔ اور حضرت عثمان غنی اور عبدالرحمن بن عوف کو ان کے ساتھ نگرانی و انتظام کے لیے بھیجا۔ اور ام المؤمنین حضرت سودہ اور حضرت زینب بنت جحش کا بعد وفات نبی کریم ﷺ حج و عمرہ کے لیے نہ جانا اس آیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک حدیث کی بنا پر تھا۔ وہ یہ کہ حجۃ الوداع میں جب ازواج مطہرات کو رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ساتھ حج کرا دیا تو وہ اسی کے وقت فرمایا: ہذہ ثم لزوم الحصر، ہذہ کا اشارہ اس حج کی طرف ہے اور حصر حصر کی جمع ہے، جس کے معنی بوریا کے ہیں۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ تمہارا نکلنا صرف اس کے لیے ہو چکا اس کے بعد اپنے گھروں کے بوریوں کو لازم پکڑو، ان سے نہ نکلو۔ حضرت سودہ بنت زمعہ اور زینب بنت جحش نے اس حدیث کا یہ مفہوم قرار دیا کہ تمہارا خروج صرف اسی حجۃ الوداع کے لیے جائز تھا، آگے جائز نہیں۔ باقی ازواج مطہرات جن میں صدیقہ عائشہ جیسی فقیہہ بھی داخل تھیں سب نے اس کا مفہوم یہ قرار دیا کہ جس طرح کا یہ سفر تھا کہ ایک شرعی عبادت کی ادائیگی کے لیے ہو بس اسی طرح کا خروج جائز ہے، ورنہ اپنے گھروں میں رہنا لازم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ **وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ** کے مفہوم سے اشارات قرآن اور عمل نبی کریم ﷺ اور باجماع صحابہ مواقع ضرورت مستثنیٰ ہیں، جن میں عبادات حج و عمرہ بھی داخل ہیں اور ضروریات طبعیہ والدین اور اپنے محارم کی زیارت، عیادت وغیرہ بھی۔ اسی طرح اگر کسی کے نفقہ اور ضروریات زندگی کا کوئی اور سامان نہ ہو تو پردہ کے ساتھ محنت مزدوری کے لیے نکلنا بھی، البتہ مواقع ضرورت میں خروج کے لیے شرط یہ ہے کہ اظہار زینت کے ساتھ نہ نکلیں، بلکہ برقع یا جلباب (بڑی چادر) کے ساتھ نکلیں۔

حضرت ام المؤمنین صدیقہ عائشہ کا سفر بصرہ اور جنگ جمل کے واقعہ پر ردائض کے ہفتوات:

اوپر یہ بات وضاحت کے ساتھ آچکی ہے کہ آیت مذکورہ میں **وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ** کا مفہوم خود قرآنی اشارات بلکہ تصریحات میں نیز نبی کریم ﷺ کے عمل سے اور آپ کے بعد صحابہ کرام کے اجماع سے یہ ثابت ہے کہ مواقع ضرورت اس سے مستثنیٰ ہیں جن میں حج و عمرہ وغیرہ دینی ضروریات شامل ہیں۔ صدیقہ عائشہ اور ان کے ساتھ حضرت ام سلمہ اور صفیہؓ یہ سب حج کے لیے تشریف لے گئیں تھیں۔ وہاں حضرت عثمان غنی کی شہادت اور بغاوت کے واقعات سنے تو سخت غمگین ہوئیں اور

مسلمانوں کے باہمی افتراق سے نظام مسلمین میں خلل اور فتنہ کا اندیشہ پریشان کیے ہوئے تھا۔ اسی حالت میں حضرت طلحہ اور زبیر اور نعمان بن بشیر اور کعب بن عجرہ اور چند دوسرے صحابہ کرام مدینہ سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے، کیونکہ قاتلان عثمان ان کے بھی قتل کے درپے تھے۔ یہ حضرات اہل بغاوت کے ساتھ شریک نہ تھے، بلکہ ان کو ایسے فعل سے روکتے تھے۔ حضرت عثمان غنی کے قتل کے بعد وہ ان کے بھی درپے تھے، اس لیے یہ لوگ جان بچا کر مکہ معظمہ پہنچ گئے، اور ام المؤمنین حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشورہ طلب کیا۔ حضرت صدیقہ نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ آپ لوگ اس وقت تک مدینہ طیبہ نہ جائیں جب تک کہ باغی لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گرد جمع ہیں اور وہ ان سے قصاص لینے سے مزید فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں تو آپ لوگ کچھ روز ایسی جگہ جا کر رہیں جہاں اپنے آپ کو مامون سمجھیں، جب تک امیر المؤمنین انتقام پر قابو نہ پالیں اور تم لوگ جو کچھ کوشش کر سکتے ہو اس کی کرو کہ یہ لوگ امیر المؤمنین کے گرد سے متفرق ہو جائیں اور امیر المؤمنین ان سے قصاص یا انتقام لینے پر قابو پالیں۔

یہ حضرات اس پر راضی ہو گئے، اور ارادہ بصرہ چلے جانے کا کیا۔ کیونکہ اس وقت وہاں مسلمانوں کے لشکر جمع تھے۔ ان حضرات نے وہاں جانے کا قصد کر لیا تو ام المؤمنین سے بھی درخواست کی کہ انتظام حکومت برقرار ہونے تک آپ بھی ہمارے ساتھ بصرہ میں قیام فرمائیں۔

اور اس وقت قاتلان عثمان اور مفسدین کی قوت و شوکت اور حضرت علی کا ان پر حد شرعی جاری کرنے سے بے قابو ہونا خود کج البلاغہ کی روایت سے واضح ہے۔ یاد رہے کہ کج البلاغہ کو شیعہ حضرات مستند مانتے ہیں۔ کج البلاغہ میں ہے کہ ”حضرت امیر سے ان کے بعض اصحاب و رفقاء نے خود کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو سزا دے دیں جنہوں نے عثمان غنی پر حملہ کیا تو بہتر ہوگا۔ اس پر حضرت امیر نے فرمایا کہ میرے بھائی! میں اس بات سے بے خبر نہیں جو تم کہتے ہو، مگر یہ کام کیسے ہو جبکہ مدینہ پر یہی لوگ چھائے ہوئے ہیں، اور تمہارے غلام اور آس پاس کے اعراب بھی ان کے ساتھ لگ گئے ہیں، ایسی حالت میں ان کی سزا کے احکام جاری کر دوں تو نافذ کس طرح ہوں گے۔“

حضرت صدیقہ کو ایک طرف حضرت علی کی مجبوری کا اندازہ تھا دوسری طرف یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت عثمان غنی کی شہادت سے مسلمانوں کے قلوب زخمی ہیں، اور ان کے قاتلوں سے انتقام لینے میں تاخیر جو امیر المؤمنین علی کی طرف سے مجبوری دیکھی جا رہی تھی اور مزید یہ کہ قاتلان عثمان، امیر المؤمنین کی مجالس میں بھی شریک ہوتے تھے۔ جو لوگ حضرت امیر المؤمنین کی مجبوری سے واقف نہ تھے، ان کو اس معاملہ میں ان سے بھی شکایت پیدا ہو رہی تھی۔ ممکن تھا کہ یہ شکوہ و شکایت کسی دوسرے فتنے کا آغاز نہ بن جائے۔ اس لیے لوگوں کو فہمائش کر کے صبر کرنے اور امیر المؤمنین کو قوت پہنچا کر نظم مملکت کو مستحکم کرنے اور باہمی شکوہ و شکایت کو رفع کر کے اصلاح بین الناس کے قصد سے بصرہ کا سفر اختیار کر لیا، جس میں ان کے محرم بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہ ان کے ساتھ تھے۔ اپنے اس سفر کا مقصد خود امیر المؤمنین نے حضرت قحطاع کے سامنے بیان فرمایا تھا، جیسا کہ آگے آئے گا۔ اور ایسے شدید فتنہ کے وقت اصلاح بین المؤمنین کا کام جس قدر اہم دینی خدمت تھی وہ بھی ظاہر ہے۔ اس کے لیے اگر امیر المؤمنین نے بصرہ کا سفر محارم کے ساتھ اور پردہ کے آہنی ہودج میں اختیار فرمایا تو اس کو جو شیعہ

اور روافض نے ایک طوفان بنا کر پیش کیا ہے کہ ام المؤمنین نے احکام قرآن کی خلاف ورزی کی اس کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔

آگے منافقین اور مفسدین کی شرارت نے جو صورت جنگ باہمی کی پیدا کر دی اس کا خیال کبھی صدیقہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس آیت کی تفسیر کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ آگے واقعہ جنگ جمل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مگر اختصار کے ساتھ حقیقت واضح کرنے کے لیے چند سطور لکھی جاتی ہیں۔

باہمی فتنوں اور جھگڑوں کے وقت جو صورتیں دنیا میں پیش آیا کرتی ہیں ان سے کوئی اہل بصیرت و تجربہ غافل نہیں ہو سکتا۔ یہاں بھی صورت یہ پیش آئی کہ مدینہ سے آئے ہوئے صحابہ کرام کی معیت میں حضرت صدیقہ کے سفر بصرہ کو منافقین اور مفسدین نے حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کے سامنے صورت بگاڑ کر اس طرح پیش کیا کہ یہ سب اس لیے بصرہ جا رہے ہیں کہ وہاں سے لشکر ساتھ لے کر آپ کا مقابلہ کریں، اگر آپ امیر وقت ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اس فتنہ کو آگے بڑھنے سے پہلے وہیں جا کر روکیں۔ حضرت حسن و حسین و عبد اللہ بن جعفر، عبد اللہ بن عباسؓ جیسے صحابہ کرام نے اس رائے سے اختلاف بھی کیا اور مشورہ یہ دیا کہ آپ ان کے مقابلہ پر لشکر کشی اس وقت تک نہ کریں جب تک صحیح حال معلوم نہ ہو جائے، مگر کثرت دوسری طرف رائے دینے والوں کی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسی طرف مائل ہو کر لشکر کے ساتھ نکل آئے، اور یہ شریہ اہل فتنہ و بغاوت بھی آپ کے ساتھ نکلے۔

جب یہ حضرات بصرہ کے قریب پہنچے تو حضرت تعقاع کو ام المؤمنین کے پاس دریافت حال کے لیے بھیجا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے ام المؤمنین آپ کے یہاں تشریف لانے کا کیا سبب ہوا؟ تو صدیقہ نے فرمایا: ای بنی الاصلاح بین الناس، یعنی میرے پیارے بیٹے! میں اصلاح بین الناس کے ارادہ سے یہاں آئی ہوں پھر حضرت طلحہ اور زبیر کو بھی تعقاع کی مجلس میں بلا لیا۔ تعقاع نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ قاتلان عثمان پر حد شرعی جاری کرنے کے سوا ہم کچھ نہیں چاہتے۔ حضرت تعقاع نے سمجھایا کہ یہ کام تو اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک مسلمانوں کی جماعت منظم اور مستحکم نہ ہو جائے، اس لیے آپ حضرات پر لازم ہے کہ اس وقت آپ مصالحت کی صورت اختیار کر لیں۔

ان بزرگوں نے اس کو تسلیم کیا۔ حضرت تعقاع نے جا کر امیر المؤمنین کو اس کی اطلاع دے دی وہ بھی بہت مسرور ہوئے اور مطمئن ہو گئے اور سب لوگوں نے واپسی کا قصد کر لیا، اور تین روز اس میدان میں قیام اس حال پر رہا کہ کسی کو اس میں شک نہیں تھا کہ اب دونوں فریقوں میں مصالحت کا اعلان ہو جائے گا، اور چوتھے دن صبح کو یہ اعلان ہونے والا تھا اور حضرت امیر المؤمنین کی ملاقات حضرت طلحہ و زبیر کے ساتھ ہونے والی تھی جس میں یہ قاتلان عثمان غنی شریک نہیں تھے، یہ چیز ان لوگوں پر سخت گراں گزری اور انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ تم اول حضرت عائشہ کی جماعت میں پہنچ کر قتل و غارت گری شروع کر دو، تاکہ وہ اور ان کے ساتھی یہ سمجھیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے عہد شکنی ہوئی، اور یہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہو کر حضرت علی کے لشکر پر ٹوٹ پڑیں ان کی یہ شیطانی چال چل گئی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شامل ہونے والے مفسدین کی طرف سے جب حضرت صدیقہ کی جماعت پر حملہ ہو گیا تو وہ یہ سمجھنے میں معذور تھے کہ یہ حملہ امیر المؤمنین کے لشکر کی طرف سے ہوا ہے، اس کی جوابی کارروائی شروع ہو گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نہ ماجرا دیکھا تو قتال کے سوا حارہ نہ

رہا، اور جوہر دشت باہمی قتل و قتال کا پیش آنا تھا آ گیا۔ امانتہ و امان الیہ راجعون، یہ واقعہ ٹھیک اسی طرح طبری اور دوسرے ثقافت مؤرخین نے حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباس وغیرہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ (روح المعانی)

غرض مسندین و مجرمین کی شرارت اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ میں ان دونوں مقدس گروہوں میں غیر شعوری طور پر قتال کا واقعہ پیش آ گیا اور جب فتنہ فزود ہوا تو دونوں ہی حضرات اس پر سخت غمگین ہوئے۔ حضرت صدیقہ عائشہ کو یہ واقعہ یاد آ جاتا تو اتنا روتی تھیں کہ ان کا دوپٹا آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا۔ اسی طرح حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کو بھی اس واقعہ پر سخت صدمہ پیش آیا۔ فتنہ فزود ہونے کے بعد متتولین کی لاشوں کو دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تو اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر یہ فرماتے تھے کہ کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر کر نسیا منسیا ہو گیا ہوتا۔

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام المؤمنین جب قرآن میں یہ آیت پڑھتی وَ قَدْ رَفِیْ بِنُورِکُمْ تُوْرُوْنَ لَکُنْتُمْ، یہاں تک کہ ان کا دوپٹا آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔ (رواہ عبداللہ بن احمد فی زوائد الزہد وابن النذر ابن ہبیب عن مسروق، روح)

آیت مذکورہ پڑھنے پر رونا اس لیے نہ تھا کہ قرآنی البیوت کی خلاف ورزی ان کے نزدیک گناہ تھی یا سفر ممنوع تھا بلکہ گھر سے نکلنے پر جو واقعہ ناگوار اور حادثہ شدید پیش آ گیا، اس پر طبعی رنج و غم اس کا سبب تھا۔ (یہ سب روایات اور پورا مضمون تفسیر روح المعانی سے لیا گیا ہے)

ازواج مطہرات کو قرآن کی تیسری، چوتھی اور پانچویں ہدایت:

وَ اٰمِنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطَعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۗ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی مَنۢ بَدَّلَ صَٰلِحًا مِّنۡ سَٰئِیۡٓ اٰتٍ ۗ وَ اٰتٰی اللّٰہِ تَعَالٰی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ دو ہدایتیں تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکی ہیں، یعنی غیر مردوں سے کلام میں نرمی و نزاکت سے اجتناب اور گھروں سے بلا ضرورت نہ نکلنا۔ تین ہدایتیں اس میں آگئیں۔ یہ کل پانچ ہدایات ہیں جو عورتوں کے لیے مہمات دین میں سے ہیں۔

یہ پانچوں ہدایات سب مسلمانوں کے لیے عام ہیں:

مذکورہ ہدایات میں آخری ہدایات میں تو کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص ہوں، نماز، زکوٰۃ اور اللہ و رسول کی اطاعت سے کون سا مسلمان مرد و عورت مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ باقی پہلی دو ہدایتیں جو عورتوں کے پردہ سے متعلق ہیں ذرا غور کرنے سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ بھی ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ سب مسلمان عورتوں کے لیے یہی حکم ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ ان ہدایات کے ذکر سے پہلے قرآن نے یہ فرمایا ہے: لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنَّ التَّقِيْنََ یعنی ازواج مطہرات عام عورتوں کی طرح نہیں اگر وہ تقویٰ اختیار کریں۔ اس سے بظاہر تخصیص معلوم ہوتی ہے۔ تو اس کا واضح جواب یہ ہے کہ تخصیص احکام کی نہیں بلکہ ان پر عمل کے اہتمام کی ہے۔ یعنی ازواج مطہرات عام عورتوں کی طرح نہیں، بلکہ ان کی شان سب سے اعلیٰ و ارفع ہے، اس لیے جو احکام تمام مسلمان عورتوں پر فرض ہیں ان کا اہتمام ان کو سب سے زیادہ کرنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا آيات سابقہ میں جو ہدایات ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے دی گئی ہیں، وہ اگرچہ ان کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھیں بلکہ پوری امت ان احکام کی مکلف ہے، مگر ازواج مطہرات کو خصوصی خطاب اس لیے کیا گیا کہ وہ اپنی شان اور بیت نبوت کے مناسب ان اعمال کا زیادہ اہتمام کریں۔ اس آیت میں اس خصوصی خطاب کی حکمت مذکور ہے کہ اصلاح اعمال کی خاص ہدایت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلوب یہ ہے کہ اہل بیت رسول کو جس (گندگی) سے پاک کر دے۔

لفظ رجس قرآن میں متعدد معانی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ایک جگہ رجس بتوں کے معنی میں آیا ہے: فاجتنبوا الرجس من الاوثان اور کبھی لفظ رجس مطلق عنناہ کے معنی میں، کبھی عذاب کے معنی میں کبھی نجاست اور گندگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو شرعاً یا طبعاً قابل نفرت سمجھی جاتی ہو وہ رجس ہے۔ اس آیت میں یہی عام معنی مراد ہیں۔ (بحر محیط)

آیت میں اہل بیت سے کیا مراد ہے؟

اوپر کی آیات میں نساء النبی ﷺ کو خطاب تھا، اس لیے بصیغہ تانیث خطاب کیا گیا۔ یہاں اہل البیت میں ازواج مطہرات کے ساتھ ان کی اولاد و آباء بھی داخل ہیں، اس لیے بصیغہ مذکر فرمایا: عَنْكُمْ، يُطَهِّرُكُمْ اور بعض ائمہ تفسیر نے اہل بیت سے مراد صرف ازواج مطہرات کو قرار دیا ہے۔ حضرت عکرمہ و مقاتل نے یہی فرمایا ہے اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے بھی یہی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات کو قرار دیا۔ اور استدلال میں اگلی آیت پیش فرمائی: وَاذْكُرْ مَا يَنْشُرُ فِي بَيْوتِكُمْ (رواہ ابن ابی حاتم و ابن جریر) اور سابقہ آیات میں يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ کے الفاظ سے خطاب بھی اس کا قرینہ ہے۔ حضرت عکرمہ تو بازار میں منادی کرتے تھے، کہ آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، کیونکہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور فرماتے تھے کہ میں اس پر مہلبہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔

لیکن حدیث کی متعدد روایات جن کو ابن کثیر نے اس جگہ نقل کیا ہے اس پر شاہد ہیں کہ اہل بیت میں حضرت فاطمہ اور علی اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔ جیسے صحیح مسلم کی حدیث حضرت عائشہ کی روایت سے ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لے گئے اور اس وقت آپ ایک سیاہ زومی چادر اوڑھے ہوئے تھے، حسن بن علی آگے گئے تو ان کو اس چادر میں لے لیا، پھر حسین آگے گئے، ان کو بھی اسی چادر کے اندر داخل فرمایا، اس کے بعد حضرت فاطمہ پھر حضرت علی مرتضیٰ آگے گئے، ان کو بھی چادر میں داخل فرمایا، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آیت پڑھنے کے بعد فرمایا: اللہم هؤلاء اہل بیتی۔

(رواہ ابن جریر)

ابن کثیر نے اس مضمون کی متعدد احادیث معتبرہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ درحقیقت ان دونوں اقوال میں جو ائمہ تفسیر

سے منقول ہیں کوئی تضاد نہیں۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے وہی مراد ہیں یہ اس کے منافی نہیں کہ دوسرے حضرات بھی اہل بیت میں شامل ہوں۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ لفظ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں، کیونکہ شان نزول اس آیت کا وہی ہیں، اور شان نزول کا مصداق آیت میں داخل ہونا کسی شبہ کا متحمل نہیں۔ اور حضرت فاطمہ دُخلی و حسن و حسینؑ بھی ارشاد نبویؐ کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں۔ اور اس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ **يُنْسَاةَ النَّبِيِّ** کے عنوان سے خطاب اور ان کے لیے صیغے مونث کے استعمال فرمائے گئے ہیں۔ ساتھ آیات میں: **فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ** سے آخر تک سب صیغے مونث کے استعمال ہوئے ہیں اور آگے پھر **وَ اذْكُرْنَ مَا يُثَلِّقُ** میں بصیغہ تانیث خطاب ہوا ہے۔ اس درمیانی آیت کو سیاق و سباق سے کاٹ کر بصیغہ مذکر **عَنْكُمْ** اور **يُطَهِّرُكُمْ** فرمانا بھی اس پر شاہد قوی ہے کہ اس میں صرف ازواج ہی داخل نہیں کچھ رجال بھی ہیں۔

آیت مذکورہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ: **لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا** ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان ہدایات کے ذریعہ اغواء شیطانی اور معاصی اور قبائح سے حق تعالیٰ اہل بیت کو محفوظ رکھے گا، اور پاک کر دے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تطہیر تشریحی مراد ہے، نگوئی تطہیر جو خاصہ انبیاء ہے وہ مراد نہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سب معصوم ہوں اور ان سے انبیاء علیہم السلام کی طرح کوئی گناہ سرزد ہونا ممکن نہ ہو، جو نگوئی تطہیر کا خاصہ ہے۔ اہل تشیع نے اس آیت میں جمہور امت سے اختلاف کر کے اول تو لفظ اہل بیت کا صرف اولاد و عصبات رسول کے ساتھ مخصوص ہونے اور ازواج مطہرات کے ان سے خارج ہونے کا دعویٰ کیا۔ دوسری آیت مذکورہ میں تطہیر سے مراد ان کی عصمت قرار دے کر اہل بیت کو انبیاء کی طرح معصوم کیا۔ اس کا جواب اور مسئلہ کی مفصل بحث احقر نے احکام القرآن سورۃ احزاب میں لکھی ہے، اس میں عصمت کی تعریف اور اس کا انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہونا اور ان کے علاوہ کسی کا معصوم نہ ہونا دلائل شرعیہ سے واضح کر دیا ہے، اہل علم اس کو دیکھ سکتے ہیں، عوام کو اس کی ضرورت نہیں۔

وَ اذْكُرْنَ مَا يُثَلِّقُ فِيْ يَوْمِئِذٍ ثِقَلًا آیات اللہ سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور سنت رسول ہے، جیسا کہ عامہ مفسرین نے حکمت کی تفسیر اس جگہ سنت کی ہے۔ اور لفظ **اذْكُرْنَ** کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ان چیزوں کو خود یاد رکھنا جس کا نتیجہ ان پر عمل کرنا ہے، دوسرے یہ کہ جو کچھ قرآن ان کے گھروں میں ان کے سامنے نازل ہوا یا جو تعلیمات رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیں اس کا ذکر امت کے دوسرے لوگوں سے کریں اور ان کو پہنچائیں۔

فَالذِّكْرُ: ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ سے کوئی آیت قرآن یا حدیث سنے اس پر لازم ہے کہ وہ امت کو پہنچائے، یہاں تک کہ ازواج مطہرات پر بھی لازم کیا گیا کہ جو آیات قرآن ان کے گھروں میں نازل ہوں یا جو تعلیمات رسول اللہ ﷺ سے ان کو حاصل ہوں اس کا ذکر امت کے دوسرے افراد سے کریں اور یہ اللہ کی امانت ان کو پہنچائیں۔

قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت:

اس آیت میں جس طرح آیات قرآن کی تبلیغ و تعلیم امت پر لازم کی گئی ہے اسی طرح لفظ حکمت فرما کر احادیث رسول ﷺ کی تبلیغ و تعلیم کو بھی لازم کیا گیا ہے۔ اس لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکم کی تعمیل ہر حال میں کی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت معاذ کا یہ واقعہ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی، لیکن اس کو عام لوگوں کے سامنے اس لیے بیان نہیں کیا کہ خطرہ تھا کہ لوگ اس کو اس کے درجہ میں نہ رکھیں اور کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں، لیکن جب ان کی وفات کا وقت آیا تو لوگوں کو جمع کر کے وہ حدیث سنادی اور فرمایا کہ میں نے اس وقت تک ربی مصلحت سے اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا، مگر اب موت کا وقت قریب ہے اس لیے امت کی یہ امانت ان کو پہنچانا ضروری سمجھتا ہوں۔ صحیح بخاری میں ان کے الفاظ یہ ہیں: فاخبر به معاذ عند مرتہ تائمًا یعنی حضرت معاذ نے یہ حدیث لوگوں کو وفات کے وقت اس لیے سنادی کہ وہ گناہگار نہ ہوں کہ حدیث رسول امت کو نہیں پہنچائی۔

یہ واقعہ بھی اسی پر شاہد ہے کہ اس حکم قرآنی کی تعمیل سب صحابہ کرام واجب و ضروری سمجھتے تھے اور صحابہ کرام نے حدیث کو احتیاط کے ساتھ لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا تھا تو حدیث کی حفاظت بھی ایک درجہ میں قرآن کی حفاظت کے قریب قریب ہو گئی، اس معاملہ میں شبہات کا نکالنا درحقیقت قرآن میں شبہات کا نکالنا ہے۔ واللہ اعلم

وَإِذْ كُنَّا مَا يَنْشُرُ فِي بُيُوتِكُمْ....

آخر میں فرمایا: وَإِذْ كُنَّا مَا يَنْشُرُ فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ آیات اللہ سے قرآن حکیم اور حکمت سے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور سنتیں مراد ہیں، جیسا کہ مفسرین نے تفسیر کی ہے، اور واذا ذکرن کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ ان چیزوں کو خود یاد رکھنا جن پر عمل کرنا ہے، دوسرے یہ کہ جو کچھ قرآن ان کے گھروں میں ان کے سامنے نازل ہو یا جو تعلیمات رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیں اس کا ذکر امت کے دوسرے لوگوں سے کریں اور ان کو پہنچائیں۔

جس طرح قرآن حکیم کی تعلیم اور تدریس لازم ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اقوال کی تحدیث اور تبلیغ بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید کے محل احکام کی رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے تشریح اور توضیح ہوتی ہے۔ اگر احادیث شریفہ کو سامنے نہ رکھ جائے تو پانچوں نمازوں کے اوقات اور زکوٰتوں کی مقدار اور نصاب معلوم نہیں ہو سکتے اور حدیث نبوی پر عمل کیے بغیر قرآن کریم پر عمل نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کی کثرت میں جہاں دوسری حکمتیں ہیں وہاں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ حضرت ازواج مطہرات و ارضاء رضی اللہ عنہن کے ذریعہ ان احکام شرعیہ کی تبلیغ ہوئی جو گھر میں رہتے ہوئے صادر ہوتے تھے اور خاص کر وہ احکام جن کا تعلق ازواجی امور سے تھا۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا یعنی اللہ تعالیٰ مہربان ہے تمہیں یہ مرتبہ عطا فرمایا کہ اپنے نبی کریم ﷺ کی زوجیت کا شرف اور ان گھروں میں تمہیں قیام نصیب فرمایا جن میں اللہ کی کتاب پڑھی جاتی ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر بھی ہے تم جو خیر کے کام کرو گے اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے اور وہ اجر و ثواب سے نوازے گا۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنَاتِينَ وَالْقَنَاتِينَ وَالْمُتَضَاعِفَاتِ وَالصَّادِقِينَ
 وَالصَّادِقَاتِ فِي الْإِيمَانِ وَالصَّبْرِينَ وَالصَّبْرَاتِ عَلَى الطَّاعَاتِ وَالخُشُعِينَ الْمُتَرَضِعِينَ وَالخُشُعَاتِ
 الْمُتَرَضِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْحَفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَفِظَاتِ
 عَنِ الْخَوَامِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً لِّلْمَعَاصِي وَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝
 عَلَى الطَّاعَاتِ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ بِالنَّهْيِ وَالنَّهْيِ
 لَهُمُ الْخَيْرَةُ الْإِخْتِيَارُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۝ خِلَافَ أَمْرِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ نَزَلَتْ فِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَجَّشٍ وَأُخْتِهِ
 زَيْنَبَ خَطَبَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ لَزِيدِ بْنِ حَارِثَةَ فَكَّرَ هَذَا ذَلِكَ حِينَ عَلِمَاهُ لَطَنِيهِمَا قَبْلَ
 أَنْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَهَا لِنَفْسِهِ ثُمَّ رَضِيَ بِاللَّيَةِ وَمَنْ يَعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا
 مُبِينًا ۝ بَيْنَا فَرَزَجَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَزِيدٌ ثُمَّ وَقَعَ بَصْرُهُ عَلَيْهَا بَعْدَ حِينَ فَوَقَعَ فِي نَفْسِهِ
 حُبُّهَا وَفِي نَفْسِ زَيْدٍ كَرَاهَتُهَا ثُمَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ فِرَاقَهَا فَقَالَ أَمْسِكْ عَلَيْكَ
 زَوْجَكَ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَإِذَا مَنَّوْنَا بِأَذْكَرٍ تَقُولُ لِّلَّذِي أَعَمَّ اللَّهُ عَلَيْهِ بِالإِسْلَامِ وَانْعَمَتْ
 عَلَيْهِ بِالإِغْتِنَاقِ وَهُوَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ كَانَ مِنْ سَبِي الْجَاهِلِيَّةِ اشْتَرَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 قَبْلَ الْبُعْثَةِ وَاعْتَقَهُ وَتَبَّأَهُ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ فِي أَمْرِ طَلَاقِهَا وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ
 مُبْدِيهِ مُظْهِرُهُ مِنْ مَحَبَّتِهَا وَأَنْ لَوْ فَازَ قَهَا زَيْدٌ تَزَوَّجْتُهَا وَتَخَشَى النَّاسَ ۝ أَنْ يَقُولُوا تَزَوَّجَ مُحَمَّدٌ
 زَوْجَةَ ابْنِهِ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۝ فِي كُلِّ شَيْءٍ وَيُزَوِّجُكَهَا وَلَا عَلَيْكَ مِنْ قَوْلِ النَّاسِ ثُمَّ طَلَّقَهَا زَيْدٌ
 وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۝ حَاجَةَ زَوْجِنَا فَدَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغَيْرِ إِذْنٍ وَأَشْبَعَ الْمُسْلِمِينَ حُبْرًا أَوْ لِحْمًا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ
 أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۝ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مُقْضِيهِ مَفْعُولًا ۝ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ
 فِيمَا قَرَضَ أَحَلَّ اللَّهُ لَهُ ۝ سُنَّةَ اللَّهِ أَيَّ كَسَنَةِ اللَّهِ فَتَصِبَ بِتَرْعِ الْخَافِضِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ

﴿النجم﴾ ۱۸۰ ﴿الزمر﴾ ﴿الاحزاب﴾ ۳۳ ﴿مکہ﴾

مَنْ تَقَبَّلَ مِنْ بَابِئِنَّهُ لَمْ يَزَلْ فِي جَنَّةٍ كَرِيمَةٍ
 مِنَ الْأَنْبِيَاءِ إِنْ لَمْ يَحْزَحْ غَيْبُهُمْ فِي ذَلِكَ تَزُشَعَةُ لَهُمْ فِي النِّكَاحِ وَ كَانَ أَمْرُ اللَّهِ فَعَلَهُ قَدْرًا مَقْدُورًا
 مَنْضِبًا لِلَّذِينَ مَعَتْ لِلذَّبِّ قَلَهُ يُبَلِّغُونَ رِسْلَتِ اللَّهِ وَ يَخْشَوْنَهُ وَ لَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ فَلَا
 يَخْشَوْنَ مَقَالَةَ النَّاسِ بَيْنَمَا أَخْلَى اللَّهُ لَهُمْ وَ كَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝ خَافِظًا لِأَعْمَالِ خَلْقِهِ وَمَحَاسِنِهِمْ مَا
 كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رَجَائِلِكُمْ فَلَيْسَ أَبَا بَدِئِ أَيْ وَالِدُهُ فَلَا يَحْرُمُ عَلَيْهِ التَّنَزُّوجُ بِرُؤُوسِهِ زَيْبٍ وَ
 لَكِنْ كَانَ رَسُولَ اللَّهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ فَلَا يَكُونُ لَهُ ابْنٌ رَجُلٌ بَعْدَهُ يَكُونُ نَبِيًّا وَ فِي قِرَاءَةِ بَفْتَحِ النَّبَاءِ
 دَعَى كَمَا لِهَ الْخُتْمِ أَيْ بِهِ خُتْمُوا وَ كَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ مِنْهُ بَانَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَ إِذَا نَزَلَ السَّبِيحُ عَيْسَى
 بِحُكْمِ بَشْرِ بَعْتِهِ

ترجمہ: بیشک مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں اور ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں اور فرماں بردار مردوں اور فرماں
 بردار عورتوں اور ایمان سے راست باز مردوں اور راست باز عورتوں اور صبر کرنے والے مردوں اور صبر کرنے والی عورتوں اور
 ڈرنے والے مردوں اور ڈرنے والی عورتوں اور خیرات کرنے والے مردوں اور خیرات کرنیوالی عورتوں اور روزہ رکھنے والے
 مردوں اور روزہ رکھنے والی عورت اور حرام سے اپنے شرم گاہ کی حفاظت کرنے والے مردوں اور حرام سے اپنی شرم گاہ کی
 حفاظت کرنے والی عورتوں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مردوں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والی عورتوں ان سب کے لیے
 اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے مغفرت اور فرماں برداری پر پڑا اجر اختیار کر رکھا ہے اور دیکھو کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت
 کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ورزی کرنے کا کوئی اختیار باقی
 نہیں رہتا کیونکہ میں تاء اور یاء کے ہے ساتھ یہ آیت عبد اللہ بن جحش اور ان کی بہن زینب کے بارے میں نازل ہوئی نبی
 کریم ﷺ نے زینب کو زید بن حارثہ کے لیے پیغام نکاح دیا جب دونوں بہن بھائی کو اس کی حقیقت معلوم ہوئی تو پیغام
 کو ناپسند کیا کیوں کہ وہ پہلے یہ سمجھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے لیے پیغام نکاح دیا ہے اس کے بعد آیت مذکورہ کے
 نازل ہونے کی وجہ سے دونوں رضامند ہو گئے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا
 چنانچہ زینب کا نکاح حضرت زیدؓ سے کر دیا پھر کچھ مدت کے بعد آپ کی نظر زینب پر پڑی۔ تو آپ کے دل میں زینب کی
 محبت جاں گزریں ہو گئی اور زید کے دل میں زینب کی نفرت۔ پھر زید نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں زینب کو طلاق
 دینا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جب اذکر کی وجہ سے محل لصب
 میں ہے آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اسلام کے ذریعہ انعام فرمایا اور اذکر کے آپ نے بھی اس پر
 احسان فرمایا وہ زید بن حارثہ ہیں یہ زمانہ جاہلیت کے قیدیوں میں سے تھے جن کو رسول اللہ نے بعثت سے پہلے خرید اٹھا اور
 آزاد کر کے متبئی بنا لیا تھا اپنی بیوی کو روک لے اور اس کو طلاق دینے کے معاملہ میں اللہ سے ڈرا اور آپ اپنے دل میں وہ بات

چھپائے ہوتے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور وہ زینب کی محبت تھی اور یہ کہ اگر زید اس کو طلاق دیدیں تو میں اس سے نکاح کر لوں اور آپ لوگوں کی اس بات سے ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ محمد نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا اور ڈرنا تو آپ کے لیے ہر چیز میں خدا ہی سے سزاوار ہے اور وہ آپ کا اس سے نکاح کرے گا اور آپ کو لوگوں کی بات کا اندیشہ نہ کرنا چاہئے بعد ازاں زید نے زینب کو طلاق دیدی اور اس کی عدت بھی گزر گئی اور اللہ نے فرمایا پس جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی اور ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا تو آپ زینب کے پاس بلا اجازت تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو گوشت اور روٹی پیٹ بھر کر کھلائی تاکہ مومنوں کے لیے ان کے متبناؤں کی بیویوں سے نکاح کے بارے میں سچی نہ ہو جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں اور اللہ کا امر فیصلہ کردہ حکم تو ہونے ہی والا تھا جو چیز اللہ نے نبی کے لیے فرض یعنی حلال کر دی اس میں نبی پر کوئی حرج ہیں پہلے انبیاء کا امر کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی طریقہ رکھا تھا یہ کہ ان کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے اسے نکاح میں سہولت پیدا کرنے کے لیے ستر بنا، "نزع خافض" منسوب ہے اللہ کا حکم یعنی اس کا فعل مقرر کیا ہوا ہوتا ہے الذین، پہلے آنے والے الذین کی صفت ہے یہ سب ایسے تھے کہ جو اللہ کے احکام کو پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ ان کاموں میں کہ جو اللہ نے ان کے لیے حلال کر دیئے لوگوں کی باتوں کی پروا نہ نہیں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنے مخلوق کے اعمال کی محافظت اور حساب لینے کے لیے کافی ہے محمد تم میں سے مردوں کے کسی کے باپ نہیں لہذا زید کے باپ یعنی ان کے والد نہیں ہیں، اس لیے زید کی بیوی سے نکاح کرنا ان کے لیے حرام نہیں لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں لہذا آپ کا کوئی بیٹا ایسا بالغ مرد نہیں کہ جو آپ کے بعد نبی ہو اور ایک قراءت میں تاء کے فتح کے ساتھ ہے یعنی مہر کے معنی میں مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ذریعہ انبیاء کے سلسلہ پر خاتمیت کی مہر لگائی گئی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے اور انہی میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اور جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نزل فرمائیں گے تو آپ ہی کی شریعت کی روشنی میں فیصلہ فرمائیں گے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: الْمُسْلِمِينَ: جو اسلام میں داخل اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اختیار کرنے والے ہیں۔

قولہ: الْمُؤْمِنِينَ: یہیں صدقہ کرنے والے مراد ہیں۔

قولہ: الْمُنَوِّضِينَ: اعضاء قلوب سے تواضع اختیار کرنے والے ہیں۔

قولہ: الْمُتَصِّقَاتِ: جو ان پر لازم ہیں زکوٰۃ وغیرہ۔

قولہ: الضَّمَمَاتِ: فرض روزہ انجام دینے والیں۔

قولہ: الذِّكْرُ؛ اپنی زبانوں اور دلوں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والیاں ہیں۔

قولہ: مَا كَانُ؛ یہ ماصح کے معنی میں ہے (درست نہیں)۔

قولہ: إِذَا قَضَى اللَّهُ؛ فیصلہ تو آپ نے فرمایا، آپ ﷺ کے فیصلہ کو عظمت بخشنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت

اپنی طرف فرمائی۔

قولہ: لَهُمُ الْخَيْرَاتُ؛ جمع کی ضمیر مؤمن و مؤمنہ کے عموم کی وجہ سے ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ سیاق نفی میں ہے۔

قولہ: بِخِلَافِ أَمْرِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ؛ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے اختیار کو آپ ﷺ کے اختیار کے تابع بنائیں۔

قولہ: لِظَنِّهِمْ أَقْبَلُ؛ یعنی معلوم ہونے سے پہلے انہوں نے گمان کیا کہ آپ ﷺ نے زید کا قصد فرمایا ہے۔

قولہ: وَاللَّهُ؛ یہ حال ہے۔

قولہ: مَفْعُولًا؛ یعنی لامحالہ یہ ہو کر رہے گا۔

قولہ: فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ؛ جو اللہ تعالیٰ نے مقدر و تسلیم کر دیا۔

قولہ: قَدَارًا مَّقْدُورًا؛ طے شدہ فیصلہ کن حکم۔ یہ ظل ظلیل کے محاورہ سے ہے۔

قولہ: وَاللَّهُ؛ اب سے مراد اللہ حقیقی ہیں، نہ کہ مطلق باپ کیونکہ انبیاء امت پر شفقت کی وجہ سے بمنزلہ باپ ہوتے ہیں

وہ اس میں شریک نہیں، آپ کے بیٹے بلوغت تک پہنچنے سے پہلے فوت ہو گئے۔

قولہ: كَانَ رَسُولَ اللَّهِ؛ کان کو مقدر مان کر بتایا کہ رسول کا نصب کان مخدوف کی خبریت کی وجہ سے ہے۔

قولہ: حَاثِمًا؛ ان کے آخری نس نے ان کے سلسلہ کو مکمل کیا۔

قولہ: كَأَلَةِ الْخَتَمِ؛ مہر انگوٹھی۔

قولہ: مِنْهُ؛ اللہ تعالیٰ کے علم سے ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

قولہ: إِذَا نَزَلَ؛ عیسیٰ کی آمد آپ کی خاتمیت میں عیب نہ بنے گی۔

تفسیر مقبولین

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ.....

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ: ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آخرا اس کی کیا وجہ ہے کہ مردوں کا ذکر تو قرآن میں آتا رہتا ہے لیکن عورتوں کا تو ذکر ہی نہیں کیا جاتا۔ ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھی اپنے سر کے بال سلجھا رہی تھی جب میں نے حضور ﷺ کی آواز منبر پر سنی میں نے بالوں کو تو یونہی لپیٹ لیا اور حجرے میں آ کر آپ کی

باتیں سننے لگی تو آپ اس وقت یہی آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ نسائی وغیرہ۔ اور بہت سی روایتیں آپ سے مختصر امرودی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ چند عورتوں نے حضور ﷺ سے یہ کہا تھا اور روایت میں ہے کہ عورتوں نے ازدواج مطہرات سے یہ کہا تھا۔ اسلام و ایمان کو الگ الگ بیان کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ ایمان اسلام کا غیر ہے اور ایمان اسلام سے مخصوص رہتا ہے (قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا) (البحرہ: 14) والی آیت اور بخاری و مسلم کی حدیث کہ زانی زنا کے وقت مؤمن نہیں ہوتا پھر اس پر اجماع کہ زنا سے کفر لازم نہیں آتا۔ یہ اس پر دلیل ہے اور ہم شرح بخاری کی ابتداء میں اسے ثابت کر چکے ہیں۔ (یہ یاد رہے کہ ان میں فرق اس وقت ہے جب اسلام حقیقی نہ ہو جیسے کہ امام الحدیثین حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کتاب الایمان میں بدلائل کثیرہ ثابت کیا ہے، واللہ اعلم، مترجم) تہمت سے مراد سکون کے ساتھ اطاعت گزاری ہے جیسے: (الَّذِينَ هُمْ قَانِتِ اَنَاءَ النَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةً رَبِّهِمْ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ) (الزمر: 9) میں ہے اور فرمان ہے: (وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَهٗ قِيٰمَةٌ) (الروم: 26) یعنی آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کی فرماں بردار ہے اور فرماتا ہے: (يَمْزِيْمٌ اِقْتِنِي لِرَبِّكَ وَانْحَبِي وَاِذْ كُنَّ مَعَ الرُّكِيْعِ) (ال عمران: 43)، اور فرماتا ہے: (وَقَوْمًا يَلْبُوْا لِقِيٰمَتِنَا) (البقرہ: 238) یعنی اللہ کے سامنے باادب فرماں برداری کی صورت میں کھڑے ہوا کرو۔ پس اسلام کے اوپر کامرتبہ ایمان ہے اور ان کے اجتماع سے انسان میں فرماں برداری اور اطاعت گزاری پیدا ہو جاتی ہے۔ باتوں کی سچائی اللہ کو بہت ہی محبوب ہے اور یہ عادت ہر طرح محمود ہے۔ صحابہ کبار میں تو وہ بزرگ بھی تھے جنہوں نے جاہلیت کے زمانے میں بھی کوئی جھوٹ نہیں بولا تھا، سچائی ایمان کی نشانی ہے اور جھوٹ نفاق کی علامت ہے۔ سچا نجات پاتا ہے۔ سچ ہی بولا کرو۔ سچائی نیکی کی طرف رہبری کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف۔ جھوٹ سے بچو۔ جھوٹ بدکاری کی طرف رہبری کرتا ہے اور فسق و فجور انسان کو جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ انسان سچ بولتے بولتے اور سچائی کا قصد کرتے کرتے اللہ کے ہاں صدیق لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ بولتے ہوئے اور جھوٹ کا قصد کرتے ہوئے اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے اور بھی اس بارے کی بہت سی حدیثیں ہیں۔ صبر ثابت قدمی کا نتیجہ ہے۔ مصیبتوں پر صبر ہوتا ہے اس علم پر کہ تقدیر کا لکھا ملتا نہیں۔ سب سے زیادہ سخت صبر صدقے کے ابتدائی وقت پر ہے اور اسی کا اجر زیادہ ہے۔ پھر تو جوں جوں زمانہ گذرتا ہے خواہ مخواہ ہی صبر آ جاتا ہے۔ خشوع سے مراد تسکین دلجمعی تو اس فرحتی اور عاجزی ہے۔ یہ انسان میں اس وقت آتی ہے جبکہ دل میں اللہ کا خوف اور رب کو ہر وقت حاضر ناظر جاننا ہو اور اس طرح اللہ کی عبادت کرتا ہو جیسے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے اور یہ نہیں تو کم از کم اس درجے پر وہ ضرور ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ صدقے سے مراد محتاج ضعیفوں کو جن کی کوئی کمائی نہ ہو نہ جن کا کوئی کمانے والا ہو انہیں اپنا مال دینا اس نیت سے کہ اللہ کی اطاعت ہو اور اس کی مخلوق کا کام بنے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا ان میں ایک وہ بھی ہے جو صدقہ دیتا ہے لیکن اس طرح پوشیدہ طور پر کہ داپنے ہاتھ کے خرچ کی بائیں ہاتھ کو خبر نہیں گنتی اور حدیث میں ہے صدقہ خطاؤں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور بھی اس بارے کی بہت سی حدیثیں ہیں جو اپنی اپنی جگہ موجود ہیں۔ روزے کی بابت حدیث میں ہے کہ یہ بدن کی زکوٰۃ ہے یعنی اسے پاک صاف کر دیتا ہے اور طبی طور پر بھی ردی اخلاط کو مٹا دیتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں رمضان کے روزے رکھ کر

جس نے ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیے وہ (وَالصَّائِمِينَ وَالصَّالِحِينَ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظِينَ وَالَّذِينَ كَرِهُوا
اللَّهُ كَيْدًا وَالَّذِينَ كَرِهُوا أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا) (الاحزاب: ۳۵) میں داخل ہو گیا۔ روزہ شہوت کو بھی جھکا دینے
والا ہے۔ حدیث میں ہے اے نوجوانو تم میں سے جسے طاقت ہو وہ تو اپنا نکاح کر لے تاکہ اس سے نکاح نہیں سچی رہیں اور پاک
دامنی حاصل ہو جائے اور جسے اپنے نکاح کی طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے، یہی اس کے لیے گویا خصی ہونا ہے۔ اسی لیے
روزوں کے ذکر کے بعد ہی بدکاری سے بچنے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ایسے مسلمان مرد و عورت حرام سے اور گناہ کے کاموں سے
بچتے رہتے ہیں۔ اپنی اس خاص قوت کو جائز جگہ صرف کرتے ہیں۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ یہ لوگ اپنے بدن کو روک رہتے
ہیں۔ مگر اپنی بیویوں سے اور لونڈیوں سے ان پر کوئی ملامت نہیں۔ ہاں اس کے سوا جو اور کچھ طلب کرے وہ حد سے گذر
جانے والا ہے۔ ذکر اللہ کی نسبت ایک حدیث میں ہے کہ جب میاں اپنی بیوی کو رات کے وقت جگا کر دو رکعت نماز دونوں
پڑھ لیں تو وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں میں لکھ لیے جاتے ہیں (ملاحظہ ہو ابوداؤد وغیرہ) حضرت ابوسعید خدریؓ نے پوچھا کہ یا
رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے درجے والا بندہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کون ہے؟ آپ نے فرمایا کثرت سے اللہ
کا ذکر کرنے والا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی راہ کے مجاہد سے بھی؟ آپ نے فرمایا اگرچہ وہ کافروں پر تلوار چلائے
یہاں تک کہ تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون میں رنگ جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرنے والا اس سے افضل ہی رہے
گا۔ (مسند احمد) مسند ہی میں ہے کہ حضور ﷺ مکے کے راستے میں جا رہے تھے حمد ان پر پہنچ کر فرمایا یہ حمد ان ہے مفرد بن
کر چلو۔ آگے بڑھنے والوں نے پوچھا مفرد سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرنے والے۔ پھر فرمایا اے
اللہ حج عمرے میں اپنا سر منڈوانے والوں پر رحم فرما! لوگوں نے کہا بال کتروانے والوں کے لیے بھی دعا کیجئے آپ نے فرمایا
یا اللہ سر منڈوانے والوں کو بخش۔ لوگوں نے پھر کتروانے والوں کے لیے درخواست کی تو آپ نے فرمایا کتروانے والے بھی۔
آپ کا فرمان ہے کہ اللہ کے عذابوں سے نجات دینے والا کوئی عمل اللہ کے ذکر سے بڑا نہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا میں
تمہیں سب سے بہتر سب سے پاک اور سب سے بلند درجے کا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے حق میں سونا چاندی اللہ کی راہ میں
لٹانے سے بھی بہتر ہو اور اس سے بھی افضل ہو جب تم کل دشمن سے ملو گے اور ان کی گردنیں مارو گے اور وہ تمہاری گردنیں
ماریں گے۔ لوگوں نے کہا حضور ﷺ ضرور بتلائیے فرمایا اللہ عزوجل کا ذکر۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص
نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا مجاہد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والا۔ اس
نے پھر روزے دار کی نسبت پوچھا یہی جواب ملا پھر نماز، زکوٰۃ، حج صدقہ، سب کی بابت پوچھا اور حضور ﷺ نے سب کا
یہی جواب دیا تو حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا پھر اللہ کا ذکر کرنے والے تو بہت ہی بڑھ گئے حضور ﷺ نے فرمایا
ہاں۔ کثرت ذکر اللہ کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ اسی سورت کی آیت: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُفِّرُوا
اللَّهُ ذِكْرًا كَثِيرًا) (الاحزاب: ۴۱) کی تفسیر میں ہم ان احادیث کو بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرمایا یہ نیک صفتیں جن
میں ہوں ہم نے ان کے لیے مغفرت تیار کر رکھی ہے اور اجر عظیم یعنی جنت

عرب میں یہ دستور تھا کہ دوسروں کی اولاد کو بیٹا بنالیا کرتے تھے اور جو شخص بیٹا بناتا تھا اسی کی طرف نسبت کر کے ابنُ فلان کہتے تھے، اور ایک رواج یہ بھی تھا کہ لوگ چلتے پھرتے کسی بچہ کو لے کر کسی شہر میں لے جاتے جہاں کوئی پہچانتا نہ ہوتا وہاں اسے اپنا غلام بنا کر بیچ دیتے تھے۔

زید بن حارثہ کا تعارف

زید بن حارثہ اپنی والدہ کے ساتھ نہیال جا رہے تھے کہ کچھ لوگوں نے ان پر قبضہ کر لیا جبکہ ان کی عمر آٹھ سال تھی، پھر انہیں مکہ معظمہ لے آئے اور سوق بنی عکاظ میں (جو مکہ معظمہ کے قریب ایک بازار لگتا تھا) میں اپنا غلام بنا کر فروخت کر دیا، حکیم بن حزام بن خویلد نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کے لیے چار سو درہم میں خرید لیا، جب حضرت خدیجہ نے انہیں اپنا بیٹا بنالیا اور انہیں زید بن محمد رضی اللہ عنہ کے نام سے بلایا جانے لگا۔ حضرت زید بن حارثہ کے والد کو پتہ چلا کہ میرے بیٹے کو فلاں قوم کے لوگوں نے مکہ معظمہ میں لے جا کر بیچ دیا ہے اور وہ وہاں موجود ہے تو وہ حضرت زید کو چھڑانے کے لیے مکہ معظمہ لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اس کے عوض اتنا اتنا مال لے لیں اور اسے چھوڑ دیں تاکہ ہم اسے اپنے ساتھ لے جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا گوارا کرے تو مفت میں ہی لے جاؤ ہمیں کوئی پیسہ دینے کی ضرورت نہیں، زید کے والد نے کہا: (لقد زدتنا علی النصفۃ) یہ بات تو آپ نے انصاف سے بھی آگے بڑھ کر فرمادی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رواج کے مطابق نہ چھوڑنے کا بھی حق تھا اور پیسے لے کر چھوڑ دینا آپ کا کرم تھا لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ مفت میں ہی لے جاؤ تو یہ تو کرم بالائے کرم اور احسان پر احسان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید سے فرمایا کہ جانتے ہو یہ کون ہیں؟ عرض کیا یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں، آپ نے فرمایا تم مجھے بھی جانتے ہو اور انہیں بھی پہچانتے ہو، میری صحبت میں اٹھ چکے ہو اب تمہیں اختیار ہے کہ چاہو تو میرے پاس رہو چاہو تو اپنے گھر چلے جاؤ، اس پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے کو ترجیح دی اور اپنے باپ کے ساتھ جانا گوارا نہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ، حسن سلوک اور شفقت و محبت کے سامنے انہوں نے اپنے باپ کے ساتھ جانا اور کنبہ و قبیلہ میں رہنا منظور نہ کیا اور عرض کیا کہ آپ میرے لیے باپ اور چچا کی جگہ ہیں، باپ اور چچا نے کہا اے زید! انسوس کی بات ہے کہ تم نے آزادی کے مقابلہ میں غلامی کو پسند کیا اور اپنے باپ اور چچا اور سب گھر والوں پر کسی دوسرے شخص کو ترجیح دیتے ہو، حضرت زید نے کہا کہ ہاں میں نے ان میں ایسی صفات دیکھی ہیں کہ ان کو جانتے ہوئے کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

یہ پورا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت سے سرفراز کیے جانے سے پہلے کا ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کی گئی تو جن حضرات نے قبول اسلام کی طرف سبقت کی ان میں حضرت زید بن حارثہ بھی تھے، ایک اور قول کے مطابق مردوں میں سے وہ سب سے پہلے فرد تھے جنہوں نے قبول اسلام کی طرف سبقت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی برکہ حبشیہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا جن کی کنیت ام ایمن تھی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد ماجد کی میراث میں (اور ایک قول کے مطابق والدہ کی میراث میں) ملی تھیں اور یہی وہ خاتون ہیں جو آپ کی والدہ ماجدہ

زیب پر غلامی کا دھبہ لگ گیا تھا اور قریشی بھی نہ تھے) پھر جب آیت کریمہ نازل ہو گئی تو دونوں بہن بھائی راضی ہو گئے۔

(جلد ۲۲: ص ۲۳)

آیت شریفہ کا سبب نزول گویا خاص ہے لیکن اس کا مفہوم عام ہے جیسا کہ دیگر آیات کے اسباب نزول کے بارے میں مسرین یہی فرماتے ہیں۔ آیت کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ کسی بھی مومن مرد اور عورت کے لیے یہ گنجائش نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی حکم آجائے تو اس کے کرنے نہ کرنے کا اختیار باقی رہے، جو حکم مل جائے اس پر عمل کرنا ہی کرنا ہے، اسلام سراپا فرمانبرداری کا نام ہے، یہ جو آج کل لوگوں کا طریقہ ہے کہ مسلمان کی دعوت دے رہے ہیں لیکن احکام شریعہ پر عمل کرنے کو تیار نہیں، یہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں، جب قرآن حدیث کی کوئی بات سامنے آتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ آج کل اس پر عمل نہیں ہو سکتا (العیاذ باللہ) معاشرت اور معاملات اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں قصد اور ارادۃ قرآن حدیث کے خلاف چلتے ہیں یہ سراسر بے دینی ہے، جیسا کہ آیت کریمہ کے ختم پر فرمایا: **وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ** فَقَدْ عَصَىٰ صَلَاةً مُّبِينًا ﴿۱۰۰﴾ (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں جا پڑا) فرائض اور واجبات کو چھوڑنے کی تو کوئی گنجائش نہیں ہے اور سنن و نوافل کی ادائیگی کی بھی حص کرنا چاہیے، جس کا فرمانبرداری کا مزاج نہیں ہوتا تو وہ پہلے سنتوں سے بچتا ہے پھر واجبات چھوڑنے لگتا ہے پھر فرائض کی ادائیگی کا اہتمام ختم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ شیطان دوسے ڈال کر ایمان سے بھی ہٹانے کی کوشش کرتا ہے، خیریت اسی میں ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے حکم ملا ہے دل و جان سے قبول کرے، نیم دروں نیم بروں، مسلمان بھی ہیں اور نہیں بھی، یہ گمراہی کا طریقہ ہے۔

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ....

زینب بنت جحشؓ کا رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنا

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَ (اور اس وقت کو یاد کرو جب آپ اس شخص سے (بطور نہائش اور مشورہ) فرما رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ تم اپنی بیوی کو روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو) حضرت زید بن حارثہؓ پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام فرمایا کہ انہیں اپنے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچایا، غلامی سے چھڑایا اور اسلام کی توفیق دی، اور آپ ﷺ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ محبتوں اور شفقتوں کے ساتھ اپنے پاس رکھا، دین سکھایا اور اپنی پھوپھی زاد بہن سے نکاح کرایا۔

تُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ (اور آپ اپنے جی میں اس چیز کو چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا) وَ تَخْفِي النَّاسُ ۗ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْفِيَهُ (اور آپ لوگوں سے اندیشہ کر رہے تھے اور اللہ سے ڈرنا ہی آپ کو زیادہ سزا دار ہے) وہ کیا چیز تھی جسے آپ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے؟ بعض لوگوں نے تو اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ آپ ﷺ ظاہر میں تو یہ فرما رہے تھے اور اندر سے دل میں یہ بات تھی کہ زید طلاق دیدے تو میں ان سے نکاح کر لوں گا۔ تفسیر علامین میں بھی یہی بات لکھی ہے، لیکن یہ بات شان نبوت کے خلاف ہے۔ (قال القشيري هذا اقدام عظيم من قائله

و تفریط بحق النبی و بفضلہ) (ذکرہ فی حاشیة الجلالین) (امام تشریحی فرماتے ہیں یہ بات کہنے والے کی بہت بڑی جرأت ہے اور حضور ﷺ کے حق میں اور شان میں کوتاہی ہے۔)

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا تھا کہ زید طلاق دے دیں گے تو ہم زینب سے آپ کا نکاح کر دیں گے، یہ بات آپ ﷺ کے ذہن میں تھی آپ اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے اور زید سے فرما رہے تھے کہ تم اپنی بیوی زوجیت میں رکھو، یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ زید ضرور طلاق دے دیں گے اور زینب میرے نکاح میں آتی ہی ہے پھر بھی یہ مشورہ دینا کہ روکے رکھو، اس پر اللہ تعالیٰ نے ہلکا سا عتاب فرمایا، آپ نے تو اپنے نکاح میں آنے والی بات کو چھپایا لیکن اللہ تعالیٰ نے (ذَوِّجْنَاكُمَا) نازل فرما کر زینب کو آپ کے نکاح میں دے دیا۔ (قال صاحب الروح ج ۲۲ ص ۲۴) والمراد بالموصول علی ما اخرج الحکیم الترمذی وغیره عن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ما اوحی اللہ تعالیٰ به الیہ ان زینب سیطلقها زید ویتزوجها بعده علیہ الصلوة والسلام، الی هذا ذهب اهل التحقيق من المفسرين كالزهري وبكر بن العلاء والقشيري والقاضي ابی بكر بن العربي وغيرهم) (تفسیر روح المعانی والے لکھتے ہیں کہ یہاں حکیم ترمذی وغیرہ نے حضرت علی بن حسینؓ سے جو روایت کی ہے کہ یہاں ام موصول سے مراد وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی طرف وحی فرمائی تھی کہ عنقریب زید، حضرت زینب کو طلاق دیدیں گے اور اس کے بعد ان سے آپ ﷺ کا نکاح ہوگا۔ محقق مفسرین اسی کی طرف گئے ہیں جیسا کہ زہری، بکر بن العلاء، تشریحی اور قاضی ابوبکر بن العربي وغیرہ۔)

متبقی کی سابقہ بیوی سے نکاح کرنے کا جواز:

مفسرین نے ایک یہ بات بھی لکھی ہے کہ اہل عرب جسے بیٹا بنا لیتے تھے اس کی بیوی سے نکاح کرنے کو (جبکہ وہ مر جائے یا طلاق دیدے) ایسے ہی حرام سمجھتے تھے جیسے اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کو حرام جانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو یہ خیال ہو رہا تھا کہ اگر میں نے زید کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا تو عرب کے جاہل اعتراض کریں گے اور یوں کہیں گے کہ دیکھو اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے (وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ) فرمایا کہ اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا اصلی بیٹا قرار نہیں دیا تو اب زید کی مطلقہ بیوی زینب سے نکاح کرنے میں کوئی باک نہیں ہونا چاہیے، جب اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دے دیا تو جاہلوں کے اعتراض کا خیال کرنا اور ان کے طعن و تشنیع سے ڈرنا آپ ﷺ کے مقام رفیع کے خلاف تھا، اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہے اسے خوب واضح طریقہ پر حلال بتانا چاہیے، عملاً بھی اور قولاً بھی تاکہ حکم شرعی پوری طرح واضح ہو جائے اور اہل ایمان کے دلوں میں اس کے حلال ہونے کے بارے میں کوئی شک و شبہ اور کوئی کسک باقی نہ رہے آپ کے دل میں جو لوگوں کے اعتراض کا خیال آیا اللہ تعالیٰ نے اس پر عتاب فرمایا اور رُشِد فرمایا: وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ (اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے اور آپ کو یہ سزاوار ہے کہ اللہ سے ڈریں)

لَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا (پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس عورت کا نکاح آپ سے کر دیا)۔
 عورت پوری کرنے کا منصب یہ ہے کہ زینب کی طرف سے بالکل ہی دل بھر گیا اور انہیں نکاح میں رکھنے کی ذرا سی خواہش نہیں رہی۔
 زینب کی کہ تہ سے پر عمل کر ہی لیا اور طلاق دے دی۔ (قال صاحب الروح فكانه قبل فلما قضى زيد حاجته من
 بی حها فنصتها وانقضت عذتها فلم یکن فی قلبه میل الیها ولا وحشة من فرانها)

يَكْفَى لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا (تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ
 بوسے بیٹوں کی بیوی کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے حاجت پوری کر چکیں) یعنی طلاق دے دیں اور عدت
 زبردہ ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح جائز ہو جاتا ہے آپ ﷺ کے عمل سے بھی ظاہر
 ہوئے اور آپ کی امت کے افراد اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کے بارے میں ذرا بھی دل میں تنگی
 محسوس نہ کریں، اگر مذکورہ مطلقہ یا بیوہ عورتوں سے نکاح کرنے کی رغبت ہو اور کوئی دوسرا مانع شرعی نہ ہو تو بلا تکلف ان سے
 نکاح کر لیا کریں۔ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا (اور اللہ کا حکم پورا ہونے والا ہی تھا) یعنی اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر یہ طے فرما
 دیا تھا کہ زینب کو آپ ﷺ کے نکاح میں ضرور ہی آتا ہے چنانچہ تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا وہ پورا ہو کر ہی رہا اور اس
 میں جو شرعی حکم تھا اپنے نبی ﷺ کے عمل سے اس کے جواز کا فیصلہ کر دیا۔

سنن ترمذی میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ وحی کا کچھ بھی حصہ چھپا سکتے تو آیت
 کریمہ وَإِذْ نَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ (آخر تک) کو ضرور چھپا لیتے (جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مخاطب
 فرما کر وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ - فرمایا ہے)
 مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ

جینی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے جو مقدر فرما دیا اور حلال قرار دے دیا اس کے بارے میں نبی پر کوئی الزام و
 مواخذہ نہیں، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی الزام نہیں تو مخلوق کو اعتراض کرنے کا اور طعن و تشنیع کا کوئی حق نہیں۔ سُنَّةَ اللَّهِ
 فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا یہی طریقہ رکھا ہے) یعنی سابقین انبیاء
 کرام علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ رہا ہے کہ ان کے لیے بہت سی چیزیں حلال قرار دیا ان پر انہوں نے بے تکلف
 عمل کیا اور مخلوق کے طعن و تشنیع کا بالکل خیال نہ کیا، حضور خاتم النبیین ﷺ نے بھی اس پر عمل کر لیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 جو عورت آپ ﷺ کے لیے حلال تھی اسے اپنے نکاح میں لے لیا (قال صاحب الروح: سنة الله اى سن الله
 تعالى ذلك سنة فهو مصدر منصوب بفعل مقدر من لفظه والجملة مؤكدة لما قبلها من نفى الحرج فى
 الذين من قبل، اى من قبلك من الانبياء عليهم الصلوة والسلام من حيث لم يحرج جل شاناه عليهم فى
 الاقدام على ما حل لهم ووسع لهم فى باب النكاح وغيره) (جلد ۲۲ ص ۲۷)

وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا (اور اللہ کا حکم مقرر کیا ہوا ہے) یہ مضمون سابق کی تاکید ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب
 اللہ تعالیٰ نے کوئی بات طے کر دی ہے کہ ایسا ہونا ہی ہوتا ہے اور فلاں حکم دینا ہے اور اس پر عمل کرانا ہے تو اس کا وجود بھی ضروری

ہے اور شرعی اصول کے مطابق اس کی حلت اور جواز کو بھی ظاہر کرنا ہے پس ایسی صورت میں کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ (جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں) وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ (اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے) یہ (الَّذِينَ خَلَقُوا مِنْ قَبْلُ) کی مفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حکم مقدور اور مقرر فرمادیا ہے اس پر بغیر کسی جھجک کے عمل کر لیا یہ حضرات انبیاء کا طریقہ رہا ہے، ان حضرات کی شان یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے پیغاموں کی تبلیغ کرتے تھے اور صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے، مخلوق کی کسی قسم کی کوئی ملامت انہیں تبلیغ حق سے نہیں رد کرتی تھی وہ قول سے بھی تبلیغ کرتے تھے اور عمل کر کے بھی دکھاتے تھے۔ (وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا) (اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا) جو لوگ آپ پر طعن کر رہے ہیں آپ ان کے طعن و تشنیع سے مغموم نہ ہوں اللہ تعالیٰ کو سب کے اعمال و اقوال کا علم ہے اور وہ حساب لینے کے لیے کافی ہے وہ جب حساب لے گا تو انہیں ان کے اعمال بد کی سزا دے گا۔

فوائد ضروریہ:

1: شریعت اسلامیہ میں کفایت کی بھی رعایت رکھی گئی ہے جس کا معنی برابری کا ہے حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی تین چیزیں ایسی ہیں جب ان کا وقت آجائے تو ان میں تاخیر نہ کی جائے (۱) جب نماز کا وقت ہو جائے۔ (۲) جب جنازہ حاضر ہو جائے۔ (۳) جب تم بے نکاحی عورت کے لیے اس کے برابر کا آدمی پالو۔ (رواہ الترمذی ص ۵۲) مطلب یہ ہے کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو اس کی ادائیگی میں تاخیر نہ کرو، اور جب جنازہ حاضر ہو جائے تو نماز جنازہ ادا کر کے اسے فوراً دفن کر دو اور جب کوئی عورت بے شوہر کی ہو (خواہ کنواری ہو خواہ مطلقہ ہو خواہ اس کا شوہر مر گیا ہو) جب اس کے میل کا آدمی مل جائے تو اس مرد سے اس کا نکاح کر دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ مرد و عورت کی برابری اور باہمی میل کا دیکھنا بھی دینی اور شرعی بات ہے۔ یہ میل اور برابری نسوں میں اور آزاد ہونے میں اور مسلمان ہونے میں اور وید ہونے میں اور پیشوں میں اور مال میں دیکھی جائے گی۔ کفایت کا لحاظ اس لیے رکھا گیا ہے کہ عورت اور اس کے اولیاء کے لوگ عار نہ دلائیں کہ گھٹیا آدمی سے اس کا نکاح ہو گیا، تفصیلات فقہ کی کتابوں میں لکھی ہے۔ یہاں اس سوال کا جواب دینا مقصود ہے کہ جب حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی نے حضرت زیدؓ سے نکاح کرنے کے بارے میں یہ عذر پیش کر دیا کہ زیدؓ زینبؓ کے میل کے نہیں ہیں کیونکہ وہ قریشی بھی نہیں اور ان پر غلامی کا بلہ بھی لگا ہوا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا عذر کیوں قبول نہیں فرمایا؟ بات یہ ہے کہ شرعاً کفایت کا اعتبار تو ہے لیکن بعض مرتبہ دوسری مصالحت ایسی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے کفایت کا خیال چھوڑ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ یہاں مصلحت مضر تھی جو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی کہ زیدؓ سے زینبؓ کا نکاح ہو جانے کے بعد طلاق ہو پھر رسول اللہ ﷺ کا زینبؓ سے نکاح ہو جس سے قیامت تک آنے والے مسلمانوں پر نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے قول سے بلکہ عمل سے یہ واضح ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے اس کی طلاق اور عدت کے بعد نکاح کیا جاسکتا ہے۔ عمل تعلیم و تبلیغ کے پیش نظر کفایت کی مصلحت کو چھوڑ

دیا گیا اور آپ ﷺ نے زینب اور ان کے بھائی کو حکم دیا کہ زید کا زینب سے نکاح ہو جانے میں کوئی حجت نہ کریں اور آپ نے جو پیغام دیا اسے قبول کر لیں۔ چونکہ آپ کا یہ حکم تھا بطور مشورہ ایک رائے نہیں تھی اس لیے آیت کریمہ میں اس سے انحراف کرنے کو عصیان سے تعبیر فرمایا (وَمَنْ يَعْصِ أَمْرًا وَعَدُوًّا فَقَدْ ضَلَّ سَبِيلًا مُّبِينًا) پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ ادیاء سے بلکہ ہر مؤمن کے اپنے نفس سے بھی زیادہ ہے جسے (الَّذِي أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَلْفَبَيْهًا) میں بتا دیا ہے، اس صورت میں آپ ﷺ کے حکم کا ماننا ہی لازم تھا، اگر امیر المؤمنین یا کوئی بھی بادشاہ یا حاکم یا ماں باپ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے خلاف حکم دے یا خود کسی عورت و مرد کا نفس آپ ﷺ کے حکم کے خلاف کرنا چاہے تو آپ کے حکم کی جو خلاف ورزی جائز نہیں ہے، آپ ﷺ نے جو حکم دے دید یا جو درجہ و جوب میں ہو اس پر عمل کرنا ہی چاہیے تو آپ کا کوئی حکم عام مسلمانوں کے لیے درجہ استجاب میں ہو اور آپ کسی مسلمان کو اس کے بارے میں بطور و جوب حکم دے دیں تو اس مسلمان کو اس پر عمل کرنا فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے جو رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا (وَتَخَشَىٰ النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخَشَىٰهُ) اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر نظر رکھنا لازم ہے۔ لوگ کیا کہیں گے اس کو نہ دیکھیں قرآن و حدیث میں جو حکم ہو اس پر نظر رکھیں۔ جو لوگ علماء اور مبلغ اور داعی ہوں خصوصیت کے ساتھ اس کا خیال رکھیں۔ آج کل لوگوں کا یہ مزاج بنا ہوا ہے کہ شرعی احکام کو اس ڈر سے چھوڑ دیتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے، وضع قطع میں اور لباس میں اور بیاہ شادی اور مرنے جینے کی رسموں میں عوام ہی کو خوش کرنے کے کام کرتے ہیں اور صریحاً شریعت مطہرہ کی خلاف ورزی کر جاتے ہیں، اچھے اچھے نام نہاد نیک اور نمازی بیاہ شادی میں خلاف شرع امور کا ارتکاب کر لیتے ہیں جب توجہ دلائی جاتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ کیا کریں جی! دور ہی ایسا ہے، مخلوق کو بھی راضی رکھنا پڑتا ہے۔ لوگوں کی باتوں کا خیال کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنا دعوائے ایمان کے سراسر منافی ہے، رسول اللہ ﷺ نے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی لیکن لوگوں کے طعن و تشنیع کا خیال آ گیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے عتاب فرمایا کیونکہ ایسا خیال کرنا بھی آپ کی شان اقدس کے خلاف تھا۔

ہاں بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی عمل کے کرنے سے لوگوں کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اور اس کی وجہ سے ان کے دین و ایمان میں نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔ سوا گروہ عمل فی نفسہ محمود ہو لیکن شرعاً مایوس نہ ہو تو اسے ترک کرنا درست ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری قوم (قریش) نئی نئی مسلمان نہ ہوتی تو میں کعبہ شریف کو ہجر سے تعمیر کر دیتا اور حطیم کو تعمیر کے اندر چھت والے حصہ میں شامل کر دیتا اور کعبہ شریف کے دو دروازے بنا دیتا۔ لیکن آپ نے اس کو اچھا عمل جانتے ہوئے بھی انجام نہیں دیا تاکہ کہنے والے یہ نہ کہیں کہ دیکھو یہ کیسا نبی ہے کہ کعبہ شریف کو گرادیا۔ چونکہ آپ کو تعمیر جدید کا حکم نہیں دیا گیا تھا اس لیے آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور اس میں تگ و پور پر یہ حکمت تھی کہ جن لوگوں کو کعبہ شریف کے اندر داخلہ میسر نہ ہو وہ حطیم میں داخل ہو جائیں اس میں داخل ہونا بھی دخول کعبہ ہی کے حکم میں ہے کیونکہ حطیم بھی کعبہ شریف کا حصہ ہے۔

حضرت زید بن حارثہؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کا اسم گرامی قرآن مجید میں وارد ہوا ہے آپ کے علاوہ کسی صحابی کا

نام قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ حکم قرآنی: (ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ) کی وجہ سے مسلمانوں نے انہیں زید بن محمد کہنا چھوڑ دیا۔ اور اس طرح سے وہ ایک بہت بڑے اعزاز سے محروم ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ شانہ نے انہیں دوسری طرح نواز دیا کہ ان کا نام قرآن مجید میں نازل فرما دیا۔ جب آیت قرآنیہ کی تلاوت کی جائے گی جس میں لفظ زید واقع ہوا ہے تو قرآن حکیم کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملنے کے وعدہ کے مطابق اس لفظ کے پڑھنے پر تیس نیکیاں مل جائیں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس طرح بھی دلداری فرمائی کہ انہیں جس کسی لشکر میں بھیجتے تھے تو انہیں اس لشکر کا امیر بنا دیتے تھے۔ ۸ ہجری میں پچپن سال کی عمر میں غزوہ موتہ میں انہوں نے شہادت پائی۔ اس وقت بھی وہ لشکر کے امیر تھے۔ حضور ﷺ نے بعض مرتبہ انہیں اپنے پیچھے مدینہ منورہ کا امیر بھی بنایا اور اپنی آخری عمر میں ان کے بیٹے حضرت اسامہؓ کو بھی ایک لشکر کا امیر بنا دیا تھا پھر اس لشکر کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے روانہ فرمایا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ....

رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں:

آیت مذکورہ میں ان لوگوں کے خیال کا رد ہے جو اپنی رسم جاہلیت کے مطابق زید بن حارثہ کو رسول اللہ ﷺ کا بیٹا کہتے تھے، اور ان کی طلاق کے بعد حضرت زینب سے آنحضرت ﷺ کے نکاح پر طعن کرتے تھے، کہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اس کے رد کے لیے یہ کہہ دینا کافی تھا کہ رسول اللہ ﷺ زید کے باپ نہیں بلکہ زید کے باپ حارثہ ہیں، مگر اس میں مبالغہ اور تاکید کیلئے ارشاد فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ، یعنی محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ بھی نہیں، تو ایسے شخص پر جس کی اولاد میں کوئی بھی مرد نہ ہو یہ طعن دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے، کہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور اس کی مطلقہ بیوی آپ کے بیٹے کی بیوی ہونے کی وجہ سے آپ پر حرام ہے۔

اس مضمون کے بیان کے لیے مختصر الفاظ یہ تھے کہ (أَبَا أَحَدٍ مِّنْكُمْ) کہا جاتا، اس کے بجائے قرآن حکیم نے لفظ رجال کا اضافہ کر کے اس شبہ کو دور کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ تو چار فرزندوں کے والد ہیں، تین فرزند حضرت خدیجہ سے قاسم، طیب، طاہر ہیں اور ایک حضرت ماریہ قبطیہ سے ابراہیم، کیونکہ یہ سب بچپن ہی میں وفات پا گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی رجال کی حد میں داخل نہیں ہوا، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نزول آیت کے وقت آپ کا کوئی فرزند نہ تھا۔ قاسم، طیب، اور طاہر کی وفات ہو گئی تھی اور ابراہیم ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

مخالفین کے اعتراض اور طعن کا جواب اسی جملہ سے ہو گیا تھا، مگر آگے دوسرے شبہات کے ازالہ کے لیے فرمایا لیکن رسول اللہ حرف لکن عربی زبان میں اس کام کے لیے آتا ہے کہ پچھلے کلام میں جو کوئی شبہ ہو سکتا تھا اس کو دور کیا جائے۔ یہاں جب رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ بیان کیا گیا کہ آپ امت کے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں تو اس پر شبہ ہو سکتا تھا کہ ہر نبی و رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے، اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ امت کے سبھی مردوں کے بلکہ ہر مرد و عورت کے باپ ہیں آپ سے جہوت کی نفی گویا نبوت کی نفی ہے۔

اس کا جواب لکن رَسُولَ اللَّهِ کے لفظ سے یہ دیا گیا کہ حقیقی اور نسبی باپ ہونا اور چیز ہے جس پر نکاح کے حلال و حرام کے احکام عائد ہوتے ہیں اور بحیثیت نبوت امت کا روحانی باپ ہونا دوسری چیز ہے جس سے یہ احکام متعلق نہیں ہوتے، تو گویا مطلب اس پورے جملے کا یہ ہو گیا کہ آپ امت کے مردوں میں سے کسی کے بھی نسبی باپ نہیں، لیکن روحانی باپ سب کے ہیں۔

اس میں ایک دوسرے طعن کا جواب بھی ہو گیا، جو بعض مشرکین نے کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ معاذ اللہ ابتر (یعنی مقطوع النسل) ہیں۔ یعنی کوئی نرینہ اولاد آپ کی نہیں ہے، جس سے نسب چلے، اور آپ کا یہ پیغام آگے بڑھے، چند روز کے بعد ان کا قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔ الفاظ مذکور نے یہ واضح کر دیا کہ اگرچہ نسبی اولاد نرینہ آپ کی نہیں لیکن آپ کی رسالت و نبوت کے پیغام کو پھیلانے اور قائم رکھنے اور بڑھانے کے لیے نسبی اولاد کی ضرورت نہیں، اس کے لیے روحانی اولاد کام کیا کرتی ہے۔ اور چونکہ آپ رسول اللہ ہیں، اور رسول امت کا روحانی باپ ہوتا ہے، اس لیے آپ پوری امت کے روحانی باپ ہونے کی حیثیت سے تم سب سے زیادہ کثیر الاولاد ہیں۔

یہاں جبکہ آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت کا ذکر آیا، اور اس منصب نبوت میں آپ تمام دوسرے انبیاء سے خاص امتیازی فضیلت رکھتے ہیں تو آگے آپ کی مخصوص شان اور تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ کا فائق ہونا اس لفظ سے واضح ہو گیا، خاتم النبیین، لفظ خاتم میں دو قراءتیں ہیں، امام حسن اور عاصم کی قرات خاتم بفتح تاء ہے اور دوسرے ائمہ قرات خاتم بکسر تاء پڑھتے ہیں۔ حاصل معنی دونوں کا ایک ہی ہے، یعنی انبیاء کو ختم کرنے والے، کیونکہ خاتم خواہ بکسر التاء ہو یا بفتح التاء دونوں کے معنی آخر کے بھی آتے ہیں، اور مہر کے معنی میں بھی یہ دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں، اور نتیجہ دوسرے معنی کا بھی وہی آخر کے معنی ہوتے ہیں کیونکہ مہر کسی چیز پر بند کرنے کے لیے آخر ہی میں کی جاتی ہے۔ لفظ خاتم بکسر و بفتح دونوں کے معنی لغت عربی میں تمام کتابوں میں مذکور ہیں۔ قاموس، صحاح، لسان العرب، تاج العروس وغیرہ اسی لیے تفسیر روح المعانی میں خاتم بمعنی مہر کا حاصل بھی وہی معنی آخر کے بتلائے ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: والخاتم اسم القلم یختم به كالطابع لما یطبع به فمعنی خاتم النبیین الذی ختم النبیین به وماله اخر النبیین۔ یہی مضمون تفسیر بیضاوی اور احمدی میں بھی مذکور ہے اور امام راغب نے مفردات القرآن میں فرمایا: وخاتم النبوة الایة ختم النبوة ای تمہا بمجیبہ، یعنی آپ کو خاتم نبوت اس لیے کہا گیا کہ آپ نے نبوت کو اپنے تشریف لانے سے ختم اور مکمل کر دیا ہے۔

اور حکم ابن سیدہ میں ہے وخاتم کل شیء وخاتمہ عاقبتہ واخرہ یعنی ہر چیز کا خاتم اور خاتمہ اس کے انجام اور آخر کو کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قراءت خواہ بفتح تاء کی لی جائے یا بکسر تاء کی، معنی دونوں صورتوں میں یہ ہیں کہ آپ ختم کرنے والے ہیں انبیاء کے، یعنی سب کے آخر اور بعد میں آپ مبعوث ہوئے ہیں۔

صفت خاتم الانبیاء ایک ایسی صفت ہے جو تمام کمالات نبوت و رسالت میں آپ کی اعلیٰ فضیلت اور خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے۔ کیونکہ عموماً ہر چیز میں تدریجی ترقی ہوتی ہے اور انتہا پر پہنچ کر اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور جو آخری نتیجہ ہوتا ہے وہی اصل مقصود ہوتا ہے، قرآن کریم نے خود اس کو واضح کر دیا ہے: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی،

یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، دراپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔
انبیائے سابقین کے دین بھی اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے مکمل تھے، کوئی ناقص نہ تھا، لیکن کمال مطلق اسی دین

مصطفویٰ کو حاصل ہوا جو اولین و آخرین کے لیے حجت اور قیامت تک چلنے والا دین ہے۔
اس جگہ صفت خاتم النبیین کے اضافہ سے اس مضمون کی بھی اور زیادہ وضاحت اور تکمیل ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ کو
مقطوع النسل کہنا جہالت ہے، جبکہ ساری امت کے باپ ہونے کی حیثیت سے آپ متصف ہیں کیوں کہ لفظ خاتم النبیین
نے یہ بھی بتلادیا کہ آپ کے بعد قیامت تک آنے والی سب نسلیں اور قومیں آپ ہی کی امت میں شامل ہوں گی۔ اس وجہ
سے آپ کی امت کی تعداد بھی دوسری امتوں سے زیادہ ہوگی اور آپ کی روحانی اولاد دوسرے انبیاء کی نسبت سے بھی زیادہ
ہوگی۔

صفت خاتم النبیین نے یہ بھی بتلادیا کہ آنحضرت ﷺ کی شفقت اپنی اولاد روحانی یعنی پوری امت پر دوسرے
تمام انبیاء سے زائد ہوگی، اور آپ قیامت تک پیش آنے والی ضرورتوں کو واضح کرنے کا پورا اہتمام فرمائیں گے۔ کیونکہ آپ
کے بعد کوئی نبی اور کوئی وحی دنیا میں آنے والی نہیں، بخلاف انبیاء سابقین کے کہ ان کو اس کی فکر نہ تھی وہ جانتے تھے کہ جب قوم
میں گمراہی پھیلے گی تو ہمارے بعد دوسرے انبیاء آ کر اس کی اصلاح کر دیں گے، مگر خاتم الانبیاء ﷺ کو یہ فکر لاحق تھی کہ
قیامت تک امت کو جن حالات سے سابقہ پڑے گا ان سب حالات کے متعلق ہدایات امت کو دے کر جائیں، جس پر رسول
اللہ ﷺ کی احادیث شامد ہیں کہ آپ کے بعد جتنے لوگ قابل اقتداء آنے والے تھے اکثر ان کے نام لے کر بتلادیا ہے۔
اسی طرح جتنے گمراہی کے علمبردار ہیں ان کے حالات اور پتے ایسے کھول کر بتلادیئے ہیں کہ ذرا غور کرنے والے کو کوئی اشتباہ
باقی نہ رہ جائے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ((انی ترکتکم علی شریعة بیضاء لیلہا ونہارہا
سواء)) یعنی میں نے تم کو ایسے روشن راستے پر چھوڑا ہے جس میں رات دن برابر ہیں کسی وقت بھی گمراہی کا خطرہ نہیں

اس آیت میں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ اوپر آنحضرت ﷺ کا ذکر صفت رسول آیا ہے، اس کے لیے بظاہر
مناسب یہ تھا کہ آگے ”خاتم الرسل“ یا ”خاتم المرسلین“ کا لفظ استعمال ہوتا، مگر قرآن حکیم نے اس کے بجائے ”خاتم النبیین“ کا
لفظ اختیار فرمایا۔

وجہ یہ ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک نبی اور رسول میں ایک فرق ہے۔ وہ یہ کہ نبی تو ہر شخص کو کہا جاتا ہے جس کو حق تعالیٰ
اصلاح خلق کے لیے مخاطب فرمائیں، اور اپنی وحی سے مشرف فرمائیں، خواہ اس کے لیے کوئی مستقل کتاب اور مستقل شریعت
تجویز کریں، یا پہلے ہی کسی نبی کی کتاب و شریعت کے تابع لوگوں کو ہدایت کرنے پر مامور ہو، جیسے ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ
علیہ السلام کی کتاب و شریعت کے تابع ہدایت کرنے پر مامور تھے۔

اور لفظ رسول خاص اس نبی کے لیے بولا جاتا ہے جس کو مستقل کتاب و شریعت دی گئی ہو۔ اسی طرح لفظ نبی کے مفہوم
میں بہ نسبت لفظ رسول کے عموم زیادہ ہے، تو آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ آپ انبیاء کے ختم کرنے والے اور سب سے آخر میں ہیں
خواہ وہ صاحب شریعت نبی ہوں یا صرف پہلے نبی کے تابع۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کی جتنی قسمیں اللہ کے نزدیک ہو سکتی ہیں

دوب آپ پر ختم ہو گئیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

یعنی یہ آیت نص صریح ہے اس عقیدہ کے لیے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، اور جب نبی نہیں تو بدرجہ اولیٰ رسول بھی نہیں، کیونکہ لفظ نبی عام اور لفظ رسول خاص ہے اور یہ وہ عقیدہ ہے جس پر احادیث متواترہ شاہد ہیں، جو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کی روایت سے ہم تک پہنچی ہیں۔

اس آیت کی لفظی تشریح میں کسی قدر تفصیل سے اس لیے کام لیا گیا کہ ہمارے ملک میں مرزا قادیانی مدعی نبوت نے اس آیت کو اپنے راستہ کی رکاوٹ سمجھ کر اس کی تفسیر میں طرح طرح کی تحریفات اور احتمالات پیدا کیے ہیں، مذکورہ صدر تقریر سے الحمد للہ ان سب کا جواب ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ختم نبوت:

رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا اور آپ کا آخری پیغمبر ہونا، آپ کے بعد کسی نبی کا دنیا میں مبعوث نہ ہونا اور ہر مدعی نبوت کا کاذب و کافر ہونا ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع و اتفاق رہا ہے۔ اس لیے ضرورت نہ تھی کہ اس پر کوئی تفصیلی بحث کی جائے، لیکن قادیانی فرقہ نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے بڑا زور لگایا ہے، سینکڑوں چھوٹی بڑی کتابیں شائع کر کے کم علم لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے احقر نے اس مسئلہ کی پوری تفصیل ایک مستقل کتاب "ختم نبوت" میں لکھ دی ہے، جس میں ایک سو آیات اور دوسو سے زائد احادیث اور سینکڑوں اقوال و آثار سلف و خلف سے اس مسئلہ کو پورا واضح کر دیا ہے اور قادیانی دجل کے شہ کا مفصل جواب دیا ہے، یہاں اس میں سے چند ضروری باتیں لکھی جاتی ہیں۔

آپ کا خاتم النبیین ہونا آخر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے منافی نہیں:

چونکہ قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ قیامت سے پہلے آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر دنیا میں تشریف لائیں گے، اور دجال اعظم کو قتل کریں گے اور اس وقت ہر گمراہی کو ختم کریں گے، جس کی تفصیل احقر کے رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسيح" میں مذکور ہے۔

مرزائی قادیانی نے عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان میں اٹھایا جانا اور پھر آخر زمانہ میں تشریف لانا جو قرآن و سنت کی بے شمار نمونوں سے ثابت ہیں ان کا انکار کر کے خود مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور استدلال میں یہ پیش کیا کہ اگر حضرت عیسیٰ بن مریم نبی اسرائیل کا پھر دنیا میں آنا تسلیم کیا جائے تو یہ آنحضرت محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے منافی ہوگا۔

جواب بالکل واضح ہے کہ خاتم النبیین اور آخر النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی شخص عہدہ نبوت پر فائز نہ ہوگا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ سے پہلے جس کو نبوت عطا ہو چکی ہے ان کی نبوت سلب ہو جائے گی، یا ان میں سے کوئی اس عالم میں پھر نہیں آسکتا۔ البتہ آنحضرت ﷺ کے بعد جو بھی آپ کی امت میں اصلاح و تبلیغ کے لیے آئے گا وہ اپنے منصب نبوت پر قائم ہوتے ہوئے اس امت میں اصلاح کی خدمت آنحضرت ﷺ کی تعلیمات ہی کے تابع انجام دے گا، جیسا

کہ احادیث صحیفہ میں تصریح ہے۔

امام ابن کثیر نے اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا۔

”یعنی رسول اللہ ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے سے یہ مراد ہے کہ وصف نبوت آپ کے بعد منقطع ہو گیا، اب کسی کو یہ وصف اور منصب نہیں ملے گا، اس سے اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس پر امت کا اجماع ہے اور قرآن اس پر ناطق ہے اور احادیث رسول جو تقریباً درجہ تو اثر کو پہنچی ہوئی ہیں اس پر شاہد ہیں وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخراً زمانے میں نازل ہوں گے، کیونکہ ان کو نبوت اس دنیا میں ہمارے نبی ﷺ سے پہلے مل چکی تھی“

نبوت کے مفہوم کی تحریف ظلی اور بروزی نبوت کی ایجاد:

اس مدعی نبوت نے دعویٰ نبوت کا راستہ ہموار کرنے کے لیے ایک نئی چال یہ چلی کہ نبوت کی ایک نئی قسم ایجاد کی، جس کا قرآن و سنت میں کوئی وجود و ثبوت نہیں اور پھر کہا کہ یہ قسم نبوت کی حکم قرآنی ختم نبوت کے منافی نہیں۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اس نے نبوت کے مفہوم میں وہ راستہ اختیار کیا جو ہندوؤں اور دوسری قوموں میں معروف ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کے جنم میں دوسرے کے روپ میں آ سکتا ہے، اور پھر یہ کہا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے مکمل اتباع کی وجہ سے آپ کا ہم رنگ ہو گیا ہو اس کا آنا گویا خود آپ کا ہی آنا ہے، وہ درحقیقت آپ ہی کا ظل اور بروز ہوتا ہے، اس لیے اس کے دعوے سے عقیدہ ختم نبوت متاثر نہیں ہوتا۔

مگر اول تو خود یہ نوا ایجاد نبوت اسلام میں کہاں سے آئی، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس کے علاوہ مسئلہ ختم نبوت چونکہ عقائد اسلامیہ کا ایک بنیادی عقیدہ ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کو مختلف عنوانات سے مختلف اوقات میں ایسا واضح کر دیا ہے کہ کسی تحریف کرنے والے کی تحریف چل نہیں سکتی۔ اس جواب کی پوری تفصیل تو احقر کی کتاب ختم نبوت ہی میں دیکھی جا سکتی ہے، یہاں چند چیزیں بقدر ضرورت پیش کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

صحیح بخاری دمسلم وغیرہ میں تمام کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت اسناصحیح کے ساتھ آئی ہے کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا:

”میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک مکان بنایا ہو اور اس کو خوب مضبوط اور مزین کیا ہو مگر اس کے ایک گوشہ میں دیوار کی ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی ہو تو لوگ اس کو دیکھنے کے لیے اس میں چلیں پھریں اور تعمیر کو پسند کریں مگر سب یہ کہیں کہ اس مکان بنانے والے نے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی جس سے تعمیر بالکل مکمل ہو جاتی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”(قصر نبوت کی) وہ آخری اینٹ میں ہوں، اور بعض الفاظ حدیث میں ہیں کہ میں نے اس خالی جگہ کو پر کر کے قصر نبوت کو مکمل کر دیا“

اس تمثیل بلیغ کا حاصل یہ ہے کہ نبوت ایک عالی شان محل کی طرح ہے، جس کے ارکان انبیاء علیہم السلام ہیں۔ آنحضرت محمد ﷺ سے پہلے یہ محل بالکل تیار ہو چکا تھا اور اس میں صرف ایک اینٹ کے سوا کسی اور قسم کی گنجائش تعمیر میں باقی نہیں تھی،

آنحضرت ﷺ نے اس جگہ کو پر کر کے تصریح فرمادی، اب اس میں نہ کسی نبوت کی گنجائش ہے نہ رسالت کی، اگر نبوت یا رسالت کی کچھ اقسام مان لی جائیں تو اب ان میں سے کسی قسم کی گنجائش تصریح میں نہیں ہے۔

صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ کی ایک دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ”بنی اسرائیل کی سیاست اور انتظام خود انبیاء کے ہاتھ میں تھا، جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو دوسرا نبی اس کے قائم مقام ہو جاتا تھا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ میرے خلیفہ ہوں گے جو بہت ہوں گے۔“

اس حدیث نے یہ بھی واضح کر دیا کہ آنحضرت ﷺ چونکہ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا تو امت کی ہدایت کا انتظام کیسے ہوگا؟ اس کے متعلق فرمایا کہ آپ کے بعد امت کی تعلیم و ہدایت کا انتظام آپ کے خلفاء کے ذریعہ سے ہوگا، جو رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے مقاصد نبوت کو پورا کریں گے، اگر ظلی بروزی کوئی نبوت کی قسم ہوتی یا غیر تشریحی نبوت باقی ہوتی، تو ضرور تھا کہ یہاں اس کا ذکر کیا جاتا کہ اگرچہ عام نبوت ختم ہو چکی مگر فلاں قسم کی نبوت باقی ہے جس سے اس عالم کا انتظام ہوگا

اس حدیث میں صاف واضح الفاظ میں بتلاد یا کہ نبوت کی کوئی قسم آپ کے بعد باقی نہیں، اور ہدایت خلق کا کام جو پچھلی امتوں میں انبیاء بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا، وہ اس امت میں آپ کے خلفاء سے لیا جائے گا۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث مرفوع ہے:
 ”یعنی نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات کے“

مسند احمد وغیرہ میں حضرت صدیقہ عائشہ اور ام کرزہ کعبیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
 ”میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات کے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مبشرات کیا چیز ہیں؟ فرمایا
 سچے خواب جو مسلمان خود دیکھے یا اس کے متعلق کوئی دوسرا دیکھے“

اس حدیث نے کس قدر وضاحت سے بتلاد یا کہ نبوت کی کوئی قسم تشریحی یا غیر تشریحی اور بقول مرزا قادیانی ظلی یا بروزی آنحضرت ﷺ کے بعد باقی نہیں، صرف مبشرات یعنی سچے خواب لوگوں کو آئیں گے جن سے کچھ معلومات ہو جائیں گی۔

اور مسند احمد اور ترمذی میں حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بیشک رسالت اور نبوت میرے بعد منقطع ہو چکی ہے، میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی“ وقال هذا الحدیث صحیح
 اس حدیث نے واضح کر دیا کہ غیر تشریحی نبوت بھی آپ کے بعد باقی نہیں، اور ظلی بروزی تو نبوت کی کوئی قسم ہی نہیں نہ اسلام میں اس طرح کی کوئی چیز معروف ہے۔

اس جگہ مسئلہ ختم نبوت کی احادیث جمع کرنا مقصود نہیں، وہ تو دوسو سے زیادہ رسالہ ”ختم نبوت“ میں جمع کر دی گئی ہیں، صرف چند احادیث سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ مرزائی قادیانی نے جو بقاء نبوت کے لیے ظلی اور بروزی کا عنوان ایجاد کیا ہے، اول تو اسلام میں اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں، اور بالفرض ہوتی بھی تو ان احادیث مذکورہ نے واضح طور پر یہ بتلاد یا کہ آپ کے بعد نبوت کی کوئی قسم کسی طرح کی باقی نہیں ہے۔

اسی لیے صحابہ کرام سے لے کر حج تک امت مسلمہ کے سب طبقات کا اجماع اس عقیدہ پر رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی یا رسول نہیں ہو سکتا جو دعویٰ کرے وہ کاذب، منکر قرآن اور کافر ہے۔ اور صحابہ کرام کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر ہوا جس کی رو سے مسیلمہ کذاب مدعی نبوت سے خلیفہ اول صدیق اکبر کے عہد میں جہاد کر کے اس کو اور اس کے ماننے والوں کو قتل کیا گیا۔

ائمہ سلف اور علماء امت کے اقوال و تصریحات بھی اس معاملہ میں رسالہ ”ختم نبوت“ کے تیسرے حصہ میں بڑی تفصیل سے لکھ دیئے گئے ہیں، اس جگہ چند کلمات نقل کیے جاتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے احادیث متواترہ میں خبر دی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ آپ کے بعد جو شخص اس مقام نبوت کا دعویٰ کرے وہ کذاب، مفتری، دجال، گمراہ، گمراہ کرنے والا ہے، اگرچہ وہ کتنی ہی شعبہ بازی کرے اور قسم قسم کے جادو اور طلسم اور نیرنگیاں دکھلائے کہ سب کے سب محال اور گمراہی میں عقل والوں کے نزدیک جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسود غنسی (مدعی نبوت) کے ہاتھ پر یمن میں اور مسیلمہ کذاب (مدعی نبوت) کے ہاتھ پر یمامہ میں اس طرح کے حالات فاسدہ اور بے ہودہ اقوال ظاہر کرائے، جن کو دیکھ کر سن کر ہر عقل و فہم والے نے سمجھ لیا کہ یہ دونوں کاذب اور گمراہ ہیں، اللہ ان پر لعنت فرمائے، اسی طرح جو شخص بھی قیامت تک نبوت کا دعویٰ کرے وہ کاذب و کافر ہے، یہاں تک کہ مدعیان نبوت کا یہ سلسلہ مسیح دجال پر ختم ہوگا“

امام غزالی نے اپنی کتاب ”الاقتصاد فی الاعتقاد“ میں آیت مذکورہ کی تفسیر اور عقیدہ ختم نبوت کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں:

”بیشک امت نے اس لفظ (یعنی خاتم النبیین اور لانی بعدی) سے اور قرآن احوال سے باجماع یہی سمجھا ہے کہ آپ کے بعد اب تک نہ کوئی نبی ہوگا، اور نہ کوئی رسول اور یہ کہ نہ اس میں کوئی تاویل چل سکتی ہے نہ تخصیص“

اور قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفا میں نبی کریم ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کر نیوالے کو کافر اور کذاب اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کر نیوالا اور آیت مذکورہ کا منکر کہہ کر یہ الفاظ لکھے ہیں:

”امت نے اجماع کیا ہے کہ اس کلام کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے اور اس پر کہ اس آیت کا نفس مفہوم ہی مراد ہے بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے اس لیے ان تمام فرقوں کے کفر میں کوئی شک نہیں، (جو کسی مدعی نبوت کی پیروی کریں) بلکہ ان کا کفر قطعی طور سے اجماع امت اور نقل یعنی کتاب و سنت سے ثابت ہے“

رسالہ ختم نبوت کے تیسرے حصہ میں ائمہ دین اور ہر طبقے کے اکابر علماء کے بہت سے اقوال جمع کر دیئے گئے ہیں اور جو یہاں نقل کیے گئے ہیں ایک مسلمان کے لیے وہ بھی کافی ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر معارف القرآن) (مفتی شفیع)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ أَوَّلَ النَّهَارِ وَآخِرَهُ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ أَيُّ يَرْحَمُكُمْ وَهُوَ الْمَلِكُ أَيُّ يَسْتَفِيزُونَ لَكُمْ لِيُخْرِجَكُمْ لِيُدِيمَ إِخْرَاجَهُ أَيُّ أَيُّكُمْ مِّنَ الظَّالِمِينَ أَيُّ الْكُفْرِ إِلَى الثُّورِ ۚ أَيُّ الْإِيمَانِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝ تَحِيَّتُهُمْ مِنْهُ تَعَالَى يَوْمَ

يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۖ بِلِسَانِ الْمَلَائِكَةِ وَالْجَنَّةِ ۖ وَاعْدَا لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ۝ هُوَ الْجَنَّةُ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ
شَاهِدًا عَلَىٰ مَنْ أُرْسِلْتَ إِلَيْهِمْ ۖ وَبَشِيرًا مَّنْ صَدَقْتَ بِالْجَنَّةِ وَكَذِيرًا ۝ مُنذِرًا مِّنْ كَذِبِكَ بِالنَّارِ وَ
دَاعِيًا إِلَى اللَّهِ إِلَى طَاعَتِهِ بِأُذُنِهِ بِأَمْرِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ أَي مِثْلَهُ فِي الْإِهْتِدَاءِ بِهِ وَبَشِيرَ الْمُؤْمِنِينَ
بِأَنَّ لَهُمْ مِّنْ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۝ هُوَ الْجَنَّةُ وَلَا تُطْعِ الْكُفْرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ فِيمَا يُخَالِفُ شَرِيْعَتَكَ وَ
دَعَا تَرَكْ أَذَاهُمْ لَا تُجَارِهِمْ عَلَيْهِ إِلَى أَنْ تُؤْمَرُوا فِيهِمْ بِأَمْرٍ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ فَهُوَ كَافِيكَ وَكَفَى بِاللَّهِ
وَكَيْلًا ۝ مَفْرُضًا إِلَيْهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ
تَتَّسُوهُنَّ فِي قِرَاءَةِ تَمَاسُوهُنَّ أَي تَجَامِعُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا ۖ تُحْصَوْنَهَا
بِالْأَقْرَابِ أَوْ غَيْرِهَا فَمَتَّعُوهُنَّ أُعْطُوهُنَّ مَا يَمْتَنِعْنَ بِهِ أَي إِنْ لَمْ يُسَمَّ لَهُنَّ أَصْدِيقَةٌ وَالْأَقْرَابُ نِصْفُ
الْمُسْمَى فَقَطْ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَسَرَّحُوهُنَّ سَرَّاحًا جَبِيلًا ۝ حَلُّوا سَبِيلَهُنَّ مِنْ
غَيْرِ اضْطِرَارٍ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي آتَيْتَ أَجُورَهُنَّ مُهُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ
مِمَّا آفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ مِنَ الْكُفَّارِ بِالسَّبْيِ كَصَفِيَّةَ وَجُوَيْرِيَةَ وَبَنَاتِ عَمَّتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَ
بَنَاتِ خَلَّتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ بِخِلَافٍ مِّنْ لَّمْ يُهَاجِرْنَ وَأَمْرًا مُّؤَمَّةً إِنْ وَهَبْتَ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ
أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا ۖ يَطْلُبُ نِكَاحَهَا بِغَيْرِ صَدَاقٍ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ
النِّكَاحُ بِلَفْظِ الْهَبَةِ مِنْ غَيْرِ صَدَاقٍ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ أَي الْمُؤْمِنِينَ فِي أَزْوَاجِهِمْ مِنَ الْأَحْكَامِ
بِأَنْ لَا يَزِيدُوا عَلَىٰ أَرْبَعِ نِسْوَةٍ وَلَا يَتَزَوَّجُوا إِلَّا بِوَلِيِّ وَشُهُودٍ وَمَهْرٍ وَفِي مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ مِنَ الْإِمَاءِ
بِشَرَاءٍ أَوْ غَيْرِهِ بِأَنْ تُكُونَ الْأَمَةُ مِمَّنْ تَحِلُّ لِمَالِكِهَا كَالْكِتَابِيَّةِ بِخِلَافِ الْمُجُوسِيَّةِ وَالْوَتْنِيَّةِ وَأَنْ تَسْتَبْرَأَ
قَبْلَ الرُّطْبِيِّ لِكَيْلَا مُتَعَلِّقٌ بِمَا قَبْلَ ذَلِكَ يَكُونُ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۖ ضَبِيقٌ فِي النِّكَاحِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا
يَغْسِرُ التَّحْرُزُ عَنْهُ رَحِيمًا ۝ بِالتَّوَشُّعِ فِي ذَلِكَ تُرْجَى بِالْهَمْزَةِ وَالْيَاءِ بَدَلُهُ تُؤَخَّرُ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ أَي
أَزْوَاجِكَ عَنْ نُؤْبَتِهَا وَتُعَوَّى تَضْمُ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ۖ مِنْهُنَّ فَتَاتِيهَا وَمَنْ ابْتَغَيْتَ طَلَبْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ

مِنَ الْقِسْمَةِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۖ فِي طَلَبِهَا رَضِمَهَا إِلَيْكَ خَيْرٌ لِّي ذَلِكَ بَعْدَ أَنْ كَانَ الْقِسْمُ وَاجِبًا عَلَيْهِ
 ذَلِكَ التَّخْيِيرُ أَذَى أَقْرَبَ إِلَى أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَ وَيَرْضَيْنَ بِمَا أُتِيَتْهُنَّ مَا ذَكَرَ الْمُخَيَّرُ فِيهِ
 كَلِمَةً ۖ تَأْكِيدًا لِلْفَاعِلِ فِي يَرْضَيْنَ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۖ مِنْ أَمْرِ النِّسَاءِ وَالْمَثَلِ إِلَى بَعْضِهِنَّ
 وَإِنَّمَا خَيْرٌ نَأْكُ فِيهِنَّ تَبْيِيسُهُنَّ أَعْلَيْكَ فِي كُلِّ مَا رَدَدْتَ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا بِخَلْقِهِ حَلِيمًا ﴿٥﴾ عَنْ عِقَابِهِمْ لَا
 يَحِلُّ بِالنِّسَاءِ وَالْبَاءِ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ الْتَمَسِ اللَّاتِي أَخْتَرْتَنكَ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِتَنكِاحِ الْتَائِي فِي
 الْأَصْلِ يَهْنُ مِنْ أَزْوَاجِ بَانَ تُطَلِّقُهُنَّ أَوْ بَعْضَهُنَّ وَتَنْكِحَ بَدَلَ مِنْ طَلَّقْتَ وَكَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنَهُنَّ إِلَّا
 مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۖ مِنَ الْإِمَاءِ فَتَحِلُّ لَكَ وَقَدْ مَلَكَتْ بَعْدَهُنَّ مَارِيَةَ الْقِبْطِيَّةَ وَوَلَدَتْ لَهُ إِبْرَاهِيمَ وَمَاتَ فِي
 خَيْرِهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ ذَوِيًّا ﴿٥﴾ حَفِيظًا

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی کثرت سے یاد کیا کرو اور صبح و شام دن کے شروع میں اور آخر میں اس کی تسبیح کرتے رہا
 کرو وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی تمہارے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں تاکہ تم کو نکالتا رہے ہمیشہ
 اس کی طرف سے تمہیں نکالنا جاری رہے کفر کی تاریکیوں سے ایمان کے نور کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ مؤمنین پر بہت مہربان
 ہے ان کو دعا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس روز اللہ تعالیٰ سے ملیں گے سلام ہوگا فرشتوں کی زبانی اور اس نے ان کے لیے بہترین
 صلہ جنت تیار کر رکھی ہے اے نبی! بلاشبہ ہم نے آپ کو امت پر گواہ بنا کر اور آپ کے جاننے والوں کو جنت کی بشارت دینے
 والے نہ ماننے والوں کو جہنم کی آگ سے ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی اطاعت کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے اور
 آپ کو ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا یعنی راہ کھانے میں چراغ کی طرح ہیں اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دیجئے کہ ان پر اللہ
 کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے جنت کا اور کافروں اور منافقوں کا کہنا مت مانینے اپنی شریعت کی مخالفت میں اور نظر
 انداز کیجئے چھوڑئے ان کی ایذ و رسائی کو ان سے بدلہ نہ لیجئے تا وقتیکہ آپ کو اس بارے میں حکم نہ دیا جائے اور اللہ پر بھروسہ
 کیجئے وہی آپ کو کافی ہے اور اللہ ہی کار سازی کے لیے بس ہے سب کچھ اس کے حوالہ ہے اے ایمان والو! تم جب مسلمان
 عورتوں کے ساتھ نکاح کرو پھر تم انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو! ایک قراءت میں تم اسوہن ہے یعنی تمہارے ہم
 بستر ہونے سے پہلے تو تمہاری ان پر کوئی عدت نہیں ہے جسے تم شمار کرنے لگو حیض کے ذریعہ یا طہر کے تو کچھ متد کا سامان دیدو
 یعنی اتنا سامان دیدو کہ وہ اپنا کچھ کام چلا لیں اگر ان کا مہر مقرر نہیں ہو اور نہ انہیں مقررہ مہر کا صرف آدھا حصہ دیا جائے حضرت
 ابن عباس کا قول یہی ہے اور امام شافعی کا مسلک بھی اور خوبی کے ساتھ انہیں رخصت کر دو بغیر نقصان پہنچائے انہیں جانے
 دو۔ اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی یہ بیویاں جن کو آپ مہر دے چکے ہیں حلال کی ہیں اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی

ملک ہیں جنہیں اللہ نے آپ کو غنیمت میں دیا ہے کافروں کو قید کر کے جیسے حضرت صفیہؓ اور حضرت جویریہؓ اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے خالائوں کو بیٹیاں بھی جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو برخلاف ان قرابتدار عورتوں کے جنہوں نے ہجرت نہیں اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض خود کو نبی کے حوالہ کر دے بشرطیکہ پیغمبر اسے نکاح میں لانا چاہیں بلا مہر اس سے نکاح کے خواہشمند ہوں یہ آپ کے لیے مخصوص ہے نہ اور مؤمنین کے لیے بلا مہر ہے کے لفظ سے نکاح کا ہو جانا ہمیں معلوم ہے جو ہم نے مقرر کیا ہے مسلمانوں پر ان کی بیویوں کے بارے میں یعنی یہ احکام کہ چار بیویوں سے زیادہ نہ کریں اور بغیر ولی، گواہ اور مہر کے نکاح نہ کریں اور ان کی باندیوں کے بارے میں خواہ وہ خریدی ہوئی ہوں یا کسی اور طرح سے آئی ہوں وہ باندی ایسی ہونی چاہئے جو اپنے آقا کے لیے حلال ہو جیسے کتابیہ باندی برخلاف مجوسی اور بت پرست باندی کے اور یہ حکم کہ آپ ہم بستر ہونے سے پہلے استبراء رحم کر لیں اس لیے ہے تاکہ اس کا تعلق ماقبل سے ہے آپ کے لیے کسی قسم کی تنگی نہ رہے یعنی نکاح کی دشواری اور اللہ جن باتوں سے بچنے میں دشواری ہوا نہیں بخشنے والا نہیں آسان بنا کر رحمت کرنے والا ہے ددر رکھ سکتے ہیں لفظ ”ترجی“ ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بدلہ یاء کے ساتھ مؤخر کر سکتے ہیں ان میں سے جن کو آپ چاہیں یعنی بیویوں کی باری کو قریب رکھ سکتے ہیں اپنے پاس آپ جس کو چاہیں خواہشمند ہوں اور ان میں سے جن کو کنارے کر دیا تھا باری سے تب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے ان کو طلب کرنے اور اپنے پاس رکھنے میں یہ اختیار آپ کو بعد میں ملا ہے پہلے آپ پر بیویوں کی باری مقرر کرنا ضروری تھا اس اختیار دینے میں زیادہ توقع امید ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور آزرہ خاطر نہ ہوں گی اور جو کچھ بھی آپ انہیں عنایت کر دیں گے مذکورہ اختیارات میں سے اس پر سب کی سب راضی رہیں گی۔

لفظ ”کلہن یرضین“ کے فاعل کی تاکید ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی سب باتیں جانتا ہے اور ان ہی میں سے ہے عورتوں کا حال اور ان میں سے بعض کی طرف آپ کا میلان اور آپ کو یہ اختیار دینے کا مقصد آپ کی خواہش کے مطابق سہولت دینا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے متعلق سب کچھ جاننے والا اور انکو سزا دینے میں بردباری سے کام لینے والا ہے حلال نہیں ہیں تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے آپ کے لیے ان کے علاوہ وہ عورتیں جنہوں نے دنیا کے مقابلہ میں آپ کو ترجیح دے لی ہے اور نہ یہ درست ہے کہ آپ تبدیل کر لیں تبدل اصل میں تبدل تھا ایک تا حذف کر دی گئی ہے ان بیویوں کی دوسری ان سب کو یا بعض کو طلاق دیدیں اور مطلقہ کے بدلہ دوسری سے نکاح کر لیں چاہے آپ کو حسن بھلا ہی لگے مگر ہاں بجز ان کے جو آپ کی باندیاں ہوں باندیاں اور بھی حلال ہیں چنانہ ماریہ قبظیہ اس کے بعد آپ کے حرم میں داخل ہوئیں جن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور آپ کے سامنے ہی وقات پاگئے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پورا نگر اور محافظ ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: بَکْرَةٌ وَاَصِيلًا: اس وقت کی تخصیص ان دونوں اوقات کی فضیلت کے پیش نظر ہے۔

قولہ: تَجِبَتْهُمُ مِنْهُ تَعَالَى: اس میں مصدر کی مفعول کی طرف اضافت کی گئی ہے۔

قولہ: شَاهِدًا: حال مقدر معلوم ہے۔

قولہ: فَضْلًا كَثِيرًا: یعنی تمام امتوں پر بہت بڑی فضیلت ہے۔ شاہد مبشر کا عطف محذوف پر ہے۔

قولہ: تُحْضِرُونَهَا: اس میں مردوں کی طرف اسناد اس لیے ہے کہ عدت خاوندوں کا حق ہے۔

قولہ: امْرَأَةً: یہ اس فعل سے منصوب ہے جس کی تفسیر ما قبل والا فعل کر رہا ہے ہے ای یحل امرأة۔

قولہ: خَالِصَةً: یہ مصدر موکد ہے۔ یعنی مذکور قیود کے مطابق اس کا حلال ہونا تیرے لیے خالص ہوا۔

قولہ: وَالْيَاءِ بَدَلُهُ: اور معنی ایک ہے۔

قولہ: تَزْوِجُ: یعنی اس کی مضاجعت چھوڑی جائے۔

قولہ: بِمَا آتَيْتَهُنَّ: یہ آتیتھن کا دوسرا مفعول ہے۔

قولہ: حُسْنُهُنَّ: تبدیل کی ہوئی عورتوں کا حسن اور تبدل کے فاعل سے حال ہے مفعول نہیں اور وہ الزواج ہے اور من

زائدہ ہے۔

تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا

اللہ تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ ہمیں اس کا بکثرت ذکر کرنا چاہئے اور اس پر بھی ہمیں نعمتوں اور بڑے اجر و ثواب کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ رسول ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہارے بہتر عمل اور بہت ہی زیادہ پاکیزہ کام اور سب سے بڑے درجے کی نیکی اور سونے چاندی کو راہ اللہ میں خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور جہاد سے بھی افضل کام نہ بتاؤں؟ لوگوں نے پوچھا حضور ﷺ وہ کیا ہے؟ فرمایا اللہ عزوجل کا ذکر (ترمذی ابن ماجہ وغیرہ) یہ حدیث پہلے والذاکرین کی تفسیر میں بھی گزر چکی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ میں نے رسول ﷺ سے یہ دعا سنی ہے جسے میں کسی وقت ترک نہیں کرتا۔ دعا یہ ہے (اللهم اجعلني اعظم شكرك واتبع نصيحتك واكثر ذكرك واحفظ وصيتك) یعنی اے اللہ تو مجھے اپنا بہت بڑا شکر گزار، فرماں بردار، بکثرت ذکر کرنے والا اور تیرے احکام کی حفاظت کرنے والا بنا دے۔ (ترمذی وغیرہ) دو اعرابی رسول مقبول ﷺ کے پاس آئے۔ ایک نے پوچھا سب سے اچھا شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو لمبی عمر پائے، اور نیک اعمال کرے۔ دوسرے نے پوچھا حضور ﷺ احکام اسلام تو بہت سارے ہیں مجھے کوئی چوٹی کا حکم بتا دیجئے کہ اس میں چٹ جاؤں آپ نے فرمایا ذکر اللہ میں ہر وقت اپنی زبان کو تر رکھ (ترمذی) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر میں ہر وقت مشغول رہو یہاں تک کہ لوگ تمہیں سمجھیں کہ تمہیں کہنے لگیں (مسند احمد) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرو یہاں تک کہ منافی تمہیں ریاکار

کہنے لگیں۔ (طبرانی) فرماتے ہیں جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور وہاں اللہ کا ذکر نہ کریں وہ مجلس قیامت کے دن ان پر حسرت افسوس کا باعث بنے گی۔ (مسند) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں ہر فرض کام کی کوئی حد ہے۔ پھر عذر کی حالت میں وہ معاف بھی ہے لیکن ذکر اللہ کی کوئی حد نہیں نہ وہ کسی وقت ملتا ہے۔ ہاں کوئی دیوانہ ہو تو اور بات ہے۔ کھڑے بیٹھے لیٹے رات کو دن کو خشکی میں تری میں سفر میں حضر میں غنا میں فقر میں صحت میں بیماری پوشیدگی میں ظاہر میں غرض ہر حال میں ذکر اللہ کرنا چاہیے۔ صبح شام اللہ کی تسبیح بیان کرنی چاہیے۔ تم جب یہ کرو گے تو اللہ تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا اور فرشتے تمہارے لیے ہر وقت دعا گو رہیں گے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث و آثار ہیں۔ اس آیت میں بھی بکثرت ذکر اللہ کرنے کی ہدایت ہو رہی ہے۔ بزرگوں نے ذکر اللہ اور وظائف کی بہت سی مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ جیسے امام نسائی امام معمری وغیرہ۔ ان سب میں بہترین کتاب اس موضوع پر حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، صبح شام اس کی تسبیح بیان کرتے رہو۔ جیسے فرمایا (فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُمْبِحُوْنَ) (اروم: 17) اللہ کے لیے پاکی ہے۔ جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو، اسی کے لیے حمد ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور بعد از زوال اور ظہر کے وقت، پھر اس کی فضیلت بیان کرنے اور اس کی طرف رغبت دلانے کے لیے فرماتا ہے وہ خود تم پر رحمت بھیج رہا ہے۔ یعنی جب وہ تمہاری یاد رکھتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ تم اس کے ذکر سے غفلت کرو؟ جیسے فرمایا: (كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْنَكُمْ اٰیٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ) (البقرہ: ۱۲۹) جس طرح ہم نے تم میں خود تمہی میں سے رسول بھیجا جو تم پر ہماری کتاب پڑھتا ہے اور وہ سکھاتا ہے جسے تم جانتے ہی نہ تھے۔ پس تم میرا ذکر کرو میں تمہاری یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے۔ صلوٰۃ جب اللہ کی طرف مضاف ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی اپنے فرشتوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔ اور ایک قول میں ہے مراد اس کی رحمت ہے۔ اور دونوں قولوں کا انجام ایک ہی ہے۔ فرشتوں کی صلوٰۃ ان کی دعا اور استغفار ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے (الَّذِيْنَ يَّحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهٖمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ) (غافر: ۷) عرش کے اٹھانے والے اور اس کے آس پاس والے اپنے رب کی حمد و تسبیح بیان کرتے ہیں، اس پر ایمان لاتے ہیں اور مؤمن بندوں کے لیے استغفار کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے ہر چیز کو رحمت و علم سے گھیر لیا ہے۔ اے اللہ تو انہیں بخش جو توبہ کرتے ہیں اور تیری راہ پر چلتے ہیں۔ انہیں عذاب جہنم سے بھی نجات دے۔ انہیں ان جنوں میں لے جا جن کا تو ان سے وعدہ کر چکا ہے۔ اور انہیں بھی ان کے ساتھ پہنچا جو ان کے باپ دادوں بیویوں اور اوداؤں میں سے نیک ہیں، انہیں برائیوں سے بچالے۔ وہ اللہ اپنی رحمت کو تم پر نازل فرما کر اپنے فرشتوں کی دعا کو تمہارے حق میں قبول فرما کر تمہیں جہالت و ضلالت کی اندھیروں سے نکال کر ہدایت و یقین کے نور کی طرف لے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں مومنوں پر رحیم و کریم ہے۔ دنیا میں حق کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے اور روزیاں عطا فرماتا ہے

اور آخرت میں گھبراہٹ اور ڈر خوف سے بچالے گا۔ فرشتے آکر انہیں بشارت دیں گے کہ تم جہنم سے آزاد ہو اور جنتی ہو۔ کیونکہ ان فرشتوں کے دل مؤمنوں کی محبت و الفت سے پرہیز۔ حضور ﷺ ایک مرتبہ اپنے اصحاب کے ساتھ راستے سے گزر رہے تھے۔ ایک چھوٹا بچہ راستے میں تھا اس کی ماں نے ایک جماعت کو آتے ہوئے دیکھا تو میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑی اور بچے کو گود میں لے کر ایک طرف ہٹ گئی۔ ماں کی اس محبت کو دیکھ کر صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ خیال تو فرمایا کیا یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ حضور ﷺ ان کے مطلب کو سمجھ کر فرمانے لگے قسم اللہ کی! اللہ تعالیٰ بھی اپنے دوستوں کو آگ میں نہیں ڈالے گا۔ (مسند احمد) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک قیدی عورت کو دیکھا کہ اس نے اپنے بچے کو دیکھتے ہی اٹھالیا اور اپنے کلیجے سے لگا کر اسے دودھ پلانے لگی آپ نے فرمایا بتاؤ تو اگر اس کے اختیار میں ہو تو کیا یہ اپنی خوشی سے اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ صحابہ نے کہا ہرگز نہیں آپ نے فرمایا قسم ہے اللہ کی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے، اللہ کی طرف سے ان کا ثمرہ جس دن یہ اس سے ملیں گے سلام ہوگا۔ جیسے فرمایا: (سلام قولاً من رب رحیم) قنادہ فرماتے ہیں آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ اس کی تائید بھی آیت: دَعُوهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ وَأَجْرٌ دَعْوُهُمْ أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (پوس: ۱۰) سے ہوتی ہے۔ اللہ نے ان کے لیے اجر کریم یعنی جنت مع اس کی تمام نعمتوں کے تیار کر رکھی ہے۔ جن میں سے ہر نعمت کھانا پینا پہننا اور صناعورتیں لذتیں منظر وغیرہ ایسی ہیں کہ آج تو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتیں۔ چہ جائیکہ دیکھنے میں یا سننے میں آئیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنْكَ أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۱۰﴾

رسول اللہ ﷺ کی خاص صفات:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنْكَ أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۱۰﴾ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسَيْرًا جَائِقِيًّا ﴿۱۱﴾ یہ پھر عود ہے رسول اللہ ﷺ کی خاص صفات کمال اور مناقب کی طرف، اس میں رسول اللہ ﷺ کی پانچ صفات کا ذکر فرمایا۔ شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ، سراج منیر، شاہد سے مراد یہ ہے کہ آپ قیامت کے روز امت کے لیے شہادت دیں گے جیسا کہ صحیح بخاری، نسائی، ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوسعید خدری سے ایک طویل حدیث روایت ہے جس کے بعض جملے یہ ہیں کہ قیامت کے روز نوح ﷺ پیش ہوں گے تو ان سے سوال کیا جائے گا کہ کیا آپ نے ہمارا پیغام اپنی امت کو پہنچا دیا تھا وہ عرض کریں گے کہ میں نے پہنچا دیا، پھر ان کی امت پیش ہوگی، وہ اس سے انکار کرے گی کہ ان کو اللہ کا کوئی پیغام نہیں پہنچا ہے۔ اس وقت حضرت نوح ﷺ سے پوچھا جائے گا کہ آپ جو پیغام حق پہنچانے کا دعویٰ کرتے ہیں اس پر کوئی آپ کا شاہد بھی ہے؟ وہ عرض کریں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت گواہ ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ گواہی میں امت محمدیہ کو پیش کریں گے، یہ امت ان کے حق میں گواہی دے گی، تو امت نوح ﷺ ان پر یہ جرح کرے گی کہ یہ ہمارے معاملہ میں کیسے گواہی دے سکتے ہیں، یہ تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، ہمارے زمانے سے بہت حویل زمانے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ اس جرح کا

جواب امت محمدیہ سے پوچھا جائے گا، وہ یہ جواب دے گی کہ بیشک ہم اس وقت موجود نہیں تھے، مگر ہم نے اس کی خبر اپنے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، جس پر ہمارا ایمان و اعتقاد ہے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ سے آپ کی امت کے اس قول کی تصدیق کے لیے شہادت لی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی شہادت کے ذریعہ اپنی امت کی تصدیق و توثیق فرمائیں گے کہ بیشک میں نے ان کو یہ اطلاع دی تھی۔

اور امت پر شاہد ہونے کا ایک مفہوم عام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے سب افراد کے اچھے برے اعمال کی شہادت دیں گے۔ اور یہ شہادت اس بنا پر ہوگی کہ امت کے اعمال رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہر روز صبح و شام اور بعض روایات میں ہفتہ میں ایک روز پیش ہوتے ہیں، اور آپ امت کے ایک ایک فرد کو اس کے اعمال کے ذریعہ پہچانتے ہیں۔ اس لیے قیامت کے روز آپ امت کے شاہد بنائے جائیں گے۔ (رواہ ابن السہارک عن سعید بن المسیب مظہری) اور مبشر کے معنی بشارت دینے والا، مراد یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے نیک باشرع لوگوں کو جنت کی خوش خبری سنانے والے ہیں۔ اور نذیر کے معنی ڈرانے والا، مراد یہ ہے کہ آپ امت کے لوگوں کو در صورت خلاف ورزی و نافرمانی کے عذاب سے ڈرانے والے بھی ہیں۔

داعی الی اللہ سے مراد یہ ہے کہ آپ امت کو اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید اور اطاعت کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ داعی الی اللہ کو باذنہ کے ساتھ مشروط فرمایا کہ آپ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینے والے اور بلانے والے اللہ ہی کے اذن و اجازت سے ہیں۔ اس قید و شرط کا اضافہ اس اشارہ کے لیے ہے کہ تبلیغ و دعوت کی خدمت سخت دشوار ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے اذن و اجازت کے بغیر انسان کے بس میں نہیں آ سکتی۔

سراج کے معنی چراغ اور منیر کے معنی روشن کرنے والا۔ آنحضرت محمد ﷺ کی پانچویں صفت اس میں یہ بیان فرمائی گئی کہ آپ روشن کرنے والے چراغ ہیں اور بعض حضرات نے سراج منیر سے مراد قرآن لیا ہے، مگر نسق کلام سے قریب یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی آنحضرت ﷺ کی صفت ہے۔

تہتقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ آپ کی صفت داعی الی اللہ تو ظاہر اور زبان کے اعتبار سے ہے، اور سراج منیر آپ کی صفت آپ کے قلب مبارک کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح سراج عالم آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح تمام مؤمنین کے قلوب آپ کے نور قلب سے منور ہوتے ہیں اس لیے صحابہ کرام جنہوں نے اس عالم میں آپ کی صحبت پائی وہ ساری امت سے افضل و اعلیٰ قرار پائے۔ کیونکہ ان کے قلوب نے قلب نبی کریم ﷺ سے بلا واسطہ عیاناً فیض اور نور حاصل کیا، باقی امت کو یہ نور صحابہ کرام کے واسطے سے واسطہ درواسطہ ہو کر پہنچا (انتہی کلام) اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ تمام انبیاء خصوصاً رسول کریم ﷺ اس دنیا سے گزرنے کے بعد بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، ان کی یہ حیات برزخی عام لوگوں کی حیات برزخی سے بدرجہا زیادہ فائق و ممتاز ہوتی ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

بہر حال اس حیات کی وجہ سے قیامت تک مؤمنین کے قلوب آپ کے قلب مبارک سے استفادہ نور کرتے رہیں گے، اور جو جتنی محبت و تعظیم اور درود شریف کا زیادہ اہتمام کرے گا اس نور کا حصہ زیادہ پائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے نور کو چراغ سے تشبیہ دی گئی، حالانکہ آپ کا نور باطن آفتاب کے نور سے کہیں زیادہ ہے، آفتاب سے صرف دنیا کا ظاہر روشن ہوتا ہے لیکن آپ کے قلب مبارک سے سارے جہان کا باطن اور مؤمنین کے قلوب روشن ہوتے ہیں۔ وجہ اس تشبیہ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ چراغ کی روشنی سے استفادہ کا اختیار ہے، ہر وقت کر سکتے ہیں، اس تک رسائی بھی آسان ہے۔ اس کا حاصل کرنا بھی آسان ہے بخلاف آفتاب کے کہ وہاں تک رسائی بھی معذر ہے اور اس سے استفادہ ہر وقت نہیں کیا جاسکتا۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ صفات جیسے قرآن میں آئی ہیں قرآن سے پہلے تورات میں بھی مذکور ہیں جیسا کہ امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عبد اللہ بن عمرو عاص سے ملا، تو ان سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی جو صفات تورات میں آئی ہیں وہ مجھے بتلائے۔ انہوں نے فرمایا بیشک میں بتلاتا ہوں، خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی بعض صفات جو قرآن میں مذکور ہیں وہ تورات میں بھی موجود ہیں، اور فرمایا:

”اے نبی، ہم نے آپ کو بھیجا ہے شاہد بنا کر اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور پناہ و حفاظت امین یعنی عرب کی آپ میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل (یعنی اللہ پر بھروسہ کرنے والا) رکھا ہے نہ آپ تند خو ہیں نہ سخت مزاج اور نہ بازا روں میں شور مچانے والے، اور آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے، بلکہ معاف کر دیتے ہیں، اور آپ کو اللہ تعالیٰ دنیا سے اس وقت تک نہیں واپس لائیں گے جب تک کہ آپ کے ذریعہ ٹیڑھی امت کو سیدھا نہ کر دیں کہ وہ لا الہ الا اللہ کہنے لگیں، آپ کے ذریعہ اللہ اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور بند دلوں کو کھول دے گا“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ

رہط: پچھلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کی چند صفات کمال اور آپ کی مخصوص شان کا ذکر تھا آگے بھی آپ کی ان خصوصیات کا ذکر آنے والا ہے، جو نکاح و طلاق کے معاملات میں آپ کے ساتھ ایک گونہ خصوصیت رکھتی ہیں اور عام امت کی نسبت سے آپ کو ان میں ایک امتیاز حاصل ہے۔ اس سے پہلے بطور تمہید کے ایک عام حکم متعلقہ طلاق ذکر کیا گیا ہے، جو سب مسلمانوں کے لیے عام ہے۔

آیت مذکورہ میں اس کے متعلق تین احکام بیان کیے گئے ہیں:

پہلا حکم: یہ کہ کسی عورت سے نکاح کر لینے کے بعد خلوت صحیح سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق کی نوبت آ جائے، تو مطلقہ عورت پر کوئی عدت واجب نہیں، وہ فوراً ہی دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ آیت مذکورہ میں ہاتھ لگانے سے مراد صحبت اور صحبت کا حقیقی یا حکمی ہونا اور دونوں کا ایک حکم ہونا خلاصہ تفسیر میں معلوم ہو چکا ہے، اور صحبت حکمی خلوت صحیح ہو جانا ہے۔

دوسرا حکم: یہ ہے کہ مطلقہ عورت کو شرافت اور حسن خلق کے ساتھ کچھ سامان دے کر رخصت کیا جائے، کچھ سامان دے کر

رخصت دینا ہر مطلقہ کے لیے مستحب و مسنون ہے اور بعض صورتوں میں واجب ہے۔ جس کی تفصیل خلاصہ تفسیر میں گزر چکی ہے اور سورۃ بقرہ کی آیت: لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم یتمسوهن کے تحت میں گزر چکی ہے، اور ان الفاظ قرآنی میں لفظ متاع اختیار فرمانا شاید اس حکمت سے ہو کہ یہ لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے، ہر اس چیز کے لیے جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس میں عورت کے حقوق واجبہ مہر وغیرہ بھی شامل ہیں کہ اگر اب تک مہر نہ دیا گیا ہو تو طلاق کے وقت خوش دلی سے ادا کر دیں، اور غیر واجب حقوق مثلاً مطلقہ کو رخصت کے وقت کپڑوں کا ایک جوڑا دے کر رخصت کرنا یہ بھی داخل ہے جو ہر مطلقہ عورت کو دینا مستحب ہے (کذا فی البسوط والیط، روح) اس لحاظ سے متعویہن کا صیغہ امر عام ترغیب کے لیے ہے، جس میں واجب اور غیر واجب دونوں قسمیں شامل ہیں۔ (روح)

امام حدیث عبد بن حمید نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ متعہ یعنی متاع و سامان دینا ہر مطلقہ کے لیے ہے خواہ اس کے ساتھ خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور اس کا مہر مقرر ہو یا نہ ہو۔

طلاق کے وقت متعہ یعنی لباس کی تفصیل:

بدائع میں ہے کہ متعہ طلاق سے مراد وہ لباس ہے جو عورت گھر سے نکلنے کے وقت ضروری استعمال کرتی ہے۔ اس میں پاجامہ، کرتا، اوڑھنی اور ایک بڑی چادر جو سر سے پاؤں تک بدن کو چھپا سکے شامل ہے۔ اور چونکہ لباس قیمت کے اعتبار سے اعلیٰ، ادنیٰ، اوسط ہر طرح کا ہو سکتا ہے، اس لیے فقہاء نے اس کی یہ تفصیل فرمائی کہ اگر شوہر بیوی دونوں مالدار گھرانوں کے ہیں تو کپڑے اعلیٰ قسم کے دیئے جائیں، اور دونوں غریب ہیں تو کپڑے ادنیٰ درجہ کے دیئے جائیں، اور ایک غریب اور دوسرا مالدار ہے تو اوسط درجہ کا لباس دیا جائے۔ (کذا قال المصنف فی التفقات)

اسلام میں حسن معاشرت کی بے نظیر تعلیم:

دنیا میں حقوق کی ادائیگی عام طور پر صرف دوستوں عزیزوں تک اور زیادہ سے زیادہ عام لوگوں تک محدود رہتی ہے، حسن اخلاق حسن معاشرت کا سارا زور صرف یہیں تک خرچ ہوتا ہے، اپنے مخالف اور دشمن کے بھی حقوق پہچاننا اس کے لیے قوانین وضع کرنا صرف شریعت اسلام ہی کا کام ہے۔ اس زمانہ میں اگرچہ حقوق انسانیت کی حفاظت کے لیے دنیا میں بہت سے مستقل ادارے قائم کیے گئے ہیں، اور اس کے لیے کچھ ضابطے قاعدے بھی بنائے ہوئے ہیں، اس مقصد کے لیے اقوام عالم سے لاکھوں روپے کا سرمایہ بھی جمع کیا جاتا ہے، مگر اول تو ان اداروں پر سیاسی مقاصد چھائے ہوئے ہیں۔ جو کچھ مصیبت زدگان کی امداد کی جاتی ہے وہ بھی بے غرض اور ہر جگہ نہیں، بلکہ جہاں اپنے سیاسی مقاصد پورے ہوتے ہیں۔ اور بالفرض یہ ادارے بالکل صحیح طور پر بھی خدمت خلق انجام دیں تو ان کی زیادہ سے زیادہ اس وقت پہنچ ہو سکتی ہے جب کسی خطہ زمین میں کوئی عام حادثہ طوفان، وبائی امراض وغیرہ کا پیش آ جائے۔ افراد و احاد کی مصیبت و تکلیف کو کس کی خبر ہوتی ہے، کون مدد کو پہنچا سکتا ہے؟ شریعت اسلام کی حکیمانہ تعلیم دیکھئے کہ طلاق کا معاملہ ظاہر ہے کہ باہمی مخالفت غصے اور ناراضی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جو تعلق انتہائی ریکانگت اور محبت و الفت کی بنیاد پر قائم ہوا تھا وہ اب اس کی نفیض بن کر نفرت،

دشمنی، انتقامی جذبات کا مجموعہ بن جاتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور اسی قسم کی بہت سی آیات نے عین طلاق کے موقع پر جو مسلمان کو ہدایات دی ہیں وہی ایسی ہیں کہ ان میں حسن خلق اور حسن معاشرت کا پورا امتحان ہوتا ہے۔ نفس کا تقاضا ہوتا ہے کہ جس عورت نے ہمیں ستایا اذیت دی یہاں تک کہ قطع تعلق پر مجبوری ہوئی اس کو خوب ذلیل کر کے نکالا جائے اور جو انتقام اس سے لیا جاسکتا ہے لے لیا جائے۔

مگر قرآن کریم نے عام مطلقہ عورتوں کے لیے تو ایک بڑی پابندی عدت کی اور ایام عدت کو شوہر کے مکان میں گزارنے کی لگا دی۔ طلاق دینے والے پر یہ فرض کر دیا کہ اس مدت کے اندر عورت کو اپنے گھر سے نہ نکالے، اور اس کو بھی پابند کر دیا کہ ایام عدت میں اس گھر سے نہ نکلے۔ دوسرے شوہر پر فرض کر دیا کہ طلاق دے دینے کے باوجود اس زمانہ عدت کا نفقہ بدستور جاری رکھے۔ تیسرے شوہر کے لیے مستحب کیا کہ عدت پوری ہونے کے بعد بھی جب اس کو رخصت کرے تو متاع یعنی لباس دے کر عزت کے ساتھ رخصت کرے۔ صرف وہ عورتیں جن کے ساتھ صرف نکاح کا بول پڑھا گیا ہے رخصتی اور خلوت و صحبت کی نوبت نہیں آئی وہ عدت سے مستثنیٰ قرار دی گئیں، لیکن ان کے متاع کی تاکید بہ نسبت دوسری عورتوں کے زیادہ کر دی گئی۔ اسی کے ساتھ

تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ: سر جوہن سراخا جمیلا، یعنی ان کو رخصت کر دینے کے ساتھ، جس میں یہ پابندی لگا دی گئی کہ زبان سے بھی کوئی سخت بات نہ کہیں، طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار نہ کریں۔ مخالفت کے وقت مخالف کے حقوق کی رعایت وہی کر سکتا ہے جو اپنے نفس کے جذبات پر قابو رکھے، اسلام کی ساری تعلیمات میں اس کی رعایت رکھی گئی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحَلَّلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ.....

آیات مذکورہ میں نکاح و طلاق وغیرہ سے متعلق ان سات احکامات کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص ہیں۔ اور یہ خصوصیات آنحضرت محمد ﷺ کی ایک امتیازی شان اور خصوصی اعزاز کی علامت ہیں، ان میں سے بعض احکام تو ایسے ہیں کہ ان کی خصوصیت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بالکل واضح اور جلی ہے اور بعض ایسے ہیں جو اگرچہ سب مسلمانوں کے لیے عام ہیں مگر ان میں کچھ قیدیں شرطیں رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص ہیں، اب ان کی تفصیل دیکھئے۔

پہلا حکم: **إِنَّا أَحَلَّلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي أَتَيْتَ أُجُورَهُنَّ** ”یعنی ہم نے حلال کر دیا۔ آپ کے لیے آپ کی سب موجودہ ازواج کو جن کے مہر آپ نے ادا کر دیے ہیں۔“ یہ حکم بظاہر سبھی مسلمانوں کے لیے عام ہے، مگر اس میں وجہ خصوصیت یہ ہے کہ نزول آیت کے وقت آپ کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں موجود تھیں اور عام مسلمانوں کے لیے چار سے زیادہ عورتوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حلال نہیں، تو یہ آپ کی خصوصیت تھی کہ چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں رکھنے آپ کے لیے حلال کر دیا گیا۔

اور اس آیت میں **الَّتِي أَتَيْتَ أُجُورَهُنَّ** فرمایا ہے یہ کوئی قید احترامی یا شرط حلت نہیں بلکہ واقعہ کا اظہار ہے کہ جن عورتیں رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں آپ نے سب کا مہر نقد ادا کر دیا اور ہاں نہیں رکھا۔ آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ

جس چیز کا دینا آپ کے ذمہ عام ہوتا اس کو فوراً دے کر سبکدوش ہو جاتے تھے، بلا ضرورت تاخیر نہ فرماتے تھے۔ اس واقعہ کے اظہار میں عام مسلمانوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب ہے۔

دوسرا حکم: وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ یعنی آپ کے لیے حلال کر دیا ان عورتوں کو جو آپ کی ملک میں ہوں، اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کا مالک بنا دیا ہے اس آیت میں لفظ افاء، فبی سے مشتق ہے۔ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے وہ مال جو کفار سے بغیر جنگ کے یا بطور مصالحت کے حاصل ہو جائے اور کبھی مطلق مال غنیمت کو بھی لفظنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں اس کا ذکر کسی شرط کے طور پر نہیں کہ آپ کے لیے صرف وہ کنیز حلال ہوگی جو مال فبی یا غنیمت میں سے آپ کے حصہ میں آتی ہو، بلکہ جس کو آپ نے قیمت دے کر خریدا ہو وہ بھی اس حکم میں شامل ہے۔

لیکن اس حکم میں بظاہر رسول اللہ ﷺ کا کوئی اختصاص و امتیاز نہیں، پوری امت کے لیے یہ حکم ہے، جو کنیز مال غنیمت سے حصہ میں آئے یا جس کی قیمت دے کر خریدیں وہ ان کے لیے حلال ہے، اور بظاہر سیاق ان تمام آیات کا یہ چاہتا ہے کہ ان میں جو احکام آئے ہیں وہ کچھ نہ کچھ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہوں۔ اسی لیے روح المعانی میں کنیزوں کی حلت سے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ کی ایک خصوصیت یہ بتلائی ہے کہ جس طرح آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات میں سے کسی کا نکاح کسی امتی سے حلال نہیں۔

اسی طرح جو کنیز آپ کے لیے حلال کی گئی ہے آپ کے بعد وہ کسی کے لیے حلال نہ ہوگی، جیسا کہ حضرت ماریہ قبطیہ ہیں جن کو مقوقس بادشاہ روم نے آپ کے لیے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ تو جس طرح آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کا نکاح کسی سے جائز نہیں تھا ان کا بھی نکاح کسی سے جائز نہیں رکھا گیا۔ اس لحاظ سے: وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ کے حلال ہونے میں بھی آپ کی ایک خصوصیت ثابت ہوگئی۔

اور سیدی حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ، نے اور دو خصوصیتیں بیان القرآن میں بیان فرمائی ہیں جو مذکورہ خصوصیت سے زیادہ واضح ہیں:

اول یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار خصوصی دیا گیا تھا کہ مال غنیمت کو تقسیم کرنے سے پہلے آپ اس میں سے کسی چیز کا اپنے لیے انتخاب فرمائیں تو وہ آپ کی ملک خاص ہو جاتی تھی، اس خاص چیز کو اصطلاح میں صفی النبی کہا جاتا تھا، جیسا کہ غزوہ خیبر کی غنیمت میں سے آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ کو اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا تو ملک یمین کے مسئلہ میں یہ صرف آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ دار الحرب سے کسی غیر مسلم کی طرف سے اگر کوئی ہدیہ مسلمانوں کے امیر المؤمنین کے نام پر آئے تو حکم شرعی یہ ہے کہ اس کا مالک امیر المؤمنین نہیں ہوتا بلکہ وہ بیت المال شرعی کی ملک قرار دیا جاتا ہے، بخلاف نبی کریم ﷺ کے کہ ایسا ہدیہ آپ کے لیے خصوصیت سے حلال کر دیا گیا، جیسا ماریہ قبطیہ کا معاملہ ہے کہ مقوقس نے ان کو بطور ہدیہ و تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تو یہ آپ ہی کی ملک قرار پائیں۔ واللہ اعلم۔

پسرا حکم: بنت عمک و بنت عمک ال آیت، اس آیت میں عم اور خال کو مفرد اور عمات اور خالات کو جمع لانے کی توجیہات

علماء نے بہت لکھی ہیں، تفسیر روح المعانی نے ابو حیان کی اس توجیہ کو اختیار کیا ہے کہ محاورہ عرب کا اسی طرح ہی اشعار عرب اس پر شاہد ہیں کہ عم کی جمع استعمال نہیں کرتے مفرد ہی استعمال ہوتا ہے۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ آپ کے لیے چچا اور پھوپھی کی لڑکیاں اور ماموں خالہ کی لڑکیاں حلال کر دی گئیں، چچا پھوپھی میں باپ کے خاندان کی سب لڑکیاں اور، ماموں خالہ میں ماں کے خاندان کی سب لڑکیاں شامل ہیں، اور ان سے نکاح کا حلال ہونا تو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں، سب مسلمانوں کا یہی حکم ہے۔ لیکن ان میں یہ قید کہ انہوں نے آپ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ہو یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ عام امت کے لیے تو باپ اور ماں کے خاندان کی یہ لڑکیاں بغیر کسی شرط کے حلال ہیں، خواہ انہوں نے ہجرت کی ہو یا نہ کی ہو، مگر رسول اللہ ﷺ کے لیے ان میں سے صرف وہ حلال ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہو۔ ساتھ ہجرت کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ سفر میں آپ کی معیت رہی ہو یا ایک ہی وقت میں ہجرت کی ہو، بلکہ مراد نسب ہجرت میں معیت و موافقت ہے۔ ان میں سے جس نے کسی وجہ سے ہجرت نہیں کی اس سے آپ کا نکاح حلال نہیں رکھا گیا، جیسا کہ آپ کے چچا ابوطالب کی بیٹی ام ہانی نے فرمایا کہ مجھ سے آپ کا نکاح اس لیے حلال نہیں تھا کہ میں نے مکہ سے ہجرت نہیں کی تھی، بلکہ میرا شمار طلقاء میں تھا۔ طلقاء ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کو فتح مکہ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے آزاد کر دیا تھا نہ قتل کیا نہ غلام بنایا۔ (روح و جسام)

اور رسول اللہ ﷺ سے نکاح کے لیے مہاجرات کی شرط صرف اپنی ماں باپ کے خاندان کی لڑکیوں میں تھی، عام امت کی عورتوں میں ہجرت کی شرط نہ تھی، بلکہ ان کا صرف مسلمان ہونا کافی تھا۔ اور خاندان کی لڑکیوں میں ہجرت کی شرط لگانے میں شاید یہ حکمت ہو کہ عموماً خاندان کی لڑکیوں کو اپنے خاندان کا ایک ناز اور فخر ہوتا ہے، اور رسول کی زوجیت کے لیے یہ شایان شان نہیں، اس کا علاج ہجرت کی شرط سے کیا گیا۔ کیونکہ ہجرت صرف وہی عورت کرے گی جو اللہ و رسول کی محبت کو اپنے سارے خاندان اور وطن و جائیداد کی محبت سے غالب رکھے۔ نیز ہجرت کے وقت انسان کو طرح طرح کی تکلیفیں پیش آتی ہیں، اور اللہ کی راہ میں جو تکلیف و مشقت اٹھائی جائے اس کو اصلاح اعمال میں خاص دخل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ماں اور باپ کے خاندان کی لڑکیوں سے نکاح میں آنحضرت ﷺ کے لیے ایک خصوصی شرط یہ ہے کہ انہوں نے مکہ سے ہجرت کرنے میں آپ کا ساتھ دیا ہو۔

چونکہ حکم: امْرَأَةٌ مُؤْمِنَةٌ اِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ، یعنی اگر کوئی مسلمان عورت اپنے نفس کو آپ کے لیے ہبہ کر دے، یعنی بغیر مہر کے آپ سے نکاح کرنا چاہے، اگر آپ اس سے نکاح کا ارادہ کریں تو آپ کے لیے بلا مہر کے بھی نکاح حلال ہے، اور یہ خاص حکم آپ کے لیے ہے دوسرے مؤمنین کے لیے نہیں۔

اس معاملہ کی خصوصیت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بالکل واضح ہے کیونکہ عام لوگوں کے لیے نکاح میں مہر شرط لازم ہے، یہاں تک کہ اگر بوقت نکاح کسی مہر کا ذکر نہی یا نفی کے ساتھ آیا کہ عورت نے کہا کہ مہر نہیں لوں گی، یا مرد نے کہا کہ نکاح اس شرط پر کرتے ہیں کہ مہر نہیں دیں گے، دونوں صورتوں میں ان کا کہنا اور شرط شرعی حیثیت سے لغو ہوگی، اور شرعاً مہر مثل

واجب ہوگا۔ صرف رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت سے نکاح بلا مہر حلال کیا گیا ہے جبکہ عورت بلا مہر نکاح کرنے کی خواہش مند ہو۔

فائدہ: یہ حکم کہ جو عورت آپ کے لیے اپنے آپ کو ہبہ کرے۔ یعنی بلا مہر کے نکاح کرنا چاہے وہ آپ کے لیے حلال ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کوئی ایسا واقعہ پیش بھی آیا یا نہیں؟ بعض نے فرمایا کہ کسی ایسی عورت سے رسول اللہ ﷺ کا نکاح کرنا ثابت نہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے کسی ہبہ کرنے والی عورت سے نکاح نہیں کیا، اور بعض حضرات نے بعض ایسی عورتوں سے نکاح ہونا ثابت کیا ہے۔ (روح المعانی)

اس حکم کے ساتھ جو جملہ خالصۃً لک کا آیا ہے، اس کو بعض حضرات نے صرف اسی حکم چہارم کے ساتھ مخصوص کہا ہے اور منجشری وغیرہ مفسرین نے اس جملے کو ان تمام احکام کے ساتھ لگایا ہے جو اوپر مذکور ہوئے ہیں، کہ یہ سب خصوصیات نبی کریم ﷺ کی ہیں۔ اس کے آخر میں فرمایا: لِيَكَيْلًا يَكُونُ عَلَيْكَ حَجَّجٌ، یعنی یہ خصوصی احکام آپ کے لیے دیئے گئے ہیں کہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو۔ جو احکام مخصوصہ اوپر بیان ہوئے ہیں ان میں پہلا حکم یعنی چار سے زائد بیہیاں آپ کے لیے حلال کر دی گئیں اور حکم چہارم کے بغیر مہر کے نکاح حلال کر دیا گیا، ان میں تو تنگی کا رفع کرنا اور مزید سہولت دیا جانا ظاہر ہے، مگر باقی تین حکم یعنی دوم و سوم اور پنجم ان میں تو بظاہر آپ پر کچھ مزید قیدیں لگا دی گئیں جن سے تنگی اور بڑھنی چاہئے۔ مگر اس میں اشارہ فرما دیا کہ اگرچہ ظاہر میں یہ قیدیں ایک تنگی بڑھاتی ہیں، مگر ان میں آپ کی ایسی مصلحتوں کی رعایت ہے کہ یہ قیدیں نہ ہوتیں تو آپ کو بڑی تکلیف پیش آتی جو ضیق قلب کا سبب بنتیں، اس لیے قید زائد میں بھی آپ کی تنگی رفع کرنا ہی مقصود ہے۔

پانچواں حکم: جو آیات مذکورہ میں مؤمنہ کی قید سے مستفاد ہوتا ہے یہ کہ اگرچہ عام مسلمانوں کے لیے یہود و نصاریٰ کی عورتوں یعنی کتابیات سے نکاح ہنص قرآن حلال ہے، مگر رسول اللہ ﷺ کے لیے عورت کا مؤمن ہونا شرط ہے، کتابیات سے آپ کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

ان پانچوں احکام کی خصوصیت نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد عام مسلمانوں کا حکم اجمالاً ذکر فرمایا ہے: قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْ اَزْوَاجِهِمْ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ، یعنی احکام مذکورہ آپ کے لیے مخصوص ہیں، باقی مسلمانوں کے نکاح کے لیے جو ہم نے فرض کیا ہے وہ ہم جانتے ہیں، مثلاً عام مسلمانوں کا نکاح بغیر مہر کے نہیں ہو سکتا اور کتابیات سے ان کا نکاح ہو سکتا ہے، اسی طرح سابقہ احکام میں جو قیدیں شرطیں آپ کے نکاح کے لیے ضروری قرار دی گئی ہیں وہ اوروں کے لیے نہیں ہیں۔

آخر میں فرمایا: لِيَكَيْلًا يَكُونُ عَلَيْكَ حَجَّجٌ، یعنی نکاح کے معاملے میں آپ کے لیے یہ خصوصی احکام اس لیے ہیں کہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو اور جو قیدیں شرطیں آپ پر نسبت دوسرے مسلمانوں کے زائد لگائی گئی ہیں اگرچہ بظاہر وہ ایک قسم کی تنگی ہے مگر جن مصالح اور حکمتوں کے پیش نظر آپ کے لیے یہ شرطیں لگائی ہیں ان میں غور کریں تو وہ بھی آپ کی روحانی پریشانی اور تنگ دلی کو دور کرنے ہی کے لیے ہیں۔

یہاں تک نکاح کے متعلق پانچ احکام آئے ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی نہ کوئی خصوصیت رکھتے ہیں۔ آگے دو حکم انہی پانچ احکام سے متعلق بیان فرمائے ہیں،

چھٹا حکم: تَزْوِجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُكْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ. تَزْوِجِي، ارجاء سے مشتق ہے، جس کے معنی مؤخر کرنے کے ہیں، اور تَوِي، ابواء سے مشتق ہے جس کے معنی قریب کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو اختیار ہے کہ ازواج مطہرات میں سے جس کو چاہیں مؤخر کر دیں جس کو چاہیں اپنے قریب کریں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا مخصوص حکم ہے، عام امت کے لوگوں کے لیے جب متعدد بیویاں ہوں تو سب میں برابری کرنا ضروری ہے، اس کے خلاف کرنا حرام ہے۔ برابری سے مراد نفقہ کی برابری اور شبِ باشی میں برابری ہے کہ جتنی راتیں ایک بیوی کے ساتھ گزاریں اتنی دوسری اور تیسری کے ساتھ گزارنا چاہئے، کئی بیشی ناجائز ہے۔ مگر نبی کریم ﷺ کو اس معاملے میں مکمل اختیار دے دیا کہ جس بی بی سے ایک مرتبہ اجتناب کا ارادہ کر لیا پھر اگر چاہیں تو اس کو پھر قریب کر سکتے ہیں۔ وَ مَنِ ابْتَغَيْتَ مِنْ عَزْلَتِ فَلَاحُنَّاحَ عَلَيْكَ کا یہی مطلب ہے۔

حق تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ اعزاز بخشا کہ ازواج مطہرات میں برابری کرنے کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس استثناء و اجازت کے باوجود پنے عمل میں ہمیشہ برابری کا التزام ہی فرمایا۔ ام ابوبکر جصاص نے فرمایا کہ حدیث کی روایت یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس آیت کے نزول کے بعد بھی ازواج مطہرات میں برابری کی رعایت، ہمیشہ رکھتے تھے، پھر اپنی اسناد کے ساتھ حضرت صدیقہ عائشہ سے یہ حدیث نقل کی جو مسند احمد، ترمذی، نسائی، ابوداؤد وغیرہ میں بھی موجود ہے:

”رسول اللہ ﷺ سب ازواج میں برابری فرماتے تھے اور یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ جس چیز میں میرا اختیار ہے اس میں تو میں نے برابر کر لی، (یعنی نفقہ اور شبِ باشی وغیرہ میں) مگر جس میں میرا اختیار نہیں اس معاملہ میں مجھے ملامت نہ فرمائیں اور مردوں کی محبت ہے، کسی سے زیادہ کسی سے کم“

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ ہی کی روایت ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو کسی بی بی کی نوبت میں ان کے یہاں جانے سے کوئی عذر ہوتا تو آپ اس سے اجازت لیتے تھے، جب کہ یہ آیت نازل ہو چکی تھی، وَتُكْوِي إِلَيْكَ.... (جس میں بیویوں میں برابری کرنے کا فرض آپ سے معاف کر دیا گیا)۔

یہ حدیث بھی سب کتب حدیث میں معروف ہے، کہ مرضِ رفات میں جب آپ کو ازواج مطہرات کے گھروں میں روزانہ منتقل ہونا مشکل ہو گیا تو آپ نے سب سے اجازت حاصل کر کے حضرت صدیقہ عائشہ کے بیت میں بیماری کے دن گزارنا اختیار فرمایا تھا۔

انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید الانبیاء ﷺ کی عادت شریفہ یہی تھی کہ جن کاموں میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رخصت آپ کی آسانی کے لیے دی جاتی تھی تو اس کی شکرگزاری کے طور پر آپ عموماً عزیمت پر عمل کرتے اور رخصت کو صرف ضرورت کے وقت استعمال کرتے تھے۔

ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ تَقْرَءَ اَعْيُنُهُمْ وَاَلَّا يَحْزَنَ وَيَرْضَيْنَ یہ حکم ششم یعنی نبی کریم ﷺ سے ازواج مطہرات میں برابری کی فرضیت کا اٹھادینا اور آپ کو ہر طرح کا اختیار دے دینا، اس کی علت و حکمت کا بیان ہے۔ آپ کو یہ عام اختیار دینے کی مصلحت یہ ہے کہ سب ازواج مطہرات کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ اپنے حصہ پر راضی رہیں۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم تو بظاہر ازواج مطہرات کی مرضی اور منشاء کے خلاف اور ان کے رنج کا سبب ہو سکتا ہے، اس کو ازواج کی خوشی کا سبب کیسے قرار دیا گیا؟ اس کا جواب خلاصہ تفسیر میں اوپر آچکا ہے کہ دراصل ناراضی کا اصل سبب اپنا استحقاق ہوتا ہے، جس شخص کے متعلق انسان کو یہ معلوم ہو کہ میرا فلاں حق اس کے ذمہ واجب ہے، اگر وہ اس کی ادائیگی میں کوتاہی کرے تو رنج و غم پیش آتا ہے۔ اور جس شخص پر ہمارا کوئی حق واجب نہ ہو پھر وہ جو کچھ بھی مہربانی کرے وہ خوشی ہی خوشی ہوتی ہے، یہاں بھی جب یہ بتلادیا گیا کہ ازواج میں برابری کرنا آپ پر واجب نہیں، بلکہ آپ مختار ہیں تو اب جس بی بی کو جتنا حصہ بھی آپ کی توجہ اور صحبت کا ملے گا، وہ اس کو ایک احسان و تبرع سمجھ کر خوش ہوگی۔

اٰخِرُ مِیْنِ فَرَمٰی: اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ۝

یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اور وہ بڑے علم والا بڑے علم والا ہے۔ آیات مذکورہ میں اوپر سے یہاں تک ان احکام کا ذکر چلا آتا ہے جو دربارہ نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی طرح کی خصوصیت رکھتے ہیں، آگے بھی ایسے ہی بعض احکام کا بیان آ رہا ہے، درمیان میں یہ آیت کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کا حال جانتا ہے اور علیم و حلیم ہے، بظاہر ماقبل اور مابعد سے کوئی جوڑ نہیں رکھتا۔ روح المعانی میں فرمایا کہ احکام مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے چار سے زیادہ ازواج کی اجازت اور بلا مہر کے نکاح کی اجازت سے کسی کے دل میں شیطانی وساوس پیدا ہو سکتے تھے، اس لیے درمیان میں اس آیت نے یہ ہدایت دے دی کہ مسلمان اپنے دلوں کی ایسے وساوس سے حفاظت کریں، اور اس پر ایمان کو پختہ کریں کہ یہ سب خصوصیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو بہت سی حکمتوں اور مصالح پر مبنی ہیں، نفسانی خواہشات کی تکمیل کا یہاں گزر نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی زاہدانہ زندگی اور اس کے ساتھ تعدد ازواج کا مسئلہ:

اعضاء اسلام نے ہمیشہ مسئلہ تعدد ازواج اور خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی کثرت ازواج کو اسلام کی مخالفت میں موضوع بحث بنایا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کو سامنے رکھا جائے تو کسی شیطان کو بھی شان رسالت کے خلاف و سوسہ پیدا کرنے کی مجالش نہیں رہتی۔ جس سے ثابت ہے کہ آپ نے سب سے پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ سے کیا، جو بیوہ سن رسیدہ صاحب اولاد اور دو شوہروں کے نکاح میں رہنے کے بعد آئی تھیں، اور پچاس سال کی عمر تک صرف اسی ایک سن رسیدہ بیوی کے ساتھ شباب کا پورا زمانہ گزارا۔ یہ پچاس سالہ دور عمر مکہ کے لوگوں کے سامنے گزرا۔ چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کے بعد شہر میں آپ کی مخالفت شروع ہوئی، اور مخالفین نے آپ کے ستانے اور آپ پر عیب لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، ماسٹر کہا، شاعر کہا، مجنون کہا، مگر کبھی کسی دشمن کو بھی آپ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں مل

سکا، جو تقویٰ و طہارت کو مٹھوک کر سکے۔

پچاس سال عمر شریف کے گزرنے اور حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد حضرت سودہ نکاح میں آئیں یہ بھی بیوہ تھیں۔
 ہجرت مدینہ اور عمر شریف چون سال ہو جانے کے بعد ۲ ہجری میں حضرت صدیقہ عائشہ کی رخصتی آنحضرت ﷺ کے گھر میں ہوئی۔ اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ سے اور کچھ دنوں کے بعد حضرت زینب بنت خزیمہ سے نکاح ہوا۔ یہ حضرت زینب چند ماہ کے بعد وفات پا گئیں۔ ۴ ہجری میں حضرت ام سلمہ جو صاحب اولاد بیوہ تھیں آپ کے نکاح میں آئیں۔ ۵ ہجری میں حضرت زینب بنت جحش سے بنکم خد اوندی نکاح ہوا، جس کا ذکر سورۃ احزاب کے شروع میں آچکا ہے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھاون سال تھی۔ آخری پانچ سال میں باقی ازواج مطہرات آپ کے حرم میں داخل ہوئیں۔ پیغمبر کی خانگی زندگی اور گھریلو معاملات سے متعلق احکام دین کا ایک بہت بڑا حصہ ہوتے ہیں۔ ان نو ازواج مطہرات سے جس قدر دین کی اشاعت ہوئی اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف حضرت صدیقہ عائشہ سے دو ہزار دوسویں احادیث اور حضرت ام سلمہ سے تین سو اڑسٹھ احادیث کی روایت معتبر کتب حدیث میں جمع ہیں۔ حضرت ام سلمہ نے جو احکام و فتاویٰ لوگوں کو بتلائے ان کے متعلق حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے کہ اگر ان کو جمع کر لیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے، دوسو سے زیادہ حضرات صحابہ حضرت صدیقہ عائشہ کے شاگرد ہیں، جنہوں نے حدیث اور فقہ و فتاویٰ ان سے سیکھے ہیں۔

اور بہت سی ازواج کو حرم نبوی میں داخل کرنے میں ان کے خاندان کو اسلام کی طرف لانے کی حکمت بھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے اس اجمالی نقشہ کو سامنے رکھیں تو کیا کسی کو یہ کہنے کی گنجائش رہ سکتی ہے کہ یہ تعدد اور کثرت ازواج معاذ اللہ کسی نفسانی اور جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے ہوا تھا، اگر یہ ہوتا تو ساری عمر تہجد یا ایک بیوہ کے ساتھ گزارنے کے بعد عمر کے آخری حصہ کو اس کام کے لیے کیوں منتخب کیا جاتا۔ یہ مضمون پوری تفصیل کے ساتھ، نیز اصل مسئلہ تعدد ازواج پر شرعی اور عقلی، فطری اور اقتصادی حیثیت سے مکمل بحث معارف القرآن جلد دوم سورۃ نساء کی تیسری آیت کے تحت میں آچکی ہے وہاں دیکھا جائے۔ (معارف جلد دوم، ص ۸۲ تا ۲۹۲)۔

ساعتوان حکم : لَا يَجِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ وَلَا أَنْ تَبْتَكَلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَ لَوْ أَعَجَبَكَ حُسْنُهُنَّ. یعنی اس کے بعد آپ کے لیے دوسری عورتوں سے نکاح حلال نہیں، اور یہ بھی حلال نہیں کہ موجودہ ازواج میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بدلیں۔

اس آیت میں لفظ مِنْ بَعْدِ کی دو تفسیریں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ مِنْ بَعْدِ سے مراد یہ ہو کہ بعد ان نو عورتوں کے جو اس وقت آپ کے نکاح میں ہیں، اور کسی سے آپ کا نکاح حلال نہیں، بعض صحابہ اور ائمہ تفسیر سے بھی یہی تفسیر منقول ہے، جیسا کہ حضرت انس نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ دنیا طلبی کے لیے آپ سے جدائی اختیار کریں یا پھر تنگی و فرانی جو کچھ پیش آئے اس پر قناعت کر کے آپ کی زوجیت میں رہیں، تو سب ازواج مطہرات نے اپنے نفقہ کی زیادتی کے مطالبہ کو چھوڑ کر اسی حال میں زوجیت کے اندر رہنا اختیار کیا تو اس پر بطور انعام کے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات

گرامی کو بھی انہی نوازواج کے لیے مخصوص کر دیا، ان کے سوا کسی سے نکاح جائز نہ رہا۔ (رواہ البہمی فی سنہ کذالی الروح)
 اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو آپ کے لیے مخصوص فرمادیا کہ آپ کے بعد بھی وہ کسی سے نکاح نہیں کر سکتیں، اسی طرح آپ کو بھی ان کے لیے مخصوص فرمادیا کہ آپ ان کے علاوہ اور کوئی نکاح نہیں کر سکتے۔ حضرت عکرمہ سے بھی ایک روایت میں یہ تفسیر منقول ہے۔

اور حضرت عکرمہ، ابن عباس اور مجاہد ائمہ تفسیر سے ایک روایت میں لفظ من بعد کی یہ تفسیر نقل کی گئی ہے کہ من بعد الاصناف المذكورة، یعنی شروع آیت میں آپ کے لیے جتنی اقسام عورتوں کی حلال کی گئی ہیں، اس کے بعد یعنی ان کے سوا کسی اور قسم کی عورتوں سے آپ کا نکاح حلال نہیں۔ مثلاً شروع آیت میں اپنے خاندان کی عورتوں میں سے صرف وہ حلال کی گئیں جنہوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے میں آپ کی موافقت کی تھی، خاندان کی عورتوں میں غیر مہاجرات سے آپ کا نکاح حلال نہیں رکھا گیا۔ اسی طرح مؤمنہ کی قید لگا کر آپ کے لیے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح ناجائز قرار دے دیا گیا۔ تو آیت کے جملہ من بعد کا مطلب یہ ہے کہ جتنی قسمیں آپ کے لیے حلال کر دی گئی ہیں صرف انہی میں سے آپ کا نکاح ہو سکتا ہے، عام عورتوں میں تو مسلمان ہونا ہی شرط ہے اور خاندان کی عورتوں میں مسلمان ہونے کے ساتھ مہاجرہ ہونا بھی شرط ہے۔ جن میں یہ دو شرطیں موجود نہ ہوں، ان سے آپ کا نکاح حلال نہیں۔ اس تفسیر کے مطابق یہ جملہ کوئی نیا حکم نہیں، بلکہ پہلے ہی حکم کی تاکید و توضیح ہے، جو شروع آیت میں بیان ہوا ہے۔ اور اس آیت کی وجہ سے نو کے بعد کسی اور عورت سے نکاح حرام نہیں کیا گیا، بلکہ غیر مؤمنہ اور خاندان کی غیر مہاجرہ سے نکاح ممنوع ہوا ہے، جو پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے، باقی عورتوں سے مزید نکاح آپ کے اختیار میں رہا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی ایک روایت سے بھی اس دوسری تفسیر کی تائید ہوتی ہے، کہ آپ کیلئے مزید نکاح کرنے کی اجازت رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ آیت مذکورہ کی اگر دوسری تفسیر اختیار کی جائے تو اس جملے کا مطلب واضح ہے کہ اگرچہ آپ کو موجودہ ازواج کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح بشرط مذکورہ جائز ہے، مگر یہ جائز نہیں کہ ایک کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری کو بدلیں یعنی خالص تبدیلی کی نیت سے کوئی نکاح جائز نہیں، بغیر لحاظ دینیت تبدیلی کے جتنے چاہیں نکاح کر سکتے ہیں۔

اور اگر آیت مذکورہ کی پہلی تفسیر مراد لی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ آئندہ نہ کسی عورت کا اضافہ موجودہ ازواج میں آپ کر سکتے ہیں، اور نہ کسی کی تبدیلی کر سکتے ہیں، کہ اسے طلاق دے کر اس کے قائم مقام کسی اور عورت سے نکاح کر لیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر معارف القرآن) (مفتی شفیع)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ فِي الدُّخُولِ بِالْأَعْيُنِ إِلَىٰ طَعَامٍ فَتَدْخُلُوا
 عَلَيْهِمْ لَظْرِينَ مُنْتَظِرِينَ إِيَّاهُ نَضْجَةً مَهْنَدَةً أَلَىٰ يَأْتِي وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ

فَانْتَشَرُوا وَلَا تَمَكَّنُوا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۱ مِنْ بَعْضِكُمْ بِبَعْضٍ اِنْ ذَلِكُمْ الْمَكْتُ كَانَ يُوَدَى

النَّبِيِّ فَيَسْتَخِي مِنْكُمْ اَنْ يُخْرِجَكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَخِي مِنَ الْحَقِّ ۲ اَنْ يُخْرِجَكُمْ اَي لَا يَتْرُكُ بَيَانَهُ وَفَرِيئ

يَسْتَخِي بِنَاءً وَاحِدَةً وَاِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ اَيَّ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ مَتَاعًا فَسَأَلُوهُنَّ ۳ مِنْ وُدَّاءِ حِجَابٍ ۴ سِر

ذَلِكُمْ اَظْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۵ مِنَ الْخَوَاطِرِ الْمُرِيْبَةِ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ بِشَيْءٍ وَا

لَا اَنْ تَنْكِحُوا اَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ اَبَدًا ۶ اِنْ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ ذَنْبًا عَظِيمًا ۷ اِنْ تُبَدُّوا شَيْئًا وَا

تُخْفَوْنَ مِنْ نِكَاحِهِنَّ بَعْدَهُ ۸ فَاِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۹ فَيَجَازِيكُمْ عَلَيْهِ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي

اَبَائِهِنَّ وَلَا اَبْنَائِهِنَّ وَلَا اِخْوَانِهِنَّ وَلَا اَبْنَاءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ اَي

الْمُؤْمِنَاتِ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۱۰ مِنَ الْاِمَاءِ وَالْعَبِيدِ اَنْ يَرَوْهُنَّ وَيُكَلِّمُوهُنَّ مِنْ غَيْرِ حِجَابٍ وَا

الَّذِينَ اتَّخَذَ اللَّهُ ۱۱ فَيَمَّا اَمْرُئِنَّ بِهِ اِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۱۲ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ اِنَّ اللَّهَ وَا

مَلِكٌ كَتَبَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۱۳ مُحَمَّدٌ (ﷺ) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۱۴ اَي

قُولُوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَّهُمْ الْكٰفِرُ الَّذِيْ يَصِفُوْنَ اَللّٰهُ بِمَآثِرِ

مُنْتَزَعَةً عَنَّهُ مِنَ الْوَلَدِ وَالشَّرِيْكَ وَيَكْذِبُوْنَ رُسُلَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَبْعَدَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ

عَذَابًا مُّهِينًا ۱۵ ذَا اِهَانَةٍ وَهُوَ النَّارُ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا

۱۶ يَرْمُوْنَهُمْ بِغَيْرِ مَا عَمِلُوْا فَقَدْ اَحْتَمَلُوْا بُهْتَانًا اَحْتَمَلُوْا كِذْبًا وَاِثْمًا مُّهِينًا ۱۷ بَيْنَا

تَرْجَمْتُمَا: اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر جس وقت تم کو اجازت دی جائے داخل ہونے کی کھانے کے

لیے تو داخل ہو سکتے ہو ایسے طور پر کہ انتظار میں نہ رہو منتظر ہو کر بیٹھنا پڑے اس کی تیاری کے پکنے کے انا مصدر ہے انی یانی کا

البتہ جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو پھرے مت رہا کرو جی لگا کر بیٹھے مت رہا کرو باتیں کرنے کے لیے آپس میں اس بات

ظہرنے سے پیغمبر کو ناگواری ہوئی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اٹھ جانے کے لیے نہیں کہتے لیکن اللہ صاف صاف ہاتھ

کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا کہ باہر ہو جاؤ یعنی اس کے بیان کرنے سے نہیں چوکتا اور ایک قراءت میں - یستیٰ ایک یار کے

ساتھ ہے اور جب تم ازواج سے مانگو کوئی چیز تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک

رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے وسادس اور شہادت سے اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم رسول اللہ کو کسی طرح بھی کسی چیز کی تکلیف

نزول آیت حجاب کا واقعہ:

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ جب رسول خدا نے حضرت زینبؓ (بنت جحش) سے نکاح کیا (اور ولیمہ کھانے کے لیے آپ ﷺ کے دولت کدہ پر) لوگ حاضر ہوئے تو طعام ولیمہ کھا کر وہیں باتیں کرتے ہوئے بیٹھے رہ گئے، حضور اقدس ﷺ نے (چاہا کہ وہ لوگ اٹھ جائیں لہذا آپ نے) ایسا طرز اختیار فرمایا کہ آپ اٹھ رہے ہیں (اور وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ ﷺ کے مزاج میں وسعت اخلاق کے باعث لحاظ بہت تھا اس وجہ سے آپ ﷺ نے صاف طور سے یہ نہ فرمایا کہ چلے جاؤ) وہ آپ ﷺ کو اٹھتے دیکھ کر بھی نہ اٹھے، جب آپ ﷺ نے یہ حال دیکھا تو اٹھ کر چلے گئے، آپ ﷺ کے اٹھ جانے پر کچھ آدمی تو چلے گئے اور کچھ رہ گئے، حضور اقدس ﷺ (حضرت عائشہؓ کے دروازے تک جا کر یہ سمجھتے ہوئے) واپس ہوئے کہ وہ لوگ نکل گئے ہوں گے۔ جب تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں (لہذا آپ ﷺ پھر واپس ہو گئے) اس کے بعد وہ لوگ کھڑے ہوئے اور چلے گئے، میں نے ان کے چلے جانے کی خبر آپ ﷺ کو دی، آپ ﷺ تشریف لائے یہاں تک کہ گھر میں داخل ہو گئے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ داخل ہونے لگا تو آپ ﷺ نے (مجھ کو روک دیا اور) میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ (آخر تک) نازل ہوئی۔

یہ قصہ بخاری شریف میں کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً کئی جگہ مروی ہے۔ حضرت انسؓ بچپن سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت حضرت انسؓ کی عمر دس سال تھی اور آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے ۵ ہجری میں نکاح فرمایا لہذا اس حساب سے اس واقعہ کے وقت حضرت انسؓ کی عمر پندرہ سال ہوئی۔ چونکہ وہ پہلے سے آنحضرت ﷺ کے گھروں میں آیا جایا کرتے تھے اسی وجہ سے جب آنحضرت ﷺ لوگوں کے چلے جانے کے بعد گھر میں داخل ہونے لگے تو حضرت انسؓ نے بھی آپ ﷺ کے ہمراہ اندر جانے کا ارادہ کیا مگر چونکہ اس اثناء میں پردہ کا حکم آچکا تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے ان کو گھر کے اندر جانے سے روک دیا۔ حضرت انسؓ چونکہ شروع واقعہ سے آخر تک موجود تھے اس لیے فرمایا کرتے تھے (انا اعلم الناس بهذا) (یعنی میں پردہ کی آیت کے متعلق سب لوگوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔)

اس آیت میں متعدد احکام بیان فرمائے ہیں، پہلا حکم یہ ہے کہ نبی کے گھروں میں داخل مت ہوا کرو، ہاں اگر تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ لیکن اس صورت میں بھی ایسا نہ کرو کہ جلدی پہنچ جاؤ اور کھانے کے انتظار میں بیٹھے رہو۔ دوسرا حکم یہ فرمایا کہ جب کھانا کھا چکو تو وہاں سے منتشر ہو جاؤ وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ ایسا نہ کرو کہ کھانا کھا کر وہاں بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہو اور باتوں میں جی لگائے رہو کیونکہ اس سے نبی اکرم ﷺ کو ناگواری ہوتی ہے وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور زبان سے نہیں فرماتے کہ اٹھ کر چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں صاف بتاتا ہے اور صاف حکم دیتا ہے کہ تم کھانا کھا کر چلے جاؤ

نبی کریم ﷺ کو تکلیف نہ دو۔

تیسرا حکم یہ دیا کہ جب نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے طلب کرو، اس میں پردہ کا اہتمام کرنے کا حکم فرمادیا کہ مردوں کو کوئی چیز طلب کرنا ہو تو وہ بھی پردے کے پیچھے سے طلب کریں اور عورتیں بھی سامنے نہ آئیں، کوئی چیز دینا ہو تو وہ بھی پردہ کے پیچھے سے دیں۔ پردہ کے اس اہتمام پر مزید زور دیتے ہوئے فرمایا ذلکھ اَظْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۱، یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔

چوتھا حکم یہ دیا کہ نبی کریم ﷺ کو ایذا مت پہنچاؤ جو لوگ گھر میں بیٹھے رہ گئے تھے ان سے آپ ﷺ کو ایذا پہنچی تھی، وہ ایک وقتی اور خاص قسم کی ایذا تھی اس کے بعد عمومی حکم فرمادیا کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی کسی قسم کی ایذا مت پہنچاؤ۔

پانچواں حکم فرمایا کہ نبی کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح مت کرنا، اس سورت کے پہلے رکوع میں فرمایا کہ (وَآزْوَاجُهُنَّ اُمَّهَاتِكُمْ) کہ آپ ﷺ کی بیویاں امت کی مائیں ہیں اور یہاں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کی بیویوں سے کسی کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، یہ حکم ان پاک بیبیوں کے اکرام و احترام کی وجہ سے ہے، مزید فرمایا: اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۲ (بلاشبہ یہ اللہ کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے) یعنی بہت بڑی معصیت ہے، نہ گناہ کا ارادہ کرو نہ گناہ کرو۔ اسی کو فرمایا (اِنَّ ثُبُودًا وَّاشِيْقًا اَوْ تُخْفُوهُ) اگر تم ظاہر کوئی گناہ کرو گے یا اسے پوشیدہ رکھو گے تو دونوں گناہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوں گے وہ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور پوشیدہ کو بھی (فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِحٰجَتِكُمْ عَلِيْمًا ۳) (وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔)

واضح رہے کہ جو احکام اوپر مذکور ہوئے ہیں ان میں صرف ایک حکم ایسا ہے جو آنحضرت سرور دو عالم ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص ہے یعنی یہ کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی کسی بیوی سے کسی کا بھی نکاح جائز نہیں، باقی احکام سب کے لیے برابر ہیں، نہ تو کسی کے یہاں بغیر بلائے دعوت میں جائے اور نہ بلائے جانے کی صورت میں کھانا پکینے کے انتظار میں اس کے گھر میں جا کر بیٹھا رہے اور نہ کھانا کھا کر وہاں بیٹھ کر باتوں میں مشغول رہے بلکہ کھانا کھا کر وہاں سے چلا جائے، اگر کسی نامحرم عورت سے کوئی چیز طلب کرنی ہو تو پردہ کے پیچھے سے طلب کریں، نہ عورت سامنے آئے نہ مرد عورت کو دیکھیں۔ آج کل کے بعض جاہل جو پردہ کے دشمن ہیں انہوں نے جاہلانہ نکتہ نکالا ہے کہ چہرہ کا پردہ کرنے کا حکم صرف آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے لیے ہے، غور کرنے کی بات ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں امت کے افراد کو یہ حکم ہے کہ پردہ کے پیچھے سے سوال کریں حالانکہ ان کو مسلمانوں کی مائیں بتایا گیا ہے تو دوسری عورتوں سے بغیر پردہ کے سامنے ہو کر بات چیت یا کوئی چیز طلب کرنے کی کیونکر اجازت ہو سکتی ہے خصوصاً اس زمانے

میں جو فساد اور فتنوں کا دور ہے۔ (تفسیر انوار البیان)

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي اَبْوَابِهِنَّ وَلَا اَبْنَائِهِنَّ

حکم پردہ کے بارے میں رعایت کا ذکر:

اس ارشاد سے ان لوگوں کا ذکر فرمایا گیا جن کیلئے پردے کے بارے میں رعایت ہے۔ روایات میں وارد ہے کہ جب پردے کا حکم نازل ہوا تو باپوں اور بیٹوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا ہم پر بھی یہ پابندی ہے؟ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو پردے کے عام حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ (جامع منہج، سرائی وغیرہ)۔ اور چچا اور ماموں کے بارے میں کہا گیا کہ چونکہ وہ باپ کے حکم میں ہیں اس لیے ان کو الگ بیان نہیں فرمایا گیا۔ لانہما بمنزلة الابوين فلا حاجة لذكرهما - (جامع البیان: ج 2 ص 173)۔ بہر کیف اس ارشاد ربانی میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا گیا جن کیلئے پردے کے حکم اور اس کی پابندیوں کے سلسلے میں خاص رعایت ہے اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ اس میں حرج ہے جو کہ دین حنیف کی شانِ سر کے خلاف ہے۔

وَلَا تَسْأَلُوهُنَّ سَأَلًا يُغْنِي عَنْهُنَّ مَالَهُنَّ وَأَسْأَلُوهُنَّ لَعَلَّ يَسْتَرْفِعْنَ بِأَعْيُنِنَا ذَكَرْنَا الْمَرْءُ الضَّالِّ السَّاجِدَ۔ اور وہ مسلمان عورتوں کی صفات اور ان کے احوال اپنے خاندوں وغیرہ کفر کو پہنچاتی ہیں۔ اور اسی حکم میں وہ عورتیں بھی اشتراکِ علت کی وجہ سے داخل اور شامل ہو جائیں گی جو نام کی تو مسلمان ہوں مگر ان کا اخلاقی بگاڑ غیر مسلموں کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھ کر ہو۔ جیسا کہ دورِ حاضر میں پایا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف اوپر والے ارشاد ربانی میں پیغمبر کے گھروں میں دوسروں کے داخلے سے متعلق جو پابندیاں عائد فرمائی گئی تھیں، ان پابندیوں سے جو لوگ مستثنیٰ ہیں یہاں ان کی تفصیل بیان فرمادی گئی۔ اور ان خاص رشتوں کا ذکر فرمایا گیا جو اس استثناء کا سبب ہیں جس سے یہ بھی واضح فرمادیا گیا کہ جو رشتہ دار ان کے حکم میں ہیں وہ سب اس پابندی سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کے اوپر صرف وہی پابندیاں ہیں جو سورۃ نور میں مذکور ہوئی ہیں۔ آخر میں ازدواجِ مطہرات کو بھی اسی طرح تقویٰ و پرہیزگاری کی تشبیہ و تلقین فرمادی گئی جس طرح کی تشبیہ و تلقین دوسروں کیلئے فرمائی گئی ہے۔ اور یہ کہ اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ اس سے انسان کسی بھی جگہ اور کسی بھی طرح چھپ نہیں سکتا۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ

اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے رسول اللہ ﷺ پر صلوة بھیجتے ہیں، اے مسلمانو! تم بھی نبی پر صلوة و سلام بھیجا کرو:

اصل مقصود آیت کا مسلمانوں کو یہ حکم دینا تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر صلوة و سلام بھیجا کریں مگر اس کی تعبیر و بیان میں یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ پہلے حق تعالیٰ نے خود اپنا اور اپنے فرشتوں کا رسول اللہ ﷺ پر صلوة بھیجنے کا ذکر فرمایا، اس کے بعد عام مؤمنین کو اس کا حکم دیا جس میں آپ کے شرف اور عظمت کو مزید بلند فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کا جو حکم مسلمانوں کو دیا جاتا ہے وہ کام ایسا ہے کہ خود حق تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی وہ کام کرتے ہیں عام مؤمنین جن پر رسول اللہ ﷺ کے بے شمار احسانات ہیں ان کو تو اس عمل کا بڑا اہتمام کرنا چاہیے۔ اور ایک فائدہ اس تعبیر میں یہ بھی ہے کہ اس سے درود و سلام بھیجنے والے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام میں شریک فرمایا جو کام حق تعالیٰ خود بھی کرتے ہیں اور اس کے فرشتے بھی۔

آیت شریفہ میں لفظ (يُصَلُّونَ) وارد ہوا ہے جس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے کہ بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر رحمت بھیجتے ہیں۔ لفظ (يُصَلُّونَ) صلوة سے ماخوذ ہے، مفسرین و محدثین نے فرمایا ہے کہ لفظ صلوة عربی زبان میں چند معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ رحمت، دعا، مدح و ثناء پھر جس کی طرف صلوة منسوب ہوگی اس کی شان اور مرتبہ کے مناسب ثناء، تعظیم اور رحمت و شفقت مراد لیں گے، جیسا کہا جاتا ہے کہ باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے اور بھائی بھائی سے محبت کرتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ جو محبت باپ کو بیٹے سے ہے بیٹے کو باپ سے اس طرح کی محبت نہیں ہے۔ نیز بھائی بھائی کی محبت اور باپ بیٹے کی محبت جدا ہوتی ہے لیکن محبت سب کو ہی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح صلوة کو سمجھ لو کہ اللہ جل شانہ نبی پر صلوة بھیجتے ہیں اور فرشتے بھی اور عام مؤمنین بھی، مگر سب کے صلوة کے معنی ایک ہی نہیں ہیں بلکہ ہر ایک کی شان کے مناسب صلوة کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ جل شانہ کی صلوة رحمت بھیجنا ہے اور فرشتوں کی صلوة استغفار ہے اور مؤمنوں کی صلوة دعائے رحمت ہے ہر ایک میں مدح و ثناء اور تعظیم و توقیر کے معنی ملحوظ ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی عظمت اور توقیر یہ ہے کہ آپ کا ذکر بلند فرمایا اور آپ کے دین کو غالب کیا اور قیامت تک اس کو باقی رکھا اور آخرت میں آپ ﷺ کی عظمت اور توقیر یہ ہے کہ آپ کو شفاعت کبریٰ نصیب فرمائی اور مقام محمود عطا فرمایا اور تمام مقربین اور اولین و آخرین پر آپ کی فضیلت ظاہر فرمائی۔

اور لفظ سلام مصدر بمعنی السلامة ہے اور مراد اس سے نقائص و عیوب اور آفتوں سے سالم رہنا ہے، سلام معنی ثناء کو متضمن ہے اس لیے حرف علی کے ساتھ (عَلَيْكَ يَا عَلِيُّ كُنْمُ) کہا جاتا ہے۔

اور بعض حضرات نے یہاں لفظ سلام سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لی ہے کیونکہ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے تو مراد السلام علیک سے یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت اور رعایت کا متولی اور کفیل ہے۔ (از روح المعانی)

اس آیت میں اللہ جل شانہ نے مؤمنوں کو حکم دیا کہ مرد و عالم ﷺ پر درود بھیجا کریں علمائے امت کا ارشاد ہے کہ اس صیغہ امر (صَلُّوا) کی وجہ سے عمر بھر میں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنا فرض ہے، اور اگر ایک مجلس میں کئی بار آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک کرے یا سنے تو ذکر کرنے اور سننے والے پر حضرت امام طحاویؒ کے نزدیک ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے مگر فتویٰ اس پر ہے کہ ایک بار واجب ہے پھر مستحب ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ ہر بار درود شریف پڑھے اور آقائے دو جہاں ﷺ کی محبت کا ثبوت دے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ مِنْ زَانَتٍ بِه الْعَصْرُ

اس آیت میں لفظ صلوة وارد ہوتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ صلوة علی النبی کے معنی یہ ہیں کہ شفقت و رحمت کے ساتھ نبی ﷺ کی ثناء کی جائے، پھر جس کی طرف صلوة منسوب ہوگی اس کی شان اور مرتبہ کے مناسب ثناء تعظیم اور رحمت و شفقت مراد لیں گے۔

درود شریف کے فضائل:

سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا بہت بڑی فضیلت والا عمل ہے، قرآن مجید میں حکم فرمایا ہے (جیسا کہ آیت بالا میں نظروں کے سامنے) اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی بہت سی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ صحیح مسلم جلد ۱: ص ۱۶۶ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ جل شانہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔

سنن نسائی میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دس درجات بلند فرماتے ہیں اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دیتے ہیں اور اس کے دس گناہ (نامہ اعمال سے) مٹا دیتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجا کرتے تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بہت سے فرشتے زمین میں گشت لگاتے پھرتے ہیں اور مجھ کو میری امت کا سلام پہنچا دیتے ہیں۔ نیز ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ اور میری قبر کو عید مت بناؤ اور مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود میرے پاس پہنچ جاتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

(یہ سب روایات مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۲ "باب صلوة علی النبی وفضلہا" سے لی گئی ہیں)

"گھروں کو قبریں مت بناؤ" اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قبریں عبادت سے خالی ہوتی ہیں اسی طرح گھروں کو عبادت سے خالی مت رکھو بلکہ نفل نمازیں ادا کرتے رہو "میری قبر کو عید مت بناؤ" اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عید کے روز زیب و زینت کے ساتھ خصوصی اجتماع ہوتا ہے میری قبر کی اس طرح زیارت نہ کرو بلکہ توفیر و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے حاضری دو، آپ ﷺ کا دربار کوئی معمولی دربار نہیں ہے کہ وہاں ہنستے ہوئے جاؤ بلکہ وہ توشہ دو جہاں سید الانبیاء ﷺ کا دراطہر ہے، اس کی توفیر و عظمت دل میں لے کر حاضر ہونا چاہیے۔

عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتا ہے اللہ اور اس کے فرشتے اس شخص پر ستر رحمتیں بھیجتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۷)

ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ یہ (یعنی ایک ایک درود کے بدلے میں ستر رحمتیں نازل فرمانا) غالباً جمعہ کے روز کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ بعض اوقات اعمال کا ثواب وقت کی فضیلت و عظمت کی وجہ سے بڑھا دیا جاتا ہے، لہذا جمعہ کے روز دس رحمتوں کی بجائے ستر رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تمہارے دنوں میں سب دنوں سے بہتر جمعہ کا دن ہے، اسی روز آدم پیدا کیے گئے اور اسی روز انہوں نے وفات پائی، جمعہ کے روز ہی صور پھونکا جائے گا۔ اور جمعہ ہی کے روز صور کی آواز سن کر مخلوق بے ہوش ہوگی، چونکہ جمعہ کا دن سب سے افضل ہے اس لیے اس روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

ارشاد فرمایا رسول خدا نے کہ جو بھی مسلمان مجھ پر درود بھیجتا ہے فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں اب اختیار ہے کہ کوئی بندہ مجھ پر زیادہ درود بھیجے یا کم۔ (ابن ماجہ) مطلب یہ ہے کہ کثرت سے درود بھیجا کرو جیسا کہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں عمل اچھا ہے آگے اختیار ہے کوئی کم کرے یا زیادہ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسول خدا موجود تھے آپ کے ساتھ ابو بکر و عمرؓ بھی تھے۔ جب میں نماز پڑھ کر بیٹھا تو اللہ کی تعریف بیان کی پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا، بعد میں اپنے لیے دعا کی، یہ ماجرا دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مانگ جو مانگے گا ملے گا۔ (ترمذی)

حضرت فضالہ بن عبیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور نماز پڑھ کر اس نے دعا شروع کر دی اور کہا "اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے تو نے دعا کرنے میں جلدی کی، آئندہ کے لیے یاد رکھ کہ جب تو نماز پڑھ چکے تو بیٹھ کر اللہ کی حمد بیان کر جیسی اس کی ذات کے لائق ہے پھر مجھ پر درود بھیج پھر اللہ سے دعا کر۔

فضالہ بن عبیدؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر ایک اور شخص نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے دعا کرتیری دعا قبول ہوگی۔ (ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعاء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے پھر اللہ سے دعا کرے، دعا کے قبول ہونے میں درود شریف کو بڑا دخل ہے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ جب تک آنحضرت ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے دعا آسمان و زمین کے درمیان لنگی رہتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۸)

اہل معرفت نے فرمایا کہ درود شریف کے علاوہ جو دوسرے اذکار و عبادات ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کا ثواب نہ دیا جائے لیکن درود شریف ہمیشہ مقبول ہی ہوتا ہے، جب دعا کرے تو دعا سے پہلے بھی درود شریف پڑھے اور دعا کے اخیر میں بھی۔ اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے جب دونوں درودوں کو قبول فرمائے گا تو درمیان میں جو دعا واقع ہوگی اسے بھی قبول فرمائے گا۔

(ذکرہ فی الحسن)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لیے نقصان کا باعث ہوگی۔ اب اللہ چاہے تو انہیں عذاب دے اور چاہے تو ان کی مغفرت فرمادے۔ (رواہ الترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی مجلس اللہ کے ذکر سے اور درود شریف سے خالی نہ رہ جائے۔

جب کسی مجلس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک آئے خواہ خود ذکر کرے یا دوسرے شخص سے سنے تو درود شریف ضرور پڑھے۔ گو کسی مجلس میں آپ کا اسم گرامی سن کر ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے لیکن اکمل اور افضل یہی ہے کہ جب بھی آپ کا اسم گرامی سنے ہر بار درود شریف پڑھے، احتیاط اسی میں ہے کہ ہر مرتبہ درود شریف پڑھے کیونکہ درود شریف نہ پڑھنے پر وعیدیں آئی ہیں۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصل بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور نہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (ترمذی)

حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو سب سے بڑا بخیل نہ بتا دوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا حضور ضرور ارشاد فرمائیں، فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور نہ وہ مجھ پر درود نہ بھیجے وہ سب سے بڑا بخیل ہے۔ (ترغیب)

حضرت کعب بن عجرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ چنانچہ ہم حاضر ہو گئے (اور آپ منبر پر چڑھنے لگے) جب آپ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا "آمین" پھر جب دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر فرمایا "آمین" جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر فرمایا "آمین" جب آپ منبر سے اترے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سنی جو پہلے نہ سنتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ سبب اس کا یہ ہو کہ جبریل میرے سامنے آئے اور جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو جبریل نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص کہ جس نے رمضان کا پہنچا پانچواں اس کی مغفرت نہ ہوئی، میں نے کہا آمین، پھر جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیل نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ کا اسم گرامی لیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے، میں نے کہا آمین، پھر جب میں تیسری سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیل نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے دونوں والدین یا ان میں سے ایک بوڑھا ہو جائے اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں۔ (الترغیب والترہیب)

ضروری مسئلہ: جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر خود کرے یا کسی سے سنے تو درود شریف پڑھے، اسی طرح جب کوئی مضمون یا تحریر لکھنے لگے تو اس وقت بھی درود شریف کے الفاظ لکھنا واجب ہے، کم از کم ﷺ تو ضرور لکھ دے، بعض لوگ اختصار کے طور پر "صلعم" لکھ دیتے ہیں، یہ صحیح نہیں پورا ﷺ لکھیں یا علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھ دیں، صلوٰۃ کے ساتھ سلام بھی بھیجا چاہیے دونوں کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت ابو طلحہؓ نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آپ کے چہرہ انور پر بشارت ظاہر ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرائیل آئے تھے، انہوں نے کہا کہ بے شک آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ اے محمد اکبر یہ بات آپ کو خوش کرنے والی نہیں ہے کہ آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجوں گا اور آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں گا۔ (رواہ النسائی)

مسئلہ: صلوٰۃ و سلام دونوں ہی ایک ساتھ پڑھنا چاہیے۔ اگر ایک پڑا کتفا کرے تو بعض حضرات نے اس کو خلاف اولیٰ بتائی مگر وہ تنزیہی بتایا ہے، درود شریف کے بہت سے صحیح احادیث شریف میں وارد ہوئے ہیں اور بہت سے صحیح اکابر سے منقول ہیں، جو صحیح سنت سے ثابت ہیں ان کے مطابق عمل کرنا افضل ہے اور دوسرے صحیحوں کے ذریعہ صلوٰۃ و سلام پڑھنا بھی جائز ہے۔

حضرت کعب بن عجرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ پر اور آپ کے اہل بیت پر کس طرح

درود بھیجیں، آپ پر سلام بھیجنا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھا دیا (یعنی نماز میں جو تشهد پڑھتے ہیں اس میں (السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ) بتا دیا۔ آپ نے فرمایا درود اس طرح پڑھو (اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ * اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ) اے اللہ درود بھیج محمد پر اور محمد کی آل پر جیسا کہ آپ نے درود بھیجا آپ نے برکت نازل فرمائی ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر بیشک آپ مستحق حمد ہیں اور صاحبِ مجد ہیں۔ (رواہ البخاری ج: ۱ ص: ۴۷۷) یہ درود شریف وہی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

حضرت ابو حمید ساعدیؒ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں، آپ نے فرمایا کہ یوں کہو: (اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارَكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ) (اے اللہ درود بھیج محمد پر اور آپ کی بیویوں پر اور ان کی آل و اولاد پر جیسا کہ آپ نے درود بھیجا ابراہیم اور ان کی آل پر، بے شک آپ ہی مستحق حمد ہیں، بزرگی والے ہیں۔ اے برکت نازل فرما محمد پر اور ان کی آل پر جیسا کہ آپ نے برکت نازل فرمائی آل ابراہیم پر اور اے اللہ برکت بھیج محمد پر اور آپ کی بیویوں پر اور ان کی آل و اولاد پر جیسا کہ برکت بھیجی آپ نے آل ابراہیم پر بلاشبہ آپ مستحق حمد ہیں صاحبِ مجد ہیں۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے یہ خوشی ہو کہ ہم پر اور ہمارے اہل بیت پر درود بھیج کر بھر پور طریقے پر ناپ تول کر ثواب لے تو وہ یوں کہے: (اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَأَزْوَاجِهِ وَأَهْلِي الْمُؤْمِنِينَ وَذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ) (اے اللہ درود بھیج محمد پر جو نبی امی ہیں اور آپ کے ازواج پر جو امہات المؤمنین ہیں اور آپ کی اولاد پر اور آپ کے اہل بیت پر جیسا کہ آپ نے درود بھیجا ابراہیم پر بلاشبہ آپ مستحق حمد ہیں صاحبِ مجد ہیں۔) (رواہ ابوداؤد ص: ۱۴۱)

حضرت روہفؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے محمد ﷺ پر درود بھیجا اور پھر یوں دعا کی (اللَّهُمَّ أَنْزِلْهُ الْمُنْعَدَ الْمُقْتَرَبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) (اے اللہ ان کو (یعنی حضور اقدس ﷺ کو) قیامت کے روز اپنے قریب مقام میں نازل کیجیے) تو اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص: ۸۷)

ناکہ: بعض بزرگوں نے کثرت سے درود شریف پڑھنے کے لیے یہ مختصر درود شریف تجویز کیا ہے، (صَلِّ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عِنْدَ مَا فِي عِيَمِهِ)

درود شریف پڑھنے کی حکمتیں:

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ”نشر الطیب“ میں درود شریف کی مشروعیت کی حکمتیں درج فرمائی ہیں جن میں جنس حضرت ممدوح نے مواہب سے لقل فرمائی ہیں اور بعض ان مواہب خداوندیہ سے ہیں جو حضرت

مدد کو ملا کی گئی تھیں۔

(۱) امت مرمومہ پر آنحضرت ﷺ کے اسانات بے شمار ہیں کہ آپ نے صرف علم خداوندی پر اصرار کیا ہے اور ان پر تبلیغ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اصالح امت کے لیے تدبیریں سوچیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ ان کے لیے دعائیں لیں اور ان کے احوال معضرت سے رنجیدہ رہنے لہذا آپ ﷺ بھی ان اسانات خداوندی کا واسطہ بھی لیں، اور اہمیت سلیبہ کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس ضمن اور واسطہ اسان کے لیے رحمت کاملہ کی دعا کرے ہاں خصوصاً جبکہ اسانات کے بدلہ سے قاصر اور عاجز بھی ہے لہذا شریعت مطہرہ نے اسی اہمیت سلیبہ کے مطابق کہیں دو دو اور کہیں آٹھ آٹھ اور دشریف کا حکم دیا۔

(۲) آنحضرت ﷺ خدا کے محبوب ہیں اور محبوب کے لیے محب سے کسی چیز کی درخواست کرنا اس درخواست کرنے والے کو اس محب کا محبوب بنا دیتا ہے، اگرچہ خداوند قدس خود اپنے محبوب پر صلوة بھیجتا ہے اور خدا کی رحمت ملنے کے لیے آنحضرت ﷺ کو ہماری دعائے رحمت کی حاجت نہیں ہے مگر خدا کی جناب میں آپ کے لیے رحمت کی دعا کر کے خود ہم کو خدا کا قرب اور اس کی رضا میسر ہوتی ہے۔

(۳) آپ کے لیے دعائے رحمت کرنے میں آپ کے کمال عہدیت کے شرف خاص کا اظہار ہے کہ آپ کو بھی رحمت خداوندی کی حاجت ہے، نیز اس سے ان لوگوں کے ظن فاسد کی تردید بھی ہو جاتی ہے جو آنحضرت ﷺ کے معجزات دیکھ کر امور دنیوی میں آپ کا دخل سمجھتے ہیں یا احکام شرمیہ کو آپ کے اختیار میں جانتے ہیں۔

(۴) آنحضرت ﷺ بھی انسان ہیں اور بشریت میں امت کے ساتھ شریک ہیں کہ امت کی طرح کھانے پینے اور دیگر حوائج زندگی کی آپ کو بھی ضرورت ہوتی تھی بلکہ بعض امور میں امت کے افراد آنجناب ﷺ سے بڑھے ہوئے ہیں، مثلاً کثرت المال وغیرہ تو اس وجہ سے ممکن تھا کہ بعض افراد امت آپ کو اپنے جیسا بشر سمجھ کر بلکہ بعض امور میں کم دیکھ کر آپ کے اتہاع سے گریز کرتے، لہذا شریعت مطہرہ نے اس کا علاج کیا اور آپ پر درود شریف بھیجے کا حکم دیا تاکہ بشری اشتراک اور اپنا مالی امتیاز دیکھ کر کوئی دھوکہ نہ کھائے بلکہ آنحضرت ﷺ پر جو خدا کی رحمت خاص ہے اس کا استحضار کرے اور یہ سمجھے کہ یہ مال و دولت رحمت خداوندی کے سامنے کچھ بھی نہیں بالخصوص جبکہ آپ کے اسم گرامی سے قبل لفظ سیدنا و مولینا بڑھائے اور تبلیغ دین کی جدوجہد کے بعض احوال آپ کی صفات میں ذکر کرے تو خود کو آپ کا احسان مند ہی پائے گا اور بجائے اپنے نفس کو بڑا سمجھنے کے اپنی ذات کو آنحضرت ﷺ کا محتاج سمجھے گا اور آپ کے واسطہ سے قرب خداوندی حاصل کرے گا۔

(۵) بعض طہالغ میں مذاق توحید کا غلبہ ہوتا ہے اس غلبہ کی وجہ سے واسطوں سے زیادہ متعلق نہیں ہوتیں جن میں انبیاء کرام علیہم السلام بھی ہیں، گو اس اعتقاد و التقیاد کے بعد جو شرعاً واجب ہے یہ عدم زیادت معضرتی الایمان نہیں ہے لیکن کمال یہی ہے کہ جس واسطہ کی طرف التفات کو واحد حقیقی نے اپنا رضا کا ذریعہ بنایا ہے اس کی طرف التفات کرنے کو ذوقاً اور طبعاً بھی شاغل عن التوحید نہ سمجھے بلکہ مکمل توحید جانے، جیسا کہ محبوب کے قاصد کا اکرام اور اس کی خدمت و مدارت جس قدر عاشق کی جانب سے زیادہ تر ہوگی اسی قدر محبوب عاشق سے خوش ہوگا اور عاشق بیش از بیش قاصد کی مدارت کرے گا اور اس خدمت کو یہ نہ سمجھے گا کہ محبوب کے لیے میری محنت نہیں ہو رہی ہے بلکہ جس قدر محبوب کی خوشی دیکھے گا اسی قدر قاصد کی زیادہ خدمت

کرے گا۔

پس شریعت مطہرہ نے ذوقی نقص کے دفع کرنے کے لیے درود شریف مشروع فرمایا اور (صَلُّوا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوا تَسْلِيمًا) کا حکم دے کر یہ بتایا کہ خدا تک پہنچانے والے واسطہ کی طرف جس قدر بھی احترام کے ساتھ توجہ کر دے گا اللہ جل شانہ کی رضا نصیب ہوگی لہذا واسطہ کی جانب توجہ کرنے کو خلاف مقصود سمجھو۔
 إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ....

اللہ کو ایذا پہنچانے کا جرم اور اس کی سنگینی:

ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ کو۔ اس وحدہ لا شریک کے ساتھ کفر و شرک اور معاصی کا ارتکاب کر کے۔ اور اس کی طرف اولاد کی نسبت کر کے، جیسا کہ یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ حضرت مسیح اللہ کے بیٹے ہیں اور مشرکین مکہ نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا وغیرہ۔ (ابن کثیر، مراغی، صفوہ وغیرہ)۔ اور صحیحین یعنی صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے۔ وہ زمانے کو گالی دیتا ہے حالانکہ زمانے میں جو کچھ ہوتا ہے وہ میرے ہی حکم سے ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی شان اقدس و اعلیٰ میں وہ باتیں کہتا جو اس کے خلاف ہیں وہ بھی سب اسی میں داخل ہیں، جیسا کہ یہود بے بہود نے کہا کہ اللہ فقیر اور محتاج ہے اور ہم غنی و مالدار۔ یا یہ کہ اللہ کے ہاتھ نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اسی طرح اللہ کے رسول کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کو اور اللہ کے ولیوں کو ایذا پہنچانا بھی اسی میں داخل ہے۔ سو یہ سب ہی صورتیں اللہ پاک کو ایذا پہنچانے کی ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ (روح، قرطبی، مدارک، معارف اور جامع وغیرہ)۔ سو اللہ پاک۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ کی جناب اقدس و اعلیٰ میں ایذا رسانی کا جرم سب سے بڑا اور نہایت سنگین جرم ہے جس پر ایسے مجرموں کے لیے نہایت سنگین سزا ہے کہ ان کے لیے اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک بڑا سزا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔
 والعیاذ باللہ العظیم

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ....

اہل ایمان کی ایذا رسانی حرام:

اس سے اہل ایمان کی ایذا رسانی کے جرم اور اس کی سنگینی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو بغیر کسی جرم و قصور کے ایذا پہنچاتے ہیں تو یقیناً انہوں نے ایک بہت بڑے بہتان کا بوجھ اٹھایا اور کھلے جرم و گناہ کا ارتکاب کیا۔ اہل ایمان کی ایذا رسانی کا جرم نہایت سنگین جرم ہے اور اس کا انجام بڑا ہی ہولناک ہے۔ والعیاذ باللہ۔ یعنی ان کی طرف کوئی ایسا جرم اور گنہ منسوب کرنا جو انہوں نے کیا نہ ہو۔ (المراغی وغیرہ)۔ بہر کیف مسلمان کو ایذا اور تکلیف پہنچانا حرام ہے۔ اور اس کی حرمت کتنی بڑی اور کس قدر سنگین جرم ہے اس کا اندازہ آپ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس روایت سے کر سکتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے اور کعبہ کو خطاب کر کے

یوں فرما ہے تھے۔ کعبہ تو کس قدر پاکیزہ ہے۔ تیری ہو کتنی پاکیزہ ہے۔ تو کتنا بڑا ہے اور تیری عظمت کتنی بڑی ہے۔ مگر قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے کہ مؤمن کی عزت و حرمت اللہ تعالیٰ کے یہاں تیری عظمت و حرمت سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔ اس کا مال بھی حرام اور خون بھی حرام۔ (ابن ماجہ وغیرہ، الترتیب والترتیب: ج 3 ص 294)۔ سبحان اللہ! کیا کہنے مؤمن صادق کی شان عالی کے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ آج دنیا ساری میں مسلمان کا خون ہی سب سے زیادہ ارزاں ہے۔ جگہ جگہ بہا یا جا رہا ہے اور طرح طرح سے۔ اور پوری شقاوت و بیدردی سے بہا یا جا رہا ہے۔ خواہ وہ بوسنیا و ہرزگوینا ہو یا کشمیر و فلسطین۔ البانیہ و الجزائر ہو یا کوسو و اور افغانستان وغیرہ وغیرہ۔ قَالَ اللَّهُ الْمُشْتَكِي وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ۔ بہر کیف اوپر اللہ اور اس کے رسول کی ایذا رسانی اور اس کی سنگینی کا ذکر و بیان تھا اور اب اس کے بعد عام اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی ایذا رسانی کے جرم کی سنگینی اور اس کی ہولناکی کو بیان فرمایا گیا ہے کہ ایمان باللہ کی دولت سے سرفرازی کے بعد انسان کی شان بہت بڑی ہو جاتی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجَكُمْ وَبَنَاتِكُمْ وَنِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِئِهِنَّ ۖ جَمْعٌ
 جَلْبَابٌ وَهِيَ الْمَلَأَةُ الَّتِي تَشْتَمِلُ بِهَا الْمَرْأَةُ أَيُّ يَرْخِيْنَ بَعْضَهَا عَنِ الْوَجْهِ إِذَا خَرَجْنَ لِخَاجَتِهِنَّ أَلَا
 عَيْنًا وَاحِدَةً ذَلِكَ أَذَى أَقْرَبَ إِلَيَّ أَنْ يُعْرَفْنَ بِأَنَّهُنَّ حَرَائِرٌ فَلَا يُؤْذِينَ بِالْتَعَرُّضِ لَهُنَّ بِخِلَافِ الْإِمَاءِ
 فَلَا يُعْطَيْنَ وَجُوهَهُنَّ وَكَانَ الْمُنَافِقُونَ يَتَعَرَّضُونَ لَهُنَّ وَكَانَ اللَّهُ عَفُورًا لِمَا سَلَفَ مِنْهُنَّ مِنْ تَرْكِ
 الشَّرِّ رَجِيمًا ۖ بِيَهْرٍ إِذَا سَتَرْتَهُنَّ لَكِنَّ لَمْ يَلْمِ قَسَمٌ لَمْ يَلْتَمِ الْمُنَافِقُونَ عَنْ نِفَاقِهِمْ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ
 مَرَضٌ بِالزَّنَا وَالْمُرْغَبُونَ فِي الْمَدِينَةِ الْمُؤْمِنِينَ بِقَوْلِهِمْ قَدْ آتَاكُمْ الْعَدُوُّ وَسَرَاتِكُمْ قُبُلُوا أَوْ هَرَمُوا
 كُنْعَرِيَّتِكُمْ بِهِمْ لِنَسْبِطَتِكُمْ عَلَيْهِمْ لَمْ لَا يَجَاوِرُونَكَ يُسَاكِنُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ۖ ثُمَّ يُخْرَجُونَ
 مُلْعُونِينَ ۖ مُبْعَدِينَ عَنِ الرَّحْمَةِ أَيْنَمَا ثَقِفُوا أُجِدُوا أُخِذُوا وَقَتِلُوا قَتِيلًا ۖ أَيُّ الْحُكْمِ فِيهِمْ
 هَذَا عَلَى جِهَةِ الْأَمْرِ بِهِ سُنَّةَ اللَّهِ أَيُّ سَنَةِ اللَّهِ ذَلِكَ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۖ مِنَ الْأُمَّمِ السَّامِيَةِ فِي
 مُنَافِقِهِمْ الْمُزَجِّفِينَ الْمُؤْمِنِينَ وَكُنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ مِنْهُ يَسْأَلُكَ النَّاسُ أَيُّ أَهْلِ مَكَّةَ عَنِ
 السَّاعَةِ ۖ مَشَى تَكُونُ قُلُوبًا عَلَيْهَا عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُدْرِيكَ بِعِلْمِكَ بِهَا أَيُّ أَنْتَ لَا تَعْلَمُهَا لَعَلَّ
 السَّاعَةَ تَكُونُ تُوجَدُ قَرِيبًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفْرِينَ أَبْعَدَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ۖ نَارًا شَدِيدَةً
 يَدْخُلُونَهَا خَلِيدِينَ مُقَدَّرًا خُلُودَهُمْ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا يَحْفَظُهُمْ عَنْهَا وَلَا لَصِيرًا ۖ

بَذَلْنَاهَا عَنْهُمْ يَوْمَ تَقَلَّبَ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَلَيِّنَّا لِلنَّبِيِّهِ اطْعَنَا اللهُ وَ اطْعَنَا الرَّسُولًا ۝ وَ قَالُوا اَيُّ الْاَتْبَاعِ مِنْهُمْ رَبَّنَا اِنَّا اطْعَنَّا سَادَتَنَا وَ فِى قِرَاةِ سَادَاتِنَا جَمْعُ الْجَمْعِ وَ كِبْرَاءَنَا قَا ضَلُّوْنَا السَّبِيْلًا ۝ طَرِيقَ الْهُدٰى رَبَّنَا اَتَيْهَمْ ضَعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ اى مِثْلَى عَذَابِنَا وَ الْعَنْهُمْ عَذَابُهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝ عَذُوْدُهُ وَ فِى قِرَاةِ بِالْمَوْخَذَةِ اى عَظِيْمًا

ع

ترجمہ: اے نبی کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی بیویوں سے کہ سچی کر لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں جلابیب، جلاباب کی جمع ہے، چادر یا برقعہ جس کو عورت اپنے اوپر لپیٹ لے یعنی جب کسی ضرورت سے باہر نکلیں تو اس کے بعض حصے سے منڈھک لیا کریں البتہ ایک آنکھ کھلی رکھنے کی اجازت ہے اس سے وہ جلد پہچان لی جایا کریں گی کہ وہ آزاد ہیں تو اس طرح پھر ستایا نہیں جایا کریں گی ان سے چھیڑ چھاڑ کر البتہ باندیاں اپنے چہروں کو نہ چھپائیں کیونکہ منافقین آزاد عورتوں ہی کو ستایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ تو بڑی مغفرت والا ہے جو اب تک انہوں نے پردہ نہیں کیا تھا رحم کرنے والا ہے جب وہ پردہ کریں گی اگر لام قسمیہ ہے یہ منافقین اپنے نفاق سے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں زنا کاروگ ہے اور جو مدینہ میں انواہیں اڑایا کرتے ہیں ایمان والوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ دشمن حملہ آور ہو گیا ہے اور مسلمانوں کا لشکر مارا گیا یا ہار گیا ہے باز نہ آئے تو ہم خود ضرور آپ کو ان پر مسلط غالب کر دیں گے پھر یہ لوگ آپ کے پاس نہیں رہنے پائیں گے ٹھہرنہ سکیں گے مدینہ میں مگر بہت ہی کم پھر نکال دئے جائیں گی وہ بھی پھٹکارے ہوئے رحمت سے دور جہاں ملیں گے پائے جائیں گے پکڑو دھکڑا اور مارو دھاڑکی جائے گی یعنی ان کے متعلق امر کے طریقہ پر یہ حکم ہے اللہ کا یہی دستور رہا ہے یعنی اس نے یہی دستور مقرر کیا ہے ان لوگوں میں بھی جو پہلے گزرے ہوئے ہیں گذشتہ امتوں میں منافقین مسلمانوں کو ڈرایا کرتے تھے اور آپ اللہ کے دستور میں رو بدل نہ پائیں گے یہ لوگ اہل مکہ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ کب آئے گی؟ آپ کہہ دیجئے کہ اس کی خبر تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور آپ کو اسکی کیا خبر یعنی آپ نہیں جانتے عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی واقع ہو جائے بلاشبہ اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے ان کو دور کر دیا ہے اور ان کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے نہایت تیز جس میں یہ جموٹکے جائیں گے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اس میں ہمیشہ رہنا ان کے لیے تجویز ہو چکا ہے نہ کوئی یار پائیں گے جو ان کی حفاظت کر سکے اور نہ کوئی مددگار جو انہیں بچا سکے جس روز ان کے چہرے دوزخ میں الٹ پلٹ کر دئے جائیں گے یوں کہتے ہوں گے اے کاش تنبیہ کیلئے ہے ہم نے اللہ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی اور یوں کہیں گے جو ان کے چیلے تھے اے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں کا کہنا مانا ایک قراءت میں ساداتنا جمع الجمع کے صیغہ کے ساتھ ہے اور اپنے بڑوں کا سوا انہوں نے ہمیں سیدھی راہ سے بھٹکا دیا اے ہمارے پروردگار انہیں دو ہر اعذاب ہم سے دو گنی سزا دیجئے اور ان پر لعنت کیجئے انہیں عذاب دیجئے بہت زیادہ تعداد میں ایک قراءت میں باء کے ساتھ ہے یعنی بہت بڑا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: **هِيَ الْمَلْحَفَةُ** - الملافة: بڑی چادر جس سے تمام جسم چھپ جائے۔
- قوله: **تَسْتَمِلُ**: وہ اسے لپیٹ لیں۔
- قوله: **بِيُؤَخِّبِينَ بَعْضَهَا**: اس میں اشارہ ہے کہ **مِنْ جَلَالِيَدِيَهِنَّ** ^ط میں بعضیہ ہے۔
- قوله: **أَنْ يُعْرَفَنَّ**: یعنی لوٹ پلوٹوں سے ان کا امتیاز ہو سکے۔
- قوله: **وَالْمُرْجُفُونَ**: انواہیں اڑانے والے۔ اصل میں رجف زلزلے کو کہتے ہیں۔
- قوله: **يَسْأَلُونَكَ**: وہ تمہارے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے، کیونکہ تم ان کو جلا وطن کرنے پر مجبور ہو گے۔
- قوله: **سَنَ اللَّهُ ذَلِكَ**: سنہ یہ مصدر مؤکد ہے۔
- قوله: **يَسْأَلُكَ**: بطور امتحان اور ضد بازی کے۔
- قوله: **بُنُو جَدٍ**: اس سے اشارہ کیا کہ ان **تَكُونُ** یہ افعال تامہ سے ہے۔
- قوله: **تَقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ**: جیسے گوشت کو آگ پر بھونا جاتا ہے۔
- قوله: **سادات**: کثرت پر دلالت کے لیے جمع الجمع لائے۔

تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأُزَوِّجَكُ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ

ازواج مطہرات اور بنات طاہرات اور عام مؤمنات کو پردہ کا اہتمام کرنے کا حکم، اور منافقین کیلئے وعید:

مفسرین نے لکھا ہے کہ رات کے وقت (جب گھروں میں بیت الخلاء نہیں بنائے گئے تھے) عورتیں قضائے حاجت کے لیے کھجور کے باغوں میں نشیبی علاقوں میں جایا کرتی تھیں ان میں حراز (آزاد) عورتیں اور اماء (باندیاں) دونوں ہوتی تھیں۔ منافقین اور بد نفس لوگ راستوں میں کھڑے ہو جاتے تھے اور عورتوں کو چھیڑتے تھے یعنی اشارے بازی کرتے تھے، ان کا دھیان باندیوں کی طرف ہوتا تھا اگر کبھی کسی آزاد عورت کو چھیڑتے اور اس پر گرفت کی جاتی تو کہہ دیتے تھے کہ ہم نے یہ خیال کیا تھا کہ شیدہ باندی ہے۔ نیز دشمنان اسلام (جن میں مدینے کے رہنے والے یہودی بھی تھے اور منافق بھی) یہ حرکت بھی کرتے تھے کہ مسلمانوں کے لشکر میں جب کہیں جاتے تو لوگوں میں رعب پیدا کرنے والی باتیں پھیلاتے اور خلست کی خبریں اڑا دیتے اور خواہ مخواہ بیٹھے بٹھانے یوں کہتے تھے کہ دشمن آ گیا دشمن آ گیا۔

آیات بالا میں اول تو یہ حکم دیا کہ اپنی عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیں، ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِئِهِنَّ (اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مؤمنین کی عورتوں سے فرمادیجئے کہ اپنی بڑی بڑی چادریں جو اتنی چوڑی چمکی ہوں جس میں عورت سر سے پاؤں تک اپنے آپ کو لپیٹ سکے، اپنی ان چادروں کا ایک حصہ اپنے اوپر ڈال لیا کریں) یعنی سر بھی ڈھکے رہیں اور چہرے بھی اور سینے بھی، جب پردہ کا یہ اہتمام ہو گیا تو آزاد عورتیں اور باندیاں الگ الگ پہچانی جاسکیں گی کیونکہ کام کاج کے لیے نکلنے کی وجہ سے باندیوں کو چہرہ ڈھانکنے کا حکم نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے (يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِئِهِنَّ) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے سروں کو اور چہروں کو بڑی بڑی چادروں سے ڈھانکے رہا کریں صرف ایک آنکھ کھلی رہے جس سے چلنے پھرنے اور دیکھنے بھالنے کی ضرورت پوری ہو جائے اور پورا پردہ کرنے کی وجہ سے آزاد عورتوں اور باندیوں میں امتیاز ہو جائے تاکہ بدنفس چھیڑ چھاڑ نہ کر سکیں، گو باندیوں کے ساتھ بھی چھیڑ چھاڑ کرنا ممنوع تھا لیکن آزاد عورتوں کو پورے پردہ کا حکم دینے سے ان بدنفسوں کا یہ بہانا ختم ہو گیا کہ ہم نے باندی سمجھ کر آوازہ کسا تھا۔ (روح المعانی ج ۲۲: ص ۸۹)

یاد رہے کہ آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مؤمنوں کی عورتوں کو حکم دے دو کہ اپنے اوپر چوڑی چمکی چادریں ڈالے رہا کریں۔ اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک سے زیادہ بیٹیاں تھیں، جس سے واضح طور پر روافض کی بات کی تردید ہو گئی جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صرف ایک بیٹی حضرت سیدہ فاطمہ تھیں۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جیسے سیدنا رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کو پردہ کرنے کا حکم تھا اسی طرح دیگر مؤمنین کی بیبیوں کو بھی پردہ کرنے کا حکم ہے۔ بعض فیشن ایبل جاہل جو عورتوں کو بے پردہ بازاروں اور پارکوں میں گھمانے کو قائل فخر سمجھتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ پردہ کا حکم صرف ازواج مطہرات کے لیے تھا عام عورتوں کے لیے نہیں ہے آیت کریمہ سے ان لوگوں کی ان جاہلانہ باتوں کی تردید ہو رہی ہے۔

یہودیوں اور منافقوں کی یہ جو حرکت تھی کہ وہ مسلمانوں میں خوف دہراں پیدا کریں، اس کے بارے میں فرمایا لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ... اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی ایمان کا ضعف ہے ٹھیک طرح سے مسلمان نہیں ہوئے، اور وہ مدینہ منورہ میں خبریں اڑانے والے باز نہ آئے تو ہم آپ کو آمادہ اور برا بھانتہ کریں گے کہ آپ ان کے ساتھ وہ معاملہ کریں جو دشمن کے ساتھ ہوتا ہے، جب آپ ایسا کریں گے تو وہ آپ کے ساتھ مدینہ منورہ میں تھوڑے ہی وقت تک رہ سکیں گے۔ اس میں خطاب تو ہے رسول اللہ ﷺ کو لیکن تشبیہ ہے ان لوگوں کو جو بری حرکتیں کرتے ہیں اگر انہوں نے اپنی حرکتیں نہ چھوڑیں تو ہم اپنے نبی کو ان پر مسلط کر دیں گے۔

مَلْعُونِينَ! جب مدینہ منورہ سے جلا وطن کیے جائیں تو حالت لعنت میں پھرتے رہیں گے ان پر اللہ کی پھنکار ہوگی۔ اِنَّمَا تُقْفِلُوا اٰخِذُوا وَقُتِلُوا تَقْتِيْلًا ۝ پھر جہاں کہیں بھی ہوں گے پکڑے جائیں گے اور خوب قتل کیے جائیں گے۔ يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۝

(رہا) گزشتہ آیات میں منکرین نبوت کی تہدید تھی آپ ﷺ جب کبھی منکرین حق کو آئندہ آنے والے عذاب اور قیامت سے ڈراتے تو وہ بطور تمسخریہ سوال کرتے کہ قیامت کب ہوگی اور اس قسم کے معاندانہ سوال سے محض آپ ﷺ کو تنگ کرنا اور ایذا دینا مقصود ہوتا تھا تو اس کا جواب دیا گیا کہ قیامت کا اصل وقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے لیکن سمجھ لو کہ شاید وہ قریب ہی نہ ہو اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح ملے ہوئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں اور دو انگلیاں ملا کر دکھلایا کہ جس طرح یہ دو انگلیاں ملی ہوئی ہیں اسی طرح قیامت کبریٰ اور میری بعثت ملی ہوئی ہے۔ جب ان لوگوں پر کوئی ناگہانی عذاب آئے گا تو اس وقت پچھتائیں گے مگر اس وقت پچھتانا کچھ فائدہ مند ہوگا۔

یایوں کہو: کہ گزشتہ آیت میں منافقین اور مرتدین کی دنیاوی ذلت اور لعنت کو بیان کیا اور اس آیت میں ان کی اخروی ذلت کو بیان کرتے ہیں (شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی ص ۷۶ ج ۱) چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ منافق لوگ جو منافقین اور معاندین کے بارہ میں اللہ کی سنت سے غافل ہیں وہ آپ ﷺ سے معاندانہ طور پر سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ قیامت کے وقت کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اللہ نے کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی اور آپ کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہو جب سارے نبی گذر چکے اور نبی آخر الزمان ﷺ بھی آچکے تو سمجھ لو کہ قیامت قریب ہی ہے اس فکر میں مت پڑو کہ قیامت کب آئے گی اس کا سامان کرو اور اس کی تیاری کرو تم سارے جہان کی قیامت کو کیا پوچھتے ہو تمہاری قیامت یعنی تمہاری موت کہیں سر پر نہ کھڑی ہو بے شک اللہ نے دور پھینک دیا ہے کافروں کو اپنی رحمت سے جو نبی کریم ﷺ کی نبوت اور قیامت کے منکر ہیں اور وہ کبھی ہوئی آگ کا عذاب ان کے لیے تیار کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ بددگار جو ان سے عذاب کو ہٹا سکے جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے یعنی سوختہ کباب کی طرح بنا دیئے جائیں گے کباب کے گوشت کی طرح بار بار ان کو آگ پر رکھا جائے گا اور وہ اس وقت یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں اللہ اور رسول کی تابعداری کرتے پھر جن کافروں نے ان کو گمراہ کیا تھا ان کی شکایت کریں گے اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی پس ان لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا اے ہمارے پروردگار ان کو ہم سے دو چند عذاب دے اور ان پر بہت ہی بڑی لعنت کیجئے خود بھی گمراہ رہے اور ہم کو بھی گمراہ کیا ان پر دو چند عذاب نازل کیجئے اور سخت لعنت کیجئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا مَعَ بَنِيكُمْ كَالَّذِينَ أُذُوا مُوسَىٰ بِقَوْلِهِمْ مَثَلًا مَّا يَمْنَعُهُ أَنْ يُغْتَسِلَ مَعَنَا إِلَّا أَنَّهُ
 اذَرَ فَبَرَّاهُ اللَّهُ وَمَثَقَ الْوَأْبَانَ وَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَىٰ حَجْرٍ لِيُغْتَسِلَ فَفَرَّ الْحَجْرُ بِهِ حَتَّىٰ وَقَفَ بَيْنَ مَلَأَيْنِ بَنِي
 إِسْرَائِيلَ فَأَذَرَ كَهُ مُوسَىٰ فَأَخَذَ ثَوْبَهُ وَاسْتَتَرَ بِهِ فَرَأَوْهُ لَا أَذْرَةَ بِهِ وَهِيَ نَفْخَةٌ فِي الْخُصْيَةِ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ
 وَجِبْهًا ۖ ذَا جَاهٍ وَمَعَاوُذِي بِهِ نَبِيُّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ قَسَمَ قَسَمًا فَقَالَ زَجُلٌ هَذِهِ قِسْمَةٌ
 مَا أُرِيدُ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ فَغَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذَلِكَ وَقَالَ يَرْحَمُ اللَّهُ مُوسَىٰ لَقَدْ أُوذِيَ

بِأَكْثَرٍ مِنْ هَذَا فَصَبَّرَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ صَوَابًا يُصْلِحْ
 لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ يُقْبَلْهَا وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۝ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ نَالَ
 غَايَةَ مَطْلُوبِهِ إِنْكَارَ عَرْضِهَا الْأَمَانَةَ وَالصَّلَوَاتِ وَغَيْرِهَا مِمَّا نَبِيٌّ فَعَلِيهَا مِنَ الثَّرَابِ وَتُرْكِيهَا مِنَ الْعِقَابِ عَلَى
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ بِأَنْ خَلَقَ فِيهَا فَهَا مَوْتُهَا وَنُطْقًا فَابِينٍ أَنْ يُحْسِنَهَا وَاشْفَقْنَ خَشْنَ مِنْهَا وَ
 حَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۝ أَدَمٌ بَعْدَ عَرْضِهَا عَلَيْهِ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا لِنَفْسِهِ بِمَا حَمَلَهُ جَهْلًا ۝ بِهِ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ
 الْأُمَمَ مُتَعَلِّقَةً بِعَرْضِهَا الْمُتَرْتَبِ عَلَيْهِ حَمَلُ أَدَمَ الْمُتَفَقِّهِينَ وَ الْمُنْفِقِينَ وَ الْمَشْرِكِينَ وَ الْمُشْرِكَةَ
 الْمُضِيِّعِينَ الْأَمَانَةَ وَ يُتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ الْمُؤَدِّينَ الْأَمَانَةَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ ۝ وَ كَانَ اللَّهُ عَفُورًا
 لِلْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝

۱۰۱۱۱

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے پیغمبر کے متعلق ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو ایذا دی تھی مثلاً یہ کہا
 تھا کہ یہ ہمارے ساتھ مل کر اس لیے غسل نہیں کرتے کہ انہیں فتن کا عارضہ ہے سو اللہ نے انہیں بڑی ثابت کر دیا ان کے الزام سے
 اس طرح کہ انہوں نے ایک دفعہ نہانے کے لیے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھے تو پتھر انہیں لے کر چلتا بنا حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے
 ایک مجمع کے سامنے جا کر ٹھہر گیا جسے حضرت موسیٰ نے پکڑ کر اپنے کپڑے چھین لیے اور فوراً ستر کو چھپا لیا غرض لوگوں نے دیکھ لیا
 کہ انہیں فتن یعنی خصیتیں پھولنے کی بیماری نہیں ہے اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے معزز تھے ذی وجاہت چنانچہ ہمارے
 پیغمبر ﷺ کو بھی لوگوں نے جن باتوں میں ستایا ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا ایک
 شخص بولا کہ اس تقسیم میں نیک نیتی نہیں تھی اس پر آپؐ نہایت خفاء ہوئے اور فرمایا کہ اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے کہ انہیں اس سے
 بھی زیادہ ستایا گیا مگر انہوں نے صبر کیا۔ (بخاری) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی سچائی کی بات کہو اللہ تمہارے
 اعمال کو قبول کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی
 کامیابی کو پہنچے گا اپنے مطلوب کی انتہا کو پالے گا ہم نے یہ امانت پیش کی پانچوں وقت کی نمازیں وغیرہ ثواب کے کام کہ جن
 کو چھوڑنے سے عذاب ہوگا آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے انہیں سمجھ اور بولنے کی صلاحیت دیدی سوان سب نے
 انکار کر دیا اس کی ذمہ داری سے اور وہ اس سے ڈرے خائف ہوئے اور انسان نے اپنے ذمے لے لیا حضرت آدم نے جب
 کہ انہیں پیکش کی گئی جس پر انسان کا ذمہ داری قبول کرنا مرتب ہوا ہے منافق مردوں اور عورتوں اور ایمان والیوں پر جو
 امانت کو ادا کرنے والے ہیں توجہ فرمائے گا اور اللہ مؤمنین کی بڑی مغفرت کرنے والا ان پر رحم کرنے والا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: **إِنَّهُ أَدْرَ:** یہ ادرہ سے ہے خصیہ میں ہوا بھرنے کو کہتے ہیں۔

قولہ: **فَسَمًا:** کچھ تقسیم کی، یہ مفعول مطلق ہے۔

قولہ: **بِنَالِ غَايَةِ مَطْلُوبِهِ:** وہ آخرت میں سعید اور دنیا میں حمید ہوگا۔

قولہ: **لِنَفْسِهِ:** وہ اپنے نفس پر زیادتی کرنے والا ہے، اس سے ایسی چیز اٹھوئی جو اس پر گراں ہے۔

قولہ: **مُتَعَلِّقَةٌ بِعَرَضُنَا:** یہ اٹھانے کی علت ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ اس کے نتیجہ کی طرح ہے۔ جیسے تادیب ضرب کے لیے۔

قولہ: **وَيَتُوبُ اللَّهُ:** توبہ کا تذکرہ وعدہ میں فرمایا، اس بات کو بتلانے کے لیے کہ اس کا ظلم جہول ہونا ان کی فطرت میں ہے گویا ان کو توبہوں سے اس کی فطرت خالی نہ ہوگی۔

تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا.....

ایمان والوں کو خطاب کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی:

صحیح بخاری ص ۴۲، ص ۴۸۲ میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ موسیٰ علیہ السلام شرمیلے آدمی تھے اور پردہ کرنے کا خوب زیادہ اہتمام کرتے تھے حتیٰ کہ اگر ان کے جسم کی کھال بھی نظر آ جاتی تو اس سے بھی شرماتے تھے۔ در ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل ننگے نہاتے تھے، در آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے جاتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل کرتے تھے، بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے انہیں تکلیف پہنچائی اور یوں کہا کہ یہ شخص اس قدر پردہ کرتا ہے ہونہ ہو اس کی کھال میں کوئی عیب ہے یا جسم میں برص کے داغ ہیں یا اس کے فوطے پھولے ہوئے ہیں یا کوئی اور تکلیف کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو بنی اسرائیل کی بات سے بری کرنے کا ارادہ فرمایا اور قصہ یہ پیش آیا کہ ایک دن انہوں نے تنہائی میں پتھر پر اپنے کپڑے رکھ دیئے پھر غسل فرمانے لگے، غسل کر کے فارغ ہوئے تو کپڑے لینے کا ارادہ کیا، بھی کپڑے لینے نہ پائے تھے کہ جس پتھر پر کپڑے تھے وہ کپڑوں کو لے کر تیزی سے چلا گیا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاشمی لی اور پتھر کے پیچھے چل دیئے اور فرمانے لگے کہ اے پتھر میرے کپڑے دیدے، اسی طرح بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ گئے کیونکہ کپڑے

پہنے ہوئے نہیں تھے اس لیے آپ کو انہوں نے برہنہ دیکھ لیا اور انہیں پتہ چل گیا کہ ان کے جسم پر کوئی بھی عیب نہیں ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی اچھی حالت میں پیدا فرمایا ہے، جب ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیا اور مان لیا کہ ان کے جسم میں کوئی عیب نہیں ہے تو پتھر کھڑا ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے لے کر پہن لیے اور پتھر کو اپنے عصا سے مارنا شروع کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان فرمایا کہ اللہ کی قسم ان کے مارنے سے پتھر میں تین یا چار یا پانچ یا چھ سات نشانات پڑ گئے تھے۔

قرآن مجید میں جو آیاتھا الذین آمنوا ولا یلکونوا فرمایا ہے اس میں اسی قصے کو بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ایمان والو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دی سو اللہ نے انہیں ان کی باتوں سے بری کر دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باوجاہت تھے۔

یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر ہے لیکن امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو لوگوں نے کیا تکلیفیں دی تھیں؟ اس کے بارے میں بھی صحیح بخاری جلد نمبر ۱: ص ۴۶۶ اور ص ۴۸۳ میں ایک قصہ لکھا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر عرب کے بعض سرداروں میں مال تقسیم فرمایا تھا اور ان میں سے کسی کو دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ دے دیا۔ وہیں حاضرین میں سے کسی نے یوں کہہ دیا کہ یہ ایسی تقسیم ہے جس میں انصاف نہیں کیا گیا یا یوں کہہ دیا کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضا مقصود نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان لوگوں کی یہ بات نقل کر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ اور اس کا رسول انصاف نہیں کرے گا تو پھر کون انصاف کرے گا؟ اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے انہیں اس سے زیادہ تکلیف دی گئی پھر بھی انہوں نے صبر کیا۔

بات یہ ہے کہ جو مال آنحضرت ﷺ نے تقسیم فرمایا وہ کسی کی ملکیت نہیں تھا وہ اموال فئہ تھا اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ اختیار دیا گیا کہ اپنی صوابدید سے تقسیم فرمائیں، کسی کا حق روک کر مال تقسیم نہیں فرمایا تھا اور یہ بات نہ تھی کہ ایک کا حق دوسرے کو دے دیا، پھر اس کو انصاف کے خلاف کہنا ہی ظلم ہے۔ حدیث کی شرح لکھنے والے حضرات نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کرنا کفر ہے جس کی سزا قتل ہے لیکن آپ نے مذکورہ بالا بات کہنے والے شخص کو مصلحتاً قتل نہیں کیا کیونکہ تالیف قلب کی ضرورت تھی۔ اہل عرب میں یہ شہرت ہو جاتی کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں، اس شہرت کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ اسلام جو پھیل رہا تھا اس میں رکاوٹ ہو جاتی۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اتنی بڑی تکلیف دینے والی بات کو برداشت کر لیا اور فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس سے زیادہ تکلیف دی گئی اور انہوں نے صبر کیا، یہ تو ایک تکلیف تھی اس کے علاوہ منافقین سے تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں آپ درگزر فرماتے تھے، جب کبھی کوئی شخص دعوت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اسے تکلیفیں پہنچتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے برداشت کر کے بتا دیا اور قول سے سمجھا دیا کہ پہلے بھی ایسا ہوا ہے۔

یہ جو ارشاد فرمایا کہ ”ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی“ مسلمانوں کو مزید خطاب فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کہو، ٹھیک بات میں سب کچھ آ گیا سچی بات بھی اور صحیح بات بھی اور عدل و انصاف کی بات بھی اور ہر

دینی بات بھی۔ اسی لیے حضرت مکرّم نے فرمایا (کمانی معالم التنزیل) کہ قولاً سدیداً اللہ سے لا الہ الا اللہ کہنا مراد ہے۔ ترتیب میں اولاً تقویٰ کا ذکر کیا پھر قول سدید کہنے کا حکم فرمایا، اس سے یہ بات اُلٹی ہے کہ تقویٰ ہوگا تو بندہ اعمال صالحہ اختیار کرے گا اگر تقویٰ نہ ہو تو اعمال صالحہ اختیار کرنے اور گناہ سے بچنے کی بندہ کو اہمت نہیں ہوتی، اللہ سے ڈرے اور آخرت کی فکر کرے تب قول اور فعل ٹھیک ہوتا ہے۔

پھر تقویٰ اختیار کرنے اور ٹھیک بات کہنے کا انعام بتایا یُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو قبول فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کی مغفرت فرمادے گا۔

اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت میں کامیابی ہے:

اس کے بعد فرمایا: وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی

فرمانبرداری کرے تو وہ بڑی کامیابی کے ساتھ کامیاب ہوگا۔)

لوگوں میں کامیابی کے بہت سے معیار معروف ہیں، کوئی شخص مال زیادہ ہونے کو کامیابی سمجھتا ہے اور کوئی شخص بادشاہ بن جانے کو، کوئی شخص وزارت مل جانے کو اور کوئی شخص جو سید اور بنا لینے کو اور کوئی شخص زیادہ پیسوں والی ملازمت مل جانے کو کامیابی سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے کامیابی کا معیار بتا دیا کہ کامیاب وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

خطبہ نکاح میں رسول اللہ ﷺ شہادتین کے بعد آیت کریمہ (يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ) (الآیۃ) اور آیت کریمہ: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ) (الآیۃ) اور آیت کریمہ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا) پڑھا کرتے تھے، (پورا خطبہ حصن حصین میں مذکور ہے) آپ ﷺ نے خطبہ نکاح میں جو تین آیات اختیار فرمائیں ان میں چار جگہ تقویٰ کا حکم ہے اس سے تقویٰ کی اہمیت اور ضرورت معلوم ہوگئی۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ.....

اس پوری سورۃ میں تعظیم و تکریم رسول اور ان کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے، آخر سورۃ میں اس اطاعت کا مقام بلند اور اس کا درجہ بتلایا گیا ہے، اس میں اللہ و رسول کی اطاعت اور ان کے احکام کی تعمیل کو امانت سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کی وجہ آگے آجائے گی۔

امانت سے کیا مراد ہے:

اس جگہ لفظ امانت کی تفسیر میں ائمہ تفسیر صحابہ و تابعین وغیرہم کے بہت سے اقوال منقول ہیں۔ فرائض شرعیہ، حفاظت عفت، امانات اموال، غسل جنابت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ، اسی لیے جمہور مفسرین نے فرمایا ہے کہ دین کے تمام وظائف و اعمال اس میں داخل ہیں۔ (قرلمی)

تفسیر مظہری میں فرمایا کہ شریعت کی تمام تکلیفات امر و نہی کا مجموعہ امانت ہے، ابو حیان نے بحیر محیط میں فرمایا:

یعنی ہر وہ چیز جس میں انسان پر اعتماد کیا جاتا ہے یعنی امر ونہی اور ہر حال جس کا دین یا دنیا سے تعلق ہو اور شریعت پوری کی پوری امانت ہے یہی جمہور کا قول ہے

خلاصہ یہ ہے کہ امانت سے مراد احکام شرعیہ کا مکلف و مامور ہونا ہے، جن میں پورا اترنے پر جنت کی دائمی نعمتیں اور خلاف ورزی یا کوتاہی پر جہنم کا عذاب موعود ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امانت سے مراد احکام الہیہ کا بار اٹھانے کی صلاحیت و استعداد ہے جو عقل و شعور کے خاص درجہ پر موقوف ہے، اور ترقی اور استحقاق خلافت الہیہ اسی خاص استعداد پر موقوف ہے جن میں اجناسہ مخلوقات میں یہ استعداد نہیں ہے وہ اپنی جگہ کتنا ہی ادنیٰ اور اعلیٰ مقام رکھتے ہوں مگر وہ اس مقام سے ترقی نہیں کر سکتے۔ اسی وجہ سے آسمان زمین وغیرہ میں یہاں تک کہ فرشتوں میں بھی ترقی نہیں جس کا جو مقام قرب ہے بس وہی ہے، ان کا حال یہ ہے: وَمَا مَنَّا إِلَّا لَكُم مَّقَامٌ مَّعْلُومٌ لَّی یعنی ہم میں سے کوئی نہیں مگر اس کا ایک معین مقام ہے۔ امانت کے اس مفہوم میں تمام روایات حدیث جو امانت کے متعلق آئی ہیں مربوط و مطابق ہو جاتی ہیں، جمہور مفسرین کے اقوال بھی اس میں تقریباً متفق ہو جاتے ہیں۔

صحیحین بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت حذیفہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے ہمیں دو حدیثیں سنائی تھیں، ان میں سے ایک کو تو ہم نے خود آنکھوں سے دیکھ لیا، دوسری کا انتظار ہے۔

کاپلی حدیث یہ ہے کہ اول رجال دین کے قلوب میں امانت نازل کی گئی، پھر قرآن اتارا گیا، تو اہل ایمان نے قرآن سے علم حاصل اور سنت سے عمل حاصل کیا۔

اس کے بعد دوسری حدیث یہ سنائی کہ (ایک وقت ایسا آنے والا ہے جس میں) آدمی سو کر اٹھے گا تو اس کے قلب سے امانت سلب کر لی جائے گی اور اس کا کچھ اثر و نشان ایسا رہ جائے گا جیسے تم کوئی آگ کا انگارہ اپنے پاؤں پر لڑھکا دو (وہ انگارہ تو چلا گیا مگر) اس کا اثر پاؤں پر ورم یا چھالے کی صورت میں رہ گیا حالانکہ اس میں آگ کا کوئی جز نہیں (الی قولہ) یہاں تک کہ لوگ باہم معاملات اور معاہدات کریں گے، مگر کوئی امانت کا حق ادا نہ کرے گا اور (دیانتدار آدمی کا ایسا قسط ہو جائے گا کہ) لوگ یہ کہا کریں گے کہ فلاں قبیلہ میں ایک آدمی دیانتدار ہے۔

اس حدیث میں امانت ایک ایسی چیز کو قرار دیا ہے جس کا تعلق انسان کے قلب سے ہے، اور وہی تکالیف شرعیہ اور وظائف دینیہ کے مکلف ہونے کی صلاحیت و استعداد اور کھتا ہے۔

اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ تمہیں حاصل ہو جائیں تو دنیا کی اور کوئی چیز تمہیں حاصل نہ ہو تو کوئی افسوس کی بات نہیں، (وہ چار چیزیں یہ ہیں)

امانت کی حفاظت، بات کی سچائی، حسن خلق اور لقمہ حلال۔ (از ابن کثیر)

عرض امانت کی تحقیق:

آیت مذکورہ میں یہ ارشاد ہے کہ ہم نے امانت کو آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا تو سب نے اس کا بوجھ

اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے، کہ ہم اس کا حق ادا کر سکیں گے، اور انسان نے یہ بوجھ اٹھالیا۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ آسمان، زمین، پہاڑ جو غیر ذی روح اور بظاہر بے علم و شعور ہیں ان کے سامنے پیش کرنے اور ان کے جواب دینے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ بعض حضرات نے تو اس کو مجاز اور تمثیل قرار دے دیا جیسے قرآن کریم نے ایک موقع پر بطور تمثیل کے فرمایا (آیت) لَوْ اَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاٰیةً خَاشِعَةً مُّتَّصِدِعًا مِّنْ خَشِيَةِ اللّٰهِ، یعنی ہم اگر یہ قرآن پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ بھی اس کے بوجھ سے جھک جاتا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اللہ کے خوف سے کہ اس میں بطور فرض کے یہ مثال دی گئی ہے، یہ نہیں کہ حقیقتاً پہاڑ پر اتارا ہو۔ ان حضرات نے آیت اِنَّا عَرَضْنَا لَكَ بِهٰذَا الْقُرْآنِ كِتٰبًا وَّجٰزًا اور مجاز قرار دے دیا۔

مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ صحیح نہیں، کیونکہ جس آیت سے تمثیل پر استدلال کیا گیا ہے وہاں تو قرآن کریم نے حرف ہر کے ساتھ بیان کر کے اس کا قضیہ فرضیہ ہونا خود واضح کر دیا ہے، اور آیت اِنَّا عَرَضْنَا لَكَ كِتٰبًا وَّجٰزًا میں یہ کہا جائے کہ یہ چیزیں بے حس و بے شعور ہیں ان سے جواب تمثیل پر حمل کرنا بغیر کسی دلیل کے جائز نہیں۔ اور اگر دلیل میں یہ کہا جائے کہ یہ چیزیں بے حس و بے شعور ہیں ان سے جواب سوال نہیں ہو سکتا، تو یہ قرآن کی دوسری تصریحات سے مردود ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے: وَ اِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد و تسبیح نہ پڑھتی ہو اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہنچنا اور اس کو خالق و مالک اور سب سے اعلیٰ و برتر جان کر اس کی تسبیح کرنا بغیر ادراک و شعور کے ممکن نہیں۔ اس لیے اس آیت سے ثابت ہوا کہ ادراک و شعور تمام مخلوقات میں یہاں تک کہ جمادات میں بھی موجود ہے، اسی اور ک و شعور کی بنا پر ان کو مخاطب بھی بنایا جاسکتا ہے اور وہ جواب بھی دے سکتے ہیں، جواب کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، الفاظ و حروف کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے اور اس میں عقلی امتناع نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان جمادات، آسمان، زمین اور پہاڑوں کو لفظ و گویائی عطا فرمادیں۔ اس لیے جمہور امت کے نزدیک آسمان، زمین اور پہاڑوں پر عرض امانت حقیقی طور پر کیا گیا اور انہوں نے حقیقی طور پر ہی اپنا اس بار سے عاجز ہونا ظاہر کیا، ان میں کوئی تمثیل یا مجاز نہیں۔

عرض امانت اختیاری تھا جبری نہیں:

رہا یہ سوال کہ جب حق تعالیٰ شانہ نے آسمان زمین وغیرہ پر اس امانت کو خود پیش فرمایا تو ان کی مجال انکار کیسے ہوئی، حکم الہی سے روگردانی کی تھی تو ان کو نیست و نابود ہو جانا چاہئے تھا، اس کے علاوہ آسمان و زمین کا مطیع ہونا اور تابع فرمان ہونا قرآن کریم کی آیت: اَتَيْنَا طٰلِٰٓٔیْنَ ﴿۱۰﴾ سے بھی ثابت ہے یعنی جب حق تعالیٰ نے آسمان و زمین کو حکم دیا کہ (ہمارے حکم کی تعمیل کے لیے) آ جاؤ خواہ اپنی خوشی سے یا زبردستی سے، تو دونوں نے یہ جواب دیا کہ ہم تعمیل حکم کے لیے خوشی سے حاضر ہیں۔

جواب یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں ان کو ایک حاکمانہ پابندی کا حکم دے دیا گیا تھا، جس میں یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ تم اس حکم پر دل سے راضی ہو یا نہ ہو، بہر حال یہ حکم ماننا پڑے گا بخلاف اس آیت عرض امانت کے کہ اس میں امانت کو پیش کر کے ان کو اختیار دیا گیا تھا کہ قبول کریں یا نہ کریں۔

ابن کثیر نے متعدد سندوں کے ساتھ متعدد صحابہ و تابعین ابن عباس، حسن بصری، مجاہد وغیرہ سے عرض امانت کی یہ تفصیل نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اول آسمان پر پھر زمین پر پھر پہاڑوں پر اختیاری صورت میں یہ پیش کیا۔ کہ ہماری امانت (یعنی اطاعت احکام) کا بار اٹھا لو اس معاوضہ کے ساتھ جو اس کے لیے مقرر ہے۔ ہر ایک نے سوال کیا کہ معاوضہ کیا ہے تو بتلایا گیا کہ امانت (یعنی اطاعت احکام) تم نے پوری طرح کی تو تمہیں جزاء و ثواب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعزاز خاص ملے گا اور اگر قبیل احکام نہ کی یا اس میں کوتاہی کی تو عذاب و سزا ملے گی۔ ان سب بڑے بڑے اجسام نے یہ سن کر جواب دیا کہ انے ہمارے پروردگار ہم اب بھی آپ کے تابع فرمان چل رہے ہیں، لیکن (جب ہمیں اختیار دیا گیا تو) ہم اس بار کو اٹھانے سے اپنے کو عاجز پاتے ہیں، ہم نہ ثواب چاہتے ہیں نہ ہی عذاب کے متحمل ہیں۔

اور تفسیر قرطبی میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے حضرت ابن عباس کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (آسمان، زمین وغیرہ پر عرض امانت اور ان کے جواب کے بعد) حق تعالیٰ نے حضرت آدم ﷺ کو خطاب فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے اپنی امانت آسمان زمین کے سامنے پیش کی تو وہ اس کا بار اٹھانے سے عاجز ہو گئے، تو آپ اس بار امانت کو اٹھائیں گے مع اس چیز کے جو اس کے ساتھ ہے۔ آدم ﷺ نے سوال کیا کہ اے پروردگار وہ چیز جو اس کے ساتھ ہے کیا ہے؟ جواب ملا کہ اگر حمل امانت میں پورے اترے (یعنی اطاعت مکمل کی) تو آپ کو جزا ملے گی (جو اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا اور جنت کی دائمی نعمتوں کی صورت میں ہوگی) اور اگر اس امانت کو ضائع کیا تو سزا ملے گی۔ آدم ﷺ نے (اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا میں ترقی ہونے کے شوق میں) اس کو اٹھایا، یہاں تک کہ بار امانت اٹھانے پر اتنا وقت بھی نہ گزرا تھا جتنا ظہر سے عصر تک ہوتا ہے کہ اس میں شیطان نے ان کو مشہور لغزش میں مبتلا کر دیا، اور جنت سے نکالے گئے۔

عرض امانت کا واقعہ کس زمانے میں ہوا؟

ابھی جو روایت حضرت ابن عباس کی اوپر گزری ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرض امانت آسمان، زمین وغیرہ پر تخلیق آدم سے پہلے ہوا تھا، پھر جب آدم ﷺ کو پیدا کیا گیا تو ان کے سامنے یہ بھی بیان فرمایا گیا کہ آپ سے پہلے آسمان زمین پر بھی یہ امانت پیش کی جا چکی ہے، جس کی ان کو طاقت نہ تھی، اس لیے عذر کر دیا۔

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ عرض امانت کا واقعہ میثاق اول یعنی عہد الاست سے پہلے کا ہے کیونکہ عہد الکتب بریکمہ اسی بار امانت کی پہلی کڑی اور اپنے منصب کا حلف اٹھانے کے قائم مقام ہے۔

خلافت ارضی کے لیے بار امانت اٹھانے کی صلاحیت ضروری تھی:

حق تعالیٰ نے تقدیر ارضی میں آدم ﷺ کو زمین میں اپنا خلیفہ بنانا طے فرمایا تھا اور یہ خلافت اسی کو سپرد کی جاسکتی تھی، جو احکام الہیہ کی اطاعت کا بار اٹھائے، کیونکہ اس خلافت کا حاصل ہی یہ ہے کہ زمین پر اللہ کے قانون کو نافذ کرے، خلق خدا کو احکام الہیہ کی اطاعت پر آمادہ کرے۔ اس لیے تکوینی طور پر حضرت آدم ﷺ اس امانت کے اٹھانے کے لیے آمادہ ہو گئے، حالانکہ دوسری بڑی بڑی مخلوقات کا اس سے عاجز ہونا بھی معلوم ہو چکا تھا۔ (مظہری و بیان القرآن)

اِنَّهٗ كَانَ قَلُوْماً جَهُوْلًا ﴿۱﴾ ظلم سے مراد اپنے نفس پر ظلم کرنے والا، اور جہول سے مراد انجام سے ناواقف۔ اس جملے سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مطلقاً انسان کی مذمت میں آیا ہے کہ اس نادان نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ اتنا بڑا بار اٹھایا۔ جو اس کی طاقت سے باہر تھا مگر قرآنی تصریحات کے مطابق واقعہ ایسا نہیں، کیونکہ انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں یا پوری نوع انسانی، ان میں آدم علیہ السلام تو نبی معصوم ہیں، انہوں نے جو بار اٹھایا تھا اس کا حق بھی یقینی طور پر ادا کر دیا۔ اسی سے نتیجہ میں ان کو خلیفۃ اللہ بنا کر زمین پر بھیجا گیا، ان کو فرشتوں کا مہجود بنایا گیا، اور آخرت میں ان کا مقام فرشتوں سے بھی بلند و بالا ہے۔ اور اگر نوع انسانی ہی مراد ہو تو اس پوری نوع میں لاکھوں تو انبیاء علیہم السلام ہیں اور کروڑوں وہ صالحین اور اولیاء اللہ ہیں جن پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں، جنہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ امانت الہیہ کے اہل اور مستحق تھے۔ انہیں حق امانت کو ادا کرنے والوں کی بنا پر قرآن حکیم نے نوع انسانی کو اشرف المخلوقات ٹھہرایا۔ وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ، اس سے ثابت ہوا کہ نہ آدم علیہ السلام قابل مذمت ہیں نہ پوری نوع انسانی، اسی لیے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ جملہ مذمت کے لیے نہیں بلکہ اکثر افراد نوع کے اعتبار سے بیان واقعہ کے طور پر ارشاد ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نوع انسانی کی اکثریت ظلم و جہول ثابت ہوئی، جس نے اس امانت کا حق ادا نہ کیا، اور خسارہ میں پڑی، اور چونکہ اکثریت کا یہ حال تھا، اس لیے اس کو نوع انسانی کی طرف منسوب کر دیا گیا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ آیت میں ظلم و جہول خاص ان افراد انسانی کو کہا گیا ہے جو احکام شرعیہ کی اطاعت میں پورے نہ اترے اور امانت کا حق ادا نہ کیا، یعنی امت کے کفار و منافقین اور فساق و فجار اور گناہ گار مسلمان۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس، ابن جبیر، حسن بصری وغیرہ سے منقول ہے۔ (قرطبی)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ لفظ ظلم و جہول اس جگہ بھولے بھالے کے معنی ہیں بطور مجاز نہ خطاب کے ہے کہ اس نے اللہ جل شانہ کی محبت اور اس کے مقام قرب کی جستجو میں اور کسی انجام کو نہیں سوچا۔ اسی طرح یہ لفظ پوری بنی نوع کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ تفسیر مظہری میں حضرت مجدد الف ثانی اور دوسرے صوفیائے کرام سے اسی طرح کا مضمون منقول ہے۔

(معارف القرآن، صفحہ ۱۸۱)

لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ....

تحمل امانت کے نتیجے و انجام کا ذکر و بیان:

لِيُعَذِّبَ كَالِ لَامِ لَامِ تَعْلِيلِ نَحْوِ لَامِ عَاقِبَتِ هِيَ۔ جیسا کہ سورۃ قصص کی اس آیت کریمہ میں ہے: فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا (قصص: 8) یعنی آل فرعون کے اس عمل و اختیار کا انجام اور نتیجہ یہی نکلتا تھا کہ دو بچے بالآخر ان کا دشمن و ان کیلئے غم کا باعث بن جائے۔ جیسا کہ بعد میں امر واقع سے ثابت ہو گیا۔ سو ایسے ہی یہاں پر ہے کہ حمل امانت کے اس عمل و اختیار کا نتیجہ یہی ہوتا ہے اور یہی ہو گا کہ جو لوگ سچے ایمان اور اس کے نتیجے میں صدق عمل کی دولت سے سرشار ہوں گے وہ اللہ پاک۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ کی خاص توجہ اور عنایت سے مشرف ہوں گے۔ اور ابدی فوز و فلاح اور حقیقی و دائمی

کامیابی سے بہرہ ور و سرفراز ہوں گے۔ اور جنہوں نے اس کے مقابلے میں کفر و عناد اور بغاوت و سرکشی سے کام لیا ہوگا اور منافقت برتی ہوگی وہ دائمی خسارے میں پڑیں گے اور ہولناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اس امانت اور اس کے نخل کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا اور یہی ہوگا کہ ایک دن ایسا آئے جس میں اس کے بارے میں پوچھ ہو۔ اور یہ ظاہر ہو کہ کس نے اس کا حق ادا کیا۔ تاکہ ان لوگوں کو جنہوں نے اس بارے میں منافقت کا رویہ اپنایا ہوگا یا جو شرک کے مرتکب ہوئے ہوں گے ان کو اپنے اس جرم کی سزا ملے اور وہ اپنے کیے کرائے کا بھگتان بھگتیں، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ اور جنہوں نے دولت ایمان سے مشرف ہو کر اس کا حق ادا کیا ہوگا وہ اپنے رب کی رحمتوں اور عنایتوں سے مشرف و سرفراز ہوں، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ تاکہ ہر تھدار کو اس کے کیے کرائے کا پورا پورا حق ملے۔ اور اس طرح اس عدل و حکمت کے تقاضے پورے ہوں جو حکمتوں بھری اس کائنات کے وجود اور اس کی تخلیق کا مستطی ہے۔

سُورَةُ سَبَأٍ

آیتها ۵۳
آیاتها ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سبأ
سورة ۳۳ مکیه ۵۸

سورہ سبأ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس میں چون آیتیں ہیں اور پھر سور

الْحَمْدُ لِلَّهِ تَعَالَى نَفْسُهُ بِذَلِكَ الْمُرَادُ بِهِ التَّنَاءُ بِمَضْمُونِهِ مِنْ ثُبُوتِ الْحَمْدِ وَهُوَ الْوَصْفُ بِالْجَمِيلِ
 لِلَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَلَكًا وَخَلْقًا وَعَبِيدًا وَ لَهُ الْحَصْدُ فِي الْآخِرَةِ كَالدُّنْيَا
 يَحْمَدُهُ أَوْلِيَائُهُ إِذَا دَخَلُوا الْجَنَّةَ وَ هُوَ الْحَكِيمُ فِي فِعْلِهِ الْخَيْرِ ۝ بِخَلْقِهِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ بِدُخُلِ فِي
 الْأَرْضِ كَمَا يَغِيهِ وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا كِتَابًا وَ غَيْرِهِ وَ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ وَ غَيْرِهِ وَ مَا
 يَرْجُحُ يَضَعُهُ فِيهَا ۝ مِنْ عَمَلٍ وَ غَيْرِهِ وَ هُوَ الرَّحِيمُ بِأَوْلِيَائِهِ الْغَفُورُ ۝ لَهُمْ وَ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا
 تَأْتِينَا السَّاعَةُ ۝ الْقِيَامَةُ قُلْ لَهُمْ بَلَى وَ رَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ ۝ عِلْمِ الْغَيْبِ ۝ بِالْجَرِّ صِفَةٌ وَ التَّرْفِعُ خَبَرٌ مُبْتَدِئُهُ
 وَ فِي قِرَاءَةِ عِلَامٍ بِالْجَرِّ لَا يُعْرَبُ يَغِيْبُ عَنْهُ مُثْقَالٌ وَ زَنْ ذَرَّةً أَصْغَرَ نَمْلَةً فِي السَّمَوَاتِ وَ لَا فِي الْأَرْضِ وَ
 لَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَ لَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ بَيْنَ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوظُ لِيَجْزِيَ فِيهَا الَّذِينَ
 آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۝ أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَ رِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ حَسَنٌ فِي الْجَنَّةِ وَ الَّذِينَ سَعَوْا فِي
 ابْتِطَالِ آيَاتِنَا الْقُرْآنِ مُعْجِزِينَ وَ فِي قِرَاءَةِ هِنَا وَ فِي مَا يَأْتِي مُعَاجِزِينَ أَيُّ مُقَدَّرِينَ عَجَزْنَا أَوْ مُسَابِقِينَ لَنَا
 فَيَقُولُونَ لَظَنَنَاهُمْ أَنْ لَا نَبْعَثَ وَ لَا عِقَابَ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ سِوَى الْعَذَابِ الْكَبِيرِ ۝ مُؤَلَّمٌ
 بِالْجَرِّ وَ التَّرْفِعُ صِفَةٌ لِرَجْزٍ أَوْ عَذَابٍ وَ يَرَى يَعْلَمُ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مُؤْمِنُوا أَهْلَ الْكِتَابِ كَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ
 سَلَامٍ وَ أَصْحَابِهِ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ أَيُّ الْقُرْآنِ هُوَ فَضْلُ الْحَقِّ ۝ وَ يَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ طَرِيقِ
 الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ أَيُّ اللَّهِ ذِي الْعِزَّةِ الْمَحْمُودَةِ وَ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَيُّ قَالَ بَعْضُهُمْ عَلَى جِهَةِ

التَّعْجِبْ لِيُبْفِضَ هَلْ تَدُلُّكُمْ عَلَى رَجُلٍ هُوَ مَحْمَدٌ يُنَبِّئُكُمْ يُخْبِرُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مَرَّقْتُمْ فُطِنْتُمْ كُلَّ مَرْقٍ بِمَعْنَى تَمْرِيقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أَفَتَرَىٰ بِفِشْحِ الْهَمْزَةِ لِلْإِسْتِفْهَامِ وَاسْتَعْنَى بِهَا عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيَ ذَلِكَ أَمْ بِهِ حِجَّةٌ ۗ جُنُونَ تَحْوِيلٌ بِهِ ذَلِكَ قَالَ تَعَالَى بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ الْمُسْتَمِلَةَ عَلَى الْبُعْثِ وَالْحِسَابِ فِي الْعَذَابِ فِيهَا وَالضَّلِيلِ الْبَعِيدِ ۗ مِنَ الْخَقِ فِي الدُّنْيَا أَقَلُّمَ يَرَوْنَ إِلَى يَنْظُرُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مَا فَوْقَهُمْ وَمَا تَحْتَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ لَنَا نَحِيفَ بِهِمُ الْأَرْضِ أَوْ نَسُوقُ عَلَيْهِمْ كِسْفًا بِسُكُونِ السِّينِ وَفَتْحِهَا قِطْعَةً مِنَ السَّمَاءِ وَفِي قِرَاءَةٍ فِي الْأَفْعَالِ الثَّلَاةِ بِالْيَاءِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لِنَزْمِي لآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ۗ رَاجِعٌ إِلَى رَجِّ رَبِّهِ تَدُلُّ عَلَى قُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى الْبُعْثِ وَمَا يَشَاءُ

ترجمہ: سب خوبی اس کے ذریعہ اللہ نے اپنی تعریف فرمائی اس سے مراد اس کے مضمون یعنی حمد کے ثبوت کی ثناء ہے اور حمد اچھی خوبیاں بیان کرنے کو کہتے ہیں اللہ کی ہے جس کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے مملوک مخلوق اور بندے ہیں اور اسی کو حمد سزاوار ہے آخرت میں دنیا کی طرح اس کے اولیاء جنت میں داخلہ کے وقت اس کی حمد کریں گے اور وہی اپنے کام میں بڑی حکمت والا اپنی مخلوق کی بڑی خبر رکھنے والا ہے وہی جانتا ہے جو کچھ گھستا ہے داخل ہوتا ہے زمین میں جیسے پانی وغیرہ اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے جیسے گھاس وغیرہ اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے جیسے رزق وغیرہ اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے جیسے عمل وغیرہ اور وہ اپنے دوستوں پر بڑا رحم کرنے والا ان کی بڑی مغفرت کرنے والا ہے اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہ آئے گی آپ ان سے کہہ دیجئے کیوں نہیں؟ قسم ہے میرے پروردگار عالم الغیب کی کہ وہ ضرور تم پر آئیگی عالم الغیب جبر کے ساتھ صفت ہے اور رفع کے ساتھ مبتدا کی خبر ہے اور ایک قرأت میں علام جبر کے ساتھ ہے اور نہ اوجھل غائب ہے اس سے کوئی ذرہ برابر وزن بھی چھوٹی چھوٹی نہ آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ کوئی چیز ہے اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی ہے مگر یہ کہ سب کتاب مبین میں ہے جو واضح ہے یعنی لوح محفوظ تا کہ ان لوگوں کو اس میں صلہ دے جو ایمان لائے تھے اور نیک کام کئے تھے ایسے لوگوں کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے جو عمدہ ہے جنت میں اور جو لوگ ہمارے قرآن کی آیتوں کے باطل کرنے میں کوشش کرتے رہتے ہیں ہرانے کے لیے اور ایک قرأت میں یہاں اور آگے معجزین ہے یعنی ہمارا عجز فرض کرتے ہوئے یا ہم سے آگے بڑھنے کے لیے تا کہ وہ ہم سے چھوٹ جائیں کیونکہ ان کا خیال یہ ہے کہ نہ قیامت ہوگی اور نہ عذاب ایسے لوگوں کے لیے سختی کا بدترین عذاب ہوگا دردناک تکلیف دہ یہ لفظ جبر اور رفع کے ساتھ رجز یا عذاب کی صفت ہے اور سمجھتے جانتے ہیں وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے مومنین اہل کتاب جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی

وہ اس کی کتاب کو جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اتاری گئی ہے قرآن ہو فصل ہے حق ہے اور وہ راستہ رو دکھاتا ہے غلبہ والے قابل حمد کا یعنی اللہ بہترین عزت والے کا اور یہ کافر کہتے ہیں آپس میں بطور تعجب کے کیا ہم تمہیں ایسے شخص کو پتہ بتلا میں جو تم کو یہ اطلاع خبر دیتا ہے کہ تم جب ریزہ ریزہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤ گے بالکل براہ منقذ منزلق کے معنی میں ہے تم ضرور ایک نئے جنم میں آ جاؤ گے اس نے جھوٹ بہتان باندھا ہے ہمزہ استفہامیہ کے فتح کے ساتھ ہے اور اسی سے ہمزہ وصل کی حاجت نہیں رہی اللہ پر اس سلسلہ میں یا اسے کسی طرح کا جنون ہے جس کی وجہ سے اسے یہ خیالات آرہے ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہیں جو باعث و حساب پر مشتمل ہے وہی آخرت کے عذاب میں ہوں گے اور دنیا میں یہ دور کی گمراہی میں تھے حق سے تو کیا انہوں نے اپنے آگے اور اپنے پیچھے اوپر نیچے نہیں دیکھا نظر نہیں کیا آسمان وزمین کی طرف اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر ٹکڑے برسادیں کسفا، سین کے سکون اور فتح کے ساتھ ہے آسمان سے اور ایک قراءت میں تینوں افعال یاہ کے ساتھ ہیں اس میں جو دکھائی دیتا ہے پوری دلیل ہے ہر جتنے والے بندے کے لیے جو اللہ کی طرف رجوع ہونے والا ہے اللہ کی قدرت پر دلالت کرتی ہے قیامت کے بارے میں اور جو کچھ چاہے اس پر۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: كَاذِبًا: اس سے اشارہ کیا کہ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي اس سے دنیا کی حمد مراد ہے۔ میں اس کا عطف وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ پر عطف مقید علی السطوق کی قسم سے نہیں۔

قولہ: وَوَغَيْرِهِ كالمطر: جیسے بارش یا جیسے فرشتے۔

قولہ: بِالْجَزِّ صِفَةً: یہ ربی الجبرور کی صفت ہے۔ تقدیر اس کی داؤد قسمیہ کے ساتھ ہے۔

قولہ: عَلَامٌ: یہ مبالغہ ہے۔

قولہ: وَلَا أَصْغَرُ: یہ ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اسی طرح وَلَا أَكْبَرُ۔

قولہ: لِيَجْزِيَ: یہ لَتَأْتِيَنَّكُمْ کی علت ہے۔

قولہ: مِنْ رَبِّكَ: جن حضرات نے الْحَقِّقُ کو مرفوع پڑھا تو ہو ضمیر کو مبتداء اور الحق کو اس کی خبر قرار دیا ہے اور دوسرا جملہ بری کے دو مفعولوں کی جگہ ہے۔ جملہ مرفوعہ مستأنفہ تاکہ علم والوں سے جہلا کے خلاف گواہی طلب کرنے کے لیے ہے۔

قولہ: مَمْرُوقٍ: یہ مصدر میسی ہے۔

قولہ: بِالْيَاءِ: تینوں افعال نشاء، نخسف، نسقط میں یا کی قراءت بھی ہے۔

تفسیر مقبولین

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَلَمْنا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ...

حق جل شانہ نے قرآن کریم میں پانچ سورتوں کو الحمد سے شروع فرمایا۔ (۱) سورۃ فاتحہ۔ (۲) سورۃ الانعام۔ (۳) سورۃ کہف۔ (۴) چوتھی سورت یہ سورۃ سبأ ہے۔ (۵) پانچویں سورت جو اس کے بعد آنے والی ہے یعنی سورۃ فاطر۔ جسے سورۃ ملائکہ بھی کہتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں لیکن بظاہر وہ نعمتیں دو قسم کی ہیں ایک نعمت ایجاد اور ایک نعمت بقا ایجاد کے معنی معدوم کو موجود کرنے کے ہیں اور بقا کے معنی موجود کو باقی اور زندہ رکھنے کے اور زندہ رہنے کے سامان عطا کرنے کے ہیں اور پھر ایجاد اور بقا کی دو قسمیں ہیں ایک دنیوی اور ایک اخروی اور ایک روحانی اور ایک جسمانی پس ان پانچ سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے کہیں ایجاد کی نعمتیں اور کہیں بقا کی نعمتیں ذکر کیں اور کہیں دنیاوی اور جسمانی نعمتوں اور کہیں اخروی اور روحانی نعمتوں کا ذکر کیا جس سے ہر جگہ شکر کی ترغیب دینا مقصود ہے اس سورت کے شروع میں اول عالم دنیا کی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد عالم آخرت کی نعمت مغفرت اور ان کے رزق کریم کا اور دیگر معنوی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور ان لوگوں کی مذمت کی جو اخروی نعمتوں کے منکر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تمام تعریفیں اسی خدائے برحق کے لیے سزاوار ہیں کہ جس کے ہاتھ میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور آخرت میں بھی اسی کے لیے حمد و ثنا ہے غرض یہ کہ دنیا اور آخرت میں وہی حمد و ثنا کا مستحق اور سزاوار ہے۔ فرق اتنا ہے کہ دنیا میں ظاہر کسی اور کی بھی تعریف ہو جاتی ہے مگر وہ درحقیقت اللہ ہی کے فعل کا پردہ ہوتی ہے اور آخرت میں کوئی پردہ نہیں اور نہ کوئی واسطہ ہے آخرت میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی طرف سے ہے اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں نیز دنیا اور آخرت کی حمد میں، ایک فرق یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کی حمد بطور عبادت ہے اور اختیاری ہے اور آخرت میں اللہ کی حمد بطور لذت و فرحیت ہے اور بمنزلہ سانس کے غیر اختیاری ہے اور وہی ہے حکمتوں والا جس نے آسمان اور زمین کو اپنی نعمتوں کا واسطہ اور پردہ بنایا اور سب چیزوں سے باخبر ہے وہ خوب جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو چیز زمین سے نکلتی ہے اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو آسمان میں چڑھتا ہے جیسے بندوں کے اعمال اور ان کی دعائیں اور ان کے کلمات طیبہ اور ارواح طاہرہ اور وہ بڑا مہربان ہے اور کوتاہیوں کو معاف کرنے والا ہے۔ بندوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کو رحمت کے پردہ میں چھپاتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ.....

(ربط) اور تمہید اور توحید کا ذکر تھا اب آئندہ آیت میں منکرین حشر کی ایک بیہودہ بات کا ذکر کر کے اس کا رد فرماتے ہیں

اور یہ ہودگی پر تہدید بھی فرماتے ہیں۔ (شیخ زادہ ص ۷۹ ج ۱)

اور یہ بتلاتے ہیں کہ قیامت ضرور آئے گی اور جو لوگ قیامت کے ساتھ استہزا کرتے ہیں ان کو ان کے اعمال کی ضرور

سزائے کی چنانچہ فرماتے ہیں اور کافر اور مشرک جو امانت کے ثواب اور خیانت کے عقاب کے منکر ہیں اور حیات دنیاوی پر

بھروسہ کیے ہوئے ہیں یہ کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی ہمیں کسی عذاب اور حساب کا ڈر نہیں اسے پیغمبر ﷺ آپ ان مکرین قیامت سے کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں قسم ہے میرے پروردگار کی وہ قیامت تم پر ضرور آئے گی اور وہ قیامت کے لانے پر قادر ہے کیونکہ وہ ایسا پروردگار ہے کہ جو ایسا غیب دان ہے کہ آسمان اور زمین کا کوئی ذرہ اور کوئی چھوٹی بڑی چیز اس سے پوشیدہ نہیں مگر وہ سب لوح محفوظ میں ثبت ہے اور اس میں لکھی ہوئی ہے ہڈیاں اگرچہ ریزہ ریزہ ہو گئیں مگر سب اس کے علم اور قدرت سے غائب نہیں پہلی مرتبہ کی طرح پھر دوبارہ سب کو جمع کر کے زندہ کرے گا تاکہ ثواب عطا فرمائے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے سوائے لوگوں کے لیے مغفرت ہے اور بہشت میں عزت کی روزی ہے بلارنج و محنت ان کو روزی ملے گی۔ مغفرت تو بوجہ ایمان کے ہے اور عزت کی روزی عمل صالح کی وجہ سے ہے گویا کہ رزق کریم اطاعت کا انعام ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۴ ج ۷)

وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ....

اور جو لوگ ہماری آیتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے دوڑتے ہیں اور ان کے باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے لیے سخت قسم کا دردناک عذاب ہے۔ امانت میں خیانت کی سزا ان کے سامنے آ جائے گی اور جن لوگوں کو علم دیا گیا یعنی صحابہ کرام یا علماء اہل کتاب وہ خوب جانتے ہیں کہ جو قرآن من جانب اللہ آپ کی طرف اتارا گیا کہ وہ بلاشبہ حق ہے اور ایسے خدا کی راہ دکھاتا ہے جو غالب ہے اور خوبیوں والا ہے یعنی جو اس قرآن کی ہدایت پر چلے گا وہ خدا تک پہنچ جائے گا یا یہ معنی ہیں کہ اہل ایمان اور اہل ایمان قیامت کے دن اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ قرآن نے جس ثواب اور عقاب کی خبر دی تھی وہ بالکل حق ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں بطور مضحکہ اور تمسخر یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تم کو ایسا شخص بتلا دیں کہ جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو کر پوری طرح پراگندہ ہو جاؤ گے تو تم پھر از سر نو پیدا ہو گے بھلا یہ کیونکر ممکن ہے یہ شخص تو ایک ناممکن اور محال کی خبر دیتا ہے کیا اس شخص نے خدا پر قصد اجموت باندھا ہے یا اس کو کسی قسم کا جنون ہے کہ جو کہتا ہے اس کو سمجھتا نہیں بلا قصد اس سے ایسی باتیں نکل رہی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ دونوں باتیں غلط ہیں بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہی عذاب میں اور دور دراز گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور ہلکی ہوئی باتیں کرتے ہیں اور حقیقت کو سمجھتے نہیں اور دوبارہ زندہ ہونے کو محال سمجھتے ہیں اس لیے آئندہ آیت میں امکان حشر کی ایک دلیل بیان کرتے ہیں۔ پس کیا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کی طرف نہیں دیکھا جو ان کو سامنے سے اور پیچھے سے محیط ہے اور یہ سب ان دونوں میں محبوس ہیں چاروں طرف سے ان کو کھیرے ہوئے ہیں بھاگنے اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پھر بھی ہماری قدرت کے قائل نہیں ہوتے ہم تو ان کی سزا پر ہر وقت قادر ہیں چاہیں تو قارون کی طرح ان کو زمین میں دھنسا دیں یا اگر چاہیں تو قوم لوط کی طرح ان پر آسمان سے پتھر کے ٹکڑے گرا دیں اور ان کو ہلاک کر دیں اور ابھی ان پر قیامت قائم کر کے سب کو تباہ اور برباد کر دیں پھر بھی یہ لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں بے شک اس میں یعنی آسمان وزمین میں عبرت ہے ہر اس بندہ کے لیے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہو کہ جو خداوند قدر آسمان سے پتھر برسائے اور زمین میں دھنسانے پر قادر ہو۔ اسے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے پورا عالم اس کی خدائی یعنی آسمان وزمین میں محصور ہے اور محبوس ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کی قدرت کے دائرہ سے باہر نکل سکے عجیب

بات ہے کہ یہ منکرین قیامت جس کے انگشت قدرت میں بند ہیں اسی کی قدرت کے مگر بنے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۗ بُيُوتُهُ زَكَاةً وَأَقْرَبًا ۗ وَفَلْنَا يَجِبَالٍ أَوْبَىٰ رَجَبِي مَعَهُ بِالتَّسْبِيحِ وَالتَّطِيرِ
 بِالتَّنْصِبِ عَطْفًا عَلَىٰ مَحَلِّ الْجِبَالِ أَيْ وَدَعَوْنَا هَا لِالتَّسْبِيحِ مَعَهُ وَ النَّكَاةُ الْحَدِيدُ ۖ فَكَانَ فِي يَدِهِ
 كَالنَّجِينِ وَفَلْنَا أَنْ أَعْمَلَ مِنْهُ سَبْعِينَ وَ دُرُوعًا كَوَامِلٍ يَجْرُهَا لَا بِسُهَا عَلَى الْأَرْضِ قَدَارٌ فِي
 السَّرْدِ أَيْ بِنَسْجِ الدَّرُوعِ قَبْلَ لِصَانِعِهَا سَرِّ إِذْ أَيْ اجْعَلْهُ بِحَيْثُ يَنَاسِبُ خَلْقَهُ وَاعْمَلُوا أَيْ آلِ دَاوُدَ مَعَهُ
 صَالِحًا ۗ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ فَأَجَازَ بِكُمْ بِهِ وَ سَخَّرْنَا لِلسُّلَيْمِ الرِّيحَ وَفِي قِرَاءَةِ التَّرْفِعِ بِتَقْدِيرِ
 تَسَخَّرَ عُدُّوهُمَا سَيَّرَهَا مِنَ الْعُدْوَةِ بِمَعْنَى الصَّبَاحِ إِلَى الزَّوَالِ شَهْرٌ وَ رَوَاحُهَا سَيَّرَهَا مِنَ الزَّوَالِ إِلَى
 الْعُزُوبِ شَهْرٌ أَيْ مَسِيرَتَهُ وَ أَسَلْنَا إِذْ بَنَا لَهُ عَيْنَ الْقَطْرِ ۗ أَيْ النُّحَاسِ فَأَجْرِيَتْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ بِلَيَالِيهِنَّ
 كَجَزِي الْمَاءِ وَ عَمِلَ النَّاسُ إِلَى الْيَوْمِ مِمَّا أُعْطِيَ سُلَيْمَانَ وَ مِنَ الْجِنَّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ
 بَاطِنِ رَبِّهِ ۗ وَ مَنْ يَزِغْ يَغْدِلْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا لَهُ بِطَاعَتِهِ نَذِقُهُ مِنَ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝ النَّارِ فِي
 الْأَخِرَةِ وَقَبْلَ فِي الدُّنْيَا بَانَ يَضْرِبُهُ مَلَكٌ بِسَوْطٍ مِنْهَا ضَرْبَةً تَحْرِثُهُ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِبٍ
 آيَةٌ مَرْتَبَعَةٌ يَضَعُهَا إِلَيْهَا بَدْرُجٌ وَ تَمَائِيلٌ جَمْعُ تَمَائِيلٍ وَهُوَ كُلُّ شَيْءٍ مِثْلُهُ بِشَيْءٍ أَيْ صُورٌ مِنْ نُحَاسٍ
 وَ زُجَاجٌ وَ زُخَامٌ وَ لَمْ تَكُنْ إِتْخَاذُ الصُّورِ حَرَامًا فِي شَرِيعَتِهِ وَ جَفَانٌ جَمْعُ جَفْنَةٍ كَالْجَوَابِ جَمْعُ جَابِيَةٍ وَ
 هِيَ حَوْضٌ كَبِيرٌ يَجْتَمِعُ عَلَى الْجَفْنَةِ أَلْفٌ رَجُلٌ يَأْكُلُونَ مِنْهَا وَ قُدُورٌ رُسَيْتٌ ۗ ثَابِتَاتٌ لَهَا قَوَائِمٌ
 لَا تَتَحَرَّكُ عَنْ أَمَا كَيْنَهَا تَتَّخِذُ مِنَ الْجِبَالِ بِالْيَمَنِ يَضَعُهَا إِلَيْهَا بِالسَّلَامِ وَفَلْنَا إِعْمَلُوا يَا آلَ دَاوُدَ بِطَاعَةِ
 اللَّهِ شُكْرًا ۗ لَهُ عَلَى مَا آتَاكُمْ وَ قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ ۝ الْعَامِلُ بِطَاعَتِي شُكْرًا نِعْمَتِي فَلَمَّا
 قَضَيْنَا عَلَيْهِ عَلَى سُلَيْمَانَ الْمَوْتَ أَيْ مَاتَ وَ مَكَتَ قَائِمًا عَلَى عَصَاهُ حَوْلًا مَيْتًا وَ الْجِنَّ تَعْمَلُ تِلْكَ
 الْأَعْمَالِ الشَّاقَّةِ عَلَى عَادَتِهَا لَا تَشْعُرُ بِمَوْتِهِ حَتَّىٰ أَكَلَتِ الْأَرْضُ عَصَاهُ فَخَرَّ مَيْتًا مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ
 إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ مَضَرُّ أَرْضِ الخَشْبَةُ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ أَكَلَتْهَا الْأَرْضُ تَأْكُلُ مِنْسَاتَهُ ۗ بِالْهَمْزَةِ

وَتَرْكِهِ بِالْفِ عَصَاهُ لِأَنَّهَا يَنْسَأُ يَطْرُدُ وَيُرْجِرُ بِهَا فَلَمَّا خَرَّ مِيتًا تَبَيَّنَتْ الْجِنَّ أَنْ كَشَفَ لَهُمْ أَنْ مُحَقَّقَةٌ
 أَيْ أَنَّهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ وَمِنْهُ مَا غَات عَنْهُمْ مِنْ مَوْتِ سَلِيمَانَ مَا كَيْتُوا فِي الْعَذَابِ الْهَيْهَيْنِ ①
 الْعَمَلِ الشَّاقِّ لَهُمْ لظَنُّهُمْ حَيَاتِهِ خِلَافَ ظَنِّهِمْ عِلْمُ الْغَيْبِ وَعِلْمٌ كَوْنُهُ سَنَةٌ بِحِسَابِ مَا أَكَلَتْهُ الْأَرْضُ
 مِنَ الْعَصَا بَعْدَ مَوْتِهِ يَوْمًا وَبَلْبَلَةٌ مَثَلًا لَقَدْ كَانَ لِسِبَا بِالضَّرْفِ وَعَدْمِهِ قَبِيلَةٌ سَمَّيْتُ بِاسْمِ جَدِّ لَهُمْ مِنْ
 الْعَرَبِ فِي مَسْكِنِهِمْ بِالْيَمَنِ آيَةٌ ② دَالَّةٌ عَلَى قُدْرَةِ اللَّهِ جَعَلَنَ بَدَلَ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ③ عَنْ يَمِينٍ
 وَادِيَهُمْ وَشِمَالِهِ وَقِيلَ لَهُمْ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ④ عَلَى مَا رَزَقَكُمْ مِنَ النِّعْمَةِ فِي أَرْضِ سَبَأَ
 بِلْدَانًا طَيِّبَةً لَيْسَ بِهَا نَبَاتٌ وَلَا بَعُوضَةٌ وَلَا ذَبَابٌ وَلَا بَرَعُوثٌ وَلَا عَقْرَبٌ وَلَا حَيَّةٌ وَيَمْرُ الْغَرِيبِ بِهَا
 فِي بُيُوتِهِ فَمَلَّ فَيَمُوتُ لَطِيبٌ هَوَائِهَا وَاللَّهُ رَبُّ عَفْوٍ ⑤ فَأَعْرَضُوا عَنْ شُكْرِهِ وَكَفَرُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
 سَيْلَ الْعَرِمِ جَمْعُ عَرْمَةٍ وَهُوَ مَا يُمَسِّكُ الْمَاءَ مِنْ بِنَاءٍ وَغَيْرِهِ إِلَى وَقْتِ حَاجَتِهِ أَيْ سَيْلٌ وَادِيَهُمْ
 الْمَمْسُوكِ بِمَا ذَكَرَ فَأَغْرَقَ جَنَّتِيهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَبَدَّلَهُمْ بِجَنَّتِيهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتِ تَشْبِيبٍ ذَوَاتِ مُفْرَدٍ
 عَلَى الْأَصْلِ أَكَلِ حَبِطٍ مَرَّ بِشَيْءٍ بِإِضَافَةِ أَكَلِ بِمَعْنَى مَا كَوَّلَ وَتَرَكَهَا وَيُعْطَفُ عَلَيْهِ وَآثِلٌ وَشَيْءٌ مِنْ
 سِدْرٍ قَلِيلٍ ⑥ التَّبْدِيلُ ذَلِكَ جَزَائِهِمْ بِمَا كَفَرُوا ⑦ بِكُفْرِهِمْ وَهَلْ نُجِزِي إِلَّا الْكَافِرِينَ ⑧ بِالْبَاءِ وَالنُّونِ
 مَعَ كَسْرِ الزَّائِمِ وَنَصَبِ الْكَافِرِ أَيْ مَا بِنَاقِشِ الْأَهْوِ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ بَيْنَ سَبَأٍ وَهُمْ بِالْيَمَنِ وَبَيْنَ الْقُرَى
 الَّتِي بَرَلْنَا فِيهَا بِالْمَاءِ وَالشَّجَرِ وَهِيَ قَرَى الشَّامِ الَّتِي يَسِيرُونَ إِلَيْهَا لِلتِّجَارَةِ قَرَى طَاهِرَةٌ مُتَرَاوِئَةٌ
 مِنَ الْيَمَنِ إِلَى الشَّامِ وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ⑨ بِحَيْثُ يَقِيلُونَ فِي وَاحِدَةٍ وَيَبِيتُونَ فِي أُخْرَى إِلَى انْتِهَاءِ
 سَفَرِهِمْ وَلَا يَحْتَاجُونَ فِيهِ إِلَى حَمَلِ زَادٍ وَمَاءٍ وَقُلْنَا سِيرُوا فِيهَا لِيَأْتِيَكُمْ وَيَأْتِيَكُمْ مِنْهَا مَنَاقِبٌ ⑩ لَا تَخَافُونَ فِي
 لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَقَالُوا رَبَّنَا ابْعُدْ وَفِي قِرَاءَةِ بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا إِلَى الشَّامِ اجْعَلْهَا مَفَاوِزَ لِيَتَطَأَ وَلَوْ عَلَى
 الْقَمَرِ بِرُكُوبِ الرَّاكِبِ وَحَمَلِ الزَّادِ وَالْمَاءِ فَبَطَرُوا النِّعْمَةَ وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ بِالْكَفْرِ فَجَعَلْنَاهُمْ
 أَحَادِيثَ أَحَادِيثَ لَمَنْ بَعْدَهُمْ فِي ذَلِكَ وَمَوْقِفَهُمْ كُلَّ مَوْقِفٍ ⑪ قَرَقْنَاَهُمْ بِالْبِلَادِ كُلَّ التَّفْرِيقِ إِنْ فِي

ذَلِكَ الْمَذْكُورِ لَا يَتَّعِبُ الْكُلَّ صَبَارًا عَنِ الْمَعَاصِي شُكْرًا ۝ عَلَى النِّعَمِ وَ لَقَدْ صَدَّقَ بِالْحَقِّ
 وَ التَّشْدِيدِ عَلَيْهِمْ أَيْ الْكُفَّارِ مِنْهُمْ سَبَابُ إِبْلِيسَ ظَنَّهُ أَنَّهُمْ بِإِغْوَائِهِ يَتَّبِعُونَهُ فَاتَّبَعُوهُ فَضَلَّ سَبِيلَ السَّبِيلِ
 فِي ظَنِّهِ أَوْ صَدَّقَ بِالتَّشْدِيدِ ظَنَّهُ أَيْ وَجَدَهُ صَادِقًا إِلَّا بِمَعْنَى لَكِنْ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ لِلْبَيَانِ أَيْ
 هُمْ الْمُؤْمِنُونَ لَمْ يَتَّبِعُوهُ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطَانٍ تَسْلِيْطِ مِنَّا إِلَّا لِنَعْلَمَ عِلْمَ ظُهُورٍ مَنْ يُؤْمِنُ
 بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ۝ فَجَازَى كُلًّا مَبْطُورًا وَ رَبُّكَ بِعَلِّ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝ رَقِيبٌ

ع ۱۱

ترجمہ: اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی دی نبوت اور کتاب اور ہم نے کہا کہ اے پہاڑ! تسبیح کرتے رہو ان کے
 ساتھ تسبیح میں شریک رہو اور پرندوں کو بھی حکم دیا الطیر نصب کے ساتھ محل جبال پر عطف کرتے ہوئے یعنی داؤد کے ساتھ
 انہیں بھی تسبیح میں شامل ہونے کا حکم دیا اور ہم نے داؤد کے لیے لوہے کو نرم کر دیا چنانچہ لوہا ان کے ہاتھ میں جا کر آنے کے طرح
 نرم ہو جاتا اور ہم نے حکم دیا کہ تم اس سے مکمل زرہیں بناؤ پوری زرہیں کہ پہننے والے پر زمین تک لٹکتی رہیں اور جوڑنے
 میں مناسب اندازہ رکھو یعنی زرہ کی بناوٹ میں زرہ بنانے والے کو سرا دیا جاتا ہے یعنی اس طرح اس کو بناؤ کہ اس کی کڑیاں
 مناسب رہیں اور تم سب نیک کام کرتے رہو داؤد کے خاندان والوں میں تمہارے سب اعمال خوب دیکھ رہا ہوں ہذا ان کا تمہیں
 بدلہ ملے گا اور ہم نے مسخر کر دیا سلیمان کے لیے ہوا کو اور ایک قراءت میں الریح رفع کے ساتھ ہے تقدیری عبارت تسخر
 ہوگی کہ ان کی صبح کی منزل اس کی رفتار صبح سے لے کر زوال تک مہینہ بھر کی ہوئی اور شام کی منزل اس کی رفتار زوال سے
 غروب تک مہینہ بھر کی ہوئی یعنی مہینہ کی مسافت کے برابر اور ہم نے بہا دیا پگھلا دیا ان کے لیے تانبے کا چشمہ کے معنی تانبے
 ہیں چنانچہ تین دن رات پانی کی طرح تانبہ کا چشمہ بہتا رہا اور لوگ آج تک اسی کو کام لارہے ہیں جو سلیمان کو عطا ہوا تھا اور
 جنات میں کچھ وہ تھے جو ان کے آگے پروردگار کے حکم سے کام کرتے رہتے اور ان میں سے جو کوئی سرتابی حکم عدولی کرے
 ہمارے حکم سے جو اس کی اطاعت کے بارے میں ہو تو ہم اسے دوزخ کا مزہ چکھادیں گے آخرت کی آگ کا اور بعض نے
 دنیا میں آگ مراد لی ہے کہ فرشتہ آگ کا کوڑا مارتا ہے جس سے وہ جنات بھسم ہو جاتے ہیں سلیمان کے لیے وہ سب کچھ بنا
 دیتے جو وہ چاہتے تھے بڑی بڑی عمارتیں بلند عمارتیں کہ جن کی طرف زینوں کے ذریعہ چڑھا جاتا ہے اور جسے بنانا حرام نہ تھی
 اور بڑے بڑے لگن حوض جیسے یعنی ایسے بڑے پرتھال جن، تمثال کی جمع ہے ایک قسم کی مورتی یعنی تانبہ اور شیشہ اور خاص قسم
 کے پتھر سنگ مرمر کی مورتیاں بناتے ان کی شریعت میں مورت و صورت میں ہزار ہزار آدمی کھانا کھاتے تھے اور جمی ہوئی
 دیکیں گڑھی ہوئیں جن کے پائے بھی تھے اپنی جگہ سے ہلتی نہیں تھیں یعنی پہاڑوں سے تراشی گئی تھیں یمن میں ان پر سبز ہیاں
 لگا کر چڑھا جاتا تھا اور ہم نے حکم دیا کہ اے داؤد کے خاندان والو! تم سب اللہ کی اطاعت کے کام کرتے ہو شکر گذاری
 میں تمہیں جو نعمتیں ملی ہیں ان کے شکر یہ میں اور میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہوتے ہیں جو شکر نعمت کے طور پر میری
 فرمانبرداری کرتے ہوں پھر جب ہم نے ان سلمان پر موت کا حکم جاری کر دیا یعنی ان کی وفات ہو گئی اور سال بھر تک عصا

کے سہارے ان کی نعش لکڑی رہی اور جنات معمول کے مطابق دشوار کام انجام دیتے رہے انہیں اس وقت تک ان کی وفات کا پتہ نہ چل سکا جب تک لکڑی کو کھن کے کیڑے نے نہ کھالیا اور ان کی نعش گر پڑی تو کسی چیز نے انکی موت کا پتہ نہ دیا بجز گھن کے کیڑے کے ارض مقدر ہے ارض الخشبہ بصیغہ مجہول بولتے ہیں کہ زمینی کیڑے نے لکڑی کو کھالیا کہ سلیمان کے عصا کو کھاتا رہا منساة ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بجائے الف کے ساتھ ہاتھ کی لکڑی کو کہتے ہیں کیونکہ آلہ دفاع ہوتی ہے سو جب وہ گر پڑے مردہ ہو کر جنات پر حقیقت ظاہر منکشف ہوئی کہ اگر وہ ان مخلفہ ہے یعنی اگر وہ غیب داں ہوتے مجملہ اس کے سلیمان کی موت ان سے غائب رہتی تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے دشوار گزار کاموں میں انہیں زندہ سمجھ کر لگے رہے حالانکہ علم غیب ان کے گمان کے برخلاف نکلا اور ایک سال مدت اس حساب سے معلوم ہوئی کہ مثلاً ایک دن رات میں کیڑے نے کتنا عصا کھایا سبادالوں کے لیے لفظ سبباً منصرف غیر منصرف دونوں طرح ہے عرب کا ایک قبیلہ ہے کہ جس کا نام دادا کے نام پر پڑا تھا ان کے وطن یمن میں نشان موجود تھا اللہ کی قدرت پر دلالت کرنے والا دو قطاریں باغ کی تمھیں یہ بدل واقع ہے دائیں اور بائیں وادی کے دائیں بائیں مراد ہے انھیں حکم دیا گیا کہ اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ کہ سبکی سرزمین میں تمہیں نعمتوں کی روزی دی شہر پاکیزہ جس میں چھڑکھی پو پو بچھوسانپ تک کا نشان نہیں تھا کوئی پردہ لسی اگر وہاں سے گذرتا تو وہاں کی ہوا کے اثر سے اس کے کپڑوں کی جوئیں مرجا تیں اور اللہ رب ہے گناہ بخشنے والا انھوں نے سرتابی کی اللہ کا شکر بجالانے سے اور کفر کیا تو ہم نے ان پر بند کاسیلاب چھوڑ دیا عرم عرمة کی جمع ہے پانی روکنے کا ڈیم اور بند وغیرہ کے ذریعہ ضرورت کی خاطر یعنی ان کی وادی کا مذکورہ طریقہ پر رکھا ہوا پانی جس کے نتیجے میں ان کے باغات اور مال برباد ہو گئے اور ہم نے ان کے در یہ باغوں کے عوض دو باغ اور دیدیے جو ذواتی تشبیہ ہے ذوات مفرد کا اصل کے اعتبار سے ہدمزہ پھل کڑوا بد ذائقہ اکل مضاف ہے بمعنی ماکول اور ترک اضافت کے ساتھ اگلا جملہ اس پر عطف ہو رہا ہے اور جھاؤ اور قدرے قلیل بیری والے تھے یہ تبدیلی ہم نے ان کی ناسپاسی ناشکری کے سبب سزا دی تھی اور ہم ایسی سزا بڑے ناشکرے ہی کو دیا کرتے ہیں بجازی یا اور نون کے ساتھ اور زاء پر کسرہ کے ساتھ اور کفوف منصوب ہے یعنی یہ سرزنش صرف کفران نعمت کرنے والے کو دی جاتی ہے اور ہم نے ان کو یمن میں سبادالوں کے اور ان کی بستیوں کے درمیان جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی پانی اور درختوں کی وجہ سے اور یہ شام کی آبادیاں تھیں جن کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو دکھائی دیتے تھے شام سے یمن تک مسلسل تھے اور ہم نے ان دیہات کے درمیان سفر کا ایک خاص انداز مقرر کر دیا تھا اس طرح کہ اگر ایک بستی میں دو پہر کا آرام کرتے تھے تو دوسری بستی میں شب گذاری کر لیتے تھے سفر ختم ہونے تک یہی سلسلہ رہتا اور انھیں زادراہ اٹھا کر چلنے کی ضرورت پیش نہ آتی اور ہم نے حکم دیا کہ دن رات بے کھلکے سفر کرتے رہو نہ رات میں کوئی خطرہ تھا اور نہ دن میں پھر وہ کہنے لگے اے ہمارے پروردگار درازی کر دے اور ایک قراءت میں باعد ہے ہمارے سفروں میں شام کی جانب انھیں جنگلوں میں تبدیل کر دے تاکہ انھیں فقراء کے مقابلہ میں سوار یوں پر سوار ہو کر نکلنے اور ناشتے ساتھ لے جانے کی وجہ سے گھمنڈ دکھانے کا موقع مل سکے چنانچہ انھوں نے نعمت پر اترنا شروع کر دیا اور اپنی جانوں پر انھوں نے کفر کر کے تم ڈھایا سو ہم نے اسے افسانہ بنا دیا بعد والوں کے لیے اس بارے میں اور ان کو بالکل تتر بتر کر کے

رکھ یا شہروں میں ایک لخت پھیلا کر رکھ دیا اس مذکورہ واقعہ میں بڑی بڑی نشانیاں عبرتیں ہیں ہر ایک گناہوں سے بچنے والے اور نعتوں پر شکر گذاری کرنے والے کے لیے اور واقعی سچ کر دکھلایا تخفیف اور تشدید دونوں کے ساتھ ان لوگوں کے بارے میں یعنی کفار کے متعلق جن میں سب کے باشندے بھی ہیں ابلیس نے اپنا گمان کہ وہ اس کے بہکانے میں آ کر اس کی پیروی کر بنیں گے چنانچہ یہ لوگ اسی کی راہ پر ہو لیے صدق تخفیف کی صورت میں اگر ہے تو ترجمہ ہوگا کہ اس کا گمان سچ ثابت ہوا اور تشدید کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اس نے اپنا گمان سچ کر دکھلایا بجز الالکن کے معنی میں ہے ایمان والوں کے گروہ کے من بیان یہ ہے یعنی اہل ایمان نے اس کی پیروی نہیں کی اور ابلیس کا تسلط ہماری جانب سے ان لوگوں پر بجز اس کے کسی اور وجہ سے نہیں کہ ہم کھلے بندوں جاننا چاہتے ہیں ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں میں سے جو اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اس لیے ہم ان میں سے ہر ایک کو اس کا بدلہ دیں گے اور آپ کا پروردگار ہر چیز کا محافظ نگہبان ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: فَضَلًا: یعنی تمام لوگوں پر فضیلت دی۔

قوله: وَدَعَوْنَاَهَا: یعنی ہم نے ان کو داد دے کے ساتھ تسبیح کے لیے بلایا۔

قوله: كَوَامِلٍ: مکمل قمیص۔

قوله: حَلْفَهُ: جمع حلق: کڑیاں۔

قوله: بِتَقْدِيرٍ تُسَخَّرُ: یعنی الریح سے پہلے مضارع مقدر تُسَخَّرُ ہے۔

قوله: مَنْ يَعْجَلُ: اس کا عطف الریح پر ہے اور مِنَ الْعَجَنِ یہ حال مقدم ہے۔

قوله: جَفْنَةٌ: جمع جَفَانٍ بڑا پیالہ، بڑھا تھاں، لگن۔

قوله: لَا تَسْحَرَكُ: یعنی بڑے ہونے کی وجہ سے ہلائے نہ جاسکتے تھے۔ بِالسَّلَامِ یہ زہیاں۔

قوله: الْأَرْضَةَ: دیمک کا کیرا۔

قوله: بِالْب: دل سے چاہنا۔

قوله: لَانَهَا يَنْسَاءُ: یہ نسات البعیر سے ہے جب تم اس کو ہانک دو، بھگا دینا، لاٹھی کو مَسَاتَةٌ کہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے بھگایا جاتا ہے۔

قوله: بَعْدَ مَوْتِهِ يَوْمًا وَآيَلَةَ: جب انہوں نے سلیمان کی موت کا وقت جاننا چاہا تو دیمک کو لیکر ایک دن رات لکڑی پر رکھ

تو اس نے جتنا کھایا اس سے حساب لگایا تو وہ ایک سال کا عرصہ بنا۔

قوله: بِالضَّرْفِ: قوم کی تادیل سے سبأ۔ یہ منصرف ہے اور قبیلہ کا نام مانیں تو غیر منصرف ہے۔

تم بھی آواز ملا کر خوش آوازی سے رب کی حمد بیان کرو۔ اور فضل ان پر یہ ہوا کہ ان کیلئے لوہا نرم کر دیا گیا نہ انہیں لوہے کی بھٹی میں ڈالنے کی ضرورت نہ تھوڑے مارنے کی حاجت ہاتھ میں آتے ہی ایسا ہو جاتا تھا جیسے دھاگے، اب اس لوہے سے بفرمان اللہ آپ زرہیں بناتے تھے۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے زرہ آپ ہی نے ایجاد کی ہے۔ ہر روز صرف ایک زرہ بناتے اس کی قیمت چھ ہزار لوگوں کے کھلانے پلانے میں صرف کر دیتے۔ زرہ بنانے کی ترکیب خود اللہ کی سکھائی ہوئی تھی کہ کڑیاں ٹھیک ٹھیک رکھیں حلقے چھوٹے نہ ہوں کہ ٹھیک نہ بیٹھیں بہت بڑے نہ ہوں کہ ڈھیلا پن رہ جائے بلکہ ناپ تول اور صحیح انداز سے حلقے اور کڑیاں ہوں۔ ابن عساکر میں ہے حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر نکلا کرتے اور رعایا کے لوگوں سے مل کر ان سے اور باہر کے آنے جانے والوں سے دریافت فرماتے کہ داؤد کیسا آدمی ہے؟ لیکن ہر شخص کو تعریفیں کرتا ہوا ہی پاتے۔ کسی سے کوئی بات اپنی نسبت قابل اصلاح نہ سنتے۔ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو انسانی صورت میں نازل فرمایا۔ حضرت داؤد کی ان سے بھی ملاقات ہوئی تو جیسے اوروں سے پوچھتے تھے ان سے بھی سوال کیا انہوں نے کہا کہ داؤد ہے تو اچھا آدمی اگر ایک کمی اکسین نہ ہوتی تو کامل بن جاتا۔ آپ نے بڑی رغبت سے پوچھا کہ وہ کیا؟ فرمایا وہ اپنا بوجھ مسلمانوں کے بیت المال پر ڈالے ہوئے ہیں خود بھی اسی میں سے لیتا ہے اور اپنی اہل و عیال کو بھی اسی میں سے کھلاتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ شخص ٹھیک کہتا ہے اسی وقت جناب باری کی طرف جھک پڑے اور گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرنے لگے کہ اللہ مجھے کوئی کام کاج ایسا سکھادے جس سے میرا پیٹ بھر جایا کرے۔ کوئی صنعت اور کاریگری مجھے بتادے جس سے میں اتنا حاصل کر لیا کروں کہ وہ مجھے اور میرے بال بچوں کو کافی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زرہیں بنانا سکھائیں اور پھر اپنی رحمت سے لوہے کو ان کیلئے بالکل نرم کر دیا۔ سب سے پہلے زرہیں آپ نے ہی بنائی ہیں۔ ایک زرہ بنا کر فروخت فرماتے اور اس کی قیمت کے تین حصے کر لیتے ایک اپنے کھانے پینے وغیرہ کیلئے ایک صدقے کیلئے ایک رکھ چھوڑنے کیلئے تاکہ دوسری زرہ بنانے تک اللہ کے بندوں کو دیتے رہیں۔ حضرت داؤد کو نغمہ دیا گیا تھا وہ تو محض بے نظیر تھا اللہ کی کتاب زبور پڑھنے کو بیٹھے۔ آواز نکلتے ہی چرند پرند صبر و سکون کے ساتھ محویت کے عالم میں آپ کی آواز سے متاثر ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ سارے باجے شیاطین نے نغمہ داؤدی سے نکالے ہیں۔ آپ کی بے مثل خوش آوازی کی یہ چڑاؤنی جیسی نقلیں ہیں۔ اپنی نعمتوں کو بیان فرما کر حکم دیتا ہے کہ اب تمہیں بھی چاہئے کہ نیک اعمال کرتے رہو۔ میرے فرمان کے خلاف نہ کرو۔ یہ بہت بری بات ہے کہ جس کے اتنے بڑے اور بے پایاں احسان ہوں۔ اس کی فرمانبرداری ترک کر دی جائے۔ میں تمہارے اعمال کا نگران ہوں۔ تمہارا کوئی عمل چھوٹا بڑا نیک بد مجھ سے پوشیدہ نہیں۔

وَالسَّلِيمَانَ الرِّيحُ عُدُّوْهَا شَهْرٌ وَرَوَّاحُهَا شَهْرٌ ...

حضرت داؤد علیہ السلام کے خصوصی فضائل و انعامات کے ذکر کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا، اسی طرح سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر فرمایا تھا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کو جس پر وہ مع اپنے اہل دربار کے بڑی تعداد میں سوار ہوتے تھے، ہوا ان کے حکم

تسخیر جنات کا مسئلہ:

جنات کی تسخیر جو اس جگہ مذکور ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، اس میں تو کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا اور بعض صحابہ کرام کے متعلق جو روایات میں آیا ہے کہ جنات ان کے مسخر اور تابع تھے، تو یہ تسخیر بھی اسی قسم کی تسخیر باذن اللہ تھی جو بطور کرامت ان حضرات کو عطا کی گئی تھی اس میں کسی عمل و وظیفہ کا کوئی دخل نہیں تھا، جیسا کہ علامہ شربینی نے تفسیر سراج السیر میں اس آیت کے تحت میں حضرت ابو ہریرہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، عمر بن خطاب، ابویوب انصاری، زید بن ثابت وغیرہ کے متعدد واقعات ایسے لکھے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات ان کی اطاعت و خدمت کرتے تھے۔ مگر یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی طرح کچھ جنات کو ان حضرات کا مسخر بنا دیا، لیکن جو تسخیر عمیات کے ذریعہ عالموں میں مشہور ہے وہ قابل غور ہے، کہ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ قاضی بدر الدین شبلی حنفی جو آٹھویں صدی کے علماء میں سے ہیں انہوں نے جنات کے احکام پر ایک مستقل کتاب ”آ کام المرجان فی احکام الجنان“ لکھی ہے۔ اس میں بیان کیا ہے کہ جنات سے خدمت لینے کا کام سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے باذن اللہ بطور معجزہ کے کیا ہے، اور اہل فارس جشید بن اوجہان کی طرف منسوب کرتے ہیں، کہ انہوں نے جنات سے خدمت لی ہے۔ اسی طرح آصف بن برخیا وغیرہ جن کا تعلق حضرت سلیمان علیہ السلام سے رہا ہے، ان کے متعلق بھی اسناد جن کے واقعات مشہور ہیں، اور مسلمانوں میں سب سے زیادہ شہرت ابولہر احمد بن ہلال البکلی اور ہلال بن وصیف کی ہے جن سے اسناد جنات کے عجیب و غریب واقعات مذکور ہیں۔ ہلال بن وصیف نے ایک مستقل کتاب میں جنات کے کلمات جو انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش کیے اور جو عہد میثاق سلیمان علیہ السلام نے ان سے لیے ان کو جمع کر دیا ہے۔

قاضی بدر الدین نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ عام طور سے تسخیر جنات کا عمل کر نیوالے عالمین کلمات کفریہ شیطانیہ سے اور سحر سے کام لیتے ہیں، جن کو کافر جنات و شیاطین پسند کرتے ہیں، اور ان کے مسخر و تابع ہونے کا راز صرف یہ ہے کہ وہ ان کے اعمال کفریہ شریک سے خوش ہو کر بطور رشوت کے ان کے کچھ کام بھی کر دیتے ہیں، اور اسی لیے بکثرت ان عملیات میں قرآن کریم کو نجاست یا خون وغیرہ سے لکھتے ہیں جس سے کفار جن اور شیاطین راضی ہو کر ان کے کام کر دیتے ہیں۔ البتہ ایک شخص ابن الامام کے متعلق لکھا ہے کہ یہ خلیفہ معتضد باللہ کے زمانہ میں تھا، جنات کو اس نے اسماء آلہیہ کے ذریعے سے مسخر کیا تھا، اس میں کوئی بات خلاف شرع نہیں تھی۔ (کام المرجان، ص 100)

خلاصہ یہ ہے کہ جنات کی تسخیر اگر کسی کے لیے بغیر قصد و عمل کے محض منجانب اللہ ہو جائے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام اور بعض صحابہ کرام کے متعلق ثابت ہے وہ تو معجزہ یا کرامت میں داخل ہے، اور جو تسخیر عملیات کے ذریعے کی جاتی ہے اس میں اگر کلمات کفریہ بااعمال کفریہ ہوں تو کفر، اور صرف معصیت پر مشتمل ہوں تو گناہ کبیرہ ہے، اور جن عملیات میں ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن کے معنی معلوم نہیں ان کو بھی نقہاء نے اس بنا پر ناجائز کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کلمات میں کفر و شرک یا معصیت پر مشتمل کلمات ہوں، قاضی بدر الدین نے ”آ کام المرجان“ میں ایسے نامعلوم المعنی کلمات کے استعمال کو بھی ناجائز

لکھا ہے۔

اور اگر یہ عمل تسخیر اسماء آلیہ یا آیات قرآنیہ کے ذریعہ ہو اور اس میں نجاست وغیرہ کے استعمال جیسی کوئی معصیت بھی نہ ہو، تو وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مقصود اس سے جنات کی ایذا سے خود بچنا یا دوسرے مسلمانوں کو بچانا ہو، یعنی دفع مضرت مقصود ہو، جلب منفعت مقصود نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس کو کسب مال کا پیشہ بنایا گیا تو اس لیے جائز نہیں کہ اس میں استرقاق حر یعنی آزاد کو اپنا غلام بنانا اور بلا حق شرعی اس سے بیگار لینا ہے، جو حرام ہے۔ واللہ اعلم۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نَذِقْهُ مِنْ عَذَابِ التَّوْبِ ۝ یعنی ہم نے جنات کو سلیمان علیہ السلام کی خدمت و اطاعت کا جو حکم دیا ہے اگر ان میں کوئی فرد اس اطاعت سے انحراف کرے گا تو اس کو آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ اکثر مفسرین نے اس سے آخرت کا عذاب جہنم مراد لیا ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک فرشتہ کو مسلط کر دیا تھا کہ جو جن سلیمان علیہ السلام کی اطاعت میں کوتاہی کرے اس کو آتشیں کوڑے مار کر کام کرنے پر مجبور کرتا تھا (قرطبی) اور اس پر یہ شہ نہیں ہو سکتا کہ جنات تو خود آگ سے بنے ہوئے ہیں، آگ ان پر کیا اثر کرے گی۔ کیونکہ جنات کے آگ سے بننے کا مطلب وہی ہے جو انسان کے مٹی سے بننے کا مطلب ہے، یعنی عنصر غالب انسان کے وجود کا مٹی ہے، مگر اس کو مٹی پتھر سے مارا جائے تو تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح جنات کا عنصر غالب آگ ہے، مگر خالص اور تیز آگ سے وہ بھی نمل جاتے ہیں۔

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَابِرٍ.....

ان آیت میں ان کاموں کی کچھ تفصیل ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام جنات سے لیتے تھے۔ محاریب، محراب کی جمع ہے جو محرابوں کا جمع ہے، بادشاہ اور بڑے لوگ جو اپنے لیے حکومت کا کمرہ بناتے ہیں اس کو بھی محراب کہتے ہیں۔ اور لفظ محراب حرب بمعنی جنگ سے مشتق ہے، کوئی آدمی جو اپنا حکومت کدہ خاص بناتا ہے اس کو دوسروں کی رسائی سے محفوظ رکھتا ہے، اس میں کوئی دست اندازی کرے تو اس کے خلاف لڑائی کرتا ہے۔ اس مناسبت سے مکان کے مخصوص حصہ کو محراب کہتے ہیں۔ مساجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو بھی اسی امتیاز کی بنا پر محراب کہتے ہیں، اور کبھی خود مساجد کو محاریب کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں محاریب بنی اسرائیل اور اسلام میں محاریب صحابہ سے ان کی مساجد مراد ہوتی ہیں۔

مساجد میں محراب کے لیے مستقل مکان بنانے کا حکم:

رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد تک امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو ایک علیحدہ مکان کی حیثیت سے بنانے کا رواج نہیں تھا، قرونِ ادنیٰ کے بعد سلاطین نے اس کا رواج اپنے تحفظ کے لیے دیا اور عام مسلمانوں میں اس کا رواج اس مصلحت سے بھی ہوا کہ امام جس جگہ کھڑا ہوتا ہے وہ پوری صف خالی رہتی ہے۔ نمازیوں کی کثرت اور مساجد کی تنگی کے پیش نظر صرف امام کے کھڑے ہونے کی جگہ دیا اور قبلہ میں گہری گڑ کے بنا دی جاتی ہے، تاکہ اس کے پیچھے پوری صف کھڑی ہو سکیں، چونکہ یہ عریقہ قرونِ ادنیٰ میں نہ تھا اس لیے بعض علماء نے اس کو بدعت کہہ دیا ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے اس

مسئلہ پر مستقل رسالہ بنام اعلام الارانیب فی بدعتہ الحاریب لکھا ہے۔ اور تحقیق اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر اس طرح کی محرابیں نمازیوں کی سہولت اور مسجد کے مصالح کے پیش نظر بنائیں جائیں اور ان کو سنت مقصودہ نہ سمجھا جائے تو ان کو بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں، ہاں اس کو سنت مقصودہ بنا لیا جائے اس کے خلاف کر نیوالے پر تکبیر ہونے لگے تو اس غلو سے یہ عمل بدعت میں داخل ہو سکتا ہے۔

مسئلہ: جن مساجد میں محراب امام ایک مستقل مکان کی صورت میں بنائی جاتی ہے وہاں امام پر لازم ہے کہ اس محراب سے کسی قدر باہر اس طرح کھڑا ہو کہ اس کے قدم محراب سے باہر نمازیوں کی طرف رہیں، تاکہ امام اور مقتدیوں کا مکان ایک شمار ہو سکے، ورنہ یہ صورت مکروہ و ناجائز ہے کہ امام الگ مکان میں تنہا کھڑا ہو، اور سب مقتدی دوسرے مکان میں۔ بعض مساجد میں محراب اتنی وسیع و عریض بنائی جاتی ہے کہ ایک مختصری صف مقتدیوں کی بھی اس میں آجائے، ایسی محراب میں اگر ایک صف مقتدیوں کی بھی محراب میں کھڑی ہو اور امام ان کے آگے پورا محراب میں کھڑا ہو تو امام و مقتدیوں کے مکان کا اشتراک ہو جانے کی وجہ سے کراہت نہیں رہے گی۔

تماثل، تمثال کی جمع ہے۔ قاموس میں ہے کہ تمثال فتح التاء مصدر ہے اور بکسر التاء تمثال تصویر کو کہا جاتا ہے۔ ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ تمثال یعنی تصویر دو طرح کی ہوتی ہے، ایک ذی روح جاندار چیزوں کی تصویر، دوسرے غیر ذی روح بے جان چیزوں کی۔ پھر بے جان چیزوں میں دو قسمیں ہیں۔ ایک جماد جس میں زیادتی اور نمو نہیں ہوتا، جیسے پتھر مٹی وغیرہ، دوسرے نامی جس میں نمو اور زیادتی ہوتی رہتی ہے، جیسے درخت اور کھیتی وغیرہ۔ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ان سب قسم کی چیزوں کی تصویریں بناتے تھے۔ اول تو لفظ تماثل کے عموم ہی سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ یہ تصاویر کسی خاص قسم کی نہیں، بلکہ ہر قسم کے لیے عام تھیں۔ دوسرے تاریخی روایات میں تحت سلیمان پر پرندوں کی تصاویر ہونا بھی مذکور ہے۔

شرح اسلام میں جاندار کی تصویر بنانے اور استعمال کرنے کی ممانعت:

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں جانداروں کی تصاویر بنانا اور استعمال کرنا حرام نہیں تھا، مگر چونکہ پچھلی امتوں میں اس کا مشاہدہ ہوا کہ لوگوں کی تصاویر ان کی یادگار کے طور پر بنائیں اور ان کو اپنے عبادت خانوں میں اس غرض کے لیے رکھا کہ ان کو دیکھ کر ان کی عبادت گزاروں کا نقشہ سامنے آئے تو خود ہمیں بھی عبادت کی توفیق ہو جائے گی مگر رفتہ رفتہ ان لوگوں نے انہی تصویروں کو اپنا معبود بنا لیا، اور بت پرستی شروع ہو گئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں جانداروں کی تصاویر بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں، شریعت اسلام کے لیے چونکہ قیامت تک قائم اور باقی رکھنا تقدیر الہی ہے، اس لیے اس میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ جس طرح اصل حرام چیزوں اور معاصی کو حرام و ممنوع کیا گیا ہے، اسی طرح ان کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی اصل معاصی کے ساتھ ملحق کر کے حرام کر دیا گیا ہے۔ اصل جرم عظیم شرک و بت پرستی ہے، اس کی ممانعت ہوئی تو جن راستوں سے بت پرستی آ سکتی تھی ان راستوں پر بھی شرعی پہرہ بٹھا دیا گیا اور بت پرستی کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی حرام کر دیا گیا۔ ذی روح کی تصاویر کا بنانا اور استعمال کرنا

اسی اصول کی بنا پر حرام کیا گیا، رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ متواترہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

اسی طرح شراب حرام کی گئی تو اس کی خرید، فروخت، اس کو لانے لے جانے کی مزدوری اس کی صنعت سب حرام کر دی گئی جو شراب نوشی کے ذرائع ہیں۔ چوری حرام کی گئی تو کسی کے مکان میں بلا اجازت داخل ہونا بلکہ باہر سے جھانکنا بھی ممنوع کر دیا گیا زنا حرام کیا گیا تو غیر محرم کی طرف بالقصد نظر کرنے کو بھی حرام کر دیا گیا۔ شریعت اسلام میں اس کی بے شمار نظائر موجود ہیں۔

حرمت تصویر پر ایک عام شبہ اور اس کا جواب:

یہ کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ کے عہد مبارک میں تصاویر کو جس حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا وہ ذریعہ بت پرستی بن سکتی تھی، لیکن آج کل تصویر سے جس طرح کے کام لیے جاتے ہیں، ملزموں کی شناخت، تجارتوں کے خاص مارک، دوستوں عزیزوں سے ملاقات، واقعات و حالات کی تحقیق میں امداد وغیرہ جس کی وجہ سے وہ ضروریات زندگی میں داخل کر لی گئی ہیں اس میں بت پرستی اور عبادت کا کوئی تصور دور دور نہیں، تو یہ ممانعت جو بت پرستی کے خطرہ سے کی گئی تھی اب مرتفع ہو جانی چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ اولاً یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ آج کل تصویر ذریعہ بت پرستی نہیں رہی، آج بھی کتنے فرتے اور گروہ ہیں جو اپنے پیروں کی تصویر کو پوجا پاٹ کرتے ہیں اور جو حکم کسی علت پر دائر ہو، یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر فرد میں پایا جائے۔ اس کے علاوہ تصویر کی ممانعت کا سبب صرف ایک یہی نہیں کہ وہ بت پرستی کا ذریعہ ہے، بلکہ احادیث صحیحہ میں اس کی حرمت کی دوسری وجہ بھی مذکور ہیں۔ مثلاً یہ کہ تصویر سازی حق تعالیٰ کی صفت خاص کی نقالی ہے، مصور حق تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور صورت گری درحقیقت اسی کے لیے سزا دار اور اسی کی قدرت میں ہے کہ مخلوقات کی ہزاروں اجناس اور انواع اور ہر نوع میں اس کے کروڑوں افراد ہوتے ہیں، ایک کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی، انسان ہی کو لے لو تو مرد کی صورت اور عورت کی صورت میں نمایاں امتیاز، پھر عورتوں اور مردوں کے کروڑوں افراد میں دو فرد بالکل یکساں نہیں ہوئے۔ ایسے کھلے ہوئے امتیازات ہوتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو کسی تامل اور غور و فکر کے بغیر ہی امتیاز واضح ہو جاتا ہے۔ یہ صورت گری اللہ رب العزت کے سوا کسی کی قدرت میں ہے، جو انسان کسی جاندار کا مجسمہ یا نقوش اور رنگ سے اس کی تصویر بناتا ہے وہ گویا عملی طور پر اس کا مدعی ہے کہ وہ بھی صورت گری کر سکتا ہے۔ اسی لیے صحیح بخاری وغیرہ کی احادیث میں ہے کہ قیامت کے روز تصویریں بنانے والوں کو کہا جائے گا کہ جب تم نے ہماری نقل اتاری تو اس کو مکمل کر کے دکھاؤ، اگر تمہارے بس میں ہو کہ ہم نے تو صرف صورت ہی نہیں بنائی اس میں روح بھی ڈالی ہے۔ اگر تمہیں اس تخلیق کا دعویٰ ہے تو اپنی بنائی ہوئی صورت میں روح بھی ڈال کر دکھاؤ۔

ایک سبب تصویر کی ممانعت کا احادیث صحیحہ میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ کے فرشتوں کو تصویر اور کتے سے نفرت ہے جس گھر میں یہ چیزیں ہوتی ہیں، اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، جس کے سبب اس گھر کی برکت اور نورانیت مٹ جاتی

ہے، گھر میں بسنے والوں کو عبادت و اطاعت کی توفیق گھٹ جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ مشہور مقولہ بھی غلط نہیں کہ ”خانہ خالی راد پوی میرد یعنی خالی گھر پر جن بھوت قبضہ کر لیتے ہیں جب کوئی گھر رحمت کے فرشتوں سے خالی ہوگا تو شیاطین اس کو گھیر لیں گے اور ان کے بسنے والوں کے دلوں میں گناہوں کے دوسے اور پھر ارادے پیدا کرتے رہیں گے۔

ایک سبب بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ تصویریں دنیا کی زائد از ضرورت زینت ہیں اور اس زمانے میں جس طرح تصاویر سے بہت سے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں ہزاروں جرائم اور فحاشی بھی انہی تصاویر سے جنم لیتے ہیں۔ غرض شریعت اسلام نے صرف ایک وجہ سے نہیں، بہت سے اسباب پر نظر کر کے جاندار کی تصاویر بنانے اور اس کے استعمال کرنے کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اب اگر کسی خاص فرد میں فرض کر لیں کہ وہ اسباب اتفاق سے موجود نہ ہوں تو اس اتفاقی واقعہ سے قانون شرعی نہیں بدل سکتا۔

صحیح بخاری و مسلم میں بروایت عبداللہ بن مسعود یہ حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اشد الناس عذاباً یوم القیمة المصورون، یعنی سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے۔ اور بعض روایات حدیث میں تصویر بنانے والوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، اور صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((کل مصور فی النار)) الحدیث، یعنی ہر مصور جہنم میں جائے گا۔

اس مسئلہ کے متعلق روایات حدیث اور تعامل سلف کے شواہد تفصیل کے ساتھ احقر نے اپنے رسالہ ”التصویر لادھام التصویر“ میں جمع کر دیئے ہیں، اور لوگوں کے شبہات کے جوابات بھی اس میں مفصل ہیں، ضرورت ہو تو اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔

فوٹو کی تصویر بھی تصویر ہی ہے:

بعض لوگوں کا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ فوٹو تصویر سے خارج ہے، کیونکہ وہ تو ظل اور عکس ہے، جیسے آئینہ اور پانی وغیرہ میں آ جاتا ہے تو جس طرح آئینہ میں اپنی صورت دیکھنا جاتا ہے ایسے ہی فوٹو کی تصویر بھی جاتا ہے۔ جواب واضح ہے کہ عکس اور ظل اس وقت تک عکس ہے جب تک وہ کسی ذریعہ سے قائم اور پائدار نہ بنا لیا جائے، جیسے آئینہ یا پانی میں اپنا عکس جس وقت پانی کے مقابلہ سے آپ ہٹ جائیں گے ختم ہو جائے گا، اگر آئینہ کے اوپر کسی سالہ یا آلہ کے ذریعہ اس صورت کے عکس کو پائیدار بنا دیا جائے تو یہی تصویر ہو جائے گی، جس کی حرمت و ممانعت احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ فوٹو کی مفصل بحث بھی رسالہ مذکورہ تصویر میں لکھ دی گئی ہے۔

جفان، جفنہ کی جمع ہے، جو پانی کے بڑے برتن جیسے تشلہ یا مٹ وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔ کالجواب، جابہ کی جمع ہے، چھوٹے حوض کو جابہ کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ پانی بھرنے کے بڑے برتن ایسے بناتے ہیں جس میں چھوٹے حوض کے برابر پانی آتا ہے۔ قدر قدر بکسر القاف کی جمع ہے، ہنڈیا کو کہا جاتا ہے۔

ریایات، اپنی جگہ ٹھہری ہوئی۔ مراد یہ ہے کہ اتنی وزنی اور بڑی دیگیں بناتے تھے جو ہلائے نہ ملیں، اور ممکن ہے کہ یہ دیگیں پتھر سے تراش کر پتھر ہی کے چولہوں پر لگی ہوئی بناتے ہوں جو ناقابل حمل و نقل ہوں۔ امام تفسیر ضحاک نے قدور ریایات کی یہی تفسیر کی ہے۔

إِغْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۰﴾ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے نواز اور مخصوص انعامات عطا فرمائے، ان کا بیان فرمانے کے بعد ان کو مع ان کے اہل و عیال کے شکر گزاری کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے۔

شکر کی حقیقت اور اس کے احکام:

قرطبی نے فرمایا کہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا اعتراف کرے کہ یہ نعمت فلاں نعم نے دی ہے اور پھر اس کو اس کی اطاعت و مرضی کے مطابق استعمال کرے، اور کسی کی دی ہوئی نعمت کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال کرنا ناشکری اور کفرانِ نعمت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکر جس طرح زبان سے ہوتا ہے اسی طرح عمل سے بھی شکر ہوتا ہے، اور عملی شکر اس نعمت کا منعم کی اطاعت و مرضی کے مطابق استعمال ہے اور ابو عبد الرحمن سلمیٰ نے فرمایا کہ نماز شکر ہے، روزہ شکر ہے اور ہر نیک کام شکر ہے، اور محمد بن کعب قرظی نے فرمایا کہ شکر تقویٰ اور عمل صالح کا نام ہے۔ (ابن کثیر)

آیت مذکورہ میں قرآن حکیم نے حکم شکر کے لیے مختصر لفظ اشکرونی کے بجائے اعملوا شکرًا استعمال فرما کر شاید اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ آل داؤد سے مطلوب شکر عملی ہے، چنانچہ اس حکم کی تعمیل حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام اور ان کے خاندان نے قول و عمل دونوں سے اس طرح کی کہ ان کے گھر میں کوئی دقت ایسا نہ گزرتا تھا جس میں گھر کا کوئی فرد اللہ کی عبادت میں نہ لگا ہوا ہو۔ افراد خاندان پر اوقات تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کا مصلیٰ کسی دقت نماز پڑھنے والے سے خالی نہ رہتا تھا۔ (ابن کثیر)

بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نمازوں میں اللہ کے نزدیک محبوب تر نماز داؤد علیہ السلام کی ہے، وہ نصف رات سوتے تھے پھر ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے تھے، پھر آخری چھٹے حصہ میں سوتے تھے اور سب روزوں میں محبوب تر اللہ کے نزدیک صیام داؤد علیہ السلام ہیں کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

(ابن کثیر)

حضرت فضیل سے منقول ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ حکم شکر نازل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے پروردگار میں آپ کا شکر کس طرح پورا کر سکتا ہوں جب کہ میرا شکر قوی ہو یا عملی وہ بھی آپ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے، اس پر بھی مستقل شکر واجب ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: الا ان شکرתי یا داؤد، یعنی اے داؤد اب آپ نے شکر ادا کر دیا، کیونکہ حق شکر ادا کرنے میں اپنے عجز و قصور کو سمجھ لیا اور اعتراف کر لیا۔

حکیم ترمذی اور امام ابو بکر جصاص نے حضرت عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: إِغْمَلُوا آلَ

داؤد شکراً، تو رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے اور اس آیت کو تلاوت فرمایا پھر ارشاد فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو پورا کر لے تو جو فضیلت آل داؤد کو عطا کی گئی تھی وہ اس کو بھی مل جائے گی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ تین کام کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ رضا اور غضب کی دونوں حالتوں میں انصاف پر قائم رہنا، اور غنا اور فقر کی دونوں حالتوں میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا، اور خفیہ اور علانیہ دونوں حالتوں میں اللہ سے ڈرنا۔ (قرطبی احکام القرآن ج ۵ ص ۱۰۰)

وَ قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴿۱۰﴾ شکر کے حکم اور تاکید کے بعد اس واقعہ کا بھی اظہار فرمایا کہ میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوں گے۔ اس میں بھی مؤمن کے لیے تشبیہ اور تحریض ہے شکر پر۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ.....

حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا عجیب واقعہ:

اس واقعہ میں بہت سی ہدایات ہیں، مثلاً یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جن کو ایسی بے مثل حکومت و سلطنت حاصل تھی کہ صرف ساری دنیا پر ہی نہیں بلکہ جنات اور طیور اور ہوا پر بھی ان کی حکومت تھی، مگر ان سب سامانوں کے باوجود موت سے ان کو بھی نجات نہ تھی۔ اور یہ کہ موت تو مقررہ وقت پر آتی تھی، بیت المقدس کی تعمیر جو حضرت داؤد علیہ السلام نے شروع کی، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تکمیل فرمائی، اس میں کچھ کام تعمیر کا باقی تھا، اور یہ تعمیر کا کام جنات کے سپرد تھا جن کی طبیعت میں سرکشی غالب تھی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے خوف سے کام کرنے تھے، ان کی وفات کا جنات کو علم ہو جائے تو فوراً کام چھوڑ بیٹھیں، اور تعمیر رہ جائے۔ اس کا انتظام حضرت سلیمان علیہ السلام نے باذن ربانی یہ کیا کہ جب موت کا وقت آیا تو موت کی تیاری کر کے اپنے محراب میں داخل ہو گئے، جو شفاف شیشے سے بنی ہوئی تھی، باہر سے اندر کی سب چیزیں نظر آتی تھیں، اور اپنے معمول کے مطابق عبادت کے لیے ایک سہارا لے کر کھڑے ہو گئے کہ روح پرواز کرنے کے بعد بھی جسم اس عصا کے سہارے اپنی جگہ جم رہے۔ سلیمان علیہ السلام کی روح وقت مقرر پر قبض کر لی گئی مگر وہ اپنے عصا کے سہارے اپنی جگہ جمے ہوئے باہر سے ایسے نظر آتے تھے کہ عبادت میں مشغول ہیں، جنات کی یہ مجال نہ تھی کہ پاس آ کر دیکھ سکتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو زندہ سمجھ کر کام میں مشغول رہے، یہاں تک کہ سال بھر گزر گیا، اور تعمیر بیت المقدس کا بقیہ کام پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے گھن کے کیڑے کو جس کو فارسی میں دیوک اور اردو میں دیمک کہا جاتا ہے، اور قرآن کریم نے اس کو دابة الارض کے نام سے موسوم کیا ہے، عصائے سلیمانی پر مسلط کر دیا۔ دیمک نے عصا کی لکڑی کو اندر سے کھا کر کمزور کر دیا، عصا کا سہارا ختم ہوا تو سلیمان علیہ السلام گر گئے، اس وقت جنات کو ان کی موت کی خبر ہوئی۔

جنات کو اللہ تعالیٰ نے در دراز کی مسافت چند لمحوں میں قطع کر لینے کی قوت عطا فرمائی ہے وہ بہت سے ایسے حالات و واقعات سے واقف ہوتے تھے، جن کو انسان نہیں جانتے، جب وہ انسانوں کو ان واقعات کی خبر دیتے تو انسان یہ سمجھتے تھے کہ یہ غیب کی خبر ہے اور جنات کو بھی علم غیب حاصل ہے، خود جنات کو بھی علم غیب کا دعویٰ ہو تو بعید نہیں، موت کے اس عجیب واقعہ نے اس کی بھی حقیقت کھول دی۔ خود جنات کو بھی پتہ چل گیا اور سب انسانوں کو بھی کہ جنات عالم الغیب نہیں ہیں، کیونکہ

ان کو غیب کا علم ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت سے ایک سال پہلے ہی باخبر ہو جاتے۔ اور یہ سال بھر کی موت و شہادت جو ان کو زندہ سمجھ کر برداشت کرتے رہے اس سے بچ جاتے۔ آیت کے آخری جملے میں سی کا بیان ہے۔ فَلَمَّا حَضَرَ ثَمِينَتِ الْجِنِّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْهَيْنِ ۗ اِس میں مذاہب مہین سے مراد وہ موت و شہادت کا کام ہے جس پر تعمیر بیت المقدس کی تکمیل کے لیے ان کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے لگا دیا تھا۔ سلیمان علیہ السلام کی موت کا یہ عجیب واقعہ ہوتو خود قرآن کی اس آیت میں مذکور ہے، باقی تفصیل حضرت ابن عباس وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے جو ابن کثیر وغیرہ سب تفاسیر میں نقل کی گئی ہے۔

اس عجیب واقعہ سے یہ عبرت بھی حاصل ہوئی کہ موت سے کسی کا چھٹکارا نہیں، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کو جو کام لینا ہوتا ہے اس کا جس طرح چاہیں انتظام کر سکتے ہیں، جیسا اس واقعہ میں ہوا کہ موت کے باوجود سلیمان علیہ السلام کو سال بھر تک اپنی جگہ قائم رکھ کر جنات سے کام پورا کرایا۔ اور یہ بھی کہ دنیا کے سارے اسباب و آفات اسی وقت تک اپنا کام کرتے ہیں جب تک منظور حق ہوتا ہے، جب منظور نہیں ہوتا تو آفات و اسباب جو اب دے دیتے ہیں، جیسے یہاں عصا کا سہارا دیکھ کے ذریعہ ختم کر دیا گیا۔ اور یہ بھی کہ سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد خطرہ تھا کہ لوگ جنات کے حیرت انگیز عمل اور کارناموں اور بظاہر غیب کی چیزوں سے ان کے باخبر ہونے وغیرہ کے اعمال عجیبہ کو دیکھ کر کہیں انہی کو اپنا معبود نہ بنا بیٹھیں، اس خطرہ کو بھی اس واقعہ موت نے ختم کر دیا، سب کو جنات کی بے خبری اور بے بسی معلوم ہو گئی۔

تقریر مذکور سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سلیمان علیہ السلام نے موت کے وقت اس خاص طریقہ کو دو وجہ سے اختیار کیا تھا، دل یہ کہ تعمیر بیت المقدس کا باقی ماندہ کام پورا ہو جائے، دوسرے یہ کہ ان لوگوں پر جنات کی بے خبری اور بے بسی واضح ہو جائے تاکہ ان کی عبادت کا خطرہ نہ رہے۔ (قرطبی)

امام نسائی نے ہنادیج صحیح حضرت عبداللہ بن عمرو سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے چند دعائیں کہیں، جو مقبول ہوئیں۔ ان میں ایک دعا یہ ہے کہ جو شخص اس مسجد میں صرف نماز کی نیت سے داخل ہو (اور کوئی دنیاوی غرض نہ ہو) اس مسجد سے نکلنے سے پہلے اس کو تمام گناہوں سے ایسا پاک کر دے جیسا کہ اس وقت پاک تھا جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

اور سدی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہونے پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے بطور شکرانہ کے بارہ ہزار گائے نیک اور بیس ہزار بکریوں کی قربانی کر کے لوگوں کو دعوت عام دی اور اس دن کی خوشی منائی، اور صخرہ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگیں کہ یا اللہ آپ نے ہی مجھے یہ قوت اور وسائل عطا فرمائے، جن سے تعمیر بیت المقدس مکمل ہوئی تو یا اللہ مجھے اس کی بھی توفیق دیجئے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں اور مجھے اپنے دین پر وفات دیجئے اور ہدایت کے بعد میرے قلب میں کوئی زلیغ اور کجی نہ ڈالئے۔ اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار جو شخص اس مسجد میں داخل ہو میں اس کے لیے آپ سے پانچ چیزیں مانگتا ہوں۔ ایک یہ کہ جو گناہگار تو بہ کرنے کے لیے اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کی توبہ قبول فرمائیں اور اس کے گناہوں کو معاف فرمادیں۔ دوسرے یہ کہ جو آدمی کسی خوف و خطرہ سے بچنے کے لیے

اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کو امن دے دیں، اور خطرات سے نجات عطا فرمادیں۔ تیسرے یہ کہ جو بیمار آدمی اس میں داخل ہو اس کو شفا عطا فرمادیں۔ چوتھے یہ کہ جو فقیر آدمی اس میں داخل ہو اس کو غنی کر دیں۔ پانچویں یہ کہ جو شخص اس میں داخل ہو جب تک وہ اس میں رہے آپ اپنی نظر عنایت و رحمت اس پر رکھیں۔ بجز اس شخص کے جو کسی ظلم یا بے دینی کے کام میں مشغول ہو۔ (قرطبی)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر کا کام حضرت سلیمان علیہ السلام کی حیات میں مکمل ہو چکا تھا، مگر جو واقعہ اوپر مذکور ہوا ہے وہ کچھ اس کے منافی نہیں کہ اصل تعمیر مکمل ہونے کے بعد بڑی تعمیرات میں کچھ کام رہا کرتے ہیں وہ باقی ہوں ان کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مذکورہ تدبیر اختیار کی ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ موت کے بعد عصا کے سہارے حضرت سلیمان علیہ السلام ایک سال کھڑے رہے۔ (قرطبی) اور بعض روایات میں ہے کہ جب جنات کو یہ معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کی موت کو عرصہ ہو گیا ہم بے خبر رہے تو مدت موت معلوم کرنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ ایک لکڑی پر دیمک چھوڑ دی، ایک دن رات میں جتنی لکڑی دیمک نے کھائی اس سے حساب لگایا کہ عصا کے سہارے سلیمانی پر ایک سال اس طرح گزرا ہے۔

فائدہ: بغوی نے علماء تاریخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر کل تریپن سال کی ہوئی، اور ان کی سلطنت و حکومت چالیس سال رہی، تیرہ ماں کی عمر میں سلطنت کا کام سنبھال لیا تھا، اور بیت المقدس کی تعمیر اپنی سلطنت کے چوتھے سال میں شروع کی تھی۔ (منظری، قرطبی)

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكِنِهِمْ آيَةٌ ۝

تو م سبأ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات، پھر ناشکری کی وجہ سے نعمتوں کا سلوب ہونا:

سبأ ایک قوم تھی جو اپنے جد اعلیٰ سبأ بن یثجب کی طرف منسوب تھی، یہ لوگ یعرب بن قحطان کی اولاد سے تھے اور یمن میں رہتے تھے، اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کو بہت نوازا تھا، دائیں بائیں باغوں کی قطاریں چلی گئی تھیں، انہیں میں رہتے بہتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں استعمال کرتے تھے، ان کے عاقہ کا نام مارب تھا جو شہر صنعاء سے (جواب بھی موجود ہے) تین دن کی مسافت پر تھا، ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے رب کے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر بھی کیا کرو۔ روح المعانی میں مجمع البیان سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کی تیرہ بستیاں تھیں اور ہر بستی میں اللہ تعالیٰ کا ایک ایک نبی مبعوث ہوا تھا جو انہیں اس بات کی ترغیب دیتا تھا کہ اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: بَلَدًا كَاتِبَةً (کہ یہ جگہ جہاں تم بستے ہو عہدہ جگہ ہے) جس کی آب و ہوا بھی اچھی ہے اور سرزمین بھی کاشت وغیرہ کے اعتبار سے بہترین ہے نہ اس میں جو یمن کی مانند کھٹل نہ دوسرے کیڑے بکڑے۔ (من روح المعانی)

وَرَبُّكَ غَفُورٌ ۝ اور تمہارا رب بخشنے والا ہے۔ اس کی عبادت اور شکر گزاری میں لگے رہو، کوئی قصور اور گناہ ہو جائے تو معافی مانگ لو وہ بخش دے گا۔

یہ لوگ ان نعمتوں میں مست تھے، جس کو اللہ تعالیٰ نے نعمتیں دی ہوں اسے خود اپنے ہوش گوش کے ساتھ اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے لیکن ان لوگوں نے توجہ دلانے پر بھی شکر ادا نہ کیا، جسے فَأَعْرَضُوا سے تعبیر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ناشکری کی سزا دے دی اور ان پر عذاب بھیج دیا، یہ عذاب کیا تھا ایک سیلاب تھا اور یہ سیلاب بھی سخت تھا، جو بند بنا ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا اور سیلاب نے ان کے گھر کو، مکانوں کو، باغوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ وہ جو باغوں کی قطاریں تھیں سب برباد ہو گئیں اور ان کی جگہ ایسے باغ نکل آئے جن کے پھل کڑوے تھے اور کچھ جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ بیری کے، اب تو انسوس کے ساتھ ہاتھ ملتے ہوئے رہ گئے لیکن ”اب پچھتائے کیا ہوت جب سب کچھ بہا کر لے گیا سیلاب۔“ سیلاب کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا: وَ هَلْ نُجِزِي إِلَّا الْكُفُورَ ۝ (اور ہم سزا نہیں دیتے مگر ناشکرے ہی کو) لفظ الْكُفُورَ ۝ میں سب سے بڑی ناشکری یعنی کفر بھی داخل ہے اور مدعیان اسلام کی قولی و عملی ناشکری بھی، ناشکر آ آدمی یہ نہیں سمجھتا کہ میری نعمتیں چھینی بھی جاسکتی ہیں، اپنی نعمتوں میں مست رہتا ہے انہیں گناہوں میں خرچ کر کے ناشکری میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے، پھر سزا میں پکڑ لیا جاتا ہے۔

سورۃ النحل میں فرمایا ہے: (وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يٰۤاٰتِيهَا رِزْقٌهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعِمِ اللّٰهُ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسِ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ) (اور اللہ تعالیٰ ایک ایسی بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ امن و اطمینان میں تھے ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں، سو انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی بے قدری کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی حرکات کے سبب انہیں ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔)

اس کے بعد ان لوگوں کے انعامات کا اور ان کی ناشکریوں کا کچھ مزید تذکرہ فرمایا، ارشاد فرمایا (وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بُوْءْنَا فِيْهَا قُرْبٰى طٰهَرَةً) (اور ہم نے ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو ظاہر تھے) یہ گاؤں بربل سڑک تھے، جب ایک بستی سے دوسری تک گزرتا ہوتا تھا تو یہ گاؤں نظر آتے تھے، اگر کوئی ٹھہرنا چاہتا تو ان میں ٹھہر سکتا تھا اور یوں بھی بار بار آبادی نظر آنے سے سفر کی وحشت اور دہشت کم ہو جاتی ہے، آبادیوں کا برابر مسلسل اور متصل ہونا یہ بھی اہل سبام پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ الَّتِي بُوْءْنَا فِيْهَا سے ملک شام کی بستیاں مراد ہیں، جب یہ لوگ اپنے علاقہ سے ملک شام جاتے تھے تو راستہ میں قریب قریب بہت سی بستیاں آتی تھیں جن کے قریب سے گزرتے تھے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ برکت والی بستیوں سے خود اہل سبام کی بستیاں مراد ہیں، جو بڑی بڑی بستیاں تھیں، اور قُرْبٰى طٰهَرَةً سے چھوٹی بستیاں مراد ہیں جو بڑی بستیوں سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر واقع تھیں اور سفر کرنے والے کو عموماً نظر آتی تھیں۔

وَ قَدَرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ (اور ہم نے ان کے درمیان ان کے چلنے کا ایک خاص انداز رکھا تھا) یعنی ان بستیوں کے درمیان جو مسافت تھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مقدار مسین کے ساتھ رکھی تھی، مثلاً کوئی شخص صبح کو روانہ ہوتا تو دو پہر ہونے تک دوسری بستی میں پہنچ جاتا اور ظہر کے بعد چلتا تو غروب آفتاب تک دوسری بستی میں پہنچ جاتا تھا۔ کھانہ دانہ ساتھ لینے کی ضرورت

نہ ہوتی تھی اور دشمن کا بھی کوئی خوف نہ تھا۔ بعض مفسرین نے بطور مثال مناسب اندازہ کے رفتار کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ بات کہی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک بستی سے لے کر دوسری بستی تک ایک میل کی مسافت تھی۔

سَيُذَوِّدُ فِيهَا لِيَمِيَّاتٍ ۝ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے امان کر دیا گیا کہ تم ان بستیوں کے درمیان راتوں کو اور دن کو یعنی جب چاہو امن و امان کے ساتھ سفر کرو) تمہارے راتوں کے سفر بھی پر امن ہیں جبکہ ان میں چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ رہتا ہے اور دن کے اسفار بھی پر امن ہیں، بغیر کسی خوف کے جب تک اور جہاں تک چاہو سفر کرو۔

فَقَالُوا رَبَّنَا بَعْدَ هَٰذِهِ اَنْفُسُنَا اَنْفُسُنَا وَظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا فَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيثَ ۝ وَمَرْثُهُمْ كُلٌّ مُّمْرَقَاتٍ ۝

”یعنی ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی کہ سفر کی تکلیف ہی نہ رہے ناقدری اور ناشکری کر کے خود یہ دعائیں کہی کہ ہمارے سفر میں بھد پیدا کر دے، قریب قریب کے گاؤں نہ رہیں، جنگل بیابان آئے، جس میں کچھ محنت و مشقت بھی اٹھانی پڑے۔ ان کی مثال وہی ہے جو بنی اسرائیل کی تھی کہ بے محنت بہترین رزق من و سلویٰ ان کو ملتا تھا، اس سے انکے اللہ سے یہ مانگا کہ اس کے بجائے ہمیں سبزی ترکاری دے دیجئے، حق تعالیٰ نے ان کی ناشکری اور نعمت کی بے قدری پر وہ سزا جاری فرمائی جو اوپر سبیل عرم کے عنوان سے مذکور ہوئی ہے۔ اسی کا آخری نتیجہ اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ ان کو ایسا تباہ و برباد کیا کہ دنیا میں ان کی پیش و عشرت اور دولت و نعمت کے قصے ہی رہ گئے، اور یہ لوگ افسانہ بن گئے۔

مز قہم، تمزیق سے مشق ہے، جس کے معنی ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ کرنے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس مقام شہر ماب کے بسنے والے کچھ ہلاک ہو گئے، کچھ ایسے منتشر ہو گئے کہ ان کے ٹکڑے مختلف ملکوں میں پھیل گئے۔ عرب میں قوم سبا کی تباہی اور منتشر ہونا ایک ضرب المثل بن گیا، ایسے مواقع میں عرب کا محاورہ ہے تفرقوا یا دی سبا، یعنی یہ لوگ ایسے منتشر ہوئے جیسے قوم سبا کے نعمت پروردہ لوگ منتشر ہو گئے تھے۔

ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے اس جگہ طویل قصہ ایک کاہن کا نقل کیا ہے، کہ سیلاب کا عذاب آنے سے کچھ پہلے اس کاہن کو اس کا علم ہو گیا تھا۔ اس نے ایک عجیب تدبیر کے ذریعہ پہلے تو اپنی زمین جائیداد مکان وغیرہ سب فروخت کر دیا، جب رقم اس کے ہاتھ آگئی تو اس نے اپنی قوم کو آنے والے سیلاب و عذاب سے باخبر کیا اور کہا کہ جس کو اپنی جان سلامت رکھنا ہے وہ فوراً یہاں سے نکل جائے۔ اس نے لوگوں کو یہ بھی بتلایا کہ تم میں جو لوگ سفر بعید اختیار کر کے محفوظ مقام کا ارادہ کریں، وہ عمان چلے جائیں اور جو لوگ شراب اور خمیری روٹی اور پھل وغیرہ چاہیں وہ ملک شام کے مقام بصریٰ میں چلے جائیں، اور جو لوگ ایسی سواریاں چاہیں جو کچھڑ میں ثابت قدم رہیں، اور قحط کے زمانے میں کام آئیں اور جلدی سفر کی ضرورت کے وقت ساتھ دیں تو وہ یثرب (مدینہ منورہ) چلے جائیں جس میں کھجور کثرت سے ہے۔ اس کی قوم نے اس کے مشورے پر عمل کیا۔ قبیلہ ازد عثمان کی طرف چلے گئے اور عثمان بصریٰ ملک شام کی طرف اور اوس و خزرج اور بنو عثمان یثرب ذات النخل کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ بطن مر کے مقام پر پہنچ کر بنو عثمان نے تو اسی جگہ کو پسند کر لیا اور یہیں رہ پڑے، اور اسی انقطاع کی وجہ سے بنو عثمان کا لقب خزاعہ ہو گیا۔ یہ بطن مرہ میں جو مکہ مکرمہ کے قریب ہی رہ پڑے اور اوس و خزرج یثرب پہنچ کر مقیم ہو گئے۔ ابن کثیر میں طویل قصہ کے بعد لوگوں کے متفرق مقامات میں منتشر ہو جانے کی یہی تفصیل بسند سعید عن قتادہ عن الشعبي نقل کر کے

فرمایا کہ اس طرح یہ قوم سبکدوش ہو گئی، جس کا ذکر مزقاً ہم کل مزق میں آیا ہے۔

رَنَ فِي ذَلِكَ لَا يَتَّكِنُ صَبْرًا شَكُورًا ⑤ یعنی قوم سبکدوش کے عروج و نزول اور ان کے احوال کے انقلاب میں بڑی نشانی اور عبرت ہے، اس شخص کے لیے جو بہت صبر کرنے والا اور بہت شکر کرنے والا ہو۔ یعنی کوئی مصیبت و تکلیف پیش آئے تو اس پر صبر کرے اور کوئی نعمت حاصل ہو تو اس پر اللہ کا شکر کرے، اس طرح وہ زندگی کے ہر حال میں نفع ہی نفع کھاتا ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن کا حال عجیب ہے، کہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی تقدیری حکم نافذ فرماتے ہیں سب خیر ہی خیر اور نفع ہی نفع ہوتا ہے، کہ اگر اس کو کوئی نعمت اور اس کی خوشی کی چیز حاصل ہوتی ہے تو یہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے وہ اس کی آخرت کے لیے خیر اور نفع بن جاتا ہے اور اگر کوئی تکلیف و مصیبت پیش آ جائے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے جس کا اس کو بہت بڑا اجر و ثواب ملتا ہے، اس طرح یہ مصیبت بھی اس کے لیے خیر اور نفع بن جاتی ہے۔ (ابن کثیر)

اور بعض حضرات مفسرین نے لفظ صبار کو صبر کے عام معنی میں لیا ہے، جس میں طاعات پر ثابت قدم رہنا اور معاصی سے پرہیز کرنا بھی داخل ہے، اس تفسیر پر مؤمن ہر حال میں صبر و شکر کا جامع رہتا ہے اور ہر صبر شکر ہے اور ہر شکر صبر بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

قُلْ يَا مَعْزِلِي كُفِّرْ مَكَّةَ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَي زَعَمْتُمْ هُمْ إِلَهَةٌ مِّنْ دُونِ اللَّهِ أَي غَيْرِهِ
لِيَنْفَعُوْكُمْ بِزَعْمِكُمْ قَالَ تَعَالَى فِيهِمْ لَا يَسْلُكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ أَوْ شَرٍّ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي
الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهَا مِنْ شَرِكٍ شَرِكَةٍ وَمَا لَهُ تَعَالَى مِنْهُمْ مِنَ الْإِلَهَةِ مَنِ ظَهَرَ ⑥ مُعِينٌ وَلَا
تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ تَعَالَى رَدَّ الْقَوْلِ لَهُمْ أَنَّ إِلَهَتَهُمْ تُشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَدَانَ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَضَمِّهَا
لَهُ فِيهَا حَتَّى إِذَا فُرِعَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ عَنْ قُلُوبِهِمْ كُشِفَ عَنْهَا الْفَرْعُ بِالْإِدْنِ فِيهَا قَالُوا
قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اسْتِشْشَارًا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ فِيهَا قَالُوا الْقَوْلُ الْحَقُّ أَي قَدْ أَدَانَ فِيهَا وَهُوَ الْعَلِيُّ
نُورٌ خَلَقَهُ بِالْقَهْرِ الْكَبِيرِ ⑦ الْعَظِيمِ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ الْمَطَرِ وَالْأَرْضِ - التَّنْبَاتِ قُلْ
اللَّهُ إِن لَّمْ يَقُولُوهُ لَا جَوَابَ غَيْرُهُ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ أَوْ أَحِدِ الْفَرِيقَيْنِ لَعَلَّ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ⑧
بَيْنَ فِي الْإِبْهَامِ تَلَطَّفَ بِهِمْ دَاعٍ إِلَى الْإِيمَانِ إِذَا وَفَّقُوا قُلْ لَا تَسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا أَدْنَبْنَا وَلَا نَسْأَلُ عَمَّا
تَعْمَلُونَ ⑨ إِنَّا بَرِيءُونَ مِنْكُمْ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَفْتَحُ بِحُكْمِ بَيْنِنَا بِالْحَقِّ

فَيَدْخُلُ الْمُحِقِّينَ الْجَنَّةَ وَالْمُبْطِلِينَ النَّارَ وَهُوَ الْفَتْاحُ الْحَاكِمُ الْعَلِيمُ ⑤ بِمَا يُحْكُمُ بِهِ قُلُوبَ أَرْوَانِي
 أَغْلَمُونِي الَّذِينَ أَحَقَّتْهُمْ بِهِ شُرَكَاءُ فِي الْعِبَادَةِ كَلَامٌ رَدِّعَ لَهُمْ عَنْ اِعْتِقَادِ شَرِيكَ لَهُ بَلْ هُوَ اللَّهُ
 الْعَزِيزُ الْعَالِمُ عَلَى أَمْرِهِ الْحَكِيمُ ⑥ فِي تَدْبِيرِهِ لِخَلْقِهِ فَلَا يَكُونُ لَهُ شَرِيكَ فِي مُلْكِهِ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ
 إِلَّا كَافَّةً حَالٍ مِنَ النَّاسِ قَدِمَ لِلْإِهْتِمَامِ بِهِ لِلنَّاسِ بِشَيْراً مُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ بِالْجَنَّةِ وَنَذِيراً مُنْذِراً
 لِلْكَافِرِينَ بِالْعَذَابِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ أَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُونَ ⑦ ذَلِكَ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ
 بِالْعَذَابِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ⑧ فِيهِ قُلُوبٌ لَكُمْ قَبِيحَاتُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا
 تَسْتَقْدِمُونَ ⑨ عَلَيْهِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ

ع

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے محمد ﷺ کفار مکہ سے پکاروان کو جن کو گمان کرتے ہو کہ وہ معبود ہیں اللہ کے سوا اللہ کے علاوہ کو تا کہ تمہارے گمان کے مطابق تمہیں نفع پہنچا دیں ان کے بارے میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وہ ذرہ برابر نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ سا جہاں شرکت ہے اور نہ ہی اللہ کا ان معبودوں میں سے کوئی مددگار معاون ہے اور نہ اس کے ہاں کوئی سفارش کام آتی ہے ان کے اس قول کی تردید ہے کہ ان کے معبود اللہ کے ہاں سفارش ہوں گے مگر ہاں اس کے حق میں اجازت دیدے اذن فتح ہمزہ اور ضمہ ہمزہ کے ساتھ اللہ جس کو سفارش کی یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے یہ لفظ معروف ہے اور مجہول دونوں ان کے دلوں سے ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جائے شفاعت کی اجازت سے تو وہ پوچھتے ہیں ایک دوسرے سے خوشخبری سننے کے لیے تمہارے پروردگار نے کیا حکم فرمایا وہ کہتے ہیں حق بات کا حکم فرمایا یعنی سفارش کی اجازت دیدی ہے اور وہ عالیشان اپنی مخلوق پر غالب ہے سب سے بڑا بردست ہے آپ پوچھیے تم کو آسمان میں بارش اور زمین میں پیداوار کون دیتا ہے آپ کہئے کہ اللہ اگر یہ لوگ خود جواب نہ دیں کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی جو ب ہے ہی نہیں اور بلاشبہ ہم یا تم دونوں فریقوں میں سے ایک راہ راست پر ہیں اور یا صریح گمراہی پر جو کھلی ہوئی ہو اور مبہم بیان کرنے میں ان کو دعوت ایمان دینے کے لیے نرمی کا پہلو اختیار کرنا ہے اگر انہیں توفیق ایمان ہو آپ کہہ دیجئے ہمارے گناہوں کی بابت تم سے کوئی سوال نہ کیا جائے گا اس لیے کہ ہم تم سے بری ہیں اور نہ ہی ہم تمہارے کاموں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہمارا پروردگار قیامت میں ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان ٹھیک فیصلہ حکم فرمائے گا چنانچہ حق پرست جنت میں اور باطل پرست جہنم میں داخل کر دئے جائیں گے اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا حاکم بڑا جاننے والا فیصلہ کا ہے آپ کہئے کہ ذرا تو دکھلا دو بتلا دو مجھے جن کو تم نے خدا کے ساتھ عبادت میں شریک کر رکھا ہے ہرگز نہیں شریک اعتقاد پر انہیں ڈانٹ ڈپٹ ہے بلکہ وہی اللہ بردست ہے اپنے کام پر غالب حکمت والا ہے مخلوق کی تدبیر کرنے میں لہذا اس کے ملک میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور ہم نے تو آپ کو سارے ہی یہ کافۃ الناس

سے حال واقع ہے اہتمام کے لیے مقدم کر دیا گیا ہے انسانوں کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوشخبری دینے والے اور نینوں و نینت کی بشارت سنانے والے ڈرانے والے کفار کو عذاب سے ڈرانے والے لیکن اگر اکثر لوگ کفار مکہ نہیں سمجھتے ہیں اس بات اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ عذاب کب پورا ہوگا اگر تم اس بارے میں سچے ہو آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے لیے ایک نواسہ وعدہ ہے کہ نہ اس سے ایک ساعت بچے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے نہ آگے بڑھ سکتے ہو وہ قیامت کا دن ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: زَعَمْتُمْوه: زعم کا اول مفعول حذف کر دیا اور دوسرے کے قائم مقام صفت آگئی۔

قوله: كُشِفَ عَنْهَا: اس سے اشارہ کیا تفضیل کا صیغہ یہاں سلب و ازالہ کے لیے ہے۔

قوله: بِالْأَذْنِ فِيهَا: شفاعت میں۔

قوله: ذَاعَ إِلَى الْإِيمَانِ: یہ مطلق کے انداز میں بات کہا گئی ہے۔

قوله: إِلَّا كَافَّةً: تمام سب۔

تفسیر مقبولین

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ

بیان ہو رہا ہے کہ اللہ اکیلا ہے، واحد ہے، احد ہے، فرد ہے، صمد ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بے نظیر، لا شریک اور بے مثل ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، ساتھی نہیں، مشیر نہیں، دزیر نہیں، مددگار و پیشی بان نہیں۔ پھر ضد کرنے والا اور خلاف کہنے والا کہاں؟ جن جن کو پکارا کرتے ہو پکار کر دیکھ لو معلوم ہو جائے گا کہ ایک ذرے کے بھی مختار نہیں۔ محض بے بس اور بالکل محتاج و عاجز ہیں، نہ زمینوں میں ان کی کچھ چلے نہ آسمانوں میں جیسے اور آیت میں ہے کہ وہ ایک کھجور کے چھلکے کے گل مالک نہیں اور یہی نہیں کہ انہیں خود اختیاری حکومت نہ ہونہ سبھی شرکت کے طور پر ہی ہونہیں شرکت کے طور پر بھی نہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے کسی کام میں مدد لیتا ہے۔ بلکہ یہ سب کے سب فقیر محتاج ہیں اس کے در کے غلام اور اس کے بندے ہیں۔ اس کی عظمت و کبریائی عزت و بڑائی ایسی ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے کسی کی جرات نہیں کہ اس کے سامنے کسی کی سفارش یا اس کی رضامندی کے کر سکے اور آیت میں ہے (وَكَفَىٰ مَن مَّلَكَ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ) اَنْ يَّأْتِيَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَرْضٰى (النجم: 26)، یعنی آسمانوں کے کل فرشتے بھی اس کے سامنے کسی کی سفارش کے لیے لب نہیں سکتے مگر جس کے لیے اللہ اپنی رضامندی سے اجازت دے دے۔ ایک اور جگہ فرمان ہے: (وَلَا يَشْفَعُونَ اِلَّا لِمَنْ اِزْتَمٰى وَهُمْ مِّنْ خَشِيَتِهٖ مُّشْفِقُوْنَ) (الانبیاء) وہ لوگ صرف ان کی شفاعت کر سکتے ہیں جن کے لیے اللہ کی رضامندی

ہو تو خود ہی اس کے خوف سے تھرا رہے ہیں۔ تمام اولاد آدم کے سردار سب سے بڑے شفیع اور سفارش حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی جب قیامت کے دن مقام محمود میں شفاعت کے لیے تشریف لے آئیں گے کہ اللہ تعالیٰ آئے اور مخلوق کے فیصلے کرے اس وقت کی نسبت آپ فرماتے ہیں میں اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑوں گا اللہ جانتا ہے کہ کب تک سجدے میں پڑا رہو گا اس سجدے میں اس قدر اپنے رب کی تعریفیں بیان کروں گا کہ اس وقت تو وہ الفاظ بھی مجھے معلوم نہیں۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا اے محمد ﷺ اپنا سراٹھائیے آپ بات کیجئے آپ کی بات سنی جائے گی آپ مانگئے آپ کو دیا جائے گا۔ آپ شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔ رب کی عظمت کا ایک اور مقام بیان ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنی وحی میں کلام کرتا ہے اور آسمانوں کے مقرب فرشتے اسے سنتے ہیں تو ہیبت سے کانپ اٹھتے ہیں اور غشی والے کی طرح ہو جاتے ہیں جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ ہٹ جاتی ہے۔ فزع کی دوسری قرأت فرغ بھی آئی ہے مطلب دونوں کا ایک ہے۔ تو اب آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کرتے ہیں کہ اس وقت رب کا کیا حکم نازل ہوا؟ پس اہل عرش اپنے پاس والوں کو وہ اپنے پاس والوں کو پونہی درجہ بدرجہ حکم پہنچا دیتے ہیں ہلاکم وکاست ٹھیک ٹھیک اسی طرح پہنچا دیتے ہیں۔ ایک مطلب اس آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب سکرات کا وقت آتا ہے۔ اس وقت مشرک یہ کہتے ہیں اور اسی طرح قیامت کے دن بھی جب اپنی غفلت سے چونکیں گے اور ہوش و حواس قائم ہو جائیں گے اس وقت یہ کہیں گے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ جواب مے گا کہ حق فرمایا، حق فرمایا اور جس چیز سے دنیا میں بے فکر تھے آج اس کے سامنے پیش کر دی جائے گی۔ تو دلوں سے گھبراہٹ دور کیے جانے کے یہ معنی ہوئے کہ جب آنکھوں پر سے پردہ اٹھا دیا جائے گا اس وقت سب شک و تکذیب الگ ہو جائیں گے۔ شیطانی وساوس دور ہو جائیں گے اس وقت رب کے وعدوں کی حقانیت تسلیم کریں گے اور اس کی بلندی اور بڑائی کے قائل ہوں گے۔ پس نہ تو موت کے وقت کا اقرار نفع دے نہ قیامت کے میدان کا اقرار فائدہ پہنچائے۔ لیکن امام ابن جریر کے نزدیک پہلی تفسیر ہی راجح ہے یعنی مراد اس سے فرشتے ہیں اور یہی ٹھیک بھی ہے اور اس کی تائید احادیث و آثار سے بھی ہوتی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقع پر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ آسمان میں کرتا ہے تو فرشتے عاجزی کے ساتھ اپنے پر جھکا لیتے ہیں اور رب کا کلام ایسا واقع ہوتا ہے جیسے اس زنجیر کی آواز جو پتھر پر بجائی جاتی ہو جب ہیبت کم ہو جاتی ہے۔ تو پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے اس وقت کیا فرمایا؟ جواب ملتا ہے کہ جو فرمایا حق ہے اور وہ اعلیٰ و کبیر ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جو جنات فرشتوں کی باتیں سننے کی غرض سے گئے ہوئے ہیں اور جو تہ بہ تہ ایک دوسروں کے اوپر ہیں وہ کوئی کلمہ سن لیتے ہیں اوپر والا نیچے والے کو وہ اپنے سے نیچے والے کو سنا دیتا ہے اور وہ کانہوں کے کانوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان کے پیچھے فوراً ان کے جلانے کو آگ کا شعلہ لپکتا ہے لیکن کبھی کبھی تو وہ اس کے آنے سے پہلے ہی ایک دوسرے کو پہنچا دیتا ہے اور کبھی پہنچانے سے پہلے ہی جلادیا جاتا ہے۔ کاہن اس ایک کلمے کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں میں پھیلاتا ہے۔ وہ ایک بات سچی نکلتی ہے لوگ اس کے مرید بن جاتے ہیں کہ دیکھو یہ بات اس کے کہنے کے مطابق ہی ہوئی مسند میں ہے حضور ﷺ ایک مرتبہ صحابہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور زبردستی روشنی ہو گئی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ جاہلیت میں تمہارا خیال ان ستاروں کے ٹوٹنے کی نسبت کیا تھا؟ انہوں نے کہا ہم اس موقع پر سمجھتے تھے کہ یا تو کوئی بہت

بڑا آدمی پیدا ہوا یا مرا۔ زہری سے سوال ہوا کہ کیا جاہلیت کے زمانے میں بھی ستارے جھڑتے تھے؟ کہا ہاں لیکن کم۔ آپ کی بعثت کے زمانے سے ان میں بہت زیادتی ہو گئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا سنو انہیں کسی کی موت و حیات سے کوئی واسطہ نہیں۔ بات یہ ہے کہ جب ہمارا رب تبارک و تعالیٰ کسی امر کا آسمانوں میں فیصلہ کرتا ہے تو حاملان عرش اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور ساتویں آسمان والے پھر چھٹے آسمان والے یہاں تک کہ یہ تسبیح آسمان دنیا تک پہنچتی ہے۔ پھر عرش کے آس پاس کے فرشتے عرش کے اٹھانے والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ وہ انہیں بتاتے ہیں پھر ہر نیچے والے اوپر والے سے دریافت کرتا ہے اور وہ اسے بتاتا ہے یہاں تک کہ آسمان اول والوں کو خبر پہنچتی ہے۔ کبھی اچک لے جانے والے جنات اسے سن لیتے ہیں تو ان پر یہ ستارے جھڑتے ہیں تاہم جو بات اللہ کو پہچانی منظور ہوتی ہے اسے وہ لے اڑتے ہیں اور اس کے ساتھ بہت کچھ باطل اور جھوٹ ملا کر لوگوں میں شہرت دیتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی امر کی وحی کرتا ہے تو آسمان مارے خوف کے کپکپا اٹھتے ہیں اور فرشتے ہیبت زدہ ہو کر سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام سراٹھاتے ہیں اور اللہ کا فرمان سنتے ہیں پھر ان کی زبانی اور فرشتے سنتے ہیں اور وہ کہتے جاتے ہیں کہ اللہ نے حق فرمایا وہ بلندی اور بڑائی والا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا امین فرشتہ جس کی طرف ہوا سے پہنچا دیتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے کہ یہ اس وحی کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبیوں کے نہ ہونے کے زمانے میں بند رہ کر پھر ابتداء ختم المرسلین علیہم السلام پر نازل ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ابتدائی وحی کے بھی اس آیت کے تحت میں داخل ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن آیت اس کو اور سب کو شامل ہے۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ

بحث و مناظرہ میں مخاطب کے نفسیات کی رعایت اور اشتعال انگیزی سے پرہیز:

وَ اِنَّا اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هٰذٰى اَوْ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ یہ مشرکین و کفار کے ساتھ خطاب ہے۔ دلائل واضحہ سے اللہ تعالیٰ کا خالق و مالک ہونا اور قادر و مطلق ہونا واضح کر دیا گیا، بتوں اور غیر اللہ کی بے بسی اور کمزوری کا مشاہدہ کر دیا گیا، ان سب باتوں کے بعد موقع اس کا تھا کہ مشرکین کو خطاب کر کے کہا جاتا کہ تم جاہل اور گمراہ ہو کہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں اور شیاطین کی پرستش کرتے ہو۔ مگر قرآن حکیم نے اس جگہ جو حکیمانہ عنوان اختیار فرمایا وہ دعوت و تبلیغ اور مخالفین اسلام اور اہل باطل سے بحث و مناظرہ کرنے والوں کے لیے ایک اہم ہدایت نامہ ہے کہ اس آیت میں ان کو کافر گمراہ کہنے کی بجائے عنوان یہ رکھا کہ ان دلائل واضحہ کی روشنی میں یہ تو کوئی سمجھدار آدمی کہہ نہیں سکتا کہ توحید و شرک دونوں باتیں حق ہیں اور اہل توحید اور مشرک دونوں حق پرست ہیں، بلکہ یقینی ہے کہ ان دونوں میں سے ایک حق پر دوسرا گمراہی پر ہے۔ اب تم خود سوچ لو اور فیصلہ کر لو کہ تم حق پر ہیں یا تم۔ مخاطب کو خود کافر گمراہ کہنے سے اس کو اشتعال ہوتا، اس سے گریز کیا گیا، اور ایسا مشفقانہ عنوان اختیار کیا کہ سنگدل مخالف بھی غور کرنے پر مجبور ہو جائے۔ (از قرطبی بیان القرآن)

یہ پیغمبرانہ دعوت و مواعظت اور مجادلہ بالحق صی احسن کا طریقہ جو علماء کو وقت پیش نظر رکھنا چاہئے، اس کے نظر انداز ہونے

ہی سے دعوت و تبلیغ اور بحث و مناظرہ بے اثر بلکہ مضر ہو کر رہ جاتا ہے۔ مخالفین ضد پر آ جاتے ہیں ان کی گمراہی اور پختہ ہو جاتی

ہے۔
وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ.....

رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا اعلان:

اس آیت کریمہ میں نبی اُمّی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا ذکر ہے، چونکہ آپ کی بعثت عامہ ہے اس لیے ہر فرد بشر کے لیے آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں، آپ کا دامن پکڑے بغیر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کر سکتا خواہ کتنی ہی عبادت کرتا ہو، جو ہدایت اللہ کے یہاں معتبر ہے وہ خاتم النبیین رسول الانس والجان کے اتباع میں مرکوز ہے اور منحصر ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا دیگر مواضع میں بھی قرآن مجید میں تذکرہ فرمایا ہے، سورۃ اعراف میں فرمایا:
قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَعِيَانِ الَّذِي لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَاْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الَّذِي الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ يَهْتَدُوْنَ (آپ فرمادیجیے کہ اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کے لیے بادشاہت ہے آسمانوں کی اور زمین کی، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اس کے کلمات پر، اور اس کا اتباع کر دتا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔)

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ شانہ نے خصوصی امتیازات اور فضائل عطا فرمائے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت عام ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ وہ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

(۱) رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی، ایک ماہ کی مسافت تک دشمن مجھ سے ڈرتے ہیں۔

(۲) پوری زمین میرے لیے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنا دی گئی (کہ مسجد کے علاوہ بھی ہر پاک جگہ نماز ہوتی ہے، پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے حدت اصغر اور حدت اکبر دور ہو جاتے ہیں) سو میری امت کے جس شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لے۔

(۳) میرے لیے غنیمت کے مال حلال کر دیئے گئے اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیے گئے۔

(۴) اور مجھے شفاعت عطا کی گئی (یعنی شفاعت کبریٰ) جو قیامت کے دن ساری مخلوق کے لیے ہوگی۔

(۵) اور مجھ سے پہلے نبی خاص کراہتی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں عامۃ تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔

(رداۃ البخاری جلد ۱: ص ۴۸)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: (والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من هذه الامۃ یہودی ولا

نصرانی ثم يموت ولم يؤمن بالذی ارسلت به الاکان من اصحاب لنار) (رواه مسلم ج: ۱ ص: ۸۶) (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس امت میں جس کسی کو بھی میری بعثت کا علم ہو خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی ہو پھر وہ اس حالت میں مر جائے کہ میں جو دین دے کر بھیجا گیا ہوں اس کو نہ مانا تو وہ ضرور روزخ میں سے ہوگا۔)

سورہ آل عمران میں فرمایا: (اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ) (بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے) اور فرمایا: (وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ) (اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو چاہے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کار لوگوں میں سے ہوگا۔)

جب سے آپ کی بعثت ہوئی ہے یہودی، نصرانی، فرقہ صابئین اور ہر قوم اور ہر اہل مذہب کے لیے معیار نجات صرف سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کسی قسم کا کوئی ایمان معتبر نہیں صرف یہی ایمان معتبر ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور آپ نے جو کچھ بتایا ہے اس کو دل سے مانے اور تسلیم کرے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ كُنْ تُوْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ اٰى تَقْدُمَةُ
كَالتَّوْرَةِ وَالْاِنْجِيلِ الَّذَيْنِ عَلَيَّ الْبُعْثِ لِاَنْكَارِهِمْ لَهٗ قَالَ تَعَالٰى فِيْهِمْ وَكَوْ تَرٰى يٰمُحَمَّدُ اِذَا الظَّالِمُوْنَ
الْكٰفِرُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ الْقَوْلَ ۗ يَقُوْلُ الَّذِينَ اسْتَضَعَفُوْا
الْاِتْبَاعِ لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا الرَّؤْسٰى ۗ لَوْ لَا اَنْتُمْ صَدَدْتُمْوْنَا عَنِ الْاِيْمَانِ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۱ بِالنَّبِيِّ
قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَضَعَفُوْا اَنْحُنْ صَدَدْتُمْكُمُ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ لَا بَلْ
كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝۱۰۲ فِىْ اَنْفُسِكُمْ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتَضَعَفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الْاَيْلِ وَ
النَّهَارِ اٰى مَكْرُ فِيْهِمَا مِنْكُمْ بِنَا اِذْ تَاْمُرُوْنَآ اَنْ نُّكْفِرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗ اَنْدَادًا ۗ شُرَكَاءُ وَاَسْرُوْا
اٰى الْفَرِيْقَانِ الْقَدٰمَةِ عَلٰى تَرْكِ الْاِيْمَانِ لَمَّا رَاوْا الْعَذَابَ ۗ اٰى اَخْفَاها كُلُّ عَن رَفِيْقِهٖ مَخٰفَةَ التَّغْيِيْرِ
وَجَعَلْنَا الْاَغْلَلَ فِىْ اَعْتَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوْا ۗ فِى النَّارِ هَلْ مَآ يُّجْزَوْنَ اِلَّا جِزَاةً مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۳ فِى
الدُّنْيَا وَمَا اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالُ مُتْرَفُوْهَا ۗ رُؤْسًا هَا الْمُتَتَعِمُّوْنَ اِنَّا بِمَا اَرْسَلْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ۝۱۰۴ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ۗ مِمَّنْ اٰمَنَ ۗ وَمَا نَحْنُ بِمُعَدِّيْنَ ۝۱۰۵ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ يَوْسَعُهُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِمْتِحٰنًا وَ يَقْدِرُ بِضَيْفُهُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِتِّبٰلًا ۗ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ اٰى
عِ كَفٰر مَكَّةَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۶ ذٰلِكَ وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِآلَتِيْ تَقْرِبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى قُرْبٰى اٰى

تَفَرِّتُمْ إِلَّا لِكِنْ مَنْ أَمِنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعِيفِ بِمَا عَمِلُوا وَأَيُّ جَزَاءٍ الْعَمَلِ
 الْحَسَنَةِ مَثَلًا بِعَشْرِ فَاكْثَرُ هُمْ فِي الْعُرْفِ مِنَ الْجَنَّةِ آمِنُونَ ﴿٥﴾ مِنَ الْمَوْتِ وَغَيْرِهِ وَبِئْسَ قِرَافَةُ الْعُرْفَةِ
 وَبِئْسَ بِنْتُنَا أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿٦﴾ قُلْ إِنْ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهُ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ
 ابْتِغَاءًا وَيَقْدِرُ بَضِيقَهُ لَهُ ۗ بَعْدَ الْبَسْطِ أَوْلَمِنْ يَشَاءُ ۗ ابْتِغَاءً وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فِي الْخَيْرِ فَهُوَ
 يُخْلِفُهُ ۗ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٧﴾ يُقَالُ كُلُّ إِنْسَانٍ يَرِزُقُ عَائِلَتَهُ أَيُّ مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَادُّمِرُ يَوْمٌ
 يَحْشَرُهُمْ جَمِيعًا الْمَشْرِ كَيْفَ ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهْلُوا لَأَيَّاكُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ وَابْتِدَالِ الْأُولَى
 بِأَوَّلِ الشَّقَاطِهَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٨﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ تَنْزِيهَا لَكَ عَنِ الشَّرِّ بَلَّغْتَ لَنَا مِنْ دُونِهِمْ ۗ أَيُّ
 لَا مَوَالَاةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ مِنْ جَهَنَّا بَلَّ لِنَاتِقَالِ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۗ الشَّيَاطِينِ أَيُّ يُطِيعُونَهُمْ فِي
 عِبَادَتِهِمْ إِنَّا أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ﴿٩﴾ مُصَدِّقُونَ فِيمَا يَقُولُونَ لَهُمْ قَالَ تَعَالَى قَالِيَوْمَ لَا يَمْلِكُ
 بَعْضُكُمُ أَيُّ بَعْضُ الْمَعْبُودِينَ لِبَعْضِ الْعَابِدِينَ لِبَعْضِ شَفَاعَةِ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا تَعْدِينَا وَنَقُولُ
 لِلَّذِينَ ظَلَمُوا كَفَرُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تَكْذِبُونَ ﴿١٠﴾ وَإِذَا تُثْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا مِنْ
 الْقُرْآنِ بَيِّنَاتٍ وَأَضْحَاتِ بِلِسَانِ نَبِيِّنَا مُحْتَمِدٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يَصُدَّاكُمْ عَمَّا كَانَ
 يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ مِنَ الْأَصْنَامِ وَقَالُوا مَا هَذَا إِلَّا قُرْآنٌ كَذِبٌ مَفْتَرَى عَلَى اللَّهِ ۗ وَقَالَ
 الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ الْقُرْآنِ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿١١﴾ بَيْنَ قَالَ تَعَالَى وَمَا آتَيْنَاهُمْ
 مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ وَمَا آتَى هَؤُلَاءِ مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ مِنَ الثَّوَرَةِ وَطُولِ الْعُمُرِ وَكَثْرَةِ الْمَالِ فَكَذَّبُوا رَسُولِي ۗ
 إِلَيْهِمْ فَكَيْفَ كَانَ تَكْبِيرُ ۗ انْكَارِي عَلَيْهِمْ بِالْعُقُوبَةِ وَالْإِهْلَاكِ أَيُّ هُوَ وَاقِعٌ مَوْقَعُهُ

۵۰

توجہ: اور کہنے لگے مگر کفار مکہ ہم ہرگز نہ مانیں گے اس قرآن کو اور نہ اس سے اگلے کو جو مقدم ہیں جیسے تورات انجیل کہ جو بحث بعد الموت پر دلالت کرنے والی ہیں ان کفار کے اس سے کفار کے مکر ہونے کی وجہ سے ان کے بارے میں ارشاد

باری تعالیٰ ہے اور کاش آپ اے محمد! اس وقت کی حالت دیکھیں جب یہ ظالم کافر اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے پر بات نال رہا ہو گا دنیٰ درجہ کے لوگ ماتحت بڑے درجے کے لوگوں آقاؤں سے کہہ رہے ہوں گے اگر تم نہ ہوتے اگر تم ہمیں ایمان سے باز نہ رکھتے تو ہم ضرور پیغمبر پر ایمان لے آئے ہوتے یہ بڑے لوگ ان ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا تھا اس کے بعد کہ وہ تمہیں پہنچ چکی تھی؟ نہیں بلکہ تم ہی اپنے نزدیک قصور وار رہے ہو اور کم درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے پھر کہیں گے کہ نہیں بلکہ تمہاری ہی رات دن کی تدبیروں یعنی ہمارے بارے میں تمہاری شب روز کی سازشوں نے روکا تھا جب تم ہمیں آمادہ کرتے رہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر اختیار کریں اور اس کے سا جھی شریک تجویز کریں اور وہ لوگ دونوں فریق اپنی ایمان نہ لانے کی شرمندگی کو چھپائیں گے جبکہ عذاب دیکھ لیں گے یعنی ہر ایک دوسرے سے عار دلانے کے خوف سے چھپائے گا اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے جہنم کے اندر جیسا کہ کرتے تھے ویسا ہی تو بھرا اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں عیش پسند امراء نے یہی کہا کہ ہم تو ان کے احکام کے منکر ہیں جن کو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے اور یہ بھی کہا کہ ہم تو مال والا دہلیں ایمانداروں سے زیادہ ہیں اور ہم کو کبھی عذاب نہ ہوگا اور کہیے کہ میرا پروردگار کشادہ زیادہ روزی دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے آزمائش کے طور پر اور کم دیتا ہے تنگی کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے آزمائش کے لیے لیکن اکثر کفار مکہ واقف نہیں اس سے تمہارے اموال و اولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو کسی درجہ میں ہمارا مقرب بنا دے نزدیک کر دے مگر ہاں الا لیکن کے معنی میں ہے جو کوئی ایمان لائے اور نیک عمل کرے سو ایسے لوگوں کے لیے ان کے اعمال کا کہیں بڑھا ہوا صدہ یعنی نیکی کا بدلہ دس گنا اور اس سے بھی زیادہ اور یہ جنت کے بالا خانوں میں چین سے بیٹھ ہوں گے موت وغیرہ کے خطرے سے ایک قراءت میں غزوة ہے بمعنی جمع اور جو لوگ ہماری آیتوں کے متعلق قرآن کے باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہرانے کے لیے ہمیں ہمارا عاجز ہونا فرض کر کے اور یہ کہ ہم سے بچ لکھیں گے ایسے ہی لوگ عذاب میں جائیں گے آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے فراخ کشادہ روزی دیتا ہے آزمائش کی خاطر اور کم تنگ کر دیتا ہے اس کے لیے کشائش کے بعد جن کے لیے چاہے آزمائش کے لیے اور جو کچھ بھی تم نیک کام میں خرچ کرو گے سو وہ اس کا بدلہ عطا کرے گا اور وہی سب سے بہتری روزی دینے والا ہے اور بولا جاتا ہے کہ ہر انسان اپنے عمال کو روزی دیتا ہے یعنی اللہ کے رزق میں سے اور یاد کیجئے جب اللہ ان سب مشرکین کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے کہے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری ہی دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور پہلی ہمزہ کو یا سے بدل کر پھر یا کو حذف کر کے عبادت کرتے رہے ہیں وہ عرض کریں گے پاک ہے تو شریک سے تیرے لیے پاکی ہے ہمارا تعلق صرف آپ سے ہے نہ کہ ان سے یعنی ہمارے اور ان کے درمیان ہماری طرف سے کوئی وابستگی نہیں ہے اصل یہ ہے بل انتقال کے لیے ہے کہ یہ لوگ جنات کی پوجا کرتے تھے شیاطین کی یعنی ہماری پرستش کرنے میں ان کا کہنا مانتے تھے ان میں سے اکثر انہیں کے معتقد بھی تھے جو وہ کہتے تھے یہ اس کو مان لیتے تھے۔ ارشادی باری تعالیٰ ہے سو آج تم میں سے کوئی اختیار نہیں رکھتا ایک دوسرے کو یعنی بعض معبود بعض عابدوں کو نہ نفع پہنچانے شفاعت کرنے کا اور نہ نقصان پہنچانے عذاب دینے کا اور ہم ظالموں کافروں سے کہیں گے کہ اب چکو ہمزہ دوزخ کی آگ کا جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور

جب ان کے سامنے ہماری قرآن کریم کی آیتیں صاف صاف پیغمبر کی زبانی کھلی کھلی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص کا تو بس منشا اتنا ہے کہ تم کو ان چیزوں سے باز رکھے جن بتوں کی پرستش تمہارے بڑے کرتے چلے آئے ہیں اور کہتے ہیں یہ قرآن محض اللہ پر ایک تراشا ہوا افتراء جھوٹ ہے اور کافر حق قرآن کے بارے میں جب وہ ان کے پاس پہنچا کہتے ہیں کہ یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے اور ہم نے انہیں نہ کتابیں دی تھیں جنہیں وہ پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں اور نہ آپ سے پہلے ہم نے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا بھیجا تھا پھر کیسے آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور ان سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں انہوں نے بھی تکذیب کی تھی اور یہ کافر تو دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے جو کچھ ہم نے ان پہلوں کو دیا تھا قوت طول زندگی مال کی بہتات غرض انہوں نے میرے پیغمبروں کی جو ان کے پاس بھیجے گئے تھے تکذیب کی سو میرا عذاب کیسا ہوا؟ ان پر سزا اور تباہی یعنی ٹھیک موقع سے ہوئی۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: مَكْرُوفِيهِمَا: یعنی دن رات کی تدابیر ذکر کی، اضافت ظرف کی طرف بطور وسعت ہے۔

قولہ: تَقَرَّبَكُمْ: اس میں التی۔ الذی کی بجائے لائے، دراصل یہ خصلہ وغیرہ موصوف مخذوف کی صفت ہے۔

قولہ: جَزَاءُ الضَّعْفِ: اس میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف کی جا رہی ہے۔

قولہ: مُقَدَّرِينَ: یعنی وہ ہماری عاجزی کا گمان رکھتے ہیں۔

قولہ: بِضَيْفُهُ: یہاں ایک شخص کے لحاظ سے فرمایا۔ اور گزشتہ آیات میں دو شخصوں کے لحاظ سے ہے۔ پس تکرار چہ معنی؟

قولہ: يُقَالُ كُلُّ انْسَانٍ: اس میں اشارہ ہے، کہ رزق میں اس کی خبریت ثابت ہے۔

قولہ: الْمُشْرِكِينَ: یعنی منکبر اور کمزور۔

قولہ: يُبْهَمُ مُؤْمِنُونَ: اول ضمیر انسانوں یا مشرکین کیلئے اور اگر یہ کل کے معنی میں ہے اور ثانی ضمیر جنات کیلئے ہے۔

قولہ: مَنْ كَتَبَ يَدْرُسُونَهَا: جن میں شرک کی درستگی کا ثبوت ہو۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ....

کافروں کی سرکشی:

کافروں کی سرکشی اور باطل کی ضد کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ قرآن کی حقانیت کی ہزار ہا دلیلیں

بھی دیکھ لیں لیکن نہیں مانیں گے۔ بلکہ اس سے اگلی کتاب پر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ انہیں اپنے اس قول کا مزہ اس وقت آئے گا جب اللہ کے سامنے جہنم کے کنارے کھڑے چھوٹے بڑوں کو، بڑے چھوٹوں کو الزام دیں گے۔ ہر ایک دوسرے کو قصور وار ٹھہرائے گا۔ تابعدار اپنے سرداروں سے کہیں گے کہ تم ہمیں نہ روکتے تو ہم ضرور ایمان لائے ہوتے ہوتے، ان کے بزرگ انہیں جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں روکا تھا؟ ہم نے ایک بات کہی تم جانتے تھے کہ یہ سب بے دلیل ہے دوسری جانب سے دلیلوں کی برستی ہوئی بارش تمہاری آنکھوں کے سامنے تھی پھر تم نے اس کی پیروی چھوڑ کر ہماری کیوں مان لی؟ تو تمہاری اپنی بے عقلی تھی، تم خود شہوت پرست تھے، تمہارے اپنے دل اللہ کی باتوں سے بھاگتے تھے، رسولوں کی تابعداری خود تمہاری طبیعتوں پر شاق گذرتی تھی۔ سارا قصور تمہارا اپنا ہی ہے ہمیں کیا الزام دے رہے ہو؟ اپنے بزرگوں کی مان لینے والے یہ بے دلیل انہیں پھر جواب دیں گے کہ تمہاری دن رات کی دھوکے بازیاں، جعل سازیاں، فریب کاریاں ہمیں اطمینان دلاتیں کہ ہمارے افعال اور عقائد ٹھیک ہیں، ہم سے بار بار شرک و کفر کے نہ چھوڑنے، پرانے دین کے نہ بدنے باپ دادوں کی روش پر قائم رہنے کو کہنا، ہماری کمر تھکانا۔ ہمارے ایمان سے رک جانے کا یہی سبب ہوا۔ تم ہی آ آ کر ہمیں غفلت ڈھکوسلے سنا کر اسلام سے روگرداں کرتے تھے۔ دونوں الزام بھی دیں گے۔ براءت بھی کریں گے۔ لیکن دل میں اپنے بے پرچھتارے ہوں گے۔ ان سب کے ہاتھوں کو گردن سے ملا کر طوق و زنجیر سے جکڑ دیا جائے گا۔ اب ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلے ملے گا۔ گمراہ کرنے والوں کو بھی اور گمراہ ہونے والوں کو بھی۔ ہر ایک کو پورا پورا عذاب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جہنمی جب ہنکا کر جہنم کے پاس پہنچائے جائیں گے تو جہنم کے ایک شعلے کی لپیٹ سے سارے جسم کا گوشت جھلس کر پیروں پر آ پڑے گا۔ (ابن ابی حاتم) حسن بن یحییٰ انشئی فرماتے ہیں کہ جہنم کے ہر قید خانے، ہر غار، ہر زنجیر، ہر قید پر جہنمی کا نام لکھا ہوا ہے جب حضرت سلیمان دارانی کے سامنے یہ بیان ہوا تو آپ بہت روئے اور فرمانے لگے ہائے ہائے ہر کیا حال ہوگا اس کا جس پر یہ سب عذاب جمع ہو جائیں۔ پیروں میں بیڑیاں ہوں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں، گردن میں طوق ہوں پھر جہنم کے غار میں دھکیل دیا جائے۔ اللہ تو بچانا پروردگار تو ہمیں سلامت رکھنا۔

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتَضَعُوا.....

گمراہ پیشواؤں کی اپنے پیروؤں کو مزید ڈانٹ:

ارشاد فرمایا گیا کہ وہ گمراہ پیشوا اپنے پیروؤں سے کہیں گے کہ نہیں بلکہ اصل مجرم تم لوگ خود تھے۔ پس اصل قصور دار تم خود تھے۔ بلکہ ہمیں خراب و گمراہ کرنے میں بھی تمہارا ہی ہاتھ تھا کہ اگر تم لوگ ہمیں آسمان پر نہ چڑھاتے تو ہمارے دماغ اتنے خراب نہ ہوتے کہ ہم اپنی خدائی کے ذمے میں مبتلا ہو جاتے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ پیراں نہ می پرند مریداں می پراند۔ پیر خود نہیں اڑتے مریداں کو اڑاتے ہیں ورنہ تم لوگ اگر حق و ہدایت کو اپناتے اور اس کے نور میں قبول کرتے جبکہ وہ تمہارے پس پہنچ چکا تھا تو تمہیں اس سے کون روک سکتا تھا۔ پس حق سے منہ موڑ کر اور باطل کو اپنا کر تم نے خود ہی جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ سوا ب اپنے کیے کا مزہ تم خود چکھو۔ سو حضرت حق۔ جل مجدہ۔ نے اس جہاں میں معبودان باطلہ اور ان کے گمراہ پیر و کاروں

کے درمیان ہونے والے اس جھگڑے اور ان کی اس توہنکار کو اپنی کتاب حکیم کے ذریعے اس دنیا میں ہی اس صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے تاکہ لوگ اس انجام بد اور اس ذلت و رسوائی اور ہمیشہ کی ہلاکت و تباہی سے بچنے کا سامان رکھیں۔ لیکن انہوں نے کہ اس سب کے باوجود آج دنیا میں کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو قرآن حکیم کی ان تعلیمات مقدرہ سے منہ موڑے ذلت و رسوائی اور ہلاکت و بربادی کی اسی راہ پر چلے جا رہے ہیں۔ اور اس بارے وہ سنی کو ان سنی کر دیتے ہیں۔ سونور حق و ہدایت سے محرومی دنیا و آخرت کی ہر خیر سے محرومی ہے کہ ایسا شخص اندھیروں میں مستغرق رہتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ اسْتَضَعُوا.....

پیرؤوں کی طرف سے پیشواؤں کے قول کی تردید:

اس آیت سے پیرؤوں کی طرف سے پیشواؤں کی مکاریوں اور چالبازیوں کو ذمہ دار بنانے کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ پیشواؤں کے اس جواب کی تردید میں ان کے پیر و اور چیلے ان سے کہیں گے کہ نہیں بلکہ یہ تمہاری دن رات کی مکاری تھی جس نے ہمارا بیڑا غرق کیا۔ تمہاری مکاری یعنی مکر کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ اس کو حذف کر کے طرف کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ سو لفظ یر عمارت یوں ہوگی مَنَكُو كُمْ بِنَابِ النَّبْلِ وَ النَّهَارِ (ابو السعد: ج 7 ص 23) اَمَى مَنَكُو كُمْ فِيهَا وَاغْرَاؤُكُمْ - (عاصم التادیل: ج 14 ص 28)۔ مطلب یہ ہے کہ چیلے اپنے گروؤں سے اور دم چھلے بنے رہنے والے چھوٹے اپنے بڑوں سے کہیں گے کہ تم نے دن رات مکر و فریب کا جو جال بچھا رکھا تھا، طرح طرح کے جو جھکنڈے تم لوگوں نے اپنی دکانوں کو سجانے اور اپنے کاروبار کو چکانے کے لیے اپنا رکھے تھے۔ چمک دمک، ٹھاٹھ بانٹھ اور کروفر کے جو نظر فریب مظاہر تم نے قائم کر رکھے تھے انہی کی وجہ سے تو ہم گمراہ ہوئے اور تمہارے کہنے میں آئے۔ ورنہ ہم تمہارے جال میں کبھی نہ پھنستے۔ پس تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ ہمارے بہکانے میں تمہارا کوئی عمل دخل نہیں۔ اہل بدعت کہتے ہیں کہ ایسی آیتیں صرف کفار کے لیے ہیں تاکہ اس طرح ان کے کاروبار شرک و بدعت پر زد نہ پڑے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب قرآن پاک میں خود الَّذِينَ کے کلمات عامہ استعمال فرمائے گئے تو پھر تم لوگ ان کو کافروں کے ساتھ خاص کس طرح قرار دیتے ہو؟ پس صحیح اور حق یہ ہے کہ یہ کلمات اپنے ظاہر اور عموم پر ہیں۔ اور ہر اس شخص کو شامل ہیں جو دوسروں کو گمراہ کرے اور ان کو راہ حق و ہدایت سے پھیرے خواہ وہ کوئی کھلم کھلا کافر و منافق شخص ہو یا کوئی بدعتی پیر یا گمراہ ملاں وغیرہ۔ اسی لیے جمہور مفسرین کرام نے ان کلمات کی تفسیر و تشریح: اتَّبَاعَ وَ مُتَّبِعِينَ کے کلمات عامہ سے فرمائی ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہوں۔ هُمْ الْاِتِّبَاعُ وَ سَادَتُهُمْ وَ قَادَتُهُمْ - (عاصم التادیل: ج 14 ص 27) - اَمَى يَقُولُ الْاِتِّبَاعُ لِسَادَتِهِمْ - (الراغب: ج 22 ص 85) - يَقُولُ الْاِتِّبَاعُ لِلرُّؤَسَاءِ - (صنوة التفسیر: ج 2 ص 555) - الْاِتِّبَاعُ وَ النَّبِيُّ عَيْنٌ - (جامع البیان: ج 2 ص 181)۔ اب ان اہل بدعت سے کوئی پوچھے کہ حضرات مفسرین کرام تو ان کلمات کو اپنے عموم پر رکھ رہے ہیں کہ حق کے خلاف جو بھی کوئی کسی کی پیروی کرے گا اور کرائے گا وہ اس میں داخل ہے۔ خواہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ تو پھر تم لوگ ان کو کفار کے ساتھ خاص کس طرح قرار دیتے ہو؟ اور تمہارے پاس اس کی دلیل کیا ہے؟

بہر کیف - [يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلَى بَعْضِ الْقَوْلِ] - کے اس ارشاد سے ان گمراہ لیڈروں اور ان کے پیروکاروں کی اس توہنکار کا

نقشہ پیش فرما دیا گیا جو آخرت کے اس جہان غیب میں ان کے درمیان پیش آئیں گی۔ مطلب یہ کہ آج تو یہ گمراہ لیڈر اور ان کے یہ اندھے پیرو حق اور اہل حق کے خلاف ایک جٹ بنے ہوئے ہیں اور لیڈر اپنے پیروؤں کو طرح طرح کے جھگڑوں سے یہ باور کرا رہے ہیں کہ ان ہی کی پالیسی ٹھیک ہے۔ لہذا وہ انہی پر اعتماد کریں اور خیر و شر کی ذمہ داری انہی پر ہے اور عوام کا لانعام آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چل رہے ہیں کہ کوئی خطرہ پیش آیا تو ہمارے یہ لیڈر ہمیں اس سے بچالیں گے۔ لیکن کل جب یہ کشف حقائق اور ظہور نتائج کے اس جہان غیب میں پہنچیں گے جہاں ہر چیز اپنی اصلی شکل اور حقیقی رنگ میں سامنے آئے گی۔ تو اس وقت ان کو سب پتہ لگ جائے گا اور اس وقت ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنی گمراہی کا باعث اور ذمہ دار قرار دے گا اور اس پر تو نکار کے تیر برسائے گا۔

پیروؤں کا اپنے گروؤں پر مزید حملہ اور الزام:

سو وہ ان سے کہیں گے کہ جب تم لوگ دنیا میں ہم سے کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے ساتھ دوسرے طرح طرح کے شریک اور ہمسر ٹھہرائیں۔ یعنی جب تم ہمیں ایمان و توحید کی راہ سے ہٹا کر کفر و شرک کی راہ پر چلنے کی تلقین کیا کرتے تھے اور اپنے قول و فعل سے ہمیں یہ بتایا کرتے تھے کہ اللہ پاک کے ساتھ فلاں فلاں بتوں، پتھروں اور ہستیوں اور آستانوں وغیرہ کو بھی مشکل کشا و حاجت روا سمجھو کہ یہ بھی خدا کی خدائی میں شریک اور حصے دار ہیں۔ اور یہ کہ خدائے پاک نے ان کو بھی اختیارات سونپ رکھے ہیں۔ اور یہ ہمارے ذریعے، وسیلے اور یہ اس کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

{ هُوَ لَا يُشْفَعُ عِنْدَ اللَّهِ } - فَتَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ أَنْ تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا نَعْلَمُهُ وَنَسْتَعْفُوهُ لِمَا لَا نَعْلَمُهُ شُبْحَانَهُ وَتَعَالَى - بہر کیف اس سے واضح ہوا کہ وہ پیرو اپنے لیڈروں اور پیشواؤں سے کہیں گے کہ یہ تم لوگوں کی دن رات کی سازشیں اور تمہاری پراپیگنڈہ مہم تھی کہ ہم لوگ حق کی پیروی سے محروم رہے اور تم لوگ ہمیں سکھاتے سمجھاتے رہے تھے کہ ہم حق و ہدایت کی پیروی سے منہ موڑ کر برابر کفر و شرک پر چمے رہیں۔ سو ان کے اس جواب سے یہ بات نکلتی ہے کہ حق ان کے سامنے واضح ہو گیا تھا لیکن وہ اس وجہ سے اس کی پیروی نہ کر سکے کہ ان کے لیڈروں کی دن رات کی سازشوں اور ان کی پروپیگنڈا مہم نے ان کا راستہ روک رکھا تھا اور ان کا یہ پروپیگنڈا اتنا سخت تھا کہ اس نے ان کو راہ حق سے محروم کر دیا تھا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

باطل پرستوں کے گلوں کے طوقوں کا ذکر و بیان:

اس سے واضح فرما دیا گیا کہ باطل پرستوں اور منکرین و مشرکین کے گلوں میں محرومی و بدبختی کے طوق پڑے ہیں۔ اللہ پاک کی اس سنت اور دستور کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ڈال دیئے طوق انکے گلوں میں ڈال دیئے ہیں انہی کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے جس سے ایک طرف تو اس کے تحقق وقوع یعنی قطعی اور یقینی ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اور دوسری طرف اس سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ جو لوگ حق کے انکار میں پوری ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے ہیں ان کے گلوں میں یہ طوق دراصل آج اور ابھی سے پڑے ہوتے ہیں مگر وہ اس وقت نظر نہیں آ رہے۔ کل قیامت کے روز جب حقائق بے نقاب ہو جائیں گے تو ان کو انہی طوقوں کے ذریعے مھسیٹ کر دوزخ میں ڈالا جائے گا ان لوگوں نے اپنی عقلوں اور اپنے ضمیروں کو

مطل کر کے جو دوسروں کی غلامی اور ان کی اندھی تقلید کے طوق اپنے گلوں میں ڈال رکھے تھے کشف حقائق اور ظہور نتائج کے اس جہاں میں وہ سب اپنی اصل اور حقیقی شکل میں سامنے آ جائیں گے۔ اور دوزخ کے داروغے انکو انہی سے پکڑ کر اور گھسیٹ کر انکے منہ کے بل دوزخ میں ڈالیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ (تَوْفَهُ يُسْعَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وَجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ) (القر: 47)

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِآلَتِي تُقَرَّبُكُمْ.....

دنیا کی دولت و عزت کو مقبولیت عند اللہ کی دلیل سمجھنے کا قدیم شیطانی فریب:

ابتداء دنیا سے دنیا کی دولت اور عیش و عشرت کے نشہ میں مغمور ہونے والوں نے ہمیشہ حق کی آواز کی مخالفت اور انبیاء صلحاء سے عداوت کا طریقہ اختیار کیا ہے، الا ماشاء اللہ، اس پر طرہ یہ کہ وہ اہل حق کے مقابلہ میں اپنی موجودہ حالت پر رگن اور مطمئن ہونے کی یہ دلیل بھی دیتے تھے کہ اگر ہمارے اعمال و عادات اللہ کو پسند نہ ہوتے تو ہمیں دنیا کی دولت، عزت حکومت کیوں دیتے؟ قرآن کریم نے اس کا جواب متعدد آیات میں مختلف عنوانات سے دیا ہے۔ آیات مذکورہ کا نزول بھی اسی طرح کے ایک واقعہ سے متعلق اور اس لغو دلیل کا جواب ہے۔

حدیث میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دو شخص ایک کاروبار میں شریک تھے، پھر ان میں سے ایک یہ جگہ چھوڑ کر کسی ساحلی علاقہ میں چلا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے، آپ کی نبوت و رسالت کا چرچا ہوا تو ساحلی ساتھی نے مکی ساتھی کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ ان کے دعوائے نبوت کا تم لوگوں نے کیا اثر لیا؟ اس پر مکی ساتھی نے جواب لکھا کہ قریش میں سے تو کوئی بھی ان کا تابع نہیں ہوا۔ صرف غریب مسکین بے حیثیت لوگ ان کے پیچھے لگے ہیں۔ ساحلی ساتھی وہاں کی اپنی تجارت چھوڑ کر مکہ مکرمہ آیا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ مجھے ان کا پتہ بتلاؤ، جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ ساحلی ساتھی کچھ کتب قدیمہ تورات و انجیل وغیرہ کا مطالعہ کیا کرتا تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور دریافت کیا کہ آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ آپ نے اپنی دعوت اسلام کے اہم اجزاء کا ذکر فرمایا، دعوت اسلام کو آپ کی زبان مبارک سے سنتے ہی اس نے کہا اشدھانک رسول اللہ، یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے عرض کیا کہ (آپ کی دعوت کا حق ہونا تو عقل سے سمجھا اور اس کی علامت یہ دیکھی کہ) جتنے انبیاء علیہم السلام پہلے آئے ہیں سب کے ماننے والے ابتداء میں قوم کے غریب و فقیر دنیا میں کم حیثیت لوگ ہوئے ہیں، اس پر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی (آیت) ما ارسلنا من قبلك الا رجالا قالا قولا و عملوا موعظا (ابن کثیر و مظہری) مترف، ترف سے مشتق ہے، جس کے معنی ناز و نعمت کی فراوانی کے آتے ہیں۔ مترفین سے مراد اغنیاء اور مالدار اور قوم کے رؤساء ہیں۔ قرآن کریم نے مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ جب کبھی ہم نے کوئی رسول بھیجا ہے تو مال و دولت کے نشہ اور ناز و نعمت میں پلے ہوئے لوگوں نے اس کا مقابلہ کفر و انکار ہی سے کیا ہے۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَاٰلِنَّا مِنْ دُوْنِهِمْ.....

لو حق کی تکذیب و مخالفت کی وجہ سے ہماری گرفت اور پکڑ سے نہیں بچ سکے تو یہ پھر یہ کس باغ کی مولیٰ اور کس برتے کے مالک ہیں کہ اپنے کیے کرائے کے انجام بد سے بچ سکیں؟ اور ان کی حقیقت اور حیثیت ہی کیا ہے۔ کیا پدی کیا پدی کا شور با؟ پس ان کو چاہیے کہ یہ ہوش کے ناخن لیں اور حق کی تکذیب و مخالفت سے بچیں اور اپنی اس روش سے باز آجائیں کہ یہ ہلاکت اور تباہی کی روش اور ابدی خسارے کا راستہ ہے۔ سو تکذیب رسل کا جرم ایسا ہولناک اور اس قدر سنگین جرم ہے کہ اس کا آخری نتیجہ و انجام بہر حال دائمی ہلاکت و تباہی ہے۔ پس ایسے لوگوں کو ملنے والی مہلت سے کبھی دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۖ هِيَ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنْ تَقُولُوا مَا بَصَّحْنَاكُمْ بِهِ ۖ وَالْأَخِرَةُ إِنَّ عَصِيئَتَهُمْ قُلْ لَهُمْ مَا سَأَلْتُمْ عَلَى الْإِنذَارِ وَالتَّبْلِيغِ ۖ مَن آجِر فَهُوَ لَكُمْ ۖ أَيْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ آجَرْتُمْ مَن تَرَاهُمْ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۗ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۖ مَطَّلِعٌ يَعْلَمُ صَدَقْتُمْ قُلْ إِنْ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۖ يَلْقَاهُ إِلَىٰ أَنْبِيَائِهِ عَلَامُ الْغُيُوبِ ۖ مَا غَابَ عَنْ خَلْقِهِ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ الْإِسْلَامَ وَمَا يُبْدِيهِ الْبَاطِلُ الْكُفْرَ وَمَا يُعِيدُ ۖ أَيْ لَمْ يَتَّبِعْ لَهُ أَتْرَقٌ قُلْ إِنْ ضَلَّكَتُمْ عَنِ الْحَقِّ فَإِنَّمَا أَضَلُّ عَلَىٰ نَفْسِي ۖ أَيْ إِنَّمَا ضَلَّالِي عَلَيْهَا وَإِنْ اهْتَدَيْتُمْ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ رَبِّي ۖ مِنَ الْقُرْآنِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّهُ سَبِيغٌ لِلدُّعَاءِ قَرِيبٌ ۖ وَكَو تَرَىٰ يَأْمُرُكُمْ إِذْ قَرَعُوا عِنْدَ النَّبْعِ لَرَأَيْتُمْ أَمْرًا عَظِيمًا فَلَا قُوَّةَ لَهُمْ مِمَّا أَيْ لَا يَقْرَأُونَ وَأُخِذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۖ أَيْ الْقُبُورِ وَقَالُوا أَمَّا بِهِ ۖ أَيْ بِمُحَمَّدٍ أَرِ الْقُرْآنِ وَ أَلَىٰ لَهُمُ التَّنَاقُشُ بِالْوَاوِ وَبِالْهَمْزَةِ بَدَلَهَا أَيْ تَنَاقَلَ الْإِيمَانَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۖ عَنْ مَحَلِّهِ إِذْ هُمْ فِي الْأَخِرَةِ وَمَحَلُّهُ الدُّنْيَا وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۖ فِي الدُّنْيَا وَيَقْدِفُونَ يَرْمُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ۖ أَيْ بِمَا غَابَ عِلْمُهُ عَنْهُمْ غَيْبَةً بَعِيدَةً حَيْثُ قَالُوا فِي النَّبِيِّ سَاحِرٌ شَاعِرٌ كَاهِنٌ وَفِي الْقُرْآنِ سِحْرٌ شِعْرٌ كَهَانَةٌ وَجِيلٌ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ مِنَ الْإِيمَانِ أَيْ قُبُولَهُ كَمَا فَعَلَ بِأَشْيَاءِهِمْ أَشْبَاهِهِمْ فِي الْكُفْرِ مِنْ قَبْلُ ۖ أَيْ قَبْلَهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ قَرِيبٍ ۖ مَوْقِعَ الرَّيْبِ لَهُمْ فِيمَا أَمْرًا بِهِ الْآنَ وَلَمْ يَتَّعَدُوا بِدَلِيلِهِ فِي الدُّنْيَا۔

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کے واسطے کھڑے ہو جاؤ یعنی اس کی وجہ

سے دور و مشنی انہیں اور ایک ایک فرادی واحد واحد کے معنی میں ہے پھر سوچو تا کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تمہارے ان صاحب محمد کو جنون دیوانگی نہیں ہے یہ تو تم کو بس ایک ڈرامیوالے ہیں پہلے سے عذاب شدید کے متعلق جو آخرت میں ہوگا اگر تم نے اللہ کی نافرمانی کی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں نے تم سے ڈرانے اور تلخ کرنے پر معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی رہا جنی میں تم سے بدلہ کا طلبگار نہیں ہوں میرا معاوضہ ثواب تو بس اللہ ہی کے ذمہ ہے اور وہی ہر چیز پر پوری اطلاع رکھنے والا ہے میری سچائی کو خوب جانتا ہے آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار حق کو نازل کرتا ہے اپنے نبیوں کو القاء کرتا ہے جو غیب کو جاننے والا ہے آسمان و زمین میں جو کچھ چھپا ہے آپ کہہ دیجئے کہ حق اسلام آ گیا اور باطل کفر نہ کرنے کا رہانہ دھرنے کا یعنی اس کا کچھ بھی نشان نہ رہا آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں حق سے گمراہ ہو گیا تو میری گمراہی کا وبال مجھ ہی پر رہے گا یعنی میری گمراہی کا گنا خود مجھ پر ہوگا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کی بدولت ہے جو قرآن و حکمت میرا پروردگار مجھ پر نازل کرتا رہتا ہے باشہ وہ دعا کا بہت سننے والا بہت نزدیک ہے اور کاش آپ اے محمد! اس وقت کو دیکھتے جب یہ گھبرائے پھر میں گے قیامت کے روز تو بڑا ہولناک منظر آ کو نظر آئے گا پھر بھاگ نہ سکیں گے یعنی ہم سے چھوٹ کر بچ نہ سکیں گے اور پاس کے پاس قبروں سے ہی پکڑ لیے جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم ایمان لے آئے محمد پر یا قرآن پر اور انکے ہاتھ آتا کہاں ممکن ہے تناوش واؤ کے ساتھ اور ہمزہ کے ساتھ بجائے واؤ کے ہے یعنی ایمان کا ہاتھ لگنا اتنی دور جگہ ایمان کے موقع سے کیونکہ یہ لوگ تو آخرت میں ہوں گے اور ایمان لانے کا عمل دنیا ہے حالانکہ یہ لوگ پہلے سے دنیا میں اس کا انکار کرتے رہے اور بے تحقیق باتیں دور دوری سے ہانکا بکا کرتے تھے یعنی ان کا علم ان سے بہت دور ہے چنانچہ نبی کے بارے میں شاعر کا ہن کہتے ہیں اور قرآن کے متعلق سحر اور شعر اور کہانت کہتے ہیں ایک آڑکھڑی کر دی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیز کے درمیان جس کی وجہ سے خواہش کریں گے یعنی ایمان کے قبول کرنے کے درمیان جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کے ساتھ یہی کیا جائے گا جو کفر میں ان کے شریک ہیں جو ان سے پہلے ہو گزر رہے ہیں یہ سب بڑے شک میں پڑے ہوئے تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا جس بات پر اب ایمان لانا چاہتے ہیں اس کے دلائل کو دنیا میں کسی قطار و شمار میں نہیں لاتے تھے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: بِوَأَحَدٍ ۴: یعنی ایک خصلت۔

قولہ: قَبْلِ: کیونکہ آپ کی بعثت حاعت کی ابتداء میں ہوئی۔

قولہ: لَمْ يَبْقَ لَهُ أَثَرٌ: یہ زندہ کی ہلاکت سے لیا گیا ہے، جب وہ ہلاک ہو جاتا ہے تو اس کی ابتداء و اعادہ باقی نہیں رہتا۔

قولہ: قَرِيبٌ: یعنی زمین کے ظاہر سے باطن کی نسبت زیادہ قریب ہے۔

قولہ: عَنْ مَحَلِّهِ: جب ایمان فوت ہو گیا تو اپنے ان کے اس حالت میں چھوٹنے کو تمثیل سے ذکر کیا اور اس آدی کی حالت سے بعید قرار دیا گیا جو کسی چیز کو ایک گز کے فاصلہ سے لینا چاہتا ہو جبکہ اس کا لینا ممکنات سے ہو۔

قوله: يَزْمُنُ: اور وہ گمان سے وہ کرتے ہیں جو ان کو رسول میں ظاہر نہیں ہوتیں۔

قوله: أَشْبَاهِهِمْ فِي الْكُفْرِ: اس میں آپ کی عداوت کا پختہ ہونا اور اتباع شہوات میں اپنے ساتھیوں کو دعوت دینے کی غرض بھی ظاہر ہوتی ہے۔

تفسیر مقبولین

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ.....

کفار مکہ کو دعوت:

إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اس میں اہل مکہ پر حجت تمام کرنے کے لیے ان کو تحقیق حق کا ایک مختصر راستہ بتلایا گیا ہے کہ صرف ایک کام کرو کہ اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ، دو دو اور ایک ایک، اللہ کے لیے کھڑے ہونے سے مراد حسی کھڑا ہونا نہیں کہ بیٹھے یا لیٹے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو جائے، بلکہ اس سے مراد محاورہ کے مطابق کام کا پورا اہتمام کرنا ہے۔ اور یہاں قیام کے ساتھ لفظ اللہ بڑھا کر یہ بتلانا منظور ہے کہ خالص اللہ کے راضی کرنے کے لیے پچھلے خیالات و عقائد سے خالی الذہن ہو کر حق کی تلاش میں لگو تاکہ پچھلے خیالات اور اعمال قبول حق کی راہ میں حائل نہ ہوں۔ اور دو دو یا ایک ایک میں کوئی عدد خاص مقصود نہیں، مطلب یہ ہے کہ غور کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں، ایک خلوت و تنہائی میں خود غور کرنا، دوسرا اپنے احباب و اکا بر سے مشورہ اور باہم بحث و تمحیص کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچنا۔ ان دونوں طریقوں کو یا ان میں سے جو پسند ہو اس کو اختیار کرو۔

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا اس جملہ کا عطف ان تقو موا پر ہے جس میں قیام کے مقصد کو واضح کیا گیا ہے کہ سب خیالات سے خالی الذہن ہو کر خالص اللہ کے لیے اس کام کے واسطے تیار ہو جاؤ کہ محمد ﷺ کی دعوت میں غور و فکر سے کام لو کہ حق ہے یا نہیں خواہ یہ غور و فکر تنہا تہا کرو یا دوسروں کے ساتھ مشورہ اور بحث و تمحیص کے ساتھ۔

آگے اس غور و فکر کی ایک واضح راہ بتلائی گئی۔ وہ یہ کہ ایک اکیلا آدمی جس کے ساتھ نہ کوئی طاقتور جتھا اور جماعت ہے نہ مال و دولت کی بہتات وہ اپنی پوری قوم بلکہ پوری دنیا کے خلاف کسی ایسے عقیدہ کا اعلان کرے جو صدیوں سے ان میں راسخ ہو چکا ہے اور وہ سب اس پر متفق ہیں، ایسا اعلان صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ کہنے والا بالکل مجنون و دیوانہ ہو جو اپنے نفع نقصان کو نہ سوچے اور پوری قوم کو اپنا دشمن بنا کر مصائب کو دعوت دے، دوسرے یہ کہ اس کی وہ بات سچی ہو کہ وہ اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہے، اس کے حکم کی تعمیل میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔

اب تم خالی الذہن ہو کر اس میں غور کرو کہ ان دونوں باتوں میں کون سی بات واقع میں ہے۔ اس طریقے سے غور کرو گے تو تمہیں اس یقین کے سوا کوئی چارہ نہ رہے گا کہ یہ دیوانے اور مجنون نہیں ہو سکتے، ان کی عقل و دانش اور کردار و عمل سے سارا مکہ اور سب قریش واقف ہیں۔ ان کی عمر کے چالیس سال اپنی قوم کے درمیان گزرے، بچپن سے جوانی تک کے سارے حالات ان کے سامنے ہیں، کبھی کسی نے ان کے کسی قول و فعل کو عقل و دانش اور سنجیدگی و شرافت کے خلاف نہیں پایا، اور صرف

ایک کلمہ لا الہ الا اللہ جس کی یہ دعوت دیتے ہیں اس کے سوا آج بھی کسی کو ان کے کسی قول و فعل پر یہ گمان نہیں ہو سکتا، کہ یہ عقل و دانش کے خلاف ہے۔ ان حالات میں یہ تو ظاہر ہو گیا کہ یہ مجنوں نہیں ہو سکتے، اس کا اظہار آیت کے اگلے جملے میں اس طرح فرمایا: مَا يَصَاحِبُكُمْ فَمِنْ حَيْثُ مَا فِي لَفْظِ يَصَاحِبُكُمْ سے اس طرف اشارہ ہے کہ کوئی اجنبی مسافر باہر سے آجائے جس کے حالات معلوم نہ ہوں، اس کی کوئی بات پوری قوم کے خلاف نہیں تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ دیوانہ ہے، جن کی کوئی حالت و کیفیت تم سے مخفی نہیں، اور تم نے بھی کبھی اس سے پہلے ان پر اس طرح کا کوئی شبہ نہیں کیا۔

اور جب پہلی صورت کا نہ ہونا واضح ہو گیا تو دوسری صورت متعین ہو گئی، جس کا ذکر آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے،
 إِنَّهُ هُوَ إِلَّا تَنْذِيرٌ لِّكُلِّ بَيْنِ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝ یعنی آپ کا حال اس کے سوا نہیں کہ وہ لوگوں کو قیامت کے آنے والے عذاب شدید سے بچانے کے لیے اس سے ڈرانے والے ہیں۔

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِيهِ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ۝

باطل ایک بے بنیاد اور بے ثبات چیز ہے:

ارشاد فرمایا گیا کہ کہو کہ حق آ گیا اور باطل نہ کرنے کا رہانہ دھرنے کا۔ یعنی مٹ گیا اور ختم ہو گیا۔ کیونکہ زندگی اور بقاء کی نشانی و علامت یہ ہے کہ یا تو وہ ابتدائی کوئی فعل کرے یا اسے دوہرائے۔ اور جب ان دونوں میں سے کوئی بات بھی باقی نہیں تو ظاہر ہے کہ وہ ختم ہو گیا۔ محاورے کی زبان میں کسی چیز کے زوال کو اس طرح تعبیر کیا جاتا ہے۔ وَمَا يُبْدِيهِ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ۝ نہ وہ کرنے کا رہانہ دھرنے کا اسی لیے بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ دالی آیت کریمہ اور یہ آیت کریمہ پڑھتے ہوئے اپنی تلوار کے اشارے سے خانہ کعبہ کے اندر کے بتوں کو گراتے جارہے تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ سو اس ارشاد سے باطل کی بے ثباتی کو آشکارا فرمایا گیا ہے کہ کائنات کے اس کارخانہ ہست و بود کا آغاز اس کے خالق نے حق کے ساتھ فرمایا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ اس کی انتہا بھی حق ہی پر ہو۔ جب باطل کا کوئی عمل دخل اس کے ابد میں نہیں تو اس کے اعادہ میں کس طرح ہو سکتا ہے؟ پس جن لوگوں نے اپنے فرضی دیوتاؤں، دیویوں اور خود ساختہ من گھڑت سرکاروں پر کر رکھا ہے ان پر یہ امر واضح رہنا چاہیے کہ ان کے ان دیوتاؤں وغیرہ کے اختیار میں نہ کسی چیز کا ابداء ہے نہ اعادہ۔ بلکہ یہ سب کچھ اللہ وحدہ لا شریک ہی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے جو کہ ساری کائنات کا بلا شرکت غیرے خالق و مالک ہے۔ نہ اس کے ابداء میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ ہی اس کے اعادہ میں۔ وہ ہر لحاظ سے وحدہ لا شریک ہے۔

قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي ۝

منکرین و مشرکین کے قلوب و ضمائر کو جھنجھوڑنے والی تشبیہ:

یعنی حق کی پوری طرح وضاحت کے بعد بھی جو لوگ ضد اور ہٹ دھرمی سے ہی کام لیں ان کو یہ آخری اعلان سنائیں کہ اگر بالفرض میں گمراہی پر ہوں تو اس کا وبال مجھ ہی پر ہوگا۔ تم سے اس کی کوئی پوچھ نہیں ہوگی۔ اور اگر میں ہدایت پر ہوں جیسا

کہ حقیقت اور واقعہ کے اعتبار سے میں ہوں، تو یہ اس وحی کی بنا پر ہے جو میرے رب کی طرف سے میری طرف کی جاتی ہے۔ اور اس صورت میں حق کا انکار کرنے پر جو انجام تمہارا ہو سکتا ہے اور ہوگا اسے تم خود سوچ اور سمجھ لو اور اپنی فکر خود کر لو۔ اور اس حقیقت کو اپنے پیش نظر رکھو کہ وحی خداوندی کی تکذیب اور اس کے انکار کا نتیجہ و انجام بڑا ہی ہولناک ہوتا ہے۔ بہر کیف اس میں منکرین و مشرکین کے قلوب و ضمائر کو جھنجھوڑنے والی تنبیہ ہے۔ سوار شاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ اگر بالفرض میں گمراہ ہوں۔ جیسا کہ تم لوگوں کا کہنا ہے۔ تو اس کا وبال مجھ ہی پر ہوگا تم لوگوں سے اس بارے کوئی پوچھ نہ ہوگی کہ پوچھ تو بہر حال مجرموں ہی سے ہوتی ہے۔ لیکن اس معاملے کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ میں حق و ہدایت پر ہوں جیسا کہ حقیقت اور واقعے کے اعتبار سے ہے۔ اور یہ ہدایت مجھے اس وحی کی بنا پر نصیب ہوئی ہے جو میرے رب کی طرف سے مجھے فرمائی گئی ہے۔ تو اس صورت میں میری تکذیب کوئی معمولی نوعیت کا جرم نہیں۔ بلکہ یہ نہایت ہی سنگین اور انتہائی ہولناک جرم ہے۔ جس کا نتیجہ و انجام بڑا ہی برا اور نہایت ہی ہولناک ہوگا۔ پس تم لوگ اپنے جرم تکذیب و انکار کے ان ہولناک عواقب و نتائج کے بارے میں اچھی طرح سوچ لو۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فُزِعُوا....

عذاب کے وقت منکروں کی بے بسی اور لا چاری کا منظر:

ارشاد فرمایا گیا کہ اس وقت یہ نہایت گھبراہٹ کے عالم میں ہوں گے۔ ان کے لیے بھاگ نکلنے کی بھی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی اور ان کو قریب کی جگہ ہی سے فوراً پکڑ لیا جائے گا۔ یعنی منکروں کیلئے اس وقت نہ تو اس طرح کہیں بھاگ کر بچ نکلنے کی کوئی صورت ممکن ہوگی جس طرح کہ دنیا میں مجرم لوگ بسا اوقات ہاتھ سے نکل جاتے ہیں اور نہ ہی اس روز ان کے پکڑنے کے لیے کسی بڑی بھاگ دوڑ اور خاص اہتمام و انتظام کی ضرورت ہوگی، جس طرح کہ دنیا میں پولیس اور حکومتوں وغیرہ کو کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ یہ لوگ جہاں کہیں بھی ہوں گے وہیں سے دھر لیے جائیں گے اور بہت آسانی سے پکڑ لیے جائیں گے۔ سو یہ دراصل ان کے پکڑنے میں سہولت اور آسانی سے کنایہ ہے۔ سو کنایہ عن سہولۃ الامر۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ سو اللہ پاک کا عذاب جب ایسے منکروں پر آئے گا۔ والعیاذ باللہ۔ تو ان کیلئے اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ اس کا عذاب ان کے پاؤں کے نیچے سے یا ان کے سر کے اوپر سے کہیں سے بھی آ جائے گا۔ انکو پوری طرح اپنے قابو میں لے لیگا اور ان کیلئے اس سے بچ نکلنے کی کوئی راہ ممکن نہ ہوگی۔ اور اس موقع پر ان منکر لوگوں کے کبر و غرور کی سب ہوا نکل جائے گی اور ان کی بے بسی اور لا چاری کا ایک ایسا منظر سامنے آئے گا جس کے اظہار و بیاں کا الفاظ و کلمات احاطہ نہیں کر سکتے۔ اسی تہویل اور ہولناکی کے اظہار کے لیے۔ وَلَوْ تَرَىٰ کے کلمہ شرط کی جزا کو ذکر نہیں فرمایا گیا کہ وہ اتنی ہولناک اور اس قدر سخت ہے کہ احاطہ بیان سے باہر ہے۔ سو اس وقت ان لوگوں کو اپنے جرم انکار و تکذیب کی سنگینی کا پتہ لگ جائے گا۔

وَجِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ....

یعنی جب فیصلہ کن عذاب نمودار ہو جائے گا تو ان کے اور ان کی تمام خواہشوں کے درمیان دیوار حائل ہو جائے گی یہ چیخ

چچ کر ایمان لائیں گے مگر ان کا وہ ایمان بے سود و لا حاصل وہ قبول نہیں ہوگا۔ یہ مہلت کی درخواست کریں گے لیکن اس کی کوئی شنوائی نہیں ہوگی، یہ اپنے خود سائنہ اور من گھڑت شریکوں اور سفارشیوں کو پکاریں گے کہ وہ اس مشکل وقت میں ان کی کوئی مدد کر سکیں۔ مگر ان کی طرف سے بھی ان کی کوئی فریاد رسی ممکن نہ ہوگی۔ سو آس و امید کے تمام دروازے ان پر بند ہو جائیں گے اور یہ ابدی مایوسی کے حوالے ہو جائیں گے، اور ان کو اسی صورت حال سے دوچار ہونا پڑیگا جس سے ان کے پیشرو ہم مشربوں کو ہونا پڑا تھا، جیسے عاد و ثمود اور قوم لوط و قوم فرعون وغیرہ۔ ان سب کی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے اپنے رسولوں اور ان کی دعوت کو جھٹلایا۔ اور ان کے انذار کی پرواہ نہ کی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے۔ وہ بھی انہی کی طرح الجھن انگیز شک میں پڑے رہے تھے، یہاں تک کہ وہ فیصلہ کن گھڑی آ پہنچی، اور وہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا رہے۔ سو انہوں نے اگر ان کے انجام سے سبق نہ لیا۔ اور اپنی اصلاح نہ کی تو انہوں نے بھی آخر کار اس ہولناک انجام سے دوچار ہو کر رہنا ہے۔ جس سے کل کے وہ منکر دوچار ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون بنے لاگ اور سب کیسے یکساں ہے۔ شک مریب یعنی الجھن انگیز شک کے الفاظ سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ تکذیب و انکار حق کے نتیجے میں انسان سکون و اطمینان کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔

سُورَةُ فَاطِرٍ

سُورَةُ فَاطِرٍ
۳۵ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آيَاتُهَا
۳۵رُكُوعَاتُهَا
۵

سورة فاطر کہ جس سے جو ہے حد مہربان نہایت تم والے اس میں پینتالیس آیتیں ہیں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدَ تَعَالَى نَفْسُهُ بِذَلِكَ كَمَا بَيَّنَّ فِي آوَلِ سَبَا فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خَالِقُهُمَا عَلَى غَيْرِ
 مِثَالِ سَبَقٍ جَاعِلِ الْمَلَكَةِ رُسُلًا إِلَى الْأَنْبِيَاءِ أُولَىٰ أَجْنِحَةٍ مِّثْنَىٰ وَثُلُثٌ وَرُبْعٌ ۚ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ فِي
 الْمَلَكَةِ وَغَيْرِهَا مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ كَرِزُقٍ
 وَمَطَرٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكُ ۚ مِنْ ذَلِكَ فَلَا مُمْسِكَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ ۚ أَيُّ بَعْدِ امْسَاكِهِ وَهُوَ
 الْعَزِيزُ الْعَالِمُ عَلَىٰ أَمْرِ الْحَكِيمِ ۝ فِي فِعْلِهِ يَأْتِيهَا النَّاسُ أَيُّ أَهْلِ مَكَّةَ أَذْكَرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ۚ
 بِأَسْكَانِكُمْ الْحَرَمَ وَمَنْعِ الْغَارَاتِ عَنْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ مِنْ رَائِدَةٍ وَخَالِقٍ مُبْتَدَأُ غَيْرُ اللَّهِ بِالرَّفْعِ
 وَالْجَرِّ نَعْتٌ لِخَالِقٍ لَفْظًا وَمَحَلًّا وَخَيْرُ الْمُبْتَدَأِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ الْمَطَرُ وَمِنَ الْأَرْضِ النَّبَاتِ
 وَالْإِسْتِفْهَامُ لِلتَّفَرُّيزِ أَيُّ لَا خَالِقَ رَازِقٍ غَيْرُهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَأَيُّ تَوْفُكُونَ ۝ مِنْ أَيْنَ تُضْرَفُونَ عَنْ
 تَوْجِيهِهِ مَعَ إِقْرَارِكُمْ بِأَنَّهُ الْخَالِقُ الرَّازِقُ وَإِنْ يُكْذَّبُوكَ يَا مُحَمَّدُ فِي مَجِيئِكَ بِالتَّوْحِيدِ وَالتَّبْعِ
 وَالْحِسَابِ وَالْعِقَابِ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ ۚ فِي ذَلِكَ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوا وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ
 الْأُمُورُ ۝ فِي الْأَخْرَجَةِ فَيَجَارِي الْمُكْذِبِينَ وَيُضْرَفُ الْمُرْسَلِينَ يَأْتِيهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ بِالْبَعْثِ
 وَغَيْرِهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا عَنْ الْإِيمَانِ بِذَلِكَ وَلَا يَقْرَأَنَّكُمْ بِاللَّهِ فِي جَلْمِهِ وَامْتِهَالِهِ
 الْغُرُورُ ۝ الشَّيْطَانُ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ بَطَاعَةَ اللَّهِ وَلَا تُطِيعُوهُ إِنَّمَا يَدْعُوا
 حِزْبَهُ اتِّبَاعَهُ فِي الْكُفْرِ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ النَّارِ الشَّدِيدَةِ الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ

سُحُورٌ شَدِيدٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿۱۳﴾ فَهَذَا بَيَانٌ مَّا لِمَوَافِقِي الشَّيْطَانِ وَمَا لِمَخَالَفَتِهِ وَنَزَلَ فِي أَبِي جَهْلٍ وَغَيْرِهِ

توکچہ پہلا: ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود فرمائی جیسا کہ سورہ سبأ میں ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا ہے فرشتوں کو پیغمبروں کے لیے پیغام رساں بنانے والا ہے جو دو دو تین تین چار چار اور بازور کہتے ہیں وہ فرشتوں وغیرہ کی پیدائش میں جو چاہے زیادہ کر سکتا ہے بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ جو رحمت جیسے رزق بارش لوگوں کے لیے کھول دے سو اس کو اس سے کوئی باز نہیں رکھ سکتا اور جو کچھ اللہ روک دے اس میں سے اس کو کوئی جاری کرنے والا نہیں ہے اس روک دینے کے بعد اور وہی اپنے معاملہ میں غلبہ والا اپنے کام میں حکمت والا ہے کہ اللہ کو اللہ کے احسانات اپنے اوپر یاد کرو تمہیں حرم شریف میں سکونت بخش کر اور لوٹ مار سے مامون کر کے کیا کوئی خالق ہے من زائدہ ہے اور خالق مبتدا کے ہے اللہ کے سوا لفظ غیر رفع اور جر کے ساتھ لفظ کے لحاظ سے اور محل کے لحاظ سے خالق کی صفت ہے اور مبتدا کی خبر آگے ہے جو تمہیں آسمان سے بارش کی صورت میں اور زمین سے پیداوار کی صورت کی صورت میں روزی پہنچاتا ہو اس میں استغناء تقریر کے لیے ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی خالق رازق نہیں ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو تم کہاں لٹے چلے جا رہے ہو اس کی توحید سے کیسے پھرے جا رہے ہو جب کہ تمہیں اس کے خالق رازق ہونے کا اقرار ہے اور یہ لوگ اگر جھٹلا رہے ہیں اے محمد آپ کے پیغام توحید بعث حساب عذاب کے بارے میں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں انہیں ہاتوں کی نسبت لہذا آپ بھی انہیں کی طرح صبر کیجئے اور یہ سب معاملات اللہ ہی کے سامنے پیش کئے جائیں گے قیامت میں چنانچہ جھٹلانے والوں کو سزا ہوگی اور پیغمبروں کی کامیابی۔ لوگوں! اللہ کا دندا قیامت وغیرہ کے بارے میں سچا ہے ایسا نہ ہو کہ دنیا کی زندگی تمہیں ان پر ایمان کے سلسلہ میں دھوکہ میں ڈال دے اور نہ تم کو اللہ کے حلم اور مہلت دینے سے وہ بڑ فریب کار شیطان دھوکہ میں ڈال دے بلاشبہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے سو اس کو دشمن ہی سمجھتے رہو اللہ کی اطاعت کرو اس کی پیروی نہ کرو وہ تو کفر کی طرف اپنے پیروکاروں کو اسلئے بلاتا ہے کہ وہ لوگ دوزخی بن جائیں۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے یہ شیطان کے موافقین اور مخالفین کے انجام کا بیان ہے آنے والی آیت ابو جہل وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: الْحَصْدُ: افلام استغراق کا ہے۔

قولہ: فَاطِرٌ: یہ خالق کے معنی میں ہے۔

قولہ: مُتَشَفِّئِي: میں عدل معنوی طور پر پایا جاتا ہے۔

قوله: تَوَافِكُونَ: اسے انک سے لیا جائے، پھر نامعنی ہوگا اور اگر انک سے کذب و افتراء۔

تفسیر مقبولین

أَتَمُّدُّ بِنَفْهِ فَاطِمَةُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ....

تحمید خداوند حمید و مجید برائے اثبات توحید و تذکیر نعم و تحذیر از نعم:

(رہل) گذشتہ سورت کے اخیر میں کفار و مشرکین کی ہلاکت کا ذکر تھا کہ ان پر اللہ کا قہر نازل ہوا۔ اور ہلاک اور برباد ہوئے اور کافروں کی ہلاکت اور بربادی اللہ کی نعمت ہے جس پر شکر واجب ہے۔ کما قال تعالیٰ: لَقَطَعَ دَابِرَ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

اس لیے اس سورت کا آغاز اللہ کی حمد و ثنا سے کیا گیا (روح المعانی ص ۱۴۸ ج ۲۲) اور اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا ذکر کر کے شکر پر متنبہ کیا اور ناشکری کے انجام سے ڈرایا۔

اس سورت کا زیادہ حصہ اثبات توحید اور ابطال شرک اور منکرین توحید اور منکرین قیامت کی تہدید اور توبیح میں ہے اور بعض آیات میں آنحضرت ﷺ کی تسلی کا ذکر ہے جو آپ ﷺ کو کفار کی تکذیب سے رنج و غم ہوتا تھا اور بعض آیات میں جزاء اور سزا اور ایمان اور عمل صالح کی عزت اور کفر اور اعمال سیئہ کی ذلت اور خواری کا بیان ہے پہلی سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی حمد سے ہوتا ہے اور دونوں سورتوں کے مضامین میں مناسبت ظاہر ہے پہلی سورت کی طرح اس سورت کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے حمد اور شکر سے شروع فرمایا اول اپنے آثار نعمت اور دلائل قدرت کو ذکر فرمایا تاکہ توحید ثابت ہو۔

بعده مسئلہ رسالت بیان فرمایا۔ وَإِنْ يُكْفِرْ بِكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۗ اس کے بعد معاد کا مضمون بیان فرمایا۔ يَأْتِيهَا النَّاسُ إِنْ وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا فَلَا تَعْرَفُكُمُ الْحَيَواتُ الدُّنْيَا وَلَا يَعْرِفُكُمْ بِأَنَّهُ الْعَرُودُ ۗ چنانچہ فرماتے ہیں تمام تر حمد و ثناء اسی خدائے پاک کے لیے لائق ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے عدم سے چیر کر آسمان اور زمین کو نکالا اور وجود کا لباس ان کو پہنایا تاکہ دنیا اس کی قدرت کا جلوہ دیکھے اس لیے کہ یہ دونوں اس کی عجیب و غریب رحمتوں اور نعمتوں کے معدن اور مخزن ہیں جن کو دیکھ کر دنیا کے عقلا حیران اور سرگرداں ہیں کہ سارا جہان زمین کے فرش پر آسمان کی چھت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔

آسمان اور زمین کے اختلاط اور امتزاج سے رزق پیدا ہوتا ہے جیسے مرد اور عورت کے اختلاط اور امتزاج سے بچہ پیدا ہوتا ہے آسمان بمنزلہ مرد کے ہے اور زمین بمنزلہ عورت کے ہے آسمان سے بارش ہوتی ہے اور زمین اس کو اپنے اندر جذب کرتی ہے اسی طرح سمجھو کہ علوی اور سفلی کے امتزاج سے رزق پیدا ہوتا ہے یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے آسمان بمنزلہ فاعل کے ہے اور زمین بمنزلہ قائل کے ہے اور زمین کے ثمرات بمنزلہ اولاد کے ہیں جس کا اصل سرچشمہ آسمان ہے۔ کما قال تعالیٰ: وَلِي السَّمَاءِ رِزْقِكُمْ وَمَا تَوْعَدُونَ۔

پس تمام خوبی اللہ کے لیے جو آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور اس خدا کے لیے ہے جو فرشتوں کا پیدا کرنے والا ہے اپنے نبیوں کی طرف ان کو اپنا قہر اور اپنی بانی والا ہے کہ آسمان سے اللہ کا پیغام لے کر جلد آسمان سے اتریں اور پیغمبروں کو پہنچائیں تاکہ زمین سے گمراہی کی گندگی دور ہو اور وحی اور الہام اور روئے صالحہ سے شیاطین کے دوسوں کی ظلمت دور ہو پھر یہ فرشتے جو اللہ کا پیغام لے کر آسمان سے زمین پر اترتے ہیں اور پھر زمین سے آسمان پر چڑھتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے پردوں والا اور بازو والا بنایا ہے تاکہ ان پردوں کے ذریعے عالم بالا کی پرواز کر سکیں اور اللہ کا حکم لے کر آسمان سے زمین پر جلد پہنچیں۔ غرض یہ کہ فرشتوں کے پر اور بازو ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار اور یہ بازو ان کی خلقت کے مناسب ہیں جیسے ان کی خلقت نورانی ہے اسی طرح ان کے بازو بھی نورانی ہیں اور اصل حقیقت اور کیفیت تو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پھر خدا کے پیغمبر جنہوں نے فرشتوں کو دیکھا ہے وہی کچھ ان کا حال بتا سکتے ہیں فلسفی اور سائنس دان دائرہ محسوسات میں صرف اتنا بتا سکتے ہیں کہ کبوتر کے دو بازو ہیں اور دو پر ہیں جن سے وہ ہوا میں اڑتا ہے مگر کس طرح اڑتا ہے اور اس کے طیران (اڑنے کی) حقیقت اور کیفیت کیا ہے یہ بیان نہیں کر سکتا اور یہ فلسفی دو آنکھوں سے دیکھتا ہے اور دو پیروں سے چلتا ہے مگر اپنے دیکھنے اور چلنے کی حقیقت اور کیفیت کے بتلانے سے قاصر اور عاجز ہے اور اگر اس فلسفی کی چار آنکھیں اور چار پیر ہوتے تو کیسے دیکھتا اور کیسے چلتا یا دو زبانیں ہوتیں تو کیسے بولتا یہاں فلسفی دم بخود ہے فلسفی خدا تعالیٰ کے متعلق تو خوب زبان چلاتا ہے ذرا اپنے متعلق بھی تو کچھ زبان چلائے اور ہلائے جو خدا دو پیر اور دو آنکھیں دینے پر قادر ہے وہی خدا چار آنکھیں اور چار پیر دینے پر بھی قادر ہے اور وہی خدا دونوں آنکھیں پھوڑ دینے اور دونوں ٹانگیں توڑ دینے پر بھی قادر ہے۔ یَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ
إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اس کی قدرت کے اعتبار سے دو اور چار اور توڑنا اور پھوڑنا اور جوڑنا سب برابر ہے۔ اور بڑھاتا ہے وہ فاطر (قادر) پیدائش میں کیت اور کیفیت اور صورت اور صفت کے اعتبار سے جو چاہتا ہے اور جس قدر چاہتا ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہذا فرشتوں کے تین چار بازو سن کر تعجب نہ کرنا چاہئے اس کی صنعت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا وہ قادر مطلق اور خالق مطلق ہے جس طرح چاہے بنائے اس نے اپنی قدرت اور حکمت سے جس مخلوق کی خلقت اور صنعت میں جتنی چاہی زیادتی کر دی کسی کو دو پایہ بنایا اور کسی کو چار پایہ اور کسی کو چھل پایہ (ککھجورا) بنایا مکھی کی آنکھ بظاہر ایک دکھائی دیتی ہے مگر انکشاف جدیدہ سے یہ معلوم ہو کہ جب بذریعہ خوردبین دیکھو تو اس کی آنکھیں آٹھ ہزار سے زیادہ نظر آتی ہیں۔ لوگوں کے حواس خمسہ کم دیش اور مختلف ہیں کوئی کم دیکھتا ہے اور کوئی زیادہ اور کوئی کم سنتا ہے اور کوئی زیادہ۔ کسی کو عقل اتنی زیادہ دی کہ آسمان تک پرواز کر سکے۔ کسی کو بے بال و پر بنایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت سے فرشتوں کی خلقت میں تفاوت رکھا کسی کے دو اور کسی کے تین اور کسی کے چار بازو بنائے اور کسی کے اس سے بھی زیادہ۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے شب معراج میں جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ اس کے چھ سو بازو ہیں۔

ز جان رحمہ اللہ اور فرما رحمہ اللہ اور جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ میں جس زیادتی کا ذکر ہے وہ ملائکہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے ہر خلقت و صنعت اور قد و قامت اور حواس ظاہرہ اور باطنہ سب کو شامل ہے جس میں حسن صورت اور حسن سیرت اور آنکھوں کی ملاحظت اور زبان کی حلاوت اور خوش آوازی اور نغمہ و دلکش اور جسامت اور جسمانی

قوت اور عقل کی جوہر اور متانت وغیرہ وغیرہ سب یزید فی الخلق ما یشاء میں داخل ہے کسی خاص نوع کے ساتھ مخصوص نہیں اور امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر میں اسی عموم کو اختیار کیا ہے اسی طرح سمجھو کہ فرشتے اللہ کی ایک نورانی مخلوق ہے جو ہر اسے زیادہ لطیف ہے اور ان کی خلقت اور پیدائش میں اس نے اپنی حکمت سے تفاوت رکھا ہے کسی کو دہر عطا کیے۔ اور کسی کو تین اور کسی کو چار اور کسی کو اس سے بھی زیادہ۔ وہ قادر مطلق اور حکیم مطلق ہے وہ اپنی پیدائش اور بناوٹ میں جو کسی اور زیادتی جانتا ہے اس پر کسی کو چون دہرا کی مجال نہیں سارا عالم اس کی قدرت کے سامنے اور سارے عالم کی عقلیں اس کے علم و حکمت کے سامنے بے بال و پر ہیں کسی کی مجال نہیں اس کے آسمان قدرت و حکمت تک پرواز کر سکے۔ جسم انسانی کی طرح روح انسانی کی بھی ایک خاص شکل اور خاص ہیئت ہے مگر وہ لطیف اور مجرد من المادہ ہے اور لطافت کی وجہ سے ادراک اور احساس سے بالا اور برتر ہے روح کی شکل اور ہیئت کو انسان کی ظاہری ہیئت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اسی طرح فرشتوں کے پروں اور بازوؤں کو پرندوں کے پروں اور بازوؤں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

ذکفہ: طیور یعنی پرندے جسم خاکی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو خلا میں پرواز کرنے کے لیے پر عطا کیے۔ فرشتے جسم نورانی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو عالم بالا کی پرواز کے لیے نورانی پر عطا کیے جن کی دلفریبی کی کوئی حد نہیں جسم طیور چونکہ خاکی ہے اس لیے بالطبع مائل بہ سفلی (پستی) ہے اور ملائکہ نورانی ہیں اس لیے بالطبع مائل بہ علوی (بلندی) ہیں۔ اور چونکہ فرشتے تدابیر عالم پر مامور ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو نورانی اور لطیف بال و پر عطا کیے تاکہ عالم علوی اور عالم سفلی کے ہبوط اور صعود میں ان کو مدد دیں۔ (ماخوذ از تفسیر عزیزی ص ۱۳۴)

اور وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ کوئی اس کی قدرت میں مزاحم نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے جس جسمانی یا روحانی رحمت اور نعمت کا دروازہ کھول دے جیسے بارش اور روزی اور نعمت و صحت اور امن و عافیت اور علم و حکمت اور ایمان اور ہدایت۔ اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس چیز کو وہ روک لے تو کوئی اس کو کھولنے والا نہیں اور وہی زبردست اور حکمت والا ہے اس کا کھولنا اور بند کرنا سب حکمتوں پر مبنی ہے جس بندہ کو اللہ تعالیٰ نے کوئی فضیلت اور نعمت عطا کی اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے خدا نے کوئی نعمت اور فضیلت روک لی اسے کوئی دے نہیں سکتا تمام خزان رحمت اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

اے لوگو جب تم نے دیکھ لیا کہ تمام نعمتوں اور رحمتوں کے خزانے اسی کے دست قدرت میں ہیں تو تم اپنے اوپر اللہ کے انعام اور احسان کو یاد کرو۔ اور اپنے منعم اور محسن کا شکر کرو کہ اس نے تم کو عدم سے نکال کر وجود عطا کیا اور بے شمار نعمتیں تم کو عطا کیں اور اس نے تم کو رزق اور سامان بقا دیا ہوشیار ہو جاؤ مطلب یہ ہے کہ نعمت کو یاد کر کے منعم کو پہچانو کہ کس نے تم کو یہ نعمت دی۔ بھلا کیا اللہ کے سوا تمہارا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دے کہ آسمان سے بارش برسائے اور زمین سے نباتات اگائے؟ کوئی نہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس جب اللہ کی حجت تم پر قائم ہو گئی تو پھر کہاں پھرے جاتے ہو کہ توحید کو چھوڑ کر شرک میں اوندھے گرے جا رہے ہو۔ اب توحید کے بعد آپ ﷺ کی رسالت کو ذکر کرتے ہیں جو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اگر یہ لوگ دربارہ توحید و رسالت و قیامت آپ کو جھٹلائیں تو آپ ﷺ غم نہ کریں آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے انہوں نے صبر کیا آپ ﷺ بھی صبر کیجئے اور اگر دنیا میں حق کا اثر ظاہر نہ ہوا تو آخرت میں تمام

امور اسی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے نہ کہ اس کے غیر کی طرف۔ وہاں آپ ﷺ کو صبر کی جزاء اور ان کو تکذیب کی جزا دے گا آپ ﷺ نے نصیحت کر کے دنیا میں ان پر رحمت قائم کر دی۔ اے لوگو تحقیق دار آخرت اور قیامت اور جزا اور جزا کے متعلق اللہ کا وعدہ بالکل حق اور درست ہے پس یہ دنیاوی زندگی اور اس کی زینت اور آرائش اور اس کی میٹھ و عشرت اور آسائش تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے یہ دنیا فانی ہے دائمی نہیں اور ایسا نہ ہو کہ کوئی دھوکہ باز تم کو دھوکہ دے دے اور پیغمبروں کی پیروی سے تم کو روک دے اور آخرت سے تم کو بے فکر کر دے۔ تحقیق یہ شیطان تمہارے باپ کی طرح تمہارا بھی دشمن ہے۔ تمہاری تاک میں ہے۔ پس تم اس کو اپنا دشمن سمجھ رکھو کسی بات میں اس کو اپنا خیر خواہ نہ سمجھنا۔ ہوشیار ہو اس کے کہنے سے اللہ کی معصیت نہ کرنا معصیت تو معصیت طاعت میں بھی اس سے ہوشیار رہو کہیں ریا اس میں داخل نہ کر دے۔ جزایں نیست کہ یہ مکار اپنے گروہ کو دنیا کی دعوت دیتا ہے تاکہ انجام کار وہ لوگ بھی اس کے ساتھ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں اور اس کے یاروں اور مصاحبوں میں سے ہو جائیں۔ پس خوب سمجھ لو کہ انبیاء کی دعوت اور شیطان کی دعوت دونوں تمہارے سامنے ہیں اور اس کا قبول کرنا تمہارے اختیار میں ہے لہذا جو لوگ کافر ہوئے اور شیطان کے کہنے پر چلے ان کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہے۔ جن لوگوں نے باوجود حق تعالیٰ کی تنبیہ اور نصیحت کے شیطان کا اتباع کیا وہ اہل شقاوت ہیں جن کا انجام دائمی عذاب ہے اور جن لوگوں نے شیطان کو اپنا دشمن سمجھا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے واسطے مغفرت اور اجر عظیم ہے یہ لوگ اہل سعادت ہیں۔ جن کو وہم و گمان سے بڑھ کر نعمتیں ملیں گی پس کیا وہ شخص جس کو اس کے برے اعمال مزین اور آراستہ کر کے دکھلائے گئے اور پھر اس نے اس کو اچھا سمجھا ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے کہ جو اچھے اور برے میں تمیز کرتا ہے ہرگز نہیں پس خوب سمجھ لو کہ یہ حق اور باطل کی تمیز من جانب اللہ ہے تحقیق اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے پس آپ کا نفس ان گمراہوں پر حسرتیں نہ کرے بلکہ خداوند عظیم و خیر پر چھوڑ دے کیونکہ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اس کو اللہ خوب جانتا ہے لہذا آپ ﷺ ان کی گمراہی پر رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔ بھلے اور برے کافر فرق ان پر واضح ہو چکا تھا۔ اللہ کی حجت ان پر پوری ہو چکی اور اللہ کو پہلے سے اس کا علم تھا۔

لطائف معارف

ذکر اقوال مختلفہ در بارہ حقیقت ملائکہ علیہم السلام

(۱) اہل اسلام کے نزدیک ملائکہ اجسام نورانیہ کا نام ہے جو نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور لطیف ہیں اور ہر صورت اور شکل میں نمودار ہو سکتے ہیں صورت اور شکل ان کے حق میں لباس کا حکم رکھتی ہے کھانے اور پینے اور توالد اور تناسل سے اور اللہ تعالیٰ کی معصیت سے پاک اور منزہ ہیں ذکر الہی ان کی غذا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو افعال تو یہ پر قدرت دی ہے۔ اور یہ باتیں قرآن کریم کی بے شمار آیات اور بے شمار احادیث سے اور صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہیں اور تمام کتب ہادیہ توریت اور انجیل اور زبور سب کی سب فرشتوں کے اقرار اور اعتراف اور ان پر ایمان کے بارہ میں متفق ہیں لہذا فرشتوں کا انکار اور فرشتوں کے نزول کا انکار سب کفر ہے اس لیے کہ یہ باتیں دلیل قطعی سے ثابت ہیں۔

(۲) قدیم فلاسفہ کے نزدیک ملائکہ ارواح مجردہ کا نام ہے یعنی ایسے حقائق کا نام ملائکہ ہے جو بذات خود قائم ہوں اور لوازم مادہ سے بالکل پاک اور بری ہوں اور وہ نفوس ناطقہ انسانی سے ایک علیحدہ نوع ہے جو صاحب ادراک و شعور ہے۔ یہ قدیم فلاسفہ کا مذہب ہے۔

(۳) اور فلاسفہ عصر سے سے وجود ملائکہ کے منکر ہیں۔

(۴) اور نصاریٰ کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ملائکہ ان نفوس ناطقہ کا نام ہے جو انسانی جسموں سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ نیک ہوں تو وہ ملائکہ ہیں اور اگر بد ہوں تو شیاطین ہیں۔

(۵) بعض بت پرستوں کا مذہب یہ ہے کہ ارواح کو اکب کا نام ملائکہ ہے جو سعادت اور نحوست کا اثر دنیا پر ڈالتے ہیں۔

(۶) اور مجوس کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم کی اصل دو چیزیں ہیں۔ نور اور ظلمت۔ نور ہمیشہ اختیار اور پسندیدہ لوگوں کو پیدا کرتا رہتا ہے یہ گروہ ملائکہ کا گروہ ہے۔ اور ظلمت خبیث اور شریر لوگوں کو پیدا کرتی ہے ان کا نام شیاطین ہے۔

(۷) نیچریوں کے نزدیک جو ہر چیز کو نیچر کا اثر مانتے ہیں۔ ملائکہ اجسام نورانیہ کا نام نہیں بلکہ ان تو اے فطریہ کا نام ملائکہ ہے جو نیکی کی طرف میلان پیدا کرتی ہے اور جو قوتیں برائی کی طرف کھینچتی ہیں ان کا نام شیاطین ہے یہ زمانہ حال کے نیچریوں کا مذہب ہے جو سرسید علی گڑھی کے پیرو ہیں اور سرسید نے جس بے باکی سے ملائکہ اور شیاطین کے وجود کا انکار کیا ہے اور آیات اور احادیث میں جو تحریف کی ہے یہود اور نصاریٰ میں بھی اس تحریف کی نظیر نہیں۔

نیچریوں کا یہ عقیدہ صریح الحاد اور زندقہ ہے اور صریح آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے خلاف ہے سرسید کے نزدیک فرشتہ ایک قوت کا نام ہے جو دکھائی دینے کے قابل نہیں اور قرآن اور حدیث سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہے کہ فرشتہ ایک جسم لطیف کا نام ہے جس کا دکھائی دینا ممکن ہے اور انبیاء کرام نے فرشتوں کا مشاہدہ کیا ہے اور مرنے کے وقت ہر شخص فرشتوں کو دیکھتا ہے اور قیامت کے دن کافر بھی فرشتوں کو دیکھیں گے۔ یوم یرون الملائکہ اور حدیث میں ہے کہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر اذال دیتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر آواز نکالتا ہے۔

غرض یہ کہ نیچریوں کا یہ عقیدہ کہ ملائکہ تو اے فطریہ کا نام ہے۔ صریح آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے خلاف ہے از روئے اسلام ملائکہ ایک ایسی لطیف اور نورانی مخلوق کا نام ہے جو عالم مادی کے ظلمات سے پاک اور منزہ ہے اللہ کی مخلوقات کی کوئی شمار نہیں اس کی بے شمار مخلوقات میں سے ایک نوع فرشتوں کی بھی ہے جو تمام انواع مخلوقات سے علیحدہ اور جدا ہے اور عالم مادی کی صفات اور کیفیات سے مبرا ہے۔

اب ہم چند آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں جو اس خیال خام کے قلع قمع کے لیے کافی ہیں۔

(۱) جاعل الملائکہ رسلا اولیٰ اجنحة مثنیٰ وثلاث وربع۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اے فطریہ کے کچھ پر اور بازو لگا رکھے ہیں۔

(۲) وتری الملائکہ حافین من حول العرش۔

یعنی فرشتے عرش عظیم کو گھیرے ہوئے ہیں۔

(۳) ويحمل عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانية۔
قیامت کے دن عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ تو کیا عرش عظیم کو گھیرے میں لینے والے اور اس کو اٹھانے والے یہ قوائے فطریہ ہیں۔

(۴) فان الله هو مولاه وجبريل وصالح المؤمنين والملائكة بعد ذلك ظهير۔
کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ اور مؤمنین صالحین نبی کے دوست اور معین اور مددگار ہیں۔

(۵) والملائكة يدخلون عليهم من كل باب سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار۔
کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ ہر دروازہ سے جنت میں داخل ہوں گے اور اہل جنت کو سلام کریں گے۔
(۶) ونادوا ايها الٰه ليقض علينا ربك۔

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ ال دوزخ قوائے فطریہ سے یہ درخواست کریں گے کہ آپ خدا تعالیٰ سے ہماری موت کا قطعی فیصلہ کر دیجئے۔

(۷) ما يلفظ من قول الا لديه رقيب عتيد۔

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ انسان کے الفاظ اور حروف کی نگرانی کرتے ہیں۔
(۸) ويوسل عليكم حفظة۔

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ انسان کی حفاظت کے لیے اللہ نے قوائے فطریہ کو مقرر کیا ہے۔

(۹) وان عليكم لحافظين كراما كاتبين يعلمون ما تفعلون۔

کیا ان نیاچہ کے نزدیک قوائے فطریہ ان کے اعمال کی کتابت کرتے ہیں۔

(۱۰) الله يصطفى من الملائكة رسلا۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض قوائے فطریہ کو اپنا پیغمبر اور سفیر بنا رکھا ہے۔

(۱۱) بل عباد مكرمون۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ خدا کے معزز بندے ہیں۔

(۱۲) يوم يقوم الروح والملائكة صفا۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن قوائے فطریہ خدا کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔

(۱۳) ان الله و ملائكته يصلون على النبي۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور اللہ صلی علی محمد و علی آل محمد کا صلیت

علی ابراہیم و علی آل ابراہیم پڑھتے رہے ہیں۔

(۱۴) وان لنا نحن الصفون وانا نحن المسبحون۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ ہر وقت خدا تعالیٰ کے سامنے صف بستہ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔

- (۱۵) وہم من خشية ربهم مشفقون۔
 کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ مثلاً کشش ثقل اور قوت اتصال خوف خداوندی سے ڈرتے رہتے ہیں۔
- (۱۶) تنزل علیہم الملائكة۔
 کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ موت کے وقت اہل ایمان پر قوائے فطریہ کا نزول ہوتا ہے ہر انسان کے قوائے فطریہ پہلے ہی سے موجود ہیں۔
- (۱۷) تنزل الملائكة والروح۔
 کیا شب قدر میں قوائے فطریہ کا نزول ہوتا ہے۔
- (۱۸) قل یتوفکم ملک الموت۔ (۱۹) توفته رسلنا۔
 کیا ان آیات کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ انسان کی روح قبض کرتے ہیں۔
- (۲۰) یضربون وجوهہم وابدبارہم۔
 کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ جب کفار کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو ان کے منہ اور دہر (سرین) پر کوڑے مارتے ہیں۔
- (۲۱) علیہا تسعة عشر۔
 کیا جہنم پر انیس قوائے فطریہ کا پہرہ ہے۔
- (۲۲) زنان مصر نے یوسف علیہ السلام کے جمال بے مثال کو دیکھ کر یہ کہا: ما هذا بشر ان هذا الا ملک کریم۔ یہ تو بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہے تو کیا زنان مصر کے نزدیک یوسف علیہ السلام کسی قوت فطریہ کا نام تھا اور کسی آدمی کا نام نہ تھا۔
 الغرض اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں جو اس جنون اور ہکواس کو رد کرتی ہیں کہ ”ملائکہ قوائے فطریہ کا نام ہے“۔ صرف قصہ پیدائش آدم علیہ السلام کو لے لیجئے جس میں ملائکہ کا سوال و جواب مذکور ہے کیا یہ سوال قوائے فطریہ کی طرف سے تھا۔ قرآن کریم میں ملائکہ کے انکار اور ان کی دشمنی اور عداوت کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ من کان عدو اللہ و ملائکتہ و رسلہ و جبریل و میکئل فان اللہ عدو للکفرین۔
 کیا اس آیت میں قوائے فطریہ کی دشمنی کو کفر کہا گیا ہے۔ ہم نے آج تک کسی بے وقوف کو بھی نہیں سنا کہ وہ اپنے قوائے فطریہ یعنی قوت باصرہ اور قوت سامعہ اور قوت غازیہ اور قوت دافعہ اور قوت مفکرہ کو اپنا دشمن سمجھتا ہو۔
 ان احمقوں سے کوئی پوچھے تو سہی کہ کیا کراما کاتبین اور ملائکہ الموت اور منکر و نکیر اور جنت و جہنم کے فرشتے۔ کیا ان سب سے قوائے فطریہ مراد ہیں۔

احادیث صحیحہ و صریحہ:

اور جن احادیث صحیحہ و صریحہ میں ملائکہ اور ان کے اقوال اور افعال اور احوال کا ذکر آیا ہے وہ شمار سے باہر ہیں اور اس

قدر صریح اور واضح ہیں کہ نہ مجال انکار کی ہے اور نہ گنجائش تادیل کی ہے۔ حدیث جبرئیل علیہ السلام جو ایک معروف و مشہور ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ پہلے جبرئیل امین علیہ السلام کا آنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان اور اسلام اور احسان اور قیامت کے متعلق سوال کرنا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا مذکور ہے کیا یہ سب سوالات تو ائے فطریہ کی طرف سے تھے جو لباس جبرئیلی میں نمودار ہوتے تھے۔ کبریت کلمۃ تخرج من افواہم ان یقولون الا کذبا۔

اطلاع: جاننا چاہئے کہ ملائکہ کا وجود قرآن اور حدیث سے صراحتاً ثابت ہے خان بہادر سرسید علی گڑھی اپنی تفسیر میں شہود سے وجود ملائکہ اور وجود شیاطین کا منکر ہے اور آیات قرآنیہ میں عجیب عجیب تادیلیں کرتا ہے۔ سرسید نے ملائکہ اور شیاطین کے بارہ میں جو تحریفات کی ہیں ان کو مولانا عبدالحق صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر حقانی کے مقدمہ میں نقل کر کے ان کا ہڈیاں اور بکواس ہونا ثابت کیا ہے ناظرین کرام مقدمہ تفسیر حقانی جو تفسیر کے ساتھ چھپا ہوا ہے از ص ۲۰ تا ص ۶۰ ملاحظہ کریں۔

واللہ الھادی الی سواء العرین۔

وجود ملائکہ پر فلاسفہء حال کے شبہات اور ان کے جوابات:

فلاسفہء حال چونکہ سرے سے وجود ملائکہ کے قائل نہیں اس لیے ہم ان کے چند شبہات مع جوابات ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

پہلا شبہ: منکرین ملائکہ کا ایک شبہ یہ ہے کہ اگر ملائکہ (فرشتے) اللہ کی کوئی مخلوق ہے اور موجود ہے تو ہم کو دکھائی کیوں نہیں دیتی۔

جوابات: (۱) یہ ہے کہ فرشتے بوجہ لطافت کے نظر نہیں آتے ایک شیشہ میں صاف و شفاف ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے مگر لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی تو کیا اس وجہ سے کوئی فلسفی ہوا کے انکار کر سکتا ہے۔

(۲) فلاسفہء حال اس بات کے قائل ہیں کہ یہ تمام عالم ایک غیر محسوس مادہ سے بھرا ہوا ہے جسے ایتھر کہتے ہیں۔ (۳) نیز بہت سے اجرام ہوائی ایسے ہیں کہ آلات کے ذریعہ سے تو محسوس ہوتے ہیں بغیر آلات کے محسوس نہیں ہوتے۔ معلوم ہوا کہ یہ امر ممکن ہے کہ ہم کسی چیز کو آلات نہ ہونے کی وجہ سے نہ دیکھ سکیں اگرچہ وہ چیز فی الواقع موجود ہے۔

کھانے میں اگر سکھیا اور زہر ملا دیا جائے تو بسا اوقات وہ اتنا قلیل ہوتا ہے کہ انسان اس زہر کو نہ قوت باصرہ سے محسوس کر سکتا ہے اور نہ قوت شامہ سے مگر بندر اس کو سونگھ کر فوراً پہچان سکتا ہے۔ اور نیولا تو اسے دیکھ کر ہی پہچان لیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ حق جل شانہ نے ان کا ادراک اور احساس انسان کو عطا نہیں فرمایا اور دوسری کثر مخلوق کو اس کا ادراک عطا فرمایا ہے تو کیا اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ فرشتوں کا ادراک اور احساس حضرات انبیاء کو عطا کیا ہو اور عام انسانوں کو ان کا ادراک نہ عطا کیا ہو۔ بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جانوروں کو یہ احساس دیا گیا ہے چنانچہ

حدیث میں آیا ہے کہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر چیختا ہے۔ شہد کی مکھی کبھی راستہ نہیں بھولتی یہ قوت

حافظ انسان کو نہیں دی گئی۔ چیونٹی سوراخ کی گہرائیوں میں سے مٹھائی کی خوشبو محسوس کر لیتی ہے یہ اس کی قوت شامہ ہے بندر اور بہت سے حشرات الارض اندھیرے اور اجالے میں یکساں دیکھتے ہیں۔

ریڈیو کے ذریعہ ہزاروں میل کی آوازیں سنائی دیتی ہیں جو بغیر ریڈیو کے نہیں سنائی دے سکتیں ہزاروں میل کی آواز سننے کے لیے اس آلہ کا ہونا شرط ہے لہذا جس کے پاس ریڈیو نہ ہو وہ ہزاروں میل کی آواز نہیں سن سکتا اسی طرح ممکن ہے کہ فرشتوں کو دیکھنے کے لیے کوئی خاص بینائی شرط ہو جو انبیاء کو عطا کی گئی ہو۔ پس جس طرح ریڈیو کا انکار معتبر نہیں اسی طرح فرشتوں کا انکار بھی معتبر نہیں۔

دوسرا شبہ: یہ ہے کہ فرشتے ایسے قوی تصرفات پر کیسے قادر ہوئے جن کا ذکر قرآن اور حدیث میں آتا ہے جیسے کسی فرشتہ یا جن کا طرفہ العین میں تخت بلقیس کو سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر رکھ دینا یا فرشتوں کا آسمان سے زمین پر اترنا اور پھر ان کا واپس ہو جانا۔ وغیرہ وغیرہ۔

جواب: یہ ہے کہ فرشتے غایت درجہ لطیف اور نورانی ہیں اور لطیف اور نورانی شے کی تاثیر بھی نہایت قوی ہوتی ہے آگ اور بھاپ اور بجلی اور پانی کی طاقتوں کا حال ہماری نظروں کے سامنے ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں عنصر خاکی کو لے لیجئے۔ جس کی دیگر عناصر کے سامنے کوئی حقیقت نہیں سوائے لطافت اور کثافت کے اور کیا فرق ہے بجلی کے کرشمے آج دنیا کے سامنے ہیں پس قوم شمود کا فرشتہ کے چیخ مارنے سے کلیجے پھٹ کر مرجانا کیوں مستبعد سمجھتے ہو۔ بارود کو دیکھئے کہ ظاہر میں کچھ نہیں مگر ذرا آگ لگے تو اس میں اتنی قوت آجاتی ہے کہ پہاڑوں کو بھی اڑا کر رکھ دیتی ہے۔ بھاپ اپنی لطافت کی وجہ سے ایک پوری ٹرین کو صد ہا میل کھینچ کر لے جاتی ہے اور بجلی کی قوت سے جرثقیل کے آلات بڑے بڑے جہازوں کو اوپر اٹھا لیتے ہیں تو اگر کوئی خدا کا فرشتہ قوم لوط کی بستیوں کو اٹھا کر لٹا کر دے تو کیوں انکار کرتے ہو۔

تیسرا شبہ: فرشتوں کا مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا آیات اور احادیث سے ثابت ہے لیکن عقلاشیء واحد کا مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا آج کل بھی مشاہدہ سے ثابت ہے مادہ ایثریہ (ایتھر) کا مختلف شکلوں اور مختلف صورتوں میں نمودار ہونا اہل سائنس کے نزدیک مسلم ہے،

قال الله تعالى: إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ اے بنی آدم یہ شیطان تمہارے وجود سے پہلے ہی تمہارا دشمن ہے اس کو دشمن سمجھنا دوست نہ بنانا۔

وكان الفضيل بن عياض يقول يا كذاب يا مفترى اتق الله ولا تسب الشيطان في العلانية وانت صديقه في السر (تفسیر قرطبی ص ۲۲۳ ج ۱۴)

جو شخص شیطان کو برا بھلا کہتا تو فضیل ابن عیاض رحمہ اللہ اس سے یہ کہتے کہ اے کذاب اور اے مفتری اللہ سے ڈرا اور اعلانیہ طور پر شیطان کو برا مت کہہ۔ حالانکہ اندرونی طور پر تو شیطان کا سچا اور پکا دوست ہے۔

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ جَاهِلًا بِأَثْمِهِ قَرَأَهُ حَسَنًا ۚ مِنْ مُبْتَدَأِ خَيْرِهِ كَمَنْ هَدَاهُ اللَّهُ لَأَدُلَّ عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ
يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ فَلَا تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ عَلَى الْمُزَيْنِ لَهُمْ حَسْرَةٌ
بِاعْتِمَادِكَ أَنْ لَا يُؤْمِنُوا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ فَيَجَازِيهِمْ عَلَيْهِ وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ
وَفِي قِرَاءَةِ الرِّيحِ فَتَشِيرُ سَحَابًا الْمَضَارِعِ لِحِكَايَةِ الْحَالِ الْمَاضِيَةِ أَيْ تُرْعِجُهُ فَسَقْنَهُ فِيهِ الشَّفَاكَ عَم
الْغَيْبَةِ إِلَى بَلَدٍ مَيِّتٍ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ لِأَنَّهَا لَا تَبَاتُ بِهَا فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ مِنَ الْبَلَدِ بَعْدَ مَوْتِهَا
يُؤَسِّسُهَا أَيْ أَنْبَتْنَا بِهِ الزَّرْعَ وَالْكَوْلَاءَ كَذَلِكَ النَّشُورُ ۝ أَيْ الْبَعْثُ وَالْإِحْيَاءُ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلْيَنْزِلْ
الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۚ أَيْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلَا تَنَالُ مِنْهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ فَلْيَطِئْهُ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ
يَعْلَمُهُ وَهُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَنَحْوَهَا وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ يُقْبَلُهُ وَالَّذِينَ يَسْكُرُونَ الْمَكْرَاتِ السَّنَانِ
بِالنَّبِيِّ فِي دَارِ التَّدْوَةِ مِنْ تَقْيِيدِهِ أَوْ قَتْلِهِ أَوْ إِخْرَاجِهِ كَمَا ذَكَرْنَا فِي الْأَنْفَالِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۚ وَمَنْ
أَوْلَيْكَ هُوَ يَبُورُ ۝ يَهْلِكُ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ بَخَلَقَ أَيْكُمْ أَدَمَ مِنْهُ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ أَيْ مِنْ بَخَلَقَ
ذُرِّيَّتِهِ مِنْهَا ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا ۚ ذُكُورًا وَإِنَاثًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أَنْثَى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ خَالِ أَيْ
مَعْلُومَةٌ لَهُ وَمَا يَعْمَرُ مِنْ مُعْتَمِرٍ أَيْ مَا يَزِيدُ فِي عُمُرٍ طَوِيلٍ الْعُمُرِ وَلَا يُنْقِصُ مِنْ عُمُرٍ أَيْ مِنْ ذَلِكَ
الْمُعْتَمِرِ أَوْ مُعْتَمِرٍ آخَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ ۚ هُوَ السُّوْحُ الْمَحْفُوظُ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ هَبْنِي وَمَا
يَسْتَوِي الْبَحْرَيْنِ ۚ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ شَدِيدٌ الْعَذْوَةِ سَالِحٌ شَرَابُهُ شَرِبُهُ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ شَدِيدٌ
الْمُلُوحَةِ وَمِنْ كُلِّ مِنْهُمَا تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا هُوَ السَّنَكُ وَتَسْتَخْرِجُونَ مِنَ الْمِلْحِ وَقِيلَ مِنْهُمَا
جَلِيَّةٌ تَلْبَسُونَهَا هِيَ اللَّوْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ وَتَرَى تَبْضُرُ الْفُلُوكَ الشُّفْنَ فِيهِ فِي كُلِّ مِنْهُمَا مَوَاقِرُ
تَمُخَّرُ الْمَاءَ أَيْ تَشْفُقُهُ بِجَرِيَّتِهَا فِيهِ مُقْبِلَةٌ وَمُدْبِرَةٌ بِرِيحٍ وَاحِدَةٍ لَتَبْتَغُوا تَطْلُبُوا مِنْ فَضْلِهِ تَعَالَى
بِالتَّجَارَةِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ اللَّهُ عَلَى ذَلِكَ يُوَلِّجُ يَدْخُلُ اللَّهُ الْيَلَّ فِي النَّهَارِ فَيَزِيدُ وَيُؤَلِّجُ
النَّهَارَ يَدْخُلُهُ فِي الْيَلِّ فَيَزِيدُ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ كُلٌّ مِنْهُمَا يُجْرِي فِي فَلْيَكُ لِأَجْلِ

مَسَىٰ ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذِكْرُ اللَّهِ رَبِّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ أَيْ غَيْرِهِ وَهُمْ
 الْأَضْلَامُ مَا يَلْبِغُونَ مِن قَطْمِيرٍ ۖ لِفَافَةِ النَّوَاةِ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ ۚ وَكُوسِبَعُوا مَا
 نَدَّوْنَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۚ مَا أَجَابُواكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ بِشْرِكِكُمْ أَيُّهَاهُمْ مَعَ اللَّهِ أَيْ
 يَشْرِكُونَ مِنكُمْ مِنْ عِبَادَتِكُمْ أَيُّهَاهُمْ وَلَا يُنْعِمَنَّكَ بِأَحْوَالِ الدَّارَيْنِ مِثْلُ خَبِيرٍ ۖ عَالِمٍ وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَى ۖ

ترجمہ: سو کیا ایسا شخص ہے جسے اس کا عمل بدلنے کے خوشنما بنا کر رکھا گیا اور وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا من مبتدا ہے اسکی خبر
 کن حذاه اللہ ہے یعنی اللہ نے جس کو ہدایت دی ہو اس کے برابر ہو سکتا ہے ہرگز نہیں جیسا کہ اگلی عبارت اس پر دلالت کر
 رہی ہے سو اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اس طرح کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے ان
 دو کو کھانے والے لوگوں پر افسوس کر کے آپ کے اس غم کی وجہ سے کہ یہ ایمان کیوں نہیں لائے اللہ تعالیٰ کو ان کی سب
 کرتوتوں کی خبر ہے لہذا وہ ان کو اس کا بدلہ دے گا اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے ایک قرأت میں ریح ہے پھر وہ
 بادلوں کو اٹھاتی ہے لفظ تیسرے مضارع ہے حال ماضیہ کی حکایت کے لیے یعنی ہوا بادلوں کو ہٹاتی ہے پھر ہم کھینچ لے جاتے ہیں
 بادلوں کو اس میں صیغہ غائب سے متکلم کی طرف حکایت ہے خشک زمین کی طرف لفظ تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے جس زمین
 میں سرسبز نہ ہو پھر ہم اس کے ذریعہ سے زمین کے خشک قطعہ کو ہرا بھرا کر دیتے ہیں اس کے ناکارہ ہو جانے کے بعد سوکھ
 جانے پر یعنی اس میں سبزی گھاس اگا دیتے ہیں اسی طرح جی اٹھنا ہوگا قبروں سے زندہ ہو جانا جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے
 تو تمام تر عزت اللہ ہی کے لیے ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سو وہ اس کی اطاعت ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے اس لیے
 اسے اللہ کی فرمانبرداری کرنی چاہیے اچھی باتیں اسی تک پہنچتی ہیں لا الہ الا اللہ جیسے کلمات کو وہی جانتا ہے اور نیک کام ان
 باتوں کو اونچا کر دیتا ہے مقبول بنا دیتا ہے اور جو لوگ بری تدبیریں مکاریاں کر رہے ہیں پیغمبر کے متعلق دار الندوہ میں آپ کو
 گرفتار کرنے قتل کرنے جلا وطن کر ڈالنے کی نسبت جیسا کہ سورہ انفال میں گزر چکا ہے انھیں سخت عذاب ہوگا اور ان لوگوں کا یہ
 مکر نیست و نابود ہونا پیدا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے یعنی انسانی نسل کے باپ آدم کو مٹی سے بنایا ہے پھر
 نطفہ سے یعنی ان کی اولاد کو ان کی مٹی سے پیدا کیا ہے پھر اسی نے تمہیں زرمادہ کے جوڑے جوڑے بنایا اور کسی عورت کو نہ حمل
 رہتا ہے نہ وہ جنتی ہے مگر سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے یہ حال ہے یعنی اس کو معلوم رہتا ہے اور کسی کی عمر نہ زیادہ کی جاتی ہے
 یعنی کسی کی عمر کو لمبی عمر نہیں کیا جاتا اور نہ کم کی جاتی ہے پہلے ہی شخص کی عمر سے یا دوسرے شخص کی عمر سے نہ زیادہ کی جاتی ہے مگر
 یہ سب کتاب لوح میں ہوتا ہے یہ سب اللہ کے لیے آسان ہے اور دونوں دریا برابر نہیں ہیں ایک تو شیریں نہایت خوش
 ذائقہ پیاس بجھانے والا ہے اس کا پینا دوسرا اور شور و دغ ہے نہایت کھاری اور تم ان دونوں پانیوں میں سے ہر ایک سے تازہ
 گوشت مچھلی کھاتے ہو اور تو دیکھتا ہو اور برآمد کرتے ہو شور و سنندر سے یا بعض نے کہا کہ شور و شریں دونوں سمندروں سے زیور
 جس کو تم پہنتے ہو وہ موتی ہے اور مرجان ہیں اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو اس میں دونوں سمندروں میں پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں پانی

کو پھاڑ دیتی ہیں یعنی آتے جاتے کشتی کے چلنے کی وجہ سے پانی پھٹ جاتا ہے ایک ہی ہوا سے تاکہ تم اللہ کی روزی تلاش کر سہ تجارت کے ذریعہ اور تاکہ تم شکر گزار ہو سکو اللہ کی ان نعمتوں پر وہ اللہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے جس سے دن بڑھتا ہے اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں جس سے وہ زیادہ ہو جاتی ہے اور اس نے سورج چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ان میں سے ہر ایک اپنے مدار میں ایک مقررہ مدت قیامت تک چلتے رہیں گے۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی سلطنت ہے اور جن کو تر پکارتے ہو بندگی کرتے ہو اس کے سوا اللہ کے علاوہ بتوں کی وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے جھلی کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہاری نہیں سنیں گے اور بالفرض سن بھی لیں تو تمہارا کہنا نہ کر سکیں اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کرنے ہی کے مکر ہوں گے کہ تم نے انہیں اللہ کے ساتھ شریک کیا تھا یعنی تم نے ان کی جو پرستش کی تھی اس کا انکار کر دیں گے اور تجھ کو دونوں جہانوں کا حال کوئی نہیں بتا سکتا خیر کے برابر یعنی جاننے والے کے برابر اور وہ اللہ ہے۔

کلمات تفسیر یہ کی توضیح و تشریح

قوله: فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ: تو آپ ﷺ اپنے آپ کو ان کے پیچھے ہلاک مت کریں جن کے لیے شیطان نے بد عملی کو مزین کر دیا ہو۔ تینوں قائلین ۱۔ فَمَنْ زُيِّنَ ۲۔ فَإِنَّ اللَّهَ ۳۔ فَلَا تَذْهَبْ یہ سبیت کے لیے ہے، البتہ پہلی دو جگہ فاسب پر داخل ہے اور تیسری سبب پر اور علیہم یہ حسرت کا صلہ ہرگز نہیں کیونکہ مصدر کا صلہ اس سے مقدم نہیں ہوتا بلکہ یہ تَذْهَبْ کا صلہ ہے۔

قوله: النِّفَاطِ عَنِ الْعَيْبَةِ: کیونکہ تکلم اختصاص میں داخل ہوتا اور بادلوں کے چلانے اور زمین کو زندہ کرنے میں مزید صفت کا مظاہرہ ہے۔

قوله: فَلْيُطِغَهُ: فَلْيُطِغَهُ دلیل پر استغناء اختیار کیا گیا ہے، اس کے مدلول فَلْيُطِغَهُ سے اعراض کر کے۔

قوله: يُرْفَعُهُ: متکلم کے لیے اس میں یہ بات جو گزین ہے عمل توحید سے مقبول بنتا ہے۔

قوله: يَهْلِكُ: یہ بیور کی تفسیر ہے یعنی جو چل نہ سکے۔

قوله: مُعَمَّرٍ آخَرَ: پس ضمیر کا دوسرے مُعَمَّرٍ کی طرف لوٹا یا جائے گا۔ اگرچہ مذکور نہیں کیونکہ تقابل کی دلالت موجود ہے۔

قوله: وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَيْنِ: یہ بیٹھے اور کھاری کی مثال ہے، مؤمن و کافر کی مثال ہے۔ فرات: پیاس بجھانے

دالا۔ سَالِحٌ آسانی سے گلے سے نکل جائے۔ أُجَاجٌ کڑوا۔

قوله: لَعَلَّكُمْ: اس میں ظاہر متفنی حال کے مطابق ہے۔

تفسیر مقبولین

اَفَسَ زَيْنَ لَهٗ سُوءٌ عَمَلِهٖ قَرَأَهُ حَسَنًا.....

یعنی شیطان نے جس کی نگاہ میں برے کام کو بھلا کر دکھایا۔ کیا وہ شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو خدا کے فضل سے بھلے برے کی تمیز رکھتا ہے۔ نیکی کو نیکی اور بدی کو بدی سمجھتا ہے۔ جب دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو انجام دونوں کا یکساں کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور یہ خیال نہ کر دو کہ کوئی آدمی دیکھتی آنکھوں برائی کو بھلائی کیونکر سمجھ لے گا۔ اللہ جس کو سوء استعداد اور سوء اختیار کی بناء پر بھکانا چاہے اس کی عقل اسی طرح اونٹھی ہو جاتی ہے اور جس کو حسن استعداد اور حسن اختیار کی وجہ سے ہدایت پر لانا چاہے تب کسی شیطان کی طاقت نہیں جو اسے غلط راستے پر ڈال سکے یا الٹی بات سمجھا دے۔ بہر حال جو شخص شیطانی اغواء سے برائی کو بھلائی، بدی کو نیکی اور زہر کو تریاق سمجھ لے کیا اس کے سیدھے راستے پر آنے کی کچھ توقع ہو سکتی ہے؟ جب نہیں ہو سکتی اور سلسلہ ہدایت و ضلالت کا سبب اللہ کی مشیت و حکمت کا تابع ہے۔ تو آپ ان معاندین کے غم میں اپنے کو کیوں گھلاتے ہیں، اس حسرت میں کہ یہ بد بخت اپنے فائدہ کی بات کو کیوں قبول نہیں کرتے۔ کیا آپ اپنی جان دے بیٹھیں گے۔ آپ ان کا قصہ ایک طرف کیجئے۔ اللہ ان کی سب کزوت جانتا ہے۔ وہ خود ان کا بھگتان کر دے گا۔ آپ دگیر و غمگین نہ ہوں۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیْحَ فَتَنِّیْہٗ.....

کائنات کی عظیم الشان درسگاہ میں غور و فکر کی دعوت:

یہ کائنات ایک عظیم الشان درسگاہ ہے جس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے بڑے عظیم الشان درسہائے عبرت و بصیرت ہیں۔ سو جس طرح ویران پڑی ہوئی وہ زمین جس میں خاک اڑ رہی ہوتی ہے اور اس میں کسی چارے سبزے کا کوئی نام و نشان تک نہیں ہوتا، بارانِ رحمت کے چھینٹے پڑتے ہی وہ لہلہا اٹھتی ہے۔ ہر طرف ہریالی اور سرسبزی ہی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مرٹھنے کے بعد یہ سب مخلوق ربِّ قدیر کے حکم و ارشاد سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوگی۔ یہاں سر کر جی اٹھنے کو انگوری اور پیداوار کے اگنے پر قیاس فرمایا گیا ہے۔ سو اس سے قیاس شرعی کی حجیت ثابت ہوتی ہے۔ سو آسمان و زمین کی یہ عظیم الشان کائنات ایک ایسی عظیم الشان درسگاہ ہے جس میں اللہ پاک کی قدرت اور اس کی حکمت و عنایت کے دلائل و براہین ہر طرف پھیلے کھڑے ہوئے ہیں۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ بہر کیف بارانِ رحمت سے زمین کے دوبارہ زندہ ہو جانے اور از سر نو لہلہا اٹھنے کے ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا گیا: كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝ یعنی اسی طرح قیامت کے دن لوگوں کا از سر نو جی اٹھنا ہوگا۔ سو اللہ پاک تو تم لوگوں کو مرنے اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا مشاہدہ اپنی اس دنیا میں بھی کر رہا ہے اور برابر کر رہا ہے تو پھر تم لوگ قیامت کو آخر ناممکن کیوں سمجھتے ہو؟ سو اللہ پاک کی تخلیق فرمودہ یہ کائنات ان تمام حقائق کی تعلیم کے لیے ایک بہترین اور بے مثال درسگاہ ہے جسکی تعلیم قرآن حکیم دے رہا ہے۔ اگر انسان صحیح طور سے غور و فکر سے کام لے تو اس کو قرآن کے ہر دعوے کی دلیل اپنے دماغ میں ہر طرف ملے گی۔ مگر مشکل اور مشکلوں کی مشکل یہ ہے کہ انسان غور و فکر سے کام لیتا ہی

نہیں۔ الاما شاء اللہ۔ =

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلْيَدِّ الْعِزَّةَ جَبِيحًا....

عزت سے سرفرازی کے صحیح طریقے کی تعلیم و تلقین:

عزت سے سرفرازی کے لیے صحیح طریقے کی تعلیم و تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی عزت چاہتا ہو تو وہ جان لے کہ عزت سب کی سب اللہ ہی کیلئے ہے۔ پس تم سب لوگ اسی سے عزت مانگو کہ وہ اسی کی عطا و بخشش سے مل سکے گی۔ یہاں دراصل ایک بیماری کی نشاندہی فرمائی گئی اور اس کا علاج بھی ارشاد فرمایا گیا ہے۔ یہ بیماری جو کل بھی تھی اور آج بھی ہے اور جس نے کل بھی بہت لوگوں کو حق سے محروم رکھا اور وہ آج بھی بہتوں کو حق سے محروم کر رہی ہے۔ اور یہ طلب عزت اور ہوس جاہ کی بیماری ہے۔ مشرکین عرب نے اسی عزت کے پانے کے خیال سے وہ جھوٹے اور بے بنیاد معبود گھڑ رکھے تھے جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ قرآن کہتا ہے: {وَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اِلٰهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا} (مریم: 81) انہوں نے اللہ کے سوا طرح طرح کے معبود گھڑ لیے تاکہ وہ ان کے لیے عزت کا باعث بنیں اور اسی بنا پر مشرکین عرب دین حق کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے اور آج کل کے قبر پرست کلمہ گوؤوں نے جو طرح طرح کے ناموں سے شرک و بدعت کے اڈے جا بجا قائم کر رکھے ہیں اس کا ایک بڑا سبب اور اہم داعیہ بھی یہی چیز ہے۔ حالانکہ حق اور حقیقت یہ ہے کہ یہ چیزیں عزت کا سامان نہیں، دھوکے کے اسباب ہیں۔ ان سے عزت نہیں ملتی ذلت و ادبار ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ قرآن کہتا ہے ہرگز نہیں، یہ لوگ جن کی پوجا کر رہے ہیں وہ کل قیامت کے روز ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے دشمن ہو جائیں گے۔ {كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا} (مریم: آیت نمبر 82)۔ سو قرآن حکیم نے طبیب عز و جاہ کے اس مہلک مرض کی تشخیص اور نشاندہی بھی فرمادی۔ اور اس کے علاج کیلئے نسخہ کیمیا بھی بتا دیا کہ عزت سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ پس تم لوگ صحیح معنی میں اللہ والے بن جاؤ۔ سچی اور حقیقی عزت سے سرشار ہو جاؤ گے اور اس کے ساتھ ہی اس کا طریقہ بھی ارشاد فرمایا گیا جسکی تفصیل گلے حاشیے میں آ رہی ہے۔

حقیقی عزت سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ایمان اور عمل صالح:

اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ عزت اور۔ حقیقی عزت۔ سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ایمان صادق اور عمل صالح ہے۔ سو یہ ہے وہ طریقہ جس کے ذریعے اللہ پاک کے یہاں سے عزت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس میں دو چیزیں ارشاد فرمائی گئی ہیں اور وہی چیزیں دراصل ضرورت ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر آپ رائفل سے فار کر کے گولی ایک خاص نشانے تک پہنچانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے آپ کو دو چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ ایک یہ کہ اس کارٹوس اور گولی میں مواد صحیح ہو جو آپ استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ اس کو رائفل میں خاص طریقے سے ڈال کر چلائیں تب تو اس سے شیر بھی ہلاک ہو جائے گا ورنہ اس سے ایک بلی بھی نہیں مر سکتی۔ پس اللہ پاک کے یہاں جو چیز پہنچنے کے قابل ہے وہ ہے: الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ۔ پاکیزا کلمات جس کا سب سے اہم فرد کلمہ توحید ہے۔ اور ابن عباسؓ نے الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ سے کلمہ ایمان ہی مراد لیا ہے۔ اور اس کے

ساتھ قرآن و سنت کے وہ تمام کلمات طہیات بھی جو اللہ اور اس کے رسول کے ارشادہ فرمودہ ہیں۔ اور یہی کلمہ طیب اساس و بنیاد ہے نور ایمان و یقین کی۔ اور اس پاکیزہ کلام الکلمہ الطیب کو اوپر اٹھانے والی اور اللہ پاک کے حضور پہنچانے والی چیز نیک عمل ہے جس میں سب سے پہلے ایمان و یقین ہے۔ اور اس کے بعد تمام اعمال و عبادات۔ پس پاکیزہ کلام اور عمل صالح یعنی ایمان و یقین اور عمل و کردار میں جو کوئی جتنا بھی بڑھتا جائے گا اتنا ہی اللہ پاک کے یہاں اجر و ثواب اور عزت و مقام حاصل کرتا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک کی وہ تمام محبوب و مقدس ہستیاں جنہوں نے اس نسخے کو اپنا یا ذہ ایسی انست عزت و عظمت سے مشرف و سرفراز ہوئیں کہ سینکڑوں ہزاروں برس گزر جانے پر بھی آج تک ان کا نام عزت و عظمت اور عقیدت و محبت سے لیا جاتا ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ اس مقام سے متعلق مزید تفصیل ان شاء اللہ اپنی مکمل اور مفصل تفسیر میں عرض کریں گے اگر اللہ پاک کی طرف سے توفیق و عنایت شامل حال رہی۔ بہر کیف جی اور حقیقی عزت سے سرفرزی کا ذریعہ و وسیلہ ایمان اور عمل صالح ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ

اس آیت کا مفہوم جمہور مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو عمر طویل عطا فرماتے ہیں وہ پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، اسی طرح جس کی عمر کم رکھی جاتی ہے وہ بھی سب لوح محفوظ میں پہلے ہی درج ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں عمر کا طول اور نقص فرد واحد کے متعلق مراد نہیں، بلکہ کلام نوع انسانی کے متعلق ہے کہ اس کے کسی فرد کو عمر طویل دی جاتی ہے کسی کو اس سے کم یہ تفسیر حضرت عباس سے ابن کثیر نے نقل کی ہے۔ جصاص نے حسن بصری اور ضحاک کا یہی قول نقل کیا ہے، اسی لیے ابن جریر، ابن کثیر، روح المعانی وغیرہ عام تفاسیر میں اسی کو جمہور کی تفسیر قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے اگر عمر کی کمی زیادتی کو ایک ہی شخص کے متعلق کہا جائے تو عمر میں کمی کرنے کا یہ مطلب ہے کہ ہر شخص کی جو عمر اللہ تعالیٰ نے لکھ دی ہے وہ یقینی ہے اور جو دن گذرتا ہے اس مقررہ مدت عمر میں سے ایک دن کی کمی کر دیتا ہے، دو دن گذرتے ہیں تو دو کم ہو جاتے ہیں، اسی طرح ہر دن بلکہ ہر سن اس کی عمر کو گھٹاتا رہتا ہے۔ یہ تفسیر شعبی، ابن جبیر، ابو مالک، ابن عطیہ اور سدی سے منقول ہے (روح) اسی مضمون کو اس شعر میں ادا کیا گیا ہے۔

”یعنی تیری زندگی چند گنے ہوئے سانسوں کا نام ہے تو جب بھی ایک سانس گذرتا ہے تیری عمر کا ایک جز گھٹ جاتا ہے۔“ امام نسائی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت انس بن مالک سے یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: ((من سره ان يبسط له في رزقه وينساء في اثره فليصل رحمه)) بخاری، مسلم، ابوداؤد نے بھی یہ حدیث یونس بن یزید ایلی کی روایت سے نقل کی ہے۔ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت اور عمر میں زیادتی ہو تو اس کو چاہئے کہ وصلہ رحمی کرے یعنی اپنی ذی رحم رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے۔ بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وصلہ رحمی سے عمر بڑھ جاتی ہے، مگر اس کا مطلب ایک دوسری حدیث نے خود واضح کر دیا ہے وہ یہ ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابوالدرداء سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس (مضمون کا ذکر) رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا تو آپ نے فرمایا کہ (عمر تو اللہ کے نزدیک ایک ہی مقرر اور مقدر ہے جب مقررہ مدت پوری ہو جاتی ہے

تو کسی شخص کو ذرا بھی مہلت نہیں دی جاتی۔ بلکہ زیادتی عمر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اولاد صالح عطا فرمادیتا ہے وہ اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ یہ شخص نہیں ہوتا ہے اور ان لوگوں کی دعائیں اس کو قبر میں ملتی رہتی ہیں (یعنی مرنے کے بعد بھی ان کو وہ فائدہ پہنچاتا رہتا ہے، جو خود زندہ رہنے سے حاصل ہوتا ہے، اسی طرح گویا اس کی عمر بڑھ گئی۔ یہ دونوں روایتیں ابن کثیر نے نقل کی ہیں) خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں بعض اعمال کے متعلق یہ آیا ہے کہ ان سے عمر بڑھ جاتی ہے، اس سے مراد عمر میں برکت کا بڑھ جانا ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ ۗ

سمندر کے سفر کے فوائد اور چاند سورج کی تسخیر کا بیان:

سمندر بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے بعض سمندر بیٹھے پانی کے ہیں ان کا پانی پیو تو خوب بیٹھا اور شیریں ہوتا ہے جو پیاس کو بھجاتا ہے اور اس کا پانی بھی آسانی کے ساتھ گلے میں اتر جاتا ہے اور بعض سمندر ایسے ہیں کہ ان کا پانی بہت زیادہ نمکین اور شور ہے وہ پیاسی نہیں جاسکتا نہ گلے سے اترتا ہے نہ اس سے پیاس بجھتی ہے۔ بعض دریاؤں میں شیرینی اور مٹھاس اور بعض میں یہ نمکین اور کڑواپن سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے، دونوں سمندر برابر نہیں اور بیٹھے سمندر کا بیٹھا پین اور کڑوے سمندر کا کڑواپن محض اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے، ان سمندروں سے انسانوں کو بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان سے تازہ تازہ گوشت کھاتے ہیں یعنی مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں پھر انہیں پکا کر اور تل کر کھاتے ہیں۔ بعض حضرات نے مچھلی کے ساتھ پرندوں کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

دریاؤں کا ایک نفع یہ بتایا کہ تم ان میں سے زیور نکالتے ہو اور ان کو پہنتے ہو، اس سے موتی اور سپی وغیرہ مراد ہے، ان کے پہننے اور استعمال کے طریقے مختلف علاقوں میں مختلف پائے جاتے ہیں۔

اس کے بعد کشتیوں کا تذکرہ فرمایا کہ اے مخاطب تو دیکھتا ہے سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں جو پانی کو پھاڑتی ہوئی جاتی ہیں، ان کشتیوں کا چلانا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور بہت بڑی نعمت ہے، ان کے ذریعہ دور دراز ملکوں کے سفر ہوتے ہیں، ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک مال پہنچایا جاتا ہے اور طرح طرح کے منافع حاصل ہوتے ہیں، جو اموال اور اطفال باہر سے کشتیوں سے لائے جاتے ہیں اس میں بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو کھانے پینے اور دیگر ضروریات میں استعمال ہوتی ہیں، اسی کو فرمایا کہ لَتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ تَا كَمَا تَم اللّٰهُ كَ فِضْلٍ كُو تَلَا ش كُرُو۔ اور جب اس کی نعمتیں استعمال کرو تو اس کا شکر بھی ادا کرو آخر میں اسی کی یاد دہانی فرمائی وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

يُؤَلِّجُ الْقَيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي الْقَيْلِ ۗ

رات دن کے ادلنے بدلنے میں دعوت غور و فکر:

فرمایا وہی داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں۔ جس سے کبھی رات بڑی کبھی دن اور کبھی اس کے برعکس۔ یہ اس کی قدرت کی ایک عظیم نشانی ہے جسے تم لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو اور ہمیشہ دیکھتے ہو۔ لیکن سوچنے

اور غور نہیں کرتے کہ یہ کس کی قدرت بے پایاں اور حکمت بے نہایت کا کرشمہ ہے۔ نیز دن رات کی اس آمد و رفت اور ادلنے بدلنے میں یہ عظیم الشان اور انقلاب آفریں درس بھی ہے کہ وہ خالق و مالک ہر لحظہ اپنی مخلوق اور اپنی اس عظیم الشان کائنات کی تدبیر فرماتا اور اس کی نگرانی میں لگا ہے۔ مگر تم لوگ پھر بھی اس سے سبق نہیں لیتے۔ نیز اس میں تمہارے لیے یہ درس عظیم بھی ہے کہ دن رات کی ان دونوں ضدوں کا اس طرح تمہارے کام میں لگا رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کائنات میں ایک ہی ارادہ کار فرما ہے۔ ورنہ ان اضداد کا اس طرح پر حکمت طریقے سے تمہارے کام میں لگے رہنا ممکن نہ تھا۔ سو وہی ہے اللہ جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور بلا شرکت غیرے اس میں حاکم و متصرف ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ سورات اور دن کے یہ دونوں ہی سلسلے جو تمہاری معیشت و معاشرت اور تمہارے سکون و راحت کے لیے از بس ضروری ہیں اسی قادر مطلق کی قدرت مطلقہ، حکمت بالغہ اور رحمت و عنایت شاملہ کا نتیجہ و ثمرہ ہیں۔ اور سورج و چاند کے یہ دونوں عظیم الشان کرے تمہارے خادم ہیں۔ سو کس قدر بے ہنگم اور عقل کے دشمن اور مت کے مارے ہیں وہ لوگ جو اپنے خالق و مالک حقیقی سے منہ موڑ کر سورج، چاند جیسے اپنے ان ہی خادموں کی پوجا کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

تسخیر شمس و قمر کا مطلب اور اس کا تقاضا:

فرمایا اور اسی نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے سورج اور چاند۔ کے ان عظیم الشان کروں۔ کو۔ جو نہایت پابندی کے ساتھ آتے جاتے اور تمہارے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ نہ کبھی خراب ہوں نہ کام سے رکیں نہ اصلاح و مرمت کی کبھی ضرورت پڑے۔ اور یہی مطلب ہے ان کی تسخیر کا کہ اللہ پاک نے اپنے ارادہ و قدرت اور حکمت و عنایت سے ان کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ وہ مطلب نہیں جو آج کا بے ضرر غلط انسان لیتا ہے کہ ہم نے چاند کو مسخر کر لیا کہ اس پر آدمی اتار دیا۔ کیونکہ تسخیر کے معنی یہ ہوتے ہیں کسی چیز کو کسی کے ارادے کے تابع کر دیا جائے۔ تو کیا یہ انسان ضعیف البیان اس کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ چاند اس کے ارادے کے تابع ہو گیا ہے؟ کیا یہ چاند کی رفتار اور اس کے نظام میں کوئی تبدیلی کر سکتا ہے؟ اس مسکین کی حیثیت تو اس کبھی و چھپر کی سی ہے جو کسی ہاتھی کی پیٹھ پر بیٹھ کر کہے کہ میں نے اس کو مسخر کر لیا ہے۔ بلکہ اس کی حیثیت تو اس سے بھی کمزور اور گئی گزری ہے کہ وہ تو ہاتھی کی پیٹھ پر جب چاہے آسانی سے بیٹھ سکتا ہے اور بغیر کسی خارجی چیز کی ضرورت اور مدد کے۔ اور جب چاہے، جیسے چاہے، جہاں چاہے بیٹھ سکتا ہے۔ اکیلا بیٹھے یا اپنی برادری کے کسی گروہ اور لشکر کے ساتھ بیٹھے۔ جبکہ انسان ان میں سے کسی چیز پر بھی اختیار نہیں رکھتا۔ تو پھر یہ قاصر الفہم اور کوتاہ دست انسان کس طرح اور کس منہ سے یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہم نے چاند کو مسخر کر لیا؟ سو سورج اور چاند کے یہ عظیم الشان کرے دراصل تمہارے خادم ہیں اے لوگو جنکو تمہارے خالق و مالک نے اس قدر پر حکمت طریقے سے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جس کا تقاضا یہ تھا اور یہ ہے کہ تم لوگ اس کے حق شکر میں اپنے اس خالق و مالک کے حضور دل و جان سے جھک جھک جاتے اور اسی وحدہ لا شریک کی عبادت و بندگی سے سرشار ہو جاتے۔ مگر تم ہو کہ غفلت میں پڑے ہو۔ اور کتنے ہی عقش کے اوندھے اور مت کے مارے ایسے ہیں جو اللہ اپنے انہی خادموں کی پوجا کرتے اور ذلت پر ذلت اٹھاتے ہیں۔ اور اس طرح یہ اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں

الْحَمَلِ فِي الشَّقِيْنَ حُكْمٍ مِنَ اللَّهِ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ أَيْ يَخَافُوْنَهُ وَمَا رَأَوْهُ
لَاتَلَّهُمُ الْمُنْتَفِعُونَ بِالْأَنْذَارِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۖ آدَمُوهَا وَمَنْ تَزَكَّىٰ نَطَهَّرْنَا مِنْ الشِّرْكِ وَغَيْرِهِ فَإِنَّمَا يَتَذَكَّرُ
لِنَفْسِهِ ۖ فَصَلَاةُ مُخْتَصٍ بِهِ وَإِلَى اللَّهِ الْبَصِيرُ ﴿۱۵﴾ الْمُرْجَعُ فَيَجْزَى بِالْعَمَلِ فِي الْأَجْرَةِ وَمَا
يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿۱۶﴾ الْكَافِرُ وَالْمُؤْمِنُ وَلَا الظُّلُمَاتُ الْكُفْرُ وَلَا النُّورُ ﴿۱۷﴾ الْإِيمَانُ وَلَا الظُّلْمُ
وَلَا الْحُرُورُ ﴿۱۸﴾ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۖ الْمُؤْمِنُونَ وَالْكَافِرُ وَزِيَادَةٌ لَا فِي
الْفَلْتَةِ تَاكِيدٌ إِنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ مَنْ يُشَاءُ ۖ هِدَايَتُهُ فَيَجِيئُهُ بِالْإِيمَانِ وَمَا أَنْتَ بِمُسْبِحٍ مَن فِي الْقُبُورِ ﴿۱۹﴾
أَيِ الْكُفْرَةِ شَبَّهَهُمْ بِالْمَوْتَىٰ فَلَا يَجِيئُونَ إِنْ مَا أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿۲۰﴾ مُنذِرٌ لَهُمْ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ
بِالْهُدَىٰ بَشِيرًا مَّنْ أَجَابَ إِلَيْهِ وَنَذِيرًا ۖ مَنْ لَّمْ يُجِبْ إِلَيْهِ وَإِنْ مَا مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا سَلْفٌ فِيهَا
نَذِيرٌ ﴿۲۱﴾ نَبِيٌّ يُنذِرُهَا وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ أَيْ أَهْلُ مَكَّةَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ جَاءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ الْمُعْجَزَاتِ وَالزَّبُورِ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿۲۲﴾ هُوَ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ
فَأَصْبِرْ كَمَا صَبَرْنَا ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِتَكْذِبِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿۲۳﴾ انْكَارِي عَلَيْهِمْ عِ
بِالْعُقُوبَةِ وَالْإِهْلَاكِ أَيْ هُوَ وَقَعَ مَوْقَعَهُ

ترجمہ: اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو ہر حال میں اور اللہ بے نیاز ہے اپنی مخلوق سے ستودہ صفات ہے لوگوں کے ساتھ
برتاؤ میں سزاوار حمد ہے وہ اگر چاہے تو تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق کو پیدا کر دے تمہاری جگہ اور یہ بات اللہ کو کچھ مشکل
نہیں کوئی بھی تمہارا شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھایگا اور اگر کوئی گراں بار بلائے گا دوسرے کو اپنا کچھ بوجھ اٹھانے
کے لیے تو اس میں سے کچھ بھی نہ اٹھایگا خواہ جس شخص کو بلا یا گیا ہے رشتہ دار ہی کیوں نہ جیسا کہ باپ اور بیٹا دونوں صورتوں
میں عدم حمل اللہ کا حکم ہے آپ تو صرف ان ہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے رب سے غائبانہ طور پر ڈرتے ہوں یعنی بن دیکھے
اس سے ڈرتے ہوں کیوں کہ یہی لوگ ڈرانے سے نفع اٹھانے والے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو شخص شرک، وغیرہ
سے پاک ہوتا ہے وہ اپنے لیے پاک ہوتا ہے لہذا اس کی اچھائی اسی کے ساتھ خاص رہی گی اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے سو
آخرت میں عمل کا بدلہ دیا جائے گا اور پینا اور ناپینا یعنی مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے اور (تاریکیاں بھی) کفر اور روشنی یعنی
ایمان اور نہ نہ جھاؤں اور دھوکا یعنی جنت و دوزخ اور نہ زندہ اور مردے یعنی مومن اور کافر تینوں جگہوں میں زیادتی تاکید
کے لیے ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی ہدایت سنا دیتا ہے تو وہ ایمان پر لیبک کہہ دیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے

جو قبروں میں ہیں یعنی کافروں کو کفار کو مردوں سے اسلیے تشبیہ دی ہے کہ وہ جواب نہیں دیتے اور آپ تو صرف انھیں ڈرانے والے ہیں ہم نے ہی آپ کو حق دے کر خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی ڈرانے والا یعنی نبی نہ گذرا ہو اور اگر اہل مکہ آپ کی تکذیب کریں تو ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی ہے اور انکے پاس تھے ان کے رسول معجزے اور صحیفے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اور روشن کتابیں تورات اور انجیل لے کر آتے تھے سو آپ بھی انکی طرح صبر کیجئے پھر میں نے ان کافروں کو ان کے جھٹلانے کی وجہ سے پکڑ لیا سو کیسا رہا میرا انکا ذات کا انکار کرنا ان پر سزا اور ہلاک کرنے کے ذریعہ یعنی وہ بر محل واقع ہوا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: **يَخْلُقُ جَدِيدًا**: یعنی تمہارے بدلے اور مخلوق لائے جو تم سے بڑھ کر تابعدار ہو۔
 قوله: **نَفْسٌ أُخْرَى**: یہاں تو دوسرے کا بوجھ اٹھانے کی نفی ہے اور آیت و اثقالا مع اثقالہم اس سے مراد ان کا گمراہ کرنا ہے بح اپنی گمراہی کے بوجھ کے یہ ان کا اپنی ہی بوجھ ہوا۔
 قوله: **لِيُخِمِلَ بَعْضُهُ**: سے اشارہ کیا کہ وہ اس کا گناہ نہ اٹھائے گا، جیسے دوسرے کا گناہ اس پر نہ ڈالنا جائے گا۔
 قوله: **الْمُدْعُو**: اس کو مضر مانا گیا کیونکہ تدع کی دلالت اس پر موجود ہے۔
 قوله: **الْمُؤْمِنُونَ وَالْكَفَّارُ**: یہ پہلے سے زیادہ بلیغ تمثیل ہے۔

تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝

سب اللہ تعالیٰ ہی کے محتاج ہیں:

اللہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے اور تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔ وہ غنی ہے اور سب فقیر ہیں۔ وہ بے پرواہ ہے اور سب اس کے حاجت مند ہیں۔ اس کے سامنے ہر کوئی ذلیل ہے اور وہ عزیز ہے کسی قسم کی حرکت و سکون پر کوئی قادر نہیں سانس تک لینا کسی کے بس میں نہیں۔ مخلوق بالکل ہی بے بس ہے۔ غنی بے پرواہ اور بے نیاز صرف اللہ ہی ہے تمام باتوں پر قادر وہی ہے۔ وہ جو کرتا ہے اس میں قابل تعریف ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت و تعریف سے خالی نہیں۔ اپنے قول میں اپنے نعل میں اپنی شرع میں تقدیروں کے مقرر کرنے میں غرض ہر طرح سے وہ بزرگ اور لائق حمد و ثناء ہے۔ لوگو اللہ کی قدرت ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو غارت و برباد کر دے اور تمہارے عوض دوسرے لوگوں کو لائے، رب پر یہ کام کچھ مشکل نہیں۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ۖ

قیامت کے دن کوئی دوسرے کے گناہ اپنے اوپر نہ لے گا۔ اگر کوئی گنہگار اپنے بعض یا سب گناہ دوسرے پر لادنا چاہے تو یہ جاہت بھی اس کی پوری نہ ہوگی۔ کوئی نہ ملے گا کہ اس کا بوجھ بٹائے عزیز واقارب بھی منہ موڑ لیں گے اور پیٹھ پھیر لیں گے۔ گویا باپ اور اولاد ہو۔ ہر شخص اپنے حال میں مشغول ہوگا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں پڑوسی پڑوسی کے پیچھے پڑ جائے گا اللہ سے عرض کرے گا کہ اس سے پوچھ تو سہی کہ اس نے مجھ سے اپنا دروازہ کیوں بند کر لیا تھا؟ کافر مومن کے پیچھے لگ جائے گا اور جو احسان اس نے دنیا میں کیے تھے وہ یاد دلا کر کہے گا کہ آج میں تیرا محتاج ہوں مومن بھی اس کی سفارش کرے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس کا عذاب قدرے کم ہو جائے گو جنم سے چھٹکارا محال ہے۔ باپ اپنے بیٹے کو اپنے احسان بتائے گا اور کہے گا کہ رانی کے ایک دانے برابر مجھے آج اپنی نیکیوں میں سے دے دے وہ کہے گا اب آپ چیز تو تھوڑی سی طلب فرما رہے ہیں لیکن آج تو جو کھٹکا آپ کو ہے وہی مجھے بھی ہے میں تو کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ پھر بیوی کے پاس جائے گا اس سے کہے گا میں نے تیرے ساتھ دنیا میں کیسے سلوک کیے ہیں؟ وہ کہے گی بہت ہی اچھے یہ کہے گا آج میں تیرا محتاج ہوں مجھے ایک نیکی دے دے تاکہ عذابوں سے چھوٹ جاؤں جو اب ملے گا کہ سوال تو بہت ہلکا ہے لیکن جس خوف میں تم ہو وہی ڈر مجھے بھی لگا ہوا ہے میں تو کچھ بھی سلوک آج نہیں کر سکتی۔ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے: (يَأْتِيهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَارٌ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ بِاللَّهِ الْغُرُورُ) (لقمان: ۳۲) یعنی آج نہ باپ بیٹے کے کام آئے نہ بیٹا باپ کے کام آئے اور فرمان ہے: (يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنَ أَخِيهِ) (ہم: ۳۴) آج انسان اپنے بھائی سے، ماں سے، باپ سے، بیوی سے اور اولاد سے بھاگتا پھرے گا۔ ہر شخص اپنے حال میں مست و بے خود ہوگا۔ ہر ایک دوسرے سے غافل ہوگا، تیرے وعظ و نصیحت سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو عقلمند اور صاحب فراست ہوں جو اپنے رب سے قدم قدم پر خوف کرنے والے اور اطاعت اللہ کرتے ہوئے نمازوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے والے ہیں۔ نیک اعمال خود تم ہی کو نفع دیں گے جو پاکیزگی تم کرو ان کا نفع تم ہی کو پہنچے گا۔ آخر اللہ کے پاس جانا ہے، اس کے سامنے پیش ہونا ہے، حساب کتاب اس کے سامنے ہونا ہے، اعمال کا بدلہ وہ خود دینے والا ہے۔

إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ....

پیغام حق سے فیضیابی کے لیے چند بنیادی شرائط و خصائص کا ذکر و بیان:

ان کلمات سے پیغمبر کے انذار و تبلیغ سے فیضیاب ہونے والوں کی صفات و خصائص اور اس امر سے متعلق چند ضروری شرائط کو ذکر اور بیان فرما دیا گیا۔ پس پیغمبر کے انذار اور آپ کی دعوت و تبلیغ سے مستفید و فیضیاب وہی لوگ ہوں گے جن کے اندر یہ اور یہ صفات پائی جائیں گی کہ وہ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہوں اور نماز قائم کرتے ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنی عقل، فکر، سمع و بصر اور قلب و نظر کی صلاحیتوں سے صحیح فائدہ اٹھاتے ہیں اور پیغام حق و ہدایت کو قبول کر کے اپنے باطن کو نور ایمان و یقین سے منور و معمور کرتے ہیں۔ ورنہ لوگ ایسے اندھے، بہرے اور اوندھے ہو کر رہ جاتے ہیں کہ حق کی بات کو سمجھنے

اور قبول کرنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے یہاں تک کہ وہ اوندھے منہ جا کر ہادیہ میں گرتے ہیں تو ان کے لیے پیغام حق سے کوئی فائدہ نہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس ارشادِ بانی میں پیغمبر کیلئے اور آپ ﷺ کے توسط سے آپ ﷺ کی امت کے ہر داعیِ حق کیلئے سامانِ تسکین و تسلیہ ہے کہ اگر ایسے اوندھے اور اندھے لوگ حق بات کو سننے اور ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتے تو اس میں حضور آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کا نہیں، بلکہ ان لوگوں کے اپنے ذلیق طبع اور کجی فطرت کا ہے۔ پس اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ ﷺ نہ تو ان کیلئے پریشان ہوں اور نہ ہی زیادہ انکے پیچھے پڑیں۔ انکو انکے حال پر چھوڑ دو۔ یہ اپنا بھگتاں خود بھگت لیں گے اور پوری طرح بھگتیں گے۔ آپ کا کام تو پیغامِ حق پہنچا دینا ہے اور بس۔ اس کے بعد آپ فارغ الذمہ۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿۱۰﴾

ایک موازنہ:

ارشاد ہوتا ہے کہ مؤمن و کفار برابر نہیں۔ جس طرح اندھا اور دیکھتا۔ اندھیرا اور روشنی، سایہ اور دھوپ، زندہ اور مردہ برابر نہیں۔ جس طرح ان چیزوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی طرح ایمان دار اور بے ایمان میں بھی بے انتہا فرق ہے۔ مؤمن آنکھوں والے اجالے، سائے اور زندہ کی مانند ہے۔ برخلاف اس کے کافر اندھے اندھیرے اور بھرپور لوہالی گرمی کی مانند ہے۔ جیسے فرمایا: (أَوْ مَن كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّقْلَةٌ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِمَخَارِجٍ مِنْهَا كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَحْتَمِلُونَ) (الانعام: ۱۲۲) یعنی جو مردہ تھا پھر اسے ہم نے زندہ کر دیا اور اسے نور دیا جسے لیے ہوئے لوگوں میں چل پھر رہا ہے ایسا شخص اور وہ شخص جو اندھیروں میں گمراہ ہوا ہے جن سے نکل ہی نہیں سکتا کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اور آیت میں ہے: (مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرِ وَالسَّبْعِ مَغْلٍ يُسْتَوِينَ مَثَلًا أَفَلَا تَذَكَّرُونَ) (حود: ۲۳) یعنی ان دونوں جماعتوں کی مثال اندھے بہرے اور دیکھنے اور سننے والوں کی سی ہے۔ مؤمن تو آنکھوں اور کانوں والا اجالے اور نور والا ہے پھر راہِ مستقیم پر ہے۔ جو صحیح طور پر ساریوں اور نہروں والی جنت میں پہنچے گا اور اس کے برعکس کافر اندھا بہر اور اندھیروں میں پھنسا ہوا ہے جن سے نکل ہی نہ سکے گا اور ٹھیک جہنم میں پہنچے گا۔ جو تند و تیز حرارت اور گرمی والی آگ کا مخزن ہے۔ اللہ جسے چاہے سادے یعنی اس طرح سننے کی توفیق دے کہ دل سن کر قبول بھی کرتا جائے۔ تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا۔ یعنی جس طرح کوئی مرنے کے بعد قبر میں دفنایا جائے تو اسے پکارنا بے سود ہے۔ اسی طرح کفار ہیں کہ ہدایت و دعوت ان کے لیے بیکار ہے۔ اسی طرح ان مشرکوں پر بدبختی چھا گئی ہے اور ان کی ہدایت کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تو انہیں کسی طرح ہدایت پر نہیں لاسکتا تو صرف آگاہ کر دینے والا ہے۔ تیرے ذمے صرف تبلیغ ہے۔ ہدایت و ضلالت من جانب اللہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر امت میں رسول ﷺ آتا رہا۔ تاکہ ان کا عذر باقی نہ رہ جائے۔ جیسے اور آیت میں ہے: (وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ) (الرعد: ۷) اور جیسے فرمان ہے: (وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ) (النحل: ۳۶) وغیرہ، ان کا حقہ جو ہونا کہنا کوئی نئی بات نہیں ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا ہے۔ جو بڑے بڑے معجزات، کھلی کھلی دلیلیں، صاف صاف آیتیں لے کر

مقبلیں شرح طحاوی
جلد ۱
۳۱۱
پنجم
الجزء ۲۲ - فاطر ۳۵
آئے تھے اور نورانی صحیفان کے ہاتھوں میں تھے، آخر ان کے جھلانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے انہیں عذاب و سزا میں گرفتار کر لیا۔ دیکھ لے کہ میرے انکار کا نتیجہ کیا ہوا؟ کس طرح تباہ و برباد ہوئے؟ واللہ اعلم

أَلَمْ تَرَ تَعَلَّمْ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا فِيهِ الثِّفَاتِ عَنِ الْعَيْبَةِ بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا
كَأَخْضَرَ وَآحْمَرَ وَأَصْفَرَ وَغَيْرِهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ جَمْعٌ جُدَّةٌ طَرِيقٌ فِي الْجَبَلِ وَغَيْرِهِ بَيْضٌ وَحُمْرٌ
وَصُفْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَبِالشِّدَّةِ وَالضُّعْفِ غَرَابِيبٌ سُودٌ ۝ عَطْفٌ عَلَى جُدْدٍ أَيْ صَحُورٌ شَدِيدَةٌ
السُّودَ يُقَالُ كَثِيرٌ أَسْوَدٌ غَرَبِيْبٌ وَقَلِيْلٌ غَرَبِيْبٌ أَسْوَدٌ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ
أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ ۝ كَاخْتِلَافِ الثَّمَارِ وَالجِبَالِ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۝ بِخِلَافِ
الْجُهَالِ كَكُفَّارِ مَكَّةَ إِنَّ اللَّهَ عَزِيْزٌ فِيْ مُلْكِهِ عَفُوْرٌ ۝ لِذُنُوْبِ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ
يَتْرُقُوْنَ كِتَابَ اللَّهِ وَآقَامُوا الصَّلَاةَ آدَامُوهَا وَانْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً زَكَاةً وَغَيْرِهَا
يَرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝ تَهْلِكُ لِيُوفِيَهُمْ أَجُوْرَهُمْ ثَوَابِ أَعْمَالِهِمْ الْمَذْكُوْرَةَ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ
فَضْلِهِ ۝ إِنَّهُ عَفُوْرٌ لِذُنُوْبِهِمْ شُكُوْرٌ ۝ لِطَاعَتِهِمْ وَالَّذِيْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ الْقُرْآنِ هُوَ الْحَقُّ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۝ تَقْدِيْمُهُ مِنَ الْكِتَابِ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيْرٌ بَصِيْرٌ ۝ عَالِمٌ بِالْبُؤْسِ
وَالظُّلْمِ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۝ وَهُمْ أُمَّتَكَ مِنْهُمْ ظَالِمٌ
لِّنَفْسِهِ ۝ بِالتَّقْصِيْرِ فِي الْعَمَلِ بِهِ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ يَعْمَلُ بِهِ فِي غَلَبِ الأَوْقَاتِ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌ
بِالْخَيْرِ يَضُمُّ إِلَى الْعَمَلِ بِهِ التَّعْلِيْمَ وَالإِرْشَادَ إِلَى الْعَمَلِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۝ بِإِرَادَتِهِ ذَلِكَ أَيْ إِتْرَاتُهُمْ
الْكِتَابَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ جَنَّتْ عَدْنٌ إِقَامَةٌ يَدْخُلُونَهَا أَي الثَّلَاثَةُ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَ لِلْمَفْعُولِ
خَيْرٌ جَنَّاتِ الْمُتَبَدِّءِ يَحْلُوْنَ خَيْرٌ ثَانٍ فِيهَا مِنْ بَعْضِ أَسْوَدٍ مِنْ ذَهَبٍ وَ لَوْلَا مُرْصَعٌ بِالذَّهَبِ وَ
لِيَأْسُوهُمْ فِيهَا حَرِيْرٌ ۝ وَقَالُوا الْحُصْدُ لِلَّهِ الَّذِيْ أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ ۝ جَمِيْعُهُ إِنَّ رَبَّنَا لَعَفُوْرٌ
لِلذُّنُوْبِ شُكُوْرٌ ۝ لِلطَّاعَاتِ الَّذِيْ أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ أَي الإِقَامَةَ مِنْ فَضْلِهِ ۝ لَا يَسْتَأْنِفُ فِيهَا نَصَبٌ
تَبُّ وَ لَا يَسْتَأْنِفُ فِيهَا لُغُوْبٌ ۝ إِعْتِيَاءٌ مِنَ التَّعَبِ لِعَدَمِ التَّكْلِيفِ فِيهَا وَ ذِكْرُ الثَّانِي التَّابِعِ لِالأَوَّلِ

لِلتَّصْرِیحِ بِتَفْهِیهِ وَالدِّیْنِ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقْضَىٰ عَلَیْهِمْ بِالْمَوْتِ فِیْمَوْتُوا یَسْتَرْیَحُوا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا ۗ طَرْفَةَ عَیْنٍ كَذَٰلِكَ كَمَا جَزَّیْنَاَهُمْ نَجْزِیْ كُلِّ كَافِرٍ بِأَلْبَابِهِ
وَالنُّونِ الْمَفْشُوحَةِ مَعَ كَسْرِ الزَّایِ وَ نَصْبِ كُلِّ وَ هُمْ یَصْطَرِخُونَ فِیْهَا ۗ یَسْتَعِیْضُونَ بِشِدَّةِ رَعْوِهِمْ
یَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا نَعْمَلْ صَٰلِحًا غَیْرَ الَّذِی كُنَّا نَعْمَلُ ۗ فِیْقَالُ لَهُمْ أَوْ لَمْ نُعَذِّبْكُمْ مَآ وَفَا
یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَ كُمُ النَّذِیْرُ ۗ الرَّسُولُ فَمَا جِئْتُمْ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّٰلِمِیْنَ الْكَافِرِیْنَ مِنْ
عَصِیْرٍ ۗ یَدْفَعُ الْعَذَابَ عَنْهُمْ

ترجمہ: کیا تو نے اس پر نظر نہیں کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے نکالے اس میں سیغہ غائب سے التفات ہے اسکے ذریعے مختلف رنگوں کے پھل جیسے سبز سرخ زرد وغیرہ اور پہاڑوں میں بھی گھاٹیاں ہیں جلد، جلدہ کی جمع ہے پہاڑی وغیرہ کے درے کوئی سفید اور کوئی سرخ اور کوئی زرد ان کی رنگتیں بھی مختلف ہیں کچھ تیز کچھ ہلکی اور کوئی بہت گہرے سیاہ اس کا عطف جلد پر ہے یعنی نہایت کالے پھر چنانچہ کہا جاتا ہے کثیر اسود غریب اور قلیلا اسود اور اس طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں کہ ان کے رنگ مختلف ہیں پھلوں اور پہاڑوں کے مختلف رنگوں کی طرح اللہ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں برخلاف جاہلوں کے جیسے کفار مکہ پیشک اپنے ملک میں زبردست ہے اپنے گنہگار مومن بندوں کی بڑی مغفرت کرنے والا ہے بلاشبہ جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں ہمیشہ نماز ادا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے رہتے ہیں ذکوۃ وغیرہ کی صورت میں وہ ایسی تجارت کی آس لگائے ہوئے ہیں جو کبھی ماند مندی نہ پڑے گی تاکہ ان کو انکا پورا پورا صلہ ان کے ان اعمال کا بدلہ دے اور اپنے فضل سے اور بھی بڑھا دے بیشک وہ ان کے گناہوں کو بڑا بخشنے والا ان کی اطاعتوں کی قدر روائی کرنے والا ہے اور جو کتاب قرآن ہم نے آپ کے پاس بطور وحی بھیجی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے جو اپنے سے پہلے کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے بیشک اللہ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے پوشیدہ اور علانیہ باتوں کو جانتا ہے پھر ہم نے یہ کتاب قرآن ان لوگوں م کے ہاتھوں میں بھی پہنچائی عطا کی جن کو اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا اور وہ آپ کے امتی ہیں پھر ان میں سے بعض تو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں عمل میں کوتاہی کر کے اور بعض ان میں سے متوسط درجے کے ہیں اکثر اوقات عمل کرتے رہتے ہیں اور کچھ ان میں وہ بھی ہیں جو نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں اعمال کے ساتھ دوسروں کو بھی تعلیم اور دعوت عمل دیتے رہتے ہیں اللہ کی توفیق و مشیت سے یہ کتاب ان کو پہنچانا بہت ہی بڑا فضل ہے وہ باغات میں ہمیشہ رہیں کہیں گے "جنت عدن" کے معنی ہمیشہ ہمیشہ ٹھہرنے کے باغات جن میں لوگ داخل ہوں گے تینوں الفاظ معروف اور مجہول دونوں طرح ہیں اور "جنات" مبتدا کی خبر ہے اس میں انھیں پہنائے جائیں گے یہ خبر

ہانی ہے سونے کے ننگن من تبغیضیہ ہے اور موتی جو سونے سے جڑا رکھے ہوں گے اور انکی پوشاک ریشم کی ہوگی اور یہ لوگ کہیں گے اللہ کا شکر بے نہایت ہے کہ جس نے ہم سے سارا غم دور کیا بیشک ہمارا پروردگار گناہوں کا بڑا بخشنے والا طاعات کا بڑا قہر دان جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا ہے جہاں ہمیں نہ کوئی تکلیف نہ دقت ہوگی اور نہ ہیں تھکن ہی محسوس ہوگی مشقت کی وجہ سے کسی قسم کا اضمحلال نہ ہوگا کیونکہ جنت تکلیف کا مقام نہیں ہے اس میں جملہ ثانی جو جملہ اولی کے تابع ہے صراحتہ نفی کے لیے لایا گیا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے نہ تو مر کر ان کی موت آئے گی کہ مر ہی جائیں آرام میں ہو جائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب تھوڑے وقفہ کے لیے بھی ہلکا ہوگا ایسے ہی جیسے ہم نے ان کو سزا دی ہم کافر کو سزا دیا کرتے ہیں۔ کفور، کافر کے معنی میں ہے۔ نجزی اور نون مفتوحہ کے ساتھ اور ذاء کے کسرہ اور لفظ کل کے نصب کے ساتھ اور یہ اس میں چلائیں گے شدت و سختی کی فریاد کریں گے یہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہمیں یہاں سے نکال لے اب ہم اچھے کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو پہلے سے کرتے رہے ہیں مگر ان کو جواب دے جائے گا کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا تھا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا یعنی مگر تم نے اس کو قبول نہیں کیا سو مزہ چکھو کہ ظالموں کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے جو انھیں عذاب سے بچا سکے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: جَدَدٌ یعنی ذکو مقدر مانا تا کہ اس کا ما قبل سے تعلق قائم ہو جائے۔ پہاڑی رستے کو کہتے ہیں۔
 قولہ: عَطْفٌ عَلٰی جَدِّدٌ: گویا اس طرح کہا بعض پہاڑ سفید، مختلف رنگ کے راستوں والے ہیں، بعض صرف سیاہ رنگ۔

قولہ: عَرَابِیْبٌ سَوْدٌ: غرابیب یہ سود کی تاکید ہے۔
 قولہ: الْعَلْبُؤَا: خشیت اس وقت زیادہ ہوتی ہے جب جس ذات سے ڈرا جائے اس کی صفات و افعال کا زیادہ علم ہو۔
 قولہ: یُرِجُونَ تِجَارَةً: یعنی اطاعت کے ذریعہ ثواب کے حاصل ہونے کی امید کرتے ہیں۔
 قولہ: کَنْ تَبَوَّرٌ: یہ تجارت کی صفت ہے، یعنی جس میں نقصان نہ ہو۔
 قولہ: لِیُوْفِیْہِم: یہ بدلول کی علت ہے، وہ اس تجارت سے نقصان کو دور کرتا ہے تاکہ ان کو پورا بدلہ دے۔
 قولہ: ثُمَّ اور ثَنَا: پھر ہم نے اس کی وراثت کے تم سے پانے کا فیصلہ کیا حکم دیا۔
 قولہ: الثَّلَاثَةُ یَدْخُلُوْنَہَا میں مرفوع ضمیر ثلاثہ کی طرف راجع ہے۔
 قولہ: حَبْرٌ جَنَاتٍ یَدْخُلُوْنَ یہ جَنَاتِ مَبْتَدَا کی خبر ہے۔
 قولہ: مُزْضِعٌ: اس کا عطف اَسَاوِرَ کے محل پر ہے۔

قولہ: جَمِيعَةً: اس سے مراد انجام کا خطرہ، معاش کی فکر اور مصائب اور دسائیں ابلیس۔

قولہ: لِلنَّصْرِ نِجَ بِنَفْسِهِ: یعنی بطور مبالغہ۔

قولہ: فَيَمُوتُوا: ان مصدریہ کے مضمحل ہونے کی وجہ سے یہ منصوب ہے۔

قولہ: يَصْطَرِحُونَ: وہ استغاثہ کرتے ہوئے چلائیں گے۔

قولہ: وَعَوِيلٌ يَقُولُونَ: زور سے رونا۔

تفسیر مقبولین

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ

بارش کے منافع، نیک بندوں کی صفات اور ان کا اجر و ثواب:

یہ متعدد آیات ہیں، پہلی دو آیتوں میں بعض علوی اور بعض سفلی انعامات کا تذکرہ فرمایا جو اللہ تعالیٰ شہد کی قدرت کا پرہ پر دلالت کرتے ہیں۔

اول تو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا، اس پانی کے جہاں بہت سے فائدے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے درخت نکال دیئے، پھر ان درختوں پر پھل لگا دیئے، ان پھلوں کے اقسام بھی بہت ہیں اور الوان یعنی رنگ بھی، مزے بھی مختلف ہیں اور ہر قسم میں مختلف قسمیں ہیں۔

اور دوسری بات یہ بتائی کہ پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں، ان کے رنگ بھی مختلف ہیں بعض سفید ہیں اور بعض بالکل سیاہ ہیں پہاڑوں سے بنی آدم کو مختلف قسم کے منافع حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے جَدِّد کی تفسیر معلوم کی گئی تو فرمایا کہ اس سے پہاڑوں کے راستے مراد ہیں، بنی آدم پہاڑوں پر چڑھتے ہیں، ان کے راستوں میں سفر کرتے ہیں، منافع حاصل کرتے ہیں۔ غریب جمع ہے غریب کی، جو بہت زیادہ سیاہ ہو عربی میں اسے (غریب) کہا جاتا ہے، اور (سُوْدُ) ، (أَسْوَدُ) کی جمع ہے جو سیاہ کے معنی میں آتا ہے، دونوں لفظوں کو ملا کر مبالغہ کا معنی پیدا ہو جاتا ہے، اسی لیے اوپر گہرے سیاہ رنگ والے کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ (قال صاحب الزوج و کثر فی کلامہم انباع للاسود علی انه صفة له او تاکید لفظی، فقالا اسود غریب کیا قالوا بیض یفق واصفر فاقع واحمر قان) (تفسیر روح المعانی کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عرب کے کلام میں الاسود کے ساتھ غریب کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اس طرح کہ غریب اسود کی صفت بنتا ہے یا تاکید لفظی چنانچہ کہتے ہیں اسود غریب جیسا کہ کہا جاتا ہے: "بیض یفق" بہت ہی سفید اور "اصفر فاقع" زرد خالص اور "احمر قان" بہت ہی سرخ۔)

بارش اور پھلوں اور پہاڑوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ انسانوں میں اور چوپایوں میں اور جانوروں میں بھی مختلف

اقسام کی چیزیں ہیں، ان کی اقسام بھی مختلف ہیں اور انواع بھی اور رنگتیں بھی، اس سب میں اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کا مظاہرہ بھی ہے اور انسانوں پر انعامات بھی ہیں، انسان جانوروں سے اور جانور انسانوں سے مستفید اور متبع ہوتے ہیں۔
 اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

اس جگہ لفظ كَذَلِكَ پر جمہور کے نزدیک وقف ہے، جو اس کی علامت ہے کہ یہ لفظ پچھلے مضمون کے ساتھ متعلق ہے۔ یعنی مخلوقات کو مختلف انواع و اقسام اور مختلف الوان پر بڑی حکمت کے ساتھ بنانا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی خاص نشانی ہے۔

اور بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس لفظ کا تعلق اگلے جملے سے ہے۔ یعنی جس طرح ثمرات، پہاڑ، حیوانات اور انسان مختلف رنگوں پر منقسم ہیں، اسی طرح خشیت اللہ میں بھی لوگوں کے درجات مختلف ہیں، کسی کو اس کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے، کسی کو کم، اور مدار اس کا علم پر ہے جس درجہ کا علم ہے اسی درجہ کی خشیت بھی ہے۔ (روح)

سابقہ آیات میں ارشاد فرمایا تھا: اِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ جس میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دینے کے لیے فرمایا تھا کہ آپ کے انداز و تبلیغ کا فائدہ تو صرف وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو غائبانہ اللہ تعالیٰ سے خوف و خشیت رکھتے ہیں، اس کی مناسبت سے آیت: اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی خشیت حاصل ہے۔ اور جیسا پہلے کفار و منکرین کا اور ان کے احوال کا ذکر آیا ہے، اس میں خاص اولیاء اللہ کا ذکر ہے۔ لفظ انہا عربی زبان میں حصر بیان کرنے کے لیے آتا ہے، اس لیے اس جملے کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں مگر ابن عطیہ وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ حرف انما جیسے حصر کے لیے آتا ہے ایسے ہی کسی کی خصوصیت کے بیان کرنے کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے، اور یہاں یہی مراد ہے کہ خشیت اللہ علماء کا وصف خاص اور لازم ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ غیر عالم میں خشیت نہ ہو۔

(بحر محیط، ابو حیان)

اور آیت میں لفظ علماء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ، کی ذات و صفات کا کما حقہ علم رکھتے ہیں، اور مخلوقات عالم میں اس کے تصرفات پر اور اس کے احسانات و انعامات پر نظر رکھتے ہیں۔ صرف عربی زبان یا اس کے صرف دُخو اور فنونِ بلاغت جاننے والوں کو قرآن کی اصطلاح میں عالم نہیں کہا جاتا جب تک اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت مذکورہ طریق پر حاصل نہ ہو۔ حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ عالم وہ شخص ہے جو خلوت و جلوت میں اللہ سے ڈرے، اور جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے وہ اس کو مرغوب ہو اور جو چیز اللہ کے نزدیک مبغوض ہے اس کو اس سے نفرت ہو۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا۔

یعنی بہت سی احادیث یاد کر لینا یا بہت باتیں کرنا کوئی علم نہیں بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کا خوف ہو۔ حاصل یہ ہے کہ جس قدر کسی میں خدائے تعالیٰ کا خوف ہے وہ اسی درجہ کا عالم ہے۔ اور احمد بن صالح مصری نے فرمایا کہ خشیت اللہ کو کثرت روایت اور کثرت معلومات سے نہیں پہچانا جاسکتا بلکہ اس کو کتاب و سنت کے اتہاع سے پہچانا جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

شیخ شہاب الدین سہروردی نے فرمایا کہ اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس شخص میں خشیت نہ ہو وہ عالم نہیں (مظہری) اس کی تصدیق اکابر سلف کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت ربیع بن انس نے فرمایا:

”یعنی جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں“

اور مجاہد نے فرمایا:

”یعنی عالم تو صرف وہی ہے جو اللہ سے ڈرے۔“

سعد بن ابراہیم سے کسی نے پوچھا کہ مدینہ میں سب سے زیادہ فقیہ کون ہے؟ تو فرمایا: اتقاہم لربہ یعنی جو اپنے رب

سے زیادہ ڈرانے والا ہو“

اور حضرت علی مرتضیٰ نے فقیہ کی تعریف اس طرح فرمائی:

”فقہ کھل فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہ کرے اور ان کو گناہوں کی رخصت بھی نہ دے اور ان کو

اللہ کے عذاب سے مطمئن بھی نہ کرے، اور قرآن کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی طرف رغبت نہ کرے، (اور فرمایا) اس عبادت

میں کوئی خیر نہیں جو بے علم کے ہو اور اس علم میں کوئی خیر نہیں جو بے قصہ یعنی بے سمجھ بوجھ کے ہو اور اس قرأت میں کوئی خیر نہیں

جو بغیر تدریس کے ہو“

مذکورہ تصریحات سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ بہت سے علماء کو دیکھا جاتا ہے کہ ان میں خدا کا خوف و خشیت نہیں۔ کیونکہ

تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک صرف عربی جاننے کا نام علم اور جاننے والے کا نام عالم نہیں جس میں خشیت نہ

ہو وہ قرآن کی اصطلاح میں عالم ہی نہیں۔ البتہ خشیت کبھی صرف اعتقادی اور عقلی ہوتی ہے جس کی وجہ سے آدمی بے تکلف

احکام شرعیہ کا پابند ہوتا ہے، اور کبھی یہ خشیت حالی اور ملکہِ راسخہ کے درجہ میں ہو جاتی ہے جس میں اتباعِ شریعت ایک تقاضا

طبیعت بن جاتا ہے۔ خشیت کا پہلا درجہ مامور بہ اور عالم کے لیے ضروری ہے دوسرا درجہ افضل و اعلیٰ ہے ضروری نہیں۔

(از بیان القرآن)

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ....

ان آیات سے پہلی آیت میں علماء حق جو عارف باللہ ہوں ان کی ایک ایسی صفت کا ذکر تھا جن کا تعلق قلب سے ہے،

یعنی خشیت اللہ۔ مذکورہ صدر پہلی آیت میں انہی اولیاء اللہ کی چند ایسی صفات کا ذکر ہے جو اعضاء و جوارح سے ادا ہوتی ہیں۔

ان میں پہلی صفت تلاوت قرآن ہے، اور مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو تلاوت کتاب اللہ پر مداومت کرتے ہیں۔ يَتْلُونَ

بصیغہ مضارع اس کی طرف مشیر ہے۔ اور بعض حضرات نے اس جگہ يَتْلُونَ اس کے لغوی معنی میں لیا ہے یعنی وہ عمل میں اتباع

کرتے ہیں قرآن کا، مگر پہلی تفسیر راجح ہے۔ اگرچہ سیاق و سباق سے یہ بھی متعین ہے کہ تلاوت وہی معتبر ہے جس کے ساتھ

قرآن پر عمل بھی ہو۔ مگر لفظ تلاوت اپنے معروف معنی میں ہے۔ اسی طرح حضرت مطرف بن عبد اللہ ابن مغیر نے فرمایا ہے

ہذہ آية الفراء یعنی یہ آیت قرآن کے لیے ہے جو تلاوت قرآن کو اپنا مشغلہ زندگی بناتے ہیں۔

ان کی دوسری صفت اقامت صلوٰۃ اور تیسری اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے۔ خرچ کرنے کے ساتھ سزا و عذاب فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ اکثر عبادات میں ریاء سے بچنے کے لیے خفیہ کرنا بہتر ہوتا ہے، مگر بعض اوقات مصالح دینیہ اس کو بھی مقتضی ہوتی ہیں کہ اعلان کے ساتھ کیا جائے، جیسے نماز جماعت کہ میناروں پر اذان دے کر اور زیادہ سے زیادہ اجتماع کے ساتھ علانیہ طور پر ادا کرنے کا حکم ہے۔ اسی طرح بعض اوقات اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اظہار بھی دوسروں کی ترغیب کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ حضرات فقہاء نے نماز اور اتفاق فی سبیل اللہ دونوں میں یہ تفصیل فرمائی ہے کہ فرض و واجب یا سنت موکدہ ہے اس کو تو علانیہ کرنا بہتر ہے اس کے سوا نفل نماز کا خفیہ ادا کرنا بہتر ہے۔ اسی طرح جہاں مال خرچ کرنا فرض یا واجب ہے، جیسے زکوٰۃ فرض یا صدقۃ الفطر یا قربانی ان میں علانیہ خرچ کرنا بہتر اور افضل ہے، باقی صدقات نائلہ کو خفیہ خرچ کرنا افضل ہے۔

جو لوگ ن تینوں صفات کے حامل ہوں یعنی تلاوت قرآن پر مداومت اور اقامت صلوٰۃ اور اللہ کی راہ میں خوش دلی کے ساتھ مال خرچ کرنا کہ صرف فرض و واجب ہی کی حد تک نہ رہے بلکہ نفل صدقات بھی کریں۔ آگے ان کی ایک صفت یہ بتلائی کہ **يُرْوُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورًا** بوار سے مشتق ہے، جس کے معنی ضائع ہو جانے کے ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ صفات مذکورہ کے پابند مؤمنین ایک ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں کبھی خسارہ نہیں ہوتا۔ امیدوار ہونے کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ مؤمن کو دنیا میں اپنے کسی بھی نیک عمل پر یقین کرنے کی گنجائش نہیں ہے، کہ یہ ہمیں ضرور بخشوادے گا اور اس کا اجر ثواب ہمیں یقینی ملے گا۔ کیونکہ مکمل مغفرت اور بخشش تو کسی انسان کی بھی صرف اس کے عمل سے نہیں ہو سکتی، کیونکہ انسان کتنا بھی عمل صالح کرے مگر وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و عبادت کے حق کو پورا نہیں کر سکتا۔ اس لیے مغفرت سب کی اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر نہیں ہوگی، جیسا کہ ایک حدیث میں اس مضمون کی تصریح آئی ہے۔ اس کے علاوہ ہر نیک عمل کے ساتھ آدی کو اس خطرہ سے بھی غافل نہیں ہونا چاہئے کہ بہت سے نیک اعمال میں کوئی مخفی کید شیطانی یا نفسانی شامل ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ مقبول نہیں ہوتا، یا بعض اوقات ایک نیک عمل کے ساتھ کوئی برا عمل ایسا ہو جاتا ہے جو نیک عمل کی مقبولیت سے بھی مانع ہو جاتا ہے۔ اس لیے آیت میں لفظ **يُرْوُونَ** لا کر اس طرف اشارہ فرما دیا کہ سارے اعمال صالحہ کی پابندی کے بعد بھی کسی کو اپنی نجات اور درجات عالیہ کا یقین کر لینے کا حق نہیں، بس زیادہ سے زیادہ امید ہی کر سکتے ہیں۔ (روح)

اعمال صالحہ کی مثال تجارت سے:

اس آیت میں ان اعمال صالحہ مذکورہ کو بطور تشبیہ و مثال ایک تجارت سے تعبیر کیا گیا، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کو تجارت سے تعبیر فرمایا ہے: **هَلْ ادلکم علی تجارة تنجیکم من عذاب الیم، تو ممنون باللہ ورسولہ و تجاهدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم، تجارت کی مثال اس وصف میں ہے کہ تاجر اپنا سرمایہ اور وقت کسی کام میں اس وقت لگاتا ہے کہ اس سے اس کا سرمایہ بڑھ جائے گا، اور نفع پہنچے گا۔ لیکن دنیا کی ہر تجارت میں نفع کے ساتھ نقصان و خسارہ کا بھی احتمال لگا رہتا ہے۔ آیت مذکورہ میں تجارت کے ساتھ **لَّنْ تَبُورًا** کا لفظ بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ**

اس تجارت آخرت میں نقصان و خسارہ کا کوئی احتمال نہیں۔ اور اللہ کے نیک بندے جو اعمال صالحہ میں مشقت و محنت اٹھاتے ہیں وہ عام تجارتوں کی طرح تجارت نہیں کرتے، بلکہ ایک ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں کبھی خسارہ نہیں ہوتا۔ اور ان کی امیدواری کا ذکر کرنا اشارہ خفی اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ کریم الکرما ہیں، وہ امیدواروں کی امید کو قطع نہیں کریں گے بلکہ پورا کریں گے، بلکہ اگلے جملے میں یہ بھی فرمادیا کہ ان کی امید تو صرف اپنے عمل کا پورا بدلہ ملنے تک محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ان کی امیدوں سے بھی زیادہ عطا فرمائیں گے۔ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ لَئِن لَّمْ يَظْهَرِ لَهُم مَّا تَعْلَقُونَ بِثَبُوتِ ۙ سے ہے۔ یعنی ان کی تجارت خسارے کی متحمل نہیں بلکہ ان کے اجر و ثواب ان کو پورے پورے ملیں گے، اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کے مظلومہ اجر و ثواب سے بھی کہیں زیادہ عطا فرمائیں گے۔

اس فضل و زیادتی میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی شامل ہے کہ مؤمن کے عمل کا اجر حق تعالیٰ چند در چند کر کے عطا فرماتے ہیں جس کی ادنیٰ مقدار عمل کا دس گنا اور زیادہ سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے، اور دوسرے گناہگاروں کے حق میں ان کی سفارش قبول کرنا اس فضل میں شامل ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود نے رسول اللہ ﷺ سے اس فضل کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ ان لوگوں پر دنیا میں جس نے احسان کیا تھا یہ لوگ اس کی سفارش کریں گے تو باوجود سزائے جہنم کے مستحق ہونے کے ان کی سفارش سے ان کو نجات ہو جائے گی۔ (تفسیر مظہری بحوالہ ابن ابی حاتم) (اور یہ ظاہر ہے کہ شفاعت صرف اہل ایمان کے لیے ہو سکے گی، کافر کی شفاعت کی کسی کو اجازت نہ ہوگی) اسی طرح جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار بھی اس فضل کا جزء اعظم ہے۔

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ

حرف ثُمَّ عطف کے لیے آتا ہے، اور اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس حرف سے پہلے اور بعد کی دونوں چیزیں اصل وصف میں مشترک ہونے کے باوجود تقدیم و تاخیر رکھتی ہیں۔ پہلی چیز مقدم اور بعد کی چیز مؤخر ہوتی ہے، پھر یہ تقدیم و تاخیر کبھی زمانے کے اعتبار سے ہوتی ہے، کبھی رتبہ اور درجہ کے اعتبار سے۔ اس آیت میں حرف ثُمَّ عطف ہے اس سے پہلی آیت کے لفظ أَوْحَيْنَا پر، معنی یہ ہیں کہ ہم نے یہ کتاب یعنی قرآن جو خالص حق ہی ہے، اور تمام پہلی آسمانوں کتابوں کی تصدیق کرتا ہے پہلے بطور وحی آپ کے پاس بھیجی، اس کے بعد ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنا دیا جن کو ہم نے منتخب اور پسند کر لیا ہے اپنے بندوں میں سے۔ یہ اول و آخر اور مقدم و مؤخر ہونا رتبہ اور درجہ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ قرآن کا بذریعہ وحی آپ کے پاس بھیجنا رتبہ اور درجہ میں مقدم ہے اور امت محمدیہ کو عطا فرمانا اس سے مؤخر ہے۔ اور اگر امت کو وارث قرآن بنانے کا مطلب یہ لیا جائے کہ آپ نے اپنے بعد کے لیے امت کے واسطے زور و زین کی وراثت چھوٹنے کے بجائے اللہ کی کتاب بطور وراثت چھوڑی، جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی شہادت موجود ہے کہ انبیاء درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑا کرتے، وہ وراثت میں علم چھوڑتے ہیں اور ایک دوسری حدیث میں علماء کو وارث انبیاء فرمایا ہے، تو اس لحاظ سے یہ تقدیم و تاخیر زمانی بھی ہو سکتی ہے کہ ہم نے یہ کتاب آپ کو عنایت فرمائی ہے پھر آپ نے اس کو امت کے لیے بطور وارث چھوڑا۔ وارث بنانے سے مراد عطا کرنا ہے، اس عطا کو بلفظ میراث تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح وارث کو میراث کا حصہ بغیر اس

کے کسی عمل اور کوشش کے مل جاتا ہے، قرآن کریم کی یہ دولت بھی ان منتخب بندوں کو اسی طرح بغیر کسی محنت و مشقت کے دے دی گئی ہے۔

امت محمدیہ خصوصاً اس کے علماء کی ایک اہم فضیلت و خصوصیت:

الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا، یعنی جن کو ہم نے منتخب اور پسندیدہ قرار دے دیا اپنے بندوں میں سے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے مراد امت محمدیہ ہے، اس کے علماء بلا واسطہ اور دوسرے لوگ بواسطہ علماء، علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا سے مراد امت محمدیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر اس کتاب کا وارث بنایا ہے جو اس نے اتاری ہے، (یعنی قرآن سب کتب سابقہ کی تصدیق و حفاظت کرنے والی کتاب ہونے کی حیثیت سے تمام آسمانی کتابوں کے مضامین کی جامع ہے، اس کا وارث بننا گویا سب آسمانی کتابوں کا وارث بننا ہے) پھر فرمایا: فَظَلَمَهُمْ يَنْفَرُهُ وَ مَقْتَصِدُهُمْ يَحْسَابُ حِسَابًا يَسِيرًا وَ سَابِقُهُمْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ، یعنی اس امت کا ظالم بھی بخشا جائے گا اور میانہ روی کرنے والے سے آسان حساب لیا جائے گا، اور سابق بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا۔ (ابن کثیر)

اس آیت میں لفظ اصْطَفَيْنَا سے امت محمدیہ کی سب سے بڑی عظیم فضیلت ظاہر ہوئی۔ کیونکہ لفظ اصطفاء قرآن کریم میں اکثر انبیاء علیہم السلام کے لیے آیا ہے، اللہ یصطفى من الملائكة رسلاً ومن الناس اور ایک آیت میں ہے: ان لله اصطفى آدم و نوحاً و آل ابراهيم و آل عمران علی العلمین۔ آیت مذکورہ میں حق تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اصْطَفَيْنَا یعنی انتخاب میں انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ شریک فرمادیا، اگرچہ اصطفاء کے درجات مختلف ہیں، انبیاء و ملائکہ کا اصطفاء اعلیٰ درجہ میں اور امت محمدیہ کا بعد کے درجہ میں ہے۔

امت محمدیہ کی تین قسمیں:

فِيهِمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ، وَ مِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ، وَ مِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ، یہ جملہ پہلے جملے کی تفسیر و توضیح ہے۔ یعنی ہم نے اپنے بندوں کو منتخب اور پسند فرما کر ان کو قرآن کا وارث بنایا ہے، ان کی تین قسمیں ہیں، ظالم، مقتصد، سابق۔ ان تینوں قسموں کی تفسیر امام ابن کثیر نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ ظالم سے مراد وہ آدمی ہے جو بعض واجبات میں کوتاہی کرتا ہے اور بعض محرکات کو بھی ارتکاب کر لیتا ہے اور مقتصد (یعنی درمیانی چال چلنے والا) وہ شخص ہے جو تمام واجبات شریعیہ کو ادا کرتا ہے اور تمام محرکات سے بچتا ہے، مگر بعض اوقات بعض مستحبات کو چھوڑ دیتا ہے اور بعض مکروہات میں بھی مبتلا ہوجاتا ہے۔ اور سابق بالخیرات وہ شخص ہے جو تمام واجبات اور مستحبات کو ادا کرتا ہے، اور تمام محرکات و مکروہات سے بچتا ہے، اور بعض سہاحات کو اشتغال عبادت یا شبہ حرمت کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے۔

یہ ابن کثیر کا بیان ہے۔ دوسرے مفسرین نے ان تین قسموں کی تفسیر میں بہت مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ روح المعانی میں بحوالہ تحریر تینتالیس اقوال کا ذکر کیا ہے، مگر غور کیا جائے تو ان میں سے اکثر کا حاصل وہی ہے جو اوپر ابن کثیر کے حوالے

سے بیان کیا گیا ہے۔

ایک شبہ اور جواب:

مذکورہ تفسیر سے یہ ثابت ہوا کہ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا سے مراد امت محمدیہ ہے اور اس کی یہ تین قسمیں ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کی پہلی قسم یعنی ظالم بھی الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا یعنی اللہ کے منتخب بندوں میں شامل ہیں، اس کو بظاہر مستبعد سمجھ کر بعض لوگوں نے کہا کہ یہ امت محمدیہ اور اصْطَفَيْنَا سے خارج ہے۔ مگر بہت سی احادیث صحیحہ معتبرہ سے ثابت ہے کہ یہ تینوں قسمیں امت محمدیہ کی ہیں اور اصْطَفَيْنَا کے وصف سے خارج نہیں۔ یہ امت محمدیہ کے مؤمن بندوں کی انتہائی خصوصیت اور فضیلت ہے کہ ان میں جو عملی طور پر ناقص بھی ہیں وہ بھی اس شرف میں داخل ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے اس جگہ وہ سب روایات حدیث جمع کر دی ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت مذکورہ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا کی تینوں قسموں کے متعلق فرمایا کہ یہ سب ایک ہی مرتبے میں ہیں اور سب جنت میں ہیں۔ (رواہ احمد، ابن کثیر) ایک مرتبہ میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ سب کی مغفرت ہو جائے گی اور سب جنت میں جائیں گے، یہ مطلب نہیں کہ درجات کے اعتبار سے ان میں تفاضل نہ ہوگا۔ اور حضرت ابوالدرداء سے باسانید متعدد ایک حدیث منقوس ہے، ابن کثیر نے ان سب کو نقل کیا ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو ابن جریر نے ابوثابت سے نقل کی ہے کہ وہ ایک روز مسجد میں گئے تو وہاں ابوالدرداء پہلے سے بیٹھے تھے۔ ابو ثابت ان کے برابر جا کر بیٹھ گئے اور یہ دعا کرنے لگے: اللھم انس وحشتی وارحم غربتی ودرلی جلیسا صالحا یعنی یا اللہ میری قلبی وحشت و پریشانی کو دور فرما اور میری حالت مسافرت پر رحم فرما، اور مجھے کوئی جلیس (ہم نشین) صالح نصیب فرمادے (یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سلف صالحین میں جلیس صالح کی طلب و تلاش کا درجہ کیا تھا کہ اس کو اہم مقصد اور سب پریشانیوں کا علاج سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اس کی دعائیں مانگتے تھے) ابوالدرداء نے یہ دعائی تو فرمایا کہ اگر آپ اپنی اس دعا و طلب میں سچے ہیں تو میں اس معاملہ میں آپ سے زیادہ خوش نصیب ہوں (مطلب یہ ہے کہ مجھے اللہ نے آپ جیسا جلیس صالح بے مانگے دے دیا) اور فرمایا کہ میں آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، مگر جب سے میں نے اس کو سنا ہے اب تک کسی سے بیان کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ وہ یہ ہے کہ آپ نے اس آیت کا ذکر فرمایا ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا پھر فرمایا کہ ان تین قسموں میں سے جو سَائِرُ بِالْخَيْرَاتِ ہیں وہ تو بے حساب جنت میں جائیں گے اور جو مُقْتَصِدٌ یعنی درمیانے ہیں ان سے ہلکا حساب لیا جائے گا، اور ظَالِمٌ یعنی جو اعمال میں کوتاہی کرنے والے اور گناہوں کی لغزش میں مبتلا ہونے والے ہیں، ان کو اس مقام میں سخت رنج و غم طاری ہوگا، پھر ان کو بھی جنت میں داخلہ کا حکم ہو جائے گا، اور سب رنج و غم دور ہو جائیں گے۔ اسی کا ذکر اگلی آیت میں آیا ہے: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ ۔ یعنی وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا جس نے ہمارا غم دور کر دیا

اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وكلهم من هذه

الامة)) یعنی یہ تینوں قسمیں اسی امت محمدیہ میں سے ہوں گی۔

اور ابو داؤد طیالسی نے عقبہ ابن صہبان بنائی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت صدیقہ عائشہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی تو انہوں نے فرمایا، بیٹا یہ تینوں قسمیں جنتی ہیں۔ ان میں سے سابق بالخیروت تو وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں گزر گئے، جن کے جنتی ہونے کی شہادت خود رسول اللہ ﷺ نے دے دی اور مقتصد وہ لوگ ہیں جو ان کے نشان قدم پر چلے، اور سابقین کی اقتداء پر قائم رہے یہاں تک کہ ان کے ساتھ مل گئے، باقی رہے ظالمین۔

یہ صدیقہ عائشہ کی توضیح تھی کہ اپنے آپ کو بھی انہوں نے تیسرے درجہ میں یعنی ظالمین لِنَفْسِهِ میں شمار کیا حالانکہ وہ احادیث صحیحہ کی تصریحات کے مطابق سابقین اولین میں سے ہیں۔

اور ابن جریر نے حضرت محمد بن حنفیہ سے نقل کیا، فرمایا کہ یہ امت مرحومہ ہے اس کا ظالم بھی مغفور ہے اور مُقْتَصِدٌ یعنی میانہ روجنت میں ہے، اور سابق بالخیروت اللہ کے نزدیک درجات عالیہ میں ہے۔

اور حضرت محمد بن علی باقرؑ نے ظالمین لِنَفْسِهِ کی تفسیر میں فرمایا: الذین خلط عملاً صالحاً وَاخراً سیئاً، یعنی وہ شخص جس نے نیک و بد دونوں طرح کے اعمال میں خلط ملط کیا ہو۔

علماء امت محمدیہ کی عظیم الشان فضیلت:

اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ہم نے اپنی کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جو ہمارے بندوں میں منتخب اور برگزیدہ ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کتاب اللہ اور علوم نبوت کے بلا واسطہ وارث حضرات علماء ہیں، جیسا کہ حدیث میں بھی ارشاد ہے: العلماء ورثة الانبیاء، حاصل اس کا یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت کے عوم کا مشغلہ اخلاص کے ساتھ نصیب فرمایا یہ اس کی علامت ہے کہ وہ اللہ کے برگزیدہ اولیاء ہیں، جیسا کہ حضرت ثعب بن الحکم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز علماء امت سے خطاب فرما کر کہیں گے کہ میں نے تمہارے سینوں میں اپنا علم و حکمت صرف اسی لیے رکھا تھا کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ تمہاری مغفرت کر دوں عمل تمہارے کیسے بھی ہوں (یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ جس شخص میں خشیت اور خوف خدا نہیں وہ علماء کی فہرست ہی سے خارج ہے۔ اس لیے یہ خطاب انہی لوگوں کو ہوگا جو حیۃ اللہ میں رنکے ہوئے ہوں ان سے یہ ممکن ہی نہیں ہوگا کہ بے لگری سے گناہوں میں ملوث رہیں، ہاں طبیعت بشریہ کے تقاضوں سے کبھی کبھی لغزش ان سے بھی ہوتی ہے۔ اسی کو اسی حدیث میں فرمایا کہ عمل تمہارے کیسے بھی ہوں تمہارے لیے مغفرت مقدر ہے۔

یہ سب روایات تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں، اور آخری حدیث میں جو حضرت ثعلبہ سے روایت کی گئی ہے اس کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے، جس کی سند کے سب رجال ثقاة ہیں۔ (تفسیر مظہری) اور تفسیر مظہری میں، بحوالہ ابن عساکر حدیث مذکور کا یہی مضمون ابو عمر صنعانی سے بھی روایت کیا ہے، اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ محشر میں اللہ اپنے سب بندوں کو جمع فرمادیں گے پھر ان میں سے علماء کو ایک ممتاز مقام پر جمع کر کے فرمادیں گے: "یعنی میں نے اپنا علم تمہارے تلوں میں اسی لیے رکھا تھا کہ میں تم سے واقف تھا (کہ تم اس امانت علم کا حق ادا کرو گے) میں نے اپنا علم تمہارے سینوں میں اسی لیے نہیں رکھا تھا کہ تمہیں عذاب دوں جاؤ میں نے تمہاری مغفرت کر دی۔"

(منظری)

فائدہ: اس آیت میں سب سے پہلے ظالم کو پھر مقصد کو آخر میں سابق بالخیرات کو ذکر فرمایا ہے۔ اس ترتیب کا سبب شاید یہ ہو کہ تعداد کے اعتبار سے ظالم لِنَفْسِهِ سب سے زیادہ ہیں ان سے کم مُقْتَصِدٌ اور ان سے کم سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ہیں، جن کی تعداد زیادہ تھی ان کو مقدم کیا گیا۔
 اَوْ لَمْ نَعْتِزْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ.....

یعنی جب جہنم میں یہ فریاد کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار آپ ہمیں اس عذاب سے نکال دیجئے اب ہم نیک عمل کریں گے اور پچھلی بد اعمالیوں کو چھوڑ دیں گے۔ اس وقت یہ جواب دیا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر کی مہلت نہیں دی تھی جس میں غور کرنے والا غور کر کے صحیح راستہ پر آجائے۔ حضرت علی ابن حسین زین العابدینؑ نے فرمایا کہ اس سے مراد سترہ سال کی عمر ہے۔ اور حضرت قتادہ نے اٹھارہ سال کی عمر بتلائی اور مراد اس سے عمر بلوغ ہے، اور سترہ اٹھارہ کا فرق بلوغ میں ہو سکتا ہے کہ کوئی سترہ سال میں بالغ ہو کوئی اٹھارہ سال میں۔ عمر بلوغ شریعت میں پہلی حد ہے، جس میں داخل ہو کر انسان کو منجانب اللہ اتنی عقل دے دی جاتی ہے کہ اپنے بھلے برے کو سمجھنے لگے۔ اس لیے یہ خطاب عام کفار سے ہوگا، خواہ طویل العمر ہوں یا قصیر العمر۔ البتہ جس کو عمر طویل ملی اور پھر بھی اس نے ہوش نہ سنبھالا، اور دلائل قدرت کو دیکھ کر اور انبیاء کی باتیں سن کر حق کو نہ پہچانا وہ زیادہ مستحق ملامت ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو صرف عمر بلوغ ملی اس کو بھی قدرت نے اتنا سامان دے دیا تھا کہ حق و باطل میں امتیاز کر سکے، جب نہ کیا تو وہ بھی مستحق ملامت و عذاب کا ہے، لیکن جس کو زیادہ عمر طویل ملی اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت اور زیادہ پوری ہوگئی وہ اگر اپنے کفر و معصیت سے باز نہ آئے زیادہ زیادہ مستحق عذاب و ملامت ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا وہ عمر جس پر اللہ تعالیٰ نے گناہگار بندوں کو عار دلائی ساٹھ سال ہے۔ اور حضرت ابن عباس نے ایک روایت میں چالیس اور دوسری میں ساٹھ سال کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ وہ عمر ہے جس میں انسان پر اللہ کی حجت تمام ہو جاتی ہے اور انسان کو کوئی عذر کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ ابن کثیر نے حضرت ابن عباس کی اس دوسری حدیث کو ترجیح دی ہے۔

تقریر مذکور سے واضح ہو چکا ہے کہ سترہ اٹھارہ سال کی روایات اور ساٹھ سال کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ اگرچہ انسان سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں اس قابل ہوتا ہے کہ غور و فکر کر کے حق و باطل میں تمیز کرے، اسی لیے اسی عمر بلوغ سے اس کو احکام شریعیہ کا مکلف قرار دیا گیا ہے، مگر ساٹھ سال ایسی عمر طویل ہے کہ اگر اس میں بھی کسی نے حق کو نہ پہچانا تو اسے کسی عذر کی گنجائش نہیں رہی، اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری تمام ہو چکی۔ اسی لیے امت مرحومہ کی عام عمریں ساٹھ سال سے ستر سال تک

مقرر ہیں، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے:

”یعنی میری امت کے عمریں ساٹھ سے ستر سال تک ہوں گی، کم لوگ ہوں گے جو اس سے تجاوز کریں گے“
 آخر آیت میں فرمایا: **وَجَاءَهُمُ التَّنْذِيرُ**۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسان کو عمر بلوغ کے وقت سے اتنی عقل و تمیز منجانب اللہ عطا ہو جاتی ہے کہ کم از کم اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اس کی رضا جوئی کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے۔ اتنے کام کے لیے خود انسانی عقل بھی کافی تھی، مگر اللہ جل شانہ، نے صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس عقل کی امداد کے لیے نذیر بھی بھیجے، نذیر کے معنی اردو میں ڈرانے والے کے لیے جاتے ہیں، اور حقیقت نذیر وہ شخص ہے جو اپنی رحمت و شفقت کے سبب اپنے لوگوں کو ایسی چیزوں سے بچنے کی ہدایت کرے جو اس کو ہلاکت یا مضرت میں ڈالنے والی ہیں، اور ان چیزوں سے لوگوں کو ڈرائے۔ مراد اس سے معروف معنی کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائب علماء ہیں۔ حاصل آیت کا یہ ہے کہ ہم نے حق و باطل کو پہچاننے کے لیے عقل بھی دی، اس کے ساتھ اپنے پیغمبر بھی بھیجے جو حق کی طرف ہدایت کریں باطل سے بچائیں۔

اور حضرت ابن عباس، عکرمہ اور امام جعفر باقر سے منقول ہے کہ نذیر سے مراد بڑھاپے کے سفید بال ہیں، کہ جب وہ ظاہر ہو جائیں تو وہ انسان کو اس کی ہدایت کرتے ہیں کہ اب رخصت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ یہ قول بھی پہلے قول سے متعارض نہیں کہ سفید بال بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذیر ہوں اور انبیاء و علماء بھی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ انسان کو بالغ ہونے کے بعد سے جتنے حالات پیش آتے ہیں اس کے اپنے وجود اور گرد و پیش میں جو تغیرات و انقلابات آتے ہیں، وہ سب ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذیر اور انسان کو متنبہ کرنے والے ہیں۔ معارف مفتی شفیع

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۳۰﴾ بِمَا فِي الْقُلُوبِ فَعَلِمَهُ بِغَيْرِهِ
 أُولَىٰ بِالنَّظَرِ إِلَىٰ حَالِ النَّاسِ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ جَمْعُ خَلِيفَةٍ أَيْ يَخْلُفُ بَعْضُكُمْ
 بَعْضًا مِمَّنْ كَفَرْتُمْ فَعَلِيهِ كُفْرُهُ أَيْ وَبَالَ كُفْرِهِ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا
 غَضَبًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرَهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿۳۱﴾ لِلْآخِرَةِ قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ
 تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَيْ غَيْرِهِ وَهُمْ الْأَصْنَامُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ شُرَكَاءُ اللَّهِ تَعَالَىٰ أَرُونِي أَخْبِرُونِي
 مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ مَعَ اللَّهِ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ أَمْ أَتَيْنَهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ
 بَيِّنَاتٍ حجة منه ٣١ بَانَ لَهُمْ مَعِيَ شِرْكُهُ لَا شَيْءَ مِنْ ذَلِكَ بَلْ إِنْ مَا يُعِدُّ الظَّالِمُونَ الْكَافِرُونَ
 بَعْضَهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿۳۲﴾ بَاطِلًا بِقَوْلِهِمُ الْإِصْنَامُ تَشْفَعُ لَهُمْ إِنْ اللَّهُ يُمْسِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ
 تَزُولَا أَيْ يَمْنَعُهُمَا مِنَ الزَّوَالِ وَ لَكِنَّ لَمْ قَسَمَ زَالَتَا إِنْ مَا أَمْسَكُهُمَا يُمْسِكُهُمَا مِنْ أَحَدٍ مَرْنِ

بَعْدَهُ ۱۰ أَي سِوَاهُ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝ فِي تَأْخِيرِ عِقَابِ الْكُفَّارِ وَ أَقْسَمُوا أَي كَفَرُوا مَكَّةَ بِاللَّهِ
 جَهْدًا أَي بِنَاهِيهِمْ أَي غَايَةَ اجْتِهَادِهِمْ فِيهَا لِيُنْجِزَ نَذِيرَهُمْ نَذِيرٌ لِيَكُونَتْ أَهْدَى مِنْ إِحْدَى
 الْأُمَمِ ۱۱ الْيَهُودُ وَ النَّصَارَى وَ غَيْرِهِمَا أَي وَاحِدَةٌ مِنْهُمَا لَمَّا زُورَ مِنْ تَكْذِيبِ بَعْضِهَا بَعْضًا إِذْ قَالَتْ
 الْيَهُودُ لَيْسَتْ النَّصَارَى عَلَى شَيْءٍ وَ قَالَتِ النَّصَارَى لَيْسَتْ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ
 مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ سَمِعَ مَا زَادَهُمْ مَجِئُهُ إِلَّا نُفُورًا ۱۲ تَبَاعُدًا عَنِ الْهُدَى اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ
 عَنِ الْإِيمَانِ مَفْعُولٌ لَهُ وَ مَكْرُ الْعَمَلِ السَّيِّئِ ۱۳ مِنَ الشِّرْكِ وَ غَيْرِهِ وَ لَا يَحِيطُ بِحَيْثُ الْمَكْرِ السَّيِّئِ إِلَّا
 بِأَهْلِهِ ۱۴ وَهُوَ الْمَاكِرُ وَ وَصَفَ الْمَكْرَ بِالسَّيِّئِ أَصْلٌ وَ إِضَافَةٌ إِلَيْهِ قَبْلَ اسْتِعْمَالِ آخِرِ قُدْرٍ فِيهِ مُضَافٌ
 حَذْرًا مِنَ الْإِضَافَةِ إِلَى الصِّفَةِ فَهَلْ يَنْظُرُونَ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۱۵ سُنَّةَ اللَّهِ فِيهِمْ مِنْ
 تَعْدِيهِمْ بِتَكْذِيبِهِمْ رُسُلَهُمْ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۱۶ وَ كُنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ۱۷ أَي
 لَا يَبْدُلُ بِالْعَذَابِ غَيْرَهُ وَ لَا يَحْوِلُ إِلَى غَيْرِ مُسْتَحِقِّهِ أَوْ لَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ
 عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۱۸ فَأَهْلَكَهُمُ اللَّهُ بِتَكْذِيبِهِمْ رُسُلَهُمْ وَ مَا كَانَ
 اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ يَسْبِقُهُ وَ يَقُوتُهُ فِي السَّمَوَاتِ وَ لَا فِي الْأَرْضِ ۱۹ إِنَّهُ كَانَ بِالْأَشْيَاءِ كُلِّهَا عَلِيمًا
 قَدِيرًا ۲۰ عَلَيْهَا وَ كَوَيْتُ أَخَذَ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مِنَ الْمَعَاصِي مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهَا أَي الْأَرْضِ
 مِنْ دَابَّةٍ نَسَمَةٌ تَدْبُ عَلَيْهَا وَ لَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى ۲۱ أَي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ
 ۲۲ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ۲۳ فَيَجَازِيهِمْ عَلَى أَعْمَالِهِمْ بِأَنْبَاءِ الْمُؤْمِنِينَ وَ عِقَابِ الْكَافِرِينَ

ع ۱۴

محمد بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں میں پوشیدہ چیزوں کے جاننے والا ہے بیشک وہی دلوں کے بھید جاننے والا ہے دل کی باتیں
 پس دل کے علاوہ اور باتیں لوگوں کی نظر کے لحاظ سے بدرجہ اولیٰ جاننے والا ہے وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں آباد کیا ہے
 خلافت خلیفہ کی جمع ہے یعنی تم میں سے بعض کے بعد بعض آتا رہتا ہے پھر جو کوئی تم میں سے ناشکری کرے تو اس پر ناشکری کا
 وبال پڑیگا اور کافروں کے لیے ان کفران کے پروردگار کے سامنے ناراضگی غصہ ہی بڑھائے گا اور کافروں کے لیے ان کافر
 آخرت میں خسارہ ہی کا باعث بنے گا آپ کہتے ذرا دیکھو تو اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو جن کو تم خدا کے سوا پکارتے تھے
 یعنی اللہ کے علاوہ بتوں کو جنہیں تم اپنے گمان میں اللہ کا شریک سمجھتے تھے مجھے دکھلاؤ بتلاؤ تو کہ انہوں نے زمین کا کونسا حصہ پتلا

کیا ہے یا ان کا کچھ سا جھا ہے اللہ کے ساتھ شرکت ہے آسمانوں کے بنانے میں یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ اسکی دلیل پر قائم ہوں اس دلیل پر کہ میں نے ان سے کوئی سا جھا کر رکھا ہے ان میں سے کوئی سی شق بھی نہیں پائی جاتی بلکہ یہ ظالم کافر ایک دوسرے سے دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے آئے ہیں بے بنیاد بات کہ بت ان کے لیے سفارشی ہوں گے یقینی بات ہے کہ اللہ ہی آسمان اور زمین کو تھا مے ہوئے ہے کہ ٹل نہ جائیں یعنی موجودہ حالت کو نہ چھوڑ بیٹھیں اور اگر لام قسمیہ ہے وہ ٹل جائیں تو پھر اللہ کے سوا کوئی انھیں سنبھال بھی نہ سکے وہ تحمل والا بخشش کرنے والا ہے کفار کی سزا میں دیر کر کے اور مکہ کے کافروں نے بڑی زور دار قسمیں کھائی تھیں پوری تاکید کے ساتھ کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا پیغمبر آیا تو وہ ہر امت سے بڑھ چڑھ کر ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ کوئی بھی امت ہو سب سے بڑھ کر رہیں گے کیونکہ یہود و نصاریٰ سے کہا کرتے تھے کہ تم کچھ نہیں ہو اور نصاریٰ جواب دیتے کہ تم کچھ نہیں ہو مگر جب ان کے پاس پیغمبر ڈرانے والے محمد ﷺ آ پہنچے تو آپ کی تشریف آوری سے ان کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی ہدایت سے دوری بڑھی اپنے کو دنیا میں بالا سمجھنے کی وجہ سے ایمان سے استکبار ا مفعول لہ ہے اور انکے برے داؤ بیچ کی وجہ سے شرک وغیرہ کر کے اور بری تدبیروں کا وبال بری تدبیریں کرنے والے پر ہی پڑتا ہے یعنی مکار پر اور مکر کی صفت لفظ الہی اپنی اصل پر ہے البتہ اس سے پہلے لفظ مکر الہی ایک دوسرے استعمال پر آیا ہے کہ اس میں مضاف مقدر مانا گیا ہے صفت کی طرف اضافت سے بچنے کے لیے سو کیا یہ لوگ صرف خدائی اسی دستور کے منتظر ہیں جو پہلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے اور وہ دستور ان کو اپنے رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے مبتلائے عذاب کرنا ہے، سو آپ خدا کے دستور کو کبھی بدلا ہوا نہیں پائیں گے اور نہ خدا کے دستور کو کبھی ملتا ہوا پائیں گے یعنی نہ عذاب کو کسی اور چیز سے بدلا جاسکتا ہے اور نہ اس کو غیر مجرم کی طرف پھیرا جائے گا کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا بنا حالانکہ قوت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے مگر اللہ نے ان کو اپنے پیغمبروں کو جھٹلانے کی وجہ سے تباہ کر ڈالا اور اللہ ایسا نہیں کہ کوئی چیز اسے ہر ادے کہ اس سے آگے بڑھ جائے اور اس کو عاجز کر دے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ تمام باتوں کا بڑا جاننے والا ان پر بڑی قدرت والا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی پکڑ پر آجاتا ان کی کرتوتوں گناہوں کی وجہ سے تو ردئے زمین پر ایک بھی تنفس جو زمین پر ریگ کر چلتا ہو کو نہ چھوڑتا لیکن اللہ انھیں ایک معین مدت قیامت تک ڈھیل دے رہا ہے سو جب وہ میعاد آ پہنچے گی اللہ اپنے بندوں کو آپ دیکھ لے گا لہذا وہ لوگوں کو ان کے لیے کا ضرور بدلہ دے گا مومنین کو ثواب اور کافروں کو عذاب۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: بِالْأَنْظُرِ الٰی حَالٍ: البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نسبت کے لحاظ سے تو اولویت نہیں۔
 قولہ: خَلِيفٍ: یہ خلیفہ کی جمع ہے جس کا معنی نائب ہے۔ اور خلفاء یہ خلیفہ کی جمع ہے۔
 قولہ: (الْاَمْثَلَاءَ): سخت غصہ۔

قوله: لِلْآخِرَةِ: اس سے خسارہ آخرت مراد ہے۔

قوله: زَعَمْتُمْ: ان کی طرف شرکاء کی اضافت اس لیے کی کیونکہ انہوں نے یہ شرکاء خود تجویز کیے تھے۔

قوله: اَرَوْنِي: یہ اَرَوْنِي سے بدل ہے۔ یہ اخبار و نئی کے معنی میں ہونے کی وجہ سے بدل الاشتمال ہے۔

قوله: مِنَ الزَّوَالِ: اَنْ تَزُولَا: یہ مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہے جو حرف جار ہٹانے کی وجہ سے ہے۔

قوله: مَفْعُولٌ لَهُ: ہے۔ معنی یہ ہوگا: مَا زَادَهُمْ اِلَّا نَفُورًا وَاَوْسَتِكَبَارًا۔ اس چیز نے ان کی نفرت و تکبر

میں اضافہ کیا ہے۔

قوله: قَبَّلَ: یعنی اس سے پہلے اور وہ یہ ارشاد ہے مَكَرَ السَّيِّئِ ۱۔

قوله: قَدَّرَ فِيهِ مِصْصًا: یعنی اس میں مضاف کو مقدر مانا کہ صفت کی طرف اضافت سے بچ جائیں۔

قوله: سِنَّةَ اللّٰهِ فِيهِمْ: اس میں اشارہ کر دیا کہ سنت کی اولین کی طرف اضافت یہ مصدر کی مفعول کی طرف اضافت کی قسم

سے ہے۔

قوله: كَيْفَ كَانَ: یہ جملہ حالیہ ہے۔

تفسیر مقبولین

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ ۱

یعنی اسے بندوں کے سب کھلے چھپے احوال و افعال اور دلوں کے بھید معلوم ہیں۔ کسی کی نیت اور استعداد اس سے پوشیدہ نہیں اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جو لوگ اب چلا رہے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو، پھر ایسی خطا نہ کریں گے، وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ اگر ستر دفعہ لوٹائے جائیں تب بھی شرارت سے باز نہیں آسکتے۔ ان کے مزاجوں کی

افتادہ ایسی ہے: (وَلَوْ رُكِنُوا الْعَاكُوۡا اِلَيْهَا لَمَنْعُوۡا عَنْهُۥ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوۡنٌ) (الانعام: ۲۸)

هُوَ الَّذِيۡ جَعَلَكُمْ خَلِيۡفَۃً فِى الْاَرْضِ ۱

اللہ تعالیٰ کا قانون عدل و انصاف سب کے لیے یکساں:

خَلِيۡفَۃً، خلیفہ کی جمع ہے جس کے معنی نائب اور جانشین کے ہیں۔ اور یہ دونوں ہی معنی یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ پاک نے تمہیں اپنا نائب اور خلیفہ بنا دیا تاکہ تم لوگ اس کی زمین میں اس کے احکام نافذ کرو۔ پس تم آزاد اور خود مختار نہیں ہو کہ جو مرضی کرو۔ بلکہ تم اپنے اس خالق و مالک کے احکامات و ارشادات کے پابند ہو کہ خلیفہ اپنے احکام نہیں چلایا کرتا۔ بلکہ وہ اس ہستی کے حکم و ارشاد کا پابند ہوتا ہے جس نے اس کو اپنا خلیفہ اور نائب بنایا ہوتا ہے۔ نیز تم خلیفہ اور جانشین ہو ان اقوام کے جو تم سے پہلے اس زمین پر گزر چکی ہیں۔ پس تم ان کے حالات اور انجام سے سبق سیکھو اور عبرت حاصل کرو تاکہ

تم اس برے انجام سے بچ سکو اور محفوظ رہ سکو جس سے پہلے کی وہ تو میں دوچار ہو چکی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون عدل و انصاف سب کیلئے ایک اور یکساں ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ وہ العیاذ جل و علا۔

کافروں کے لیے خسارہ ہی خسارہ:

کافروں کیلئے انکا کفر انکے خسارے ہی میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ کہ وہ اپنے کفر و انکار کے باعث عمر عزیز کی متاع گرانیہ کو راہ حق میں صرف کرنے کی بجائے اللہ پاک کے غضب اور اس کی ناراضگی میں کھا کر دائمی عذاب کے مستحق بن گئے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو کافر کے کفر کا وبال خود اسی پر ہے۔ اور کافر جس قدر اپنے کفر میں بڑھتا جائے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی ہر اذگی اور اس کے غضب میں اضافہ کرتا جائے گا۔ اور اس طرح وہ اپنے خسارے میں اضافہ کرتا جائے گا۔ سو کافر لوگ اپنے کفر و انکار سے اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ رہے بلکہ اس طرح وہ خود اپنے ہی خسارے پر خسارے کے ردے چڑھائے جاتے ہیں اور اپنے ہی نقصان میں اضافہ کرتے جاتے ہیں جس کا خمیازہ ان کو خود ہی بھگتنا ہوگا اور بڑی ہی ہولناک شکل میں بھگتنا ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ يُمِصُّكَ السُّمُوتِ وَالْأَرْضُ أَنْ تَزُولَا

اس کے بعد لغت جمل شانہ کی قوت قاہرہ ایک اور طریقہ پر بیان فرمائی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اور زمینوں کو تھامے ہوئے ہے، ان کی جو جگہ مقرر ہے وہاں سے نہیں ٹل سکتے (اپنے محور ہی میں رہتے ہیں) اور اگر بالفرض اپنی مقررہ جگہ کو چھوڑ دیں تو اس کے علاوہ کوئی ان کو تھام نہیں سکتا، آسمان و زمین اسی کی مخلوق ہیں، اسی نے ان کی جگہ مقرر فرمائی ہے، کسی کو ان میں ذرا سے تصرف کا بھی اختیار نہیں ہے وہی ان کی حفاظت فرماتا ہے ہی ان کا مالک ہے، ان میں جو چیزیں ہیں وہ ان کا بھی خالق و مالک ہے پھر اس کے علاوہ دوسرا کوئی مستحق عبادت کیسے ہو سکتا ہے۔ إِنَّكَ كَانَ حَلِيمًا خَفُودًا (بے شک وہ حلیم ہے (عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا) غفور بھی ہے) سب کچھ معاف کرنے والا ہے۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ.....

قسمیں کھا کر مکر نے والے ظالم:

قریش نے اور عرب نے حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے بڑی سخت قسمیں کھا رکھی تھیں کہ اگر اللہ کا کوئی رسول ﷺ ہم میں آئے تو ہم تمام دنیا سے زیادہ اس کی تابعداری کریں گے۔ جیسے اور جگہ فرمان ہے: أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْزَلَ إِلَيْنَا الْكِتَابَ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا، وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ (الانعام: ۱۵۶) یعنی اس لیے کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم سے پہلے کی جماعتوں پر تو البتہ کتابیں اتریں۔ لیکن ہم تو ان سے بے خبر ہی رہے۔ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان سے بہت زیادہ راہ یافتہ ہو جاتے۔ تو لو اب تو خود تمہارے پاس تمہارے رب کی بھیجی ہوئی دلیل آ پہنچی ہدایت و رحمت خود تمہارے اہموں میں دی جا چکی اب بتاؤ کہ رب کی آیتوں کی تکذیب کرنے والوں اور ان سے منہ موڑنے والوں سے زیادہ ظالم کون ہے؟ اور آیتوں میں ہے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے اپنے پاس اگلے لوگوں کے عبرتناک واقعات ہوتے تو ہم تو اللہ کے قلم بندے بن جاتے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے اس کے ان کے پاس آچکنے کے بعد کفر کیا اب انہیں عنقریب اس کا انجام

معلوم ہو جائے گا۔ ان کے پاس اللہ کے آخری پیغمبر ﷺ اور رب کی آخری اور افضل تر کتاب آچکی لیکن یہ کفر میں اور بڑھ گئے، انہوں نے اللہ کی باتیں ماننے سے تکبر کیا خود نہ مان کر پھر اپنی مکاریوں سے اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی اللہ کی راہ سے روکا۔ لیکن نہیں باور کر لینا چاہئے کہ اس کا وبال خود ان پر پڑے گا۔ یہ اللہ کا نہیں البتہ اپنا بگاڑ رہے ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں مکاریوں سے پرہیز کرو مگر کا بوجھ مکار پر ہی پڑتا ہے اور اس کی جواب دہی اللہ کے ہاں ہوگی۔ حضرت عمر بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ تین کاموں کا کرنے والا نجات نہیں پاسکتا، ان کاموں کا وبال ان پر یقیناً آئے گا، مکر، بغاوت اور عدو کو توڑ دینا پھر آپ نے یہی آیت پڑھی، انہیں صرف اسی کا انتظار ہے جو ان جیسے ان پہلے گزرنے والوں کا حال ہوا کہ اللہ کے رسولوں کی تکذیب اور فرمان رسول ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے اللہ کے دائمی عذاب ان پر آگئے۔ پس یہ تو اللہ تعالیٰ کی عادت ہی ہے اور تو غور کر۔ رب کی عادت بدلتی نہیں نہ ملتتی ہے۔ جس قوم پر عذاب کا ارادہ ہو چکا پھر اس ارادے کے بدلنے پر کوئی قدرت نہیں رکھتا کہ ان پر سے عذاب ہٹیں نہ وہ ان سے بچیں۔ نہ کوئی انہیں گھما سکے۔ واللہ اعلم۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا.....

اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی: سوارشا فرمایا گیا اور کلمہ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ تم اللہ کے دستور میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ یعنی نہ تو یہ ہو سکے گا کہ مجرم سزا سے بچ جائے اور نہ یہ کہ جرم کسی کا ہو اور سزا کسی اور کو ملے۔ یعنی کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ ہرگز نہیں، ایسا نہیں ہوگا بلکہ ہر کسی کو عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق اس کے کیے کرائے کی جزا و سزا ملے گی اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق اور بھر پور طور پر ملے گی۔ سو دور حاضر کے یہ منکر اگر حق کی اس قدر وضاحت اور توضیح کے باوجود کبر و غرور اور اپنی سرکشی و سازش کی اسی روش پر اڑے ہوئے ہیں جس پر ان کے پیش رو اڑے رہے تھے تو اس کے معنی یہی ہیں کہ یہ لوگ اب اسی ہولناک انجام کے منتظر ہیں جس سے ان کی پیش رو منکر و مستکبر قومیں دوچار ہو چکی ہیں کہ جس طرح وہ گزشتہ قوموں میں ہلاکت و تباہی کے گھاٹ پر اتر چکی ہیں وہی حشر ان کا بھی ہو۔ کیونکہ حق کی وضاحت میں اب کوئی کس باقی نہیں رہ گئی۔ سو اگر یہی بات ہے تو یہ لوگ اپنے اس آخری انجام کا انتظار کریں کہ اللہ کا دستور اور اس کی سنت سب کیلئے ایک اور یکساں و بے لاگ ہے۔ سو اللہ کی وہ سنت جب ان کے حق میں ظاہر ہوگی تو اس کو ٹالنا یا بدلنا کسی کے بس میں نہیں ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ یہاں پر سنت اللہ یعنی دستور خداوندی کے بارے میں تبدیلی اور تحویل کے دو لفظ وارد ہوئے ہیں۔ یعنی اللہ کی سنت نہ بدلتی ہے نہ ملتتی ہے۔ سو اس کے بدلنے سے مراد یہ ہے کہ ہر قوم کے لیے اللہ کا دستور ایک ہی ہے اور وہ سب کے لیے یکساں اور بے لاگ ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو رو یہ ایک قوم کے لیے باعث ہلاکت ہو وہی رو یہ دوسری قوم اختیار کرنے پر اس انجام بد سے بچ جائے اور اللہ کی اس سنت کے نہ ٹلنے سے مراد مقصود یہ ہے کہ جب اس کے ظہور کا وقت آجائے گا تو وہ لازماً ظاہر ہو کر رہے گی۔ پھر اس کو ٹالنا یا اس کے رخ کو پھیر اور بدل دینا کسی کے لیے ممکن نہیں ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ بے راہ روی کی ہر شکل سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

وَلَوْ يَدُّوا إِلَهُ الْكَافِرِينَ.....

سورت کے ختم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا، دنیا میں لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنے کفر کی وجہ

سے بربادی کے مستحق ہیں اگر اللہ تعالیٰ ان کا مواخذہ فرمائے تو زمین پر کسی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑے، لیکن اس کے یہاں تاخیر ہے اور ڈھیل ہے اس نے جو اجل اور میعاد مقرر فرما رکھی ہے جب وہ آئے گی تو عذاب آجائے گا۔ اور کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ کتنے کافر گزر گئے اور کتنوں نے بد عملی کر لی ان سب کی فہرست کہاں ہے اور ہر ایک کا مواخذہ کیسے ہوگا، جو شخص ایسا خیال کرتا ہے یہ اس کی جہالت کی بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہ اپنے ہر بندہ کو دیکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے، جب مقررہ میعاد آجائے گی تو اپنے علم کے مطابق سزا دے دے گا۔ اسی کو فرمایا: **فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا** (سوجب ان کی اجل آجائے گی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔)

یہاں جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ زمین کے باشندوں میں سب کی ہلاکت ہوگی تو اہل ایمان کو بھی شامل ہوگی، وہ ہلاکت میں کیوں شریک کیے جائیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نکوینی قانون کے مطابق ہلاک تو سبھی ہوں گے لیکن قیامت کے دن اپنے اپنے اعمال کے مطابق اٹھائے جائیں گے، اہل کفر و دوزخ میں اور اہل ایمان جنت میں جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے تو جو بھی لوگ وہاں موجود ہوں ان سب کو عذاب پہنچ جاتا ہے پھر اپنے اپنے اعمال کے مطابق قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۵۲)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک لشکر کعبہ شریف پر حملہ کرنے کے لیے آئے گا جب وہ میدان میں ہوں گے تو اول سے آخر تک سب کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اول سے آخر تک سب کو کیسے دھنسا دیا جائے گا حالانکہ ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو خرید و فروخت کے لیے نکلے ہوں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو ان میں شامل نہ ہوں گے، آپ نے فرمایا کہ دھنسائے تو جائیں گے سب ہی پھر اپنی اپنی نیت پر اٹھائے جائیں گے۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۲۸۴)

سُورَةُ يَسٍ

س ۲، ۲۵

یس ۳۶ سورۃ یس ۳۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَنۡاٰتِهَا ۸۳ کُوۡرَاتِهَا ۵

سورۃ یس کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اس میں ۸۳ آیتیں ہیں اور پانچ رکوع

یس ۱ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهٖ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۱ الْمُحْكِمِ بِعَجِيْبِ النَّظْمِ وَبِدِيْعِ الْمَعَانِي اِنَّكَ
 يَا مُحَمَّدُ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۲ عَلٰی مُتَعَلِّقٍ بِمَا قَبْلَهُ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۳ اَيُّ طَرِيْقٍ الْاَنْبِيَاءُ قَبْلَكَ التَّوْحِيْدَ
 وَالْهُدٰى وَالتَّكْوِيْنُ بِالْقَسَمِ وَغَيْرِهِ رَدُّ الْقَوْلِ الْكُفٰرِ لَهٗ لَسْتَ مُرْسَلًا تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ فِيْ مَلِكِهِ الرَّحِيْمِ ۴
 بِخَلْقِهِ خَيْرٌ مُّبْتَدِئًا مَّقْدَرِ اَيُّ الْقُرْاٰنِ لِتُنذِرَ بِهٖ قَوْمًا مُتَعَلِّقٍ بِتَنْزِيْلٍ مَّا اُنذِرَ اٰبَاؤُهُمْ اَيُّ لَمْ يُنذِرُوْا فِي
 زَمَنِ الْفِتْرَةِ فَهَمَّ اَيُّ الْقَوْمِ غٰفِلُوْنَ ۵ عَنِ الْاِيْمَانِ وَالرُّشْدِ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ وَحَبَّ عَلٰى اَكْثَرِهِمْ
 فَهَمَّ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۶ اَيُّ الْاَكْثَرِ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلًاۤ اَبَانَ تَضَمَّ اَيْهَا الْاَيْدِيْ لِاَنَّ الْعَلَّ يَجْمَعُ
 الْيَدَ اِلَى الْعُنُقِ فَهِيَ اَيُّ الْاَيْدِيْ اِلَى الْاَذْقَانِ مَجْمُوْعَةٌ جَمْعُ ذَقْنٍ وَهُوَ مُجْتَمِعُ الْيَدِيْنَ فَهَمَّ
 مُقْمَحُوْنَ ۷ رَافِعُوْنَ رُءُوْسَهُمْ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حَفْصَهَا وَهَذَا تَمَثِيْلٌ وَالمُرَادُ اِنَّهُمْ لَا يَدْعُوْنَ لِلْاِيْمَانِ وَلَا
 يُخْفِضُوْنَ رُءُوْسَهُمْ لَهٗ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا بِفَتْحِ السِّينِ وَضَمِّهَا فِي
 الْمَوْضِعَيْنِ فَاَعْيَيْنَهُمْ فَهَمَّ لَا يُبْصِرُوْنَ ۸ تَمَثِيْلٌ اَيْضًا لِسِدْطَرِقِ الْاِيْمَانِ عَلَيْهِمْ وَ سَوَاءٌ
 عَلَيْهِمْ اُنذِرْتَهُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمَزَيْنِ وَابْدَالِ الْفَايَةِ الْاَلْفَا وَتَسْهِيْلِهَا وَاذْ خَالَ الْاَلِفِ بَيْنَ الْمُسْتَهْلَةِ
 وَالْاٰخَرٰى وَتَرَكُوْهُ اَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۹ اِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ ابْتَدَعْتَ اِنذَارَكَ مِنَ الشَّيْخِ الَّذِي ذَكَرَ الْقُرْاٰنَ وَ
 خَشِيَ الرَّحْمٰنَ الْغَيْبَ ۱۰ خَافَهُ وَلَمْ يَرَهُ فَبَشَّرَهُ بِغَفِرَةٍ وَاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۱۱ هُوَ الْجَنَّةُ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتٰى
 لِلْبَعْثِ وَنَكْتُبُ فِي الْلَوْحِ الْمَحْفُوْظِ مَا قَدْ مَوٰفٰى حَيٰوَتِهِمْ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ لِّيَجْزٰوَا عَلَيْهِ وَاَنۡاَرَهُمْ مَا

فَقَدْ

الْشَّيْءُ بِهِ يُعَذَّبُهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ نَّصَبْنَاهُ بِفِعْلٍ يُفَسِّرُهُ أَحْصَيْنَاهُ ضَبْطَنَا فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ۝ كِتَابٌ بَيْنَ يَدَيْهِ نُورٌ
نُورُ الْمَحْفُوظِ

ترجمہ: یس اللہ ہی اس کی مراد سے زیادہ واقف ہے قسم ہے قرآن حکیم کی جو پکا اور عجیب لفظ اور بہتری معانی والا ہے بلاشبہ آپ اے محمد پیغمبروں میں سے ہیں سیدھے راستے پر ہیں لفظ علی کا تعلق ماقبل سے ہے وہ راستہ جو آپ سے پہلے انبیاء کا راستہ توحید و ہدایت ہے اور قسم وغیرہ کے ذریعہ تاکید لانے میں کفار کے قول لست مرسلہ کی تردید مقصود ہے یہ قرآن ہازل کیا گیا ہے خدا کی طرف سے جو اپنے ملک میں زبردست ہے اپنی مخلوق پر مہربان ہے یہ مبتدائے محذوف یعنی قرآن کی خبر ہے تاکہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں لَتُنذِرَ، تَنْزِيلِ کے متعلق ہے جن کے کبھی باپ دادا نہیں ڈرائے گئے بھی زمانہ فترت میں انہیں نہیں ڈرایا گیا اس لیے یہ بے خبر رہے ایمان و ہدایت سے ان میں سے بہت سوں پر بات متحقق ثابت ہو چکی سو اسی لیے اکثر ایمان نہیں لائیں گے ہم نے ان کو گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں اسی طرح کہ گلے پر ہاتھ باندھ دیتے ہیں کیونکہ غل کے معنی ہاتھوں کو گردن کی طرف اکٹھا کر دینے کے ہیں اس طرح کہ گلے پر ہاتھ باندھ دیتے ہیں پھر وہ گردن پر بندھے ہوئے ہاتھ ٹھوڑیوں تک جا پہنچے ہیں اذقان، ذقن کی جمع ہے وہ جگہ جہاں دونوں طرف کے جڑے جا کر ملتے ہیں جس سے ان کے مراٹھ گئے اوپر کو کھینچ گئے کہ اب نیچے کو نہیں ہو سکتے یہ تو ایک مثال ہے اور کردی ایک آڑان کے سامنے کر دیا اور ایک آڑان کے پیچھے کر دی لفظ سد دونوں جگہ فتح سین اور ضمہ سین کے ساتھ ہے جس سے ہم نے ان کو گھیر دیا سو وہ نہیں دیکھ سکتے یہ بھی کفار پر ایمان کی راہ بند کر دینے کی ایک تمثیل ہے ان کے لیے برابر ہے آپ کا ڈرانا ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کو الف سے بدل کر اور ہمزہ ثانیہ کی تسہیل کے ساتھ اور ہمزہ مسبلہ اور غیر مسبلہ کے درمیان الف داخل کرتے ہوئے اور بغیر الف کو بڑھا ہوئے یا نہ ڈرانا یہ ایمان نہیں لائیں گے آپ تو ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں یعنی آپ کا ڈرانا مفید ہو سکتا ہے جو قرآن کی نصیحت پر چلے اور بے دیکھے خدا سے ڈرتا ہو اللہ کو دیکھا نہیں پھر بھی ڈرتا ہے سو آپ اس کو مغفرت اور بہترین صلہ جنت کو خوشخبری سنا دیجئے۔ بیشک ہم مردوں کو جلائیں گے قیامت کے لیے اور ہم نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے ان کے اعمال کو جو وہ پہلے کر چکے اپنی زندگی میں نیکی اور بدی تاکہ ان کو بدلہ دیا جائے اور ان کے پیچھے چھوٹے نئے اعمال بھی جن کو بعد کے لوگ لہنا سوہ بنائیں گے اور ہر چیز کو کل شیء اس فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی بعد والی فعل تفسیر کر رہا ہے محفوظ منضبط کر دیا ہے ایک واضح کتاب میں کھلی کتاب یعنی لوح محفوظ۔

کلمات تفسیر یہ کہ توجہ و شرح

قولہ: بِمَا قَبْلَهُ: وہ الْمُرْسَلِينَ کا لفظ ہے۔ معنی یہ ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جن کو صراط مستقیم پر بھیجا گیا ہے۔
قولہ: مُبْتَدَأٌ مُّقَدَّرٌ: وہ التَّنْزِيلِ کا لفظ ہے جو مفعول کے معنی میں ہے۔

قوله: مَنْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ: یعنی ان کی آنکھوں کو بند کر دیا کہ وہ اپنے آگے پیچھے نہ دیکھتے تھے۔
قوله: مَا اسْتَشَبَّ بِهِ: عمل کیا۔ طریقہ اپنایا۔

تفسیر مقبولین

یس ۳۶

یہ سورت مکی ہے اس میں تراوی (۸۳) آیات اور پانچ (۵) رکوع ہیں۔ انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل یسین ہے جو شخص اس سورت کو ایک بار پڑھے گا اللہ اس کو دس قرآن کا ثواب عطا کرے گا۔ (رواہ الترمذی والداری والبیہقی)

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو قرآن کا قلب (دل) فرمایا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ دل پر زندگی کا دارومدار ہوتا ہے اور روحانی زندگی کا دارومدار ایمان پر ہے جس کے اہم ترین اصول تین ہیں۔ توحید اور رسالت اور قیامت۔ اس سورت میں ایمان کے ان تین اہم اصول کو جو دین کا دل اور جان ہیں نہایت مدلل اور مفصل بیان کیا گیا ہے اور ان سب کی جزو حشر و نشر کا اقرار اور آخرت کی فکر اور تیاری ہے جو اس سورت میں خاص طور پر بیان کی گئی ہے اور منکرین حشر کے شبہ کا نہایت مدلل اور مکمل اور مفصل جواب دیا گیا ہے اور ایمانی حیات کا سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ خدا سے ڈرتا ہوا اور آخرت کا یقین رکھتا ہو اور اس کی فکر اور تیاری میں ہو اور ظاہر ہے کہ خوف خدا اور آخرت کا یقین اور اس کی فکر یہی سارے دین کا دل ہے جس پر روحانی زندگی کا دارومدار ہے جس دل کو آخرت کا فکر ہے وہ دل تو زندہ ہے ورنہ مردہ۔

دین کے اصول تین ہیں توحید اور رسالت اور قیامت۔ سورت کا آغاز رسالت کے مضمون سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید کو بیان کیا پھر اخیر میں حشر و نشر اور معاد جسمانی پر مفصل اور مدلل کلام کیا اور اسی پر سورت کو ختم کیا۔

(ربط سورت) گزشتہ سورت میں زیادہ تر توحید اور رسالت کا مضمون تھا اور اخیر سورت میں مستکبرین اور منکرین نبوت کی تہدید تھی اَوْ لَكُمْ يَسِيرٌ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ اب اس سورت کو اثبات رسالت اور مستکبرین کی تہدید سے شروع فرماتے ہیں اور حسب سابق آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ ان مستکبرین کے انکار اور استکبار سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔ اور پھر ان مستکبرین اور مستہزئین کی تہدید اور عبرت اور نصیحت کے لیے اصحاب قریہ کا قصہ ذکر فرمایا پھر اخیر سورت تک اثبات توحید اور اثبات حشر و نشر کا مضمون چلا گیا جس پر دل اور روح کی زندگی کا دارومدار ہے۔

(ربط دیگر) گزشتہ سورت میں کفار کا یہ قول نقل فرمایا: وَ اَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ سَبْحًا مَا هُمْ لَنُرْسِلَنَّكَ مِنَ الْاٰهْدٰى مِن اِحٰدٰى الْاُمَمِ ؕ اب اس سورت میں قسم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کو بیان کیا اور لَتُنَزِّلَنَّ قَوْمًا مِّنْ اَنْدَادِهَا وَ هُمْ سَابِقُونَ لَهَا فِي الْاٰهْدٰى مِن اِحٰدٰى الْاُمَمِ ؕ سے یہ بتلایا کہ کفار جس انداز کے انتظار میں تھے تو ان کے حسب انتظار ان کے انداز کے لیے یہ نبی

آگیا ہے اب چاہئے کہ حسب وعدہ اس منذر برحق پر ایمان لائیں اور اس کی تصدیق کریں اور منذر برحق کی تکذیب سے انذار اور تحریف کے لیے اصحاب قریہ کا قصہ ذکر فرمایا تاکہ اس کو منذر برحق سمجھ کر آخرت کا راستہ معلوم کریں۔

بِأَنَّكَ لَيِّنٌ الْهُوسَلِينَ

آنحضرت ﷺ کی نبوت پر قرآن حکیم سے استدلال:

دوسری آیت میں قرآن حکیم کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپ یقیناً اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے ہیں۔ ہم اس سے پہلے ایک سے زیادہ مرتبہ اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ جس لفظ پر اوّل قسمیہ داخل ہوتی ہے، اسے قسم کہتے ہیں اور اس کے بعد کا آنے والا جملہ جواب قسم یا دعویٰ کہلاتا ہے۔ اور یہ قسم اپنے جواب قسم یا دعویٰ کے لیے دلیل ہوتی ہے۔ یہاں قرآن کریم کو نبی کریم ﷺ کے رسول ہونے پر دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی قابل لحاظ بات یہ ہے کہ صرف قرآن کو دلیل یا گواہ کے طور پر پیش نہیں کیا گیا بلکہ قرآن حکیم کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے رسول ہونے پر ایک محکم دلیل یہ ہے کہ آپ انہی محض ہیں۔ آپ کا خاندان، آپ کی قوم اور آپ کا گرد و پیش از اول تا آخر اتنی ہے۔ یعنی نہ آپ نے کسی تعلیمی ادارے میں تعلیم پائی اور نہ کسی کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیے۔ اور نہ آپ کی قوم میں تعلیم و تعلم کا رواج رہا، اور نہ آپ کے ماحول میں سیکھنے سکھانے کا چلن رہا، جس سے یہ شبہ کیا جاسکتا کہ آپ جو علم و دانش اور حکمت کی باتیں قرآن کریم کی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے اور نظام زندگی پیش کر رہے ہیں اس کا ایک فلسفہ ہے، اس میں نظم و ضبط ہے، اس میں انفرادی ضرورتوں کا حل بھی ہے اور اجتماعی ضرورتوں کا بھی۔ اس میں زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں مکمل ہدایات موجود ہیں۔ اور کوئی شعبہ دوسرے شعبے سے متصادم نہیں۔ اور پھر اس نظام میں آئین اور قانون بھی ہے، مکارم اخلاق بھی ہیں، معاشرت کے اصول بھی ہیں، معیشت کی بنیادیں بھی ہیں، سیاست کے آداب بھی ہیں، بین الاقوامی روابط بھی ہیں، عدالت کا باقاعدہ ایک ضابطہ ہے۔ غرضیکہ زندگی رداں دواں شکل میں کسی تصادم کے بغیر ہر ضرورت کو پورا کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ایسی حکیمانہ تعلیم کے لیے جس طرح کے الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے، جیسے اس کی ترکیب آرائی کی گئی ہے، اس میں جو فصاحت و بلاغت کا رفرما دکھائی دیتی ہے اور پھر اسی پر اکتفا نہیں بلکہ بعد کی آیت میں فرمایا گیا ہے آپ صراط مستقیم پر ہیں۔ یہ ان کی دوسری خبر ہے اور اس کا بغیر حرف عطف کے آنا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم جس طرح آپ کے رسول ہونے کی دلیل ہے اسی طرح آپ کے صراط مستقیم پر ہونے کی بھی گواہی دے رہا ہے۔ کیونکہ اس راہ پر عقل و فطرت کا سایہ ہے۔ اس میں کہیں ایچ بیج نہیں۔ اس کا ہر سنگ میل واضح اور اس کی منزل متعین ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک ایسی کتاب جس کی حکمت و دانش اور جس کی فصاحت و بلاغت کا یہ عالم ہے اور وہ ایک انہی شخص کی زبان سے ادا ہو رہی ہے تو ایسے انہی شخص کو اگر اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم نہ کیا جائے تو اس سے بڑھ کر عقل اور فطرت کا کوڑھ اور کیا ہوگا۔ اور کج فکری اور کج روی کی اور دلیل کیا ہوگی۔

یہ بات یاد رہے کہ یہاں نہایت مؤکد انداز میں جس طرح آپ کے رسول ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز

نہیں کہ آپ کو خود اپنی رسالت سے متعلق کوئی شک تھا۔ بلکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ سورۃ کلی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ کلی زندگی میں قدم قدم پر مخالفین آپ کی نبوت اور رسالت کو چیلنج کرتے تھے۔ اور بار بار آپ کو ان کے اعتراضات کا جواب دینا پڑتا تھا۔ چنانچہ ایسی صورت حال میں لازمی بات تھی کہ سورۃ لیس جیسی اہم سورۃ کے نزول کے وقت جس میں نہایت پرزور انداز میں اسلام کے بنیادی عقائد کا ذکر کیا جا رہا ہے آپ کی رسالت کا اثبات کیا جاتا۔ اور وہ بھی خارجی دلائل سے نہیں بلکہ خود قرآن کریم سے، تاکہ بیک وقت ان دو بنیادی صداقتوں کو ثابت کرنے کا ذریعہ بن جاتا۔

تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾

یہ حکمتوں بھرا کلام اتارا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جو کہ انتہائی مہربان ہے۔ پس اس کی بے پایاں رحمتوں کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے قرآن حکیم جیسی ابدی صداقتوں والی یہ بے مثال ولا زوال کتاب اتارے۔ بھلا جس نے ہماری جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے طرح طرح کی اور لاتعداد نعمتوں کو پیدا فرمایا ہے کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری روحانی ضرورتوں کا کوئی انتظام نہ فرمائے جو کہ اصل بھی ہیں۔ اور جسمانی ضرورتوں سے کہیں زیادہ اہم بھی۔ سو اس خدائے عزیز و رحیم۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ نے اسی لیے قرآن حکیم کی صورت میں اپنی یہ آخری اور کامل کتاب نازل فرمائی۔ پس اس سے منہ موڑنا اپنے آپ کو گھناؤپ اندھیروں میں ڈالنا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ بہر کیف حضرت حق۔ جل مجدہ۔ کی صفت رحیم کے یہاں پر ذکر فرمانے سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا ہے کہ تنزیل قرآن رحمت خداوندی کا سب سے بڑا مظہر و مقتضی ہے۔ اور یہی رحمت خداوندی سے سرفرازی کا سب سے بڑا اور واحد ذریعہ و وسیلہ ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی۔

لِيُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤَهُمْ فَهُمْ غٰفِلُونَ ﴿۱﴾

یعنی بہت کٹھن کام آپ کے سپرد ہوا ہے کہ اس قوم (عرب) کو آپ قرآن کے ذریعہ سے ہوشیار و بیدار کریں۔ جس کے پاس صدیوں سے کوئی جگانے والا نہیں بھیجا تھا۔ وہ جاہل و غافل قوم جسے نہ خدا کی خبر نہ آخرت کی، نہ ماضی سے عبرت نہ مستقبل کی فکر، نہ مبداء پر نظر نہ مقابہ پر، نہ نیک و بد کی تمیز نہ بھلے برے کا شعور اس کو اتنی معذرت و غفلت کی اندھیروں سے نکال کر رشد و ہدایت کی صاف سڑک پر لاکھڑا کرنا کوئی معمولی اور سہل کام نہیں ہے۔ بلاشبہ آپ ﷺ پوری قوت اور زور شور کے ساتھ ان کو اس غفلت و جہالت کے خوفناک نتائج اور بھیانک مستقبل سے ڈرا کر فلاح و بہبود کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانے کی کوشش کریں گے تاکہ یہ قوم اپنی اعلیٰ کامیابی سے تمام عالم کے لیے کامیابی کا دروازہ کھول دے۔ لیکن بہت افراد وہ ملیں گے جو کسی قسم کی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں۔ اسی لیے ان پر شیطان پوری طرح مسلط ہو جاتا ہے جو ان کی حماقتوں اور شرارتوں کو ان کی نگاہ میں خوشنما کر کے دکھلاتا اور اگلے پچھلے سب احوال کو خواہ کتنے ہی گندے ہوں، خوبصورت بنا کر ظاہر کرتا ہے۔ آخر یہ لوگ دوسری زندگی سے بالکل منکر ہو کر اپنی فانی خواہشات ہی کو قبلہ مقصود ٹھہرا لیتے ہیں۔ اس وقت ایک طرف سے شیطان کی بات (لَا تُؤْتِيهِمْ اَجْرًا وَ لَآ يَخْتَفُونَ اِلَّا عِبَادًا كٰذِبًا وَ مُنٰهٰمُ الْمُخٰلَصِيْنَ) (ص: 83-82) مخلصین کے سوا

میں سب کو بہکا کر ہوں گا) سچی ہوتی ہے اور دوسری طرف حق تعالیٰ کا قول: لَا تَلْمِزْنَ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ اجْتَبَيْنَ تجھ سے اور تیرے پیروؤں سے دوزخ کو بھردوں گا) ثابت اور چسپاں ہو جاتا ہے۔ باقی علم الہی میں توازل سے ثابت ہے کہ فلاں قوم کے فلاں افراد اپنی بد تمیزی اور لاپرواہی سے شیطان کے انواء میں پھنس کر عذاب الہی کے مستحق ہوں گے ایسے لوگوں کے راہ پر آنے اور ماننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے پس آپ کو سلسلہ انداز و اصلاح میں اگر ایسے ہمت شکن واقعات کا مقابلہ کرنا پڑے تو طول و غمگین نہ ہوں اپنا فرض ادا کیے جائیں اور نتیجہ کو خدا کے سپرد کر دیں۔ تقریر بالا کو سمجھنے کے لیے یہ آیات پیش نظر رکھیے۔ (۱) (وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ) (الزخرف: ۳۶-۳۷) معلوم ہوا کہ شیطان ابتداء کسی پر مسلط نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اندھا بن کر نصیحت سے اعراض کرتے رہنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آخر کار شیطان مسلط ہو جائے جیسے ہاتھ پاؤں سے مدت تک کام نہ لے لے تو وہ عضو بیکار کر دیا جاتا ہے۔ قال تعالیٰ: (فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ) (التف: ۵) (وَنَقَلَبْ أَفْئِدَهُمْ وَآبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ) (الانعام: ۱۱۰) (ب) (وَقَيِّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَدَّلْنَا آيَاتِهِمْ وَمَا خَلَقْنَاهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ) (نمل: ۲۵) تلافی کے بعد شیطان یہ کام کرتا ہے جس کا نتیجہ حق علیہم القول ہے (ج) (وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ إِفِ لَكُمَا آتَعِدِينِي أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَيْتِ الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِي، وَهُمَا يَسْتَكْبِرِينَ اللَّهُ وَنِلَكَ امِينُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ قَبِيضٌ مَا هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ) (الاحقاف: ۱۷، ۱۸) ان آیات سے معلوم ہوا کہ لفظ حق القول ان لوگوں پر صادق آتا ہے جو موت کے بعد کی دوسری زندگی کا یقین ہی نہیں رکھتے، نہ برائی کو برائی سمجھتے ہیں، بلکہ اغوائے شیطانی سے اپنی بدیوں کو نیکی اور گمراہی کو ہدایت تصور کر لیتے ہیں۔ کیسے ہی معقول دلائل سنائیے اور کھلے کھلے نشان دکھائیے، سب کو جھٹلاتے رہیں اور فضول جتیس نکالتے رہیں، بظاہر ہادیوں اور پیغمبروں کی بات کی طرف کان جھکائیں مگر ایک حرف سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔ محض ہوا دھوس کو اپنا معبود ٹھہرائیں نہ عقل سے کام لیں نہ آنکھوں سے، یہ ہی لوگ ہیں جن کے اعراض و عناد کے نتیجہ میں آخر کار اللہ تعالیٰ دلوں پر مہر کر دیتا ہے کہ ان میں خیر کے گھسنے کی پھر ذرا گنجائش نہیں رہتی۔ جیسے کوئی شخص اپنے اوپر روشنی کے سب دروازے بند کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو اندھیرے میں چھوڑ دیتا ہے یا ایک بیمار دوا نہ پینے کی قسم کھالے، طبیب سے دشمنی کرے اور ہر قسم کی بد پرہیزی پر تیار ہو جائے تو اللہ اس کے مرض کو مہلک بنا دیتا اور مایوسی کے درجہ میں پہنچا دیتا ہے۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے کفر و ایمان اور جنت و دوزخ کے دونوں راستے انسان کے سامنے کر دیئے، اور ایمان کی دعوت کے لیے انبیاء اور کتابیں بھی بھیج دیں، پھر انسان کو اتنا اختیار بھی دے دیا کہ وہ اپنے بھلے برے کو پہچان کر کوئی رستہ اختیار کرے۔ جو بد نصیب نہ غور و فکر سے کام لے نہ دلائل قدرت میں غور کرے، نہ انبیاء کی دعوت پر کان دھرے نہ اللہ کی

کتاب میں غور و تدبر کرے تو اس نے اپنے اختیار سے جو راہ اختیار کر لی تو حق تعالیٰ... اسی کے سامان اس کے لیے جمع فرما دیتے ہیں، جو کفر میں لگ گیا پھر اس کے واسطے کفر بڑھانے ہی کے سامان ہوتے رہتے ہیں، یعنی ان میں سے بیشتر لوگوں پر تو ان کے سوء اختیار کی بنا پر یہ قول حق جاری ہو چکا ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے۔

آگے ان کے حال کی ایک تمثیل بیان فرمائی ہے، کہ ان کی مثال ایسی ہے کہ جس کی گردن میں ایسے طوق ڈال دیئے گئے ہوں گے کہ اس کا چہرہ اور آنکھیں اوپر اٹھ جائیں، نیچے راستہ کی طرف دیکھ ہی نہ سکے۔ تو ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو کسی کھڑ میں گرنے سے نہیں بچا سکتا۔

دوسری مثال یہ دی کہ جیسے کسی شخص کے چاروں طرف دیوار حائل کر دی گئی ہو وہ اس چار دیواری میں محصور ہو کر باہر کی چیزوں سے بے خبر ہو جاتا ہے، ان کافروں کے گرد بھی ان کی جہالت اور اس پر عناد و ہٹ دھرمی نے محاصرہ کر لیا ہے کہ باہر کی حق باتیں ان تک گویا پہنچتی ہی نہیں۔

امام رازی نے فرمایا کہ نظر سے مانع دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مانع تو ایسا ہوتا ہے کہ خود اپنے وجود کو بھی نہ دیکھ سکے، دوسرا یہ کہ اپنے گرد و پیش کو نہ دیکھ سکے۔ ان کفار کے لیے حق بینی سے دونوں قسم کے مانع موجود تھے، اس لیے پہلی مثال پہلے مانع کی ہے کہ جس کی گردن نیچے کو جھک نہ سکے وہ اپنے وجود کو بھی نہیں دیکھ سکتا اور دوسری مثال دوسرے مانع کی ہے کہ گرد و پیش کو نہیں دیکھ سکتا۔ (روح)

جہور مفسرین نے آیت مذکورہ کو ان کے کفر و عناد کی تمثیل ہی قرار دیا ہے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے اس کو بعض روایات کی بنا پر ایک واقعہ کا بیان قرار دیا ہے، کہ ابو جہل اور بعض دوسرے لوگ آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے یا ایذا پہنچانے کا پختہ عزم کر کے آپ کی طرف بڑھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، عاجز ہو کر واپس آ گئے۔ اسی طرح کے متعدد واقعات کتب تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، قرطبی، مظہری وغیرہ میں منقول ہیں، مگر وہ بیشتر روایات ضعیف ہیں اس پر مدار آیت کی تفسیر کا نہیں رکھا جاسکتا۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ.....

بلاشبہ ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم ان کے آثار کو یعنی اچھے اور برے اعمال کو لکھ رہے ہیں جو وہ آگے بھیج رہے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو واضح کتاب یعنی لوح محفوظ میں پوری طرح محفوظ کر دیا ہے۔

لفظ وَأَنفَادُهُمْ اچھے برے تمام اعمال کو شامل ہے، اور اعمال کی بجائے وَأَنفَادُهُمْ کا لفظ لانے میں یہ نکتہ ہے کہ جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا (اچھا ہو یا برا) جس کا اتنا بعد کے آنے والے لوگ کرتے ہیں اور جس سے نفع حاصل کرتے رہے ہیں وہ بھی اس کے عموم میں داخل ہو جائے، جو اپنی نماز خود پڑھی یا قرآن مجید کی تلاوت کی اس کا ثواب تو ملتا ہی ہے لیکن اگر کسی کو نماز سکھادی، قرآن مجید پڑھا دیا، نماز پڑھنے والوں کے لیے مسجد بنا دی، کوئی دینی کتاب لکھ دی، تو یہ سب آثار میں شامل ہے جب تک فیض جاری رہے گا ثواب بھی ملتا رہے گا۔ یہی حال معصیتوں، بدعتوں اور بری رسوم کے جاری کرنے کا ہے، جس کسی نے یہ چیزیں جاری کر دیں بعد میں عمل کرنے والے کے گناہوں میں ان کا جاری کرنے والا بھی شریک رہے گا۔

وَجَوَابِ الشَّرْطِ مَحْذُوفِ أَيْ تَطَيَّرْتُمْ وَ كَفَرْتُمْ وَهُوَ مَحَلُّ الِاسْتِفْهَامِ وَالْمَوَادُّ بِهِ التَّوْبِيحُ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُونَ ⑤ مُتَجَاوِزُونَ الْحَدَّ بِشُرِّكُمْ وَ جَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ هُوَ حَبِيبُ النَّجَّارِ كَانَ قَدْ آمَنَ بِالرُّسُلِ وَ مَثَرِيهِ بِأَقْصَى الْبَلَدِ لَيْسَعِي يَشْتَدُّ عَدُوًّا لِمَا سَمِعَ بِتَكْذِيبِ الْقَوْمِ الرُّسُلِ قَالَ يُقَوْمُوا اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ⑥ اتَّبِعُوا تَأْكِيدًا لِلأَوَّلِ مَنْ لَا يُسَلِّمُ عَلَيَّ رِسَالَتِهِ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ ⑦

ترجمہ: اور آپ بیان کیجئے ان لوگوں سے ایک قصہ مفعول اول ہے اور ایک شہر انطاکیہ والوں کا یہ مفعول ثانی ہے جب کہ یہ عبارت اصحاب القریہ سے بدل اشتغال واقع ہے آئے وہاں پیغمبر یعنی حضرت عیسیٰ کے بھیجے ہوئے قاصد جس وقت ہم نے ان کے پاس دو کو بھیجا تو ان لوگوں نے ان دونوں کو جھٹلادیا یہ پہلے از سے بدل واقع ہے پھر ہم نے ان دونوں کی تیسرے شخص کے ذریعہ تائید کی لفظ قَعَزْنَا تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے یعنی ہم نے ان دونوں پیغمبر کو تیسرے پیامبر سے مضبوط کر دیا وہ پیامبر بولے کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں سستی والوں نے جواب دیا کہ تم تو ہماری طرح معمولی آدمی ہو اور ”رحمن“ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا تم ہی بس جھوٹ بول رہے ہو پیامبر بولے ہمارے پروردگار کو علم ہے یہ جملہ قسم کے قاسم مقام ہے ما قبل کے مقابلہ میں اس جملہ میں قسم اور لام کے ذریعہ زیادتی تاکید زیادتی انکار کی وجہ سے ہے بلاشبہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ تو بس واضح طور پر پہنچا دینا تھا تبلیغ کا کھلا ہوا ہونا دلائل واضح کی وجہ سے ہے اور وہ کوڑھیوں، جذامیوں، بیماروں کا علاج اور مردہ کو زندہ کر دینا ہے سستی والے کہنے لگے ہم تو تمہیں منحوس بد بخت سمجھتے ہیں کیونکہ تمہاری وجہ سے بارش ہی ختم ہو گئی ہے تم اگر باز نہ آئے لام برائے قسم ہے تو ہم تم پر پتھراؤ کریں گے اور تمہیں ہماری طرف سے اذیت ناک عذاب ہوگا پیامبروں نے جواب دیا کہ تمہاری نحوست بد بختی تو تمہارے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے کیا تمہیں اگر ان شرطیہ پر ہمزہ استفہام داخل ہے اور اس ہمزہ میں تحقیق و تسہیل ہے اور ان دونوں صورتوں میں پھر ان دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کر کے نصیحت کی جائے وعظ کہا جائے ڈرایا جائے جواب شرط محذوف ہے یعنی تم پھر بھی منحوس سمجھتے ہو اور کفر پر اتر آتے تو جواب شرط محل استفہام ہے مراد اس سے تو بیخ ہے بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو شرک کر کے حد سے بڑھ جانے والے ہو اور ایک شخص اس شہر کے کسی دور دراز مقام سے آیا یعنی حبیب نجار جو ان پیامبروں پر یقین رکھتا تھا اور اس کا مکان شہر کے کنارے پر تھا دوڑتا ہوا تیز بھاگا ہوا آیا جب اس کو معلوم ہوا کہ قوم ان پیامبروں کو جھٹلا رہی ہے تو بولا اے میری قوم ان پیامبروں کی راہ پر چلو اتَّبِعُوا اول کی تاکید کے لیے ہے جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے پیغام رسائی پر اور وہ خود راہ ہدایت پر بھی ہیں تو اس سے کہا گیا کہ کیا تو ان کے دین پر ہے تو اس نے جواب دیا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: **وَاصْرِبْ**: یہ جعل کے معنی کو متضمن ہے۔ انہی کے قول میں سے ان اشیاء کو ان کے لیے بطور مثال کے ایک انداز سے ذکر کیا گیا ہے۔

قوله: **بِمَفْعُولٍ ثَانٍ**: حذف مضاف کے ساتھ ہے یعنی اجعل مثل اصحاب القرية مثال۔ اصحاب قریہ کی طرح ان کے لیے بیان کرو۔

قوله: **زُرِّئِلْ عَيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ**: یہ عیسیٰ کے فرستادہ تھے۔ ارسلنا میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کر کے فعل رسول کو اپنا فعل قرار دیا۔

قوله: **الْمُنْبِئِينَ**: ان کے اسماء یعنی اور یوں تھے۔

قوله: **بِثَالِثٍ**: یہ شمعون تھا۔

قوله: **بِشَوْفِكُمْ**: یعنی تمہارے عقیدے کی نحوست تو تمہارے ساتھ ہی ہے۔

تفسیر مقبولین

وَاصْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ

ایک بستی میں پیامبروں کا پہنچنا اور بستی والوں کا معاندانہ طریقہ پر گفتگو کرنا:

ان آیات میں ایک واقعہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ایک بستی (جس کا نام مفسرین نے انطاکیہ بتایا ہے) میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرستادہ گئے، مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں نبی نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے آدمی تھے جو انہوں نے اپنے حواریں میں سے بھیجے تھے، چونکہ اللہ تعالیٰ کے ایک رسول نے انہیں بھیجا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت فرمائی اور **إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ** فرمایا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ حضرات مستقل نبی تھے، پہلے دو حضرات تشریف لے گئے اور انہوں نے بستی والوں سے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں ہماری بات سنو دین اسلام قبول کرو اور توحید پر آؤ، یہ بات سن کر بستی والوں نے انہیں جھٹلادیا اور کہا کہ نہیں تم لوگ اللہ کے رسول نہیں ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک تیسرے آدمی کو بھیجا جس کے ذریعہ پہلے دو آدمیوں کی تائید کرنا مقصود تھا، اب ان تینوں نے مل کر وہی بات کہی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تم ایمان لاؤ توحید کو قبول کرو، بستی والوں نے کہا کہ تم کو کیسے اللہ کا فرستادہ مانیں تم تو ہمارے ہی جیسے ہو تم میں ایسی کوئی فضیلت کی بات ہے جس کی وجہ سے تم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بنائے گئے۔ تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی ہے ہم اسے نہیں مانتے، ہمارے نزدیک تو رحمن نے تم پر کچھ بھی

نازل نہیں فرمایا تم جو یہ دعویٰ کر رہے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں یہ جھوٹ ہے۔

ان تینوں حضرات نے کہا کہ تم مانو یا نہ مانو ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم ضرور ضرور تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تمہارے ماننے نہ ماننے سے ہمارے کام پر کچھ اثر نہیں پڑتا، ہم نتیجہ کے مکلف نہیں ہیں ہماری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ خوب اچھی طرح واضح طور پر بیان کریں ماننا نہ ماننا یہ تمہارا کام ہے، بستی والے کہنے لگے کہ تمہارا آنا تو ہمارے لیے منحوس ہو گیا، ایک تمہارے آنے سے ہمارے اندر رو فرقتے ہو گئے کوئی تمہارا مخالف اور منکر ہے اور کوئی تمہارا موافق ہے (اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان لوگوں کے انکار کی وجہ سے بطور عذاب بعض چیزوں کا وقوع ہو گیا تھا اس کو انہوں نے نحوست بتایا) گاؤں والوں نے مزید کہا کہ تم اپنی باتیں بس کرو اگر باز نہ آئے تو تمہاری خیر نہیں اگر تم نے اپنی باتیں نہ چھوڑیں تو ہم ہتھکڑیاں مار مار کر ختم کر دیں گے اور اس کے علاوہ بھی ہم تمہیں سخت تکلیف پہنچائیں گے۔

ان تینوں حضرات نے کہا کہ تم نحوست کو ہماری طرف منسوب کر رہے ہو، تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے نہ تم کفر پر جے رہتے نہ پھوٹ پڑتی نہ کوئی اور تکلیف آتی کرتو تمہارے ہیں اور ان کا نتیجہ ہمارے ذمہ لگا رہے ہو، ہم نے تو اتنا ہی کہا ہے کہ تمہیں توحید کی دعوت دی ہے اور ایمان قبول کرنے کو کہا ہے اس میں کون سی ایسی بات ہے جسے نحوست کا سبب بنا یا جائے۔ (قال صاحب الروح ان ذکرتم ووعظتم مافیہ سعادتکم تطیرون اوتتو عدون اونحوذک ویقدر مضارع وان شئت قدرت ماضیاً کن تطیرتم) (صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں کیا اس لیے کہ تمہیں اس چیز کی وعظ و نصیحت کی گئی ہے جس میں تمہاری کامیابی ہے تم نحوست کی فال لیتے ہو یا یہ کہ تم ہمیں دھمکیاں دیتے ہو یا ای جیسی کوئی اور عبارت مخدوف ہو سکتی ہے۔ اور فعل مخدوف مضارع بھی مانا جاسکتا ہے اور اگر چاہو تو ماضی مان لو جیسے تطیرون کی جگہ تطیرتم)

ان تینوں حضرات نے آخر میں فرمایا: **بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ** ۵۰ بلکہ بات یہ ہے کہ تم حد سے آگے بڑھ جانے والے ہو تمہارا حد سے آگے بڑھنا یعنی کفر پر جے رہنا ان چیزوں کا سبب ہے جنہیں ہماری آمد کی نحوست بتا رہے ہیں۔

یاد رہے کہ اسلام میں نحوست کوئی چیز نہیں ہے، تینوں حضرات نے جو یہ فرمایا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے، بیان کے جواب میں (علی سبیل المشاکلہ) فرمایا، کفر کی وجہ سے جو ان لوگوں کی کچھ گرفت ہوئی تھی اسے انہوں نے نحوست بنا دیا، تینوں حضرات نے ان کے الفاظ ان پر لوٹا دیئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (الطیبرۃ شرک) یعنی بدشگونی شرک ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۹)

وَجَاءَ مِنَ الْمَدْيَنَةِ رَجُلٌ يُسْعَىٰ قَالَ يَاقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ۝

مذکورہ بستی کے باشندوں میں سے ایک شخص کا پیامبروں کی تصدیق کرنا اور بستی والوں کو توحید کی تلقین کرنا: تینوں حضرات بستی والوں کو ہدایات دے رہے تھے اور وہ لوگ ان حضرات سے الجھ رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ تمہارا آنا ہمارے لیے نحوست کا سبب ہے، یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک شخص اس بستی کی ایک جانب سے جو بہت دور تھی

دوڑتا ہو وہاں پہنچ گیا اس نے تینوں حضرات کی تائید کی اور بستی والوں سے کہا کہ اے میری قوم یہ حضرات ٹھیک فرما رہے ہیں، یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں تم ان کی بات مان لو اور ان کا اتباع کرو، یہ حضرات ایک تو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں دوسرے تم سے کسی معارضہ کا سوال نہیں کرتے تیسرے یہ خود ہدایت پر ہیں، ان کا عمل ان کے قول کے مطابق ہے۔ (لہذا ان کا اتباع تم پر لازم ہے۔)

چونکہ اس بستی کے لوگ مشرک تھے اس لیے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے اس شخص نے مزید کہا: (۱) اَتَّخِذُ مِنْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ الْاٰلِهَةَ (الاحقاف) کیا میں اپنے پیدا کرنے والے کے علاوہ دوسرے معبود تجویز کر لوں) یہ جو تم نے اس کے سوا معبود بنا رکھے ہیں وہ تو بالکل ہی بے حقیقت ہیں اگر رحمن تبارک و تعالیٰ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو یہ اس کی بارگاہ میں سفارش کر کے میری کوئی مدد نہیں کر سکتے اور نہ خود مجھے اس ضرر سے چھڑا سکتے ہیں، یعنی نہ تو یہ شفاعت کے اہل ہیں اور نہ خود ان میں کوئی قوت اور طاقت ہے، اگر رحمان جل مجدہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنا لوں تو میں کھلی گمراہی میں پڑ جاؤں گا۔ (یہ سب باتیں اس دور سے آنے والے آدمی نے اپنے اوپر رکھ کر کہیں اور نہیں بتا دیا کہ تم لوگ مشرک ہو، کھلی گمراہی میں ہو اور خالق جل مجدہ کے علاوہ جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمہیں کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتے۔)

وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي خَلَقَنِي أَيْ لَا مَانِعَ لِي مِنْ عِبَادَتِهِ الْمَوْجُودُ مُتَضَيِّهَا وَأَنْتُمْ كَذَلِكَ
 وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱۰﴾ بَعْدَ الْمَوْتِ فَيَجْازِيكُمْ بِكُفْرِكُمْ ءَأَتَّخِذُ فِي الْهَمَزَتَيْنِ مِنْهُ مَا تَقَدَّمَ فِيهِ
 أَنْذَرْتَهُمْ وَهُوَ اسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى التَّفْهِ مِنْ دُونِهِ أَيْ غَيْرِهِ إِلَهَةٌ أَصْنَامًا إِنْ يُرِيدُنِ الرَّحْمَنُ بِضُرٍّ لَا
 تُغْنِي عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ أَلَيْ زَعَمْتُمْوَمَا شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونَ ﴿۱۱﴾ صِفَةُ إِلَهَةٍ إِنِّي إِذَا انْ عَبَدْتُ
 غَيْرَ اللَّهِ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۱۲﴾ بَيْنَ إِيَّيْ أَمَدْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونَ ﴿۱۳﴾ أَيْ اسْمَعُوا قَوْلِي فَزَجْمُوهُ فَمَاتَ
 قِيلَ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ ادْخُلِ الْجَنَّةَ وَقِيلَ دَخَلَهَا حَتَّى قَالَ يَلَيْتَ حَرْفُ تَبْيِيهِ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾ بِهَا
 غَفَرَ بِغُفْرَانِهِ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْبَكْرَمِينَ ﴿۱۵﴾ وَمَا نَافِيَةٌ أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ أَيْ حَبِيبٍ مِنْ بَعْدِهِ بَعْدَ
 مَوْتِهِ مِنْ جَنِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ أَيْ مَلَائِكَةَ لِأَهْلَاكِهِمْ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ﴿۱۶﴾ مَلَائِكَةَ لِأَهْلَاكِ أَحَدٍ إِنْ مَا
 كَانَتْ غُفْرَتُهُمْ إِلَّا صِيحَةً وَاحِدَةً صَاحَ بِهِمْ جَبْرِئِيلُ فَإِذَا هُمْ خَبِدُونَ ﴿۱۷﴾ سَاكِتُونَ مَيْتُونَ يَحْصُرَةٌ
 عَلَى الْعِبَادِ هَوْلَاءُ وَنَحْوَهُمْ مِمَّنْ كَذَبُوا الرُّسُلَ فَأَهْلِكُوا وَهِيَ شِدَّةُ التَّأَلُّمِ وَنِدَاؤُهَا مَجَازٌ أَيْ هَذَا
 أَوَّلُكَ فَاحْضُرِي مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رُسُولٍ إِلَّا كَالْوَابِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۸﴾ مَشْرُوقٌ لِبَيَانِ سَبَبِهَا لِاسْتِهْزَا
 عَلَى اسْتِهْزَائِهِمُ الْمُؤَدَّى إِلَى أَهْلَاكِهِمُ الْمُسَبَّبُ عَنْهُ الْحُسْرَةُ أَلَمْ يَرَوْا أَيْ أَهْلُ مَكَّةَ الْقَائِلُونَ لِلنَّبِيِّ
 لَسْتَ مُرْسَلًا وَالْإِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيرِ أَيْ عَلِمُوا كَمْ خَبَرِيَّةٌ بِمَعْنَى كَثِيرٍ مَعْمُولَةٌ لِمَا بَعْدَهَا مُعْلَقَةٌ لِمَا
 قَبْلَهَا عَنِ الْعَمَلِ وَالْمَعْنَى أَنَا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ كَثِيرًا مِنَ الْقُرُونِ الْأُمَمِ أَنَّهُمُ الْمُهْلِكِينَ إِلَيْهِمْ أَيْ
 الْمَكِينِينَ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۹﴾ أَفَلَا يَعْتَبِرُونَ بِهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَى آخِرِهِ بَدَلٌ مِمَّا قَبْلَهُ بِرِعَايَةِ الْمَعْنَى الْمَدْكُورَةِ
 إِنْ نَافِيَةٌ أَوْ مُخَفَّفَةٌ كُلُّ أَيْ كُلُّ الْخَلَائِقِ مُبْتَدَأٌ لَمَّا بِالتَّشْدِيدِ بِمَعْنَى الْآ وَبِالتَّخْفِيفِ فَالْلامُ فَارِقَةٌ وَمَا
 مَرِيدَةٌ جَبِيحٌ خَيْرُ الْمُبْتَدَأِ أَيْ مَجْمُوعُونَ لَدَيْنَا عِنْدَنَا فِي الْمَوْقِفِ بَعْدَ بَعْتِهِمْ مُحَضَّرُونَ ﴿۲۰﴾ لِلْحِسَابِ
 خَبْرَانِ

ترجمہ: اور مجھ کو کیا ہوا کہ میں بندگی نہ کروں، اس کی جس نے مجھے بنایا، پیدا کیا، یعنی اس کی بندگی کرنے سے میرے لیے
 کوئی چیز مان نہیں ہے اور جس کی عبادت کا مقصد بھی موجود ہے، اور تمہارا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے، اور تم سب کو اسی کی طرف

لوٹ کر جانا ہے، مرنے کے بعد، لہذا وہ تم کو بدلہ دے گا ایسے ہی جیسے دوسروں کو اے انخذ دونوں ہزاروں میں وہی قراءتیں ہیں جو اہل جہنم میں گذر چکی ہیں اور استفہام نفی کے معنی میں ہے کیا میں خدا کو چھوڑ کر اس کے غیر یعنی بتوں کو معبود بناؤں اگر خدا میرے حق میں نقصان کا ارادہ کرے تو ان کی شفاعت مجھے کوئی فائدہ نہ دے جس کو تم توقع رکھتے ہو اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں یہ اللہ تعالیٰ مفت ہے اگر میں ایسا کروں یعنی اگر میں غیر اللہ کی بندگی کرنے لگوں، تو بلاشبہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا، سو میری طرف دھیان دو یعنی میری بات سنو، تو ان لوگوں نے اس کو سنگسار کر دیا تو وہ مر گیا انتقال کے وقت اس کو حکم دیا گیا کہ جنت میں داخل ہو جا، اور ایک قول یہ ہے کہ وہ زندہ ہی جنت میں داخل ہو گیا تو اس نے کہا کاش میری قوم کو میرے پروردگار کی طرف سے میری مغفرت کا اور مجھے معزز لوگوں میں داخل کرنے کا علم ہو جاتا، اور ہم نے اس حبیب نجاری کی قوم پر آسمان سے اس کے مرنے کے بعد ان کو ہلاک کرنے کے لیے فرشتوں کا لشکر نہیں بھیجا اور نہ ہم کو کسی کے ہلاک کرنے کے لیے لاکھ لاکھ اتارنے کی ضرورت تھی۔ مانافیہ ہے، ان کی سزا تو صرف ایک چیخ تھی، جو ان پر جبرئیل نے ماری سو وہ اچانک بچھ کر رہ گئے یعنی خاموش مردہ ہو کر رہ گئے، ان کا فرزندوں پر اور ان جیسے ان لوگوں پر افسوس ہے جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی وہ ہاک کر دیئے گئے اور یہ حسرت شدت تالم کی وجہ سے ہے اور ندائے حسرت مجازی ہے یعنی اے حسرت یہ تیرے آنے کا وقت ہے لہذا تو حاضر ہو جان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا کہ اس کا مذاق نہ اڑایا ہو، کلام حسرت کے سبب کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ اس کلام کے استہزاء پر دلالت کرنے کی وجہ سے جو ان کی ہلاکت تک پہنچانے والا ہے جو حسرت کا مسبب عنہ یعنی سبب ہے، کیا ان اہل مکہ کو جو نبی کے بارے میں کہتے ہیں کہ تم پیغمبر نہیں ہو اس کا علم نہیں ہے کہ ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں اور وہ ہلاک ہونے والے ان کے اہل مکہ کے پاس لوٹ کر نہیں آئیں گے، کیا یہ لوگ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ یہاں استفہام تقریری ہے یعنی ان کو معلوم ہے کہ خبر یہ ہے کہ کثیرا کے معنی میں ہے اور اپنے مابعد کی رعایت کے ساتھ ماثل سے بدل واقع ہے اور اَنَا اَهْلُكُنَّا قَبْلَهُمْ قَبْلَهُمْ کَثِيرًا کے معنی میں ہے اور سب کے سب محشر میں زندہ کرنے کے بعد ہمارے روبرو حساب کے لیے حاضر کئے جائیں گے ان نافیہ ہے یا مخففہ ہے کل یعنی تمام مخلوق مبتدا واقع ہے لاتشدید کے ساتھ الا کے معنی میں ہے یا تخفیف کے ساتھ اور لام فارقہ ہے اور ما زائدہ، جمع مبتداء کی خبر ہے اور مجموعوں کے معنی میں ہے

مُحْضَرُونَ ۞ لِلْحِسَابِ خَيْرٌ ثَانِي هـ

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: لَا يَنْقُذُونَ: چھٹکارا دلاتا۔

قوله: يَلِكِيَّتْ: اس نے اپنی قوم کے متعلق جاننے کی تاکہ وہ ان کو توبہ دایمان کی طرف مائل کر لے۔

قوله: غَلَايِكِيَّة: ان کو ہلاک کرنے کے لیے جب بد رو خندق میں اترے، یہ آپ کی نکریم و تشریف کے لیے اتارے۔

قوله: لِمَا بَعْدَهَا مُعَلَّقَةٌ: تعلق افعال قلوب کی خصوصیات سے ہے، ان کا لفظا عمل باطل ہو جاتا ہے۔

قولہ: مَجْمُوعُونَ: یہ نعیل بمعنی مفعول ہے۔

تفسیر مقبولین

وَمَا لِي لَا أَعْبُدَ الَّذِي فَطَرَنِي وَالَّذِي تُرْجَعُونَ ۝

اس کے بعد اس شخص نے ان لوگوں کو عبادت خداوندی کی دعوت دی اور اپنے اوپر بات رکھ کر کہا کہ کیا وجہ ہے کہ میں اس ذات پاک کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا۔ اس میں یہ بتا دیا کہ جس نے پیدا کیا وہی عبادت کا مستحق ہے، جب پیدا فرمانا استحقاق عبودیت کی دلیل ہوا تو ضروری ہے کہ تم بھی اللہ ہی کی عبادت کرو میں بھی اسی کی عبادت کروں، اسی لیے آخر میں (وَالِيهِ اَرْجِعُ) اور میں اسی کی طرف لوٹا یا جاؤں گا) نہیں کہا بلکہ وَالَّذِي تُرْجَعُونَ ۝ (اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) کہا۔ جب اسی کی طرف لوٹ کر جاتا ہے جس نے پیدا کیا تو اس کی عبادت چھوڑنا یا دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرنا یہ توہم نکل ہی حماقت اور بیوقوفی کی بات ہے۔ اس کے بعد اس شخص نے اپنے دین توحید کا کھل کر اعلان کر دیا کہ اِنِّیْ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاَسْمِعُوْنِیْ ۝ (بلاشبکہ دُشہ میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا تم میرے اس اعلان کو سن لو) اس اعلان میں (بِرَبِّکُمْ) نہیں کہا بلکہ (بِرَبِّکُمْ) کہا جس میں انہیں تمہیہ کر دی اور یہ بتا دیا کہ جو تمہارا رب ہے وہی مستحق عبادت ہے، دوسرے یہ بتایا کہ تم اسی کی طرف واپس جاؤ گے، تیسرے یہ بتایا کہ تم نے جو اس کے علاوہ معبود بنا رکھے ہیں، چوتھے یہ بتایا کہ تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو، اور پانچویں یہ بتا دیا کہ میں نے کیا دین اختیار کیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کروں تم بھی یہ دین اختیار کر لو۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب اس شخص نے یہ باتیں کہیں تو وہ لوگ یکساں ہی اس پر پل پڑے اور اسے قتل کر دیا، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ اسے پاؤں سے اتارو نندا کہ اس کی آنتیں نکل پڑیں۔

قَبْلِ ادْخَالِ الْجَنَّةِ

اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان اور دعوت توحید اور شہادت کا انعام دیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوا کہ جنت میں داخل

ہو جا۔

قَالَ يٰكَيْفَ تَقُوْنِيْ يٰعَلَمُوْنَ ۝ بِمَا عَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمَكْرُمِيْنَ ۝ جنت میں داخل ہو کر اس شخص نے کہا کیا

اچھا ہوتا کہ میری قوم کو اس کا پتہ چل جاتا جو میرے رب نے میری مغفرت فرمائی اور جو مجھے معزز بندوں میں شامل فرمایا (یہ بات اس نے آرزو کے طور پر کہی کہ میری قوم کو اللہ کے انعام کا پتہ چل جاتا تو وہ بھی مسلمان ہو جاتے۔)

معالم التنزیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب بستی والوں نے اس آدمی کو قتل کر دیا جو بستی کے آخر والے حصہ سے آیا تھا تو اللہ

تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیج دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کے ہلاک کرنے کا حکم دیا انہوں نے وہاں زور سے ایک چٹائی ہاری

جس کی وجہ سے وہ سب لقمہ اجل بن گئے، ان لوگوں کی ہلاکت کے بارے میں فرمایا: وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمٍ مِّنْ بَعْدِہُمْ مِّنْ جُنْدٍ

مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاجِدًا فَاِذَا هُمْ خُمُودُوْنَ ۝ (اور ہم نے اس شخص کی قوم پر اس کے

بعد آسمان سے کوئی لشکر نازل نہیں کیا اور ہم لشکر نازل کرنے والے نہ تھے وہ تو صرف ایک چیخ تھی سو اچانک وہ بچھ کر رہ گئے) یعنی مذکورہ بستی والے جو ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کی ہلاکت کے لیے ہمیں کوئی لشکر اور جماعت کبیرہ بھیجنے کی ضرورت نہ تھی بس ایک چیخ ہی کے ذریعے ہلاک کر دیئے گئے۔ اس میں عبرت ہے دوسرے منکرین دکذبین کے لیے، کوئی فرد یا جماعت یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے انتقام نہیں لے سکتا اگر وہ انتقام لینا چاہے گا تو العیاذ باللہ اسے دشواری نہ ہوگی نہ اسے کوئی لشکر بھیجنا پڑے گا۔ وہ تو قادر مطلق ہے، اس کے صرف کفن کے خطاب سے سب کچھ ہو جاتا ہے جو چیخ بھیجی اس کی بھی ضرورت نہ تھی لیکن حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ انہیں ایک چیخ کے ذریعے ہلاک کر دیا جائے، ایک چیخ آئی اور یہ لوگ بچھے ہوئے رہ گئے، بڑے غرور اور طمطراق میں بھرے ہوئے تھے نہ خود رہے نہ جماعت رہی نہ غرور رہا، بالکل ایسے ہو گئے جیسے آگ کسی لکڑی کو بجھا کر رکھتا ہے۔

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ جو فرمایا ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ بلا حساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے اس شخص کو انہیں میں شامل فرمادیا اور اسے مزید یہ فضیلت دی کہ وقوع قیامت کا انتظار نہیں کرایا گیا ابھی سے جنت میں داخل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ کوئی بعید نہیں ہے۔ (کما قال النبی ﷺ لِقَدْرِ آيَاتِ رَبِّكَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ) قطعاً من ظہر الطريق کانت تؤذی الناس (رواہ مسلم ص ۳۲۸) جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے جنت میں ایک آدمی کو آزادی سے پھرتے دیکھا جس نے راستہ سے لوگوں کو تکلیف دینے والا درخت کاٹا۔

اور بعض حضرات نے (د) کا مطلب یہ لیا ہے کہ اس سے محض بشارت دینا مقصود ہے اور جنت کا داخلہ قیامت کے دن اپنے وقت پر ہوگا، اگر یہ قول مراد لیا جائے تو (قَالَ يَا كَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ) کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ موت کے بعد ہی برزخ میں جو حسن سلوک ہو اسی سے متاثر ہو کر اس نے یہ بات کہی۔ (وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ)

اور (مَا كُنَّا مُنْزِلِينَ) کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بستی کے ہلاک کرنے کے لیے ہم فرشتوں کو اتارنے والے نہیں تھے کیونکہ ہمیشہ تعذیب اور ہلاکت کے لیے فرشتے نہیں آتے، اللہ تعالیٰ کبھی فرشتوں کو اتار دیتے ہیں جیسا کہ غزوہ بدر میں فرشتے نازل کیے گئے اور کبھی نہیں اتارتے، مختلف طریقوں سے ہلاک کیا گیا۔

(قال صاحب روح (ج ۳۳: ص ۲) والظاهر ان المراد بهذا الجند جند الملئكة ای ما انزلنا لا هلاكهم ملائكة من السماء وما كنا منزلين وما صح في حكمتنا ان نزل الجند لا هلاكهم لما انا قدرنا لكل شيء سبباً حيث اهلكنا بعض من اهلكنا من الأمم بالخاص وبالصحة وبعضهم بالحسف وبعضهم بالاغراق وجعلنا انزال الجند من خصائصك في الانتصار لك من قومك وكفينا امر هؤلاء بصيحة ملك صاح بهم فهلكوا۔ یعنی ان ذلك الرجل خوطب بذلك) (صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ اس لشکر سے مراد فرشتوں کا لشکر ہے یعنی ہم نے ان کے ہلاک کرنے کے لیے آسمان سے فرشتے نہیں اتارتے اور نہ ہی ہم فرشتے اتارنے والے تھے کہ ہماری حکمت میں ان کی ہلاکت کے لیے فرشتوں کا اتارنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ ہم نے ہر چیز کے لیے سبب مقرر کیا ہے جیسا کہ بعض قوموں کو ہم نے پتھر برساکر ہلاک کیا بعض کو چیخ سے بعض کو زمین میں دھنسا کر

بعض کو پانی میں غرق کر کے ہلاک کیا فرشتے نہیں اتارے، لیکن اب یہ تیری قوم میں تیری مدد کے لیے فرشتوں کا اتارنا تیری خصوصیات میں سے ہے۔ اور ہم نے ان کے لیے ایک فرشتہ کی چیخ کو کافی کر دیا فرشتے نے چیخ ماری اور یہ سب ہلاک ہو گئے۔ یعنی اس آدمی سے خطاب کر کے یہ کہا گیا۔

وَآيَةٌ لَهُمْ عَلَى الْبُعْثِ خَيْرٌ مُّقَدَّمِ الْأَرْضِ الْمَيْتَةِ ۖ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ أَحْيَيْنَهَا بِالْمَاءِ مَبْتَدَأً وَ
 أَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا كَالْحِنْطَةِ فَمِنْهُ يَا كَلْبُونَ ۝ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّتٍ بَسَاتِينَ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَ
 فَجْرًا فِيهَا مِنَ الْعِيُونِ ۝ أَيُّ بَعْضِهَا لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهَا ۖ بِفَتْحَتَيْنِ وَبِضَمَّتَيْنِ أَيُّ ثَمَرِ الْمَذْكُورِ مِنَ
 النَّخِيلِ وَغَيْرِهِ وَ مَا عَمِلْتَهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَيُّ لَمْ تَعْمَلِ الثَّمَرَ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝ أَنْعَمَهُ تَعَالَى عَلَيْهِمْ
 سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ الْأَصْنَافَ كُلَّهَا مِمَّا تُثْبِتُ الْأَرْضُ مِنَ الْحُبُوبِ وَغَيْرِهَا وَمِنَ الْأَنْفُسِ
 مِنَ الذُّكُورِ وَالْإُنَاثِ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ۝ مِنَ الْمَخْلُوقَاتِ الْغَرِيبَةِ الْعَجِيبَةِ وَآيَةٌ لَهُمْ عَلَى الْقُدْرَةِ
 الْعَظِيمَةِ الْيَلِ ۖ تَسْلُخُ نَفْصِلُ مِنْهُ النَّهَارِ فَإِذَا هُمْ مُظْلَمُونَ ۝ دَاخِلُونَ فِي الظَّلَامِ وَالشَّمْسُ
 تَجْرِي أَلْحُ مِنْ جُمَّلَةِ الْآيَةِ لَهُمْ آوَايَةٌ أُخْرَى وَالْقَمَرَ كَذَلِكَ لِيُسْتَفْتَرَ لَهَا ۖ أَيُّ إِلَهٍ لَا يَتَجَاوَزُهُ ذَلِكَ
 جَزِيهَا تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ فِي مَلِكِهِ الْعَلِيمِ ۝ بِخَلْقِهِ وَالْقَمَرَ بِالزَّرْعِ وَالتَّصْبِ وَهُوَ مَنْصُوبٌ بِفِعْلِ يَفْسُرُهُ
 مَا بَعْدَهُ قَدْرَانُهُ مِنْ حَيْثُ سَيَّرَهُ مَنَازِلَ ثَمَانِيَّةً وَعِشْرِينَ مَنَزَلًا فِي ثَمَانٍ وَعِشْرِينَ لَيْلَةً مِنْ كُلِّ شَهْرٍ
 يَسْتَبْرُ لَيْلَتَيْنِ إِنْ كَانَ الشَّهْرُ ثَلَاثِينَ يَوْمًا وَرَلَيْلَةً إِنْ كَانَ تِسْعَةً وَعِشْرِينَ يَوْمًا حَتَّى عَادَ فِي آخِرِ مَنَازِلِهِ فِي
 رَأْيِ الْعَيْنِ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝ أَيُّ كَعُودِ الشَّمَارِيخِ إِذَا عَتَقَ فَإِنَّهُ يَدُقُّ وَيَتَقَوَّشُ وَيُضْفَرُ لَا
 الشَّمْسُ يَنْكَبُغِي يَسْهَلُ وَيُصْبِحُ لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ فَتَجْتَمِعُ مَعَهُ فِي اللَّيْلِ وَلَا الْيَلِ سَابِقُ النَّهَارِ ۖ
 فَلَا يَأْتِي قَبْلَ انْقِضَائِهِ وَكُلُّ تَنْوِينُهُ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرَ وَالتَّجْوِمِ فِي ذَلِكَ
 مُسْتَدِيرٍ لِيَسْبَحُونَ ۝ يَسِيرُونَ نَزَلُوا مَثَلَةَ الْعُقَلَاءِ وَآيَةٌ لَهُمْ عَلَى قُدْرَتِنَا إِنْكَا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ وَفِي
 قِرَاءَةِ ذُرِّيَّتِهِمْ أَيُّ آبَاءِهِمْ الْأَصُولُ فِي الْفُلْكِ أَيُّ سَفِينَةِ نُوحٍ الْمَشْحُونِ ۖ الْمَمْلُوءِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ
 مِثْلِهِ أَيُّ مِثْلِ فُلْكِ نُوحٍ وَهُوَ مَا عَمِلُوهُ عَلَى شَكْلِهِ مِنَ الشُّفَنِ الصِّغَارِ وَالْكِبَارِ بِتَعْلِيمِ اللَّهِ تَعَالَى مَا

مخرف نہیں ہو سکتا یہ رفتار نشانہ مقرر کیا ہوا ہے ایک زبردست طاقتور زمین پر واقف کار کا مخلوق سے اور چاند کے لیے رفع نصب کے ساتھ یہ بعد میں آنے والے اس فعل سے منصوب ہے جو اس کی تفسیر کر رہا ہے مقرر کی ہیں منزلیں اس کی چال کے حساب سے ۲۸ درجے ہر ماہ کی ۲۸ راتیں اور مہینہ اگر تیس ۳۰ کا ہو تو درود روز تک اور اسی ۲۹ کا ہو تو ایک دن رات نظر نہیں آئے گا یہاں تک کہ رہا جاتا ہے اخیر درجوں میں دکھائی پڑتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی کھجور کی شاخ جب پرانی ہو کر سوکھ جائے وہ مکان کی طرح تپتی بھی ہو جاتی ہے اور زرد بھی پڑ جاتی ہے نہ سورج کی یہ مجال ہے آسان اور لائق ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور رات میں دونوں اکٹھے جائیں اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے تا وقتیکہ دن ختم ہو رات نہیں آتی، اور دونوں میں سے ہر ایک توین مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی سورج چاند ستارے اپنے اپنے مدار دائرہ میں تیرتے رہتے ہیں رواں دواں رہتے ہیں الفاظ میں ان کو ذوالعقول کے درجے میں لیا گیا ہے اور ایک نشانی ہماری قدرت کی ان کے لیے یہ ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو سوار کیا ایک قرات میں ذریاتہم ہے یعنی ان کے آباؤ اجداد اصول کشتی نوح میں جو لدی بھری ہوئی تھی اور ہم نے ان کے لیے کشتی ہی جیسی اور چیزیں پیدا کیں کشتی نوح کی طرح معنی اس کے ہم شکل چھوٹی بڑی کشتیاں اور جہاز اللہ کی تعلیم سے انھوں نے بنائے جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں اور ہم چاہیں باوجود کشتیاں ایجاد کرنے کے تو ان کو ڈبو دیں پھر نہ تو کوئی فریاد رس ہو ان کے لیے اور نہ یہ خلاصی رہائی دیئے جائیں مگر یہ ہماری مہربانی ہے اور ان کو ایک مقررہ وقت تک نفع پہنچاتا ہے یعنی کشتیوں سے پار نہیں لگ سکتے ہیں بجز ہماری رحمت کے البتہ ہم ان کی عمریں پوری ہونے تک انھیں لذت اندوز ہونے کا موقع دے رہے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا کہ تم لوگ اس عذاب سے ڈرو جو دنیا میں تمہارے اور اوروں کے سامنے ہے اور تمہارے بعد آخرت میں ہے تاکہ تم پر رحمت کی جائے تو وہ بے رخی اختیار کر لیتے ہے اور ان کے پروردگار کی آیات میں سے کوئی آیت بھی ان کے پاس ایسی نہیں آتی جس سے یہ روگردانی نہ کرتے ہوں اور جب ان سے کہا جاتا ہے فقراء صحابہ کہتے ہیں کہ اللہ نے جو کچھ تم کو مال دیا ہے اس میں سے ہم پر خرچ کر دو تو یہ کفار مسلمانوں سے پھبتیاں کستے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھانے کو دیں جن کو اللہ اگر چاہے تو کھانا دے سکتا ہے تمہارے عقیدہ کے مطابق تم لوگ اسی عقیدہ کے ساتھ اس طرح کی باتیں کہنے میں کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور ان کے کفر کی صراحت میں موقع عظیم ہے اور کہتے ہیں کہ یہ وعدہ قیامت کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو اس وعدہ کے بارے میں ارشاد ہے یہ لوگ منتظر ہیں بس ایک چیخ کے اسرائیل علیہ السلام کا پہلا صورت پھونکنا مراد ہے جو آ پکڑے گی اور وہ سب باہم لڑ جھگڑ رہے ہوں گے تشدید کے ساتھ، یہ اصل میں بیختمون تھا تاہم کی حرکت منتقل کر دی گئی اور صادمیں ادغام کر دیا گیا یعنی وہ قیامت کی طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں لڑائی جھگڑے، خرید و فروخت اور کھانے پینے وغیرہ کی صورت میں اور ایک قرات میں بیختمون بوزن یضربون ہے۔ یعنی باہم دست و گریباں ہوں گے سونہ تو وصیت کرنے کی نرمت ہوگی کہ ایک دوسرے کو کہیں اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جا سکیں گے۔ بازاروں اور کام دھندے سے واپسی نہیں ہوگی بلکہ وہیں دم توڑ رہے ہوں گے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ : یہ مہتداء ہے اور أَحْيَيْلَهَا یہ جملہ اس کی مفت۔ الْأَرْضُ سے کوئی مخصوص زمین مراد نہ ہونے کی وجہ سے وہ حکماً نکرا ہے۔

قوله: مِنْ نُخَيْلٍ وَ أَعْنَابٍ : نُخَيْلٍ مذکر ہے۔ یہ أَعْنَابٍ کے مطابق ہے ان کے منافع کثیر ہیں۔

قوله: يَتَجَاوَرُهُ : چاند کو مسافر کے ٹھکانے سے تشبیہ دی جب وہ سفر کر کے وہاں پہنچ جائے۔

قوله: كَقُودِ الشَّمَارِئِخِ : جمع شمراخ۔ کھور کی شاخ اور انگور کا خوشہ۔

قوله: وَالنُّجُومِ : سورج، چاند کے تذکرہ سے خود سمجھ آ رہا ہے۔

قوله: الْأُصُولِ : پہلے لوگ۔

قوله: سَفِينَةَ نُوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ : اللہ تعالیٰ نے اس کشتی میں ان کے آباء کو بٹھایا، جب یہ ان کی صلب میں تھے۔

قوله: نَالِمِيسِ : یعنی اپنے گمان میں سوتے ہوئے خیال کرتے تھے۔

قوله: اعرضوا : اس میں اشارہ ہے کہ اذا کا جواب مَا تَأْتِيهِمْ محذوف ہے۔ انہوں نے عادت کی وجہ سے اعراض کیا۔

قوله: صِيْحَةً وَاحِدَةً : اس سے پہلے لکھ مراد ہے۔

تفسیر مقبولین

وَآيَةٌ لَهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ

(ربط) گذشتہ آیات میں ان سرکشوں کا حال بیان کیا جو توحید کے بھی منکر تھے اور نبوت و رسالت کے بھی منکر تھے اور حشر و نشر کے بھی منکر تھے اب آگے اپنی قدرت کے دلائل بیان کرتے ہیں جس سے توحید ثابت ہو اور شرک کا ابطال ہو اور حشر و نشر کا امکان ثابت ہو۔

(نیز) گذشتہ مضمون کے ختم پر یہ فرمایا: وَإِنْ كُنْ لَنَا جَبِيحٌ لَدَيْنَا مَحْضَرُونَ جس سے ان کفار کو تمبیہ تھی جو معاد کے منکر اور اس سے غافل تھے اب آگے دلائل قدرت کو ذکر کرتے ہیں تاکہ حشر و نشر کا اقرار کریں اور آخرت کی کچھ فکریں کریں اور ان دلائل قدرت کے ضمن میں اپنی نعمتوں کو بھی شمار کیا تاکہ اپنے منعم حقیقی کو پہچانیں اور اس کا شکر کریں اور کفر اور کفران سے باز آجائیں اور منعم حقیقی کی توحید کے قائل ہوں اور منعم حقیقی کے مرسلین یعنی خدا کے فرستادوں کی دعوت و تبلیغ کی طرف کان لگائیں تاکہ راہ راست پر چل سکیں اور منعم حقیقی کو راضی کر سکیں بعد ازاں حق تعالیٰ نے کفر و نفاق کی طعن آمیز باتوں کو نقل کر کے ان کا جواب دیا اور جس شبہ کی بنا پر دوبارہ زندہ ہونے کو وہ محال سمجھتے تھے اس شبہ کا مفصل اور مدلل جواب دیا اور اس مضمون پر سورت کو

ختم کیا کہ خدائے وحدہ لا شریک نہ قادر مطلق ہے وہ بلاشبہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے شبہ اور وسوسہ میں نہ پڑا اور اس مقام پر جس قدر دلائل قدرت ذکر کئے ان میں سے ہر دلیل کے ضمن میں متعدد دلائل ہیں ہر دلیل متعدد دلائل کا مجموعہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

دلیل اول: یہ اس کی قدرت کی پہلی دلیل ہے کہ اللہ کی آیات قدرت میں سے ایک زمین ہے جو ہر وقت تمہاری نظروں کے سامنے ہے اس کے حالات میں غور کر لو کہ ہم خشک زمین کو تروتازہ کر کے اس میں قسم قسم کے پھل اور غلے پیدا کرتے ہیں جو تمہاری زندگی کا سامان ہے تاکہ تم لوگ اس میں سے کھاؤ اور شکر کرو مگر افسوس تم شکر نہیں کرتے تمام عالم مل کر بھی ایک پھل پیدا کرنے پر قادر نہیں پس خوب سمجھ لو کہ جو ذات زمین سے غلوں اور پھلوں کے نکالنے پر قادر ہے وہ زمین سے مردوں کے نکالنے پر بھی قادر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ان کافروں کے لئے خدا کی قدرت کی ایک عظیم نشانی مردہ زمین ہے یعنی خشک اور بے گھاس زمین ہے جس کو بارش کے ذریعہ ہم نے زندہ اور سرسبز کیا اور اس میں سے دانہ نکالا یعنی غلہ اور اناج نکالا پس اسی دانہ سے یہ لوگ کھاتے اور زندہ رہتے ہیں اور اسی زمین میں ہم نے قسم قسم کے باغات بنائے کھجوروں کے اور انگوروں کے کسی زمین میں انگور پیدا ہوتا ہے مگر خرما پیدا نہیں ہوتا جیسے کابل کی زمین اور کسی زمین میں کھجور پیدا ہوتا ہے اور انگور پیدا نہیں ہوتا جیسے مدینہ کی زمین یہ سب خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کسی مادہ اور ایٹم کا تقاضہ نہیں اور زمین میں ہم نے چشمے جاری کئے جن سے اکثر کاپانی شیریں اور خوشگوار ہے جو نالوں اور نہروں اور ندیوں کی طرح جاری ہے تاکہ لوگ ان باغات کے پھلوں سے کھائیں جن کو اللہ نے پیدا کیا اور یہ سب کچھ ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا اور نہ ان کے معبودوں نے تم ریزی اور آپاشی کی بظاہر اگر چہ ان کے ہاتھوں نے کی ہے مگر غلوں اور پھلوں کا پیدا ہونا یہ تو خدا ہی کے دست قدرت کا کرشمہ ہے پس کیا یہ لوگ اللہ کی ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتے جس نے یہ نعمتیں پیدا کیں اور خالص اللہ کی عبادت نہیں کرتے کہ جو ان نعمتوں کا خالق ہے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تمام متقابل اور متضاد انواع و اقسام کو پیدا کیا از قسم نباتات جن کو زمین اگاتی ہے کوئی چھوٹا اور کوئی بڑا کوئی شیریں اور کوئی تلخ اور خود آدمیوں کی ذاتوں میں کسی کو مرد اور کسی کو عورت اور کسی کو عرب اور کسی کو عجم اور کسی کو شامی اور کسی کو حبشی۔

اور ان چیزوں سے جن کو یہ نہیں جانتے مختلف اقسام پیدا کیں جیسے اس نے قسم قسم کے چرند اور پرند اور حشرات الارض پیدا کئے پس جو ذات تہا ان بے شمار مخلوقات کی خالق ہے اس کی عبادت کریں اور اسی کو خدائے وحدہ لا شریک مانیں مخلوقات میں ایک دوسرے کا مقابل موجود ہے مگر خدا تعالیٰ کا کوئی مقابل نہیں کما قال تعالیٰ: ومن کل شیء خلقنا زوجین لعلکم تذکرون پس جس ذات کا کوئی جوڑا اور مقابل نہیں وہی لائق پرستش ہے زوجیت مخلوق کی صفت ہے اور فردیت خدائے وحدہ لا شریک کی صفت ہے۔

وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيِّتَةُ ۚ

دلیل دوم: یہ اس کی قدرت کی دوسری دلیل ہے کہ اس نے لیل و نہار کو اور شمس و قمر کو پیدا کیا دن رات کا یکے بعد دیگرے آنا اور رات کا اندھیرا اور دن کی روشنی اور آفتاب و ماہتاب کا ایک خاص روشنی پر رہنا جس میں نہ کبھی کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی یہ بھی اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے جس کی حقیقت کے ادراک سے دنیا کی عقلیں حیران ہیں تمام عالم مل کر بھی اس پر قادر نہیں کہ لیل و نہار اور طلوع

وغرب میں کوئی تغیر کر سکے۔

گذشتہ آیت میں زمین کی نشانی کا ذکر فرمایا جو باشندگان عالم کا مکان ہے اب آئندہ آیت میں لیل و نہار کی نشانی کو ذکر فرماتے ہیں جو لوگوں کے لئے زمان ہے اور مکان اور زمان میں مناسبت ظاہر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ان کے لئے ہماری قدرت کی ایک نشانی رات ہے جس کے اندر سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں یعنی اس میں سے دن کی روشنی کو کھینچ لیتے ہیں پس وہ اس وقت تاریکی اور اندھیرے میں داخل ہو جاتے ہیں سح کے معنی لغت میں بدن سے پوست (کھال) اتار لینے کے ہیں زمانہ اور وقت میں اصل ظلمت یعنی تاریکی ہے اور آفتاب کی روشنی امر عارضی ہے اور آفتاب اور دن کی روشنی رات کے وقت کو بمنزلہ پوست کے ساتر ہے یعنی اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے پس جب اللہ تعالیٰ اس روشنی کو اس وقت اور زمانہ سے یا اس ہوا اور خلا سے یا روشنی کے مکان سے کھینچ لیتا ہے تو لوگ اسی دم تاریکی میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان پر رات آ جاتی ہے دن کی روشنی رات کو کھال کی طرح اپنے اندر چھپائے ہوئے تھی جب خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کھال کو اتار لیا تو رات نمودار ہو گئی جس طرح جانور کی کھال کھینچ لینے سے اندر کا گوشت ظاہر ہو جاتا ہے اسی طرح جب خلا اور ہوا سے روشنی کھینچ لی گئی تو اندر سے ظلمت اور تاریکی اور اندھیرا ظاہر ہو گیا اور لوگ روشنی سے نکل کر تاریکی اور اندھیرے میں داخل ہو گئے پس سمجھ لو کہ جس ذات کے ہاتھ میں ان انقلابات اور تصرفات کی باگ ہے وہی تمہارا معبود برحق ہے۔

غرض یہ کہ آیت ہذا یعنی نَسَخُ مِنْهُ النَّهَارَ میں جو لفظ نَسَخُ بطور استعارہ استعمال کیا گیا بقدر ضرورت حضرات مدرسین کے لئے اس کی تشریح کر دی گئی حضرات اہل علم اس کی تفصیل کے لئے روح المعانی اور حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی دیکھیں۔ اور اللہ کی قدرت کی ایک نشانی آفتاب ہے جو بحکم خداوندی اپنی قرار گاہ یعنی اپنے ٹھکانہ کی طرف چلتا رہتا ہے جو اس کے لئے مقرر ہے یہ اندازہ ہے جو مقرر کر دہے خدائے غالب اور باخبر کا جی آفتاب کی یہ سیر خدائے عزیز کا مقرر کردہ اندازہ ہے جس کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا اور علیم و حکیم کا مقرر کیا ہوا ہے جس میں غلطی اور خطا کا امکان نہیں یہ سب خداوند عزیز و علیم کی تسخیر ہے آفتاب کی مجال نہیں کہ خدا کی مقرر کردہ سیر سے ذرہ برابر انحراف کر سکے خدا تعالیٰ نے جو اس کی چال مقرر کر دی ہے ذرہ برابر اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا خدا کے حکم کے مطابق طلوع و غروب کرتا ہے حق جل شانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے آفتاب کے نور کی ایک خاص حد اور خاص مقدار مقرر فرمادی ہے اسی طرح اس کی حرکت اور مسانت کی بھی ایک حد مقرر فرمادی ہے اور یہ سب کچھ اس علیم و قدیر کا مقرر کردہ اندازہ ہے جس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے آفتاب باذن خداوندی اسی طرح چلتا رہے گا اور مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا یہاں تک کہ جب قیامت آئے گی تو اس کا حکم ہوگا کہ جہاں سے تو آیا ہے یعنی جدھر سے تو غروب ہوا ہے ادھر نکلوٹ جا پس اس وقت آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا۔

”يُسْتَقْبَلُ“ کے معنی قرار گاہ یعنی منتہائے سیر کے ہیں جہاں پہنچ کر اس کا دورہ ختم ہو جاتا ہے اس آیت میں لفظ يُسْتَقْبَلُ سے یا تو روزانہ کا منتہائے سیر مراد ہے یا سال بھر کا منتہائے سیر مراد ہے یعنی منازل بروج مراد ہے جن کو آفتاب سال بھر میں قطع کرتا ہے آفتاب برابر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک سال میں اس کا دورہ بروج ختم ہو جاتا ہے یا مستقر سے دائرہ نصف النہار مراد ہے جہاں پہنچ کر آفتاب کا ارتفاع اور بلند ہونا ختم ہو جاتا ہے اور انحطاط اور زوال شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ

غروب ہو جاتا ہے۔ یا مستقر سے منہائے عمر دنیا یعنی روز قیامت مراد ہے جو آفتاب کی سیر و حرکت کا منقطعی ہے قیامت تک آفتاب اسی طرح چلتا رہے گا جب قیامت آجائے گی اس وقت اس کا طلوع اور غروب ختم ہو جائے گا اس وقت آفتاب کو قرار حاصل ہو جائے گا جب قیامت آجائے گی تو آفتاب ٹھہر جائے گا اور اس کی حرکت باقی نہ رہے گی اور روز قیامت آفتاب کا مستقر زمانی ہے کہ اس روز بساط عالم ہی لپیٹ دی جائے گی یا مستقر شمس یعنی آفتاب کی قرار گاہ اور منہائے سیر سے عرش الہی مراد ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ آفتاب غروب کے بعد ہر رات عرش کے نیچے جاتا ہے اور وہاں جا کر سجدہ کرتا ہے اور طلوع کے لئے اذن مانگتا ہے تو اس کو اذن دیا جاتا ہے تب وہ طلوع کرتا ہے الی آخر الحدیث معلوم ہوا کہ آفتاب کا مستقر زیر عرش ہے اور یہ آفتاب کا مستقر مکانی ہے جیسا کہ روز قیامت آفتاب کا مستقر زمانی ہے۔

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مستقر سے عام معنی مراد لئے جائیں جو ان تمام امور کو شامل ہوں جو ماقبل میں ذکر کیے گئے یعنی مستقر سے مطلق قرار گاہ اور ٹھکانا مراد لیا جائے خواہ وہ حرکت یومیہ کے اعتبار سے ہو یا سالانہ دورہ کے اعتبار سے ہو یا منہائے عرش دنیا کے اعتبار سے ہو اور مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آفتاب کی رفتار اور حرکت کے لئے جو نقطہ اور حد متعین کر دی ہے آفتاب قیامت تک اپنی حد معین پر باذن خداوندی اسی طرح برابر حرکت کرتا رہے گا یہ سب عزیز و علیم کی تقدیر اور تسخیر ہے کوئی اس میں ذرہ برابر تغیر و تبدل نہیں کر سکتا البتہ جب خدا تعالیٰ خود چاہیں گے تو اس نظام کو درہم برہم کر دیں گے طلوع و غروب کا یہ نظام خدا تعالیٰ کے کمال قدرت اور کمال حکمت کی دلیل ہے۔

اس آیت میں آفتاب کے جریان اور استقرار کو بیان فرمایا اب آئندہ آیت میں قمر کا حال بیان کرتے ہیں کہ وہ سورج کی طرح ایک حال پر نہیں رہتا گھٹنا بڑھتا رہتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور چاند کی سیر اور رفتار کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں جن کو وہ برابر طے کرتا رہتا ہے منازل قمر اٹھائیں ہیں ہر رات قمر ایک منزل میں نزول کرتا ہے نہ اس سے آگے بڑھتا ہے اور نہ اس سے پیچھے رہتا ہے ابتدا میں ماہتاب کا نور شب بہ شب زیادہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ چودھویں رات میں اس کا نور پورا ہو جاتا ہے پھر اس میں کمی شروع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ کہ اخیر ماہ میں چاند کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح باریک اور پتلا ہو جاتا ہے ہر ماہ کے آخر میں اور ہر ماہ کے شروع میں چاند کمان کی طرح باریک ہو جاتا ہے اخیر مہینہ میں جب چاند باریک اور پتلا ہو جاتا ہے تو دورات کے لئے پوشیدہ ہو جاتا ہے پھر شروع مہینہ میں شکل ہلال ہو کر ظاہر ہوتا ہے چاند کا اس طرح گھٹنا اور بڑھنا یہ بھی اس کی قدرت کی نشانی ہے غرض یہ کہ شمس اور قمر دونوں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں ہر ایک کی سیر اور رفتار کے لئے اور طلوع اور غروب کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک حد مقرر کر دی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے لہذا نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور اس کی منزل میں نزول کر جائے اور اس کی حد میں داخل ہو جائے اور نہ چاند کی یہ مجال ہے کہ وہ سورج کو پکڑ سکے حالانکہ ماہتاب نیز رفتار ہے اور آفتاب ست رفتار ہے سورج سماں بھر میں اپنی منزلیں قطع کرتا ہے اور چاند ایک مہینہ میں اپنی منزلیں قطع کر لیتا ہے غرض یہ کہ دونوں کی سیر اور رفتار اللہ تعالیٰ کی تسخیر اور تقدیر کے تابع ہے دونوں کا ایک منزل میں جمع ہونا ناممکن اور محال ہے اور ایک کا دوسرے کے وقت میں ظہور اور طلوع ناممکن ہے خدا تعالیٰ نے زمین کے جس خطہ اور حصہ میں طلوع و غروب کا جو نظام مقرر کر دیا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس میں رد و بدل کر سکے اور نہ رات کی یہ مجال ہے کہ وہ دن سے آگے نکل جائے یعنی یہ ممکن نہیں کہ

دن پورا ہونے سے پہلے ہی رات آجائے دن ہو یارات اپنے مقرر وقت سے پہلے نہیں آسکتا۔

چاند اور سورج سب کے سب اپنے اپنے آسمان میں یا اپنے اپنے دائرہ میں تیرتے اور گھومتے اور چلتے رہتے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ اپنے دائرہ یا مدار سے باہر قدم نکال سکے اور کسی سیارہ سے جا کر ٹکرا جائے سب ستارے آفتاب و ماہتاب وغیرہ اپنے اپنے آسمان میں تیرتے رہتے ہیں جیسے مچھلیاں پانی میں تیرتی رہتی ہیں۔

غرض یہ کہ چاند اور سورج اور سیارات سب کے سب حسب تسخیر خداوندی اپنے اپنے چرخے اور اپنے اپنے دائرہ میں تیرتے رہتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے کوئی سیارہ دوسرے سیارہ سے مزاحم نہیں ہو سکتا ہر سیارہ اپنی جگہ اس طرح حرکت کرتا رہتا ہے کہ گویا کہ مچھلیاں دریا میں تیرتی پھرتی ہے۔

لطائفہ و معارفہ:

(۱) وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۗ اِنْ سَمِعْتُمْ نَجْوَىٰ مَنْ يَدْعُو تَوَسَّلْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ
ہیں۔ اور آسمان اور زمین ساکن

(۲) شمس اور قمر اور ہر سیارہ کی خدا تعالیٰ نے ایک حد مقرر کر دی ہے جو ان کو معلوم ہے اسی کے مطابق وہ حرکت کرتے ہیں اور بے شمار آیات اور احادیث سے ثابت ہے کہ شمس اور قمر اور کواکب اور نجوم اور جمادات اور نباتات میں ایک قسم کا شعور اور ادراک ہے یہ سب چیزیں اللہ کی تسبیح اور تحمید کرتی ہیں اور اس کو سجدہ کرتی ہیں۔

وان من شىء الا يسبح بحمده۔

سجود الشمس:

(۳) اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ آفتاب غروب کے بعد عرش کے نیچے جاتا ہے اور سجدہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے طلوع کی اجازت مانگتا ہے سو اس کو مل جاتی ہے مگر قیامت کے قریب جب وہ زیر عرش سجدہ کرے گا اور چلنے کی اجازت چاہے گا تو اس کو اجازت نہ ملے گی اور یہ کہا جائے گا کہ جدھر سے آیا ہے ادھر ہی پھر لوٹ جا اور وہیں سے طلوع کر چنانچہ وہ مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا اس کے بعد تو یہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور کسی کا ایمان قبول نہ ہوگا۔

(۴) انسان کی طرح کائنات عالم کے لئے تسبیح و تحمید اور رکوع و سجود ثابت ہے مگر ہر نوع کا رکوع اور سجود اس کے جسم اور وجود کے لائق اور مناسب ہے۔

مثلاً انسان کے سجدہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی پیشانی زمین پر رکھ دے لیکن شمس اور قمر اور شجر و حجر کا سجدہ انکی شان کے لائق ہے جس کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے انسان کی تسبیح و تحمید کے معنی یہ ہیں کہ وہ زبان سے سبحان اللہ اور الحمد للہ کہے مگر شجر اور حجر اور پہاڑوں کی تسبیح و تحمید کے یہ معنی نہیں کل قد علم صلاتہ و تسبیحہ۔

بہر حال سجود شمس حق ہے اب رہا یہ امر کہ وہ سجدہ روحانی ہے یا جسمانی ہے آئی ہے یا زمانی ہے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی

کو معلوم ہے۔

حدیث مطرب و می گوور از دہر کتر۔ جو کہ کس نہ کشود و کشاید بحکمت این معمارا

وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِكَ الْمَشْحُونِ ۝

دلیل سوم: یہ اس کی قدرت کی تیسری دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدرت سے گراں بار کشتیوں کو دریا میں چلاتا ہے جن پر تم لمبے لمبے سفر کرتے ہو اگر وہ غرق کر دے تو کون ہے جو تمہاری فریادری کر سکے یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ تمہیں غرق نہیں کرتا یہ گراں بار کشتیاں اس کی قدرت کی بھی دلیل ہیں اور اس کی نعمت اور رحمت کی بھی دلیل ہیں ایک سمندر میں بڑے سے بڑے جہاز کی ایک تنکے کے برابر بھی حقیقت نہیں اللہ کی رحمت سے سہولت کے ساتھ سفر طے ہو جاتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی ذریت کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا کہ وہ بھری ہوئی کشتی گہرے پانی میں تخت کی طرح چلتی ہے جس کا آغاز نوح علیہ السلام سے ہوا اور اس کے علاوہ ہم نے ان کے لئے کشتی کی مانند ایسی چیز پیدا کی جس پر وہ سواری کر سکیں جیسے اونٹ اور گھوڑے اور خچر وغیرہ وغیرہ۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ۝ سے وہ تمام قسم کے جہاز اور کشتیاں مراد ہیں جو کشتی اول کے بعد اس کی مماثلت اور مشابہت میں بنائی گئیں یہ معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہیں (تفسیر قرطبی ص ۱۰۶۳) بہر حال لوگوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنی رحمت سے براہ و بحر میں تمہاری سواری اور بار برداری کا انتظام کر دیا اور اگر ہم چاہیں تو اہل کشتی کو دریا میں غرق کر دیں پس کوئی نہ ان کے لئے فریادرس ہو جو ان کو غرق سے بچالے اور نہ یہ لوگ مصیبت اور آفت سے چھٹکارا پا سکتے ہیں مگر یہ کہ رحمت کریں ہم اپنی طرف سے اور فائدہ پہنچا دیں ان کو ایک وقت مقرر تک دنیوی زندگی تک یعنی جب ہم ان کو ایک خاص وقت تک فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو ان کو نہیں ڈبوتے یہ سب ہماری رحمت اور عنایت ہے ورنہ وہ تو کفر اور شرک کی وجہ سے غرق ہی کے مستحق تھے۔

وَإِذْ أَقْبَلْنَا لَهُمُ الْمُفْعُوَامِنَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۖ

یعنی اور احکام الہی تو کیا مانتے، فقیروں مسکینوں پر خرچ کرنا تو ان کے نزدیک بھی کار ثواب ہے لیکن یہ ہی مسلم بات جب پیغمبر اور مومنین کی طرف سے کہی جاتی ہے تو نہایت بھونڈے طریقہ سے تمسخر کے ساتھ یہ کہہ کر اس کا انکار کر دیتے ہیں کہ جنہیں خود اللہ میاں نے کھانے کو نہیں دیا ہم انہیں کیوں کھلائیں۔ ہم تو اللہ کی مشیت کے خلاف کرنا نہیں چاہتے اگر اس کی مشیت ہوتی تو ان کو فقیر و محتاج اور ہمیں غنی و تو نگر نہ بناتا۔ خیال کرو اس حماقت اور بے حیائی کا کیا ٹھکانہ ہے۔ کیا خدا کسی کو دینا چاہے تو اس کی یہ ہی ایک صورت ہے کہ خود بلا واسطہ رزق اس کے ہاتھ پر رکھ دے۔ اگر دس لاکھ سے دلانا بھی اس کی مشیت سے ہے تو تم نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ اللہ ان کو روٹی دینا نہیں چاہتا۔ یہ تو اس کا امتحان ہے کہ اغنیاء کو فقراء کی اعانت پر مامور فرمایا اور ان کے توسط سے رزق پہنچانے کا سامان کیا جو اس امتحان میں ناکامیاب رہا اسے اپنی بدبختی اور شقاوت پر رونا چاہیے۔ (تنبیہ) بعض سلف کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات بعض زنادقہ کے حق میں ہیں۔ اس صورت میں ان کے اس قول کو تمسخر پر حمل نہ کیا جائے گا بلکہ حقیقت پر رکھیں گے۔

وَكَفَّخِ فِي الصُّورِ هُوَ قَرْنُ النَّفْحَةِ الثَّانِيَةِ لِلْبُعْثِ وَبَيْنَ النَّفْحَتَيْنِ أَرْبَعُونَ سَنَةً فَإِذَا هُمُ الْمَقْبُورُونَ مِمَّنْ

الْأَجْدَاثِ الْقُبُورِ إِلَى رَبِّهِمْ يُنْسَلُونَ ﴿۵۱﴾ يَخْرُجُونَ بِسُرْعَةٍ قَالُوا أَيُّ الْكُفَّارِ مِنْهُمْ يُؤَيَّلُنَا لِلنَّبِيِّ
 هَذَا كُنَّا وَهُوَ مُضَدٌّ لَا فِعْلَ لَهُ مِنْ لَفْظِهِ مَنْ بَعَثْنَا مِنْ مَرْقِدِنَا لَا نَهْمُ كَانُوا بَيْنَ التَّفَخُّتَيْنِ نَائِمِينَ لَمْ
 يَعْدَبُوا هَذَا أَيُّ الْبُعْثِ مَا أَيُّ الَّذِي وَعَدَ بِهِ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ فِيهِ الْمُرْسَلُونَ ﴿۵۲﴾ أَقْرُوا حِينَ لَا يَنْفَعُهُمْ
 الْإِقْرَارُ وَقِيلَ يُقَالُ لَهُمْ ذَلِكَ إِنْ مَا كَانَتْ إِلَّا صِيحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا عِنْدَنَا
 مُخَضَّرُونَ ﴿۵۳﴾ فَالْيَوْمَ لَا تَنْظُمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا جِزَاءَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۴﴾ إِنَّ أَصْحَابَ
 الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ بَشُكْرٍ الْعَيْنِ وَضَمِّهَا عَمَّا فِيهِ أَهْلُ النَّارِ مِمَّا يَلْتَذُونَ بِهِ كَافِتِضَاضِ الْأَبْكَارِ
 لَا شُغْلٌ يَتَعَبُونَ فِيهِ لِأَنَّ الْجَنَّةَ لَا نَصَبَ فِيهَا فَكُهُونَ ﴿۵۵﴾ نَاعِمُونَ خَيْرٌ ثَانٍ لِأَنَّ وَالْأَوَّلِ فِي شُغْلٍ هُمْ
 مُبْتَدَأٌ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ جَمْعِ ظِلَّةٍ أَوْ ظِلِّ خَيْرٍ أَيُّ لَا تُصِيبُهُمُ الشَّمْسُ عَلَى الْأَرَابِكِ جَمْعُ أَرِيكَةٍ وَ
 هِيَ الشَّرِيرُ فِي الْحَجَلَةِ أَوْ الْفَرَشِ فِيهَا مُتَكُونُونَ ﴿۵۶﴾ خَيْرٌ ثَانٍ مُتَعَلِّقٌ عَلَى لَهُمْ فِيهَا فَالْكَهَّةُ وَهُمْ فِيهَا
 مَا يَدْعُونَ ﴿۵۷﴾ بِسْمَتُونَ سَلَامٌ مُبْتَدَأٌ قَوْلًا أَيُّ بِالْقَوْلِ خَيْرَةٌ مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ ﴿۵۸﴾ بِهِمْ أَيُّ يَقُولُ لَهُمْ
 سَلَامٌ عَلَيْكُمْ وَيَقُولُ امْتَارُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۵۹﴾ أَيُّ انْفِرُوا عَنِ الْمُؤْمِنِينَ عِنْدَ اجْتِلَاطِهِمْ
 بِهِمْ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ يَدِينُونَ أَدَمَ عَلَى لِسَانِ رُسُلِي أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۚ لَأَطِيعُوهُ إِنَّهُ
 لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۶۰﴾ بَيْنَ الْعَدَاوَةِ وَ أَنْ اعْبُدُونِي ۚ وَخِدُونِي وَأَطِيعُونِي هَذَا صِرَاطٌ طَرِيقٌ
 مُسْتَقِيمٌ ﴿۶۱﴾ وَ لَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا خَلْقًا جَمْعُ جَبَلٍ كَقَدِيمٍ وَفِي قِرَاءَةِ بِضَمِّ الْبَاءِ كَثِيرًا أَفَلَمْ
 تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿۶۲﴾ عَدَاوَتُهُ وَأَضْلَالُهُ أَوْ مَا حَلَّ بِهِمْ مِنَ الْعَذَابِ فَتُؤْمِنُونَ وَيُقَالُ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هَذِهِ
 جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۶۳﴾ بِهَا إِصْلَاحُهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۶۴﴾ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى
 أَفْوَاهِهِمْ أَيُّ الْكُفَّارِ لِقَوْلِهِمْ وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ وَ تَكَلَّمْنَا أَيْدِيهِمْ وَ تَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ وَ
 غَيْرُ مَا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۶۵﴾ فَكُلُّ غَضْوٍ يُطْلَقُ بِمَا صَدَرَ مِنْهُ وَ لَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَى أَعْيُنِهِمْ
 لِأَعْمَيْنَاهَا طَمَسًا فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ الطَّرِيقَ ذَاهِبِينَ كَعَادَتِهِمْ فَأَنَّى نَكْتِفُ بِبَصَرُونَ ﴿۶۶﴾

جَنَّتْ أَيُّ لَا يَبْصُرُونَ وَ لَوْ نَشَاءُ لَسَخْنَهُمْ قِرْدَةً وَ خَنَازِيرَ أَوْ حِجَارَةً عَلَى مَكَانَتِهِمْ وَ لِي قِزَازَةٌ مَكَانًا

تَبَهُمُ جَمْعُ مَكَانَةٍ بِمَعْنَى مَكَانٍ أَيُّ فِي مَنَازِلِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿٣٥٦﴾ أَيُّ لَمْ يَبْدُرُوا

عَلَى ذَهَابٍ وَلَا مَجِيئٍ

ترجمہ: اور صورت پھونکا جائے گا سو وہ سب یکا یک قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف جلدی جلدی چلے گئیں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہائے ہماری کہ سختی ہمیں کس نے ہماری لینے کی جگہ سے اٹھا دیا، یہ وہی ہے جس کا رحمن نے وعدہ فرمایا اور پیغمبروں نے بھی خبر دی۔ بس وہ ایک چیخ ہوگی سو وہ سب ہمارے پاس حاضر کر دیئے جائیں گے۔ سو اس دن کسی جان پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا اور تمہیں صرف انہیں کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے تھے۔ بلاشبہ آج جنت والے اپنے مشغولوں میں خوش ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں ہوں گے، مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں ان کے لیے میوے ہوں گے اور جو کچھ طلب کریں گے انہیں وہ ملے گا۔ مہربان رب کی طرف سے ان پر سلام ہوگا۔ اور اے مجرمو! آج علیحدہ ہو جاؤ۔ اے بنی آدم کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت مت کرنا، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اور میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ شیطان نے تم میں سے کثیر مخلوق کو گمراہ کر دیا۔ کیا تم سمجھ نہیں رکھتے تھے۔ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج تم اس میں داخل ہو جاؤ اپنے کفر کی وجہ سے۔ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ کلام کریں گے اور ان کے پاؤں اس کی گواہی دیں گے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھوں کو مٹا دیتے سو وہ راستے کی طرف دوڑتے پھرتے سو ان کو کہیں نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے تو انہیں ان کی جگہ پر سٹخ کر دیتے اس طرح پر کہ وہ جہاں ہیں وہی رہ جاتے جس کی وجہ سے یہ نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے کو لوٹ سکتے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: صِيْحَةً وَ اِحْدَاثًا: اس سے مراد لفظ ثانیہ مراد ہے۔

قولہ: وَ لَا تُجْزَوْنَ: یہ اس وقت کا منظر ہے جو ان کے سامنے ہوگا اس کی حکایت ہے۔

قولہ: نَصَبٌ: یہ مشقت کا معنی دیتا ہے۔

قولہ: ظَلَّلٌ: یہ ظِلَّة کی جمع ہے۔ جس کا سایہ لیا جائے۔

قولہ: مَا يَدْعُونَ: یعنی جو خود مانگیں گے۔

قولہ: بِالْقَوْلِ: اس سے مراد قول سے سلام ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو سلام ملے گا۔

قولہ: عِنْدَ اِخْتِلَاطِهِمْ: میل جول کے وقت یہ بات ان سے کہی جائے گی۔

قوله: **وَ اِنْ اَعْبَدُوْنِي** ۱: اس کا عطف **اَنْ لَا تَعْبُدُوْا** پر ہے۔

قوله: **بِقَوْلِهِمْ**: یہاں انکار مراد ہے۔

قوله: **عَلَىٰ مَكَاتِهِمْ**: انہی کی جگہوں میں کہ وہ پتھر بن جائیں۔

قوله: **مُضِيًّا**: جانا۔

قوله: **لَمْ يَقْدِرُوا**: مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے کفر کے باعث ایسے سلوک کے مستحق ہیں خواہ ہم رحمت کی وجہ سے نہ کریں۔

تفسیر مقبولین

وَلَفِخَ فِي الصُّورِ فَاذَاهُمْ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۵۰

ان آیتوں میں دوسرے لفظ کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس سے مراد ہے جی انھیں گے۔ چنانچہ جب صور میں پھونک مار دی جائے گی تو سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے۔ **يَنْسِلُوْنَ** ۵۰، نسلان سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی دوڑنے اور تیز چلنے کے ہیں۔ (ابن جریر، ابن کثیر، جامع، مغنۃ، مراغی وغیرہ)۔ سو اس روز ایک جھڑکی ملتے ہی یہ منکرین و مکذبین بغیر کسی ٹال مٹول اور حیل و حجت کے اپنے خالق و مالک کے حضور حاضری کے لئے دوڑ پڑیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: **يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْاَجْدَاثِ يَسرًا عَاثَا كَاٰتِهِمْ اِلَىٰ نَصِيبٍ يُّؤْفَضُونَ** {العارج: 43} اور ان کی وہ تمام اکڑفوں اور اسٹکباریکس ختم ہو جائے گا جس سے یہ بد بخت اور منحوس لوگ آج کام لے رہے ہیں۔ اور اس روز یہ اپنی زبان سے اس کی تسبیح کرتے اور اس کی حمد و ثنا کے گیت گاتے ہوئے اس کے حضور حاضر ہوں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا: **يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهَا وَتَنظُرُوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا** {بنی اسرائیل: 52} سو قیامت کے پھا کرنے کیلئے کسی تیاری کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ صرف حضرت قادر مطلق کے حکم و ارشاد کی ضرورت ہوگی۔ اور جو نبی حکم ہوگا یہ سب آ موجود ہوں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ وہ تو بس ایک جھڑکی ہوگی جس کے نتیجے میں یہ سب کے سب میدان میں آ موجود ہوں گے۔ سو قیامت تو چشم زدن میں پھا ہو جائے گی اور تمہیں جو فرصت ملی ہوئی ہے وہ صرف تمہاری بہتری کیلئے ہے کہ تم اس کیلئے تیاری کر سکو اور ہمیشہ کے عذاب سے بچ جاؤ۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا۔۔۔

مذاق اڑانے والوں کا حال قیامت کے روز:

اس ارشاد سے مذاق اڑانے والے کفار و منکرین کا حشر کے روز انتہائی یاس و حسرت کے اظہار و اعلان کو ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ انتہائی یاس و حسرت کے عالم میں کہیں گے ہائے ہماری کم بختی۔ یہ کس نے اٹھا دیا ہمیں ہماری قبروں سے؟ جو اب ملے گا کیا ہے وہ کچھ جس کا وعدہ فرمایا تھا خدائے رحمن نے اور سچی ثابت ہوئی بات پیغمبروں کی۔ یہ جواب ان کو فرشتوں کی طرف

سے دیا جائے گا یا اہل ایمان کی طرف سے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی ایک دوسرے کو اس طرح جواب دیں۔ ابن جریر وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ الفاظ میں بہر کیف ان سب ہی احتمالات کی گنجائش موجود ہے۔ سو اس روز یہ لوگ بڑے ہی حسرت بھرے انداز میں ایسے کہیں گے کہ خدائے رحمن نے بھی سچ فرمایا تھا اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں نے بھی سچ کہا تھا۔ اور اس موقع پر یہ لوگ اپنے ایمان و یقین کا اظہار و اعلان کریں گے۔ لیکن کہاں اور کیسے؟ اس کا وقت تو گزر چکا ہوگا: (وَأَنَّى لَهُمُ التَّنَادُ وُشٍ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ) سو یہ اہل کفر و باطل کی حسرت اور ان کی انتہائی ملامت کا اظہار ہوگا۔ مگر بے وقت کی اس ندامت کا ان کو کوئی فائدہ بہر حال نہیں ہوگا۔ سو اس روز مذاق اڑانے والے ان منکروں کا حال بہت برا ہوگا۔ ان کو نہایت ہی سخت ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور ان کی تذلیل و تخریل کے لیے ان سے کہا جائے گا کہ یہی ہے فیصلے کا وہ دن جس کو تم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی اس طرح تصریح فرمائی گئی۔ (هَذَا يَوْمُ الْفَضْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكذِّبُونَ) (الصفات: 21) سو یہی ہے فیصلے کا وہ دن جس کو تم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔ سواب سرپیٹو اپنی بدبختی پر۔

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَبِيحٌ لَدَيْنَا مَحْضُرُونَ ﴿۲۱﴾

جس طرح دنیاوی عذاب ان لوگوں پر کسی بھی صورت میں، اور کسی بھی وقت میں آ سکتا ہے، اسی طرح آخرت کا وہ یوم حساب جس میں سب کو ان کے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا وہ بھی صور میں پھونک مار دینے کے نتیجے میں اس طرح فوری طور پر واقع ہو جائیگا کہ نفع صور کی آواز سنتے ہی سب کے سب لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑ رہے ہونگے، اور سرا سگی اور گھبراہٹ کے عالم میں کہہ رہے ہونگے کہ کس نے ہمیں اٹھا دیا ہماری قبروں سے؟ جواب ملے گا کہ یہ وہی چیز ہے جس کا خدائے رحمان نے وعدہ فرمایا تھا، اور اسکے رسولوں نے اسکے اس سچے وعدے کو تم لوگوں تک پہنچا دیا تھا مگر تم نے نہیں مانا تھا، تو اس یوم حساب کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ وہ محض ایک جھڑکی اور ڈانٹ ہوگی جس کے نتیجے میں یہ سب کے سب ایک ساتھ ہمارے یہاں موجود ہونگے یعنی سب چھوٹے بڑے امیر و مامور، اور عابد و معبود وہاں سب کے سب ہمارے یہاں حاضر ہونگے۔ جہاں انہوں نے اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا حساب دینا اور اس کا پھل پانا ہے۔ تاکہ اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں، اور بدرجہ تمام و کمال پورے ہوں، سو اس یوم عظیم کا قیام و وقوع تقاضاء عقل و نقل اور وجود کائنات کا طبعی مقصد ہی ہے، اسلئے اس کا انکار نہایت ہی ہولناک خسارے کا سودا ہے،

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ﴿۲۲﴾

اہل جنت کی نعمتوں کا تذکرہ، وہ اپنی بیویوں کے ساتھ سایوں میں تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان آیات میں اہل جنت کی بعض نعمتوں کا تذکرہ فرمایا، اول تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ اپنے اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: (وللرأد به ما هم فی من النعمیم الذی شغلهم عن کل ما یخطر بالبال) یعنی مشغول سے وہاں کی نعمتوں میں مشغول رہنا مراد ہے، وہاں کی نعمتیں ہر اس چیز کے تصور سے بے پردہ کر دیں گی جن کا تصور آ سکتا ہو۔ فَاكِهُونَ ﴿۲۲﴾ کا ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے یعنی وہ اپنی نعمتوں میں خوش ہوں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ

اس سے تنوع اور تلذذ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس میوے موجود ہوں گے جن میں سے کھایا کریں گے۔

(روح المعانی)

پھر فرمایا کہ اہل جنت اور ان کی بیویاں سایوں میں ہوں گے جہاں ناگوار گرمی ذرا نہ ہوگی الاذآب یعنی مسہریوں پر ہوں گے، یہ (آرٹیکل) کی جمع ہے، (اریکھ) مسہری کو کہتے ہیں۔

مُتَّكِئُونَ ﴿۱۰﴾ تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ سورۃ الواقعہ میں فرمایا: (عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ مَّتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَّقَابِلِينَ) (وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔)

مزید فرمایا: لَّهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَ لَهُمْ مَّا يَدْعُونَ ﴿۱۱﴾ (اس میں ان کے لیے میوے ہوں گے اور جو کچھ طلب کریں گے انہیں وہ ملے گا) اس میں یہ بتا دیا کہ اہل جنت کی جن نعمتوں کا صریح طور پر تذکرہ کر دیا گیا ہے صرف انہی نعمتوں میں انحصار نہیں ہے، وہ لوگ وہاں جو کچھ بھی طلب کریں گے سب کچھ حاضر کر دیا جائے گا۔ سورۃ الزخرف میں فرمایا: (وَفِيهَا مِمَّا تَشْتَهُونَ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ) (اور اس میں وہ چیزیں ملیں گی جن کی ان کے نفسوں کو خواہش ہوگی اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی۔)

اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام آئے گا جسے سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ ﴿۱۲﴾ فرما کر بتایا ہے، کیا کہنے ان بندوں کے لیے کہ ان کے رب کا سلام آئے۔

حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کے درمیان کہ اہل جنت اپنی نعمتوں میں ہوں گے اچانک ایک نور کی چمک ہوگی اور کو اپنے سراٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ رب جل شانہ نے ان پر توجہ فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا: (السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۲، ۱۱۱) وَأَمَّا زُورُ الْيَوْمِ أَهْلُ الْمَجْرُمُونَ ﴿۱۳﴾

حجرین سے خطاب اور ان کے عذاب کا تذکرہ:

اہل جنت کا ارادہ انعام بیان فرمانے کے بعد اہل دوزخ کی تباہی اور بربادی کو بیان فرمایا جو قیامت کے دن ان کے سامنے آئے گی۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ان سے خطاب ہوگا کہ اے مجرمو! آج تم علیحدہ ہو جاؤ، دنیا میں تم اہل ایمان کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے اور قبروں سے نکل کر بھی میدان حشر میں اکٹھے جمع ہوئے ہو اب تم ان سے علیحدہ ہو جاؤ کیونکہ ان کو جنت میں جانا ہے اور تم کو دوزخ میں جانا ہے۔ (یہ آیت بہت زیادہ فکر مند بنانے والی ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ ایک مرتبہ پوری رات نفل نماز میں کھڑے رہے اور اسی آیت مبارکہ کو پڑھتے رہے) اس میں فکر کی بات یہ ہے کہ جس وقت یہ حکم ہوگا اس وقت میں کن لوگوں میں ہوں گا حجرین میں ہوں گا یا مؤمنین میں۔

کافروں سے یہ خطاب بھی ہوگا: اَلَمْ نَعْهَدُ لَیْسَکُمْ (آلہ) اے آدم کی اولاد کیا میں نے تمہیں یہ تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت مت کرنا یعنی اس کی فرمانبرداری مت کرنا اور اس کے کہنے کے مطابق عمل نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا

دشمن ہے اور تمہیں تاکید کی تھی کہ میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے (تم اس سیدھے راستے سے ہٹ گئے) وَلَقَدْ أَضَلُّ مِنْكُمْ
 (الآیۃ) اور یہ بات واقعی ہے کہ شیطان نے تم میں سے کثیر مخلوق کو گمراہ کر دیا، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے تھے۔ (اب اس گمراہی کا بدلہ
 ملے گا۔) هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ
 تَكْفُرُونَ ۝ (آج اس میں داخل ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔)

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰۤاٰدَمُۤاَنْ لَا تَعْبُدُوْا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ

یعنی تمام بنی آدم کو (بلکہ جنات کو بھی) مخاطب کر کے قیامت میں کہا جائے گا کہ کیا میں نے دنیا میں تم کو یہ ہدایت نہ کی تھی
 کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ کفار عموماً شیطان کی تو عبادت نہ کرتے تہوں کو یا دوسری چیزوں کو پوجتے
 تھے، اس لئے ان پر عبادت شیطان کا الزام کیسے عائد ہوا؟ جواب یہ ہے کہ کسی کی اطاعت مطلقہ کرنا کہ ہر کام ہر حال میں اس کا
 کہنا مانے اسی کا نام عبادت ہے چونکہ ان لوگوں نے ہمیشہ شیطانی تعلیم ہی کی پیروی کی، اس لئے ان کو عابد شیطان کہا گیا۔ جیسا
 کہ حدیث میں اس شخص کو جو مال یا بیوی کی محبت میں آ کر ہر وہ کام کرنے لگے جس سے مال بڑھے یا بیوی راضی ہو اگرچہ خدا
 تعالیٰ اس سے ناراض ہو ایسے شخص کو حدیث میں عبدالدرہم اور عبدالزوجہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤىٓ اَفْوَاهِهِمْ وَنُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيهِمْ وَنَنصُرُهُمْ اَرْجُلَهُمْ بِمَا كَانُوۡا يَكْسِبُوۡنَ ۝

مجرمین کے خلاف ان کے اعضاء کی گواہی:

جب مجرم لوگ اپنے اعمال کا انکار کر دیں گے کہ ہم نے تو یہ جرم کیے ہی نہیں۔ جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے کہ وہ
 کہیں گے کہ اس پر کوئی گواہ ہی نہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ تو اس پر ان کے منہوں پر مہر کر دی جائے گی جس سے ان کی بولتی ہند
 ہو جائے گی اور ان کے ہاتھ پاؤں خود گواہی دینے لگیں ان سب کاموں کی جو یہ لوگ کرتے رہے تھے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ
 مِنْ كُلِّ مُكَلِّبٍ سُوْءٍ وَ مَكْرُوْهُ۔ بہر کیف فصل تمیز کے اس دن میں ان لوگوں کے منہوں پر مہر کر دی جائے گی جس سے ان کی بولتی ہند
 ہو کر رہ جائے گی اور اس کے بعد یہ نہ کوئی بہانہ بازی کر سکیں گے اور نہ ہی کوئی حجت پیش کر سکیں گے۔ اور انکے ہاتھ پاؤں خود
 انکے کیے کرائے کی گواہی دیں گے جس سے ان پر حجت قائم ہو جائے گی۔ اور یہ حجت تمام جہتوں پر بھاری ہوگی۔ سوز بان چونکہ
 جھوٹ بھی بول سکتی ہے، عذر بھی تراش سکتی ہے، لیکن ہاتھ پاؤں وہی کچھ بیان کریں گے جو انہوں نے کیا ہوگا۔ اس لیے ان کی
 زبانیں بند کر دی جائیں گی۔ اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں سے ان کے خلاف گواہی دلوائی جائے گی۔ اور ان کے اپنے ہاتھ
 پاؤں گواہی دیں گے انکے سب کیے کرائے کی۔ سو اس کے بعد ان کے لئے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی اور ان کو مانے
 اور تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہے گا۔ کیونکہ یہ ان کے سامنے اوردوں کے خلاف ایسی کھلی اور ٹھوس گواہی ہوگی جس سے بڑھ کر
 قطعی اور یقینی گواہی اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ اور اس طرح ہاتھ پاؤں کی اس گواہی کے بعد ان لوگوں پر سب سے ٹھوس اور قطعی
 حجت قائم ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں مجرموں کا جرم اس قدر قطعی اور واضح طور پر ثابت ہو جائے گا کہ اس کے لیے مزید کسی
 پوچھ پچھ کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح فرمادی گئی کہ کسی انسان یا جن سے کچھ پوچھنے کی کوئی

ضرورت نہ رہے گی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: { فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ } (الرحمن: 39)۔ اور اس وقت مجرم لوگ اپنے ان اعضاء و جوارح سے براہم ہو کر کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف اس طرح گواہی کیوں دی؟ تو وہ جواب میں اس سے کہیں گے کہ ہمیں تو اسی اللہ نے گویائی بخش ہے جس نے ہر چیز کو گویا کیا ہے۔ (م اسجدہ: 21)

وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ﴿۵﴾

اس کے بعد فرمایا: وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ.... اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو ختم کر دیں پھر وہ راستے کی طرف دوڑیں سو ان کو کہاں نظر آئے۔ وَلَوْ نَشَاءُ لَسَخْنَهُمْ.... اور اگر ہم چاہیں تو ان کی جگہوں پر ہی ان کی صورتوں کو مسخ کر دیں تو انہیں نہ گزرنے کی طاقت رہے نہ واپس ہو سکیں۔

ان دو آیتوں میں یہ بتایا کہ ہم دنیا میں بھی سزا دینے پر قدرت رکھتے ہیں اور ان سزاؤں کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہم ان کی آنکھوں کو ختم کر دیں یعنی چہرہ کو سپاٹ بنا دیں آنکھیں باقی ہی نہ رہیں، آگے بڑھنا چاہیں تو کچھ بھی نظر نہ آئے، اسی طرح ہم ان ہی کی جگہ رکھتے ہوئے انہیں مسخ بھی کر سکتے ہیں یعنی ان کی صورتیں بدل سکتے ہیں جیسے گذشتہ امتوں میں سے بعض لوگ بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے، جب نجانور ہی بن جائیں تو جہاں تھے وہیں رہ جائیں نہ آگے بڑھ سکیں نہ پیچھے ہٹ سکیں، جو مقاصد دنیاویہ لے کر نکلے تھے ان کا ہوش ہی نہ رہے گا۔

وَمَنْ نُعَمِّرْهُ لَا أَبْطَالُهُ أَجَلُهُ نُنَكِّسُهُ وَفِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ بِالتَّشْدِيدِ مِنَ التَّنْكِيسِ فِي الْخَلْقِ ۚ أَيُّ خَلْقُهُ فَيَكُونُ بَعْدَ قَوْلِهِ وَشَبَابِهِ ضِعْفًا وَهَرَمًا أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۵﴾ إِنَّ الْقَادِرَ عَلَىٰ ذَلِكَ الْمَعْلُومِ عِنْدَهُمْ قَادِرٌ عَلَىٰ الْبَعْثِ فَيَوْمَئِذٍ وَفِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَمَا عَلَّمْنَاهُ أَيُّ النَّبِيِّ لَشَعْرٍ رَدِّ قَوْلِهِمْ إِنَّ مَا آتَىٰ بِهِ مِنَ الْقُرْآنِ شِعْرٌ وَمَا يَنْبَغِي يُسْتَهْلَلُ لَهُ ۗ الشِّعْرُ إِنْ هُوَ لَيْسَ الَّذِي آتَىٰ بِهِ إِلَّا ذِكْرٌ عِظَةٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴿۶﴾ مُظْهِرٌ لِلْأَحْكَامِ وَغَيْرِهَا لِيُنذِرَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالنَّارِ بِهِ مَنْ كَانَ حَيًّا يَعْقِلُ مَا يَخَاطَبُ بِهِ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَيَحِقُّ الْقَوْلُ بِالْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿۷﴾ وَهُمْ كَالْمَيِّتِينَ لَا يَعْقِلُونَ مَا يَخَاطَبُونَ بِهِ أَوْ لَمْ يَرَوْا يَعْلَمُوا وَإِلَّا سَتَفِهُمَ لِلتَّقْرِيرِ وَالْوَاوِ وَالذَّخْلِ عَلَيْهَا لِلْعَطْفِ أَتَا خَلَقْنَا لَهُمْ فِي جُمْلَةِ النَّاسِ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَيُّ عَمَلْنَاهُ بِلَا شَرِيكَ وَلَا مَعِينٍ أَنْعَامًا هِيَ الْإِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالغَنَمُ فَهُمْ لَهَا مٰلِكُونَ ﴿۸﴾ ضَابِطُونَ وَذَلَّلْنَاهَا سَخَّرْنَاهَا لَهُمْ فَيَنْهَا رُكُوبُهُمْ مَرْكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿۹﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَأَصْوَابِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا وَشَارِبٌ ۚ مِنْ لَبَنِهَا جَمْعٌ مَشْرَبٌ بِمَعْنَى شُرْبٍ أَوْ مَوْضِعُهُ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۱۰﴾ الْمُنْعِمُ عَلَيْهِمْ بِهَا

فَيَوْمَئِذٍ أَيُّ مَا فَعَلُوا مِنْ ذَلِكَ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَيُّ غَيْرِهِ إِلَهَةً أَصْنَامًا يَعْبُدُونَهَا لَعَلَّهُمْ
يُنصَرُونَ ۝ يُمنعون من عذاب الله بشفاعته اليههم بزعمهم لا يستطيعون أي اليههم نزلوا منزلة
العقلاء نصرهم ۝ وهم أي اليههم من الأصنام لهم جندا بزعمهم نصرهم محضرون ۝ في النار
معهم فلا يحزنك قولهم ۝ لك لست مرسلًا وغير ذلك إنا نعلم ما يسرون وما يعلنون ۝ من
ذلك وغيره فنجازيهم عليه أو لم ير الإنسان يعلم وهو العاص بن وائل إنا خلقناه من نطفة مني
إلى أن صيرنا شديدًا قويًا فإذا هو خصيم شديد الخصومة لنا مبین ۝ بينها في نفى البعث و
ضرب لنا مثلًا في ذلك ونسي خلقه من المني وهو أعرب من مثله قال من يحي العظام وهن
رميم ۝ أي بالية ولم يقل بالتاء لأنه اسم لا صفة روى أنه أخذ عظامًا ميمًا ففتته وقال للنبي صلى
الله عليه وسلم أتري يحي الله هذا بعد ما بلى ورم فقال صلى الله عليه وسلم نعم ويذخلك النار قل
يحييها الذي أنشأها أول مرة ۝ وهو بكل خلق أي مخلوق عليهم ۝ مجملًا ومفصلًا قبل خلقه
وبعد خلقه ۝ الذي جعل لكم في جملة الناس من الشجر الأخضر المرخ والعفار أو كل شجر الأ
عناب نارًا فإذا أنتم منه توقدون ۝ تقدحون وهذا دل على القدرة على البعث فإنه جمع فيه
بين الماء والنار والخشب فلا الماء يطفئ النار ولا النار تحرق الخشب أو ليس الذي خلق السموات
والأرض مع عظيمها بقدر على أن يخلق مثلهم ۝ أي الأناس في الصغر بل أي هو قادر على
ذلك أحاب نفسه وهو الخلق الكثير العليم ۝ بكل شيء إنما أمره شأنه إذا أراد شيئاً أي
خلق شيء أن يقول له كن فيكون ۝ أي فهو يكون وفي قراءة بالتصبي عطفًا على يقول فسبحن
الذي بيده ملكوت ما هو الوار والتاء للمبالغة أي القدرة على كل شيء ۝ وإلى ترجعون ۝

تردون في الآخرة

تکچمہا: اور ہم جس کو درازی عمر دیتے ہیں اس کی عمر لمبی کر کے تو اس کو لوٹا دیتے ہیں کہ ایک قراءت میں لفظ ننکسہ تشدید

کے ساتھ تنکیس سے ماخوذ ہے طبعی حالت میں یعنی اس کی خلقت الٹ جاتی ہے طاقت و جوانی کے بعد کمزور اور بوڑھا ہو جاتا ہے سو کیا وہ لوگ نہیں سمجھتے کہ جو ذات ان کی اس معلوم چیز پر قدرت رکھتی ہے وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے لہذا ان کو ایمان لے آنا چاہئے ایک قراءت میں تعقلون تاکہ ساتھ ہے اور ہم نے آپ یعنی نبی کو شاعری نہیں سکھائی کفار کی اس بات کی تردید ہے کہ آپ ﷺ کو جو قرآن دیا گیا ہے شعر ہے اور آپ ﷺ کے شایان بھی نہیں ہے۔ یعنی شعر وہ تو جو کلام پیش کر رہے ہیں محض نصیحت اور واضح آسمانی کتاب ہے۔ جس میں احکام وغیرہ کا بیان ہے تاکہ اس کے ذریعہ ڈرائیں یا اور تاکہ ساتھ ہے زندہ محض کو جو اس کلام کو سمجھتا ہو یعنی اہل ایمان کو اور ثابت ہو لازم یعنی عذاب کافروں پر ثابت ہو جن کی مثال مردوں جیسی ہے جو کلام سمجھتے ہی نہیں کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کیا یعنی نہیں جانتے استفہام تقریری ہے اور داؤد عطف ہے کہ ہم نے ان کے لیے منجملہ اور لوگوں کے پیدا کئے، اپنے ہاتھ کی ساختہ چیزوں میں سے جنھیں ہم ہی نے بلا کسی شریک اور مددگار پیدا کیا، موسیٰ اونٹ، گائے، بکری پھر یہ لوگ ان کے مالک قابض بن رہے ہیں اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کا بیگاری تابع محض بنا دیا ہے سوان میں سے بعض تو ان کی سواریاں رکوب مرکوب کے معنی میں ہے اور بعض کو وہ کھاتے ہیں اور ان میں مویشیوں میں لوگوں کے منافع ادن، رواں بال بھی ہیں اور پینے کی چیزیں بھی ہیں یعنی ان کا دودھ، مشارب، مشرب کی جمع ہے پینے، یا پینے کی جگہ کے معنی میں ہے سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے ان انعامات کا کہ ایمان لے آتے یعنی انھوں نے ایسا نہیں کیا اور انھوں نے غیر اللہ کو معبود بنا رکھا ہے یعنی بت پرستی کرتے ہیں اس امید پر کہ ان کی مدد کی جائے گی، انکا خیال یہ ہے کہ جنوں کی سفارش سے انہیں عذاب الہی سے خلاص مل جائے گی، وہ ان کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے یعنی ان کے معبود جن کو کلام میں عقلاء کے درجہ میں فرض کر لیا گیا ہے اور وہ یعنی ان کے معبودیت ان لوگوں کے حق میں ان کی مدد کے گمان پر فریق بن جائے گے جو ان کے ساتھ جہنم میں حاضر کئے جائیں گے، سوان کی باتیں مثلاً یہ کہ آپ ﷺ پیغمبر نہیں ہیں آپ کے لیے باعث آزر دگی نہیں ہونی چاہئیں۔ بلاشبہ ہم سب کچھ جانتے ہیں جو یہ دل میں رکھتے ہیں اور جو کچھ ظہر کرتے ہیں، بالخصوص اس بارے میں اور دوسری چیزوں کے متعلق لہذا ہم ان کو اس پر مزادیں گے۔ کیا آدمی کو یہ بات معلوم نہیں، یعنی عاص بن دائل نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے منی سے یہاں تک ہم نے اسے مضبوط طاقور بنا دیا، پھر لگاؤ جھگڑنے زبردست جھگڑا کرنے والا ہم سے کھلم کھلا قیامت کے انکار میں اور ہماری شان میں اس کے متعلق ایک عجیب مضمون اس نے بیان کر ڈالا اور اپنی پیدائش بھول گیا جو منی کے قطرہ سے ہوئی ہے حالانکہ وہ اس کی مثال سے بھی بڑھ کر غریب ہے کہنے لگا کون ہے جو زندہ کر دے فریوں کو جب وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں یعنی بودی اور لفظ مہیم تاکہ ساتھ نہیں لایا گیا، کیوں کہ یہ اسم ہے صفت نہیں ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ عاص بن دائل نے ایک پرانی ہڈی اٹھائی اور اسے چورا چورا کر کے حضور ﷺ سے عرض کرنے لگا، کیا آپ کا خیال ہے کہ اللہ اسے اتنی پرانی ہونے کے باوجود بھی زندہ کر دے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک! اور تجھے جہنم رسید کرے گا، آپ ﷺ جواب میں فرمادیتے تھے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار ان کو بنایا اور سب خلقت مخلوق کو جانتا ہے، اجمالاً بھی تفصیلاً بھی پیدا کرنے سے پہلے بھی اور پیدا کرنے کے بعد بھی وہ ایسا ہے کہ اس نے تمہارے لیے منجملہ عام لوگوں کے پیدا کردی ہرے بھرے درخت سے مرغ اور عفار نامی درختوں سے یا عام درختوں سے عناب کے درخت کے علاوہ آگ

پھر تم اس سے اور آگ سگالیتے ہو جلا لیتے ہو یہ قدرت علی البعث کی دلیل ہے کیوں کہ درخت میں پانی کی آگ اور لکڑی جمع کر دی ہے پس نہ پانی آگ کو بجھاتا ہے اور نہ آگ لکڑی کو جلاتی ہے کیا جس نے آسمان وزمین بڑے بڑے پیدا کئے وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسوں معمولی انسانوں کو پیدا کر دے؟ ضرور ہے یعنی انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے یہ اللہ نے خود جواب ارشاد فرمایا ہے اور وہی بڑا پیدا کرنے والا بہت سی مخلوق کو خوب جانے والا ہے، ہر شئی کا بس اس کی معمولی شان تو یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو حکم ڈالتا ہے کہ ہو جا بس ہو جاتی ہے یعنی بن جاتی ہے اور ایک قراءت میں کیوں نصب کے ساتھ یقول پر عطف کرتے ہوئے سو اس کی پاک ذات ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا پورا اختیار ہے ملکوت اعلیٰ میں ملک ہے جس میں واؤ اور تا مبالغہ پیدا کرنے کے لیے زیادہ کر دیئے گئے۔ مراد قدرت ہے اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر رہا ہے آخرت میں اسی کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔

کلمات تفسیر یہ کی توضیح و تشریح

قولہ: نُنَكِّسُهُ: ہم اس کو اس میں اوندھا کر دیتے ہیں۔
 قولہ: عَمَلْنَا: اس میں ہاتھوں کا تذکرہ استعارۃ کے طور پر ہے۔ جس سے مبالغہ و اختصاص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔
 قولہ: هِيَ الْاِبِلُ: اس کا خصوصی تذکرہ فطری عجائب اور کثرت منافع کی وجہ سے ہے۔
 قولہ: مَشَارِبٌ: جمع مشرب مصدر سے ہے۔
 قولہ: مَنَلَا: عجب بات۔
 قولہ: الْمَرْخِ وَالْعَفَّارِ: یہ دونوں درخت ہیں جن کی باریک ٹہنیوں کے آپس میں رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی ہے۔
 قولہ: فَلَا الْمَاءُ: یہ تو جب ٹہنی مائیں پانی سے آگ بجھتی ہے۔
 قولہ: بِقِرَائَةٍ بِالنَّصَبِ: اب ہو مقدر کی ضرورت نہیں۔

تفسیر مقبولین

وَمَنْ نُعَمِّرُهُ نُنَكِّسُهُ فِي الْخَلْقِ ۗ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۷۰﴾

نعم، تعمیر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں عمر دراز دینے کے، اور ننکسہ، تنکیس سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اوندھا لانا کر دینے کے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ایک اور مظہر کا بیان فرمایا ہے کہ، انسان و حیوان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے زیر تصرف ہے، قدرت کا عمل اس میں مسلسل جاری ہے، ایک گندے اور بے جان قندوس اس کا وجود شروع ہوا، بطن مادر کے تین اندھیریوں میں اس خلاصہ کائنات اور عالم اصغر کی تخلیق ہوئی، کیسی کیسی نازک مشینیں ال

کے وجود میں ہیوست کی گئیں پھر روح ڈال کر زندہ کیا گیا، نو مہینے بطنِ مادر کے اندر اس کی تربیت اور نشوونما ہو کر ایک مکمل انسان بنا اور اس دنیا میں آیا۔ تو مکمل ہونے کے باوجود اس کی ہر چیز ضعیف و کمزور ہے۔ قدرت نے اس کے مزاج کے مناسب غذا ماں کی چھاتیوں میں پیدا کر دی جس سے اس کو تدریجی توانائی ملی، اور اس وقت سے جوانی تک کتنے مراحل سے گزر کر اس کے سب نئی مضبوط ہوئے، قوت و شوکت کے دعوے ہونے لگے، ہر مقابل کو شکست دینے کے حوصلے پیدا ہوئے۔

پھر جب خالقِ ذوالک کو منظور ہوا تو اب ان سب طاقتوں و قوتوں میں کمی شروع ہوئی، کمی بھی بے شمار مراحل سے گزرتے ہوئے بالآخر بڑھاپے کی آخری عمر تک پہنچی۔ جہاں پہنچ کر غور کیا جائے تو پھر وہ اس منزل میں پہنچ گیا جس سے بچپن میں گزرا تھا۔ ساری عادتیں خصلتیں بدلنے لگیں، جو چیزیں سب سے زیادہ محبوب تھیں وہ بغرض نظر آنے لگیں، جن سے راحت ملتی تھی اب وہ موجب کلفت بن گئی ہیں۔ اسی کو قرآن کریم نے تنگیس یعنی اوندھا کر دینے سے تعبیر فرمایا ہے۔ ونعم قال:

من عاش اخلقت الايام حدته۔ و خانہ ثقناہ السمع والبصر

”یعنی جو شخص زندہ رہے گا تو زمانہ اس کی حدت و شدت کو بوسیدہ اور پرانا کر دے گا، اور اس کے سب سے بڑے دو ثقہ دوست یعنی شنوائی اور بینائی کی طاقتیں بھی اس سے خیانت کر کے الگ ہو جائیں گی۔“

یعنی انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ اعتماد اپنی آنکھ سے دیکھی یا کان سے سنی ہوئی چیز پر ہوتا ہے۔ بڑھاپے کے آخر عمر میں یہ بھی قابل اعتماد نہیں، گراں گوشی کے سبب بات پوری سمجھنا مشکل، ضعف بینائی کے سبب صحیح صحیح دیکھنا مشکل۔ متنبی نے اسی مضمون کو کہا ہے

ومن صحب الدنيا طويلا تغلبت۔ على عينه حتى يري صدقها كذبا

”یعنی جو شخص دنیا میں زیادہ زندہ رہے گا دنیا اس کی آنکھوں کے سامنے ہی پلٹ جائے گی یہاں تک کہ جس چیز کو پہلے سچ جانتا تھا وہ جھوٹ معلوم ہونے لگے گی“

انسان کے وجود میں یہ انقلابات قدرت حق تعالیٰ شانہ، کا عجیب و غریب مظہر تو ہے ہی، اس میں انسان پر ایک عظیم احسان بھی ہے، کہ خالق کائنات نے جتنی طاقتیں انسان کے وجود میں ودیعت فرمائی ہیں، وہ درحقیقت سرکاری مشینیں ہیں، جو اس کو دے دی گئی ہیں، اور یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ یہ تیری ملک نہیں اور دائمی بھی نہیں، بالآخر تجھ سے واپس لی جائیں گی۔ اس کا تقاضا ظاہری یہ تھا کہ جب وقت مقدر آ جاتا سب طاقتیں بیک وقت واپس لے لی جاتیں مگر موائے کریم نے ان کی واپسی کی بھی بڑی مہربانی کی اور تدریجی طور پر واپس لیا ہے تاکہ انسان متنبہ ہو کر سفر آخرت کا سامان کر لے۔ واللہ اعلم

دَمَا عَلَنَهُ لَشِعْرًا وَمَا يُكَلِّمُنِي لَهُ إِلَّا ذِكْرًا وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴿١﴾

شاعری رسول اللہ ﷺ کی شان کے لائق نہیں:

مشرکین عرب اور خاص کر اہل مکہ جب قرآن مجید سنتے تھے تو یہ جانتے ہوئے کہ نہ اس میں اشعار ہیں نہ شاعرانہ خیالی

مضامین ہیں پھر بھی قرآن مجید کے بارے میں یوں کہہ دیتے تھے کہ یہ شاعرانہ باتیں ہیں، ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ (ہم نے اپنے نبی ﷺ کو شعر نہیں سکھایا) وَمَا يَكْفِيكَ لَهْلَاهُ (اور نہ شعر کہنا ان کی شان کے لائق ہے) سو جب وہ شعر کہنا جانتے ہی نہیں اور ان کی شان کے لائق ہی نہیں تو تمہارے سامنے شاعرانہ باتیں کیسے بیان کر سکتے ہیں؟ شاعرانہ تخیلات تو جھوٹے ہوتے ہیں، ان میں جب تک ان کہنی نہ ہو اس وقت تک شعر شعر ہی نہیں ہوتا، پھر یوں بھی دیکھنا لازم ہے کہ یہ جو قرآن کریم آپ پیش فرماتے ہیں یہ شعر نہیں ہے نہ اس میں خیالی مضامین ہیں نہ شاعرانہ تک بندیاں ہیں بلکہ لفظی اعتبار سے نہایت فصیح اور بلیغ اور محکم کلام ہے اور معنوی اعتبار سے اس کے مضامین اعلیٰ درجہ کے محقق ہیں اور سراپا سچ ہیں لیکن دشمن جب اعتراض پر آجائے تو اندھا بن جاتا ہے پھر اسے حق اور ناحق کی کچھ تمیز نہیں رہتی۔

إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴿۱﴾ (وہ تو بس ایک نصیحت ہے اور قرآن مبین ہے) لَيُنذِرَ مَنْ كَانَ حَسْبًا ﴿۲﴾ کہ وہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے) یعنی عقل رکھتا ہے اور اسے حق اور ناحق کی سوچ بوجھ ہے، بے عقلی کی وجہ سے اموات کے درجہ کو نہیں پہنچا۔ وَيَجِيءُ الْقَوْلَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳﴾ (اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے) یعنی جب قیامت کے دن کافروں کو عذاب ہونے لگے تو ان کے عذر پیش کرنے پر صاف صاف کہہ دیا جائے کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا رسول پہنچا اس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب سنائی ایمان کی دعوت دی لیکن تم نے نہیں مانا اور خود ہی مستحق عذاب ہوئے، آج کوئی معذرت کام دینے والی نہیں۔
أَوْ لَعْنَةُ يَوْمَآ خَلَقْنَا لَهُمْ مِنَّمَا عَمِلْتُمْ آيَاتِنَا أَنْعَامًا فَهَمُّ لَهَا مَلِكُونَ ﴿۴﴾

آیاتِ کونہ میں غور و فکر کی دعوت:

ارشاد فرمایا کیا ان لوگوں نے کبھی ان چیزوں میں غور نہیں کیا جن کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا؟ یعنی خاص حکمت کے ساتھ اور اہتمام سے بنایا ہے۔ جن سے یہ لوگ زندگی میں طرح طرح کے فائدے اٹھا رہے ہیں۔ سو جب یہ سب چیزیں ہم نے پیدا کیں، کسی اور کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں، تو پھر ہمارا کوئی شریک کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور ہمارے ساتھ کسی اور کیلئے کسی بھی طرح کی عبادت و بندگی کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے؟ سو اگر یہ لوگ ان چیزوں میں غور و فکر سے کام لیں تو ان کے سامنے واضح ہو جائے کہ یہ سب کی سب اپنی زبان حال سے اپنے خالق و مالک کی عظمت شان، اس کی قدرت مطلقہ، حکمت بالغہ، رحمت شاملہ اور اس کی وحدانیت مقدرہ کی گواہی دیتی ہیں، مگر مشکلوں کی مشکل یہ ہے کہ یہ لوگ سوچتے ہی نہیں۔ سو اگر یہ لوگ صحیح طور سے غور و فکر سے کام لیں تو ان کو نظر آئے کہ یہ سب چیزیں اپنے وجود سے اور اپنی زبان حال سے گواہی دے رہی ہیں کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ ہی نے وجود بخشا ہے۔ کسی اور کا ان میں کسی بھی طرح کا کوئی عمل دخل اور عمل و اشتراک نہیں۔ اور اللہ ہی سب کا خالق و مالک اور حاکم و متصرف ہے۔

اور ان چوپایوں میں بھی غور نہیں کیا جن کے یہ مالک بنے ہوئے ہیں۔ سوان کی یہ لوگ ایسی ملکیت رکھتے ہیں کہ ان میں یہ اپنی مرضی کے مطابق جو چاہیں تصرف کرتے ہیں۔ تو کیا یہ سوچتے نہیں کہ انکو پیدا کس نے کیا اور کس طرح انکے وجود کو انسان کی طرح طرح کی ضروریات کیلئے ایسا سازگار بنایا کہ یہ سرتاپا اپنے اندر و باہر اپنے جسم کے ہر ہر حصے سے اس کیلئے مفید اور

سازگار ہیں۔ ان سے انسان تازہ بہ تازہ عمدہ اور لذیذ گوشت حاصل کرتا ہے جس سے آگے یہ طرح طرح کے فائدے اٹھاتا ہے۔ ان کی خرید و فروخت کے ذریعے یہ اپنی روزی روٹی کماتا اور دوسرے طرح طرح کے فائدے حاصل کرتا ہے۔ ان کی کھانوں، ان کی اونوں اور ان کے بانوں کے ذریعے تقسیم کے فائدے اٹھاتا اور کاروبار کرتا ہے۔ تو کیا یہ انسان کبھی سوچتا اور غور نہیں کرتا کہ یہ سب کچھ کس قادر مطلق کی قدرت، حکمت اور رحمت و عنایت کا نتیجہ ہے؟ سو وہی معبود برحق اور ہر عبادت کا ہدیار ہے۔

وَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ﴿۱﴾

مشرکین کی بیوقوفی:

اور ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ معبود بنا لیے ہیں جن سے یہ امید رکھتے ہیں کہ یہ ہماری مدد کریں گے۔ لَا يَسْتَنْصِفُونَ نُصْرَهُمْ (جن لوگوں سے مدد کی امید کر رکھی ہے وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے) وَ هُمْ لَهُمْ جُنُودًا مُّحَضَّرُونَ ﴿۱﴾ (اور وہ ان کے لیے فریق مخالف ہو جائیں گے جو حاضر کر دیئے جائیں گے) یعنی اللہ کے سوا جنہیں معبود بنا کر ان سے مدد کی امید باندھے ہوئے ہیں وہ تو ان معبود بنانے والوں کے مخالف ہو جائیں گے اور میدان قیامت میں بالاضطرار حاضر کر دیئے جائیں گے اور وہاں حاضر ہو کر جنہوں نے انہیں معبود بنایا تھا ان کی مخالفت کر دیں گے۔ سورۃ مریم میں فرمایا: (وَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِغَالًا) (اور ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبود تجویز کر رکھے ہیں تاکہ ان کے لیے وہ باعث عزت ہوں، ہرگز نہیں وہ ان کی عبادت ہی کا انکار کریں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے) وہاں جھوٹی آرزوؤں کی قلعی کھل جائے گی۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿۱﴾

انسان قیامت کا منکر ہے، وہ اپنی خلقت کو بھول گیا:

دفعہ قیامت اور بعثت اور حشر نشر کا جو لوگ انکار کیا کرتے تھے ان میں سے ایک شخص عاص بن وائل بھی تھا، یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک گلی سڑی ہڈی لے کر آیا، اور اس ہڈی کو اپنے ہاتھ سے چوراچورا کیا اور کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ جب میں اس ہڈی کو اپنے ہاتھ سے پھینک دوں تو کیا اللہ تعالیٰ اسے زندہ فرمادے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ اسے زندہ فرمادے گا پھر تجھے موت دے گا پھر تجھے زندہ فرمائے گا پھر تجھے دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا۔ اس پر اُدْ كَلِمَةَ الْإِنْسَانِ سے لے کر ختم سورۃ تک آیات نازل ہوئیں جس شخص سے یہ باتیں ہوئی تھیں اس کے بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں جو درج المعانی جلد ۲۳: ص ۵۳ میں مذکور ہیں۔

ارشاد فرمایا کیا انسان کو معلوم نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ منی سے پیدا کیا؟ اس کو تو وہ جانتا ہے مانتا ہے، جب نطفہ منی سے اسے پیدا کر سکتے ہیں تو بوسیدہ ہڈیوں کو مرکب کر کے ان میں جان کیوں نہیں ڈال سکتے؟ قیامت اور حشر نشر کی سچی خبر جو حضرات انبیائے کرام نے دی اس کی تصدیق کرنے کی بجائے انسان بڑا جھگڑالو بن گیا اور ایسا جھگڑالو بنا کہ واضح طور پر وقوع

قیامت اور موت کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرنے لگا، جب اسے اپنے مبداء فطرت کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل پانی سے پیدا فرمایا ہے تو اسے جھگڑنے اور یہ بات کہنے کا کیا مقام ہے کہ میں بوسیدہ ہڈیوں سے کیسے پیدا کیا جاؤں گا۔ اسی کو فرمایا: وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا اور اس نے ہمارے بارے میں ایک مثل بیان کر دی اور ایسی بات کہہ دی جو فی نفسہ عیب ہے۔ وَنَسِيَ خَلْقَهُ اور وہ یہ بھول گیا کہ وہ کیسے پیدا کیا گیا ہے، (قَالَ مَنْ يُغْنِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَوِيمٌ) کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔ یہ ہے وہ عجیب مضمون جسے اس نے اللہ کی شان میں بیان کیا، بجائے یہ سمجھنے کے کہ میں جس طرح پیدا ہوا ہوں اسی طرح میرا خالق دوبارہ پیدا فرمادے گا ایسی بات کہنے لگا جس سے انکار بعثت مقصود ہے۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ....

سبحان اللہ! جواب کتنا سادہ، کتنا جامع اور کس قدر مؤثر ہے جس سے انکار اور گریز و فرار کی کوئی صورت ممکن نہیں فرمایا کہ ایسے خرد مانگوں کے اس سوال و اعتراض، اور ان کے اس اچھنبھے اور استہزاء کے جواب میں ان سے کہو کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہی زندہ کریگا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا، اور وجود بخشا، یعنی جب ان کا کہیں کوئی نام و نشان بھی نہیں تھا تو اس نے اپنی قدرت کاملہ حکمت بالغہ اور رحمت و عنایت شاملہ سے ان کو وجود بخشا، اور ان کو نیست سے ہست کیا، تو اسکے لئے آخر ان کو دوبارہ پیدا کرنا کیوں اور کیا مشکل ہو سکتا ہے؟ جبکہ عام قاعدہ اور دستور کے مطابق اعادہ ابداء، یعنی اصل خلق کے مقابلے میں کہیں زیادہ سہل اور آسان ہوتا ہے، چنانچہ دوسرے مقام پر اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا: (وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَیْهِ) (الرمد: ۲۷) یعنی وہ اللہ وہی ہے جس نے اپنی مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا فرمایا، اور وہی اس کو دوبارہ پیدا فرمائے گا اور یہ اسکے لئے کہیں زیادہ آسان ہے، اور یہ بھی دراصل عام لوگوں کی سمجھ اور ان کے فہم و تجربے کے اعتبار سے ہے، ورنہ اس قادر مطلق کے یہاں کا معاملہ تو اس سے یکسر مختلف ہے، کہ وہاں اسباب اور مسببات کے احتیاج کی بات سرے سے ہے ہی نہیں، بلکہ وہاں کا معاملہ تو کُنْ فَيَكُونُ کا معاملہ ہے جیسا کہ اس کے ایک ہی آیت بعد یعنی آیت نمبر ۸۲ میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے، اور وہی ائمتما کے کلمہ حصر کے ساتھ، سو اسکی شان بالکل الگ اور بے مثال ہے، اس نے جب کسی کام کو کرنا ہوتا ہے تو اس کو فرماتا ہے: کُنْ یعنی ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے، اسی لئے قیامت کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا: (فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ بِالسَّاعَةِ) (النازعات: ۱۳، ۱۴) یعنی وہ تو محض ایک ڈانٹ اور جھڑکی ہوگی جسکے نتیجے میں یہ سب کے سب یکا یک کھلے میدان میں موجود ہونگے، نیز ارشاد فرمایا گیا (وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ) (المر: ۵۰) یعنی ہمارا معاملہ تو محض ایک ایک فرمان و ارشاد کا ہوتا ہے پلک جھپکنے کی طرح، سو اس وحدہ لا شریک کی صفت و شان سب سے الگ اور یکسر جدا ہے،

بِالَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ....

یعنی جس ذات پاک نے ہرے درخت میں سے آگ نکالی حالانکہ درخت پانی کے اثر سے ہرا بھرا ہوتا ہے اور درخت کا پھولیں تو اس میں سے پانی نکلتا ہے اور آگ اور پانی آپس میں ضد ہیں، اس کے لیے جماد یعنی ایسی بے جان چیز میں جان ڈالنا کیا مشکل ہے جس میں ظاہری اعتبار سے اس کے مخالف اور منافی کوئی چیز موجود نہیں ہے اور وہ ایک بار زندگی پانچکی ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ مرتح اور عفار و درخت ہوتے تھے اور سرسبز ہوتے تھے جن میں سے پانی نکلتا تھا۔

میں سے ایک ٹہنی لے کر دوسری کی ٹہنی پر مارتے تھے تو اس سے آگ نکلتی تھی پھر اس آگ سے اپنی ضرورت کے لیے آگ جلا لیتے تھے۔ ان دو درختوں میں سے ایک کا دوسرے پر مارا جانا چغماق کا کام دیتا تھا۔ اسی کو فرمایا: قَدْ آذَا أَنْتُمْ مِثْنَهُ تُوْقِدُونَ ۝ (سوا چانک تم اس میں سے آگ جلاتے ہو۔)

أَرَلَيْسَ لَدَيْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ---

مسلمات سے دلیل:

سابقہ آیت کے مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے سوالیہ انداز میں فرمایا اور اس سوال کی بنیاد مشرکین کے مزعمومات اور مسلمات پر رکھی۔ کیونکہ مشرکین اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا بلکہ تمام کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور اس کے سوا کسی میں یہ قدرت نہیں کہ وہ کائنات کی تخلیق کر سکے۔ چنانچہ ان کے اس اعتقاد کو سوال کی صورت دیتے ہوئے فرمایا کہ کیا وہ ذات جس کے بارے میں تمہیں اعتراف ہے کہ وہ زمین اور آسمانوں کا خالق ہے اور کائنات کی ہر چیز اسی کی تخلیق سے وجود میں آئی ہے تو کیا وہ زمین اور آسمانوں اور کائنات کو بنانے کے بعد صفت تخلیق سے محروم ہو گیا یا وہ مسلسل تخلیق کے عمل سے تھک گیا اور تنگ آ گیا ہے جبکہ کائنات پر غور و فکر کرنے والے اس بات کے داعی ہیں:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید۔ کہ آ رہی ہے دام صدائے کن لیکون

اگر اس کی صفت تخلیق ویسے ہی تروتازہ، شگفتہ اور شاداب ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ زمین و آسمان کو تباہ کرنے کے بعد دوبارہ پیدا نہ کر سکے جبکہ کسی چیز کو پہلی دفعہ وجود دینا دوسری دفعہ کے وجود دینے سے مشکل ہوتا ہے۔ لیکن جب ایک چیز کامیابی سے تخلیق کے مراحل سے گزر جاتی ہے تو پھر اس کا اعادہ کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ لیکن قیامت کے منکرین کا عجیب حال ہے کہ وہ کائنات کی ایک ایک چیز کا خالق اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں لیکن قیامت کی صورت میں تمام کائنات کی تباہی اور پھر از سر نو زندگی پانا ہونے کو مستبعد از عقل سمجھتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا عالم یہ ہے کہ وہ صرف خالق ہی نہیں بلکہ خلاق ہے۔ نہ اس کی تخلیقی قوت میں پہلے کوئی کمی تھی اور نہ اب ہے، اور نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح مخلوقات کی تباہی کے بعد وہ خوب جانتا ہے کہ کوئی شخص کس سرزمین میں مرا، اس کے اجزاء کہاں بکھر گئے، اور اس کے ذرات ہوا کے دوش پر کہاں کہاں پہنچے۔ کیونکہ وہ خلاق ہونے کے ساتھ ساتھ علیم بھی ہے اور علیم میں بھی خلاق کی طرح مبالغے کے ساتھ ساتھ استرار اور دوام بھی پایا جاتا ہے۔

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ یَبْدِیْہٖ مَلٰکُوتُ ---

یعنی وہ اعلیٰ ترین ہستی جس کے ہاتھ میں فی الحال بھی اوپر سے نیچے تک تمام مخلوقات کی زمام حکومت ہے اور آئندہ بھی اسی کی طرف سب کلوٹ کر جانا ہے۔ وہ عجز و سفہ اور ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک ہے

سُورَةُ الضَّفَّتِ

سُورَةُ الضَّفَّتِ
۳۷ آيَاتٍ مَكِّيَّةٌ ۵۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آيَاتُهَا
۱۸۷

رُكُوعَاتُهَا
۵

مکورہ صافات مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کا ایک سو بیاسی آیتیں ہیں اور پانچ رکوع

وَالضَّفَّتِ صَفًا ۝ الْمَلَائِكَةُ تَصِفُ نَفُوسَهَا فِي الْعِبَادَةِ أَوْ أَجْنَحَتِهَا فِي الْهَوَاءِ تَنْتَظِرُ مَا تُؤْتَمَرُ بِهِ
فَالرُّجُوتِ زَجْرًا ۝ الْمَلَائِكَةُ تَرْجُو السَّحَابَ أَيْ تَسْوِقُهُ فَالْتَّحِلَاتِ جَمَاعَةٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ تَلْوَهُ ذِكْرًا ۝
مُضَدَّرٌ مِنْ مَعْنَى التَّالِيَاتِ إِنَّ إِلَهُكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝
أَيْ وَالْمَغَارِبِ لِلشَّمْسِ لَهَا كُلُّ يَوْمٍ مَشْرِقٌ وَمَغْرِبٌ إِنَّا زَيْنَا السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ ۝ أَيْ
بِضَوْءِهَا أَوْ بِهَا وَالْإِضَافَةُ لِلْبَيَانِ كَقِرَاقَةِ تَثْوِينِ زَيْنَةِ الْمُيْنَةِ بِالْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مَنْصُوتٌ بِفِعْلِ مُقَدَّرٍ
أَيْ حَفِظْنَاهَا بِالشُّهْبِ مِمَّنْ كُلِّ مَتَعَلِّقٍ بِالْمُقَدَّرِ شَيْطَانٍ مَارِدٍ ۝ عَاتٍ خَارِجٍ عَنِ الطَّاعَةِ لَا
يَسْتَعِينُ أَيْ الشَّيَاطِينُ مُسْتَانِفٌ وَسَمَاعُهُمْ هُوَ فِي الْمَعْنَى الْمُحْفُوظِ عَنْهُ إِلَى الْمَلَا الْأَعْلَى الْمَلَائِكَةُ
فِي السَّمَاءِ وَعَدَى السَّمَاعِ بِأَلَى لِتَضْمِينِهِ مَعْنَى الْإِضْعَاءِ وَفِي قِرَاءَةِ بِشَدِيدِ الْمِيمِ وَالسِّينِ أَضْلَهُ
يَسْمَعُونَ أَدْعَمَتِ النَّاءُ فِي السِّينِ وَيُقَدَّرُ فَوْنُ أَيْ الشَّيَاطِينُ بِالشُّهْبِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ مِنْ أَفَاقِ
السَّمَاءِ دُحْرًا وَمُضَدَّرٌ دَحْرَةٌ أَيْ طَرْدَةٌ وَأَبْعَدَةٌ وَهُوَ مَفْعُولٌ لَهُ لَهُمْ فِي الْأَخِرَةِ عَذَابٌ وَأَصِيبٌ ۝ دَائِمٌ
إِلَّا مَنْ خَطَفَ الْخَطْفَةَ مُضَدَّرٌ أَيْ الْمَرَّةُ وَالْإِسْتِثْنَاءُ مِنْ ضَمِيرِ يَسْمَعُونَ أَيْ لَا يَسْمَعُ إِلَّا الشَّيْطَانُ
الَّذِي سَمِعَ الْكَلِمَةَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَأَخَذَهَا بِسُرْعَةٍ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ كَرَّكَتْ مَضِيءٌ ثَقِيبٌ ۝ بِتَقْبِهِ أَوْ
بِحَرِّقِهِ أَوْ يُجْبِلُهُ فَاسْتَفْتِهِمْ اسْتَحْبِرَ كَفَارَ مَكَّةَ تَقْرِيرٌ أَوْ تَوْبِيخًا أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا مِنْ
الْمَلَائِكَةِ وَالسَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَيْنِ وَمَا فِيهِمَا وَفِي الْإِتْيَانِ بِمَنْ تَغْلِيْبُ الْعُقَلَاءِ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ أَيْ أَضْلَهُمْ

اذم من طین الارب ۵ لازم یلصق بالید المعنی ان خلقهم ضعیف فلا یتکبروا بانکار النبی و القرآن
 المؤدی الی ہلاکہم التیسیر بل اللاتقال من غرض الی اخر و هو الاختبار بحالہ و حالہم عجبت
 بفتح التاء خطا بالنبی ای من تکذیبہم ایاک و ہم یسخرون ۶ من تعجبک و اذا ذکرُوا و عظروا
 بالقران لا یدکرون ۷ لا یتعظون و اذا راوا آیۃ کانشقاق القمر یستسخرون ۸ یشہرہون بہا و
 قالوا فیہا ان ما هذا الا سحر مبین ۹ بین و قالوا منکرین للبعث اذا متنا و کنا ترابا و عظاما
 انما الیبعوثون ۱۰ فی الہمز تین فی الموضعین التحقیق و تشہیل الثانیۃ و ادخال الیف بینہما علی
 الوجهین او ابائنا الاولون ۱۱ بشکون الواو و عطفاباؤ و بفتحہا و الہمزۃ للاستفہام و العطف
 بالواو و المعطوف علیہ محل ان و اسمہا او الضمیر فی لمتعوثون و الفاصل ہمزۃ الاستفہام قل
 نعم یبعثون و انکم داخرون ۱۲ صاعرون ۱۳ فاما ہی ضمیر منہم یفسرہ ما بعدہ زجرۃ ای صبحۃ
 و احدۃ فاذا ہم ای الخلائق احیاء یظنرون ۱۴ ما یفعل بہم و قالوا ای الکفار یویلنا للنبی ہلاکنا
 و هو مضدر لا یفعل لہ من لفظہ و تقول لہم الملائکہ هذا یوم الدین ۱۵ ای الحساب و الجزاء هذا
 یوم الفصل بین الخلائق الذی کنتم بہ تکذبون ۱۶

ع
۵

ترجمہ: قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار ہو کر فرشتے مراد ہیں جو عبادت کے لیے صف بست کھڑے، یا فضوں
 میں پہرے جما کر حکم الہی کے منتظر ہوں پھر ڈائے والوں کی جھڑک کروہ فرشتے مراد ہیں جو بادلوں کو چلاتے ہوں پھر پڑھنے
 والوں کی یاد کہہ، قرآن کی تلاوت کرنے والے فرشتے مراد ہیں۔ ذکر اتالیات کا مصدر ہے معنا بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہے وہ
 پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کا اور پروردگار ہے مشرقی حصوں کا اور مغربی حصوں کا بھی
 روزانہ آفتاب کا طلوع و غروب الگ الگ ہوتا ہے اور ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ایک عجیب خوبصورتی سے ستاروں کی
 چمک دک سے یا خود ستاروں ہی کے ذریعے، اضافت بیانہ ہے جیسے زینہ کی تونین کو اکب کے بیان کے لیے ہے اور حفظا
 فعل مقدر کے ذریعہ منسوب ہے یعنی آسمانوں کی حفاظت شہاب ستاروں کے ذریعہ کردی ہر شریر، سرکش باغی شیطان سے من
 کل فعل مقدر کے متعلق ہے وہ شیاطین کان بھی نہیں لگا سکتے، یعنی شیاطین یہ جملہ مستانفہ ہے اور شیاطین کا سننا دراصل محفوظ عنہ
 ہے عالم بالا کی طرف آسمانوں میں جو فرشتے ہیں لفظ سماع کو الی کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے، معنی اصفاء کے ساتھ تفسیر کر کے
 اور لفظ یسمعون ایک قرأت میں تشدید میم و تشدید سین کے ساتھ ہے اصل میں یتسمعون تھا تا کا ادغام سین میں کر دیا گیا

ہے اور مار بھگائے گئے ہیں یعنی شیاطین کو شہاب ستاروں سے مار بھگا دیا جاتا ہے ہر طرف آخرت کناروں سے مار بھگاتے گئے ہیں دھکے دے کر دھورادھرہ کا مصدر ہے بمعنی دور کر دینا یہ مفعول لہ ہے اور ان کے لیے آخرت میں دائمی عذاب ہوگا مسلسل مگر جو شیطان کچھ خبر ہی لے لے بھگے الخطفہ مصدر ہے یعنی ایک مرتبہ اچکنا اور استثناء بسمعون کی ضمیر سے یعنی آسمانی خبر کوئی نہیں سن سکتا سوائے شیطان کے جو کوئی بات فرشتوں سے سن کر ایک دم اچک لے تو ایک چمکتا ہوا ستارہ دکھتا ہوا انکار اس کے پیچھے لگ لیتا ہے سو اس میں سوراخ کر ڈالتا ہے یا اس کو جلا کر بھسم کر دیتا ہے یا اسے بدحواس بنا دیتا ہے تو آپ ان سے پوچھئے کفار کہ سے دریافت کیجئے بطور تقریر یا تو تیغ کہ یہ لوگ بناوٹ میں زیادہ سخت ہیں یا ہماری یہ پیدا کردہ چیزیں یعنی فرشتے، آسمان، زمین اور ان کے درمیان کے مخلوق اور من لانے میں عقلاء کی تغلیب ہے ہم نے ان لوگوں یعنی ان کی اصل آدم کو پیدا کیا کچھ مٹی سے جو ہاتھ کو چپک جاتی ہے یعنی ان کی بناوٹ کمزور ہے لہذا پیغمبر قرآن کا انکار کر کے تکبر نہ کریں جو جلد انھیں تباہی کی طرف لے جائے بلکہ یہ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف انتقال کے لیے ہے یعنی آپ کے اور ان کے حال کی خبر دینا ہے آپ تو تعجب کرتے ہیں فتح کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے یعنی ان کے آپ کو جھٹلانے سے اور یہ لوگ مستخر کرتے ہیں آپ کے تعجب پر اور جب ان کو سمجھا جاتا ہے قرآن کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو یہ سمجھتے نہیں نصیحت حاصل لوگ تمسخر کرنے ہیں آپ کے تعجب پر اور جب ان کو سمجھا یا جاتا ہے قرآن کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو یہ سمجھتے نہیں نصیحت حاصل نہیں کرتے، اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جیسے شق القمر تو اسکی ہنسی مذاق اڑاتے ہیں اور اسکے متعلق کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا واضح جاوے اور مکرین قیامت کہتے ہیں کہ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم پھر زندہ کئے جائیں گے دونوں لفظوں کی دونوں ہمزائوں میں تحقیق کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ، دونوں صورتوں میں دونوں ہمزائوں کے درمیان الف داخل کر کے اور کیا ہمارے باپ دادا بھی لفظ او سکون واو کے ساتھ او کے ذریعہ عطف ہوگا اور واو کے فتح کے ساتھ بھی ہے دونوں صورتوں میں ہمزہ استفہامیہ ہوگا اور واو عاطفہ ہو سکتا ہے اور معطوف علیہ او اور اس کے اسم کا محل ہوگا، معطوف علیہ کہ مبعوثون کی ضمیر ہے اور ہمزہ استفہام فاصل ہے آپ کہہ دیجئے کہ ہاں تم دو بارہ جلائے جاؤ گے اور ذلیل بھی ہو گے۔ گو قیامت تو بس ایک لاکار چیخ ہی ہوگی جی ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر آگے ہے، سو یکا یک سب مخلوق زندہ ہو کر دیکھنے بھانے لگیں گے کہ ان کے ساتھ کیا کارروائی ہوتی ہے اور کفار کہیں گے ہائے ہماری کبختی یا تنبیہ کے لیے ہے دلیل بمعنی ہانک مصدر ہے ان لفظوں میں اس کا کوئی فعل نہیں ہے فرشتے کافروں سے کہیں گے یہ ہے روز جزاء حساب اور بدلہ کا دن بھی مخلوق کے فیصلہ کا دن جس کو تم جھٹلا یا کرتے تھے۔

کلمات تفسیریہ کہ توضیح و شرح

قولہ: إِنَّ الْهَكْمَ: یہ جواب قسم ہے۔

قولہ: رَبُّ السَّمَوَاتِ: یہ واحد سے بدل ہے۔

قولہ: وَالْمَغَارِبُ: مراد تو یہ ہے کہ مشرقوں اور مغربوں کا رب ہے مگر ایک جانب پر اکتفاء کیا۔
 قولہ: لِمُسْتَأْنَفٍ: یہ عمل شیطان کی صفت نہیں بلکہ سرکش شیاطین سے حفاظت ہے، خواہ وہ سنیں یا نہ سنیں۔ جملہ مستأنفہ ان کی حالت کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا۔

قولہ: الْمَحْفُوظِ عَنْهُ: یعنی وہ آسمان جو شیاطین سے محفوظ کیا ہوا ہے۔

قولہ: مَغْنًى، لِأَضْعَآءِ: یہ سماع کی نفی میں مبالغہ کو ظاہر کرتا ہے۔

قولہ: يَقْدَرُونَ: ان پر شہاب ثاقب پھینکے جاتے ہیں۔

قولہ: يَسْتَسْمِعُونَ: خوب طلب سے سننے کی کوشش کرنا۔

قولہ: مِنْ أَفَاقِ السَّمَآءِ: جب آفاق میں چڑھنے کی کوشش کریں۔

قولہ: الْمَرَّةَ: اس میں تا وحدت کی ہے۔

قولہ: فَأَخَذَهَا بِسُرْعَةٍ: اس سے مراد ملائکہ کی گفتگو کو چھپ کر چرانا۔ خطفہ اسی کو کہا جاتا ہے۔

قولہ: يُحَرِّقُ: وہ باز اس لیے نہیں رہتے کیونکہ شہاب ثاقب کبھی تو ان کو لگتا ہے اور کبھی نہیں لگتا۔

قولہ: يَسْتَسْخِرُونَ: تسخیر میں مبالغہ کرنا۔

قولہ: مَخْلُوقًا: ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہے۔

تفسیر مقبولین

وَالصَّفَاتِ صَفَاتٍ

سورت کے مضامین:

یہ سورت مکی ہے، اور دوسری مکی سورتوں کی طرح اس کا بنیادی موضوع بھی ایمانیات ہیں اور اس میں توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد کو مختلف طریقوں سے مدلل کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مشرکین کے عقائد کی تردید بھی ہے، اور آخرت میں جنت و دوزخ کے حالات کی منظر کشی بھی۔ جو عقائد تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں شامل رہے ان کو مدلل کرنے اور کفار کے شبہات و اعتراض کو دور کرنے کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ ماضی میں جن لوگوں نے ان عقائد کو تسلیم کیا ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ کیا رہا؟ اور جنہوں نے کفر و شرک کی راہ اختیار کی ان کا کیا انجام ہوا؟ چنانچہ اس ضمن میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، اور ان کے صاحبزادگان، حضرت موسیٰ و ہارون حضرت الیاس، حضرت لوط و حضرت یونس علیہم السلام کے واقعات کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیل سے ذکر کئے گئے ہیں۔

مشرکین مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے، آخر میں اس عقیدے کی مفصل تردید کی گئی ہے۔ اور سورت کے

مجموعی طرز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت میں شرک کی اس خاص قسم (یعنی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دینے) کی تردید بطور خاص پیش نظر رہی ہے۔ اسی لئے سورت کو فرشتوں کی قسم کھا کر اور ان کے اوصاف بندگی کو ذکر کر کے شروع کیا گیا ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

پہلا مضمون توحید:

سورت کو عقیدہ توحید کے بیان سے شروع کیا گیا ہے۔ اور پہلی چار آیتوں کا اصل مقصد یہ بیان کرتا ہے کہ (آیت) اِنَّ الْهٰكُمَ لَوٰحِدٌ (بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہے) لیکن اس بات کو بیان کرنے سے پہلے تین قسمیں کھائی گئی ہیں۔ ان قسموں کا ٹھیکہ لفظی ترجمہ یہ ہے:

”قسم صف باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی، پھر قسم بندش کر نیوالوں کی، پھر قسم ذکر کی تلاوت کرنے والوں کی“ یہ ”صف باندھ کر کھڑے ہونے والے“، ”بندش کر نیوالے“ اور ”ذکر کی تلاوت کر نیوالے“ کون ہیں؟ قرآن کریم کے الفاظ میں اس کی صراحت نہیں ہے، اس لئے اس کی تفسیر میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ان سے مراد اللہ کے راستے میں جہاد کر نیوالے وہ غازی ہیں جو صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تاکہ باطل کی قوتوں پر ”بندش“ لگائیں اور صف آرا ہوتے وقت ”ذکر“ تسبیح اور تلاوت قرآن میں بھی مشغول رہتے ہیں۔

بعض نے کہا کہ ان سے مراد وہ نمازی ہیں جو مسجد میں صف باندھ کر شیطانے افکار و اعمال پر ”بندش“ عائد کرتے ہیں، اور اپنا پورا دھیان ”ذکر و تلاوت“ پر مرکوز کر دیتے ہیں۔ (تفسیر کبیر قرطبی) اور اس کے علاوہ بھی بعض تفسیریں بیان کی گئی ہیں، جو الفاظ قرآن کے ساتھ زیادہ مناسبت نہیں رکھتیں۔

لیکن جمہور مفسرین کے یہاں جس تفسیر کو سب سے زیادہ قبول عام حاصل ہوا۔ وہ یہ ہے کہ ان سے مراد فرشتے ہیں، اور یہاں ان کی تین صفات بیان کی گئی ہیں:

پہلی صفت وَالصَّفٰتِ صَفًا (۱) ہے۔ یہ لفظ ”صف“ سے نکلا ہے اور اس کے معنی ہیں ”کسی جمعیت کو ایک خط پر استوار کرنا“ (قرطبی) لہذا اس کے معنی ہوں ”صف باندھ کر کھڑے ہونے والے“۔

فرشتوں کی صف بندی کا ذکر اسی سورت میں آگے چل کر بھی آیا ہے۔ فرشتے خود اپنے بارے میں کہتے ہیں: وَاِنَّا لَنَحْنُ الصّٰفّٰوْنَ (یعنی بلاشبہ ہم سب صف باندھے کھڑے رہتے ہیں) یہ صف بندی کب ہوتی ہے؟ اس کے جواب میں بعض حضرات مفسرین مثلاً حضرت ابن عباس، حسن بصری اور قتادہ نے یہ فرمایا کہ فرشتے ہمیشہ فضا میں صف باندھے اللہ کے حکم کے لئے گوش برآواز رہتے ہیں، اور جب کوئی حکم ملتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ (منظری) اور بعض حضرات نے اسے عبادت کے وقت کے ساتھ مخصوص کیا ہے، یعنی جب فرشتے عبادت اور ذکر و تسبیح میں مشغول ہوتے ہیں تو صف باندھ لیتے ہیں۔ (تفسیر کبیر) نظم و ضبط دین میں مطلوب ہے:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر کام میں نظم و ضبط اور ترتیب و سلیقہ کا لحاظ رکھنا دین میں مطلوب اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ ظاہر

ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو یا اس کے احکام کی تعمیل، یہ دونوں مقصد اس طرح بھی حاصل ہو سکتے تھے کہ فرشتے صف باندھنے کے بجائے ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں جمع ہو جایا کریں، لیکن اس بد نظمی کے بجائے انہیں صف بندی کی توفیق دی گئی، اور اس آیت میں ان کے اچھے اوصاف میں سب سے پہلے اسی وصف کو ذکر کر کے بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا بہت پسند ہے۔

نماز میں صفوف کی درستی اور اس کی اہمیت:

چنانچہ انسانوں کو بھی عبادت کے دوران اس صف بندی کی ترغیب و تاکید کی گئی ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہم سے فرمایا: ”تم (نماز میں) اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے حضور کرتے ہیں؟“ صحابہ نے پوچھا: ”فرشتے اپنے رب کے حضور کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟“ آپ نے جواب دیا: ”وہ صفوف کو پورا کرتے ہیں اور صف میں پیوست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں (یعنی بیچ میں خالی جگہ نہیں چھوڑتے)“ (تفسیر مظہری) نماز میں صفوف کو پورا کرنے اور سیدھا رکھنے کی تاکید میں اتنی احادیث وارد ہوئی ہیں کہ ان سے ایک پورا سالہ بن سکتا ہے۔ حضرت ابو مسعود بدری فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نماز میں ہمارے کندھوں کو ہاتھ لگا کر فرمایا کرتے تھے: ”سیدھے رہو، آگے پیچھے مت ہو، تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔“ (جمع النوائد بحوالہ مسلم نسائی ص ۲۹، ۱۷۵)

فرشتوں کی دوسری صفت **فَالرُّجُودِ ذُجْرًا** بیان کی گئی ہے۔ یہ لفظ ”زجر“ سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں روکنا، ڈانٹنا، پھکانا۔ حضرت تھانوی نے اس کا ترجمہ ”بندش کر نیوالے“ سے کیا ہے، جو لفظ کے ہر ممکن مفہوم کو جامع ہے۔ فرشتے کس چیز پر بندش عائد کرتے ہیں؟ قرآن کریم کے سیاق کے پیش نظر زیادہ تر مفسرین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں ”بندش عائد کرنے سے“ مراد فرشتوں کا وہ عمل ہے جس کے ذریعہ وہ شیاطین کو عالم بالا تک پہنچنے سے روکتے ہیں، اور جس کا تفصیلی ذکر خود قرآن کریم میں آگے آ رہا ہے۔

تیسری صفت **فَالشَّلِيلِ ذُكْرًا** ہے۔ یعنی یہ فرشتے ”ذکر“ کی تلاوت کر نیوالے ہیں ”ذکر“ کا مفہوم ”نصیحت کی بات“ بھی ہے اور ”یاد خدا“ بھی۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کے ذریعہ جو نصیحت کی باتیں نازل کی ہیں ان کی تلاوت کرنے والے ہیں۔ اور یہ تلاوت حصول برکت اور عبادت کے طور پر بھی ہو سکتی ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے وحی لانے والے فرشتے مراد ہوں کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے سامنے ان کتب نصیحت کی تلاوت کر کے انہیں اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ اور دوسری صورت میں جبکہ ”ذکر“ سے مراد یاد خدا لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ہر دم ان کلمات کی تلاوت میں مصروف رہتے ہیں، جو اللہ کی تسبیح و تقدیس پر دلالت کرتے ہیں۔

یہاں قرآن کریم نے فرشتوں کی یہ تین صفات ذکر کر کے بندگی کے تمام اوصاف کو جمع کر دیا ہے۔ یعنی عبادت کے لئے صف بستہ ہونا، طاعتی طاقتوں کو اللہ کی نافرمانی سے روکنا، اور اللہ کے احکام و مواعظ کو خود پڑھنا اور دوسروں کو پہنچانا۔ اور ظاہر ہے۔ بندگی کا کوئی عمل ان تین شعبوں سے خالی نہیں ہو سکتا، لہذا چاروں کا مفہوم یہ ہو گیا کہ ”جو فرشتے تمام اوصاف بندگی کے حامل ہیں ان کی قسم، تمہارا معبود برحق ایک ہی ہے۔“

فرشتوں کی قسم کیوں کھائی گئی؟

اس سورت میں خاص طور پر فرشتوں کی قسم کھانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ اس سورت کا مرکزی موضوع شرک کی اس خاص قسم کی تردید ہے جس کے تحت اہل مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ چنانچہ سورت کی ابتداء ہی میں فرشتوں کی قسم کھا کر ان کے وہ اوصاف بیان کر دیئے گئے جن سے ان کی مکمل بندگی کا اظہار ہوتا ہے۔ گویا مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کے ان اوصاف بندگی پر غور کرو گے تو وہ خود تمہارے سامنے اس بات کی گواہی دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رشتہ باپ بیٹی کا نہیں، بلکہ بندہ و آقا کا ہے۔

حق تعالیٰ کا قسم کھانا اور اس کے متعلق احکام اور سوال و جواب:

قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے ایمان و عقائد کے بہت سے اصولی مسائل کی تاکید کے لئے مختلف طرح کی قسم کھائی ہے، کبھی اپنی ذات کی، کبھی اپنی مخلوقات میں سے خاص خاص اشیاء کی۔ اس کے متعلق بہت سے سوالات ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآن شریف کی تفسیر میں یہ ایک مستقل اصولی مسئلہ بن گیا ہے۔ حافظ ابن قیم نے اس پر ایک مستقل کتاب "الغیبیان فی اقسام القرآن" لکھی ہے۔ علامہ سیوطی نے اپنی اصول تفسیر کی کتاب "اتقان" میں مباحث کی سرسٹھویں نوع اس کو قرار دے کر مفصل کلام کیا ہے۔ یہاں کچھ ضروری اجزاء لکھے جاتے ہیں۔

پہلا سوال: اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اغنی الاغنیاء ہیں، ان کو کیا ضرورت ہے کہ کسی کو یقین دلانے کیلئے قسم کھائیں؟

اتقان میں ابوالقاسم قشیری سے اس سوال کے جواب میں یہ مذکور ہے کہ حق تعالیٰ کو تو کوئی ضرورت قسم کھانے کی نہ تھی، مگر اس کو جو شفقت و رحمت اپنی مخلوق پر ہے وہ اس کی داعی ہوئی کہ کسی طرح یہ لوگ حق کو قبول کریں اور عذاب سے بچ جائیں۔ ایک اعرابی نے جب: *وفی السماء و رزقکم و ما تو عدون، فورد السماء و الارض انه لحق، سنی تو کہنے لگا کہ اللہ جیسی عظیم الشان ہستی کو کس نے ناراض کیا ہے کہ اس کو قسم کھانے پر مجبور کر دیا۔*

خلاصہ یہ ہے کہ شفقت علی الخلق اس کی داعی ہے کہ جس طرح دنیا کے جھگڑے چکانے اور اختلافات مٹانے کا معروف طریقہ یہ ہے کہ دعوے پر شہادت پیش کی جائے شہادت نہ ہو تو قسم کھائی جائے، اسی طرح حق تعالیٰ نے انسان کے اس مانوس طریقہ کو اختیار فرمایا ہے کہیں تو شہادت کے الفاظ سے مضمون کی تاکید فرمائی جیسے: *شہد اللہ انہ لا الہ الا هو...* اور کہیں قسم کے الفاظ سے جیسے *ای و ربی انه لحق وغیرہ۔*

دوسرا سوال: یہ ہے کہ قسم اپنے سے بہت بڑے کی کھائی جاتی ہے، حق تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی قسم کھائی جو ہر حیثیت سے کمتر ہیں؟

جواب یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ سے بڑی کوئی ذات نہ ہونہ ہو سکتی ہے، تو یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی قسم عام مخلوق کی قسم کی طرح نہیں ہو سکتی۔ اس لئے حق سبحانہ و تعالیٰ نے کہیں اپنی ذات پاک کی قسم کھائی ہے جیسے (ای و ربی) اور اس طرح ذات حق

کی قسمیں قرآن میں سات جگہ آئی ہیں۔ اور کہیں اپنے افعال و صفات کی اور قرآن کی قسم کھائی ہے جیسے والسماء وما بنہا والارض وما طحہا و نفس و ما سواہا وغیرہ، اور بیشتر قسمیں اپنے مفعول و مخلوق کی استعمال ہوئی ہیں، جو معرفت و ذریدہ ہونے کی حیثیت سے اسی کی ذات کی طرف راجع ہو جاتی ہیں۔ (کذا ذکرہ ابن قیم)

مخلوقات میں جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، کہیں تو اس سے اس چیز کو عظمت و فضیلت کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کی عمر کی قسم آئی ہے: لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْبَهُونَ ۝۱۰، ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق اور کوئی چیز دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے زیادہ معزز اور مکرم نہیں پیدا کی، یہی وجہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں کسی نبی و رسول کی ذات کی قسم نہیں آئی، صرف رسول اللہ ﷺ کی عمر کی قسم آیت مذکورہ میں آئی ہے۔ اسی طرح (وَ الظُّورِ ۝ وَ کِتَابِ مَسْطُورِ ۝) کی قسم بھی طور اور کتاب کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے آئی ہے۔

اور بعض اوقات کسی مخلوق کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ وہ کثیر المنافع ہے، جیسے وَ الثَّيْنِ وَ الزَّيْتُونِ ۝۔ در بعض جگہ کسی مخلوق کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ اس کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا مظہر اور معرفت صالح عالم کا اہم ذریعہ ہے۔ اور عموماً جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے اس کو اس مضمون کے ثبوت میں کچھ دخل ضرور ہوتا ہے، جس مضمون کے لئے قسم کھائی ہے، جو ہر جگہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ شریعت کا مشہور حکم عام انسانوں کے لئے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قسم کھانا جائز نہیں، حق تعالیٰ کی طرف سے خود مخلوقات کی قسم کھانا کیا اس کی دلیل نہیں کہ دوسروں کے لئے بھی غیر اللہ کی قسم جائز ہے؟ اس کے جواب میں حضرت حسن بصری نے فرمایا ہے:

”اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے وہ اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی چاہے قسم کھالے، مگر کسی دوسرے کے لئے اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانا جائز نہیں۔“

مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ جل شانہ، پر قیاس کرنا غلط اور باطل ہے، جب شریعت الہیہ میں عام انسانوں کے لئے غیر اللہ کی قسم ممنوع کر دی گئی تو اللہ تعالیٰ کے اپنے ذاتی فعل سے اس کے خلاف استدلال کرنا باطل ہے۔ اس کے بعد آیات مذکورہ کی تفسیر پر غور فرمائیے۔

پہلی چار آیتوں میں فرشتوں کی قسم کھا کر یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم سب کا معبود برحق ایک ہے۔ اگرچہ قسم کے دوران فرشتوں کی صفت بھی وہ ذکر کی گئی ہیں جن پر تھوڑا سا بھی غور کر لیا جائے تو وہ عقیدہ توحید ہی کی دلیل معلوم ہوتی ہیں، لیکن آگے کی چھ آیات میں توحید کی دلیل مستقلاً بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ رَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ (وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جتنی مخلوقات ہیں ان کا اور پروردگار ہے مشرقوں کا) تو جو ذات اتنی عظیم مخلوقات کی خالق و پروردگار ہو، عبادت کی مستحق بھی وہی ہے، اور یہ ساری کائنات اس کے وجود اور وحدانیت کی دلیل ہے یہاں المشارق، مشرق کی جمع ہے، اور چونکہ سورج سال کے ہر

دن میں ایک نئی جگہ سے طلوع ہوتا ہے، اس لئے اس کی مشرقیں بہت ساری ہیں، اسی بنا پر یہاں جمع کا مینہ لایا گیا ہے۔
 اِنَّا زَيْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزَيْنَةٍ اِلْكُوَاكِبِ ۝ اس میں السَّمَاءَ الدُّنْيَا سے مراد نزدیک ترین آسمان ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس نزدیک والے آسمان کو ستاروں کے ذریعے زینت بخش ہے، اب یہ کوئی ضروری نہیں کہ یہ ستارے ٹھیک آسمان سے اتر رہے ہوں، بلکہ اگر اس سے جدا ہوں تب بھی زمین سے دیکھا جائے تو وہ آسمان پر ہی معلوم ہوتے ہیں، اور ان کی وجہ سے آسمان جگمگاتا نظر آتا ہے۔ بتلانا صرف اس قدر ہے کہ یہ تاروں بھرا آسمان اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خود بخود وجود میں نہیں آ گیا بلکہ اسے پیدا کرنے والے نے پیدا کیا ہے، اور جو ذات اتنی عظیم الشان چیزوں کو وجود میں لاسکتی ہے اسے کسی شریک اور ساجھی کی کیا ضرورت ہے؟ نیز جب یہ بات مشرکین کے نزدیک بھی طے شدہ ہے کہ ان تمام فلکی اجسام کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو یہ بڑے ظلم کی بات ہے کہ خالق و مالک تو وہ ہو اور عبادت کسی اور کی کی جائے؟

رہا یہ مسئلہ کہ ستارے قرآن کی رو سے آسمان میں جڑے ہوئے ہیں یا اس سے الگ ہیں؟ نیز قرآن کریم کا علم ویت کے ساتھ کیا ربط ہے؟ اس موضوع پر منصل بحث سورۃ حجر میں گزر چکی ہے۔

وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ (الی قولہ تعالیٰ) فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ ان آیات میں زینت و آرائش کے علاوہ ستاروں کا ایک فائدہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کے ذریعہ شریر قسم کے شیاطین کو عالم بالا کی باتیں سننے سے روکا جاتا ہے۔ وہ غیبی خبروں کی سن گن لینے کے لئے آسمان کے قریب جاتے ہیں، لیکن انہیں فرشتوں کی باتیں سننے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ کوئی شیطان اگر کوئی آدمی تہائی بات سن بھاگتا ہے تو اسے ایک دہکتے ہوئے شعلہ کے ذریعے مار لگائی جاتی ہے، تاکہ وہ دنیا میں پہنچ کر اپنے معتقد کاہنوں اور نجومیوں کو کچھ بتانہ سکے، اسی دہکتے ہوئے شعلے کو "شہاب ثاقب" کہا گیا ہے۔

"شہاب ثاقب" کی کچھ تفصیل سورۃ حجر میں گزر چکی ہے، یہاں اتنی تشبیہ ضروری ہے کہ قدیم یونانی فلاسفہ اس بات کے قائل تھے کہ "شہاب ثاقب" دراصل کوئی زمینی مادہ ہوتا ہے جو بخارات کے ساتھ اوپر چلا جاتا ہے، اور کرہ نار کے قریب پہنچ کر جل اٹھتا ہے، لیکن قرآن کریم کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے "شہاب ثاقب" کوئی زمینی مادہ نہیں، بلکہ عالم بالا ہی میں پیدا ہونے والی کوئی چیز ہے۔ قدیم مفسرین اس موقع پر یہ کہتے آئے ہیں کہ یونانی فلاسفہ کا یہ خیال کہ "شہاب ثاقب" کوئی زمینی مادہ ہے محض قیاس اور تخمینہ پر مبنی ہے، اس لئے اس سے قرآن پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، اس کے علاوہ اگر کوئی زمینی مادہ اوپر جا کر مشتعل ہو جاتا ہو تو قرآن کریم سے اس کی بھی کوئی منافات نہیں۔

لیکن آج کی جدید سائنسی تحقیقات نے یہ سوال ہی ختم کر دیا ہے۔ موجودہ سائنسدانوں کا خیال یہ ہے کہ "شہاب ثاقب" ان گنت ستاروں ہی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں، اور عموماً بڑی بڑی اینٹوں کے برابر، اور یہ انت گنت ٹکڑے فضا میں رہتے ہیں۔ انہی کا ایک مجموعہ "اسد" کہلاتا ہے جو سورج کے گرد دھیلہ کی شکل میں گردش کرتا رہتا ہے، اور اس کا ایک دور ۲۳ سال میں پورا ہوتا ہے۔ ان ٹکڑوں میں روشنی ان کی تیز رفتاری اور خلائی اجرام کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ٹکڑے ۱۰ اگست اور ۲۷ نومبر کی راتوں میں زیادہ گرتے ہیں، اور ۰۲ اپریل، ۲۸ نومبر، ۱۸ اکتوبر، اور ۰۶، ۰۹، ۱۳ دسمبر کی راتوں میں کم ہو جاتے ہیں۔ (ازتفسیر لجاہر للطلططاوی، ص ۵، ۷، ۸)

جدید سائنس کی یہ تحقیق قرآنی اسلوب بیان کے زیادہ مطابق ہے، البتہ جو لوگ ”شہاب ثاقب“ کے ذریعہ شیطانوں کے مارے جانے کو بعید از قیاس سمجھتے ہیں ان کے بارے میں طنطاوی مرحوم نے الجواہر میں بڑی اچھی بات لکھی ہے:

”ہمارے آباء و اجداد اور حکماء کو بھی یہ بات گراں محسوس ہوتی تھی کہ قرآن کریم ان کے زمانہ کے علم فلکیات کے خلاف کوئی بات کہے، لیکن مفسرین اس بات پر راضی نہیں ہوئے کہ ان کے فلسفیانہ نظریات کو قبول کر کے قرآن کو چھوڑ دیں، اس کے بجائے انہوں نے ان فلسفیانہ نظریات کو چھوڑا اور قرآن کے ساتھ رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد خود بخود ثابت ہو گیا کہ قدیم یونانی فلاسفہ کا خیال بالکل باطل اور غلط تھا، اب بتائیے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ ستارے شیطانوں کو جلاتے، مارتے اور تکلیف پہناتے ہیں تو اس میں کونسی رکاوٹ ہے؟ ہم قرآن کریم کے اس بیان کو تسلیم کرتے ہوئے مستقبل کے انتظار میں ہیں، (ج: ۱، ص: ۸)

مفصلہ اصلح: یہاں آسمانوں، ستاروں اور شہاب ثاقب کا تذکرہ کرنے سے ایک مقصد تو وحید کا اثبات ہے کہ جس ذات نے یکہ و تنہا اتنے زبردست آفاقی انتظامات کئے ہوئے ہیں، وہی لائق عبادت بھی ہے۔ دوسرے اسی دلیل میں ان لوگوں کے خیال کی تردید بھی کر دی گئی ہے جو شیطانوں کو دیوتا یا معبود قرار دیتے ہیں اور بتا دیا گیا ہے کہ یہ تو ایک مردود مقہور مخلوق ہیں، ان کو خدائی سے کیا واسطہ؟

اس کے علاوہ اسی مضمون میں ان لوگوں کی بھی بھرپور تردید موجود ہے جو قرآن کریم کا آنحضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کو کافروں کی کہانت سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ ان آیتوں میں اشارہ کر دیا گیا کہ قرآن کریم تو کافروں کی تردید کرتا ہے، لے دے کر ان کی معلومات کا سب سے بڑا ذریعہ شیطین ہیں، اور قرآن یہ کہتا ہے کہ شیطین کی عالم بالا تک رسائی ممکن نہیں، وہ غیب کی سچی خبریں نہیں لاسکتے۔ جب کہانت کے بارے میں قرآن کریم کا بیان کیا ہوا عقیدہ یہ ہے تو وہ خود کہانت کیسے ہو سکتا ہے؟ اس طرح یہ آیتیں توحید اور رسالت دونوں مضامین کی طرف اشاروں پر مشتمل ہیں، اور آگے انہی آسمانی مخلوقات کے ذریعہ آخرت کے عقیدے کو ثابت کیا گیا ہے۔

فَأَسْأَلُكُمْ لَهُمُ اللَّهُمَّ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا ---

معجزات کا استہزاء کرنے والوں اور وقوع قیامت کے منکرین کی تردید:

عقیدہ توحید کو ثابت کرنے کے بعد ان آیتوں میں عقیدہ آخرت کا بیان ہے، اور اسی سے متعلق مشرکین کے شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ سب سے پہلی آیت میں انسانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے امکان پر عقلی دلیل پیش کی گئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات کے جن عظیم اجسام کا ذکر پچھلی آیتوں میں کیا گیا ہے، انسان تو ان کے مقابلہ میں بہت کمزور مخلوق ہے جب تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے، چاند، ستارے، سورج اور شہاب ثاقب جیسی مخلوقات اپنی قدرت سے پیدا فرمائی ہیں، تو اس کے لئے انسان جیسی کمزور مخلوق کو موت دے کر دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے؟ جس طرح تمہیں ابتداء میں چپکتی ہوئی مٹی سے بنا کر تم میں روح پھونک دی تھی، اسی طرح جب تم مر کر دوبارہ خاک ہو جاؤ گے اس وقت پھر اللہ تعالیٰ تمہیں زندگی

عطا کر دے گا۔

اور یہ جو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ”ہم نے انہیں چپکتی مٹی سے پیدا کیا“ اس سے مطلب یا تو یہ ہے کہ ان کے جدا جدا اجزا حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ہر انسان ہو۔ اس لئے اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر انسان کی اصل پانی ملی ہوئی مٹی ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ انسان نطفہ سے پیدا ہوتا ہے، نطفہ خون سے بنتا ہے، خون غذا سے پیدا ہوتا ہے اور غذا خواہ کسی شکل میں ہو اس کی اصل نباتات ہیں اور نباتات مٹی اور پانی سے پیدا ہوتے ہیں۔

بہر صورت پہلی آیت عقیدہ آخرت کی عقلی دلیل پر مشتمل ہے، اور اسے خود انہی سے یہ سوال کر کے شروع کیا گیا ہے کہ تم زیادہ سخت مخلوق ہو یا جن مخلوقات کا ذکر ہم نے کیا ہے، وہ زیادہ سخت ہیں؟ جواب ظاہر تھا کہ وہی مخلوقات زیادہ سخت ہیں، اس لئے اس کی تصریح کرنے کی بجائے اس کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کر دیا گیا ہے کہ ”ہم نے تو انہیں چپکتی مٹی سے پیدا کیا ہے“

اس کے بعد کی پانچ آیتوں میں اس رد عمل کا بیان کیا گیا ہے جو آخرت کے دلائل سن کر مشرکین ظاہر کرتے ہیں۔ مشرکین کے سامنے عقیدہ آخرت کے جو دلائل بیان کئے جاتے تھے وہ دو قسم کے تھے۔ ایک تو عقلی دلائل، جیسے پہلی آیت میں بیان کیا گیا، دوسرے نقلی دلائل یعنی ان کو معجزے دکھا کر آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا بیان کیا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، نبی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا، اس کے پاس آسمانی خبریں آتی ہیں، جب آپ یہ خبر دے رہے ہیں کہ قیامت آئے گی، حشر و نشر ہوگا، انسانوں سے حساب و کتاب لیا جائے گا تو یہ خبر یقیناً سچی ہے، اسے مان لیتا چاہئے جہاں تک عقلی دلائل پر مشرکین کے رد عمل کا تعلق ہے، اس کے بارے میں ارشاد ہے:

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ﴿١﴾ وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ﴿٢﴾ یعنی آپ کو تو ان لوگوں پر یہ تعجب ہوتا ہے کہ کیسے واضح دلائل سامنے آنے کے باوجود یہ لوگ نہیں مان رہے، لیکن یہ الٹا آپ کے دلائل و عقائد کا مذاق اڑاتے ہیں، اور انہیں کتنا ہی سمجھا لو کچھ کر نہیں دیتے، رہے نقلی دلائل، سو اس کے بارے میں ان کا رد عمل یہ ہے کہ:

وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ﴿٣﴾ یعنی جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جو آپ کی نبوت اور بالآخر عقیدہ آخرت پر دلالت کرتا ہے، تو یہ اسے بھی ٹھٹھوں میں اڑا کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ اور اس سارے تمسخر و استہزاء کی ان کے پاس ایک ہی دلیل ہے اور وہ یہ کہ: ءَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ءَأَنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٤﴾ أَوْ آبَاءُ وَاٰبَاؤُنَا لَأَكْفُرُونَ ﴿٥﴾ یعنی یہ بات ہمارے تصور میں نہیں آتی کہ ہم یا ہمارے آباء و اجداد خاک ہو جانے اور ہڈیاں بن جانے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ کر دیئے جائیں گے؟ اس لئے ہم نہ کوئی عقلی دلیل مانتے ہیں اور نہ کسی معجزے وغیرہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ باری تعالیٰ نے اس کے جواب میں صرف ایک جملہ آخر میں ارشاد فرمایا: قُلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَانْتُمْ دَاخِرُونَ ﴿٦﴾ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ ہاں تم ضرور دوبارہ زندہ ہو گے اور ذلیل و خوار ہو کر زندہ ہو گے“

دیکھنے میں تو یہ ایک حاکمانہ جواب ہے، جیسا ہٹ دھرمی کرنے والوں کو دیا جاتا ہے، لیکن تھوڑا سا غور کیا جائے تو یہ ایک پوری دلیل بھی ہے، جس کی تشریح امام رازی نے تفسیر کبیر میں کی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اوپر دوبارہ زندہ ہونے کی عقلی دلیل سے ثابت ہو چکا ہے کہ انسانوں کا مر کر پھر زندہ ہونا کوئی ناممکن بات نہیں، اور یہ قاعدہ ہے کہ جو بات عقلاً ممکن ہو اس کا دانتنا

فَأَتَا هِيَ زَجْرًا وَوَجْدًا فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۵﴾

آخرت کے امکان و ثبوت کے بعد باری تعالیٰ نے ان آیتوں میں حشر و نشر کے کچھ واقعات بیان فرمائے ہیں، اور دوبارہ زندہ ہونے کے بعد کافروں اور مسلمانوں کو جو حالات پیش آئیں گے ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔

سب سے پہلی آیت میں مردوں کے زندہ ہونے کا طریق کار بیان فرمایا ہے کہ: فَأَتَا هِيَ زَجْرًا وَوَجْدًا (یعنی قیامت تو بس ایک لاکار ہوگی، زجرۃ کا لفظ زجر کا اسم مرہ ہے اور اس کے عربی زبان میں کئی معنی آتے ہیں۔ ان میں ایک معنی ہیں ”موشیوں کو چلنے پر آمادہ کرنے کے لئے ایسی آوازیں نکالنا جنہیں سن کر وہ اٹھ کھڑے ہوں“ یہاں اس سے مراد وہ دوسرا صورت ہے جو حضرت اسرافیل علیہ السلام مردوں کو زندہ کرنے کے لئے پھونکیں گے، اور اسے ”زجرۃ“ سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح موشیوں کو اٹھا کر چلانے کے لئے کچھ آوازیں نکالی جاتی ہیں اسی طرح مردوں کو زندہ کرنے کے لئے یہ صورت پھونکا جائے گا۔ (تفسیر قرطبی)

اگرچہ باری تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ صورت پھونکنے بغیر مردوں کو زندہ کر دے، لیکن یہ صورت حشر و نشر کے منظر کو پرہیت بنانے کے لئے پھونکا جائے گا۔ (تفسیر کبیر) اس صورت پھونکنے کا اثر کافروں پر یہ ہوگا کہ: فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۵﴾ (پس اچانک وہ دیکھنے بھالنے لگیں گے) یعنی جس طرح دنیا میں وہ دیکھنے پر قادر تھے اسی طرح وہاں بھی دیکھ سکیں گے، اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ حیرانی کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں گے۔ (ترطیب)

وَيَقَالُ لِلْمَلِكَةِ أَحْشِرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ بِالشِّرْكِ وَاذْوَابِهِمْ قَرْنَا هُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۶﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى غَيْرُهُ مِنَ الْأَوْثَانِ فَأَهْدُوهُمْ ذُلُّهُمْ وَسَوْفُورُهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ ﴿۷﴾

طَرِيقِ النَّارِ وَقَفُّوهُمْ أَحْبِسُوهُمْ عِنْدَ الصِّرَاطِ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ﴿۸﴾ عَنْ جَمِيعِ أَعْوَابِهِمْ وَأَفْعَالِهِمْ وَ

يُقَالُ لَهُمْ تَوْبِيخًا لَا يَنْظُرُ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ﴿۹﴾ بَعْضُكُمْ بَعْضًا كَحَالِكُمْ فِي الدُّنْيَا وَيُقَالُ لَهُمْ بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿۱۰﴾ مُنْقَادُونَ أَدْلَاءُ وَ أَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۱۱﴾ يَتَلَاوَمُونَ

وَيَتَخَاصَمُونَ قَالُوا أَى الْأَتْبَاعِ مِنْهُمْ لِلْمُتَّبِعِينَ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿۱۲﴾ عَنِ الْجِهَةِ الَّتِي كُنَّا مِنْكُمْ مِنْهَا بِحَلْفِكُمْ أَنْكُمْ عَلَى الْحَقِّ فَصَدَقْنَاكُمْ وَأَتْبَعْنَاكُمْ الْمَعْنَى أَنْكُمْ أَصَلَلْتُمُونَا قَالُوا أَى الْمَتَّبِعُونَ لَهُمْ بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَأَنْمَا يَصْدُقُ الْإِضْلَالُ مِمَّا أَنْ لَوْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَرَجَعْتُمْ

عَنِ الْإِيمَانِ الْيَنَا وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ قُوَّةً وَقُدْرَةً نَقْهَرُكُمْ عَلَى مُتَابَعَتِنَا بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَٰغِينَ ﴿۱۴﴾ ضَالِّينَ مِثْلَنَا فَحَقٌّ وَجِبَ عَلَيْنَا جَمِيعًا قَوْلُ رَبِّنَا بِالْعَذَابِ أَى قَوْلُهُ لَا مَلَانَ جَهَنَّمَ

مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ إِنَّا جَمِيعًا لَدَائِقُونَ ﴿٥٠﴾ الْعَذَابُ بِذَلِكَ الْقَوْلِ وَنَشَأَعُنَّهُ قَوْلُهُمْ فَأَغْوَيْتَكُم
 الْمَغْلَلُ بِقَوْلِهِمْ إِنَّا كُنَّا غَوِيْنَ ﴿٥١﴾ قَالَ تَعَالَى فَإِنَّهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٥٢﴾
 لِاشْتِرَاكِهِمْ فِي الْغَوَايَةِ إِنَّا كَذَلِكَ كَمَا نَفْعَلُ بِهِؤَلَاءِ لَنفَعُلَ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿٥٣﴾ غَيْرِ هَؤُلَاءِ أَيُّ نَعَذِّبُهُمْ
 التَّابِعَ مِنْهُمْ وَالْمَشْبُوعَ إِنَّهُمْ أَيُّ هَؤُلَاءِ بِقَرِيْبَةٍ مَا بَعْدَهُ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٥٤﴾ وَيَقُولُونَ آيَاتِنَا فِي هَمْزَتَيْهِ مَا تَقَدَّمَ لَنَا كَرِهْنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ ﴿٥٥﴾ أَيُّ لِحْلِ قَوْلِ
 مُحَمَّدٍ قَالَ تَعَالَى بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٥٦﴾ الْجَائِينَ بِهِ وَهُوَ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِنَّكُمْ فِيهِ
 الْبَنَاتُ لَدَائِقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ﴿٥٧﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٨﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ
 الْمُخْلِصِينَ ﴿٥٩﴾ أَيُّ الْمُؤْمِنِينَ اسْتِثْنَاءً مُنْقَطِعٌ أَيُّ ذَكَرَ جَزَاءُ هُمْ فِي قَوْلِهِ أُولَئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَعْلُومٌ ﴿٦٠﴾
 بَكْرَةٌ وَعَشِيًّا فَوَاكِهَةٌ بَدَلُ أَوْبِيَانٍ لِلرِّزْقِ وَهِيَ مَا يُؤْكَلُ ثَلَاثًا إِلَّا لِحِفْظِ صِحَّةٍ لِأَنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ
 لَسْتَعْتَنُوا عَنْ حِفْظِهَا بِخَلْقِ أَجْسَامِهِمْ لِلْأَبَدِ وَهُمْ مُكْرَمُونَ ﴿٦١﴾ بِثَوَابِ اللَّهِ فِي جَنَّتِ التَّوْبِيمِ ﴿٦٢﴾ عَلَى
 سُرٍّ مُتَقَابِلِينَ ﴿٦٣﴾ لَا يَرَى بَعْضُهُمْ قَفَا بَعْضٍ يُطَافُ عَلَيْهِمْ عَلَى كُلِّ مِثْقَلٍ بِكَاسٍ هُوَ الْإِنَاءُ بِشَرَابِهِ مِنْ
 مَعِينٍ ﴿٦٤﴾ مِنْ خَمْرٍ يَجْرِي عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ كَأَنَّهُارِ الْمَاءِ بِيضَاءً أَشَدَّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ لَذِيذَةٌ
 لِلشَّرِبِينَ ﴿٦٥﴾ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا فَإِنَّهَا كَرِيْهَةٌ عِنْدَ الشَّرْبِ لَا فِيهَا غَوْلٌ مَا يَغْتَالُ عُقُولَهُمْ وَلَا هُمْ
 عَنْهَا يَنْزِفُونَ ﴿٦٦﴾ بِفَتْحِ الزَّائِ وَكُشْرِهِ هَامِنْ نَزَفَ الشَّارِبُ وَأَنْزَفَ أَيُّ يُسْكِرُونَ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا
 وَعِنْدَهُمْ قِصْرُ الظَّرْفِ حَابِسَاتُ الْأَعْيُنِ عَلَى أَرْوَاجِهِنَّ لَا يُنْظَرْنَ إِلَى غَيْرِهِمْ لِحُسْنِهِمْ عِنْدَهُنَّ
 عَيْنٌ ﴿٦٧﴾ ضَخَامُ الْأَعْيُنِ حَسَانُهَا كَأَنَّهِنَّ فِي اللَّوْنِ بَيْضٌ لِلنِّعَامِ مَكْنُونٌ ﴿٦٨﴾ مَشْتَوْرٌ بِرَيْشِهِ لَا يَصِلُ
 إِلَيْهِ عُتَابٌ وَوَلْوَةٌ وَهُوَ الْبَيَاضُ فِي صُفْرَةِ أَحْسَنِ الْوَانِ التِّسَاءِ فَاقْبَلْ بَعْضُهُمْ بَعْضُ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَلَى
 بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٩﴾ عَمَّا مَرَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ إِنِّي كَانُ لِي قَدِيْنٌ ﴿٧٠﴾ صَاحِبٌ يُنْكِرُ
 الْبَيْتَ يَقُولُ لِي تَبَكِّجْنَا بِبَيْتِكَ لِمَنِ الْمَصْدِقِيْنَ ﴿٧١﴾ بِالْبُعْثِ إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِنَّا فِي

الْهَمَزَتَيْنِ فِي ثَلَاثَةِ مَوَاضِعَ مَا تَقَدَّمَ لِمَدِّيْنُونَ ﴿٣٥﴾ مَحْزِيُونَ وَمَحَاسِبُونَ أَنْكَرَ ذَلِكَ أَيْضًا قَالَ ذَلِكَ

الْقَائِلُ لِأَخْوَانِهِ هَلْ أَنْتُمْ مُطَّلِعُونَ ﴿٣٦﴾ مَعِيَ إِلَى النَّارِ لِنَنْظُرَ حَالَهُ فَيَقُولُونَ لَا فَاطْلَعْ ذَلِكَ الْقَائِلُ مِنْ

عَصَى كَوَى الْجَنَّةَ قَرَأَ أَي رَأَى فَرِيئَةً فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٣٧﴾ أَي وَسَطِ النَّارِ قَالَ لَهُ تَشْبِيهُتَا تَأَلَّفَ إِنَّ

مُحَقَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ كِدَاتٍ قَارِبَتْ لَتُرْدِينَ ﴿٣٨﴾ لَتُهْلِكُنِي بِأَعْوَانِكَ وَكَوَلَا نِعْمَةً رَبِّي أَيِ انْعَامُهُ عَلَيَّ

بِالْإِيمَانِ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿٣٩﴾ مَعَكَ فِي النَّارِ وَيَقُولُ أَهْلُ الْجَنَّةِ أَفَمَا نَحْنُ بِبَيِّنَاتٍ ﴿٤٠﴾ إِلَّا

مَوْتَنَا الْأُولَى أَيِ النَّبِيِّ فِي الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿٤١﴾ هُوَ اسْتِفْهَامٌ تَلَذُّذٌ وَتَحَدُّثٌ بِنِعْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى

مِنْ تَأْيِيدِ الْخَيْرِ وَعَدَمِ التَّعَذُّبِ إِنَّ هَذَا الَّذِي ذُكِرَ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٤٢﴾ لِشَيْءٍ هَذَا

فَلْيَعْبَلِ الْعَمَلُونَ ﴿٤٣﴾ قِيلَ يُقَالُ لَهُمْ ذَلِكَ وَقِيلَ هُمْ يَقُولُونَ ذَلِكَ الْمَذْكَورُ لَهُمْ خَيْرٌ تَزُولًا وَهُوَ مَا بَعْدَ

الِنَّازِلِ مِنْ ضَيْفٍ وَغَيْرِهِ أَمْ شَجَرَةُ الرَّقُومِ ﴿٤٤﴾ الْمُعَدَّةُ لِأَهْلِ النَّارِ وَهِيَ مِنْ أَحْبَسِ الشَّجَرِ الْمُرَبَّهَامَةِ

يُثْبِتُهَا اللَّهُ الْجَحِيمِ كَمَا سَيَأْتِي إِنَّا جَعَلْنَاهَا بِذَلِكَ فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ﴿٤٥﴾ أَيِ الْكَافِرِينَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ إِذْ

قَالُوا النَّارُ تُحْرِقُ الشَّجَرَ فَكَيْفَ تُثْبِتُ إِنَّمَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿٤٦﴾ قَفَرِ جَهَنَّمَ وَأَعْضَانِهَا

تَرْفَعُ إِلَى دَرَكَاتِهَا طَلْعُهَا الْمَشْبَهُ بِطَلْعِ النَّخْلِ كَأَنَّهُ رَعُوسُ الشَّيْطَانِ ﴿٤٧﴾ أَيِ الْحَيَاتِ الْقَبِيحَةِ الْمُنْظَرِ

فَالَهُمْ أَيِ الْكَفَّارِ لَا يَكُونُونَ مِنْهَا مَعَ فُبْحِهَا لِشِدَّةِ جُوعِهِمْ فَمَا لَكُونُوا مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٤٨﴾ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ

عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِنْ حَيْمٍ ﴿٤٩﴾ أَيِ مَائِ حَارٍ يَشْرَبُونَهُ فَيَخْتَلِطُ بِالْمَاكُولِ مِنْهَا فَيَصِيرُ شَوْبًا لَهُ ثُمَّ إِنَّ

مَرَجِعَهُمْ إِلَى الْجَحِيمِ ﴿٥٠﴾ يَفِيدُ أَنَّهُمْ يُخْرِجُونَ مِنْهَا الشَّرْبَ الْحَمِيمَ وَأَنَّهُ لِحَارِ جُهَا أَنَّهُمْ الْقَوَا

وَخَدُوا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ﴿٥١﴾ فَهُمْ عَلَى آثَرِهِمْ يَهْرَعُونَ ﴿٥٢﴾ يُرْعَجُونَ إِلَى آثَابِهِمْ فَيَسْرَعُونَ إِلَيْهِ وَ

لَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأُولِينَ ﴿٥٣﴾ مِنَ الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَ لَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنذِرِينَ ﴿٥٤﴾ مِنَ الرُّسُلِ

مُخَوِّفِينَ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴿٥٥﴾ الْكَافِرِينَ أَيِ عَاقِبَتُهُمُ الْعَذَابُ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ

بِجِ الْبَاطِلِينَ ﴿٥٦﴾ أَيِ الْمُؤْمِنِينَ فَانظُرْ نَجْوَاهُمْ مِنَ الْعَذَابِ لِأَخْلَاصِهِمْ فِي الْعِبَادَةِ أَوْلَانِ اللَّهُ أَخْلَصَهُمْ لَهَا

تو چہنبا: اور فرشتوں سے کہا جائے ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اور ان کے شیطانی رفیقوں کو اور ان کے معبودوں کو جس کی وہ خدا کے علاوہ بندگی کیا کرتے تھے مراد بت ہیں جمع کر لو اور انکو جہنم کا راستہ دکھا دو اور گھسیٹ کر لے جاؤ اور انکو پہل صراط کے پاس ٹھہراؤ ان سے سوال کرنا ہے ان کے تمام اقوال و افعال کے بارے میں اور ان سے تو بیجا کہا جائیگا تم کو کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے جیسا کہ دنیا میں تمہارا طریقہ تھا اور ان سے کہا جائے گا بلکہ وہ آج سرنگوں ذلیل ہوں گے۔ اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے کو ملامت کریں گے یعنی الزام تراشی کریں گے ان میں سے تابعین متبوعین سے کہیں گے تم ہمارے پاس حلفیہ طریقہ سے آتے تھے، ہم تمہاری اس قسم کی وجہ سے کہ تم برحق ہو تمہارا یقین کر لیتے تھے اور تمہاری اتباع کر لیتے تھے مطلب یہ ہے کہ تم ہی نے ہم کو گمراہ کیا تھا وہ متبوعین ان سے کہیں گے نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم خود ہی مومن نہیں تھے ہماری طرف سے گمراہ کرنا اس وقت صادق آتا کہ تم مومن ہوتے پھر ایمان سے پھر جاتے اور ہمارا تم پر کوئی زور زبردستی تو تھ نہیں کہ تم کو اپنی اتباع پر مجبور کرتے بلکہ تم خود ہی ہمارے مانند گمراہ لوگ تھے تو ہم سب پر ہمارے عذاب کی وعید یعنی لَا مَلَأْنَا جَهَنَّمَ مِنْ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ ثابت ہوگئی اب ہم سب کو اس وعید کے مطابق عذاب کا مزہ چکھنا ہے اور قول رب سے ان کا قول فَغَوَيْنَاكُمْ ثابت ہو گیا یعنی ہمارا تم کو گمراہ کرنا ثابت ہو گیا ہم نے تمہیں گمراہ بنا یا یہ معلول ہے ان کے قول إِنْ كُنَّا غَوِينًا ۝ کا اللہ تعالیٰ نے فرمائے گا کہ وہ سب تابعین اور متبوعین قیامت کے دن عذاب میں شریک ہوں گے ان کے گمراہی میں مشترک ہونے کی وجہ سے ہم جیسا کہ ان کے ساتھ کر رہے ہیں ان کے علاوہ ہر مجرم کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں یعنی تابع اور متبوع کو عذاب دیا کرتے ہیں وہ یعنی یہی لوگ، مابعد کے قرینہ سے جب ان سے کہا جاتا تھا کہ لا الہ الا اللہ کہو تو یہ لوگ تکبر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بھلاء انا کے دونوں ہمزوں میں مذکورہ تمام قراءتیں ہیں۔ ہم ایک شاعر مجنوں کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں یعنی محمد ﷺ کے کہنے سے بات ایسی نہیں بلکہ ارشاد ربانی ہے سچ تو یہ ہے کہ وہ حق لے کر آیا ہے اور حق لانے والا رسولوں کی تصدیق کرتا ہے اور حق لا الہ الا اللہ ہے یقیناً تم دردناک عذاب کا مزہ چکھنے والے ہو اس میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے مگر اللہ کے مخلص بندے ہیں یعنی ایمان والے مستثنیٰ منقطع ہے ان کی جزاء اللہ تعالیٰ کے ارشاد: أُولَئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ۝ میں ذکر کی گئی ہے یہی وہ لوگ ہیں جن کا رزق جو کہ میوے ہیں جنت میں وقت مقررہ پر صبح و شام ملے گا، لفظ فَوَاكِهِ رزق سے بدل واقع ہے یا عطف بیان ہے فَوَاكِهِ پھلوں اور میووں کو کہا جاتا ہے جو تلذذ کے طور پر کھائے جاتے ہیں نہ کے بقائے صحت کے لیے اس لیے کہ جنتی بقاء صحت سے مستغنی ہوں گے اس لیے کہ ان کے اجسام کی تخلیق ابد الآباد کے لیے ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے نعمتوں والی جنت میں ان کا اکرام کیا جائے گا اور آنحضرت ﷺ پر آ منے سامنے بیٹھے ہوں گے کوئی کسی کی گدی کو نہ دیکھے گا اور ان ٹمس سے ہر ایک پر بہتی ہوئی صاف شراب کے جام کا وور چلایا جائے گا۔ کاس اس جام کو کہتے ہیں جس میں شراب ہو معین وہ شراب کہلاتی ہے جو سطح زمین پر پانی کے مانند جاری ہو تو وہ دورہ سے بھی زیادہ سفید ہوگی چاہنے والوں کے لیے نہایت لذیذ:

گی برخلاف دنیاوی شراب کے کہ وہ پینے میں بدمزہ ہوتی ہے نہ اس میں سرد رہے گا کہ ان کی عقلاوں میں فتور پیدا کر دے اور نہ اس کی وجہ سے بدحواس ہوں گے یُنْزَلُونَ ﴿۷۰﴾ زاکے فتح اور کسرہ کے ساتھ یہ نَزَف الشراب انزف سے ماخوذ ہے یعنی بدمست نہ ہوں گے برخلاف دنیاوی شراب کے اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی جتنی وہ اپنی نظروں کو اپنے شوہروں تک محدود رکھنے والی عورتیں ہوں گی دوسروں کی طرف نظر نہ اٹھائیں گی کیونکہ ان کے شوہران کی نظر میں (زیادہ) حسین ہوں گے، بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی ہوں گی گویا کہ وہ رنگ میں شتر مرغ کے انڈے ہیں جو اس کے پروں میں ڈھکے ہوئے ہیں، ان تک گردوغبار کی رسائی نہیں ہوتی اور ان کا رنگ سفید زردی آمیز ہوگا جو کوعورتوں کا حسین ترین رنگ سمجھا جاتا ہے جتنی ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر دنیا کی آپ بیتی کے بارے میں باتیں کریں گے۔ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ملاقاتی تھا۔ جو بعث بعد الموت کا منکر تھا اور مجھ سے لا جواب کرنے کے لیے کہا کرتا تھا کہ کیا تم بھی بعث بعد الموت کا اعتقاد رکھنے والے ہو گیا جب ہم مرجائیں گے، اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم دونوں ہمزادوں میں گذشتہ مواقع کی تفصیل جہاں ہوگی تو کیا جزا سزا دیئے جائیں گے۔ حساب و کتاب ہوگا اسے اس کا بھی انکار ہوگا کہے گا کہنے والا اپنے دوستوں سے کیا تم جہنم تک کر دیکھنا چاہتے ہو میرے ساتھ جہنم کو وہ بولیں گے نہیں سو وہ خود جہانگے جنت کے کسی روشن دان سے سوا سے اپنے ساتھی کو جہنم کے چبھوں بیچ دیکھے گا بولے گا دشمن کی بد حالی پر خوش ہوتے ہوئے بخدا تو تو ان مخففہ ہے مجھے تباہ ہی کرنے کو تھا مجھے بہا کر بربادی کے قریب کر دیا تھا اور اگر میرے پروردگار کا مجھ پر فضل و کرم نہ ہوتا کہ ایمان کی دولت دے کر مجھ پر انعام کیا تو میں بھی گرفتار ہو جاتا تیرے ساتھ جہنم میں اور جنتی بولیں گے کیا ہم دوبارہ نہیں مریں گے پہلی بار مرنے کے عدا وہ جو دنیا میں ہو چکا ہے اور نہ ہمیں عذاب ہوگا یہ پوچھنا مزہ لینے کے لیے اور ابدی زندگی اور عذاب نہ ہونے کے انعام کو یاد رکھنے کے لیے ہوگا یہ بیشک جس کا ذکر جنتیوں کے لیے ہوا ہے بڑی کامیابی ہے ایسی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے بعض کی رائے ہے کہ یہ بات اللہ کی طرف سے کہی جائے گی اور بعض کے نزدیک وہ خود آپس میں کہیں گے، بھلا یہ اہل جنت کے بیان کردہ حالات دعوت بہتر ہے مہمان وغیرہ کی آمد پر جو کچھ پیش کیا جائے یا قوم کا درخت جو جہنمیوں کے لیے تیار ہوگا یہ تہامہ کے بدتر کی کڑے درختوں میں سے ہے اللہ انکے لیے دوزخ میں آگائے گا۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے کہ ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے ایک آزمائش بنایا ہے۔ مکہ کے کافروں کے لیے، جنہوں نے کہا کہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے پھر کس طرح وہاں آگے گا؟ وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہ سے نکلے گا جس کی جڑیں قعر جہنم میں ہوں گی اور شاخیں اس کے بقعات تک پھیلی ہوں گی۔ اس کے پھل جو کھور کے گچھوں کے مشابہ ہوں گے ایسے ہی جیسے سانپوں کے پھن بہت ناک بڑا سانپ سچ بات یہ ہے کہ یہ کفار اسی کو کھائیں گے۔ خراب ہونے کے باوجود انتہائی بھوک کے مارے اسی سے پیٹ بھریں گے پھر اس پر انہیں کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گرم پانی پلایا جائے گا جو کھانے کے ساتھ گھل مل جائے گا پھر انکا خیر ٹھکانہ دوزخ کی طرف ہوگا لفظ مرجع سے یہ بات نکلنی ہے کہ گرم پانی کے لیے دوزخیوں کو باہر نکالا جائے گا اور گرم پانی دوزخ سے باہر ہوگا انہوں نے اپنے بڑوں کو گمراہی کی حالت میں پایا تھا پھر یہ بھی انہی کے قدم بہ قدم تیزی سے چلتے رہے یعنی اس کی پیروی میں دوزخ دھوپ کرتے رہے اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں سابقہ امتوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں اور ہم نے ان میں بھی ڈرانے والے پیغمبر بھیجے تھے۔ سو دیکھ لیجئے ان لوگوں کا

کیا برا انجام ہوا جنہیں ڈرایا تھا یعنی کافروں کا انجام عذاب ہوا مگر اللہ کے مخصوص بندے تھے یعنی مؤمن انہیں اخلاص عبادت کی وجہ سے عذاب سے چھٹکارا رہا یا اللہ نے انہیں بچا لیا یہ اس صورت میں جب کہ مخلصین لام کے ساتھ ہو۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و شرح

قوله: يَتَلَوُاْ وَ يُؤْمِنُوْنَ: یہ استفہام تویح کے لیے ہے۔

قوله: عَنِ الْجِهَةِ الَّتِي كُنَّا نَا: جس جہت کی وجہ سے ہم نے تم کو امن والا بنایا الیٰمیں سے یہاں قسم مراد ہے نہ جانب۔

قوله: وَنَسَا عَنْهُ قَوْلُهُمْ: یعنی ہر دو فریق کی گمراہی اور عذاب میں ابتلاء یہ فیصد شدہ بات تھی جس کے سوا چارہ نہ تھا۔

قوله: اِنَّا كُنَّا غُيُوْبًا: غیوب کہہ کر اشارہ کیا کہ ان کی گمراہی ان کی طرف سے نہ تھی بلکہ اپنا داخل تھا۔

قوله: فَاَنْهَمُوْا: پیروار تابع دونوں۔

قوله: بَشَوَابِ اللّٰهِ: ان تک بڑا تعب و مشقت اور سوال پہنچے گا۔

قوله: عَلٰی سُرُوْرٍ: یہ حال واقع ہے۔

قوله: لَذَّةٍ يَّكْوِسُ: کی صفت لذت بطور مبالغہ ذکر کی یا یہ لذکی مونث بمعنی لذیذ ہے۔

قوله: مَا يَنْتَالُ: جو دھوکے سے قتل کرتے ہیں۔

قوله: بَيْضٌ: جمع بیضہ۔

قوله: بِلْتَعَامٍ: شتر مرغ۔

قوله: فَاَقْبَلَ: اس کا عطف يُطَافُ عَلَيْهِمْ پر ہے۔

قوله: اَفْهَامًا: اس کا محذوف پر عطف ہے ای انحن مخلصون فہم انحن بمیتین۔

قوله: لِيَسْتَلِ هٰذَا: دینی خطوط کی خاطر نہیں۔

قوله: دَرَكَاتِهَا: طبقات جہنم۔

قوله: الْحَيَاتِ الْقَبِيْحَةُ: سانپوں کو شیا طین قباحت منظر کی وجہ سے کہا۔

قوله: لَشَوْبًا: ملاوٹ۔

قوله: وَاِنَّهٗ لَخَارٌ جُهْمًا: وہ گرم پانی کے چشمے آگ سے باہر ہوں گے ان پر وہ وارد ہوں گے۔

قوله: يَهْرَعُوْنَ: ان کو ان کی جگہ سے اکھاڑا جائے گا۔

قوله: قَبَاهِمُ: قریش مکہ سے پہلے۔

تفسیر مقبولین

أَحْشَرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۱﴾

(یعنی ان ظالموں کو جنہوں نے شرک کے ظلم عظیم کا ارتکاب کیا اور ان کے ہم مشربوں کو جمع کر لو) یہاں ہم مشربوں کے لئے ازواج کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے لفظی معنی ہیں ”جوڑ“ اور یہ لفظ شوہر اور بیوی کے معنی میں بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے بعض مفسرین نے اس کے معنی بیان کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اس سے مشرکین کی وہ بیویاں مراد ہیں جو خود بھی مشرک تھیں۔ لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں ”ازواج“ سے مراد ہم مشرب ہی ہے، اور اس کی تائید حضرت عمر کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔ امام بیہقی اور عبدالرزاق وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ یہاں **أَزْوَاجَهُمْ** سے مراد ہیں ان جیسے دوسرے لوگ، چنانچہ سو خورد سو خوردوں کے ساتھ، زنا کار دوسرے زانیوں کے ساتھ، اور شراب پینے والے دوسرے شراب پینے والوں کے ساتھ جمع کئے جائیں گے۔ (روح المعانی و مظہری)

اس کے علاوہ **وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ** کے الفاظ سے بتا دیا گیا کہ مشرکین کے ساتھ ان کے وہ باطل معبود یعنی بت اور شیاطین بھی جمع کئے جائیں گے، جنہیں یہ لوگ دنیا میں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے، تاکہ اس وقت ان باطل معبودوں کی بے بسی کا اچھی طرح نظارہ کرایا جائے۔

قیامت کے دن مجرمین کا ایک دوسرے پر بات ڈالنا اور چھوٹوں کا بڑوں کو الزام دینا:

اول تو یہ فرمایا کہ دوسرا صورت پھونکے جانے کے بعد جب میدان حشر میں پہنچیں گے تو اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوگا کہ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی کفر اختیار کیا اور اس کے داعی بنے انہیں اور ان کے ہم مشربوں یعنی ان کا اتباع کرنے والوں کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے ان سب کو جمع کرو، ان کو ایک جگہ جمع کر کے دوزخ کا راستہ بتا دو کہ جاؤ اس میں داخل ہو جاؤ، اور وہاں ان کو ذرا ٹھہرا لو، ان سے سوال کیا جائے گا، جب ان کو ٹھہرا لیا جائے گا تو یہ سوال ہوگا کہ آج آپس میں ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ دنیا میں تو بڑے یا ربنے ہوئے تھے اور مدد کے وعدے بھی کرتے تھے۔ جو لوگ کفر کی دعوت دیتے تھے وہ تو یہاں تک کہہ دیتے تھے (اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ) (کہ تم ہماری راہ کا اتنا ہی عذاب ہوگا دوسرے کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکے گا اور سب شرم کے مارے سر جھکائے ہار مانے ہوئے کھڑے ہوں گے اور یہ مان لیں گے اور جان لیں گے کہ واقعی ہم مستحق عذاب ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بھی شخص نے (دنیا میں) کسی بھی چیز کی طرف دعوت دی ہوگی تو یہ شخص قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا جس کو دعوت دی ہوگی وہ اسے پکڑا رہے گا اس سے جدا نہیں ہوگا، اگرچہ ایک ہی شخص نے ایک ہی شخص کو دعوت دی ہوگی، اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (وَقِفُّهُمْ أُنْتَهُمُ

تَسْتَأْذِنُونَ مَا لَكُمْ لَا تَنْتَازِعُونَ (رواه الترمذی فی تفسیر سورة الصفت)

آپس میں ایک دوسرے کی مدد تو کیا کرتے وہاں تو چھوٹے بڑوں کو الزام دیں گے اور بڑوں سے کہیں گے کہ تم نے تو ہمارا ہنس کر دیا، دنیا میں تمہارا یہ حال تھا کہ ہمارے پاس بڑے زوردار طریقے سے آتے تھے اور ہم پر خوب زور ڈال کر کفر و شرک کی راہ دکھاتے تھے اور اپنی چودھراہٹ اور سرداری کو استعمال کرتے تھے، آج جب ہم مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں تو تمہاری طرف سے کچھ بھی مدد نہیں؟ ان کے بڑے سردار اور چودھری کہیں گے بات یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا وہ اپنی جگہ ہے تمہاری گمراہی صرف ہمارے ہی گمراہ کرنے پر منحصر نہ تھی بلکہ تم خود ہی مؤمن نہیں تھے، ہم نے تم سے جو کچھ کہا اور تمہیں جو کچھ بتایا وہ بہت سے بہت ایسی بات تھی کہ تم کو کفر پر جسے رہنے کی تاکید کرتے رہے، کافر تو تم خود ہی تھے اگر ہم تمہیں نہ بہکاتے اپنے کفر کی وجہ سے پھر بھی تم آج سزا پاتے، اور اس بات کا بھی تو خیال کرو کہ ہم نے تمہیں جو کچھ بتایا اور کفر پر ابھارا اس میں ہماری باتیں ہی باتیں تو تھیں تم پر ہمارا ایسا کوئی تسلط نہیں تھا کہ لٹھ مار کر اور تلوار دکھا کر کفر پر جسے رہنے کی تاکید کرتے، بات یہ ہے کہ تم خود ہی سرکش تھے، تمہارے جذبات اور ہمارے جذبات میں یگانگت تھی لہذا تم نے ہماری بات مان لی: (قال صاحب الروح: بئیل کنتم قوما طاعین جواب اخر تسلیمی علی فرض اضلالہم بانہم لم یجبر وہم علیہ وانما دعواہم لہ فأجابوا باختیارہم لموافقة ما دعوا لہ ہواہم) (صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں (بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ) یہ ایک دوسرا جواب ہے جو اس طرح ہے کہ بالفرض ہم مان لیتے ہیں کہ ہم نے تمہیں گمراہ کیا لیکن ہم نے تمہیں اس گمراہی کے ماننے پر مجبور نہیں کیا ہم نے تو فقط دعوت ہی دی اور انہوں نے اپنی مرضی و پسند سے اس دعوت کو قبول کر لیا۔)

مجرمین کا اقرار کہ ہم عذاب کے مستحق ہیں:

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا اِنَّآ لَذٰلِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ (سو ہم پر ہمارے رب کی بات ثابت ہوگئی بلاشبہ ہم سب چکھنے والے ہیں) یعنی ہمارے خالق اور مالک نے جو کافروں کے لیے جہنم کا داخلہ طے فرمایا تھا اسی کے مطابق ہمیں اور تمہیں عذاب چکھنا ہوگا۔ فَاَعْوَبْنَاكُمْ اِنَّا لَنَّا غٰوِبِيْنَ ﴿۱۱﴾ (سو ہم نے تم کو بہکا دیا بیشک ہم بھی گمراہ تھے) تم بھی کافر تھے اور ہم بھی، اب عذاب سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں ہمیں الزام دے کر تمہارا بچاؤ نہیں ہو سکتا۔

یعنی خود تو ایمان نہ لائے ہم پر الزام رکھتے ہو۔ ہمارا تم پر کیا زور تھا جو دل میں ایمان نہ گھسنے دیتے تم لوگ خود ہی عقل و انصاف کی حد سے نکل گئے کہ بے لوث ناصحین کا کہنا نہ مانا اور ہمارے بہکائے میں آگئے اگر عقل و فہم اور عاقبت اندیشی سے کام لیتے تو ہماری باتوں پر کبھی کان نہ دھرتے۔ رہے ہم سونٹا ہر ہے خود گمراہ تھے، ایک گمراہ سے بجز گمراہی کی طرف بلانے کے اور کیا توقع ہو سکتی ہے۔ ہم نے وہ ہی کیا جو ہمارے حال کے مناسب تھا لیکن تم کو کیا مصیبت نے گھیرا تھا کہ ہمارے چکھوں میں آگئے۔ بہر حال جو ہونا تھا ہو چکا۔ خدا کی حجت ہم پر قائم ہوئی اور اس کی وہ ہی بات (لَا مَلِكَٔنَ جَہَنَّمَ مِنكُ وَ مِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ) (ص: ۸۵) ثابت ہو کر رہی۔ آج ہم سب کو اپنی اپنی غلط کاریوں اور بد معاشیوں کا مزہ چکھنا ہے۔ فَاَلْهَمُوْهُمُ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۱۲﴾

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو ناجائز کام کی دعوت دے اور اسے گناہ پر آمادہ کرنے کے لئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے تو اسے دعوت گناہ کا عذاب تو بے شک ہوگا، لیکن جس شخص نے اس کی دعوت کو اپنے اختیار سے قبول کر لیا وہ بھی اپنے عمل سے بری نہیں ہو سکتا۔ وہ آخرت میں یہ کہہ کر چھٹکارا نہیں پاسکتا کہ مجھے تو فلاں شخص نے گمراہ کیا تھا، ہاں اگر اس نے گناہ کا ارتکاب اپنے اختیار سے نہ کیا ہو بلکہ جبر و اکراہ کی حالت میں اپنی جان بچانے کے لئے کر لیا، تو ان شاء اللہ اس کی معافی کی امید ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يُسْتَكْبَرُونَ ﴿۱﴾

استکبار خرابیوں کی خرابی اور محرومیوں کی جڑ و بنیاد ہے:

فرمایا جب ان کو توحید کی دعوت دی جاتی تو یہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں آ کر پھرتے جاتے۔ سو یہ ہے وہ اصل سبب جو ان کے اس انجام بد کا باعث بنا کہ عقیدہ توحید قبول کرنا اور صرف ایک خدا کا ہو کر رہنا، اسی کی بندگی کرنا اور ہر حاجت میں صرف اسی کے آگے دست سوال دراز کرنا ان مشرکوں کو منظور نہیں تھا۔ کل کا کھلا مشرک بھی اسی مرض میں مبتلا تھا اور آج کے کلمہ گو مشرک کا بھی یہی حال ہے۔ توحید کا عقیدہ صافینہ اسے گوارا تھا نہ اسے برداشت ہے۔ اپنی سیادت و قیادت اور اپنی بڑائی اور کھڑپائی کے زلم فاسد اور جھوٹے گھمنڈ میں حق کا وہ بھی منکر تھا اور یہی بات آج اس کو بھی قبول نہیں۔ فرق اگر ہے تو اسماء و الفاظ، کلمات و عبارات اور انداز و اسالیب کا ہے۔ اس کے مختلف معبودوں کے نام اور تھے اور اس کے اور ہیں۔ اس کے حاجت رواد مشکل کشا اور تھے اور اس کے اور ہیں۔ اس کی صدا و پکار اور شرک و پوجا کے طریقے اور انداز اور تھے اور اس کے اور ہیں۔ وہ توحید والوں کو صوابی کہتا تھا اور یہ وہابی کہتا ہے وغیرہ وغیرہ ﴿لَسَابِقَاتٌ لِّقُلُوبِهِمْ﴾ والعياذ باللہ العظیم۔ بہر کیف استکبار یعنی اپنی بڑائی کا گھمنڈ خرابیوں کی خرابی اور محرومیوں کی جڑ و بنیاد ہے۔

بندے کی عظمت اس کی شان بندگی اور اتباع حق میں ہے:

أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿۱﴾

عام اہل جنت کے بارے میں پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ انھیں رزق وہ عطا کیا جائے گا جن کی تفصیل مختلف صورتوں میں بیان کی گئی ہے اور ان کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ اور بعض اہل علم نے رزق معلوم سے یہ مراد لیا ہے کہ اس کے اوقات متعین اور معلوم ہیں۔ یعنی وہ رزق صبح و شام یا بندی کے ساتھ عطا کیا جائے گا۔ ان اوقات میں کبھی تبدیلی نہیں آئے گی۔ اور مزید یہ بات کہ دنیا میں ہر چیز کا ملنا ظن و گمان پر مبنی ہے۔ کیونکہ دنیا میں انسان کے حالات یکساں نہیں رہتے۔ اس بات کا امکان ہر وقت رہتا ہے کہ حالات میں کوئی بڑی تبدیلی آجائے۔ لیکن جنت میں کسی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔ وہاں ہر چیز کا ملنا یقینی اور دائم ہے۔ یہ کھانکالوں میں کبھی داخل نہیں ہوگا کہ جو عیش آج میسر ہے ہو سکتا ہے کل نہ ہو۔

دوسری آیت میں رزق کی خود تفصیل بیان کی گئی ہے کہ وہ رزق غذا کی صورت میں نہیں بلکہ فواکہ اور میوؤں کی شکل میں ہوگا۔ کیونکہ غذا کی ضرورت بھوک کو مٹانے کے لیے ہوتی ہے، صرف لذت حاصل کرنے کے لیے نہیں۔ اور جنت میں چونکہ

چیز ابدی ہوگی کسی چیز کو زوال نہیں ہوگا اس لیے وہاں بھوک نہیں لگے گی۔ کیونکہ بھوک لگنے کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے جسم کے تحلیل ہونے کے بعد اب ضرورت ہے کہ کچھ کھاپی کر اس تحلیل کی کمی کو دور کیا جائے۔ وہاں کی زندگی بھی دائمی ہے اس لیے زندگی کی بقا کے لیے بھی وہاں غذا کی ضرورت نہیں ہوگی۔ البتہ انسان میں لطف و لذت کا احساس موجود ہوگا تو فو کہ پیش کر کے ان کے لطف و لذت کے احساس کو تسکین دی جائے گی۔

مزید فرمایا کہ اہل جنت کو نعمت والے باغوں میں نہایت عزت و احترام سے رکھا جائے گا کیونکہ اگر کسی مہمان کے لیے رنگ رنگ نعتیں چن دی جائیں لیکن اسے احترام نہ دیا جائے تو نعمتیں انسان کے لیے کانٹوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ عزت و احترام سے معمولی ضیافت بھی مزہ دے جاتی ہے اور برے طریقے سے پیش کی جانے والی بیش بہا نعتیں بھی حلق سے نیچے نہیں اترتیں۔ عزت کی جگہ اللہ کی جنت سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ان نعمت کے باغوں کا اہل جنت کے ٹھکانے کے طور پر خصوصی طور پر ذکر فرمایا گیا۔

مجلس طرازی دوست نوازی اور چاریاری انسان کی ایسی ضرورت ہے کہ جس کے بغیر کوئی خوشی اور کوئی راحت مکمل نہیں ہوتی۔ اس لیے فرمایا گیا کہ جنت میں مجلسیں بھی جمیں گی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان مجلسوں کے شرکاء صرف لذتوں کے حصول کے لیے جمع نہیں ہوں گے بلکہ ان کے دل بھی ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔ اس لیے جب وہ مجلسوں میں بیٹھیں گے اگرچہ ان کی نشست تختوں پر ہوگی لیکن وہ آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ کسی کی پشت کسی کی طرف نہیں ہوگی اور کوئی پہلو بدل کر نہیں بیٹھے گا۔ ہر شخص دوسرے کی باتوں سے بھی محظوظ ہوگا اور ایک دوسرے کو دیکھ کر بھی راحت محسوس کریں گے۔

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَدْرٌ ﴿۱۰﴾

ایک جنتی اور اس کا کافر ملاقاتی:

ابتدائی دس آیتوں میں اہل جنت کے عمومی حالات بیان فرمانے کے بعد ایک جنتی کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے، کہ وہ جنت کی مجلس میں پہنچنے کے بعد اپنے ایک کافر دوست کو یاد کرے گا جو دنیا میں آخرت کا منکر تھا اور پھر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اسے جہنم کے اندر جھانک کر اس سے باتیں کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ قرآن کریم میں اس شخص کا کچھ نام دیتے نہیں بتایا گیا۔ اس لئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کون ہوگا؟ تاہم بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس مؤمن شخص کا نام یہوداہ اور اس کے کافر ملاقاتی کا نام مطروس ہے۔ اور یہ وہی دوسرا تھی ہیں جن کا ذکر سورۃ کہف کی آیت واضرب لہم مثلاً رجلیین ان میں گزر چکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اور علامہ سیوطی نے متعدد تابعین سے اس شخص کی تعیین کے لئے ایک اور واقعہ نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو آدمی کاروبار میں شریک تھے، ان کو آٹھ ہزار دینار کی آمدنی ہوئی، اور دونوں نے چار چار ہزار دینار آپس میں بانٹ لئے۔ ایک شریک نے اپنی رقم میں سے ایک ہزار دینار خرچ کر کے ایک زمین خریدی۔ دوسرا تھی بہت نیک تھا، اس نے یہ دعا کی کہ ”یا اللہ! انھما شخص نے ایک ہزار دینار میں ایک زمین خریدی ہے، میں آپ سے ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں زمین خریدتا

ہوں۔ اور ایک ہزار دینار کا صدقہ کر دیا۔ پھر اس کے ساتھی نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے ایک گھر بنوایا، تو اس شخص نے کہا یا اللہ فلاں شخص نے ایک ہزار دینار میں ایک گھر تعمیر کیا ہے، میں ایک ہزار دینار میں آپ سے جنت کا ایک گھر خریدتا ہوں یہ کہہ کر اس نے مزید ایک ہزار دینار صدقہ کر دیئے۔ اس کے بعد اس کے ساتھی نے ایک عورت سے شادی کی اور اس پر ایک ہزار دینار خرچ کر دیئے، تو اس نے کہا "یا اللہ فلاں نے ایک عورت سے شادی کر کے اس پر ایک ہزار دینار خرچ کر دیئے ہیں اور میں جنت کی عورتوں میں سے کسی کو پیغام دیتا ہوں اور یہ ایک ہزار دینار نذر کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ ایک ہزار بھی صدقہ کر دیئے۔ پھر اس کے ساتھی نے ایک ہزار دینار میں کچھ غلام اور سامان خریدے تو اس نے پھر ایک ہزار صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کے عوض جنت کے غلام اور جنت کا سامان طلب کیا۔

اس کے بعد اتفاق سے اس مؤمن بندے کو کوئی شدید حاجت پیش آئی، اسے خیال ہوا کہ میں اپنے سابق شریک کے پاس جاؤں تو شاید وہ نیکی کا ارادہ کرے۔ چنانچہ اس نے اپنے ساتھی سے اپنی ضرورت کا ذکر کیا، ساتھی نے پوچھا، تمہارا مال کیا ہوا؟ اس کے جواب میں اس نے پورا قصہ سنا دیا۔ اس پر اس نے حیران ہو کر کہا کہ "کیا واقعی تم اس بات کو سچا سمجھتے ہو کہ ہم جب مر کر خاک ہو جائیں گے تو ہمیں دوسری زندگی ملے گی، اور وہاں ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، جاؤ، میں تمہیں کچھ نہیں دوں گا" اس کے بعد دونوں کا انتقال ہو گیا۔ مذکورہ آیات میں جنتی سے مراد وہ بندہ ہے جس نے آخرت کی خاطر اپنا سارا مال صدقہ کر دیا تھا اور اس کا جہنمی ملاقاتی وہی شریک کا دوبارہ ہے جس نے آخرت کی تصدیق کرنے پر اس کا مذاق اڑایا تھا۔

(تفسیر الدر المنثور بحوالہ ابن جریر وغیرہ، ص ۵۶۱ ج ۵)

بُری صحبت سے بچنے کی تعلیم:

بہر کیف، اس سے مراد خواہ کوئی ہو یہاں اس واقعہ کو ذکر کرنے سے قرآن کریم کا اصل منشاء لوگوں کو اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ وہ اپنے حلقہ احباب کا پوری احتیاط کے ساتھ جائزہ لے کر یہ دیکھیں کہ اس میں کوئی ایسا شخص تو نہیں ہے جو انہیں کشاں کشاں دوزخ کے انجام کی طرف لے جا رہا ہو۔ بُری صحبت سے جو تباہی آسکتی ہے اس کا صحیح اندازہ آخرت ہی میں ہوگا، اور اس وقت اس تباہی سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا، اس لئے دنیا ہی میں دوستیاں اور تعلقات بہت دیکھ بھال کر قائم کرنے چاہئیں۔ بسا اوقات کسی کافر یا نافرمان شخص سے تعلقات قائم کرنے کے بعد انسان غیر محسوس طریقے پر اس کے افکار و نظریات اور طرز زندگی سے متاثر ہوتا چلا جاتا ہے، اور یہ چیز آخرت کے انجام کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہوتی ہے۔

موت کے خاتمہ پر تعجب:

یہاں جس شخص کا یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے کافر ساتھی کو دیکھنے کے لئے جہنم میں جھانکے گا، اسی کے بارے میں آگے یہ مذکور ہے کہ وہ جنت کی نعمتوں کو حاصل کر کے فرط مسرت سے یہ کہے گا "کیا اب ہم کبھی نہیں مریں گے؟" اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جنت کی جاودانی زندگی کا یقین نہیں ہوگا، بلکہ جس شخص کو مسرتوں کا انتہائی درجہ حاصل ہو جائے وہ بسا اوقات ایسی باتیں کرتا ہے، جیسے اسے یقین نہیں ہے کہ یہ مسرتیں اسے حاصل ہو گئی ہیں، یہ جملے بھی اسی نوعیت کے ہیں۔

آخر میں قرآن کریم اس واقعہ کے اصل سبق کی طرف متوجہ کر کے فرماتا ہے: لِيَتْلُوَ هَذَا فَلْيَعْمَلَ الْعَمَلُونَ ﴿۱۰﴾ (ایسی ہی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے)۔

أَذَلِكَ خَيْرٌ لِّذَلَا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقْوِيمِ ﴿۱۰﴾

شَجَرَةُ الزَّقْوِيمِ کا تذکرہ جسے اہل جہنم کھائیں گے:

اد پر اہل جنت کی نعمتوں کا اور وہاں کی کامیابیوں کا تذکرہ فرمایا ہے، اور ان آیتوں میں اہل دوزخ کے کھانے کی چیزوں میں سے ایک چیز یعنی زقوم کا تذکرہ فرمایا، اہل جنت کے بارے میں فرمایا: أَوْلَيْكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿۱۰﴾ اور یہاں یوں فرمایا: أَذَلِكَ خَيْرٌ لِّذَلَا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقْوِيمِ ﴿۱۰﴾ (کیا اہل جنت کا رزق بہتر ہے جو بطور مہمانی ان کو دیا جائے گا یا زقوم کا درخت بہتر ہے) زقوم کا درخت بہت ہی زیادہ بد مزہ اور کڑوا ہوگا جو دوزخ کی گہرائی میں سے نکلے گا، اس کے پھل ایسے ہوں گے جیسے سانپوں کے پھن ہوں۔ اس میں درخت کی بد صورتی بیان فرمائی، مزہ بھی بہت زیادہ مکروہ ہوگا اور صورت بھی بہت زیادہ مکروہ ہوگی جس کے دیکھنے ہی سے ڈرنے لگے گا، یہ درخت گو بہت زیادہ کڑوا اور بد صورت ہوگا لیکن دوزخی بھوک کی وجہ سے اتنا کھائیں گے اتنا کھائیں گے کہ پیٹ بھر لیں گے۔

زقوم کی حقیقت:

زقوم نام کا ایک درخت جزیرہ عرب کے علاقہ تہامہ میں پایا جاتا ہے، اور علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ دوسرے بنجر صحراؤں میں بھی ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے یہ وہی درخت ہے جسے اردو میں ”تھوہڑ“ کہتے ہیں، اسی کے قریب قریب کا ایک اور درخت ہندوستان میں ”ناگ پھن“ کے نام سے معروف ہے۔ بعض حضرات نے اس کو زقوم قرار دیا ہے اور یہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ اب حضرات مفسرین کی رائیں اس میں مختلف ہیں کہ جہنمیوں کو جو درخت کھلایا جائے گا وہ یہی دنیا کا زقوم ہے، یا کوئی اور درخت ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہی دنیا کا زقوم مراد ہے، اور بعض نے کہا کہ دوزخ کا زقوم بالکل الگ چیز ہے، دنیا کے زقوم سے اس کا کوئی تعلق نہیں، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سانپ بچھو وغیرہ دنیا میں بھی ہوتے ہیں اسی طرح دوزخ میں بھی ہوتے ہیں، لیکن دوزخ کے سانپ بچھو یہاں کے سانپ بچھوؤں سے کہیں زیادہ خوفناک ہوں گے، اسی طرح دوزخ کا زقوم بھی اپنی جنس کے لحاظ سے تو دنیا ہی کے زقوم کی طرح ہوگا، لیکن یہاں کے زقوم سے کہیں زیادہ کریہہ المنظر اور کھانے میں کہیں زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ، وتعالیٰ اعلم۔

سورہ محمد میں فرمایا کہ ان کو سخت گرم پانی پلایا جائے گا۔ (وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَ هُمْ) (اور انہیں گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کو سخت گرم پانی پلایا جائے گا۔)

سورہ واقعہ میں فرمایا: (ثُمَّ إِنَّكُمْ أَتَيْتُمُ الْمَكِيدُونَ لَا تَكُونُونَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زُقُومٍ فَتَالِيَوْمَئِذٍ مِنْهَا الْبُطُونَ فَشَارِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهَنِيِّ هَذَا نُزْلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ) (پھر اے جھٹلانے والے گمراہ لوگو! تم زقوم کے درخت سے کھاؤ گے اور اس سے پیٹ بھر لو گے پھر اوپر سے کھولتا ہوا پانی پیو گے جیسے پیاسے اونٹ پیٹے)

ہیں، قیامت کے روز اس طرح ان کی مہمانی ہوگی۔
 وہ کیا ہی برا منظر ہوگا جب دوزخی اس درخت سے کھائیں گے اور پھر اوپر سے کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور وہ بھی تھوڑا بہت
 نہیں بلکہ پیاسے اونٹوں کی طرح خوب زیادہ پئیں گے۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ من الزقوم والحمیم وسائر انواع

عذاب الجحیم)
 حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا میں پڑا دیا جائے
 تو وہ یقیناً تمام دنیا والوں کی غذا میں بگاڑ ڈالے، اب بتاؤ اس کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی زقوم ہوگی۔
 (الترغیب والترہیب جلد ۴: ص ۴۸۰ از ترمذی وابن ماجہ ابن حبان)

وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا بِقَوْلِهِ رَبِّ انِّي مَغْلُوْبٌ فَانصُرْ فَلَنِعْمَ الْحٰجِيُوْنَ ﴿۱﴾ لَہ نَحْنُ اٰی دَعَا نَا عَلٰی قَوْمِہ
 فَاهْلَكْنَا هُم بِالْعَزْقِ وَ نَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۲﴾ اٰی الْعَزْقِ وَ جَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ
 الْبٰقِيْنَ ﴿۳﴾ فَالنَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْ نَسْلِہ عَلَیْہ السَّلَامُ وَ كَانَ لَہ ثَلَاثَةُ اَوْلَادٍ سَامٌ وَ هُوَ اَبُو الْعَرَبِ وَ فَارَسٌ وَ الزُّرْمِ
 وَ حَامٌ وَ هُوَ اَبُو السُّوْدَانَ وَ يَافِثٌ اَبُو التُّرْكِ وَ الْخُزَّرِ وَ يَاجُوجُ وَ مَا جُوجُ وَ مَا هُنَالِكَ وَ تَرَكْنَا اَبْقِيَانَا عَلَیْہ ثَنَاءً
 حَسَنًا فِی الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴﴾ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَ الْاُمَمِ اِلٰی یَوْمِ الْقِيَمَةِ سَلَّمَ مِنَّا عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵﴾ اِنَّا كُنَّا لَدٰیكَ
 كَمَا جَزَّيْنٰہ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶﴾ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷﴾ ثُمَّ اَعْرَقْنَا الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸﴾ كَفَّارٌ قَوْمِہ
 وَ اِنَّ مِنْ شِيعَتِہ اٰی مِمَّنْ تَابَعَتْہ فِیْ اَصْلِ الدِّیْنِ لِاِبْرٰہِيْمَ ﴿۹﴾ وَ اِنْ طَالَ الزَّمَانُ بَيْنَهُمَا وَ هُوَ الْفَانِ وَ
 سُبْحٰنَہٗ وَ اَزْبَعُوْنَ سَنَةً وَ كَانَ بَيْنَهُمَا هُوْدٌ وَ صٰلِحٌ اِذْ جَآءَ اٰی تَابَعَتْہ وَ قَتَّ مَجِيئِہ رَبُّہ بِقَلْبِ سَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾
 مِنَ الشَّكِّ وَ غَیْرِہ اِذْ قَالَتْ فِیْ هٰذِہ الْحَالِہ الْمُسْتَمِرَّةَ لَہ لِاٰبِیْہِ وَ قَوْمِہ مُؤْبَخًا مَا ذَا مَا الَّذِی
 تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱﴾ اٰی فَا فِیْ هَمْزَتِہ مَا تَقَدَّمَ اِلَہَہٗ دُوْنَ اللّٰہِ تُرِیْدُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ اِنَّا مَفْعُوْلٌ لَہٗ وَ اِلَہَہٗ مَفْعُوْلٌ بِہٖ
 لِتُرِیْدُوْنَ وَ الْاِفْکُ اَسْمُ الْکِذْبِ اٰی اَتَعْبُدُوْنَ غَیْرَ اللّٰہِ فَمَا ظَنُّکُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ عَبَدْتُمْ غَیْرَہٗ اِنَّہٗ
 یُثَرِّکُمْ بِلَا عِقَابٍ لَّا وَ کَانُوْا نُجَامِیْنَ فَخَرَجُوْا اِلٰی عِبَادِلَہُمْ وَ تَرَكُوْا طَعَامَهُمْ عِنْدَ اَصْنَامِهِمْ
 زَعَمُوْا التَّبَرُّکَ عَلَیْہ فَاِذَا رَجَعُوْا اَکْلُوْہُ وَ قَالُ الرِّسَالِیْنَ اِبْرٰہِيْمَ اُخْرِجْ مَعْنَا فَنظُرْ نَظْرًا فِی النَّجْمِ ﴿۱۴﴾ اِنِّہَا مَا
 لَہُمْ اِنَّہٗ یَعْتَمِدُ عَلَیْہَا لِیَتَّبِعُوْہُ فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴿۱۵﴾ عَلِیْلٌ اٰی سَاسِقِمٌ فَتَوَلَّوْا عَنْہُ اِلٰی عِبَادِہُمْ

مُدْبِرِيْنَ ۝ فَرَأَى مَالٌ فِي خُفْيَةٍ إِلَى الْهَيْهَةِ وَهِيَ الْأَضْنَامُ وَعِنْدَهَا الطَّعَامُ فَقَالَ اسْتَهْزَأَ الْآ
 تَاكُلُوْنَ ۝ فَلَمْ يَنْطَفِقُوا فَقَالَ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ فَلَمْ يَجِبْ فَرَأَى عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ۝ بِالْقُوَّةِ
 تَكْسِرُهَا فَبَلَغَ قَوْمَهُ مِنْ رَأَاهُ فَاقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُوْنَ ۝ أَيْ يُسْرِعُوْنَ الْمَشْيَ فَقَالُوا نَحْنُ نَعْبُدُهَا وَأَنْتَ
 تَكْسِرُهَا قَالَ لَهُمْ مُؤَبِّخًا اتَّعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ مِنَ الْحِجَارَةِ وَغَيْرِهَا أَضْنَامًا وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَ
 مَا تَعْمَلُوْنَ ۝ مِنْ نَحْتِكُمْ وَمَنْحُوتِكُمْ فَاعْبُدُوْهُ وَحْدَهُ وَمَا مَضْرِبِيَّةٌ وَقِيلَ مَوْضُوْبَةٌ وَقِيلَ مَوْضُوْفَةٌ
 قَالُوا بَيْنَهُمْ ابْنُوَاللهِ بُنْيَانًا فَاَمْلَزَهُ حَطْبًا وَأَصْرِمُوهُ بِالنَّارِ فَاِذَا التَّهَبَ فَالْقُوَّةُ فِي الْجَحِيْمِ ۝ الشَّدِيْدَةُ
 فَارَادُوْا بِهِ كَيْدًا بِالْقَائِيَةِ فِي النَّارِ لِتُهْلِكَهٗ فَجَعَلَهُمُ الْأَسْفَلِيْنَ ۝ الْمَقْهُوْرِيْنَ فَخَرَجَ مِنَ النَّارِ سَالِمًا وَ
 قَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي مُهَاجِرًا إِلَيْهِ مِنْ دَارِ الْكُفْرِ سَيِّدِيْنَ ۝ إِلَى حَيْثُ أَمَرَنِي بِالْمَصِيْرِ إِلَيْهِ وَهُوَ
 السَّمَامُ فَلَمَّا وَصَلَ إِلَى الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي وَلَدًا مِنَ الصَّالِحِيْنَ ۝ فَبَشَّرْنَاهُ بِعَلْمِ
 حَلِيْمٍ ۝ أَيْ ذِي حِلْمٍ كَثِيْرٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ أَيْ أَنْ يَسْغَى مَعَهُ وَيُعِيْنُهُ قَبْلَ بَلَغِ سَبْعِ سِنِيْنَ وَقِيلَ
 ثَلَاثَةَ عَشْرَ سَنَةً قَالَ يَبْنِيْ إِيَّيْ أَرَى أَيْ رَأَيْتَ فِي الْمَنَامِ أَيْ أَذْبَحُكَ وَرَوَيْتَا الْأَنْبِيَاءَ حَقًّا وَأَفْعَالَهُمْ
 بِأَمْرِ اللهِ تَعَالَى فَانظُرْ مَاذَا تَرَى مِنَ الرَّأْيِ شَاوِرَةً لِإِنْسَانٍ بِالذَّبْحِ وَتَقَادِرًا لِلْأَمْرِ بِهِ ۝ قَالَ يَا بَتِ النَّاءِ
 عَوْضٌ عَنْ يَأِ الْإِضَافَةِ أَفْعَلُ مَا تَوْمَرُ بِهِ سَتَجِدُنِيْ إِنْ شَاءَ اللهُ مِنَ الصَّابِرِيْنَ ۝ عَلَى ذَلِكَ فَلَمَّا
 أَسْلَمَا خَضَعَا وَانْقَادَا لِأَمْرِ اللهِ وَتَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ ۝ صَرَغَهُ عَلَيْهِ وَلِكُلِّ إِنْسَانٍ جَبِيْنَانِ بَيْنَهُمَا الْجَبْهُةُ
 وَكَانَ ذَلِكَ بِمَعْنَى وَأَمَرَ السَّكِيْنَ عَلَى خَلْقِهِ فَلَمْ تَعْمَلْ شَيْئًا بِمَنْعٍ مِنَ الْقُدْرَةِ الْإِلَهِيَّةِ وَكَادَيْتَهُ أَنْ
 يُكْفِرَ بِهِمْ ۝ قَدْ صَدَّقَتْ الرَّؤْيَاءُ بِمَا آتَيْتَ بِهِ مِمَّا أَمَكَّنَكَ مِنْ أَمْرِ الذَّبْحِ أَيْ يَكْفِيْكَ ذَلِكَ فَجُمَلُهُ
 نَادَيْتَاهُ جَوَابَ لَمَّا بَرِ يَأْدَةُ الرَّوَاوِ إِنْكَا كَذَلِكَ كَمَا جَزَيْتَاكَ لَجَزَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ لِأَنْفُسِهِمْ بِإِقْتِئَالِ الْأَمْرِ
 بِالْفَرَاغِ الشَّدِيدِ عَنْهُمْ إِنَّ هَذَا الذَّبْحَ الْمَأْمُورَ بِهِ لَهَوُ الْبَلَاؤِ الْمُبِيْنِ ۝ أَيْ الْإِخْتِيَارُ الظَّاهِرُ وَقَدَيْتُهُ
 أَيْ الْمَأْمُورُ بِذَّبْحِهِ وَهُوَ اسْمَاعِيْلُ أَوْ اسْحَاقُ قَوْلَانِ يَبْدُوحُ بِكَبِيْشٍ عَظِيْمٍ ۝ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ الَّذِي
 قَرَّبَهُ هَابِيْلُ جَاءَ بِهِ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَذَبَحَهُ الشَّيْخُ اِبْرَاهِيْمَ مُكَبِّرًا وَتَرَكْنَا أَبْقَيْنَا عَلَيْهِ فِي الْأَخْيَرِيْنَ ۝

ثَنَا حَسَنًا سَلَّمَ مَنَا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ كَذَلِكَ كَمَا حَزَنَّا نَاهُ نَجَزَى الْمُحْسِنِينَ ۝ لِأَنفُسِهِمْ إِنَّهُ مِنْ
 عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ أَشَدَّ بِذَلِكَ عَلَىٰ أَنْ الذَّبِيحَ غَيْرُهُ نَبِيًّا حَالٌ مُقَدَّرَةٌ أَيْ
 بُوُجُدٌ مُقَدَّرًا نُبُوَّتُهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَبَرَكْنَا عَلَيْهِ بِكَثِيرٍ ذُرِّيَّتِهِ وَ عَلَىٰ إِسْحَاقَ ۝ وَلِدَهُ بِجَعَلْنَا أَكْثَرَ
 مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَسَبِهِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ مُؤْمِنٌ وَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ كَافِرٌ مُبِينٌ ۝ بَيْنَ الْكُفْرِ

تو جیکہ: اور یہ واقعی ہے کہ نوح نے ہمیں پکارا سو ہم کیا ہی خوب ہیں فریاد سننے والے۔ اور ہم نے نوح کو اور اس کے گھر
 والوں کو بڑے غم سے نجات دی۔ اور ہم نے اس کی ذریت کو باقی رہنے دیا۔ اور ہم نے ان کے لیے بعد کے آنے والوں میں یہ
 بات رہنے دی۔ کہ نوح پر سلام ہے جہانوں میں۔ بلاشبہ ہم مخلصین کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ہمارے مؤمن بندوں
 میں ہیں۔ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو غرق کر دیا۔ اور بلاشبہ نوح کا اتباع کرنے والوں میں ابراہیم بھی تھے۔ جب وہ اپنے
 رب کے پاس قلب سلیم لے کر آئے۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ کس چیز کی عبادت کرتے
 ہو۔ کیا اللہ کو چھوڑ کر چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہتے ہو۔ سو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ پھر
 ایک نظر اٹھا کر ستاروں کو دیکھا۔ اور کہہ دیا کہ بیشک میں بیمار ہوں۔ سو وہ لوگ ان سے پشت پھیر کر چلے گئے۔ سو وہ ان بتوں کی
 طرف متوجہ ہوئے سو کہا کیا تم کھاتے نہیں ہو؟ تم کو کیا ہوا تم بولتے نہیں۔ پھر ان پر قوت کے ساتھ متوجہ ہو کر مارنے لگے۔ سو وہ
 لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کیا تم اس چیز کی پوجا کرتے ہو جیسے خود تراشتے ہو۔ اور
 اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا ہے اور ان چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو۔ کہنے لگے کہ اس کے لیے ایک مکان بناؤ پھر اسے دکتی ہوئی
 آگ میں ڈال دو۔ سو انہوں نے ان کے ساتھ برابر تاؤ کرنے کا ارادہ کیا سو ہم نے ان لوگوں کو نینچا دیکھنے والا بنا دیا۔ اور ابراہیم
 نے کہا کہ بلاشبہ میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب مجھے راہ بتا دے گا۔ اے میرے رب مجھے نیک فرزند عطا
 فرما۔ سو ہم نے انہیں حلم والے لڑکے کی بشارت دی۔ سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم
 نے کہا اے میرے چھوٹے سے بیٹے بیشک میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تجھے ذبح کرتا ہوں سو تو غور کر لے تیری کیا رائے ہے؟
 بیٹے نے کہا اے ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے اس پر عمل کر لیجئے، ان شاء اللہ آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔ سو جب دونوں
 نے حکم مان لیا اور ابراہیم (علیہ السلام) نے بیٹے کو کروٹ کے بل لٹا دیا۔ اور ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم (علیہ السلام)۔ تم
 نے خواب کو سچ کر دکھایا بلاشبہ ہم مخلصین کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ کھلا ہوا امتحان ہے۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس
 کے عوض دے دیا۔ اور بعد کے آنے والوں میں ان کے لیے یہ بات رہنے دی۔ کہ سلام ہو ابراہیم (علیہ السلام) پر۔ ہم مخلصین
 کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے انہیں اسحاق کی بشارت دی کہ وہ
 نبی ہوں گے صالحین میں سے ہوں گے۔ اور ہم نے ابراہیم پر اور اسحاق پر برکت دی، اور ان کی نسل میں سے اچھے لوگ ہیں
 ۔ اور ایسے لوگ بھی ہیں جو صریحاً اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: **كُلُّهُمْ مِنْ نَسْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ**: مروی ہے کہ آپ کے بیٹوں کے علاوہ باقی تمام صحابی فوت ہو گئے۔
 قولہ: **ثَنَاءٌ حَسَنًا**: ترکنا کا مفعول مخذوف ہے۔ اور وہ ثناء ہے اور سلام علی نوح عليه السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتدائی کلام ہے۔

قولہ: **تَابِعَةٌ**: اس سے اصل دین میں ان کی پیروی والے مراد ہیں۔

قولہ: **إِذْ قَالَ**: پہلے **إِذْ قَالَ** سے بدل ہے۔

قولہ: **لِئَرْيَدُونَ**: عنایت کی وجہ سے مفعول کو مقدم کیا پھر مفعول لہ کو اور وہ افکا۔ اس لیے کہ اہم ترین بات یہ ہے کہ ان کا اہل و انترام پر ہونا ثابت ہو جائے۔

قولہ: **فَرَأَى عَلَيْهِمُ**: خفیہ طور پر ان کی طرف گئے۔

قولہ: **بِمَهَاجِرِ اللَّهِ**: یعنی جہاں میرا رب مجھے حکم دے گا۔

قولہ: **بِدَى جِلْمٍ**: بڑے حوصلے والے کہ قریب البلوغ ہونے کی حالت میں ذبح کی پیش کش کر ڈالی۔

قولہ: **أَنْ يَشْعَى مَعَهُ**: معہ کا تعلق مخذوف ہے، جس پر السعی دلالت کرتی ہے۔ مصدر کا صلہ اس سے مقدم نہیں آسکتا۔

قولہ: **شَاوِرَةٌ**: اگر وہ قطع ہو۔

قولہ: **جَبِينَانٍ**: پیشانی کی دونوں جانبیں۔

قولہ: **بِذَبِيحٍ**: ذبیحہ جو اس کے بدلے بدلے میں ذبح کیا جائے۔

قولہ: **عَظِيمٍ**: عظیم جسم یا مرتبہ والا۔

قولہ: **كَذَلِكَ**: اس سے انا ہٹا دیا کیونکہ واقعہ میں ایک مرتبہ آچکا۔

قولہ: **كَافِرٍ**: اس سے تنبیہ کر دی کہ ہدایت و گمراہی میں نسب کا کوئی اثر نہیں۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ﴿۷۰﴾

حضرت نوح عليه السلام کا دعا کرنا اور ان کی قوم کا ہلاک ہونا اور ان کی ذریت کا نجات پانا:

حضرت نوح اپنی قوم میں ساڑھے نو سو برس رہے، انہیں سمجھایا، توحید کی دعوت دی غیر اللہ کی پرستش چھوڑنے کی تلقین کی

لیکن ان لوگوں نے نہ مانا بس تھوڑے سے ہی آدمی مسلمان ہوئے۔ اہل ایمان کی مختصر تعداد کے علاوہ جو دوسرے لوگ تھے وہ ضد پر اڑے رہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی مخالفت کرتے رہے، حضرت نوح علیہ السلام نے تنگ آ کر ان کے لیے بددعا کر دی (لَا تَذَر عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيّٰرًا) (کہ اے رب زمین میں ایک بھی کافر بائیںہ مت چھوڑ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ کشتی بنا لو، انہوں نے ایک کشتی بنائی، اللہ پاک کی طرف سے پہلے خبر دے دی گئی تھی کہ پانی کا طوفان آئے گا طوفان آیا، حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنے گھر والوں اور دوسرے اہل ایمان کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے، یہ حضرات غرق ہونے سے بچ گئے، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو نجات دے دی اور اہل کفر سب غرق ہو گئے، ان غرق ہونے والوں میں حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا بھی تھا اور ایک بیوی بھی تھی۔

ارشاد فرمایا: (وَلَقَدْ نَادَيْنَا نُوْحًا فَلَمَّعَ الْمُجِيْبُوْنَ ۙ) (اور واقعی یہ بات ہے کہ نوح نے ہمیں پکارا، سو ہم کیا ہی خوب دعا قبول کرنے والے ہیں) یعنی ان کی دعا قبول فرمائی (وَجَعَلْنَاهُ وَاَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۙ) (ہم نے نوح کو ان کے گھر والوں کو بڑے غم سے یعنی ڈوبنے کی مصیبت سے نجات دے دی) (وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۙ) (اور ہم نے ان کی ذریت کو باقی رکھا) (وَتَوَكَّلْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۙ سَلَّمْ عَلٰى نُوحٍ فِي الْعَلَمِيْنَ ۙ) (اور بعد کے آنے والوں میں ان کے لیے ہم نے یہ بات رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو جہانوں میں) اللہ تعالیٰ نے ان پر کئی طرح سے انعام فرمایا، اول تو انہیں اور ان کے اہل و عیال کو غرق ہونے سے بچالیا۔ دوسرے ان کی نسل کو دنیا میں باقی رکھا جو آج تک چل رہی ہے۔ اور تیسرے یہ انعام فرمایا کہ بعد کے آنے والوں میں ان کا ذکر جاری رکھا، ان کے بعد جو انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لائے اور ان کی امتیں وجود میں آئیں سب نے آپ پر سلام بھیجا، اور سلام میں بھی عموم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نوح علیہ السلام جہاں بھی ہوں جس عالم میں بھی ہوں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو۔

پھر فرمایا: (اِنَّا كُنَّا لِكَ نَجِيْرِي الْمُحْسِنِيْنَ ۙ) (ہم احسان والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں) کسی کام کا اچھی طرح انجام دینے کو احسان کہا جاتا ہے۔ نیت کو درست کرنا، صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا اس کی بڑی اہمیت ہے، اسی لیے ترجمہ میں (الْمُحْسِنِيْنَ ۙ) کا ترجمہ (مُخْلِصِيْنَ) کیا گیا ہے۔

(اِنَّكَ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ) (بلاشبہ وہ مؤمن بندوں میں سے تھے) ایمان ہی تو اصل چیز ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مقبولیت نہیں، حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے پھر بھی ان کے ایمان کا تذکرہ فرمایا اور اس سے پہلے احسان کا تذکرہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ احسان بھی ضروری ہے انہی سے اللہ کے نزدیک ترقیات ہوتی ہیں، لیکن نبوت وہی چیز ہے کسی چیز نہیں، اور رسول اللہ ﷺ پر وہ بالکل ہی ختم ہو گئی۔

لَقَدْ اَعْرَضْنَا الْاٰخِرِيْنَ ۙ (پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو غرق کر دیا) یعنی حضرت نوح علیہ السلام، آپ کے اہل و عیال اور اہل ایمان کو نجات دے دی اور ان کے علاوہ کو غرق کر دیا۔

کیا طوفان نوح سارے عالم کو محیط تھا؟

حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ ان کے بعد دنیا میں جو آبادی ہوئی وہ سب ان ہی کی اولاد سے ہے قرآن مجید کی آیت (وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمْ الْبَاقِينَ) سے بھی یہی متبادر ہوتا ہے کیونکہ یہ الفاظ حصر پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت سرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد (وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمْ الْبَاقِينَ) کی تفسیر میں (حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے) یوں فرمایا کہ یہ حام اور سام اور یافث تھے۔ امام ترمذی نے اس کے بارے میں فرمایا: (هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ) پھر حضرت سرہ ہی سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ سام عرب کا جد اعلیٰ اور حام حبشیوں کا جد اعلیٰ اور یافث رومیوں کا جد اعلیٰ تھا۔ (سنن ترمذی تفسیر سورۃ الصفت)

اور معالم التنزیل میں حضرت سعید بن المسیب تابعی سے یوں نقل کیا ہے کہ سام عرب و فارس اور روم کا جد اعلیٰ تھا۔ اور حام سوڈان یعنی کالے لوگوں کا جد اعلیٰ تھا۔ اور یافث ترکوں کا اور یاجوج ماجوج کا اور جو ان کے قریب اقوام رہتی ہیں ان کا جد اعلیٰ تھا۔

اگر طوفان پورے عالم میں آیا ہو اور زمین پر جتنی بھی آبادیاں تھیں ان سب کو غرق کر دیا گیا ہو تو پھر یہی متعین ہو جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہی سے آگے دنیا آباد ہوئی، لیکن اس میں یہ اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جن اہل ایمان نے نجات پائی تھی کیا ان کی نسلیں نہیں چلیں؟ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے لکھا ہے: وَقَد رَوَى أَنَّهُ مَاتَ كُلُّ مَنْ فِي السَّفِينَةِ وَلَمْ يَعْقِبُوا عَقِبًا بَاقِيًا غَيْرَ الثَّلَاثِ سَامَ وَحَامَ وَيَافِثَ وَازْوَاجَهُمْ فَانْهَمَ بَقُوا مَتَّاسِلِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (روایت ہے کہ کشتی میں جو تھے سب مر گئے سوائے حام، سام، یافث اور ان کی بیویوں کے اور کوئی نہیں بچا۔ قیامت تک انہیں تین کی نسل چلتی رہے گی) یعنی ”حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جو لوگ کشتی میں تھے وہ لوگ غرق ہونے سے نجات پا کر کشتی سے اتر کر اپنی اپنی اجل کے مطابق مر گئے اور ان میں سے کسی کی نسل نہیں چلی صرف حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے سام، حام اور یافث اور ان کی بیویاں باقی رہیں جن کی قیامت تک نسل جاری رہے گی۔“ صاحب روح المعانی نے لکھ تو دیا لیکن سند پیش نہیں کی اور یہ بھی نہیں بتایا کہ یہ کس کا قول ہے۔

عام طور پر جو یہ مشہور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ہی کی اولاد سے آگے نسل چلی، اس کے مقابل دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کے علاوہ دوسری نسلیں بھی دنیا میں چلتی رہی ہیں۔ جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے ان کا قول اس پر مبنی ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام عام نہیں تھا، ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت تمام اقوام کے لیے عام نہیں تھی کیونکہ یہ صرف خاتم الانبیاء ﷺ کی خصوصیت ہے، جب ان کی بعثت عام نہیں تھی تو جو لوگ ان کے مخاطب تھے انہوں نے ان کی نبوت کا انکار کیا اور انہما کے لیے بد دعا فرمائی اور وہی لوگ ہلاک ہوئے۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کے الفاظ سے اُوْصِرْ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ہی کی ذریت کو باقی رکھا، اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ حصر کشتی والوں سے متعلق ہے،

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کشتی میں سوار تھے ان میں سے صرف حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے نسل چلی، باقی دنیا جو اپنی جگہ آباد تھی اس میں بسنے والوں اور ان کی نسلوں کا تذکرہ نہیں ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)۔ (راجع روح المعانی ج ۲۳: ص ۹۸)

(وقد وقع فی قلبی بفضل اللہ تعالیٰ وکرہہ انہ یمكن ان یقال ان الارض لم تکن معمورة ببنی آدم کانت اقطارها کلها یعیش فیہا الانسان وکان عمر انہا فی مناطق محدودة ولم تکن الامة واحدة لعدم الامتداد الطویل من عهد آدم علیہ السلام مکان جمیع الناس مخاطبین له فلما انکروا غیر قوا و هذا لا ینافی کون بعثة النبی ﷺ عامة لانہا عمت لجمیع افراد البشر ولسائر الاقوام والجمیع الامکنة والازمنة۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب) (اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم سے میرے دل میں یہ بات آگئی ہے کہ یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت پوری زمین میں انسان آباد نہیں تھے فقط محدود علاقوں میں آبادی تھی۔ وہ محدود آبادی گویا بس ایک ہی امت تھی کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو کوئی لمبا عرصہ نہیں گذرا تھا، لہذا اس وقت کے سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے مخاطب تھے۔ جب نبیوں نے انکار کیا تو سب غرق کیے گئے۔ اور یہ تو یہ حضور ﷺ کی عمومی بعثت کے منافی نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ کی رسالت تمام انسانی افراد، اقوام اور تمام ممالک و زمانوں کو عام ہے۔)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا:

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے بعد قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ کے دو واقعے ذکر کئے ہیں، دونوں واقعے ایسے ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محض اللہ کے واسطے عظیم قربانیاں پیش کیں۔ ان میں سے پہلا واقعہ جو مذکورہ آیات میں بیان کیا گیا ہے حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالنے کا واقعہ ہے، اور اس کی تفصیلات سورۃ انبیاء میں گزر چکی ہیں، یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے، ارشاد فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا اتباع کرنے والوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔

اتباع کا مطلب کیا ہے؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان دونوں کی شریعتوں میں اصول دین میں تو اتفاق تھا ہی احکام میں بھی اکثر اتفاق تھا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ تابع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت کے کام میں بہت محنت کی اور تکلیفیں برداشت کیں اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی جم کر دعوت کا کام کیا اور بڑی بڑی مشقتیں برداشت کیں، حتیٰ کہ آگ میں ڈالے گئے۔

واضح رہے کہ بعض تاریخی روایات کے مطابق حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس سال کا وقفہ ہے، اور دونوں کے درمیان حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے سوا کوئی اور نبی نہیں ہوا۔

(کتاف، ص ۱۰۱، ۱۰۲)

اِذْ جَاءَ رَبُّكَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿۱۰﴾ (جبکہ وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر آئے) سلیم سالم کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا دل لے کر بارگاہ الہی میں حاضر ہوئے کہ عقائد بالکل صحیح تھے، نیت خالص تھی، صفات قبیحہ مثلاً حسد، کھوٹ کپٹ

سے خالی تھے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک گفتگو کا تذکرہ فرمایا جو ان کے اور ان کی قوم کے درمیان ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی پرستش کرتے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم تون کو پوجتے ہیں، کماذکر فی سورۃ الشعراء۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہتے ہو؟ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۰﴾ رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تم اس کی عبادت بالکل ہی نہیں کرتے یا اس کی عبادت تو کرتے ہو لیکن ساتھ ہی تون کو بھی شریک بنا رکھا ہے یعنی ساتھ ہی ان کی بھی عبادت کرتے ہو۔

صاحب روح المعانی نے اس کا ایک یہ مطلب لکھا ہے کہ تمہارا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا خیال ہے، کیا وہ تمہاری اس جرات پر عذاب ندے گا کہ تم نے جھوٹے معبود بنا لیے اور تمہیں کچھ بھی ڈر نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی اور بت پرست اقوام کی طرح میلے لگتے تھے، ایک مرتبہ قوم اپنے بتوں کے سامنے کھنار کھ کر میلے میں شریک ہونے کے لیے چلی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ تم بھی چلو، چونکہ یہ لوگ ستاروں کی تاثیر کے قائل تھے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پیچھے چھڑانے اور ان کے پیچھے ان کے بتوں کی توڑ پھوڑ کے لیے ستاروں کی طرف ایک نظر دیکھا اور فرمایا کہ میں تو بیمار ہونے والا ہوں تمہارے ساتھ کیسے جاؤں، وہ لوگ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے آپ نے ان کے پیچھے بت خانہ کا رخ کیا اور وہاں جا کر اول تون بتوں کا مذاق بنایا اور فرمایا کیا بات ہے کہ تم کھاتے نہیں ہو؟ (کھانے کی چیزیں وہاں پہلے سے رکھی ہوئی تھیں، مشرکین وہاں متبرک بنانے کے طور پر رکھ کر گئے تھے تاکہ واپس ہو کر کھائیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے یہ بھی کہا کیا بات ہے تم بولتے نہیں؟ بت تو بت ہیں کیا جواب دیتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پر کلہاڑا لے کر پل پڑے اور مار مار کر ان کا تہ پانچہ کر دیا اور توڑ کر رکھ دیا۔ اس میں جو لفظ بالیمین وارد ہوا ہے اس کے وتر جسے کیے گئے ہیں، اول یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے حملہ کیا اور دوسرے یہ کہ پوری قوت کے ساتھ مار بجائی۔

جب وہ لوگ میلہ سے واپس ہوئے اور بتوں کو اس حال میں پایا کہ ان کے کٹڑے کٹڑے کر دیئے گئے ہیں، تو اول تو آپس میں پوچھنے لگے کہ یہ کس نے کیا ہے؟ پھر کہنے لگے کہ ہاں وہ ایک نوجوان جسے ابراہیم کہا جاتا ہے وہ ایک دن کہہ رہا تھا کہ میں ایک دن ان کے بارے میں ایک تدبیر نکالوں گا، ہونہ ہو ایسا کام کرنے والا ابراہیم ہی ہوگا، کہنے لگے اسے بلاؤ سب لوگوں کے سامنے بات ہوگی، اس مشورے کے بعد جلدی جلدی حضرت ابراہیم کے پاس دوڑے ہوئے آئے اور آپ سے دریافت کیا کیا تم نے ہمارے بتوں کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ فرمایا یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے انہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں؟ کہنے لگے تم جانتے ہو یہ تو بولتے نہیں ہیں! فرمایا تو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی پوجا کرتے ہو جو تمہیں کچھ بھی نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے، نف ہے تم پر اور تمہارے معبودوں پر، یہ سوال اور جواب سورۃ الانبیاء میں مذکور ہے۔

یہاں سورۃ الصافات میں فرمایا ہے: (قَالَ اتَّعْبُدُونَ مَا تَنْجِتُونَ) کیا تم ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جنہیں خود ہی تڑاؤں کر اور کاٹ چھانٹ کر کے بنا لیتے ہو (وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ) اور حال یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جن چیزوں کو تم بناتے ہو انہیں بھی اسی نے پیدا فرمایا ہے۔

علم نجوم سے مدد لینا ہے۔ بلکہ صرف نظر بھر کر ستاروں کو دیکھا، اس لئے اس میں جھوٹ کا بھی کوئی پہلو نہیں ہوا۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل سے ان کافروں کی ہمت افزائی ہوئی ہوگی جو نہ صرف علم نجوم کے قائل تھے، بلکہ ستاروں کو دنیا کے واقعات میں مؤثر حقیقی مانتے تھے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ہمت افزائی تو تب ہوتی جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بعد میں انہیں صراحت کے ساتھ ان کی گمراہیوں پر متنبہ فرماتے، یہاں تو یہ ساری تدبیر کی ہی اس لئے جاری تھی کہ انہیں توحید کی دعوت زیادہ سے زیادہ مؤثر بنا کر دی جائے، چنانچہ تھوڑے ہی وقفہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کی ایک ایک گمراہی کو کھول کھول کر بیان فرمادیا، اس لئے محض اس مبہم عمل سے کافروں کی ہمت افزائی کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں اصل مقصد جشن کی شرکت سے اپنی جان چھڑانا تھا، تاکہ دعوت حق کے لئے زیادہ مؤثر نفاذ پیدا کی جاسکے، اس مقصد کے لئے ایہام کا یہ طریقہ عین حکمت پر مبنی ہے، اور اس پر کوئی معقول اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

ستاروں کی طرف دیکھنے کی یہ تشریح اکثر مفسرین سے منقول ہے، اور حکیم الامت حضرت تھانوی نے بھی بیان القرآن میں

اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

علم نجوم کی شرعی حیثیت:

اس آیت کے تحت دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ علم نجوم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہاں اختصار کے ساتھ اس سوال کا جواب عرض کیا

جاتا ہے۔

یہ تو ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج اور ستاروں میں کچھ ایسی خاصیتیں رکھی ہیں جو انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں، ان میں سے بعض خاصیات ایسی ہیں جن کا ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے، مثلاً سورج کے قرب و بعد سے گرمی اور سردی کا پیدا ہونا، چاند کے اتار چڑھاؤ سے سمندر میں مد و جزر وغیرہ، اب بعض حضرات کا کہنا تو یہ ہے کہ ان ستاروں کی خصوصیات صرف اتنی ہی ہیں جتنی عام مشاہدہ سے معلوم ہوتی ہیں اور بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ان کے علاوہ بھی ستاروں کی گردش کے کچھ ایسے خواص ہوتے ہیں جو انسان کی زندگی کے اکثر معاملات پر اثر ڈالتے ہیں۔ ایک انسان کے لئے کسی ستارے کا کسی خاص برج میں چلے جانا مسرتوں اور کامیابیوں کا سبب بنتا ہے، اور کسی کے لئے غموں اور نا کامیوں کا، پھر بعض لوگ تو ان ستاروں ہی کو کامیابیوں اور نا کامیوں کے معاملہ میں مؤثر حقیقی مانتے ہیں، اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، مگر اس نے ستاروں کو ایسے خواص عطا کر دیئے ہیں، اس لئے دنیا کے دوسرے سبب کی طرح وہ بھی انسان کی کامیابیوں اور نا کامیوں کا ایک سبب ہوتے ہیں۔

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو ستاروں کو مؤثر حقیقی مانتے ہیں، یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے انقلابات اور واقعات ستاروں ہی کے مرہون منت ہیں، ستارے ہی دنیا کے تمام واقعات کے فیصلے کرتے ہیں، تو بلاشبہ ان کا خیال غلط اور باطل ہے، اور یہ عقیدہ انسان کو شرک کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ اہل عرب بارش کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ ایک خاص ستارہ (جسے "نور" کہا جاتا تھا) بارش لے کر آتا ہے اور وہ بارش کے لئے مؤثر حقیقی کی حیثیت رکھتا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس عقیدے

کی سخت تردید فرمائی ہے، جس کی تصریح احادیث میں موجود ہے۔

رہے وہ لوگ جو نیوی واقعات میں مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی کیوں مانتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ نے ستاروں کو ایسے خواص عطا فرمائے ہیں جو سب کے درجہ میں انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں، جس طرح بارش برسانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن اس کا ظاہری سبب بادل ہیں، اسی طرح تمام کامیابیوں اور ناکامیوں کا اصل سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی ہے، لیکن یہ ستارے ان کامیابیوں اور ناکامیوں کا سبب بن جاتے ہیں، سو یہ خیال شرک نہیں ہے، اور قرآن وحدیث سے اس خیال کی نہ تصدیق ہوتی ہے نہ تردید۔ لہذا یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی گردش اور ان کے طلوع وغروب میں کچھ ایسے اثرات رکھے ہوں، لیکن ان اثرات کی جستجو کرنے کے لئے علم نجوم کی تحصیل، اس علم پر اعتماد اور اس کی بنا پر مستقبل کے بارے میں فیصلے کرنا بہر حال ممنوع اور ناجائز ہے، اور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا:

”جب تقدیر کا ذکر چھڑے تو رک جاؤ، (یعنی اس میں زیادہ غور و خوض اور بحث و مباحثہ نہ کرو) اور جب ستاروں کا ذکر چھڑے تو رک جاؤ اور جب میرے صحابہ کا (یعنی ان کے باہمی اختلافات وغیرہ کا) ذکر چھڑے تو رک جاؤ“ اور حضرت فاروق اعظم کا ارشاد ہے:

”ستاروں کے علم سے اتنا علم حاصل کرو جس کے ذریعہ تم خشکی اور سمندر میں راستے جان سکو اس کے بعد رک جاؤ“ اس ممانعت سے ستاروں کے خواص و آثار کا انکار لازم نہیں آتا، لیکن ان خواص و آثار کے پیچھے پڑنے اور ان کی جستجو میں قیمتی اوقات برباد کرنے کو منع کیا گیا ہے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس پر مفصل بحث کرتے ہوئے اس ممانعت کی متعدد حکمتیں بتائی ہیں۔

علم نجوم کے ممنوع و مذموم ہونے کی پہلی حکمت تو یہ ہے کہ جب اس علم میں انسان کا انہماک بڑھتا ہے تو تجربہ یہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ ستاروں ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے، اور یہ چیز اسے کشاں کشاں ستاروں کے مؤثر حقیقی ہونے کا مشرکانہ عقیدے کی طرف لے جاتی ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ اگر ستاروں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ خواص و آثار رکھے بھی ہوں تو ان کے یقینی علم کا ہمارے پاس سوائے وحی کے کوئی راستہ نہیں ہے، حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کا کوئی علم عطا فرمایا تھا لیکن اب وہ علم جس کی بنیاد وحی الہی پر تھی، دنیا سے مٹ چکا ہے، اب علم نجوم کے ماہرین کے پاس جو کچھ ہے وہ محض قیاسات، اندازے اور تخمینے ہیں، جن سے کوئی یقینی علم حاصل نہیں کیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ نجومیوں کی بے شمار پیشینگوئیاں آئے دن غلط ثابت ہوتی رہتی ہیں، کسی نے اس علم کے بارے میں بہترین تبصرہ کیا ہے کہ:

”یعنی اس علم کا جتنا حصہ مفید ہو سکتا ہے وہ کسی کو معلوم نہیں اور جتنا لوگوں کو معلوم ہے وہ فائدہ مند نہیں۔“

علامہ آلوسی نے روح المعانی میں تاریخی واقعات کی ایسی متعدد مثالیں پیش کی ہیں جن میں علم نجوم کے مسئلہ قواعد کے تحت ایک واقعہ جس طرح پیش آنا چاہئے تھا حقیقت میں اس کے بالکل برعکس پیش آیا، چنانچہ جن بڑے بڑے لوگوں نے اس علم کی

مقبولین شرح جلالین

۲۰۵

الجزء ۲۲ - الطلعت ۳۷

نہیں میں اپنی عمر میں کھپائی ہیں وہ آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ اس علم کا انجام قیاس و تخمین سے آگے کچھ نہیں۔ ایک مشہور نجوم کو شیاردیلی نے علم نجوم پر اپنی کتاب الجمل فی الاحکام میں لکھا ہے:

”علم نجوم ایک غیر مدلل علم ہے، اور اس میں انسان کے دوسوں اور گمانوں کے لئے بڑی گنجائش ہے۔“

(روح المعانی، ص ۶۱۱، ۶۱۲)

علامہ آلوسی نے اور بھی متعدد علماء نجوم کے اسی قسم کے اقوال نقل فرمائے ہیں، بہر حال یہ بات طے شدہ ہے کہ علم نجوم کوئی یقینی علم نہیں ہے، اور اس میں غلطیوں کے بے حساب احتمالات ہوتے ہیں، لیکن ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ اس علم کی تحصیل میں لگتے ہیں وہ اسے بالکل قطعی اور یقینی علم کا درجہ دے بیٹھتے ہیں، اسی کی بنا پر مستقبل کے فیصلے کرتے ہیں، اسی کی وجہ سے دوسروں کے بارے میں اچھی بری رائیں قائم کر لیتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس علم کا جھوٹا پندار بعض اوقات انسان کو علم غیب کے دعوؤں تک پہنچا دیتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر چیز بے شمار مفاسد پیدا کرنے والی ہے۔

علم نجوم کی ممانعت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ عمر عزیز کو ایک بے فائدہ کام میں صرف کرنے کے مترادف ہے، جب اس سے کوئی نتیجہ یقینی طور پر حاصل نہیں کیا جاسکتا تو ظاہر ہے کہ دنیا کے کاموں میں یہ عم چنداں مددگار نہیں ہو سکتا۔ اب خواہ مخواہ ایک بے فائدہ چیز کے پیچھے پڑنا اسلامی شریعت کی روح اور مزاج کے بالکل خلاف ہے، اس لئے اس کو ممنوع کر دیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیماری کا مطلب:

اس آیت سے متعلق تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی دعوت کے جواب میں جوانی سقیم (میں بیمار ہوں) فرمایا تو کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت واقعی بیمار تھے؟ قرآن کریم میں اس کے متعلق کوئی صراحت نہیں ہے، لیکن صحیح بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس وقت ایسے بیمار نہیں تھے کہ قوم کے ساتھ نہ جاسکیں، اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات کیسے ارشاد فرمائی؟

اس کا جواب جمہور مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ درحقیقت ان الفاظ کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ”تور یہ“ کیا تھا ”تور یہ“ کا مطلب ہے ”کوئی ایسی بات کہنا جو بظاہر واقعہ کے خلاف ہو، لیکن کہنے والے نے اس سے کوئی ایسے دور کے معنی مراد لئے ہوں جو واقعہ کے مطابق ہوں“ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو جملہ ارشاد فرمایا اس کا ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ ”میں اس وقت بیمار ہوں“ لیکن آپ کی اصل مراد یہ نہیں تھی۔ اب اصل مراد کیا تھی؟ اس کے بارے میں مفسرین نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں، بعض نے فرمایا کہ اس سے آپ کا مقصد وہ طبعی انقباض تھا جو آپ کو اپنی قوم کی مشرکانہ حرکات دیکھ کر پیدا ہو رہا تھا، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہاں ”سَقِيمٌ“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو ”مريض“ کے مقابلہ میں بہت ہلکا لفظ ہے، اور اس کا مفہوم اردو میں اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے کہ ”میزی طبیعت ناساز ہے“ ظاہر ہے کہ اس جملہ میں طبعی انقباض کے مفہوم کی بھی ہلکا گنجائش پائی جاتی ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ: ”إِنِّي سَقِيمٌ“ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ ”میں بیمار ہونے والا ہوں“ اس

مقبولین شرف جلالینے لکھا: "خلیفة" ۴۰۱ (بینجم) (الجزء ۲۲ - الصلحۃ) نے کہ عربی زبان میں اسم فاعل کا صیغہ بکثرت زمانہ مستقبل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم ہی میں آنحضرت ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے: "انک میت وانہم مینون" اس کے ظاہری الفاظ کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ "تم بھی مردہ ہو اور وہ بھی مردہ ہیں۔" لیکن ظاہر ہے کہ یہاں مراد یہ معنی ہیں کہ "تم بھی مرنے والے ہو اور وہ بھی مرنے والے ہیں" اسی طرح "إِنِّی سَقِیْتُہٗ" کے معنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ مراد لئے تھے کہ "میں بیمار ہونے والا ہوں۔" اور یہ اس لئے فرمایا کہ موت سے پہلے ہر انسان کا بیمار ہونا یقینی امر ہے۔ اگر کسی کو ظاہری بیماری نہ ہو تب بھی موت سے ذرا پہلے انسان کے مزاج میں خلل کا واقع ہونا ناگزیر ہے۔

اور اگر کسی کا دل ان تاویلات پر مطمئن نہ ہو تو سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طبیعت اس وقت واقعہ تھوڑی بہت ناساز تھی، لیکن بیماری ایسی نہ تھی جو جشن میں شرکت سے مانع ہوتی، آپ نے اپنی معمولی ناسازی طبع کا ذکر ایسے ماحول میں کیا جس سے سننے والے یہ سمجھے کہ آپ کو کوئی بڑی بیماری لاحق ہے، جس کی وجہ سے آپ واقعی ہمارے ساتھ نہیں ہو سکتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توریہ کی یہ تشریح سب سے زیادہ معقول اور اطمینان بخش تھی۔

اس تشریح سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارشاد "إِنِّی سَقِیْتُہٗ" کے لئے جو "کذبة" (جھوٹ) کے الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے مراد "توریہ" ہے جس کی ظاہری شکل جھوٹ ہوتی ہے، لیکن متکلم کی مراد کے لحاظ سے وہ جھوٹ نہیں ہوتا، خود اسی حدیث کی بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

"ان میں سے کوئی جھوٹ ایسا نہیں ہے جو اللہ کے دین کی مدافعت اور حمایت میں نہ بولا گیا ہو۔"

ان الفاظ نے خود یہ واضح کر دیا ہے کہ یہاں "کذب" اپنے عام معنی سے جدا مفہوم رکھتا ہے، اس حدیث سے معتز قدرے تفصیلی بحث سورۃ انبیاء میں آیت قال بل فعلہ کبیرہم کے تحت گزر چکی ہے۔

توریہ کا شرعی حکم: فیصل:

انہی آیات سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ ضرورت کے مواقع پر توریہ کرنا جائز ہے توریہ ایک تو تولی ہوتا ہے، یعنی المناہات کہنا جس کا ظاہری مفہوم خلاف واقعہ ہو، اور باطنی مراد مطابق واقعہ۔ اور ایک توریہ عملی ہوتا ہے، یعنی ایسا عمل کرنا جس کا مقصد دیکھنے والا کچھ سمجھے اور درحقیقت اس کا مقصد کچھ اور ہو۔ اسے ایہام بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کو دیکھنا (اکثر مفسرین کے قول کے مطابق) ایہام تھا، اور اپنے آپ کو بیمار کہنا توریہ۔

ضرورت کے مواقع پر توریہ کی یہ دونوں قسمیں خود سرکار عالم ﷺ سے ثابت ہیں، جس وقت آپ ہجرت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، اور مشرکین آپ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے، تو راستے میں ایک شخص نے حضرت ابو بکر صدیق سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں پوچھا کہ "یہ کون ہیں؟" حضرت صدیق اکبر نے جواب دیا: "ہو ہا دیہد بلہی" (۱) میرے رہنما ہیں، مجھے راستہ دکھاتے ہیں) سننے والا یہ سمجھا کہ عام راستہ بتانے والے رہنما مراد ہیں، اس لئے چھوڑ کر چلے۔ حالانکہ حضرت ابو بکر کا مقصد یہ تھا کہ آپ دینی اور روحانی رہنما ہیں۔ (روح المعانی)

مرحہ حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو جہاد کے لئے جس سمت میں جانا ہوتا مدینہ طیبہ کے لئے وقت، سمت میں روانہ ہونے کے بجائے کسی دوسری سمت میں چلنا شروع فرماتے تھے، تاکہ دیکھنے والوں کو صحیح منزل معلوم ہو سکے اور صحیح سمت وغیرہ ایسے عملی طور پر اور ایسا ہیام تھا۔

مزاج اور خوش طبیعی کے مواقع پر بھی آنحضرت ﷺ سے تو یہ ثابت ہے: شامک ترمذی

وَقَدْ رَأَىٰ ذَاهِبًا إِلَىٰ رَبِّي سَمِيحًا ۝

بچنے کی قربانی کا واقعہ:

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات طیبہ کا ایک دوسرا اہم واقعہ بیان کیا گیا ہے، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے لئے اپنے اکلوتے فرزند کی قربانی پیش کی، واقعہ کے بنیادی اجزاء خلاصہ تفسیر سے واضح ہو جاتے ہیں، بعض تاریخی محسبات آیتوں کی تفسیر کے ذیل میں آجائیں گی:

وَقَدْ رَأَىٰ ذَاهِبًا إِلَىٰ رَبِّي (اور ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ میں تو اپنے رب کی طرف چلا جاتا ہوں) یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت ارشاد فرمائی جبکہ آپ اپنے اہل وطن سے بالکل مایوس ہو گئے، اور وہاں آپ کے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی آپ پر ایمان نہیں لایا۔ ”رب کی طرف چلے جانے“ سے مراد یہ ہے کہ میں دارالکفر کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں کا مجھے اپنے رب کی طرف سے حکم ہوا ہے، اور جہاں میں اپنے پروردگار کی عبادت کر سکوں گا، چنانچہ آپ اپنی زوجہ مطہرہ حضرت سارہ اور اپنے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کو لے کر سفر پر روانہ ہوئے، اور عراق کے مختلف حصوں سے ہوتے ہوئے بالاخر شام تشریف لے آئے۔ اس تمام عرصہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لئے آپ نے وہ دعا فرمائی جس کا اگلی آیت میں ذکر ہے

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ (اے میرے پروردگار! مجھے ایک نیک فرزند عطا فرما) چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند کی پیدائش کی خوشخبری سنائی۔

فَبَشِّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ۝ (پس ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی)

”حلیم المزاج“ فرما کر اشارہ کر دیا گیا کہ یہ نومولود اپنی زندگی میں ایسے صبر و ضبط اور بردباری کا مظاہرہ کرے گا کہ دنیا اس کی مثال نہیں چسپ کر سکتی۔ اس فرزند کی ولادت کا واقعہ یہ ہوا کہ جب حضرت سارہ نے یہ دیکھا کہ مجھ سے کوئی اولاد نہیں ہو رہی تو وہ سمجھیں کہ میں بانجھ ہو چکی ہوں اور فرعون مصر نے حضرت سارہ کو اپنی بیٹی جن کا نام ہاجرہ تھا، خدمت گزاروں کے لئے دے دی تھی، حضرت سارہ نے یہی ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کر دیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے نکاح کر لیا، انہی ہاجرہ کے بطن سے یہ صاحبزادے پیدا ہوئے اور ان کا نام اسماعیل علیہ السلام رکھا گیا۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَؤِي إِيحَ أَدَىٰ فِي الْمَنَامِ إِنِّي أَذْهَبُكَ فَأَنْظِرْ مَاذَا تَأْتِي ۝ (سوجب وہ فرزند ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے فرمایا: برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تین روز متواتر دکھایا گیا (قریبی) اور یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اس لئے اس خواب کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر دو۔ یوں یہ حکم براہ راست کسی فرشتے وغیرہ کے ذریعہ بھی نازل کیا جاسکتا تھا، لیکن خواب میں دکھانے کی حکمت بظاہر یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت شعاری اپنے کمال کے ساتھ ظاہر ہو، خواب کے ذریعہ دیئے ہوئے حکم میں انسانی نفس کے لئے تاویلات کی بڑی گنجائش تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاویلات کا راستہ اختیار کرنے کے بجائے اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ (تفسیر کبیر)

اس کے علاوہ یہاں باری تعالیٰ کا اصل مقصد نہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرانا تھا، نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دینا کہ انہیں ذبح کر ہی ڈالو، بلکہ منشاء یہ حکم دینا تھا کہ اپنی طرف سے انہیں ذبح کرنے کے سارے سامان کر کے ان کے ذبح کا اقدام کر گزرو۔ اب یہ حکم اگر زبانی دیا جاتا تو اس میں آزمائش نہ ہوتی، اس لئے انہیں خواب میں دکھلایا کہ وہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں، اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سمجھے کہ ذبح کا حکم ہوا ہے، اور وہ پوری طرح ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے، اس طرح آزمائش بھی پوری ہو گئی اور خواب بھی سچا ہو گیا، یہ بات زبانی حکم کے ذریعہ آتی تو یا آزمائش نہ ہوتی، یا حکم کو بعد میں منسوخ کرنا پڑتا یہ امتحان کس قدر سخت تھا؟ اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہاں اللہ تعالیٰ نے فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ کے الفاظ بڑھائے ہیں، یعنی ارمانوں سے مانگے ہوئے اس بیٹے کو قربان کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا تھا جب یہ بیٹا اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا، اور پرورش کی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد اب وقت آیا تھا کہ وہ قوت بازو بن کر باپ کا سہارا ثابت ہو۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ بالغ ہو چکے تھے۔ (تفسیر مطہری)

فَانظُرْ مَاذَا تَأْمُرُ - (سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات حضرت اسماعیل علیہ السلام سے اس لئے نہیں پوچھی کہ آپ کو حکم الہی کی تعمیل میں کوئی تردد تھا، بلکہ ایک تو وہ اپنے بیٹے کا امتحان لینا چاہتے تھے کہ وہ اس آزمائش میں کس حد تک پورا اترتا ہے؟ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا طرز ہمیشہ یہ رہا ہے کہ وہ احکام الہی کی اطاعت کے لئے تو ہر وقت تیار رہتے ہیں لیکن اطاعت کے لئے ہمیشہ راستہ وہ اختیار کرتے ہیں جو حکمت اور حتی المقدور سہولت پر مبنی ہو۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے سے کچھ کہے بغیر بیٹے کو ذبح کرنے لگتے، تو یہ دونوں کے لئے مشکل کا سبب ہوتا، اب یہ بات آپ نے مشورہ کے انداز میں بیٹے سے اس لئے ذکر کی کہ بیٹے کو پہلے سے اللہ کا یہ حکم معلوم ہو جائے گا تو وہ ذبح ہونے کی اذیت سہنے کے لئے پہلے سے تیار ہو سکے گا، نیز اگر بیٹے کے دل میں کچھ تذبذب ہو بھی تو اسے سمجھایا جاسکے گا۔ (روح المعانی و بیان القرآن) لیکن وہ بیٹا بھی اللہ کے ظلیل کا بیٹا تھا اور اسے خود منصب رسالت پر فائز ہونا تھا، اس نے جواب میں کہا:

يَا بَتِ افْعَلْ مَا تَأْمُرُ (ابا جان جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے کر گزریئے)۔ اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بے مثال جذبہ جاں سپاری کی تو شہادت ملتی ہی ہے، اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کم سنی ہی میں اللہ نے انہیں کسی ذہانت اور کیسا علم عطا فرمایا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے اللہ کے کسی حکم کا حوالہ نہیں دیا تھا، بلکہ محض ایک خواب کا

تذکرہ فرمایا تھا، لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھ گئے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اور یہ خواب بھی درحقیقت حکم الہی کی ہی ایک شکل ہے، چنانچہ انہوں نے جواب میں خواب کے بجائے حکم الہی کا تذکرہ فرمایا۔

وحی غیر متلو کا ثبوت:

یہیں سے ان منکرین حدیث کی واضح تردید ہو جاتی ہے جو وحی غیر متلو کے وجود کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ وحی صرف وہ ہے جو آسمانی کتاب میں نازل ہوگئی، اس کے علاوہ وحی کی کوئی دوسری قسم موجود نہیں ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم خواب کے ذریعہ دیا گیا، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے صریح الفاظ میں اسے اللہ کا حکم قرار دیا، اگر وحی غیر متلو کوئی چیز نہیں ہے تو یہ حکم کون سی آسمانی کتاب میں اتر ا تھا؟

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی طرف سے اپنے والد بزرگوار کو یہ یقین بھی دلایا کہ:

سَتَجِدُنِيَ إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ (ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے) اس جملے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی غایت ادب اور غایت تواضع کو دیکھئے۔ ایک تو ان شاء اللہ کہہ کر معاملہ اللہ کے حوالہ کر دیا اور اس وعدے میں دعوے کی جو ظاہری صورت پیدا ہو سکتی تھی اسے ختم فرما دیا۔ دوسرے آپ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ ”آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے“ لیکن اس کے بجائے آپ نے فرمایا کہ ”آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے“ جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ صبر و ضبط تنہا میرا کمال نہیں ہے بلکہ دنیا میں اور بھی بہت سے صبر کرنے والے ہوئے ہیں، ان شاء اللہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں گا۔ اس طرح آپ نے اس جملے میں فخر و تکبر، خود پسندی اور پندار کے ہر ادنیٰ شے کو ختم کر کے اس میں انتہا درجے کی تواضع اور انکسار کا اظہار فرما دیا۔ (روح المعانی) اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو کسی معاملے میں اپنے اوپر کتنا ہی اعتماد ہو لیکن اسے ایسے بلند بانگ دعوے نہیں کرنے چاہئیں جن سے غرور و تکبر ٹپکتا ہوا، اگر کہیں ایسی کوئی بات کہنے کی ضرورت ہو تو الفاظ میں اس کی رعایت ہونی چاہئے، کہ ان میں اپنے بجائے اللہ پر بھروسہ کا اظہار ہو، اور جس حد تک ممکن ہو تواضع کے دامن کو نہ چھوڑا جائے۔

فَلَمَّا أَسْلَمَا (پس جب وہ دونوں جھک گئے) اسلم کے معنی ہیں جھک جانا، مطیع ہو جانا، رام ہو جانا۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کے حکم کے آگے جھک گئے، یعنی باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کا اور بیٹے نے ذبح ہو جانے کا ارادہ کر لیا، یہاں لما (جب) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، لیکن اس کا جواب مذکور نہیں ہے، یعنی آگے یہ نہیں بتایا گیا کہ جب یہ واقعات پیش آچکے تو کیا ہوا؟ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باپ بیٹے کا یہ اقدام فداکاری اس قدر عجیب و غریب تھا کہ الفاظ اس کی پوری کیفیت کو بیان کر ہی نہیں سکتے۔

بعض تاریخی اور تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی، ہر مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکر یاں مار کر بھگا دیا۔ آج تک سنی کے تین جہرات پر اسی محبوب عمل کی یاد کنکر یاں مار کر لئی جاتی ہے، بالآخر جب دونوں باپ بیٹے یہ انوکھی عبادت انجام دینے کے لئے قربان گاہ پر پہنچے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام

نے اپنے والد سے کہا کہ ابا جان مجھے خوب اچھی طرح باندھ دیجئے، تاکہ میں زیادہ تڑپ نہ سکوں اور اپنے کپڑوں کو بھی مجھ سے بچائے، ایسا نہ ہو کہ ان پر میرے خون کی چھینٹیں پڑیں، تو میرا ثواب گھٹ جائے، اس کے علاوہ میری والدہ خون دیکھیں گی تو انہیں غم زیادہ ہوگا، اور اپنی چھری کو بھی تیز کر لیجئے، اور اسے میرے طلق پر ذرا جلدی جلدی پھرے گا، تاکہ آسانی سے میرا دم نکل سکے، کیونکہ موت بڑی سخت چیز ہے، اور جب آپ میری والدہ کے پاس جائیں تو ان سے میرا سلام کہہ دیجئے گا، اور اگر آپ میری قمیض والدہ کے پاس لے جانا چاہیں تو لے جائیں، شاید اس سے انہیں کچھ تسلی ہو۔ اکلوتے بیٹے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ایک باپ کے دل پر کیا گزر سکتی ہے؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام استقامت کے پہاڑ بن کر جواب یہ دیتے ہیں کہ: بیٹے! تم اللہ کا حکم پورا کرنے کے لئے میرے کتنے اچھے مددگار ہو۔ یہ کہہ کر انہوں نے بیٹے کو بوسہ دیا، پر ہم آنکھوں سے انہیں باندھا۔ (مظہری) اور

وَقَالُوا لِلَّذِينَ نَزَّلُوا عَلَيْنَا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَدِ انبَغَيْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِنَا وَإِنَّا لَنَافِلَةٌ ﴿۱۰۰﴾ (انہیں پیشانی کے بل خاک پر لٹا دیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا مطلب یہ منقول ہے کہ انہیں اس طرح کروٹ پر لٹا دیا کہ پیشانی کا ایک کنارہ زمین سے چھونے لگا، (مظہری) لغت کے اعتبار سے یہ تفسیر راجح ہے۔ اس لئے کہ جبیں عربی زبان میں پیشانی کی دونوں کروٹوں کو کہتے ہیں، اور پیشانی کا درمیانی حصہ جبہتہ کہلاتا ہے۔ اسی لئے حکیم الامت حضرت تھانوی نے اس کا ترجمہ کروٹ پر لٹانے سے کیا ہے لیکن بعض دوسرے حضرات مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اوندھے منہ زمین پر لٹا دیا۔ بہر صورت تاریخی روایات میں اس طرح ٹٹانے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ شروع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں سیدھا لٹا دیا تھا، لیکن جب چھری چلانے لگے تو بار بار چلانے کے باوجود گلا کٹتا نہیں تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیتل کا ایک ٹکڑا بیچ میں حاصل کر دیا تھا، اس موقع پر بیٹے نے خود یہ فرمائش کی کہ ابا جان: مجھے چہرے کے بل کروٹ سے لٹا دیجئے، اس لئے کہ جب آپ کو میرا چہرہ نظر آتا ہے تو شفقت پدیری جوش مارنے لگتی ہے، اور گلا پوری طرح کٹ نہیں پاتا، اس کے علاوہ چھری مجھے نظر آتی ہے تو مجھے بھی گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اسی طرح لٹا کر چھری چلانی شروع کی۔ (تفسیر مظہری وغیرہ) واللہ اعلم۔

وَقَادَيْنَهُ أَنْ يُنَابِئِهِمْ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا (اور ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا) یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں جو کام تمہارے کرنے کا تھا اس میں تم نے اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ (خواب میں بھی غالباً صرف یہی دکھایا گیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں ذبح کرنے کے لئے چھری چلا رہے ہیں) اب یہ آزمائش پوری ہو چکی اس لئے اب انہیں چھوڑ دو۔

إِنَّا كُنَّا لَكَ نَجِزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۰۲﴾ (ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں) یعنی جب کوئی اللہ کا بندہ اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر کے اپنے تمام جذبات کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، تو ہم بالآخر اسے دنیوی تکلیف سے بھی بچا لیتے ہیں اور آخرت کا اجر و ثواب بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیتے ہیں۔

وَقَدَيْنَهُ يَذْبَحُ عَضِيذًا ﴿۱۰۳﴾ (اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا) روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ آسانی آواز سن کر اوپر کی طرف دیکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مینڈھا لئے کھڑے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے

صورت میں نہ یہ کوئی بڑا امتحان ہوتا، اور نہ حضرت ابراہیم اس کی انجام دہی میں کسی تعریف کے مستحق ہوتے، امتحان تو اس صورت میں ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پوری طرح یہ سمجھے ہوئے ہوں کہ میرا یہ بیٹا ذبح کرنے سے ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد وہ ذبح کرنے کا اقدام کریں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے معاملہ میں یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے زندہ رہنے اور نبی بننے کی کوئی پیشینگوئی نہیں فرمائی تھی۔

(۳) قرآن کریم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلا بچہ تھا، اس لئے کہ انہوں نے اپنے وطن سے ہجرت کرتے وقت ایک بیٹے کی دعا کی تھی، اسی دعا کے جواب میں انہیں یہ بشارت دی گئی کہ ان کے یہاں ایک حلیم لڑکا پیدا ہوگا، اور پھر اسی لڑکے کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ جب وہ باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو اسے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ سارا سلسلہ واقعات بتا رہا ہے کہ وہ لڑکا حضرت ابراہیم کا پہلا بیٹا تھا، اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، اور حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے دوسرے صاحبزادے ہیں، اس کے بعد اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔

(۴) یہ بات بھی تقریباً طے شدہ ہے کہ بیٹے کی قربانی کا واقعہ مکہ مکرمہ کے آس پاس پیش آیا ہے، اس لئے اہل عرب میں برابر حج کے دوران قربانی کا طریقہ رائج رہا ہے، اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے کے فدیہ میں جو مینڈھا جنت سے بھیجا گیا اس کے سینک سا لہا سال تک کعبہ شریف کے اندر لٹکے رہے ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے اس کی تائید میں کئی روایتیں نقل کی ہیں، اور حضرت عامر شعبی کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ: ”میں نے اس مینڈھے کے سینک کعبہ میں خود دیکھے ہیں۔“ (ابن کثیر، ص ۸۱ ج ۴) اور حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ ”اس مینڈھے کے سینک مسلسل کعبہ میں لٹکتے رہے، یہاں تک کہ جب (حجاج بن یوسف کے زمانہ میں) کعبہ اللہ میں آتش زدگی ہوئی تو یہ سینک بھی جل گئے“ (ایضاً، ص ۷۱ ج ۲) اب ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام تشریف فرما رہے ہیں، نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام، اس لئے صاف ظاہر ہے کہ ذبح کا حکم حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی سے متعلق تھا، نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام سے۔

رہیں وہ روایات جن میں مختلف صحابہ و تابعین کے بارے میں مذکور ہے کہ انہوں نے ذبح حضرت اسحاق علیہ السلام کو قرار دیا سوان کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن بظاہر یہ سارے اقوال کعب الاحبار سے ماخوذ ہیں، اس لئے کہ جب وہ حضرت عمر کے زمانے میں اسلام لائے تو حضرت عمر کو اپنی پرانی کتابوں کی باتیں سنانے لگے، بعض اوقات حضرت عمران کی باتیں سن لیتے تھے، اس سے اور لوگوں کو بھی گنجائش ملی، اور انہوں نے بھی ان کی روایات سن کر انہیں نقل کرنا شروع کر دیا، ان روایات میں ہر طرح کی رطب و یابس باتیں جمع تھیں، اور اس امت کو ان باتوں میں سے ایک حرف کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(تفسیر ابن کثیر، ص ۷۱ ج ۴)

حافظ ابن کثیر کی یہ بات بہت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح قرار دینے کی بنیاد اسرائیلی روایات ہی پر ہے، اس لئے یہود و نصاریٰ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح قرار دیتے ہیں

موجودہ ہائل میں یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

”ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہیم کو آزمایا اور اسے کہا اے ابراہیم! اس نے کہا میں حاضر ہوں، تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اسحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختی قربانی کے طور پر چڑھا۔“ (پیدائش ۲۲:۱۰)

اس میں ذبح کا واقعہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن اگر انصاف سے اور تحقیق سے کام لیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں یہودیوں نے اپنے روایتی تعصب سے کام لے کر تورات کی عبارت میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے، اس لئے کہ کتاب پیدائش کی مذکورہ عبارت ہی میں ”جو تیرا اکلوتا ہے“ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو جس بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا، اسی باب میں آگے چل کر پھر لکھا ہے کہ:-

”تو نے اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیا۔“ (پیدائش ۲۲:۱۶)

اس جملے میں بھی یہ تصریح موجود ہے کہ وہ بیٹا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اکلوتا تھا، ادھر یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے اکلوتے بیٹے نہ تھے، اگر ”اکلوتے“ کا اطلاق کسی پر ہو سکتا ہے تو وہ صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، خود کتاب پیدائش ہی کی دو سزری کئی عبارتیں اس کی شہادت دیتی ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش حضرت اسحاق علیہ السلام سے بہت پہلے ہو چکی تھی، ملاحظہ فرمائیے:-

”اور ابراہیم کی بیوی سارئی کے کوئی اولاد نہ ہوئی، اس کی ایک مصری لونڈی تھی، جس کا نام ہاجرہ تھا اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حملہ ہوئی اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام اسماعیل رکھنا۔ اور جب ابراہیم سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابراہیم چھپاسی برس کا تھا“ (پیدائش باب ۱۶ آیات ۱۰، ۱۱، ۱۲)

نیز اگلے باب میں لکھا ہے:

”اور خدا نے ابراہیم سے کہا کہ سارئی جو تیری بیوی ہے اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا تب ابراہیم سرنگوں ہوا اور بس کر دس میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڑھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا سارہ کے جنوںے برس کی ہے اولاد ہوگی؟ اور ابراہیم نے خدا سے کہا کہ کاش! اسماعیل ہی تیرے حضور جینا رہے، تب خدا نے فرمایا کہ بیشک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا، تو اس کا نام اسحاق رکھنا“ (پیدائش ۱۷:۱، ۱۷:۱۲)

اس کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

”اور جب اس کا بیٹا اسحاق اس سے پیدا ہوا تو ابراہیم سو برس کا تھا“ (پیدائش ۱۷:۱۷)

ان عبارتوں سے صاف واضح ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام سے چودہ سال چھوٹے تھے اور اس چودہ سال کے عرصہ میں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے، اس کے برعکس حضرت اسحاق علیہ السلام پر ایسا کوئی وقت نہیں گزرا جس میں وہ اپنے والد کے اکلوتے ہوں، اب اس کے بعد جب کتاب پیدائش کے بائیسویں باب میں بیٹے کی قربانی کا ذکر آتا ہے تو اس میں ”اکلوتا“ کا لفظ صاف شہادت دے رہا ہے کہ اس سے مراد اسماعیل علیہ السلام ہیں اور کسی یہودی نے اس کے ساتھ

”صحاق“ کا لفظ محض اس لئے بڑھا دیا ہے تاکہ یہ فضیلت بنو اسماعیل کے بجائے بنو اسحاق کو حاصل ہو۔
اس کے علاوہ بائبل کی اسی کتاب پیدائش میں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی گئی ہے وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ:

”یقیناً میں اسے (یعنی حضرت اسحاق کو) برکت دوں گا کہ تو میں اس کی نسل سے ہوں گی“ (پیدائش ۲۱، ۲۲)

اب ظاہر ہے کہ جس بیٹے کے بارے میں اس کی پیدائش سے پہلے ہی یہ خبر دی جا چکی ہو کہ وہ صاحب اولاد ہوگا اور
”تو میں اس کی نسل سے ہوں گی“ اس کو قربان کرنے کا حکم کیسے دیا جاسکتا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم حضرت اسحاق
علیہ السلام سے متعلق نہیں تھا، بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے متعلق تھا۔

بائبل کی ان عبارتوں کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ حافظ ابن کثیر کا یہ خیال کس قدر صحیح ہے کہ:

”یہودیوں کی کتب مقدسہ میں تصریح ہے کہ جب اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھبیس سال تھی
اور جب اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی عمر سو سال تھی، اور انہی کی کتابوں میں یہ بھی درج ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم
علیہ السلام کو ان کے اکلوتے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اور ایک اور نسخہ میں ”اکلوتے“ کے بجائے ”پہلوٹھے“ کا لفظ ہے، پس
یہودیوں نے یہاں ”اسحاق“ کا لفظ اپنی طرف سے بہتانا بڑھا دیا، اور اس کو درست قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے، کیونکہ یہ خود
ان کی کتابوں کی تصریحات کے خلاف ہے، اور یہ لفظ انہوں نے اس لئے بڑھایا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ان کے جدا امجد ہیں، اور
حضرت اسماعیل علیہ السلام عربوں کے، پس یہودیوں نے حسد کی وجہ سے یہ لفظ بڑھا دیا اور اب ”اکلوتے“ کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ وہ
”بیٹا جس کے سوا اس وقت کوئی اور تمہارے پاس موجود نہیں ہے“ کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ اس وقت وہاں
نہیں تھیں (اس لئے حضرت اسحاق کو اس معنی میں اکلوتا کہا جاسکتا ہے) لیکن یہ بالکل غلط تاویل ہے اور باطل تحریف ہے، اس
لئے کہ ”اکلوتا“ اس بیٹے کو کہتے ہیں جس کے باپ کا اس کے سوا کوئی بیٹا نہ ہو تفسیر ابن کثیر، ص ۴۲، ج ۴)

حافظ ابن کثیر ہی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ علماء یہود میں سے ایک شخص حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں مسلمان ہو گیا تھا،
حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس سے پوچھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے کون ہے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا؟ تو اس
نے کہا کہ ”خدا کی قسم امیر المؤمنین! وہ اسماعیل علیہ السلام تھے، یہودی اس بات کو خوب جانتے ہیں لیکن وہ آپ عرب لوگوں سے حسد
کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں“۔ (ص ۸۱، ج ۴)

ان دلائل کی روشنی میں یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ واللہ سبحانہ، اعلم (سوانح منشی شفا)

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿١٤٠﴾ بِالْبُتُورَةِ وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الْكُرْبِ الْعَظِيمِ ﴿١٤١﴾

أَيُّ اسْتِعْبَادٍ فِرْعَوْنَ إِيَّاهُمْ وَنَصَرْنَاهُمْ عَلَى الْقَبِيطِ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿١٤٢﴾ وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ

الْمُسْتَبِينَ ﴿١٤٣﴾ الْبَلِيغَ الْبَيَانَ فِيمَا أُتِيَ بِهِ مِنَ الْخُدُودِ وَالْأَحْكَامِ وَغَيْرِهَا وَهُوَ التَّوْرَةُ وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ

فعل مقدر کے ذریعہ انہوں نے اپنی قوم کو لاکار کہ کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے کیا تم بعل بت کی پوجا کرتے ہو سونے کے بت کا ہار تھا پھر بک کی طرف اضافت کر کے شہر کا نام پڑ گیا یعنی کیا تم اسکی پرستش کرتے ہو اور چھوڑ بیٹھے ہو اللہ سب سے بڑھ کر بنائے والے کو یعنی اس کو بندگی نہیں کرتے جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے لفظ اللہ رَبِّكُمْ وَرَبِّ آبَائِكُمْ تینوں مرفوع ہیں ضمیر مان کر اور احسن سے بدل مان کر منصوب ہو سکتا ہے۔ سو ان لوگوں نے اس کو جھٹلادیا اس لیے وہ جہنم میں پکڑے جائیں گے مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں مؤمن وہ جہنم سے محفوظ رہیں گے اور ہم نے الیاس کے لیے بعد میں آنے والی نسلوں میں ذکر فرما رہے دیا ہمارا اسلام الیاس پر ہو، الیاسین، الیاس ہی ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے اور بعض کی رائے ہے وہ اولاد ان پر ایمان والے مراد ہیں ان سب کو انہیں کے ساتھ تغلیباً جمع کر دیا گیا ہے جیسے مہلب اور اس کی قوم کو ہلمین کہتے ہیں اور ایک قرأت میں آل یاسین کے ساتھ آیا ہے یعنی یاسین کے اہل اس سے بھی الیاس ہی مراد ہیں ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں جیسے ان کو بدلہ دیا بلاشبہ وہ ہمارے خاص ایماندار بندوں میں سے تھے اور بیشک لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے اس وقت کو یاد کیجئے جب کہ ہم نے انکو اور ان کے متعلقین سب کو نجات دی۔ بجز ایک بڑھیا کے جو عذاب میں باقی رہنے والوں میں رہ گئی پھر ہم نے ان کو قوم کے اور کافروں کو تباہ ہلاک کر ڈالا اور تم تو ان پر گزار کرتے ہوئے یعنی ان کے کھنڈرات اور مکانات پر سفر میں جاتے ہوئے صبح کے وقت یعنی دن میں اور رات کو۔ تو کیا پھر بھی نہیں سمجھتے ہو۔ اے مکہ والو! کہ ان پر کیا شامت آئی تھی تاکہ تم اس سے عبرت پکڑو۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: وَاصْرَفْنَاهُمْ: قوم سمیت اسی لیے ضمیر جمع کی لائی گئی۔

قوله: الطَّرِيقِ: حق کی طرف پہنچانے والا راستہ۔

قوله: مُضَافًا إِلَى بَيْتٍ: اس شہر کو اب بعلبک کہا جاتا ہے۔

قوله: الیاس: بعض کا قول یہ حضرت ہارون علیہ السلام کے علاقائی بھائی ہیں۔ ضحاک نے کہا: یہی اور نہیں ہیں۔ بعض نے کہا: یہ ہارون علیہ السلام کے پوتے ہیں۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۖ

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کا تذکرہ:

ان آیات میں حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے ان دونوں

پراحسان کیا یعنی نبوت عطا کی اور اس بڑے انعام سے نوازا اور اس کے علاوہ بھی دوسری نعمتیں عطا فرمائیں، انہیں نعمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہیں اور ان کی قوم کو بڑی بے چینی سے نجات دی کیونکہ یہ لوگ مصر میں رہتے تھے جہاں کا صاحب اقتدار فرعون تھا وہ بڑا عالم تھا اس کی حکومت میں بنی اسرائیل عاجز محض بنے ہوئے تھے (جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی قوم کے لوگ تھے) فرعون ان کے لڑکوں تک کو ذبح کر دیتا تھا اور یہ چوں بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس سے بڑی بے چینی اور مظلومیت کیا ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اس بے چینی سے ان کو نجات دی، ان لوگوں کی مدد فرمائی۔ دریا سے پار کر دیا، یہ لوگ غالب ہوئے اور فرعون اور اس کے لشکر مغلوب ہوئے جو دریا میں غرق ہو کر ہلاک ہو گئے۔

وَآتَيْنَهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ ﴿۱۰﴾ (اور ہم نے انہیں واضح کتاب دی) یعنی توریت شریف عطا فرمائی جس میں واضح طور پر احکام شرعیہ بیان فرمائے وَهَدَيْنَهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۱۱﴾ (اور ہم نے ان دونوں کو صراط مستقیم کی ہدایت دی) جس پر وہ قائم رہے اور بنی اسرائیل کو بھی اسی کی دعوت دیتے رہے۔ وَتَوَكَّلْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ ﴿۱۲﴾ سَلِّمُوا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿۱۳﴾ (اور ہم نے بعد کے آنے والوں میں ان کے بارے میں یہ بات رہنے دی کہ سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر) (چنانچہ ان کے بعد آنے والے ساری امتیں خاص کرامت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان کے نام لیتی ہے یعنی انہیں لفظ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یاد کرتی ہے) اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ مِّنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ (بیشک ہم مخلصین کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں بلاشبہ وہ دونوں ہمارے مؤمن بندوں میں سے ہیں۔)

وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶﴾

حضرت الیاس علیہ السلام:

ان آیات میں الیاس علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام سے متعلق چند معلومات درج ذیل ہیں:

قرآن کریم میں حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر صرف دو مقامات پر آیا ہے، ایک سورۃ انعام میں اور دوسرے سورۃ صافات کی انہی آیتوں میں۔ سورۃ انعام میں تو صرف انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں آپ کا اسم گرامی شمار کر دیا گیا ہے اور کوئی واقعہ مذکور نہیں، البتہ یہاں نہایت اختصار کے ساتھ آپ کی دعوت و تبلیغ کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔

چونکہ قرآن کریم میں حضرت الیاس علیہ السلام کے حالات تفصیل سے مذکور ہیں، اور نہ مستند احادیث میں آپ کے حالات آئے ہیں، اس لئے آپ کے بارے میں کتب تفسیر کے اندر مختلف اقوال اور متفرق روایات ملتی ہیں، جن میں سے بیشتر بنی اسرائیل کی روایات سے ماخوذ ہیں۔

مفسرین میں سے ایک مختصر کردہ کہنا یہ ہے کہ "الیاس" حضرت ادریس علیہ السلام ہی کا دوسرا نام ہے، اور ان دونوں شخصیتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (در منثور ص ۵۸۲، ۶۸۲ ج ۵) لیکن محققین نے ان اقوال کی تردید کی ہے۔ قرآن کریم نے بھی حضرت ادریس اور حضرت الیاس علیہما السلام کا اس طرح جدا جدا تذکرہ فرمایا ہے، کہ دونوں کو ایک قرار دینے کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی، اس لئے حافظ ابن کثیر نے

اپنی تاریخ میں صحیح اسی کو قرار دیا ہے کہ دونوں الگ الگ رسول ہیں۔ (الہدایہ والنہایہ، ص ۹۳۳)

بعثت کا زمانہ اور مقام:

قرآن و حدیث سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کب اور کہاں مبعوث ہوئے تھے؟ لیکن تاریخی اور اسرائیلی روایات اس بات پر تقریباً متفق ہیں کہ آپ حضرت حزقیل علیہ السلام کے بعد اور حضرت الیسع علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے جانشینوں کی بدکاری کی وجہ سے بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی تھی، ایک حصہ یہود یا یہودیہ کہلاتا تھا، اور اس کا مرکز بیت المقدس تھا، اور دوسرا حصہ اسرائیل کہلاتا تھا اور اس کا پایہ تخت سامرہ (موجودہ نابلس) تھا۔ حضرت الیاس علیہ السلام اردن کے علاقہ جلعاد میں پیدا ہوئے تھے، اس وقت اسرائیل کے ملک میں جو بادشاہ حکمران تھا اس کا نام بائیل میں اخی اب اور عربی تواریخ و تفاسیر میں اجب یا اخب مذکور ہے۔ اس کی بیوی ایزبل، بعل نامی ایک بت کی پرستار تھی، اور اسی نے اسرائیل میں بعل کے نام پر ایک بڑی قربان گاہ تعمیر کر کے تمام بنو اسرائیل کو بت پرستی کے راستہ پر لگا دیا تھا۔ حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ اس خطے میں جا کر توحید کی تعلیم دیں اور اسرائیلیوں کو بت پرستی سے روکیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر ص ۳۰، ج ۳۶، دہن کثیر ص ۹۱، ج ۴، و تفسیر مظہری ص ۱۳۱، ج ۱۸ اور بائیل کی کتاب سلاطین اول ۶۱-۹۲، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸)

قوم کے ساتھ کشمکش:

دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت الیاس علیہ السلام کو بھی اپنی قوم کے ساتھ شدید کشمکش سے دوچار ہونا پڑا۔ قرآن کریم چونکہ کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے، اس لئے اس کشمکش کا مفصل حال بیان کرنے کے بجائے صرف اتنی بات بیان فرمائی ہے جو عبرت و موعظت حاصل کرنے کے لئے ضروری تھی، یعنی یہ کہ ان کی قوم نے ان کو جھٹلایا اور چند مخلص بندوں کے سوا کسی نے حضرت الیاس علیہ السلام کی بات نہ مانی، اس لئے آخرت میں انہیں ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

بعض مفسرین نے یہاں اس کشمکش کے مفصل حالات بیان فرمائے ہیں، مردودہ تفاسیر میں حضرت الیاس علیہ السلام کا سب سے مبسوط تذکرہ تفسیر مظہری میں علامہ بغوی کے حوالہ سے کیا گیا ہے، اس میں جو واقعات مذکور ہیں وہ تقریباً تمام تر بائیل سے ماخوذ ہیں، دوسری تفسیروں میں بھی ان واقعات کے بعض اجزاء حضرت وہب بن منبہ اور کعب الاحبار وغیرہ کے حوالہ سے بیان ہوئے ہیں جو اکثر اسرائیلی روایات نقل کرتے ہیں۔

ان تمام روایات کے خلاصہ کے طور پر جو قدر مشترک نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام نے اسرائیل کے بادشاہ اخی اب اور اس کی رعایا کو بعل نامی بت کی پرستش سے روک کر توحید کی طرف دعوت دی، مگر دو ایک حق پسند افراد کے سوا کسی نے آپ کی بات نہیں مانی، بلکہ آپ کو طرح طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ اخی اب اور اس کی بیوی ایزبل نے آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے۔ آپ نے ایک دور افتادہ غار میں پناہ لی، اور عرصہ دراز تک وہیں مقیم رہے، اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی، کہ اسرائیل کے لوگ قحط سالی کا شکار ہو جائیں تاکہ اس قحط سالی کو دور کرنے کے لئے آپ ان کو معجزات

دکھا میں تو شاید وہ ایمان لے آئیں، چنانچہ انہیں شدید قحط میں مبتلا کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہی اب سے ملے، اور اس سے کہا کہ یہ عذاب اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے ہے، اور اگر تم اب بھی باز آ جاؤ تو یہ عذاب دور ہو سکتا ہے۔ میری سچائی کے امتحان کا بھی یہ بہترین موقع ہے، تم کہتے ہو کہ اسرائیل میں تمہارے معبود بعل کے ساڑھے چار سونے ہیں، تم ایک دن ان سب کو میرے سامنے جمع کر لو، وہ بعل کے نام پر قربانی پیش کریں گے اور میں اللہ کے نام پر قربانی کروں گا، جس کی قربانی کو آسمانی آگ بھسم کر دے گی اس کا دین سچا ہوگا، ب نے اس تجویز کو خوشی سے مان لیا۔

چنانچہ کوہ کرمل کے مقام پر یہ اجتماع ہوا۔ بعل کے جھوٹے نبیوں نے اپنی قربانی پیش کی، اور صبح سے دوپہر تک بعل سے التجائیں کرتے رہے، مگر کوئی جواب نہ آیا۔ اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قربانی پیش کی، اس پر آسمان سے آگ نازل ہوئی اور اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو بھسم کر دیا، یہ دیکھ کر بہت سے لوگ سجدے میں گر گئے، اور ان پر حق واضح ہو گیا لیکن بعل کے جھوٹے نبی اب بھی نہ مانے، اس لئے حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کو وادی قیشون میں قتل کر دیا۔

اس واقعہ کے بعد موسلا دھار بارش بھی ہوئی، اور پورا خطہ پانی سے نہال ہو گیا، لیکن انہی اب کی بیوی ایزبل کی اب بھی آنکھ نہ کھلی، وہ حضرت الیاس علیہ السلام پر ایمان لانے کے بجائے الٹی ان کی دشمن ہو گئی، اور اس نے آپ کو قتل کرانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام یہ سن کر پھر سامریہ سے روپوش ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد بنی اسرائیل کے دوسرے ملک یہود یہ میں تبلیغ شروع کر دی، کیونکہ رفتہ رفتہ بعل پرستی کی وبا وہاں بھی پھیل چکی تھی۔ وہاں کے بادشاہ یہورام نے بھی آپ کی بات نہ سنی، یہاں تک کہ وہ حضرت الیاس علیہ السلام کی پیشینگوئی کے متعلق تباہ و برباد ہوا چند سال بعد آپ دوبارہ اسرائیل تشریف لائے اور یہاں پھر انہی اب اور اس کے بیٹے اخزیاء کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی، مگر وہ بدستور اپنی بد اعمالیوں میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ انہیں بیرونی حملوں اور مہلک بیماریوں کا شکار بنا دیا گیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو واپس بلا لیا۔

کیا حضرت الیاس علیہ السلام حیات ہیں؟

مؤرخین اور مفسرین کے درمیان یہاں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آیا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے؟ تفسیر مظہری میں علامہ بغوی کے حوالہ سے جو طویل روایت بیان کی گئی ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کو ایک آتشیں گھوڑے پر سوار کر کے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا تھا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح زندہ ہیں (مظہری ص ۱۴۱ ج ۸) علامہ سیوطی نے بھی ابن عساکر اور حاکم وغیرہ کے حوالے سے کئی روایات ایسی نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ کعب الاحبار سے منقول ہے کہ چار انبیاء علیہم السلام اب تک زندہ ہیں، دوزمین میں، حضرت خضر اور حضرت الیاس اور دو آسمان میں حضرت عیسیٰ اور حضرت ادریس علیہم السلام (در منثور، ص ۵۸۲، ۶۸۲، ج ۵) یہاں تک کہ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہم السلام ہر سال رمضان کے مہینہ میں بیت المقدس میں جمع ہوتے ہیں، اور روزے رکھتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی، ص ۶۱۱ ج ۵)

لیکن حافظ ابن کثیر جیسے محقق علماء نے ان روایات کو صحیح قرار نہیں دیا، وہ ان جیسی روایتوں کے بارے میں لکھتے ہیں:-
 ”یہ ان اسرائیلی روایتوں میں سے ہے جن کی تصدیق کی جاتی ہے نہ تکذیب، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کی محنت بعید ہے۔“

نیز فرماتے ہیں:
 ”ابن عساکر نے کئی روایتیں ان لوگوں کی نقل کی ہیں جو حضرت الیاس علیہ السلام سے ملے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی قابل اطمینان نہیں، یا تو اس لئے کہ ان کی سند ضعیف ہے یا اس لئے کہ جن اشخاص کی طرف یہ واقعات منسوب کئے گئے ہیں وہ مجہول ہیں“ (البدایہ والنہایہ، ص ۹۳۲ ج ۱)

ظاہر یہی ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کے رفیع آسمانی کا نظریہ اسرائیلی روایات ہی سے ماخوذ ہے، بائبل میں لکھا ہے کہ:-
 ”اور وہ آگے چلتے اور باتیں کرتے جاتے تھے کہ دیکھو ایک آتش اور آتش گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا اور ایلیاہ (واضح رہے کہ بائبل میں حضرت الیاس علیہ السلام کا نام ایلیاہ مذکور ہے) بگولے میں آسمان پر چلا گیا۔“ (۲ سلاطین ۱۱:۲)
 اسی وجہ سے یہودیوں میں یہ عقیدہ پیدا ہوا تھا کہ حضرت الیاس علیہ السلام دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے، چنانچہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو انہوں نے ان پر الیاس علیہ السلام ہونے کا شبہ ظاہر کیا۔ انجیل یوحنا میں ہے:
 ”انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں“ (یوحنا ۱:۱۲)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کعب الاحبار اور وہب بن منبہ جیسے علماء نے جو اہل کتاب کے علوم کے ماہر تھے، یہی روایتیں مسلمانوں کے سامنے بیان کی ہوں گی، جن سے حضرت الیاس علیہ السلام کی زندگی کا نظریہ بعض مسلمانوں میں پھیل گیا، ورنہ قرآن یا حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس سے حضرت الیاس علیہ السلام کی زندگی یا آپ کا آسمان پر اٹھایا جانا ثابت ہوتا ہو، صرف ایک روایت متدرک حاکم میں ملتی ہے، جس میں مذکور ہے کہ جبکہ کے راستے میں آنحضرت محمد ﷺ کی ملاقات حضرت الیاس علیہ السلام سے ہوئی۔ لیکن یہ روایت، تصریح محدثین موضوع ہے، حافظ ذہبی فرماتے ہیں:-

”بلکہ یہ حدیث موضوع ہے، خدا برا کرے اس شخص کا جس نے یہ حدیث وضع کی، اس سے پہلے میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ امام حاکم کی بے خبری اس حد تک پہنچ سکتی ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح قرار دیں“

خلاصہ یہ کہ حضرت الیاس علیہ السلام کا زندہ ہونا کسی معتبر اسلامی روایت سے ثابت نہیں ہے۔ لہذا اس معاملے میں سلامتی کی راہ یہ ہے کہ اس میں سکوت اختیار کیا جائے اور اسرائیلی روایات کے سلسلے میں آنحضرت محمد ﷺ کی تعلیم پر عمل کیا جائے کہ نہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب کیونکہ قرآن کریم کی تفسیر اور عبرت و موعظت کا مقصد اس کے بغیر بھی پوری طرح حاصل ہو جاتا ہے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم،

حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اَتَدْعُونَ بَعْلًا (کیا تم بعل کو پوجتے ہو) بعل کے لغوی معنی شوہر اور مالک وغیرہ ہیں، لیکن یہ اس بت کا نام تھا جسے حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم نے اپنا معبود بنایا ہوا تھا۔ بعل کی پرستش کی تاریخ بہت قدیم ہے، شام کے علاقہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس کی پرستش ہوتی تھی، اور یہ ان کا سب سے زیادہ مقبول دیوتا تھا۔ شام کا مشہور شہر بعلبک بھی اسی کے نام سے موسوم

ہوا اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہل حجاز کا مشہور بت ہے بس بھی یہی بعل ہے۔ (قصص القرآن، ص ۸۲ ج ۲)

وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ﴿۱﴾ (اور اس کو چھوڑ بیٹھے ہو جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے) اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور احسن الخالقین (سب سے اچھا خالق) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ کوئی دوسرا بھی خالق ہو سکتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جن جنہوں نے معبودوں کو تم نے خالق قرار دیا ہوا ہے وہ ان سب سے اونچی شان والا ہے۔ (قرطبی) اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں خالق اور صانع (بنانے والا) کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی وہ تمام صناعتوں سے بڑھ کر ہے، اس لئے کہ دوسرے صناعت صرف اتنا ہی تو کرتے ہیں کہ مختلف اجزاء کو جوڑ کر کوئی چیز تیار کر لیتے ہیں، کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا ان کے بس سے رہے، اور اللہ تعالیٰ معدوم اشیاء کو وجود بخشنے پر قدرت ذاتی رکھتا ہے۔ (بیان القرآن)

غیر اللہ کی طرف تخلیق کی صفت منسوب کرنا جائز نہیں:

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ”خلق“ کے معنی پیدا کرنے کے ہیں، جس کا مطلب ہے کسی شے کو عدم محض سے قدرت ذاتی کے عمل پر وجود میں لانا۔ اس لئے یہ صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، کسی اور کی طرف اس کی نسبت جائز نہیں، لہذا ہمارے زمانے میں جو رواج چل پڑا ہے کہ اہل قلم کے مضامین، شاعروں کے شعر اور مصوروں کی تصویروں کو ان کی ”تخلیقات“ کہہ دیا جاتا ہے وہ بالکل جائز نہیں، اور نہ اہل قلم کو ان مضامین کا خالق کہنا درست ہے۔ خالق اللہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا، اس لئے ان کے رشحات قلم کو ”کاوش“ یا مضمون وغیرہ کہنا چاہئے ”تخلیق“ نہیں۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَنهَضُوهُ لِمُحَضَّرُوْنَ ﴿۱﴾ (سوان لوگوں نے ان کو جھٹلایا سو وہ پکڑے جائیں گے) مطلب یہ ہے کہ انہیں اللہ کے سچے رسول کو جھٹلانے کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ اس سے آخرت کا عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور دنیا کا انجام بد بھی۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی تکذیب کے نتیجے میں یہود اور اسرائیل دونوں ملکوں کے حکمرانوں کو تباہی کا سامنا کرنا پڑا، اس تباہی کی تفصیل تفسیر مظہری میں اور بائبل کی کتاب سلاطین اول باب ۲۲ سلاطین دوم باب اول اور تاریخ دوم باب ۱۲ میں موجود ہے۔

وَإِنَّ لَوْطًا لِّمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱﴾

حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ اور قوم کا ہلاک ہونا اور بیوی کے علاوہ ان کے تمام اہل و عیال کا نجات پانا:

ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کی بعثت اور ان کی اور ان کے اہل و عیال کی نجات اور ان کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے، ان کی قوم کے لوگ کافر تو تھے ہی برے اعمال میں بھی بہت آگے بڑھے ہوئے تھے، مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے، حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا وہ لوگ نہ مانے اور حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ اے لوط اگر تم اپنی بات سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں اپنی آبادی سے نکال باہر کر دیں گے۔ ان لوگوں پر جس دن صبح صبح عذاب آنا تھا اللہ تعالیٰ نے اس صبح سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ اپنے اہل و عیال کو لے کر رات کے آخری حصہ میں آبادی سے نکل جائیں البتہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لیتا (یہ اس لیے کہ وہ کافر تھی جیسا کہ سورۃ التحریم کے آخر میں اس کا کافر ہونا مذکور ہے) چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام رات کو اپنے اہل و

عیال کو لے کر آبادی سے نکل گئے، صبح ہوئی تو م پر عذاب آ گیا، زمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور آسمان سے پتھر برسا دیئے گئے، یہ قصہ سورۃ الانعام، سورۃ الحجر، سورۃ الشعراء اور سورۃ النمل میں گزر چکا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اپنے کفر کی وجہ سے ہلاک شدہ لوگوں میں رہ گئی، اسی کو (الْأَعْمُوذَاتُ فِي الْغَابِطِينَ) سے تعبیر فرمایا ہے۔

اہل مکہ کو عبرت دلانا:

اہل مکہ کا یہ طریقہ تھا کہ سال میں دو مرتبہ ملک شام کا سفر کرتے تھے، ایک سفر سردی میں اور ایک سفر گرمی میں ہوتا تھا، جس کے بارے میں (رِحْلَةُ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ) فرمایا ہے، یہ سفر تجارت کا ہوتا تھا، شام جانے کے لیے ضروری تھا کہ ان بستیوں کے پاس سے گزرے جو الٹ دی گئی تھیں ان کے کھنڈر نظر آتے تھے، ان جگہوں میں کبھی رات کو گزرتے تھے اور کبھی صبح کو ہلاک شدہ اقوام کے آثار اور نشان دیکھتے تھے لیکن اثر نہیں لیتے تھے، اسی کو فرمایا: (وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِمْ مُصْهِرِينَ ۖ وَاللَّيْلِ بِأَنْبِلٍ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۗ) (اور بے شک تم ان پر گزرتے ہو صبح کے وقت اور رات کو، تو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جب حجاز کی جانب سے شام کو جاتے تھے تو ان کا گزر ان بستیوں کے قریب صبح کے وقت ہوتا تھا اور جب اہل سے حجاز کی جانب واپس آتے تھے تو رات کو ان بستیوں کے پاس سے گزرتے تھے انہیں یاد دلایا کہ دیکھو کفر کی وجہ سے یہ بستیاں ہلاک ہو گئیں، تم آنکھوں سے ان کی نشانیاں دیکھ رہے ہو پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے، تم اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت سے باز آؤ اور ہلاک شدہ قوموں سے عبرت حاصل کرو ورنہ تمہیں بھی عذاب پہنچ سکتا ہے۔

وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلِّ الْمَشْحُونِ ۖ السَّفِينَةَ الْمَمْلُوءَةَ جِنَّةٍ غَاضِبٍ قَوْمَهُ لِمَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِمُ الْغَذَابَ الَّذِي وَعَدَهُمْ بِهِ فَرَكَبَ السَّفِينَةَ فَوَقَفْتُ فِي لَجَّةِ الْبَحْرِ فَقَالَ الْمَلَأُونَ هُنَا عَبْدٌ أَبْشَمٌ سَيِّدُهُ تُظهِرُهُ الْقُرْعَةُ فَسَاهَمَ فَارَعَ أَهْلَ السَّفِينَةَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ۖ الْمَمْلُوءِينَ بِالْقُرْعَةِ فَالْقُرْعَةُ فِي الْبَحْرِ فَالْتَقَمَهُ الْحَوْتُ ابْتِلَاعًا وَهُوَ مُلِيمٌ ۖ أَيْ ابْتِ بِمَا يَلَامُ عَلَيْهِ مِنْ ذَهَابِهِ إِلَى الْبَحْرِ وَرُكُوبِهِ السَّفِينَةَ بِإِذْنِ مَنْ رَبِّهِ فَلَوْ لَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسِيحِينَ ۖ الذَّاكِرِينَ بِقَوْلِهِ كَثِيرًا فِي بَطْنِ الْحَوْتِ لِإِلَهٍ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ لَكَيْتَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۖ لَصَارَ بَطْنُ الْحَوْتِ قَبْرًا لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَنَبَذَهُ الْقَيْنَاءُ مِنْ بَطْنِ الْحَوْتِ بِالْعَرَاءِ يَوْجِ الْأَرْضِ أَيْ بِالسَّاحِلِ مِنْ يَوْمِهِ أَوْ بَعْدَ ثَلَاثَةِ أَوْ سَبْعَةِ أَيَّامٍ أَوْ عِشْرِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ يَوْمًا وَهُوَ سَقِيمٌ ۖ عَلِيلٌ كَالْفَرْحِ الْمَمْعِطِ وَ أَكْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ ۖ وَهُوَ الْقُرْعُ تَطْلُهُ وَهِيَ بِسَاقٍ عَلَى خِلَافِ

العادة في القرع معجزة له وكانت تايبه و غلة صباحا و مساء يشرّب من لبنها حتى قوى و أرسلته بعد
 ذلك كقبليه الى قوم بينوى من ارض الموصل الى مائة ألف ابل يزيدون ﴿ عشرين او ثلاثين
 او سبعين الفا فامنوا عند معاينة العذاب الموعودين به فمتعنهم ابقيناهم ممنعين بما لهم الى
 حين ﴿ تنقضي اجالهم فيه فاستفتهم استخبر كفار مكة تويخا لهم الربك البنات بزعمهم ان
 الملائكة بنات الله و لهم البنون ﴿ فبختضون بالابناء ام خلقنا الملكة انانا و هم
 شهدون ﴿ خلقنا فيقولون ذلك الا انهم من افكهم كذبهم ليقولون ﴿ ولدا الله بقولهم
 الملكة بنات الله و انهم لكذبون ﴿ فيه اصطفى بفتح الهمزة للاستيفام و اشغبي بها عن همزة
 الوصل فحذفت اى اختار البنات على البنين ﴿ ما لكم كيف تحكمون ﴿ هذا الحكم الفاسد
 افلا تدكرون ﴿ بادغام التاء في الدال انه سبحانه و تعالى منزلة عن الولد ام لكم سلطان مبين ﴿
 حجة واضحة ان لله ولدا فاتوا بكتبكم التوراة فارزوني ذلك فيه ان كنتم صدقين ﴿ في قولكم
 ذلك و جعلوا اى المشركون بيته تعالى و بين الجنة اى الملائكة لا جنتناهم عن الابصار نسبا
 بقولهم انها بنات الله و لقد علمت الجنة انهم اى قائلى ذلك لمحضرون ﴿ النار يعدبون فيها
 سبحن الله تنزيها له عما يصفون ﴿ بان لله ولدا الا عباد الله المخلصين ﴿ اى المؤمنين استثناء
 منقطع اى فانهم ينزهون الله عما يصفه هؤلاء فالكلم و ما تعبدون ﴿ من الاصنام ما انتم عليه
 اى على معبودكم و عليه متعلق بقوله يفتنين ﴿ اى احدا الا من هو صال الجحيم ﴿ في علم الله
 تعالى قال جبرئيل للنبي صلى الله عليه و سلم و ما منّا معشر الملائكة احدا الا له مقام معلوم ﴿
 فى السموات يعبد الله سبحانه و تعالى فيه لا يتجاوزة و انا لنحن الصالحون ﴿ اقدامتافى الصلاة و
 انا لنحن المسبحون ﴿ المنزهون الله عما لا يليق به و ان مخففة من الشبهة كانوا اى كفار مكة
 ليقولون ﴿ لو ان عندنا ذكرا كتابا من الاولين ﴿ اى من كتب الأمم الماضية لكتبا عباد الله

انہیں دودھ پلا جاتی تھی یہاں تک کہ ان کو قوت آگئی اور ہم نے ان کو رسول بنا کر بھیجا اس واقعہ کے بعد جیسا کہ پہلے بھی مبعوث تھے مرزبن موصل میں قوم نیوٹی کے پاس ایک لاکھ پانچ سو سے زائد آدمیوں کی طرف میں یا تیس یا ستر ہزار پھر وہ لوگ ایمان لائے تھے مقررہ عذاب کے آثار دیکھتے ہی تو ہم نے انہیں عیش دیا اپنے مال و متاع سے زندگی بھر نفع اٹھاتے رہے سو ان لوگوں سے پوچھے، کفار مکہ سے سرزنش کے طور پر معلوم کیجئے کہ کیا تیرے پروردگار کے لیے تو بیٹیاں اپنے عقیدے کے مطابق زشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے اور ان کے لیے بیٹے کہ زینہ اولاد کو چاہتے ہیں۔ ہاں کیا ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے اور وہ دیکھ رہے تھے ہمارے پیدا کرنے کو جس پر وہ اس عقیدے کا اظہار کرتے ہیں۔ خوب سن لو کہ وہ لوگ اپنی سخن سازی و دروغ پائی سے کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہیں۔ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہنے کی وجہ سے اور یقیناً اس میں جھوٹے ہیں کیا پسند کی ہیں بیٹیاں بیٹوں کے مقابلہ میں لفظ اصطفیٰ ہمزہ استفہامیہ کے فتح کے ساتھ ہے اور چونکہ ہمزہ وصل کی ضرورت نہیں رہی اس لیے حذف ہو گیا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے منتخب کر لی ہیں لڑکیاں لڑکوں کے مقابلہ میں تم کو کیا ہو گیا تم کیسا غلط حکم لگاتے ہو، کیا تم سوچ سے کام نہیں لیتے ہوتا کا ذال میں ادغام کر دیا گیا یعنی یہ کہ اللہ اولاد سے پاک ہے ہاں کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل موجود ہے اس بات کی کھلی حجت کو خدا کے اولاد ہے سو اپنی کتاب پیش کرو تورات۔ اور اس میں مجھے یہ مضمون دکھلا دو اگر تم سچے ہو اس بارے میں اور ان مشرک لوگوں نے اللہ تعالیٰ میں اور جنات میں فرشتے مراد ہیں نگاہوں سے اوجھل ہونے کی وجہ سے رشتہ داری قائم کر رکھی ہے یہ کہہ کر کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور جنات کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ کافر جو اس کے قائل ہیں گرفتار ہوں گے جہنم میں انہیں عذاب دیا جائے گا اللہ ان باتوں سے پاک صاف ہے، جو یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے اولاد ہے مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں استثناء منقطع ہے یعنی مؤمن اللہ کو ان باتوں سے پاک سمجھتے ہیں، جن کو کافر اللہ کے لیے مانتے ہیں سو تم اور تمہارے سارے معبود خدا سے کسی کو معبود کی طرف اس میں علیہ اگلے قول سے متعلق ہے نہیں پھر سکتے مگر اسی کو جو جہنم رسید ہونے والا ہے اللہ کے حکم کے مطابق جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا اور ہم میں سے کوئی فرشتہ نہیں ہے مگر ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے آسمانوں میں اللہ کی بندگی کرتا ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور صف بستہ کھڑے رہتے ہیں نماز میں اور ہم پاکی بیان کرنے میں لگے رہتے ہیں نامناسب چیزوں کی طرف نسبت کرنے سے اور یہ کفار مکہ کہا کرتے تھے ان مخففہ ہے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت کتاب پہلے لوگوں کے طور پر آتی پچھلی امتوں کی کتابوں کے مطابق تو ہم اللہ کے خاص بندگی کرنے والے اس کے عبادت گزار ہوتے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں پھر یہ لوگ انکار کرنے لگے اس کا یعنی قرآن پاک جو ان ساری کتابوں میں سب سے بڑھ کر ہے سو ان لوگوں کو اب معلوم ہوا جاتا ہے کفر کا انجام اور ہماری مدد کی بات ہمارے خاص بندوں پیغمبروں کے لیے پہلے ہی سے طے ہو چکی ہے یعنی لا یشعلن النار و سلسلی یا گلی آیت کہ بلاشبہ وہی غالب کئے جائیں گے اور ہر لشکر مسلمان ہی غالب رہتا ہے کفار پر دلیل اور مدد کے ذریعہ دنیا میں لیکن دنیا میں اگر غالب نہ بھی ہوئے تو آخرت میں تو ضرور ہی غلبہ رہے گا پس آپ انکا خیال چھوڑ دیئے کفار مکہ کا دھیان نہ کیجئے کچھ وقت تک جب تک آپ کو ان سے اجازت چھانڈنا ہو اور ان کو دیکھئے جب ان پر عذاب نازل ہو گا سو عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے اپنے کفر کی پاداش اس پر استہزاء یہ انداز میں کفار کہنے لگے کہ عذاب کب آئے گا؟ ارشاد باری ہوا کہ یہ ہمارے عذاب کا تقاضہ کر رہے ہیں سو وہ جب ان کے روبرو آ

نازل ہوگا ان کے گھروں میں اتر آئے گا۔ فراء کہتے ہیں کہ اہل عرب مساحتہ کا ذکر کر کے قوم مراد لیا کرتے ہیں سو وہ دن صبح وقت بہت ہی برا ہوگا ان لوگوں کے لیے جن کو ذرا یا گیا تھا اس میں اسم ظاہر کو ضمیر کے قائم مقام کر لیا گیا ہے اور آپ کچھ وقت تک ان کا خیال نہ کیجئے اور دیکھتے رہے سو یہ بھی عنقریب دیکھ لیں گے یہ جملہ کفار کو دھمکانے اور نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لیے دہرایا گیا آپ کا پروردگار جو بڑی عظمت و غلبہ والا ہے پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں مثلاً یہ کہ اس کی اولاد ہے اور توحید اور احکام پہنچانے والے رسولوں پر سلام ہو اور ہر قسم کی عمدہ اور بہترین تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے مسلمانوں کی مدد اور کافروں کے تباہ کرنے پر۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و شرح

قولہ: إِذْ أَبَقَ: اصل غلام کے آقا سے بھاگنے کے لیے ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نینڈی سے نکلے اس لیے اطلاق فرمایا۔

قولہ: بِوَجْهِ الْأَرْضِ: خالی زمین جس پر درخت کا نشان نہ تھا۔

قولہ: هِيَ بَسَاقِي: پوری پرکھڑے ہونا جبکہ کدو کی تیل زمین پر پھیلتی ہے یہ آپ کا معجزہ تھا۔

قولہ: وَوَعَلَّةٌ: پہاڑی بکری۔

قولہ: إِلَى حَيْثُ: اُن کے واقعہ کو دوسرے انبیاء سے الگ انداز سے ختم کیا۔

قولہ: اسْتَشْنَاءُ مُنْقَطِعٌ: یعنی لمحضروں سے۔

قولہ: فَأَتَاكُمْ: ان کو دوبارہ مخاطب فرمایا۔

قولہ: مَا أَنْتُمْ: مانتیہ۔

قولہ: بِفِتْنَيْنِ: انہما کے ذریعہ فتنہ میں ڈالنا۔

قولہ: وَأَنْ لَّمْ يَنْتَصِرْ: بعض کو اگر چہ دنیا میں غلبہ نہیں ملا۔ اکثریت کے اعتبار سے کہہ دیا۔ یا آخرت کا غلبہ مراد ہے۔

قولہ: وَأَبْصَرَهُمْ: ان کو مہلت دنا۔ امر اس لیے لائے کہ یہ کام ہر صورت ہوگا۔ گویا سامنے ہے۔

قولہ: صَبَا حَا: جب صبح کو شبنون عرب میں کثرت سے ہو گیا تو اس کو صبا حا ہی کہنے لگے۔

قولہ: الْغَلْبَةِ: عزت کی اضافت ذات باری تعالیٰ کی طرف اس لیے کہ عزت اسی ہی کو لائق ہے اور اسی کے ساتھ خاص ہے یا جس کو وہ عزت دے۔

تفسیر مقبولین

وَإِنْ يُؤْنَسَ لِمَنِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۰﴾

حضرت یونس علیہ السلام کا کشتی سے سمندر میں کود پڑنا، پھر مچھلی کے پیٹ میں تسبیح میں مشغول رہنا:

ان آیات میں حضرت یونس علیہ السلام کی بعثت اور مصیبت اور ان کی قوم کی ضلالت اور پھر ہدایت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب وہ ایک عرصہ تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے اور قوم نے نہ مانا انکار پر تلے رہے تو حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے فرمادیا کہ دیکھو تین دن کے اندر اندر تم پر عذاب آجائے گا، اس کے بعد دو دن تک انتظار کیا، تیسرے دن بھی انتظار میں تھے لیکن عذاب کے آثار نہیں دیکھے، جب یہ صورت حال سامنے آئی تو یہ سمجھ کر کہ اگر عذاب نہ آیا تو میں جھوٹا بنوں گا وہاں سے روانہ ہو گئے اور ادھر ان کی قوم نے عذاب آتا دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں روئے اور گڑگڑائے، زاری کرتے رہے، خوب توبہ کی، معافی مانگی اور ایمان قبول کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ہٹا دیا اور ان کا ایمان قبول فرمایا۔ یہ ان کی خصوصیت تھی کیونکہ عذاب آنے کے بعد ایمان اور توبہ کی قبولیت زد نہیں ہوئی۔ سورۃ یونس میں فرمایا: (فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ غَازِبَ الْيَوْمِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمُ إِلَىٰ حِينٍ) سو کوئی ایسی بستی کیوں ایمان نہ لائی جس کا ایمان لا نا اس کو نافع ہوتا مگر یونس کی قوم، جب وہ ایمان لائے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کا دنیوی زندگی میں ان پر ٹال دیا اور ان کو ایک وقت خاص تک عیش دیا۔

حضرت یونس علیہ السلام یہ دیکھ کر کہ عذاب نہیں آیا اپنی قوم کو چھوڑ کر روانہ ہوئے تو چلتے چلتے دریا کے کنارے پہنچے وہاں جو کشتی والے تھے سوار یوں کو کشتی میں بٹھا کر اس کنارے سے اس کنارہ تک پہنچاتے تھے اور مسافروں سے کرایہ بھی لیتے تھے، انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر اجرت کے کشتی میں بٹھالیا، کشتی میں سوار ہو گئے لیکن اب یہ ماجرا ہوا کہ کشتی روانہ ہو کر سچ منجھدار میں جا کر رک گئی۔ کشتی والوں نے کہا کہ جو لوگ کشتی میں سوار ہیں ان میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی وجہ سے کشتی سچ دریا میں آ کر ٹھہر گئی ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو دیکھ رہے ہیں کہ دائیں بائیں کشتیاں چل رہی ہیں لیکن آپ جس کشتی میں تھے وہ نہ چلانے سے چلتی ہے نہ ہلانے سے ہلتی ہے، آپ نے خود ہی دریافت فرمایا کہ اس کشتی کو کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا کہ ہمیں تو پتہ نہیں افرمایا لیکن مجھے اس کا سبب معلوم ہے، اس میں کوئی ایسا غلام ہے جو اپنے آقا کی فرمانبرداری چھوڑ کر بھاگ آیا ہے اور جب تک اس شخص کو سمندر میں نہ ڈال دو یہ کشتی ٹھہری ہی رہے گی، اور وہ بھاگا ہوا غلام میں ہوں (یہ اس لیے کہا کہ اللہ جل شانہ کی اجازت کے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے آئے تھے) مجھے دریا میں ڈال دو، لوگوں نے کہا یا نبی اللہ! ہم آپ کو دریا میں نہیں ڈال سکتے۔ فرمایا اچھا تو پھر قرعہ ڈال لو، جس کے نام کا قرعہ نکلے اسے دریا میں ڈال دینا چنانچہ انہوں نے تین بار قرعہ ڈالا ہر بار آپ ہی کا نام نکلا، لہذا آپ نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگادی۔ عربی زبان میں (سہم) تیر کو کہتے ہیں چونکہ تیروں کے ذریعہ قرعہ ڈالا گیا تھا اس لیے اسے (فَسَاهَم) سے تعبیر فرمایا۔ اور طریقہ

قرعہ کا یہ تھا کہ ہر شخص اپنا اپنا تیر لے کر پانی میں ڈال دے جس کا تیر اور پر ہی کو رہے اس کو دریا میں ڈال دیا جائے اور جس کا تیر ڈوب جائے اس کے بارے میں سمجھ لیا جائے کہ یہ وہ شخص نہیں ہے جس کی وجہ سے کشتی رکی کھڑی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے نام کا جو تیر تھا پانی پر ہی تیر تا ہوا رہ گیا، اس پر آپ نے سمجھ لیا کہ مجھ ہی کو سمندر کے حوالے ہونا چاہیے، اور کشتی کے دوسرے سواروں نے بھی اس بات کا یقین کر لیا۔ اس کو یہاں فرمایا (فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ) (کہ حضرت یونس علیہ السلام مطلوب ہو گئے اور دوسری ساریوں کے مقابلہ میں ہار گئے)۔ (ذکرہ صاحب الروح)

قرعہ اندازی کا حکم:

یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ نہ کسی کا حق ثابت کیا جاسکتا ہے نہ کسی کو مجرم قرار دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً قرعہ کے ذریعہ کسی کو چور ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اگر دو آدمیوں میں یہ اختلاف ہو کہ فلاں جائیداد کس کی ملکیت ہے تو قرعہ کے ذریعہ اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، ہاں قرعہ اندازی اس موقع پر جائز بلکہ بہتر ہے جہاں ایک شخص کو شرعاً مکمل اختیار حاصل ہو کہ وہ چند جائز راستوں میں سے کسی بھی راستے کو اختیار کر لے۔ اب وہ اپنی مرضی سے کوئی راستہ متعین کرنے کے بجائے قرعہ ڈال کر فیصلہ کرے، مثلاً جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں، اسے سفر میں جاتے وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے ساتھ لے جائے، اب وہ اپنی مرضی سے ایسا کرنے کے بجائے قرعہ اندازی کر لے تو بہتر ہے، تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو، آنحضرت محمد ﷺ کا یہی معمول تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں بھی قرعہ اندازی سے کسی کو مجرم ثابت کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ پوری کشتی کو بچانے کے لئے کسی کو بھی دریا میں ڈالا جاسکتا تھا، قرعہ کے ذریعہ اس کی تعیین کی گئی۔

حضرت یونس علیہ السلام نے جیسے ہی دریا میں چھلانگ لگائی ایک مچھلی اللہ کے حکم سے پہلے ہی سے تیار تھی اس نے آپ کو لقمہ بنا لیا لیکن چبایا نہیں صحیح سالم نکل لیا، مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو تین تاریکیوں میں مبتلا ہوئے، ایک تاریکی رات کی، دوسری سمندر کے پانی کی، تیسری مچھلی کے پیٹ کی، ان تاریکیوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہے جسے سورۃ الانبیاء میں فرمایا ہے: (فَتَأْذَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ أَعْتَمَتْ الْوُجُوهُ وَأَنَّى نُكْفِيكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ) (سو تاریکیوں میں پکارتے رہے کہ اے اللہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ پاک ہیں بیشک میں ظلم کرنے والوں میں سے ہوں) مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے، اللہ تعالیٰ نے وہاں ان کی حفاظت فرمائی اور ان کو اس مصیبت سے نجات دے دی، سورۃ الانبیاء میں فرمایا ہے (فَأَسْتَجِبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْعَجْمِ وَكَذَلِكَ نُنْفِخُ الْمُؤْمِنِينَ) (سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں گھٹن سے نجات دی اور ہم اسی طرح اہل ایمان کو نجات دیا کرتے ہیں) اور یہاں سورۃ الصافات میں فرمایا ہے: (فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسْتَجِيبِينَ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهَا إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ) (سو اگر وہ تسبیح بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے۔)

ایک بیل دار درخت کا سایہ دینا:

جب مچھلی کے پیٹ میں آپ نے ذکر کیا، اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی تو اللہ جل شانہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ ان کو کنارے پر اگل دے، مچھلی نے آپ کو کنارے پر ڈال دیا۔ اس کے پیٹ سے اور پانی سے باہر تو آگئے لیکن سقیم تھے، سقیم عربی زبان میں بیمار کو کہتے ہیں، جب مچھلی کے پیٹ میں کھانا دانہ نہ ملا تو تندرستی والی حالت برقرار نہ رہی، ضعف ہو جانا لازمی تھا۔ اسی لیے بعض حضرات نے سقیم کا ترجمہ مضمحل کیا ہے، ضرورت تھی کہ سایہ بھی ملے اور غذا بھی پہنچے، اللہ تعالیٰ شانہ نے وہاں ایک بیل دار درخت اگا دیا مشہور ہے کہ وہ کدو کا درخت تھا اور مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جنگل کی بکری کو انہیں دودھ پلانے پر لگا دیا، وہ بکری آتی تھی اور آپ کو دودھ پلا کر چلی جاتی تھی۔

امتوں کی تعداد:

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ نینوی بستی کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو شہر موصل کے قریب تھی، یہاں سورۃ الصفت میں ان کی تعداد کے بارے میں فرمایا ہے: (وَآرْسَلْنَاكَ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَبُودُونَ) (اور ہم نے انہیں ایک لاکھ بلکہ اس سے کچھ زیادہ افراد کی طرف بھیجا) چونکہ ان لوگوں نے عذاب کے آثار دیکھ کر توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ہٹا دیا اور اس کے بعد انہیں ایک زمانہ تک مزید زندگی بخش دی اور دنیا کی زندگی سے اور دنیا کی دوسری نعمتوں سے بھی منتفع ہونے کا موقع دیا۔ اسی کو یہاں فرمایا (فَأَمِنُوا فَمَتَّعْنَاهُمُ إِلَىٰ حِينٍ) (سو وہ لوگ ایمان لے آئے لہذا ہم نے انہیں ایک زمانہ تک چھینے اور فائدہ اٹھانے کا موقع دے دیا) تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام تندرست ہو گئے تو اپنی قوم کے پاس تشریف لے گئے۔

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بیل دار درخت تو زمین پر پھیل جاتا ہے اس سے سایہ کیسے مل سکتا ہے؟ بعض حضرات نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ بطور خرق عادت اس درخت کی بیل کسی سہارے کے بغیر اوپر پھیل گئی، کیونکہ معجزہ تھا اس کے لیے چڑھنے اور ٹھہرنے کے لیے کسی درخت یا دیوار کی ضرورت نہ ہوئی، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ وہاں کوئی سوکھا ہوا درخت کھڑا ہو، اس پر بیل چڑھ گئی ہو۔

(إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَبُودُونَ) جو فرمایا ہے کہ اس میں اوشک کے لیے نہیں ہے۔ (لَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ مُتَعَالٍ عَنِ الْمُلُوكِ) اسی لیے فرامجوی نے فرمایا ہے کہ یہاں اوہل کے معنی میں ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ واؤ کے معنی میں ہے اور انفس اور زجاج نے فرمایا ہے کہ الفاظ قرآنی کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کو دیکھ لیتے تو تمہارے اندازہ میں ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ سمجھ میں آتے۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۳۲ ج ۱۶) اور ”بیان القرآن“ میں لکھا ہے کہ کسر کا اعتبار نہ کرو تو ایک لاکھ ہو اور اگر کسر کا اعتبار کرو تو زیادہ کہو۔

سنن ترمذی میں حضرت ابی بن کعب کا بیان نقل کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَآرْسَلْنَاكَ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَبُودُونَ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک لاکھ سے بیس ہزار زیادہ

تے۔ (عراقی مدنی مدنی حدیث عربی وفی سدہ رحل معہول)

خاتلہ: اللہ تعالیٰ کا کوئی قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آ جائے تو اس وقت توبہ کرنے سے واپس نہیں ہوتا لیکن حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے لیے یہ خصوصیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب آنے کے بعد بھی ان کی توبہ قبول فرمائی، وہ ایسا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، اور ایمان بھی قبول فرمایا اور عذاب کو ہٹا دیا

فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿۳۱﴾

اس آیت سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ اگر حضرت یونس علیہ السلام تسبیح نہ کرتے تو وہ پھلی قیامت تک زندہ رہتی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس پھلی کے پیٹ ہی کو حضرت یونس علیہ السلام کی قبر بنا دیا جاتا۔

تسبیح و استغفار سے مصائب دور ہوتے ہیں:

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصائب اور آفتوں کو دور کرنے میں تسبیح اور استغفار خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ سورہ اہماء میں گزر چکا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام پھلی کے پیٹ میں تھے تو یہ کلمہ خاص طور سے پڑھتے تھے: **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** اللہ تعالیٰ نے اسی کلمہ کی برکت سے انہیں اس آزمائش سے نجات عطا فرمائی، اور وہ پھلی کے پیٹ سے صحیح سالم نکل آئے۔ اس لئے بزرگوں سے یہ منقول چلا آتا ہے کہ وہ انفرادی یا اجتماعی مصیبت کے وقت یہ کلمہ سوا لاکھ مرتبہ پڑھتے ہیں، اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مصیبت کو دور فرمادیتا ہے۔

ابوداؤد میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام نے جو دعا پھلی کے پیٹ میں کی تھی یعنی **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** اسے جو مسلمان بھی کسی مقصد کے لئے پڑھے گا، اس کی دعا قبول ہوگی۔ (تفسیر قرطبی)

فَأَسْتَفْتِيَهُمُ الْوَبَّاتُ الْبَنَاتُ وَ لَهُمُ الْبَنُونَ ﴿۳۲﴾

مشرکین کی تردید جو اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے تھے:

شیطان نے اپنی کوششوں سے انسانوں کو توحید سے ہٹایا اور شرک کا رواج ڈالا، اس سلسلہ میں اس کی جو کوششیں آگے بڑھیں ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے بتوں کی عبادت پر تو ڈالا ہی تھا جنات اور فرشتوں کے بارے میں بھی لوگوں کو یہ سمجھایا کہ ان میں اور خالق کائنات جل مجدہ کے درمیان رشتہ داری ہے چنانچہ انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتا دیا، لوگ شیاطین کی بات مانتے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ وہ باتیں لگا دیں جن سے وہ بری ہے اور پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ہونا اس کی شان یکسا کے خلاف ہے، اس کی شان **(لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ)** ہے نہ اس نے کسی کو جناہ وہ کسی سے جنا گیا، سورہ مریم میں فرمایا: **(وَمَا يَلْبَسُ لِلَّهِ ثَمِينٌ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا)** (اور یہ حزن کی شان کے لائق نہیں ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے) مشرکین نے اول تو یہ سخت غلطی کی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کر دی، پھر جب اولاد تجویز کی تو وہ بھی لڑکیاں، اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں بتا دیا، اللہ تعالیٰ کی اولاد تجویز کرنے میں بھی جھوٹ تراشا اولاد بھی وہ تجویز کی جو اپنے

لے یا پسند ہے۔

اسی کو یہاں فرمایا کہ آپ ان سے پوچھ لیجیے کہ خالق جل مجدہ نے اپنے لیے لڑکیوں کو بطور اولاد کے چن لیا اور تمہیں اپنے لیے لڑکے پسند ہیں، اور تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں تمہارا یہ جھوٹ اپنی جگہ رہا اب تو یہ بتاؤ کہ فرشتوں کے لڑکیوں ہونے کا علم تمہیں کہاں سے ہوا؟ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا تو کیا تم حاضر تھے اور یہ دیکھ رہے تھے کہ وہ مخلوق جو پیدا ہو رہی ہے مؤنث ہے یعنی مادہ ہے یا نر ہے ایک تو تم نے فرشتوں کو موٹ بتایا دوسرے انہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتایا تیسرے یہ کیا کہ جب خلاق جل مجدہ کے لیے اولاد تجویز کرنے لگے تو بیٹیاں تجویز کر دیں جبکہ اپنے لیے بیٹی کو ناپسند کرتے ہو۔ یہ ساری باتیں بے دلیل اور سراپا جھوٹ ہیں، اللہ تعالیٰ کے کوئی اولاد نہیں، نہ بیٹی نہ بیٹا، اور اولاد وہو ناس کی شان اقدس کے خلاف ہے۔ ان مشرکین سے فرمایا: مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۱۰﴾ تمہیں کیا ہوا تم کیسے حکم لگاتے ہو، کیا تم سمجھ سے کام نہیں لیتے؟ کوئی دلیل عقلی یا کوئی دلیل نقلی یعنی اللہ کی بھیجی ہوئی کوئی کتاب تمہارے پاس ہو جس سے تم نے یہ بات نکالی ہے تو وہ پیش کرو، جب تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں تو یہ شرکیہ باتیں کیوں کرتے ہو اور اپنی طرف سے کیوں جھوٹ بناتے ہو۔؟

جب مشرکین مکہ نے یوں کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان سے دریافت کیا کہ ان کی مائیں کون ہیں؟ اس پر انہوں نے کہہ دیا کہ جنات میں جو سردار ہیں ان کی بیٹیاں فرشتوں کی مائیں ہیں۔ (روح المعانی ص ۱۵۱: ج ۱۲) اس طرح سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان قرابت داری تجویز کر دی اور گویا جنات کے سرداروں کو فرشتوں کا نانا بنا دیا۔ اس کو فرمایا: وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نِجَابًا ﴿۱۱﴾ (کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان رشتہ داری تجویز کر دی) پھر ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَقَدْ عَلِمْتِ الْجَنَّةُ إِنَّهُم لَمُحْضَرُونَ ﴿۱۲﴾ اور جنات کا اس پر عقیدہ ہے کہ وہ حاضر کیے جائیں گے یعنی قیامت کے دن گرفتار ہوں گے، ان میں جو کافر ہوں گے دوزخ میں ڈالے جائیں گے جن میں ان کے سردار بھی ہوں گے، لہذا جو گرفتار ہو کر آئے گا اور دوزخ میں ڈالا جائے گا اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کیسے رشتہ ہو سکتا ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۱۳﴾ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (یہ جملہ معترضہ ہے) اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْخَالِصِينَ ﴿۱۴﴾ مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں وہ دوزخ سے بچا لیے جائیں گے، انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے۔

فَاتُوا بِكُلِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵﴾

مشرکین سے ان کے دعوے پر دلیل کا مطالبہ:

ان سے صاف و صریح طور پر حکم و ارشاد فرمایا گیا کہ لاؤ تم لوگ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو اپنے دعوے میں۔ یعنی دلیل و ثبوت کے لئے یا تو مشاہدہ درکار ہوتا ہے جس کی نفی اوپر آیت نمبر ۱۵۰ میں ہو گئی۔ یا پھر کوئی سند اور کتاب ہونی چاہیے۔ سو اس کی نفی اب یہاں فرمائی جا رہی ہے کہ ایسی کوئی کتاب نہ ہے نہ ہو سکتی ہے۔ تو پھر جب عقل و نقل کی کوئی بھی دلیل تمہارے پاس موجود نہیں ہے اے مشرک تو پھر تم اتنی بڑی گستاخی اور اس قدر سنگین بات آخر کس برتے اور کس بنیاد پر کہتے ہو جس سے زمین و

آسان پت پڑیں؟ اتحاد السنوٹ بتلکون منہ و قنشق الارض و قنشق الجبال ہذا، ان دکتوا اندر من و من سلطان مین یعنی کھلی سند کی توضیح یہاں پر خود کتاب کے لفظ سے فرمادی ہے۔ سو مشرکوں سے فرمایا گیا کہ اگر کسی آسمانی کتاب کوئی سند اور دلیل تمہارے پاس موجود ہے تو لاؤ اس کو پیش کرو۔ اور جب ایسی کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں اور یقیناً نہیں تو چہ لوگ اتنی بڑی بات منہ سے کس طرح نکالتے ہو۔ خاص کر اس صورت میں جبکہ اللہ کی کتاب صاف اور صریح طور پر ایسی تہہ شریکات کی تردید کرتی ہے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱﴾

یعنی احمقوں نے جنوں کے ساتھ معاذ اللہ دامادی کا رشتہ قائم کر دیا۔ سبحان اللہ کیا باتیں کرتے ہیں۔ موقع سے تو ذرا ان جنوں سے پوچھاؤ کہ وہ خود اپنی نسبت کیا سمجھتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ دوسرے مجرموں کی طرح وہ بھی اللہ کے روبرو بچے ہوئے آئیں گے کیا داماد کا سسرال کے ساتھ یہ ہی معاملہ ہوتا ہے۔ بعض سلف نے نبی سے مراد یہ لی ہے کہ وہ لوگ شیامیں ابن کوللہ تعالیٰ کا حریف مقابل سمجھتے تھے۔ جیسے مجوس یزدان اور اہرمن کے قائل ہیں۔ یعنی ایک نیکی کا خدا اور دوسرا برائی کا۔

تعارف سورہ ص

مناہن نزول: اس سورت کی ابتدائی آیات کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ کے چچا ابوطالب مسلمان نہ ہونے کے باوجود آپ کی پوری نگہداشت کر رہے تھے، جب وہ ایک بیماری میں مبتلا ہوئے تو قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی۔ جس میں ابو جہل، عاص ابن وائل، اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث اور دوسرے رؤساء شریک ہوئے۔ مشورہ یہ ہوا کہ ابوطالب بیمار ہیں، اگر وہ اس دنیا سے گزر گئے اور اس کے بعد ہم نے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان کے نئے دین سے باز رکھنے کے لئے کوئی سخت اقدام کیا تو عرب کے لوگ ہمیں یہ طعنہ دیں گے کہ جب تک ابوطالب زندہ تھے، اس وقت تک تو یہ لوگ محمد ﷺ کا کچھ نہ بگاڑ سکے، اور جب ان کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے آپ کو ہدف بنا لیا۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ ہم ابوطالب کی زندگی ہی میں ان سے محمد ﷺ کے معاملہ کا تصفیہ کر لیں تاکہ وہ ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔ چنانچہ یہ لوگ ابوطالب کے پاس پہنچے، اور جا کر ان سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے آپ انصاف سے کام لے کر ان سے کہئے کہ وہ جس خدا کی چاہیں عبادت کریں، لیکن ہمارے معبودوں کو کچھ نہ کہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ خود بھی ان کے بتوں کو اس کے سوا کچھ نہ کہتے تھے کہ بے حس اور بے جان ہیں۔ نہ تمہارے خالق ہیں نہ رازق ہیں۔ نہ تمہارا کوئی نفع نقصان ان کے قبضہ میں ہے۔ ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کو مجلس میں بویا، اور آپ سے کہا کہ بھتیجے! یہ لوگ تمہاری شکایت کر رہے ہیں کہ تم ان کے معبودوں کو برا کہتے ہو۔ انہیں اپنے مذہب پر چھوڑ دو، اور تم اپنے خدا کی عبادت کرتے رہو، اس پر قریش کے لوگ بھی بولتے رہے۔

بالآخر آنحضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "چچا جان! کیا میں انہیں اس چیز کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی بہتری ہے؟" ابوطالب نے کہا: "وہ کیا چیز ہے؟" آپ نے فرمایا "میں ان سے ایک ایسا کلمہ کہلوانا چاہتا ہوں جس کے ذریعہ سارا عرب ان کے آگے سرنگوں ہو جائے اور یہ پورے عجم کے مالک ہو جائیں" اس پر ابو جہل نے کہا: "بتاؤ وہ کلمہ کیا ہے؟ تمہارے باپ کی قسم! ہم ایک کلمہ نہیں دس کلمے پڑھنے کو تیار ہیں" اس پر آپ نے فرمایا "بس لا الہ الا اللہ کہہ دو" یہ سن کر تمام لوگ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک کو اختیار کر لیں؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔" اس موقع پر سورہ ص کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

قرآن حکیم کے ذی القدر ﷻ ہونے کا معنی و مطلب؟ سوارشاد فرمایا گیا قسم ہے ذکر والے اس قرآن کی۔ ذکر کے معنی نصیحت کے بھی ہیں اور عزت و شرف کے بھی۔ اور قرآن حکیم میں یہ دونوں ہی صفتیں بدرجہ اتم موجود ہیں کہ یہ کتاب حکیم ایک عظیم الشان اور جلیل القدر نصیحت بھی ہے۔ اور ایسی عظیم الشان اور بے مثل نصیحت کہ اس کی دوسری کوئی نظیر و مثال نہ اس سے پہلے کبھی پائی گئی ہے اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی ممکن ہو سکتی ہے۔ اور ایسی عظیم الشان نصیحت کہ اس میں کسی خطا و قصور کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اور یہ کتاب حکیم عین عز و شرف بھی ہے۔ اور ایسی کہ یہ انسان کو دارین میں عز و شرف سے نوازتی ہے۔ اس لئے ہم نے اپنے ترجمے میں اسی لفظ - ذکر - کو برقرار رکھا ہے۔ تاکہ یہ ان دونوں معنوں کو عام اور شامل رہے۔ جبکہ دوسرے حضرات

مترجمین میں سے کسی نے ایک مفہوم کو اختیار کیا ہے اور کسی نے دوسرے کو۔ سو ذکر و نصحت بھری یہ کتاب حکیم ایک طرف تو انسان کو ان تمام حقائق کی تذکیر و یاد دہانی کراتی ہے جو اس کی فطرت و جبلت میں ودیعت و بیوست ہیں مگر وہ انکو بھولا ہوا ہے۔ دوسری طرف یہ کتاب حکیم اس ہدایت کی تذکیر و یاد دہانی کراتی ہے جو کہ اللہ نے اپنے انبیاء و رسل کے ذریعے اپنی مخلوق کو فرمائی مگر لوگوں نے اس کو بھلا دیا۔ اور تیسری طرف یہ کتاب حکیم اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نعمت کے ان بڑے بڑے واقعات کی تذکیر و یاد دہانی کراتی ہے جو اس سے پہلے پیش آچکے ہیں تاکہ دنیا اس سے سبق لے اور عبرت پکڑے۔ اور چوتھی طرف یہ کتاب حکیم اس نتیجہ و انجام سے آگہی بخشتی اور اس کی تذکیر و یاد دہانی کراتی ہے جو حضرات انبیاء و رسل کی تکذیب کرنے والوں کو گلہنا پڑا۔ تاکہ لوگ اس سے سبق لیں اور راہ حق و ہدایت کو اپنائیں۔ تاکہ انکا بھلا ہونا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ جبکہ پانچویں طرف یہ کتاب حکیم حساب و کتاب اور سزا و جزا کے اس سب سے اہم مرحلے کی تذکیر و یاد دہانی کراتی ہے جو کہ اس دنیاوی زندگی کے بعد پیش آئے گا۔ تاکہ دنیا اس کی فکر کرتے ہوئے اس کیلئے تیاری کر سکے قبل اس سے کہ حیات دنیا کی جو فرصت محدود اس کو ملی ہوئی ہے وہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے اور اس کو ہمیشہ کیلئے کف افسوس ملنا پڑ جائے۔ سو ذی الذکر کا عموم ان تمام پہلوؤں کو شامل اور سب پر محیط ہے۔ اللہ ان تمام پہلوؤں سے مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

بَلِّغِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عَذَابٍ وَ شِقَاقٍ ۝

اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اس کتاب حکیم میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں مگر جو لوگ اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر و باطل پر وہ تکبر اور ضد میں پڑے ہوئے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ دولت ایمان سے محروم ہیں۔ سو قرآن حکیم کے اگر اسی ایک وصف کو دیکھا جائے یعنی اس کی شان ذکر کو تو اس کی تکذیب اور اس کے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ لیکن منکرین نے جب آنکھوں پر ضد و عناد اور تعصب و ہٹ دھرمی کی سیاہ پٹی باندھ رکھی ہو تو پھر ان کو راہ حق و ہدایت نظر آئے تو کس طرح اور کیونکر؟ کہ ہٹ دھرمی کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔ سو قرآن حکیم جن حقائق کی دعوت دیتا ہے وہ تو قطعاً طور پر حق اور سچ ہیں مگر کالز لوگ اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس پر ایمان نہیں لارہے۔ پس عناد و استکبار اور ضد و ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی اور خرابی کی جڑ بنیاد ہے۔ بہر کیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ان کی محرومی کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کی تذکیر میں کوئی کسر ہے بلکہ ان کی محرومی کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ منکر لوگ کبر و غرور گھمنڈ اور عناد میں مبتلا ہیں۔ سو خرابی قرآن میں نہیں بلکہ خود ان ہٹ دھرم لوگوں کے اندر ہے۔ قرآن اور اس کی دعوت تو ہر لحاظ سے صاف و صریح، مدلل و مبرہن اور مؤثر و دل پذیر ہے لیکن انانیت اور ہٹ دھرمی کے ماروں کے فساد باطن کی بنا پر حق و ہدایت کی یہ آواز انکے دلوں تک نہیں پہنچ سکتی اور اس کی تذکیر ان پر کارگر نہیں ہو سکتی۔ سو ہندی کے لائق عبدیت و انابت الی اللہ ہے نہ کہ کبر و غرور۔ عبدیت و انابت کے اندر کمال پیدا کرنے ہی میں اس کی بہتری اور بھلائی ہے۔

كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَوْمٍ فَتَنَّا وَ آوَلَاتٍ حِينَ مَنَاصٍ ۝

تاریخ سے درس عبرت لینے کی ہدایت:

اس آیت میں گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کے انجام سے سبق لینے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے کہ دیکھو ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کیا۔ تو جو کچھ تکذیب و انکار حق کے باعث ان لوگوں کے ساتھ ہوا وہ تمہارے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اے دور حاضر کے منکرو! کہ اللہ کا قانون عام، بے لاگ، اور سب کے لئے یکساں اور ایک برابر ہے۔ پس تم باز آ جاؤ اپنی روش سے قبل اس سے کہ تم اسی انجام سے دوچار ہو جاؤ جس سے ماضی کی یہ قومیں دوچار ہو چکی ہیں اور قبل اس سے کہ فرصت حیات تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تم لوگ ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہو جاؤ کہ پھر اس کی تلافی ممکن نہیں ہوگی۔ سو اس میں گزشتہ قوموں کے انجام سے سبق لینے اور عبرت پکڑنے کی تعلیم و تلقین ہے جو کہ اس کتاب حکیم کے ذی الذکر ہونے کا ایک اہم پہلو ہے۔ جیسا کہ اوپر حاشیہ نمبر 1 میں گزرا۔ سو ماضی کی ان منکر اور ہٹ دھرم قوموں نے جب ناصح کی نصیحت پر کان نہ دھرا اور حق و ہدایت کی دعوت کو مان کر نہ دیا تو آخر کار وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہیں اور انکار و تکذیب حق کے نتیجے میں ان کو حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا گیا۔ اور اس طور پر کہ یہ قصہ پارینہ بن کر رہ گئیں۔ (فَجَعَلْنَا لَهُمُ آخِذِينَ وَمَنْزِلًا لَهُمْ كُلَّ مُمْتَرِقٍ) (سبا: 19)۔ سو کفر و انکار اور تکذیب حق کا نتیجہ بہر حال ہلاکت و تباہی ہے۔

وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِّنْهُمْ

(اور انہیں اس بات سے تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا) اس میں ان کے لیے دو باتیں تعجب کی تھیں ایک تو یہ کہ انسان اللہ کا پیغمبر بن کر آیا ہے دوسرے یہ کہ ہمارے ہی اندر سے نبی بھیجا گیا ہے اگر ہمارے اندر سے اللہ تعالیٰ کو پیغمبر بھیجتا تھا تو کوئی سردار آدمی ہوتا کمانی سورۃ الزخرف (لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي هِيَ عَظِيمًا)

وَقَالَ الْكٰفِرُونَ هٰذَا سِحْرٌ كَذٰبٌ (اور کافروں نے کہا کہ یہ شخص جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے) رسول اللہ ﷺ کے معجزات دیکھ کر انہوں نے یہ بات کہی تھی، کافروں نے یہ بھی کہا (اجْعَلِ الْاٰلِهَةَ الْهٰٓءِ وَ اٰحِدًا) (کیا اس نے بہت سے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا) (اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ) (بلاشبہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے) چونکہ قریش مکہ اپنے باپ دادوں کو دیکھتے آئے تھے جو بہت سے معبود مانتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے اس لیے انہیں یہ بات عجیب معلوم ہوئی کہ صرف ایک ہی معبود کی عبادت کی جائے اور ایک معبود کے علاوہ سارے معبودوں کو باطل معبود قرار دے دیا جائے خیر کی بات رواج سے اٹھ جاتی ہے اور بری بات عام ہو جاتی ہے رواج میں جگہ پکڑ لیتی ہے تو اچھی بات سن کر جو خلاف رواج ہو تعجب ہونے لگتا ہے اسی لیے قریش مکہ کو توحید کی بات سن کر تعجب ہوا۔

وَاٰتٰتُكَ الْمَسٰلَا مِنْهُمْ اِنْ اٰمَسُوْا وَاَصْبَرُوْا عَلٰٓى اٰلِهٰتِكُمْ

یعنی اور لیجئے! اتنے بیشمار دیوتاؤں کا دربار ختم کر کے صرف ایک خدا رہنے دیا۔ اس سے بڑھ کر تعجب کی بات کیا ہوگی کہ اتنے بڑے جہان کا انتظام اکیلے ایک خدا کے سپرد کر دیا جائے۔ اور مختلف شعبوں اور محکموں کے جن خداؤں کی بندگی قرونوں

سے ہوتی چلی آتی تھی وہ سب ایک قلم موقوف کر دی جائے۔ گویا ہمارے باپ دادا کے نرے جاہل اور بیوقوف ہی تھے جو اسے دیوتاؤں کے سامنے سرعبودیت خم کرتے رہے۔ روایات میں ہے کہ ابوطالب کی بیماری میں ابو جہل وغیرہ چند سرداران قریش نے ابوطالب سے آن کر حضرت ﷺ کی شکایت کی کہ یہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اور ہمیں طرح طرح سے احمق بناتے ہیں۔ آپ ان کو سمجھائیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے چچا! میں ان سے صرف ایک کلمہ چاہتا ہوں جس کے بعد تمام عرب ان کا مطیع ہو جائے اور عم ان کی خدمت میں جزیہ پیش کرنے لگے۔ وہ خوش ہو کر بولے کہ بتلائیے وہ کلمہ کیا ہے، آپ ایک کلمہ کہتے ہیں ہم آپ کے دس کلمے ماننے کے لیے تیار ہیں۔ فرمایا زیادہ نہیں بس ایک اور صرف ایک ہی کلمہ ہے لا الہ الا اللہ یہ سنتے ہی طیش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کیا اتنے خداؤں کو ہٹا کر اکیلا ایک خدا۔ چلو جی! یہ اپنے منصوبے سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ یہ تو انہی ہمارے معبودوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں۔ تم بھی مضبوطی سے اپنے معبودوں کی عبادت و حمایت پر جمے رہو۔ مباد ان کا پروپیگنڈا کسی ضعیف الاعتقاد کا قدم پرانے آبائی طریقہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائے۔ ان کی ان تھک کوشش کے مقابلہ میں ہم کو بہت زیادہ صبر و استقلال دکھانے کی ضرورت ہے۔

إِنَّ هَذَا لَكُنْفُؤٌ يُرَادُ ۝

یعنی محمد ﷺ جو اس قدر زور و شور اور عزم و استقلال سے ہمارے معبودوں کے خلاف جہاد کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ضرور اس میں ان کی کوئی غرض ہے، وہ یہ ہے کہ ایک خدا کا نام لے کر ہم سب کو اپنا محکوم اور مطیع بنا لیں اور دنیا کی حکومت و ریاست حاصل کریں۔ سو لازم ہے کہ اس مقصد میں ہم ان کو کامیاب نہ ہونے دیں۔ بعض مفسرین نے إِنَّ هَذَا لَكُنْفُؤٌ يُرَادُ کا مطلب یہ لیا ہے کہ بیشک یہ وہ چیز ہے جس کا محمد ﷺ ارادہ ہی کر چکے ہیں۔ کسی طرح اس سے ہٹنے والے نہیں با یوں کہا جائے کہ یہ بات (معلوم ہوتا ہے) ہونے والی ہے۔ اللہ کو یہ ہی منظور ہے کہ دنیا میں انقلاب ہو۔ لہذا جہاں تک ہو سکے صبر و تحمل سے اپنے قدیم دین و آئین کی حفاظت کرتے رہو۔ یا ممکن ہے ازراہ تحقیر کہا ہو کہ بیشک محمد ﷺ کے ارادے سب کچھ ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ آدمی جو راہ اور تمنا کرے وہ پوری ہو۔ چاہے کہ ہم ان کے مقابلہ میں قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔

أَمْرٌ عِنْدَهُمْ خِزْيَانٌ رَحْمَةً رَّبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۝

یعنی نبوت ایک امر عظیم ہے، اس کے عطا کے لئے معطلی کا مالک الخزان اور شدید الغلبہ اور کثیر المواہب ہونا لازم ہے۔ اس طرح اگر یہ ان کے اختیار میں ہوتا تو ان کو اس کہنے کی گنجائش تھی کہ ہم نے بشر کو نبوت نہیں دی، پھر وہ نبی کیسے ہو گیا، یا ہم نے فلان بشر کو دی اور فلان کو نہیں دی، اس صورت میں یہ کہنا ان کا زیبا تھا۔

جُنْدًا مَّا هُنَّ أَلَك مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ۝

(اس مقام پر ان لوگوں کی ایک بھیڑ ہے جو شکست کھائی ہوئی جماعتوں میں سے ہیں) یعنی یہاں مکہ معظمہ میں ایسے لوگوں کی بھیڑ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں ان کا لشکر شکست خوردہ جماعتوں میں سے ایک جماعت ہے، یہ بھی شکست کھائیں گے جیسے ان سے پہلی مخالف جماعتوں نے شکست کھائی، چنانچہ اہل مکہ نے بدر میں شکست کھائی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ احزاب سے وہ جماعتیں مراد ہیں جو غزوہ خندق کے موقع پر چڑھ کر آگئی تھیں انہوں نے بھی شکست کھائی

اور بری طرح پسا ہو کر بھاگے اس مضمون میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ غم نہ کریں فکر مند نہ ہوں دوسری اقوام کی طرح ان کو بھی شکست ہوگی۔ (راجع القریٰ ص ۱۰۳: ۱۰۴)

وَيَذَعُونَ ذُو الْأَوْتَانِ ﴿۱۰﴾ اس کے لفظی معنی ہیں "میخوں والا فرعون" اور اس کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اس کی سلطنت کے استحکام کی طرف اشارہ ہے، اسی لئے حضرت تھانوی نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "جس کے کھونٹے گڑ گئے تھے" اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ لوگوں کو اس طرح سزا دیا کرتا تھا کہ اسے چت لٹا کر اس کے پاروں ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑ دیتا اور اس پر سانپ، بچھو چھوڑ دیتا تھا۔ اور بعض نے کہا کہ وہ رسی اور میخوں سے کوئی خاص کیل کیلا کرتا تھا۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ "میخوں" سے مراد عمارتیں ہیں اور اس نے بڑی مضبوط عمارتیں بنائی تھیں۔ (تفسیر قرطبی) واللہ سبحانہ اعلم۔

إِنْ مَنَّا إِلَّا كَذَّبَ الرَّسُولَ فَحَقَّ عِقَابُ ﴿۱۱﴾

تاریخ کے اس حوالے سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ تمام تو میں جو تاریخ کی بڑی نامی گرامی اور اپنے دور کی بڑی مشہور و معروف اور ترقی یافتہ قومیں تھیں۔ ان کا کیا حشر ہوا۔ چنانچہ ان کا جرم بھی واضح فرما دیا گیا، اور ان کا انجام بھی۔ سوان کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی، جسکے نتیجے میں آخر کار ان کو صفحہ ہستی ہی سے مٹا دیا گیا۔ اور اس طور پر کہ اب یہ قصہ پارینہ اور تاریخ کا حصہ بن کر رہ گئیں۔ پس اس سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انکار و تکذیب حق کا جرم اتنا ہولناک اور اس قدر سنگین جرم ہے کہ اس کا نتیجہ و انجام بہر حال ہلاکت و تباہی ہے۔ ایسے بد بختوں کو ڈھیل جتنی بھی ملے وہ بہر حال ایک ڈھیل ہی ہوتی ہے جس نے آخر کار اپنے وقت پر بہر حال ختم ہو جانا ہوتا ہے، پس اس میں دور حاضر کے منکرین کیلئے بڑا درس عبرت ہے کہ وہ اپنی روش کفر و تکذیب سے باز آ جائیں ورنہ ان کا حشر و انجام بھی وہی ہوگا جو کل کے ان منکروں کا ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کیلئے یکساں اور ایک برابر ہے۔

وَمَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهُمْ مِنْ لِقَايِ

اہل مکہ کو جب یہ بات بتائی جاتی تھی کہ انکار اور تکذیب پر عذاب آ جایا کرتا ہے اور پہلی قومیں کفر پر جسے رہنے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکی ہیں تو اس کا مذاق بناتے تھے اور اطمینان کے ساتھ دنیاوی اعمال میں مشغول رہتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ یہ لوگ بس اسی انتظار میں ہیں کہ ایک چیخ آ جائے یعنی صور پھونک دیا جائے گا اس وقت جو چیخ ہوگی وہ رکنے والی نہ ہوگی سمجھداری اسی میں ہے کہ قیامت آنے سے پہلے ہی ایمان قبول کر لیں اور اپنا حال درست کر لیں۔ اور علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جسے سورۃ یٰسین میں فرمایا ہے: (مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِضِّضُونَ) (یہ لوگ ایک ایسی سخت آواز کے منتظر ہیں جو انہیں آ کر پکڑے گی اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے) (فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ) (سو نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف جا سکیں گے) علامہ قرطبی سورۃ ص کی آیت کا مطلب بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب غزوہ بدر کے واقعہ کے بعد انہیں یہی انتظار ہے کہ قیامت قائم ہو جائے ان کو جابے تھا کہ بدر کے واقعہ سے عبرت حاصل کر لیتے اور اہل ایمان کے غلبہ سے سبق

لے کر خود بھی مومن ہو جاتے قیامت قائم ہوگی تو دم مارنے کی گنجائش نہ ہوگی اور ذرا سی بھی مہلت نہ دی جائے گی، قیامت کو مانتے بھی نہیں اور ڈھنگ ایسا ہے جیسے وہاں کے لیے بہت کچھ کیا ہو اور عذاب کی بھی بددعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے ہرے رب حساب کے دن سے پہلے ہمارا حصہ ہمیں دیدے۔ یعنی قیامت کے دن کا انتظار کیوں ہے ہمیں جو عذاب دینا ہے ابھی آ جائے، بات یہ ہے کہ انہیں قیامت آنے کا یقین نہیں تھا اور نہ اپنے منہ سے کون عذاب مانگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: **مَا لَهَا مِنْ قَوَائِقٍ** ۵) فاکے فتح کے ساتھ اس وقفہ کو کہتے ہیں جو دو دفعہ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے کہ پہلے دو دو دوہ کر تھوڑا سا چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ بچہ تھنوں کو چوسے تو دوبارہ دو دوہا تر آئے اور پھر دوسری دفعہ دو دوہ لیں فرما اور ابو عبیدہ وغیرہ کہتے ہیں قَوَائِقٍ ۵) فاء کے فتح کے ساتھ یعنی ایسی راحت و سکون جس میں افاقہ نہ ہوگا جیسے مریض کو افاقہ ہوتا ہے یا بے ہوش کو، اور قَوَائِقٍ فاء کے ضم کے ساتھ انتظار کے معنی میں ہے۔ اور "قط" کلام عرب میں حصہ اور نصیب کو کہتے ہیں یا "القط" کسی شے کے ٹکڑے کو کہتے ہیں: پھر اس کا اطلاق حصہ پر کیا گیا وہ کتاب اور رزق جو الگ کر لیا گیا ہو ان پر بھی بولا جاتا ہے مگر کتاب کے معنی میں اس کا استعمال زیادہ ہے اور حقیقت کے لحاظ سے قط بمعنی کتاب زیادہ قوی ہے۔

إِصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدًا نَّادًا وَذَا الْاَلْيَمِ ۗ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝

حضرت رسول اکرم ﷺ کو تسلی اور حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ:

رسول اللہ ﷺ کو مشرکین کی باتوں سے رنج ہوتا تھا، آیت بالا میں آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کی باتوں پر صبر کریں اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ ہمارے بندہ داؤد کو یاد کیجیے جو قوت والے تھے اور فرمایا کہ وہ **أَوَّابٌ** تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے، پھر ان کی تسبیح کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے ان کے ساتھ پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح کیا کرو اور پرندوں کو بھی حکم دیا تھا جو جمع ہو جاتے تھے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے یعنی اس کے ذکر میں مشغول رہتے تھے سورۃ سبأ کے دوسرے رکوع میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے اس کی مراجعت کر لی جائے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کا ملک مضبوط کر دیا تھا اور انہیں حکمت یعنی نبوت دی تھی اور **فَصَلِّ الْخُطَابَ** ۵) سے نوازا تھا یعنی وہ ایسی تقریر کرتے تھے جو خوب واضح ہوتی تھی، سننے والے اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔

اس کے بعد آئندہ آیات میں ان کا ایک واقعہ ذکر فرمایا جس میں ان کے صبر کا تذکرہ ہے اور اسی نسبت سے **إِصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ** کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کو یاد کرنے کا حکم دیا۔۔۔

وَأَتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصَّلَ الْخُطَابَ ۵) (اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کر دینے والی تقریر عطا فرمائی) حکمت سے مراد تو دانائی ہے، یعنی ہم نے انہیں عقل و فہم کی دولت بخشی تھی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نبوت مراد ہے۔ اور **فَصَلِّ الْخُطَابَ** ۵) کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد زور بیان اور قوت خطابت ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام اونچے درجے کے خطیب تھے، اور خطبوں میں حمد و صلوة کے بعد لفظ "بعد" سب سے پہلے انہوں نے ہی کہنا شروع کیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے بہترین قوت فیصلہ مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جھگڑے چکانے اور تنازعات کا فیصلہ کرنے

کی قوت عطا فرمائی تھی۔ درحقیقت ان الفاظ میں بیک وقت دونوں معنی کی پوری گنجائش ہے اور یہ دونوں باتیں ہی مراد ہیں۔ حضرت تھانوی نے جو اس کا ترجمہ فرمایا ہے اس میں بھی دونوں معنی سماکتے ہیں۔

وَهَذَا أَتَىكَ نَبِيُّ الْغُصْبِ إِذْ تَسْتَوِرُ وَالْمِحْرَابِ ﴿۱﴾

حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دو شخصوں کا حاضر ہو کر فیصلہ چاہنا اور آپ کا فیصلہ دینا:

ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا اور اس کے بعد والی آیات میں یہ بتایا کہ ہم نے داؤد کو زمین کا خلیفہ بنانے کا اعلان کیا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ آپ انصاف کے ساتھ لوگوں میں فیصلہ کریں، یہاں جو قصہ ذکر فرمایا وہ یہ ہے کہ دو شخص اپنا مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آئے بھی کس طرح؟ دروازے سے آنے کی بجائے دیوار پھاند کر آئے اور تنہائی میں ان کے پاس پہنچ گئے انہوں نے عبادت کے لیے ایک جگہ بنا رکھی تھی جسے محراب سے تعبیر فرمایا وہ مشغول عبادت بھی تھے جب ان دونوں پر نظر پڑی تو بتقاضائے بشریت گھبرا گئے ان دو شخصوں نے ان کی گھبراہٹ کو محسوس کر لیا اور کہنے لگے کہ آپ ہماری وجہ سے خوف زدہ نہ ہوں ہم کوئی چور ڈاکو نہیں ہیں ہم اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے ہیں ہم میں ایک مدعی اور دوسرا مدعی علیہ ہے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، آپ ہمارا مقدمہ سن لیجیے اور انصاف سے فیصلہ کر دیجیے اور فیصلہ میں بے انصافی نہ کیجیے اور ہم کو سیدھی راہ بتا دیجیے۔

پھر ان میں سے ایک بولا کہ یہ میرا (دینی) بھائی ہے اس کے پاس ننانوے یعنی ایک کم سو دنیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دینی ہے اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھے دیدے، اور کہنے میں بھی وہ طریقہ نہیں اختیار کیا جو سوال کرنے والوں کا ہوتا ہے بلکہ مجھے اس سختی کے ساتھ خطاب کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نے جو یہ بات اٹھائی کہ تیری جو ایک دینی ہے وہ تو اسے دیدے اور یہ اسے اپنی دنیاؤں میں ملا لے اس کا یہ سوال کرنا ظلم ہے، یہ تو ان دونوں کے مقدمہ کا فیصلہ فرمایا اور ساتھ ہی عام لوگوں کا مزاج اور رواج اور طریقہ کار بھی بیان فرمایا اور وہ یہ کہ بہت سے لوگ جو شریک ہوتے ہیں، یا مل جل کر رہتے ہیں ان کا یہ طریقہ کار ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں ہاں اہل ایمان اور اعمال صالحہ والے لوگ ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کرتے ایسے لوگ ہیں تو سہمی مگر کم ہیں۔

اول تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ جل شانہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کو اَصْدُ عَلٰی مَا يَقُولُونَ کے ساتھ شروع فرمایا ہے جس سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو کسی ایسی بات میں مبتلا فرمایا تھا جس میں صبر کی ضرورت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ آپ اپنے مخاطبین کی باتوں پر صبر کریں اور داؤد کے قصے کو یاد کریں اس کے بعد یہ بات بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے تھے پھر یہ قصہ بیان فرمایا کہ دو شخص ان کے پاس دیوار پھلانگ کر آگئے اور دونوں نے اپنا مقدمہ پیش کیا، انہوں نے ان کا فیصلہ سنا دیا، اس میں یہ بات تلاش کرنے کی ہے کہ اس میں صبر کرنے کی کون سی بات تھی، اس بارے میں روایات حدیث سے کوئی بات واضح نہیں ہوتی، البتہ اتنی بات قرآن مجید کے سیاق اور بیان سے معلوم ہو رہی ہے کہ جو دو شخص ان کے پاس تنہائی میں پہنچ گئے تھے وہ وقت ان کی عبادت کرنے کا تھا فیصلہ خصومات کا وقت نہ تھا پھر وہ دونوں دیواریں کود کر

آئے جب داؤد علیہ السلام کو ان سے گھبراہٹ ہوئی تو انہوں نے تسلی تو دیدی کہ آپ گھبرائیے نہیں لیکن بے وقت پہنچے پھر دیوار کو در آئے اور ساتھ ہی یوں کہہ دیا کہ: (فَاخْلُكْهُم بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ) کہ آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجیے اور مزید یوں کہا کہ بے انصافی نہ کیجیے اور ساتھ ہی یوں بھی کہہ دیا کہ سیدھی راہ بتا دیجیے ان باتوں سے ایک طرح کی بے ادبی ظاہر ہوتی تھی جس سے اہم ہوتا تھا کہ داؤد علیہ السلام ناحق فیصلہ بھی کر سکتے ہیں اور زیادتی بھی کر سکتے ہیں، داؤد علیہ السلام نبی ہونے کے ساتھ ساتھ جلیل القدر بادشاہ بھی تھے مدعی اور مدعی علیہ کی باتیں سن کر صبر کیا اور تحمل سے کام لیا ان متواتر گستاخیوں پر کوئی دارو گیر نہیں فرمائی بلکہ بڑی نرمی کے ساتھ ان کا مقدمہ سنا اور فیصلہ فرما دیا۔

اِذْ دَخَلُوا عَلٰى دَاوُدَ فَكَلَمَہُمْ مِنْہُمْ۔۔۔۔۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا بتلائے امتحان ہونا پھر استغفار کرنا:

اب رہی یہ بات کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب صبر کے ساتھ مدعی اور مدعی علیہ کی بات سنی اور فیصلہ فرما دیا جو صحیح فیصلہ تھا تو اس میں وہ کون سی بات تھی جو ان کے امتحان کا سبب بن گئی؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی کی بات سن کر مدعی علیہ سے دریافت کیے بغیر جو یہ فرما دیا کہ اس شخص نے تجھ پر ظلم کیا کہ اپنی دنیوں میں ملانے کے لیے تیری دنی ملانے کا سوال کیا اس میں فریقین میں سے ایک کی جانب جھکاؤ معلوم ہوتا ہے جو آداب قضاء کے خلاف ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مدعی علیہ نے اس بات کا اترار کر لیا تھا کہ واقعی میں نے اس شخص سے یہ سوال کیا ہے کہ اپنی دنی مجھے دیدے اگر یہ صورت ہو تو پھر بھی یہ بات رہ جاتی ہے کہ قاعدہ کے مطابق مدعی علیہ سے فرمانا چاہیے تھا کہ تو نے اس پر ظلم کیا ہے بجائے اس سے خطاب کرنے کے مدعی سے فرمایا کہ اس شخص نے تجھ پر ظلم کیا یہ بھی ایک قسم کی مدعی کی تھوڑی سی طرف داری ہوئی جب یہ خیال آیا تو انہوں نے اسے امتحان کی بات سمجھا، بڑوں کی بڑی باتیں ہیں معمولی بات میں بھی ان کی گرفت ہو جاتی ہے اس لیے وہ استغفار کی طرف متوجہ ہوئے اور سجدہ میں گر پڑے اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا کہ ان کے لیے ہمارے ہاں نزدیکی ہے اور اچھا انجام ہے۔

یہ دونوں شخص جو مقدمہ لے کر آئے تھے اس کی واضح تصریح نہیں ملتی کہ یہ کون تھے؟ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے (جو بے سند ہے) کہ یہ دونوں حضرت جبرائیل اور میکائیل (علیہما السلام) تھے، اندر جانا چاہا تو چوکیداروں نے روکا، لہذا وہ دیوار کو در ان کے پاس محراب میں تشریف لے گئے، یہ بات بعید نہیں ہے کہ یہ دونوں فرشتے ہوں کیونکہ اونچی دیوار تھی، پھلانگ کر تنہائی میں پہنچ جانا انسان کا کام نہیں ہے لیکن اگر یہ حضرات فرشتے تھے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتوں کا دنیوں سے کیا واسطہ اور جھگڑے سے کیا تعلق! ملا اعلیٰ والے دنیوں کے بارے میں کیوں جھگڑا کرنے لگے اور ننانوے دنی والے نے ایک دنی والے سے مطالبہ کیوں کیا کہ یہ ایک دنی بھی مجھے دیدے اور نہ صرف یہ کہ سادگی کے ساتھ مطالبہ کیا بلکہ سختی کو استعمال کیا اگر یہ دونوں فرشتے تھے تو انہوں نے جھگڑا کیا تو وہ بھی حقیر دنیا کے لیے اور اگر جھگڑا ہوا ہی نہیں تھا تو حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں یہ بات کیوں کہی کہ ہمارا آپس میں جھگڑا ہوا ہے یہ تو کذب بیانی ہوئی اور جھوٹا بیان ہوا جو گناہ کبیرہ ہے اور فرشتے تو ہر گناہ

سے پاک ہیں۔

مفسرین نے اس کا یہ جواب لکھا ہے کہ یہ جھگڑا اور دعویٰ کسی حقیقت واقعہ پر مبنی نہیں تھا بلکہ بطور فرض انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا تھا جس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو متنبہ کرنا مقصود تھا اس کے ذریعہ انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو امتحان میں ڈالنے کا ایک راستہ تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام جس فتنہ میں مبتلا کیے گئے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے یوں نقل کیا گیا ہے جسے محدث حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ داؤد علیہ السلام کو ان کی خود پسندی نے امتحان میں مبتلا کیا جس کی صورت حال یوں بن گئی کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا اللہ رات اور دن میں کوئی بھی ایسی خالی گھڑی نہیں گزرتی جس میں آل داؤد میں سے کوئی شخص نماز یا تسبیح یا تکبیر اور دیگر عبادات میں مشغول نہ ہوتا ہو، اللہ جل شانہ کو ان کی یہ بات ناگوار ہوئی اور ارشاد فرمایا کہ اے داؤد یہ سب کچھ میری ہی مدد سے ہے اگر میری مدد شامل حال نہ ہو تو تمہیں مذکورہ عبادت پر قدرت نہ ہو قسم ہے میرے جلال کی میں ایک دن تجھے تیرے ہی سپرد کرتا ہوں داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب مجھے وہ دن بتا دیجیے گا اس کے بعد اس خاص دن میں وہ فتنہ میں مبتلا کر دیئے گئے۔ (مستدرک حاکم ص ۴۳۳: ج ۲ ذوال صبح الاستاد و آثرہ الذہبی) اس میں سبب فتنہ کا تو ذکر ہے لیکن فتنہ کا ذکر نہیں بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ جتنی دیر فرشتوں سے بات چیت ہوئی اتنی دیر میں چونکہ اللہ کے ذکر سے غافل رہے اس لیے انہوں نے اسے فتنہ سمجھ لیا گو قضاء کا کام اور فیصلے دینا بھی عبادت ہے لیکن چونکہ عبادت بلا واسطہ یعنی تسبیح و تہلیل سے غفلت ہوئی اس لیے انہوں نے اسے حق میں فتنہ سمجھ لیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

إِنَّ هَذَا آخِرُ.....

شرکاء مالیات کا عام طریقہ:

حضرت داؤد علیہ السلام نے دو شخصوں کے درمیان جو فیصلہ فرمایا صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ہی عام شرکاء کی ایک حالت بھی بتادی جنہیں خلطاء سے تعبیر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس دنیا میں بسنے والے لوگ جو آپس میں مل جل کر رہتے ہیں جن میں وہ لوگ بھی ہیں جن کا تجارت میں یا کسب اموال کے دوسرے طریقوں میں سا جھار ہتا ہے عام طور سے یہ لوگ ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہتے ہیں جو خیانت وغیرہ کی صورت میں ہوتی ہے عام طور سے لوگوں کا یہی حال ہے ہاں اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو اہل ایمان اور اعمال صالحہ والے ہیں یہ لوگ اپنے شرکاء پر زیادتی نہیں کرتے لیکن ایسے لوگ زیادہ نہیں ہیں، یہ لوگ کمی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بہت کام کی بات بتائی اور شرکاء کا ایک مزاج بتا دیا اور درحقیقت شرکت میں کوئی دھندا کرنا بہت بڑے امتحان میں پڑنے کا ذریعہ ہے بات بات میں جھگڑے بھی اٹھتے رہتے ہیں اور خیانت کے مواقع بھی سامنے آتے رہتے ہیں، جو شخص خیانت سے بچ گیا بہت ہی مبارک ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ میں دو شریکوں میں تیسرا ہوں (یعنی میری طرف سے ان کی مدد ہوتی رہتی ہے) جب تک کہ ان میں سے کوئی ایک خیانت نہ کرے پھر جب دونوں میں سے کوئی شریک خیانت کر لیتا

ہے تو میں درمیان سے نکل جاتا ہوں۔ (رواہ ابوداؤد) یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد مستم ہو جاتی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک دعاء:

حضرت داؤد علیہ السلام بہت بڑے ذاکر و عابد تھے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب داؤد علیہ السلام کی نماز تھی اور روزوں میں سب سے زیادہ محبوب داؤد علیہ السلام کے روزے تھے وہ آدمی رات سوتے تھے اور تنہائی رات نماز میں کھڑے رہتے تھے اور آخری چھٹے حصہ میں سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بغیر روزہ کے رہتے تھے۔ (رواہ البخاری ص ۴۸۶: ۱۷) اور ایک روایت میں ہے کہ داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بے روزہ رہتے تھے اور جب دشمن سے بھڑ جاتے تھے تو پشت نہیں پھیرتے تھے۔ (ایضاً)

حضرت ابودرداءؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کی دعاؤں میں سے ایک یہ دعاء بھی تھی:

اللهم انى اسألك حبك وحب من يحبك والعمل الذى يبلغنى حبك اللهم اجعل حبك احب الى من نفسى ومالى واهلى ومن الماء البادر (اے اللہ میں آپ سے آپ کی محبت کا اور ان لوگوں کی محبت کا جو آپ سے محبت کرتے ہیں اور اس عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھے آپ کی محبت تک پہنچا دے اے اللہ آپ اپنی محبت کو مجھے اتنی زیادہ محبوب بنا دیجیے جو میری جان سے اور میرے مال سے اور میرے اہل و عیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بڑھ کر مجھے محبوب ہو۔

(رواہ الترمذی وحسنہ کمالی السکوۃ ص ۲۲)

رسول اللہ ﷺ جب داؤد علیہ السلام کا ذکر کرتے تھے تو یہ بات بیان فرمایا کرتے تھے کہ وہ انسانوں میں سب سے بڑھ کر عبادت گزار تھے۔ (ایضاً)

حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کے ہنر سے کسب کرتے تھے، اسی میں سے کھاتے تھے (رواہ البخاری مرفوعاً) اور ان کا ذریعہ کسب یہ تھا کہ لوہے کی زر ہیں بناتے تھے انہیں فروخت کر کے اپنا خرچہ بھی چلاتے تھے اور فقراء مساکین پر بھی خرچ کرتے تھے۔

سُورَةُ صٰٓ

سُورَةُ صٰٓ
۳۸ آیتیں
۳۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیاتها ۸۸
رُكُوعَاتُهَا ۵

سورہ میں تک میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس میں انھاری آیتیں ہیں اور پانچ رکوع

صَّ اللَّهُ أَعْلَمَ بِمُرَادِهِ وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ أَيُّ الْبَيِّنَاتِ أَوْ الشَّرَفِ وَجَوَابِ هَذَا الْقَسَمِ مَحْدُوفٌ أَيُّ
 مَا الْأَمْرُ كَمَا قَالَ كُفَّارٌ مَكَّةَ مِنْ تَعَدُّدِ الْأَلِهَةِ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ فِي عِزَّةٍ حَمِيَّةٍ وَتَكْبُرٍ عَنِ
 الْإِيمَانِ وَشِقَاقٍ ۝ خِلَافٍ وَعَدَاوَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا أَيُّ كَثِيرًا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ
 مِنْ قَرْنٍ أَيُّ أُمَّةٍ مِنَ الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ فَنَادَوْا حِينَ نَزُولِ الْعَذَابِ بِهِمْ وَكَانَتْ حِينَ مَنَاصٍ ۝ أَيُّ لَيْسَ
 الْحَيْنُ حِينَ فَرَارٍ وَالتَّأْوِيلُ الْأَيْدِ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ فَاعِلٍ نَادَوْا أَيُّ اسْتَعَاذُوا أَوِ الْحَالُ أَنْ لَا مَهْرَبَ وَلَا مَنجَا
 وَمَا اعْتَبَرِ بِهِمْ كُفَّارٌ مَكَّةَ وَعَجَبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنذِرٌ مِنْهُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِهِمْ يُنذِرُهُمْ بِخَوْفِهِمْ
 بِالنَّارِ بَعْدَ الْبُعْثِ وَهُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ الْكُفْرُونَ فِيهِ وَضَعِ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمِرِ
 هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ ۝ أَجْعَلِ الْأَلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا ۝ خَيْثُ قَالَ لَهُمْ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَيُّ كَيْفَ يَسْمَعُ
 الْخَلْقُ كُلَّهُمْ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ ۝ عَجِبْتَ وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ مِنْ مَجْلِسِ
 الْجَمَاعَةِ عِنْدَ أَبِي طَالِبٍ وَسَمِعَهُمْ فِيهِ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَنْ أَمْشُوا
 أَيُّ يَقُولُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَنْ أَمْشُوا وَأَصْبِرُوا عَلَى الْهَيْكَلِ ۝ أُنْبِتُوا عَلَى عِبَادَتِهَا إِنَّ هَذَا الْمُدْكُورُ مِنَ
 التَّوْحِيدِ لَشَيْءٌ يُرَادُ ۝ مِمَّا مَا سَبَعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْأَخْرَجَةِ ۝ أَيُّ مِلَّةَ عَيْسَى إِنَّ مَا هَذَا إِلَّا
 اخْتِلَافٌ ۝ كَذَّبَ أَنْزَلَ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَأَذْخَالِ الْبَاءِ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَ
 تَرْكِهِ عَلَيْهِ عَلَى مُحَمَّدٍ الذِّكْرُ الْفُرْقَانُ مِنْ بَيْنِنَا ۝ وَلَيْسَ بِكَبْرِنَا وَلَا أَشْرَفِنَا أَيُّ لَمْ يُنْزَرْ عَلَيْهِ قَابًا

تَعَالَىٰ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِي ۚ وَحِجَىٰ آيِ الْقُرْآنِ حَيْثُ كَذَّبُوا الْجَائِيَّ بِهِ بَلْ لَنَا لَهُم يَدُورًا
 عَذَابٌ ۝ وَلَوْ ذَا قُوَّةً لَّصَدَقْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا جَاءَ بِهِ وَلَا يَنْفَعُهُمُ التَّصَدِيقُ حِينَئِذٍ أَمْ
 عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْغَالِبِ الْوَهَّابِ ۝ مِنَ النَّبُوءَةِ وَغَيْرِهَا فَيُعْطُونَ نَهَا مِنْ شَأْنِ أَمْ
 لَهُمْ مَلَكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ إِنَّ زَعْمُوا ذَلِكَ فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ۝ الْمَوْصِلَةَ إِلَى
 السَّمَاءِ فَيَأْتُوا بِالرُّوحِ فَيُخْضَوْنَ بِهِ مَنْ شَاءُوا وَأَمْ فِي الْمَوْصِعِينَ بِمَعْنَى هَمَزَةِ الْإِنكَارِ جُنْدًا مَا أَيْ هُمْ
 جُنْدٌ حَقِيقٌ هُنَا لِكَ أَيْ فِي تَكْذِيبِهِمْ لَكَ مَهْزُومٌ صِفَةٌ جُنْدٍ مِنَ الْأَحْزَابِ ۝ صِفَةٌ جُنْدٍ أَيْضًا أَيْ مِنْ
 جِنْسِ الْأَحْزَابِ الْمُتَحَرِّبِينَ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ قَبْلَكَ وَأَوْلِيكَ قَدْ فَهَرُوا وَأَهْلِكُوا فَكَذَلِكَ يُهْلِكُ هَؤُلَاءِ
 كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمٌ نُّوحٍ تَأْتِيَتْ قَوْمٌ بِإِغْتِبَارِ الْمَعْنَى وَعَادٌ وَفِرْعَوْنٌ ذُو الْأَوْتَادِ ۝ كَانَ يَبْدُلُ كُلَّ مَنْ
 يَغْضَبُ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَوْ تَادٍ وَيَشْدُ إِلَيْهَا يَدِيهِ وَرَجُلِيهِ وَيَعْدِيهِ وَتَمُودٌ وَقَوْمٌ لُوطٌ وَأَصْحَابُ لُوطٍ أَيْ
 الْعَيْضَةَ وَهُمْ قَوْمٌ شُعَيْبٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَوْلِيكَ الْأَحْزَابِ ۝ إِنَّ مَا كَلَّمْنَا مِنَ الْأَحْزَابِ إِلَّا كَذَّابٌ
 الرَّسُلَ لِأَنَّهُمْ إِذَا كَذَّبُوا وَاحِدًا مِنْهُمْ فَكَذَّبُوا جَمِيعَهُمْ لِأَنَّ دَعْوَتَهُمْ وَاحِدَةٌ وَهِيَ دَعْوَةُ التَّوْحِيدِ فَكُلُّ

عَجَبٌ وَجَبَّ عِقَابٌ ۝

تَرْجُمَتُهَا: ص اس کی حقیقی مراد اللہ کو معلوم ہے قسم قرآن کی جو سرا پا صیحت ہے یعنی بیان و شرف والا ہے اس قسم کا جواب
 مخدوف ہے یعنی بہت سے خداؤں کو جو یہ کفار مانتے ہیں وہ غلط ہے بلکہ یہ کافر مکہ کے تعصب کبر و نفرت قبول ایمان میں اور
 مخالفت کا شکار ہیں پیغمبر ﷺ سے دشمنی اور عداوت رکھتے ہیں کتنے ہی بہت لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں پچھلی آیتوں میں ہر
 انہوں نے عذاب آنے پر بڑی جائے پکار پائی اور وہ وقت چھٹکارے کا نہیں تھا یعنی بھاگنے کا وقت نہیں رہا تھا وَلَٰنَ مِنْ تَامٍ
 زائد ہے اور جملہ نَادُوا کے فاعل سے حال واقع ہے یعنی فریاد دوزاری کی جب کہ موقعہ نکل چکا تھا البتہ کفار مکہ اس سے عبرت
 نہیں پکڑتے اور ان کفار نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس ان میں سے ایک ڈرانے والا آیا ہے انہیں میں سے پیغمبر
 انہیں ڈراتا ہے اور قیامت میں دوزخ میں جانے سے ڈراتا ہے اس سے مراد آنحضور ﷺ ہیں اور کافر کہنے لگے کہ ضمیر کے
 بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے کہ یہ شخص جادوگر بھوٹا ہے کیا اس نے اتنے معبود کی جگہ ایک معبود مان لیا ہے کیونکہ لا الہ الا اللہ پڑھنے
 کو کہتا ہے یعنی ساری مخلوق کا صرف ایک خدا کیسے ہو سکتا ہے واقعی یہ تو بڑی عجیب تعجب خیز بات ہے اور کفار قریش یہ کہتے ہوئے
 چلے۔ ابوطالب کی مجلس سے جب آپ آحضرت سے لا الہ الا اللہ پڑھنے کو سنا کہ چلو یعنی ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ انھوں

اپنے معبودوں پر جم جاؤ انہیں کی پوجا پاٹ میں لگے رہو یہ توحید کی دعوت بھی کوئی مطلب کی بات ہے جو ہم سے چاہی جا رہی ہے ہم نے تو یہ بات پچھلی ملت عیسیٰ کی ملت میں سنی ہی نہیں ہونہ ہو یہ من گھڑت جھوٹ ہے کیا نازل کیا گیا ہے دونوں ہمزوں کی تحقیق دوسری ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ اور دونوں کے درمیان دونوں صورت میں الف داخل کر کے اور بغیر الف داخل کئے پڑھا گیا ہے صرف اسی ایک شخص محمد ﷺ پر کلام الہی قرآن ہم سب میں بھی حالانکہ وہ ہم سب میں نہ تو بڑا ہے اور نہ سب سے بڑا پھر کیوں اسی پر نازل ہوا جو اب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بلکہ یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں میری وحی کے متعلق یعنی قرآن کے بارے میں اسی لیے اسکے لانے والے کو جھٹلا رہے ہیں جب کہ انہوں نے ابھی تک میرے عذاب کا مزہ چکھا ہی نہیں اگر اس کا مزہ چکھ لیتے تو ضرور آپ کے پیغام کی تصدیق کرتے حالانکہ اس وقت انہیں تصدیق کا فائدہ نہ ہوتا کیا ان کے پاس آپ کے پروردگار زبردست فیاض کی رحمت کے خزانے ہیں یعنی نبوت وغیرہ کے کہ جسے یہ چاہیں بخش دیں یا ان کو آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا اختیار حاصل ہے اگر ان کا خیال ایسا ہی ہے تو ان کو چاہئے کہ سیدھیاں لگا کر چڑھ جائیں جو آسمان تک انہیں پہنچادیں پھر یہ وحی لا کر جسے چاہیں اسی وحی کے ساتھ مخصوص کر دیں ام دونوں جگہ ہمزہ انکار کے معنی میں ہے یوں ہی ایک بھیڑ ہے یعنی ایک معمولی جوم ہے اس مقام پر آپ کے جھٹلانے کے سلسلہ میں جو شکست دی جائے گی یہ جند کی صفت ہے مجملہ اور گرد ہوں کے یہ بھی جند کی صفت ہے یعنی یہ لوگ مجملہ ان پارٹیوں کے ہیں جنہوں نے آپ سے پہلے انبیاء کے مقابلہ میں پارٹی بندی کی تھی پس ان لوگوں پر قہر نازل ہوا اور ہلاک ہوئے ایسے ہی ان پر بھی ہلاکت آئے گی جھٹلایا تھا ان سے پہلے بھی قوم نوح لفظ قوم کی تانیث معنی کے اعتبار سے ہے اور عاد اور فرعون نے جس کے کھونٹے گڑ گئے تھے جسے سزا دینی ہوتی ہے اسے فرعون چومنا کر دیتا اور دونوں ہاتھ پاؤں باندھ کر عذاب دیا کرتا تھا اور ثمود اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے یعنی جھاڑی والے یہ حضرت شعیب کی قوم والے تھے وہ گردہ یہی لوگ ہیں ان سب گردہوں نے صرف پیغمبروں کو جھٹلایا تھا کیوں کہ ایک پیغمبر کو جھٹلایا تو گو یا سارے پیغمبروں کو جھٹلادیا اس لیے کہ سب کا ایک ہی دعویٰ۔ دعویٰ توحید تھا سو وہ واقعہ لازم ہوگا میرا عذاب۔

کلمات تفسیر یہ کی توضیح و تشریح

قولہ: بِئْلِ الذِّنِّينَ: یعنی کفار نے دین میں کسی خرابی کو پا کر کفر نہیں کیا بلکہ وہ غیرت جاہلیت اور تکبر میں ہیں۔
 قولہ: وَالْتَأْذَنَ إِذْذَهُ: حرف کی تانیث کی تاکید کے لیے یا نفی کے معنی کو مؤکد کرنے کے لیے۔
 قولہ: رَضِعَ الظَّاهِرِ: اس میں ان کی مذمت کی گئی اور ناراضگی کا اس پر اظہار کیا گیا۔
 قولہ: لَشَيْءٍ عَجَابٍ: یعنی ہمارے آباء جس بات پر متفق ہیں، یہ اس کے مخالف ہے۔ ایک عالم بہت سی چیزوں پر حاوی نہیں ہو سکتا۔
 قولہ: سَمَاعِهِمْ فِيهِ: قریش کے وفد کا مطالبہ کہ ہمارے معبودوں کو چھوڑ دے۔ تو آپ ﷺ نے ان کو ایک بات لایا

- الآلله کی دعوت دی جس پر وہ چمک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔
- قوله: زَعَمُوا: فَبَيَّنَّا تَقْوَىٰ شَرِطًا مَحْذُوفٍ كِي جِزَاءِ هِي۔
- قوله: وَوَصَلَّةٍ: كِي جَمْعِ اَوْصَلِه۔ كِي چيز پر پہنچانے والے ذرائع۔
- قوله: جَنَّادُهُمْ: يعنى وه كافرول كاك ايك لوله هيل۔
- قوله: قَوْمٍ: اس كى تانيث كا اعتبار قبيله كے معنى ميں هے۔
- قوله: الْعَيْضَةَ: جهاڑى۔

تفسیر مقبولین

سورہ ص کا سجدہ

سورہ ص میں شوافع کے نزدیک سجدہ تلاوت نہیں ہے حنفیہ کے نزدیک یہاں سجدہ تلاوت ہے، حضرت ابن عباس نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سورہ ص میں سجدہ تلاوت ادا کیا اور فرمایا کہ داؤد نے توبہ کے طور پر سجدہ کیا تھا، اور ہم اس سجدہ کو بطور شکر ادا کرتے ہیں۔ (رداء النساءى كمانى المخلوۃ ص ۱۹)

ایک مشہور قصہ کی تردید:

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس جو دو شخص فیصلہ لے کر آئے تھے جن کا یہ فیصلہ ان کے امتحان کا سبب بنا اس کے بارے میں بعض کتابوں میں ایک ایسا قصہ لکھ دیا گیا ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک عورت پر ان کی نظر پڑ گئی تھی جس سے نکاح کرنے کا خیال پیدا ہو گیا اور اس خیال کے پیچھے ایسے پڑے کہ اس کے شوہر کو جہاد میں بھیج کر شہید کروانے کا راستہ نکالا اور جب وہ شہید ہو گیا تو آپ نے اس عورت سے نکاح کر لیا، یہ قصہ جھوٹا ہے جسے اسرائیلی روایات سے لیا گیا ہے حدیث ۵۰۸۶ (مسند رک ۵۰۸۶ ص ۵۸۷ ج ۲) میں لکھ دیا اور تعجب ہے کہ حافظ ذکا نے بھی تخلص مسند رک میں اسے ذکر کر کے سکوت اختیار کیا حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص داؤد علیہ السلام کے بارے میں ایسی بات کہے گا اور اس کا عقیدہ رکھے گا تو میں اس پر حد قذف کی دوہری سزا جاری کروں گا یعنی ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کوڑے لگاؤں گا۔ (روح المعانی ص ۱۰۸ ج ۲۳)

اور صاحب جلالین نے یوں لکھ دیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں اور اس شخص کی ایک بیوی تھی جس نے شکایت کی تھی۔

یہ قصہ بھی اسرائیلی روایات سے لیا گیا ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کے خلاف بھی ہے، ورنہ کسی صحیح سند سے ثابت بھی نہیں ہے۔

وَمَا يَنْظُرُ يَنْظُرُهُمْ إِلَّا كُفَّارٌ مَكَّةَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً هِيَ نَفْخَةُ الْقِيَامَةِ تَحُلُّ بِهِمُ الْعَذَابَ مَا لَهَا
 مِنْ فَوَاقٍ ⑤ يَفْتَحُ الْقَاءَ وَضَمِّهَا جُرْعٌ وَقَالُوا الْمَآئِزُ لَنْ نَأْتِيَنَّهَا نَكْتًا أُولَئِكَ الَّذِينَ يَضِلُّونَ
 وَقَتْنَا أَي كِتَابِ أَعْمَالِنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ⑥ قَالُوا ذَلِكَ اسْتَهْزَأَ قَالَ تَعَالَى اضْبُرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَ
 أَذْكَرٌ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِي أَي الْقُوَّةِ فِي الْعِبَادَةِ كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا وَيَقُومُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَتَام
 ثَلَاثَةَ رَيَقُومٍ سُدُسَهُ إِنَّهُ آوَابٌ ⑦ رَجَعَ إِلَى مَرْضَاتِ اللَّهِ إِنَّا سَخَرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ لِيَسْبِغْنَ بِشَبِيجِهِ
 بِالْعَشِيِّ وَتَتَّصِلُ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَالْإِشْرَاقِ ⑧ وَقَتَّ صَلَاةَ الصُّحَى وَهُوَ أَنْ تَشْرِقَ الشَّمْسُ وَيَتَنَاهَى ضَوْؤُ
 هَا وَسَخَرْنَا الطَّيْرَ مَحْشُورَةً ⑨ مَجْمُوعَةً إِلَيْهِ تُسَبِّحُ مَعَهُ كُلٌّ مِنَ الْجِبَالِ وَالطَّيْرِ لَهُ آوَابٌ ⑩ رَجَعَ
 إِلَى طَاعَتِهِ بِالتَّسْبِيحِ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ قُوَّتِنَاهُ بِالْحَرَسِ وَالْجُودِ كَانَ يَحْرُسُ مِحْرَابَهُ كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثُونَ
 أَلْفَ رَجُلٍ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ النَّبُوَّةَ وَالْإِصَابَةَ فِي الْأُمُورِ وَفَصَّلَ الْخُطَابِ ⑪ الْبَيَانَ الشَّافِي فِي كُلِّ
 نَضْدٍ وَهَلْ مَعْنَى الْإِسْتِفْهَامِ هِنَا التَّعَجُّبِ وَالتَّشْرِيقِ إِلَى اسْتِمَاعِ مَا بَعْدَهُ أَتَى بِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا
 الْخَصِيمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ⑫ مِحْرَابُ دَاوُدَ أَي مَسْجِدُهُ حَيْثُ مَنَعُوا الدُّخُولَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ
 لِسُغْلِهِ بِالْعِبَادَةِ أَي خَبِرَهُمْ وَقَضَّاهُمْ إِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُدَ فَفَرَّغَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ ⑬ نَحْنُ خَصْمِينَ
 قَبْلَ فَرِيقَانِ لِيَطَابِقَ مَا قَبْلَهُ مِنْ ضَمِيرِ الْجَمْعِ وَيَقِيلُ ائْتَانِ وَالضَّمِيرُ بِمَعْنَاهُمَا وَالْخَصْمُ يَطْلُقُ عَلَى
 الرَّاجِدِ وَكَثُرَ وَهُمَا مَلَكَانِ جَاءَ فِي صُورَةِ خَصْمَيْنِ وَقَعَ لَهُمَا مَا ذُكِرَ عَلَى سَبِيلِ الْفُرْصِ لِشَبِيهِ دَاوُدَ
 عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى مَا وَقَعَ مِنْهُ وَكَانَ لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ امْرَأَةً وَطَبَّ امْرَأَةٌ شَخِصَ لَيْسَ لَهُ غَيْرُهَا
 وَتَرَوُجَهَا وَدَخَلَ بِهَا بَغِيًّا بَعْضًا عَلَى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تَشْطِطْ تَجْرٍ وَاهِدِنَا أَرْشِدْنَا إِلَى
 سَوَاءِ الصِّرَاطِ ⑭ وَسَطِ الطَّرِيقِ الصِّرَاطِ إِنَّ هَذَا أَخِي ⑮ أَي عَلَى دِينِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعَجَةً
 يُعْتَبَرُ بِهَا عَنِ امْرَأَةِ وَبِئْسَ نَعَجَةٌ وَاحِدَةٌ ⑯ فَقَالَ الْفُلَيْدِيهَا أَجْعَلْنِي كَافِلَهَا وَعَزَّنِي غَلْبَتِي فِي الْخُطَابِ ⑰
 أَي الْجِدَالِ وَآفَتْهُ الْآخِرُ عَلَى ذَلِكَ قَالَ لَقَدْ ظَلَمْتُكَ بِسُؤَالِ نَعَجَتِكَ لِيَضْمَهَا إِلَى نِعَاجِهِ وَإِنَّ كَثِيرًا

مِنَ الْخَطَاةِ الشُّرَكَاءِ لِيُبَيِّنَ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ
 مَا لَتَا كَيْدِ الْقَيْلَةِ فَقَالَ الْمَلَكَانِ صَاعِدَيْنِ فِي صُورَ تَيْمَمًا إِلَى السَّمَاءِ قَضَى الرَّجُلُ عَلَى نَفْسِهِ فَتَنَّبَهُ دَاوُدُ
 قَالَ تَعَالَى وَظَنَّ أَيُّ أَيَّمَنَ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّهُ أَوْ قَعَنَاهُ فِي فِتْنَةٍ أَيُّ بَلِيَّةٍ بِمُحِبَّةٍ تِلْكَ الْمَرْأَةُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَ
 حَرَّ رَاكِعًا أَيُّ سَاجِدًا وَأَنَابَ ۖ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ ۗ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَكُلْفًا أَيُّ زِيَادَةً خَيْرٍ فِي الدُّنْيَا وَ
 حُسْنِ مَآبٍ ۝ مَرْجِعٌ فِي الْآخِرَةِ لِيَدَاوُدَ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ تُدَبِّرُ أَمْرَ النَّاسِ فَاحْكُم بَيْنَ
 النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ أَيُّ هَوَى النَّفْسِ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ أَيُّ عَنِ الدَّلَائِلِ الدَّالَّةِ عَلَى
 تَوْحِيدِهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَيُّ عَنِ الْإِيمَانِ بِاللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَسَبُوا
 بِنِسْيَانِهِمْ يَوْمَ الْحِسَابِ ۝ الْمُنْتَرَبِ عَلَيْهِ تَرَكَّهُمُ الْإِيمَانِ وَلَوْ أَتَقْتُوا يَوْمَ الْحِسَابِ لَأَمْتُوا فِي الدُّنْيَا

ترجمہ: اور یہ لوگ کفار کہ بس ایک چیخ کے منتظر ہیں قیامت کا بگل بجے گا تو ان پر عذاب آئے گا جس میں دم لینے کی مہلت نہ ہوگی فواقی فا کے فتح اور ضمہ کے ساتھ یعنی اس سے نکلنے کا موقع نہ ملے گا اور یہ لوگ کہنے لگے جب آیت: فاما من اولیٰ کتابہ بیسینہ الخ نازل ہوئی اے ہمارے پروردگار ہمارا حصہ نامہ اعمال ہمیں روز حساب سے پہلے دیدے یہ بات دل لگی طور پر کہی تھی آپ ان لوگوں کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو بڑی طاقت والے تھے یعنی عبادت کی بڑی ہمت رکھتے تھے چنانچہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور آدھی رات تک نماز پڑھتے اور تہائی رات سو کر بھر چھٹے حصے میں کھڑے رہتے وہ بہت جھکنے والے تھے اللہ کی مرضیات کی طرف ہم نے پہاڑوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ تسبیح کیا کریں ان کی تسبیح کے ساتھ شام عشاء کی نماز میں اور صبح کے وقت چاشت کی نماز کے وقت جس وقت سورج نکل کر خوب روشن ہو جائے اور پرندوں کو ہم نے مسخر کر دیا جو اکٹھے ہو جاتے حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ شریک تسبیح ہو جاتے تھے سب چیزیں پہاڑ پرندے، اسی کی طرف مشغول ذکر رہتے تسبیح کرتے ہوئے وقف طاعت رہتے۔ اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا، چونکہ اردوں اور پہرے داروں کی وجہ سے محفوظ کر دیا تھا ہر رات تیس ہزار فوج پہرہ دیا کرتی تھی اور ہم نے ان کو حکمت عطا کی تھی نبوت اور ہر کام میں صحیح فیصلہ کی قوت اور خوش بیانی ہر بات کو عمدہ طریقے سے بیان کر دینا اور بھلا یہاں استفہام تعجب کے لیے ہے اور بعد والی بات کو شوق سے سننے کے لیے آپ کو اے محمد ﷺ پہنچی ہے ان مقدمہ والوں کی خبر جب کہ وہ عبادت خانہ کی دیوار پھاند کر داؤد کے پاس گھس آئے حضرت داؤد علیہ السلام کے مصلائے خاص میں جہاں دروازہ سے کسی کو داخلہ کی اجازت نہیں تھی حضرت داؤد کے مشغول عبادت ہونے کی وجہ سے یعنی آپ کو ان کے واقعہ اور قصے کی خبر پہنچی ہے؟ جب داؤد کے سامنے آئے تو وہ گھبرا گئے وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ ڈریئے نہیں ہم اہل معاملہ ہیں بعض نے کہا کہ دونوں فریق مراد ہیں

ہا کہ پہلی ضمیر جمع کے مطابق ہو جائے اور بعض کی رائے ہے کہ صرف دو آدمی مراد ہیں اور ضمیر جمع معنی کے اعتبار سے راجح ہوگی اور خصم ایک پر اور ایک سے زائد پر بھی بولا جاتا ہے یہ دونوں فرشتے دو جھگڑا کرنے والوں کی صورت میں پیش ہوئے تھے۔ وہ واقعہ زرضی صورت میں بیان کیا حضرت داؤد علیہ السلام کے معاملہ پر تمبیہ کرنے کے لیے معاملہ یہ ہوا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نانوں سے بیویاں موجود تھیں مگر پھر انہوں نے دوسری عورت سے جو کسی شخص کی تنہا بیوی تھی شادی کر لی اور اس سے بیوی جیسا معاملہ کر لیا کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے اس لیے آپ انصاف سے فیصلہ کیجئے اور بے انصافی و ظلم نہ کیجئے اور ہم کو صحیح راہ اور درمیانی راستہ جو درست ہے بتلا دیجئے یہ شخص میرا دینی بھائی ہے اس کے پاس نانوں سے دنیاں ہیں اشارہ ان کی بیویوں کی طرف تھا اور میرے پاس ایک دینی ہے مگر یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھے دے ڈال میری تحویل میں دیدو اور مجھ کو دباتا ہے زور دکھاتا ہے بات چیت میں موجود تنازع میں دوسرے فریق نے اسکا اقرار بھی کر لیا فرمایا داؤد نے اس نے تجھ پر زیادتی کی ہے تیری دینی کو اپنی دینی میں ملانے کا سوال کر کے اور اکثر شرکاء ساتھی ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں ہاں مگر جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں مبالغت کی تاکید کے لیے دونوں فرشتے اپنی صورت میں تبدیل ہو کر یہ کہتے ہوئے آسمان پر اڑ گئے کہ اس شخص نے اپنے خلاف خود ہی فیصلہ صادر کر دیا ہے فوراً حضرت داؤد علیہ السلام چونک پڑے ارشاد باری ہے کہ داؤد کو خیال یقین ہو گیا کہ ہم نے اس کا امتحان کیا ہے ایک فتنہ میں ڈالا ہے یعنی عورت کی بلائے محبت میں مبتلا کیا ہے سوانہوں نے اپنے پروردگار کے آگے توبہ کی اور رکوع سجدے میں گر پڑے اور رجوع ہوئے سو ہم نے ان کو معاف کر دیا اور ہمارے یہاں ان کا ایک مرتبہ ہے دنیا میں بھلائی کی زیادتی اور نیک انجامی آخرت میں ہے اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر حاکم بنایا ہے لوگوں کے انتظامات کیلئے سو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہ خدا کے راستے دلائل و توحید سے تمہیں بھٹکا دے گی جو لوگ اللہ کے راستے ایمان سے بھٹک گئے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہوگا ان کے حساب کے دن کو فراموش کر دینے کی وجہ سے جس سے ایمان کی محرومی ہوئی اور اگر بروز حساب کا یقین ہوتا تو دنیا میں ہی رہ کر ایمان لے آتے۔

کلمات تفسیر یہ کی توضیح و شرح

- قوله: قَطْنَا: انعامی چیک۔
 قوله: الْبَيَانَ السَّافِي: یہ فصل خطاب کی تفسیر ہے اور فصل کی اضافت صفت کی موصوف کی طرف اضافت کی قسم سے ہے۔
 قوله: إِذْ تَسُوْرُوا: وہ بالا خانے کی دیوار پر چڑھے۔
 قوله: خَبِرْهُمْ: آئی کی بناء کی طرف نسبت حذف مضاعف کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ نفس قصہ کا لانا تو کوئی معنی نہیں رکھتا۔
 قوله: عَلَى تَسْمِيَةٍ: یعنی خصم کے مصاحب کو خصم کہہ دیا ورنہ تو وہ وہی شخص تھے۔

قولہ: علی سبیل الفرض: یہ مسئلہ انہوں نے بر سبیل فرض بیان کیا۔

تفسیر مقبولین

يٰۤاٰدُوۡدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ۔۔۔۔۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت کا اعلان:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ شانہ کا خطاب ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہش نفس کا اتباع نہ کیجیے ورنہ یہ خواہش آپ کو اللہ کے راستے سے ہٹا دے گی یوں تو ہر حاکم پر لازم ہے کہ فیصلہ کرنے میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھے لیکن خاص طور پر جسے اللہ نے اپنا خلیفہ بنایا اور نبوت سے بھی سرفراز فرمایا اس کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ وہ حق اور حقیقت اور عدل و انصاف پر قائم رہے۔

اتباع ہوئی کی مذمت:

نیز یہ بھی خطاب فرمایا کہ آپ اتباع ہوئی سے پرہیز کریں یعنی خواہش نفس کا اتباع نہ کریں ورنہ وہ آپ کو اللہ کے راستے سے ہٹا دے گی، درحقیقت دو ہی چیزیں ہیں اتباع ہدیٰ اور اتباع ہوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جوئل کرنے کے لیے حکم ہو وہ ہدیٰ یعنی ہدایت ہے اور اس کا اتباع کرنا لازمی ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے نہ ہو اپنے نفس کے تقاضوں کے مطابق ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایت کے خلاف ہو اس کا اتباع کرنا جائز نہیں ہے یہ نفس کا اتباع ہی تو ہے جو بندوں کو احکام شریعہ سے روکتا ہے جو لوگ قاضی اور حاکم ہیں اور حج ہیں یہ لوگ خلاف شرع فیصلے کرتے ہیں، رشوت لے لیتے ہیں یا اپنے رشتے دار کی رشتہ داری کو دیکھ کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتے ہیں یہ اتباع ہوئی ہی تو ہے سورۃ النساء میں فرمایا:

(يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوْمًا مِّنْ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلَىٰ اَنْفُسِكُمْ اَوْ الْوَالِدِيْنَ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنَّ يَكُوْنُ غَنِيْمًا اَوْ فِقْرًا فَاِنَّهٗ اَوْلٰى بِهٖمَا فَلَآ تَتَّبِعُوا الْهَوٰى اَنْ تَعْدِلُوْا) (اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا والدین یا دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو وہ شخص اگر امیر ہے تو اور غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے تو تم خواہش نفس کا اتباع مت کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ اور بہت سے حکام کسی کی دشمنی میں ظالمانہ فیصلہ دے دیتے ہیں سورۃ المائدہ میں اسی کو فرمایا: (وَلَا تَجْرِمُوْكُمْ سِنَانِ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا) (اور کسی قوم کا بغض تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سوال فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل کے سایہ کی طرف پہلے پہنچنے والے کون ہیں؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں حق دیا جائے تو قبول کر لیں اور جب ان سے حق کا سوال کیا جائے تو پوری طرح دے دیں اور لوگوں کے لیے اسی طرح فیصلے کریں جیسے اپنے لیے فیصلہ کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ الصالحین ص ۳۲۲)

یہ اتباع ہوئی ہی قرآن وحدیث کے احکام میں تاویل کرنے پر آمادہ کرتا ہے علماء سے بدظن کرتا ہے، ذکوۃ نہ دینے کے لیے حیلے اور بہانے تراشا ہے بے پردگی اور سود کو حلال کرنے کے لیے ایسے لوگوں کی تحریروں کی آڑ لیتا ہے جو اخلاص سے خالی ہیں تقویٰ سے دور ہیں بھرپور علم سے بعید ہیں، ننگے پہناوے، ناچ رنگ، نفس ونظر کی حرام لذت، جاہ وشہرت کی طلب اور مال کثیر کی رغبت شریعت کے خلاف عمل کرنے پر آمادہ کرنا اتباع ہوئی ہی کا کام ہے، کسی بھی مرنے والے کی میراث شرعی وارثوں کو نہ دینا، بہنوں کو باپ کے ترکہ سے نہ دینا مزدور سے کام لے کر مزدوری نہ دینا یہ اور اسی طرح کی سینکڑوں چیزیں ہیں جنہیں انسان اتباع ہوئی کی وجہ سے اختیار کرتا ہے اور احکام شریعہ سے منہ موڑتا ہے جو لوگ ہدایت کا اتباع کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلنے ہی کو زندگی کا مقصد قرار دیتے ہیں اور جو حکم سنتے ہیں مان لیتے ہیں۔
خواہشوں کا اتباع گمراہ کر دیتا ہے

یہ جو فرمایا: قِيضَنَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ اس میں یہ بتا دیا کہ خواہشوں کا اتباع کرنا اللہ تعالیٰ کے راستہ سے ہٹا دیتا ہے جس طرح دنیاوی احکام میں نفس کی خواہشوں کے پیچھے چلنے کی وجہ سے قوانین شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہے اسی طرح امور آخرت میں بھی اتباع ہوئی اللہ کے راستہ سے ہٹا دیتا ہے نام دین کا اور بزرگی کا ہوتا ہے لیکن کام شریعت کے خلاف ہوتے ہیں، یہ جو قبر پرستی ہے جھوٹی پیری مریدی ہے عرسوں کے خرافات ہیں اپنی طرف سے تجویز کردہ نفل نمازوں کی بدعات ہیں یہ سب اتباع ہوئی کی وجہ سے ہے ان لوگوں کو عموماً اتباع سنت سے زیادہ بدعات پر چلنا زیادہ مرغوب ہے کیونکہ وہ ان کی اپنی نکالی ہوئی ہیں اور شیطان بھی ان کو بدعات پر ابھارتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ابلیس نے کہا کہ میں نے لوگوں کو گناہوں پر ڈال کر ہلاک کر دیا اور انہوں نے مجھے استغفار کے ساتھ ہلاک کر دیا، (یعنی میں گناہ کروا تا تھا وہ گناہ کر کے استغفار کر میتے تھے جس سے میری محنت پر پانی پھر جاتا تھا) لہذا میں نے یہ کیا کہ ان کے لیے وہ چیزیں نکال میں جو دین الہی میں نہیں ان کی خواہشوں کے مطابق انہیں وہ نیکی سمجھ کر کرتے ہیں لہذا وہ ان چیزوں سے توبہ نہیں کرتے (الترغیب والترہیب للحافظ المنذری) جب خواہشات نفس کا اتباع کریں گے اور ان اعمال کو نیکی سمجھ کر کریں گے تو توبہ نہ کریں گے لہذا عذاب میں مبتلا ہوں گے اور شیطان کا مقصد پورا ہوگا۔

گمراہ لوگ عذاب شدید کے مستحق ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ يَصْنَعُونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ يَوْمَ تُنْفَخُ السُّورُ الْيَوْمَ الْحِسَابُ ﴿٥﴾ (بلاشبہ جو لوگ اللہ کی راہ سے ہٹتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے حساب کے دن کو بھول جانے کے سبب سے) اس میں اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹنے والوں کے

لیے وعید بیان فرمادی اور یہ بھی بتادیا کہ یہ لوگ اس لیے مبتلا عذاب ہوں گے کہ دنیا میں رہتے ہوئے حساب کے دن کو بھول گئے تھے اس میں تقسیم ہے کہ اتباع ہوئی کی وجہ سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹا ہو یا اور کسی وجہ سے وہ عذاب شدید کا مستحق ہوا ہو ان گمراہیوں میں عام طور سے وہی لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو قیامت کو نہیں مانتے، یا مانتے تو ہیں لیکن وہاں کی حاضری کا خیال نہیں رکھتے اور اسے بھول جھلیاں کیے رہتے ہیں اس لیے وہاں کے لیے تیاری نہیں کرتے اور اپنی جان کو مستحق عذاب بناتے رہتے ہیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۗ أَيُّ عِبَادًا ذَلِكَ أَيُّ خَلْقٍ مَا ذُكِرَ لَا لِشَيْءٍ ظَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ قَوْلًا وَإِذِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ۗ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ ۗ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ۗ نَزَلَ لِمَاقَالِ كُفَّارِ مَكَّةَ لِلْمُرْمِيْنَ أَنَا نُعْطِي فِي الْآخِرَةِ مِثْلَ مَا تُعْطُونَ وَأَمْ بِمَعْنَى هَمْزَةِ الْإِنْكَارِ كِتَابٌ خَيْرٌ مُّبْتَدَأُ مَخْدُوفٍ أَيُّ هَذَا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آصْلَهُ يَتَدَبَّرُوا أَدْعَمَتِ التَّاءُ فِي لَدَالِ آيَتِهِ يَنْظُرُوا فِي مَعَانِيهَا فَيُؤْمِنُوا وَلِيَتَذَكَّرَ يَعْظُوا أُولُو الْأَلْبَابِ ۗ أَصْحَابُ الْعُقُولِ وَوَهَبْنَا لِداوُدَ سُلَيْمَانَ ۗ ابْنَهُ نَعَمَ الْعَبْدُ ۗ أَيُّ سَلِيمَانَ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۗ رِجَاعٌ فِي التَّسْبِيحِ وَالذِّكْرِ فِي جَمِيعِ الْأَوْقَاتِ إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ هُوَ مَا بَعْدَ الزَّوَالِ الصُّفُونَةُ الْخَيْلُ جَمْعُ صَافِنَةٍ وَهِيَ الْقَائِمَةُ عَلَى ثَلَاثٍ وَقَائِمَةُ الْآخِرَى عَلَى طَرَفِ الْحَافِرِ وَهِيَ مِنْ صَفْنٍ يَصْفِنُ صَفُونًا الْجِيَادُ ۗ جَمْعُ جَوَادٍ وَهُوَ السَّابِقُ الْمَعْنَى أَنَّهَا إِنْ اسْتَوْقَفَتْ سَكَتَتْ وَإِنْ رُكِبَتْ سَبَقَتْ وَكَانَتْ الْفَرَسُ عَرِضَتْ عَلَيْهِ بَعْدَ أَنْ صَلَّى الظُّهْرَ لِإِرَادَتِهِ الْجِهَادَ عَلَيْهَا لِعَدُوِّ فَعِنْدَ بُلُوغِ الْعَرِضِ تَسْعُ مِائَةٌ مِنْهَا عَرَبَتِ الشَّمْسُ وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الْعَصْرَ فَاغْتَمَّ فَقَالَ إِنْ أَحْبَبْتُ أَيُّ أَرَدْتُ حَبَّ الْخَيْرِ أَيُّ الْخَيْلِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي ۗ أَيُّ صَلَاةِ الْعَصْرِ حَتَّى تَوَارَتْ أَيُّ الشَّمْسِ بِالْحِجَابِ ۗ أَيُّ اسْتَشْرَتْ بِهَا يَحْجِبُهَا عَنِ الْأَبْصَارِ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۗ أَيُّ الْخَيْلِ الْمَعْرُوضَةِ فَرُدُّوْهَا فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسَّيْفِ بِالسُّوقِ جَمْعُ سَاقٍ وَالْأَعْنَاقِ ۗ أَيُّ ذَبْحِهَا وَقَطَعَ أَرْجُلَهَا تَقَرُّبًا إِلَى اللَّهِ تَعَالَى حَيْثُ اسْتَعْلَ بِهَا عَنِ الصَّلَاةِ وَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا فَعَرَّضَهُ اللَّهُ خَيْرًا مِنْهَا وَأَسْرَعَ وَهِيَ الرِّيحُ تُجْرِي بِأَمْرِهِ كَيْفَ شَاءَ وَكَأَنَّ سُلَيْمَانَ ابْنَتَيْنَاهُ بِسَلْبٍ مُلْكِهِ وَذَلِكَ لِتَزْوُجِهِ بِأَمْرَأَةٍ هَوِيَتْهَا وَكَانَتْ تُعِيدُ الصَّنَمَ فِي دَارِهِ

مِنْ غَيْرِ عَلَيْهِ وَكَانَ مُلْكُهُ فِي خَاتَمِهِ فَتَرَعَهُ مَرَّةً عِنْدَ إِزَادَةِ الْخَلَاءِ وَرَضَعَهُ عِنْدَ إِثْرَاتِهِ الْمَسْفَاةَ
 بِالْأَمِينَةِ عَلَى عَادَتِهِ فَجَاءَهَا جِنِّي فِي صُورَةِ سُلَيْمَانَ فَأَخَذَهُ مِنْهَا وَالْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا هُوَ
 ذَلِكَ الْجِنِّي وَهُوَ صَخْرًا وَغَيْرُهُ جَلَسَ عَلَى كُرْسِيِّ سُلَيْمَانَ وَعَكَفَتْ عَلَيْهِ الطَّيْرُ وَغَيْرَهَا فَخَرَجَ
 سُلَيْمَانُ فِي غَيْرِ هَيْئَتِهِ فَرَأَهُ عَلَى كُرْسِيِّهِ وَقَالَ لِلنَّاسِ أَنَا سُلَيْمَانُ فَأَنكَرُوهُ ثُمَّ أَنَابَ ۝ رَجَعَ سُلَيْمَانُ
 إِلَى مُلْكِهِ بَعْدَ أَيَّامٍ بَانَ وَصَلَ إِلَى الْخَاتَمِ فَلَبَسَهُ وَجَلَسَ عَلَى كُرْسِيِّهِ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا
 يَبْلُغُنِي لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ۝ أَيُّ سِوَايَ نَحْوَفَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَيُّ سِوَى اللَّهِ إِنَّكَ أَنْتَ
 الْوَهَّابُ ۝ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رِضًا لِّبَنِيهِ حَيْثُ أَصَابَ ۝ أَرَادَ وَالشَّيْطَانُ كُلَّ بَنَاءٍ يَّبْنِي
 الْأَذْنِبِيَّةَ الْعَجِيبَةَ وَالْعَوَاصِفَ ۝ فِي الْبَحْرِ لِيَسْتَخْرِجَ اللُّؤْلُؤَ وَالْأَخْرِيْنَ مِنْهُمْ مُّقَرَّرِينَ مَشْدُودِينَ فِي
 الْأَصْفَادِ ۝ الْقَيْوُودُ بِجَمْعِ أَيْدِيهِمْ إِلَى اعْتِنَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُ هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَعْطِ مِنْهُ مَنْ شِئْتَ أَوْ
 أَمْسِكْ عَنِ الْإِعْطَاءِ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ أَيُّ لَا حِسَابَ عَلَيْكَ فِي ذَلِكَ وَإِنْ لَهُ عِنْدَنَا لَوْلْفِي وَحُسْنِ
 مَّآبٍ ۝ تَقَدَّمَ مِثْلَهُ

۱۱۳

ترجمہ: اور ہم نے آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو یکا ربے فائدہ پیدا نہیں کیا یہ یعنی ان چیزوں کو خالی
 از حکمت پیدا کرنا کفار مکہ کا گمان ہے سو کافروں کے لیے بڑی خرابی ہے یعنی جہنم کی تباہی یا جہنم کی وادی ہاں تو کیا ہم ان لوگوں کو
 جو ایمان لاتے اچھے کام کرتے ان لوگوں کو برابر کر دیں گے جو دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے
 برابر کریں گے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار مکہ مسلمانوں سے کہنے لگے کہ آخرت میں ہمیں بھی تم جیسا بدلہ ملے گا۔
 یہاں اہم بمعنی ہمزہ انکار ہے یہ ایک بابرکت کتاب ہے۔ مبتدا مخدوف ”حدا“ کی خبر ہے جس کو ہم نے آپ پر اس لیے نازل کیا
 ہے کہ لوگ غور کریں۔ اس کی اصل بتد بروا تھی تا کو دال میں ادغام کر دیا گیا اور نصیحت و موعظت حاصل کریں دانشور عقلمند اور ہم
 نے داؤد کو سلیمان عطا کیا۔ بیٹا بہت اچھے بندے تھے سلیمان یقیناً بہت رجوع کرنے والے تھے۔ ہر وقت تسبیح و ذکر
 میں مصروف رہتے جب شام کے وقت زوال کے بعد ان کے مدبر و اصل گھوڑے پیش کئے گئے۔ صافنات، صافنات کی جمع
 ہے، وہ گھوڑا جو تین ٹانگوں پر کھڑا ہو اور چوٹی ٹانگ کا کھر زمین پر رکھ لے۔ صفن یصفن صفونا (ض) سے ماخوذ
 ہے۔ عمدہ، جیاد، جید کی جمع ہے تیز رفتار گھوڑا یعنی ان گھوڑوں کو ٹھہرایا جائے تو ٹھہر جائے اور اگر ایڑھ لگائی جائے تو سب سے
 آگے نکل جائے۔ ہزار گھوڑے تھے جو ظہر بعد ان کے معائنہ کے لیے پیش ہوئے، دشمن سے جہاد کی تیاری کے سلسلہ میں نو

قوله: اِذْ عَرَضَ نَبِيُّ اٰوَابٍ كَاظِفٌ يَّهٗ۔

قوله: عَنْ ذِكْرِ رَبِّيَّ: اصل میں اَحْبَبْتُ سے متعدی بنا ہے نہ کہ عن سے کیونکہ وہ انحراف کے معنی میں ہے لیکن جب انبت کا قائم مقام ہوا تو اس کی طرح متعدی بن گیا۔

قوله: اِشْتَرَتْ: سورج کے غروب کو پردے میں چھپانے کی تشبیہ دی۔

قوله: مَسَحَ مَسْحًا: چھوٹا۔

قوله: هُوَ ذٰلِكَ الْجَنِّيُّ: وہ جسم تھا جس میں حقیقت سلیمانی نہ تھی۔

قوله: لِيُنۡتَهَ: نرم ہوا جو سخت آندھی نہ تھی۔

قوله: عَلٰى كُرۡسِيِّ سُلَيۡمَانَ: بقول اسرائیلیات کے یہ چالیس روز تھے۔

قوله: مَسۡدُوۡدِيۡنَ: قدرت الہی سے بندھے ہوئے تھے، خواہ جس شکل میں ہوں۔

قوله: وَحَسَنَ مَّآبٍ: اچھا انجام آخرت میں ہوگا۔

تفسیر مقبولین

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ....

مفسدین اور اعمال صالحہ والے، مؤمنین اور متقین اور فجار برابر نہیں ہو سکتے!

یہ تین آیات کا ترجمہ ہے ان سے پہلے داؤد علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا اور عنقریب حضرت سلیمان اور ان کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے ان تین آیات میں بطور جملہ معترضہ توحید و رسالت اور معاد کو بیان فرمایا یہی تینوں چیزیں ہیں جن کی طرف قرآن کریم برابر دعوت دیتا ہے اور ان کے ماننے پر آخرت کی بھلائی کا وعدہ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے اسے وجود بخشا یہ سب یوں ہی خواہ مخواہ اور بلا حکمت نہیں ہیں ان کے وجود کو دیکھ کر اول تو خالق کائنات جل مجدہ کی معرفت حاصل ہونی چاہیے اور پھر یہ بھی فکر کرنی چاہیے کہ ان چیزوں کے پیدا فرمانے میں حکمت کیا ہے؟ دنیا میں انسان بھی اور دوسری مخلوق بھی ہے آپس میں رحم بھی ہے، مظالم بھی ہیں، لڑائی جھگڑے بھی ہیں قتل و خون بھی ہیں اللہ تعالیٰ کے مؤمن بندے بھی ہیں اور کافر و مشرک بھی ہیں، موت بھی ہے اور حیات بھی ہے، یہ کارخانہ جو جاری اور ساری ہے خالق کائنات جل مجدہ نے اسے کیوں پیدا فرمایا اگر اس بات میں غور کیا جائے تو کچھ میں آجائے کہ اس کارخانہ میں جو کچھ بھی ہے سب اللہ تعالیٰ شانہ کی حکمت پر مبنی ہے ایمان و کفر، خیر و شر کا سلسلہ جاری ہے لیکن ایک دن یہ دنیا ختم ہو جائے گی قیامت واقع ہوگی سب حاضر ہوں گے اس وقت اہل ایمان کو ایمان کی جزا اور اہل کفر کو کفر کی جزا دی جائے گی جو لوگ وقوع قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے نزدیک موت کے بعد اچھے یا برے اعمال کا بدلہ ملنے والا

نہیں ہے ان کی بات کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ مؤمن ہیں متقی ہیں گناہوں سے بچتے ہیں وہ اور بڑے بڑے فاجر برابر ہو جائیں گے، یعنی نہ انہیں کوئی ثواب ملے گا نہ انہیں کوئی عذاب ملے گا ان لوگوں کا یہ گمان باطل ہے جو ان کے لیے ہلاکت اور بربادی کا سبب ہے اور وہ بربادی یہ ہوگی کہ یہ لوگ دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اہل ایمان اور اعمال صالحہ والے بندوں کا بڑا مرتبہ ہے یہ حضرات جنتی ہوں گے اور زمین میں فساد کرنے والے دوزخ میں جائیں گے اگر ان کافروں اور مفسدوں نے یہ سمجھا ہے کہ اہل ایمان کو نعمتیں نہ ملیں گی اور وہ ہماری طرح ہی ہوں گے مگر ختم ہو جائیں گے یا یہ سمجھا ہے کہ جو نعمتیں انہیں ملیں گی ہمیں بھی مل جائیں گی یہ ان کی حماقت ہے۔ (یہاں تک توحید اور معاد کا بیان ہوا)۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف ایک کتاب نازل کی ہے جو مبارک ہے اس کے ماننے اور پڑھنے پڑھانے اور اس پر عمل کرنے میں دنیا اور آخرت کی خیر ہی خیر ہے، آپ کے توسط سے جن لوگوں تک پہنچے ان کو چاہیے کہ اس کی آیات میں فکر کریں اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں تاکہ احکام شرعیہ کو جانیں اور ان پر عمل پیرا بھی ہوں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ:

اللہ تعالیٰ نے جو ایک بڑی نعمت حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی اس کا ذکر فرما رہا ہے کہ ان کی نبوت کا وارث ان کے لڑکے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بنا دیا۔ اسی لئے صرف حضرت سلیمان کا ذکر کیا اور نہ ان کے اور بچے بھی تھے۔ ایک سو عورتیں آپ کی لونڈیوں کے علاوہ تھیں۔ چنانچہ اور آیت میں ہے: (وَوَرِّثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنطِقَ الظُّلُمِ وَأَوْتَيْنَا مَن كُلِّ شَيْءٍ وَإِن هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ) (النمل: 16) یعنی حضرت داؤد کے وارث حضرت سلیمان ہوئے یعنی نبوت آپ کے بعد انہیں ملی۔ یہ بھی بڑے اچھے بندے تھے یعنی خوب عبادت گزار تھے اور اللہ کی طرف جھکنے والے تھے۔ کھول کہتے ہیں کہ جناب داؤد نبی نے ایک مرتبہ آپ سے چند سوالات کئے اور ان کے معقول جوابات پا کر فرمایا کہ آپ نبی اللہ ہیں۔ پوچھا کہ سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ کی طرف سکینت اور ایمان پوچھا کہ سب سے زیادہ مہنگی چیز کیا ہے؟ جواب ملا اللہ کی رحمت پوچھا سب سے زیادہ ٹھنڈک والی چیز کیا ہے؟ جواب دیا اللہ کا لوگوں سے درگزر کرنا اور لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دینا (ابن ابی حاتم) حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ان کی بادشاہت کے زمانے میں ان کے گھوڑے پیش کئے گئے۔ یہ بہت تیز رفتار تھے جو تین ٹانگوں پر کھڑے رہتے تھے اور ایک پیر یونہی ساز مین پر نکلتا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ پردار گھوڑے تھے تعداد میں بیس تھے۔ ابراہیم تسمی نے گھوڑوں کی تعداد بیس ہزار بتلائی ہے۔ واللہ اعلم ابو داؤد میں ہے حضور ﷺ تبوک یا خیبر کے سفر سے واپس آئے تھے گھر میں تشریف فرما تھے جب تیز ہوا کے جھونکے سے گھر کے کونے کا پردہ ہٹ گیا وہاں حضرت عائشہ کی کھیلنے کی گڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ کی نظر بھی پڑ گئی۔ دریافت کیا یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ نے جواب دیا میری گڑیاں ہیں آپ نے دیکھا کہ بیچ میں ایک گھوڑا سا بنا ہوا ہے جس کے دو پر بھی کپڑے کے لگے ہوئے ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا گھوڑا ہے فرمایا اور یہ اس کے اوپر دونوں طرف کپڑے کے کیا بنے ہوئے ہیں؟ کہا

دونوں اس کے پر ہیں۔ فرمایا اچھا گھوڑا اور اس کے پر بھی؟ صدیقہ نے عرض کیا کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان کے پر دار گھوڑے تھے، یہ سن کر حضور ﷺ ہنس دیئے یہاں تک کہ آپ کے آخری دانت دکھائی دینے لگے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے دیکھنے بھالنے میں اس قدر مشغول ہو گئے کہ عصر کی نماز کا خیال ہی نہ رہا بالکل بھول گئے۔ جیسے کہ حضور ﷺ جنگ خندق والے دن لڑائی کی مشغولیت کی وجہ سے عصر کی نماز نہ پڑھ سکے تھے اور مغرب کے بعد ادا کی۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ سورج ڈوبنے کے بعد حضرت عمرؓ کفار قریش کو برا کہتے ہوئے حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے حضور ﷺ میں تو عصر کی نماز بھی نہ پڑھ سکا۔ آپ نے فرمایا میں بھی اب تک ادا نہیں کر سکا۔ چنانچہ ہم بطحان میں گئے وہاں وضو کیا اور سورج کے فروب ہونے کے بعد عصر کی نماز ادا کی اور پھر مغرب پڑھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دین سلیمان میں جنگی صلاح کی وجہ سے تاخیر نماز جائز ہو اور یہ جنگی گھوڑے تھے جنہیں اسی مقصد سے رکھا تھا۔ چنانچہ بعض علماء نے یہ کہا بھی ہے کہ صلوة خوف کے جاری ہونے سے پہلے یہی حال تھا۔ بعض کہتے ہیں جب تلواریں تکی ہوئی ہوں لشکر بھڑ گئے ہوں اور نماز کے لئے رکوع و سجود کا امکان ہی نہ ہو تب یہ حکم ہے جیسے صحابہؓ نے تستر کی فتح کے موقع پر کیا تھا لیکن ہمارا پہلا قول ہی ٹھیک ہے اس لئے کہ اس کے بعد ہی حضرت سلیمان کا ان گھوڑوں کو دوبارہ طلب کرنا وغیرہ بیان ہوا ہے۔ انہیں واپس منگوا کر ان کے پاؤں کاٹ ڈالنے کا حکم دیا اور فرمایا میرے رب کی عبادت سے مجھے اس چیز نے غافل کر دیا میں ایسی چیز ہی نہیں رکھنے کا۔ چنانچہ ان کی کوچیں کاٹ دی گئیں اور ان کی گردنیں ماری گئیں۔ لیکن حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ آپ نے گھوڑوں کے پیشانی کے بالوں وغیرہ پر ہاتھ پھیرا۔ امام ابن جریر بھی اسی قول کو اختیار کرتے ہیں کہ بلا وجہ جانوروں کو ایذا پہنچانی ممنوع ہے ان جانوروں کا کوئی قصور نہ تھا جو انہیں کٹوا دیتے لیکن میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے یہ بات ان کی شرع میں جائز ہو خصوصاً ایسے وقت جبکہ وہ یا اللہ میں حارج ہوئے اور وقت نماز نکل گیا تو دراصل یہ حصہ بھی اللہ کے لئے تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان گھوڑوں سے بھی تیز اور ہلکی چیز اللہ نے اپنے نبی کو عطا فرمائی یعنی ہوا ان کے تابع کر دی۔ حضرت ابو قتادہؓ اور حضرت ابو دھماؓ اکثر حج کیا کرتے تھے ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک گاؤں میں ہماری ایک بدوی سے ملاقات ہوئی اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے بہت کچھ دینی تعلیم دی اس میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ سے ڈر کر تو جس چیز کو چھوڑے گا اللہ تجھے اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ۝

حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت سلیمان نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی تمام عورتوں کے پاس جاؤں گا (جو تعداد میں ستریا نوے یا سو کے قریب تھیں) اور ہر ایک عورت ایک بچہ بنے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ فرشتہ نے القاء کیا کہ ان شاء اللہ کہہ لیجئے۔ مگر (باوجود دل میں موجود ہونے کے) زبان سے نہ کہا خدا کا کرنا کہ اس مباشرت کے نتیجے میں ایک عورت نے بھی بچہ نہ بنا۔ صرف ایک عورت سے ادھورا بچہ ہوا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دایہ نے وہ ہی ادھورا بچہ ان کے تخت پر لا کر ڈال دیا۔ کہ لوایہ تمہاری قسم کا نتیجہ ہے (اسی کو یہاں جسد (دھڑ) سے تعبیر کیا ہے) یہ دیکھ کر حضرت سلیمان عداوت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہوئے۔ اور ان شاء اللہ نہ کہنے پر استغفار کیا۔ نزدیکان راہیں بود حیرانی۔ حدیث میں ہے کہ اگر ان شاء اللہ کہہ لیتے تو بیشک اللہ ویسا ہی کر دیتا جو ان کی تمنا تھی۔ (عجیبہ) اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر دوسری طرح کی ہے اور اس موقع

پر بہت سے بے سرو پا قے سلیمان علیہ السلام کی انگٹری اور جنوں کے نقل کیے ہیں جسے دلچسپی ہو۔ کتب تفاسیر میں دیکھ لے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ ولقد رویت ہذہ القصۃ مطولۃ عن جماعۃ من السلف وکلہا متلقاہ من نقص اہل الکتاب۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَاذْکُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أِنِّیْ اٰیُّ اَبْنٰی مَسْنٰی الشَّیْطٰنِ یُنْصِبُ بِضْرٍ وَعَذَابٌ ۝۱۰ اَلْم وَنَسَبَ
 ذٰلِکَ اِلٰی الشَّیْطٰنِ وَاِنْ کَانَتِ الْاَسْمَاءُ کُلُّهَا مِنْ اللّٰهِ تَادُّبًا مَعَهُ تَعَالٰی وَقِیْلَ لَهٗ اُرْکُضْ اِضْرِبْ بِرِجْلِکَ
 الْاَرْضَ فَضْرِبْ فَنَبَعَتْ عَیْنُ مَآءٍ فَقِیْلَ هٰذَا مَغْتَسِلٌ اٰیُّ مَا یُغْتَسَلُ بِهٖ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ۝۱۱ تَشْرَبُ مِنْهُ
 فَاغْتَسَلَ وَشَرِبَ فَذَهَبَ عَنْهُ کُلُّ دَآئِیْ کَانَ بَظَاهِرِهٖ وَبَاطِنِهٖ وَوَهَبْنَا لَهٗ اٰهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَعَهُمْ اٰیُّ
 اٰخِی اللّٰهُ لَهٗ مِنْ مَاتَ مِنْ اَوْلَادِهٖ وَرَزَقَهٗ مِثْلَهُمْ رَحْمَةً نِّعْمَةً مِّمَّا وَ ذِکْرٰی عِظَّةٌ لِاَوْلٰی الْاَلْبَابِ ۝۱۲
 لِاَصْحَابِ الْعُقُولِ وَخُدَّ بِیَدِکَ ضِعْفًا هُوَ حُرْمَةٌ مِنْ حَشِیْشٍ اَوْ قَضْبَانٍ فَاَضْرِبْ بِهٖ زَوْجَتَکَ وَقَدْ
 کَانَ حَلْفٌ لَیْضِرُّ بِنَهَا مِائَةَ ضَرْبَةٍ لِابْطَآئِهَآ عَلَیْهِ یَوْمًا وَلَا تَحْنُثُ ۝۱۳ بِتَرِکِ ضَرْبِهَا فَاخَذَ مِائَةَ عُرْدٍ مِنْ
 الْاِذْخِرِ اَوْ غَیْرِهٖ فَضْرَبَهَا بِهٖ ضَرْبَةً وَّاحِدَةً اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ ۝۱۴ اٰیُّوْبُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ۝۱۵ رِجَاعٌ
 اِلٰی اللّٰهِ تَعَالٰی وَ اذْکُرْ عَبْدَنَا اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ اَوْلِی الْاَیْدِیْ اَصْحَابِ الْقُرٰی فِی الْعِبَادَةِ وَ
 الْاَبْصَارِ ۝۱۶ الْبَصَائِرِ فِی الدِّیْنِ وَ فِی قِرَآءَةِ عِبْدَانَا وَاِبْرٰهٖمَ بَیٰنٌ لَهٗ وَمَا بَعْدُهٗ عَطْفٌ عَلٰی عِبْدِنَا اِنَّا
 اَخْلَصْنَهُمْ بِخَالِصَةٍ هِیْ ذِکْرٰی الدَّارِ ۝۱۷ الْاٰخِرَةَ اٰیُّ ذِکْرَهَا وَالْعَمَلُ لَهَا وَ فِی قِرَآءَةِ بِالْاِضَافَةِ وَ هِیْ
 لِلْبَیٰنِ وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفٰیْنَ الْمُخْتَارِیْنَ الْاَخِیَارِ ۝۱۸ جَمْعٌ خَیْرٍ بِالْتَشْدِیْدِ وَ اذْکُرْ
 اِسْمٰعِیْلَ وَ الْیَسَعَ هُوَ نَبِیُّ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ وَ ذَا الْکِفْلِ ۝۱۹ اُخْتَلِفَ فِی ثَبْرَتِهٖ قِیْلَ کَفَلَ مِائَةَ نَبِیٍّ قَرُّوْا اِلَیْهِ مِنْ
 الْقَتْلِ وَ کُلُّ اٰیُّ کُلُّهُمْ مِّنَ الْاَخِیَارِ ۝۲۰ جَمْعٌ خَیْرٍ بِالْتَقْفِیْلِ هٰذَا ذِکْرٌ ۝۲۱ لَهُمْ بِالنِّسَاءِ الْجَمِیْلِ هِنَا وَ اِنْ
 لِلْمُتَّقِیْنَ الشَّامِیْنَ لَهُمْ لِحُسْنِ مَا یُ ۝۲۲ مَرْجِعٌ فِی الْاٰخِرَةِ جَنَّتِ عَدْنٌ بَدَلٌ اَوْ عَطْفٌ بَیٰنٌ لِحُسْنِ
 مَا یُ مَفْتَحَةٌ لَهُمُ الْاَبْوَابُ ۝۲۳ مِنْهَا مُتَّکِبِیْنَ فِیْهَا عَلٰی الْاَرَا ۝۲۴ نِکَ یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِقَآکِهٖ کَثِیْرَةً وَ
 شَرَابٌ ۝۲۵ وَ عِنْدَهُمْ قِصْرُ التَّرْفِ حَآبِسَاتِ الْعَیْنِ عَلٰی اَرْوَاجِهِنَّ اَتْرَابٌ ۝۲۶ اَسْنَانُهُنَّ وَاحِدَةٌ

وَمَنْ بَنَى ثَلَاثَ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِينَ سَنَةً جُمِعَ تَرْبُ هَذَا الْمَذْكُورِ مَا تَوَعَّدُونَ بِالْعَنِيَةِ وَبِالْحِطَابِ الثَّقَانَا
 لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ أَيْ لِأَجْلِهِ إِنَّ هَذَا لِرِزْقِنَا مَا لَهُ مِنْ نَفَادٍ ۝ أَيْ انْقِطَاعِ وَالْحُمْلَةُ خَالٍ مِنْ رِزْقِنَا
 أَوْ خَيْرَتَانِ لِأَنَّ أَيْ دَائِمًا أَوْ دَائِمٌ هَذَا الْمَذْكُورُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَ إِنَّ لِلطَّغِيئِينَ مُتَنَانِفَ لَشَرِّ
 مَا ب ۝ جَهَنَّمَ ۝ يَصْلَوْنَهَا ۝ يَدْخُلُونَهَا فَيَسُّسُ الْبِهَادُ ۝ الْفِرَاشُ هَذَا أَيْ الْعَذَابُ الْمَفْهُومُ مِمَّا
 بَعْدَهُ فَلْيَبْذُوقُوهُ حَيِيمٌ أَيْ مَاءٌ حَارٌّ مُحْرِقٌ وَ غَسَاقٌ ۝ بِالتَّخْفِيفِ وَ التَّشْدِيدِ مَا سَبَّلَ مِنْ صَدِيدِ أَهْلِ
 النَّارِ وَ آخِرُ بِالْجَمْعِ وَ الْإِفْرَادِ مِنْ شَكْلِهِ أَيْ مِثْلُ الْمَذْكُورِ مِنَ الْحَمِيمِ وَ الْغَسَاقِ أَرْوَاحٌ ۝ أَصْنَافٌ أَيْ
 عَذَابُهُمْ مِنْ أَنْوَاعٍ مُخْتَلِفَةٍ وَ يُقَالُ لَهُمْ عِنْدَ خَوْلِهِمُ النَّارُ بِاتِّبَاعِهِمْ هَذَا قَوْجٌ جَمْعٌ مَقْتَحَمٌ دَاخِلٌ
 مَعَهُمُ ۝ النَّارُ بِشِدَّةِ نِقْمَتِ الْمَشْبُوعُونَ لَا مَرَجًا بِهِمْ ۝ أَيْ لَا سَعَةَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارَ ۝ قَالُوا
 أَيْ الْآتِبَاعُ بَلْ أَنْتُمْ ۝ لَا مَرَجًا بِكُمْ ۝ أَنْتُمْ قَدْ مَتَّوْهُ أَيْ الْكُفْرَ لَنَا ۝ فَيَسُّسُ الْقَرَارُ ۝ لَنَا وَ لَكُمْ النَّارُ
 قَالُوا أَيْضًا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا فَرْدُهُ عَدَا بَابًا ضَعْفًا أَيْ مِثْلُ عَذَابِهِ عَلَى كُفْرِهِ فِي النَّارِ ۝ وَ قَالُوا
 أَيْ كُفْرًا مَكَّةَ وَ هُمْ فِي النَّارِ مَا لَنَا لَا نَرَى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْأَشْرَارِ ۝ اتَّخَذَتْهُمْ
 سَخْرِيًّا بِضَمِّ السِّينِ وَ كَسْرِهَا أَيْ كُنَّا نَسْخَرُ بِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْيَأْسَ لِلنِّسْبَةِ أَيْ أَمَقُّوْ دُونَ هُمْ أَمْ رَاغَتْ
 نَالَتْ عَنْهُمْ الْأَبْصَارُ ۝ فَلَمْ نَرَهُمْ وَ هُمْ قَرَرُوا الْمُسْلِمِينَ كَعَمَارٍ وَ بِلَالٍ وَ عِثْبَانَ وَ سَلْمَانَ إِنَّ ذَلِكَ
 لَحَقٌّ وَاجِبٌ وَ قُوْعُهُ وَ هُوَ تَخَاصُّمُ أَهْلِ النَّارِ ۝ كَمَا تَقَدَّمَ

۳۵۹

توجہ: اور آپ ہمارے بندے ایوب کو یاد کیجئے جب کہ انھوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج تکلیف
 اور آزار پہنچایا ہے صدمہ اس کی نسبت شیطان کی طرف کی ہے حالانکہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہوتی ہے محض اللہ کا ادب مقصود
 ہے ایوب علیہ السلام سے فرمایا کہ مار اپنے پاؤں زمین پر چنانچہ انھوں نے جوں ہی زمین پر پاؤں مارا پانی ایلنے لگا فرمایا گیا کہ یہ
 نہانے کے لیے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لیے چنانچہ ایوب نے اس پانی سے غسل بھی کیا اور اس کو پیا بھی جس سے ان کے
 ظاہری باطنی قسم کے روگ دور ہو گئے اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطا فرمایا اور ان کے ساتھ انھیں جیسے اور بھی یعنی اللہ نے ان کے
 درجات پائے ہوئے اہل و عیال جیسے اور فوت شدہ رزق جیسا اور عنایت فرمایا اپنی رحمت نعت خاصہ سے اور دشمنوں یعنی
 کھنڈروں کے لیے یادگار سبق آموز رہے اور تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لوہا س کا پھایا سینکوں کا اور اس سے مارہ

اپنی بیوی کو حضرت ایوب نے قسم کھائی تھی کہ میں سو کوڑے ماروں گا جب کہ ایک روز کام سے واپس گھر پہنچنے میں دیر کر دی تھی اور قسم نہ توڑیے مارنا ملتوی کر کے چنانچہ حضرت ایوب نے اذخر (گھاس) کی سو قچیاں اکٹھی کر کے ایک ہی دفعہ بیوی کے مار دیں بلاشبہ ہم نے ایوب کو صابر پایا ایوب اچھے بندے تھے بہت رجوع کرنے والے اللہ کی طرف متوجہ ہونے والے تھے اور ہمارے بندوں، ابراہیم و اسحاق و یعقوب کو یاد کیجئے جو طاق تو رعبادت کرنے میں مضبوط اور دانشور تھے دینی سمجھ بوجھ رکھنے والے اور ایک قراءت میں عبدنا ہے اور ابراہیم اس کا بیان ہے اور یعقوب سے بعد والی عبارت کا عبدنا پر عطف ہے ہم نے ان کو ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کر رکھا تھا یعنی آخرت کی یاد سے عقبی کے ذکر اور اس کے لیے عمل کرنے کی دھن تھی اور ایک قراءت میں اضافت بیانہ کے ساتھ ہے اور وہ ہمارے برگزیدہ منتخب اور اچھے لوگوں میں سے ہیں اختیار خیر مشد کی جمع ہے اور اسماعیل اور الیسع جو کہ نبی تھے الف لازم زائد ہے اور ذوالکفل کو یاد کیجئے ان کی نبوت مختلف فیہ ہے بعض کی رائے ہے کہ سو پیغمبروں کی انھوں نے کفالت کر لی تھی جو قتل ہونے سے بچ کر ان کی پناہ میں آگئے تھے اور یہ سب بہت اچھے لوگوں میں تھے اختیار خیر مشد کی جمع ہے یہ ایک یادداشت ہے ان کی خوبیوں کی اور یقیناً تمام پرہیزگاروں کے لیے جن میں یہ بھی ہیں اچھا ٹھکانہ آخرت کا گھر ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں یہ حسن مآب کا بدل یا عطف بیان ہے جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہوں گے وہ ان باغات میں گدوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ وہاں بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی محض اپنے شوہروں پر نگاہ رکھنے والی ہم عمر عورتیں ہوں گی سب کی عمریں یکساں ہوں گی یعنی ۳۳/ سال اترا اب تراب کی جمع ہے یہ مذکورہ مضمون وہ ہے اس کا جس کا تم سے صیغہ غائب سے صیغہ خطاب میں التفات ہے روز حساب آنے پر بالضرور وعدہ کیا گیا ہے بلاشبہ یہ ہماری نوازش ہے جس کا سلسلہ دوامی رہے گا منقطع نہیں ہوگی۔ اور جملہ حال ہے رزقا سے یا ان کی خبر ثانی ہے اول صورت میں داما اور دوسری صورت میں دائم کے معنی ہوں گے یہ مؤمنین کے لیے ہے اور سرکشوں کے لیے جملہ مستانفہ ہے براٹھکانہ جہنم ہے جس جہنم میں ڈالے داخل کئے جائیں گے جو بہت بری جگہ بچھونا ہے یعنی جو عذاب بعد میں بیان کیا جا رہا ہے چکھو کھولتا ہوا پانی انتہائی گرم جلادینے والا پیپ تخفیف اور تشدید کے ساتھ وہ کچھو جو دوزخیوں کے زخموں سے نہ بے گا اور دوسری بھی لفظ جمع اور مفرد کے ساتھ ہے اس قسم کی جیسے کھولتے ہوئے پانی اور کچھو ڈال کر ہوا طرح طرح کی چیزیں ہوں گی یعنی عذاب کی مختلف قسمیں ہوں گی۔ جب انھیں اپنے پیرکاروں سمیت دوزخ میں ڈالا جائے گا تو یوں کہا جائے گا کہ یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ گھس رہی ہے دوزخ میں زبردستی کر کے پیش رو بولیں گے ان پر خدا کی مار یعنی انھیں چین نہ ملے یہ بھی دوزخ میں آ رہے ہیں کہیں گے پیرکار بلکہ تم پر ہی خدا کی مار تم نے ہی تو اس تکفیری لفظ کو پیش کیا ہے ہمارے سو بہت براٹھکانہ ہے ہمارے تمہارے لیے دوزخ دعا کریں گے کہ نیزاے ہمارے پروردگار جو شخص ہمارے آگے لایا اس کو دوزخ میں دوگنا عذاب دیتے ہیں اس کو جتنا کفر پر عذاب ہو اسی کے مثل دوزخ میں اس کو اور وہ لوگ کفار مکہ دوزخ میں رہتے ہوئے کہیں گے کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو ہم برے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے کیا ہم نے ان کی دنیا میں ہنسی کر رکھی تھی سین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ یعنی دنیا میں ہم میں سے ہر ایک ان کا مذاق اڑاتا تھا یا نسبتی ہے کیا وہ لوگ موجود نہیں ہیں یا ان سے ہماری نگاہیں چکرا رہی ہیں اس لیے ہمیں نظر نہیں آتے اور اس شان کے لوگ مسلمان غرباء فقراء

ہیں جسے عمار، بلال، صہیب، سلمان رضی اللہ عنہم اجمعین یہ بات سچ ہے واجب. لوقوع ہے یعنی دوزخیوں کا آپس میں جھگڑنا جیسا کہ گذر چکا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: هُوَ حُزْمَةٌ لَكَرِيُولٍ كَاكْهَاتٍ، گھاس کا مٹھا۔

قوله: الْأَخْيَارِ جَمْعُ خَيْرٍ: صاحب خیر۔

قوله: فَرَزُوا لِلَّهِ مِنَ الْقَتْلِ: یہ بنی اسرائیل سے تھے، جنہوں نے ایک سو پچیس گروہوں کو پناہ دی۔

قوله: هَذَا إِذْ كَرِهَ: ان کے مقدم مذکور اعمال کی طرف اشارہ کیا۔

قوله: أَسْنَانُهُنَّ: جمع سنہ۔

قوله: لِأَجَلِهِ: حساب یہ بدلے کے ملنے کی علت ہے، اس سے لیووم کی لام تعلیلیہ ہے۔

قوله: هَذَا: مبتداء لِلْمُؤْمِنِينَ: خبر ہے۔

قوله: هَذَا: یہ خبر مقدم اور اس کا مبتداء مؤخر العذاب ہے۔

قوله: حَيْبُهُ: یعنی گرم پانی یہ محذوف مبتداء ہو کی خبر ہے۔

قوله: بِالْجَمْعِ: یعنی ہنزہ مضموم کے ساتھ اور ہنزہ مفتوح مانیں تو مفرد پڑھیں گے۔

قوله: أَضْغَافُهُ: پس ازواج یہاں آخر کی خبر ہے۔

قوله: النَّارِ: اِقْتِامٌ: گھس جانا، زبردستی داخل ہونا۔

قوله: عَذَابًا ضَعْفًا: یعنی ایسا عذاب جو بڑھائی والا ہو۔

قوله: إِنَّ ذَلِكَ: یہ جہنم نے بیان کیا۔

تفسیر مقبولین

وَأَذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور دعا اور شفا یابی کا تذکرہ:

ان آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے ابتلاء اور امتحان میں ان کے کامیاب ہونے کا ذکر ہے سورۃ الانبیاء، رکوع نمبر ۶ میں لگ بھگ ان کا یہ تذکرہ مگر چکا ہے قرآن مجید میں ان کے واقعہ کا اجمالی ذکر ہے تفصیلی حالات جاننے کا کوئی راستہ نہیں ہے رسول اللہ

یعنی ﷺ کے ارشاد سے صرف اتنا ثابت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام غسل فرما رہے تھے سونے کی ٹنڈیاں گریں تو انہیں جمع کرنے لگے (جیسا کہ ہم عنقریب ہی پوری حدیث ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ) حضرت ایوب علیہ السلام کے دکھ تکلیف کے تفصیلی حالات اور مدت ابتلاء اور دیگر امور سے متعلق بعض چیزیں حضرت ابن عباسؓ سے اور بعض حضرت قتادہ (تابعیؓ اور بعض حضرت حسن (تابعیؓ سے منقول ہیں جنہیں حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے درمنثور میں لکھا ہے لیکن یہ چیزیں اسرائیلی روایات ہیں جن پر اعتماد کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔

قرآن مجید کی تصریحات سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت ایوب علیہ السلام سخت تکلیف میں مبتلا کیے گئے۔

(لیکن حضور اکرم ﷺ سے کوئی روایت نہیں کہ آپ ﷺ نے ایک حرف بھی اس بارے میں فرمایا ہو مگر صرف اتنا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نہار ہے تھے تو ان پر ٹنڈی کی ایک سونے کی ٹانگ آ پڑی پس جب اس بارے میں نہ قرآن سے کوئی ثبوت ہے اور نہ صحیح حدیث سے تو پھر اس بات کی سند حضرت ایوب علیہ السلام تک کیسے پہنچ سکتی ہے یا کون ہے جس نے یہ بات حضرت ایوب علیہ السلام سے سنی ہو۔ اسرائیلی روایات علماء کے نزدیک دلائل کی محتاج ہیں لہذا تم اس قسم کے واقعات کو پڑھنے سے آنکھیں بند کر لو اور ان کے سننے سے کان بھی بند کر لو تو ان روایات سے بس ذہن میں خیال ہی آئیں گے اور دل میں واہیات باتیں پیدا ہوں گی۔)

(۲) شیطان نے انہیں تکلیف پہنچائی۔

(۳) تکلیف جانی بھی تھی اور مالی بھی۔

(۴) ان کے اہل و عیال بھی ختم کر دیئے گئے تھے۔

(۵) اس پر انہوں نے بہت صبر کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی کہ **إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا**، بے شک ہم نے ان کو صابر پایا (نَعَمَ الْعَبْدُ) اچھے بندے تھے ایوب (إِنَّهُ أَقَابُ) بے شک بہت رجوع کرنے والے تھے۔

اسرائیلی روایات میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام سات سال اور چند ماہ سخت تکلیف میں مبتلا رہے (نعم الباری ص ۳ سال اور ۱۳ سال اور ۷ سال ذکر کیا ہے اور قول ثانی کو صحیح بتایا ہے ص ۶ ص ۴۲۲) مال اور اہل و عیال کچھ بھی پاس نہ رہا تھا جبکہ پہلے طرح طرح کی نعمتوں سے مالا مال تھے صرف ان کی بیوی ان کے پاس رہ گئی تھی جو ان کی خدمت کرتی رہتی تھی اس دفا دار بیوی کا نام رحمت تھا، انہوں نے جو دعاء کی تھی اس کے الفاظ سورۃ الانبیاء میں یوں ہیں: **(أَلَيْسَ مَسِيئِي الظُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ)** (بے شک مجھے تکلیف پہنچ گئی اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔)

اور سورۃ ص میں یوں ہے: **(إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَلَيْسَ مَسِيئِي الشَّيْطَانُ يَنْصِبُ وَعَدَابُ)** (کہ شیطان نے مجھے دکھ پہنچا دیا اور تکلیف پہنچا دی) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ نصب مشقت کے معنی میں آتا ہے اور زیادہ تر کام کاج کی وجہ سے جو ٹھنسا ہو جائے اس کے لیے استعمال ہوتا ہے اور عذاب سے الم مراد ہے جسے سورۃ الانبیاء میں الضر سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا ہے کہ النصب اور الضر سے جسمانی تکلیف اور عذاب سے اہل اور مال ضائع ہونے کی تکلیف مراد ہے۔

جب اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی رعاء قبول فرمائی تو فرمایا: اَرْكُضْ بِرِجْلِكَ کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو، انہوں نے پاؤں مارا تو وہاں سے چشمہ جاری ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هَذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَ شَرَابٌ ۝ (یہ غسل کرنے کی چیز ہے جو ٹھنڈی ہے اور پینے کی چیز ہے) چنانچہ انہوں نے غسل کیا اور پانی پیا جسم درست ہو گیا شفاء کامل حاصل ہو گئی ظاہری اور باطنی طور پر بالکل صحت اور عافیت اور سلامتی والی زندگی مل گئی۔

ان کے اہل و اولاد جو ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے واپس ان کے پاس پہنچا دیئے اور سب کو عیش و عشرت والی زندگی عطا فرمادی۔

پھر ان لوگوں سے آگے نسل چلی اور اتنی زیادہ نسل پھیلی پھولی کہ جس قدر ان کی پہلی نسل کے افراد تھے اسی قدر اللہ تعالیٰ نے مزید افراد پیدا فرمادیئے (وَوَهَبْنَا لَهُمْ أَهْلَهُمْ وَمَشَاهِمُ مَعَهُمْ کا ایک مطلب یہی بیان کیا گیا ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ میرا میلان بھی اسی طرف ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی اولاد لقمہ اجل بن گئی تھی سب مر گئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ اتنی ہی اولاد دے دی اور اس کے علاوہ مزید اتنی ہی اولاد اور دے دی سنن ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جس دن تکلیف پہنچی وہ بدھ کا دن تھا اور جس دن انہیں عافیت ملی وہ منگل کا دن تھا (باب فی ای الایام یحتجم) رَحْمَةً مِنَّا وَ ذِكْرًا لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ یہ ہماری طرف سے رحمت خاصہ کے طور پر تھا اور عقل والوں کے لیے ایک یادگار تھی (تا کہ اہل عقل یہ سمجھیں اور یاد رکھیں کہ صابرین کو اللہ تعالیٰ کیسی اچھی اچھی جزا عطا فرماتا ہے) وَ خُذْ بِبَيْدِكَ وَ ضَعْفًا --- حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری کے زمانہ میں اپنی بیوی سے ناراض ہو گئے تھے۔ ناراضگی کا کیا سبب تھا اس کے بارے میں تفسیر کی کتابوں میں کئی باتیں لکھی ہوئی ہیں اور ہیں سب اسرائیلی روایات۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیطان معالج کی صورت بنائے ہوئے جا رہا تھا ان کی بیوی نے اس سے کہا کہ میرے شوہر کا علاج کر دے، شیطان نے کہا کہ میں علاج تو کر دوں گا مجھے کوئی فیس اور دوا کی قیمت کی ضرورت نہیں ہاں جب تیرا شوہر اچھا ہو جائے تو صرف اتنا کہہ دینا تو نے شفا دی، حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے اس کو مان لیا پھر ان سے تذکرہ کیا انہیں یہ بات ناگوار ہوئی اور فرمایا کہ تو نے شیطان سے یہ وعدہ کر لیا کہ اس کے بارے میں یوں کہہ دیا جائے کہ تو نے شفا دی؟ میں اچھا ہو گیا تو تجھے سو لجیاں ماروں گا جب اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا دے دی تو قسم پورا کرنے کا خیال آیا اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھالے لو اور اس کو ایک مرتبہ اپنی بیوی کے جسم پر مارو جب ایسا کر لو گے تو تمہاری قسم پوری ہو جائے گی اور حادث ہونے سے بچ جاؤ گے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا چونکہ اللہ تعالیٰ شانہ نے خود ہی انہیں یہ عمل بتایا اور فرمایا کہ تم قسم توڑنے والے نہ بنو اور اس عمل کو قسم پورا ہونے کی جگہ قبول فرمایا اس لیے ایسا نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی شخص سو کوڑے یا سو لجیاں مارنے کی قسم کھالے اور اکتھی سو سینکیں مار کر قسم پوری کرنے والوں میں شمار ہو جائے اور قسم توڑنے کے گناہ سے بچ جائے جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں ان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اس سے قسم پورا کرنے کی ضرورت اور اہمیت معلوم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ

چاہتا تو ان کی قسم کے ٹوٹ جانے کو بالکل ہی معاف فرمادیتا لیکن بالکل معاف نہیں فرمایا کچھ نہ کچھ ایسا عمل کروا ہی دیا جس سے قسم پر پورا اترنے کی شرعی حیثیت باقی رہے اسی طرح کا ایک واقعہ سنن ابی داؤد شریف میں مذکور ہے جو حضرت ابوامامہ بن بیل بن حنیف سے مروی ہے کہ ایک شخص جو بہت ہی زیادہ ضعیف ہو چکا تھا وہ ایک باندی کے ساتھ زنا کر بیٹھا پھر اسے احساس ہوا تو انصار کے جو لوگ اس کی عیادت کرنے گئے انہیں صورت حال بتادی اور کہا کہ میرے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے نبوی طلب کرو ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے واقعہ پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا کہ وہ شخص اتنا زیادہ ضعیف اور ضعیف ہے کہ ہڈیوں پر صرف کھال رہ گئی ہے اگر ہم اسے آپ کی خدمت میں لے کر آئیں تو اس کی ہڈیاں ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائیں گی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ کھجور کی ایک ٹہنی کے سوا اجزاء لے لو اور ایک ساتھ سب کو ایک مرتبہ مار دو۔

(سنن ابی داؤد ج ۲، ص ۲۵۸)

اس سے بھی وہی بات سمجھ آ رہی ہے کہ وہ شخص زنا کرنے کی وجہ سے سو کوڑوں کی سزا کا مستحق تھا لیکن موت کی سزا کا مستحق نہ تھا اب اسے سو کوڑے مارے جاتے تو مر جاتا اور جان سے مار دینا مقصود نہ تھا اور حد کو بالکل ہی ختم کر دینا بھی شریعت کے مزاج کے خلاف تھا کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: (وَلَا تَأْخُذْ كُفْرًا بِيَهْتَارَ آفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ) (اور اللہ کے دین میں تمہیں دم نہ پکڑے کہ تم زانی اور زانیہ پر رحم کھا جاؤ) لہذا حد کو معطل نہیں فرمایا بلکہ کچھ نہ کچھ سزا دلوا ہی دی تاکہ امت ہوشیار اور بیدار رہے اور حد جاری کرنے میں کسی طرح کی ڈھیل کو برداشت نہ کرے۔

فائدہ: دعا کی قبولیت اور برکات:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کیا حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی سخت بیماری کے دنوں میں صحت و عافیت کے لیے دعا نہیں کی! اور اگر کی تھی تو کیوں قبول نہ ہوئی، بات یہ ہے کہ بظاہر حضرت ایوب علیہ السلام دعا سے غافل تو نہ رہے ہوں گے لیکن اللہ جل شانہ کی قضا و قدر میں جب تک انہیں جتلا رکھنا تھا اس وقت تک ابتلاء باقی رہا اور دعا کا ثواب انہیں ملتا رہا اور آخرت میں درجات کی بلندی کے لیے یہ دعائیں ذخیرہ بنتی رہیں، مؤمن بندہ کی کوئی دعا ضائع نہیں جاتی۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی مسلمان کوئی دعا کرتا ہے جو گناہ کی یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ضرورت میں چیزوں میں سے ایک عطا فرمادیتا ہے۔

(۱) جو دعا کی اس کے مطابق اس دنیا میں جلدی مقصد پورا کر دیا جاتا ہے۔

(۲) یا اس دعا کو اس کے لیے آخرت کا ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے۔

(۳) یا اس جیسی آنے والے مصیبت اس سے پھیر دی جاتی ہے (یعنی آنے سے رک جاتی ہے) صحابہؓ نے عرض کیا اس

تو ہم پھر خوب زیادہ دعائیں کریں گے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ (بھی) بہت زیادہ دینے والا ہے۔

(رواہ احمد کما فی السطو ص ۱۹۶)

سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر کے موافق ہوتا ہے:

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب حضرت ایوبؑ کو تکلیف پہنچی تھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دعا کرنا بھلا دیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرتے تھے لیکن دعا نہ کرتے تھے اور چونکہ وہ تکلیف کو اللہ کی رضا سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کی رغبت اسی میں تھی کہ تکلیف میں رہوں (بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت ایوبؑ کی اہلیہ نے عالت کی دعا مانگنے کی بات کہی تو فرمایا ہم ستر سول عیش و آرام میں رہے اب صبر کرو جب ستر سال تکلیف میں گزار جائیں گے اس کے بعد دعا کریں گے۔) (روح المعانی ص ۲۰۷: ۲۲ ج) پھر جب اللہ تعالیٰ کو ان کی تکلیف دور کرنا منظور ہوا، تو انہیں دعا کرنے کی توفیق دے دی اور انہیں دعا کرنا یاد آ گیا جب دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور مال و دولت آل و اولاد جو کچھ جا رہا تھا اس کا دو گنا عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی کہ: **إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ** ﴿۱۰﴾

(ذکرہ فی الدر المنثور ص ۳۲۸: ۱ ج)

بات یہ ہے کہ پورے عالم میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے موافق ہوتا ہے دعا بھی اسی وقت مقبول ہوتی ہے جب کامیابی کا وقت آ جاتا ہے اور دوا بھی جب ہی اثر کرتی ہے جب اللہ تعالیٰ کی رضا اور قدر میں شفا دینا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو پورا پورا اختیار ہے کہ جسے چاہے جتنا آرام دے اور جسے چاہے تکلیف کے ذریعہ آ زمانے اور مؤمن بندوں کے لیے چونکہ تکلیف میں بھی خیر ہی خیر ہے (اس پر ثواب ملتا ہے اور آخرت میں درجات بلند ہوتے ہیں) اس لیے ان کے لیے تکلیف میں مبتلا ہونا بھی خیر ہی خیر ہے کوئی شخص یوں نہ سمجھے کہ فلاں شخص دیکھنے میں تو اتنا نیک ہے پھر یہ اتنی بڑی تکلیف میں مبتلا ہوا ہے تو ضرور کسی بڑے گناہ میں مبتلا ہوا ہوگا۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جب مصیبت والوں کو ثواب دیا جائے گا تو آرام و عافیت والے تمنا کریں گے کہ کاش ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی جاتیں۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۱۳۷)

حضرت ابن عباسؓ نے جو یہ فرمایا کہ حضرت ایوبؑ نے اپنے تکلیف کے دنوں میں دعا کو بھولے رہے اس کی تائید میں حضرت ابان بن عثمانؓ کی ایک بات سنیے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت عثمانؓ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ روزانہ صبح و شام تین مرتبہ (بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیء فی الارض ولا فی السماء وهو السميع العليم) پڑھ لیا کرے تو اسے کوئی چیز بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی حضرت ابان نے حدیث تو بیان کر دی لیکن ان کے جسم پر ایک جگہ فالج کا اثر تھا جس شخص سے انہوں نے حدیث بیان کی وہ ان کی طرف (تعب کی نظروں سے) دیکھنے لگا حضرت ابان نے اس کی نظروں کو بھانپ لیا اور فرمایا تم مجھے کیا دیکھ رہے ہو؟ خوب سمجھ لو بلا شک و شبہ حدیث اسی طرح ہے جیسا کہ میں نے بیان کی لیکن بات یہ ہے کہ جس دن مجھے یہ تکلیف پہنچی ہے میں نے اس دعا کو نہیں پڑھا تھا (یعنی بھول گیا تھا) تاکہ اللہ اپنی تقدیر کے فیصلے کو نافذ فرمادے۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ و ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۲۰۹)

تکمیل تذکرہ حضرت ایوب علیہ السلام:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس درمیان میں کہ ایوب علیہ السلام (تنہا میں) نئے غسل کر رہے تھے ان کے اوپر سونے کی ٹڈیاں گر گئیں وہ انہیں اپنے کپڑوں میں سمیٹنے لگے اللہ تعالیٰ نے انہیں پکارا کہ اسے ایوب کیا میں نے تمہیں غنی نہیں بنا دیا تمہارے سامنے جو کچھ ہے اس کی ضرورت نہیں عرض کیا آپ کی عزت کی قسم آپ نے مجھے غنی بنا دیا ہے لیکن میں آپ کی برکت سے بے نیاز نہیں ہوں۔

(حضرت علامہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں اگر تم کہو کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری کے شروع ہی میں دعاء کیوں نہیں مانگی تو میں کہتا ہوں اس لیے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے خیال کیا کہ اس آزمائش میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم میں بندہ کا کوئی تصرف نہیں ہے یا یہ کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے شروع ہی میں تکلیف دور ہونے کی دعاء نہیں مانگی۔)

فتح الباری ۲۰ جلد ۶ میں بحوالہ احمد وابن حبان حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو عافیت دے دی یعنی ان کا مرض دور فرما دیا تو ان پر سونے کی ٹڈیاں برسادیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹڈیوں کا برسنا مرض سے شفا یاب ہونے کے بعد کی بات ہے۔

فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام دکھ و تکلیف میں مبتلا ہوئے تو ہر شخص نے انہیں چھوڑ دیا البتہ ان کے دوستوں میں دو شخص ان کے پاس صبح و شام آنا جانا رکھتے تھے ایک دن ان دونوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ ضرور ایوب نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے ایسی بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کی اس مصیبت کو ضرور دور فرمادیتا جس شخص سے یہ بات کہی گئی تھی اس نے ایوب علیہ السلام سے اس کا تذکرہ کر دیا اس پر وہ رنجیدہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی پھر قضاء حاجت کے لیے چلے گئے اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو انہوں نے زمین پر پاؤں مارا تو ایک چشمہ جاری ہو گیا جس میں انہوں نے غسل کیا اور بالکل صحیح اور تندرست ہو گئے اب جو ان کی بیوی آئی تو انہیں پہچان نہ سکی اور خود انہی سے دریافت کیا کہ یہاں جو مریض تھا وہ کہاں گیا ایسا تو نہیں کہ اسے بھیڑ یا کھا گیا ہو حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ میں ہی ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی تندرستی دے دی اور ان کی بیوی پر بھی جوانی لوٹا دی یہاں تک کہ اس کے بعد ان سے ۲۶ لڑکے پیدا ہوئے۔ فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے (جن میں کھیتی کانٹے کے بعد غلہ جمع کیا جاتا ہے) ایک کھلیان گیہوں کا دوسرا کھلیان جو کا تھا اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا جس نے گیہوں والے کھلیان میں اتنا سونا برسایا کہ بہنے لگا اور جو کھلیان میں اتنی چاندی برسائی کہ وہ بھی بہ پڑی۔ (فللہ الحمد علی انعامہ)

إِنَّا أَخْلَصْنَهُمْ بِحَالِصَةِ ذِكْرِي الدَّارِ

اس سے دار آخرت کی تذکیر و یاد دہانی کی عظمت شان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان حضرات انبیائے کرام کا اصل کام دار آخرت کی تذکیر و یاد دہانی ہی رہا۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے انکو جن لیا تھا آخرت کے گھر کی تذکیر و یاد دہانی کے لیے۔ یعنی

آخرت کی یاد کہ اصل گمروہی ہے (وَإِنَّ الْأَخْيَرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ) (المومن: 39)۔ یہ دنیا تو محض ایک گزرگاہ اور عارضی منزل ہے۔ سو حضرات انبیائے کرام کا اصل امتیاز اور ان کی خصوصی شان بس اسی دارِ آخرت کی تذکیر و یاد دہانی تھی۔ مگر انہوں نے آج اس مادی دور میں انسانِ آخرت کے اپنے اس حقیقی گھر اور اس کے تقاضوں کو بھول گیا۔ اور ان کو پس پشت ڈال کر وہ اسی فانی اور عارضی دنیا کی چمک دکھ میں کھو کر اور الجھ کر رہ گیا۔ اور اس نے اسی دنیا کی عارضی لذتوں اور فانی عیش پرستیوں کے لئے جینا اور انہی کے لئے مرنا گویا اپنا نصب العین اور مقصد حیات بنا لیا ہے۔ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ - آخرت کی یاد تمام صلاح و فلاح کی اساس و بنیاد اور شاہ کلید ہے۔ اگر انسان اس سے غافل اور لاپرواہ ہو جائے تو وہ ایک بے تھا نیل بن کر رہ جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ شیطان کے ہتھے چڑھ کر ہلاکت و تباہی کی راہ پر چل پڑتا ہے۔ جبکہ آخرت کی یاد سے انسان فکر مند رہتا ہے اور وہ لغزشوں کے باوجود صراطِ مستقیم پر گامزن رہتا ہے۔ اس لیے اللہ پاک نے حضرات انبیائے کرام کی قدسی صفات ہستیوں کو آخرت کی تذکیر و یاد دہانی کیلئے جن لیا تھا۔ تاکہ لوگ آخرت کی اپنی اس اصل حقیقی اور ابدی زندگی کو یاد کر کے اس کے لیے تیاری کریں۔

وَالذِّكْرُ أَسْبَغٌ وَاللَّيْسُ وَذَا الْكِفْلِ وَالْمُحَلُّ مِنَ الْأَخْيَارِ ﴿۱﴾

بعض مفسروں نے لکھا ہے کہ لیسع حضرت الیاس کو کہتے ہیں لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے اس لئے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت الیاس اور لیسع کا الگ الگ ذکر فرمایا ہے۔ اور بعض مفسروں نے یہ لکھا کہ لیسع خضر کو کہتے ہیں یہ قول بھی کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہوتا صحیح قول یہی معلوم ہوتا ہے جس کو شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے فائدہ میں بیان کیا ہے کہ لیسع حضرت الیاس کے خلیفہ تھے یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس اور وہب بن منبہ تابعی کا ہے یہ وہب بن منبہ حسن بصری کے رتبہ کے ثقہ تابعیوں میں ہیں ذوالکفل کے نبی ہونے اور نہ ہونے میں صحابہ کے زمانہ سے اختلاف ہے یہاں تک کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری منبر پر وعظ کی طرح بیان کیا کرتے تھے کہ بنی اسرائیل میں ذوالکفل ایک نیک شخص تھے نبی نہیں تھے مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ بنی اسرائیل میں ذوالکفل ایک شخص بڑا گناہ گار تھا ایک روز اس نے ایک عورت کو ساٹھ اشرفیاں بدکاری کرنے کے وعدہ پر دیں جب ذوالکفل نے اس عورت سے بدکاری کرنی چاہی تو وہ عورت رونے لگی۔ ذوالکفل نے اس عورت سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے بیان کیا کہ ایسا برا کام کبھی عمر بھر میں نے نہیں کیا۔ اس پر ذوالکفل نے بھی اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا کہ کبھی عمر بھر گناہ نہ کرے گا اور اسی رات کو ذوالکفل کا انتقال ہو گیا۔ صبح کو بنی اسرائیل کے لوگوں نے دیکھا کہ ذوالکفل کے دروازہ پر یہ لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالکفل کی مغفرت فرمادی

سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے ذوالکفل کا ذکر انبیاء کے ساتھ فرمایا ہے اس واسطے مفسرین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں کے ذوالکفل اور شخص ہیں اور یہ ذوالکفل قرآن شریف کے مضمون کے موافق نبی ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس کی ایک بہت بڑی حدیث ہے جس کے ایک ٹکڑے کا حاصل یہ ہے۔ کہ جب ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے اسماعیل علیہ السلام اور ان کی ماں ہاجرہ کو مکہ کے میدان میں چھوڑ گئے۔ اس وقت اسماعیل علیہ السلام دودھ پیتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ کو یہاں چھوڑتے وقت ایک ٹھک میں پانی جو رکھ گئے تھے جب وہ پانی ختم ہو چکا اور ہاجرہ اپنے دودھ پیتے بچہ کی پیاس سے بہت پریشاں ہوئیں تو آخر

جریل علیہ السلام نے زمزم کے مقام پر اپنا پر مارا جس سے زمزم کا چشمہ نکلا۔ اور اس پانی کے سبب سے قبیلہ جرہم کے لوگ اس مکہ کے میدان میں آباد ہوئے۔ اور جو ان ہو جانے کے بعد اس قبیلہ میں ایک عورت سے اسماعیل علیہ السلام کا نکاح ہوا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس جرہم قبیلہ کے لوگوں کی بولی بگڑی ہوئی عربی زبان میں تھی اسماعیل علیہ السلام نے اس قبیلہ کے لوگوں سے عربی زبان سیکھی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی بولی فصیح عربی میں کر دی۔ یہ جرہم بن قحطان قبیلہ سام بن نوح کی نسل میں سے ہے حاصل کلام یہ ہے کہ اس قبیلہ جرہم کے اسماعیل علیہ السلام نبی تھے اور اسماعیل علیہ السلام کی ہدایت کے موافق عمرو بن لُحی کے زمانہ تک یہ لوگ ملت ابراہیمی پر قائم تھے پہلے پہل عمرو بن لُحی نے ملت ابراہیمی کو بگاڑا اور مکہ میں بت پرستی پھیلانی۔ عمرو بن لُحی کا قصہ اوپر گزر چکا ہے اور صحیح روایتوں کے حوالہ سے یہ بھی گزر چکا ہے۔ کہ اس عمرو بن لُحی نے پہلے پہل مکہ سے ملت ابراہیم کو مٹایا ہے قریش یہ جو کہتے تھے۔ کہ یہ بت پرستی ہمارے بڑوں کا طریقہ ہے اسماعیل علیہ السلام کا نام لے کر قریش کو یوں قائل کیا ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو بنی اسماعیل کہتے ہیں۔ حالانکہ عمرو بن لُحی سے پہلے اصل بنی اسماعیل کا طریقہ یہ نہیں تھا۔ بلکہ وہ تو ملت ابراہیم پر تھے پھر جس طریقہ پر خود اسماعیل علیہ السلام اور کئی پشت تک کے بنی اسماعیل نہیں تھے۔ وہ طریقہ بنی اسماعیل کا کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہذا ذکر اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن شریف میں پہلے انبیاء اور پہلی امتوں کے قصے ہیں۔ ان سے لوگوں کو نصیحت کرنی چاہئے تاکہ نیکی اور بدی کا انجام لوگوں کی سمجھ میں آوے۔ اور خاص کر قریش کو اسماعیل علیہ السلام کے قصہ سے یہ نصیحت بگڑنی چاہئے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو بنی اسماعیل کہتے ہیں۔ اور انہوں نے حضرت اسماعیل اور پہلے کے بنی اسماعیل کے طریقہ کو چھوڑ رکھا ہے۔

قُلْ يَا مَعْمَدُ لِكْفَارِ مَكَّةَ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ ۚ مُخَوِّفٌ بِالنَّارِ وَمَا مِنَ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٠﴾
 لِخَلْقِهِ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَالِبُ عَلَى أَمْرِهِ الْغَفَّارُ ﴿١١﴾ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
 تَبَوَّأَ عَظِيمٌ ﴿١٢﴾ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ﴿١٣﴾ أَيْ الْقُرْآنَ الَّذِي أَنْبَأْتُمْ بِهِ وَجِئْتُمْ فِيهِ بِمَا لَا يُعْلَمُ إِلَّا
 بِرُوحِي وَهُوَ قَوْلُهُ مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَكِ الْأَعْلَى أَيْ الْمَلَائِكَةِ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿١٤﴾ فِي شَأْنِ آدَمَ جَبْنُ
 قَالَ اللَّهُ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً لَكَ إِنْ مَا يُؤْمَى إِلَيَّ إِلَّا أَنَا أَنَا إِي رَانِي نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١٥﴾ بَيِّنُ
 الْإِنذَارِ أَذْكَرُ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ ﴿١٦﴾ هُوَ آدَمُ فَإِذَا سَوَّيْتَهُ أَتَمَّمْتَهُ وَ
 نَفَخْتَ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَصَارَ حَيًّا وَضَافَةَ الرُّوحِ إِلَيْهِ تَشْرِيفٌ لِأَدَمَ وَالرُّوحُ جِسْمٌ لَطِيفٌ يَخْنِي
 بِهِ الْإِنْسَانَ بِتَمُودِهِ فِيهِ فَفَعُولًا لَهُ سَجِدِينَ ﴿١٧﴾ سَجُودٌ تَحِيَّةٌ بِالْإِنْحِنَاءِ فَسَجَدَ الْمَلَكَةُ كُلُّهُمْ
 أَجْمَعُونَ ﴿١٨﴾ فِيهِ تَاكِيدَانِ إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ هُوَ أَبُو الْجِنَّ كَانَ بَيْنَ الْمَلَكَةِ اسْتَكْبَارًا وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ﴿١٩﴾

فِي عَدَمِ اللَّهِ تَعَالَى قَالَ يَا بَلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيْدَائِي ۗ أَيْ تَوَلَّيْتُ خَلْقَهُ وَهَذَا
 تَشْرِيْفٌ لِأَدَمَ فَإِنَّ كُلَّ مَخْلُوقٍ تَوَلَّى اللَّهَ خَلْقَهُ اسْتَكْبَرَتْ أَلَانَ عَنِ السُّجُودِ اسْتَفْهَامٌ تَوْبِيخٌ أَمْ كُنْتَ
 مِنَ الْعَالِيْنَ ۝ الْمُتَكَبِّرِينَ فَتَكَبَّرَتْ عَنِ السُّجُودِ لِيَكُونَكَ مِنْهُمْ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ ۗ خَلَقْتَنِي مِنْ
 نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝ قَالَ فَأَخْرِجْ مِنْهَا أَيَّ مِنَ الْجَنَّةِ وَقِيلَ مِنَ السَّمَوَاتِ فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝
 مَطْرُودٌ وَإِنْ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ۝ الْجَزَائِ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ۝ أَيِ
 النَّاسِ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۝ إِلَى يَوْمِ الْبُوقِ الْمَعْلُومِ ۝ وَقَتَّ النَّفْخَةَ الْأُولَى قَالَ فَبِعِزَّتِكَ
 لَأُخَوِّبَهُمْ أَجْعِلْ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ أَيِ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ
 أَقُولُ ۝ بِنَصْبِهِمَا وَرَفِعِ الْأَوَّلِ وَنَصَبِ الْثَانِي فَنَصَبُهُ بِالْفِعْلِ بَعْدَهُ وَنَصَبِ الْأَوَّلِ قَبْلُ بِالْفِعْلِ الْمَذْكُورِ
 وَقِيلَ عَلَى الْمُضَدِّ أَيِ أَحَقَّ الْحَقُّ وَقِيلَ عَلَى نَزْعِ حَرْفِ الْقَسَمِ وَرَفَعُهُ عَلَى أَنَّهُ مُبْتَدَأٌ مَتَّحِدٌ وَفِ الْخَبَرِ
 أَيِ فَالْحَقُّ مَبْنِي وَقِيلَ فَالْحَقُّ قَسَمِي وَجَوَابِ الْقَسَمِ لِأَمَّا لَنْ جَهَنَّمَ مِنْكَ بِذَرِّيَّتِكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ
 مِنْهُمْ مِنَ النَّاسِ أَجْعِلْ ۝ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ عَلَى تَبْلِيغِ الرِّسَالَةِ مِنْ أَجْرِ جَعَلٍ وَمَا أَنَا مِنَ
 الشَّاكِرِينَ ۝ الْمُتَّقِينَ الْقُرْآنَ مِنْ تَلْقَائِي نَفْسِي إِنْ هُوَ أَيُّ مَا الْقُرْآنُ إِلَّا ذِكْرٌ عِظَةٌ لِلْعَالَمِينَ ۝
 لِإِبْلِيسَ وَالْجِنِّ الْعُقَلَاءِ دُونَ الْمَلَائِكَةِ وَتَتَعَلَّمَنَّ يَا كَفَّارُ مَكَّةَ نَبَأَةَ خَبَرِ صِدْقِهِ بَعْدَ حِينٍ ۝ أَيِ يَوْمِ
 الْقِيَامَةِ وَعَلِمَ بِمَعْنَى عَرَفَ وَاللَّامُ قَبْلَهَا لَامُ قَسَمٍ مُقَدَّرِ أَيِ وَاللَّهِ

۱۳

تو جہنم: آپ کہہ دیجئے اے محمد کفار مکہ سے میں تو صرف ڈرانے والا ہوں دوزخ کی آگ سے اور بجز اللہ واحد غالب کے
 کوئی لائق عبادت نہیں وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان چیزوں کا جو ان کے درمیان میں ہیں زبردست اپنے حکم پر
 حاوی بڑا بخشنے والا ہے اپنے دوستوں کو آپ ان سے کہہ دیجئے یہ ایک بڑی خبر ہے کہ تم اس کو دھیان میں نہیں لاتے یعنی جس
 قرآن کی میں تمہیں اطلاع دے رہا ہوں اور اس میں ایسی باتیں لے کر آیا ہوں جو وحی کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں وہ یہ کہ مجھ کو
 عالم بالا کے فرشتوں کی کچھ خبر بھی نہ تھی جب کہ وہ گفتگو کر رہے تھے کہ حضرت آدم کے متعلق اللہ نے اپنی جاعل فی الارض
 خلیفۃ فرمایا ہے میرے پاس وحی محض اس لیے آئی ہے میں صاف صاف لوگوں کو ارانے والا ہوں اس وقت کا تذکرہ کیجئے
 جب آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں اور وہ آدم ہیں موجب میں اس

کو پورا مکمل بنا چکوں اور اس میں جان ڈال دوں اور وہ جاندار ہو جائے اللہ تعالیٰ نے روح کی اضافت اپنی طرف آدم کی تکریم کے لیے فرمائی ہے گر پڑنا ان کی تکریم کے لیے بطور آداب جنک جانا سو سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا اس میں دو تاکیدیں ہیں مگر ابلیس نے نہ کیا اور وہ جنات کا جدا علی ہے جنات کی نسل جس سے چلی فرشتوں میں رہا کرتا تھا کہ وہ غرور میں آ گیا اور علم الہی میں کافروں میں سے تھاق تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس کس چیز نے تجھ کو باز رکھا اس کو سجدہ کرنے سے جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا یعنی میں نے اس کو پیدا کرنے کی ذمہ داری لی اس میں بھی آدم کی تکریم مقصود ہے ورنہ تو تمام ہی چیزیں اللہ کی پیدا کردہ ہیں کیا تو غرور میں آ گیا۔ اب سجدہ کرنے سے استفہام تو بیخ کے لیے ہے، یا بڑے درجہ والوں میں سے ہے؟ اس لیے تو سجدہ کرنے سے باز رہا کہ تو خود بڑا ہے کہنے لگا میں آدم سے بہتر ہوں آپ نے مجھ کو آگ سے بنایا ہے اور اس کو خاک سے ارشاد ہوا کہ تو نکل جا یہاں جنت یا آسمانوں سے کیونکہ تو یقیناً مردور راندہ ہو گیا اور بلاشبہ قیامت تک تجھ پر میری لعنت رہے گی کہنے لگا تو پھر مجھ کو قیامت لوگوں کے اٹھنے تک مہلت دیجئے ارشاد ہوا تجھے مقررہ وقت پہلے صورت تک مہلت دی گئی کہنے لگا تو تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا بجز آپ کے منتخب بندوں کے ارشاد ہوا میں سچ کہتا ہوں اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں الحق دونوں جگہ منصوب ہے یا اول مرفوع اور دوسرا منصوب ہے دوسرے کا نصب بعد میں آئیوالے لفظ اقول کی وجہ سے ہے اور پہلے کے نصب میں بعض کی رائے مابعد کے فعل ہی کی وجہ سے ہے اور بعض کے نزدیک مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی الحق الحق اور بعض کے نزدیک حرف قسم محذوف ہونے کی بناء پر ہے لیکن پہلے کا رفع بر بناء مبتدا ہے جس کی خبر محذوف ہے اسی فالحق منی اور بعض نے تقدیری عبارت فالحق قسمی نکالی ہے اس صورت میں جواب قسم بعد میں آ رہا ہے میں تجھ سے بمع تیری ذریت کے اور جو ان لوگوں میں تیرا ساتھ دے سب دوزخ بھر دوں گا آپ کہہ دیجئے میں تم سے اس پیغام رسائی پر نہ کچھ معاوضہ اجرت چاہتا ہوں اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہو یہ قرآن تو دنیا جہاں والوں کے لیے عقل رکھنے والے انس و جن کے لیے نہ کہ فرشتوں کے لیے بس ایک فصیحت و عطف ہے اور اے مکہ والو! تمہیں اس کا حال سچائی کی خبر تھوڑے دنوں بعد معلوم ہو جائے گا قیامت میں علم عرف کے معنی ہے اور اس کے شروع میں لام قسم مقدر یعنی ہے۔ واللہ لتعلمن

کلمات تفسیر کے توضیح و شرح

قوله: الْمَلَائِكَةُ: یعنی فرشتوں کی گفتگو کے متعلق اس کی اطلاعات جو سابقہ کتب میں مذکور ہیں، مگر بغیر سماع و مطالعہ کے ان کا بیان کرنا یہ وحی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

قوله: فَتَعَوَّا: سجدہ ریز ہو جاؤ۔

قوله: بِبَيْكَايَ: یعنی ماں باپ کے واسطے کے بغیر۔

قوله: عَلَى نَزْعِ حَزْفِ الْقَسَمِ: پس اس صورت اول الحق کا کلمہ وہ اسم باری تعالیٰ ہوگا۔

تفسیر مقبولین

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ ۚ وَمَا مِنَ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے، وہ واحد قہار ہے، مالک ارض و سماء ہے، عزیز و غفار ہے:

ان آیات میں توحید اور رسالت کا اثبات فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں۔ آپ کو خطاب فرمایا کہ اپنے مخاطبین سے فرمادیں کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں زبردستی کسی سے ایمان قبول کرانے والا نہیں، پھر توحید کی دعوت دی کہ مجھ کو صرف ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ جو اپنی ذات و صفات میں تنہا بھی ہے اور قہار بھی ہے یعنی وہ سب پر غالب ہے نگوینی طور پر اس کی قضاء اور قدر کے مطابق سب کچھ وجود اور ظہور میں آتا ہے وہ آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا بھی، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے پروردگار عالم جل مجدہ کو چھوڑ کر تم جو کسی دوسرے کی عبادت کر رہے ہو یہ حماقت اور ضلالت ہے، پھر یہ بھی سمجھ لو کہ وہ عزیز بھی ہے یعنی غلبہ والا ہے اسے تمہاری گرفت فرمانے اور عذاب دینے پر پوری پوری قدرت ہے، وہ غالب ہے اور سب مغلوب ہیں لیکن اگر تم کفر و شرک سے توبہ کر لو گے تو وہ بخشش دے گا کیونکہ وہ غفار یعنی بہت بڑا بخشنے والا بھی ہے۔

اس کے بعد آپ کی نبوت کی ایک دلیل بیان فرمائی کہ آپ ان لوگوں سے فرمادیں یہ جو کچھ میں نے اپنی رسالت کی خبر دی ہے اور تمہیں یہ بتایا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں یہ بہت بڑی خبر ہے تمہیں اس کی طرف متوجہ ہونا لازم تھا لیکن تم اس سے اعراض کر رہے ہو تم یہ تو دیکھو کہ میں جو ملائعہ اعلیٰ کی خبریں دیتا ہوں یہ خبریں میرے پاس کہاں سے آئیں گی نہ میں نے پرانی کتابیں پڑھی ہیں نہ اہل کتاب سے میرا میل جول رہا ہے یہ باتیں جو میں بتاتا ہوں جن کی اہل کتاب تصدیق کرتے ہیں اور تمہارے سامنے بھی میری بتائی خبروں کا صحیح طور پر ظہور ہوتا رہتا ہے یہ علم مجھے کہاں سے ملا؟ ظاہر ہے کہ یہ سب مجھے وحی کے ذریعہ سے ملا ہے، اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا اور ابلیس سجدہ کرنے سے منکر ہوا ان باتوں کی جو میں نے خبر دی ہے مجھے ان کا کچھ علم نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے فرشتوں سے یوں فرمانا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں پھر ان کا اس پر سوال اٹھانا پھر آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں چیزوں کے نام بتانے سے عاجز ہو کر (سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا) کہنا (کہا مزفی سورۃ البقرۃ وهذا داخل فی الاختصاص لان قوله تعالى اذ قال ربك للملائكة بدل من قوله تعالى اذ يختصمون كما ذكره صاحب الروح) یہ سب تفصیل مجھے صرف وحی سے معلوم ہوئی ہے اس سے پہلے ان چیزوں کو بالکل نہیں جانتا تھا تم اپنے ہوش کی دوا کرو اور بات کو سمجھو اور میری نبوت کے انکار سے باز آؤ میں دوبارہ واضح طور پر تمہیں بتاتا ہوں کہ میری طرف دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں یہی وحی آئی ہے کہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہی ہوں میری بات نہ مانو گے تو اپنا

برا کر دے میں تم سے زبردستی قبول نہیں کرا سکتا۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝

ابلیس کی حکم عدولی اور سرتابی، آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر کے مستحق لعنت ہونا اور بنی آدم کو ورغلا نے کی قسم کھانا:

ان آیات میں تخلیق آدم اور پھر فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم اور ان کے سجدہ کرنے کا واقعہ اور ابلیس کے انکار کا تذکرہ فرمایا ہے یہ مضمون سورۃ بقرہ رکوع ۴ اور سورۃ اعراف رکوع ۲ اور سورۃ حجر رکوع ۳ اور سورۃ الاسراء رکوع ۶ میں بھی گزر چکا ہے وہاں جو ہم نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اس کی بھی مراجعت کر لی جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم ﷺ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں طین یعنی کچھڑ سے ایک بشر کو پیدا کروں گا جب میں اسے پیدا کروں اور پوری طرح بنا دوں اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ میں گر جانا۔

اس میں لفظ بشر فرمایا ہے جس کا معنی ہے ایسی کھال والی چیز جو بالوں سے چھپی ہوئی نہ ہو، دوسرے حیوانات ہیں ان کے جسم پر بال ہوتے ہیں جن سے ان کا بدن ڈھکا ہوتا ہے لیکن انسان کے سر اور اس کی داڑھی کے علاوہ اور کسی جگہ پر عام طور سے بڑے بڑے بال نہیں ہوتے کپڑا نہ پہنے تو کھال نظر آتی ہے اور بعض جگہ جو بال نکل آتے ہیں اور بڑھتے چلے جاتے ہیں ان کے صاف کرنے کا حکم دیا گیا البتہ داڑھی رکھنا واجب ہے پھر جب جنت میں جائیں گے تو وہاں مردوں کے بھی داڑھی نہ ہوں گی وہاں بشر ہونے کا پورا پورا مظاہرہ ہو جائے گا یہاں کچھڑ سے پیدا فرمانے کا ذکر ہے اور سورۃ الانعام میں لفظ تراب وارد ہوا ہے اور سورۃ حجر میں (صَلِّصَالٍ مِّنْ حَمَآءٍ مَّسْنُوْنٍ) فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو بھتی ہوئی کالی سڑی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا اور سورۃ رطن میں فرمایا (مِنْ صَلِّصَالٍ كَالْفَخَّارِ) کہ ہم نے انسان کو ایسی مٹی سے پیدا فرمایا جو ٹھنکنے کی طرح بجنے والی تھی۔ ان آیات میں آدم ﷺ کا پتلا تیار کیے جانے کے تدریجی حالات بتائے ہیں مختلف جگہوں سے مٹی جمع کی گئی پھر اس میں پانی ڈال دیا تو کچھڑ بن گئی اور عرصہ تک اسی طرح پڑے رہنے کی وجہ سے سیاہ اور بدبودار ہو گئی پھر جب پتلا بنا دیا گیا تو وہ پڑے پڑے سوکھ گیا اور ایسا ہو گیا کہ اگر اس پر انگلی ماری جائے بجنے لگے جیسے مٹی سے بنائے ہوئے برتن انگلیاں مارنے سے بجتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ جب میں اس بشر کو پیدا کروں اور پوری طرح اس کا جسم بنا دوں پھر اس میں روح پھونک دوں تو تم اس کو سجدہ کرنا (اس کی تعظیم کے لیے سجدہ میں گر جانا) فرشتوں نے حکم کے مطابق اس بشر کو جن کا نام پہلے سے آدم تجویز کر دیا گیا تھا تعظیمی سجدہ کر لیا ابلیس بھی وہیں رہتا تھا اسے بھی حکم تھا کہ اس نئی مخلوق کو یعنی آدم ﷺ کو سجدہ کرے، وہ سجدہ کرنے سے منکر ہو گیا، سورۃ الکہف میں فرمایا ہے: (كَانَ مِنَ الْمَحْنَقِ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهِ) (وہ جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی) اور سورۃ البقرہ میں فرمایا (اَلٰی وَاَسْتَكْبَرُوْا وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ) (اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی سے یہ بات تھی کہ وہ کفر اختیار کر لے گا کافروں میں سے ہو جائے گا اور سورۃ الاعراف میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا: (مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ) کہ تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا (معلوم ہوا کہ وہ بھی عمومی حکم میں شامل تھا یا اسے خطاب فرما کر مستقل طور پر بھی حکم دیا تھا)

یہاں سورۃ ص میں فرمایا: (قَالَ يَا ابْنِ آدَمُ اسْكُنْ أَهْلَكَ وَالْجَنَّةَ بِمَا خَلَقْتَهُمْ) (کہا اے ابلیس تجھے کس چیز نے اس بات سے روکا کہ تو اس چیز کو سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا) علماء نے فرمایا کہ ہاتھوں سے پیدا کرنا جو فرمایا اس سے معنی مجازی مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جسمیت اور اعضاء سے پاک ہے اور یوں کہا جاتا ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے بنایا اور یہ اہل تادیل کا قول ہے اور سلف کا فرمانا یہ ہے کہ ہم تاویل نہیں کرتے اور یدین (دونوں ہاتھ) کا جو مطلب ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مفوض کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو یدین کا مطلب ہے جو اس کی شان کے لائق ہے ہم اسی پر ایمان لاتے ہیں اس طرح یہ جو فرمایا کہ جب میں اس میں اپنی روح پھونک دوں اس کے بارے میں بعض حضرات نے تاویل کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب میں اس میں جان ڈال دوں گا تو تم اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ ہم تاویل نہیں کرتے اس پر ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو اس کا مطلب ہے جو اس کی شان کے لائق ہے ہم اسے مانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے ابلیس سے فرمایا: اسْتَكْبَرْتَ أَهْرَ كُنْتَ مِنَ الْعَالَمِينَ (کیا تو نے تکبر کیا یا یہ کہ تو بڑے درجے والوں میں سے ہے) یعنی کیا تو غرور میں آ گیا اور واقع میں بڑا نہیں ہے یا کہ تو واقع میں ایسے بڑے درجے والوں میں سے ہے جس کو سجدہ کا حکم کرنا زیادہ نہیں۔

ابلیس نے کہا یہ شق ثانی ہی واقع ہے یعنی اس کو سجدہ کرنا میری شان کے لائق نہیں ہے (جس کی وجہ یہ ہے کہ) مجھے آپ نے آگ سے پیدا فرمایا ہے اور اسے کچھ سے پیدا فرمایا ہے۔ (لہذا میں اس سے بہتر ہوا اور مجھے یہ حکم دینا کہ اسے سجدہ کروں میری شان کے خلاف ہے) اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ تو یہاں سے نکل جا کیونکہ بلا شک تو مردود ہو گیا اور قیامت کے دن تک تجھ پر میری لعنت ہے اور جس پر قیامت کے دن تک لعنت رہے گی وہ اس کے بعد بھی ملعون ہی رہے گا کما قال اللہ تعالیٰ شانہ: (فَأَقْصَىٰ مَوَاقِدِ جَهَنَّمَ أَنْ لُعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ) ابلیس کو تکبر کھ گیا۔ ملعون ہونا منظور کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے اور معافی مانگنے کے لیے نہ ہوا بلکہ اس نے لمبی عمر ہونے کی درخواست کر دی اور یوں کہا کہ اے رب مجھے اس دن تک مہلت دیجیے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے (یعنی قبروں سے نکلیں گے) روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس سے نفعہ ثانیہ کا وقت مراد ہے مطلب ابلیس ملعون کا یہ تھا کہ مجھے لمبی زندگی دے دی جائے اور اتنی لمبی ہو کہ قیامت پر ہی ختم ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جا تجھے ایک وقت تک مہلت دی گئی اب تو اس نے اپنے نفس میں جو بات چھپا رکھی تھی وہ ظاہر کر دی اور کہنے لگا کہ:

اے رب آپ کی عزت کی قسم میں ان لوگوں کو (جو اس نئی مخلوق کی نسل میں ہوں گے) سب کو بہکاؤں گا کفر پر اور آپ کی نافرمانیوں پر ڈالوں گا اور برے کاموں کو اچھا بتاؤں گا مگر جن لوگوں کو آپ نے اپنی اطاعت کے لیے چن لیا اور میرے بہکانے سے بچا دیا ان پر میرا بس نہ چلے گا۔

ابلیس چونکہ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون و مردود ہوا تھا اس لیے اس نے ان سے اور ان کی اولاد سے انتقام اور بدلہ لینے کا فیصلہ کیا حالانکہ حماقت اس کی تھی رب الغلیمین جل مجدہ کے حکم سے سرتابی کی ملعون ہونے کا کام خود کیا اللہ تعالیٰ سے

مقابلہ کیا اس کے حکم کو غلط بتایا اور ٹھان لی آدم کو اور ان کی اولاد سے بدلہ لینے کی چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ابتلاء اور امتحان کے لیے پیدا فرمایا ہے اس لیے ابلیس کو لمبی زندگی بھی دیدی اور بہکانے اور درغلانے کی کوشش کرنے کا موقع بھی دے دیا اور انسانوں کو بتا دیا کہ یہ اور اس کی ذریت تمہارے دشمن ہیں تم ان سے چوکنے رہنا، ان کے بہکاوے میں نہ آنا اور خیر اور شر کے دونوں راستے بتا دیے انبیائے کرام علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے پھر ان کے خلفاء کے ذریعے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا جو شخص شیاطین کی باتوں میں آئے گا راہ حق چھوڑے گا وہ اپنی بربادی کا خود مددگار بنے گا۔

ابلیس اور اس کے متبعین سے دوزخ کو بھر دیا جائے گا

جب ابلیس نے کہا میں بنی آدم کو درغلانوں گا اور بہکانوں گا اور راہ حق سے ہٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ میں سچ ہی کہتا ہوں اور سچ ہی کہا کرتا ہوں (تو اپنی اور اپنے پیچھے چلنے والوں کی سزا ابھی سے سن لے) میں تجھ سے اور جو لوگ ان میں تیرا اتباع کریں گے ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا، یہ بات اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے بھی فرمادی اور جب آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو زمین پر بھیجا جانے لگا اس وقت ان کو خطاب کر کے صاف صاف بتا دیا (فَاِمَّا يَأتِيَنَّكُم مِّنْهُنَّ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ) (س) اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے سو جو شخص میری ہدایت کا اتباع کرے گا ان لوگوں کو کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ کفر اختیار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

فائدہ: ابلیس نے جو مہلت مانگی تھی اس میں یوں کہا تھا کہ مجھے اس دن تک مہلت دی جائے جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ تجھے وقت معلوم تک مہلت ہے، یہ وقت معلوم اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے جب تک ابلیس کی موت کا وقت مقرر نہ آ جائے وہ زندہ رہے گا اور کفر پر مرے گا اور دوزخ میں جائے گا۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿۵۰﴾

دعوت حق پر کسی معاوضہ کا مطالبہ نہیں:

رسول اللہ ﷺ لوگوں کو قرآن مجید سناتے تھے توحید کی دعوت دیتے تھے تو لوگوں کو ناگوار ہوتا تھا آپ کی تکذیب کرتے تھے معجزات دیکھ کر بھی حق قبول نہیں کرتے تھے، انہیں ایک اور فکر کی دعوت دی ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیجئے کہ میں تم سے قرآن کی باتیں سنانے پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا یہ بات تم پر واضح ہے اب تمہیں خود غور کرنا چاہیے کہ جس شخص کو ہم سے کوئی دنیاوی غرض نہیں کسی طرح کے مال و متاع کا طالب نہیں یہ بار بار ہمیں تبلیغ کیوں کرتا ہے ظاہر ہے کہ جب اسے کوئی مطلب نہیں ہے تو ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے دعوت و تبلیغ کرنے کا حکم ہوا ہے اور آپ ان سے یہ بھی فرمادیں کہ میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں یعنی ایسا نہیں ہے کہ میں نے بناوٹ کی راہ سے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہو اور غیر قرآن کو قرآن کہہ دیا ہو یہ جو کچھ تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یہ قرآن تمام جہانوں کے لیے فصیحت ہے تم اسے نہ مانو

ع تو اپنا برا کر دے اور عنقریب موت کے بعد تمہیں پتہ چل جائے گا کہ یہ حق تھا اور اس کا انکار کرنا باطل کام تھا لیکن اس وقت معلوم ہونا فائدہ نہ دے گا، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ (بَعْدَ حِينٍ) سے یوم بدر مراد ہے یعنی اس دنیا میں تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ قرآن حق ہے اور اس کا انکار کرنے والے باطل ہیں۔

آیت کریمہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ آپ ان سے فرمادیں کہ میں تم سے اپنی محنت اور دعوت پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا اس میں تمام مبلغین اور داعی حضرات کو یہ بتا دیا کہ دعوت الٰہیہ کا کام محض اللہ کی رضا کے لیے کریں مخلوق سے کسی چیز کے طالب نہ ہوں اور امیدوار بھی نہ ہوں اور (وَمَا أَنَا مِنَ الْمُسْتَكْفِرِينَ) میں یہ بتا دیا کہ اہل ایمان اور خاص کر اہل علم تکلف کو اختیار نہ کریں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو جسے کوئی چیز معلوم ہو وہ بتا دے اور جسے علم نہ ہو وہ کہہ دے کہ اللہ کو معلوم (غیر علم کے کوئی چیز نہ بتائے اور یہ ظاہر نہ کرے کہ مجھے علم ہے کیونکہ اس میں تصنع اور تکلف ہے جو جھوٹ کی ایک قسم ہے) جو چیز نہ جانے اس کے نہ جاننے کا اقرار کر لینا اور یہ کہہ دینا کہ اللہ کو معلوم ہے یہ بھی علم کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ آپ فرمادیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

(صحیح بخاری، ۷۱ جلد دوم)

بہت سے لوگوں کو علم نہیں ہوتا مگر اپنے نام کے ساتھ مفتی یا مولانا کا لفظ لگا لیتے ہیں یا ممتاز عالم دین کا لقب اختیار کر کے اخبارات میں اپنے نام اچھالتے رہتے ہیں پھر جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے یا کوئی حدیث دریافت کی جاتی ہے تو یوں کہنا کہ مجھے معلوم نہیں اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور اپنے پاس سے کچھ نہ کچھ بتا دیتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے آیت بالا میں تعبیر ہے بہت سی باتیں جو حق اور حقیقت سے دور ہوتی ہیں جو تصنع جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں مؤمن آدمی کو ان سب سے بچنا لازم ہے۔ ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میری ایک سوتن یعنی شوہر کی دوسری بیوی ہے کیا مجھے اس بات پر گناہ ہوگا کہ میں جھوٹ موٹ اس پر یہ ظاہر کروں کہ مجھے شوہر نے یہ دیا اور وہ دیا اور حقیقت میں نہیں دیا (تاکہ اسے جمن ہو) آپ نے فرمایا جسے کوئی چیز نہیں دی گئی اگر وہ جھوٹ موٹ یہ ظاہر کرے کہ مجھے دے دی گئی ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص جھوٹ کے کپڑے پہن لے۔

سُورَةُ الشُّرُكِ

سورة الشُّرُكِ ۳۹ آیتیں ۵۹
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَنشأها ۷۵
تواریخها ۸

سورہ زمر کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس میں پچھتر آیتیں ہیں اور آٹھ رکوع

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ الْقُرْآنِ مُبْتَدَأً مِنْ اللَّهِ خَبْرَهُ الْعَزِيزِ فِي مَلِكِهِ الْحَكِيمِ ۝ فِي ضِعْبِهِ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ
 يَا مُحَمَّدُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِأَنْزَلْنَا فَأَعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۝ مِنَ الشُّرْكِ أَيْ مَوْحَدَالَهُ الْآ
 إِلَهَ الدِّينِ الْخَالِصُ ۝ لَا يَشْتَجِفُهُ غَيْرُهُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ الْأَصْنَامَ أَوْلِيَاءَ ۝ وَهُمْ كُفَّارٌ مَكْرَهُ
 قَالُوا مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى ۝ قُرْبَى مُضَدٌّ بِمَعْنَى تَقَرُّبًا إِنْ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ وَتَيْنِ
 الْمُسْلِمِينَ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ فَيَدْخُلُ الْمُؤْمِنِينَ الْجَنَّةَ وَالْكَافِرِينَ النَّارَ إِنْ اللَّهُ
 لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَذِبٌ فِي نَسْبَةِ الْوَالِدِ إِلَيْهِ كُفَّارٌ ۝ بِعِبَادَةِ غَيْرِ اللَّهِ لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا كَمَا
 قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ لِرَاحِطِي مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۝ وَاتَّخَذَهُ وَلَدًا غَيْرَ مَنْ قَالُوا مِنَ الْمَلَائِكَةِ بِنَاتِ اللَّهِ وَ
 عَزِيزُ بْنُ اللَّهِ وَالْمَسِيحُ بْنُ اللَّهِ سُبْحَانَهُ ۝ تَنْزِيهَا لَهُ عَنْ اتِّخَاذِ الْوَالِدِ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ خَلَقَهُ
 خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِالْحَقِّ ۝ مُتَعَلِّقٌ بِخَلْقِ يَكْوَرُ يَدْخُلُ الْيَلَّ عَلَى النَّهَارِ فَيَزِيدُ وَيَكْوَرُ النَّهَارُ
 يَدْخُلُهُ عَلَى الْيَلِّ فَيَزِيدُ وَسَعَرَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ ۝ كُلُّ يَجْرِي فِي فَلَكِهِ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۝ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ الْآ
 هُوَ الْعَزِيزُ الْغَالِبُ عَلَى أَمْرِهِ الْمُنتَقِمُ مِنْ أَعْدَائِهِ الْغَفَّارُ ۝ لِأَوْلِيَاءِهِ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ آدَمَ
 ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا حَوَاءَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ الْإِبِلَ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمَ الضَّانَ وَالْمَعْزِ ثَمِينَةَ
 الْأَوَاجِ ۝ مِنْ كُلِّ زَوْجَانِ ذَكَرٍ وَأُنْثَى كَمَا بَيَّنَّ فِي سُورَةِ الْأَنْعَامِ يَخْلُقَكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا
 مِنْ بَعْدِ خَلْقِ أَيْ نُطْقًا ثُمَّ عُلِقْتُمْ مَضْغًا فِي ظِلْمٍ ثَلَاثًا ۝ هِيَ ظَلَمَةُ الْبَطْنِ وَظَلَمَةُ الرَّحْمِ وَظَلَمَةُ

الْمُسِيْبَةُ ذِكْرُ اللَّهِ رَبِّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ ۝
 عَنْ عِبَادَتِهِ إِلَى عِبَادَةِ غَيْرِهِ
 إِنَّ تَكْفُرًا وَإِنَّا اللَّهُ عَنِّي عَنْكُمْ ۚ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَإِنْ أَرَادَهُ مِنْ بَعْضِهِمْ وَإِنْ تَشْكُرُوا وَاللَّهُ
 تَتَوَمَّنُ أَيُّهَا يَرْضَىٰ بِسُكُونِ الْهَاءِ وَضَمِّهَا مَعَ أَشْبَاعِ وَدُوْنَهُ أَيُّ الشُّكْرِ لَكُمْ ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ
 نَفْسٍ أُخْرَىٰ ۚ أَيُّ لَا تَحْمِلُهُ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ
 بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ بِمَافِي الْقُلُوبِ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ أَيْ الْكَافِرِ صُرٌّ دَعَا رَبَّهُ تَضَرَّعٌ مُنِيْبًا
 رَاجِعًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا حَوَّلَهُ نِعْمَةً أَعْطَاهُ أَنْعَامًا قِنَهُ نَسِيَ تَرَكَ مَا كَانَ يَدْعُوًا يَضَرَّعٌ إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ
 وَهُوَ اللَّهُ فَمَافِي مَوْضِعٍ مَنْ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا شُرَكَاءَ لِيُضِلَّ بِفَتْحِ الْبَاءِ وَضَمِّهَا عَنْ سَبِيلِهِ ۚ دِينِ
 الْإِسْلَامِ قُلْ تَشْتَعِبُ كُفْرُكَ قَلِيلًا ۚ بَقِيَّةُ أَجْلِكَ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝ أَقْنُنْ بِتَخْفِيفِ الْمِيمِ هُوَ
 قَائِمٌ قَائِمٌ بِوِطَائِفِ الطَّاعَاتِ أَنْاءَ اللَّيْلِ سَاعَاتِهِ سَاجِدًا ۚ قَائِمًا فِي الصَّلَاةِ يَحْدَرُ الْأَخْرَجَةُ أَيُّ
 يَخَافُ عَذَابَهَا وَيَرْجُو رَحْمَةَ جَنَّةِ رَبِّهِ ۚ كَمَنْ هُوَ عَاصٍ بِالْكَفْرِ أَوْ غَيْرِهِ وَفِي قِرَاءَةِ أَمْرٍ فَأَمْرٌ بِمَعْنَى
 نَلِّ وَالْهَمْزَةُ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۚ أَيُّ لَا يَسْتَوِيَانِ كَمَا لَا يَسْتَوِي
 الْعَالِمُ وَالْجَاهِلُ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ يُعِظُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ أَصْحَابِ الْعُقُولِ

۱۵

تَوْجِيْهِمْ: یہ نازل شدہ کتاب ہے یعنی قرآن کریم ترکیب میں مبتدا واقع ہے اللہ کی طرف سے یہ خبر ہے جو غالب ہے اپنے
 ملک میں حکمت والا ہے اپنی کارکردگی میں ہم نے اے محمد ﷺ آپ کی طرف نازل کیا ہے بالکل صحیح طریقہ پر انزلنا کے متعلق
 ہے تو آپ کی عبادت کرتے رہے خالص اعتقاد کے ساتھ شرک سے پاک یعنی توحید بجالاتے ہوئے یاد رکھو خالص عبادت اللہ
 علیٰ کیلئے سزاوار ہے اس کے سوا اس کا کوئی مستحق نہیں اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور شرکاء بت تجویز کر رکھے ہیں یعنی کفار کہہ
 کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیا زلفی بمعنی قریبی مصدر ہے یعنی تقرب تو اللہ
 فیعلہ کر دے گا ان کے اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات کا یعنی دین کے متعلق لہذا مؤمن کو جنت میں اور کفار کو دوزخ میں داخل
 کرے گا یقیناً اللہ ایسے شخص کو راہ پر نہیں لاتا جو جھوٹا ہو اس کی طرف اولاد کی نسبت کرنے میں اور کافر ہو غیر اللہ کی عبادت کرنے
 میں اللہ کی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا جیسا کہ ان کا کہنا ہے کہ ”رحمن“ نے بیٹا بنا لیا ہے تو ضرور اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا
 منتخب فرما سکتا تھا ان کے علاوہ کو جو کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور عزیز اور عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں وہ پاک ہے اولاد تجویز
 کرنے سے وہ ایسا اللہ ہے جو واحد ہے زبردست ہے اپنی مخلوق پر اس نے آسمان وزمین کو حکمت سے پیدا کیا ہے۔ بالحق، خلق

کے متعلق ہے وہ رات کو دن پر لپیٹا ہے داخل کرتا ہے۔ لہذا دن بڑھ جاتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹا ہے داخل کرتا ہے اس لیے رات بڑھ جاتی ہے اور سورج اور چاند کو بیگار میں لگا رکھا ہے کہ ہر ایک اپنے مدار میں ایک مقررہ وقت قیامت تک چلتا رہے گا یاد رکھو کہ زبردست ہے اپنے حکم کو چلا سکتا ہے اپنے دشمنوں سے بدلہ لے سکتا ہے بڑا بخشنے والا ہے اپنے ماننے والوں کو اس نے تم لوگوں کو ایک تن آدم سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا حوا بنایا اور تمہارے لیے چوپائے پیدا کئے اونٹ، بیل، بھیڑ، بکری، آٹھ زرمادہ یعنی ہر قسم میں زرمادہ کے جوڑے پیدا کئے جیسے سورہ انعام میں گذر چکا ہے وہ تمہیں پیدا کرتا ہے تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت یعنی نطفہ، خون بستہ گوشت کے کوٹھڑے کی شکل میں تین تین اندھیریوں پیٹ کی تاریکی، رحم کی تاریکی جھلی کی تاریکی، یہ ہے اللہ تمہارا پالنے والا اسی کی سلطنت ہے اسکے علاوہ کوئی بھی لائق عبادت نہیں سہم کہاں پھرتے چلے جا رہے ہو اس کی عبادت چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کر رہے ہو اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تمہارا محتاج نہیں اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا اگرچہ بعض بندوں کے لیے وہ کفر کا ارادہ کرتا ہے اور اگر تم شکر کرو گے اللہ کا یعنی تم ایمان لے آئے تو اس کو پسند کرتا ہے پر ضیہ، ہا کے سکون کے ساتھ ہے اور ضمہ کے ساتھ بھی کھینچ کر بھی اور بغیر کھینچے بھی، یعنی شکر سے راضی ہے تمہارے لیے اور کوئی نفس کسی دوسرے نفس کا بوجھ نہیں اٹھاتا برداشت کرتا پھر اپنے پروردگار کے پاس تمہیں لوٹ کر جاتا ہے سو وہ تم کو تمہارے سب اعمال جتلا دے گا بلاشبہ وہ سینہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے اور آدمی کا فر کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو گڑگڑا کر اپنے رب کو رجوع ہو کر پکارنے لگتا ہے پھر جب اللہ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرمادیتا ہے انعام سے نواز دیتا ہے تو جس کو پہلے سے پکار رہا تھا گڑگڑا رہا تھا اس کو بھول کر بیٹھتا ہے یعنی اللہ کو ما من کی جگہ میں ہے اور اللہ کا ساجھی شریک بنانے لگتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ گمراہ کرنے لگتا ہے دوسروں کو بیضل یا کے فتح اور ضمہ کے ساتھ اللہ کی راہ مذہب اسلام سے آپ کہہ دیجئے کہ اپنے کفر کی بہار تھوڑے دنوں مرنے تک اور لوٹ لے یقیناً تو دوزخیوں سے ہونے والا ہے بھلا جو شخص امن تخفیف کے ساتھ ہے عبادت کر رہا ہوں بندگی کر رہا ہو رات کی گھڑیوں لحوں میں سجدہ اور قیام کر کے نماز پڑھتے ہوئے آخرت سے ڈرتا ہو اس کے عذاب کا خوف رکھتا ہو اور اپنے پروردگار کی رحمت جنت کی امید رکھتا ہو کیا وہ اس نافرمان کے برابر ہو سکتا ہے جو کفر وغیرہ کرے ایک قراءت میں ام من ہے پس ام مل اور ہمزہ کے معنی میں ہے آپ کہئے کہ کیا علم والے بے علم برابر ہو سکتے ہیں یعنی نہیں جیسا کہ عالم و جاہل برابر نہیں ہو سکتے وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو عقلمند سمجھ رکھنے والے ہیں۔

کلمات تفسیر کے توضیح و تشریح

قولہ: مُتَعَلِّقٌ بِأَنْزَلْنَا: یعنی جار مجرور ظرف لغو ہے نہ کہ مستقر۔ اور الکتاب مفعول سے متعلق ہے۔

قولہ: وَالَّذِينَ: یہ مبتداء اور قالوا یہ خبر ہے۔

قولہ: لَا يَهْدِي: بمعنی اسے حق کی توفیق نہیں ملتی۔

قولہ: مِمَّا يَخْتُلِي: توبیہ اول کی خاطر دوسرے کے لزوم کے لیے آتا ہے مگر اس سے لازم کا انقضاء ہوتا ہے تاکہ اس سے لزوم

کے انشاء کی دلیل بنائیں۔

قولہ: مَا يَشَاءُ: اس کی ذات کے علاوہ ہر موجود مخلوق ہے۔

قولہ: مَعَ أَشْبَاعٍ: کیونکہ یہ الف کو حذف کرنے کی وجہ سے متحرک کے ساتھ موصولہ بن گیا۔

قولہ: إِنَّمَا: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام ملا۔

قولہ: يَفْتَحُ الْبَابَ: ضلال و اضلال کو نتیجہ ہونے کی وجہ سے تعلیل بنانا درست ہے، اگرچہ دونوں غرضیں نہیں۔

قولہ: قُلْ تَمَتَّعْ بِمَا رَزَقْنَاكَ: یہ ام متصل ہے کیونکہ اس سے پہلے ہمزہ استفہام ضروری ہے۔

قولہ: لَا يَسْتَوِيَانِ: اس کا تعلق أَقْنَمٌ هُوَ قَانِتٌ سے ہے اور ضمیر کا مرجع قَانِتٌ و عاصی ہے۔

تفسیر مقبولین

سورة الزمر:

ائمہ مفسرین کا اس سورت کے کئی ہونے اتفاق ہے اس سورت کا دوسرا نام بعض مفسرین نے سورة الغرف بھی بیان کیا ہے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں بروایت نحاس عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ سورة زمر مکہ نازل ہوئی بجز ان تین آیات کے جو وحشی قائل حمزہؓ کے بارے میں نازل ہوئیں وہ تین آیات (آیت) "قل يعبادى الذى اسرفوا على الفسهم لا تقنطوا من رحمة الله" کہ یہ مدینہ منورہ میں وحشیؓ کے اسلام کے وقت نازل ہوئی اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ سات آیات۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہؓ کی حدیث ذکر آنحضرت ﷺ ہر رات اہتمام کے ساتھ سورة بنی اسرائیل اور سورة زمر تلاوت فرمایا کرتے تھے (فتح البیان فتح القدیر تفسیر ابن کثیر) اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں آپ ﷺ اس وقت تک نہ سوتے جب تک کہ سورة زمر کی تلاوت نہ کر لیں گذشتہ سورة ص کے زیادہ تر مضامین رسالت سے متعلق تھے جن میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اثبات منکرین کے لغو اور بے ہودہ اعتراضات کا رد ان کے احمقانہ تمسخر کا جواب تھا اب اس سورت میں اکثر مضامین توحید سے متعلق ہیں تو حید خداوندی ثابت کر کے مصدقین کی مدح اور انکی جزا اور ان پر انعامات الہیہ کا ذکر ہے اور مکذبین و منکرین پر وعیدہ و تشبیہ ہے اور ابطال شرک کے لیے عقلی اور فطری دلائل ذکر فرمائے گئے سابقہ سورت کا خاتمہ۔ "ولتعلمن لبأه بعدا حدین"۔ وحی الہی کی حقانیت و صداقت پر تھا تو اس سورت کی ابتدا اسی مناسبت و ربط کے قرآن کریم کی حقانیت سے کی گئی کہ یہ کتاب الہی اللہ عزیز و حکیم کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے جو حق و صداقت کے ساتھ اتاری گئی جس کا پیغام توحید خداوندی ہے اس طرح ہر دو سورتوں کے مضمون میں ربط کے ساتھ سابقہ کا خاتمہ اس سورت کی ابتداء سے ہی مربوط ہو گیا۔

باطل عقائد کی تردید:

اللہ تبارک و تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ یہ قرآن عظیم اسی کا کلام ہے اور اسی کا اتارا ہوا ہے۔ اس کے حق ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ جیسے اور جگہ ہے: **وَأَنزَلْنَا لِقَابِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** (اشعرا: ۱۱۲) یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ جسے روح الامین لے کر اترا ہے۔ تیرے دل پر اترا ہے تاکہ تو آگاہ کرنے والا بن جائے۔ صاف فصیح عربی زبان میں ہے اور آیتوں میں ہے یہ باعزت کتاب وہ ہے جس کے آگے یا پیچھے سے باطل آ ہی نہیں سکتا یہ حکمتوں والی تعریفوں والے اللہ کی طرف سے اتری ہے۔ یہاں فرمایا کہ یہ کتاب بہت بڑے عزت والے اور حکمت والے اللہ کی طرف سے اتری ہے جو اپنے اقوال و افعال شریعت تقدیر سب میں حکمتوں والا ہے۔ ہم نے تیری طرف اس کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ تجھے چاہیے کہ خود اللہ کی عبادتوں میں اور اس کی توحید میں مشغول رہ کر ساری دنیا کو اسی طرف بلا، کیونکہ اس اللہ کے سوا کسی کی عبادت زیبا نہیں، وہ لاشریک ہے، وہ بے مثال ہے، اس کا شریک کوئی نہیں۔ دین خالص یعنی شہادت توحید کے لائق وہی ہے۔ پھر مشرکوں کا تاپاک عقیدہ بیان کیا کہ وہ فرشتوں کو اللہ کا مقرب جان کر ان کی خیالی تصویریں بنا کر ان کی پوجا پاٹ کرنے لگے یہ سمجھ کر یہ اللہ کے لاڈلے ہیں، ہمیں جلدی اللہ کا مقرب بنا دیں گے۔ پھر تو ہماری روزیوں میں اور ہر چیز میں خوب برکت ہو جائے گی۔ یہ مطلب نہیں کہ قیامت کے روز ہمیں وہ نزدیکی اور مرتبہ دلوائیں گے۔ اس لئے کہ قیامت کے تو وہ قائل ہی نہ تھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ انہیں اپنا سفارشی جانتے تھے۔ جاہلیت کے زمانہ میں حج کو جاتے تو وہاں لبیک پکارتے ہوئے کہتے اللہ ہم تیرے پاس حاضر ہوئے۔ تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسے شریک جن کے اپنے آپ کا مالک بھی تو ہی ہے اور جو چیزیں ان کے ماتحت ہیں ان کا بھی حقیقی مالک تو ہی ہے۔ یہی شہدائے کلمہ پچھلے تمام مشرکوں کو رہا اور اسی کو تمام انبیاء علیہم السلام رد کرتے رہے اور صرف اللہ تعالیٰ واحد کی عبادت کی طرف انہیں بلاتے رہے۔ یہ عقیدہ مشرکوں نے بے دلیل گھڑ لیا تھا جس سے اللہ بیزار تھا۔ فرماتا ہے: **وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا** (انحل: ۲۶) یعنی ہر امت میں ہم نے رسول بھیجے کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے الگ رہو اور فرمایا: **(وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ)** (الانبیاء: ۲۵) یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے سب کی طرف یہی وحی کی کہ معبود برحق صرف میں ہی ہوں پس تم سب میری ہی عبادت کرنا۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان فرمادیا کہ آسمان میں جس قدر فرشتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی بڑے مرتبے والے کیوں نہ ہوں سب کے سب اس کے سامنے لاچار عاجز اور غلاموں کی مانند ہیں اتنا بھی تو اختیار نہیں کہ کسی کی سفارش میں لب ہاسکیں۔ یہ عقیدہ محض غلط ہے کہ وہ اللہ کے پاس ایسے ہیں جیسے بادشاہوں کے پاس امیر امراء ہوتے ہیں کہ جس کی وہ سفارش کر دیں اس کا کام بن جاتا ہے اس باطل اور غلط عقیدے سے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ کے سامنے مثالیں نہ بیان کیا کرو۔ اللہ اسے بہت بلند بالا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا سچا فیصلہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا ان سب کو جمع کر کے فرشتوں سے سوال کرے گا کہ کیا یہ لوگ تمہیں پوجتے تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ہے، یہ نہیں بلکہ ہمارا دلی تو تو ہے یہ

لوگ تو جنات کی پرستش کرتے تھے اور ان میں سے اکثر کا عقیدہ و ایمان انہی پر تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں راہ راست نہیں دکھاتا جن کا مقصد اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنا ہو اور جن کے دل میں اللہ کی آیتوں، اس کی نشانیوں اور اس کی دلیلوں سے کفر بیٹھ گیا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے عقیدے کی نفی کی جو اللہ کی اولاد ٹھہراتے تھے مثلاً مشرکین مکہ کہتے تھے کہ نر شتے اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ یہود کہتے تھے عزیز اللہ کے لڑکے ہیں۔ عیسائی گمان کرتے تھے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں۔ پس فرمایا کہ جیسا ان کا خیال ہے اگر یہی ہوتا تو اس امر کے خلاف ہوتا، پس یہاں شرط نہ تو واقع ہونے کے لئے ہے نہ امکان کے لئے۔ بلکہ محال کے لئے ہے اور مقصد صرف ان لوگوں کی جہالت بیان کرنے کا ہے۔ جیسے فرمایا: لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَّتَّخِذَ لَهٗوَا لَّا نَخْذُهٗ مِنْ لَدُنَّا اِنْ كُنَّا نَجْعَلُهٗنَّ (الانبیاء: ۱۷) گر ہم ان یہودہ باتوں کا ارادہ کرتے تو اپنے پاس سے ہی بنا لیتے اگر ہم کرنے والے ہی ہوئے اور آیت میں ہے: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ لَّاۤ اَفَّاكًا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (الزمر: ۸۱) یعنی کہہ دے کہ اگر رحمان کی اولاد ہوتی تو میں تو سب سے پہلے اس کا قائل ہوتا۔ پس یہ سب آیتیں شرط کو محال کے ساتھ متعلق کرنے والی ہیں۔ امکان یا وقوع کے لئے نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ نہ یہ ہو سکتا ہے نہ وہ ہو سکتا ہے۔ اللہ ان سب باتوں سے پاک ہے وہ فرد احد، صد اور واحد ہے۔ ہر چیز اس کی ماتحت فرمانبردار عاجز محتاج فقیر بے کس اور بے بس ہے۔ وہ ہر چیز سے غنی ہے سب سے بے پروا ہے سب پر اس کی حکومت اور غلبہ ہے، ظالموں کے ان عقائد سے اور جاہلوں کی ان باتوں سے اس کی ذات مبرا و منزہ ہے۔

خَالِقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِالْحَقِّ ۗ

تخلیق کائنات اور عقیدہ توحید:

ہر چیز کا خالق، سب کا مالک، سب پر حکمران اور سب کا قابض اللہ ہی ہے۔ دن رات کالٹ پھیر اسی کے ہاتھ ہے اسی کے حکم سے انتظام کے ساتھ دن رات ایک دوسرے کے پیچھے برابر مسلسل چلے آ رہے ہیں۔ نہ وہ آگے بڑھ سکے نہ وہ پیچھے رہ سکے۔ سورج چاند کو اس نے مسخر کر رکھا ہے وہ اپنے دورے کو پورا کر رہے ہیں قیامت تک اس انتظام میں تم کوئی فرق نہ پاؤ گے۔ وہ عزت و عظمت والا کبریائی اور رفعت والا ہے۔ گنہگاروں کا بخشہار، عاصیوں پر مہربان وہی ہے۔ تم سب کو اس نے ایک ہی نفس یعنی حضرت آدم سے پیدا کیا ہے پھر دیکھو کہ تمہارے آپس میں کس قدر اختلاف ہے۔ رنگ صورت آواز بول چال زبان و بیان ہر ایک الگ الگ ہے۔ حضرت آدم سے ہی ان کی بیوی صاحبہ حضرت حوا کو پیدا کیا۔ جیسے اور جگہ ہے کہ لوگوں کو اللہ سے ذرو جو تمہارا رب ہے جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا پھر بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے اس نے تمہارے لئے آٹھ نر و مادہ جو پائے پیدا کئے جن کا بیان سورۃ مائدہ کی آیت: (مِنَ النَّارِ الْاُنثٰی وَمِنَ النَّعْرِ الْاُنثٰی) (الانعام: ۱۳۳) میں ہے۔ یعنی بھینر، بکری، اونٹ گائے۔ وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے جہاں تمہاری مختلف پیدائشیں ہوتی رہتی ہیں پہلے نطفہ، پھر خون بستہ، پھر لوتھڑا، پھر گوشت پوست، ہڈی، رگ، پٹھے، پھر روح، غور کرو کہ وہ کتنا اچھا خالق ہے، تین تین اندھیرے مرحلوں میں تمہاری یہ طرح طرح کی تبدیلیوں کی پیدائش کا ہیر پھیر ہوتا رہتا ہے رحم کی اندھیری اس کے اوپر کی جھلی کی اندھیری اور پیٹ کا اندھیرا یہ جس نے آسمان و زمین کو اور خود تم کو اور تمہارے اگلوں پچھلوں کو

پیدا کیا ہے۔ وہی رب ہے اسی کا مالک ہے۔ وہی سب میں متصرف ہے وہی لائق عبادت ہے اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ اس میں نہ جانیں تمہاری عقلیں کہاں گئیں کہ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے لگے۔

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ عَنِّي عَنكُمْ

فرماتا ہے کہ ساری مخلوق اللہ کی محتاج ہے اور اللہ سب سے بے نیاز ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان قرآن میں منقول ہے کہ اگر تم اور دے زمین کے سب جاندار اللہ سے کفر کرو تو اللہ کا کوئی نقصان نہیں وہ ساری مخلوق سے بے پرواہ اور پوری تعریفوں والا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ اے میرے بندو تمہارے سب اول و آخر انسان و جن مل ملا کر بدترین شخص کا سادل بنا لو تو میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں آئے گی ہاں اللہ تمہاری ناشکری سے خوش نہیں نہ وہ اس کا تمہیں حکم دیتا ہے اور اگر تم اس کی شکرگزاری کرو گے تو وہ اس پر تم سے رضا مند ہو جائے گا اور تمہیں اپنی اور نعمتیں عطا فرمائے گا۔ ہر شخص وہی پائے گا جو اس نے کیا ہو ایک کے بدلے دوسرا پکڑا نہ جائے گا اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ انسان کو دکھو کہ اپنی حاجت کے وقت تو بہت ہی عاجزی انکساری سے اللہ کو پکارتا ہے اور اس سے فریاد کرتا رہتا ہے جیسے اور آیت میں ہے: (وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلُّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِلَهًا فَلَمَّا تَهَجُّمُ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا الْأَسْرَاءُ: ۶۷) یعنی جب دریا اور سمندر میں ہوتے ہیں اور وہاں کوئی آفت آتی دیکھتے ہیں تو جن جن کو اللہ کے سوا پکارتے تھے سب کو بھول جاتے ہیں اور خالص اللہ کو پکارنے لگتے ہیں لیکن نجات پاتے ہی منہ پھیر لیتے ہیں انسان ہے ہی ناشکرا۔ پس فرماتا ہے کہ جہاں دکھ درد مل گیا پھر تو اب ہو جاتا ہے گویا مصیبت کے وقت اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا اس دعا اور گریہ و زاری کو بالکل فراموش کر جاتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے: (وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ) (الزمر: ۸) یعنی تکلیف کے وقت تو انسان ہمیں اٹھتے بیٹھتے بیٹے ہر وقت بڑی حضور قلبی سے پکارتا رہتا ہے لیکن اس تکلیف کے ہٹتے ہی وہ بھی ہم سے ہٹ جاتا ہے گویا اس نے دکھ درد کے وقت ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ بلکہ عافیت کے وقت اللہ کے ساتھ شریک کرنے لگتا ہے۔ پس اللہ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ اپنے کفر سے گویا یونہی سافائدہ اٹھالیں۔ اس میں ڈانٹ ہے اور سخت دھمکی ہے جیسے فرمایا کہہ دیجئے کہ فائدہ حاصل کر لو آخری جگہ تو تمہاری جنم ہی ہے اور فرمان ہے ہم انہیں کچھ فائدہ دیں گے پھر سخت عذابوں کی طرف بے بس کر دیں گے۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِئٌ

صالحین کی صفات:

اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس طرح رات گزارتا ہو کہ اللہ کی عبادت میں لگا ہوا ہے کبھی سجدہ میں کبھی کھڑا ہوا ہے جو آخرت کے مواخذہ سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے کیا یہ شخص اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو کافر ہو گناہوں میں لگا ہوا ہو۔ (یہ بطور استفہام انکاری ہے) مطلب یہ ہے کہ عبادت گزار شخص جو راتوں رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے جو آخرت سے ڈرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہے یہ شخص اور اللہ تعالیٰ کا نافرمان کافر بندہ برابر نہیں ہو سکتے، بلکہ مؤمن صالح اور مسلم فاسق بھی برابر نہیں ہو سکتے جیسا کہ سورۃ ص میں فرمایا: (أَلَمْ نَجْعَلِ الْيُنْنَٰنَ أُمَّتًا

وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ) پھر فرمایا: (قُلْ خَلْقَ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَتْلُمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَتْلُمُونَ) (آپ فرمادیجئے کیا جاننے والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟) یعنی برابر نہیں ہو سکتے، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اہل علم ہیں جن کے علم نے انہیں ایمان کی روشنی دکھائی ہے، جس کی وجہ سے انہوں نے ایمان قبول کیا اور عبادت میں لگے اور جو لوگ جاہل ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں جانتے یہ دونوں فریق برابر نہیں ہو سکتے نہ جاہل علم کے برابر ہے نہ جاہل عالم کے برابر ہے اور نہ دونوں کا رتبہ برابر ہے جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو اہل علم اصحاب ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے۔

إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (جو لوگ عقل والے ہیں وہی نصیحت حاصل کرتے ہیں) جن لوگوں کو عقل نہیں یا عقل بے استعمال کرتے ہیں وہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے قرآن سنتے ہیں قرآن کی دعوت اور اس کی تعلیمات پر ایمان نہیں لاتے، بے شمار آدمی ایسے ہیں جو دنیاوی کاموں میں بہت آگے آگے ہیں نئی نئی مصنوعات ایجاد کرتے ہیں انسان کی ترقی کے لیے بہت کچھ سوچتے ہیں طرح طرح کی مشینری مارکیٹ میں لاتے ہیں سائنس اور جغرافیہ کی بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں لیکن کافر، مشرک ہیں اپنے خالق کو نہیں پہچانتے بہت سے لوگ تو خالق تعالیٰ شانہ کے وجود ہی کو نہیں مانتے اور جو مانتے ہیں وہ مشرک ہیں اس کے لیے اولاد بھی تجویز کرتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت بھی کرتے ہیں یہ عقلمندی بے کار ہے ایسے لوگوں کی عقل پر پتھر پڑے ہوئے ہیں ایسی عقل کا کیا فائدہ جو دوزخ میں لے جائے۔

نماز تہجد کی فضیلت:

آیت کریمہ سے نماز تہجد کی فضیلت معلوم ہوئی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرض نمازوں کے بعد افضل ترین نماز وہ ہے جو رات کے درمیانی حصے میں پڑھی جائے اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے اشراف (یعنی شرافت والے) وہ لوگ ہیں جو حاطین قرآن ہیں راتوں کو نمازیں پڑھنے والے ہیں حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازوں میں اتنا قیام فرمایا کہ آپ کے قدم مبارک سوچ گئے کسی نے عرض کیا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے ہیں (گناہوں سے وہ لغزش مراد ہیں جن کی خطا اجتہادی طور پر صادر ہو) آپ نے فرمایا تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں (رواہ البخاری) یعنی اللہ تعالیٰ کے انعام کا تقاضا تو یہ ہے کہ اور زیادہ عبادت گزار ہونا چاہیے نہ کہ تھوڑی عبادت پر اکتفا کیا جائے (يَذَكَّرُ الْأَخْيَرَ وَيُجْزَا رَحْمَةً رَئِيَةً) سے معلوم ہوا کہ خوف اور امید ساتھ ساتھ ہونا چاہیے یہ مؤمن کی صفات ہیں سورۃ الانبیاء میں چند حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا: (إِنَّهُمْ كَانُوا يُسِرُّ عُنُونِ فِي الْخَيْبَاتِ وَيَتَدَعُونَ نَارَ دَعْبَاتٍ وَرَهْبَاتٍ) (یہ سب نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور امید و بیم کے ساتھ ہماری عبادت کیا کرتے تھے) اور سورۃ الم سجدہ میں فرمایا: (تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا زَوْعًا زَوْعًا فَهُمْ يُنْفِقُونَ) (ان کے پہلو نواں ہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں

سے خرچ کرتے ہیں) ان دونوں آیتوں سے بھی معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ میں بھی لگے، اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرے، امید بھی رکھے، ڈرتا بھی رہے۔ یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور عباد صالحین کا طریقہ ہے عمل نہ کرنا اور خالی امید رکھنا یہ ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے۔ حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک جوان شخص کے پاس تشریف لے گئے، یہ ان کی موت کا وقت تھا آپ نے فرمایا کہ تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو، عرض کیا کہ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں پر موقوف ہونے سے ڈرتا ہوں آنحضرت ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا اس جیسے موقعہ میں (یعنی موت کے وقت) جس کی بندگی کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوں گی اللہ اس کی امید کے مطابق ضرور اسے (انعام) عطا فرمائے گا اور وہ جس چیز سے ڈرتا ہے اس سے امن و امان میں رکھے گا۔

قُلْ لِيَعْبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۗ أَيُّ عَذَابِهِ بَأْسٌ تُطِيعُوهُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا الطَّاعَةِ حَسَنَةً ۗ هِيَ الْجَنَّةُ وَارْضُ اللَّهُ بِهَا وَاسِعَةً ۗ فَهَا جَزَاءُ الْيَهُامِ مِنْ بَيْنِ الْكُفَّارِ وَمُشَاهَدَةِ الْمُتَكْرَبَاتِ إِنَّمَا يُؤْتِي الضُّبُورُونَ عَلَى الطَّاعَاتِ وَمَا يَنْتَلُونَ بِهِ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ بَغَيْرِ مِكْيَالٍ وَلَا مِيزَانٍ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۗ مِنَ الشِّرْكِ وَ أُمِرْتُ لِأَنْ أَبَانَ الْكُونَ أَوَّلَ الْمَسْلُومِينَ ۝ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قُلِ اللَّهُ أَعْبَدُ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي ۗ مِنَ الشِّرْكِ فَأَعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُونِهِ ۗ غَيْرِهِ فِيهِ تَهْدِيدٌ لَهُمْ وَإِنْدَانٌ بَأْسَهُمْ لَا يَعْبُدُونَ اللَّهَ تَعَالَى قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَ أَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ بِشُرْبِ الْوَيْنِ فِي النَّارِ وَبِعَدَمِ وُضُوعِهِمْ إِلَى الْخُورِ الْمُعَدَّةِ لَهُمْ فِي الْجَنَّةِ لَوَأْمَتُوا إِلَّا ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝ الْبَيْنُ لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظِلٌّ طَبَاقٍ مِنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظِلٌّ ۗ مِنَ النَّارِ ذَلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهَ بِهِ عِبَادَهُ ۗ أَيُّ الْمُؤْمِنِينَ لِيَتَّقُوهُ يُدُلُّ عَلَيْهِ لِيَعْبَادِ فَاتَّقُوا ۝ وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاعُونَ الْأَوْثَانَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَ أَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَى ۗ بِالْجَنَّةِ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۗ الَّذِينَ يَسْتَعِينُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۗ وَهُوَ مَا فِيهِ فَلَانٍ حُجَّتُمْ أَوْلِيكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ لَهُمْ وَأَوْلِيكَ هُمْ أَوْلَا الْأَلْبَابِ ۝ أَصْحَابُ الْعُقُولِ أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۗ أَيُّ لَأَمْلَانَ جَهَنَّمَ الْآيَةُ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ نُحْرُجَ مَنْ فِي النَّارِ ۗ جَوَابُ الشَّرْطِ وَأَقِيمَ فِيهِ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ وَالْهَمْزَةُ لِلْإِنْكَارِ

وَلَمَنْ لَّا تُقْدِرْ عَلَىٰ هِدَايَتِهِ فَتَقْدِرْهُ مِنَ النَّارِ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِنَّ أَصْحَابَهُ لَهُمْ عُرْفٌ مِّنْ قُرُونِهِمْ عُرْفٌ مُّبِينَةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ أَيُّ مِنْ شَجَبِ الْعُرْفِ الْمُوقَاتِيَةِ وَالشَّخَاتِيَةِ وَعَدَّ اللَّهُ مَنْشُورٌ بِفِعْلِهِ الْمُتَقَدِّرِ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْبَيْعَادَ ۝ وَعَدُّهُ لَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَ السَّيَاطِعَ أَدْخَلَ الْغَيْبَةَ نَبْعٌ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهْبِجُ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا يَغْدِرُ الْخَضِرَةَ مِثْلًا مُّصَفَّرًا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا فَتَأْتَانِ أَنْ فِي ذَلِكَ لَذِكْرٌ لِّلَّذِينَ الْأُولَى الْأَلْبَابِ ۝

بِذِكْرِهِ بِهِ لِدَلَالِيهِ عَلَىٰ وَحْدَانِيَةِ اللَّهِ تَعَالَىٰ وَقُدْرَتِهِ

تو کہتے ہیں: آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے ایمان لانے والے بندو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو اس کے عذاب سے ڈر کر فرمانبرداری کرو جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں فرمانبرداری کر کے ان کے لیے بہتری صلہ جنت ہے اور اللہ کی سرزمین فراخ ہے لہذا کفار اور برائیوں سے نکل کر وہاں چلے جاؤ جو لوگ نیکیوں اور اس کی آزمائشوں میں مستقل مزاج رہتے ہیں ان کا صلہ بیشمار ہی ہوگا بغیر ناپ تول کے آپ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس کے لیے شرک سے پاک صاف عبادت کروں اور مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں اس امت کے مسلمانوں میں سب سے اول ہوں آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں میں ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں آپ کہہ دیجئے کہ میں اللہ ہی کی عبادت شرک سے پاک صاف کرتا ہوں سو تم خدا کو چھوڑ کر جس چیز کی چاہے عبادت کرو اس میں کافروں کو دھمکی ہے اور اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو آپ کہہ دیجئے کہ سخت ٹونے میں وہی لوگ ہیں جو اپنی جان اور متعلقین کے بارے میں قیامت کے روز ٹونے میں پڑیں گے۔ ہمیشہ دوزخ میں پڑ کر اور ان حوروں سے محروم رہ کر جو ایمان لانے کی صورت میں ان کو جنت میں نصیب ہوتی یاد رکھو کہ یہ نکلا ہوا ٹونا ہے ان کے لیے اوپر سے بھی آگ کے گھیرنے والے اشلے ہوں گے اور نیچے سے بھی یہ وہی ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے مسلمانوں کو تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں اگلا جملہ اس پر دالالت کرتا ہے اے میرے بندوں مجھ سے ڈرو اور جو لوگ شیطان کی عبادت سے بچتے ہیں اور اللہ کی طرف جھکتے ہیں رخ کرتے ہیں وہ جنت کی خوشخبری سنانے کے مستحق ہیں سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر جن میں ان کی فلاح ہے عمل کرتے ہیں۔ یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو ہوش مند متکلمند ہیں بھلا جس شخص پر عذاب کی بات یعنی لا ملئین جہنم اذ یعنی ہو چکی تو کیا آپ ایسے شخص کو جو دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں یہ جواب شرط ہے یہاں اسم ضمیر کی جگہ ہے اور ہمزہ انکاری ہے یعنی تم ان کی ہدایت پر اس طرح قادر نہیں ہو کہ انھیں عذاب سے بچا سکو لیکن جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں ان کے لیے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور منزلیں ہیں جو بنے ہوئے تیار ہیں ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں یعنی بالائی اور زیریں منزلوں کے نیچے یہ اللہ کا وعدہ ہے نفل قدر کی وجہ سے منسوب ہے وہ وعدہ خلاف نہیں ہے

میرا دوسرا وعدہ کے معنی میں ہے کیا تو نے اس پر نظر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے بارش برسانی پھر اس کو سونوں میں داخل کرتا ہے زمین کے اندر ذخیروں میں زمین کے پھر اس کے ذریعہ کھیتیاں پیدا کرتا ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں پھر وہ کھیتی خشک ہو کر سوکھ جاتی ہے کہ تو اس کو زرد دیکھتا ہے سرسبز کی بعد مثلاً پھر اس کو چورا چورا ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اس میں دانشمندی کیسے بڑی عبرت نصیحت ہے جو اس سے سبق لیں کیونکہ اس سے خدا تعالیٰ کی وحدانیت و قدرت کا پتہ چلتا ہے۔

کلماتِ تفسیر کی توضیح و تشریح

قولہ: بِأَنَّ لام زائدہ ہے۔ اور ان سے پہلے ہا مقدر سے مجرور ہے۔

قولہ: مَنْفِيهِ بیلدہ: اس میں امر تہدید ہے۔

قولہ: أَطْبَاقٍ: جمع طبق۔

قولہ: تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ: تو یہ سایہ دوسروں کے لیے ہوگا۔

قولہ: ذَلِكَ: اس کا اشارہ عذاب کی طرف ہے۔

قولہ: الطَّاغُوتُ: یہ رحمت کی طرح مصدر میں مبالغہ کے لیے بنایا گیا، پھر صفت میں مبالغہ کے لیے استعمال ہونے لگا۔

قولہ: مَنْ فِي النَّارِ: میں ظاہر کو ضمیر کی جگہ لائے۔ مَنْ یہ تاکید کیلئے ثابت ہے اور ہمزہ جزاء پر یہ بھی تاکید کیلئے ہے۔

قولہ: فَنَاتَا: پینا۔ فئات: انگلیوں سے کسی چیز کو توڑنا۔ فئات: توڑی، ریزہ شدہ چیز۔

تفسیر مقبولین

قُلْ يُجَادِلُ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ

اللہ سے ڈرنے اور خالص اس کی عبادت کرنے کا حکم:

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے رسول اللہ ﷺ کو متعدد باتوں کا اعلان کرنے کا حکم دیا ہے اول تو یہ فرمایا کہ آپ میرے مومن بندوں سے فرمادیجئے کہ تم اپنے رب سے ڈرو، یہ ڈرنا اعمالِ صالحہ پر ابھارنے اور گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہوتا ہے جب کوئی شخص اعمالِ صالحہ ادا کرتا ہے تو اس کی نیکیاں جمع ہوتی رہتی ہیں، ان نیکیوں پر صبر کرنا اور جسے رہنا مبارک ہے صبر کرنے والوں کا پورا پورا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے عطا فرمادے گا، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ (اللہ کی زمین فراخ ہے۔)

اس میں یہ بیان فرمایا کہ جو کوئی ایسی جگہ رہتا ہے جہاں کافر رہتے اور بستے ہیں اور ان کے نرغہ میں رہنے کی وجہ سے دین

پر نہیں جم سکتا اور اعمال صالحہ انجام نہیں دے سکتا اور ممنوعات شرعیہ سے نہیں بچ سکتا تو وہاں سے چلا جائے اور کسی ایسی جگہ جا کر آباد ہو جائے جہاں احکام اسلام پر عمل کر سکتا ہو، اور کوئی شخص یہ نہ سوچے کہ میں یہاں سے کہاں جاؤں ہمت اور ارادہ کرے گا اور وطن کی محبت سے بالاتر ہو کر اللہ تعالیٰ کی محبت کے پیش نظر نکل کھڑا ہوگا تو ان شاء اللہ بہت سی جگہ مل جائے گی، سورۃ النساء میں اسی کو یوں بیان فرمایا: (وَمَنْ يُهَاجِرْ فَيُجِدْ سَبِيلَ اللَّهِ لِيُجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرْتًا كَثِيرًا وَسَعَةً) (اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش۔)

دوم یہ حکم دیا کہ آپ اعلان فرمادیں کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص اسی کی عبادت میں مشغول رہوں اور مجھے یہ بھی حکم ہوا ہے کہ مسلمانوں میں سب سے پہلا مسلمان ہوں چونکہ یہ امت آخری امت ہے اور آپ ﷺ آخری نبی ہیں لہذا آپ اس کی آخری امت میں سب سے پہلے مسلمان ہیں جیسے دیگر تمام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونا لازم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا دین پیش کرنے والے پر بھی ان احکام کی فرمانبرداری لازم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی ذات سے متعلق ہیں اس اعلان میں یہ بتا دیا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور فرمانبردار ہوں اور صرف دوسروں ہی کو ایمان کی دعوت نہیں دیتا خود بھی مؤمن ہوں اور احکام پر عمل پیرا ہوں معلوم ہوا کہ ہر داعی کو اپنی دعوت پر خود بھی عمل پیرا ہونا لازم ہے۔

تیسرا حکم یہ دیا کہ آپ فرمادیجئے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں (انبیاء کرام علیہ السلام) گنہگار اور نافرمان نہیں ہوتے تھے بطور فرض یہ اعلان کروا دیا گیا کہ میں خود نافرمانی کے مواخذہ سے ڈرتا ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں لہذا دیگر افراد کو تو زیادہ خوف زدہ ہونے اور مواخذہ سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔

چوتھا حکم یہ دیا کہ آپ لوگوں سے فرمادیں کہ دیکھو میں تو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں (اور تمہیں بھی اسی کی دعوت دیتا ہوں) تم میری دعوت قبول نہیں کرتے تو تم جانو اللہ کو چھوڑ کر جس کی چاہو عبادت کر لو لیکن اس کا انجام برا ہوگا۔

پانچویں حکم میں فرمایا کہ آپ فرمادیجئے اصل خسارہ والے وہ ہیں جو قیامت کے دن اپنی جانوں اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے خسارہ میں پڑیں گے یعنی اس کفر و شرک کے وبال میں قیامت کے دن جو ابتلا ہوگا وہ سخت خسارہ کی صورت میں رہنے آئے گا اس دن کا خسارہ معمولی نہ ہوگا اس دن اپنی اس جان کو کوئی نفع نہ پہنچا سکیں گے اور نہ عذاب سے بچا سکیں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ ہوگا دوزخ میں داخل ہوں گے فرشتے عذاب دیں گے ورجن لوگوں کو انہوں نے کفر و شرک پر ڈالا یعنی ان کے اہل و اولاد اور دوسرے لوگ جو اتہاع کرنے والے تھے وہ بھی ان کے نہ رہیں گے وہ ان پر لعنت بھیجیں گے ہر ایک دوسرے سے بھاگے گا اور کوئی کسی کی مدد نہ کر سکے گا دنیا میں جو اپنے تھے وہ وہاں اپنے نہ رہیں گے۔ جب دنیا میں کفر و شرک پر ڈال کر اپنی جانوں کا ناس کھو دیا تو اپنی جانوں سے بھی گئے اور ان کی جانوں سے بھی اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ﴿۱۰﴾ (خبردار خوب سمجھ لو کہ یہ واضح کھلا ہوا خسارہ ہے۔)

لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۚ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِ عِبَادًا ۗ اَلَيْسَ اَلْعِبَادَ فَاَتَقْوٰنَ ﴿۱۰﴾

اس کے بعد ان کے عذاب کی کچھ تفصیل بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ان کے اوپر آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے بھی، آگ

کے ان شعلوں کو ظلل سے تعبیر فرمایا جو ظلم کی جمع ہے ظلم سائبان کو کہا جاتا ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۃ اعراف میں فرمایا: (لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ) اور سورۃ عنکبوت میں فرمایا: (يَوْمَ يَغْشَاهُمْ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ) نیچے بھی آگ ہوگی اور اوپر بھی اوپر سے بھی جلیں گے اور نیچے سے بھی مشاکلتہ نیچے کے بستر کو ظلل سے تعبیر فرمایا۔ (قال صاحب الروح وتسميتها ظللا من باب المشاكلة)

ذَلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهَ بِهِ عِبَادَهُ، (یہ وہ چیز ہے جس کے ذریعہ اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، يُعْبَادُ فَاتَّقُونَ) (اے میرے بند تم مجھ سے ڈرو) میری ناراضگی کے کام نہ کرو (قال صاحب الروح ولا تتعرضوا لما يوجب سخطي) معارف و مسائل

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝

اس آیت کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے اقوال متعدد ہیں۔ ایک قول وہ ہے جس کو ابن کثیر نے لیا اور خلاصہ تفسیر مذکور میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قول سے مراد اللہ کا کلام قرآن یا قرآن مع تعلیمات رسول ہے اور وہ سب احسن ہی احسن ہے۔ اس لئے مقتضی مقام کا بظاہر یہ تھا کہ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ کہا جاتا مگر اس کی جگہ لفظ احسن کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ ان لوگوں نے قرآن اور تعلیمات رسول کا اتباع بے بصیرتی کے ساتھ نہیں کیا جیسا بے وقوف لوگوں کا طریقہ ہے کہ جس کی بات سنی بغیر کسی تحقیق و بصیرت کے اس کا اتباع کرنے لگے بلکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو حق اور احسن دیکھنے کے بعد اس کا اتباع کیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں آخر آیت میں ان کو اولوالالباب یعنی عقل والے ہونے کا خطاب دیا گیا ہے۔ اس کی نظیر قرآن ہی میں وہ ارشاد ہے جو حضرت موسیٰ عليه السلام کو تورات کے متعلق ہوا ہے۔: فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَاْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِهَا حَسَنًا۔ یہاں بھی احسن سے مراد پوری تورات اور اس کے احکام ہیں۔ اسی طرح مذکورہ آیات میں استماع قول سے مراد استماع قرآن اور اتباع احسن سے مراد اتباع پورے قرآن کا ہے جس کو اگلی آیت میں احسن الھدیث فرمایا گیا ہے۔ اسی تفسیر میں کہ قول سے مراد خاص قرآن لیا جائے بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں بھی بہت سے احکام میں حسن اور احسن کے درجات رکھے ہیں۔ مثلاً انتقام اور عفو دونوں جائز ہیں مگر عفو احسن و افضل ہے۔ وان تصبر و اخبر لکرم۔ بہت سی چیزیں جس میں قرآن نے انسان کو اختیار دیا ہے کہ دونوں میں جس کو چاہے اختیار کرے کوئی گناہ نہیں۔ مگر ان میں سے کسی ایک کو احسن و افضل بھی فرمادیا جیسے: و ان تعفوا اقرب لتقوئی میں ہے۔ بہت سی چیزیں میں رخصت دی گئی ہے مگر عزیمت پر عمل کو احسن و افضل فرمایا ہے تو مراد آیت کی یہ ہوگی کہ یہ لوگ احکام قرآن رخصت کے بھی سنتے ہیں۔ عزیمت کے بھی مگر اتباع بجائے رخصت کے عزیمت کا کرتے ہیں۔ اور جن دو چیزوں میں ایک حسن ہو دوسری احسن ہے ان میں سے احسن ہی کو عمل کے لئے اختیار کرتے ہیں۔

اور بہت سے حضرات مفسرین نے اس جگہ قول سے مراد عام لوگوں کے اقوال لئے ہیں جن میں توحید و شرک، کفر و اسلام، حق و باطل پھر حق میں حسن اور احسن اور راجح و مرجوح سب داخل ہیں۔ مطلب آیت کا اس تفسیر پر یہ ہے کہ یہ لوگ باتیں

سب کی سنتے ہیں۔ کنہ کی بھی مؤمنین کی بھی۔ حق بھی، باطل بھی، اچھی بھی اور بری بھی لیکن اتباع صرف اسی بات کا کرتے ہیں جو احسن ہے۔ توحید و شرک میں سے توحید کا حق و باطل میں سے حق کا اور حق کے مختلف درجات میں جو احسن اور راجح ہو اس کا اتباع کرتے ہیں۔ اس لئے ان کو دو صفتوں کے ساتھ موصوف کیا گیا۔ پہلی ہدایہ ہدایہ یعنی یہ لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں۔ اس لئے مختلف قسم کی باتیں سن کر بھٹکتے نہیں۔ دوسرے: اولئک ہمہ اولو الالباب۔ یعنی یہ لوگ عقل والے ہیں۔ عقل کا کام ہی یہ ہے کہ اچھے برے اور حق و باطل میں تمیز کرے۔ اور احسن و احسن کو پہچان کر احسن کو اختیار کرے۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ آیت زید بن عمرو بن نفیل، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی کے بارے میں نازل ہوئی، زید بن عمرو بن نفیل زمانہ جاہلیت میں بھی شرک و بت پرستی سے نفرت کرتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری اور سلمان فارسی مختلف اہل مذاہب و مشرکین پھر یہ دو نصاریٰ کی باتیں سننے اور ان کے طور و طریق دیکھنے کے بعد ایمان لائے اور قرآنی تعلیمات کو سب سے احسن پکار کر ان کو ترجیح دی۔ (قرطبی)

اللَّهُ تَرَكَنَّا اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔۔۔۔۔

پانی کی نعمت اور اس کے نہایت پر حکمت نظام میں سامان غور و فکر:

یعنی ان لوگوں کیلئے جن کی عقلیں ہر قسم کی میل کچیل، اور ذلیغ و ضلال کے جملہ شوائب سے پاک صاف اور اپنی فطرت پر ہیں۔ سو ایسے لوگوں کیلئے قدرت کے اس عظیم الشان اور حکمتوں بھرے نظام میں یقیناً بڑی بھاری نصیحت، اور یاد دہانی ہے۔ جس سے ایک طرف تو حضرت خالق جل جلالہ، کی قدرت بے پایاں اس کی حکمت بے نہایت۔ اور اس کی رحمت و عنایت بے غایت کے عظیم الشان مظاہر سامنے آتے ہیں، اور ایسے عظیم الشان کہ ان کو دیکھ کر ایک سلیم الفطرت انسان دل و جان سے اپنے اس خالق مالک کے حضور جھک جھک جاتا ہے۔ اور اس طور پر کہ وہ بے ساختہ پکار اٹھتا ہے: (وَرَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا يُجْنِتُكَ فَبِقِنَا عَذَابَ النَّارِ) (آل عمران: ۱۹۱) یعنی اے ہمارے رب یہ نہیں ہو سکتا کہ تو اس سب کو بے کار اور بے مقصد پیدا کرے۔ تیری شان اس سے پاک اور بہت بلند ہے، پس تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ سو اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جس خالق و مالک نے اپنے بندوں کی پرورش کیلئے یہ عظیم الشان اور حکمتوں بھرے نظام فرمایا۔ اس کی اس پر حکمت اور رحمتوں بھری پروردگاری کا طبعی تقاضا، اور لازمی مقتضی ہے کہ اسکے بندے اسی کے شکر گزار بنیں۔ اور اس کی عبادت و شکر گزاری میں اور کسی کو اس کا شریک و شامل نہ کریں۔ کہ جب زمین و آسمان کی اس عظیم الشان اور حکمتوں اور رحمتوں بھری کائنات کے خلق و ابداع، اس کے وجود و بقا، اور اسکے اندر حکم و تصرف، میں کوئی اس کا شریک و سہم نہیں، تو پھر اس کی عبادت و بندگی اور اس کے حق شکر و اطاعت میں کوئی اس کا شریک و سہم کس طرح ہو سکتا ہے؟ سو وہی وحدہ لا شریک معبود برحق بھی ہے۔ اور مطاع مطلق بھی، نیز اس پر حکمت نظام تربیت میں یہ درس عظیم بھی پایا جاتا ہے، کہ جب آسمان سے لے کر زمین تک کی ہر چیز انسان کی خدمت میں سرگرم عمل ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ پوری کائنات کا مخدوم و مطاع یہ انسان عبث و بیکار ہو؟ اور اس سے اس کے اچھے برے عمل کے بارے میں کوئی پرسش نہ ہو؟ اور اس تذکیر و یاد دہانی کا ایک اور نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ ایک

ایسا یوم حساب ہوا جس میں ہر انسان سے اس کے زندگی بھر کے کئے کرائے کی پوچھ ہو۔ جسکے نتیجے میں نیکو کاروں اور شکر گزاروں کو ان کے اجر و ثواب سے نواز جائے، اور اس کے برعکس ناشکروں اور نافرمانوں کو ان کی ناشکری اور نافرمانی کی سزا ملے۔ تاکہ اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں، اور بدرجہ تمام و کمال پورے ہوں، سو وہی یوم حساب یوم قیامت ہے۔ جس کا ہونا عقل و فطرت سب کا تقاضا ہے۔ نیز اس میں تذکیر و یاد دہانی کا ایک اور بڑا اور اہم پہلو یہ ہے کہ زمین کی یہ تمام عظیم شانیں، اور اس کی طرح طرح کی یہ روئیں، سب عارضی فانی اور وقتی ہیں۔ جو اس کائنات کی بے ثباتی اور اس کی فنا کا درس دے رہی ہیں، کہ عقلمند انسان اس کو اپنا اصل مقصد نہ بنائے۔ اور اس پر سمجھنے کے بجائے وہ اس خالق و مالک کی ذات اقدس و اعلیٰ کی طرف متوجہ ہو اور ہمیشہ اسی کی طرف متوجہ رہے۔ اور دل و جان سے اسی کا بن کر رہے جس نے اس پوری کائنات کو۔ اور اس کی ان تمام رونقوں اور شانوں کو وجود بخشا۔ اور وہی ان کو قائم اور برقرار رکھے ہوئے ہے یہ اس وحدہ لا شریک کا اسکے بندوں پر حق بھی ہے اور اسی میں ان سب کا خود اپنا بھلا بھی ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی۔ اور آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی، جو اس دنیا کے بعد آنے والا ہے، اور بالکل ایسے جیسے آج کے بعد آنے والے کل نے آنا اور ہوا ہو کر رہنا ہے سو کائنات کی اس کھلی کتاب میں تذکیر و یاد دہانی کے عظیم الشان درس سہائے عبرت و بصیرت ہیں، لیکن یہ سب کچھ انہی لوگوں کیلئے ہے جو عقل سلیم کی دولت رکھتے ہیں، ورنہ ان اندھوں اور بہروں کیلئے اس میں نہ کوئی درس ہے نہ ہو سکتا ہے، جن کی عقلیں کفر و شرک، الحاد و بے دینی، اور اتباع ہنوی وغیرہ کی میل سے میلی ہو کر ماؤف ہو چکی ہیں، اور جن کو ان لوگوں نے تفکر و تدبر کے بجائے بطن و فرج کی شہوات و خواہشات کی تحصیل و تکمیل کے پیچھے لگا دیا ہے، اور انہوں نے اسکو انہی کا غلام بنا دیا، سو ان کی عقلیں عقول سلیمہ نہیں، عقول مریضہ بن کر رہ گئیں،

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَاهْتَدَىٰ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ ۗ كَمَنْ طَبَعَ عَلَىٰ قَلْبِهِ دَلًّا عَلَىٰ هَذَا
 قَوْلٍ كَلِمَةٌ عَذَابٍ لِّلْقَسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَيْ عَنِ قَبُولِ الْقُرْآنِ أَوْلَيْكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝
 بَيْنَ اللَّهِ نَزَلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا بَدَلٌ مِنْ أَحْسَنِ أَيْ قُرْآنًا مُّتَشَابِهًا أَيْ يَشْبَهُهُ بَعْضُهُ بَعْضًا فِي النَّظْمِ
 وَغَيْرِهِ مَثَانِي ۗ نَتَىٰ فِيهِ الْوَعْدُ وَالْوَعِيدُ وَغَيْرُهُمَا تَشْعُرُ مِنْهُ تَرْتَعِدُ عِنْدَ ذِكْرِ وَعِيدِهِ جُلُودُ الَّذِينَ
 يَخْشَوْنَ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ ۗ ثُمَّ تَلِينُ تَطْمَئِنُّ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَيْ عِنْدَ ذِكْرِ وَعِيدِهِ
 ذَلِكَ أَيْ الْكِتَابِ هُدَىٰ اللَّهُ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُضَلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۗ ۝ أَفَمَنْ يَتَّقِي
 يَلْقَىٰ بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَيْ أَشَدَّهُ بَانَ يُلْقَىٰ فِي النَّارِ مَغْلُوبَةً يَدَاهُ إِلَىٰ عُنُقِهِ كَمَنْ أَمِنَ
 مِنْهُ بِدُخُولِ الْجَنَّةِ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ أَيْ كَفَّارِ مَكَّةَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۗ ۝ أَيْ جَزَاءَهُ كَذَابٍ

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ رَسَلِهِمْ فِي آيَاتِنَا الْعَذَابِ فَأَنهَمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۳۹﴾ مِنْ جِهَةٍ لَا
يَخْطُرُ بِأَلْبَهُمْ فَأَذَابَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ الذَّلَّ وَالْهَوَانَ مِنَ الْمَسْخِ وَالْقَتْلِ وَغَيْرِهِمَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ
لِعَذَابِ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ كَو كَانُوا أَيْ الْمَكْدِبُونَ يَعْلَمُونَ ﴿۴۰﴾ عَذَابَهَا مَا كَذَبُوا وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا حَعْلَنَا
لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۱﴾ يَتَعِظُونَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا حَالِ مَوْكِدَةٍ
غَيْرِ ذِي عِوَجٍ أَيْ لَيْسَ وَاحْتِلَافٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۴۲﴾ الْكُفْرَ ضَرَبَ اللَّهُ لِلْمُشْرِكِ وَالْمُؤَخِّدِ مَثَلًا
رَجُلًا بَدَلٍ مِنْ مَثَلٍ فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَكِّسُونَ مُتَنَارِعُونَ سَيِّئَةُ أَخْلَاقِهِمْ وَ رَجُلًا سَلَمًا خَالِصًا لِرَجُلٍ
هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا تَمَيِّزُ أَيْ لَا يَسْتَوِي الْعَبْدُ لِحَمَاعَةٍ وَالْعَبْدُ لِوَاحِدٍ فَإِنَّ الْأَوَّلَ إِذَا طَلَبَ مِنْهُ كُلٌّ مِنْ
مَالِكِهِ خَدَمَتْهُ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ تَحْتِيزُ مَنْ يَخْدُمُهُ مِنْهُمْ وَهَذَا مَثَلٌ لِلْمُشْرِكِ وَالثَّانِي مَثَلٌ لِلْمُؤَخِّدِ الْخَدُّ
لِللَّهِ وَحَدَهُ بَلْ أَكْثَرُهُمْ أَهْلُ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۳﴾ مَا يَصِيبُ رُونَ إِلَيْهِ مِنَ الْعَذَابِ فَيُشْرِكُونَ إِنَّكَ
خَطَّابٌ لِلنَّبِيِّ مَيِّتٌ وَ إِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ﴿۴۴﴾ سَتَمُوتُ وَيَمُوتُونَ فَلَا شَمَاتَةَ بِالْمَوْتِ نَزَلَتْ لَمَّا اسْتَبَطَأُوا
مَوْتَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ فِيمَا بَيْنَكُمْ مِنَ الْمَظَالِمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ
تَخْصِمُونَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: بھلا جس شخص کا سینہ کھول دیا اللہ نے دین اسلام کے واسطے سو وہ ہدایت پا گیا پس وہ اپنے پروردگار کی طرف سے
روشنی پر ہوتا کیا وہ اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے جس کے قلب پر مہر لگادی گئی ہو بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کی
یاد سے یعنی قرآن کو قبول کرنے سے غافل ہو رہے ہیں خبر کے حذف پر ویل دال ہے ”ویل“ کلمہ عذاب ہے یہی لوگ صریح
گمراہی میں ہیں اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے وہ ایسی کتاب ہے یعنی قرآن کریم جو آپس میں ملتی جلتی ہے کتابا،
احسن الحدیث سے بدل واقع ہے یعنی الفاظ وغیرہ میں بعض بعض کے مشابہ ہے اس میں وعدہ وعید وغیرہ کو بار بار دہرایا گیا
ہے جس سے ان لوگوں کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جب اس کی وعید ذکر کی جاتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں
آخر کار ان کے جسم اور دل میں اس کے وعدے کے ذکر کے وقت نرم ہو جاتے ہیں یہ کتاب اللہ کی ہدایت ہے اس کے ذریعہ
جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور خدا جس کو گمراہ کرتا ہے اس کا کوئی ہادی نہیں بھلا وہ شخص جو قیامت کے دن اپنے چہرے
کو بدترین عذاب کے لیے ڈھال بنائے گا یعنی شدید ترین عذاب کے لیے اس طریقہ پر کہ اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن
میں باندھ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے جو جہنم کی آگ سے جنت میں داخل ہونے کی وجہ سے

محفوظ رہا ظالموں کفار مکہ سے کہا جائے گا اپنے کئے کا یعنی اس کی سزا چکھو عذاب آنے کے بارے میں ان سے پہلے والوں نے رسولوں کو جھٹلایا سوان پر عذاب ایسے طور پر آیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا یعنی ایسی جہت سے آیا کہ ان کے دل میں وہم گمان بھی نہ تھا سو اللہ نے ان کو دنیاوی زندگی ذلت رسوائی کا عذاب چکھا دیا، یعنی مسخ اور قتل اور آخرت کا عذاب اور بھی برا ہے کا شیعہ جھٹلانے والے اس عذاب کو سمجھ جاتے تو تکذیب نہ کرتے اور یقیناً ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں حال یہ ہے کہ قرآن عربی ہے حال مؤکدہ ہے اس میں کسی قسم کی کجی التباس و اختلاف نہیں تاکہ یہ لوگ کفر سے بچیں اللہ تعالیٰ نے مشرک اور موحد کی ایک مثال بیان فرمائی ایک شخص ہے رجلاً، مثلاً سے بدل واقع ہے جس میں بد اخلاق جھگڑا قسم کے چند لوگ شریک ہیں اور دوسرا وہ شخص ہے جو خالص ایک ہی شخص کا ہے کہ ان دونوں کی حالت یکساں ہے مثلاً تمیز ہے یعنی جماعت کا غلام اور ایک شخص کا غلام برابر نہیں ہو سکتے اس لیے اول سے جب اس کا ہر ایک ایک ہی وقت میں خدمت طلب کرے گا تو وہ حیران رہ جائے گا کہ ان میں سے کس کی خدمت کرے یہ مثال مشرک کی ہے اور دوسری مثال موحد کی ہے اللہ وحدہ کے لیے تعریفیں ہیں بات یہ ہے کہ اہل مکہ میں سے اکثر لوگ اس عذاب کو جانتے ہی نہیں جس کی طرف وہ جا رہے ہیں پس وہ شرک کرنے لگے ہیں یقیناً آپ کو بھی موت آئیگی اور وہ بھی مرنے والے ہیں یہ آنحضور ﷺ کو خطاب ہے لہذا موت پر خوشی کی کوئی بات نہیں، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اہل مکہ آنحضور ﷺ کی موت کا انتظار کرنے لگے پھر تم یقیناً سب کے سب اے لوگو! آپس میں حقوق کے بارے میں قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑو گے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: كَمَنْ طَبَعَ: من کی خبر مخذوف ہے۔
- قوله: وَغَيْرِهِ: مثلاً: اعجاز صحت معنی اور فوائد پر دلالت میں اس جیسا ہو۔
- قوله: تَفْشَعُ: کھال کا سکرنا اور بالوں کا کھڑے ہونا۔
- قوله: يُلْقَى: جہنم کے طبقہ میں رکھ دیا جائے گا۔ اور وہ اسے خود ملے گا کیونکہ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوگا۔
- قوله: كَمَنْ اَمَنَ: اس کی خبر مخذوف ہے۔
- قوله: بِحَالٍ مُّؤَكَّدَةٍ: من ہذا سے حال مؤکدہ ہے۔
- قوله: شُرَكَاءُ: فیہ یہ شُرَكَاءُ کا صلہ ہے۔
- قوله: مُتَشَكِّسُونَ: اختلاف والے جھگڑنے والے۔
- قوله: مَثَلًا: اس کا معنی یہاں حال اور صفت۔

تفسیر مقبولین

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ---

گزشتہ آیات میں مؤمنین کے ثواب کا اور کافروں کے عقاب کا ذکر ہے۔ یہ تو دونوں فریق کا انجام کے اعتبار سے فرق ہے جو آخرت میں سب کے سامنے آجائے گا اب یہاں مؤمن اور کافر کی قلبی کیفیات کو بیان فرمایا، ارشاد فرمایا کہ ایک وہ شخص ہے جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور اس کے دل میں نور ایمان بھر دیا اور دوسرا وہ شخص ہے جس کا دل تنگ ہے نور ایمان سے خالی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تنگی محسوس کرتا ہے اور ذکر اللہ سے مانوس نہ ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں سختی ہے، بتاؤ وہ شخص جس کا دل ایمان سے معمور ہے اور اسے اسلام کے بارے میں شرح صدر ہے کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے دل میں کفر ہو جو اللہ کے ذکر کو قبول نہ کرتا ہو اس کے دل کی تسامت اور سختی اسے اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے دے۔ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب آسان ہے، سب جانتے ہیں۔

سورہ انعام میں فرمایا: (فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَزْرًا كَأَنَّمَا يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ) (سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت پر ڈالنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کو بے راہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر پھینکا رکھتا ہے۔)

شرح صدر کی دو نشانیاں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ: أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب نور سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اس کی کوئی نشانی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اس کی نشانی ہے اور وہ یہ کہ دار الفرور (دھوکہ کے گھر یعنی دنیا) سے دور رہے اور دار الخلود (بہشتگی کے گھر یعنی جنت) کی طرف رجوع ہو، یعنی ایسے اعمال کرتا رہے جو دخول جنت کا ذریعہ بن جائیں اور ایک نشانی یہ ہے کہ موت آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری کر لے۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اسلام کے لیے شرح صدر ہو جانے کی یہ نشانی ہے کہ دار الفرور سے بچے اور دار الخلود یعنی آخرت کی طرف متوجہ رہے اور موت کے لیے تیاری کرتا رہے۔

سورہ زمر کی آیت میں شرح صدر والی بات بیان کرنے کے بعد فرمایا: (فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِمَّنْ ذُكِّرَ اللَّهُ أَوْلِيَّكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ) (سو جن لوگوں کے دل اللہ کے ذکر کی جانب سے سخت ہیں یعنی اللہ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے اور اس کے لیے نرم نہیں ہوتے ان کے لیے بڑی خرابی ہے یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے دل میں اسلام کے لیے شرح صدر نہیں ہوتا ان کے دل ایسے سخت ہوتے ہیں کہ اللہ کی یاد میں لگنا اور اللہ کا ذکر کرنا انہیں شاق گزرتا ہے۔

ان کے دلوں کی سختی انہیں اللہ کی یاد میں نہیں لگنے دیتی۔ درحقیقت اللہ کا ذکر بڑی نعمت ہے مبارک بندے ہی اس میں لگتے ہیں اور اس میں لذت محسوس کرتے ہیں اور کثرت ذکر ان کی خصوصی غذا بن جاتی ہے۔

ذکر اللہ کی فضیلت اور اہمیت:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ مت بولا کرو کیونکہ ذکر اللہ کے علاوہ زیادہ بولنا دل کی سختی کا سبب بن جاتا ہے اور بلاشبہ لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ دور وہی شخص ہے جس کا دل سخت ہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ دین کی باتیں تو بہت ہیں ان سب پر مجموعی حیثیت سے عمل کرنا مجھے دشوار معلوم ہو رہا ہے (کیونکہ فضیلت والے اعمال اس قدر ہیں کہ مجھ سے ان سب پر عمل نہیں ہو سکتا) لہذا آپ مجھے ایسی چیز بتا دیجیے کہ میں اسے پکڑے رہوں آپ نے فرمایا کہ تیری زبان ہر وقت اللہ کی یاد میں تر رہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک اعرابی (دیہات کے رہنے والے) نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ تمام اعمال میں افضل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو دنیا سے اس حال میں جدا ہو کہ تیری زبان اللہ کی یاد سے تر ہو۔ (رواہ الترمذی)

أَفَمَنْ يَتَّبِعِي بِوَجْهِهِ سَوْءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ---

قیامت کے روز منکرین کے حال بد کی ایک تصویر:

اس آیت سے منکرین کی قیامت کے دن کی بے بسی اور ذلت و رسوائی اور ان کے حال بد کی ایک تصویر پیش فرمائی گئی ہے۔ سو اس سے منکرین آخرت کی بے بسی اور ان کی ذلت و رسوائی کا ایک نہایت ہی ہولناک منظر پیش فرمایا گیا ہے کہ اس روز ایسے لوگ وہاں کے ہولناک عذاب سے بچنے کے لیے اپنے چہروں کو ڈھال بنانے پر مجبور ہوں گے۔ کہ اس کے ہاتھ جکڑے اور بندھے ہوئے ہوں گے۔ سو یہ ایسے بد بخت شخص کی انتہائی عاجزی اور بے بسی کی ہولناک تصویر ہے۔ کیونکہ چہرہ انسان کا وہ اشرف و اعلیٰ عضو ہے جس کو بچانے کے لئے وہ سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ مگر وہاں پر ایسا شخص اپنے چہرے ہی کو اپنے بچاؤ کا ذریعہ بنانے پر مجبور ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو یہ دن ان منکرین کی بے بسی کی تصویر ہے جو دنیا میں اپنے کبر و غرور اور رعوت و خرمستی کی بنا پر آخرت کے اس یوم حساب اور اس کی باز پرس کی تکذیب کیا کرتے تھے۔ سو ایسے لوگ اس دن کے ہولناک انجام اور وہاں کے عذاب شدید سے بچنے کیلئے اپنے چہروں کو اپنی ڈھال بنانے پر مجبور ہوں گے۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔

وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ۝

منکرین و مستکبرین کی ایک اور تذلیل کا ذکر:

اس جملہ سے منکرین و مستکبرین کی تذلیل مزید کے لیے ان سے اس خطاب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو اس ارشاد سے واضح

فرمایا گیا کہ ان کی اس حالت بد کی بنا پر نہ کسی کے دل میں ان کے لیے کوئی ہمدردی پیدا ہوگی اور نہ ہی کسی کو ان پر کوئی ترس آئے گا کہ یہ سب کچھ ان کے اپنے زندگی بھر کے کیے کرانے کا طبعی نتیجہ اور اس کا منطقی تقاضا ہوگا۔ اس لیے ان سے کہا جائے گا کہ اب تم مزہ چکھتے رہو اپنی اس کمائی کا جو تم زندگی بھر کرتے رہے تھے۔ اس طرح ان کے باطن کی آگ اور بھڑکے گی۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہا جائے گا کہ اب تم چکھو مزہ اپنی زندگی بھر کی کمائی کا۔ تاکہ اس طرح عدل و نصاب کے تقاضے بھر پور طریقے سے پورے ہو سکیں۔ سو ہم نے تم پر کسی طرح کی کوئی زیادتی نہیں کی۔ بلکہ یہ سب کچھ خود تمہارا اپنا ہی کیا کرایا ہے۔ سو اس ارشاد بانی سے ایک بات تو یہ واضح فرمادی گئی کہ دین حق سے منہ موڑنا اور خاص کر عقیدہ آخرت کی تکذیب کرنا خود اپنی جانوں پر ظلم کرنا ہے۔ اور اسکا خمیازہ ظالموں کو بہر حال بھگتنا پڑے گا۔ آج نہیں تو کل بھگتنا پڑے گا۔ اور دوسری حقیقت یہ واضح فرمادی گئی کہ کل کے اس یوم حساب میں اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں اور منکروں پر کوئی رحم نہیں فرمائے گا بلکہ ان کی تذلیل و تحقیر کیلئے ان سے کہا جائے گا کہ ب تم چکھو مزہ اپنی اس کمائی کا جو تم لوگ زندگی بھر کرتے رہے تھے۔ اور یہ اس لیے کہ انہوں نے اپنے کفر و انکار کی بنا پر اپنے لیے کسی رحم و ترس کی کوئی گنجائش چھوڑی ہی نہیں ہوگی۔ اللہ ہمیشہ پنی پناہ میں رکھے۔

كُذِّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاْتَتْهُمْ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۰﴾

دور حاضر کے منکرین کو عذاب بے گمان سے خبردار کرنے کے لیے تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ ان منکرین و مکذبین پر عذاب وہاں سے آیا جہاں سے انکو گمان بھی نہیں تھا۔ کبھی شکلوں اور صورتوں کے فساد و بگاڑ اور مسخ کی صورت میں۔ کبھی طوفان و زلزلہ کی صورت میں۔ اور کبھی قتل و قید کی صورت میں وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ تو دنیا میں ہوا جبکہ اصل عذاب آخرت میں ہونے والا ہے جس کی شدت اور ہولن کی کا تصور بھی اس جہاں میں ممکن نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو بغاوت و سرکشی، کفر و شرک اور معاصی و ذنوب کا نتیجہ و انجام بہر حال برا ہے۔ اس سے کبھی بھی بے فکر اور بے خوف و نڈر نہیں ہونا چاہیے۔ وہ کبھی بھی، کہیں بھی اور کسی بھی شکل میں آسکتا ہے اور اللہ پاک کی طرف سے دی ہوئی ڈھیل اور ملی ہوئی فرصت کی بنا پر کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے: {فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّوَالِي إِلَّا الْقَوْمَ الْمُخْلَسُونَ} سو اس ارشاد بانی سے دور حاضر کے منکرین و مکذبین کو تنبیہ فرمادی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے امہل سے کبھی غفلت اور دھوکے میں نہ پڑیں۔ بلکہ گزرے دور کے منکرین و مکذبین کے انجام سے درس عبرت لیں کہ جو انجام انکا ہوا وہ انکا بھی ہو سکتا ہے۔ اور جس طرح ان پر عذاب وہاں سے آیا جہاں سے انکو وہم و گمان بھی نہ تھا اسی طرح ان پر بھی آسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون سب کیلئے یکساں اور بے لاگ ہے۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا زَجَلًا فِيهِ۔۔۔۔۔

موسد اور مشرک کے بارے میں ایک مثال کا بیان:

ارشاد فرمایا گیا کہ ایک تو وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں کئی ضدی مالک شریک ہوں۔ جس کی بنا پر ان میں سے ہر ایک ان کو اپنی طرف کھینچتا اور اپنی مقصد براری کے لئے بلاتا ہو۔ اور یہ حیران و پریشان ہو کہ ایسے میں کس کس کو راضی کرے۔ سو یہی حال مشرک کا ہوتا ہے کہ اس کا دل بیک وقت کئی شریکوں میں لٹکا اور پھنسا ہوتا ہے۔ اور وہ ایک طرف توفنرت میں موجود تو حید

کے داعیہ کیخلاف برسر پیکار ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ کئی قسم کے خود ساختہ معبودوں کی کشش میں مبتلا رہتا ہے۔ جبکہ مؤمن موحد خدائے واحد کی عبادت سے سرشار اور مطمئن البال رہتا ہے۔ سو توحید امن و اطمینان کا ذریعہ وسیلہ اور شرک پرانگی اور پریشان حالی کا باعث ہے۔

مشرکوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑنے والا ایک سوال:

مشرکوں کے ضمیروں کو جھنجھوڑنے اور ان کے قلوب پر دستک دینے کے طور پر فرمایا گیا کہ کیا ان دونوں کا حال ایک برابر ہو سکتا ہے؟۔ جب نہیں اور ہرگز یقیناً نہیں تو پھر موحد اور مشرک آپس میں برابر کس طرح ہو سکتے ہیں؟ مؤمن چونکہ یکجائی ہوتا ہے اس لئے وہ ہمیشہ ایک ہی خالق و مالک اور اپنے حقیقی آقا و مولیٰ کی عبادت و بندگی اور رضا و خوشنودی کے حصول کی کوشش میں لگا رہتا ہے جو کہ مالک و معبود برحق ہے اور ہر مشرک اور مشابہہ مشرک سے پاک ہے۔ اس لئے موحد امن و امان اور سکون و اطمینان کی عظیم الشان دولت سے بہرہ ور و سرشار ہوتا ہے۔ جبکہ مشرک ہر جائی ہونے کی وجہ سے ہر در پہ جھکتا اور ہر طرح کی ذلت اٹھاتا ہے۔ اور وہ حرمان نصیبی کا شکار ہوتا ہے۔ سو عقیدہ توحید اور نور ایمان و یقین سعادتوں کی سعادت اور فوز و فلاح کی اصل و اساس ہے۔ جبکہ مشرک محرومیوں کی محرومی اور ناکامی و نامرادی کی جڑ بنیاد ہے۔

۱ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

اکثریت نور علم سے محروم و بے بہرہ:

ارشاد فرمایا گیا لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں حق اور حقیقت کو اور وہ آگاہ نہیں حق اور باطل کے درمیان فرق و اختلاف سے۔ اس لئے وہ ایمان و یقین کی دولت سے محروم اور عقیدہ توحید کے شرف و امتیاز سے بے بہرہ ہو کر طرح طرح کے شرک میں مبتلا اور شرکیات میں ملوث ہوتے ہیں۔ اور اس طرح وہ اپنے لئے طرح طرح کی ذلتوں کا سامان خود کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ علم حق و حقیقت سے محرومی منج شرف و فساد اور محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور نور علم سے محرومی کے باعث انسان اندھیروں میں ایسا کھوجاتا ہے کہ وہ اپنے سے گھنیا مخلوق کی پوجا پاٹ میں لگ کر ذلتوں پر ذلتیں ٹھاتا ہے اور یہاں تک کہ وہ خود ساختہ اور من گھڑت معبودوں کے آگے جھک کر اپنی فطرت سے بغاوت کرنے لگتا ہے اور غیر اللہ کی غلامی اور اس کی بندگی کا پتہ اپنی گردن میں ڈال کر وہ خود کو اپنے ہاتھوں ایک ایسے ٹھیسے میں ڈال دیتا ہے جس میں پھنسنے کیلئے کوئی ذی ہوش شخص تیار نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے نتیجے میں آخر کار وہ ہلاکت و تباہی کے دائمی گھاٹ پر اتر کر رہتا ہے۔ نیز یہاں سے یہ حقیقت بھی ایک مرتبہ پھر آشکارا ہو جاتی ہے کہ عوام الناس کی اکثریت تائید یا تردید کسی بات کے صحیح یا غلط ہونے کے لیے مدار اور معیار نہیں بن سکتی جس طرح کہ مغربی جمہوریت کے علمبرداروں اور پرستاروں کا کہنا اور ماننا ہے۔ کیونکہ عوام کی اکثریت بہر حال ان پردھوں، جاہلوں، فاسقوں، فاجروں اور غلط کاروں ہی کی رہی ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ سو حق وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات کے مطابق حق قرار پائے اور باطل وہ ہے جو اس اعتبار سے باطل قرار پائے۔ اللہ ہمیشہ نور حق و ہدایت سے سرشار اور ظلمات کفر و شرک سے دور اور محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

لَمَّا أَنْكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ

محشر کی عدالت میں مظلوم کا حق ظالم سے وصول کرنے کی صورت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ انکم میں مؤمن و کافر اور مسلمان ظالم و مظلوم سب داخل ہیں یہ سب اپنے اپنے مقدمات اپنے رب کی عدالت میں پیش کریں گے اور اللہ تعالیٰ ظالم سے مظلوم کا حق دلوائیں گے وہ کافر ہو یا مؤمن۔ اور صورت اس ادائیگی حقوق کی وہ ہوگی جو صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا حق ہے اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو ادا یا معاف کرا کر حلال ہو جائے۔ کیونکہ آخرت میں درہم و دینار تو ہوں گے نہیں۔ اگر ظالم کے پاس کچھ اعمال صالحہ ہیں تو بمقدار ظلم یہ اعمال اس سے لے کر مظلوم کو دے دیئے جا دیں گے۔ اور اگر اس کے پاس حسنات نہیں ہیں تو مظلوم کی سیئات اور گناہوں کو اس سے لے کر ظالم پر ڈال دیا جائے گا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز صحابہ کرام سے سوال کیا کہ آپ جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم تو مفلس اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس نہ کوئی نقد رقم ہو نہ ضرورت کا سامان۔ آپ نے فرمایا کہ اصلی اور حقیقی مفلس میری امت میں وہ شخص ہے جو قیامت میں بہت سے نیک اعمال نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیر لے کر آئے گا مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی، کسی پر تہمت باندھی، کسی کا مال ناجائز طور پر کھالیا، کسی کو قتل کرایا، کسی کو مار پیٹ سے ستایا تو یہ سب مظلوم اللہ کے سامنے اپنے مظالم کا مطالبہ کریں گے اور اس کی حسنات اس میں تقسیم کر دی جائیں گی پھر جب یہ حسنات ختم ہو جائیں گی اور مظلوموں کے حقوق ابھی باقی ہوں گے تو مظلوموں کے گناہ ان پر ڈال دیئے جا دیں گے۔ اور اس کو جہنم میں ڈال دیا جاوے گا۔ (تو یہ شخص سب کچھ سامان ہونے کے باوجود قیامت میں مفلس رہ گیا، یہی اصلی مفلس ہے)۔

اور طبرانی نے ایک معتبر سند کے ساتھ حضرت ابویوب انصاری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو مقدمہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوگا وہ مرد اور اس کی بیوی کا ہوگا اور بخدا کہ وہاں زبان نہیں بولے گی۔ بلکہ عورت کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ اپنے شوہر پر کیا کیا عیب لگایا کرتی تھی اور اسی طرح مرد کے ہاتھ پاؤں اس پر گواہی دیں گے کہ وہ کس طرح اپنی بیوی کو تکلیف دینا پہنچایا کرتا تھا۔ اس کے بعد ہر آدمی کے سامنے اس کے نوکر چاکر لائے جائیں گے ان کی شکایات کا فیصلہ کیا جائے گا۔ پھر عام بازار کے لوگ جن سے اس کے معاملات رہے تھے وہ پیش ہوں گے اگر اس نے ان میں سے کسی پر ظلم کیا ہے تو اس کا حق دلویا جائے گا۔

الْبَصِيصِ

فَمَنْ أَى لَأَحَدٍ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ بِنِسْبَةِ الشَّرِيفِ وَأَوْلَدِ اللَّهِ وَكَذَبَ بِالصِّدْقِ بِالْقُرْآنِ إِذْ جَاءَهُ ۗ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ۗ بلى وَالَّذِى جَاءَ بِالصِّدْقِ هُوَ النَّبِىُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَدَّقَ بِهِ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ فَالَّذِى بِمَعْنَى الَّذِينَ أَوْلَيْكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۗ الْشِّرْكَ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ ذَلِكَ جَزَاؤُ الْمُحْسِنِينَ ۗ أَنفُسِهِمْ بِإِيمَانِهِمْ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِى عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِى كَانُوا يَعْمَلُونَ ۗ أَسْوَأُ وَأَحْسَنُ بِمَعْنَى الشَّيْءِ وَالْحَسَنِ أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۗ أَى النَّبِىِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بلى وَيُخَوِّفُونَكَ الْخَطَابَ لَهُ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۗ أَى الْأَضْمَامِ أَنْ تَقْتُلَهُ أَوْ تَخَبَلَهُ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۗ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ غَالِبٍ عَلَى مَرِّهِ ذِى انْتِقَامٍ ۗ مِنْ أَعْدَائِهِ بلى وَكَيْفَ لَأَمْ قَسَمَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لِيَقُولُنَّ اللَّهُ ۗ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى الْأَضْمَامِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ إَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِهِ ۗ لَا وَفِي قِرَاءَةِ بِالْإِصَافَةِ فِيهِمَا قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ ۗ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ۗ بَيْنَ الْوَائِقُونَ قُلْ يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ خَالَتِكُمْ إِنِّى عَامِلٌ ۗ عَلَى خَالَتِى فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۗ مَنْ مَوْضُوعَةٌ مَفْعُولُ الْعِلْمِ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ نَزْرُ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۗ دَائِمٌ هُوَ عَذَابُ النَّارِ وَقَدْ أَخْرَا هُمُ اللَّهُ بِنَدْرِ إِنْكَأَ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۗ مُتَعَلِّقٌ بِالنَّزْلِ فَمَنْ اهْتَدَى فَلِنَفْسِهِ ۗ

عِ اهْتَدَاؤُهُ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۗ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۗ فَتَجْبِرُهُمْ عَلَى الْهُدَى

ترجمہ: پھر اس سے زیادہ ظالم کون ہے۔ یعنی کوئی نہیں جس نے اللہ پر جھوٹ بولا شرک اور ولد کی نسبت اس کی طرف کر کے اور جھٹلایا سچی بات قرآن کریم کو جب وہ اس کے پاس پہنچی کیا جہنم میں ٹھکانہ نہیں ہے کافروں کا ہاں کیوں نہیں؟ اور جو شخص لے کر آیا سچی بات اور وہ نبی کریم ﷺ ہیں اور جنہوں نے اسکی تصدیق کی وہ مؤمن ہیں۔ الذی، الذین کے معنی میں ہے یہاں ہیں شرک سے بچنے والے لوگ انکے رب کے پاس وہ چیر ہے جو وہ چاہیں گے یہ صلہ ہے ایمان کے ذریعہ اپنے اوپر حسان کرنے والوں کا تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کر دے اور انہوں نے جو نیک اعمال کئے ہیں ان کا اچھا صلہ

دے لفظ اسوا السبی اور لفظ احسن، الحسن کے معنی میں ہے کیا اللہ اپنے بندے یعنی محمد ﷺ کے لئے کافی ہیں؟ ہاں ضرور کافی ہے اور لوگ آپ کو غیر اللہ سے ڈراتے ہیں یعنی بتوں سے ڈرا رہے ہیں اس میں آپ کو خطاب ہے یہ کہ وہ بت آپ کو ہلاک کر دیں گے یا پاگل بنا دیں گے اور اللہ جس کو گمراہ کر دے اسکی کوئی راہنمائی کرنے والا نہیں اور جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں کیا اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب دشمنوں سے انتقام لینے والا نہیں ہاں کیوں نہیں؟ اور قسم ہے اگر آپ ان سے معلوم کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ لیکن میں لام قسمیہ ہے تو وہ یقیناً یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ ان سے کہئے اچھا یہ تو بتاؤ کہ جن کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو یعنی بتوں کی اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ نہیں یا اللہ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ اور ایک قرأت میں دونوں جگہ اضافت ہے آپ کہہ دیں کہ اللہ میرے لئے کافی ہے تو کل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں (آپ کہہ دیجئے کہ اے میری قوم تم اپنی جگہ اپنے طریقے پر عمل کئے جاؤ میں اپنے طریقہ پر عمل کر رہا ہوں سو عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کن عذاب آنے والا ہے۔ مَن مَوْصُولَهُ تَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾ کا مفعول واقع ہے اور کس پر دائمی عذاب نازل ہوگا؟ وہ دوزخ کا عذاب ہے اور بلاشبہ اللہ نے ان کو بد رئیس ذلیل کر دیا آپ پر ہم نے حق کے ساتھ لوگوں کے لئے یہ کتاب نازل کی ہے۔ بِالْحَقِّ ۱۰ انزل کے متعلق ہے پس جو شخص راہ راست پر آجائے تو اس کے ہدایت پر آنے کا فائدہ اسی کے لئے ہے اور جو شخص گمراہ ہو جائے تو اس کی گمراہی اسی پر پڑے گی، آپ ان کے ذمہ دار نہیں کہ ان کو ہدایت پر مجبور کریں۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قولہ: اَنْ تَقْتُلَهٗ : انہوں نے کہا کہ بتوں کا حملہ جنگ ہوتا ہے۔
 قولہ: اَوْ تَحْبَلَهٗ : جنوں میں مبتلا کرنا اور اس کی عقل کو بگاڑ دینا۔
 قولہ: فِيْهِنَاۙ اٰوْرَاقٌۙ اَوْ رَحْمٰتٌۙ لِّمَنْ يَّشَاءُ ۙ كُوْنُصَب دیا۔
 قولہ: مَّكَاتِكُمْ : یہ مکان کا اسم ہے، سے حال کے لیے بطور استعارہ استعمال ہوا ہے، اس طرح کہ مکان کے لیے ہے، مگر زے کے لیے آیا ہے۔
 قولہ: عَذَابٌ : استہزاء سے مراد سزا ہے۔
 قولہ: نَبْلُ هٰی : ضمیر ہایہ انہا او نیتہ کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ کلمہ ہے یا جمد۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ

مشرکین کی سزا اور موحدین کی جزا:

مشرکین نے اللہ پر بہت جھوٹ بولا تھا اور طرح طرح کے الزام لگائے تھے، کبھی اس کے ساتھ دوسرے معبود بتاتے تھے، کبھی فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں بنا کر کرنے لگتے تھے، کبھی مخلوق میں سے کسی کو اس کا بیٹا کہہ دیا کرتے تھے، جن تمام باتوں سے اس کی بلند و بالا ذات پاک اور برتر تھی، ساتھ ہی ان میں دوسری بدخصلت یہ بھی تھی کہ جو حق انبیاء علیہم السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ نازل فرماتا یہ اسے بھی جھٹلاتے، پس فرمایا کہ یہ سب سے بڑھ کر ظالم ہیں۔ پھر جو عمر انہیں ہونی ہے اس سے انہیں آگاہ کر دیا کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔ جو مرتے دم تک انکار و تکذیب پر ہی رہیں۔ ان کی بدخصلت اور سزا کا ذکر کر کے پھر مومنوں کی نیک خواہش اور ان کی جزا کا ذکر فرماتا ہے کہ جو سچائی کو لایا اور اسے سچا مانا یعنی آنحضرت ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اور ہر وہ شخص جو کلمہ توحید کا اقرار ہی ہو۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی ماننے والی ان کی مسلمان امت۔ یہ قیامت کے دن یہی کہیں گے کہ جو تم نے ہمیں دیا اور جو فرمایا ہم اسی پر عمل کرتے رہے۔ خود نبی ﷺ بھی اس آیت میں داخل ہیں۔ آپ بھی سچائی کے لانے والے، اگلے رسولوں کی تصدیق کرنے والے اور آپ پر جو کچھ نازل ہو تھا اسے ماننے والے تھے اور ساتھ ہی یہی وصف تمام ایمان داروں کا تھا کہ وہ اللہ پر فرشتوں پر کتابوں پر اور رسولوں پر ایمان رکھنے والے تھے۔ ربیع بن انس کی قراءت میں وَالَّذِينَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَصَدَّقُوا بِهِنَّ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (الزمر: ۲۳) ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں سچائی کو لانے والے آنحضرت ﷺ ہیں اور اسے سچ ماننے والے مسلمان ہیں یہی متقی پرہیزگار اور پارسا ہیں۔ جو اللہ سے ڈرتے رہے اور شرک کفر سے بچتے رہے۔ ان کے لیے جنت میں جو وہ چاہیں سب کچھ ہے۔ جب طلب کریں گے پائیں گے۔ یہی بدلہ ہے ان پاک باز لوگوں کا، رب ان کی برائیاں تو معاف فرمادیتا ہے اور نیکیاں قبول کر لیتا ہے۔ جیسے دوسری آیت میں: أُولَئِكَ الَّذِينَ نَسْتَقْبِلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَكَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْحَقَّةِ وَالْعَدَاةِ الصَّانِقَةِ الَّذِينَ كَانُوا يُؤَدُّونَ (احقاف: ۱۶) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی نیکیاں ہم قبول کر لیتے ہیں اور برائیوں سے درگزر فرمالتے ہیں۔ یہ جنتوں میں رہیں گے۔ انہیں بالکل سچا اور صحیح وعدہ دیا جاتا ہے۔

الَّذِينَ كَانُوا يُؤَدُّونَ لَللَّيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا

اس آیت کا شان نزول ایک واقعہ ہے کہ کفار نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو اس سے ڈرایا تھا کہ اگر آپ نے ہمارے بتوں کی بے ادبی کی تو ان بتوں کا اثر بہت سخت ہے اس سے آپ بچ نہ سکیں گے۔ ان کے جواب میں کہا گیا کہ کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں؟

اس لیے بعض مفسرین نے یہاں بندے سے مخصوص بندہ یعنی رسول اللہ ﷺ کو مراد لیا ہے۔ خلاصہ تفسیر میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ اور دوسرے مفسرین نے بندہ سے مراد عام لی ہے اور آیت کی دوسری قرات جو عبادہ آئی ہے وہ اس کی موید ہے۔ اور مضمون بہر حال عام ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کے لیے کافی ہے۔

وَيَخَذُونَكَ فِي ثَمَرِهِمْ مِنْ دُونِهِ: یعنی کفار آپ کو ڈراتے ہیں اپنے جھوٹے معبودوں کے غضب سے۔ اس آیت کو پڑھنے والے عوامیہ خیال کر کے گزر جاتے ہیں کہ یہ ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے، جس کا تعلق کفار کی دھمکیوں اور رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے ہے، اس طرح رھیان نہیں دیتے، کہ اس میں ہمارے لیے کیا ہدایت ہے۔ حالانکہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے کہ جو شخص بھی کسی مسلمان کو اس لیے ڈرائے کہ تم نے فلاں حرام کام کیا یا گناہ نہ کیا تو تمہارے حکام اور افسریا جن کے تم محتاج سمجھے جاتے ہو تم سے خفا ہو جائیں گے اور تکلیف پہنچائیں گے۔ یہ بھی اسی میں داخل ہے اگرچہ ڈرانے والا مسلمان ہی ہو اور جس سے ڈرایا جائے وہ بھی مسلمان ہی ہو۔ اور یہ ایسا عام ابتلاء ہے کہ دنیا کی اکثر ملازمتوں میں لوگوں کو پیش آتا ہے کہ احکام الہیہ کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو جائیں یا پھر اپنے انسروں کے عتاب و عقاب کا مورہ بنیں۔ اس آیت نے ان سب کو یہ ہدایت دی کہ کیا اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کے لیے کافی نہیں، تم نے خالص اللہ کے لیے گناہوں کے ارتکاب سے بچنے کا عزم کر لیا اور احکام خداوندی کے خلاف کسی حاکم و افسر کی پروا نہ کی تو خدا تعالیٰ کی امداد تمہارے ساتھ ہوگی۔ زائد سے زائد یہ ملازمت چھوٹ بھی جائے گی تو اللہ تعالیٰ تمہارے رزق کا دوسرا انتظام کر دیں گے۔ اور مومن کا کام تو یہ ہے کہ ایسی ملازمت کو چھوڑنے کی خودی کوشش کرتا رہے کہ کوئی دوسری مناسب جگہ مل جائے تو اس کو فوراً چھوڑ دے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلتَّائِبِينَ بِالْحَقِّ ۖ

یعنی تیری زبان پر اس کتاب کے ذریعہ سے سچی بات نصیحت کی کہہ دی گئی اور دین کا راستہ ٹھیک ٹھیک بتلادیا گیا۔ آگے ہر ایک آدمی اپنا نفع نقصان سوچ لے۔ نصیحت پر چلے گا تو اس کا بھلا ہے ورنہ اپنا ہی انجام خراب کرے گا۔ تجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ زبردستی ان کو راہ پر لے آئے، صرف پیغام حق پہنچا دینا آپ کا فرض تھا وہ آپ نے ادا کر دیا۔ آگے معاملہ خدا کے سپرد کیجیے جس کے ہاتھ میں مارنا جلانا اور سلانا جگانا سب کچھ ہے۔

اللَّهُ يَتَوَقَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا يُتَوَقَّى وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا ۖ أَيُّ وَتَوَقَّاهَا وَتُتِ النَّوْمِ فِيمَسِكُ
الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأَخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ أَيُّ وَتُتِهَا وَالْمُرْسَلَةُ نَفْسُ التَّمْيِيزِ
تَبْنِي بِدُونِهَا نَفْسُ الْحَيَاةِ بِخِلَافِ الْعَكْسِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَمَذْكَورٍ لَّآيَاتٍ لِّقَوْمٍ
يَتَفَكَّرُونَ ۝ فَيَعْلَمُونَ أَنَّ الْقَادِرَ عَلَىٰ ذَلِكَ قَادِرٌ عَلَىٰ الْبُعْثِ وَفَرِيضٌ لَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي ذَلِكَ أَمْ بَلْ
اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى الْأَصْنَامِ الْهَيْةَ شَفَعَاءَ ۗ عِنْدَ اللَّهِ بِرِغْمِهِمْ قُلْ لَهُمْ أَوْ يَشْفَعُونَ لَوْ كَانُوا
يَسْلُكُونَ شَيْئًا مِنَ الشَّفَاعَةِ وَغَيْرِهَا وَلَا يَعْقِلُونَ ۝ إِنَّكُمْ تَعْبُدُونَ لَهُمْ وَلَا غَيْرَ ذَلِكَ لَا قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ
جَمِيعًا ۚ أَيُّ هُوَ مَخْتَصٌ بِهَا فَلَا يَشْفَعُ أَحَدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

إِذَا ذَكَرَ اللَّهُ وَحْدَهُ أَيُّ دُونَ إِلَهَتِهِمْ أَشَارَاتٍ نَفَرَتْ وَانْقَبَضَتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذَكَرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ أَيُّ الْأَضْمَامِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ قُلْ لِلَّهِ بِمَعْنَى يَا اللَّهُ فَأَطْرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مُبْدِعُهُمَا عِلْمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ مَا غَابَ وَمَا شُوهِدَ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ أَهْدِي لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ وَكُوْنَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَا فِتْنَا لَهُ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ وَبَدَا ظَهَرَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ۝ يظنون ۖ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ نَزْلُ بِهِمْ مِمَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ أَيُّ الْعَذَابِ فَإِذَا هَسَّ الْإِنْسَانَ الْجُنْسُ صُرُّ دَعَانًا ثُمَّ إِذَا خَوْلَانُهُ أَعْطَيْنَاهُ نِعْمَةً إِنْعَامًا مِمَّا أَقَالَ إِنَّمَا أُوتِيَتْهُ عَلَى عِلْمٍ ۖ مِنَ اللَّهِ بِأَنِّي لَهُ أَهْلٌ بَلْ هِيَ أَيُّ الْقَوْلِ فِتْنَةٌ بَلِيَّةٌ يَبْتَلِي بِهَا الْعَبْدَ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ أَنْ التَّحْوِيلِ اسْتِدْرَاجٌ وَامْتِحَانٌ قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ بِنِ الْاُمَمِ كَقَارُونَ وَقَوْمَهُ الرَّاظِينَ بِهَا فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ مِمَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ فَاصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۖ أَيُّ جَزَائِهَا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَؤُلَاءِ أَيُّ قُرْبَيْهِمْ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۖ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝ بِفَاتِيئِينَ عَذَابَنَا فَفَحِطُوا سَبْعَ سِنِينَ ثُمَّ وُسْعَ عَلَيْهِمْ أَوْ لَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يَوْسَعُهُ لِمَنْ يَشَاءُ امْتِحَانًا وَ يَقْدِرُ يُضَيِّفُهُ لِمَنْ يَشَاءُ ابْتِلَاءً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

ترجمہ: اللہ ہی قبض کرتا ہے روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی ہے انہیں ان کی نیند میں قبض کر لیتا ہے۔ یعنی نیند کے وقت قبض کرنا ہے پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے اور دوسری کو ایک مقررہ وقت کے لیے چھوڑ دیتا ہے یعنی انکی موت کے وقت تک اور چھوڑی ہوئی روح سے روح تمیز مراد ہے جس کے بغیر روح حیات باقی رہ سکتی ہے اس کے برعکس ممکن نہیں یقیناً ان مذکورہ باتوں میں (غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں) لہذا اس بات کو سمجھ لیں گے کہ جو ذات اس پر قادر ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بھی (بدرجہ اولیٰ) قادر ہے اور قریش نے اس معاملہ میں غور و فکر نہیں کیا (بلکہ ان لوگوں کے لئے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں یعنی بتوں کو اپنے خیال میں اللہ کے حضور سفارشی بنا رکھا ہے آپ ان سے دریافت کیجئے کہ وہ سفارش کریں گے؟ گو وہ سفارش وغیرہ کا کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ وہ سمجھتے ہوں کہ تم

ان کی بندگی کرتے ہو اور نہ اس کے علاوہ کوئی بات سمجھتے ہوں نہیں (آپ کہہ دیجئے کہ تمہا سفارشوں کا مختار اللہ ہی ہے سفارش اسی کے ساتھ خاص ہے لہذا اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا ہے (زمین و آسمانوں میں اسی کی حکومت ہے پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جب ان کے معبودوں کو چھوڑ کر (اللہ وحدہ لا شریک کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے) یعنی ان کو انقباض ہونے لگتا ہے (اور جب اس کو چھوڑ کر ان) معبودوں یعنی بتوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ فوراً ہی خوش ہو جاتے ہیں) آپ (دعا کیجئے کہ اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے۔ اللہم، یا اللہ کے معنی میں ہے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اس دینی معاملہ میں فیصلہ کر سکتا ہے) جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں) جس بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں آپ اس میں میری حق کی طرف راہنمائی فرمائیں (اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو روئے زمین پر ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو تو بھی بدتری سزا کے عوض قیامت کے دن یہ سب کچھ دیدیں اور انکے سامنے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہوگا جس کا انھیں گمان بھی نہیں تھا اور ان پر ان کے تمام برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس عذاب کا وہ استہزاء کیا کرتے تھے وہ ان کو آگھیرے گا انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ انعام مجھے اس لیے دیا گیا ہے کہ اللہ کو معلوم ہے کہ اس کا مستحق ہوں بلکہ یہ یعنی اس کا مقولہ فتنہ ہے جس کے ذریعہ بندے کو آزمائش میں ڈالا گیا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے کہ یہ عطا ڈھیل ہے اور آزمائش ہے ان سے پہلے لوگ بھی یہی بات کہہ چکے ہیں جیسا کہ قارون اور اسکی قوم جو کہ اس بات سے راضی تھی (سوان کی کاروائی ان کے کچھ کام نہ آئی سوان کی بد اعمالیاں یعنی ان کی سزا ان پر آن پڑی اور ان پر بھی جو ان میں سے یعنی قریش میں سے ظالم ہیں ان کے بد اعمالیوں کی سزا پڑنے والی ہے اور وہ ہم کو عاجز کر دینے والے نہیں ہیں یعنی ہمارے عذاب سے بچ نکلنے والے نہیں ہیں چنانچہ سات سال تک قحط میں مبتلا کیئے گئے پھر ان کو فراخی کی گئی کیا انھیں یہ معلوم نہیں ہے اللہ تعالیٰ جس کی چاہتے ہیں بطور امتحان روزی کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کی چاہتے ہیں بطور آزمائش روزی تنگ کر دیتے ہیں ایمان لانے والوں کے لئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: اللَّهُ يَتَوَكَّلُ عَلَى الْإِنْسَانِ: روح حقیقی تو ایک ہے۔ اس کا تعدد نسبت کے لحاظ سے ہے۔

قولہ: إِذَا هُمْ: یہ إذا مفاجات کے لیے ہے۔ اور إِذَا ذُكِرَ کا اذ شرطیہ ہے۔

قولہ: اللَّهُمَّ: اس کی معروف اصل یا اللہ ہے۔ حذف یا کے عوض میم لاتے ہیں۔

قولہ: مَا كَسَبُوا: جزاء سیئہ کو سیئہ مشا کلت کے طور پر کہا۔

تفسیر مقبولین

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَازِلِهَا -----
 موت اور نیند کے وقت قبض روح اور دونوں میں فرق کی تفصیل:

توفی کے لفظی معنی لے لینے اور قبض کر لینے کے ہیں۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ جانداروں کی ارواح ہر حال ہر وقت اللہ تعالیٰ کے زیر تصرف ہیں، وہ جب چاہے ان کو قبض کر سکتا ہے اور واپس لے سکتا ہے اور اس تصرف خداوندی کا ایک مظاہرہ تو ہر جاندار روز اندہ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے کہ نیند کے وقت اس کی روح ایک حیثیت سے قبض ہو جاتی ہے، پھر بیداری کے بعد واپس مل جاتی ہے اور آخر کار ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ بالکل قبض ہو جائے گی پھر واپس نہ ملے گی۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ قبض روح کے معنی اس کا تعلق بدن انسانی سے قطع کر دینے سے ہیں، کبھی یہ ظہر او باطناً بالکل منقطع کر دیا جاتا ہے۔ اس کا نام موت ہے اور کبھی صرف ظاہراً منقطع کیا جاتا ہے۔ باطناً باقی رہتا ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ صرف حس اور حرکت ارادہ جو ظاہری علامت زندگی ہے وہ منقطع کر دی جاتی ہے اور باطناً تعلق روح کا جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے جس سے وہ سانس لیتا ہے اور زندہ رہتا ہے اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ روح انسانی کو عام مثال کے مطالعہ کی طرف متوجہ کر کے اس عالم سے غافل اور معطل کر دیا جاتا ہے تاکہ انسان مکمل آرام پاسکے۔ اور کبھی یہ باطنی تعلق بھی منقطع کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے جسم کی حیات بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

آیت مذکور میں لفظ توفی، بمعنی قبض بطور عموم مجاز کے دونوں معنی پر حاوی ہے۔ موت اور نیند دونوں میں قبض روح کا یہ فرق جو اوپر بیان کیا گیا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ سونے کے وقت انسان کی روح اس کے بدن سے نکل جاتی ہے مگر ایک شعاع روح کی بدن میں رہتی ہے جس سے وہ زندہ رہتا ہے اور اسی رابطہ شعاعی سے وہ خواب دیکھتا ہے۔ پھر یہ خواب اگر روح کے عالم مثال کی طرف متوجہ رہنے کی حالت میں دیکھا گیا تو وہ چا خواب ہوتا ہے اور اگر اس طرف سے بدن کی واپسی کی حالت میں دیکھا تو اس میں شیطانی تصرفات ہو جاتے ہیں وہ رویاء صادقہ نہیں رہتا۔ اور فرمایا کہ نیند کی حالت میں جو روح انسانی اس کے بدن سے نکلتی ہے تو بیداری کے وقت آنکھ جھپکنے سے بھی کم مقدار وقت میں بدن میں واپس آ جاتی ہے۔

أَوْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ -----

اس آیت میں مشرکین کی اس بے وقوفی کو بیان فرمایا کہ انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود تجویز کر رکھے ہیں ان شرکاء کو شفعاء سے تعبیر فرمایا کیونکہ مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ جن کو ہم نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور میں شفاعت کر کے ہماری بخشش کرا دیں گے پہلے تو غیر اللہ کو معبود بنانے کی تکبر فرمائی پھر فرمایا کہ جن کو تم نے سفارشی سمجھا ہے انہیں تو کچھ بھی قدرت نہیں اور کچھ بھی سمجھ نہیں یہ تو پتھر کی مورتیاں ہیں نہ انہیں کچھ قدرت ہے، نہ کسی بات کا علم ہے یہ کیا جانیں کہ

سفارش کیا ہوتی ہے اور یہ کہ سفارش کس کی کی جائے اور کس سے سفارش کی جائے جب ان کی عجز اور جہل کا یہ حال ہے تو کیا سفارش کر سکتے ہیں؟

یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ سفارش کے بارے میں ہر طرح کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے وہ جسے چاہے گا اور جس کے لیے چاہے گا سفارش کرنے کی اجازت دے گا، اس کے یہاں مشرک اور کافر کی بخشش نہیں۔ اس لیے جو بندے اس کے نزدیک شفاعت کرنے کے اہل ہیں انبیاء کرام اور ملائکہ عظام انہیں کافروں اور مشرکوں کی سفارش کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی لہذا مشرک و کفر میں مبتلا رہنا اور اپنے معبودوں کی سفارش کا بخشش کے لیے سہارا لینا یہ سراپا جہالت اور حماقت اور گمراہی ہے، اس بیان سے مشرکین کے اس سوال کا جواب بھی واضح ہو گیا ہے کہ ہم نے تو فرشتوں کو اور بعض پیغمبروں کو بھی الوہیت میں شریک کر رکھا ہے وہ تو شفاعت کے اہل ہیں اوپر کے بیان میں واضح ہو گیا کہ جس کی بخشش نہیں اس کے لیے نہ کوئی سفارش کرے گا نہ اس کے لیے سفارش کی اجازت دی جائے گی اور بلا اجازت کسی کو سفارش کا اختیار نہیں سورہ بقرہ میں فرمایا: (مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ) (کون ہے جو اس کی بارگاہ میں سفارش کرے مگر اس کی اجازت سے) اور سورہ طہ میں فرمایا: (يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا) (اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو) اور سورہ ارا نبیاء میں فرشتوں کے بارے میں فرمایا: (وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ) (اور وہ بجز اس کے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے) مزید فرمایا: (لَهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ) (اسی کے لیے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا) ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی مالک الملک ہے دنیا و آخرت سب اسی کی ملوک ہیں اور ہر طرح کا پورا اختیار اور اقتدار اسی کا ہے۔ تیسری آیت میں مشرکین کا مزاج بتایا اور وہ یہ کہ شرک ان کے دلوں میں اس درجہ گھر کر گیا ہے اور انہیں توحید اس قدر ناگوار ہے کہ جب ان کے سامنے صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں لا الہ الا اللہ کی دعوت بھی ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہوتے ہیں جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے انہیں یہ بات ناگوار معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے تجویز کردہ شرکاء کے بغیر اللہ کا نام کیوں لیا گیا، اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا جو دوسرے معبود تجویز کر رکھے ہیں جب ان کا تہا ذکر ہوتا ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اللہ کو، نئے کا دعویٰ کرتے ہیں یوں نہیں کہتے کہ اللہ کا ذکر کیے بغیر ان کو کیوں یاد کیا گیا ان کے دلوں میں اس درجہ شرک رچ بس گیا ہے کہ تہا اللہ کا ذکر ہو تو انہیں بہت ناگواری ہوتی ہے اور جو باطل معبود انہوں نے تجویز کر رکھے ہیں ان کا ذکر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو تو اس وقت ان کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی (قال صاحب الروح فان الاستبشار ان يمتلى القلب سرورا حتى ينسط له بشرة الوجه، والا شمنزاز ان يمتلى غيظا وغما ينتبض عنه اديم الوجه كما يشاهد في وجه العابس المحزون)

”تفسیر روح المعانی کے مصنف فرماتے ہیں: استبشار یہ ہے کہ دل خوشی سے بھر جائے یہاں تک کہ دل کی اس خوشی سے چہرہ پر خوشگوار اثرات ظاہر ہو جائیں اور اشمنزاز یہ ہے کہ دل غصہ اور غم سے بھر جائے جس سے چہرہ منقبض ہو جائے جیسا کہ غمگین غصہ کرنے والے کے چہرے پر دیکھا جاتا ہے۔“

یہی حال ان مبتدعین و مشرکین کا ہے جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ذکر کی اور اتباع سنت کی تلقین کی جاتی ہے تو انہیں اچھی نہیں لگتی بدعتوں کا بیان کیا جائے اور پیروں فقیروں کی جھوٹی کرامات اور خود تراشیدہ قصے بیان کیے جائیں تو اس سے خوش ہوتے ہیں راتوں رات قوالی سنتے ہیں، ہارمونیم اور طبلہ کی آواز پر انہیں وجد آتا ہے اور اسی رات کے اختتام پر جب فجر کی اذان ہوتی ہے تو مسجد کا رخ کرنے کی بجائے بستروں کی طرف رخ کرتے ہیں اور گھروں میں جا کر سو جاتے ہیں۔

قال صاحب الروح وقد رأينا كثيرا من الناس على نحو هذه الصفة التي وصف الله تعالى بها المشركين يهشون لذكر اموات يستغيثون بهم ويطلبون منهم ويطلبون من سماع حكايات كاذبة عنهم توافق هواهم واعتقادهم فيهم ويعظمون من يحكي لهم ذلك وينقبضون من ذكر الله تعالى وحده (الى أن قال) وقد قلت يو مالرجال يستغيث في شدة ببعض الاموات وينادي يا فلان اغثنى فقلت له قل بالله فقد قال سبحانه "واذا سالك عبادى عنى فانى قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان" فغضب وبلغنى انه قال فلان منكر على الاولياء وسعمت عن بعضهم انه قال الولي اسرع اجابة من الله عز وجل وهذا من الكفر بمكان نسأل الله تعالى أن يعصمنا من الزيغ والطحيان (ص: ۱۱، ح: ۲۴)

”تفسیر روح المعانی کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے بہت سارے لوگوں کو ایسی ہی حالت پر دیکھا جو حوات اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی بیان فرمائی ہے کہ وہ فوت شدہ لوگوں کے ذکر پر خوش ہوتے ہیں ان سے مدد مانگتے ہیں ان سے سوال کرتے ہیں اور ان کے بارے میں اپنی خواہشات نفس اور اپنے اعتقاد کے موافق جھوٹے قصے سن کر خوش ہوتے ہیں جو لوگ اسی طرح کی قصہ خوانی کرتے ہیں یہ ان کو عزت و احترام دیتے ہیں اور اکیلے اللہ کے ذکر سے منہ بناتے ہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک آدمی جو مصیبت میں بعض مردوں سے مدد مانگتا تھا اور ”اغثنی یا فلان“ کہہ کر پکارتا تھا ایک دن میں نے اس سے کہا یا اللہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”جب میرا کوئی بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں قریب ہوں جب مجھے کوئی پکارے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں“ تو وہ آدمی غضبناک ہو گیا اور مجھے یہ بات پہنچی کہ اس نے کہا فلاں آدمی اولیاء پر تکبر کرتا ہے بعض لوگوں سے میں نے سنا کہ وہ کہتے ہیں اللہ کی نسبت ولی جلدی دعا قبول کرتا ہے یہ کفر ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں گمراہی و سرکشی سے محفوظ رکھے۔“

قُلِ الْاِنَّهٗمَ فَاٰطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔۔۔

صبح و شام کے بعض وظائف:

مشرکین کو جو نفرت توحید سے ہے اور جو محبت شرک سے ہے اسے بیان فرما کر اپنے نبی ﷺ سے اللہ تعالیٰ وعدہ لا شریک لہ فرماتا ہے کہ تو صرف اللہ تعالیٰ واحد کو ہی پکار جو آسمان و زمین کا خالق ہے اور اس وقت اس نے انہیں پیدا کیا ہے جبکہ نہ یہ کچھ تھے نہ ان کا کوئی نمونہ تھا۔ وہ ظاہر و باطن چھپے کھلے کا عالم ہے۔ یہ لوگ جو جو اختلافات اپنے آپس میں کرتے تھے سب کا فیصلہ اس دن ہوگا جب یہ قبروں سے نکلیں اور میدان قیامت میں آئیں گے۔ حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ حضرت

دیگا شرک سے تائب ہونے والے کے واقعی وہ بڑا بخشنے والا ہے تم رجوع ہو جاؤ جھک جاؤ اپنے پروردگار کی طرف۔ در اس کی فرمانبرداری کرو عمل میں اخلاص پیدا کرو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آنے لگے پھر تمہاری مدد کی نہ کیا جائے عذاب موقوف کرنے کیلئے اگر تم نے توبہ نہ کی اور تم پیروی کرو ان اچھے اچھے کاموں کی جو تمہارے رب کی طرف سے آئے یعنی قرآن حکیم اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تمہیں خیال بھی نہ ہو ٹھیک وقت کا اس کے آنے سے پہلے ہذا اللہ کی طرف لپکو اس سے پہلے کے کوئی کہنے لگے کہ افسوس یٰحَسْرَتٰی کی اصل یا حسرتی ہے یعنی شرمندگی اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کی جناب اطاعت میں کی اور میں تو من مخفہ من الشقیلہ ہے اصل میں انہی تھا ہنستا ہی رہا دین اور قرآن پر یا کوئی یوں کہنے لگے کہ اللہ اگر مجھے ہدایت دیتا اپنی فرمانبرداری یعنی میں ضرور ہدایت پاتا تو میں بھی نیک بندوں میں ہو جاتا، یعنی مؤمن۔ چنانچہ اللہ کی طرف سے اسے حکم ہو گا ہاں بیشک تیرے پاس میری آیتیں پہنچیں تھیں قرآن آیا جو ہدایت کا ذریعہ تھا مگر تو نے ان کو جھٹلایا اور ایمان لانے سے غرور دکھایا اور کافروں میں شامل رہا اور آپ قیامت کے دن ان کو جنہوں نے جھوٹ بولا تھا شریک اور اولاد کی نسبت اس کی طرف کر کے چہرہ سیاہ دیکھیں گے کیا ان کا ٹھکانہ رہنے کی جگہ دوزخ میں نہیں جنہوں نے ایمان لانے سے تکبر کیا بلاشبہ ضرور ہے اور جو لوگ شرک سے بچتے رہے اللہ انہیں دوزخ سے نجات عطا فرمائے گا کامیابی کے ساتھ یعنی کامیابی کی جگہ جنت انہیں عطا فرمائے گا نہ ان کو تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے وروہی ہر چیز کا نگہبان ہے جو چاہے تصرف کرے۔ اسی کے بس میں ہیں کنجیاں آسمان وزمین کی یعنی بارش پیداوار وغیرہ کے اسباب ذرائع اور جو لوگ اللہ کی آیتوں قرآن کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارے میں رہیں گے۔ وَ یُنذِرُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا کَا مُقَابِلِہِے اور ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قولہ: تَبٰسُوْا: یہ تَقَطُّوْا کی تفسیر ہے۔
 قولہ: نَک: اصل پر دونوں کے اظہار کے ساتھ۔
 قولہ: جَبِیْعًا: یعنی شرک کے علاوہ گناہوں کی بلاتوبہ محض رحمت سے معافی مراد ہے۔
 قولہ: یٰحَسْرَتٰی: یا اے منتکلم الف ہو گئی ہے۔
 قولہ: فَاکُوْنْ: یہ ان مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے۔

تفسیر مقبولین

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمُ۔۔۔۔۔

(بط) اس سے قبل چند آیات میں مشرکین کی مذمت اور ان کے دل آزار طریقوں کا بیان تھا اور ساتھ ہی نہایت مؤثر انداز میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی تھی، اس سلسلہ میں شرک و کفر کی گندگی اور مذمت کو سنتے ہوئے ممکن تھا کہ کسی کے دل میں قبول اسلام کی رغبت پیدا ہوتی اور ساتھ ہی یہ تصور بھی گذر سکتا تھا کہ جب انسان اس قدر ذلت اور گندگیوں میں آلودہ ہو چکا ایسی دانت اور کمینہ پن کر چکا تو اب اس کو اپنی نجات اور عذاب خداوندی سے بچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے تو اس طرح مایوسی کا تصور پیدا ہونا ایک طبعی سا امر تھا تو اس کو دلوں سے نکالنے کے لیے یہ آیات نازل کی گئیں جن میں ہر اس شخص کو اللہ کی رحمت و مغفرت کی بشارت دی گئی جو باطل سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف اپنا رخ کر لے، جیسے کہ عبد اللہ بن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ اہل مکہ یہ کہنے لگے کہ محمد ﷺ یہ کہتے ہیں جس شخص نے بت پرستی کی اور خدا کے ساتھ کسی اور معبود بنایا کسی کو قتل کیا تو اس کی کبھی مغفرت نہ ہوگی تو ہم کیسے ہجرت کریں، اور کس طرح اسلام لائیں حالانکہ ہم نے تو بتوں کو پوجا ہے اور خدا کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک کیا اور قتل بھی کیا تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں بعض سندوں سے یہ مضمون اس طرح منقول ہے: کچھ لوگ اہل شرک میں سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے جو اسلام کی رغبت رکھتے تھے، اور جاہلیت کے زمانہ میں انہوں نے شرک بھی کیا تھا، قتل کے بھی مرتکب ہوئے تھے اور زنا بھی و چوری بھی خوب کی تھی تو انہوں نے یہ عرض کیا یا رسول اللہ، آپ جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہ نہایت ہی بہترین چیز ہے اب ہم اسلام تو لانا چاہتے ہی، لیکن یہ سب کچھ ہم نے کیا ہے اور ان چیزوں کے باعث ہم ڈرتے ہیں تو کیا اسلام لانے پر ہماری نجات ہو جائے گی اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، ارشاد فرمایا: قُلْ يُجِيبُكَ مَنِ الَّذِيْنَ اسْتَفْتَاؤُا۔ کہہ دیجئے آپ میرے ان بندوں سے جنہوں نے کفر و شرک اور قتل و زنا جیسے کام کر کے اپنے اوپر زیادتی کی ہے کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہوؤ، اور اس خیال سے کہ یہ گناہ کیسے معاف ہوں گے، ایمان لانے میں ہرگز تامل و تردد نہ کرو بے شک اللہ رب العزت اسلام لانے کی وجہ سے تمام گناہوں کی مغفرت فرمے گا، اگرچہ وہ سابق زندگی کا گناہ کفر اور شرک ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اسلام لانے سے تو کفر ایمان و طاعت کی صورت میں تبدیل ہو گیا اور اس نے شرک کی گندگی سے پاکی حاصل کر کے توحید کو اختیار کر لیا ہے۔

دنیا کے انسانوں کو رحمت و عافیت اور نجات و مغفرت کی قرآنی دعوت:

یہ آیات مبارکہ قرآن کریم میں سب سے بڑھ کر رحمت و مغفرت خداوندی کی امید دلوں میں قائم کر نیوالی آیات ہیں ان آیات میں پروردگار عالم نے تمام دنیا کے گناہگاروں، نافرمانوں حتیٰ کہ شرک و کفر میں مبتلا ہونے والوں کو دعوت دی ہے کہ وہ نافرمانی و بغاوت سے تائب ہو کر سچے دل سے اگر اللہ کی طرف رجوع کر لیں تو خدا کی عنایات اور رحمتیں ان کی جانب یقیناً مبذول ہوں گی۔ ان کو اپنی سابق زندگی کی نافرمانی اور بد اعمالیوں سے یہ تصور نہ کرنا چاہئے کہ ان کی معافی کا کوئی امکان نہیں رہا، ان کو اللہ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہونا چاہئے، جس حالت میں بھی خواہ کسی طرح کا عمل ہو جب بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کریں گے رحمت خداوندی کا دروازہ کھلا پائیں گے ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کچھ لوگ مشرکین میں سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی سابق زندگی میں قتل بھی کیے تھے، خوب قتل کیے تھے اور زنا بھی کیا تھا اور بہت کیا تھا

تو آنحضرت ﷺ سے کہنے لگے، اے محمد! جو کچھ آپ ﷺ کہتے ہیں اور جس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ بے شک نہایت ہی بہتر ہے لیکن ہمیں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے کیے ہوئے اعمال کا کوئی کفارہ ہو سکتا ہے تو ہم اسلام لانے کو تیار ہیں تو اس پر آیات: "والذین لا یدعون مع اللہ الہا اخر"۔ اور یہ قُلْ یُعْبَادِیَ الذِّیْنَ اَسْؤَفُوا نَزَلَ ہُوَ عَلَیْکُمْ۔ اور حق تعالیٰ نے نہایت واضح طور سے فرمادیا: "المر یدعون ان اللہ هو یقبل التوبۃ عن عباده"۔ کہ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتا ہے اپنے بندوں کی، کہیں ارشاد فرمایا: "ومن یعمل سوءا او یظلم نفسہ ثم یدتغفر اللہ ید اللہ غفوراً رحیماً"۔ کہ جو شخص بھی برا کام کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے اور پھر وہ اللہ سے معافی مانگے تو اللہ کو پائے گا کہ وہ بڑا ہی مغفرت کرنے والا مہربان ہے، کہیں منافقین کے حق میں خصوصیت سے فرمایا: "ان المنافقین فی الدارک الاسفل من النار ولن تجد لہم نصیراً الا الذین تابوا واصلحوا"۔ کہ منافقین جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے اور اے نبی طہ تو ان کے واسطے کوئی مددگار نہیں پائے گا، لیکن جو لوگ تائب ہو جائیں اور اپنے عمل کی اصلاح کر لیں تو بے شک وہ اس عذاب سے نجات پانے والے ہوں گے اہل کتاب میں سے نصاریٰ کے شرک اور کفر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: "لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثة"۔ ان کے اس شرک و کفر کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: "افلا یتوبون الی اللہ ویستغفرونہ"۔ کہ یہ لوگ کیوں نہیں خدا کی طرف رجوع کرتے اور تائب ہوتے اور کیوں نہیں اس سے معافی مانگتے۔

الغرض ان آیات سے مجموعی طور پر یہ واضح ہوا کہ انسان کی بد اعمالیاں ہوں یا کفر و شرک ہو یا نفاق کی گندگیوں میں مبتلا ہو، ان میں سے ہر ایک جس وقت بھی اپنے جرائم و گناہوں اور کفر و شرک یا نفاق سے تائب ہو کر مطہر و فرمانبردار بننا چاہے تو اس کو بارگاہِ رحمت سے دھسکارا نہیں جائے گا، نزع روح سکرات موت نزول عذاب اور قیامت کے وقوع سے پہلے جب بھی وہ اللہ کی طرف رجوع کرے گا تو: "یجد اللہ تواباً رحیماً"۔ اللہ کو بڑا ہی مہربان توبہ قبول کرنے والا پائے گا۔ ان الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنات کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے دیکھو اس جو دو کرم کی کیا انتہا ہے کہ جن لوگوں نے مؤمنین کو ستایا، اولیاء کو قتل کیا، انہیں کو رحمت و مغفرت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے گناہ کی زندگی سے تائب ہو کر تڑپ اور بیقراری کے ساتھ در رحمت کی طرف دوڑنے والے کو رحمت خداوندی کس طرح اپنی آغوش میں لے لیتی ہے؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے ہو سکتا ہے جو ابو سعید خدریؓ بیان فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ نے بنی اسرائیل میں سے کسی کا واقعہ بیان فرمایا کہ جو ننانوے آدمیوں کو قتل کر چکا تھا، بعد میں اس کو ان بد اعمالیوں پر ندامت ہوئی اور اس نے کسی عابد و زاہد کا پتہ معلوم کرنا چاہا کہ جس کے ہاتھ پر جا کر تائب ہو اور اپنی زندگی درست کر لے، ایک راہب کا پتہ معلوم ہونے پر اس کے پاس پہنچا اور اس سے دریافت کیا کہ کیا میرے واسطے توبہ کا امکان ہے، اس نے جواب دیا نہیں۔ اس جواب پر غم و غصہ کی کیفیت میں اس راہب کو بھی قتل کر کے سوکا عدد پورا کر دیا، لیکن بدستور وہی تڑپ برقرار رہی اور تلاش میں رہا کہ کسی کے ہاتھ پر بیعت کروں اور تائب ہو جاؤں کسی عالم سے پوچھا کہ کیا میرے واسطے توبہ کا امکان ہے اس نے جواب دیا کہ کون حائل ہو سکتا ہے، تیرے اور تیری توبہ کے درمیان، اور فلان بستی میں ایک عالم و عابد ہے، تو اس کے پاس جا۔ اور اس بستی میں رہ کر خدا کی عبادت کرتا رہ، یہ شخص روانہ ہوا، سفر کے دوران موت کے آثار واقع ہوئے تو رحمت اور عذاب کے فرشتے آگئے اور باہم خصوصیت کرنے لگے عذاب کے فرشتے کہتے

ہیں ہم اس کی روح قبض کریں گے اور رحمت کے فرشتے کہنے لگے کہ نہیں ہم اس کی روح قبض کر کے رحمت کے مقام میں لے جائیں گے حق تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ زمین ناپ لوجس جگہ سے قریب ہو اسی حکم میں اس کو شمار کر لو۔ ساتھ ہی اللہ نے اس طرف کی زمین کو جہاں یہ جارہا تھا حکم دیا کہ تو نزدیک ہو جا، پیمائش کرنے پر تو بہ کی زمین قریب نکلی، اس پر رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح قبض کی، اور ایک روایت میں یہ لفظ ہے کہ جس وقت وہ زمین پر گر رہا تھا اس نے اپنا سینہ اور رخ اسی طرف جھکا دیا جس طرح وہ جارہا تھا تو ایک بالشت کے بقدر ادھر زمین کم رہ گئی ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ کا حکم ہوا سر زمین معصیت کو کہ تو بعید ہو جا اور تو بہ کی زمین کو حکم ہوا تو قریب ہو جا، اور اس طرح مانگہ رحمت کو قبض روح کا حق عنایت کر دیا گیا۔

گویا قانون الہی سے اس شخص کو نافرمانیوں اور معصیوں سے تائب اور پاک شمار کر لیا گیا کیونکہ جس تڑپ اور جذبہ کے ساتھ یہ اپنی جگہ سے نکلا اور ارض معصیت کو نفرت سے چھوڑتے ہوئے ارض اطاعت کا رخ اختیار کر لیا تو درحقیقت یہ اس ارشاد خداوندی کا مصداق بن گیا: "ومن ینخرج من بیتہ مهاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ"۔ اور اللہ کے نزدیک اس کا شمار تائبین و مطیعین میں ہو گیا اور تائب انسان بفرمان نبوی اس معصوم بچہ کی طرح ہے جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

انابت الی اللہ کا مفہوم:

انابت اور رجوع الی اللہ کی حقیقت نافرمانی اور معصیت سے بیزار و متنفر ہو کر اللہ رب العزت کی اطاعت و بندگی کی طرف رخ کر لینا ہے، اس طرح سے کہ گزشتہ کیے ہوئے اعمال پر ندامت و شرمساری ہو اور بارگاہ خداوندی سے عفو کا طالب ہوتے ہوئے یہ عہد کرے کہ آئندہ ان برائیوں سے پرہیز کروں گا۔ حدیث سید الاستغفار کے الفاظ یہ ہیں: اللہم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عہدک و وعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی و ابوء بذنبی فاغفر لی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت، ان کلمات سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ توبہ و استغفار کی مجموعی حقیقت یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت و خالقیت کا اعتقاد کامل رکھتے ہوئے اپنی بندگی کا اقرار کرے، اور خدا سے کیے ہوئے عہد و پیمان کی تکمیل کا اپنی عملی حد استطاعت تک عزم رکھے، ساتھ ہی اپنی برائیوں کا تصور ہو اور اس بات کا احساس ہو کہ خدا کے انعامات کس قدر ہیں اور ان انعامات کے بالمقابل میری تقصیرات کتنی ہیں، ظاہر ہے کہ اس احساس کا نتیجہ ندامت و شرمندگی کی صورت میں ظاہر ہوگا اور اس طرح کے اعتقاد و عزم اور احساس ندامت کے ساتھ معافی کی طلب اور اس بات کا عہد کہ آئندہ اس طرح کی معصیت کا مرتکب نہ ہوں گا۔

تو ان تمام احوال و کیفیات کا مجموعہ درحقیقت اللہ کی طرف انابت و رجوع ہے تو ایسے رجوع الی اللہ پر بشارت سنائی جارہی ہے رحمت و مغفرت کی اور اس کے ساتھ مایوسی کا تصور قلب و دماغ سے نکال دینے کا بھی مفر فرمایا جا رہا ہے۔

رحمت خداوندی سے مایوسی جرم عظیم ہے:

دعوت رحمت اور بشارت مغفرت کے ساتھ یہ بھی فرمایا جا رہا ہے۔ "لا تقنطوا من رحمة اللہ"۔ کہ اللہ کی رحمت سے

اے لوگو! ہرگز مایوس نہ ہو اور رحمت خداوندی سے مایوسی کو کفر کے درجہ میں شمار کیا گیا جیسے ارشاد ہے: "انہ لاییسئس من روح اللہ الا القوم الکافرون"۔ دوسری جگہ: "قال ومن یقنط من رحمة ربہ الا الضالون" (الجم)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے فرمایا اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اللہ کی رحمت سے مایوس ہو تو درحقیقت ایسا شخص کتاب اللہ کا منکر ہے (ابن کثیرؒ) عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے۔ اعظم ترین آیت کتاب اللہ میں آیہ الکرسی "اللہ لا الہ الا هو الہی القیوم" ہے اور خیر و شر کے لیے جامع ترین آیت قرآن کریم میں: "ان اللہ بامر بالعدل والاحسان"۔ ہے اور سب سے زیادہ مسرت و خوشی کی "یعبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمة اللہ" ہے اور تفویض و اعتماد علی اللہ کے باب میں سب سے زیادہ مضبوط قوی "ومن یتق اللہ یمعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب" ہے۔

مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔ ہم لوگ اصحاب رسول اللہ ﷺ (آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں) یہ سمجھا کرتے اور کہا کرتے تھے، ہم جو بھی نیکیاں کرتے ہیں وہ یقیناً قبول ہوتی ہیں یہاں تک کہ "یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم" (نزل ہوئی تو ہم نے سوچا کہ یہ کون سی چیز ہو سکتی ہے جو اعمال کو باطل کر دے تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہ کبائر و فواحش ہیں کہ ان کے ارتکاب سے انسان کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں تو اس پر ہم گھبرا گئے اور کہنے لگے یقیناً جو شخص بھی کسی گناہ کا ارتکاب کر لے وہ تباہ و برباد ہو گا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو ہم نے ان دونوں باتوں سے رجوع کیا، یعنی نہ ہم اس تکبر پر رہے کہ ہر نیکی ضرور قبول ہوگی اور نہ یہ عقیدہ رہا کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد ہلاکت و تباہی کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں بلکہ اس کے برعکس ہم نے سمجھ کہ گناہوں کے ارتکاب کے بعد توبہ و استغفار اور رجوع الی اللہ سے بندہ اللہ کی مغفرت، عنایات اور رحمتوں کا مستحق ہو جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ) انابت کا مفہوم رجوع ہے اور) "وانیبوا الی ربکم۔۔۔" کے معنی یہ ہیں۔ اے لوگو! تم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو معصیتوں سے اعراض کرتے ہوئے۔

ان پرندامت و شرمندگی کے ساتھ۔ اور بعض ائمہ مفسرین نے اس کا مفہوم یہ ذکر کیا ہے کہ تم نفس اور اس کے تقاضوں سے منقطع ہو کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف اس کی عبادت و بندگی اور ذکر کے ساتھ رجوع کرو۔

"توبہ" کے معنی بھی اہل لغت رجوع کے بیان کرتے ہیں اور انابت کے معنی بھی رجوع کے ہیں، جیسے کہ بیان کیا گیا، شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں میں لطیف فرق بیان کیا، فرمایا تا تب اس کو کہیں گے جو خوف عقاب کی وجہ سے رجوع کرے یعنی سزا اور عقوبت سے ڈر کر معصیت سے تائب ہو اور طاعت کی طرف رجوع کرے، اور تائب اس رجوع کرنے والے کو کہیں گے جو حق تعالیٰ کے انعامات و کرم سے شرمناک و معاصی سے باز آئے، "وَ اَنِیبُوا اِلٰی رَبِّکُمْ" کے بعد "وَأَسْلِمُوا" کا حکم حق تعالیٰ سبحانہ کے لیے اخلاص پر متوجہ و آمادہ کر رہا ہے اور انابت کے بعد اخلاص کا حکم اس مقصد کے لیے ہے کہ بندہ یہ بات سمجھ لے کہ اس کی نجات و کامیابی اس کی انابت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اس کے فضل و کرم سے ہے اور اسی کا فضل تھا کہ انابت کی توفیق حاصل ہوئی۔ (تفسیر روح المعانی ج ۶: ۶۴)

الغرض آیت کا مقصد اور اس پیغام رحمت کی غرض یہ ہے کہ کسی شخص کو قبول حق اور رجوع الی اللہ کے لیے یہ بات مانع نہ

ہونی چاہئے کہ اس نے اپنی سابق زندگی میں عظیم گناہ کیے ہیں، نہ اس کو اس وجہ سے قبول حق سے رکنا چاہئے اور نہ ہی اس کو رحمت خداوندی سے مایوس ہونا چاہئے، اس لیے ان آیات سے یہ سمجھنا کہ اللہ کی نافرمانی اور معصیت میں کوئی مضائقہ نہیں، اور ان اعمال کے مواخذہ کی کوئی فکر نہ کرنی چاہئے۔ قطعاً غلط ہے، عقل اور الفاظ کی دلالت ہرگز ایسے مفہوم کی اجازت نہیں دیتی حاصل یہ کہ ان آیات سے انسان کو بے فکر ہو کر گناہوں پر جری نہ ہونا چاہئے، بلکہ غرض یہ ہے کہ مایوسی کا خیال دل سے نکال دینا چاہئے۔

قُلْ أَغْيَرَ اللَّهُ تَأْمُرُوْنِي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُوْنَ ۝ غَيْرِ مُنْصُوْبٍ بِأَعْبَادِ الْمُعْمُوْلِ لِتَأْمُرُوْنِي بِتَقْدِيْرٍ اِنْ
 بُنُوْنَ وَاٰحِدَةٍ وَّبُنُوْنَ وَاٰحِدَةٍ وَّبُنُوْثَيْنِ وَاذْغَامٍ وَّفَكَ وَّلَقَدْ اَوْحٰى اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۝ وَاللّٰهُ لَيِّنٌ
 اَشْرَكَتْ يٰمُحَمَّدُ فَرَضًا لِيَجْتَظِرَنَّ عِبْلَكَ وَّلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهُ وَاٰحِدٌ وَّلَعْبُدُ وَّلَكُنْ مِنَ
 الشُّكْرِيْنَ ۝ اِنْعَامُهُ عَلَيْكَ وَّمَا قَدَّرُوا اللّٰهُ حَقَّ قَدْرِهِ ۝ مَا عَزَفُوْهُ حَقَّ مَعْرِفَتِهِ اَوْ مَا عَظَّمُوْهُ حَقَّ عَظَمَتِهِ
 حِيْنَ اَشْرَكَوْا بِهِ غَيْرَهُ وَاَلْاَرْضُ جَمِيْعًا حَالٍ اٰى السَّبْعِ قَبْضَتُهُ اٰى مَقْبُوْصَةٌ لَهٗ فِى مَلِكِهِ وَّنَصْرُهُ يَوْمَ
 الْقِيٰمَةِ وَاَلْسَمُوْتُ مَطْوِيٰتٌ مَّجْمُوْعٰتٌ يَّبِيْنُهُنَّ بِمَقْدَرَتِهِ سُبْحٰنَهُ وَّلَعَلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ مَعٰوَدَ
 لِنَفْحٍ فِى الصُّوْرِ النَّفْحَةُ الْاُولٰى فَصَعِقَ مَا تَ مِنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَّمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ
 الْحُرِّ وَاَلْوَلْدٰنِ وَّغَيْرِهِمَا ثُمَّ لَفْحٌ فِىْهِ اٰخَرٰى فَاِذَا هُمْ اٰى جَمِيْعِ الْخَلٰٓئِقِ الْمُوْتٰى قِيٰمَةً
 يَّنظُرُوْنَ ۝ يَنْتَظِرُوْنَ مَا يَفْعَلُ بِهِمْ وَاَشْرَكَتِ الْاَرْضُ اَصٰٓثُ رَبِّهَا حِيْنَ يَتَجَلٰى لِفَضْلِ الْقَضٰءِ وَّ
 وُضِعَ الْكِتٰبُ كِتٰبِ الْاَعْمَالِ لِلْحِسَابِ وَّجٰئِءٌ بِالنَّبِيِّنَ وَاَلشُّهَدٰءِ اٰى بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَّ
 سَلَّمَ وَاَمْتِهٖ يَشْهَدُوْنَ الْمُرْسَلِ بِالْبَلٰغِ وَّقَضٰى بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ اٰى الْعَدْلِ وَّهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ شَيْبَاؤَ
 وُقِيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ اٰى جَزَاؤُهُ وَّهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ فَلَا يَحْتٰجُ اِلٰى شٰهِدٍ

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے نادانی والو! کیا پھر بھی تم مجھ سے غیر اللہ کی عبادت کرنے کی فرمائش کرتے ہو۔ لفظ غیر، اعباد کی وجہ سے منصوب ہے جو تا مرونى معمول ہے ان کی تقدیر کے ساتھ جو ایک نون کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور دونوں کے ساتھ مع ادغام اور بغیر ادغام بھی آیا ہے اور آپ کی طرف اور آپ سے پہلے جو پیغمبر ہو گزرے ہیں ان کی طرف یہی وحی بھی جا چکی ہے کہ بخدا آپ نے اے محمد ﷺ بالفرض اگر شرک کیا تو تمہارا کیا کر یا سب غارت ہو جائے گا اور تم خسارے میں پڑ جاؤ گے بلکہ اللہ ہی کی تہا عبادت کرو اور شکر گزار رہنا جو اس نے آپ پر انعام کیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ کی کچھ قدر نہ کی

جیسی کہ قدر کرنی چاہئے تھی اللہ کی معرفت جیسی ہونی چاہئے تھی ویسی نہیں ہونی یا جیسی اس کی عظمت ہونی چاہئے وہ عظمت نہیں کی غیر اللہ کو شرک کر کے حالانکہ ساری زمین جمیعاً خاص ہے یعنی ساتوں طبقات زمین اسکی مٹھی میں ہوگی یعنی قبضہ میں اس کی ملک اور تصرف کے لحاظ سے قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوئے ایک ساتھ ہوں گے اس کے دہنے ہاتھ قدرت میں وہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک سے جو وہ اللہ کے ساتھ کرتے ہیں اور صور میں پھونک ماری جائے گی پہلے نغمہ پر سو تمام زمین آسمان والوں کے ہوش اڑ جائیں گے مگر جس کو اللہ چاہے یعنی حوریں بچے وغیرہ پھر آسمیں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعتاً سب کی سب تمام مری ہوئی مخلوق کھڑے ہو جائیں گے دیکھنے لگیں گے انتظار میں ہوں گے کہ ان کے کیا کاروائی ہوتی ہے زمین روشن ہو جائے گی چمک جائے گی اپنے پروردگار کے نور سے جبکہ رونما ہوگا زمین پر مقدمات کے فیصلہ کے لئے اور اعمال نامہ رکھ دیا جائے گا حساب کے لئے نامہ اعمال اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جائیں گے آنحضور ﷺ اور آپ کی امت پیغمبروں کے حق میں گواہی دیں گے کہ پیغمبروں نے لوگوں کو پیغام پہنچایا تھا اور انکا فیصلہ کیا جائے گا انصاف سے ٹھیک ٹھیک اور ان پر ذرا بالکل ظلم نہ ہوگا اور ہر شخص کو پورا پورا بدلہ معاوضہ دیا جائے گا اسلئے کہ وہ سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے اسلئے اسے گواہ کی ضرورت نہیں ہے

کلمات تفسیرہ کی توضیح و شرح

قوله: مَقْبُوضَاتُہٗ قَبْضَاتُہٗ اَیْکَ مَرْتَبَہٗ ہاتھ سے پکڑنا۔ اس کا اطلاق یہاں پکڑی ہوئی چیز پر مصدر کو اسمیت کا درجہ دے کر استعمال کیا۔

قوله: تَجْمُوعَاتُہٗ بِمِیْزَانِہٖ ۱: اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کمال قدرت اور افعال عظام کی حقارت پر خبردار کیا گیا۔ درحقیقت یہ اس کی قدرت کو تمثیل سے ذکر کیا گیا ہے، تغیر قبضہ و یمین کے اعتبار کے۔

قوله: یَوْمَ دَرَجَاتٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور جو عدل قائم کر رکھا ہے اس کا نام نور رکھا، اسی سے مقامات کو زینت ملتی ہے اور حقوق کا اظہار ہوتا ہے، جیسا کہ ظلم کو ظمیت سے تعبیر فرمایا۔

تفسیر مقبولین

قُلْ اَفْعَبُوا اللّٰہَ

آپ فرمادیجیے کہ اے جاہلو میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کر سکتا:

مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مشرکین نے اپنی جہالت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی کہ ہمارے معبودوں کی عبادت کرنے لگو اگر ایسا کر دو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ تمہارے معبود کی عبادت کرنے لگیں گے، اس پر آیت کریمہ: قُلْ اَفْعَبُوا اللّٰہَ آخرتک نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کو حکم دیا ان مشرکوں سے کہہ دیجیے کہ اے جاہلو!

کیا مجھے حکم دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنے لگوں؟ مزید فرمایا: وَ لَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ كَذِبٌ كَرِيمٌ اور آپ سے پہلے انبیاء کرام (علیہم السلام) کی طرف ہم نے یہ وحی بھیجی ہے کہ اگر بالفرض اسے مخاطب تو نے شرک اختیار کر لیا تو اللہ جل شانہ تیرا عمل ضبط فرمادے گا یعنی بالکل اکارت کر دیا جائے گا جس پر ذرا بھی ثواب نہ ملے گا وَ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ (اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا) یعنی اعمال کا بھی کچھ نہ ملے گا اور جان بھی ضائع ہوگی اس کی کچھ قیمت نہ ملے گی، جان کی مکمل بربادی ہوگی، کیونکہ دوزخ میں داخلہ ہوگا۔ حضرات انبیاء کرام (علیہم السلام) تو گناہوں سے بھی معصوم تھے شرک اور کفر کا ارتکاب ان سے ہو ہی نہیں سکتا لیکن برسبیل فرض اگر کسی نبی نے بھی شرک کر لیا تو اس کی بھی جان بخشی نہ ہوگی غیروں کا تو سوال ہی کیا ہے، حضرات انبیاء کرام (علیہم السلام) کو خطاب کر کے ان کی امتوں کو بتا دیا کہ دیکھو شرک ایسی بری چیز ہے کہ اگر کسی نبی سے بھی صادر ہو جائے تو اس کے اعمال صالحہ برباد ہو جائیں گے اور وہ تباہ و برباد ہوگا لہذا امتیوں کو تو اور زیادہ شرک سے دور رہنا اور بیزار رہنا لازم ہے۔

بَلِ اللّٰهُ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝

یعنی عقلی حیثیت سے دیکھا جائے کہ تمام چیزوں کا پیدا کرنا باقی رکھنا اور ان میں ہر قسم کے تصرفات کرتے رہنا صرف اللہ کا کام ہے تو عبادت کا مستحق بجز اس کے کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور نقلی حیثیت سے لحاظ کرو تو تمام انبیاء اللہ اور دیان سماویہ توحید کی صحت اور شرک کے بطلان پر متفق ہیں بلکہ ہر نبی کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا ہے کہ (آخرت میں) شرک کے تمام اعمال اکارت ہیں اور شرک کا انجام خالص حرمان و خسران کے سوا کچھ نہیں۔ لہذا انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر ایک خدائے قدوس کو پوجے اور اس کا شکر گزار و وفادار بندہ بنے۔ اس کے عظمت و جلال کو سمجھے۔ عاجز و حقیر مخلوق کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے۔ اس کو اسی طرح بزرگ و برتر مانے، جیسا کہ وہ واقع میں ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۚ

اللہ تعالیٰ شانہ کی ذات بہت بڑی ہے اس کو اس دنیا میں دیکھا نہیں جاسکتا لیکن اس کی صفات کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے اس کی صفت خالقیت کو سب عقل مند جانتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ سب کچھ اسی نے پیدا کیا ہے اس کا حق ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے جن لوگوں نے کسی کو اس کا سچھی ٹھہرایا اور عبادت میں شریک بنایا اور نہ صرف یہ کہ خود شرک بنے بلکہ اس کے رسول کو بھی شرک کی دعوت دے دی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی وہ تعظیم نہیں کی جس تعظیم کا وہ مستحق ہے اس کی ذات پاک کے لیے شریک تجویز کرنا بہت بڑی حماقت اور ضلالت ہے، دنیا میں اس کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے اور قیامت کے دن ایک مظاہرہ اس طرح سے ہوگا کہ ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے وہ ہر عیب سے پاک ہے اور ان لوگوں کے شرکیہ اقوال و افعال سے بھی پاک ہے۔

چونکہ سورہ شوریٰ میں ارشاد فرمایا ہے کہ: (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) (اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے) اس لیے اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم سے اور اعضاء سے پاک ہے اگر آیت کریمہ کا معنی ہاتھ کی مٹھی لیا جائے اور بِيَمِينِهِ سے داہنا ہاتھ مراد لیا جائے تو اس سے جسمیت اور مثلیت لازم آتی ہے اس لیے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ آیت شریفہ کے مضمون کے بارے

میں یوں عقیدہ رکھو کہ اس کا جو بھی مطلب اللہ کے نزدیک ہے وہ حق ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کا معنی اور مفہوم اسی کی طرف تفویض کرتے ہیں بعض علماء نے تاویل بھی کی ہے لیکن محققین تاویل کے بجائے تفویض کو اختیار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم سے اور اعضاء سے پاک ہے اور جو کچھ بھی قرآن وحدیث میں آیا ہے وہ سب حق ہے اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ہم اپنی طرف سے مطلب تجویز نہیں کرتے اس طرح کا مضمون جہاں کہیں بھی آئے اس کے معنی کی تفویض بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ اے محمد ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر، اور زمینوں کو ایک انگلی پر، اور پہاڑوں کو ایک انگلی پر اور درختوں کو ایک انگلی پر، اور (باقی) ساری مخلوق کو ایک انگلی پر روک لے پھر فرمائے گا: اَنَا الْمَلِكُ (میں بادشاہ ہوں) یہ سنا کر رسول اللہ ﷺ کو ہنسی آگئی یہاں تک کہ آپ کی مبارک ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں اس کے بعد آپ نے آیت بلا: وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ تِلَاوَت فرمائی آپ کا ہنسنا اس یہودی کی تصدیق کے طور پر تھا۔ (صحیح بخاری ۱۱۰۲، ۱۱۰۳)

وَأُنْفِخُ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ۔۔۔

قیامت کے دن صور پھونکنے کا تذکرہ

پھر فرمایا: وَأُنْفِخُ فِي الصُّورِ۔۔۔۔۔ (اور صور میں پھونک ماری جائے گی تو جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے پھر صور میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے) جب قیامت قائم ہوگی تو اس کی ابتداء صور پھونکنے جانے سے ہوگی اور دوسرے صور پھونکا جائے گا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسرائیل علیہ السلام کان لگائے ہوئے ہیں اور پیشانی کو جھکائے ہوئے انتظار میں ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہو آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صور ایک سینک ہے جس میں پھونکا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۶)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ البتہ قیامت ضرور اس حالت میں قائم ہوگی کہ دونوں نعلوں نے اپنے درمیان (خرید و فروخت کے لیے) کپڑا کھول رکھا ہوگا ابھی معاملہ طے کرنے اور کپڑا لپیٹنے بھی نہ پائیں گے کہ قیامت قائم ہو جائے گی (پھر فرمایا کہ) البتہ قیامت ضرور اس حال میں قائم ہوگی کہ ایک انسان اپنی اونٹنی کا دودھ نکال کر لے جا رہا ہوگا اور پی بھی نہ سکے گا اور قیامت یقیناً اس حال میں قائم ہوگی کہ انسان اپنے حوض لب رہا ہوگا اور ابھی اس میں موشیوں کو پانی پلانے بھی نہ پائے گا اور واقعی قیامت اس حال میں قائم ہوگی کہ انسان اپنے منہ کی طرف لقمہ اٹھائے گا اور اسے خابثی نہ سکے گا۔ (رواہ البخاری)

پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ زندہ ہوں گے وہ مرجائیں گے اور ان پر بیہوشی طاری ہو جائے گی اور جو اس سے پہلے مر چکے تھے وہ بے ہوش ہو جائیں گے آسمانوں میں اور زمینوں میں جو لوگ ہوں گے سب پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے، قبروں سے نکل کر موقف (یعنی حساب کی جگہ) کی طرف چل دیں گے دونوں بار جو صور پھونکا جائے گا ان کے درمیان کتنا فاصلہ ہوگا حضرت ابو ہریرہؓ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل

کرتے ہوئے چالیس کا عدد ذکر کیا حاضرین نے عرض کیا اے ابو ہریرہ کیا چالیس دن کا فاصلہ ہوگا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں عرض کیا گیا کہ چالیس مہینے کا فاصلہ ہوگا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں، عرض کیا گیا چالیس سال کا فاصلہ ہوگا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں۔

إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۗ كَاِسْتِثْنَاءِ:

إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۗ میں کن حضرات کا استثناء ہے اس کے بارے میں احادیث مرفوعہ صحیحہ میں کوئی واضح بات نہیں ملتی البتہ ایک حدیث میں یوں ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کے درمیان کچھ گالی گلوچ ہو گئی باتوں باتوں میں مسلمانوں نے یوں کہہ دیا کہ قسم اس ذات کی جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو سارے جہانوں پر فضیلت دی ہے یہ سن کر یہودی نے یوں کہا قسم اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو سارے جہانوں پر فضیلت دی ہے یہ سن کر اس مسلمان نے یہودی کے منہ پر طمانچہ مار دیا وہ یہودی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں چلا گیا اور واقعہ بیان کیا نبی اکرم ﷺ نے اس مسلمان کو بلایا جس نے طمانچہ مار دیا تھا اور اس سے صورت حال معلوم کی، اس نے صورت حال بیان کر دی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو (یعنی اس طرح کی کوئی بات نہ کہو جس سے ان کے مرتبہ کی تنقیص ہوتی ہو) کیونکہ قیامت کے دن سب لوگ بیہوش ہو جائیں گے اور میں بھی ان کے ساتھ بیہوش ہو جاؤں گا پھر سب سے پہلے مجھے ہی ہوش آئے گا میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کی جانب کو پکڑے کھڑے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ ان لوگوں میں ہوں گے جو بے ہوش ہو گئے تھے اور انہیں مجھ سے پہلے ہوش آ گیا یا وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کا استثناء کیا گیا ہے یعنی إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۗ کے عموم میں وہ بھی شامل ہوں گے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں نہیں جانتا کہ (کوہ) طور پر انہیں جو بیہوشی طاری ہوئی تھی اس کو اس وقت کی بیہوشی کے حساب میں لگا دیا گیا (اور ان پر بیہوشی ہی نہ ہوئی) یا بے ہوش تو ہوں گے لیکن مجھ سے پہلے ہوش میں آچکے ہوں گے۔ (رواہ البخاری ص ۴۸۵: ۶۶۵: ۶۶۶: ۶۸۸: ۶۸۹)

چونکہ اس کی تصریح نہیں ہے کہ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۗ کا مصداق کون ہے اس لیے مفسرین میں سے کسی نے یوں کہا کہ جو حضرات بے ہوش نہ ہوں گے ان سے جبرائیل، اسرافیل اور میکائیل اور ملک الموت مراد ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے حاملین عرش مراد ہیں اور یوں بھی لکھا ہے کہ پہلی بار صور پھونکے جانے پر جو حضرات بیہوشی سے محفوظ رہیں گے بعد میں ان کو بھی موت آ جائے گی۔

وَجَاءَ عِبَادَ اللَّهِ بِاللَّيْطِينَ وَالشَّهَدَاءِ۔۔۔۔۔

مراد یہ ہے کہ میدان حشر میں حساب و کتاب کے وقت سب انبیاء بھی موجود ہوں گے اور دوسرے سب گواہ بھی حاضر ہوں گے۔ ان گواہوں میں خود انبیاء علیہم السلام بھی ہوں گے، جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے جئنا من کل امة بشہید اور فرشتے بھی گواہوں میں ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: معها سائق و شہید۔ کہ اس میں سائق اور شہید سے مراد فرشتے ہونا (تفسیر درمنثور) سورہ ق میں مذکور ہے اور ان گواہوں میں امت محمدیہ بھی ہوگی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: لئن کونوا شہداء علی الناس اور ان گواہوں میں خود انسان کے اعضاء و جوارح بھی ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: تکلمنا

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا يُعْطَىٰ إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ جَمَاعَاتٍ مُّتَفَرِّقَةٍ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فَتَحَتْ أَبْوَابُهَا
 جَرَابٌ إِذَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمُ الْقُرْآنَ وَغَيْرِهِ وَ
 يُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِن حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَىٰ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ الْآيَةَ عَلَى
 الْكَافِرِينَ ۝ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ مَقَدِّرِينَ الْعُلُودَ فِيهَا ۖ فَيُسَّ مَشْوَىٰ مَا رَى
 الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ جَهَنَّمَ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ بِلُطْفٍ إِلَىٰ الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ
 أَبْوَابُهَا الْأَوَّلِيَّةُ لِلْحَالِ بِتَقْدِيرٍ قَدْ وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ۝
 مَقَدِّرِينَ الْعُلُودَ فِيهَا وَجَرَابٌ إِذَا مَقَدَّرَ أَىٰ دَخَلُوهَا وَسُوقُهُمْ وَفُتِحَ الْأَبْوَابُ قَبْلَ مَجِيئِهِمْ تَكْرِمَةً لَهُمْ وَ
 سُوقُ الْكُفَّارِ وَفُتِحَ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ عِنْدَ مَجِيئِهِمْ لِيَبْقَىٰ حَزُّهَا إِلَيْهِمْ إِهَانَةً لَهُمْ وَقَالُوا اعْطُفْ عَلَىٰ
 دَخَلُوهَا الْمَقَدَّرِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدَاةُ بِالْجَنَّةِ وَأَوْرَثْنَا الْأَرْضَ أَىٰ أَرْضَ الْجَنَّةِ نَتَّبِعُوا نَزَلَ
 مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ لِأَنَّهَا كُلُّهَا لَا يَخْتَارُ فِيهَا مَكَانٌ عَلَىٰ مَكَانٍ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝ الْجَنَّةُ وَ
 تَرَى الْمَلَائِكَةَ حَاقِقِينَ خَالٍ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ مِنْهُ يُسَبِّحُونَ خَالٍ مِنْ ضَمِيرٍ خَافِينَ
 بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ فَلَا يَسِينُ لِلْحَمْدِ أَىٰ يَقُولُونَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ وَيَبْنَ جَمِيعِ
 الْخَلَائِقِ بِالْحَقِّ أَى الْعَدْلِ فَيَدْخُلُ الْمُؤْمِنُونَ الْجَنَّةَ وَالْكَافِرُونَ النَّارَ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝
 حَتْمًا اسْتَقْرَارَ الْفَرِيقَيْنِ بِالْحَمْدِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

ترجمہ: اور جو کافر ہیں وہ زبردستی دوزخ کی طرف ہائے جائیں گے، عکڑیاں بنا بنا کر گروہ گروہ کر کے یہاں تک کہ جب
 دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے یہ اذا کا جواب ہے اور ان سے دوزخ کے محافظ
 کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے پروردگار کی آیتیں قرآن وغیرہ پڑھ کر
 بتایا کرتے تھے اور تمہیں اس دن کے آنے سے ڈرایا کرتے تھے کافر بولیں گے ہاں لیکن عذاب کا وعدہ۔ لا ملین جہنم
 انما کافروں پر پورا ہو کر رہا اور ان سے کہا جائے گا کہ دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو ہمیشہ اس میں رہا کرو غرضیکہ تکبر
 کرنے والوں کا برا ٹھکانہ رہنے کا مقام ہے دوزخ اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرا کرتے تھے انہیں مہربانی سے جنت کی طرف

روانہ کیا جائے گا جتنے بنا بنا کر یہاں تک کہ جب جنت کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے اس میں داخل ہو جائے گا اور قد مقدر ہے اور ان سے جنت کا چوکیدار کہے گا تم پر سلامتی ہو، پس تم جنت میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کہ وہاں سے کبھی بھی نکلنا نہیں پڑے گا، اذاکا جواب مقدر ہے یعنی وہ داخل ہو جائیں گے جنتوں کو ایسی حالت میں لے جاتا کہ جنت کے دروازے پہلے سے کھلے ہوں گے اس میں ان کا اعزاز مقصود ہے اور جنہیوں کو اس حال میں لے جاتا کہ ان کے پہنچنے پر دروازے کے دروازے کھلیں گے ان کو گرمی پہنچنے کے لئے اس میں ان کی اہانت مقصود ہوگی اور جنتی پکارائیں گے اس کا عطف دخلوہا مقدر پر ہے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ جنت سچ کر دکھایا اور ہمیں اس سرزمین جنت کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں رہیں ٹھہریں جہاں چاہیں کیونکہ ساری جنت یکساں ہوگی کہیں روک ٹوک نہ ہوگی غرض جنت عمل کرنے والوں کا اچھا بدلہ ہے اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے ارد گرد ہر طرف حلقہ باندھے ہوں گے تسبیح و تحمید کرتے ہوں گے حافین کی ضمیر سے حال واقع ہے اپنے پروردگار کی تسبیح کے ساتھ حمد بھی کریں گے، یعنی سبحان اللہ والحمد للہ پڑھیں گے اور سب مخلوق کے درمیان باہمی فیصلہ ٹھیک ٹھیک کر دیا جائے گا یعنی انصاف کے ساتھ لہذا مؤمنین جنت میں اور کفار دروزخ میں داخل کر دئے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ ساری خوبیاں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جو سارے جانوں کا پروردگار ہے دونوں فریقوں کے اپنے مقام پر پہنچنے کو فرشتوں کی حمد پر ختم کیا گیا ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مُتَّفَرِّقَةً: ایک دوسرے کے پیچھے گمراہیوں میں اپنے مراتب کے اعتبار و لحاظ سے۔
 قوله: حَتَّىٰ: یہ ابتداء یہ ہے یہی وہ ہے جس کے بعد جملہ بطور حکایت آتا ہے۔
 قوله: جَوَابُ إِذَا: اذاکا جواب مقدر ہے۔ اس لیے کہ اس پر درالت موجود ہے کہ ان کا خوب اکرام ہوگا۔
 قوله: حَرُّهَا إِلَيْهِمْ: تاکہ آنے والے کے لیے جہنم کی حرارت باقی رہے۔ دروازہ کھولنے سے حرارت کم ہو جاتی ہے، کیونکہ جہنم کے سانس اس سے باہر خارج ہو جائیں گے۔

تفسیر مقبولین

وَسَيُقَالُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ

اہل کفر اور اہل ایمان کی جماعتوں کا گروہ گروہ اپنے ٹھکانوں تک پہنچنا:

(ربط) گزشتہ آیات میں مشرکین و کفار کو متنبہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ شرک و نافرمانی سے باز نہ آئیں گے تو زندگی میں کیے ہوئے تمام اعمال حبط و برباد ہوں گے اور انسان کو نہ قیامت سے بے فکر ہونا چاہئے اور نہ محاسبہ سے لپرواہی

برتی چاہئے، قیامت بھی برحق ہے، محاسبہ اعمال بھی۔ اعمال اس پروردگار پر پوشیدہ نہیں وہ اعمال کو دیکھتا اور جانتا ہے اس نے ہر انسان کا نامہ اعمال بھی تیار کر رکھا ہے، اعمال پر گواہ بھی ہیں اس نوعیت سے مجرم کو اعمال کی سزا دی جائے گی اور جو مطیع و فرمانبردار ہیں ان کو ان کی نیکیوں پر انعام و جزا دی جائے گی تو اس طرح جزا و سزا کا اجمالی ذکر کرنے کے بعد اب آئندہ آیات میں اس کی تفصیل کی جا رہی ہے، ہر گروہ کے ساتھ قیامت کے روز کیا معاملہ ہوگا تو ارشاد فرمایا، اور اس قضاء حق اور فیصلہ عدل کے بعد ہانکا جائے گا کافروں کو جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر اس طرح ان کو ذلت کے ساتھ پٹکا کر لے جایا جائے گا، جیسے جانوروں کو دھکیل کر کسی جگہ لے جایا جاتا ہو اور ظاہر ہے کہ یہ کفار جانے کے لیے تیار نہ ہوں گے تو زبردستی ان کو دھکیلا جاتا ہوگا، اور کافروں کے کفر و شرک کی بہت انواع ہیں تو اسی لحاظ سے ہر نوع کفر و شرک کے مرتکب کا ایک گروہ ہوگا، اس طرح گروہ درگروہ جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے یا یہ کہ رؤسا اور ان کے سرغنے آگے آگے ہوں گے اور قہقہے و پیروکار پیچھے پیچھے (اسی کو حق تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ظاہر فرمایا: "ثُمَّ لَنُنزِعَنَّ مِنَ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيْمَةً اشَدَّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا"۔ یعنی کافروں کی ہر جماعت میں سے ہم ان لوگوں کو چھانٹ لیں گے جو کفر میں زیادہ شدید تھے تو بڑے بڑے کفار علیحدہ ہوں گے اور چھوٹے چھوٹے الگ ہوں گے۔)

یہاں تک کہ جب یہ کفار دوزخ کے سامنے پہنچیں گے تو دوزخ کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تاکہ ایک دم جہنم کے شعلے اور لپٹیں ان کو جھلساتا شروع کر دیں، اور دروازے کھلتے ہی دائمی عذاب اور وہاں کے ہولناک مناظر نظروں کے سامنے آتے ہی حسرت و ملال کی بے چینی پیدا کر دیں گے اور ان سے دوزخ کے نگران فرشتے بطور ملامت کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہاری ہی جنس سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں سنایا کرتے تھے اور احکام خداوندی سکھایا کرتے تھے اور تم کو ڈرایا کرتے تھے تمہارے اس دن کے پیش آنے سے اے لوگو قیامت کا دن آنا ہے اس کی فکر کرو، اللہ کی نافرمانی سے بچو ورنہ عذاب خداوندی کا سامنا کرنا پڑے گا اس وقت ذلت و لاچاری کے عالم میں کافر کہیں گے کیوں نہیں: بے شک ہمارے پاس اللہ کے رسول آئے اور انہوں نے عذاب الہی سے ڈرایا، بیشک اسباب ہدایت سب موجود تھے لیکن ہم نے نہ ان سے فائدہ اٹھایا اور نہ راہ راست پر آئے لہذا اب عذاب کا فیصلہ ثابت ہو کر رہا کافروں پر۔ اور اب حسرت و ندامت کے ساتھ سوائے اس اعتراف کے اور کوئی چارہ نہیں کہ بے شک ہم نے کفر کیا اور کافروں کے حق میں جس عذاب کا فیصلہ اور وعدہ تھا وہ اب ہمارے سامنے موجود ہے تو یہ ہماری نالائقی ہے اور ہم اس کے مستحق ہیں، اس وقت ان لوگوں سے کہا جائے گا اچھا اب تو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس طرح کہ ہمیشہ اس میں رہو گے، غرض یہ متکبرین۔ ۱، (پہلی آیت میں ان دوزخیوں کو "کافرین" کہا گیا اور اس آیت میں "متکبرین" عذاب جہنم تو بیشک کفر ہی کی وجہ سے ہے، لیکن کفر کا اصل سبب اور علت تکبر ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ ایک چیز عذاب کی ذلت ہے اور دوسری چیز یعنی تکبر وہ علت العلۃ ہے تو ان دو تعبیروں سے اشارہ کر دیا گیا کہ جو لوگ کفر میں مبتلا ہیں دراصل ان کا یہ کفر ان کے تکبر کا نتیجہ ہے، نخوت اور تکبر ہی ہمیشہ کافروں کے کفر کا سبب بنا، انہوں نے اللہ کے پیغمبروں کے سامنے سر جھکانے سے تکبر کیا تو ایک موقع پر علت عذاب کو ذکر کر دیا گیا اور دوسری آیت میں علت کی علت بیان کر کے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ ان کافروں کا یہ کفر ان کا تکبر کا انجام ہے، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے لے کر آنحضرت

کے زمانہ تک کے کافروں کی یہی نخت، کفر و نافرمانی کا سبب بنی رہی جیسے کہ ارشاد ہے: "انؤمن لک وانبعک الارذلون"۔ اور تکبر ہی تمام رذائل کا سرچشمہ ہے اس وجہ سے اس کی سزائیں کفار کو انتہائی ذلت و خواری کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس طرح ذلت و حقارت کیساتھ جہنم میں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا جیسے جانور ہنکائے جا رہے ہوں، اسی وجہ سے لفظ "سبیق" استعمال کیا گیا جو سوق بمعنی ہنکانے سے مشتق ہے۔)

اور اللہ کے احکام سے سرکشی کرنے والوں کا بہت ہی برا ٹھکانا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، بخلاف اہل توحید میں سے گنہگاروں کے کہ اگر وہ اپنے گناہوں کے باعث بطور سزا جہنم میں گئے بھی تو سزا بھگتنے کے بعد ان کو عذاب جہنم سے آزاد کر دیا جائے گا جہنم ان کا دائمی ٹھکانا اور حقیقی معویٰ نہیں، اور اس کے برعکس جو لوگ اپنے خدا سے ڈرے اور اپنے رب پر ایمان لائے ان کو نہایت ہی عزت و اکرام کے ساتھ چلایا جائے گا جنت کی جانب گردہ گردہ بنا کر اس طرح کہ متبعین کی جماعتیں مراتب تقویٰ کے لحاظ سے جدا جدا ہوں گی ہر جماعت کی ایک علیحدہ شان ہوگی وہ اس شان کے ساتھ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے جیسا کہ کافر و متکبر ذلت و حقارت سے گھسیٹ کر جہنم کی طرف دھکیلے گئے تھے۔ تو ان فرما تہر داروں اور مؤمنین کے لیے اللہ کے فرشتے ان کے ساتھ چلتے ہوں گے جس طرح بادشاہوں کے محافظ اور درباری خدام اپنے درمیان اپنے بادشاہ کو لے کر چلتے ہوں، اہل جہنم کا سوق حقارت و توہین کے رنگ میں تھا جیسے چوروں ڈاکوؤں کو طوق و سلاسل کے ساتھ سپاہی لے جاتے ہوں لیکن اہل جنت کا جنت کی طرف سوق اعزاز و اکرام کے ساتھ ایسا ہوگا جیسے بادشاہ کو اس کے مصاحبین لیے جاتے ہوں۔ (ان کلمات سے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ لفظ سوق جنت کے لیے بطور صنعت مشاکلت کے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اہل جنت تو ظاہر ہے کہ بعد اکرام جنت میں لیجائے جائیں گے جیسے کہ ارشاد ہے: "اولئک فی جنت مکر مون"۔)

فرشتے ان کو تقاضا کر کے جلدی جلدی لیے چلتے ہوں گے اور خدام پیچھے سے ان کے حواریوں کو ہنکاتے ہوں گے، غرض یہ سوق عزت و کرامت کا ہوگا جو بعد شوق و محبت ہوگا، یہاں تک کہ جب یہ اہل ایمان جنت تک پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے پہلے ہی سے کھلے ہوئے ہوں گے اور جیسے کہ معزز مہمانوں کی آمد سے قبل ان کے استقبال کیلئے دروازے کھلے رکھے جاتے ہیں اور ان کو دیکھتے ہی جنت کے نگران ان سے کہیں گے: "سلام علیکم طینم"۔ سلامتی ہو تم پر اللہ کی عنایات و رحمتوں کے ساتھ اور خوش رہو تم، پس داخل ہو جاؤ اس جنت میں اس شان سے کہ تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو گے، ہر جانب سے تم پر اللہ کی رحمتیں ہوں گی نہ کبھی کوئی تعب و مشقت پیش آئے گی اور نہ کسی قسم کا رنج و غم واقع ہوگا۔ اہل جہنم کو تو خازنین جہنم داخل ہونے سے پہلے ملامت اور سرزنش کریں گے لیکن اہل جنت کے لیے خازنین جنت تحیہ و سلام اور پیغام بشارت اور ان کی ثناء و توصیف اور اعزاز و اکرام کے ساتھ استقبال کرتے ہوں گے اور آئندہ کے لیے بھی سکون و چین کا مرثہ سنا کر مطمئن کریں گے، جس پر اہل جنت خوش ہوں گے اور فرط مسرت اور جذبہ تشکر سے یہ کہیں گے "الحمد للہ"۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے پورا کر دکھایا جو وعدہ اس نے ہم سے کیا تھا ہمارے ایمان لانے پر جو وعدہ تھا جنت کا وہ وعدہ محض اپنے فضل سے پورا کر دکھایا اول تو وعدہ ہی محض اس کا فضل تھا پھر اس مہربانی پر مزید یہ کہ ہم کو اس نے ایمان کی توفیق دی پھر یہ انعام کہ ہم کو اس پر قائم رکھا، پھر اور کرم بالائے کرم یہ کہ اس کو قبول فرمایا اور خوشنودی کا ذریعہ بنایا لہذا یہ سب کچھ اس کا فضل ہی فضل ہے اس پر جس قدر بھی اس کا

شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے اور ہم کو اس سر زمین کا وارث بنا دیا کہ ہم عالم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانا بنالیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں مالا نیکہ دنیا میں تو کوئی ایک بالشت زمین کا ٹکڑا بھی جہاں چاہے نہیں حاصل کر سکتا تھا، پھر یہاں ہر شوق اور خواہش پوری ہو رہی ہے ہر طلب پوری کی جا رہی ہے جیسے کہ ارشاد ہے: "ولکم فیہا ما تشہی النفسکم ولکم فیہا ما تدعون"۔ تو آخر اس بڑھ کر انعام و اکرام کا کیا درجہ ہو سکتا ہے، پس کیا ہی اچھا ہے اجر و ثواب نیک عمل کرنے والوں کا۔

الغرض جب اہل جنت اللہ کے فضل سے جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخیوں کو جہنم میں گھسیٹ کر ڈال دیا جائے گا تو اللہ کے برگزیدہ بندے اللہ رب العزت کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہو جائیں گے اور اے دیکھنے والے تو اس روز دیکھے گا فرشتوں کو اس طرح کہ گھیرے ہوئے ہوں گے ہر جانب سے عرش الہی کو پاکی بیان کر رہے ہوں گے اپنے رب کی حمد و ثناء کرتے ہوئے کہ پروردگار عالم کی تسبیح و تحمید میں غرق ہوں گے اور عرش الہی کعبۃ اللہ کی طرح ملائکہ کا مطاف بنا ہوا ہوگا اور عرش خداوندی کے طواف کے دوران ملائکہ کا درو ہوگا۔ "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔ اور تمام خلائق کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اللہ رب العزت کی اس شان عظمت و کبریائی اور عدل و انصاف کو دیکھ کر ہر زبان اور ہر سمت سے یہی صدا جاری ہوگی۔ "الحمد للہ رب العالمین"۔ یعنی ہر طرف سے فرشتوں اور اہل جنت کی زبان جوش و خروش کے ساتھ اللہ کی حمد و ستائش میں مصروف ہوئی اور کہا جاتا ہوگا۔ ساری خوبیاں اس خدا کو زیبا ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

فرشتوں کا عرش الہی کے گرد گھیرا بنائے تسبیح و تحمید میں مصروف ہونا اس وقت ہوگا جب حق تعالیٰ کا نزول اجلال ہوگا بندوں کے حساب کے لیے اس وقت کی عظمت و ہیبت کا یہ اثر ہوگا، فرشتے بھی عرش الہی کا گھیرا دیئے یا طواف کرنے کی حالت میں حمد و ثناء میں مصروف ہوں گے۔

ان آیات میں عجیب ربط و تناسب ہے جس سے مزید شان اعجاز کلام خداوندی کی ظاہری ہو رہی ہے: قُلْ أَفَغَيَّرَ اللَّهُ مَا مَرُوءِي سَے کلام کا آغاز فرمایا گیا تھا، اثبات توحید اور نفی شرک موضوع خطاب تھا، اس سے کلام کی ابتداء کرتے ہوئے معاد اور آخرت کا ذکر شروع کر دیا گیا اس میں جنت و جہنم اور اہل جنت و جہنم کا ان کے احوال کا ان کے جنت و جہنم میں داخل ہونے کی کیفیات کا بیان فرمایا دیا گیا اور ان تمام تفصیلات کو اخیر میں حق تعالیٰ کی الوہیت در بوہیت کے بیان پر ختم فرمایا، یہ کہتے ہوئے "الحمد للہ رب العالمین"۔

"أَوْرَثْنَا الْأَرْضَ"۔ میں جنت کی سر زمین کو لفظ ارض سے مجازاً اس لحاظ سے تعبیر کیا گیا کہ وہ جگہ اسی طرح چلنے پھرنے اور ٹھکانا بنانے کی ہوگی جیسے عالم دنیا میں زمین ہوتی ہے۔

دوزخ و جنت کے دروازے اور ان میں داخل ہونی والوں کو کیفیات:

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ وَهَّاءٌ فَتَبَحَّتْ أَبْوَابُهَا، اہل جہنم کے جہنم کے سامنے پہنچنے کی کیفیت میں یہ فرمایا گیا، یہاں تک کہ جب وہ جہنم کے سامنے پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ إِذَا جَاءَ وَهَّاءٌ، شرط پر فُتِحَتْ کا جملہ جزائیہ اس پر

دلالت کرتا ہے کہ ان کے چننے ہی فوراً دروازے کھولے جائیں گے تاکہ جلد سے جلد ان کفار و مجرمین کو دارالاعتقوبت میں پہنچا دیا جائے اور ایک لمحہ کی بھی مہلت نہ مل سکے نیز مجرمین کے ساتھ یہی طریقہ برتا جاتا ہے کہ جیل خانہ بند ہوتا ہے جوں ہی مجرم اس جیل خانہ کے نگران فوراً دروازہ کھول کر مجرم کو اندر دھکیل دیتے ہیں، اسکے بالمقابل اہل جنت کا جنت میں جانا اعزاز و اکرام کے ساتھ ہوگا اور اعزاز و اکرام کا مقتضی یہ ہے کہ معزز مہمانوں کے استقبال کے لیے دروازے پہلے کھلے رہیں اس لیے وہاں وَفَتْحَتْ أَبْوَابُهَا کی تعبیر اختیار کی گئی جس کا ترجمہ یہ کیا گیا اور دروازے کھلے ہوں گے جیسا کہ ایک موقعہ پر دخول جنت کے ذکر میں مفتحة لهم الابواب فرمایا گیا۔

زُمرًا یعنی گروہ گروہ اور جماعتیں جماعتیں اہل جنت کے گروہ وہی جماعتیں ہوں گی جن پر خدا کا انعام ہے اور وہ انبیاء و صدیقین و شہداء اور صالحین کے گروہ ہیں جو یکے بعد دیگرے جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ ارشاد ہے: **اولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصدیقین والشهداء والصالحین وحسن اولئك رفيقا (نساء)**

جنت میں داخل ہونے والا سب سے پہلا گروہ اگرچہ جملہ انبیاء کا ہوگا لیکن وہ ذات جو سب سے پہلے جنت میں جائے گی وہ حضور اکرم ﷺ ہوں گے جیسے کہ ارشاد ہے: **انا اول من یقرع باب الجنة (صحیح مسلم)** کہ میں ہی سب سے پہلا وہ شخص ہوں گے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے، انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز میں جنت کے دروازہ پر پہنچوں گا دستک دینے پر خازن جنت دریافت کرے گا، کون؟ میں جواب دوں گا میں ہوں محمد ﷺ خازن جنت کہے گا، مجھے آپ ﷺ ہی کے بارہ میں حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی کے واسطے جنت کا دروازہ نہ کھولوں، ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے پہلے جو گروہ جنت میں داخل ہوگا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے، ان کے بعد وہ گروہ ہوگا جو زیادہ سے زیادہ روشن ستاروں کے مانند ہوں گے پھر اسی ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے داخل ہونے والے گروہوں کے حسن و جمال کا حال ہوگا۔

جنت کے دروازے اعمال کی مناسبت سے متعین ہوں گے:

جنت کے دروازوں کا عدد احادیث میں آٹھ ثابت ہوا ہے چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے: **ان فی الجنة ثمانية ابواب باب منها یسمى باب الریان لا یدخله الا الصائمون اور باب فضل وضو میں ہے فتحت له ابواب الجنة الثمانية یدخل من ایہا شاء۔**

جنت کے دروازوں میں کوئی باب الصلوٰۃ ہوگا، کوئی دروازہ باب الصدقہ ہوگا، کوئی باب الصیام جس کو باب الریان فرمایا گیا، کوئی کوئی باب الحج ہوگا، علی ہذا القیاس، ان دروازوں میں ہر ایک دروازہ سے داخل ہونے والے وہ ہوں گے جو اپنی زندگی میں اس عبادت اور عمل سے خاص شغف رکھنے والے ہوں گے مثلاً جن پر نماز کا رنگ غالب ہوگا وہ باب الصلوٰۃ سے اور جن پر صدقہ و خیرات کا رنگ غالب ہوگا وہ باب الصدقہ سے داخل ہوں گے اور جن پر جہاد کا رنگ غالب تھا وہ باب الجہاد سے اور اسی

ملاحظہ سے ان کو پکارا جائے گا، ایک مجلس میں آنحضرت ﷺ نے یہ بیان فرمایا ہے تھے تو صدیق اکبرؓ کہنے لگے یا رسول اللہ اس بات کی کسی کو ضرورت تو نہیں ہے کہ اس کو تمام دروازوں سے پکارا جائے اور بلایا جائے (کیونکہ ایک آدمی ایک ہی دروازے سے داخل ہوتا ہے) لیکن پھر بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا کوئی ہوگا ایسا جس کو سب دروازوں سے پکارا جائے آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ہاں! ایسا بھی کوئی شخص ہوگا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص اے ابوبکرؓ تم ہی ہو گے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

وقیل الحمد لله رب العالمین۔ الحمد لله رب العالمین کی صدا جوش و خروش کے ساتھ لگانے والے کون ہوں گے؟

بالعموم حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ مؤمنین اور اللہ کے فرشتے ہوں گے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں یہ کہنے والی کائنات کی ہر شے ہوگی کہ ہر موجود شے اس فیصلہ کے عدل و انصاف کو دیکھ کر اللہ کی پاکی اور حمد و ثناء میں مصروف ہو جائے گی (تفسیر ابن کثیر ج ۴) عالم کائنات کی جب ہر چیز اللہ کی حمد و ثناء کرتی ہے جیسے کہ ارشاد ہے: وان من شیء الا یسبح بحمده ولکن لا تفقہون تسبیحہم۔ یہی وجہ ہے صیغہ مجہول ”وقیل“ استعمال کیا گیا تاکہ عموم قائل پر دلالت کرے، اس سے ظاہر ہوا کہ ہر مخلوق حمد خداوندی کے ساتھ ناطق ہوگی اور اس کی پاکی کی گواہی دینے والی ہوگی۔

تقادہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق اپنی حمد سے فرمائی جیسے کہ فرمان ہے: الحمد لله الذی خلق السموات والارض، تو مناسب ہوا کہ تمام مخلوقات کا انجام اور فیصلہ اور ان کے امور کی انتہا بھی حمد خداوندی پر ہو، اس بناء پر اس عدل و انصاف کے آخری فیصلہ کو اسی عنوان کے ساتھ ذکر فرمایا گیا: فَضِي بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ، قِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ ابتداء خلق بھی حمد سے تھی تو تمام امور کا انجام و انتہا بھی حمد خداوندی پر کی گئی۔

سُورَةُ الْمُؤْمِنِينَ

سُورَةُ الْمُؤْمِنِينَ ۳۰ آيَاتٍ ۶۰
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
آيَاتُهَا ۸۵ رُكُوعَاتُهَا ۹

سورہ مؤمنین مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس میں پچاس آیتیں ہیں اور نور کوغ

سورة مؤمنين:

سورة مؤمنين بھی نکی سورت ہے۔ اس سورت کو سورہ غافر بھی کہتے ہیں۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، یہی قول عطاء جابر اور عکرمہ کا ہے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ان اللذين يجادلون في آيات الله، رو آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں، اس سورت میں پچاس آیت اور نور کوغ ہیں۔
بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: آلاء یعنی جو سورتیں حمد سے شروع ہوئی ہیں وہ سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں، ہر دروازے پر سورہ حم اپنے تلاوت کرنے والے کو عذاب جہنم سے بچانے والی ہوگی۔

حَمْدٌ ۙ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ الْقُرْآنِ مُبْتَدَأً مِنْ اللَّهِ خَبْرَهُ الْعَزِيزِ فِي مَلِكِهِ الْعَلِيمِ ۙ
بِخَلْقِهِ غَافِرِ الذَّنْبِ لِلْمُؤْمِنِينَ وَقَابِلِ التَّوْبِ لَهُمْ مَصْدَرٍ شَدِيدِ الْعِقَابِ ۙ لِلْكَافِرِينَ أَيْ مُشَدِّدًا
ذِي الطُّوْلِ ۙ أَيْ الْإِنْعَامِ الْوَاسِعِ وَهُوَ مَوْضُوفٌ عَلَى الدَّوَامِ بِكُلِّ مَنْ هَذِهِ الصِّفَاتِ فِإِضَافَةُ الْمُسْتَقِ
مِنْهَا لِلتَّعْرِيفِ كَأَلَا خَيْرَةَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۙ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۙ الْمُرْجِعُ مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ الْقُرْآنِ إِلَّا
الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ فَلَا يَغْرُوكَ تَقْلِبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۙ لِلْمَعَاشِ سَالِمِينَ فَإِنَّ عَاقِبَتَهُمُ النَّارُ
كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمَ نُوحٍ ۙ وَالْأَحْزَابِ كَعَادٍ وَثَمُودَ وَغَيْرِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمْ ۙ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ
بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَيَقْتُلُوهُ وَجَدَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهَذَا الْحَقِّ فَآخَذْتَهُمْ ۙ بِالْعِقَابِ
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۙ لَهُمْ أَيْ هُوَ وَاقِعٌ مُوقَعَةٌ وَكَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ أَيْ لَا مَلَانَ جَهَنَّمَ الْآبَتَةُ

عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ بَدَلٌ مِنْ كَلِمَةِ الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ مُبْتَدَأً وَمَنْ حَوْلَهُ
 عَطْفٌ عَلَيْهِ يُسَمِّحُونَ خَيْرُهُ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ مَلَا بِسِينِ لِلْحَمْدِ أَيْ يَقُولُونَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَ
 يُؤْمِنُونَ بِهِ تَعَالَى بِبِضَائِرِهِمْ أَيْ يُصَدِّقُونَ بِوَحْدَانِيَّتِهِ تَعَالَى يَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَقُولُونَ
 رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا أَيْ وَسِعَ رَحْمَتُكَ كُلَّ شَيْءٍ وَعِلْمُكَ كُلَّ شَيْءٍ فَاعْفِرْ لِلَّذِينَ
 تَابُوا مِنَ الشُّرْكِ وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ دِينَ الْإِسْلَامِ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۖ النَّارِ رَبَّنَا وَادْخُلْهُمْ
 جَهَنَّمَ عَذَابَ إِقَامَةٍ إِلَتِي وَعَذَابُهُمْ وَمَنْ صَلَحَ عَطْفٌ عَلَى هُمْ فِيهِ وَادْخُلْهُمْ أَوْ فِيهِ وَعَذَابُهُمْ مِنْ
 آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ ۗ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۗ فِيهِ ضَمِيرٌ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ ۗ أَيْ
 عَذَابَهَا وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ يُؤْمِنُ بِالْفَيْمَةِ فَقَدْ رَجَعَتْهُ ۗ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۗ

ترجمہ: حم ۱۱ اس کی حقیقی مراد اللہ ہی کو معلوم ہے یہ کتاب اتاری گئی، مبتدا ہے اللہ کی طرف سے یہ خبر ہے جو اپنے ملک
 میں زبردست اپنی مخلوق کا جاننے والا ہے مسلمانوں کے گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے ان کی، یہ مصدر ہے سخت سزا
 دینے والا ہے۔ کافروں کو شدید، مشدد (اسم فاعل) کے معنی میں ہے وسعت والا ہے یعنی وسیع انعام والا ہے اور ہمیشہ ان
 خوبیوں کے ساتھ متصف ہے ان مشتقات صیغوں کی اضافت تعریف کر لئے ہے جیسا کہ ذی الطول میں بھی اضافت تعریفی ہے
 اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اسی کے پاس جانا لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرآن کی ان آیتوں میں وہی لوگ جھگڑے
 نکالتے ہیں جو مکہ والوں میں سے منکر ہیں سوان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو اشتباہ میں نہ ڈالے معاش میں خوشحال ہونا کیونکہ
 ان کا انجام جہنم ہے ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور دوسرے گروہوں نے بھی جیسے عاد و ثمود وغیرہ جو ان کے بعد ہوئے ہیں
 جھگڑایا تھا اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کو قتل کرنے، گرفتار کرنے کا ارادہ کیا تھا اور ناحق کے جھگڑے نکالے تاکہ اس ناحق کے
 ذریعہ حق کو ملیا میٹ، ناکارہ کر دیں سو میں نے عذاب کے ذریعہ دار و گیر کی سواہری سزا کیسی ہوئی یعنی ان کو کیسی برموقع ہوئی اور
 اسی طرح آپ کے پروردگار کی یہ بات یعنی لا ملئمن جھنڈا رخ تمام کافروں پر ثابت ہو چکی ہے کہ وہ لوگ دوزخی ہوں گے یہ
 کلمہ سے بدل واقع ہے جو فرشتے کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں مبتدا واقع ہے اور جو فرشتے اس کے ارد گرد ہیں یہ معطوف ہے وہ
 تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں یہ خبر ہے اپنے پروردگار کی یعنی سبحان اللہ و بحمدہ پڑھتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں دلائل
 کے ساتھ یعنی اللہ کی وحدانیت کی تصدیق کرتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے
 پروردگار آپ کی رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے اور آپ کا علم بھی عام ہے سوان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے شرک سے توبہ کر
 لیا ہے اور آپ کے راستے دین اسلام پر چلتے ہیں اور انھیں دوزخ کے عذاب آگ سے بچا لیجئے۔ اے ہمارے پروردگار اور

ان کو داخل کر دیجئے ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں جن کا آپ نے وعدہ کیا ہے اور جو لائق ہوں ادخلہم یا وعدہ ہم کی ہم (ضمیر) پر معطوف ہے ان کے ہاں باپ اور بیویوں اور اولاد میں سے ان کو بھی داخل کر دیجئے بلاشبہ آپ نے زبردست حکمت والے ہیں اپنی کارگیری میں اور ان کو تکالیف عذاب سے بچائیے اور آپ جس کو اس دن کی تکالیف، عذاب سے بچائیں تو اس پر آپ کی مہربانی ہوگی اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: التَّوْبِ: یہ توبہ کی طرح مصدر ہے۔

قولہ: شَدِيدٍ: بروزن فعیل بمعنی مفعول جیسے اذین بمعنی مؤذن۔ اسم فاعل ہے صفت مشبہ نہیں۔

قولہ: الاحزاب: جمع حزب گرد۔ وہ لوگ جنہوں نے رسولوں کے خلاف گردہ بندی کی اور ان کو دکھ دیے۔

قولہ: يَسْتَغْفِرُونَ: استغفار سے مراد ان کی شفاعت اور توبہ پر آمادہ کرنا ہے اور مغفرت کو لازم کرنے والی بات ان کے دل میں ڈالنا۔

قولہ: وَسِعَ رَحْمَتُكَ: اللہ تعالیٰ کے لیے رحمت و علم کی وسعت کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ثابت کر دیا۔ یعنی رَحْمَةً وَ عِلْمًا یہ تیز ہے جو غافلیت سے اغراق کے لیے منقول ہو کر آئی گو یا رحمت و علم نے ہر چیز کو اپنے اندر شامل کر لیا۔ عرب کہتے: غرق في القوس جبکہ وہ کمان کے چلہ کو کہتے۔

تفسیر مقبولین

حَمْدٌ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝

(بط) گزشتہ سورت کے مضامین مجموعی طور پر قرآن کریم کی حقانیت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کے اثبات پر مشتمل تھے، ساتھ ہی ان لوگوں پر وعید و تنبیہ تھی جو خدا کے پیغمبر کے ساتھ تمسخر و مذاق کرتے تھے تو اسی مناسبت سے اس سورۃ مؤمن یا غافر میں بھی اسی طرح کے مضامین ذکر فرمائے گئے جو اثبات توحید خداوندی اور وحی الہی کی حقانیت اور جناب رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے متعلق ہیں، اور اسی کے ضمن میں ان مغرور و متکبر اور سرکش قسم کے انسانوں پر وعید ہے جو اپنے دنیوی جاہ و جلال اور مال و دولت کے نشہ میں مست ہو کر خدا سے غافل ہیں تو مجموعی طور سے اس سورت کے مضامین تین انواع پر مشتمل ہیں۔ ایک نوع مضمون اثبات توحید ہے، دوسری قسم مجادلین فی الحق کی مذموم خصالتیں بیان کرنا ہے، تیسری قسم آنحضرت ﷺ کی تسلی کے مضامین کی ہے۔ تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

حَمْدٌ ۝ اللہ ہی اس کی مراد خود جانتا ہے یہ کتاب اتاری ہوئی ہے اللہ کی طرف جو زبردست ہے ہر چیز کا خوب جاننے والا

ہے اس لیے وہ اپنے بندوں کے ہر عمل کو جانتا ہے، اور ہر عمل کا بدلہ دینے پر بھی پوری پوری قدرت رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ
 سما کا بخشنے والا ہے تو بہ کا قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے مجرموں کا بڑی قدرت رکھنے والا ہے مطیعین و فرمانبرداروں
 پر انعام و بخشش کی نہیں ہے کوئی لائق عبادت اس کے سوا بس اسی کی طرف لوٹنا ہے، اس قرآن کریم کے نزول اس کی حقانیت اور
 ذات خداوندی کی عظمت و کبریائی اور اس امر کا کہ نہ اس کے سوا کوئی معبود ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے یہ تقاضا ہے کہ
 انسان اس کتاب الہی اور احکام خداوندی کے سامنے سرنگوں ہو جائے اور اس میں کسی طرح کا انکار و جدال نہ کیا جائے مگر پھر بھی
 معاندین اللہ کی آیتوں میں خصومت اور اس کے احکام کا مقابلہ کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی آیتوں میں کوئی بھی جھگڑا اور
 جدال نہیں کرتا مگر صرف وہی لوگ جو اللہ کے منکر ہیں، ان کا انکار اور خدا کے ساتھ خصومت کا اقتضا، تو یہ ہے کہ جلد از جلد ان پر
 خدا کا عذاب نازل ہو جائے لیکن خدا نے اپنی حکمت سے ان کو ڈھیل دے رکھی ہے اس لیے اے ہمارے پیغمبر (یا اے مخاطب
 آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے ان کا شہروں میں چلنا پھرنا نہایت ہی اطمینان کے ساتھ اور اپنے کاروبار میں منہمک رہنا، تو اس
 مرضی مہلت کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ ہمیشہ خدا کے عذاب اور اس کی گرفت سے بچ رہیں گے، تاریخ گواہ ہے کہ ان سے پہلے
 قوم نوح نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا اور دوسرے اور بھی گروہوں نے جو ان کے بعد ہوئے جیسے عاد و ثمود وغیرہ اور ہر ایک قوم نے اپنے
 رسول کے متعلق یہ ارادہ کیا اور اسی تدبیر میں لگے کہ اس اللہ کے رسول کو پکڑ لیں اور پکڑ کر قتل کر ڈالیں اور جھگڑنا شروع کر دیا باطل
 طریقہ سے تاکہ اس باطل سے حق کو مٹادیں، بالآخر میں نے ان کو پکڑا پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ کیسا تھا میرا عذاب تو جس طرح ماضی
 میں گزری ہوئی ان قوموں پر خدا کا عذاب مسلط ہوا، اسی طرح اے محمد ﷺ آپ کے رب کا فیصلہ تمام کافروں اور منکروں
 کے حق میں ہو چکا ہے کہ بلاشبہ وہ لوگ دوزخی ہیں اور اس فیصلہ خداوندی سے ان مجرموں پر دنیا میں بھی عذاب ذلت و رسوائی کی
 صورت میں ہوگا اور آخرت میں بھی دوزخ کی آگ میں جلیں گے خدا کو کسی کی عبادت اور ایمان کی کوئی حاجت نہیں اس کی شان
 عظمت تو یہ ہے کہ جو فرشتے عرش الہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے عرش الہی کے ارد گرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح بیان
 کرتے رہتے ہیں اس کی حمد و ثناء کے ساتھ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں ایمان والوں کے لیے
 اس طرح دعا کرتے ہوئے کہ اے ہمارے رب تو تو چھائے ہوئے ہے ہر چیز پر اپنی رحمت اور علم کے لحاظ سے پس مغفرت فرما
 دے ان لوگوں کی جنہوں نے تیری طرف رجوع کیا (تائب ہو کر برائی سے) اور تیرے راستہ پر چلے اور بچالے ان کو دوزخ
 کے عذاب سے اور ظاہر ہے کہ ایسی بے پایاں رحمت کا مقتضی یہی ہے کہ ذرا بھی اپنی طرف رجوع کرنے والوں اور ایمان
 والوں کو اپنی بے پایاں رحمت و انعام سے نواز دے اس لیے اے ہمارے پروردگار محض یہی نہیں کہ تو ان کو جہنم کے عذاب سے
 بچائے بلکہ اور ان کو داخل کر دے بہشت کے ان باغات میں جو ہمیشہ رہنے کے ہیں، جن کا تو نے وعدہ کیا ہے ان ایمان والوں
 کے ساتھ اور ان کو بھی داخل کر لیجئے جو ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں سے صالح ہیں نیک و برگزیدہ اور جنت کی نعمتوں
 کے لائق ہیں اگرچہ وہ ان اہل ایمان و تقویٰ کے برابر درجہ کے نہ ہوں بے شک آپ تو بڑے ہی عزت و حکمت والے ہیں، اس
 لیے جس کی کو بھی اپنے انعام سے نوازنا چاہیں گے کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور جو بھی انعام و کرم فرمائیں گے وہ عین حکمت کے
 مطابق ہوگا، اور اے پروردگار ان کو بچا لیجئے تکلیفوں سے اور اے پروردگار آپ جس کو اس روز قیامت کی تکلیفوں سے بچالیں

بس اس پر تو آپ نے بڑا ہی رحم و کرم فرمادیا اور یہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے کہ مغفرت بھی ہوگئی رضا اور خوشنودی بھی میری آگئی آخرت اور روز قیامت کی کلفتوں اور شدتوں سے محفوظ ہو گیا اور جنت کے بے پایاں انعامات سے نوازا دیا گیا تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون سی کامیابی ہو سکتی ہے۔

مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ

اللہ کی آیات میں جدال و خصومت ہلاکت کا سامان:

مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ کا عنوان یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ کی آیات میں خصومت و جدال اہل ایمان کو زیب نہیں دیتا مؤمن کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ ان کے سامنے جب بھی اللہ کی آیات تلاوت کی جائیں وہ سراپا انقیاد و اطاعت بن جائیں۔ "تقشعر منه جلود الذین ینحشون رہہم" کا مصداق ہو جائیں۔ چہ جائیکہ حجت بازی اور خصومت کا رنگ اختیار کریں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے سنن میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ کسی آیت میں نزاع اور خصومت کر رہے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انہا ہلک من کان قبلکم بہذا ضربوا کتاب اللہ بعضہ ببعض انہا نزل کتاب اللہ یصدق بعضہ بعضا فلا تکذبوا بعضہ ببعض فما علمتم فقولوا و ما جہلتم فکلوا الی عالم (رواہ النغوی) (یعنی تم سے پہلے صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ پر مارا اور مخالفت و تردید کے جذبہ میں تعارض و تناقض ثابت کرنے کی فکر میں لگ گئے) حالانکہ کتاب اللہ کا تو ایک حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے، (نہ کہ تردید و تکذیب) اس لیے تم ایک حصہ کی دوسرے کسی حصہ سے تکذیب اور تردید نہ کرو، جو جانے ہو وہ بیان کرو، اور جو چیز تم نہیں جانتے وہ اس کے عالم کے حوالہ کر دو،

صحیح مسلم میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دو مخصوص کی آواز سنی کہ وہ کسی آیت میں جھگڑ رہے ہیں تو آپ کو اس قدر ناگوار ہوئی کہ چہرہ انور سے غصہ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلی تو میں اپنی کتاب میں اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں ہیں۔

بہر کیف یہ جدال و خصومت جو کافروں کی صفت بیان کی گئی ہے وہ جدال و خصومت ہے، جس کا مقصد قرآن کریم پر طعن اور اعتراض ہو یا حق کا مقابلہ مقصود ہو اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ کتاب اللہ کی تفسیر اور بیان معانی میں صرف اسی شخص کو بولنے کا حق ہے جو علم رکھتا ہو علوم قرآن اور علوم شریعت کی اس کو معرفت ہو اور جو ان علوم سے نا بلند ہو اس کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے جہل کے باوجود کتاب اللہ میں اپنی رائے ٹھونسنے لگے۔

نیز: فَلَا یُخْرَدُكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝ سے یہ واضح کر دیا گیا مال و دولت اور دنیوی جاہ و اقتدار سے کسی بھی وقت انسان کو حق اور باطل کے درمیان کسی قسم کا شبہ اور تردد نہ کرنا چاہئے، یہ دنیوی عزتیں نہ علم کی دلیل ہیں اور نہ خدا کے یہاں مقبول ہونے کے نشانی ہے۔

الَّذِينَ یُحِبُّونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ ...

ملائکہ حاملین عرش کی اہل ایمان کیلئے دعا:

اہل ایمان و تقویٰ اور تائبین و مطہین کی قرآن کریم میں بہت سی خوبیاں اور ان پر نعمتیں بیان کی گئیں لیکن اس مقام پر جو خاص انعام اور ان پر فضل و کرم ذکر کیا گیا وہ یہ کہ ملائکہ حاملین عرش ایسے وقت کہ عرش الہی اٹھائے ہوئے اس کی حمد و تسبیح میں مصروف ہوں یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار مغفرت فرما دے ان مومنوں کی جو تیری طرف رجوع کر چکے اور تیرے راستہ پر چلے ان کو جہنم کے عذاب سے بچا اور جنات عدن میں ان کو داخل فرما دے نہ صرف ان کو بلکہ ان کے آباء ان کی ذریت اور ان کی ازواج کو بھی ان ہی کے ساتھ ملحق کر دے اگرچہ وہ خود اس درجہ کے مستحق نہ ہوں۔

عامہ آ لوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاملین عرش فرشتوں اور ان کے گرد ملائکہ کو کروہین کہا جاتا ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش کے حاملین چار فرشتے ہیں، ایسے فرشتے جن کی عظمت کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے اگر ایک ستارہ زمین کی سطح سے لاکھوں گنا زائد ہو سکتا ہے تو کیا تعجب ہے کہ فرشتوں کی عظمت ایسی ہو کہ وہ عرش خداوندی کے حامل بن جائیں، اس روایت کے حاملین عرش کا عدد چار معلوم ہوا لیکن قرآن مجید کی (آیت) "و یحمل عرش ربک فوقہم یومئذ ثمانیۃ" بتاتی ہے کہ قیامت کے روز عرش کے اٹھانے والے فرشتے آٹھ ہوں گے تو بظاہر یومئذ کی قیامت پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کے روز ان کی تعداد چار سے بڑھ کر آٹھ ہو جائے گی۔

شہر بن حوشبؒ بیان کرتے ہیں ان آٹھ حاملین عرش میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہوتی ہے، سبحانک اللہم وبحمدک الحمد علی حلمک بعد علمک۔ اے اللہ تیری پاکی ہے حمد و ثناء کے ساتھ اور تیرے ہی واسطے حمد ہے تیرے اس علم پر جو تیرے علم کے بعد ہے، اور چار کی تسبیح اس طرح ہوتی ہے، سبحانک اللہم وبحمدک لک الحمد علی عفوک بعد قدرک۔ یعنی تیری حمد و ثناء ہے تیری درگزر پر باوجود تیری قدرت کے تو ان دو تسبیحوں سے: "ربنا وسعت کل شیء رحمۃ وعلما"۔ کی حقیقت ظاہر ہو رہی ہے اس وسعت علمی کے باوجود اس قدر علم اور اس قدرت کاملہ کے باوجود یہ درگزر یقیناً اس کی وسعت رحمت کا پورا پورا مظہر و پیکر ہے ان حاملین عرش فرشتوں کی تسبیح و تحمید کے ساتھ مزید ایک وصف بیان کیا گیا۔ "و یؤمنون بہ"۔ کہ یہ فرشتے اس پروردگار پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ فرشتوں کا ایمان اور پروردگار کی معرفت تو محتاج بیان ہی نہیں کیونکہ ان کے سامنے تو ہر وقت اللہ رب العزت کی تجلیات ظاہر ہیں اور اس کی عظمت و کبریائی کا اس سے بڑھ کر کس کو مشاہدہ ہو سکتا ہے تو ان کے لیے وصف ایمان کا ذکر ایمان کی عظمت اور شرف کو ظاہر کرنے لیے ہے یعنی ایمان ایسی عظیم نعمت ہے کہ فرشتے بھی اس سے متصف ہوتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے انبیاء اور رسولوں کا ایمان لانا بیان کیا جائے گا نیز (آیت) "و یؤمنون بہ" کے لفظ سے اشارہ ہے کہ ان فرشتوں کی ایک صفت تو بجا نب خداوندی کمال عظمت ہے اور بندوں کی جانب ان کا رنگ کمال شفقت کا ہے جیسا کہ لفظ: "و یستغفرون للذین آمنوا" ظاہر کر رہا ہے فرشتوں کی دعا اہل ایمان کے حق میں حق تعالیٰ کی طرف سے مومنین پر ایک خاص انعام ہوگا، یہ دعا دین اجزاء پر مشتمل ہے، ایک مغفرت و معافی کے لیے جس پر لفظ "فأغفر للذین تابوا" دلالت کر رہا ہے، دوسرے جنت کی لازوال نعمتوں کے لیے تیسرے ان جنیتوں کے ساتھ ان کے ماں

باپ اولاد اور بیبیوں کے ملا دینے کے لیے کہ یہ بھی ان کے ساتھ جنت کے ان ہی درجات میں بھیج دیئے جائیں جو خود ان کے ہیں اگرچہ یہ لوگ ان درجات کے مستحق نہ ہوں مگر محض اس لیے کہ ان ایمان و تقویٰ والوں کی راحت اور خوشنودی مکمل ہو جائے اور اپنے کسی عزیز کے فراق کا قلب پر کوئی ملال درنہ ہو۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیرؓ سے ایک روایت تخریج کی ہے بیان کرتے ہیں جس وقت ان مؤمنین کو جنت میں داخل کر دیا جائیگا جو اعزاز و اکرام سے اپنے باغات و محلات میں پہنچا دیئے جائیں گے تو ان مؤمنین میں سے بعض کہیں گے کہاں ہے میرا باپ، کہاں ہے میری ماں، کہاں ہے میرا بیٹا، کہاں میری بیوی یا میرا خاوند تو جواب دیا جائے گا، ان کا عمل تو تیرے عمل جیسا نہیں ہے یعنی وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے اس رتبہ کے نہیں ہیں تو یہ مؤمن کہے گا اے پروردگار میں جو عمل کرتا تھا وہ اپنے واسطے اور ان کے واسطے بھی کیا کرتا تھا اس پر اعلان ہوگا کہ اچھا ان لوگوں کو بھی اسی مؤمن کے ساتھ لاحق کر دو۔ (بحوالہ تفسیر مظہری جلد ۸) اس مضمون کو بیان کر کے سعید بن جبیرؓ یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے۔ رَبَّنَا وَادْخُلْهُمْ الْجَنَّةَ یہی وہ مضمون ہے جو آیت مبارکہ: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلْتَمَسْنَا مِنْهُمْ مِنْ شَيْءٍ میں ذکر فرمایا گیا۔

فرشتوں کی دعا میں ان تین اجزاء کے بعد اخیر میں ایک خاص جز یہ بھی بطور الحاق اور تکمیل دعا ہے، وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ کہ اے پروردگار ان مؤمنین کو تکالیف سے بچ لیجئے، اگرچہ پہلے عذاب جہیم سے بچانے کی دعا ہو چکی لیکن اب اس کلمہ دعا میں ہر قسم کی تکلیف و دشواری سے بچنے کی دعا ہے کہ نہ حساب کی تکلیف ہو نہ قبر کی نہ میدان حشر کی بے چینی کی اور نہ انجام کی پریشانی کی، فرشتوں کی اس دعا نے اہل ایمان کو یہ سبق سکھایا کہ مؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں ان سب باتوں سے خائف رہے اور اللہ کی نعمتوں اور راحتوں کا طالب رہے، یہی خوف اور شوق اس کو فوز عظیم سے ہمکنار بنانے والا ہوگا۔ اللھم اجعلنا منهم وحب الینا الایمان وزینہ فی قلوبنا وکرہ الینا الکفر والفسوق والعصیان۔ تو فنا مسلمین والحقنا بالصالحین غیر خزیایا ولا مفتونین، آمین یا رب العالمین، (تفسیر مظہری ج ۸)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ينادون من قبل الملائكة وهم ينفثون انفسهم عند دخولهم النار لمقت الله اياكم
 اكبر من مقتكم انفسكم اذ تدعون في الدنيا الى الايمان فتكفرون قالوا ربنا امنا اثنتين
 اماتين واحييتنا اثنتين احيايين لانهم كانوا نطقا امواتا فاحيوا ثم اميتوا ثم احيوا البعث فاعترفنا
 بذنوبنا بكفرنا بالبعث فهل الى خروج من النار والزجور الى الدنيا لطيع ربنا من
 سبيل طريقت وحوالهم لا ذلکم ای العذاب الذي اثم به بائنه ای بسبب انه في الدنيا اذ ادعى
 الله وحدها كفرهم بتوحيده وان يشرك به يجعل له شريك توؤمنوا تصدقوا بالاشراك

فَالْحَكْمُ فِي تَعْدِيكُمْ إِلَيْهِ عَلَى خَلْقِهِ الْكَبِيرِ ۝ الْعَظِيمُ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ ذَلِيلًا تَوْجِيهِدِهِ وَ
يُنزِلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا بِالْمَطَرِ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ۝ يَرْجِعُ عَنِ الشِّرْكِ فَأَدْعُوا
اللَّهَ عِبَادَتَهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ مِنَ الشِّرْكِ وَ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ إِخْلَاصُكُمْ مِنْهُ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ
أَيُّ اللَّهُ عَظِيمُ الصِّفَاتِ أَرْأَفُ دَرَجَاتِ الْمُؤْمِنِينَ فِي الْجَنَّةِ ذُو الْعَرْشِ ۴ خَالِقُهُ يُلْقِي الرُّوحَ الْوَحْيَ
مِنْ أَمْرِهِ أَيْ قَوْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنذِرَ يَخَافُ الْمُلْقَى عَلَيْهِ النَّاسَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝
بِحَدْفِ الْبَيَاءِ وَاثْبَاتِهَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ لِتَلَا فِي أَهْلِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالْعَابِدِ وَالْمُعْبُودِ وَالظَّالِمِ وَالْمُظَلَّمِ فِيهِ
يَوْمٌ هُمْ لِبُرُونَهُ خَارِ جُزُونَ مِنْ قُبُورِهِمْ يَوْمَ هُمْ لِبُرُونَهُ لَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۱ لِيَسِنَ
السُّلْكَ الْيَوْمَ يَقُولُهُ تَعَالَى وَيُجِيبُ نَفْسَهُ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ أَيْ لِخَلْقِهِ الْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ
بِمَا كَسَبَتْ ۱ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۱ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ يُحَاسِبُ جَمِيعَ الْخَلْقِ فِي قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ
مِنْ أَيَّامِ الدُّنْيَا الْحَدِيثُ بِذَلِكَ وَ أُنذِرُهُمْ يَوْمَ الْأَرْفَةِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مِنْ أَرْفِ الرَّحِيلِ قُرْبَ إِذِ الْقُلُوبُ
تَرْتَفِعُ خَوْفًا لَدَى عِنْدَ الْحَنَاجِرِ كَظِيمِينَ ۲ مُمْتَلِئِينَ غَمًّا حَالٌ مِنَ الْقُلُوبِ عُمِدَتٌ بِالْجَمْعِ بِالْبَيَاءِ
وَالتَّوْنِ مَعَانِلَةٌ أَصْحَابُهَا مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَسِيمٍ مُحِبٍّ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۳ لَا مَفْهُومٌ لِلْوَصْفِ إِذْ لَا
شَفِيعَ لَهُمْ أَصْلًا فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ أَوْ لَهُ مَفْهُومٌ بِسَاءِ عَلَى زَعْمِهِمْ أَنْ لَهُمْ شَفَعَاءُ أَيْ لَوْ شَفَعُوا فَرَضْنَا لَهُمْ
لَقَبَلُوا يَعْلَمُ أَيْ اللَّهُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ بِمُسَارِقَتِهَا النَّظَرَ إِلَى مُحْرَمٍ وَمَا تَخْفَى الصُّدُورُ ۴ الْقُلُوبُ وَاللَّهُ
يَقْضِي بِالْحَقِّ ۵ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ يَدْعُونَ أَيُّ كُفَّارٍ مَكَّةَ بِالْبَيَاءِ وَالتَّاءِ مِنْ دُونِهِ وَهُمْ الْأَصْنَامُ لَا
يُقْضُونَ بِشَيْءٍ ۶ فَكَيْفَ يَكُونُونَ شُرَكَاءَ لِلَّهِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ لِأَقْوَالِهِمُ الْبَصِيرُ ۷ بِأَفْعَالِهِمْ

ترجمہ: جو لوگ کافر ہیں انہیں پکارا جائے گا فرشتوں کی طرف سے جب کہ وہ دوزخ میں داخل ہوتے وقت خود کو برا بھلا کہتے ہوں گے کہ اللہ تو تم سے بڑھ کر نفرت ہے نفرت کے مقابلہ میں جو تمہیں خود اپنے سے ہے جب کہ تم ایمان کی طرف دنیا میں بلائے جاتے تھے پھر تم مانا نہیں کرتے تھے وہ لوگ بولیں گے اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم کو دو مرتبہ مردہ کیا اور دوبارہ زندہ کی کیونکہ پہلے بے جان لطفہ تھے پھر زندہ کیا پھر موت دی پھر قیامت کے لئے جلا یا سو ہم اپنی خطاؤں، انکار قیامت کا اقرار کرتے ہیں سو کیا دوزخ سے چھوٹ کر دوبارہ دنیا میں جا کر پروردگار کی اطاعت کے لئے نکلنے کی کوئی صورت ہے اس کا

جواب یہ ہے کہ نہیں یہ عذاب جس میں تم گرفتار ہو اس لئے ہے کہ یعنی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم اس کی توحید کا انکار کر دیا کرتے تھے اور اگر کسی کو اس کے ساتھ شریک کر کے شرک بیان کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے شرک کی تصدیق کر دیتے سو یہ فیصلہ اللہ کا ہے جو اپنی مخلوق پر بالادست بڑے رجبہ والا بزرگ ہے وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دہاں توحید دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لئے رزق بارش اتارتا ہے اور صرف وہی شخص وعظ قبول کرتا ہے جو شرک سے رجوع کرتا ہے سو تم لوگ اللہ کو پکارو اسکی عبادت کرو اس کے دین کو شرک سے پاک کر کے اگرچہ کافروں کو ناگوار گذرے اللہ سے تمہارا اخلاص کرنا وہ بلند مراتب ہے یعنی اللہ بڑی شانوں والا ہے یا مؤمنین کے درجے جنت میں بلند کرنے والا ہے وہ عرش کا مالک خالق ہے وہ وحی اپنا حکم ارشاد بھیجتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ ڈرائے خوف دلائے لوگوں کو اکٹھے ہونے کے دن سے لفظ الخلاق یاء کے حذف واثبات کے ساتھ دونوں طرح ہے کیونکہ اس دن آسمان والے اور زمین والے اور عابدو معبود اور ظالم و مظلوم جمع ہوں گے جس روز سب آ موجود ہوں گے قبروں سے نکل پڑیں گے ان کی کوئی بات اللہ سے چھپی نہ رہے گی آج کس کی حکومت ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی پوچھیں گے اور وہی خود جواب دیں گے کہ بس اللہ ہی کی جو یکتا غالب ہے اپنی مخلوق پر آج ہر شخص کو اس کے لئے کا بدلہ دیا جائے گا آج کچھ ظلم نہ ہوگا اللہ بہت جلد حساب بنا دیگا سارے عالم کا حساب کتاب دنیا کے آدھے دن کے برابر وقت میں چک جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے اور آپ لوگوں کو ایک قریب آنے والی مصیبت کے دن قیامت یہ لفظ ازف الرحیل بمعنی قرب سے بنا ہے ڈرائے جس وقت کلیجے منہ کو آئیں گے ڈر کے مارے نکل پڑیں گے گھٹ گھٹ جائیں گے اندر ہی اندر غم میں گھلتے ہوئے، یہ قلوب سے حال ہے۔ کاظمین و اذونون کے ساتھ جمع لانے میں اصحاب عقول کی رعایت مقصود ہے ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا کہ جس کا کہنا مانا جائے بطاع یہ صفت احترازی نہ ہونے کی وجہ سے اس کے مفہوم کی رعایت ملحوظ نہیں کیونکہ فی نفسہ ان کا کوئی سفارشی نہیں ہوگا جیسا کہ فیہا لنا من شافعیین سے معلوم ہو رہا ہے اور یا اس مفہوم کا لحاظ کیا جائے مگر ان کے عقیدہ کی رود سے کہ ہمارے سفارشی ہوں گے حاصل یہ کہ اگر بالفرض ان کا سفارشی ہونا بھی مان لیا جائے تو وہ سفارشی سنی نہیں جائے گی اور وہ اللہ جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو ناعمر پر دزدیدہ نظر ڈالنے والے کو اور آنکھوں جو سینوں اور دلوں میں پوشیدہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ بالکل ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے گا اور جن کو یہ پکارتے ہیں یعنی کفار مکہ جن کی یہ عبادت کرتے ہیں یا اور تاء کے ساتھ دونوں طرح اللہ کے علاوہ بتوں کو وہ کسی بھی طرح کا فیصلہ نہیں کر سکتے پھر وہ اللہ کے شریک کیسے ہوں گے اللہ ہی سب کچھ سننے والا باتوں کا سب کچھ دیکھنے والا کاموں کا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: اِذْ تُدْعَوْنَ: یہ اس فعل کا ظرف ہے جس پر المقت کا پہلا لفظ دلالت کرتا ہے۔ لہ نہیں کیونکہ وہ تو خبر ہے اور جس اجنبی سے فاصلہ ہے وہ مصدر کو عمل سے روکنے والا ہے۔ کیونکہ ان کا اپنے نفوس پر غصہ قیامت میں ہوگا جب کہ وہ اپنے اعمال کا بدلہ آنکھوں سے ملاحظہ کریں گے۔

قولہ: **مِنْ أَمْوَالِهِمْ** اور **مِنْ أَمْوَالِهِمْ** کا مراد یہ روح کا بیان ہے اس لیے کہ یہ خیر کا حکم ہے یا ابتدا یہ ہے اور امر سے مراد پہنچی ہوئی ملکیت۔

قولہ: **بِاللَّوْصِيفِ**: یعنی وصف یہاں قید کے لیے نہیں، اس لیے مطلب یہ ہے کہ کوئی سفارشی ہو گا ہی نہیں۔
 قولہ: **لَا يَفْقَهُونَ**: اس میں ان کے بتوں کے ساتھ تھکم کیا گیا کیونکہ ہمارے متعلق یہ کہا نہیں جاسکتا کہ وہ فیصلہ کرتا ہے یا نہیں کرتا۔

تفسیر مقبولین

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ كَمَا نَادَى اللَّهُ أَكْبَرُ ---

دنیا میں ال کفر اپنے کو اچھا جانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھے ہیں۔ ایمان والوں سے بہتر ہیں اور برتر ہیں، لیکن جب قیامت کے دن اپنی بد حالی دیکھیں گے تو خود اپنے نفسوں سے اور اپنی جانوں سے بغض کرنے لگیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تمہیں جتنا اپنے نفسوں سے بغض ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے نفسوں سے اس بغض سے بھی زیادہ بغض ہے اور یہ بغض اب سے نہیں ہے جب سے تم دنیا میں تھے اسی وقت سے اللہ تعالیٰ کو تم سے بغض ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جب دنیا میں تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم اس کے قبول کرنے سے انکار کرتے تھے اور کفر پر جے رہتے تھے تمہیں بار بار ایمان کی دعوت دی گئی لیکن تم نے ہر بار حق کے قبول کرنے سے انکار کیا۔

(مَفْقَهُكُمْ أَنْفُسَكُمْ) کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا اور بعض حضرات نے فرمایا: **وَجُوزَ أَنْ يَرَادَ بِهِ** مفت بعضہم بعضاً، یعنی آپس میں تم میں جو آج ایک دوسرے سے بغض اور نفرت ہے کہ بڑے چھوٹوں کو اور چھوٹے بڑوں کو الزام دے رہے اور ایک دوسرے سے برأت ظاہر کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کو تم سے اس سے زیادہ بغض ہے یہ تفسیر (بَلْعَلْنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا) کے ہم معنی ہے جو سورہ عنکبوت میں مذکور ہے۔

کافر عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمیں دو مرتبہ موت دی پہلی بار جب ہمیں پیدا کیا اس وقت ہم بے جان تھے کیونکہ منی کا نطفہ تھے آپ نے ہمیں زندہ فرما دیا ماؤں کے پیٹوں میں روح پھونک دی پھر ماؤں کے پیٹوں سے نکلا اور آپ کی مشیت کے مطابق زندگی بڑھتی رہی پھر آپ نے ہمیں موت دے دی جس کی وجہ سے ہم قبروں میں چلے گئے پھر آج آپ نے ہمیں قیامت کے دن زندہ فرمایا ہم پر دو موتیں طاری ہوئیں اور دو زندگیاں آئیں ایک پہلے اور ایک اب یہ آپ کے تصرفات ہیں ہمیں چاہیے تھا کہ ہم دنیا والی زندگی میں ایمان قبول کرتے اور شرک اور کفر سے بچتے ہم یہی سمجھتے رہے کہ دنیا والی زندگی کے بعد جو موت آئے گی اس کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے یہ ہماری غلطی تھی اب ہم اس زندگی میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اب تو ہمیں عذاب سے چھٹکارا مل جائے اور دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہاں ایمان قبول کریں گے اور نیک اعمال اختیار کریں گے اور اس کے بعد پھر جب موت آئے تو اچھی حالت میں میدان حشر میں حاضر ہوں۔ وھذا کما

حکمی اللہ تعالیٰ فی قوله فی سورة الم السجدة ربنا ابصرنا وسمعنا

اللہ کا ارشاد ہوگا: (ذَلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدًا كَفَرْتُمْ ۖ وَإِنْ يُشْرِكْ بِهِ تُؤْمِنُوا) (تمہارا یہ عذاب میں مبتلا ہونا اس وجہ سے ہے کہ جب دنیا میں اللہ وحدہ لا شریک کو پکارا جاتا تھا تو تمہیں اچھ نہیں لگتا تھا تم اللہ کی وحدانیت کا انکار کرتے تھے اور اسی انکار پر جے رہتے تھے اور اگر تمہارے سامنے کوئی ایسا موقع آ جاتا کہ اللہ کے ساتھ شرک کیا جاتا تو تم اسے مان لیتے تھے اور اسے صحیح کہتے تھے اور اس کے اقراری ہو جاتے تھے، وہ دنیا گزر گئی تم اس میں برابر کافر ہی رہے آج چھٹکارا کا راستہ نہیں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا کہ تمہیں عذاب میں ہی رہنا ہے اللہ تعالیٰ برتر بھی ہے اور بڑا بھی ہے اس کے سارے فیصلے حق ہیں حکمت کے مطابق ہیں اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا اس کی صفت علو اور کبریا کی طرف تم نے نہیں دیکھا اور اپنے من مانے خیالات اور اعتقادات میں منہمک رہے اب عذاب اور عقاب کے سوا تمہارے لیے کچھ نہیں۔

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ ۙ

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ: یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، مفسرین نے اس کے دو معنی بیان کیے ہیں اول یہ کہ وہ درجات کو بلند فرمانے والا ہے جو بندے مؤمن ہیں اور نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں قیامت کے دن ان کے درجات بلند فرمائے گا اور اس دنیا میں بھی اس نے اپنے بندوں میں فرق مراتب رکھا ہے۔ کما قال تعالیٰ: (وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَقَالَ تَعَالَى يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ أَمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ) یہ معنی زیادہ واضح ہے اس میں رفیع بمعنی رافع ہوگا (گو صاحب روح المعانی نے فرمایا ہے کہ اس میں بعد ہے) اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مرتفع الدرجات ہے یعنی عظیم الصفات ہے۔ (وقال صاحب الروح عن ابی زید انه قال ای عظیم الصفات وکانہ بیان لحاصل المعنی الکنائی)

ذُو الْعَرْشِ ۙ: (عرش والا ہے) یُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (وہ نازل فرماتا ہے روح کو یعنی وحی کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے) وحی کو روح اس لیے فرمایا کہ اس کے ذریعہ قلوب کو حیات حاصل ہوتی ہے اور لفظ مِنْ أَمْرِهِ کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ روح کا بیان ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ من ابتدائیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ روح یعنی وحی کا نازل ہونا اس کے حکم سے ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ روح سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو اپنا حکم پہنچانے کے لیے نازل فرماتا ہے۔

عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ جو فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ وہ خود ہی اپنی رسالت کے لیے اپنے بندوں میں سے اشخاص اور افراد کو چن لیتا ہے کما قال تعالیٰ فی سورة الحج: (اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ) نبوت اور رسالت کوئی ایسا عہدہ نہیں ہے جسے ہنر اور کسب کے ساتھ حاصل کر لیا جائے اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین ﷺ تک جس کو چاہا منتخب فرمایا اور نبوت اور رسالت سے نوازا دیا۔

لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱﴾ (تا کہ اللہ کا یہ بندہ جس کی طرف وحی بھیجی ملاقات کے دن سے ڈرائے) لفظ التَّلَاقِ ﴿۱﴾ لِقَى

یَلْقَى سے باب تفاعل کا مصدر ہے جو جانہین سے ملاقات کرنے پر دلالت کرتا ہے اس کے آخر سے یا حذف کر دی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس بندہ پر چاہا وحی بھیج دی تا کہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرائے اس دن نیک

بندے اپنے اچھے اعمال کی جزاء سے اور برے بندے اپنی بد اعمالیوں کی سزا سے ملاقات کریں گے۔
يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ ۱۰۰۰

بَارِزُونَ سے مراد یہ ہے کہ میدانِ حشر کی زمین چونکہ ایک سطحِ مستوی بنا دی جائے گی جس میں کوئی پہاڑ یا غار یا عمارت اور درخت نہ ہوگا، جس کی آڑ ہو سکے اس لیے سب کھلے میدان میں جمع ہوں گے۔

لَيِّنَ الْمُلْكَ الْيَوْمَ ۱۰۱: یہ کلمہ آیاتِ مذکورہ میں يَوْمَ التَّلَاقِ ۱۰۰ اور يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ ۱۰۰ کے بعد آیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ يَوْمَ التَّلَاقِ ۱۰۰ ملاقات و اجتماع کا دنِ نفلہ ثانیہ کے بعد ہوگا اسی طرح يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ ۱۰۰ کا واقعہ بھی اس وقت ہوگا جب نفلہ ثانیہ کے بعد نئی زمین ایک سطحِ مستوی کی صورت میں بنا دی جائے گی، جس پر کوئی آڑ پہاڑ نہ ہوگا۔ اس کے بعد یہ کلمہ لَيِّنَ الْمُلْكَ لانے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نفلہ ثانیہ سے تمام خلأق کے دوبارہ پیدا ہونے کے بعد ہوگا۔ اس کی تائید قرطبی نے بحوالہ نحاس ایک حدیث سے پیش کی ہے جو ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے، وہ یہ کہ تمام آدمی ایک صاف زمین پر جمع کئے جائیں گے جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا۔ اس وقت ایک منادی کو حکم ہوگا جو یہ ندا کرے گا۔ لَيِّنَ الْمُلْكَ الْيَوْمَ ۱۰۱ یعنی آج کے دن ملک کس کا ہے۔ اس پر تمام مخلوقات مؤمنین و کافرین یہ جواب دیں گے کہ: يٰۤاَيُّهَا الْوٰحِدُ الْقَهَّارُ ۱۰۲ مؤمن تو اپنے اعتقاد کے مطابق خوش و تملذذ کی صورت میں کہیں گے اور کافر مجبور و عاجز ہونے کی بنا پر رنج و غم کے ساتھ اس کا اقرار کریں گے۔

لیکن دوسری بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارشاد حق تعالیٰ خود ہی اس وقت فرمائیں گے جبکہ نفلہ اولیٰ کے بعد ساری مخلوقات فنا ہو جائیں گی۔ اور سوائے ذاتِ حق سبحانہ و تعالیٰ کے کوئی نہ ہوگا اس وقت حق تعالیٰ فرمائے گا: لَيِّنَ الْمُلْكَ الْيَوْمَ ۱۰۱ اور چونکہ اس وقت جواب دینے والا کوئی نہ ہوگا تو خود ہی جواب دیں گے: يٰۤاَيُّهَا الْوٰحِدُ الْقَهَّارُ ۱۰۲ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ اس میں سوال کرنے والا اور جواب دینے والا صرف ایک اللہ ہی ہے۔ محمد بن کعب قرظی کا بھی یہی قول ہے اور اس کی تائید حضرت ابوہریرہ اور ابن عمر کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ساری زمینوں کو بائیں ہاتھ میں اور آسمانوں کو داہنے ہاتھ میں لپیٹ کر فرمائیں گے۔ انا الملک ابن الجبارون ابن المتکبرون۔ یعنی میں ہی ملک اور مالک ہوں، آج جبارین اور متکبرین کہاں ہیں۔ تفسیر درمنثور میں اس طرح کی دونوں روایتیں نقل کر کے کہا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ کلمہ دوم مرتبہ دہرایا جائے ایک نفلہ اولیٰ اور فنائے عالم کے وقت دوسرا نفلہ ثانیہ اور تمام خلأق کے دوبارہ زندہ ہونے کے وقت۔ بیان القرآن میں فرمایا کہ قرآن کریم کی تفسیر اس پر موقوف نہیں کہ وہی مرتبہ قرار دیا جائے بلکہ ہو سکتا ہے کہ آیاتِ مذکورہ میں اس واقعہ کا ذکر ہو جو نفلہ اولیٰ کے بعد ہوا تھا۔ اس کو اس وقت حاضر فرض کر کے یہ کلمہ فرمایا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۱۰۳

اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو اور دلوں کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے:

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ قیامت کے دن محاسبہ ہوگا نیکیوں کی جزا ملے گی اور برائیوں پر سزا یاب ہوں گے اعضاءِ ظاہرہ

کے اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور سینوں میں جو چیزیں پوشیدہ ہیں برے عقیدے، بری نیتیں، برے جذبات، اللہ تعالیٰ ان سب سے بھی باخبر ہے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میرے باطن کا حال پوشیدہ ہے اس پر مواخذہ نہ ہوگا اعضاء ظاہرہ میں آنکھیں بھی ہیں بری جگہ نظر ڈالنا جہاں دیکھنے کی اجازت نہیں اور بد اعمالیوں میں آنکھوں کا استعمال کرنا یہ سب گناہ ہے آنکھوں کے اعمال میں سے ایک عمل خیانت بھی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ آنکھوں کی خیانت کو اور دلوں میں پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے آنکھ کے گوشے سے نامحرم کو دیکھ لیا چپکے سے گناہ کی نظر کہیں ڈال لی آنکھ کے اشارہ سے کسی کی غیبت کر دی یہ سب گناہ میں شمار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو سب کا علم ہے۔ حضرت ام مغبتہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ یوں دعا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي مِنَ التَّفَاقِي وَ عَمَلِي مِنَ الرِّيَاءِ وَ لِسَانِي مِنَ الْكُذْبِ وَ عَيْنِي مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِبَةَ الْأَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُورُ (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر کما فی المغلوة ص ۲۲۰) ترجمہ دعا یہ ہے:

(اے اللہ میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریاء سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک فرما دے کیونکہ آپ آنکھوں کی خیانت اور ان چیزوں کو جانتے ہیں جنہیں سینے چھپائے ہوئے ہیں۔)

أَوْ لَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَ فِي قِرَائَةِ مِنْكُمْ ۖ وَ أَثَارًا فِي الْأَرْضِ مِنْ مَصَانِعِ وَ قُصُورٍ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ أَهْلَكَهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ۖ وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ۝ عَذَابُهُ ذَلِكِ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ بِالْمُعْجَزَاتِ الظَّاهِرَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ ۖ إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ وَ لَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَ سُلْطِنٍ مُبِينٍ ۝ بُرْهَانَ بَيْنِ ظَاهِرٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَ قَارُونَ فَقَالُوا سِحْرٌ كَذَّابٌ ۝ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَ اسْتَحْيُوا اِسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ۖ وَ مَا كَيْدُ الْكٰفِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ هَلَاكٍ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ عَنْ قَتْلِهِ وَ لِيَدْعُرَّبَّهُ ۖ لِيَسْتَعْتِبَنِي إِيَّاهُ أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ مِنْ عِبَادَتِكُمْ إِيَّايَ فَتَسْبُوْنَهُ أَوْ أَنْ يُظْهَرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادُ ۝ مِنْ قَتْلِهِ وَ غَيْرِهِ وَ فِي قِرَاءَةِ بِالْوَاوِ وَ فِي أُخْرَى بِفَتْحِ الْبَاءِ وَ الْهَاءِ وَ ضَمِّ الدَّالِ وَ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ وَقَدْ سَمِعَ ذِكْرَ إِيَّايَ عُدْتُ بِرَبِّي وَ رَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝

ترجمہ: کیا وہ پھرتے نہیں زمین میں کہ دیکھیں انجام کیسا ہوا ان کا جو ان سے پہلے تھے وہ لوگ ان سے زیادہ تھے قوت

پہلے جہنم کے بجائے منکم ہے اور ان نشانات کو جو وہ زمین میں چھوڑ گئے مہلات اور قلعے سوائے انہیں پکڑ لیا تاہم کہ ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کو خدا کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہو یہ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس پیغمبر واضح نہیں کھلے معجزات لے کر آتے رہے مگر انہوں نے نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر دار و گیر فرمائی بلاشبہ وہ بڑی طاقت والا سخت سزا دینے والا ہے اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو وہ سب کہنے لگے کہ یہ جادوگر جھوٹا ہے پھر جب وہ لوگوں کے پاس ہمارا دین حق سچ لے کر پہنچے تو وہ لوگ بولے کہ ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کی ولاد کو ختم کر ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ باقی رہنے دو اور ان کافروں کی تدبیر محض بے اثر پکار رہی اور فرعون کہنے لگا کہ ذرا مجھے چھوڑو میں موسیٰ کا کام تمام کر دوں کیونکہ لوگ فرعون کو موسیٰ کے قتل سے باز رکھے ہوئے تھے اور موسیٰ اپنے رب کو پکارتے تاکہ وہ اس کو مجھ سے بچالے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے تمہیں میری پرستش سے منع کرے اور تم اس کا کہنا مان لو یا ملک میں کوئی خرابی پھیلا دے قتل وغیرہ ایک قراءت میں او ہے اور ایک قراءت میں لفظ نظر بیا اور ہاء کے فتح کے ساتھ اور لفظ الفساد، دال کے ضمہ کے ساتھ ہے اور موسیٰ نے اپنی قوم سے یہ سن کر فرمایا کہ میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ہر متکبر بدماغ شخص سے جو روز حساب پر تھیں نہ رکھتا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قولہ: مِن مَّصَانِعَ: جیسے قلعہ جات۔
- قولہ: وَسُلْطٰنٍ: ظاہری دلیل اور عطف مغایرت کے لیے ہے۔
- قولہ: اَسْتَجِیْبُوْا: ان کو باقی رہنے دیا۔ اور بنی اسرائیل پر واپس کر دیا تاکہ ان کے ساتھ اپنی مرضی برتیں۔ تاکہ وہ موسیٰ کی معانت نہ کریں۔
- قولہ: یَكْفُرُوْكَ: قبلی فرعون کو قتل موسیٰ سے روکتے تھے اور کہتے تھے یہ وہ شخص نہیں جس کا تم کو خطرہ ہے بلکہ یہ ساحر ہے۔

تفسیر مقبولین

اَوَّلُهُمْ یَسْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ ---
 کفار مکہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ایمان لاؤ ورنہ کفر پر عذاب آجائے گا تو اس کا بھی مذاق بناتے تھے حالانکہ ایک سال میں دو مرتبہ تجارت کے لیے ملک شام جاتے تھے راستے میں ان قوموں کی تباہ شدہ عمارتوں اور کھنڈروں پر گزرتے تھے جو حضرات انبیاء کرام کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہلاک ہوئیں آیت بالا میں ان کو اسی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ عاوا اور شمود کی بستیوں پر گزرتے ہیں

وہ لوگ ان سے بہت زیادہ طاقتور تھے اور بڑی قوت رکھتے تھے زمین میں ان کے بڑے بڑے نشان تھے جو اب بھی ٹوٹی پھوٹی حالت میں نظروں کے سامنے ہیں انہوں نے بڑے بڑے قلعے بنائے، شہروں کو آباد کیا لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کی بات نہ مانی، ایمان نہ لائے اور کفر ہی کی وجہ سے ہلاک اور برباد ہوئے ان کے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پکڑ لیا ان کا گھمنڈ رکھا رہ گیا جو یوں کہتے تھے کہ (مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً) (ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟) ان کی ساری قوت دھری رہ گئی، عذاب آیا اور ہلاک ہوئے، جب اللہ تعالیٰ نے عذاب کو بھیجا تو کوئی بھی انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہیں تھا، اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے جو ان کی گرفت ہوئی اور بتلائے عذاب ہوئے اس کا یہی سبب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسول ان کے پاس بھیجے وہ کھلی ہوئی نشانیاں معجزات لے کر آئے انہوں نے ان کی دعوت پر کان نہ دھرا برابر انکار کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے پکڑا تو کہاں بچ سکتے تھے اللہ تعالیٰ قوی ہے اور شدید العقاب ہے، گذشتہ امتوں کے حالات اور واقعات سے ہر زمانے کے کافروں کو عبرت لینا ضروری ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَاْتِيَهُمْ رُسُلُهُمْ

اس سے ماضی کی ان قوموں کی ہلاکت و تباہی کے سبب اور باعث کو واضح فرما دیا گیا۔ جو کہ عبارت ہے ان کے انکار و تکذیب حق سے سوا ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے پاس ان کے رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھلے دلائل اور واضح نشانیاں لے کر آئے۔ مگر انہوں نے ان کا کفر کیا، اور اپنی قوت و جمعیت اور اپنی مادی تعمیر و ترقی کے زعم اور گھمنڈ میں انہوں نے رسولوں کے انذار کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور ان کی دعوت کو انہوں نے جھٹلا دیا۔ جس کے نتیجے میں آخر کار اس قادر مطلق نے ان کو پکڑا۔ اور جب اس نے ان کو پکڑا۔ تو ان کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مٹا کر رکھ دیا۔ اور ان کی جمعیت و قوت اور ان کی تعمیر و ترقی میں سے کوئی بھی چیز ان کو اس کی گرفت و پکڑ سے چھڑا اور بچانہ سکی۔ سو اس سے یہ اہم اور بنیادی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حق کا انکار اور انکی تکذیب کا نتیجہ انجام بہر کیف دائمی ہلاکت و تباہی ہے، ایسے لوگوں کو ڈھیل جتنی بھی ملے، وہ بہر حال ڈھیل ہی ہوتی ہے، جو ایک خاص مدت تک ہی کے لیے ہوتی ہے، اور جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے، اسکے بعد ایسوں کیلئے بہر حال ہلاکت و تباہی ہی ہوتی ہے بیشک اللہ تعالیٰ بڑا ہی قوی سخت پاداش والا ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسٰى بِآيٰتِنَا وَاَوْسَلْنَا فِرْعٰوْنَ فُجُورًا

گزشتہ آیات میں اجمالی طور پر بعض اقوام کی تکذیب اور ہلاکت و تعذیب کا تذکرہ فرمایا آیات بالا میں اور ان کے بعد ذیڑھ رکوع تک فرعون اور اس کی قوم کے عناد اور تکذیب کا اور بالآخر ان کے غرق اور تعذیب کا تذکرہ فرمایا درمیان میں ایک ایسے شخص کی نصیحتوں کا تذکرہ بھی فرمایا، جو آل فرعون میں سے تھا، یہ شخص ایمان لے آیا تھا اور اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات یعنی معجزات کے ساتھ اور واضح حجت کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو معجزات دکھائے تو حید کی دعوت دی لیکن ان لوگوں نے جمود اور عناد اور انکار سے کام لیا کہنے لگے یہ تو جادو گر ہے بڑا جھوٹا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی تکذیب کی کوئی پرواہ نہ کی اور برابر تبلیغ فرماتے رہے۔ فرعونوں نے جب دیکھ کہ موسیٰ علیہ السلام کی بات اثر کر رہی ہے اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں اور کچھ لوگ متاثر ہوتے

جا رہے ہیں تو باہم مشورہ کر کے کہنے لگے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کر دو اور ان کی عورتوں کو باقی رکھو، یعنی وہی عمل لڑکوں کے قتل کرنے کا پھر شروع کر دو جو کاهنوں کے خبر دینے پر بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا تاکہ ان کا کوئی بچہ ایسی پرورش نہ پا جائے جو فرعونی حکومت کو تہہ دہالا کرنے کا ذریعہ بن جائے ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت توحید کو دبانے کے لیے مشورہ تو کر لیا اور ممکن ہے اس پر عمل بھی کر لیا ہو لیکن ان کی سب تدبیریں ضائع ہوئیں جیسے مَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ میں بیان فرمایا ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذُرِّيَّتِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ ---

فرعون نے اپنی قوم کے سرداروں سے کہا کہ تم مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور جب میں اسے قتل کرنے لگوں تو وہ اپنے رب کو پکارے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کی قوم کے سرداروں نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے روکا اور یہ سمجھایا کہ تو انہیں قتل کر دے گا تو عامۃ الناس یہ سمجھ لیں گے تو دلیل سے عاجز آ گیا اس لیے قتل کے درپے ہو گیا لیکن وہ سمجھتا تھا کہ ان کے قتل کر دینے ہی سے میرا ملک بچ سکتا ہے۔

فرعون نے یہ جو کہا کہ میں جب اسے قتل کرنے لگوں تو یہ اپنے رب کو پکارے یہ ظاہری طور پر ڈینگ مارنے والی بات ہے اندر سے گھبرایا ہوا تھا اور ان کی بددعا سے ڈر رہا تھا اور ظاہر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانے کے لیے یہ الفاظ بول رہا تھا۔ فرعون نے اپنے ماننے والوں سے یہ بھی کہا کہ اگر موسیٰ کو چند دن اور چھوڑ دیا تو ڈر ہے کہ تمہارے دین کو بدل دے میرے عبادت کو چھڑا دے اور بتوں کی عبادت سے ہٹا دے اور یہ بھی ڈر ہے کہ یہ زمین میں کوئی فساد کھڑا کر دے کیونکہ جب اس کی بات بڑھے گی اس کے ماننے والے تعداد میں بہت ہو جائیں گے تو اس کے ماننے والوں میں اور میرے ماننے والوں میں لڑائی جھگڑے ہوں گے اور اس سے نظام معطل ہوگا۔ جو لوگ دنیا دار ہوتے ہیں اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان کے سوچنے کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے مقابل کو قتل کرادیں اور خود دنیاوی مال و جائیداد اور اختیار و اقتدار پر قابض رہیں اور یہ اس بارے میں عوام کو یہ سمجھاتے ہیں کہ میں تمہارے بھلے کے لیے ایسا کر رہا ہوں اس شخص کے وجود سے تمہارے دین دنیا کو خطرہ ہے لہذا اس کو قتل کر دینا ضروری ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی بات کا جب علم ہوا تو فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں جو تمہارا رب ہے اور میرا بھی رب ہے کہ وہ مجھے ہر متکبر سے محفوظ رکھے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی حفاظت کی دعا کی اور لوگوں کو بتادیا کہ جو میرا رب ہے وہی تمہارا رب ہے جو بھی کوئی شخص تکبر کرے آخرت کے دن کو نہ مانے ایسا منکر اور معاند کافر ہے اللہ تعالیٰ مجھے محفوظ رکھے گا، مجھے اس کی دھمکیوں کی کوئی پروا نہیں۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ قَبْلَ هَؤُلَاءِ هُوَ ابْنُ عَمِّهِ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ

رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ بِالْمُعْجَزَاتِ الظَّاهِرَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ وَإِنَّ إِلَٰهَكُمْ لَكَاذِبًا فَعَلَيْهِمْ كَذِبُهُمْ

اَيُّ ضَرُرٍ كَذِبِهِ وَ اِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبُكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ۗ بِهِ مِنَ الْعَذَابِ عَاجِلًا اِنَّ اللّٰهَ لَا
 يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّشْرِكٌ ۝ كَذَابٌ ۝ مُّتَّبِعُوْهُمْ يَقُوْمُ لَكُمْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ ظَهْرِيْنَ غَالِبِيْنَ خَالٍ فِي
 الْاَرْضِ اَرْضٌ مِّصْرٌ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَاسِ اللّٰهِ عَذَابِهِ اِنْ قَتَلْتُمْ اَوْلِيَاءَنَا اِنَّهٗ اِنْ جَاءَنَا اَيُّ لَانَا صِرْنَا قَال
 فِرْعَوْنُ مَا اُرِيكُمْ اِلَّا مَا اَرَى اَيُّ مَا اَشِيْرُ عَلَيْكُمْ اِلَّا بِمَا اَشِيْرُ بِهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَهُوَ قَتْلُ مُرْسٰى وَمَا
 اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝ طَرِيقَ الصَّوَابِ وَقَالَ الَّذِيْ اٰمَنَ يَقُوْمُ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ
 الْاَحْزَابِ ۝ اَيُّ يَوْمٍ حِزْبٍ بَعْدَ حِزْبٍ مِثْلَ دَابِ قَوْمِ نُوْحٍ وَ عَادٍ وَ ثَمُوْدَ وَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۗ
 مِثْلَ بَدَلٍ مِنْ مِثْلٍ قَبْلَهٗ اَيُّ مِثْلَ حِزْبٍ عَادَةٍ مِنْ كَفَرٍ قَبْلَكُمْ مِنْ تَعْدِيْهِمْ فِي الدُّنْيَا وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا
 لِّلْعِبَادِ ۝ وَيَقُوْمُ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَحْدُفُ النَّبَا وَ اَنْبَاتِهَا اَيُّ يَوْمِ الْقِيَمَةِ يَكْثُرُ فِيْهِ نِدَاةُ
 اَصْحَابِ الْجَنَّةِ اَصْحَابِ النَّارِ وَ بِالْعَكْسِ وَ النِّدَاةُ بِالسَّعَادَةِ لِاَهْلِهَا وَ الشَّقَاةُ لِاَهْلِهَا وَ غَيْرِ ذَلِكَ عَنْ
 مَوْقِفِ الْحِسَابِ اِلَى النَّارِ مَا لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَذَابٍ مِنْ عَاصِمٍ ۗ مَانِعٍ وَ مَنْ يُضِلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ
 هَادٍ ۝ وَ لَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلِ اَيُّ قَبْلِ مُوسٰى وَهُوَ يُوسُفُ بِنُ يَعْقُوْبَ فِيْ قَوْلٍ عَمَرَ اِلَى زَمَانَ
 مُرْسٰى اَوْ يُوسُفُ بِنُ اِبْرَاهِيْمَ بِنُ يُوسُفُ بِنُ يَعْقُوْبَ فِيْ قَوْلٍ بِالْبَيْتِ بِالْمُعْجَزَاتِ الظَّاهِرَاتِ فَمَا
 زَلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُمْ بِهِ ۗ حَتّٰى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ مِنْ غَيْرِ بَرَهَانَ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ
 رَسُوْلًا اَيُّ فَلَنْ تَرَوْا كَافِرِيْنَ يُيُوسُفُ وَ غَيْرِهٖ كَذٰلِكَ اَيُّ مِثْلَ اَضْلَالِكُمْ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
 مُّشْرِكٌ مُّرْتَابٌ ۝ شَاكٌ فَيَمَا شَهَدَتْ بِهِ الْبَيِّنَاتِ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ آيَاتِ اللّٰهِ مُعْجَزَاتِهٖ مُبْتَدَأٌ بِغَيْرِ
 سُلْطٰنٍ بَرَهَانَ اَتَهُمْ ۗ كَبُرَ جِدَالُهُمْ خَيْرَ الْمُبْتَدَأِ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ اَيُّ مِثْلِ
 اِضْلَالِهِمْ يَطَّبَعُ يَخْتِمُ اللّٰهُ بِالضَّلَالِ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝ بِتَثْوِيْنِ قَلْبٍ وَ ذُوْنِهٖ وَ مَتٰى تَكَبَّرَ
 الْقَلْبُ تَكَبَّرَ صَاحِبُهٗ وَ بِالْعَكْسِ وَ كُلِّ عَلَى الْقِرَاءَةِ تَبِيْنٍ لِعُمُوْمِ الضَّلَالِ جَمِيْعِ الْقَلْبِ لَا لِعُمُوْمِ الْقُلُوْبِ وَ
 قَالَ فِرْعَوْنُ يَا هٰمُّ اِنِّ لِيْ صَرْحًا بِنَا عَالِيًا لَعَلِّيْ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ طَرَفَهَا

المُؤَصِّلَةُ إِلَيْهَا فَاطْلِعَ بِالرُّفْعِ عَطْفًا عَلَى أَتْبَعُ وَبِالنَّصْبِ جَوَابًا لِإِنِّ إِلَى إِلَهٍ مُؤْنِسٍ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ أَيْ
 مُؤْنِسِي كَاذِبًا فَبَيَّنَ أَنَّ لَهُ إِلَهًا غَيْرِي وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَلِكَ تَمْوِيهَا وَكَذَلِكَ زُتِنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءَ عَمَلِهِ وَ
 صَدَّ عَنِ السَّبِيلِ طَرِيقِ الْهُدَى بِفَتْحِ الضَّادِ وَضَمِّهَا وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ خَسَارٍ

ترجمہ: اور ایک مومن شخص نے جو کہ فرعون کے خاندان سے تھے کہا جاتا ہے کہ فرعون کا چچا زاد بھائی تھا اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے تھے کہا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں کھلے پیغامات لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہی ہے تو اس کا جھوٹ یعنی جھوٹ کا نقصان اسی پر پڑے گا اور اگر سچا ہو تو وہ جو کچھ پیشگوئی کر رہا ہے دنیا میں جلد عذاب آنے کی اس میں سے کچھ تو تم پر پڑے گا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو مقصود تک نہیں پہنچاتا جو حد سے گذرنے والا مشرک بہت جھوٹ بولنے والا افتراء پرداز ہوا ہے میرے بھائیو! آج تو تمہاری سلطنت ہے کہ اس زمین میں مصر میں تم حاکم ہو یعنی غالب ہو یہ حال واقع ہے سو خدا کے عذاب میں ہماری مدد کرن کرے گا اگر تم نے اسکے دوستوں کو مار ڈالا اگر وہ ہم پر آ پڑا یعنی کوئی ہمارا مددگار نہیں بن سکتا فرعون کہنے لگا کہ میں تو تمہیں وہی رائے دوں گا جو خود سمجھ رہا ہوں یعنی تمہارے لئے وہی مشورہ ہے جو اپنے لئے ہے یعنی موسیٰ کو قتل کرنا اور میں تمہیں عین طریق مصلحت درست راستہ بتلا رہا ہوں اور وہ مومن بولا کہ صاحبو مجھے تمہارے متعلق یکے بعد دیگرے دوسری قوموں جیسے روز بد کا اندیشہ ہے جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور انکے بعد والوں کا حال ہوا تھا دوسرا مثل پہلے مثل کا بدل ہے یعنی تم سے پہلے کفر کرنے والوں کو دنیا میں عذاب دینے کا جو طریقہ ہوا اس جیسا اور اللہ تعالیٰ تو بندوں پر کسی طرح کا ظلم نہیں چاہتا اور صاحبو مجھے تمہارے متعلق اس دن کا اندیشہ ہے جس میں بکثرت چیخ و پکار ہوگی لفظ تناد حذف یا اور اثبات یاء کے ساتھ ہے یعنی قیامت کے روز جس میں جنتی جنہیوں کو اور جہنمی جنتیوں کو بار بار پکاریں گے اہل سعادت کو سعادت کی اور اہل شقاوت کو شقاوت کی آواز آنے لگے گی وغیرہ اس روز تم پیٹھ پھیر کر لوٹو گے حساب و کتاب کے میدان سے دوزخ کی طرف تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور اللہ جسے گمراہ کر دے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں ہے اور اس سے پہلے تمہارے پاس یوسف یعنی موسیٰ سے پہلے ایک قول کے مطابق یوسف بن یعقوب مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے وقت تک زندہ رہے اور ایک قول کے مطابق یوسف بن ابراہیم بن یوسف ہیں پھر بھی تم ان کی لائی ہوئی دلیلوں کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا رہے یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو بغیر دلیل کہنے لگے۔ اب اس کے بعد ہرگز اللہ کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا یعنی ہمیشہ یوسف وغیرہ کے منکر رہے، اسی طرح جیسے تم گمراہ ہو گئے اللہ تعالیٰ بچلائے رکھتا ہے آپ سے باہر ہونے والوں مشرکوں شہادت میں گرفتار رہنے والوں کو جو یقینی باتوں میں بھی شک میں مبتلا رہتے ہیں جو جھگڑے نکالتے رہتے ہیں اللہ کی آیتوں میں معجزات میں مبتلا ہے بلا ایسی سند حجت کے جو ان کے پاس ہوئی۔ بری ہے ان کی یہ لڑائی یہ خبر ہے مبتدا کی نفرت اللہ کو اور مومنین کو اس سے اسی طرح جیسے یہ گمراہ ہوئے مہر کر دیتا ہے گمراہی کی ہر ضرور جابر کے پورے دل پر قلب تنوین کے ساتھ اور بلا تنوین ہے اور جب دل میں اکڑ آ جائے تو دل والا بھی اکڑنے لگتا ہے

اور اسکے برعکس بھی یعنی جب صاحب دل اکثر لگتا ہے تو دل پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے اور لفظ کل پورے دل کی گمراہی کے لئے ہے نہ کہ ہر دل کی تعمیر کے لئے اور فرعون بولا اے ہامان میرے لئے ایک بلند اونچی عمارت بنو اور ممکن ہے میں آسمان تک جانے کی راہوں تک جو آسمان میں جانے والی ہوں پہنچ جاؤں پھر دیکھوں بھالوں۔ اطلع رفع کے ساتھ ابلغ پر عطف ہے اور نصب کے ساتھ ابن کا جواب ہے موسیٰ کے خدا کو اور میں تو موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اس بارے میں کہ میرے علاوہ اس کا کوئی معبود ہے تعمیر کا حکم فرعون نے تمہیں کے لئے دیا تھا اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اس کو بھلی معلوم ہوتی تھی اور وہ راستے سے بہک گیا تھا سیدھی راہ سے صد صدا کے فتح اور ضمہ کے ساتھ اور فرعون کی تدبیر غارت و ناکام ہو گئی۔

کلمات تفسیر کے توضیح و تشریح

- قوله: مِنَ الْعَذَابِ عَاجِلًا: اور دوسروں کو دیر سے آنے والا عذاب دے۔
- قوله: مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ: یعنی اگر یہ صرف کذاب ہوتا تو اللہ تعالیٰ واضح دلائل کی طرف اس کی راہنمائی نہ کرتا۔
- قوله: عَلَىٰ نَفْسِي: اس سے بہتر سلوک روا رکھو۔
- قوله: دَابَّ: عادت۔
- قوله: وَغَيْرِ ذَٰلِكَ: جیسے ہلاکت و بربادی کو پکارنا۔
- قوله: عَمَّرَ إِلَىٰ: یعنی یوسفؑ نے زندگی گزاری۔ زمان موسیٰؑ تک۔
- قوله: يُوسُفُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: یہ بھی تفسیر تھے۔
- قوله: كَيْوَحَدِ الْبَيْهَمِ: کبریٰ خیر ہے؟؟ انذین کا مضاف محذوف ہے ای بدل الذین یجادلون کبیر۔
- قوله: قَلْبٍ: یہ تینوں کے ساتھ کبر و تجبر؟؟ کی صفت بنے گا کیونکہ وہ ان کا پیرو ہے۔
- قوله: صَرَخًا: ظاہر ہونا۔ محل۔
- قوله: أَسْبَابَ السُّهُوتِ: یہ ابلارغ الاسباب کا بیان ہے اور ابہام کے بعد وضاحت میں تفسیم ہے۔
- قوله: إِنِّي لَأَكْذِبُ كَاذِبًا: اس قسم کی تمویہات سے فرعون نے لوگوں کو موسیٰ سے روکا۔
- قوله: صَدَّ: فاعل حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ.....

آل فرعون میں سے ایک مؤمن بندہ کی حق گوئی نیز تنبیہ اور تہدید:

اور دوسرے یہ کہ ان کے صادق ہونے کی وجہ سے جو بات وہ کہتے ہیں وہ پوری ہوگی اور تمہیں اس عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے۔

عمہ مفسرین کے نزدیک مشہور قول یہی ہے کہ یہ شخص مؤمن قبلی تھا فرعون کے خاندان سے سدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تصریح کی ہے یہ فرعون کا ابن عم یعنی چچا زاد بھائی تھا اور ایک قول کے مطابق یہ وہ شخص ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کے ہمراہیوں میں بحر قلزم سے عبور کرنے اور نجات پانے والا تھا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو اختیار کیا اور ان بعض مفسرین کا قول رد کیا جن کا خیال یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھا کیونکہ فرعون نے اس کی بات سنی اور متاثر بھی ہوا، چنانچہ ان ہی مرد مؤمن کے موثر خطاب سے موسیٰ علیہ السلام کے ارادہ قتل سے باز آیا۔ اگر یہ بنی اسرائیل میں سے ہوتے تو اول تو اتنی جرأت ہی مشکل تھی اور اگر جرأت کر کے کچھ کہنا شروع کرتا تو فرعون فوراً ہی اس کا کام تمام کر دیتا اور نوبت ہی نہ آنے دیتا کہ اتنی مفصل گفتگو اور اس تفصیل کیساتھ سلسلہ نصیحت شروع کر دے، ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن عباسؓ سے یہ روایت کیا ہے کہ فرعون کے خاندان سے سوائے اس مرد مؤمن اور اس کی بیوی آسیہؓ کے اور کوئی ایمان نہیں لایا۔

(ابن کثیر ج ۱)

الفرض اس مرد مؤمن نے اس مبلغ اور پراثر گفتگو میں فرعونوں کو حق اور صداقت کی طرف دعوت دی اور نہایت لطیف انداز میں اس پر آمادہ کرنا چاہا پھر اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ جس دولت و حکومت پر غرور نے اس ناپاک ارادہ پر آمادہ کیا تھا اس کے بارہ میں اس نے نصیحت کی اور کہا اے میرے بھائیو! آج تمہارے واسطے سلطنت و اقتدار ہے اس طرح کہ تم اس سر زمین میں غالب و حکمران ہو لیکن بتاؤ کون ہماری مدد کرے گا اللہ کا عذاب آنے کی صورت میں اگر وہ ہم پر آ گیا، موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دینے کی وجہ سے فرعون نے اس مرد مؤمن کی ان باتوں کو سن کر کہا میں تم کو وہی رائے دوں گا جو میں بہتر سمجھ رہا ہوں، اور میں تم کو وہی راستہ بتا رہا ہوں جو عین مصلحت ہے اور وہ یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے یہ مرد مؤمن اس بات کو سن کر مغموم و متفکر ہوا سوچا کہ نرمی اور نصیحت سے مخاطب کوئی اثر قبول نہیں کرتا، کلام کارن بدلا اور کہا اس مؤمن شخص نے اے میری قوم مجھے تو ڈر لگ رہا ہے تمہارے متعلق ایسے ہی روز بد کا جیسے اور امتوں پر قہر و عذاب کا دن آیا جیسا حال قوم نوح قوم عاد و ثمود اور ان لوگوں کا جو انکے بعد آنے والوں کا یعنی قوم لوط وغیرہ کا ہوا، کہ ان کو ان کی اسی طرح شقاوت اور نخوت و تکبر کی وجہ سے عذاب خداوندی نے ہلاک کر ڈالا، یقیناً یہ سب کچھ صرف انہی کے اعمال کے باعث ہوا اور خدا تو بندوں پر ذرہ برابر بھی ظلم کرنا نہیں چاہتا، مگر ظاہر ہے کہ تمہارے اعمال ان ہی جیسے ہوں گے تو یقیناً اسی طرح کا عذاب تم پر بھی مسلط ہوگا، یہ تو دنیا کی زندگی میں عذاب ہے جو ایسی قوموں کو ہلاک کرتا ہی ہے اور میرے بھائیو! مجھے تو تمہارے متعلق اندیشہ ہے اس دن کے بھی شدید عذاب کا جس دن میں کثرت سے ندائیں پکار اور آوازیں پڑنے والی ہوں گی اور ان آوازوں اور نداؤں سے لوگوں کے ہوش و حواس پر اگندہ ہوں گے، اول نداء ہولناک تو صورت کی آواز ہوگی جب پھونکا جائے گا اور سب مدہوش ہو جائیں گے پھر نداء دوبارہ نفع صورت کی ہوگی جس سے سارے مردے زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہوں گے یہ وہی ندا ہوگی جس کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں یوم یناد البناد من مکان قریب یوم یسمعون الصیحة بالحق۔ پھر ایک ندا اور ہوگی کہ اے لوگو! کھڑے ہو جاؤ حساب کے

دائے، جیسے ارشاد ہے: یوم ندعو اکل اناس ہا ما مہم۔ پھر ایک ندا اور پکار جنتیوں اور جہنمیوں کے درمیان ہوگی جس کا ذکر: ونادی اصحاب الاعراف و نادى اصحاب الجنة اصحاب النار۔ اور "ونادی اصحاب النار اصحاب الجنة۔ آیات میں ہے پھر ب سے اخیر میں ایک وہ ندا ہوگی جو موت کو ذبح کرنے کے وقت اہل جنت اور اہل جہنم کو دی جائے گی یا اہل الجنة اور یا اہل النار۔ اس ندا پر جب جنتی اور جہنمی متوجہ ہوں گے اور دیکھنے لگیں گے جنتی گھبرا کر دیکھیں گے کیا ماجرا ہے ہم کو کیوں آواز دی جا رہی ہے، جہنمی دیکھیں گے اور متوجہ ہوں گے کچھ توقع اور طمع کے ساتھ کہ شاید ہمیں عذاب سے نجات کا پروانہ دینے کے لیے پکارا گیا ہوگا مگر ان نداؤں کے بعد اور اہل جنت و اہل نار کے متوجہ ہونے کے بعد اعلان ہوگا موت کو ذبح کرتے ہوئے" "خلود لا موت"۔ کہ بس اب جب کے موت کو موت دے دی گئی، دوام و خلود ہی ہے آئندہ کسی کو موت نہیں نہ اہل جنت کو نہ دوزخیوں کو، غرض ان تمام نداؤں کے اجتماع کے باعث یہ دن یَوْمَ التَّنَادِ ۱۱ ہوا۔ (ماخوذ از تفسیر حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اور یہ یَوْمَ التَّنَادِ ۱۲ وہ دن ہوگا جس میں تم پشت پھیر کر دوزخ کی طرف جاتے ہو گے اس وقت تم کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا اللہ کے عذاب سے اور حقیقت یہ ہے کہ جس کسی بد نصیب کو اللہ ہی گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ راست پر لانے والا نہیں، ان حقائق اور سبق آموز نصیحتوں کے بعد توحیح و تہدید کے انداز میں اس مرد مؤمن نے کہا اور اے لوگو! تمہارے پاس تو اس سے قبل یوسف بھی بینات و دلائل لے کر آئے لیکن اے قوم قبط تم یعنی تمہارے اسلاف جن کے نقش قدم پر تم چل رہے ہو، ہمیشہ شک ہی میں مبتلا رہے اس چیز کے بارہ میں جو وہ لے کر آئے تھے اور چونکہ وہ تمہارے اسلاف تھے اور تم ان کی باتوں کو سنا سمجھتے ہو اس بنا پر تم ہی کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ تم برابر اس میں شک کرتے رہے، یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم کہنے لگے کہ بس اب اللہ تعالیٰ اور کوئی رسول نہیں بھیجے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری اس حالت کو دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ یہ بد نصیب انبیاء کی تعلیم و ہدایت کا کوئی اثر قبول ہی نہیں کرتے لہذا ان کے پاس کسی رسول کا بھیجنا بیکار ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے ہیں ان کے غرور و نخوت نے ان کو اللہ کے احکام میں گستاخ بنا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ اسی طرح غلطی میں ڈالے رکھتا ہے ہر ایسے حد سے بڑھ جانے والے شک و تردد میں پڑ جانے والے لوگوں کو جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے رہتے ہیں۔ بغیر کسی سند و حجت کے جو ان کے پاس آئی ہو بہت ہی بڑی ہے یہ چیز ناگواری اور نفرت کے لحاظ سے اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک، کہ انسان اللہ ہی کے احکام اور اس کی آیتوں میں خصومت کرتا رہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور و جاہل کے پورے قلب پر مہر لگا دیتا ہے۔ اور سارا قلب اس مہر کے احاطہ میں گھر جاتا ہے اور اس کا کوئی گوشہ خالی نہیں رہتا کہ اس خالی رخ اور سمت سے حق نہیں کی کوئی صلاحیت باقی رہ جائے، جیسے کسی برتن کے پورے منہ پر اگر مہر لگ گئی تو اس کے بعد ظاہر ہے کہ کوئی ایسا سوراخ و منفذ باقی نہیں رہتا کہ باہر سے کوئی چیز اس برتن کے اندر ڈالی جاسکے، اور علیٰ ہذا جب اس پر مہر لگ گئی تو اندر سے کسی چیز کے نکلنے کا امکان نہیں رہا، تو بس یہی حال ایسے مغرور و سرکش انسان کے قلب کا ہوتا ہے جب پورے قلب پر مہر لگ گئی تو باہر سے ہدایت و نصیحت اندر نہیں جاسکتی اور اندر کی شقاوت باہر نہیں نکل سکتی۔ بحسب رآ علی العباد۔

یہاں تک اس مرد مؤمن کی ناصحانہ تقریر تھی جو فرعون اور اس کے ارکان حکومت کو خطاب کرتے ہوئے کی آج سے پہلے اگرچہ ال بزرگ مؤمن نے اپنے ایمان کو چھپا رکھا ہو لیکن اس واضح اور کھلم کھلا دعوت توحید اور شقاوت و بدبختی سے زجر و توحیح کی

وجہ سے تو ان کا ایمان علی الاعلان ظاہر ہو گیا، اس مرد مؤمن نے اپنی اس تقریر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ جو دو شقیں اختیار کیں۔ **وَإِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ**، **وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ**۔ العیاذ باللہ۔ اس بنا پر نہیں کہ یہ دو احتمال موسیٰ علیہ السلام میں ممکن اور محتمل تھے بلکہ ظاہر ہے کہ وہ ان کی صداقت و حقانیت پر کامل یقین و ایمان رکھنے والے تھے یہ محض تعبیر اور بیان میں دو شقیں حجت پوری کرنے کے لیے تھیں اور اس غرض سے کہ مخاطبین اس سے پوری طرح متاثر ہوں اور ان کی بات کو اس تخیل کے ساتھ سنیں کہ یہ کسی طرح حمایت اور جانبداری کے جذبہ سے نہیں بلکہ ایک اصولی اور قطعی بات ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام کے معاملہ کو ایسی ہی روشنی اور ضابطہ کے تحت بخوبی سمجھا جاسکتا ہے اس سے یہ استدال بھی نہ کیا جائے کہ کوئی مدعی نبوت اور کذاب و مفتری جس کا کذب اور افتراء دلائل سے ثابت ہو چکا ہو، اس کی تکذیب و تردید کے قطعی پہلو کو چھوڑ کر اس کے لیے ایسا ہی طرز اختیار کر لیا جائے اور یہ کہہ کر بات ٹلا دی جائے کہ اگر جھوٹا ہوگا تو اس کا جھوٹ اس پر پڑے گا۔ بلکہ ایسے کذاب و دجال کی تو واضح طور پر ڈٹ کر تردید اور مقابلہ کرنا فرض ہوگا، اب جبکہ آنحضرت ﷺ کا خاتم الانبیاء ہونا قطعی دلائل شریعت سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کے بعد اب اور کوئی پیغمبر نہیں آئے گا تو مدعی نبوت کی قطعی طور سے تکذیب و تردید اور تکفیر کی جائے گی اور وہ مدعی نبوت اور اس پر ایمان لانے والے واجب القتل ہوں گے، جیسے حضرت صدیق اکبرؓ نے مسیلہ کذاب مدعی نبوت اور اس کے پیروؤں کے ساتھ قتال فرمایا اور وہ قتل کیے گئے۔

آل فرعون کے مرد مؤمن کا ناصحانہ خطاب اور اس کے خصوصی نکات:

یہ مرد مؤمن فرعون کے خاندان اور قبیلوں میں سے تھے اور بقول ائمہ مفسرین فرعون کے چچا زاد بھائی تھے، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ آل فرعون میں سے ایمان لانے والے ایک مرد مؤمن تھے اور دوسرا مؤمن خود فرعون کی بیوی تھی، جس کا ذکر قرآن کریم نے سورہ تحریم میں فرمایا، یہ صاحب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ایمان لائے تھے، ان کا یہ خطاب ہے جو فرعون کی طرف سے قتل موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ کرنے پر تھا جس میں نصیحت و ہمدردی کا پہلو پوری طرح نمایاں ہے اور حق کا مقابلہ کرنے پر زبرد تو بیخ ہے، اور ایسا حکیمانہ انداز ہے کہ ادنیٰ فہم اور صلاحیت رکھنے والا انسان بھی اس کو تسلیم کیے بغیر نہیں نہ رہ سکتے۔

اس مرد مؤمن نے اپنے اس خطاب میں جو خاص امور اور حکیمانہ نکات اور معاندانہ رویہ ترک کرنے کے لیے اثر انگیز نصیحتیں کیں وہ یہ تھیں، سب سے پہلے (۱) ابتداء خطاب میں اتقتمون رجلا ان یقول ربی اللہ۔ کہہ کر بے وجہ اقدام قتل جیسے برے فعل کی مذمت کی اور اس پر اظہار نفرت کیا، (۲) اور یہ کہ جس بنیاد پر قتل کا ارادہ ہے وہ اس شخص کا یہ کہنا ہے۔ ”میرا رب اللہ ہے۔“ حالانکہ یہ بات اگرچہ تمہارے تخیل یا عقیدہ کے خلاف ہو، کسی بھی ضابطہ سے قتل کی اجازت نہیں دیتی، (۳) پھر یہ کہ وہ اپنی اس بات پر جب واضح دلائل پیش کر رہا ہے قتل کیا جائے، (۴) اور پھر یہ کہ یہ دلائل کوئی عام قسم کی شہادتیں اور دلائل نہیں ہیں بلکہ تمہارے رب کی طرف سے دلائل ہیں، (۵) اور لفظ من ربکم۔ بول کر ایک لطیف طنز بھی کر ڈالا کہ وہ تمہارا رب ہے اب یہ تمہاری حماقت ہے کہ تم اپنے رب کو نہ پہنچانو۔ (۶) اور پھر یہ کہ اگر تم ان دلائل حقانیت سے قطع نظر کر لو تو سوچو کہ قتل کا جواز تو اس

صورت میں تصور کیا جاسکتا ہے جب کوئی سبب اور وجہ قتل تحقق ہو اور ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں کوئی چیز بھی موجب قتل نہیں معلوم ہوتی، تو ایسی صورت میں یہ مناسب ہے کہ اس شخص کو اپنے حال میں کوئی چیز بھی موجب قتل نہیں معلوم ہوتی، تو ایسی صورت میں یہ مناسب ہے کہ اس شخص کو اپنے حال پر چھوڑ دو اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر ہوگا، (۷) علاوہ ازیں جب کہ تمہارے پاس اس کی تردید کے لیے کوئی دلیل معقول نہیں تو اس احتمال کو خود تمہاری حد تک بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ وہ صادق ہے اور اس صورت میں کہ وہ سچا ہو اور تم اس کا مقابلہ کرو، ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہوئے قتل کر ڈالو تو یہ قطعی بات ہے کہ: **يُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ**۔ کہ تم کو وہ مصیبت ضرور پہنچ کر رہے گی جس کا وہ وعدہ کرتا ہے اور اس کی دھمکی دے رہا ہے اور پھر (۸) یہ کہ تم لوگ ایسی صورت میں کہ اس کے پاس دلائل ہیں اور تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں، تمہارے لیے اس کے قتل کا کوئی جواز نہیں اور خود تمہارے اصول سے اس کے صادق ہونے کا احتمال ہے تو ان تمام باتوں کے باوجود بھی اس کے قتل پر اقدام بلاشبہ انتہائی زیادتی اور ظلم ہوگا، اور **إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ** (خدا تعالیٰ کسی بھی زیادتی کرنے والے کذاب و جھوٹے کو مقصد میں کامیاب نہیں کرتا) (۹) اور اگر اس کے برعکس یہ احتمال فرض کرو کہ وہی اپنے اس دعوائے نبوت میں جھوٹا ہے تو پھر وہ صرف و کذاب ہوگا کہ اس نے زیادتی کی اور خدا پر جھوٹ بولا اور ایسی صورت میں وہ اپنے مقصد میں ضرور ناکام و ذلیل ہوگا، تو اس سے تم لوگوں کو کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا، پھر کیا فائدہ کہ بغیر کسی اہم مقصد کے کسی کو قتل کر ڈالا جائے۔ (۱۰) **پھر يَقْوَاهُ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ**۔ کہہ کر یہ سمجھانا چاہا کہ ملک و اقتدار کے حاصل ہو جانے پر تمہیں یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ظلم و تعدی کی روش اختیار کی جائے یا در کھوا اگر ایسا کیا جائے گا تو نہ صرف یہ کہ انسانی فطرت سے بعید ہے بلکہ اللہ کے عذاب و انتقام کا بھی موجب ہے اور خداوند عالم کے عذاب اور انتقام سے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی تو ان کلمات میں نہایت لطیف انداز سے فرعون کے ذہن کو اس طرف متوجہ کیا کہ اگر تو غور کرے تو سمجھ جائے گا کہ یہ حکومت اور غلبہ خود تیرا حاصل کردہ نہیں ہے کہ تو نے اپنی کسی صلاحیت یا محنت سے اسے حاصل کیا ہو یقیناً تجھے ماننا چاہئے کوئی قدرت و طاقت ایسی ہے جو انسانی قدرت اور وسائل سے بالاتر ہے بس اسی قدرت کا مالک اللہ ہے، جس نے تجھ کو یہ سلطنت دی اور جس نے ایسی بڑی حکومت دی ہے وہ پروردگار سے چھین بھی سکتا ہے، ناراض ہو کر عذاب و تہر بھی نازل کر سکتا ہے تو اگر ایسا ہوا تو اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت نہیں کر سکتی تو اس حصہ نصیحت میں مرد مؤمن نے نہایت ہی لطیف انداز سے قدرت خداوندی، اس کی نعمت، اور اس کی سزا کا ذکر کر ڈالا اور اس فرعون کو جو مدعی تھا انارہکھ الاعلیٰ۔۔۔ کا ان کلمات سے دعوت فکر بھی دے دی کہ ان چیزوں کو سوچ کر خدا کی ربوبیت کو پہچان لے اور اس پر ایمان لائے اور خدا کے پیغمبر کے مقابلہ سے باز آ جائے۔

یہ تھے دس خصوصی نکات جس پر اس مرد مؤمن کا ناصحانہ خطاب مشتمل تھا، اس ناصحانہ و حکیمانہ معقول و مدلل خطاب اور انسانی فطرت اور اس کے شعور کو بیدار کرنے والے حقائق سے فرعون بظاہر متاثر ہونے لگا ہوگا اور ڈرا ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ میں خود ہی اپنے ذہن میں رچے ہوئے تصورات اور معتقدات کو غلط قرار دے دوں، تو فوراً بات کاٹنے کے انداز میں اس مرد مؤمن کے وعظ کے دوران جو بھی مزید نکات اور حقائق بیان کر نیوالا تھا بول پڑا جس کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا: **قال فرعون ما اريكم الا ما اري وما اهدىم الا سبيل الرشاد**۔ فرعون اس پر کہنے لگا کہ اے لوگو! بس میں تو تم کو

وہی بات سمجھاتا ہوں اور اسی چیز کی رہنمائی کرتا ہوں جس کو میں خود بہتر سمجھتا ہوں اور میں تم کو صرف بھلائی ہی کا راستہ دکھا رہا ہوں، اس مرد مؤمن نے اس لغو، مہمل اور بے دلیل بات کی تردید و تغلیط کی طرف رخ کرنے کے بجائے پھر وہی اصل حکیمانہ خطاب کے باقی اہم نکات کا سلسلہ بیان شروع کر دیا جو فرعون نے بیچ میں غلط طریقہ سے کاٹ دیا تھا۔

چنانچہ مزید گزشتہ تاریخی عبرتناک واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: **وَيَقُولُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ**۔ الخ۔ کہ اگر تمہاری یہی روش رہی تو پھر مجھے اسی قسم کے عذاب کا اندیشہ ہے جو پہلی قوموں قوم نوح، عاد و ثمود، اور ان کے بعد والوں پر نازل ہوا، اور یہ بھی سمجھ لو کہ اس طرح کے عذاب کوئی وقتی اور اتفاقی قسم کے پیش آنے والے حادثات نہیں ہیں بلکہ یہ براہ راست اللہ رب العزت کی طرف سے مجرمین کو سزا ہوتی ہے اور اس طرح کی سزائیں کسی قسم کا ظلم نہیں ہوتیں بلکہ مجرمین درحقیقت ایسی ہی سزاؤں کے مستحق ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو بندوں پر ذرہ برابر ظلم کا ارادہ نہیں رکھتے اور جو رب ایسا ارادہ بھی نہیں رکھتا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس سے واقعتاً ظلم کا تحقق ہو جائے۔

اور چلو یہ تو جو کچھ ہوگا دنیوی زندگی تک کا معاملہ ہے مگر یہ جان لو کہ اسی پر بس ہونے والی نہیں مجھے تو اس سے بھی بڑھ کر تمہاری نسبت **يَوْمَ التَّنَادِ** یعنی اس دن کے عذاب کا ڈر ہے جس دن آوازیں پڑیں گی، پکارا جاتا ہوگا، اس پکار اور ندا والے دن کا معاملہ تو یہ ہوگا کہ تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگو گے، اور تم کو عذاب خداوندی سے کوئی بھی بچانے والا نہ ہوگا۔ اور پھر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم اس پر بھی سوچو کہ یہ تمہاری بدنیتی اور گمراہی خدا کی طرف سے محرومی ہے جس کی وجہ سے یہ باتیں تم سے ظاہر ہو رہی ہیں۔ اور میں تم کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہاری یہ فصلت تمہارے گزرے ہوئے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی ہے تمہارے بزرگوں کے زمانہ میں ان کے پاس اللہ کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام آئے، ان کے ساتھ یہی معاملہ نافرمانی اور ایذا رسانی کا کیا اور آج تم اسی نقش قدم پر چل رہے ہو،

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فوائد میں تحریر فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں مصر والے ان کی نبوت کے قائل نہ ہوئے، ان کی موت کے بعد جب مصر کی سلطنت کا بندوبست بگڑا تو کہنے لگے کہ یوسف علیہ السلام کا قدم اس شہر پر کیسا مبارک ہے اب ایسا نبی آسندہ کوئی نہیں آئے گا۔

غرض اس بات سے مراد یہ تھی کہ نعمت کی قدر زوال کے بعد ہوتی ہے، فی الحال تم کو موسیٰ علیہ السلام کی قدر نہیں لیکن یاد رکھو تم اسی طرح پچھتاؤ گے جیسے کہ اہل مصر یوسف علیہ السلام کے بعد پچھتائے۔ ان نصائح اور دن پر اثر ڈالنے والے حقائق کو بیان کرتے ہوئے مرد مؤمن نے اخیر میں صاف کہہ ڈالا کہ سب کچھ تمہاری طرف سے غلط قسم کی تعدی اور زیادتی ہے اور خدا کی نشانیوں میں بے دلیل حجت بازی اور جھگڑا کرنا ہے اور یہ تمام باتیں اس بات کی نشاندہی کر رہی ہیں کہ تمہارے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور واقعی تم جیسے مغرور اور سرکش لوگوں کے تو پورے قلب پر مہر لگا دیتا ہے پھر کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں رہتا کہ قلب تک ہدایت رسائی حاصل کر لے گویا یا بتا دیا کہ یہ فطرت کا مسخ ہو جانا ہے جو انسان کی انتہائی بد نصیبی ہے۔

آل فرعون کے مرد مؤمن کے ایمان و اخلاص سے صدیق اکبرؐ کا جذبہ ایمان بڑھ کر تھا:

نسخ صور کے وقت جب زمین پر زلزلہ ہوگا اور شق ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہوں گے اور اس ہیبت ناک منظر سے لوگ بدحواس
 و پریشان ہوں گے تو شدت پریشانی میں بھاگ رہے ہوں گے تو ایک دوسرے کو پکارتا ہوگا، یا یہ نداء فرشتوں کو آواز ہوگی میدان
 حشر میں جمع ہو جانے کے لیے، نیز یہ نداء فرشتوں کی ہوگی مجرمین کو، اگر تم سے ہو سکے تو آسمان و زمین کے کناروں سے نکل جاؤ، تم
 کہیں بھی چلے جاؤ خدا کے قبضہ قدرت سے نہیں نکل سکتے ایک نداء وہی ہوگی جب منکرین بدحواسی کے عالم میں بھاگنے لگیں گے تو
 فرشتے کہیں گے، لا وذر الی ربک یومئذ المستقر کہ بھاگنے کی اب کوئی جگہ نہیں۔ اب تو اے انسان تیرے رب ہی کی
 طرف تیرا ٹھکانا ہے، ایک نداء میزان اعمال پر ہوگی، ایک نداء جنتیوں کو جنت میں جانے کے لیے اور دوزخیوں کو جہنم میں داخل
 ہونے کے لیے، ایک نداء اعراف والوں کی ہوگی کہ اپنی جان پہچان کے کافروں کو ملامت و توبیخ کریں گے۔ ایک نداء اہل جنت
 کی جنیموں کو ہوگی ایک نداء اہل نار کی طرف سے اہل جنت کو ہوگی، جب وہ اہل جنت سے کچھ پانی یا دوسری کوئی نعمت جنت کی
 نعمتوں میں سے مانگتے ہوں گے اور ایک نداء خیر میں رب العزت کی طرف سے اہل جنت اور اہل نار کو ہوگی موت کو ذبح کرتے
 ہوئے کہ اے لوگو! سن لو اب خود موت ہی کو موت دی جا رہی ہے، اس کے بعد بس خلود و دوام ہی ہے لاموت۔ (موت کا اس
 کے بعد اب کسی کو تصور ہی نہ کرنا چاہئے) غرض ان سب نداؤں کی وجہ سے اس کو یَوْمَ التَّنَادِ کہا گیا۔

تفسیر مظہری جلد ہشتم میں قاضی محمد ثناء اللہ صاحب الحنفی المنظہری رحمۃ اللہ علیہ نے یَوْمَ التَّنَادِ کی تفسیر فرماتے ہوئے
 ابو ہریرہؓ کی ایک طویل حدیث ذکر فرمائی جس میں تین نجات کا ذکر ہے، اس سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ
 حق تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو پہلی بار صور پھونکنے کا حکم فرمائیں گے اور فرمائیں گے۔ انفضح، انفضح، انفضح کہ اے
 اسرافیل نزع (گھبراہٹ) کا صور پھونکو تو وہ پھونکیں گے جس پر آسمان و زمین والے سب ہی گھبراہٹ و بدحواسی کے عالم میں
 مبتلا ہو جائیں گے، بجز ان کے کہ جن کو اللہ تعالیٰ مستثنیٰ فرما دے یہ وقت وہ ہوگا کہ دودھ پلانے والی ماں اپنے بچہ کو دودھ پلانے
 سے غافل ہو جائے گی اور حاملہ عورتوں کے حمل وضع ہو جائیں گے اور بچے ہیبت و گھبراہٹ کی شدت سے بوڑھے ہو جائیں گے،
 جنات و شیاطین بدحواس ہو کر بھاگنے لگیں گے حتیٰ کہ کناروں تک پہنچ جائیں گے تو فرشتے ان کے چہروں پر گرزار کر واپس
 لوٹائیں گے، اس پر وہ لوٹیں گے تو لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوں گے، ایک دوسرے کو پکارتا ہوگا، اس طرح یہ دن پکار کا دن
 ہوگا۔

ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ ابو حازم الاعرجؒ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ ابو حازم الاعرج خود اپنے آپ کو مخاطب بنا کر فرمایا
 کرتے۔ اے اعرج قیامت کے دن جب بعض خطا کاروں کو پکارا جائے گا کہ فلاں فلاں خطا کرنے والو کھڑے ہو جاؤ، تو ان
 کے ساتھ تو کھڑا ہوگا، پھر جب دوبارہ پکار پڑے گی یا اہل الخطیات تو جب بھی تو انہیں کے ساتھ اٹھے گا بس میں تو یہی خیال کر رہا
 ہوں کہ اے اعرج تیرا اٹھنا خطا کاروں ہی کے ساتھ ہوگا، خواہ وہ کتنے ہی اقسام و انواع کی خطائیں ہوں،

ابن ابی عامر رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب السنہ میں عبد اللہ بن عمرؓ سے تخریج فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت
 کے روز ایک منادی ندا کرے گا، خبردار کھڑے ہو جائیں وہ لوگ جو خدا سے جھگڑنے والے ہیں، اس نداء پر فرقہ قدریہ کھڑا ہوگا
 (اور اس گمراہ فرقہ کے علاوہ علی ہذا القیاس جو بھی فرقے اہل بدعت کے ہوں گے خواہ ان کی بدعات عملی ہوں یا اعتقادی سب

کھڑے ہو جائیں گے) اور اسی روز اہل جنت اہل نار کو پکاریں گے، اور اہل اعراف جنہوں کو آواز دیں گے جس کی تفصیل سورۃ الاعراف میں گزر چکی، یہاں تک کہ آخری ندا یہ ہوگی، ہر ایک سعید و شقی کا نام پکارتے ہوئے، یہ ہیں سعادت والے جو کبھی ناکام نہ ہوں گے، اور یہ ہیں اشقیاء و بد بخت کو کبھی کامیاب و کامران نہ ہوں گے۔ (بیہقی)

انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کو قیامت کے روز میزان اعمال پر لایا جائے گا اور درمیان میں کھڑا کر دیا جائے گا، اگر اس کے اعمال حسنہ بھاری اور غالب ہوئے تو فرشتہ اس کی کامیابی کا اعلان کر دے گا اور اگر اس کے اعمال سیئہ بھاری اور غالب ہو گئے تو اس کی بدبختی کا اعلان کر دیا جائے گا اور یہ ایسی ندا ہوگی جس کو تمام مخلوق سنے گی۔

طبرانی نے ابو ہریرہؓ سے ایک روایت تخریج کی ہے، اس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک منادی کو حکم فرمانے گا، جو ندا کرے گا اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ میں نے ایک نسب بنایا تھا اور تم نے ایک نسب بنایا، میں نے تو یہ نسب مقرر کیا تھا کہ: ان اکرمکھ عند اللہ اتقکھ۔ کہ تم میں سب سے زائد کرامت و عزت والا وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، مگر اے لوگو، تم نے یہ بات نہیں مانی اور تم باز نہ آئے مگر یہ کہ تم یہی کہو فلاں بن فلاں، بہتر ہے فلاں بن فلاں سے یعنی تم خاندانی شرافت اور برتری میں لوگوں کو تولتے رہے۔ بس سمجھ لو کہ آج میں اپنے نسب کو بلند کرتا ہوں اور تمہارے نسب کو گھٹاتا ہوں، (اعلان ہوگا) کہاں ہیں تقویٰ والے، تو اس طرح اس روز اہل تقویٰ کو پکارا جائے گا، اور اسی دن ایک اور ندا دی جائے گی، جس وقت کہ موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ یا اهل الجنة خلود لا موت و یا اهل النار خلود لا موت۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وسلم نے ابن عمرؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جنتی جب جنت میں چلے جائیں گے اور جہنمی جہنم کو چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا (ایک کبش یعنی مینڈھے) کی شکل میں، یہاں تک کہ اسے جنت اور جہنم کے درمیان رکھا جائے گا اور پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا، اس اعلان کے ساتھ کہ اے اہل جنت اب ہمیشہ جنت میں رہنا ہے آئندہ کوئی موت نہیں اور اے اہل نار اب ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے آئندہ کوئی موت نہیں کہ مرکز ہی اس عذاب سے نجات مل جائے تو اس نداء و اعلان پر اہل جنت کی خوشیوں پر مزید خوشی کا اضافہ ہو جائے گا اور اہل نار کے غموں پر اور غم کا اضافہ ہو جائے گا، الغرض اس طرح کی تمام نداؤں کا اجتماع اس دن کو یَوْمَ التَّنَادِ بنا دینے والا ہوگا۔

یہ تفصیل اس صورت میں ہے کہ یَوْمَ التَّنَادِ لُحَال کے کسرہ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے۔ عبد اللہ بن عباسؓ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ اس کو دال کی تشدید کے ساتھ یَوْمَ التَّنَادِ پڑھا کرتے تھے تو اس قراءت کی رو سے یہ مصدر مشتق ہوگا، ند، بند سے ہوگا، بمعنی بھاگنا بدکنا، کہا جاتا ہے۔ نداء البعیر۔ جب اونٹ بدک کر بھاگ جائے، اس قراءت کی تائید اس روایت سے ہے جو ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کو حکم فرمائے گا تو وہ مع اپنی تمام مخلوق کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ ملائکہ اس کے کناروں پر ہوں گے جس وقت پروردگار کا حکم ہوگا تو وہ اتریں گے اور زمین والوں کا احاطہ کریں گے، پھر اسی طرح دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں چھٹے آسمان کو حکم ہوگا ہر

ایک کے فرشتے علیحدہ علیحدہ صغیر بنا لیں گے، پھر ایک بہت بلند تر فرشتہ اترے گا جس کے بائیں جانب جہنم ہوگی، جب زمین والے جہنم دیکھیں گے تو گھبرا کر بھاگنے لگیں گے تو اس حالت میں زمین کے جس کونہ اور جانب کا رخ کریں گے وہاں فرشتوں کو صف بستہ پائیں گے کہ ان کی سات صغیر مرتب ہیں (اور انہوں نے ہر راستہ گھیر رکھا ہے، بھاگ کر کہاں جائیں گے) تو یہ کچھ کر پھر اپنی جگہ لوٹ آئیں گے، ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے ہیں یہی مراد ہے اس آیت مہارکہ: "انی اخاف علیکم یوم التناد" کی کہ میں تمہارے بارے میں خوف کر رہا ہوں اس دن کا کہ جب ہر طرف سے لوگ بھاگتے ہوئے اور ان کو کسی رخ سے بھی پناہ نہ ملے گی اور نہ نکلنے کا راستہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری جلد ہفتم)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یَوْمَ التَّنَادِ کے ایک اور معنی بیان کیے، فرمایا یہ وہ دن ہے جس میں فرعونوں پر عذاب آیا چنانچہ فرماتے ہیں، یہ ہانک پکار کا دن ان پر آیا جس دن بحر قلزم میں غرق ہوئے اس وقت ڈوبتے ہوئے ایک دوسرے کو پکارنے لگا (شاید) اس مرد مؤمن کو کشف سے معوم ہوا ہوگا یا قیاس سے کہ ہر قوم پر اسی طرح عذاب آتا ہے۔ (از فوائد شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يٰ قَوْمِ اتَّبِعُونِ بِآيَاتِ الْبَيِّنَاتِ وَحَدِيثِهَا هُدًى لِّكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ۗ تَقَدَّمَ يٰ قَوْمِ إِنَّمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ تُمَتَّعُ يَزُولُ ۗ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۗ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا ۗ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِضَمِّ الْبَاءِ وَفَتَحِ الْخَاءِ وَبِالْعَكْسِ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۗ رِزْقًا وَسِعًا بِلَا تَبَعَةٍ وَ يٰ قَوْمِ مَا لِيَ أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجْوَىٰ وَ تَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ ۗ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَ أُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۗ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْغَفَّارِ ۗ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَ أُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۗ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْغَفَّارِ ۗ لِمَنْ تَابَ لَا جَرَمَ حَقًّا إِنَّمَا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لِأَعْبُدَهُ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا أَيْ اسْتِجَابَةٌ دَعْوَةٌ وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَ أَنَّ مَرَدَّنَا مَرْجَعُنَا إِلَى اللَّهِ وَ أَنَّ الْمُسْرِفِينَ الْكَافِرِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۗ فَسْتَذَكِّرُونَ إِذَا عَابَيْتُمْ الْعَذَابَ مَا أَقُولُ لَكُمْ ۗ وَ أَفَوْضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ۗ قَالَ ذَلِكَ لِمَا تَزَعِدُوهُ بِمُخَالَفَتِهِ دِينَهُمْ فَوَقَّهُ اللَّهُ سَيِّئَاتٍ مَا مَكْرُوا بِهِ مِنَ الْقَتْلِ وَ خَالِقِ نَزَلَ بِأَلٍ فِرْعَوْنَ قَوْمَهُ مَعَهُ سُوءُ الْعَذَابِ ۗ الْغُرُقِيُّ ثُمَّ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا يُحْرَقُونَ بِهَا غُدَاوًا

عِثْيَاءَ صَبَاحًا وَ مَسَاءً وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ۝ يُقَالُ أَدْخَلُوا بَابًا لِفِرْعَوْنَ وَ فِي قِزَاةٍ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَ
 كَسْرِ الْخَاءِ أَنْزَلَ لِلْمَلِكَةِ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ عَذَابٌ جَهَنَّمٌ وَ أَذْكَرٌ إِذْ يَتَحَاجُّونَ بِشَخَاصِمِ الْكُفَّارِ فِي
 النَّارِ فَيَقُولُ الضَّعْفُورُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا جَمْعُ تَابِعٍ فَهَلْ أَنْتُمْ مُصْعِقُونَ دَائِمُونَ
 عَنَّا نَصِيبًا جِزْفًا مِّنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝
 نَادَى خَلَّ الْمُؤْمِنِينَ الْخِزْيَةَ وَ الْكَافِرِينَ النَّارَ ۝ قَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخِزْيَتِهِمْ جَهَنَّمُ ادْعُوا رَبَّكُمْ يَخْفِفْ عَنَّا
 يَوْمًا أَيْ قَدَّرَ يَوْمٌ مِّنَ الْعَذَابِ ۝ قَالُوا أَيْ الْخِزْيَةُ تَهَكُّمًا أَوْ لَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رَسُولُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
 الْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَاتِ قَالُوا بَلَىٰ أَيْ فَكَفَرْنَا بِهِمْ قَالُوا فَادْعُوا أَنْتُمْ فَإِنَّا لَا نَشْفَعُ لِكَافِرٍ قَالَ تَعَالَىٰ
 وَمَا دَعُوا الْكٰفِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝ اِنْعَادًا

ترجمہ: اور اس مؤمن نے کہا اے میری قوم میری راہ چلو اثبات یاء اور حذف یاء کے ساتھ میں تمہیں ٹھیک ٹھیک راستہ
 بتاؤں یہ لفظ گزر چکا اے میری قوم دنیاوی زندگی محض چند روزہ ہے جو بیت جائے گی اور ہمیشہ رہنے کا مقام تو آخرت ہے جو
 شخص گناہ کرتا ہے اس کو تو برابر برابر بدلہ ملتا ہے اور جو نیک کام کرتا ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مؤمن ہو ایسے لوگ جنت
 میں جائیں گے لفظ یاء خلون یاء کے ضمہ اور خاء کے فتح کے ساتھ اور اس کے برعکس دونوں طرح ہے وہاں بے حساب بے
 اندازہ بے منت ان کو رزق ملے گا اور اے میری قوم یہ کیا بات ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم کو مجھ کو دوزخ
 کی طرف بلاتی ہو تم مجھے اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں خدا کے ساتھ شریک کروں اور ایسی چیزیں کو ساجھی بناؤں جس کی
 میرے پاس کوئی بھی دلیل نہیں اور میں تم کو خدا کی طرف بلاتا ہوں جو زبردست بالادست خطا بخش ہے تو بہ کرنے والوں کے
 لئے یقینی بات ہے کہ تم جس چیز کی طرف مجھے بلاتے ہو اس کی عبادت کے لئے وہ نہ تو دنیا ہی میں پکارے جانے کے لائق ہیں کہ
 اس کی پکار قبول ہو اور نہ آخرت ہی میں اور ہم سب کو خدا ہی کے پاس جانا لوٹنا ہے جو لوگ حد سے نکل رہے ہیں کافر وہ سب
 دوزخی ہوں گے۔ سو آگے چل کر جب عذاب سامنے آئے گا تم میری بات کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں
 اللہ سب بندوں کا نگران ہے یہ تقریر اس وقت کی جب انھیں اپنے دین کی مخالفت پر قوم نے دھمکایا چنانچہ اللہ نے مرد مؤمن
 کو قتل کی مضرت دیروں سے محفوظ رکھا اور فرعون یوں، قوم فرعون پر موذی عذاب ڈوبنے کا اور اس کے بعد جہنم کی آگ کا نازل
 ہونا۔ وہ لوگ آگ کے سامنے صبح و شام لائے جاتے ہیں جلانے کے لئے اور جس روز حساب قائم ہوگی تو کہا جائے گا ڈال دو
 فرعون کو ایک قراءت میں ادخلو ہمزہ کے فتح اور خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے فرشتوں کو حکم ہوگا سخت عذاب میں دوزخ کے اور
 جب کہ دوزخ میں جھگڑیں گے کفار آپس میں تو ادنیٰ درجے کے لوگ بڑے درجے کے لوگوں سے کہیں گے کہ تم ہمارے تابع

تھے۔ تیج، تابع کی جمع ہے سو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ جز بنا دو رکھتے ہو تو بڑے لوگ بولیں گے کہ ہم سب یہیں دوزخ میں ہیں اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا مسلمانوں کو جنت میں اور کافروں کو دوزخ میں داخل کر دیا اور جتنے لوگ دوزخ میں ہوں گے دوزخ کے موکل فرشتوں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کسی دن یعنی ایک دن کے برابر وقت تو ہم سے عذاب کو ہلکا کر دے دوزخ کے فرشتے بطور مذاق کہیں گے کہ تمہارے پاس پیغمبر کھلے معجزات لے کر نہیں آئے تھے تو دوزخی بولیں گے کہ ہاں مگر ہم نے ان کو نہیں مانا تھا فرشتے کہیں گے تو پھر تم ہی دعا کرو کہ ہم کافر کی سفارش نہیں کر سکتے ارشاد ربانی ہے کافروں کو دعا محض بے اثر بیکار ہے۔

کلمات تفسیر کے توضیح و تشریح

قولہ: تَمَتُّعٌ: معمولی فائدہ۔

قولہ: يَغْيِرُ حِسَابَ: بغیر ناپ تول کئی گنا بڑھا کر۔ کئی گنا بڑھا کر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جائے گا۔

قولہ: لَا جُرمَ: لا میں ان کے دعاوی کی نفی اور جرم خود ثابت ہونا اس کا فاعل اَنْتُمْ اَنْتُمْ عُوْنِي۔۔۔

قولہ: فَسْتَنْذِرُوْنَ: یعنی عنقریب تم عذاب کو دیکھ کر اس بات کا تذکرہ باہمی طور پر کرو گے۔

قولہ: سَيَاتٍ: سختیاں۔

قولہ: اِنَّمَّ النَّارُ يَعْرَضُونَ: خبر مخذوف ہے اور يَعْرَضُونَ جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: تَبَعًا يَجْمَعُ تَابِعٍ: پیروکار۔

قولہ: كُلٌّ فِيْهَا: ہم تمہارے کام کیسے آئیں، اگر ہمیں قدرت ہوتی تو اپنے کام آتے۔

قولہ: بَيْنَ الْعِبَادِ: جب فیصلہ ہو چکا تو اس کے فیصلے کو کوئی موز نہیں سکتا۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يٰ قَوْمِ اتَّبِعُونِ اَهِدْكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝

مرد مؤمن کا فناء دنیا اور بقاء آخرت کی طرف متوجہ کرنا، اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا:

مرد مؤمن کا سلسلہ کلام جاری ہے درمیان میں فرعون کی اس بات کا تذکرہ فرمایا کہ اس نے اپنے وزیر ہان کو ایک اونچی عمارت بنانے کا حکم دیا اور یوں کہا کہ میں اس عمارت پر چڑھ کر موسیٰ کے معبود کا پتہ چلاؤں گا، مرد مؤمن نے فرعون کی بات سنی اور قوم فرعون کو مزید نصیحت کی اول تو اس نے یہ کہا کہ تم لوگ میرا اتباع کرو میں تمہیں ہدایت کا راستہ بتاؤں گا جیسے میں موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا ایسے ہی تم بھی ایمان لاؤ اور یہ دنیا جس پر تم دل دیئے پڑے ہو اور اسی کو سب کچھ سمجھ رہے اور یہ سمجھتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام

فَسْتَذْكُرُونَ مَا أَقُولَ لَكُمْ ۗ (سو تم عنقریب جان لو گے کہ جو میں تم سے کہتا ہوں) وَ لَقَدْ خُسَّ أُمُورِي إِلَى اللَّهِ ۗ (اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں) اگر تم نے مجھے تکلیف دینے کا ارادہ کیا تو میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ میری حفاظت فرمائے گا۔

قَوْلُهُ اللَّهُ سَيِّئَاتٍ ---

مرد مؤمن کا قوم کی شرارتوں سے محفوظ ہو جانا اور قوم فرعون کا برباد ہونا:

یہاں تک مرد مؤمن کا کلام تھا آگے اللہ تعالیٰ شانہ نے اس کی حفاظت کا اور آل فرعون کے بتلائے عذاب ہونے کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا: قَوْلُهُ اللَّهُ سَيِّئَاتٍ مَا مَكْرُوهًا (سو اللہ نے اس کو ان لوگوں کے مکر اور تدبیر کی مصیبتوں سے محفوظ فرما دیا) وَ حَاقَّ بِأَلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ﴿۱۰﴾ (اور فرعون اور آل فرعون پر برا عذاب نازل ہو گیا) یہ لوگ دریا میں غرق ہوئے اور ڈوب مرے اگر (دَحَاقًا بِأَلِ فِرْعَوْنَ) سے اسی غرق کو مراد لیا جائے تو سیاق کلام سے بعید نہیں ہے گو صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب مرد مؤمن کو قتل کرنے کا فرعون نے منصوبہ بنایا (جس کا مؤمن ہونا بعد میں ظاہر ہو گیا تھا) تو وہ ایک پہاڑ کی طرف چلے گئے ان کے پیچھے فرعون نے ہزار آدمی بھیج دیئے ان آدمیوں نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے پایا اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور ان لوگوں کو درندے کھا گئے اور ان میں سے بعض پہاڑ میں پیاسے مر گئے اور بعض لوگ فرعون کے پاس واپس آ گئے اس نے ان کو یہ کہہ کر قتل کر دیا کہ تم قصداً اس شخص کو لے نہیں آئے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

الْتَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ---

(دبط) گزشتہ آیات میں آل فرعون کے مرد مؤمن کا ناصحانہ خطاب کا بیان تھا کہ اس نے کیسے مؤثر و مبلغ اور مدلل انداز سے فرعون اور فرعونوں کو اللہ کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو قتل کے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی اور اس سے آگے بڑھ کر ان کو حق کی دعوت دی اور اللہ رب العزت کی الوہیت و وحدانیت کے دلائل قائم کرتے ہوئے ایمان لانے پر آمادہ کرنا چاہا اور اللہ کی نافرمانی اور بغاوت پر مرتب ہونے والے نتائج سے آگاہ کیا، اب ان آیات میں جو عذاب خداوندی ان پر دنیا میں آیا اور جو برزخ اور آخرت میں ہوگا اس کا ذکر فرمایا جا رہا ہے، فرمایا: الْتَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا ۗ لَحُ، دوزخ کی آگ پر ان فرعونوں کو پیش کیا جاتا رہے گا، صبح و شام، اور جب قیامت قائم ہوگی تو کہا جائے گا فرشتوں سے داخل کرو فرعونوں کو سخت عذاب میں جو عالم برزخ کے عذاب سے بہت زائد سخت اور ہولناک ہوگا کیونکہ برزخ میں تو آگ کا صرف معاینہ اور قرب ہی ہوتا تھا، علاوہ ازیں برزخی آگ سے یقیناً جہنم کی آگ زائد شدید ہوگی تو برزخ کے عذاب سے جہنم کا عذاب نہایت سخت ہوگا اور اس سے بڑھ کر ایک مزید عذاب و کلفت کی چیز ہوگی جب کہ کفار دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑتے ہوں گے تو نیچے درجے کے لوگ ان لوگوں سے کہتے ہوں گے جو بڑے تھے، اور ان کے مقتداء و پیشوا بنے ہوئے تھے ہم تو دنیا میں تمہارے تابع تھے اور تمہارے ہی ورغلانے سے ہم نے کفر کیا تھا تو کیا اس وقت تم ہم سے عذاب مار کا کچھ حصہ ہٹا سکتے ہو، وہ بڑے کہیں گے ہم سب ہی دوزخ میں پڑے ہوئے ہیں، اب ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں جب کہ ہم بھی تمہاری طرح اسی عذاب میں مبتلا ہیں، اللہ تو بندوں کے

درمیان فیصلہ کر چکا، اور اس صورت حال میں کہ تابعین اپنے متبوعین سے مایوس ہو چکے ہوں گے، اور متبوعین بھی اپنے کو بے بس پارہے ہوں گے تو یہ سب جو جہنم میں ہوں گے جہنم کے نگران فرشتوں سے کہیں گے پکارو اپنے پروردگار کو کہ وہ ہم سے عذاب میں سے کسی ایک دن ہی کی کردے تو ہم ایک دن کے عذاب کی تخفیف کو غنیمت سمجھیں گے کہ چلو ذرا ایک دن ہی کچھ سکون کا سانس لینا نصیب ہو جائے، یہ فرشتے کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول دلائل و معجزات لے کر نہیں آئے تھے جس سے تم بخوبی حق و ہدایت سمجھ سکتے تھے کہیں گے بے شک وہ سب کچھ لے کر آئے تھے لیکن یہ ہماری بد نصیبی کہ ہم نے ان کی بات نہ مانی (جیسے کہ ارشاد ہے: "بلی قد جاءنا نذیر فکذبنا") اس پر فرشتے بولیں گے پھر اب ہم کچھ نہیں کر سکتے اور نہ تمہارے واسطے کوئی دعا و اتجاہ ہو سکتی ہے اور کافروں کی دعا بس بے اثر ہی ہو کر رہے گی اس لیے کہ اس دعا (اس دعا کی قید اس وجہ سے ظاہر کی گئی کہ یہ دعا نجات یا تخفیف عذاب کی ہوگی اور قرآن کریم نے اللہ رب العزت کا فیصلہ واضح رد کیا کہ لا یخفف عنہم العذاب ولا ہم ینصرون۔ رہا دنیا کا معاملہ تو ہو سکتا ہے کہ کافر کی بعض دعائیں اللہ تعالیٰ اپنی شان ربوبیت کے لحاظ سے پوری فرمادے جیسے کہ رب العالمین ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ سب انسانوں اور جانوروں کی حاجتیں پوری فرماتا ہے تو اسی درجہ میں دنیا میں کافر کی دعا جو اس کی حوائج بشریہ سے متعلق ہو پوری ہو سکتی ہے لیکن یہاں کی دعا محض آخرت کے عذاب کی تخفیف یا نجات کی تھی تو ظاہر ہے کہ وہ کیونکر پوری ہو سکتی تھی تو بے اثر و رضیاع کا تعلق امر آخرت میں ہوا، تو اس وجہ سے لفظ اس کا اضافہ کیا گیا، ۱۲) اس دعا کا اثر اور اس کی قبولیت تو ایمان اور اطاعت پر موقوف ہے۔

عالم برزخ اور وہاں کا عذاب:

عالم برزخ اور وہاں کا ثواب و عذاب اور راحت و تکلیف امر قطعی ہے اور جس طرح آخرت پر اور آخرت کے ثواب و عقاب پر ایمان ضروری ہے، اسی طرح برزخ کے ثواب و عقاب پر بھی ایمان و یقین ضروری ہے اور ایمان بالآخرت جو دین کی اصل بنیاد ہے وہ احوال برزخ پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں "برزخ" دنیا اور آخرت کے درمیانی عالم کا نام ہے جس جگہ بھی اور جس حال میں بھی مردہ مرنے کے بعد سے لے کر یوم البعث تک رہے گا وہی برزخ ہے خواہ مردہ قبر میں دفن دیا جائے یا سمندر میں ڈبو دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے یا کوئی جانور یا درندہ اس کو کھالے، غرض اس جملہ احوال کا عنوان برزخ ہے اور اسی کو اصطلاحی طور پر قبر کہا جاتا ہے، اگرچہ قبر لفظی طور سے زمین کے گڑھے کو کہتے ہیں مگر شریعت کی نظر میں یہ جملہ احوال عالم قبر ہی شمار کیے جاتے ہیں، اس عالم برزخ کا ثبوت کتاب اللہ کی نص صریح ہے: "ومن وراءہم بوزخ الی یوم یبعثون"۔ میں موجود ہے، اسی لیے حضرات متکلمین عقائد کے سلسلے میں عذاب قبر کا ایک مستقل باب رکھتے ہیں۔ اس عالم کی وسعت کا ہم کوئی اندازہ نہیں کر سکتے، بعض عارفین کا قول ہے کہ عالم دنیا اس جہاں برزخ کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک ماں کا پیٹ تمام عالم کے سامنے جس طرح حالت نوم موت و حیات کے درمیان ایک حالت ہے، ایسے ہی اس عالم برزخ کو دنیا اور آخرت کے مابین عالم سمجھ لیا جائے، انسان کے مرجانے کے بعد دنیوی حیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور روح عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے، مگر اپنے بدن کے ساتھ پھر بھی ایک گونہ تعلق باقی رہتا ہے، اور محل ذلن سے بھی علاقہ رہتا ہے، قبر میں میت کو جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ دنیا کی

حیات معبودہ کی طرح نہیں بلکہ وہ دوسری نوع کی ہوتی ہے جس کا ان حواس سے ادراک نہیں ہوتا کیونکہ یہ بدنی حواس تو بدن کی موت سے ختم ہو چکے ہیں ان ادراکات کو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے حالت نوم میں انسان جو کچھ دیکھتا سنتا ہے وہ ان آنکھوں اور ان کانوں سے نہیں دیکھتا سنتا وہ تو حالت نوم میں معطل ہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسرے باطنی مدراکات ہیں جن کے ذریعہ یہ ادراک حاصل ہوتا ہے، بہر کیف مرنے کے بعد انسان جب اس جہان میں پہنچ جاتا ہے تو اس کو اپنے ایمان و کفر اور طاعت و معصیت کی صورتیں عالم مثال میں نظر آتی ہیں۔

شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فتوحات میں فرماتے ہیں دنیا میں جو چیزیں معانی اور اوصاف ہیں عالم آخرت یا عالم برزخ میں وہ حقائق موجودہ کی شکل میں موجود نظر آئیں گی، اور ہر شخص ان کا مشاہدہ کرتا ہوگا، حدیث میں آتا ہے کہ مؤمن شخص قبر میں جب نکیرین کے سوال و جواب سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے سامنے ایک نہایت بہترین صورت ظاہر ہوتی ہے تو مؤمن دریافت کرتا ہے، "من انت" اے تو کون ہے تیرے چہرے سے خیر نظر آ رہی ہے تو جواب یہ ہوگا۔ "انا عسک الصالح" کہ میں تیرا نیک عمل ہوں اس کے برعکس کافر اور فاسق و فاجر کے سامنے ڈراؤنی ہیبت ناک شکل آئے گی، اور یہ شخص جب پوچھے گا کہ تو کون ہے تیرے چہرے سے تو شرمک رہا ہے اس پر یہ شکل جواب دے گی۔ انا عسک الخبیث۔ میں تیرا خبیث عمل ہوں، الغرض یہ عالم برزخ عالم آخرت کا دیباچہ ہے، جیسا انجام نجات یا ہلاکت کا ہونا ہے اسی کے مطابق قبر ہی میں معاملہ شروع ہو جائے گا۔

حضرات عارفین کا قول ہے کہ قبر میں فقط روح سے سوال نہیں ہوتا بلکہ روح اور جسم دونوں سے ہوتا ہے اولاً روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کو ایک قسم کی حیات دینے کے بعد سوال کیا جاتا ہے مشکلمین کی رائے ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد روح کا تعلق من و جہ اپنے جسد سے باقی رہتا ہے، عالم برزخ میں روح کو جسم سے مفارقت کلی حاصل نہیں ہوتی، البتہ قیامت کے روز یہ تعلق جسم کے ساتھ کامل ہو جائے گا، اور اس وجہ سے روح اور جسم دونوں کے آثار کلی طور پر ظہور نمایاں ہو گئے انسان جسم اور روح سے مرکب ہے جیسا کہ ظہر ہے دنیا میں تو جسم کے احکام ظاہر اور غالب ہوتے ہیں اور روح کے مغلوب و مستور، عالم برزخ میں روح کے احکام غالب و ظاہر ہوں گے اور جسم کے مغلوب و مستور رہتے ہیں بلکہ جسم کی ظاہری ہیبت ہی ختم ہو جاتی ہے، اس کے برعکس دنیا میں میں روح کے احکام مستور ہوتے ہیں جس طرح کہ خود روح جسم میں مستور ہوتی ہے اور حشر کے دن جسم اور روح دونوں کے احکام اور آثار برابر یکساں کر دیئے جائیں گے ان میں سے کوئی مغلوب و مستور نہ ہوگا بلکہ دونوں نمایاں اور برابر ہوں گے،

شیخ عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ "نہایۃ الاقوام" میں فرماتے ہیں کہ نکیرین کے سوال و جواب کے لیے روح کا تمام اجزاء بدن سے تعلق ضروری نہیں ہے بعض اجزاء بدن سے تعلق کافی ہے، کیونکہ زندگی میں بھی ادراک و شعور اور فہم مطلق جسم کے بعض اجزاء ہی سے تعلق رکھتے ہیں، اسی طرح مرنے کے بعد قبر میں اللہ تعالیٰ ان اجزاء مخصوصہ کے ساتھ روح کا تعلق قائم فرما کر زندہ کر دیں گے اور نکیرین کا سوال و جواب دراصل انہی اجزاء مخصوصہ سے ہوگا اور پھر قیامت کے روز یہی اجزاء اصلیہ حشر و نشر کے وقت اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

(نہایت الاقوام للامام الشہرتانی رحمۃ اللہ علیہ۔ بحوالہ عقائد کمال اسلام حضرت مولانا محمد ادریس رحمۃ اللہ علیہ)

بہر کیف یہ آیات اَلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا **بِرِزْقٍ** میں عذاب قبر ثابت کر رہی ہے اور یہ کہ یہ عذاب قبل از قیامت ہوگا جیسے کہ **وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ** کی تصریح اس پر دلالت کر رہی ہے اور صیب بن جراح رحمۃ اللہ علیہ کے قصہ میں جن کو کفار نے شہید کر دیا تھا تو ان کے متعلق ہے "قیل ادخل الجنة قال يليت قومي يعلمون بما غفرت لي ربي" کہ شہادت کے بعد ہی حکم ہو گیا کہ جنت میں داخل ہو جائے تاکہ وہ بھی ایمان لانے تو ظاہر ہے کہ یہ ثواب مرنے کے بعد قبل از قیامت ہوا، اس طرح سے ثابت ہوا کہ قبل از قیامت عذاب کی طرح ثواب قبر بھی ہے جو مؤمنین و مطہین کے لیے ہوگا، اسی طرح آیت **وَاقِعَهُ فُورُخٌ وَرِيحَانٌ** وَ **جَنَّتْ نَعِيمٌ** اور یہ سلسلہ انعام مرنے کے بعد فوراً ہی ہے اور کفار کے حق میں مرنے کے بعد متصل احوال یہ ہیں: **فَنُزِّلُ مِنْ سَمَانٍ مَّوَسِمٍ** وَ **تَصْلِيَةُ جَحِيمٍ** مہمانی کھوتے پانی کی اور جنم کی آگ میں گھسا آنحضرت ﷺ کا عذاب قبر سے پناہ مانگنا احادیث متواترہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔

عذاب قبر کی وحی قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی یا مدینہ منورہ میں:

فرعونوں کے حق میں یہ آیات اَلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا **عُدُوًا** وَ **عَشِيًّا** سورہ مؤمن کی آیات ہیں جو با تفاق ائمہ مفسرین مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورت ہے تو ان آیات میں عذاب قبر کا ذکر یہ بتلاتا ہے کہ قبل از ہجرت مکہ ہی میں عذاب قبر کے بارے میں وحی نازل ہو چکی تھی۔ لیکن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج کردہ وہ حدیث جس کا یہ مضمون ہے کہ ایک یہودی عورت ام المؤمنین حضرت عائشہ کی خدمت میں آیا کرتی اور حضرت عائشہ اس کی مدد فرمایا کرتی تھیں تو جب بھی اسکے ساتھ کوئی احسان وغیرہ کرتی تو وہ یہودیہ یہ دعادیتی کہ: "وفاک الله عذاب القبر" اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سے بچائے، حضرت عائشہ نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، یہ یہودیہ جھوٹ بولتی ہے، اور یہ لوگ تو اللہ پر بہت ہی جھوٹے ہیں قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں۔ پھر آپ ﷺ کچھ دن گزرنے کے بعد ایک روز نصف النہار کے وقت اپنی چادر اوڑھے باہر نکلے، اور گھبراہٹ کی وجہ سے آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ تھیں اور آپ ﷺ باواز بلند فرما رہے تھے: القبر کقطع اللیل المظلم کہ قبر تورات کے تاریک ٹکڑوں کی طرح ہے، اے لوگو! اگر تم کو وہ باتیں معلوم ہو جائیں جو میں جانتا ہوں تو تم لوگ کثرت سے رویا کرو اور بہت کم ہنسا کرو، اے لوگو! پناہ مانگو اللہ کی عذاب قبر سے، کیونکہ عذاب قبر حق ہے، اس حدیث کو اگرچہ بخاری و مسلم نے روایت نہیں کیا مگر یہ ان کی شرط پر ہے، اسی طرح ایک اور حدیث کا مضمون بھی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں حدیثوں کو ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ آیت دروایت میں تطبیق کے لیے یا تو یہ جواب دیا جائے کہ آیت قرآنیہ سے رواج کفار کا عالم برزخ میں صبح و شام جنم کی آگ پر پیش کیا جانا مراد ہے یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کی اذیت و کلفت کا ان کے اجسام کے ساتھ قبور میں بھی اتصال و تعلق ہوگا تو قرآن کریم سے تو صرف اتنا ہی علم ہوا تھا کہ ارواح جنم پر پیش کی جائیں گی، رہا اس اذیت و عذاب کا جسم تک پہنچنا یہ صرف احادیث کے ذریعہ معلوم ہوا۔ تو گو یا عذاب ارواح کی وحی سے معلوم ہوا اور عذاب اجساد کا علم مدینہ منورہ میں ہوا، یا تطبیق کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آیت سے برزخ میں کافروں کے عذاب کا علم ہوا۔ یہ مضمون اس کی دلیل نہ تھا کہ مؤمن پر بھی قبر میں عذاب ہو سکتا ہے، پھر مدینہ منورہ میں اس

یہودیہ کے قصہ کے بعد آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ بتایا گیا کہ مؤمن کی بھی قبر میں آزمائش ہوگی اور اس کے واسطے بھی اس کی معصیتوں پر عذاب قبر ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "انکم تفتنون فی القبور قریباً من فتنۃ الدجال۔"

چنانچہ امام بخاری و مسلم نے عبداللہ بن عمرؓ کی سند سے یہ حدیث تخریج فرمائی ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ ان احدکم اذا مات عرض علیہ مقعده بالعداء والعشى ان كان من اهل الجنة فمن اهل الجنة۔ وان كان من اهل النار فمن اهل النار، فيقال هذا مقعدك حتى يبعثك الله عزوجل الي يوم القيمة۔ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم)

کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانہ صبح و شام پیش (اور ظاہر) کیا جاتا ہے اگر ال جنت سے ہوتا ہے تو جنت والوں کا ٹھکانہ اور اگر اہل جہنم میں سے ہوتا ہے تو جہنم والوں کا ٹھکانہ، اور ان میں سے ہر ایک کو یہی کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانہ یہاں تک کہ تجھ کو اللہ عزوجل قیامت کے روز اٹھالے۔

تطبیق کی یہی صورت بہتر معلوم ہوتی ہے کہ عذاب برزخ جو کئی آیات میں ہے وہ کافروں کے حق میں معلوم ہوتا ہے، اور یہ تصریح نہ تھی کہ مؤمن کے لیے بھی قبر میں عذاب و آزمائش ہے تا آنکہ بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں وحی کے ذریعہ اس کی بھی تصریح کر دی گئی، واللہ اعلم بالصواب۔"

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۝ جَمْعُ شَاهِدٍ وَهُمْ
 الْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ لِلرُّسُلِ بِالْبَلَاءِ وَ عَلَى الْكُفَّارِ بِالْكَذِّبِ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ بَالِئِهِ وَ الْإِنِّي الظَّالِمِينَ
 مَعذِرَتُهُمْ وَ عَذْرُهُمْ لَوْ اعْتَدَرُوا لَهُمُ اللَّعْنَةُ أَيُّ الْبُعْدِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ لَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝ الْأَجْرَةَ أَيُّ
 شِدَّةَ عَذَابِهَا وَ لَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَى وَ التُّورَةَ وَ الْمُعْجِزَاتِ وَ أَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى
 الْكِتَابَ ۝ هُدًى هَادِيًا وَ ذِكْرًا لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ تَذَكُّرَةً لِأَصْحَابِ الْعُقُولِ فَاصْبِرْ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ
 وَعَدَ اللَّهُ بِنَصْرِ أَوْلِيَائِهِ حَقٌّ وَ أَنْتَ وَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لِدُنْيِكَ لِيَسْتَنَّ بِكَ وَ سَبِّحْ صَلِّ مُتَابِعًا
 بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ هُوَ مِنْ بَعْدِ الزَّوَالِ وَ الْإِبْكَارِ ۝ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ
 اللَّهِ الْقُرْآنِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ بُرْهَانٍ أَنَّهُمْ إِنْ مَا فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ تَكْبُرٌ وَ طَمَعٌ أَنْ يَغْلُوا عَلَيْكَ مَا
 هُمْ بِبَالِغِيهِ ۝ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهِمْ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ بِأَحْوَالِهِمْ وَ نَزَلَ فِي
 مُشْكِرِي الْبُعْبُ لِحَاقِ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ إِبْتَدَاءً أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ مَرَّةً ثَانِيَةً وَ هِيَ الْإِعَادَةُ وَ لَكِنْ

كَثُرَ النَّاسُ أَيْ الْكُفَّارِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۱﴾ ذَلِكَ فَهُمْ كَالْأَعْمَى وَمَنْ يَعْلَمُهُ كَالْبَصِيرِ وَمَا يَسْتَوِي
 الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ هُوَ الْمُحْسِنُ وَلَا الْمُسِيءُ فِيهِ زِيَادَةٌ لَا قَلِيلًا مَّا
 تَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۲﴾ يَتَعَطَّوْنَ بِالْبَيَاءِ وَالتَّاءِ أَيْ تَذَكَّرُ هُمْ قَلِيلٌ جِدًّا إِنَّ السَّاعَةَ لَأْتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَ
 لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۵۳﴾ بِهَا وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ أَيْ اُعْبُدُونِي اُنْبِكُمْ
 بِقَرِينَةٍ مَا بَعْدَهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ أَصْحَابُ
 الدَّخْرَيْنِ ﴿۵۴﴾ صَاغِرَيْنِ

ترجمہ: اور ہم پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیاوی زندگی میں مدد کرتے ہیں اور اس روز بھی جب گواہی دینی والے
 کھڑے ہوں گے اشہاد، شاہد کی جمع ہے اس سے فرشتے مراد ہیں جو پیغمبروں کے حق پہنچانے کی اور کافروں کے جھٹلانے
 کی گواہی دیں گے جس دن خالموں کو ان کی معذرت اگر وہ معذرت پیش کریں گے کچھ نفع نہیں دے گی (منفع) تاء اور یاء
 دونوں طرح آیا ہے اور ان کے لئے لعنت رحمت سے دور ہوگی اور ان کے لئے خرابی ہوگی اس سے عالم آخرت مراد ہے یعنی
 عذاب میں شدت ہوگی اور ہم موسیٰ کو ہدایت نامہ تورات اور معجزات دے چکے ہیں اور ہم نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کو کتاب
 تورات پہنچا دی تھی جو ہدایت کرنے والی اور نصیحت تھی عقلمندوں کے لئے دانشوروں کے لئے سبق آموز سوائے محمد! آپ صبر
 کیجئے بلاشبہ اللہ وعدہ سچا ہے اور اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگئے تاکہ آپ کی امت آپ کی اس سنت کو اپنائے اور اپنے پروردگار کی
 صبح و شام حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہے۔ عشی زوال کے بعد کا وقت پانچوں وقت کی نمازیں مراد ہیں اور جو لوگ باوجود اپنے پا
 س کسی سند نہ ہونے کے اللہ کی آیات قرآن میں جھگڑے نکاتے ہیں ان کے دلوں میں بجز تکبر اور اس بات کی خواہش کے کہ
 آپ پر مسلط ہو جائیں کچھ نہیں وہ اپنے اس مقصد کو کبھی حاصل نہیں کر سکتے سو آپ ان کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے رہئے
 بلاشبہ (ان کی باتوں کو) سننے والا اور ان کے احوال کا جاننے والا ہے اور منکرین بعث کے بارے میں (یہ آیتیں) ناز
 ہوئیں۔ آسمان وزمین کو پیدا کرنا انسان کو دوبارہ پیدا کرنے سے یقیناً بہت بڑا کام ہے دوبارہ پیدا کرنے کی بہ نسبت جس کو اعادہ
 کہنا چاہئے لیکن اکثر یعنی کفار اس بات سے ناواقف ہیں ان کی مثال نابینا جیسی ہے اور جاننے والوں کی مثال بینا جیسی ہے اور
 برابر نہیں نابینا اور بینا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور درآنحالیکہ وہ مخلص بھی ہے اور بدکار لا زائد ہے (لفظ لا
 الْمُسِيءُ میں) تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو۔ يتذكرون، يتعظون کے معنی میں ہے یاء اور تاء کے ساتھ یعنی یہ لوگ بہت کم
 نصیحت قبول کرتے ہیں قیامت تو ضرور آ کر رہے ہیں گی اس میں کوئی شبہ شک ہی نہیں ہے مگر اکثر لوگ نہیں مانتے اس کو اور
 تمہارے پروردگار نے فرما دیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کر لوں گا یعنی میری عبادت کرو میں تمہیں ثواب دوں گا
 جیسا کہ بعد میں قرینہ سے معلوم ہو رہا ہے جو لوگ میری عبادت سے روگردانی کرتے ہیں وہ عنقریب داخل ہوں گے یاء کے فقرہ

اور خاء کے ضمہ کے ساتھ ہے اور اس کے برعکس بھی دوزخ میں ذلیل و خوار ہو کر۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: رَسَلْنَا: دلائل اور ظاہری کامیابی کے ساتھ۔

قولہ: لِيُسْتَنْبِكَ: تاکہ وہ آپ کی پیروی کریں۔

قولہ: هِبَالِغِيهِ: یعنی وہ اپنی مراد پانے والے نہیں۔

قولہ: وَلَا النَّسِيءُ: سے پہلے لائے تاکہ مساوات کی نفی ثابت ہو۔ کہ محسن و مُسِيءٌ برابر نہیں۔

قولہ: بِالْإِنْبَاءِ يَتَذَكَّرُونَ: اس میں ضمیر لوگوں کی طرف یا کفار کی طرف۔

قولہ: وَالنَّاءِ: مخاطب کو غیب دیا۔

قولہ: تَذَكَّرْهُمْ: یعنی فلیلاً یہ مصدر محذوف کی صفت ہے جو یتذکرون کا مصدر ہے اور ماقلت کے معنی کی تاکید کے لیے ہے۔

تفسیر مقبولین

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا

رسولوں اور اہل ایمان کو دنیا و آخرت میں مدد کی بشارت:

آیت میں رسولوں کی مدد کرنے کا اللہ کا وعدہ ہے، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض رسولوں کو ان کی قوموں نے قتل کر دیا، جیسے حضرت یحییٰ، حضرت زکریا، حضرت شعیب صلوات اللہ علیہم و سلمہ، اور بعض انبیاء کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا، جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف ہجرت کرائی۔ پھر کیا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ وعدہ پورا کیوں نہیں ہوا؟ اس کے دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ یہاں گو عام خبر ہے لیکن مراد بعض سے ہے، اور یہ لغت میں عموماً پایا جاتا ہے کہ مطلق ذکر ہو اور مراد خاص افراد ہوں۔ دوسرے یہ کہ مدد کرنے سے مراد بدلہ لینا ہو۔ پس کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جسے ایذا پہنچانے والوں سے قدرت نے زبردست انتقام نہ لیا ہو۔ چنانچہ حضرت یحییٰ، حضرت زکریا، حضرت شعیب کے قاتلوں پر اللہ نے ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا اور انہوں نے انہیں زیر و زبر کر ڈالا، ان کے خون کی ندیاں بہا دیں اور انہیں نہایت ذلت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا۔ نمرود مردود کا مشہور واقعہ دنیا جانتی ہے کہ قدرت نے اسے کیسی پکڑ میں پکڑا؟ حضرت عیسیٰ کو جن یہودیوں نے سولی دینے کی کوشش کی تھی۔ ان پر جناب باری عزیز و حکیم نے رومیوں کو غالب کر دیا۔ اور ان کے ہاتھوں ان کی سخت ذلت و اہانت ہوئی۔ اور ابھی قیمت کے قریب جب آپ اتریں گے تب دجال کے ساتھ ان یہودیوں کو جو اس کے

فکری ہوں گے قتل کریں گے۔ اور امام عادل اور حاکم با انصاف بن کر تشریف لائیں گے صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ باطل کر دیں گے بجز اسلام کے اور کچھ قبول نہ فرمائیں گے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان مدد اور یہی دستور قدرت ہے جو پہلے سے ہے اور اب تک جاری ہے کہ وہ اپنے مؤمن بندوں کی دنیوی امداد بھی فرماتا ہے اور ان کے دشمنوں سے خود انتقام لے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا ہے جو شخص میرے نبیوں سے دشمنی کرے اس نے مجھے لڑائی کیلئے طلب کیا۔ دوسری حدیث میں ہے میں اپنے دوستوں کی طرف سے بدلہ ضرور لے لیا کرتا ہوں جیسے کہ شیر بدلہ لیتا ہے اسی بناء پر اس مالک الملک نے قوم نوح سے، عاد سے، ثمودیوں سے، اصحاب الرس سے، قوم لوط سے، اہل مدین سے اور ان جیسے ان تمام لوگوں سے جنہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور حق کا خلاف کیا تھا بدلہ لیا۔ ایک ایک کو جن جن کر تباہ بر باد کیا اور جتنے مؤمن ان میں تھے ان سب کو بچا لیا۔ امام سدی فرماتے ہیں جس قوم میں اللہ کے رسول ﷺ آئے یا ایمان دار بندے انہیں پیغام الہی پہنچانے کیلئے کھڑے ہوئے اور اس قوم نے ان نبیوں کی یا ان مؤمنوں کی بے حرمتی کی اور انہیں مارا پینا قتل کیا ضرور بالضرور اسی زہ نے میں عذاب الہی ان پر برس پڑے۔ نبیوں کے قتل کے بدلے لینے والے اٹھ کھڑے ہوئے اور پانی کی طرح ان کے خون سے پیاسی زمین کو سیراب کیا۔ پس گوانبیاء اور مؤمنین یہاں قتل کئے گئے لیکن ان کا خون رنگ لایا اور ان کے دشمنوں کا بھس کی طرح بھر کس نکال دیا۔ ناممکن ہے کہ ایسے بندگان خاص کی امداد و اعانت نہ ہو اور ان کے دشمنوں سے پورا انتقام نہ لیا گیا ہو۔ اشرف الانبیاء حبیب اللہ ﷺ کے حالات زندگی دنیا اور دنیا والوں کے سامنے ہیں کہ اللہ نے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو غلبہ دیا اور دشمنوں کی تمام تر کوششوں کو بے نتیجہ رکھا۔ ان تمام پر آپ کو کھلا غلبہ عطا فرمایا۔ آپ کے کلمے کو بلند بالا کیا آپ کا دین دنیا کے تمام ادیان پر چھا گیا۔ قوم کی زبردست مخالفتوں کے وقت اپنے نبی کو مدینے پہنچا دیا اور مدینے و اہل کو سچا جاں نثار بنا کر پھر مشرکین کا سارا زور بدر کی لڑائی میں ڈھال دیا۔ ان کے کفر کے تمام وزنی ستون اس لڑائی میں اکھینڈ دیئے۔ سرداران مشرکین یا تو کھڑے کھڑے کر دیئے گئے یا مسلمانوں کے ہاتھوں میں قیدی بن کر نامرادی کے ساتھ گردن جھکائے نظر آنے لگے قید و بند میں جکڑے ہوئے ذلت و اہانت کے ساتھ مدینے کی گلیوں میں کسی کے ہاتھوں پر اور کسی کے پاؤں پر دوسرے کی گرفت تھی۔ اللہ کی حکمت نے ان پر پھر احسان کیا اور ایک مرتبہ پھر موقعہ دیا فدیہ لے کر آزد کر دیئے گئے لیکن پھر بھی جب مخالفت رسول ﷺ سے باز نہ آئے۔ دراپنے کرتوتوں پر اڑے رہے۔ تو وہ وقت بھی آیا کہ جہاں سے نبی ﷺ کوچھپ چھپا کر رات کے اندھیرے میں پاپیادہ ہجرت کرنی پڑی تھی وہاں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے اور گردن پر ہاتھ باندھے دشمنان رسول سامنے لائے گئے۔ اور بلا حرم کی عظمت و عزت رسول محترم کی وجہ سے پوری ہوئی۔ اور تمام شرک و کفر اور ہر طرح کی سبائہوں سے اللہ کا گھر پاک صاف کر دیا گیا۔ بالآخر یمن بھی فتح ہوا اور پورا جزیرہ عرب قبضہ رسول ﷺ میں آ گیا۔ اور جنوں کے جرق لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ پھر رب العالمین نے اپنے رسول رحمۃ للعالمین کو اپنی طرف بلا لیا اور وہاں کرامت و عظمت سے اپنی مہمانداری میں رکھ کر نوازا۔ ﷺ

پھر آپ کے بعد آپ کے صحابہ کو آپ کا جانشین بنایا۔ جو محمدی جھنڈا لیے کھڑے ہو گئے اور اللہ کی توحید کی طرف اللہ کی

مخلوق کو بلانے لگے۔ جو روزِ اراہ میں آیا سے الگ کیا۔ جو خارِ جن میں نظر پڑا اسے کاٹ ڈالا گاؤں گاؤں شہر شہر ملک ملک دعوتِ اسلام پہنچادی جو مانع ہوا اسے منع کا مزہ چکھایا اسی ضمن میں مشرق و مغرب میں سلطنتِ اسلامی پھیل گئی۔ زمین پر اور زمین والوں کے جسموں پر ہی صحابہ کرام نے فتح حاصل نہیں کی بلکہ ان کے دلوں پر بھی فتح پائی اسلامی نقوش دلوں میں جمادیے اور سب کو کلمہ توحید کے نیچے جمع کر دیا۔ دین محمد نے زمین کا چپہ اور کونا کونا اپنے قبضے میں کر لیا۔ دعوتِ محمدیہ بہرے کانوں تک بھی پہنچ چکی۔ صراطِ محمدی اندھوں نے بھی دیکھ لیا۔ اللہ اس پاکباز جماعت کو ان کی اولوالعزمیوں کا بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔ آمین! الحمد للہ کا اور اس کے رسول کا کلام موجود ہے۔ اور آج تک ان کے سردوں پر رب کا ہاتھ ہے۔ اور قیامت تک یہ وطن مظفر و منصور ہی رہے گا اور جو اس کے مقابلے پر آئے گا منہ کی کھائے گا اور پھر کبھی منہ نہ دکھائے گا یہی مطلب ہے اس مبارک آیت کا۔ قیامت کے دن بھی دینداروں کی مدد و نصرت ہوگی اور بہت بڑی اور بہت اعلیٰ بیبے نے تک۔ گواہوں سے مراد فرشتے ہیں، دوسری آیت میں یوم بدل ہے پہلی آیت کے اسی لفظ سے۔ بعض قرأتوں میں یوم ہے تو یہ گویا پہلے یوم کی تفسیر ہے۔ ظالموں سے مراد مشرک ہیں ان کا عذر و فدیہ قیامت کے دن مقبول نہ ہوگا وہ رحمت رب سے اس دن دور و دکھیل دیئے جائیں گے۔ ان کیلئے برا گھر یعنی جہنم ہوگا۔ ان کی عاقبت خراب ہوگی، حضرت موسیٰ کو ہم نے ہدایت و نور بخشا۔ بنی اسرائیل کا انجام بہتر کیا۔ فرعون کے مال و زمین کا انہیں وارث بنایا کیونکہ یہ اللہ کی اطاعت اور اتباع رسول میں ثابت قدمی کے ساتھ سختیاں برداشت کرتے رہے تھے۔ جس کتاب کے یہ وارث ہوئے وہ عقلمندوں کیلئے سرتاپا باعث ہدایت و عبرت تھی، اے نبی ﷺ آپ صبر کیجئے اللہ کا وعدہ سچا ہے آپ کا ہی بول بالا ہوگا انجام کے لحاظ سے آپ والے ہی غالب رہیں گے۔ رب اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا بلا شک و شبہ دین اللہ کا اونچا ہو کر ہی رہے گا۔ تو اپنے رب سے استغفار کرتا رہو۔ آپ کو حکم دے کر دراصل آپ کی امت کو استغفار پر آمادہ کرنا ہے۔ دن کے آخری اور رات کے انتہائی وقت خصوصیت کے ساتھ رب کی پاکیزگی اور تعریف بیان کیا کر، جو لوگ باطل پر جم کر حق کو ہٹا دیتے ہیں دلائل کو غلط بحث سے نال دیتے ہیں ان کے دلوں میں بجز تکبر کے اور کچھ نہیں ان میں اتباع حق سے سرکشی ہے۔ یہ رب کی باتوں کی عزت جانتے ہی نہیں۔ لیکن جو تکبر اور جو خودی اور جو اپنی اونچائی وہ چاہتے ہیں وہ انہیں ہرگز حاصل نہیں ہونے کی۔ ان کے مقصود باطل ہیں۔ ان کے مطلوب لا حاصل ہیں۔ اللہ کی پناہ طلب کر کہ ان جیسا حال کسی بھلے آدمی کا نہ ہو۔ اور ان نخت پسند لوگوں کی شرارت سے بھی اللہ کی پناہ چاہا کر۔ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ کہتے تھے دجال انہی میں سے ہوگا اور اس کے زمانے میں یہ زمانے کے بادشاہ ہو جائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ فتنہ دجال سے اللہ کی پناہ طلب کیا کرو۔ وہ سچ و بصیر ہے۔ لیکن آیت کو یہودیوں کے بارے میں نازل شدہ بتانا اور دجال کی بادشاہی اور اس کے فتنے سے پناہ کا حکم۔ سب چیزیں تکلف سے پر ہیں۔ مانا کہ یہ تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے مگر یہ قول ندرت سے خالی نہیں۔ ٹھیک یہی ہے کہ عام ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

لَخَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ

انسان کی دوبارہ پیدائش کے دلائل:

اللہ تعالیٰ قادر مطلق فرماتا ہے کہ مخلوق کو وہ قیامت کے دن نئے سرے سے ضرور زندہ کرے گا جبکہ اس نے آسمان و زمین جیسی زبردست مخلوق کو پیدا کر دیا تو انسان کا پیدا کرنا یا اسے بگاڑ کر بنانا اس پر کیا مشکل ہے؟ اور آیت میں ارشاد ہے کہ کیا ایسی بات اور اتنی واضح حقیقت بھی جھٹلائے جانے کے قابل ہے کہ جس اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کر دیا اور اس اتنی بڑی چیز کی پیدائش سے نہ وہ تھکا نہ عاجز ہوا اس پر مردوں کا جلانا کیا مشکل ہے؟ ایسی صاف دلیل بھی جس کے سامنے جھٹلانے کی چیز ہو اس کی معلومات یقیناً نوحہ کرنے کے قابل ہیں۔ اس کی جہالت میں کیا شک ہے؟ جو ایسی سوئی بات بھی نہ سمجھ سکے؟ تعجب ہے کہ بڑی بڑی چیز تو تسلیم کی جائے اور اس سے بہت چھوٹی چیز کو محال محض مانا جائے، اندھے اور دیکھنے والے کا فرق ظاہر ہے ٹھیک اسی طرح مسلم و مجرم کا فرق ہے۔ اکثر لوگ کس قدر کم نصیحت قبول کرتے ہیں، یقین مانو کہ قیامت کا آنا حتمی ہے پھر بھی اس کی تکذیب کرنے اور اسے بادر نہ کرنے سے بیشتر لوگ باز نہیں آتے۔ ایک یمنی شیخ اپنی سنی ہوئی روایت بیان کرتے ہیں قریب قیامت کے وقت لوگوں پر بلائیں برس پڑیں گی اور سورج کی حرارت سخت تیز ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۖ

دعا کی حقیقت اور اس کے فضائل و درجات اور شرط قبولیت:

دعا کے لفظی معنی پکارنے کے ہیں اور اکثر استعمال کسی حاجت و ضرورت کے لیے پکارنے میں ہوتا ہے۔ کبھی مطلق ذکر اللہ کو بھی دعا کہا جاتا ہے۔ یہ آیت امت محمدیہ کا خاص اعزاز ہے کہ ان کو دعائے مانگنے کا حکم دیا گیا۔ اور اس کی قبولیت کا وعدہ کیا گیا۔ اور جو دعائے مانگے اس کے لیے عذاب کی وعید آئی ہے۔

حضرت قتادہ نے کعب احبار سے نقل کیا ہے کہ پہلے زمانے میں یہ خصوصیت انبیاء کی تھی، کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا تھا کہ آپ دعا کریں میں قبول کروں گا۔ امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ حکم تمام امت کے لیے عام کر دیا گیا۔

(ابن کثیر)

حضرت نعمان بن بشیر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان الدعاء هو العبادة۔ یعنی دعا عبادت ہی ہے اور پھر آپ نے استدلال میں یہ آیت فرمائی: إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي۔

(رواہ الامام احمد و الترمذی و النسائی و ابوداؤد وغیرہ۔ ابن کثیر)

تفسیر مظہر میں ہے کہ جملہ ان الدعاء هو العبادة میں بقاعدہ عربیت (قصر المسند علی المسند الیہ) یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ دعا عبادت ہی کا نام ہے یعنی ہر دعا عبادت ہی ہے اور (قصر المسند الیہ علی المسند کے طور پر) یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ ہر عبادت ہی دعا ہے۔ یہاں دونوں احتمال ہیں۔ اور مراد یہاں یہ ہے کہ دعا اور عبادت اگرچہ لفظی مفہوم کے اعتبار سے دونوں جدا جدا ہیں مگر مصداق کے اعتبار سے دونوں متحد ہیں کہ ہر دعا عبادت ہے اور ہر عبادت دعا ہے۔ درجہ یہ ہے کہ عبادت نام ہے کسی کے سامنے انتہائی تذلل اختیار کرنے کا اور ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو کسی کا محتاج سمجھ کر اس کے سامنے سوال کے لیے ہاتھ پھیلاتا بڑا تذلل ہے جو مفہوم عبادت کا ہے۔ اسی طرح ہر عبادت کا حاصل بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور جنت اور دنیا اور آخرت کی عاقبت مانگنا ہے۔ اسی لیے ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص میری حمد و ثنا میں اتنا مشغول ہو کہ اپنی

حاجت مانگنے کی بھی اسے فرصت نہ ملے ہیں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ (یعنی اس کی حاجت پوری کر دوں گا) (رواہ
الجزیری فی انبیاء) اور ترمذی و مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: من شغله القرآن عن ذکری و مستلتی اعطیتہ
الفضل ما اعطى السائلین۔ یعنی جو شخص تلاوت قرآن میں اتنا مشغول ہو کہ مجھ سے اپنی حاجت مانگنے کی بھی اسے فرصت نہ
ملے تو میں اس کو اتنا دوں گا کہ مانگنے والوں کو بھی اتنا نہیں ملتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت بھی وہی فائدہ دیتی ہے جو دعا کا
فائدہ ہے۔

اور عرفات کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عرفات میں میری دعا اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی
دعا (یہ کلمہ ہے) لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد و هو علی کل شئی قذیر۔ (رواہ ابن ابی شیبہ۔
مظہری)

اس میں عبادت اور ذکر اللہ کو دعا فرمایا ہے، اور اس آیت میں عبادت بمعنی دعا کے ترک کرنے والوں کو جو جنہم کی وعید سنائی
گئی ہے وہ بصورت استکبار ہے۔ یعنی جو شخص بطور استکبار کے اپنے آپ کو دعا سے مستغنی سمجھ کر دعا چھوڑے یہ علامت دعا کفر کی
ہے۔ اس لیے وعید جنہم کا استحقاق ہوا۔ ورنہ فی نفسہ عام دعائیں فرض و واجب نہیں، ان کے ترک سے کوئی گناہ نہیں۔ البتہ
باجماع علماء مستحب اور افضل ہے۔ (مظہری) اور حسب تصریح احادیث موجب برکات ہے۔

فضائل دعا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز مکرم نہیں۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ حاکم عن ابی ہریرۃ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الدعاء من العبادۃ یعنی دعا عبادت کا مغز ہے۔ (ترمذی عن انس)۔

حَدِيث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سوال اور حاجت طلبی کو پسند کرتا
ہے اور سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ سختی کے وقت آدمی فراخی کا انتظار کرے۔ (ترمذی عن ابن مسعود)

حَدِيث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ سے اپنی حاجت کا سوال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہوتا ہے۔
(ترمذی۔ ابن حبان۔ حاکم)

ان سب روایات کو تفسیر مظہری میں نقل کر کے فرمایا کہ دعا نہ مانگنے والے پر غضب الہی کی وعید اس صورت میں ہے کہ نہ
مانگنا تکبر اور اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے کی بنا پر ہو جیسا کہ آیت مذکورہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔
حَدِيث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دعا سے عاجز نہ ہو کیونکہ دعا کے ساتھ کوئی ہلاک نہیں ہوتا۔

(ابن حبان۔ حاکم عن انس)

حَدِيث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دعا مؤمن کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون اور آسمان وزمین کا نور ہے۔

(حاکم فی المستدرک عن ابی ہریرۃ)

حَدِيث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے لیے دعا کے دروازے کھول دیئے گئے اس کے واسطے رحمت کے

الطَّيِّبَاتُ ذِكْرُ اللَّهِ رَبِّكُمْ فَتَبَرَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ هُوَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ اعْبُدُوهُ
 مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝ مِنَ الشِّرْكِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ
 تَدْعُونَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَنِي الْبَيِّنَاتُ دَلَالِ الْتَوْحِيدِ مِنْ رَبِّي وَأُصِرْتُ أَنْ أُسَلِّمَ لِرَبِّ
 الْعَالَمِينَ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ يَخْلُقُ أَيُّكُمْ أَيْدِمَ مِنْهُ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ مِنِّي ثُمَّ مِنْ عِلْقَةٍ ذِمٍّ
 غَلِيظَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا بِمَعْنَى أَطْفَالًا ثُمَّ يُعْقِبُكُمْ لِيَتَّبِعُوا أَشَدَّكُمْ تَكَامُلَ قُوَّتِكُمْ مِنْ ثَلَاثِينَ
 سَنَةً إِلَى الْأَرْبَعِينَ ثُمَّ لِيَتَّكُونَ شَيْوَحًا ۝ بِضَمِّ الشَّيْنِ وَكُسْرِهَا وَمِنْكُمْ ۝ مَنْ يُتَوَلَّى مِنْ قَبْلِ أَيْ قَبْلَ
 الْأَشَدِّ وَالشَّيْخُوخَةِ فَعَلَّ ذَلِكَ بِكُمْ لِيَعْبَسُوا وَ لِيَتَّبِعُوا أَجَلًا مَسْتَمًّى وَقَتًا مَحْدُودًا وَ لَعَلَّكُمْ
 تَعْقِلُونَ ۝ دَلَالِ الْتَوْحِيدِ فَتَوَمُّونَ هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۝ فَإِذَا قُضِيَ أَمْرٌ أَرَادَ أَنْ يَبْجَادَ شَيْئًا فَإِنَّمَا
 يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ بِضَمِّ التَّوْنِ وَفَتْحِهَا بِتَقْدِيرِ أَنْ أَيْ يُوْجَدُ عَقَبُ الْإِرَادَةِ الَّتِي هِيَ مَعْنَى الْقَوْلِ
 الْمَذْكُورِ

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اس نے دن کو روشن بنایا دکھلانے کی نسبت
 دن کی طرف مجازاً ہے کیونکہ دن دیکھنے کا وقت بلاشبہ حق تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا ہی فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے، اسی لیے
 وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے یہی اللہ ہے تمہارا پروردگار ہر چیز کا پیدا کرنے والا اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، سو تم لوگ کہاں
 الٹے جا رہے ہو، اللہ کے ہوتے ہوئے پھر کیسے ایمان سے روگردانی کر رہے ہو اسی طرح جیسے یہ لوگ بیڑھے چل رہے ہیں وہ لوگ
 بھی الٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں معجزات کا انکار کرتے تھے اللہ ہی ہے جس نے زمین کو چراگاہ بنایا اور آسمان کو چھت
 بنایا اور تمہارا نقشہ بنایا سو خوب نقشہ بنایا اور تمہیں بہترین چیزیں کھانے کو دیں یہ اللہ ہے تمہارا رب سو بڑا عایشان ہے اللہ جو
 سارے جہان کا پروردگار ہے وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سوا کوئی پکارا کر اسی کی عبادت کیا کرو خالص
 اعتقاد کے ساتھ شرک سے پاک تمام خوبیاں اسی اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اس
 سے ممانعت کر دی گئی ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کو تم پکارتے ہو یعنی عبادت کرتے ہو اللہ کے علاوہ جب کہ میرے
 پروردگار کی کھلی نشانیاں توحید کی دلیلیں میرے پاس آگئیں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں پروردگار کے سامنے گردن جھکا لوں وہی
 ہے جس نے تم کو یعنی تمہارے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ منی سے پھر خون کے لوہڑے مجھد خون سے پھر تم کو بچہ، بچے بنا
 کر نکالتا ہے پھر تمہیں باقی رکھتا ہے تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو تمہاری طاقت تیس سے چالیس سال کی عمر تک مکمل ہو جائے پھر
 تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ شیوخ شین کے ضمہ اور شین کر کسرہ کے ساتھ ہے اور کوئی کوئی تم میں سے پہلے ہی مرجاتا ہے یعنی جوانی

بڑھاپے سے پہلے تمہارے عیش کے لیے ایسا کیا ہے اور تاکہ تم وقت مقرر معین تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم سمجھ سکو دلائل توحید پر ایمان لے آؤ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب وہ کسی کام کو پورا کسی شے کو جو عطا کرنا چاہتا ہے تو بس اسکی نسبت فرماتا ہے کہ ہو جاؤ سو وہ ہو جاتا ہے فیکونون کے ضمہ اور نون کے فتح کے ساتھ ہے ان مقدر ہے یعنی کن سے مراد ارادہ خداوندی ہے اس کے ہوتے ہی وہ چیز موجود ہوتی ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: **تَجَازِي** : نون کی طرف الصار کی اضافت مجازی ہے۔ اسی وجہ سے علت سے مؤذ کر حال بنا دیا۔
- قوله: **فَتَبَرَّكَ اللَّهُ** : وہ منزہ و مقدس ہے۔
- قوله: **الْحَسْبُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** : وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے **الْحَسْبُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ**۔
- قوله: **أَنْ أَسْلِمَ** : یعنی میں اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر دوں۔
- قوله: **طِفْلًا بِمَعْنَى** : اطلاقاً : واحد سے مراد جنس ہے۔
- قوله: **لَمْ يَبْقِيَنَّكُمْ** : پھر وہ تم کو باقی رکھتا ہے۔ **لِيَتَبَنَّوْا** کی لام اس محذوف سے متعلق ہے۔
- قوله: **يُؤَخِّدُ** : امر و امتثال کی حقیقت اس سے مراد نہیں۔

تفسیر مقبولین

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْيَلَدَ ---

رات اور دن کے ادلنے بدلنے اور ان کی آمد و رفت کے اس حکمتوں بھرے نظام میں ایسے عظیم الشان در سہائے عبرت و بصیرت ہیں کہ صحیح طور پر غور و فکر سے کام لینے پر انسان دل و جان سے اپنے خالق و مالک کے حضور جھک جھک جاتا ہے، سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے اے لوگو! رات کو سیاہ اور پرسکون بنایا، تاکہ تم اس میں آرام اور سکون حاصل کر سکو۔ اور دن کو اس نے روشن بنایا تاکہ اس میں تم اپنے طرح طرح کے کاروبار کر سکو۔ اور اپنی روزی روٹی کا بند و بست کر سکو۔ اس وعدہ لا شریک کے سوا اور کسی کا اس میں کسی بھی طرح کا کوئی عمل دخل نہ ہے نہ ہو سکتا ہے، وہ اگر ہمیشہ تم لوگوں پر رات کی تاریکی ہی طاری کر دے تو کسی کے بس میں نہیں کہ وہ اس کو ہٹا کر اس کی جگہ دن کا اجالا کر سکے، اور اس کے برعکس وہ اگر تم لوگوں پر ہمیشہ کیلئے دن اور اس کی دھوپ اور تپش ہی طاری کر دے، تو کسی کے بس میں نہیں کہ وہ تم پر رات کا پرسکون اندھیرا لائے۔ سو رات اور دن کے اس پر حکمت اول بدل میں اس رب العالمین کی رحمت و عنایت اور اس کی قدرت و حکمت کے عظیم الشان دلائل و مظاہر موجود ہیں، جس کا طبعی تقاضا یہ تھا اور یہ ہے کہ تم لوگ اسکے شکر میں اپنے اس خالق و مالک کے آگے جھک

جھک جاتے اور جھکے جھکے ہی رہتے، جس نے اپنی رحمت و عنایت سے تمہارے لیے یہ اس قدر پر حکمت سلسلہ قائم فرمایا، لیکن لوگوں کی اکثریت ہے کہ اس کا شکر ادا نہیں کرتی۔ بلکہ وہ غفلت اور لاپرواہی کا شکار ہے، سو اس کی اس رحمت و ربوبیت کا لازمی تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ ایک دن ایسا لائے جس میں ان لوگوں کو اپنے انعام سے نوازے جنہوں نے اس کی نعمتوں کا حق پہنچانا، اور ان کا شکر ادا کیا۔ اور اسکے برعکس ان لوگوں کو وہ سزا دے، جنہوں نے اس کی گونا گوں اور طرح طرح کی نعمتوں سے فائدے تو اٹھائے۔ لیکن ان پر اس کی شکر گزاری کے بجائے انہوں نے اس کی ناشکری کی۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا اسکے معنی یہ ہونگے کہ اسکے یہاں ناشکرے اور شکر گزار دونوں ایک برابر ہیں، اور یہ بات بالبداہت غلط اور اس کی شان عدل و حکمت کے تقاضوں کے خلاف ہے، پس وہ یوم عظیم جو کہ کمال عدل و انصاف کا دن ہوگا، وہ ضرور واقع ہوگا، اور اس کو ضرور واقع ہونا چاہیے، تاکہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں، اور بدرجہ تمام و کمال پورے ہوں، اور وہی یوم عظیم یوم قیامت ہے۔ اور رات اور دن کی یہ عظیم الشان اور پر حکمت ساز گاری کہ یہ دونوں مل کر انسان کی پرورش کرتے ہیں، حضرت حق جل جلالہ، کی وحدانیت دیکھائی کی ایک بڑی واضح دلیل ہے، کہ یہ اس بات کا ایک کھلا ثبوت ہے کہ کائنات کے اندر پائی جانے والی اضداد کے درمیان یہ توافق و موافقت تب ہی ممکن ہو سکتے ہیں، جبکہ اس کائنات میں ایک ہی ارادہ کار فرما ہو۔ اور اس میں ایک ہی قوت قاہرہ کی حکمرانی ہو۔ سو وہی ہے اللہ وحدہ، لا شریک، جو کہ خالق کل اور مالک مطلق ہے، سبحانہ و تعالیٰ، سو شب و روز کے اس ادل بدل میں توحید اور وحدانیت خداوندی، آخرت و معاد، اور ضرورت رسالت و بعثت سب سے ہی بنیادی عقائد و مسائل کیلئے کھلے اور واضح دلائل موجود ہیں، لیکن یہ سب انہی لوگوں کو نصیب ہو سکتا ہے جو کائنات کی حکمتوں بھری اس کھلی کتاب میں صحیح طریقے سے غور و فکر سے کام لیتے، اور وہ اس کو صحیح زاویہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَ السَّمَاءَ

توحید اور ربوبیت پر ایک اور دلیل:

اللہ کی توحید اور اس کی ربوبیت کو مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا: بہت ددر کی باتیں چھوڑو، اس زمین پر غور کرو جس میں تم نے سکونت اختیار کر رکھی ہے۔ یہ زمین تمہارا ایسا مستقر اور جائے قرار ہے کہ تم اپنی عقل اور ذوق سے کام لے کر جس طرح کا مکان تعمیر کرنا چاہتے ہو، زمین اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار نہیں کرتی۔ زمین پر دوڑنا چاہتے ہو، وہ اپنا سینہ نہیں پھیرتی، تم تھک کر اس پر لیٹ جاتے ہو تو وہ نہ تمہارے لیے اتنی نرم ہوتی ہے کہ تم اس سے اٹھ نہ سکو اور نہ وہ اتنی سخت ہوتی ہے کہ تمہاری کمر چھل کر رہ جائے۔ وہ آغوشِ مادر کی طرح تمہارے سامنے بچھ جاتی ہے۔ زمین کو جائے قرار بنانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے آسمان کو چھت بنایا اور اس طرح سے تمہارا وہ گوارہ تعمیر ہوا جس میں تم زندگی بسر کر سکتے ہو۔ اس نے تمہیں پیدا کر کے غیر محفوظ حالت میں نہیں چھوڑا کہ عالم بالا کی آفات بارش کی طرح برس کر تمہیں تہس نہس کر دیں، بلکہ زمین کے اوپر ایک نہایت مستحکم ساوی نظام تعمیر کر دیا جس سے گزر کر کوئی تباہ کن چیز تم تک نہیں پہنچ سکتی۔ پھر زمین اور آسمان جو بظاہر ایک دوسرے کے متخالف ہیں ان دونوں میں اس طرح توافق پیدا کر دیا کہ دونوں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہو گئے۔ زمین غلہ اگاتی

ہے تو آسمان آبیاری کرتا ہے۔ زمین پودوں کو ابھارتی ہے تو آسمان کا سورج ان میں پختگی پیدا کرتا اور پھر ان کے پھوس اور دانوں کو پکاتا ہے۔ زمین کا مستقر ہونا اور آسمان کا چھت کی طرح پناہ مہیا کرنا اور دونوں کو انسانی ضروریات کی افزائش میں ایک دوسرے کا مددگار ہونا اور باہمی مخالف کی نسبت رکھنے کے باوجود توافیق کا فرض انجام دینا۔ یہاں اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لا شریک ہے، اس کا قانون سب پر حاوی ہے، زمین و آسمان کی ہر مخلوق اسی کے قبضے میں ہے اور عناصر حیات کا ہر عنصر اسی کے حکم کے تحت کام کر رہا ہے۔

زمین و آسمان کا گہوارہ جو انسان کے لیے خوبصورت گھر کا کام دیتا ہے اس کی آرائش کے بعد اس نے انسانوں کو وجود بخشا، یعنی پہلے مکان تیار کیا اور اب مکین کو بنایا گیا اور مکین کی شکل و صورت، خوبصورتی اور رعنائی، اس کے جسم اور ذہن کا تناسب اس کی جسمانی اور ذہنی قوتوں میں اعتدال، اس کا قد و قامت، اس کے ہاتھ اور پاؤں، آنکھ اور ناک، اس کی بولتی ہوئی زبان، اس کی استنباط اور استنتاج کی صلاحیت، غرضیکہ ہر چیز کو دوسری مخلوقات کی نسبت نہایت موزوں اور خوبصورت بنایا۔

مکان اور مکین کے بن جانے کے بعد جب ایک آراستہ گھرتیار ہو گیا تو پھر ان کے رزق کے لیے وسیع خزانہ بننا چھایا گیا۔ کھانے اور پینے کی ایسی ایسی خوش ذائقہ اور خوش رائحہ نعمتیں عطا فرمائیں کہ جن کا تصور بھی ممکن نہ تھا۔ جن چیزوں کو حلال اور طیب بنایا ان میں سے ہر چیز حفظانِ صحت کے اصولوں کے معیار پر بنائی گئی۔ ہر غذا میں افادیت بھی رکھی اور طاقت بھی، جو جسم کی پرورش اور نشوونما کے لیے ضروری ہے۔ پھر قسم قسم کی ترکاریاں، پھل، دودھ، شہد، گوشت، نمک، مرچ، مصالحے اور غلے پیدا فرمائے جو انسانی غذا کے لیے نہایت موزوں، زندگی کے لیے طاقت بخش اور ذوق کی تسکین کا باعث تھے۔ اور یہ تمام نعمتیں زمین پر اتنی افراط سے پیدا فرمائیں کہ ظلم اور لوٹ کھسوٹ کے سوا اس میں کمی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ ان تمام چیزوں کی طرف توجہ دلا کے فرمایا کہ جس نے تمہیں ان پاکیزہ نعمتوں کا رزق عطا فرمایا ہے وہی اللہ تمہارا رب ہے جو بے حساب برکتوں والا ہے جس کی ہر نعمت اپنے اندر نمود بھی رکھتی ہے اور نمود بھی۔ اور ہر ناکزیر ضرورت کے زمین میں خزانے پیدا کر دیے اور پھر انسان کو جس اور تخمیر کی قوت دے کر بہت سی نعمتوں کا کھوج دے کر اس کی صلاحیتوں کے لیے چیلنج بنا دیا۔ اندازہ فرمائیے کہ جس پروردگار نے انسان پر یہ احسانات کیے ہیں اور نہ صرف بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے بلکہ غیر معمولی صلاحیتیں بھی عطا فرمائی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور الٰہ ہوتا تو کیا ان نعمتوں کا وجود ممکن تھا۔ اور اگر یہ نعمتیں ہوتیں بھی تو کیا ان میں یہی تناسب اور یہی توافیق ہوتا اور کیا یہ زمین واقعی انسان کے لیے مستقر ثابت ہوتی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ جس نے انسان کو یہ سب کچھ عطا کیا ہے کیا اس نے یہ سب کچھ اس لیے دیا ہے کہ انسان خورد پودے کی طرح اگے اور ختم ہو جائے یا وہ شتر بے مہار کی طرح زندگی گزارے اور کبھی اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے جو ابد ہی کے لیے پیش نہ ہونا پڑے۔ نہ بھلائی کرنے والے کے لیے کوئی جزا ہو اور نہ برائی کرنے والے کے لیے کوئی سزا۔ خیر اور شر، نیکی اور بدی ایک ہی نگاہ سے دیکھے جائیں۔ تو کیا قتل اور اخلاق اس صورتحال کو تسلیم کر سکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی مشرکین کو دعوت تو حید:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ تم ان مشرکوں سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ اپنے سوا ہر کسی کی عبادت سے اپنی مخلوق کو منع فرما چکا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی استحقاق عبادت نہیں۔ اس کی بہت بڑی دلیل اس کے بعد کی آیت ہے، جس میں فرمایا کہ اسی وحدہ لا شریک لہ نے تمہیں مٹی سے پھر لطفے سے پھر خون کی پھٹکی سے پیدا کیا۔ اسی نے تمہیں ماں کے پیٹ سے بچے کی صورت میں نکالا۔ ان تمام حالات کو وہی بدلتا رہا پھر اسی نے بچپن سے جوانی تک تمہیں پہنچایا۔ وہی جوانی کے بعد بڑھاپے تک لے جائے گا یہ سب کام اسی ایک کے حکم تقدیر اور تدبیر سے ہو جاتے ہیں۔ پھر کس قدر نامرادی ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے کی عبادت کی جائے؟ بعض اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ یعنی کچے پنے میں ہی گر جاتے ہیں۔ حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ بعض بچپن میں بعض جوانی میں بعض ادھیڑ عمر میں بڑھاپے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ چنانچہ اور جگہ قرآن پاک میں ہے (وَلْيُقْرَبِي الْأَرْضَ حَاهِمًا مَّا نَشَاءُ رِأْيَ آجَلٍ مُّسْتَسِيٍّ (الرح: 5) یعنی ہم ماں کے پیٹ میں ٹھہراتے ہیں جب تک چاہیں۔ یہاں فرما ہے کہ تاکہ تم وقت مقررہ تک پہنچ جاؤ۔ اور تم سوچو سمجھو۔ یعنی اپنی حالتوں کے اس انقلاب سے تم ایمان لے آؤ کہ اس دنیا کے بعد بھی تمہیں نئی زندگی میں ایک روز کھڑا ہونا ہے، وہی زندگی دینے والا اور مارنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی موت دزیت پر قادر نہیں۔ اس کے کسی حکم کو کسی فیصلے کو کسی تقرر کو کسی ارادے کو کوئی توڑنے والا نہیں، جو وہ چاہتا ہے ہو کر ہی رہتا ہے اور جو وہ نہ چاہے ناممکن ہے کہ وہ ہو جائے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَجَادُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ وَالْقُرْآنِ أَنَّى كَيْفَ يُصْرَفُونَ ﴿٥١﴾ عَنِ الْإِيمَانِ الَّذِينَ كَذَبُوا

بِالْكِتَابِ الْقُرْآنِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا مِنَ التَّوْحِيدِ وَابْتِغَاءَ مَكَّةَ فَسَوْفَ يَعْتَبُونَ ﴿٥٢﴾

عُقُوبَةً تَكْذِبُهُمْ إِذَا الْأَعْلَىٰ فِي أَعْنَاقِهِمْ إِذْ يَمْنَعُ إِذَا وَالسَّلْسِلُ عَطْفٌ عَلَى الْأَعْلَىٰ فَتَكُونُ فِي

الْأَعْنَاقِ أَوْ مُبْتَدَأُ خَبْرُهُ مَحذُوفٌ أَي فِي أَرْجُلِهِمْ أَوْ خَبْرُهُ يُسْحَبُونَ ﴿٥٣﴾ أَي يُجَزَّوْنَ بِهَا فِي الْحَمِيمِ أَي

جَهَنَّمَ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿٥٤﴾ يُوقَدُونَ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ تَبِكَيْتُمْ أَيَّنَّ مَا كُنْتُمْ تَشْرِكُونَ ﴿٥٥﴾ مِنْ دُونِ

اللَّهِ مَعَهُ وَهِيَ الْأَصْنَامُ قَالُوا ضَلُّوا عَابُوا عَتَا فَلَئِنْ نَرَاهُمْ بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا أَنْكُرُوا

عِبَادَتَهُمْ أَيَاهَا لَمْ أَحْضَرْتُ قَالَ أَنْكُرْتُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَي وَقُودُهَا كَذَلِكَ أَي

مِثْلِ اضْطِلَالِ هُوَلَاءِ الْمُكَذِّبِينَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكٰفِرِينَ ﴿٥٦﴾ وَيُقَالُ لَهُمْ أَيضًا ذَلِكُمْ الْعَذَابُ بِمَا كُنْتُمْ

تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ مِنَ الْإِشْرَاقِ وَانْكَارِ الْبُعْثِ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿٥٧﴾ تَتْرَعُونَ فِي

الْفُرْحِ أَدْخَلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَلِيدِينَ فِيهَا فَيَسَّ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٥٨﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ

بِعَذَابِهِمْ حَتَّىٰ فَأَمَّا نُرَيْنَكَ فِيهِ أَنْ لَشَرِّ طَيْئَةٍ مَدْعَمَةٌ وَمَا زَائِدَةٌ تُوَكِّدُ مَعْنَى الشَّرْطِ أَوَّلُ الْفِعْلِ وَالتُّنُونُ
 تُوَكِّدُ اجْزَاءَ بَعْضِ الَّذِينَ نَعِدُهُمْ بِهِ مِنَ الْعَذَابِ فِي حَيَاتِكَ وَحَوَاتِ الشَّرْطِ مَحْدُوفٌ أَيْ فَذَاكَ أَوْ
 تَوَلِّيْنَا قَبْلَ تَعَذِّيهِمْ فَالْيُنَا يُرْجَعُونَ ۝ فَعَذَّبْنَاهُمْ أَشَدَّ الْعَذَابِ فَالْحِزَابِ الْمَدْكُورِ لِلْمَعْطُوفِ
 نَقَطٌ وَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُمْ قَمِنَ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ
 رَوَى أَنَّهُ تَعَالَى بَعَثَ ثَمَانِيَةَ أَلْفِ نَبِيِّ أَرْبَعَةَ أَلْفِ نَبِيٍّ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَرْبَعَةَ أَلْفِ نَبِيٍّ مِنْ سَائِرِ
 النَّاسِ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ مِنْهُمْ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِأَنَّهُمْ عَبِيدٌ مَّرْبُوتُونَ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ
 بِرُزُلِ الْعَذَابِ عَلَى الْكُفَّارِ قَضَى بَيْنَ الرُّسُلِ وَمَكَذَّبْتَهَا بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ۝ أَيْ
 ظَهَرَ الْقَضَاءُ وَالْخُسْرَانُ لِلنَّاسِ وَهُمْ خَاسِرُونَ فِي كُلِّ وَقْتٍ ثَبَلِ ذَلِكَ

ترجمہ: کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں قرآن میں جھگڑا نکالتے ہیں کہ وہ کہاں ایمان سے پھرے
 چلے چارے ہیں جن لوگوں نے اس کتاب قرآن پاک کو جھٹلایا اور اس چیز کو جو ہم نے پیغمبروں کو دے کر بھیجی یعنی توحید و بعثت کی
 دعوت کفار مراد ہیں سو ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے جھٹلانے کا انجام جب کہ اذا کے معنی میں ہے طوق ان کی گردنوں میں ہوں
 گے اور زنجیریں اغمال پر معطوف ہے اس لئے زنجیریں بھی گردنوں میں ہوں گی یا مبتدا ہے خبر مخدوف ہوگی۔ ای السلاسل
 فی ار جہلم یا اس کی خبر اگلا جملہ ہے ان کو گھسیٹتے زنجیروں کے ساتھ کھینچتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی دوزخ میں لے جائیں گے
 پھر آگ میں جھونک دیئے جائیں گے دھونکا دیئے جائیں گے پھر ان سے ذانت کر پوچھا جائے گا وہ کہاں گئے جن کو تم شریک
 ٹھیرایا کرتے تھے غیر اللہ کو اس کے ساتھ یعنی بت وہ بولیں گے وہ تو سب ہم سے کھو گئے غائب ہو گئے ہمیں نظر ہی نہیں آتے
 بلکہ ہم سب اس سے پہلے کسی کو پوجتے ہی نہیں تھے۔ بتوں کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے پھر بتوں کو لا حاضر کیا جائے گا جیسا
 کہ الکفر وما تعبدون من دون اللہ حسب جہنم فرمایا گیا یعنی ان کو بھی دوزخ کا ایندھن بنایا جائے گا اسی طرح جیسے
 ان جھٹلانے والوں کو بچلایا اللہ تعالیٰ کافروں کو گمراہی میں پھنساتا ہے اور ان سے یہ کہہ دیا جائے گا کہ یہ عذاب اس کے بدلے
 تم ہے کہ تم دنیا میں ناحق شرک اور انکار قیامت کے بارے میں خوشیاں منایا کرتے تھے اور اس کے بدلے میں ہے کہ تم اترا یا
 کرنے تھے مد سے زیادہ لگن رہتے تھے جاؤ جہنم کے دروازوں میں سے ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ سو متکبروں کا وہ برا ٹھکانہ
 مقام ہے پس آپ صبر کیجئے بلاشبہ اللہ کا وعدہ عذاب ان کے حق میں سچا ہے پھر یا ہم آپ کو دو کھلا دیں گے ان شرطیہ کا ادغام فا
 زمانہ میں ہو رہا ہے جو فعل کے شروع میں شرط کی تاکید کے لیے اور ان نون آخر میں تاکید کے لئے آتا ہے کچھ تھوڑا سا اس
 محل سے جس کا ہم ان کے ساتھ وعدہ کر رہے ہیں یعنی آپ کی زندگی میں عذاب جو اب شرط مخدوف ہے یعنی فذاک یا ہم آپ

زمایا: ثُمَّ اِنْ مَزَجْتَهُمْ لَرَالَى الْجَنِينِ (الصفات: ۶۸) کہ پھر ان کی بازگشت تو جنم ہی کی طرف ہے۔ سورہ واقعہ میں اصحاب ثلث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا یا میکس ہاتھ دالے کس قدر برے ہیں؟ وہ آگ میں ہیں اور گرم پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں جو نہ ٹھنڈا ہے نہ سو مند، آگے چل کر فرمایا، اے بچے ہوئے جھلانے والو البتہ سینڈ کا درخت کھاؤ گے اسی سے اپنے پیٹ بھر دو گے۔ پھر اس پر جلتا پانی بہو گے اور اس طرح جس طرح تونس والا انٹ پیتا ہے۔ آج انصاف کے دن ان کی مہمانی یہی ہوگی۔ اور جگہ فرمایا ہے: اِنَّ شَجَرَاتِ الزَّقْوٰیہ (الخان: ۴۳) یعنی یقیناً گنہگاروں کا کھانا تو قوم کا درخت ہے جو مثل پھلے ہوئے تاپنے کے ہے جو بیٹوں میں کھولتا رہتا ہے۔ جیسے تیز گرم پانی۔ اسے پکڑو اور دھکیلتے ہوئے بیچوں بیچ جنم میں پہنچاؤ پھر اس کے سر پر تیز گرم جلتے جلتے پانی کا عذاب بہاؤ لے چکھو تو بڑا ہی ذی عزت اور بڑی ہی تعظیم تکریم والا شخص تھا۔ جس سے تم شک شبہ میں نہ۔ مقصد یہ ہے کہ ایک طرف سے تو وہ یہ دکھ رہے ہوں گے جن کا بیان ہوا اور دوسری جانب سے انہیں ذلیل و خوار و سیاہ ہانپا کر کے کیلئے بطور استہزاء اور تمسخر کے بطور ڈانٹ اور ڈپٹ کے بطور عقارت اور ذلت کے ان سے یہ کہا جائے گا جس کا ذکر ہوا۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ ایک جانب سے سیاہ ابراٹھے گا جسے جنمی دیکھیں گے اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ برکودیکھتے ہوئے دنیا کے انداز پر کہیں گے کہ یہ چاہتے ہیں کہ یہ برے وہیں اس میں سے طوق اور زنجیریں اور آگ کے انگارے برسنے لگیں گے جس کے شعلے انہیں جلا لیں جلا لیں گے اور وہ طوق و سلاسل ان کے طوق و سلاسل کے ساتھ اضافہ کر دیئے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ کیوں جی دنیا میں اللہ عزوجل کے سوا جن جن کو پوجتے رہے وہ سب آج کہاں ہیں؟ کیوں وہ تمہاری مدد کو نہیں آئے؟ کیوں تمہیں یوں کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہاں وہ تو سب آج تاپید ہو گئے وہ تھے ہی بے سود۔ پھر انہیں کچھ خیال آئے گا اور کہیں گے نہیں نہیں ہم نے تو ان کی عبادت کبھی نہیں کی۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ جب ان کے بنائے کچھ نہ بنے گی تو صاف انکار کر دیں گے اور جھوٹ بول دیں گے کہ: وَلَللّٰو زَبَّانٰتٌ مَّا كُنَّا مُشْرِکِیْنَ (الانعام: ۲۳) اللہ ہمیں تیری قسم ہم مشرک نہ تھے۔ یہ کفار ای طرح بیکاری میں کھوئے رہتے ہیں، ان سے فرشتے کہیں گے یہ بد ہے اس کا جو دنیا میں بے وجہ گردن اکڑائے اکڑاتے پھرتے تھے۔ تکبر و جبر پر حست کر رہتے تھے لو اب آ جاؤ جنم کے ان دروازوں میں داخل ہو جاؤ اب ہمیشہ ہمیں پے رہنا تم جیسے اترانے والوں کی ہی یہ بد منزل اور بری جائے قرار ہے۔ جس قدر تکبر کئے تھے اتنے ہی ذلیل و خوار آج ہو گے۔ جتنے ہی بلند کئے تھے اتنے ہی گرو گے۔ واللہ اعلم۔

فَاَصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۙ

اللہ کے وعدے قطعاً حق ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو صبر کا حکم دیتا ہے کہ جو تیری نہیں، نئے تجھے جمونا کہتے ہیں تو ان کی ایذاؤں پر صبر و برداشت کر۔ ان سب پر فتح و نصرت تجھے ملے گی۔ انجام کار ہر طرح تیرے ہی حق میں بہتر رہے گا۔ تو اور تیرے یہ ماننے والے کی تمام دنیا پر غالب ہو کر رہیں گے، اور آخرت تو صرف تمہاری ہی ہے، پس یا تو ہم اپنے وعدے کی بعض چیزیں تجھے تیری

زندگی میں دکھائیں گے، اور یہی ہوا بھی، بدروالے دن کفار کا دھڑ اور سر توڑ دیا گیا قریشیوں کے بڑے بڑے - دار - رے
 گئے۔ بالاخر کفر کا قلعہ اور آپ دنیا سے رخصت نہ ہوئے جب تک کہ تمام جزیرہ عرب آپ کے زیر نگیں نہ ہو گیا۔ اور آپ سے
 دشمن آپ کے سامنے ذلیل و خوار نہ ہوئے اور آپ کی آنکھیں رب نے گھنڈی نہ کر دیں، یا اگر ہم تجھے فوت ہی کر میں تو میں نہ
 کا لوں تو ہماری ہی طرف ہے ہم انہیں آفرت کے دردناک سخت عذاب میں مبتلا کریں گے، پھر مزید تسلی کے طور پر فرما رہے ہیں کہ
 تمہ سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تیرے سامنے بیان کر دیے ہیں۔ اور
 بعض کے قصے ہم نے بیان بھی نہیں کئے جیسے سورۃ نساء میں بھی فرمایا گیا ہے۔ پس جن کے قصے مذکورہ ہیں دیکھ لو کہ قوم سے ان کی
 کیسی کچھ نمئی۔ اور بعض کے واقعات ہم نے بیان نہیں کئے وہ بہ نسبت ان تک بہت زیادہ ہیں۔ جیسے کہ ہم نے سورۃ نساء کی تیسرے
 کے موقع پر بیان کر دیا ہے۔ واللہ الحمد والمناہ۔ پھر فرمایا یہ ناممکن ہے کہ کوئی رسول اپنی مرضی سے معجزات اور خوارق عادات
 دکھائے ہاں اللہ عزوجل کے حکم کے بعد کیونکہ رسول کے قبضے میں کوئی چیز نہیں۔ ہاں جب اللہ کا عذاب آجاتا ہے پھر تکذیب و
 تردید کرنے والے کفار بچ نہیں سکتے۔ مؤمن نجات پالیتے ہیں اور باطل پرست باطل کا رتباہ ہو جاتے ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُمْ

ہم نے آپ سے بعض رسولوں کا تذکرہ کر دیا ہے اور بعض کا نہیں کیا، کسی نبی کو اختیار نہ تھا کہ اذن الہی کے بغیر کوئی نشانی
 لے آئے۔

آیت بالا میں دو باتیں ذکر فرمائیں اولاً رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے بڑی تعداد میں
 رسول بھیجے جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم نے آپ سے کر دیا اور بعض کا تذکرہ نہیں کیا۔ جن حضرات کا تذکرہ فرمایا ہے سورۃ
 بقرہ، سورۃ مائدہ، سورۃ انعام اور سورۃ اعراف و سورۃ ہود اور سورۃ الانبیاء میں اور بعض دیگر سورتوں میں مذکور ہیں یہ اس کے
 معارض نہیں ہے کہ اجمالی طور پر ان حضرات کی تعداد سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو باخبر فرمادیا ہو تفصیلی اخبار و آثار کا بیان نہ فرمانا
 اجمالی عدد جاننے کے لیے منافی نہیں، مسند احمد میں حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ انبیاء علیہم
 کرام کی کتنی تعداد ہے آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار (مزید فرمایا کہ) ان میں تین سو پندرہ رسول تھے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵۱)

چونکہ یہ حدیث متواتر نہیں ہے اس لیے علماء نے فرمایا کہ ایمان لانے میں حضرات انبیاء کرام کا خاص عدد ذکر نہ کرے
 بلکہ یوں عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں اور نبیوں پر ایمان رکھتا ہوں۔

دوسری بات یہ بتائی کہ کسی نبی کو یہ قدرت نہ تھی اور نہ یہ اختیار تھا کہ خود سے کوئی معجزہ لے آئے جتنے بھی معجزات امتوں کے
 سامنے لائے گئے وہ سب اللہ کے اذن اور مشیت سے تھے سابقین انبیاء کرام سے بھی ان کی امتوں نے اپنی خواہشوں کے
 مطابق معجزات طلب کیے وہ حضرات خود مختار نہ تھے جو خود سے معجزات پیش کر دیتے اللہ تعالیٰ نے جو معجزہ چاہا ظاہر فرمادیا آپ
 سے بھی امت کے لوگ خود تراشیدہ معجزات طلب کرتے ہیں اور اس کے ظاہر نہ ہونے پر آپ کی تکذیب کرتے ہیں یہ کوئی نئی
 بات نہیں ہے انبیاء سابقین کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے آپ تسلی رکھیے اور ان حضرات کی طرح صبر کیجیے فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ

فَیْحَىٰ بِالنَّحَىٰ پھر جب اللہ کا حکم آئے گا یعنی دنیا میں یا آخرت میں سزا کا نزول ہو جائے گا تو اس وقت فیصلہ کر دیا جائے گا جو حضرات حق پر ہوں گے ان کی نجات ہوگی اور اجر و ثواب ملے گا اور اہل باطل سزا میں مبتلا ہوں گے وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْبَاطِلُونَ اور اس وقت باطل والے خسارہ یعنی ہلاکت اور بربادی میں پڑ جائیں گے لہذا آپ انتظار فرمائیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور فیصلہ ہوگا اور حق فیصلہ ہوگا۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَنْعَامَ قَبْلَ الْإِبْلِ هُنَا خَاصَّةً وَالظَّاهِرِ وَالْبُحْرِ وَالنَّعْمِ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَ تَأْكُلُونَ ﴿۱۰﴾ وَ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعٌ مِّنَ الدَّرِّ وَالنَّسْلِ وَالْوَبْرِ وَالصُّوفِ وَ لِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ هِيَ حَمَلُ الْأَثْقَالِ إِلَى الْبِلَادِ وَ عَلَيْهَا فِي الْبَرِّ وَ عَلَى الْفُلِكِ الشُّقْنِ فِي الْبَحْرِ تُحْمَلُونَ ﴿۱۱﴾ وَ يُرِيكُمْ آيَاتِهِ قَائِمًا آيَاتِ اللَّهِ الذَّالَّةِ عَلَى وَحْدَانِيَّتِهِ تُنْكِرُونَ ﴿۱۲﴾ اسْتَفْهَامٌ تَرْبِيحٌ وَ تَدْ كَبِيرٌ أَيْ أَشْهَرٌ مِنْ نَاتِيئِهِ أَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ أَشَدَّ قُوَّةً وَ أَثَارًا فِي الْأَرْضِ مِنْ مَّصَانِعٍ وَ قُصُورٍ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ الْمُعْجَزَاتِ الظَّاهِرَاتِ فِرِحُوا أَيْ الْكُفَّارُ بِمَا عِنْدَهُمْ أَيْ الرُّسُلِ مِنَ الْعِلْمِ فَرِحَ اسْتِهْزَاءً وَ ضَحِكٌ مُنْكَرٌ لَّهُ وَ حَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۴﴾ أَيْ الْعَذَابِ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا أَيْ شِدَّةَ عَذَابِنَا قَالُوا أَمَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿۱۵﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتِ اللَّهُ نَصْبُهُ عَلَى الْمَصْدَرِ بِفِعْلِ مَقْدَرٍ مِنْ لَفْظِهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادَةٍ فِي الْأُمَّمِ أَنْ لَا يَنْفَعُهُمُ الْإِيْمَانُ وَقَدْ نَزَّلَ الْعَذَابَ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ﴿۱۶﴾ تَبَيَّنَ خُسْرَانُهُمْ خَاسِرُونَ فِي كُلِّ وَقْتٍ قَبْلَ ذَلِكَ

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے مویشی بنائے بعض قول میں خاص طور پر یہاں اونٹ مراد ہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ بیل بکری بھی ہیں تاکہ ان میں سے بعض سے سواری اور بعض کھاتے بھی رہو اور تمہارے لئے ان میں اور بہت فائدے ہیں دودھ نسل بال اون کے اور تاکہ تم ان پر سوار ہو کر اپنی حاجت تک پہنچو جو تمہارے دلوں میں ہے جو جھوں کو شہروں تک ڈھونڈو اور ان پر خشکی میں اور کشتی پر بائیں میں لہے پھندے پھرتے ہو اور تم کو اور بھی نشانیاں دکھلا تا رہتا ہے سو تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا جو اسکی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں انکار کرو گے یہ استفہام سرزنش و فہمائش کے لئے ہے اور آئی کا مذکر لانا مؤنث لانے سے زیادہ مشہور ہے کیا ان لوگوں نے لکھ میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیا انجام ہوا؟ وہ لوگ ان سے زیادہ تھے اور یادگاروں

میں جو زمیں پر چھوڑ گئے ہیں حویلیاں اور قلعے سوان کی کمائی ان کے کچھ بھی کام نہ آسکی الغرض جب ان کے پیغمبران کے پاس کھلی نشانیاں واضح معجزات لے کر آئے تو وہ لوگ کفار بڑے نازاں ہوئے پیغمبروں کے علم پر استہزاء خوش ہونا اور ان انبیاء کا انکار کرتے ہوئے ٹھنسنے کرنا مراد ہے اور ان پر وہ عذاب آ پڑا نازل ہو گیا جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا (عذاب کی شدت) اللہ نے اپنا یہی معمولی مقرر کر رکھا ہے مفعول مطلق کی بنا پر منصوب ہے اسی کے ہم لفظ فعل مقدر کی وجہ سے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے پھلی استوں میں کہ عذاب آنے پر ایمان لانا مفید نہیں ہوتا اور اس وقت کافر خسارہ میں رہ جائیں گے ہر ایک کا نقصان ظاہر ہو جائیگا اور نہ اس سے پہلے بھی خسارہ ہی میں تھے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: **وَعَلَى الْفُلْكِ: عَلَيْهَا** کی مطابقت کے لیے **عَلَى** لایا گیا۔

قوله: **أَيُّ أَشْهَرٍ: أَيُّ** کا ذکر لانا اس کی تائید سے زیادہ مشہور ہے۔

قوله: **مَنْ الْعِلْمِ: اس** سے انبیاء کا علم مراد اس کا ترینہ **وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ**۔

قوله: **مَقْدَرٍ مِنْ لَفْظِهِ: یعنی** اللہ تعالیٰ نے گزشتہ زمانہ سے ہی طریقہ مقرر کر دیا۔

قوله: **هَذَا لَكَ: یہ** اسم مکان ہے مگر زمانے کے لیے استعارۃ استعمال کیا گیا۔

تفسیر مقبولین

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَنْعَامَ لِتَتَّكِبُوا مِنْهَا وَأَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٥٨﴾

(ربط) گزشتہ آیات میں سلسلہ مضمون توحید خداوندی تھا اور دلائل قدرت کے بیان کے ساتھ مجرمین کے انجام ہلاکت پر افسوس و ملامت کا اظہار ہے، اور یہ کہ خود مجرمین آخرت میں اپنے اعمال پر کس قدر پچھتائیں گے، آیات میں مزید انعامات خداوندی ذکر فرما کر مضمون توحید اور منکرین و مشرکین کی تہدید پر سورت کو ختم فرما دیا گیا، ارشاد ہے، اللہ ہی ہے جس نے تمہارے ہی نفع کے لیے مویشی بنائے تاکہ ان میں سے بعض سے تم سواری لو اور ان میں سے بعض کو کھاؤ، اور بھی بہت سے فوائد رکھے کہ ان کے بال اون اور کھالوں سے نفع حاصل کرو۔ اور اس لیے کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنے اس مقصد تک پہنچ جاؤ جو تمہارے دلوں میں ہے، خواہ ملاقات ہو یا تجارتی سفر ہو یا تعلیم و تعلم، جہاد ہو یا حج کے لیے سفر ہو اور صرف یہی نہیں کہ تم ان پر سواری کرو بلکہ ان پر اور کشتیوں پر بھی تم لدے پھرتے ہو۔ تم اور تمہارا سامان ان پر لاوا جاتا ہے نقل و حمل کا سلسلہ جاری ہے جس سے تمہارے معاشی مسائل حل ہو رہے ہیں، اور حصول منافع کا سلسلہ قائم ہے اور بھی قدرت کی نشانیاں اللہ تم کو دکھاتا ہے سو تم اللہ کی نشانیوں میں سے کون کون سی نشانوں (اور دلائل قدرت) کا انکار کر رہے، کیا ان لوگوں نے زمین کا سفر نہیں کیا ہے کہ دیکھ لیتے کیسا انجام ہوا ان منکرین کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں جو ان سے زائد تھے اپنی تعداد میں اور ان سے زائد تھے انہی

حالت اور نشانیوں کے اعتبار سے جو آثار و نشانیاں انہوں نے اپنی دولت و ثروت اور عزت و حکومت کی چھوڑیں مگر ان کے کچھ کام نہ آئیں یہ تمام باتیں جو کرتے تھے، اور وہ مادی تدابیر اپنی شان و شوکت کی اور اللہ کے پیغمبروں کے مقابلہ میں ہر طرح کی سازشیں، اور کسی طرح بھی وہ عذاب الہی سے نہ بچ سکے، غرض جب ان کے پاس ان کے پیغمبر اللہ کی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ اپنے اس علم پر خوش ہونے اور ناز کرنے لگے جو ان کے پاس تھا دنیوی اور معاشی علوم میں سے اور اس کے مقابلہ میں خدا اور اس کے رسول کے علم کو حقیر جانا تو آ پڑا ان پر عذاب اسی چیز کی بدولت جس کا وہ تمسخر و مذاق کر رہے تھے پھر انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے ہم ایمان لائے خدائے واحد پر اور ہم نے ان سب چیزوں کا انکار کیا جن کو ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے اس وقت عذاب خداوندی کے ظاہر ہونے اور دیکھنے کے بعد تو کوئی ایمان لانا معتبر نہیں ہو سکتا تھا تو ان کا ایمان لانا ان کے واسطے کسی درجہ میں نافع نہیں ہوا جب کہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، اس لیے کہ اب یہ ایمان بالغیب نہ رہا جب کہ عذاب کا مشاہدہ ہو گیا اور نہ اختیاری رہا بلکہ اضطراری ہو گیا، اور ایمان تو وہی معتبر ہے جو بالغیب ہو اور بحالت اختیاری ہو۔ (تمام امرہ متکلمین کا اجماع ہے کہ ایسا ایمان، ایمان باس کہلاتا ہے، اور نص قرآنی سے ایسا ایمان ناقابل اعتبار قرار دیا گیا جیسے ارشاد فرمایا گیا: "لا ینفع نفسا ایمانھا لھ تکن امننت من قبل او کسبت فی ایمانھا خیرا" اسی طرح سکرات موت شروع ہو جانے پر بھی ایمان معتبر نہیں، اس کو ایمان باس کہا جاتا ہے۔)

اللہ کا یہی قانون اور طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے چلا آ رہا ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت جب کہ کافروں پر عذاب خداوندی مسلط ہو گیا اور ان کا ایمان بھی نافع و معتبر نہ ہو تو خسارہ میں پڑ گئے، اللہ کا انکار و کفر کرنے والے، اور یہ خسارہ انتہائی اور آخری درجہ کا ہے کیونکہ اس کے بعد تو تلافی کا کوئی امکان ہی نہیں، نہ ایمان لانے کا وقت رہا، نہ توبہ کی مہلت رہی۔ بخلاف اس کے کہ اگر ایسے لوگ عذاب نازل ہونے سے پہلے کفر و نافرمانی کا تدارک کر لیتے تو تدارک ہو سکتا تھا۔

بحث ایمان باس و ایمان یاس:

اب تو نہ پچھتانے سے کوئی فائدہ اور نہ توبہ و معذرت سے کوئی ثمرہ مرتب ہوگا۔ فرعون نے غرق ہوتے وقت جب ایمان لانا چاہا تو اس کو دھکا دیا گیا کہ: اللہن وقد عصیت قبل و کنت من المفسدین، کہ اب ایمان لاتا ہے اور حال یہ کہ پہلے سے نافرمانی کرتا رہا اور موت کے وقت یہی ایمان چونکہ ایمان بالغیب نہیں رہتا، اس لیے وہ بھی معتبر نہیں جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا: "ولیسنت التوبۃ للذین یعملون السیئات حتی اذا حضر احدہم الموت قال انی تبت الان ولا الذنن یموتون وہم کفار"۔ (تفصیل سابق میں گذر چکی) حدیث میں ارشاد ہے فرمایا: ان اللہ تعالیٰ یقبل توبۃ العبد ما لم ینفر غر۔ کو اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ وہ غرغرہ یعنی نزع کی حالت میں نہ آ جائے تو حق تعالیٰ نے کافروں کی اس قدیم روش کا ذکر کرتے ہوئے نتیجہ یہ فیصلہ فرمایا کہ ایسا ایمان کسی درجہ میں بھی نفع بخش نہ ہو اور مگرین و کافرین غائب و خاسر ہوئے۔

سُورَةُ حَجِّ السَّجْدَةِ

سُورَةُ حَجِّ السَّجْدَةِ
سُورَةُ ۳۱ مَكِّيَّةٌ ۶۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیتوں کی
۵۲

رکوعات
۶

پھر وہ سجدہ مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس میں چون آیتیں ہیں اور پھر رکوع

حَمْدٌ ۙ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ مُّبْتَدَاً كَتَبَ خَيْرَهُ فُضِّلَتْ اٰیٰتُهُ بَيْنَكَ
بِالْاَحْكَامِ وَالْقَصَصِ وَالْمَوَاعِظِ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا خَالٍ مِّنْ كِتَابٍ بِصِفَتِهٖ لِقَوْمٍ مُّتَعَلِّقٍ بِمُضَلَّتْ
يَعْلَمُوْنَ ۙ يَفْهَمُوْنَ ذٰلِكَ وَهُمْ الْعَرَبُ بِشِيْرًا صِفَةُ قُرْاٰنٍ وَ نَذِيْرًا ۙ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا
يَسْمَعُوْنَ ۙ سَمِعَ قَبُوْلٌ وَقَالُوْا النَّبِیُّ قُلُوْبُنَا فِیْ اَكْتٰةٍ اَعْطٰیةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ وَفِیْ اٰذَانِنَا وَقُرْ
يُقَلِّ وَ مِنْ بَيْنِنَا وَ بَيْنَكَ حِجَابٌ خِلَافٌ فِی الدِّیْنِ فَاَعْمَلْ عَلٰی دِیْنِكَ اِنَّا عَمِلُوْنَا ۙ عَلٰی دِیْنِنَا
قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اَنْتُمْ اِلٰهُكُمْ اِلٰهُ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْا اِلَيْهِ بِالْاِیْمَانِ وَالطَّاعَةِ وَ
اسْتَغْفِرُوْهُ ۙ وَ وِیْلٌ كَلِمَةٌ عَذَابٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوَةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ تَاكِیْدٌ
كٰفِرُوْنَ ۙ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۙ مُّقْطُوْعٌ

ترجمہ: حمدِ حقیقی مراد اللہ کو معلوم ہے یہ کلام رحمن و رحیم کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔ تنزیل مبتدا ہے کتاب اس کی خبر ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی جاتی ہیں احکام اور واقعات اور وعظ و نصیحت یعنی قرآن عربی زبان میں موصوف صفت سے مل کر کتاب سے حال واقع ہے ایسے لوگوں کے لئے فُضِّلَتْ کے متعلق ہے جو واقف ہیں اس سے یعنی اہل عرب خوشخبری سنانے والا قرآن کی صفت ہے اور ڈرانے والا ہے سوا کثر لوگوں نے روگردانی کی پھر وہ سنتے ہی نہیں قبولیت کے کانوں سے اور پیغمبر سے کہتے ہیں کہ جس بات کی آپ ہم کو دعوت دیتے ہیں ہمارے دل اس سے پردوں غلافوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ رکاوٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک قسم کا حجاب دینی اختلاف ہے سو آپ اپنے دین میں رہتے ہوئے کام کیے جائیں ہم اپنے مذہب کے مطابق اپنا کام کر رہے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ میں بھی تم ہی جیسا انسان ہوں مجھ پر وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے سو اس کی طرف ایمان و طاعت کے ذریعہ سیدھ باندھ لو اور اس سے معافی مانگو اور تمہاری ہے کل

مقبول شرح جلالین (جلد ۱) ۵۸۳ (پنجم) (۱۹۷۱ء) (۱۲۱) حصہ سجدہ
 عذاب ہے ان مشرکین کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت ہی کے ہم ہا کید کے لئے نعر ہیں جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو موقوف تم ہونے والا نہیں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: کَتَبَ: یہ مبتداء و صفت آنے کی وجہ سے مبتداء و بنیاد است ہے۔

قولہ: فَضَّلْتَ: اس کا معنی چُنْت۔ اس کا امتیاز کر دیا گیا۔

قولہ: هُمْ الْعَرَبُ: یہ حال ہے۔

تفسیر مقبولین

اسی کا نام سورۃ فصلت بھی ہے، اسی کو بعض حضرات نے سورۃ الصانع بھی کہا ہے با اتفاق ائمہ مفسرین کی سورت ہے جس میں ۴۵ آیات اور چھ رکوع ہیں سورۃ مؤمن کے اکثر مضامین اثبات توحید و دلائل قدرت اور اثبات قیامت پر مشتمل تھے، اس سورت کے مضامین کا حاصل زیادہ تر اثبات رسالت ہے، اور ضمناً بعثت بعد الموت اور حشر و نشر کو بھی ثابت کیا گیا، بالخصوص قریش کے لوگ جو توحید خداوندی اور آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے سے اعراض کرتے تھے ان پر وعید و تہدید بھی ہے۔

تَذِيرًا لِّمَنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فرماتا ہے کہ یہ عربی کا قرآن اللہ رحمان کا اتار ہوا ہے۔ جیسے اور آیت میں فرمایا اسے تیرے رب کے حکم سے روح الامین نے حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اور آیت میں ہے روح الامین نے اسے تیرے دل پر اس لیے نازل فرمایا ہے کہ تو لوگوں کو آگاہ کرنے والا بن جائے، اس کی آیتیں مفصل ہیں، ان کے معانی ظاہر ہیں، احکام مضبوط ہیں۔ الفاظ واضح اور آسان ہیں جیسے اور آیت میں ہے: كِتٰبٌ اٰحْكَمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فَضَّلَتْ مِّنْ لَّدُنْ حٰكِمٍ خَبِيْرٍ (ہور: ۱۱) یہ کتاب ہے جس کی آیتیں حکم و مفصل ہیں یہ کلام ہے حکیم و خیر اللہ جل شانہ کا لفظ کے اعتبار سے معجز اور معنی کے اعتبار سے معجز۔ باطل اس کے قریب پھٹک بھی نہیں سکتا۔ حکیم و حمید رب کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ اس بیان و وضاحت کو ذی علم سمجھ رہے ہیں۔ یہ ایک طرف مؤمنوں کو بشارت دیتا ہے۔ دوسری جانب مجرموں کو دھمکاتا ہے۔ کفار کو ڈراتا ہے۔ باوجود ان خوبیوں کے پھر بھی اکثر قریشی منہ پھیرے ہوئے اور کانوں میں روٹی دیئے بہرے ہوئے ہیں، پھر مزید ذہنائی دیکھو کہ خود کہتے ہیں کہ تیری پکار سننے میں ہم بہرے ہیں۔ تیرے اور ہمارے درمیان آڑ ہیں۔ تیری باتیں نہ ہماری سمجھ میں آئیں نہ عقل میں سمجھیں۔ جاتو اپنے طریقے پر عمل کرتا چلا جا۔ ہم اپنا طریقہ کار ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ ناممکن ہے کہ ہم تیری مان لیں۔ مسند عبد بن حمید میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے منقول ہے کہ ایک دن قریشیوں نے جمع ہو کر آپس میں مشاورت کی کہ جادو کہانت اور شعر و شاعری میں جو سب سے زیادہ ہوا سے ساتھ

ہے۔ حاجت مندی بری چیز ہے میرا خیال ہے کہ ہم آپس میں چندہ کر کے تیری حالت ٹھیک کر دیں۔ تاکہ اس مصیبت اور
 زلت سے تو چھوٹ جائے۔ اس سے ڈرنے کی اور نئے مذہب کی تجھے ضرورت نہ رہے۔ اس پر تہ بہت بگڑا اور کہنے لگا مجھے محمد
 ﷺ کی کیا غرض ہے؟ اللہ کی قسم کی اب اس سے کبھی بات تک نہ کروں گا۔ اور تم میری نسبت ایسے ذلیل خیالات ظاہر کرتے
 ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ قریش میں مجھ سے بڑھ کر کوئی مالدار نہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ میں تم سب کو کہنے سے ان کے پاس
 گیا سارا قصہ کہہ سنایا بہت باتیں کہیں میرے جواب میں پھر جو کلام اس نے پڑھا واللہ نہ تو وہ شعر تھا نہ کہانت کا کلام تھا نہ جادو
 وغیرہ تھا۔ وہ جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے: فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ ضِعْفَةَ قِتْلِكُمْ ضِعْفَةَ عَادٍ وَ
 قَوْمِ ثَمُودَ (نعلت) تک پہنچے تو میں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور انہیں رشتے تاتے یاد دلانے لگا کہ اللہ رک جاؤ مجھے و خوف لگا
 ہوا تھا کہ کہیں اسی وقت ہم پر وہ عذاب آنے جائے اور یہ تو تم سب کو معلوم ہے کہ محمد جھوٹے نہیں۔ سیرۃ ابن اسحاق میں یہ واقعہ
 دوسرے طریقے پر ہے اس میں ہے کہ قریشیوں کی مجلس ایک مرتبہ جمع تھی۔ اور آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ کے ایک گوشے میں
 بیٹھے ہوئے تھے۔ عتبہ قریش سے کہنے لگا کہ اگر تم سب کا مشورہ ہو تو محمد ﷺ کے پاس جاؤ انہیں کچھ سمجھاؤ اور کچھ لالچ
 دوں اگر وہ کسی بات کو قبول کر لیں تو ہم انہیں دے دیں اور انہیں ان کے کام سے روک دیں۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ حضرت
 حمزہ مسلمان ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی تعداد معقول ہو گئی تھی اور روز افزوں ہوتی جاتی تھی۔ سب قریشی اس پر رضامند
 ہوئے۔ یہ حضور کے پاس آیا اور کہنے لگا برادر زادے تم عالی نسب ہو تم ہم میں سے ہو ہماری آنکھوں کے تارے اور ہمارے
 کلیجے کے کلزے ہو۔ افسوس کہ تم اپنی قوم کے پاس ایک عجیب و غریب چیز لائے ہو تم نے ان میں پھوٹ ڈلوادی۔ تم نے ان کے
 عقل مندوں کو بیوقوف قرار دیا۔ تم نے ان کے معبودوں کی عیب جوئی کی۔ تم نے ان کے دین کو برا کہا شروع کیا۔ تم نے ان کے
 بڑے بوڑھوں کو کافر بنا یا اب سن لو آج میں آپ کے پاس ایک آخری اور انتہائی فیصلے کیلئے آیا ہوں، میں بہت سی صورتیں پیش
 کرتا ہوں ان میں سے جو آپ کو پسند ہو قبول کیجئے۔ لہذا اس فتنے کو ختم کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا جو تمہیں کہنا ہو کہو میں سن رہا ہوں
 اس نے کہا سنو اگر تمہارا ارادہ اس چال سے مال کے جمع کرنے کا ہے تو ہم سب مل کر تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم
 سے بڑھ کر مالدار سارے قریش میں کوئی نہ ہو۔ اور اگر آپ کا ارادہ اس سے اپنی سرداری کا ہے تو ہم سب مل کر آپ کو اپنا سردار
 تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور اگر آپ بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم ملک آپ کو سونپ کر خود عایا بننے کیسے بھی تیار ہیں، اور اگر آپ کو کوئی
 جن وغیرہ کا اثر ہے تو ہم اپنا مال خرچ کر کے بہتر سے بہتر طبیب اور جھاڑ پھونک کرنے والے مہیا کر کے آپ کا علاج کراتے
 ہیں۔ ایسا ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ تابع جن اپنے عامل پر غالب آجاتا ہے تو اسی طرح اس سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے۔ اب
 عتبہ خاموش ہوا تو آپ نے فرمایا اپنی سب بات کہہ چکے؟ کہا ہاں فرمایا اب میری سنو۔ وہ متوجہ ہو گیا آپ نے بسم اللہ پڑھ کر
 اس سورت کی تلاوت شرع کی عتبہ با ادب سننا رہا یہاں تک کہ آپ نے سجدے کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا فرمایا ابو لولید میں کہہ
 چکا اب تجھے اختیار ہے۔ عتبہ یہاں سے اٹھا اور اپنے ساتھیوں کی طرف چلا اس کے چہرے کو دیکھتے ہی ہر ایک کہنے لگا کہ عتبہ کا
 حال بدل گیا۔ اس سے پوچھا کہ کیا بات رہی؟ اس نے کہا میں نے تو ایسا کلام سنا ہے جو واللہ اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔ واللہ! نہ
 تو وہ جادو ہے نہ شعر گوئی ہے نہ کاہنوں کا کلام ہے۔ سنو قریشیو! میری ماں لو اور میری اس چچی تلی بات کو قبول کر لو۔ اسے اس کے

خیالات پر چھوڑ دینا اس کی مخالفت کرونا اتفاق۔ اس کی مخالفت میں سارا عرب کافی ہے اور جو یہ کہتا ہے اس میں تمام عرب اس کا مخالف ہے وہ اپنی تمام طاقت اس کے مقابلہ میں صرف کر رہا ہے یا تو وہ اس پر غالب آ جائیں گے اگر وہ اس پر غالب آ گئے تو تم سستے چھوٹے یا یہ ان پر غالب آیا تو اس کا ملک تمہارا ہی ملک کہلائے گا اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور سب سے زیادہ اس کے نزدیک مقبول تم ہی ہو گے۔ یہ سن کر قریشیوں نے کہا ابوالولید قسم اللہ کی محمد ﷺ نے تجھ پر جادو کر دیا۔ اس نے جواب دیا میری اپنی جورائے تمہی آزادی سے کہہ چکا، اب تمہیں اپنے فعل کا اختیار ہے۔

کِتَابٌ فَضَّلْتَ آيَتَهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٠﴾

قرآن کی آیات مفصل ہیں، وہ بشیر ہے اور نذیر ہے، منکرین اس سے اعراض کرتے ہیں:

حَمْدٌ ﴿١٠﴾ یہ حروف مقطعات میں سے ہے اس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اس کے بعد دو آیتوں میں قرآن مجید کی صفات بیان فرمائی، اول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے جو رحمن ہے اور رحیم ہے یعنی بہت بڑا مہربان ہے بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے اس کی رحمت کا تقاضا ہوا کہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے کتاب نازل فرمائے دوم یہ کہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کی آیات مفصل ہیں یعنی خوب صاف صاف بیان کی گئی ہیں سوم یہ فرمایا کہ یہ قرآن کی آیات ہیں جو عربی ہے اس کے اولین مخاطب اہل عرب ہیں اس کا سمجھنا ان کے لیے آسان ہے اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے چونکہ بہت اعلیٰ ہے اس لیے بطور معجزہ اہل عرب پر اس کے ذریعہ حجت قائم ہو چکی ہے اب جو شخص ایمان نہ لائے گا اپنا برا کرے گا یوں تو قرآن سب ہی کو حق کی دعوت دیتا ہے اور سب ہی پر اس کا ماننا اور اس پر ایمان لانا فرض ہے لیکن اہل علم ہی اس سے مستفید اور منتفع ہوتے ہیں اس لیے (لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٠﴾) فرمایا چہارم (بَشِيرًا وَّاذِّنًا يَوْمَآءٍ) فرمایا کہ قرآن اپنے ماننے والوں کو بشارت دینے والا ہے اور منکرین کو ڈرانے والا ہے اس کے بعد لوگوں کی روگردانی کا تذکرہ فرمایا باوجودیکہ قرآن اپنے ماننے والوں کو بشارت دینے والا ہے اور منکرین کو ڈرانے والا ہے اس کے بعد لوگوں کی روگردانی کا تذکرہ فرمایا باوجودیکہ قرآن خوب اچھی طرح واضح طور پر بیان فرماتا ہے بشیر بھی ہے اور نذیر بھی اکثر لوگ اس کی طرف سے اعراض یعنی روگردانی کرتے ہیں اور ساری سنی ان سنی کر دیتے ہیں گویا کہ انہوں نے سنا ہی نہیں اسی کو فرمایا: (فَاعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١١﴾) اور نہ صرف یہ کہ ایمان نہ لائے اور جو کچھ سنا تھا اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے خطاب کر کے یوں کہنے لگے کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے تمہاری دعوت نہ ہمارے کان سننے کو تیار ہیں اور نہ ہمارے دلوں کو اس کا قبول کرنا گوارا ہے اور مزید یوں کہا کہ تم اگرچہ حسی اور جسمانی طور پر قریب ہو لیکن حقیقت میں ہمارے اور تمہارے درمیان بعد ہے اور پردہ ہے جو کچھ کہو ہم سننے اور ماننے والے نہیں ان لوگوں نے یہ بھی کہا: (فَاعْمَلْ إِنَّا نَحْمَدُونَ ﴿١٢﴾) کہ آپ اپنا عمل کرتے رہیں ہم اپنے دین کے مطابق عمل کرتے رہیں گے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ تمہاری کاٹ کریں گے یہ کہہ کر دعوت حق سننے اور قبول کرنے سے بالکل ہی انکاری ہو گئے۔ ان لوگوں نے جو یہ کہا کہ ہمارے دلوں پر پردے ہیں اور کانوں میں ڈاٹ ہے چونکہ اس سے اصرار علی الفکر مقصود تھا اس لیے (وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ

مَنْ يَتَّبِعْهُ فَإِنَّ اللَّهَ يَفْعَلْ الْكَرِيمَ (سورة المائدة: ۵۸)۔ اِس کے معنی ہیں کہ جس نے اللہ کی سنتوں کو اپنا نمونہ بنا لیا اور ان سے اپنی زندگی بسر کی تو اللہ اس کو کریم بنا دے گا۔

مَنْ إِنَّمَا آتَا بَشَرًا مِثْلَكُمْ ---

حصول نجات اور اتباع رسول ﷺ:

اللہ کا حکم ہو رہا ہے کہ ان جھٹلانے والے مشرکوں کے سامنے اعلان کر دیتے کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ مجھے پذیریدہی الہی کے حکم دیا گیا ہے کہ تم سب کا معبود ایک اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم جو متفرق اور کئی ایک معبود بنائے بیٹھے ہو یہ طریقہ سراسر گمراہی والا ہے۔ تم ساری عبادتیں اسی ایک اللہ کیلئے بجالاؤ۔ اور ٹھیک اسی طرح جس طرح تمہیں اس کے رسول سے معلوم ہو۔ اور اپنے اگلے گناہوں سے توبہ کرو۔ ان کی معافی طلب کرو۔ یقین مانو کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ہلاک ہونے والے ہیں، جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ یعنی بقول ابن عباس لا الہ الا اللہ کی شہادت نہیں دیتے۔ مگر وہ بھی فرماتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّهَا (النس: ۹) یعنی اس نے فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا۔ اور وہ ہلاک ہوا جس نے اسے دبا دیا۔ اور آیت میں فرمایا: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَوَّجَ (الانعام: ۱۳) یعنی اس نے نہات حاصل کر لی جس نے پاکیزگی کی اور اپنے رب کا نام ذکر کیا پھر نماز ادا کی۔ اور جگہ ارشاد ہے: هَلْ لَكَ إِلَىٰ أَنْ تَزَوَّجَ (الانعام: ۱۸) کیا تجھے پاک ہونے کا خیال ہے؟ ان آیتوں میں زکوٰۃ یعنی پاکی سے مطلب نفس کو بے ہودہ اخلاق سے دور کرنا ہے اور سب سے بڑی اور پہلی قسم اس کی شرک سے پاک ہونا ہے، اسی طرح آیت مندرجہ بالا میں بھی زکوٰۃ نہ دینے سے توحید کا نہ ماننا مراد ہے۔ مال کی زکوٰۃ کو زکوٰۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ حرمت سے پاک کر دیتی ہے۔ اور زیادتی اور برکت اور کثرت مال کا باعث بنتی ہے۔ اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ کی توفیق ہوتی ہے۔ لیکن امام سعدی، مادیہ بن قرقہ، قتادہ اور اکثر مفسرین نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ مال زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے امام ابن جریر بھی اسی کو مختار کہتے ہیں۔ لیکن یہ قول تامل طلب ہے۔ اس لیے کہ زکوٰۃ فرض ہوتی ہے مدینے میں جا کر ہجرت کے دوسرے سال۔ اور یہ آیت اتری ہے کے شریف میں۔ زیادہ سے زیادہ اس تفسیر کو مان کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صدقے اور زکوٰۃ کی اصل کا حکم توبت کی ابتدا میں ہی تھا، جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے: وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (الانعام: ۱۳۱) جس دن کھیت کا نو اس کا حق دے دیا کرو۔ ہاں وہ زکوٰۃ جس کا نصاب اور جو اس کی مقدار من جانب اللہ مقرر ہے وہ مدینے میں مقرر ہوئی۔ یہ قول ایسا ہے جس سے دونوں باتوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ خود نماز کو دیکھئے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے ابتداء نبوت میں ہی فرض ہو چکی تھی۔ لیکن معراج والی رات ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے پانچوں نمازیں باقاعدہ شروط و ارکان کے ساتھ مقرر ہو گئیں۔ اور رفتہ رفتہ اس کے تمام متعلقات پورے کر دیئے گئے واللہ اعلم، اس کے بعد اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے۔ کہ اللہ کے ماننے والوں اور نبی کے اطاعت گزاروں کیلئے وہ اجر و ثواب ہے جو دائمی ہے اور کبھی ختم نہیں ہونے والا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے: مَا كَيْفِيَّةٌ فِيهِ أَبَدًا (کہف: ۳) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور فرماتا ہے: عَطَاءٌ غَيْرٌ يُغْلَبُ (ہود: ۱۰۸) انہیں جو انعام دیا جائے گا وہ نہ ٹوٹے والا اور

مسئل ہے۔ سدی کہتے ہیں گویا وہ ان کا حق ہے جو انہیں دیا گیا کہ بطور احسان ہے۔ لیکن بعض ائمہ نے اس کی تردید کی ہے۔ کیونکہ اہل جنت پر بھی اللہ کا احسان یقیناً ہے۔ خود قرآن میں ہے: **بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِالْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** (البرات: ۷) یعنی بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ وہ تمہیں ایمان کی ہدایت کرتا ہے۔ جنتیوں کا قول ہے: **فَمَنْ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَعْنَا عَذَابَ السُّوْمِ** (الطور: ۲۷) پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور آگ کے عذاب سے بچا لیا۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں مگر یہ کہ مجھے اپنی رحمت میں لے لے اور اپنے فضل و احسان میں۔

قُلْ اِيْتَكُمْ بِتَحْقِيْقِ الْهَمْزَةِ الثَّانِيَةِ وَ تَسْهِيْلِهَا وَاَدْخَالِ الْاَلِفِ بَيْنَهَا بِوَجْهِهَا وَ بَيْنِ الْاُوْلٰى لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ الْاَحَدِ وَالْاٰثِنِيْنَ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهَا اَنْدَادًا ۗ شُرَكَاءُ ذٰلِكَ رَبُّ مٰلِكِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ جَمْعُ عَالِمٍ وَهُوَ مَا سِوَى اللّٰهِ وَ جَمْعٌ لِاخْتِلَافِ اَنْوَاعِهِ بِالْبَيِّنَاتِ وَ التَّوْنِ تَغْلِيْبًا لِلْعُقُلَا ۗ وَ جَعَلَ مُشْتَانًا وَّلَا يَجُوْزُ عَطْفُهُ عَلٰى صِلَةِ الَّذِي لِلْفٰصِلِ الْاَجْنَبِيِّ فِيْهَا رَوٰسِي حَبَالًا نَّوَابِتٍ مِّنْ فَوْقِهَا وَ بَرَكٌ فِيْهَا بِكَثْرَةِ الْمِيَاهِ وَ الزَّرْوَعِ وَ الصُّرُوْعِ وَ قَدَّارٌ فَتَسَمُّ فِيْهَا اَقْوَاتُهَا لِلنَّاسِ وَ الْبَهَائِمِ فِيْ تَمَامِ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۗ اَيُّ الْجَعْلِ وَ مَا ذَكَرَ مَعَهُ فِيْ يَوْمِ الثَّلَاثَةِ وَ الْاَرْبَعَةِ سِوَا مَنطُوْبٍ عَلٰى الْمُصَدِّرِ اَيُّ اسْتَوَتْ الْاَرْبَعَةُ اسْتَوٰ ۗ لَا تَزِيْدُ وَلَا تَنْقُصُ لِلنَّسَابِلِيْنَ ۝۱۱ عَنِ خَلْقِ الْاَرْضِ بِمَا فِيْهَا ثُمَّ اسْتَوٰى قَصْدًا اِلَى السَّمَاءِ وَ هِيَ دُخَانٌ بَخَارٌ مُّزْتَفِعٌ فَقَالَ لَهَا وَاِلَى الْاَرْضِ اِخْتِيًّا اِلَى مُرَادِيْ مِنْكُمْ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۗ فِيْ مَوْضِعِ الْحَالِ اَيُّ طَائِعَتِيْنَ اَوْ مُكْرَهَتِيْنَ قَالَتَا اَتَيْنَا بِمَنْ فِينَا طٰٓئِعِيْنَ ۝۱۲ فِيْهِ تَغْلِيْبُ الْمَذْكُورِ الْعٰلِلِ اَوْ نَزَلْنَا لِخَطَايَاهِمَا مَنَزِلَتَهُ فَقَضٰهُنَّ الصَّمِيْمُ يَرْجِعُ اِلَى السَّمَاءِ لِاَنَّهَا فِيْ مَعْنٰى الْجَمْعِ الْاَثَلَةُ اِلَيْهِ اَيُّ صَبَّرَهَا سَبْعَ سَهَوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ الْخَمِيْسِ وَ الْجُمُعَةِ فَرَعٌ مِنْهَا فِيْ اٰخِرِ سَاعَةٍ مِنْهُ وَ فِيْهَا خُلِقَ اٰدَمُ وَ لِذٰلِكَ لَمْ يُقَلِّ هُنَا سِوَا وَ رَافَقَ مَا هُنَا اَيَّاتُ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَ الْاَرْضِ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاءٍ اَمْرَهَا ۗ الَّذِيْ اَمْرٌ بِهِ مَنْ فِيْهَا مِنَ الطَّاعَةِ وَ الْعِبَادَةِ وَ زِيْنَتَا السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِصَابِيْحٍ ۗ بِنُجُوْمٍ وَ حِفْظًا ۗ مُنطُوْبٍ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ اَيُّ حَفِظْنَاهَا عَنْ اسْتِرَاقِ الشَّيَاطِيْنِ السَّمْعَ بِالشُّهْبِ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ بِنِيْ مَلِكِهِ الْعَلِيِّ ۝۱۳ بِخَلْقِهِ اِنَّمَا اَعْرَضُوْا اَيُّ كَفَّارٌ مَّكَّةً عَنِ الْاِيْمَانِ بَعْدَ هَذَا الْبَيَانِ فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ خَوْفَكُمْ ضَاعِقَةً مِّثْلَ ضِعْفَةٍ مِّثْلَ ضِعْفَةٍ عَادٍ وَ شَمُوْدٍ ۝۱۴ اَيُّ عَذَابًا يُهْلِكُكُمْ مِثْلَ الَّذِيْ اَهْلَكَكُمْ

پھر آخرت گھڑی میں آدم کو پیدا کیا اسی لیے یہاں لفظ سوا نہیں فرمایا اس کا مضمون ان آیات کے مطابق ہو گیا جن میں آسمان وزمین کی پیدائش چودن میں بیان ہوئی اور ہر آسمان میں اس کے مناسب اپنا عظم بھیج دیا جو وہاں رہنے والی مخلوق کی اجازت و عبادت سے متعلق تھا۔

اور ہم نے اس آسمان وزمین کو چراغوں ستاروں سے زینت بخشی اور اس کی حفاظت کی حفاظت فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے: **حفظنا ما حفظنا عن استراق الشياطين السمع بالشهب** ہم نے شہاب کے ذریعہ آسمانوں کے شیاطین سے چوری چھپے باتیں سنا۔ اسے حفاظت کر دی یہ منصوبہ بندی اپنے ملک میں غالب اپنی مخلوق سے باخبر کی ہے پس اگر اس بیان کے بعد بھی کفار مکہ ایمان سے روگردانی کریں تو کہہ دیجئے کہ میں اس کڑک سے ڈراتا ہوں جو عا و ثمود کی کڑک کے مانند ہوگی یعنی اس عذاب سے ڈراتا ہوں جو تم ہلاک کر دے گا اور وہ اس عذاب کے مانند ہوگا جس نے ان کو ہلاک کر دیا جب کہ ان کے پاس آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی پیغمبر آئے یعنی یکے بعد دیگرے تو ان لوگوں نے انکار کر لیا جیسا کہ عنقریب آتا ہے اور ہلاکت آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہوئی نہ کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کہ تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو تو انہوں نے جواب دیا اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا ہم تو تمہارے گمان کے مطابق تمہاری رسالت کے بالکل منکر ہیں سو عا و نے تو ناحق زمین میں سرکشی شروع کر دی اور جب انکو ڈرایا گیا تو کہنے لگے ہم سے زیادہ زور آور کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں چنانچہ ایک ایک آدمی تباہی پھاڑ کی چٹان اکھاڑ کر جہاں چاہتا رکھ دیتا تھا کیا ان کو یہ نظر نہ آیا کہ جس خدا نے انکو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت زیادہ ہے اور یہ لوگ ہماری آیتوں معجزات کا انکار کرتے رہے تو ہم نے ان پر ایک جھونکا بھیجا سخت برفباری ہوا جس میں کڑکا تھا مگر بارش نہیں تھی منحوس دنوں میں۔

”نحسات“ حاء کے کسرہ اور حاء کے سکون کے ساتھ ہے وہ دن ان کے حق میں نامبارک تھے تاکہ ہم ان کو مزہ چکھادیں رسوائی ذلت، کے عذاب کا اس دنیا ہی میں اور آخرت کا عذاب اور بھی رسوا کن سخت ترین ہوگا اور انکی مدد نہیں ہوگی ان سے عذاب دور کر کے اور قوم ثمود کو ہم نے راستہ بتایا ہدایت کی راہ ان کے لئے واضح کر دی مگر انہوں نے پسند کر لیا مگر اہی کو کفر کو ہدایت پر ترجیح دی ہدایت کے مقابلہ میں ان کو عذاب سراپا ذلت اہانت آمیز کی آفت نے آدبایا انکی بدکرداریوں کی وجہ سے اور ہم نے ان میں سے ان لوگوں کو نجات دے دی جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے اللہ سے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **تاكيد**: یعنی کفر کا تذکرہ للمشرکین کے بعد تاکید کے لیے ہے۔

قوله: **لِلْفَاصِلِ الْأَجْنَبِيِّ**: یعنی صلہ سے وہ الگ ہے اور **وَتَجْعَلُونَ** ہے جس کا عطف مقدم **لَتَكْفُرُونَ** پر ہے۔

قوله: **وَالضَّرْزُوعِ**: اس طرح کہ قسم قسم کے حیوانات دودھ والے پیدا کر دیئے۔

قوله: **أَتُوا أَنهَابَ النَّاسِ**: یعنی زمین کے رہنے والوں کی خوراکیں کہ ہر ایک نوع کو اس کی مصلحت کے مطابق دیا۔ مضاف

مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِحُجَّتِمْ عَلِيمٌ ﴿۱۰﴾ سورة بقرہ کی آیات میں ایام تخلیق کی تعیین اور تفصیل کا ذکر نہیں۔ سورہ فصلت کی مذکورہ آیات میں بھی اس کا ذکر ہے۔

آسمان وزمین کی تخلیق میں ترتیب اور ایام تخلیق کی تعیین:

بیان القرآن میں حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا کہ یوں تو زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر مختصر و مفصل قرآن کریم میں سینکڑوں جگہ آیا ہے۔ مگر ان میں ترتیب کا بیان کہ پہلے کیا بنا چھپے کیا بنا، یہ غالباً صرف تین ہی آیتوں میں آیا ہے۔ ایک یہ آیت حم سجدہ کی اور دوسری سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت، تیسری سورہ نازعات لیلھا و اخرج ضحھا و الارض بعد ذلك دحھا اخرج منها ماءھا ومرعھا و الجبال ارسھا اور سرسری نظر میں ان سب مضامین میں کچھ اختلاف سا بھی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سورہ بقرہ اور سورہ حم سجدہ کی آیت سے زمین کی تخلیق آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سورہ بقرہ اور سورہ حم سجدہ کی آیت سے زمین کی تخلیق آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے اور سورہ نازعات کی آیات سے اس کے برعکس بظاہر زمین کی تخلیق آسمان کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ سب آیات میں غور کرنے سے میرے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اول زمین کا مادہ بنا اور ہنوز اس کی موجودہ ہیئت نہ بنی تھی کہ اسی حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو دخان یعنی دھوئیں کی شکل میں تھا، اس کے بعد زمین ہیئت موجودہ پر پھیلا دی گئی۔ پھر اس پر پہاڑ اور درخت وغیرہ پیدا کئے گئے۔ پھر آسمان کے مادہ دخانیہ سیالہ کے ساتھ آسمان بنا دیئے۔ امید ہے کہ سب آیتیں اس تقریر پر منطبق ہو جاویں گی۔ آگے حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہیں۔ (بیان القرآن۔ سورہ بقرہ کو رو ۲)

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی آیت کے تحت میں چند سوالات و جوابات مذکور ہیں۔ ان میں اس آیت کی جو تشریح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائی وہ تقریباً یہی ہے، جو حضرت نے تطبیق آیات کے لیے بیان فرمائی ہے۔ اس کے الفاظ جو ابن کثیر نے اسی آیت کے تحت میں نقل کئے ہیں یہ ہیں:

وخلق الارض فی یومین ثم خلق السماء ثم استوی الی السماء فسوھن فی یومین اخرین ثم دحی الارض ودحیھا ان اخرج منها الماء والمرعی وخلق الجبال والرمال والجهاد والاکام وما بینھا فی یومین اخرین فذلک قولہ تعالیٰ دحھا۔

اور حافظ ابن کثیر نے بحوالہ ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت حم سجدہ کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ: یہود مدینہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے متعلق سوال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا فرمایا، اور پہاڑ اور اس میں جو کچھ معدنیات وغیرہ ہیں ان کو منگل کے روز اور درخت اور پانی کے چشمے اور شہر اور نمازیں اور دیران میدان بدھ کے روز، یہ کل چار روز ہو گئے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

(قُلْ اِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهٗ اٰنْدَادًا اَذْكَرُ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَجَعَلَ فِيهَا

رَوَايَتِي مِنْ فَوْقِهَا وَبُرُوكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَامَهَا قِيَّ أَرْبَعَةَ أَيَّامٍ سَوَاءً لَيْلًا أَوْ نَهَارًا (یعنی ان لوگوں کے لیے جو اس تخلیق کا سول کریں۔ پھر فرمایا اور جمعرات کے روز آسمان بنائے اور جمعہ کے روز ستارے اور شمس و قمر اور فرشتے یہ سب کام جمعہ کے دن میں تین ساعت باقی تھیں جب پورے ہوئے۔ ان میں سے دوسری ساعت میں آفات و مصائب جو ہر چیز پر آنے والی ہیں وہ پیدا فرمائی ہیں اور تیسری ساعت میں آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان کو جنت میں ٹھہرایا اور ابلیس کو سجدہ کا حکم دیا اور سجدہ سے انکار کرنے پر جنت سے نکال دیا گیا۔ یہ سب تیسری ساعت کے ختم ہوا۔

(الحدیث بطول ابن کثیر)

ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کر کے: هذا الحدیث فیہ غرابہ۔

اور صحیح مسلم میں ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آئی ہے جس میں تخلیق عالم کی ابتدا یوم السبت یعنی ہفتے کے روز سے بتلائی گئی ہے۔ اس کے حساب سے آسمان و زمین کی تخلیق کا سات روز میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر عام نصوص قرآن میں یہ تخلیق چھ روز میں ہونا صراحتاً مذکور ہے۔ ولقد خلقنا السموات والارض وما بینہما فی سبعتہ ایام وما مسنا من لغوب۔ یعنی ہم نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے اس کو چھ دن میں، اور ہمیں کوئی تھکان پیش نہیں آیا۔ اس لیے نیز اس کی سند کے اعتبار سے بھی اکابر محدثین نے اس روایت کو معطل قرار دیا ہے۔ ابن کثیر نے اس کو بحوالہ صحیح مسلم و نسائی نقل کر کے فرمایا: و هو من غرائب الصحیح المسلم کما فی زاد المسیر لابن اجوزی۔ یعنی یہ حدیث صحیح مسلم کے عجائب میں سے ہے۔ اور پھر فرمایا کہ امام بخاری نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں اس روایت کو معطل قرار دیا ہے، اور بعض لوگوں نے اس روایت کو حضرت ابو ہریرہ سے بہ روایت کعب احبار نقل کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں، اور فرمایا کہ یہی اصح ہے۔ (ابن کثیر ص ۹۹، ج ۱) اسی طرح ابن مدینی اور بیہقی وغیرہ حفاظ حدیث نے بھی اس کو کعب احبار کا قول قرار دیا ہے۔

(حاشیہ زاد المسیر لابن اجوزی ص ۲۷۲، ج ۷)

پہلی روایت جو ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے، ابن کثیر کے فیصلے کے مطابق اس میں بھی غرابت ہے۔ ایک وجہ غرابت کی یہ بھی ہے کہ اس روایت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق آسمانوں کی تخلیق کے ساتھ آخری دن جمعہ کے آخری ساعت میں اور اسی ساعت میں حکم سجدہ اور ابلیس کا جنت سے اخراج مذکور ہے۔

حالانکہ متعدد آیات قرآنی میں جو قصہ تخلیق آدم علیہ السلام کا اور حکم سجدہ اور اخراج ابلیس کا مذکور ہے اس کے سیاق سے بدیہی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تخلیق آدم علیہ السلام کا واقعہ تخلیق ارض و سماء سے بہت زمانہ بعد ہوا ہے جبکہ زمین میں اس کی تمام ضروریات مکمل ہو چکیں اور جنات و شیطین وہاں بسنے لگے۔ اس کے بعد فرمایا: انی جاعل فی الارض خلیفۃ

(کہذا قال فی التلمیذی)

خلاصہ یہ ہے کہ تخلیق ارض و سماء کے اوقات اور دن اور ان میں ترتیب جن روایات حدیث میں آئی ہے ان میں کوئی روایت ایسی نہیں جس کو قرآن کی طرح قطعی یقینی کہا جاسکے، بلکہ یہ احتمال غالب ہے کہ یہ اسرائیلی روایات ہوں مرفوع احادیث نہ ہوں جیسا کہ ابن کثیر نے مسلم، نسائی کی حدیث کے متعلق اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اس لیے آیات قرآنی ہی کو اصل قرار

اور حضرت حسن اور سدی نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے ہر حصہ میں اس کے بسنے رہنے والوں کی معالج کے مناسب رزق اور روزی مقدر فرمادی۔ مقدر فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم جاری کر دیا کہ اس حصہ زمین میں ملاں ملاں چیزیں اتنی اتنی مقدار سے پیدا ہو جائیں۔ اسی تقدیر الہی سے ہر حصہ زمین کی ہر خصوصیات ہو گئیں، ہر جگہ مختلف قسم کی مددنیات اور مختلف اقسام کی نباتات اور درخت اور جانور اس خطہ کی ضروریات ان کے مزاج و مرفوعات کے مطابق پیدا فرما دیئے۔

اسی سے ہر خطہ کی مصنوعات و ملبوسات مختلف ہوتی ہیں۔ یمن میں عصب، ساہور میں ساہوری، رے میں طیالہ۔ کسی خطہ میں گندم، کسی میں چاول اور دوسرے غلات، کسی جگہ میں روئی، کسی میں جوٹ، کسی میں سیب انگور اور کسی میں آم۔ اس اختلاف اشیاء میں ہر خطہ کے مزاجوں کی مناسبت بھی ہے اور عکرمہ اور ضحاک کے قول کے مطابق یہ فائدہ بھی ہے کہ دنیا کے سب خطوں اور ملکوں میں باہمی تجارت اور تعاون کی راہیں کھلیں۔ کوئی خطہ دوسرے خطہ سے مستغنی نہ ہو۔ باہمی احتیاج ہی پر باہمی تعاون کی مضبوط تعمیر ہو سکتی ہے۔ مگر مہ نے فرمایا کہ بعض خطوں میں نمک کو سونے کے برابر تول کر فروخت کیا جاتا ہے۔

گویا زمین کو حق تعالیٰ نے اس پر بسنے والے انسانوں اور جانوروں کی تمام ضروریات، غذا، مسکن اور لباس وغیرہ کا ایک ایسا عظیم الشان گدام بنا دیا ہے، جس میں قیامت تک آنے اور بسنے والے اربوں اور کھربوں انسانوں اور لاتعداد جانوروں کی سب ضروریات رکھ دی ہیں۔ وہ زمین کے پیٹ میں بڑھتی اور حسب ضرورت قیمت تک نکلتی رہیں گی۔ انسان کا کام صرف یہ رہے گا کہ اپنی ضروریات کو زمین سے نکال کر اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرے۔ آگے آیت میں فرمایا: سَوَاءٌ لِّلسَّالِفِينَ ﴿۱۰﴾ اس جملہ کا تعلق اکثر حضرات مفسرین نے اربعہ ایام کے ساتھ قرار دیا ہے۔ معنی یہ ہیں یہ سب تخلیقات عظیمہ ٹھیک چار دن میں ہوئی ہیں۔ اور چونکہ عرف میں جس کو چار کہہ دیا جاتا ہے۔ وہ کبھی چار سے کچھ کم کبھی زیادہ بھی ہوتا ہے، مگر کسر کو حذف کر کے اس کو چار ہی کہہ دیتے ہیں۔ آیت میں اس جگہ لفظ سوائی بڑھا کر اس احتمال کو قطع کر کے یہ بتلادیا کہ یہ کام پورے چار دن میں ٹھیک ہوا ہے۔ اور لِّلَّسَّالِفِينَ فرمانے کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ آسمان زمین کی تخلیق کے متعلق آپ سے سوالات کر رہے ہیں جیسا کہ یہود کا سوال کرنا تفسیر ابن جریر اور درمنثور میں منقول ہے۔ ان سوالات کرنے والوں کو یہ بتلادیا گیا ہے کہ یہ سب تخلیق ٹھیک چار دن میں ہوئی ہے۔ (ابن کثیر، قرطبی، روح)

اور بعض مفسرین ابن زید وغیرہ نے لِّلَّسَّالِفِينَ کا تعلق جملہ وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا کے ساتھ قرار دیا ہے۔ اور سائلین کے معنی طالبین و محتاجین کے لیے ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ زمین میں اللہ تعالیٰ نے جو مختلف اجناس و اقسام کی اقوات و ضروریات پیدا فرمائی ہیں یہ ان لوگوں کے فائدے کے لیے ہیں جو ان کے طالب اور حاجت مند ہیں اور چونکہ طالب و محتاج مادتا سوال کیا کرتا ہے اس لیے اس کو سائلین کے لفظ سے تعبیر کر دیا۔ (بجربوٹ)

اور ابن کثیر نے اس تفسیر کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا: اِنَّكُمْ مِنْ كُلِّ مَاسَاَلْتُمُوْهُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے وہ سب چیزیں عطا فرمائیں، جو تم نے مانگیں کیونکہ یہاں بھی مانگنے سے مراد ان کا حاجت مند ہونا ہے۔ سوال کرنا شرط نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ نے چیزیں نہ مانگنے والوں کو بھی عطا فرمائی ہیں۔

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ

اللہ تعالیٰ نے جب آسمان اور زمین کو فرمایا کہ تم دونوں آ جاؤ خواہ خوشی سے، خواہ مجبوری سے، تو انہوں نے عرض کیا، کہ ہم خوشی اور رضامندی سے حاضر ہیں سو اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کائنات کی جو چیزیں فطری اور جبلی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتی ہیں، ان کی یہ اطاعت مجبوراً نہیں ہوتی، بلکہ ان کی خوشی اور رضامندی سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت و جبلت کو اسلام ہی کے سانچے پر ڈھالا ہے سو کائنات کی ہر چیز اپنی اصل اور فطرت کے اعتبار سے مسلم اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے، فرشتے بھی جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ خدا کی فرمانبرداری پر مجبور ہیں، بلکہ وہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنی خوشی و رضامندی سے کرتے ہیں کہ قدرت نے ان کی فطرت ہی اسلام پر بنائی ہے۔ اس لیے ان سے کبھی اس کی خلاف ورزی صادر نہیں ہو سکتی۔ سو کائنات پوری اپنی اصل اور فطرت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار و فرمانبردار ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا (وَلَوْلَا أَنشَأَكُم مِّن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ظُلُوْعًا وَّ كُرْهًا وَّ اَلَيْسَ لِيُذِجْكُم مِّنْهَا) (آل عمران: ۸۳) یعنی اسی کیلئے فرمانبردار ہیں وہ سب جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے یا مجبوری سے۔ اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ان سب نے۔ نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا (كُلُّ لَهٗ قٰبِلٌ) (البقرہ: ۱۱۶) یعنی سب کے سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔ زیر بحث آیت کریمہ سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ کائنات کی جن چیزوں کو ہم لوگ بالکل جمادلا یعقل سمجھتے ہیں، ان کے اندر بھی ایک خاص قسم کا شعور و ادراک پایا جاتا ہے، جس سے وہ اپنے رب کے حکم کو سمجھتی۔ اور ان کو بجالاتی ہیں۔ سو اپنے رب کے حکموں کو سمجھنے، اس کی باتوں کا جواب دینے، اسکے ارشادات کی تعمیل کرنے، اور اس کی تحمید و تسبیح کے سلسلہ میں یہ سب پوری طرح عاقل ہیں۔ چنانچہ آسمان اور زمین کی زبان سے یہاں پر جو قول نقل فرمایا گیا ہے، وہ طٰٓءِجِيْنَ کے لفظ سے آیا ہے جو کہ ذوی العقول ہی کیلئے موزوں ہے۔ پس آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے۔ اگرچہ ہم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: (وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهَا وَّلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ) (الاسراء: ۴۴) سو ہم اگر ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے، اور ان سے خطاب نہیں کر سکتے، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ بالکل جمادلا یعقل ہیں، اور ہمیں اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ ہم ان کو بالکل لا یعقل قرار دے دیں۔ بلکہ یہ ہمارے اپنے علم کی کوتاہی اور نارسائی ہے اللہ تعالیٰ کائنات کے ایک ایک ذرے کی تسبیح و تحمید کو سمجھتا ہے، اور ہر ذرہ اس کے حکموں کو سمجھ کر اس کی تعمیل کرتا ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ، نیز یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ کتنے بد بخت اور کس قدر محروم ہیں جو اس کائنات اور اسکی ہر چیز کے برعکس عقل و فہم رکھنے کے باوجود اپنے خالق و مالک کی نافرمانی اور حکم عدولی کرتے ہیں،

رَبِّنَا السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِمَا صَوَّبْنَا ...

آسمان دنیا کی تزئین کا عظیم الشان انتظام:

ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے مزین کیا قریب کے آسمان کو عظیم الشان چراغوں سے۔ یعنی ستاروں سے جو کہ چراغوں اور فانوسوں کی طرح اس کے نیچے معلق ہیں اور قادر مطلق کی بے مثال قدرت کی شہادت دے رہے ہیں۔ اور جب ان میں سے کسی

بھی کام میں کوئی اس کا شریک و سہم نہیں تو پھر اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک کیسے ہو سکتا ہے؟ بہر کیف ارشاد فرمایا
 عیا کہ ہم نے آسمان دنیا کو عظیم الشان چراغوں سے مزین کیا کہ تاکہ اس طرح تم لوگ اس عظیم الشان ترین و آرائش سے لطف
 اندوز بھی ہو سکو اور تمہاری طرح طرح کی اہم ضرورتوں کی تکمیل کا سامان بھی ہو سکے۔ اور تم جھلمل جھلمل کرتے ان ستاروں کی
 ڈوبتی لگتی روشنیوں سے اپنے قلب و نظر کو روشن کرنے کا سامان بھی کر سکو اور اپنے خالق و مالک کی قدرت اور اس کی عظمت شان
 کو بھی پہچن سکو اور بار بار اس کی طرف رجوع کرنے کی سعادت سے سرفراز ہو سکو۔ اور اس طرح تم اپنے قلب و باطن کو منور
 کرتے جاؤ۔ آسمان کی یہ عظیم الشان چھت اور سورج و چاند اور ستاروں کے یہ عظیم الشان چراغ اور تھے اپنی زبان حال سے
 پکار پکار کر اپنے خالق حکیم کے وجود باجود، اس کی قدرت کاملہ، حکمت بالغہ اور رحمت شاملہ کا پتہ دے رہے ہیں لیکن غافل و
 بے انصاف انسان ہے کہ وہ اس سب کے باوجود غفلت میں ڈوبا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی صحیح معرفت اور اپنی یاد و شاد سے ہمیشہ
 سرفراز و مالا مال رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ ...

حق سے اعراض کرنے والوں کو تنبیہ اور تہدید عادی و ثمود کی بربادی کا تذکرہ

ان آیات میں قرآن کریم کے مخاطبین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ تمہارے سامنے واضح طور پر دلائل آچکے ہیں نشانیاں دیکھ چکے
 ہو ان سب کے باوجود پھر بھی اعراض کرتے ہو ایمان نہیں لاتے لہذا سمجھ لو کہ عذاب آجائے گا تم سے پہلے ایسی امتیں گزری ہیں
 جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا پھر ان کو عذاب نے آدبا یا، عاد و ثمود تو میں گزر چکی ہیں انہوں نے اپنے اپنے رسول کی تکذیب کی
 پھر جلائے عذاب ہوئے اور ہلاک ہوئے ان پر جو عذاب کی مصیبت آئی میں تمہیں اس جیسی آفت سے ڈراتا ہوں، اللہ تعالیٰ
 کے پیغمبر ﷺ ان کے پاس آئے انہوں نے ان کو توحید کی دعوت دی کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہ لوگ دلیل سے دین
 توحید کی تردید نہ کر سکے اور حضرات انبیاء کرام ﷺ کی شخصیات پر اعتراض کرنے لگے، کہنے لگے کہ تم تو آدمی ہو جیسے ہم دیے تم
 اگر اللہ تعالیٰ کو رسول بھیجے ہی تھے تو کیا اس کے لیے تم ہی رہ گئے ہو اگر وہ چاہتا تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیج دیتا تم جو یہ کہتے ہو کہ
 ہم اللہ کے پیغمبر ہیں اور ایسے ایسے احکام لے کر آئے ہیں اور توحید کی دعوت ہمارا کام ہے ہم ان سب باتوں کے منکر ہیں۔

یہ تو دونوں قوموں کی مشترکہ باتیں تھیں اب الگ الگ بھی ان کا حال سنیں قوم عاد بڑے ڈیل ڈول والے تھے انہیں اپنی
 قوت اور طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا اس کی وجہ سے انہوں نے تکبر کی راہ اختیار کی اور بڑے غرور کے ساتھ کہنے لگے کہ هُنَّ اَشْدُّ
 مِنَّا قُوَّةً (کہ وہ کون ہے جو طاقت میں ہم سے بڑھ کر ہے) انسان کے بے قوتی دیکھو کہ وہ دنیا میں اموال و اولاد اور قوت اور
 طاقت پر گھمنڈ کر لیتا ہے اور تکبر میں آ کر بڑی بڑی باتیں کہہ جاتا ہے فرض کر دو موجودہ مخلوق میں کوئی بھی مقابل نہ ہو تو جس نے
 پیدا فرمایا اس کی قوت تو بہر حال سب سے زیادہ ہے اور بہت زیادہ ہے ان لوگوں نے اپنے خالق تعالیٰ شانہ پر نظر نہ کی اور تکبر
 کی بات کہہ دی ان کی اس بیوقوفی کو ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ
 قُوَّةً (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ طاقت کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے جس نے انہیں پیدا فرمایا۔)

وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿۵۹۸﴾ (اور یہ لوگ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے) واضح دلائل دیکھتے ہوئے اور جانتے بوجھتے انہوں نے حق سے منہ موڑا اور اس کے قبول کرنے سے انکار کیا۔

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ رِيحًا (سو ہم نے ان پر تیز ہوا بھیج دی) فِي آيَاتِهِمْ نَجَسَاتٍ (منحوس دنوں میں) لِيُنذِرَهُمْ عَذَابَ الْآخِرَةِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (تاکہ انہیں دنیا والی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھائیں) اور اسی عذاب پر بس نہیں ان کے لیے آخرت میں بھی عذاب ہے اور وہ اس دنیا والے عذاب سے بڑھ کر زیادہ ذلت اور رسوائی والا ہوگا وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ﴿۵۹۹﴾ اور وہاں ان کی مدد نہ کی جائے گی یہ جو ماں و دولت اور افراد و اولاد پر گھمنڈ ہے سب دھرا رہ جائے گا سورۃ الحاقہ میں فرمایا ہے (سَمِعَرَهَا عَلَيْهِمْ سَمْعَ لَيْلٍ وَجَمَائِمٌ مُّخْتَلِفٌ حُشُومًا خَوْفًا وَبُخًا وَخَوَافًا) (قوم عاد پر جو تیز ہوا بھیجی تھی وہ سات رات اور آٹھ دن ان پر مسلط فرمادی تھی سوائے مخاطب تو اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ گرمی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں) یہ لوگ بڑے ذلیل ڈول والے تھے اپنی قوت پر گھمنڈ کیے ہوئے تھے تند و تیز ہوانے بالکل ہی ان کا ناس کھو دیا کھجوروں کے تنوں کی طرح زمین پر گر گئے سورۃ القمر میں اسی کو (كَأَنَّهُمْ أَجْنَاءُ نُحُلٍ مُّثْقَلِينَ) فرمایا ہے۔

احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نحوست کوئی چیز نہیں ہے حضرت سعد بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو گھر میں اور گھوڑے میں اور عورت میں ہوتی (رواہ ابوداؤد کما فی المسئلۃ ۳۶۲) قوم عاد کے بارے میں جو یہ فرمایا کہ منحوس دنوں میں ان پر تیز ہوا بھیج دی یہ ان کے ساتھ خاص ہے یہ بات نہیں ہے کہ وہ دن سب کے لیے منحوس ہیں اگر ایسا ہوتا تو سارے ہی دن منحوس ہوتے کیونکہ ان پر ایک ہفتہ سے زیادہ تیز ہوا چلی۔

وَ أَفَّا كَلِمَةٌ فَهَادَ اللَّهُ لِقَوْمٍ أَكْفَرًا لَا يَتَّقُونَ ﴿۶۰۰﴾

اس کے بعد قوم ثمود کا حال بیان فرمایا: وَ أَفَّا كَلِمَةٌ فَهَادَ اللَّهُ لِقَوْمٍ أَكْفَرًا لَا يَتَّقُونَ ﴿۶۰۰﴾ اور یہ ہے ثمود سو ہم نے انہیں ہدایت دی یعنی ان کی طرف نبی بھیجا جس نے انہیں حق کا راستہ بتایا اور توحید کی دعوت دی انہوں نے سمجھ سے کام نہ لیا ہدایت کو اختیار نہ کیا اور اندھا رہنے کو یعنی گمراہی کو ترجیح دی جب ہدایت کو نہ مانا تو انہیں عذاب کی مصیبت نے پکڑ لیا اور وہ اپنے برے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے، صاعقہ کا اصل معنی بجلی کا ہے، جو بارش کے دنوں میں چمکتی ہے اور کبھی کبھی اس سے مطلق آفت بھی مراد لے لیتے ہیں۔

وَ نَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَ كَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۶۰۱﴾ (اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ڈرتے تھے) یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف کھاتے تھے۔

وَ اذْكَرُ يَوْمَ يَصْحَرُ بِالْبُيُوتِ وَ النَّوْنِ الْمَقْفُوحَةِ وَ ضَمَّ الشَّيْبِ وَ فَتِحَ الْهَمْزَةَ اَعْدَاءُ اللَّهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۶۰۲﴾ اِذَا مَا زَايَدَةُ جَاءُ وَهَا شَهِدَا عَلَيْهِمْ سَبْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۶۰۳﴾ وَ قَالُوا اَجْلُودُهُمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا اَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي اَلطَّقَ كُلَّ شَيْءٍ اَي

اَرَادَتْطَفَهُ وَهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ قِيلَ هُوَ مِنْ كَلَامِ الْجُلُودِ وَقِيلَ هُوَ مِنْ كَلَامِ اللّٰهِ
 نَعَالَى كَمَا لَدَى بَعْدَهُ وَمَوْقِفُهُ تَقْرِيْبٌ مَا قَبْلَهُ بِاَنَّ الْقَادِرَ عَلٰى اَنْشَاِئِكُمْ اِبْتِدَاً وَاعَادَتِكُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ اِحْتِيَاً
 قَادِرٌ عَلٰى اِنْطَاقِ جُلُودِكُمْ وَاَعْضَايِكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَعْتِرُونَ عِنْدَ اَزْتِكَابِكُمُ الْفَوَاحِشَ مِنْ اَنْ
 يَشْهَدَا عَلَيْكُمْ سَمْعَكُمْ وَلَا اَبْصَارَكُمْ وَلَا جُلُودَكُمْ لَا تَنْتَعِمُ لَمْ تُؤْتُوا بِالْبُعْثِ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ عِنْدَ
 اِسْتِئْثَارِكُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَذٰلِكُمْ مِثْبَدَاً ظَنُّكُمْ بِذَلِّ مِثْنِ الَّذِي ظَنَنْتُمْ
 بِرَبِّكُمْ نَعْتُ الْبَدَلِ وَالْخَبِيْرُ اَرْدَانِكُمْ اَيْ اَهْلَكِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَاِنْ يَصْبِرُوْا عَلٰى
 الْعَذَابِ فَالْتَاؤُ مَثْوٰى مُنْزِلٌ لَهُمْ ۝ وَاِنْ يَسْتَعْجِبُوْا يَطْلُبُوْا الْعُثْبٰى اَيِ الرِّضٰى فَمَا هُمْ مِنَ
 الْمُعْتَبِيْنَ ۝ الْمَرْضِيْنَ وَقِيْضْنَا سَبِيْنًا لَهُمْ قُرْنًا مِنَ الشَّيْطٰنِيْنَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
 مِنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَاِتِّبَاعِ الشَّهْوٰتِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ اَمْرِ الْاٰخِرَةِ بِقَوْلِهِمْ لَا بُعْثَ وَلَا حِسَابَ وَحَقَّ عَلَيْهِمْ
 الْقَوْلُ بِالْعَذَابِ وَهُوَ لَا مَلْئِكَةَ جَهَنَّمَ الْاَيَةُ فِيْ جُمْلَةِ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ هَلَكْتَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَ
 الْاِنْسِ ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

۱۲

تَرْجِعْتُمْ: اور یاد کیجئے اس دن کو جب جمع کر کے لائے جائیں گے۔ محشر یا اور لون مفتوحہ اور ضمہ شین اور اعداء کے آخر فتح
 ہزہ کے ساتھ ہے خدا کے دشمن دوزخ کی طرف پھردہ کھیلتے کھینچتے جائیں گے حتیٰ کہ جب باز آمد ہے وہ اس کے نزدیک لائے
 جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور بدن کی کھال ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے اور وہ لوگ اپنے اعضاء سے
 کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی وہ جواب دیں گے کہ ہم کو اس نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی دی
 گویائی کا ارادہ کیا تھا اور اس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس پھر لائے گئے ہو بعض کی رائے ہے کہ یہ گفتگو اعضاء
 کی ہے اور بعض کے نزدیک یہ اللہ کا کلام ہے جیسا کہ اگلا بھی اسی کا آ رہا ہے اور پہلے کلام کا اس سے ربط یہ ہوگا کہ جو ذات تمہیں
 پہلی بار پیدا کرنے اور دوبارہ جلانے پر قدرت رکھتی ہے وہی تمہاری کھالوں اور اعضاء کو بلوانے پر بھی قدر رکھتی ہے اور تم اس
 بات سے تو اپنے آپ کو چھپاتے نہیں سکتے تھے گناہ کرتے وقت کہ تمہارے کان اور آنکھیں اور کھالیں تمہارے خلاف گواہی
 دیں کیونکہ تمہیں قیامت کا یقین نہیں تھا لیکن تم اس گمان میں رہے چھپاتے وقت کہ اللہ کو تمہارے بہت اعمال سے اعمال کی خبر
 نہیں اور یہی مبتدأ ہے تمہارا گمان ہے مبتدأ کا بدل ہے جو تم نے اپنے پروردگار کے ساتھ کیا تھا یہ بدل کی صفت ہے اور خبر یہ ہے
 کہ اسی نے تم پر باد ہلاک کیا پھر تم خسارہ میں پڑ گئے۔ سو اگر یہ لوگ عذاب پر صبر کریں تب بھی دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ مقام ہے

اور اگر وہ عذر کرنا چاہیں گے معافی یعنی خوشنودی چاہیں گے تب بھی قبول نہ ہوگا ان سے رضا مندی نہ ہوگی اور ہم نے مقرر کر رکھے تھے ذریعہ بنایا تھا ان کے لئے کچھ ساتھ رہنے والے شیاطین سوانھوں نے انکی نظر میں مستحسن بنا رکھے تھے ان کے اگلے اعمال دنیا کے کام اور خواہشات کی اتباع اور پیچھے احوال آخرت کی باتیں ان کا یہ کہنا کہ نہ قیامت ہوگی اور نہ حساب کتاب اور ان کے حق میں بھی اللہ کی بات پوری ہو کر رہی عذاب کے متعلق: لاملان جہنم الخ کا ارشاد ان لوگوں کے ساتھ جو ان سے پہلے گزرے ہلاک ہو گئے یعنی جن و انس بیشک یہ سب خسارے میں رہے

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قولہ: **أَعْدَاءُ**: اس کا ہمزہ آخری **يُحْشَرُ** کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔
 قولہ: **مَآزِ أُنْدَادٍ**: شہادت کے حضور سے متصل ہونے کی تاکید کے لیے ہے۔
 قولہ: **تَقْرِيبُ مَا قَبْلَهُ**: یعنی خلقکم ان کو مقدر، نئے کی صورت میں کلام اللہ سے بھی ہو سکتا ہے جو اس لیے لایا گیا تاکہ ما قبل کو ہم سے قریب تر کر دیا جائے۔
 قولہ: **كُنْتُمْ رُكَّابٌ**: تم ارکاب خواہش کے وقت لوگوں سے چھتے تھے تاکہ رسوائی نہ ہو۔ اور اعضاء کی گواہی تو تمہارے گمان میں بھی نہ تھی۔
 قولہ: **كَيْضًا**: مقدر کرنا۔
 قولہ: **سَبَبْنَا**: یعنی سبب ایک ذریعہ ہے۔
 قولہ: **فَرْنَا**: اس سے وہ شیطان مراد ہیں جو وسوسہ اندازی کرتے ہیں۔
 قولہ: **بِئْسَ جُمْلَةٌ**: یہ ضمیر مجرور سے حال ہے۔ من جملہ امتوں میں۔
 قولہ: **إِنَّهُمْ**: یہ ضمیر ان کے اور امتوں کے لیے ہے۔

تفسیر مقبولین

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝

اللہ کے دشمنوں کا دوزخ کی طرف جمع کیا جانا ان کے اعضاء کا ان کے خلاف گواہی دینا:

ان آیات میں اللہ کے دشمنوں یعنی کافروں کی مصیبت بیان فرمائی کہ قیامت کے دن انہیں دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا جماعتیں جماعتیں بن کر اس کے قریب پہنچیں گے ایک جماعت آئے گی وہ روک لی جائے گی پھر دوسری جماعت آئے گی وہ بھی روک لی جائے گی جب یہ جماعتیں جمع ہو جائیں گی اور دوزخ کے قریب پہنچ جائیں گے تو ان کے خلاف ان کے کان اور

آہمیں اور کھالیں گواہی دیں گی دنیا میں جو جو کتیں کی تھیں یہ اعضاء سب بتادیں گے کہ اس شخص نے ہمیں ایسے کاموں میں استعمال کیا آنکھیں اور کان تو اعضاء ہیں اس دن کھالیں یعنی چمڑے بھی گواہی دیں گے کہ یہ لوگ ایسے اعمال کرتے تھے۔ چمڑا تو پورے بدن کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ ہر گناہ میں استعمال ہوتا ہے سورۃ النور اور سورۃ یسین میں ہاتھوں اور پاؤں کی گواہی کا بھی ذکر ہے جب کافروں کے اعضاء ہی ان کے خلاف گواہی دے دیں گے جن کے بارے میں انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا تو وہ کہیں گے کہ لَعْنَةُ شَهِيدٍ تُنَادِي بِعَدْوَانِهِمْ اَلَمْ نَكْفُرْ بِهٖمْ اَمْ كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی اس گواہی کا نتیجہ یہ ہے کہ تمہیں بھی عذاب ہوگا اور ہمیں بھی، کیونکہ ہمارے جسم کے اجزاء میں تم بھی شامل ہو ہمارے برے اعمال سے منکر ہونا تمہارے بچانے کے لیے ہی تھا اگر گواہی دے کر تم عذاب سے بچ جاتے تو تمہیں گواہی دینے کا کچھ فائدہ پہنچ جاتا۔ اعضاء کہیں گے کہ ہماری کیا حال تھی کہ نہ بولتے اور خاموش رہ کر گواہی کو چھپا لیتے؟ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں زبان دے دی اور حکم دے کر کہلوایا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ ہم گواہی نہ دیتے تمہارا جو خیال تھا کہ ہم بول نہیں سکتے یہ خیال غلط تھا اللہ جسے چاہے بولنے کی قوت دے سکتا ہے جس نے ہر بر بولنے والی چیز کو بولنے والا بنایا اسی نے ہمیں بھی قوت گویائی عطا فرمادی۔

صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ کو انہی آگئی آپ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو میں کس بات سے منس رہا ہوں ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں آپ نے فرمایا (قیامت کے دن) بندہ جو اپنے رب سے مخاطب ہوگا اس کی وجہ سے مجھے منسی آگئی بندہ کہے گا اے رب کیا آپ نے مجھے اس بات کا وعدہ نہیں دے دیا کہ مجھ پر ظلم نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا ہاں تجھ سے یہ وعدہ ہے اس پر وہ کہے گا کہ بس تو میں اپنے خلاف کسی کی گواہی کو تسلیم نہیں کرتا سوائے ایسے گواہ کے جو مجھ ہی میں سے ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ آج تیرا نفس ہی تیرے خلاف گواہی دینے کو کافی ہے، اور کرنا کاتبین یعنی تیرے خلاف گواہی دینے کو کافی ہیں، انہں کے بعد اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء سے کہا جائے گا کہ بولو لہذا اس کے اعضاء اس کے اعمال کی گواہی دیں گے پھر اسے بولنے کی قوت دے دی جائے گی۔ لہذا وہ اپنے اعضاء سے کہے گا کہ دور ہو تمہارے لیے ہلاکت ہے تمہاری ہی طرف سے تو میں جھڑا کر رہا تھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۰) یعنی میں نے جو یہ کہا تھا کہ اپنے نفس کے خلاف کسی کی گواہی قبول نہیں کروں گا الایہ کہ میرے اندر کی کوئی چیز ہو اس کا مقصد ہی تو یہ تھا کہ تم عذاب سے بچ جاؤ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ منافق قیامت کے دن یوں کہے گا کہ اے رب میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی کتاب اور آپ کے رسولوں پر ایمان لایا اور میں نے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے اور صدقات دیئے اور جہاں تک ممکن ہوگا اپنی تعریف کرے گا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا یہاں ابھی پتہ چل جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ ہم ابھی گواہ پیش کرتے ہیں اس پر وہ اپنے نفس میں سوچے گا کہ کون ہے جو میرے خلاف گواہی دے گا پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران سے اور گوشت اور ہڈیوں سے کہا جائے گا کہ بولو لہذا اس کی ران اور اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال پر گواہی دیں گی یہ گفتگو اس لیے کرائی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہ رہے یہ جو کچھ مذکور ہوا منافق سے متعلق ہے اس سے اللہ تعالیٰ کو ناراضگی ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۱۰۹)

یہاں جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ النور میں فرمایا کہ مجرمین کی زبانیں بھی گواہی دیں گی اور سورۃ طہ میں اور قسم شریف کی حدیث میں فرمایا کہ منہ پر ہریں لگا دی جائیں گی اس میں بظاہر تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مختلف احوال کے اعتبار سے ہے بعض احوال میں زبانیں گواہی دیں گی اور بعض مواقع میں ان پر مہر لگا دی جائے گی۔

وَهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱۰﴾ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلی بار دنیا میں پیدا فرمایا پھر مر جاؤ گے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے) اسی نے دنیا میں زبان کو بولنا سکھایا آخرت میں دوسرے اعضاء کو بھی بولنے کی طاقت دیدے گا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَشِيرُونَ اَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ

یہ بھی کافروں سے خطاب ہے وہاں ان سے کہا جائے گا کہ تم دنیا میں جو کام کرتے تھے اس کا تمہیں ذرا بھی احتمال نہ تھا کہ قیامت کے دن تمہارے کان اور آنکھیں چڑے تمہارے خلاف گواہی دیدیں گے لہذا تم ان سے نہ چھپتے تھے نہ چھپ سکتے تھے جس کی وجہ سے تم دلیری کے ساتھ گناہ کرتے تھے تم سمجھتے تھے کہ ہمارے خلاف گواہی دینے والا کوئی نہ ہوگا مخلوق کے بارے میں تو تمہارا خیال تھا ہی تم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی یہی خیال کر رکھا تھا کہ وہ تمہارے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا۔

قال القرطبي و معنى "تَسْتَشِيرُونَ" تستخفون في قول اكثر العلماء اى ما كنتم تستخفون من انفسكم حذرا من شهادة الجوارح عليكم، لان الانسان لا يمكنه ان يخفى من نفسه علمه، فيكون الاستخفاء بمعنى ترك المعصية وقيل: الاستتار بمعنى الاتقاء اى ما كنتم تتقون في الدنيا ان تشهد عليكم جوارحكم في الاخرة فتركو المعاصي خوفا من هذه الشهادة (علامہ قرطبی نے کہا اکثر علماء کے قول کے مطابق "تَسْتَشِيرُونَ" کا معنی ہے "تم چھپتے تھے" یعنی تم جو اپنے آپ سے چھپتے تھے اعضاء کی اپنے خلاف گواہی کے خوف سے، چونکہ انسان کے لیے اپنے عمل کو اپنے آپ سے چھپانا ممکن نہیں ہے اس لیے یہاں استخفاء بمعصیت کے ترک کے معنی میں ہوگا، اور بعض نے کہا الاستتار بمعنی اتقاء ہے یعنی تم جو دنیا میں بچتے تھے اس سے کہ آخرت میں تمہارے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں لہذا اس گواہی کے خوف سے تم نے گناہ چھوڑ دیئے۔)

صحیح بخاری میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے بیان فرمایا کہ میں کعبہ شریف کے پردوں میں چھپا ہوا تھا تمیں آدمی آئے ان میں سے ایک ثقفی تھا اور درویشی تھے ان کے پیٹ بھاری تھے اور کم سمجھتے تھے انہوں نے کچھ ایسی باتیں کیں جنہیں میں (ٹھیک سے) نہ سن سکا ان میں سے ایک نے کہا کہ بتاؤ اللہ ہماری باتوں کو سنتا ہے دوسرے نے کہا بلند آواز ہو تو سنتا ہے اور بلند نہ ہو تو نہیں سنتا تیسرے نے کہا کہ اگر وہ سنتا ہے تو سب کچھ سنتا ہے میں نے یہ قصہ رسول اللہ ﷺ کو سنا دیا تو اللہ تعالیٰ نے وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَشِيرُونَ سے مِّنَ الْخَبِيرِينَ ﴿۱۰﴾ تک آیت کریمہ نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے اور اس کے سننے اور جاننے کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ تمہارے اعضاء بھی تمہارے خلاف گواہی دے دیں گے لہذا ایمان اور اعمال صالحہ سے متصف ہونا ضروری ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا كُفَرُوا الَّذِي كَفَرْتُمْ بِهِ إِنَّكُمْ كَافِرُونَ كَوَانِ كَعَمَانِ بَدَنِي هَلَاكٌ كَمَا:

اپنے رب کے بارے میں یہ گمان رکھنا کہ وہ میرے بہت سے کاموں کو نہیں جانتا کہ میں ایسے کام چھپ چھپا کر کر لیتا ہوں محرمیوں کی جزا بنیاد ہے، کہ اس سے ایک طرف تو انسان بے فکر لالہ ابالی اور نچست ہو کر حیوان محض، بلکہ اس سے بھی کہیں بڑے کر گھنیا اور بری مخلوق بن کر رہ جاتا ہے، دوسری طرف وہ اپنے رب کی اس خاص رحمت و عنایت سے محروم ہو جاتا ہے، جو اس سے خاص تعلق اور اسکے ذکر اور اس کی یاد دہانی کے نتیجے میں نصیب ہوتی ہے اور تیسری طرف وہ اپنی آخرت اور وہاں کی اصل حقیقی اور ابدی زندگی کے تقاضوں اور اس کی تیاری کے اصل مقصد سے غافل اور ما پرواہ ہو کر اس سب سے بڑے اور انتہائی ہولناک خسارے میں گر جاتا ہے جس کی تلافی و تدارک کی پھر کوئی صورت اس کے لیے ممکن نہیں رہتی۔ والعیاذ باللہ، جبکہ اسکے برعکس اپنے رب کی یاد، اور اس کے علم و آگہی کا استحضار ایک طرف تو انسان کو راہ حق و صواب پر ثابت و مستقیم رکھتا ہے۔ دوسری طرف وہ اپنے اسی ذکر و استحضار کی بناء پر، اور اسکے نتیجے میں ہمیشہ اپنے رب کی خاص رحمتوں اور عنایتوں سے مستفید و فیض یاب ہوتا رہتا ہے اور تیسری طرف وہ اپنی آخرت کی اصل حقیقی اور ابدی زندگی کیلئے بھی برابر سامان کرتا رہتا ہے، جسکے نتیجے میں ایسے لوگ آخر کار جنت کی سدا بہار نعمتوں سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے سرفراز ہونگے۔ اور یہی ہے اصل اور حقیقی کامیابی سو ذکر خداوندی سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔

وَقَيِّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا۔۔۔۔۔

شرکین اور کافرین پر برے ساتھی مسلط کر دیئے گئے:

وَقَيِّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ (اور ہم نے ان کے اوپر برے ساتھی مسلط کر دیئے) جو انسانوں میں سے بھی ہیں اور جنات میں سے بھی اور ان کے ساتھ لگے رہتے ہیں فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ، ان ساتھیوں نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا اور ان کو اچھا بنا کر پیش کیا گناہوں کو اچھا کر کے دکھایا لذتوں پر ابھارا شہوتوں میں پڑنے کی ترغیب دی اور انہیں یہ بھی سمجھایا جو مزے اور اڑا سکتے ہواڑا الموت کے بعد نہ جی اٹھنا ہے نہ جنت ہے نہ دوزخ، ان ساتھیوں کی باتوں میں آ کر کفر و شرک اختیار کیا گناہوں میں منہمک رہے۔ لہذا عذاب کے مستحق ہوئے مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پہلے لفظ سے آخرت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ انہیں یہ سمجھایا کہ حساب کتاب اور جنت دوزخ کچھ نہیں اور (وَمَا خَلْفَهُمْ) کے بارے میں فرمایا کہ اس سے دنیا والی زندگی مراد ہے انہوں نے اس دنیا میں کفر کو اچھا بتایا اور خواہشوں اور لذتوں پر ڈالا اور ابھارا۔

سورۃ الزخرف میں فرمایا: (وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ) (اور جو شخص اندھا بننا ہے رحمن کی یاد سے ہم اس پر تعینات کر دیا کرتے ہیں ایک شیطان سودہ اس کے ساتھ رہتا ہے شیاطین ان کو روکتے ہیں راہ سے اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ راہ پر ہیں) وَحَقٌّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي

۱۰۱۰
 اُمَمٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۚ اور ان پر عذاب والی بات ثابت ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سزا
 کر دیا گیا کہ ان کو عذاب میں داخل ہونا ہے، ان سے پہلے جو امتیں جنات میں سے اور انسانوں میں سے گزر چکی ہیں یہ بھی
 انہیں میں شامل کر دیئے گئے یعنی وہ بھی عذاب میں داخل ہوئے، اور یہ بھی انہم کا نوا خسیبین (بمشابہ یہ سب لوگ
 خسارے والے تھے) دنیا میں آئے زندگی ملی جان ملی اعضا دیئے گئے، اسوالم کے مالک ہوئے لیکن سب کچھ کھو دیا اور ضائع
 کر دیا اب تو عذاب ہی عذاب ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا عِنْدَ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ ابْتِغَاءَ
 بِاللُّغْطِ وَنَحْوِهِ وَصِيحُوا فِي زَمَنِ قِرَائَتِهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴿۱۰۱۱﴾ فَيَسْكَتُ عَنِ الْقِرَاءَةِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِيهِمْ
 فَلَنَذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰۱۲﴾ أَي أَقْبَحَ جَزَاءِ
 عَمَلِهِمْ ذَلِكَ أَي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ وَأَسْوَأَ الْجَزَاءِ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَةِ الْقَائِيَةِ وَابْتِدَاءِهَا وَآوَا
 النَّارُ ۚ عَطْفٌ بَيَانِ الْجَزَاءِ الْمُخْبِرِ بِهِ عَنْ ذَلِكَ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ ۚ أَي إِقَامَةٌ لَا انْتِقَالَ مِنْهَا جَزَاءُ
 مَنصُوبٌ عَلَى الْمُضَدِّ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ بِمَا كَانُوا يَأْتِيَنَا الْقُرْآنَ يَجْحَدُونَ ﴿۱۰۱۳﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي
 النَّارِ رَبَّنَا آرَأْنَا الَّذِينَ أَضَلْنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَيْ ابْلِيسَ وَقَائِلَ سَنَا الْكُفْرَ وَالْقَتْلَ نَجْعَلُهُمَا تَحْتَ
 أَقْدَامِنَا فِي النَّارِ لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ ﴿۱۰۱۴﴾ أَي أَشَدَّ عَذَابِنَا إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبَّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا
 عَلَى التَّوْحِيدِ وَغَيْرِهِ مِمَّا وَجِبَ عَلَيْهِمْ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ الْمَوْتِ أَلَّا يَأْتِيَ تَخَافُوا
 مِنَ الْمَوْتِ وَمَا بَعْدَهُ وَلَا تَحْزَنُوا عَلَى مَا خَلَقْتُمْ مِنْ أَهْلِ وَوَلِدْتُمْ نَحْنُ نَخْلُقْكُمْ فِيهِ وَابْتَشِرُوا بِالْجَنَّةِ
 الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۱۰۱۵﴾ نَحْنُ أَوْلِيُّكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا أَي خَفِظْنَاكُمْ فِيهَا وَفِي الْآخِرَةِ أَي نَكُونُ
 مَعَكُمْ فِيهَا حَتَّى تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلكم فِيهَا مَا تَشْتَهُنَّ أَنْفُسُكُمْ وَلكم فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿۱۰۱۶﴾ تَطْلُبُونَ
 نَزْلًا رِزْقًا مِمَّا مَنصُوبٌ بِجَعْلِ الْمُقَدَّرِ مِنَ غُفُورٍ رَحِيمٍ ﴿۱۰۱۷﴾ أَي اللَّهُ

ترجمہ: اور کافر آنحضرت کی تلاوت کے وقت کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے سچ میں غل مچا دیا کر شور کر دیا
 کر دیا اور پڑھنے کے وقت چیخا کر دشا یہ تم ہی غالب رہو اس طرح کہ آپ پڑھنے سے رک جائیں، ان کے جواب میں ارشاد
 خداوندی ہے سو ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھادیں گے ان کو ان کے برے کاموں کی سزا دیں گے یعنی ان کے اعمال

تے بدلہ سے بڑھ کر بھی یعنی سخت عذاب اور بدترین بدلہ سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی دوسری ہنزہ کی تحقیق اور اسکو واڈ سے بدلنے کے ساتھ یعنی روزِ آخر یہ جزا کا عطف بیان ہے اور خبر ہے ذلک کی ان کو وہاں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ یعنی وہاں سے نکلنے کی نوبت نہیں آئے گی اس بات کے بدلہ میں نفل مقدر کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منسوب ہے کہ وہ ہماری آیات قرآن کا انکار کرتے تھے اور کفار کہیں گے دوزخ میں کہ اسے ہمارے پروردگار ہم کو وہ دونوں شیطان اور انسان دکھلا دیجئے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تو یعنی ایسے اور قابل جنہوں نے کفر و قتل کی رسم جاری کی ہم ان کو اپنے پیروں تلے روند ڈالیں دوزخ میں تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں یعنی ہم سے بڑھ کر سزا پائیں جن لوگوں نے اقرار کر لیا کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر وہ اس پر جسے رہے توحید وغیرہ ضروری احکام پر ان پر مرنے کے وقت فرشتے اتریں گے کہ نہ تم اندیشہ کرو مرنے اور مرنے کے بعد کے حالات کا اور نہ رنج کرو اپنے مل دیال کا جو تم نے بعد میں چھوڑے ہیں کیونکہ ہم تمہاری طرف سے ان کے رکھوالے ہیں اور تم اس جنت میں خوش رہو جیسا کہ تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا ہم تمہارے رفیق تھے دنیاوی زندگی میں بھی رہیں گے یعنی جنت میں جانے تک ہم تمہارے ساتھ رہیں گے اور تمہارے لئے اس میں جس چیز کو جی چاہے گا ملے گی اور جس چیز کی فرمائش خواہش کرو گے وہ بھی مہیا ہوگی یہ بطور مہمانی کے ہوگا نزل تیار شدہ کھانا جمل مقدر کی وجہ سے منسوب ہے غفور رحیم اللہ کی جانب سے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: بِاللَّغِطِ: یہودہ کوئی، لغوی لغو ہریان بکنا۔
 قوله: عَنْ ذَلِكْ: ذَلِكْ کا لفظ جو مآمل گزارا وہ مبتداء ہے۔
 قوله: بِأَنْ: مصدر یہ ہے یا با مقدرہ کے ساتھ مخفف ہے۔

تفسیر مقبولین

أَقْرَأَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا هَذَا الْقُرْآنَ
 قرآن سے روکنے کی ایک سکیم کا ذکر:

اشارہ فرمایا گیا کہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ مت سنو تم اس قرآن کو اور شو چھاؤ اس کے مقابلے میں شاید اس طرح تم غلبہ پاسکو
 نہ کہ اس طرح حق کی آواز تمہارے دل و دماغ تک پہنچنے ہی نہ پائے اور تم کفر و باطل کے گھٹا نوپ اندھیروں سے نکلنے ہی نہ
 سکتے ہو اس طرح ڈوبے رہو۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ ابوجہل نے اپنے چیلوں چانٹوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب محمد قرآن
 پڑھتا ہے تو تم ایسا شور ڈالو اور اس قدر چیخ و پکار کرو کہ کوئی ان کی قراءت سن ہی نہ سکے۔ (الرأی، الحابن، المدارک، الصنوة وغیرہ) چنانچہ
 انہوں نے قرآن حکیم کی قراءت کے مقابلے میں اور لوگوں کو اس سے روکنے کے لیے چیخ و پکار، شور اشوری، شعر و شاعری اور قصہ

گوئی وغیرہ مختلف جیلوں حوالوں اور ہتھکنڈوں سے کام لیتے۔ تاکہ اس طرح لوگوں کو حق و ہدایت کی آواز سے روکا اور اس سے محروم رکھا جاسکے۔ افسوس کہ مشرکین مکہ کے ان ہتھکنڈوں اور ان کی اس تکنیک کے کچھ مظاہر و آثار آج کے اس دور میں بلکہ خود مسلم معاشرے کے اندر بھی یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے نظر آتے ہیں۔ اور قرآن حکیم کی آواز اور اس کی دعوت اور پیغام توحید کو روکنے اور دنیا کو اس سے دور اور محروم رکھنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ابھی کچھ ہی عرصہ قبل کی خبر ہے کہ ایک ہندو ایڈووکیٹ نے کلکتہ کی ایک عدالت میں اس بارے باقاعدہ کیس دائر کیا کہ قرآن پر پابندی لگائی جائے کہ اس کی آواز ہمیں برداشت نہیں۔ حالانکہ قرآن و سنت کی تعلیمات مقدسہ میں صاف اور صریح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ ذکر آہستہ اور پوشیدہ انداز میں کرو۔ چنانچہ سورۃ اعراف کی آیت نمبر 55 میں ارشاد ہوتا ہے: اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۗ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِلِينَ۔ یعنی اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور خفیہ و پوشیدہ طور پر پکارو۔ بے شک وہ پسند نہیں فرماتا حد سے بڑھنے والوں کو۔ اور سورۃ اعراف ہی کی دوسری آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا: وَادْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۗ وَأَذْكُرْ لِلَّذِينَ هَلَاكُوا مِنْ قَبْلِكَ فِي كَيْدِهِمْ جَزَاءً ۖ وَهُمْ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَاحِقِينَ (اعراف: 205) اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ۔ اور بلند آواز سے کم آواز میں صبح و شام۔ اور صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب ایک موقع پر حضرات صحابہ کرامؓ میں سے بعض کو بلند آواز میں ذکر کرتے دیکھا تو ان سے فرمایا اے لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو۔ جس۔ ذات اقدس و اعلیٰ۔ کو تم لوگ پکار رہے ہو وہ نہ بہری ہے اور نہ کہیں دور اور غائب۔ وہ صبح و بصر ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور وہ تم میں سے ہر ایک کے اس کی سواری کی گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ (صحیح بخاری: کتاب الجہاد، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبہ والاستغفار) اور ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا۔ خَيْرُ الذَّكْرِ الْحَقِيْقِيُّ وَخَيْرُ الرِّزْقِ مَا يَكْفِي ۚ یعنی سب سے اچھا ذکر وہ ہے جو خفی اور پوشیدہ طور پر ہو اور سب سے اچھی روزی وہ ہے جس سے انسان کی ضرورتیں پوری ہو جائیں۔

فَلَنذِيْقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيْدًا ۗ

کافروں کیلئے عذاب شدید:

سواں ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ کافروں کے لیے عذاب شدید اور سب سے برے عمل کا بدلہ مقرر ہے۔ تاکہ اس طرح ہر کسی کو اس کے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا بدلہ مل سکے۔ اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں اور صلہ رحمی اور غریبوں کی امداد وغیرہ جیسے جو کچھ نیک عمل ان لوگوں نے کئے بھی ہوں گے وہ ان کے کفر و انکار اور رجحود و استکبار اور حق سے ان کے عناد و استہزاء کے باعث کالعدم ہو جائیں گے۔ اور باقی ان کے پاس ان کے اعمال بد کے سوا کچھ ہوگا ہی نہیں۔ اس لیے وہاں ان کو اپنے کئے کرائے کا بھگتنا بہر حال بھگتنا ہی ہوگا اور بڑے ہی برے انداز اور ہولناک نتیجے کی شکل میں بھگتنا ہوگا۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ نور حق و ہدایت سے روکنے اور قرآن حکیم کی آواز حق سے دوسروں کو محروم کرنے کیلئے جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔ ہم انہوں کی ان حرکتوں کے بدلے میں ایک طرف عذاب شدید کا مزہ چکھائیں گے اور دوسری طرف انکو

انکے ان اعمال کے بدترین پہلوؤں کا بدلہ اور جزا دیں گے جو یہ زندگی بھر کرتے رہے تھے۔ اور انکے سامنے انکے اعمال کے وہ بدترین پہلو لائیں گے جن کا ابھی کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ واضح رہے کہ انسان کے اعمال خواہ وہ اچھے ہوں یا برے انکے اثرات و نتائج کا صحیح اندازہ اس دنیا میں نہیں کیا جاسکتا۔ انسان کا عمل خواہ وہ نیک ہو یا بد وہ اپنے متعدد اثرات رکھتا ہے۔ اپنی اسی صفت کی بنا پر بعض حالات میں انسان کی ایک چھوٹی سی نیکی بڑھتے بڑھتے احد کے پہاڑ کے برابر بن جاتی ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اسی طرح اس کے بالمقابل ایک برائی جو اپنے ابتدائی مرحلے میں بالکل معمولی نظر آتی ہے وہ بڑھتے بڑھتے ایک خوفناک جنگل بن جاتی ہے۔ جیسا کہ قاتیل کے جرم قتل کے قصہ سے ظاہر ہے۔ قیامت میں جب ہر شخص کے اعمال کے نتائج اس کے سامنے آئیں گے تو اس وقت وہ صحیح طور پر اندازہ کر سکے گا کہ اس کی لٹاں برائی کس درجے کی تھی۔ سو اسی حقیقت کی طرف یہاں پر اشارہ فرمایا گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ کے دشمنوں کو (آخرت میں جو) سزا ملے گی آگ کی صورت میں ان کے سامنے آئے گی یعنی نار جہنم میں داخل ہوں گے اور ایسا نہیں کہ تھوڑے سے دن سزا بھگت لیں تو جان بخشی ہو جائے بلکہ انہیں اس آگ میں ہمیشہ رہنا ہو گا ان کا یہ عذاب اس کا بدلہ ہو گا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔

گمراہ لوگ درخواست کریں گے کہ ہمارے بڑوں کو سامنے لایا جائے، تاکہ قدموں سے روند ڈالیں:

دنیا میں تو یہ حال تھا کہ چھوٹے موٹے لوگ اپنے بڑے اور سرداروں کے بہکانے سے کفر پر جے رہے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے رہے ان کے بہکانے والوں میں جنات بھی تھے اور انسان بھی تھے جو انہیں حق قبول نہیں کرنے دیتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ قرآن پڑھا جائے تو تم شور و غل کر دینے لوگ ان کی بات مان لیتے تھے یہ تو ان کا دنیا میں حال تھا پھر جب آخرت میں حاضر ہوں گے تو اپنے بڑوں پر غصہ ہوں گے اور دانت پیسیں گے کہ انہوں نے ہمارا ناس کھو یا لہذا بارگاہ خداوندی میں عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار جنات میں سے اور انسانوں میں سے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا انہیں ہمارے سامنے لائیے آج ہم انہیں بہکانے اور ورغلانے کا مزہ چکھا دیں، بتائیے وہ لوگ کہاں ہیں ہم انہیں اپنے پاؤں میں روند ڈالیں۔ انہوں نے ہمارا ناس کھو یا آج ہم ان سے بدلہ لے لیں انہیں اپنے پاؤں کے نیچے مسل دیں اور کھل دیں تاکہ وہ خوب زیادہ ذلت والوں میں سے ہو جائیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرْنَا الَّذِينَ آضَلْنَا مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ۔۔۔۔۔

گمراہ کن لیڈروں اور پیشواؤں کے خلاف غیظ و غضب کا ایک منظر:

اس ارشاد سے آخرت کے اس جہاں میں عوام الناس کافروں کے اپنے لیڈروں کی خلاف غیظ و غضب اور غم و غصے کا ایک منظر پیش فرمایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا کہ کافر لوگ وہاں پر اپنا ہولناک انجام دیکھنے کے بعد اپنے رب سے عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں ان جنوں اور انسانوں کو دکھا دے تاکہ ہم ان کو اپنے پاؤں تلے روند کر ان سے انتقام لے سکیں کہ انہی کو جب سے ہمیں یہ روز بد دیکھنا پڑا اور اس انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر ان کے اس بے موقع کے غصے اور فسوس کا ان کو بہر حال

کوئی فائدہ نہیں ہوگا سوائے یاس و حسرت کی باطنی آگ اور جن میں اضافے اور اس کی تیزی کے۔ واعیاز باندہ۔ سوکتنا احسن ہے قرآن حکیم کا پوری دنیا انسانیت پر کہ اس نے لوگوں کو ایسے عظیم الشان فیہی حقائق سے اس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ اس دنیا ہی میں آگاہ کر دیا ہے۔ تاکہ جنہوں نے بچتا ہو وہ بچ جائیں اور وہ اپنی عاقبت و انجام کی فکر کر لیں قبل اس سے کہ حیات دنیا کی یہ مختصر و محدود فرصت ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔ لیکن کتنا ظالم اور ناشکرا ہے یہ انسان جو اس سب کے باوجود اس کتاب حکیم اور اس کی تعلیمات مقدسہ سے منہ موڑے ہوئے ہے۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ آج جو عوام اس وفاداری کے ساتھ اپنے ان گراہ لیڈروں کی پیروی کرتے ہیں کل جب یہ وہاں پر دیکھیں گے کہ انہوں نے انکو کس گھاٹ پر اتارا ہے تو اس وقت انکا حال یہ اور یہ ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی باعث ہلاکت و تباہی ہے کہ اس سے زاویہ نگاہ ہی بدل جاتا ہے۔ اس کے طور طریقے بدل جاتے ہیں اور وہ حق اور حقیقت سے محروم ہو کر دائمی ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ۔۔۔۔

استقامت اور اس کی بہترین جزا:

جن لوگوں نے زبانی اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا یعنی اس کی توحید کا اقرار کیا۔ پھر اس پر جسے رہے یعنی فرمان الہی کے ماتحت اپنی زندگی گزار لی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرما کر وضاحت کی کہ بہت لوگوں نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کر کے پھر کفر کر لیا۔ جو مرتے دم تک اس بات پر جمار ہا وہ ہے جس نے اس پر استقامت کی۔ (نسائی وغیرہ) حضرت ابو بکر صدیق کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوئی تو آپ نے فرمایا اس سے مراد کلمہ پڑھ کر پھر کبھی بھی شرک نہ کرنے والے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ استقامت سے مراد گناہ نہ کرنا ہے آپ نے فرمایا تم نے اسے غلط سمجھایا۔ اس سے مراد اللہ کی الوہیت کا اقرار کر کے پھر دوسرے کی طرف کبھی بھی التفات نہ کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس سے سوال ہوتا ہے کہ قرآن میں حکم اور جزا کے لحاظ سے سب سے زیادہ آسان آیت کونسی ہے؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی کہ توحید اللہ پر تاعمر قائم رہنا۔ حضرت فاروق اعظم نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر جم جاتے ہیں اور لومڑی کی چال نہیں چلتے کہ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ ابن عباس فرماتے ہیں فرائض اللہ کی ادائیگی کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔۔۔ اے اللہ تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت اور پختگی عطا فرما۔ استقامت سے مراد دین اور عمل کا خلوص حضرت ابو العالیہ نے کہا ہے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے اسلام کا کوئی ایسا امر بتلائیے کہ پھر کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ نے فرمایا زبان سے اقرار کر کے میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جم جا۔ اس نے پھر پوچھا اچھا یہ تو عمل ہو اب بچوں کس چیز سے؟ تو آپ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ (سلم وغیرہ) امام ترمذی اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں، ان کے پاس ان کی موت کے وقت فرشتے آتے ہیں اور انہیں بیٹا تمہیں سناتے ہیں کہ تم اب آخرت کی منزل کی طرف جا رہے ہو بے خوف رہو تم پر وہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ تم

اپنے پیچھے جو دنیا چھوڑے جا رہے ہو اس پر بھی کوئی غم درخ نہ کرو۔ تمہارے اہل و عیال، مال و متاع کی دین و دیانت کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔ ہم تمہارے خلیفہ ہیں۔ تمہیں ہم خوش خبری سناتے ہیں کہ تم جنتی ہو تمہیں سچا اور صحیح وعدہ دیا گیا تھا وہ پورا ہو کر رہے گا۔ پس وہ اپنے انتقال کے وقت خوش خوش جاتے ہیں کہ تمام برائیوں سے بچے اور تمام بھلائیاں حاصل ہوئیں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ مؤمن کی روح سے فرشتے کہتے ہیں اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی چل اللہ کی بخشش انعام اور اس کی نعمت کی طرف۔ چل اس اللہ کے پاس جو تجھ پر ناراض نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب مسلمان اپنی قبروں سے اٹھیں گے اسی وقت فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور انہیں بشارتیں سنائیں گے۔ حضرت ثابت جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے اس آیت تک پہنچے تو ٹھہر گئے اور فرمایا ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ مؤمن بندہ جب قبر سے اٹھے گا تو وہ دو فرشتے جو دنیا میں اس کے ساتھ تھے اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں ڈر نہیں گھبرا نہیں ٹلگین نہ ہو تو جنتی ہے خوش ہو جا تجھ سے اللہ کے جو وعدے تھے پورے ہوں گے۔ غرض خوف امن سے بدل جائے گا آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی دل مطمئن ہو جائے گا۔ قیامت کا تمام خوف و ہشت اور وحشت دور ہو جائے گی۔ اعمال صالحہ کا بدلہ اپنی آنکھوں دیکھے گا اور خوش ہوگا۔ الحاصل موت کے وقت قبر میں اور قبر سے اٹھتے ہوئے ہر وقت ملائکہ رحمت اس کے ساتھ رہیں گے اور ہر وقت بشارتیں سناتے رہیں گے، ان سے فرشتے یہ بھی کہیں گے کہ زندگانی دنیا میں بھی ہم تمہارے رفیق و ولی تھے تمہیں نیکی کی راہ سمجھاتے تھے خیر کی رہنمائی کرتے تھے۔ تمہاری حفاظت کرتے رہتے تھے، ٹھیک اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمہارے ساتھ رہیں گے تمہاری وحشت و ہشت دور کرتے رہیں گے قبر میں، حشر میں، میدان قیامت میں، پل صراط پر، غرض ہر جگہ ہم تمہارے رفیق اور دوست اور ساتھی ہیں۔ نعمتوں والی جنوں میں پہنچا دینے تک تم سے الگ نہ ہوں گے وہاں جو تم چاہو گے ملے گا۔ جو خواہش ہوگی پوری ہوگی، یہ مہمانی یہ عطا یہ انعام یہ خیانت اس اللہ کی طرف سے ہے جو بخشے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔ اس کا لطف و رحم اس کی بخشش اور کرم بہت وسیع ہے۔ حضرت سعید بن مسیب اور حضرت ابو ہریرہ کی ملاقات ہوتی ہے تو حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو جنت کے بازار میں ملائے۔ اس پر حضرت سعید نے پوچھا کیا جنت میں بھی بازار ہوں گے؟ فرمایا ہاں مجھے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے اور اپنے اپنے مراتب کے مطابق درجے پائیں گے تو دنیا کے اندازے سے بعد والے دن انہیں ایک جگہ جمع ہونے کی اجازت ملے گی۔ جب سب جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا اس کا اثر ظاہر ہوگا۔ وہ سب جنت کے باغیچے میں نور لولو یا قوت زبرجد اور سونے چاندی کے منبروں پر بیٹھیں گے، جو نیکیوں کے اعتبار سے کم درجے کے ہیں لیکن جنتی ہونے کے اعتبار سے کوئی کسی سے کمتر نہیں وہ مشک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے لیکن ایسا جگہ اتنے خوش ہوں گے کہ کرسی والوں کو اپنے سے افضل مجلس میں نہیں جانتے ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں دیکھو گے۔ آدھے دن کے سورج اور بند ہوئی رات کے چاند کو جس طرح صاف دیکھتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔ اس مجلس میں ایک ایک سے اللہ تبارک و تعالیٰ بات چیت کرے گا یہاں تک کہ کسی سے فرمائے گا۔ یاد ہے فلاں دن تم نے فلاں کا خلاف کیا تھا؟ وہ کہے گا کیوں جناب ہاں تو وہ خطا صاف فرما دے گا پھر اس کا کماز کر؟ کہے گا ہاں ٹھیک ہے اسی میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی تو اس درجے

قولہ: جُزئَاتِهِمَا: حسد و سید میں مراتب کے اعتبار سے تفاوت ہے۔ ایک دوسری کے مقابلہ میں کم زیادہ ہے۔
 قولہ: يُضْرِفُكَ: یہاں نَزْعُ کونانہ کہا یہ جدجده کے محاورہ کے مطابق ہے۔ یہ دوسرے شیطان کی طرح ہے۔
 قولہ: جَوَابُ الْأَمْرِ: وہ ناستعد محمدوف ہے۔
 قولہ: الْآيَاتِ الْأَزْيِجِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ سورج و چاند آیت و نشانی ہونے میں بے شمار آیات سے ہے۔
 قولہ: نُجَازِيهِمْ: یہ اِن کی خبر ہے۔

تفسیر مقبولین

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا قَمَتَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ ---

فضیلت دعوت الی اللہ و بیان صبر و استقامت و حلم و درگزر در راہ حق:

(بطل) گذشتہ آیات میں اہل ایمان اور ایمان پر استقامت والوں کا اللہ کے یہاں کیا عظیم مقام و مرتبہ ہے بیان فرمایا گیا اب ان آیات میں اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی فضیلت بیان کی جارہی اور یہ کہ عقل و فطرت کے اس قانون کو بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی ہے، اور دعوت الی اللہ اور اشاعت حق میں انسان کو بڑی رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں، ان کا مقابلہ اور شدائد پر صبر کی ضرورت ہے، یہ چیز کمال کی نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص برا طرز عمل اختیار کرے تو اس کے مقابلے میں وہی طرز اختیار کیا جائے اس طرز عمل سے برائی کا خاتمہ نہیں ہوتا، بلکہ اور زائد پھیلتی ہے اگر برائی کو مٹانا مقصود ہو تو اس کا بس یہی ایک طریقہ ہے کہ ملاحظت اور نرمی سے اس کو دور کیا جاسکتا ہے یہی صورت کامیابی اور ترقی کی ہو سکتی ہے، اور اس راہ میں جہاں خارجی رکاوٹیں پیش آتی ہیں، ساتھ ہی خود انسان کے قلب و دماغ پر بسا اوقات ایسے خطرات و خیالات وارد ہوتے ہیں کہ قریب ہوتا ہے کہ راہ حق سے اس کے قدم ڈگمگا جائیں تو خارجی رکاوٹوں کے ساتھ یہ داخلی رکاوٹیں بھی پیش آیا کرتی ہیں تو دوسرا اس شیطانیہ سے بچاؤ صرف اللہ رب العزت کی پناہ و حفاظت سے ہوتا ہے تو دعوت الی اللہ کی بلند منزلوں کو طے کرنے میں اللہ ہی کی پناہ مانگنی چاہئے، تو فرمایا، اور اس سے بہتر کون شخص ہو سکتا ہے، اپنے قول و دعوت کے لحاظ سے جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے، اور خود نیکی کا کام کرتا ہے، اور اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر یہ اعلان کرتا رہے کہ میں تو (اللہ کے) فرمانبرداروں میں سے ہوں، مشرکین و منکرین کے ایسے ماحول میں جو اللہ کے دین کو حقیر سمجھتے ہوں، ان کے سامنے بجائے مرعوب و مجرب ہونے کے فخر کے ساتھ کہے کہ: **رَأَيْتَنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ** ① اپنے مذہب پر اس طرح کے فخر اور اعلان سے کافروں کے حوصلے پست ہوں گے اور اہل سعادت کو ایمان کی رغبت اور پختگی نصیب ہوگی، اور بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ دعوت الی اللہ کا فرض انجام دینے میں جہلاء کا مقابلہ اور معاندین کی طرف سے ایذا رسانی کا معاملہ ہوتا ہے تو ایسی صورت پیش آنے پر ایک ضابطہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ برابر نہیں ہے نیکی، برائی اور بدی کے اور نہ بدی برابر ہے نیکی کے، ہر ایک کا حال اور اثر جدا ہوتا ہے، نیکی کا انجام فلاح و کامرانی ہوتا ہے اور بدی کا انجام ذلت و ناکامی اس لیے دعوت الی اللہ میں مشغول انسان یقیناً کامیاب

پیکر بن جائیں تو خدا کی ملک میں پھر کے پر کے برابر کی نہیں کر سکتے۔

دعوت الی اللہ کے آداب اور صبر و تحمل کے بہترین ثمرات:

سیدنا مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے اپنے ایک وعظ دعوت الی اللہ میں ان آیات کی تفسیر و تشریح میں عجیب لطائف و نکات بیان فرمائے، یہ پورا مضمون حضرت اقدس ربی کی عمارت کے ساتھ ہدیہ قارئین ہے۔
فرماتے ہیں ان آیات میں حق تعالیٰ نے ایک خاص عمل کی فضیلت مع اس کے مکملات اور آداب کے ارشاد فرمائی ہے وہ خاص عمل دعوت الی اللہ یعنی حق تعالیٰ کی طرف بلانا یعنی اس کے دین کی طرف بلانا یہ تو مقصود ہے اور وہ اس کے مکمل ہیں یعنی عمل صالح اور تواضع اور اعتراف فرمانبرداری،

ترجمہ آیت: "کون شخص ہے زیادہ احسن از روئے قول کے اس شخص سے جو خدا کی طرف بلا دے" استفہام انکار ہے یعنی اس سے اچھا کسی کا قول نہیں جو اللہ کی طرف بلا دے، احسن سے معلوم ہوا کہ اچھی باتیں تو اور بھی ہیں مگر جتنی اچھی باتیں ہیں ان میں سب سے زیادہ اچھی بات "دعوت الی اللہ" ہے استفہام بقصد نفی ہے۔ سبحان اللہ! کیا بلاغت ہے کہ پوچھتے ہیں کون ہے احسن از روئے قول کے؟ اس میں مبالغہ زیادہ ہے کیونکہ عادت ہے کہ جس جگہ یہ تردد ہوتا ہے کہ کوئی خلاف جواب دے دے گا وہاں پوچھا نہیں کرتے مثلاً یوں کہتے ہیں کہ میاں فلاں تجارت سے اچھی کون سی تجارت ہے یہ وہاں کہتے ہیں کہ جہاں مخاطب کو شکم کی رائے سے اختلاف نہ ہو اور جہاں یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید مخاطب خلاف جواب دید وہاں پوچھا نہیں کرتے بلکہ یوں بتلاتے ہیں کہ میاں اس سے اچھی کوئی تجارت نہیں اور جہاں یہ احتمال نہیں ہوتا بلکہ اعتماد ہوتا ہے کہ مخاطب بھی پوچھنے پر یہی جواب دے گا وہاں پوچھا کرتے ہیں کہ تم ہی بتاؤ کہ کونسی بات اچھی ہے کیونکہ ظاہر بات ہے بدیہی اور حسی بات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اسی طرح اس دعوت الی اللہ کی فضیلت اتنی صاف بدیہی اور محسوس تھی کہ صرف پوچھنا کافی ہو گیا، گویا کوئی کہہ نہیں سکتا کہ اس سے اچھی فلاں بات ہے تو استفہام میں تو یہ بلاغت ہے۔

أَحْسَنُ قَوْلًا كِي تَحْقِيقًا:

سویہ افعال التفضیل کا سینہ ہے یعنی کس کی گفتگو سب سے اچھی ہے، وجہ اس ترجمہ کی ظاہر ہے کیونکہ احسن باعتبار قصد کے صفت ہے قول کی اور اتوال ہی کے اعتبار سے اس کی تفضیل بھی ہے اور چونکہ مفضل جنس مفضل علیہ ہی سے ہوتا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ سب قولوں سے اچھا اس شخص کا یہ قول ہے اور یہاں تک تو کوئی اشکال نہ تھا مگر آگے ارشاد ہے، وَ عَمِلَ صَالِحًا اور عمل صالح بھی کرے اس جملہ کو اس کے معطوف علیہ کے ساتھ ملانے سے حاصل یہ ہوا کہ سب سے اچھی بات اس شخص کی ہے جو دعوت الی اللہ کرے اور نیک کام کرے، اس میں اشکال یہ ہے کہ دعوت الی اللہ کو تو احسنیہ قولاً، میں داخل ہو سکتا ہے کیونکہ وہ خود قول ہے اور سب سے احسن مگر عمل صالح کا اس میں کیا دخل؟ کیونکہ وہ فعل ہے قول نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ قول نہیں، مگر آداب و مکملات قول سے ہے اس لیے یہ بھی قول کے احسن ہونے میں داخل ہے تو حاصل یہ ہوا کہ صاحب قول احسن ہے جو دعوت الی اللہ بھی کرے اور اس کے ساتھ ہی خود عمل بھی کرے، یعنی جو کچھ کہے اس کے موافق عمل بھی کرے تب وہ

صاحب قول احسن ہے اس پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ کوئی بہت اچھی بات کرے اور عمل اچھا نہ کرے تو قول تو اچھا ہے مگر عمل اچھا نہیں ہے مثلاً اگر کوئی دعوت الی الاسلام کرے اور خود مسلمان نہ ہو دعوت الی الصلوٰۃ کرے اور خود نمازی نہ ہو اسلام کے اوصاف بیان کرے، اور خود ان پر عقیدہ نہ رکھے تو اس پر وَ مِّنْ اَحْسَنُ قَوْلًا تو صادق آتا ہے کیونکہ اس کے معنی قول احسن ہیں، یعنی جس کی بات بہت اچھی ہو وہ احسن قول ہے جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اس اگر کوئی خود عمل نہ کرے تو اس کے قول کے احسن ہونے میں کیا خلل رہا اگر اس نے خود نماز نہ پڑھی تو اس کا یہ قول احسن ہے زائد سے زائد یہ کہہ سکتے ہیں کہ عمل احسن نہیں تو اس سے قول کے احسن ہونے میں کیا خلل پڑا، اس کا جواب ہمیں قرآن بجز اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ قول کے اچھے ہونے میں عمل کے اچھے ہونے کو بھی دخل ہے اور اس بنا پر اس آیت سے ایک مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ دائی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک صاحب عمل صالح اور ایک غیر صاحب عمل صالح اول کا قول یا دعوت احسن ہے یا دعوت غیر احسن ہے۔ الدعوة الی اللہ ص ۱۲ تا ۱۳ الفرض احسنیت جب ہوگی کہ جہاں وعظ کی ساتھ عمل بھی ہوگا، اور جہاں نہ وعظ ہوگا اور عمل نہ ہوگا وہ بیان احسن نہ ہوگا، کیونکہ فعل التفصیل کی نفی سے مجرد صفت کی نفی لازم آتی ہے اور چونکہ بسا اوقات وعظ اور عمل صالح کے ساتھ ہی اس میں کبر اور عجب بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ میں بڑا صاحب کمال ہوں اس لیے آگے اس کے علاج کے لیے تو وضع کی تعلیم فرماتے ہیں: قَالَ الرَّثْنِيُّ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ یعنی یہ بھی کہے کہ میں تو اس کے فرمانبرداروں میں سے ہوں کہ "من نيزا زغلامان اوديم" کے حکم پر چلتا ہوں اور انہی من مسلم نہیں فرمایا کہ جس سے تفرد کا شبہ ہوتا اس لیے الرَّثْنِيُّ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ فرمایا تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ غلام اور فرمانبردار بہت ہیں ان میں سے ایک میں بھی ہوں ایک غلام نے اگر فرمانبرداری نہ کی تو اپنا ہی کچھ کھویا، جاننا چاہئے کہ: الرَّثْنِيُّ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ کے دو معنی ہو سکتے تھے، ایک دعویٰ و فخر اور ایک تواضع مگر یہاں تواضع مراد ہے اور اس کی تائید کہ ایک ہی لفظ دو معنوں میں مستعمل ہو سکتا ہے خود قرآن مجید کے دوسرے موقع سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ایک جگہ مقبولین کی مدح میں ان کا مقولہ ارشاد ہے: "ربنا اننا سمعنا مناديا ينادي للايمان ان امنوا ببركهم فامنا ربنا فاغفر لنا ذنوبنا و كفر عنا سيئاتنا۔ یعنی اے اللہ ہم نے ایک منادی کو سنا کہ وہ ایمان کے لیے ندا دیتا ہے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ فامنا پس ہم ایمان لائے، اے پروردگار بس بخش دیجئے ہمارے گناہ اور دور کر دیجئے ہماری برائیاں دیکھے یہاں "امنا" تواضع انکار و انکار کے لیے ہے جس کو ذوق سلیم اور سیاق و سباق صاف بتلا رہا ہے، اب دوسری آیت لیجئے جو اسی لفظ کو کبر و عجب کے طور پر استعمال کرنے پر دال ہے۔ "قالت الاعراب امنوا قل لهن تومنوا ولكن قولوا اسلمنا"۔ یہاں بھی وہی آیت ہے مگر یہاں اس کو رد کیا گیا ہے جس کا سبب وہی ہے کہ دعویٰ اور فخر سے کہتے تھے چنانچہ بعد والی آیت اس پر صریح دال ہے، چنانچہ ارشاد ہے: "يؤمنون عليك ان اسلموا قل لا تمنوا على اسلامكم بالله يمن عليكم ان هذا کم للايمن ان كنتم صادقين"۔ یعنی وہ لوگ آپ ﷺ پر احسان رکھتے ہیں اپنے اسلام لانے کا، فرمادیں گے کہ احسان نہ رکھو مجھ پر اپنے اسلام کا بلکہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی بشرطیکہ تم اس قول میں سچ ہو، غرض یہاں ان کا امنا کہنا دعویٰ اور فخر کے طور پر تھا۔ اس کے جواب سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ واقعی خدا کا احسان ہے جو اس نے ہمیں نیک کام کی ہدایت کر دی، اسی طرح یہاں بھی فرمایا۔ "قال انہی من المسلمین"۔ تو ایک تکمیل دعوت الی اللہ کی یہ ہوئی تو

اب کل تین چیزیں ہوئیں، ایک مقصود یعنی دعوت الی اللہ اور دوسرے کے مکمل یعنی عمل صالح اور تواضع و انقیاد و اعتراف و فرمانبرداری۔ (الدعوت الی اللہ، ۲۹، ۳۰) وَقَالَ رَافِعِيُّ بْنُ الْمُسَلَّبِيِّ ۞ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ فخر اور لذت کے طور پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنا ہونہ یہ کہ اس کو اپنے اس عنوان اور انتساب کے اظہار میں کوئی جھجک یا شرم معلوم ہو اور یہ شرم نہ تو اعلان اسلام میں اور نہ ہی اپنے عمل سے اپنے اسلام کے اظہار میں ہو، الحاصل دوائی میں دعوت کے ساتھ ہی عمل صالح اور ساتھ تواضع اور انکساری اور اعتراف فرمانبرداری بھی ضروری ہے اپنی دعوت اور خدمت پر فخر نہ کرے اس لیے کہ سب کام خدا کی توفیق سے ہوتا ہے اس لیے اپنے اوپر نظر نہ کرنی چاہئے۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ، یعنی اچھائی اور برائی برابر نہیں یہاں سوال ہوتا ہے، کہ اوپر تو دعوت الی اللہ کا ذکر تھا یہاں یہ بیان ہے کہ نیکی بدی برابر نہیں ہے آخر اس جملہ کو سیاق و سباق سے کیا مناسبت ہے، آگے ارشاد ہے: اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اِحْسَنُ، یعنی مدافعت کیجئے اس طریقہ سے جو اچھا ہو یہ بھی بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اخلاق کی تعلیم ہو رہی ہے جو اب یہ ہے کہ اصل تعلق تو دعوت الی اللہ کے معمول سے اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اِحْسَنُ، کا ہے اس طرح سے کہ جو شخص دعوت کے لیے کھڑا ہوتا ہے عموماً اس کی مخالفت ہوتی ہے لوگ برا بھلا کہتے ہیں، ممکن ہے کہ اس وقت اس میں ہیجان پیدا ہو اور یہ بھی بدی کے بدلہ بدی کر بیٹھے اس لیے ایسے واقعات کے پیش آنے سے پہلے ہی سے تعلیم فرماتے ہیں کہ اخلاق درست کرو اپنے میں ضبط و صبر پیدا کر دینے معنی ہوئے، اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اِحْسَنُ کے یعنی اذفع السيئة بالحسنة، کہ کوئی برائی کرے تو اسے نیکی کر کے دفع کر دو پس اصل تعلق تو جملہ ”اِدْفَعْ“ کا ہے باقی ”وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ“ الخ، یہ اس کی تمہید ہے یعنی بتلانا تو مقصود ہے: ”اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ“ کا مگر تمہید میں پہلے ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں کہ دیکھو نیکی اور بدی اثر میں برابر نہیں ہوتی یعنی اگر برائی کا انتقام برائی سے لے لیا تو اس کا اثر اور ہوگا اور اگر نال دیا تو اس کا اثر اور ہوگا اور وہ اثر یہ ہوگا کہ: فَاِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَبِيَ حَيِيٌٓٔ ۞ جس شخص کے اور تمہارے درمیان میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے گاڑھا دوست، مطلب یہ کہ دعوت الی اللہ کے لیے اس کی بھی ضرورت ہے کہ مخالفین بھڑکیں نہیں، کیونکہ اگر بھڑکے گا تو اس کا شر اور بڑھے گا پہلے جیسے عداوت کرتا تھا تو اب کھل ہوئی کرے گا، تو اس عداوت سے اور شر سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ نال دو اور انتقام لینے کی فکر نہ کرو، تو دشمن دوست بن جائے گا، اور پھر وہ اگر تمہیں مدد بھی نہ دے گا تو تمہاری کوششوں کو روکے گا بھی نہیں، اور دعوت الی اللہ کا کام مکمل ہو جائے گا، یہاں اس کے متعلق ایک شبہ ہے کہ ہم بعض جگہ دیکھتے ہیں کہ باوجود اس رعایت کے بھی وہ دوست نہیں بنتا بلکہ وہ اپنے شر و فساد میں اسی طرح سرگرم رہتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بقاعدہ عقلیہ ایک شرط ملحوظ ہے وہ یہ کہ بشرط سلامت الطبع کہ وہ شر سے اس وقت باز رہے گا جبکہ سلیم الطبع ہو اور اگر سلامت طبع کی قید نہ ہو تو اس وقت یہ جواب ہے کہ وہی حیم نہیں فرمایا بلکہ: كَاَنَّهُ وَبِيَ حَيِيٌٓٔ ۞ فرمایا تشبیہ کا حاصل یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ شرعی میں کمی رہے گی اور اگر تم انتقام لو گے تو گو اس وقت وہ عدم قدرت کی وجہ سے خاموش ہو جائے مگر رد پر وہ کینہ مضمحل رکھے گا اور حتی الامکان لوگوں سے تمہارے خلاف سازش کرے گا جس کو غلطی سے آدمی سمجھ لیں سمجھ جاتا ہے کہ انتقام صلح ہوا، تو ایک ادب یہ بتایا تبلیغ کا کہ صبر و ضبط سے کام لیا جائے اور جو ناگوار امور مخالفین کی طرف سے پیش آویں انہیں برداشت کیا جائے اور یہ مدافعت سے عقاباً صبر چونکہ کام تھا نہایت مشکل اس لیے اس کی ترغیب کے

لیے فرماتے ہیں: وَمَا يُكْفِهَهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا، اور یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے تو اس مدافعت کی ترغیب دو وجہ ہے دلالی گئی ہے ایک باعتبار اخلاق کے کہ ایسا کرنے سے صابرین میں شمار ہوگا اور ایک باعتبار اجر و ثواب کے ایسا کرو گے تو اجر عظیم کے مستحق ہو جاؤ گے اب اس میں ایک مانع بھی تھا۔ یعنی دشمن شیطان جو ہر وقت لگا ہوا ہے اس کا بھی علاج بتاتے ہیں: وَإِنَّمَا يَنْزَعُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ، اگر آپ کو شیطان کی طرف سے دوسرے آئے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے جنی بعض اوقات مخالفین کی باتوں پر شیاطین غصہ دلاتے ہیں اور اس وقت صبر کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے تو ایسے وقت کے لیے فرماتے ہیں: فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ، خدا کی پناہ میں چلے جاؤ یہ مطلب نہیں کہ صرف زبان سے "اعوذ باللہ"۔ پڑھ لیا کرو، مطلب یہ ہے کہ خدا سے دل سے دعا کرو کہ وہ شیطان کے وسوسے کو دور کر دے، اور صبر پر استقامت دے، إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۵﴾ بلاشبہ وہ سننے والا خوب جاننے والا ہے یعنی وہ تمہاری زبان سے پناہ مانگنے کو بھی سنیں گے اور دل سے پناہ مانگنے کو بھی جانیں گے اور پھر تم کو پناہ دیں گے اور مدد کریں گے اور شیطان کو دفع کر دیں گے ان آیات میں حق تعالیٰ نے پورے پورے آداب اور مکملات دعوت الی اللہ کے اور اس کے طریقے سب بتلا دیئے اتنی کلاماً۔۔۔

وَمِنْ آيَاتِهِ الْكَيْلُ وَالنَّهَارُ

دعوت الی اللہ کے ساتھ چند دلائل سماویہ وارضیہ بیان فرماتے ہیں جن سے داعی الی اللہ کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و وحدانیت اور بعث بعد الموت وغیرہ اہم مسائل کے سمجھانے میں مدد ملے۔ اس ضمن میں ادھر بھی اشار ہو گیا کہ ایک طرف خدا کے مخصوص بندے اپنے قول و عمل سے خدا کی طرف بلا رہے ہیں اور دوسری طرف چاند، سورج اور آسمان و زمین کا عظیم الشان لطم و نسق سوچنے والوں کو اسی خدائے واحد کی طرف آنے کی دعوت دے رہا ہے: وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهِ آيَةٌ تَدُلُّ عَلَىٰ أَنَّهُ وَاحِدٌ۔ انسان کو چاہیے کہ ان نگوئی نشانیوں میں الجھ کر نہ رہ جائے جیسے بہت سی قومیں رہ گئی ہیں، بلکہ لازم ہے کہ اس لامحدود قدرت والے مالک کے سامنے سر جھکائے جس کی یہ نشانیاں ہیں۔ اور جس کے حکم سے ان کی ساری نمود ہے اور ممکن ہے اس پر بھی تشبیہ ہو کہ جس طرح رات اور دن اور ان دونوں کی نشانیاں چاند اور سورج ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور اللہ تعالیٰ ان میں رد و بدل کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح اس کو قدرت ہے کہ دعوت الی اللہ کی روشنی اور داعی کی علو ہمت اور خوش اخلاقی کی بدولت مخاطبین کی کا یا پلٹ کر دے اور تار یک نضا کو ایک روشن ماحول سے بدل دے۔

سورج اور چاند وغیرہ کو پوجنے والے بھی زبان سے یہ ہی کہتے تھے کہ ہماری غرض ان چیزوں کی پرستش سے اللہ کی پرستش ہے۔ مگر اللہ نے بتلا دیا کہ یہ چیزیں پرستش کے لائق نہیں۔ عبادت کا مستحق صرف ایک خدا ہے۔ کسی غیر اللہ کی عبادت کرنا خدائے واحد سے بغاوت کرنے کے مترادف ہے۔

فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا فَقَالَذِينَ

اس پر تو امت کا اجماع ہے کہ اس سورت میں سجدہ تلاوت واجب ہے مقام سجدہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ قاضی ابو بکر ابن العربی نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت علی اور ابن مسعود پہلی آیت کے ختم پر سجدہ کرتے تھے یعنی: إِنَّ كُنْتُمْ لِرَآئِكُمْ تَعْبُدُونَ ﴿۱۰﴾ پر اور اسی کو امام مالک نے اختیار فرمایا ہے اور حضرت ابن عباس دوسری آیت کے آخر یعنی لَا يَسْتَوُونَ ﴿۱۱﴾ پر

دوزخ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص بہتر ہے جو امن و چین اور اطمینان اور سکون سے قیامت کے دن حاضر ہوگا اور پھر جنت میں بھی اسی شان سے داخل ہوگا قیامت کے دن بھی سکون اور اطمینان اور اس کے بعد بھی امن و چین کے ساتھ خوش و فرم رہے گا۔ جَعَلْنَا اللّٰهَ مِنْهُمْ

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ ...

قائد اور سدی نے فرمایا کہ باطل سے مراد شیطان ہے اور مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ یعنی نہ سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے، اس سے مراد تمام جوائب ہیں۔ مطلب یہ کہ شیطان کا کوئی تصرف و تدبیر اس کتاب میں نہیں چلتی کہ وہ اس کتاب میں کسی ویشی یا کوئی تحریف کر سکے۔

تفسیر مظہری میں اس کو نقل کر کے فرمایا کہ شیطان اس جگہ عام ہے شیطان الجن ہو یا آدمی شیطان کسی کی تحریف و تبدیلی قرآن میں نہیں چلتی جیسے بعض روافض نے قرآن میں دس پاروں کا، بعض نے خاص خاص آیات کا اضافہ کرنا چاہا مگر کسی کی بات نہ چلی۔

ابو حیان نے بحر محیط میں فرمایا کہ لفظ باطل اپنے الفاظ کے اعتبار سے شیطان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ہر باطل و مبطل شیطان کی طرف سے ہو یا کسی دوسرے کی طرف سے، قرآن میں وہ نہیں چل سکتا۔ پھر بحوالہ طبری آیت کا یہ مفہوم بتلایا کہ کسی اہل باطل کی مجال نہیں کہ سامنے آ کر اس کتاب میں کوئی تغیر و تبدل کرے اور نہ اس کی مجال ہے کہ پیچھے سے چھپ کر اس کے معانی میں تحریف اور الحاد کرے۔

طبری کی تفسیر اس مقام سے بہت زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ قرآن میں الحاد و تحریف کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اول یہ کہ کوئی اہل باطل کھلے طور پر قرآن میں کوئی کمی ویشی کرنا چاہے اس کو تو مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ سے تعبیر فرمایا۔ دوسرے یہ کہ کوئی شخص بغاوت و دعویٰ ایمان کا کرے، مگر چھپ کر تاویلات باطلہ کے ذریعہ قرآن کے معنی میں تحریف کرے، اس کو مِنْ خَلْفِهِ کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ کے نزدیک ایسی عزیز و کریم ہے کہ نہ اس کے الفاظ میں کوئی کمی ویشی اور تحریف و تبدیلی پر کسی کو قدرت ہے اور نہ معانی میں تحریف کر کے قرآن کے احکام بدل دینے کی مجال ہے۔ جب کبھی کسی بد بخت نے اس کا ارادہ کیا وہ ہمیشہ رسوا ہوا۔ قرآن اس کی ناپاک تدبیر سے پاک صاف رہا۔ الفاظ میں تحریف و تبدیلی کی راہ نہ ہونا تو ہر شخص دیکھتا سمجھتا ہے کہ تقریباً چودہ سو سال سے ساری دنیا میں پڑھا جاتا ہے۔ لاکھوں انسانوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ ایک زیر زبر کی غلطی کسی سے ہو جائے تو بوڑھوں سے لے کر بچوں تک، عالموں سے لے کر جاہلوں تک لاکھوں مسلمان اس کی غلطی پکڑنے والے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ من خلفہ کے الفاظ سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ قرآن کی حفاظت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ وَإِنَّا لَنُحْفِظُونَ ۝ وہ صرف الفاظ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اس کے معانی کی حفاظت کا بھی اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے۔ اس نے اپنے رسول ﷺ اور ان کے بلا واسطہ شاگردوں یعنی صحابہ کرام کے ذریعہ معانی قرآن اور احکام قرآن کو بھی ایسا محفوظ کر دیا ہے کہ کوئی ملحد بے دین اس میں تاویلات باطلہ کے ذریعہ تحریف کا ارادہ کرے تو ہر جگہ ہر زمانے میں ہزاروں علماء اس کی تردید کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ خائب و خاسر ہوتا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ

آیت: وَإِنَّا لَآ لِحَفِظُونَهُ ۝ میں ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور قرآن صرف الفاظ کا نام نہیں بلکہ نظم و معنی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

خلاصہ آیات مذکورہ کے مضمون کا یہ ہو گیا کہ جو لوگ بظاہر مسلمان ہیں، اس لیے کھل کر قرآن کا انکار تو نہیں کرتے مگر آیات قرآنی میں تاویلات باطلہ سے کام لے کر ان کو ایسے مطلب پر محمول کرتے ہیں جو قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی قطعی تصریحات کے خلاف ہے۔ ان کی تحریف سے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو ایسا محفوظ کر دیا ہے کہ یہ گھڑے ہوئے معانی کسی کے پل نہیں سکتے۔ قرآن و حدیث کی دوسری نصوص اور علماء امت اس کی قلعی کھول دیتے ہیں۔ اور احادیث صحیحہ کی تصریح کے مطابق قیامت تک مسلمانوں میں ایسی جماعت قائم رہے گی جو تحریف کرنے والوں کی تحریف کا پردہ چاک کر کے قرآن کے صحیح مفہوم کو واضح کر دے۔ اور دنیا سے وہ اپنے کفر کو کیسا ہی چھپائیں اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے۔ اور جب اللہ تعالیٰ ان کی اس سازش سے باخبر ہے تو ان کو اس کی سزا ملنا بھی ضروری ہے۔ (معارف مفتی شفیع)

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدَّ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ ۖ

پیغمبر کیلئے تسکین و تسلیہ کا سامان:

سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ کو اے پیغمبر! اپنی قوم کی طرف سے جس طعن و تشنیع اور ایذا رسانی کا سامنا ہے یہ کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں بلکہ آپ ﷺ سے پہلے کے انبیائے کرام سے بھی ایسے ہی ہوتا رہا ہے اور ان کو بھی اپنی کافر قوموں کی طرف سے اسی طرح کی باتیں سننا پڑی ہیں۔ اور ان کو بھی ویسی ہی ایذا رسانیوں سے سابقہ و واسطہ پڑا جیسا کہ آج آپ ﷺ کو پڑ رہا ہے۔ لہذا آپ بھی ویسے ہی صبر و استقامت ہی سے کام لیں جیسا کہ انہوں نے صبر سے کام لیا۔ (فاضیلہ) کَمَا صَبَرُوا لَوْلَا الْعَزْمُ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ { (الاحقاف: 35) اور دوسرا مطلب اس آیت کریمہ کا یہ بیان کیا گیا ہے اور کلمات کریمہ کے عموم میں اس کی بھی گنجائش بہر حال موجود ہے کہ جو کچھ آج آپ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے یعنی اپنے رب کی جانب سے۔ سو یہ وہی کلام و پیام ہے جو سابقہ انبیاء و رسل سے کہا جا چکا ہے اور آپ ﷺ کو بھی وہی احکام دیئے جا رہے ہیں جو آپ سے پہلے انبیائے کرام کو دیئے گئے ہیں کہ اصول کے اعتبار سے تمام شریعتیں آپس میں متحد و متفق تھیں اور ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ (إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالتَّيِّبِينَ مِنَ بَعْدِهِ) (النساء: 163) اور متعدد صحیح احادیث میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے۔ جبکہ پہلے مفہوم کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے۔

كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ مِن رُّسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ { (الذاریات: 53) بہر کیف اس میں حضرت ام الانبیاء محمد ﷺ کیلئے اور آپ ﷺ کے توسط سے آپ ﷺ کی امت کے ہر داعی کیلئے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ اہل حق کے مقابلے میں اہل باطل کا رد یہ ہمیشہ ایسے ہی رہا۔ پس اس سے کبھی نہ ہمت ہارنی چاہیے اور نہ حوصلہ چھوڑنا چاہیے۔

بلکہ ہمیشہ صبر و استقامت ہی سے کام لینا چاہیے۔

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَبِيًّا

منکرین کی کٹ جتی اور ہٹ دھرمی کا ایک نمونہ اور مظہر:

سوارشاد فرمایا گیا کہ اگر ہم اس کو کوئی عجیبی قرآن بنا دیتے تو اس وقت یہ لوگ یوں کہتے کہ کیوں نہ کھول کر بیان کر دیا گیا اس کی آیتوں کو۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ کتاب تو ہو عجیبی اور رسول عربی؟ یعنی اب تو یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ رسول بھی عربی اور قرآن بھی عربی۔ کیا پتہ یہ رسول خود ہی لکھ کر لارہے ہوں۔ ہم جب مانتے کہ یہ خود عربی ہوتے اور قرآن کو کسی اور زبان میں پیش کرتے۔ حالانکہ دستور ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ ہر نبی نے اپنی زبان میں ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا ہے ارشاد خداوندی ہے۔ (وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رُسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ) (ابراہیم: 4) اور پھر اس قرآن مجید کا اعجاز جس کے یہ لوگ اپنی قابل فخر زبان دانی کے باوجود خود قائل و معترف ہیں وہ اس کی حقانیت کی ایک زبردست دلیل ہے۔ مگر اس کے باوجود ان کا یہ کہنا محض کٹ جتی اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ اگر بالفرض ہم اس قرآن کو کسی عجیبی زبان میں ہی اتار دیتے تو انہوں نے پھر بھی نہیں ماننا تھا بلکہ اس وقت یہ لوگ یوں کہتے کہ یہ کیا تک ہے کہ نبی تو ہو عربی اور قرآن عجیبی۔ غرض جب نہ ماننا ہو تو اس کے لیے حیلوں بہانوں اور کٹ جتیوں کی کمی نہیں۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں کے ایسے اعتراضات محض کٹ جتی اور ہٹ دھرمی کی بنا پر تھے جس کا کوئی علاج نہیں۔ کیونکہ ہٹ دھرمی اور میں نہ مانوں کا کوئی علاج نہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ التَّوْرَةَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۗ بِالتَّصْدِيقِ وَالتَّكْذِيبِ كَالْقُرْآنِ وَ كَوَلَا كَلِمَةً
سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ بِتَاخِيرِ الْحِسَابِ وَلِجَزَاءِ لِلْخَلَائِقِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ ۗ فِي الدُّنْيَا فِيمَا
اِخْتَلَفُوا فِيهِ وَ إِنَّهُمْ أَيْ الْمُكْذِبِينَ بِهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ صَرِيحٌ ۖ مَوْفِعُ الزَّيْبَةِ مِنْ عَمَلٍ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ
عَمِلَ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ أَيْ فَضَرَّرَ أَسَئَتِهِ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ۖ أَيْ بِذِي ظُلْمٍ
لِقَوْلِهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات دی تھی سو اس میں بھی اختلاف ہو قرآن کی طرح تکذیب و تصدیق کی گئی اور اگر ایک بات نہ ہوتی آپ کے رب کی طرف سے جو طے ہو چکی ہے قیامت تک مخلوق کے حساب اور بدلہ کے متعلق تو دنیا ہی میں ان کے اختلاف کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ قرآن کو جھٹلانے والے ایسے شک میں ہیں جس نے انکو تڑد میں ڈال رکھا ہے جو شخص نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے اور جو شخص بدی کرتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہے یعنی اس کی بدی کا نقصان اس کی ذات پر پڑے گا اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے یعنی ظالم اللہ کے قول: إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ کی رو سے۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۗ

اوپر ذکر تھا کہ مشرکین مکہ قرآن شریف کی آیتوں کے سننے اور ان کے مطلب کے سمجھنے میں ٹیڑھی ٹیڑھی باتیں کرتے تھے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں تورات اور یہود کی پھوٹ اور ٹیڑھی باتوں کا ذکر فرمایا تاکہ اللہ کے رسول ﷺ کی تسلی ہو جائے کہ مشرکین مکہ کی یہ حالت کچھ نئی نہیں ہے یہود کی بھی یہی حالت ہے سورہ اعراف میں گزر چکا ہے کہ جب یہود نے تورات کے موافق عمل کرنے میں ٹیڑھی ٹیڑھی باتیں کیں تو ان کو ڈرایا گیا کہ ان پر طور پہاڑ بیخ دیا جائے گا اس ڈر سے انہوں نے وہ ٹیڑھی باتیں چھوڑیں یہود کی ایسی اور مثالیں بھی قرآن شریف میں ہیں صحیح بخاری میں عبد اللہ بن مسعود سے اور صحیح مسلم میں رافع بن خدیج سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ حنین کی غنیمت کا مال جب اللہ کے رسول ﷺ تقسیم کر رہے تھے تو ایک شخص نے کہا یہ تقسیم انصاف کے موافق نہیں ہے آپ نے جس وقت یہ بات سنی تو فرمایا اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحمت کرے کہ وہ اس سے زیادہ ستائے گئے ہیں۔ ان روایتوں سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ یہود نے موسیٰ علیہ السلام کو کہاں تک ستایا ہے آگے فرمایا کہ اگر کارخانہ الہی میں ہر کام کا وقت مقرر نہ ہوتا تو ان قرآن کی آیتوں کے جھٹلانے والوں پر اب تک کوئی آفت ضرور آ جاتی پھر فرمایا ان مشرکوں کے پاس شرک کی کوئی سند نہیں ہے اس واسطے یہ لوگ ایسے ناپائیدار شک اور دھوکہ کی حالت میں ہیں کہ کوئی بات ان کی پختہ طور پر نہیں راحت کے وقت مشرک بن جاتے ہیں اور مصیبت کے وقت خالص اللہ سے مصیبت کے ٹل جانے کی التجا کرتے ہیں سورہ عنکبوت میں ان مشرکوں کی یہ حالت گزر چکی ہے کہ کشتی کی سواری کے وقت کشتی کے ڈوب جانے کے خوف سے اپنے بچوں کو یہ لوگ بھول جاتے اور خالص اللہ سے مدد چاہنے لگتے تھے۔ پھر فرمایا ایسے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے جو کوئی ان میں سے راہ راست پر آ کر نیک کام کرے گا تو اچھے سے اچھا نیکی کا بدلہ اس کو ملے گا اور جو کوئی بدی کی حالت پر مر جائے گا تو سزا پائے گا کیونکہ بارگاہ الہی میں کچھ ظلم نہیں ہے بلکہ ہر ایک فیصلہ انصاف کا ہے۔ صحیح مسلم کے حوالہ سے ابو ذر کی حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم اپنی ذات پر حرام ٹھہرا لیا ہے اس حدیث سے مَا ذُنُوبُكَ يَطْلُؤُكَ لِلْعَبِيدِ ۝ کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ جاتا ہے جہاں مشرکین مکہ کی اور مسخر اپن کی باتیں تھیں وہاں مسخر اپن کے طور پر یہ لوگ اکثر قیامت کا حال پوچھا کرتے تھے کہ جس قیامت کے دن کی سزا سے ڈرایا جاتا ہے آخردہ کب آئے گی مشرکوں کی اس بات کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ قیامت کے آنے کا وقت میودوں کا درختوں کے غلافوں میں نکلنے کا وقت گرت کے حالہ ہونے اور بچہ کے پیدا ہونے کا وقت یہ اللہ تعالیٰ کی علم غیب کی باتیں ہیں اس لیے اللہ کے رسول سے گھڑی گھڑی قیامت کے آنے کا وقت پوچھنا بے فائدہ ہے پھر فرمایا کہ وہ تمہارے جھوٹے معبود کہاں ہیں ان کو بلاؤ کہ تم کو دوزخ کے عذاب سے بچائیں تو ان لوگوں کو سوائے اس کے اور کوئی صورت عذاب سے رہائی کی نظر نہ آئے گی کہ یہ لوگ شرک سے بیزاری ظاہر کریں گے اور اپنے جھوٹے معبودوں کو بالکل بھول جائیں گے مگر اس وقت کی یہ باتیں ان لوگوں کے کچھ کام نہ آئیں منہ

امام احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہ کی صحیح حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے مگر تکبیر کے سوال و جواب کے بعد اچھے شخص کو جنت کا ٹھکانا اور برے شخص کو دوزخ کا ٹھکانہ اللہ کے فرشتے دکھا کر یہ کہتے ہیں کہ اس ٹھکانے میں رہنے کے لیے تجھ کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا ابوداؤد، مسند امام احمد کے حوالہ سے براء بن العازب کی صحیح حدیث ایک جگہ گزر چکی ہے کہ ہر شخص دوزخ میں اپنا ٹھکانہ دیکھ کر ایسے ڈر جاتا ہے کہ قیامت کے نہ آنے کی ہمیشہ دعا مانگتا رہتا ہے۔ ان حدیثوں کو آیت کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب ہوا کہ مشرکین مکہ دنیا میں تو مسخر اپن سے قیامت کے آنے کی جلدی کرتے ہیں دنیا کی تھوڑی سی زندگی کے بعد مرنے کے ساتھ ہی قیامت کا نتیجہ ان کی آنکھوں کے سامنے آ گیا اور اس نتیجہ سے ایسے ڈر گئے کہ اب قیامت کے نہ آنے کی دعا مانگ رہے ہوں گے اور قیامت تک بائکتے رہیں گے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ

اللہ اپنے بندوں پر ذرہ برابر کوئی ظلم نہیں کرتا:

ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارا رب ایسا نہیں کہ کوئی ظلم کرے اپنے بندوں پر۔ یعنی يَظْلَمُ مَبَالِغَ مَا لَمْ يَكُنْ يَحْتَسِبُ پر کثرت متعلقین یعنی لِلْعَبِيدِ ۝ کے اعتبار سے لایا گیا ہے۔ ورنہ اللہ پاک تو اپنے بندوں پر ذرہ برابر بھی کوئی ظلم نہیں کرتا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: {إِنَّ لِلَّهِ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ} (النساء: 40) پس نہ تو وہ کسی کو جرم کے بغیر کوئی سزا دیتا ہے بلکہ بہت سے گناہوں کو تو وہ یونہی معاف کرتا اور ان سے درگزر فرماتا جاتا ہے۔ {وَيَغْفِرُ عَنِ الْكٰفِرِيْنَ} (الشوری: 24) اور نہ ہی وہ جرم سے زیادہ کسی کو سزا دیتا ہے اور نہ ہی ثبوت و شہادت کے بغیر کسی کو سزا دیتا ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ انسان نیکی اور بدی کا جو بھی کوئی کام کرتا ہے اسکا نفع یا نقصان خود اسی کو پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر کوئی ظلم کرنے والا نہیں۔ جس کا جو عمل ہوگا اس کے آثار و نتائج وہ اس کے سامنے رکھ دے گا۔ سو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو راہ راست پر لانے کیلئے کوشش کی جارہی ہے تو اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ لوگوں کی ہلاکت کے بغیر اس قادر مطلق اور غنی مطلق وحدہ لا شریک کا کوئی کام الکا ہوا ہے بلکہ یہ سب کوشش اور دوڑ بھاگ خود لوگوں کے بھلے اور فائدے کیلئے ہے۔ وہ خدائے رحمن یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی پکڑ سے بچ جائیں۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ اور اس کے عذاب سے بچ کر اس کی رحمت کے مستحق بن جائیں۔

إِلَيْهِ يَرْدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۞ مَتَى تَكُونُ لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ وَفِي قِرَاءَةِ ثَمَرَاتٍ مِنَ الْمَاءِ مَا
 أَوْعَيْتَهَا جَمْعٌ كَيْمٍ بِكَثْرِ الْكَافِ إِلَّا يَعْلَمُهُ وَمَا تَحِيلُ مِنْ أُنْثَى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۞ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ آيُنُ
 شُرَكَائِهِمْ قَالُوا أَلَا ذَلِكَ مَا آيَأَعْلَمْتُمْ أَنْ مَتَى مِنْ شَهِيدٍ ۞ أَيُّ شَاهِدٍ بَانَ لَكَ شَرِيكًا وَصَلَّ غَابَ عَنْهُمْ
 مَا كَانُوا يَدْعُونَ ۞ يَعْبُدُونَ مِنْ قَبْلُ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْأَصْنَامِ وَظَنُّوا أَيْقَنُوا مَا لَهُمْ مِنْ مَجِيصٍ ۞ مَهْرَبٍ مِنْ
 الْعَذَابِ وَالتَّقِي فِي الْمَوْضِعِينَ مُعَلَّقٌ عَنِ الْعَمَلِ وَقِيلَ جُمْلَةُ التَّقِي سُدَّتْ مَسَدَ الْمُفْعُولِينَ لَا يَسْتَمُ
 الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ ۞ أَيُّ لَا يَزَالُ يَسْأَلُ رَبَّهُ الْمَالَ وَالصِّحَّةَ وَغَيْرَهُمَا وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ الْفَقْرُ وَالسِّدَّةُ
 قُوْسٌ قَنُوطٌ ۞ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ وَهَذَا وَمَا بَعْدَهُ فِي الْكَافِرِينَ وَلَكِنْ لَأَمْ قَسَمَ أَذْفَنُهُ أَتَيْنَاهُ رَحْمَةً غَنَى
 فَرَصِحَةٌ مِمَّا مِنْ بَعْدِ صَوْرَةٍ شِدَّةٍ وَبَلَاءٍ مَسَّهُ لِيَقُولَنَّ هَذَا لِي ۞ أَيُّ بَعْمَلِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۞ وَكَيُنْ
 لَأَمْ قَسَمَ رُجِحْتُ إِلِي رَبِّي إِنْ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْبَى أَيُّ الْجَنَّةِ فَلَنَنْتَقِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا ۞ وَلَنُنَدِّقَنَّهِنَّ مِنْ
 عَنَابٍ غَلِيظٍ ۞ شَدِيدٍ وَاللَّامِ فِي الْفِعْلَيْنِ لَأَمْ قَسَمَ وَإِذَا أَعْبْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ الْجَنِّسِ أَعْرَضَ عَنِ الشُّكْرِ وَ
 نَأِيحَابِهِ ۞ نَسَى عِطْفِيهِ مُتَبَخَّرًا وَفِي قِرَاءَةِ بِتَقْدِيمِ الْهَمْزَةِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ ۞ كَثِيرٍ قَلَّ
 لَوْ يَكْفُرُ إِنْ كَانَ أَيُّ الْقُرْآنِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ مَنْ أَيُّ لَا
 أَخَذَ أَصْلُ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقِي خِلَافٍ بَعِيدٍ ۞ عَنِ الْحَقِّ أَوْعَى هَذَا مَوْعِدٌ مِنْكُمْ بَيَانًا لِحَالِهِمْ سَنُوْنِهِمْ
 الْبَيْتَانِ فِي الْأَفَاقِ أَطْفَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنَ النَّبَاتِ وَالْأَشْجَارِ وَفِي الْأَفْسِهِمْ مِنْ لَطِيفِ
 الضَّمْنَةِ وَبَدِيحِ الْحِكْمَةِ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ أَيُّ الْقُرْآنِ الْحَقُّ ۞ الْمُنْتَرَلُ مِنَ اللَّهِ بِالْبُعْثِ وَالْحِسَابِ
 وَالْعِقَابِ فَيَعَاقِبُونَ عَلَى كُفْرِهِمْ بِهِ وَبِالْجَانِبِ بِهِ أَوْ لَمْ يَكْفَى بِرَبِّكَ فَاعِلٌ يَكْفَى أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
 شَهِيدٌ ۞ بَدَلٌ مِنْهُ أَيُّ أَوْلَمْ يَكْفِهِمْ فِي صِدْقِكَ أَنْ رَبَّنَا لَا يَغِيْبُ عَنْهُ شَيْءٌ وَمَا إِلَّا إِلَهُهُمْ فِي مَرِيَّةٍ شَكٍ مِنْ
 لِقَاءِ رَبِّهِمْ ۞ لِإِنْكَارِهِمُ الْبُعْثَ الْأَلَاةُ تَعَالَى بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ ۞ عَلِمْنَا وَنُدْرَةٌ فَيَجَارِيهِمْ بِكُفْرِهِمْ

ع

ترجمہ: قیامت کے علم کا حوالہ خدا ہی کی طرف دیا جاسکتا ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی؟ اور کوئی
 بل اپنے خول سے باہر نہیں آتا ایک قراءت میں ثمرات ہے۔ اکام، کم بکسر القاف کی جمع ہے بمعنی برتن، اللہ ہی کے علم سے

لکھا ہے اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور نہ وہ بچہ جنمتی ہے مگر یہ سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے اور جس دن اللہ ان کو پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں وہ کہیں گے کہ ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں اب درخواست گزار ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی دعویٰ نہیں ہے یعنی آپ کے شریک ہونے کا کوئی بھی مدعی نہیں ہے اور وہ سب غائب لاپتہ ہو جائیں گے جن جن کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے پہلے سے دنیا میں رہتے ہوئے یعنی بت اور یہ لوگ سمجھ لیں گے ان کو یقین ہو جائے گا کہ ان کے لئے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے عذاب سے چھٹکارہ، پس و مالنا اور مالہم میں دونوں جگہ نفی لفظوں میں عمل نہیں کر رہی ہے اور بعض کے نزدیک جملہ نفی دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے انسان کا جی نہیں اکتا تارتی کی خواہش سے یعنی اللہ سے ہمیشہ مال و دولت، صحت و تندرستی مانگتا رہتا ہے اور اگر اس کو کوئی تکلیف فقر و تنگی پہنچتی ہے تو نا اُمید اور ہراساں ہو جاتا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس یہ اور اس کے بعد کی آیتیں کفار کے متعلق ہیں اور اگر لام قسمیہ ہے ہم چکھادیں عطا کر دیں مزہ اپنی مہربانی خوشحالی اور تندرستی کا اس تکلیف مشقت اور آزمائش کے بعد جو اس پر واقع ہوئی تھی تو کہنے لگتا ہے کہ یہ میرے لیے میرے کارناموں کی وجہ سے ہونا ہی چاہئے تھا اور میں قیامت کو آنے والی خیال نہیں کرتا اور اگر لام قسمیہ ہے اپنے پروردگار کے پاس پہنچا یا بھی گیا تو میرے لئے وہاں بھی بہترین جنت ہے سو ہم ان منکروں کو ان کے سب کو توت ضرور بتلا دیں گے اور ان کو سخت عذاب ہوگا دونوں فعلوں میں لام قسمیہ ہے اور جب ہم انسان کو کوئی بھی آدمی ہونعمت عطا کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے شکر بجالانے سے اور کروٹ لے لیتا ہے اتراتے ہوئے پہلو تپی کرنے لگتا ہے ایک قراءت میں نا کا ہمزہ پہلے ہے اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی بکثرت دعائیں کرنے لگتا ہے آپ کہئے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ یہ قرآن اللہ کے یہاں سے اگر آیا ہو جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا دعویٰ ہے پھر تم اس کا انکار کرو تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی میں ہوگا یعنی کوئی نہیں جو مخالفت اختلاف میں پڑا ہو در دراز کی حق سے، بعید ممن ہوا لہجہ بجائے مسکھ کے ہے ان کی حالت کا بیان ہے ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں دکھلائیں گے جہاں بھر کی آسمانوں اور زمینوں کے گرد و نواح کی جیسے چاند، سورج، ستارے، گھاس پھوس، درخت اور خود ان کی ذات میں بھی یعنی بہترین صنعت اور عمدہ حکمت یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ یعنی قرآن حق ہے اللہ کی طرف سے قیامت، حساب، عذاب کا بیان لایا ہے۔ لہذا ان باتوں کے اور ان کی پیش کرنے والے کے انکار پر ان کو سزا ہوگی کیا آپ کے پروردگار کی یہ بات کافی نہیں ہے۔ یکف کا فاعل بربک ہے کہ وہ ہر چیز کا مشاہد ہے یہ جملہ بربک کا بدل ہے یعنی کیا آپ کے سچا ماننے کے لیے یہ بات ان کے لئے کافی نہیں کہ آپ کے رب سے کوئی چیز بھی غائب نہیں ہے یاد رکھو کہ لوگ شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں اپنے پروردگار کے روبرو جانے سے قیامت کا انکار کرنے کی وجہ سے یاد رکھو کہ وہ اللہ ہر چیز کو احاطہ میں لے ہوئے ہے علم و قدرت کے لحاظ سے اس لئے وہ ان کو سزا دے گا ان کے کفر کی۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: نَمَرَاتٍ: یہاں جمع انواع کے اختلاف کے لحاظ سے ہے۔

قولہ: جَمَعَ كَيْمٌ: مجبور کے گائے کا غلاف اور کئی کوڑھانے والا پردہ۔

قولہ: فِي الْمَوْضِعَيْنِ: آذناک اور درو سرا و ظنوا ما لهم۔ اذنا۔ یہ علم کے معنی میں افعال قلوب سے ہے۔

قولہ: مُعَلَّقٌ عَنِ الْعَمَلِ: افعال قلوب میں تعلق ان کے عمل کو باطل کر دیتی ہے۔ البتہ معنوی عمل باقی رہتا ہے جب کہ یہ استفہام، نفی یا لام ابتداء سے پہلے آجائیں۔

قولہ: يَجَاكِبُهُ: جانب یہ نفس سے مجاز کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

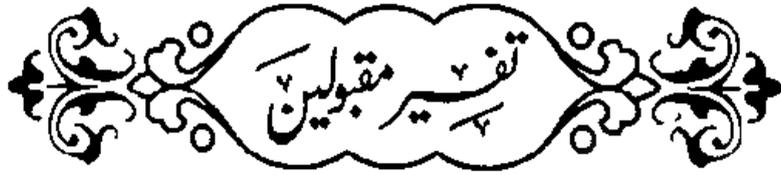
قولہ: ثَنَى عِظْفِهِ: وہ اپنے پہلو کو موڑتا ہے۔

قولہ: نَائٍ: دور ہوتا۔

قولہ: كَثِيرٌ: عریض کے معنی کے لیے بطور استعارہ استعمال ہوتا ہے۔

قولہ: فَاعِلٌ يَكْفُ: با تاکید کے لیے زائد ہے گویا اس طرح فرمایا کیا اللہ تعالیٰ پر ان کو کفایت حاصل نہیں ہوئی۔

قولہ: لَا يَغِيْبُ عَنْهُ شَيْءٌ: اس سے کوئی چیز مخفی نہیں وہ تمہارے اور ان کے احوال سے واقف ہے۔



إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ.....

قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اس دن مشرکین کی حیرانی و بربادی:

قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف حوالہ کیا جاتا ہے یعنی قیامت کب واقع ہوگی اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، سور الاعراف میں فرمایا: (يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَدُهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجِيبُهَا إِلَّا هُوَ) وہ آپ سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ کب ہے اس کا واقعہ ہونا، آپ فرمادیجیے کہ اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے اس کو ظاہر نہیں فرمائے گا مگر وہی۔ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ کے پاس انسانی صورت میں آئے اور متعدد سوالات کیے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ قیامت کے بارے میں ارشاد فرمائیے وہ کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: (ما المسؤل عنها با علم من السائل) کہ جس سے دریافت کیا وہ دریافت کرنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں۔ یعنی اس معاملہ میں میں اور تم برابر ہیں نہ مجھے اس کے وقوع کا وقت معلوم ہے اور نہ تمہیں پس اگر کسی سے پوچھا جائے کہ قیامت کب آئے گی تو یہی جواب دے دو کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: ای اذا سئل عنها قيل الله تعالى يعلم اولا يعلمها الا الله عز وجل۔ یعنی جب قیامت کے بارے میں پوچھا جائے تو کہا جائے اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا کہا جائے اسے نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ ہی۔

اس کے بعد بعض دیگر اشیاء کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جب درخت پر پھل آتے ہیں ادلا ایک غلاف کی سی صورت بنتی ہے ابتداء میں پھل ذرا سا ہوتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے اور بڑھتے بڑھتے اپنے غلاف

سے باہر آ جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی پھل اپنے غلاف سے باہر نکلتا ہے اور جس کسی عورت کو حمل قرار پاتا ہے اور جو بھی کوئی عورت بچہ جنمتی ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو علم ہے اس میں چند چیزوں کا ذکر ہے دوسری آیات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

جو لوگ دنیا میں شرک کرتے ہیں دلائل قدرت کو دیکھ کر بھی توحید کے قائل نہیں ہوتے یہ لوگ قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور ان سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ تم نے جو اپنے خیال میں میرے شرکاء بنا رکھے تھے وہ کہاں ہیں وہ لوگ جواب دیر گے کہ ہم آپ کو خبر دے رہے ہیں کہ یہاں اس وقت ہم میں کوئی بھی اس بات کی گواہی دینے والا نہیں کہ آپ کا کوئی شریک تھا دنیا میں تو پوری ضد کے ساتھ شرک کرتے تھے اور جب سمجھایا جاتا تھا تو حق نہیں مانتے تھے لیکن میدان قیامت میں شرک سے منکر ہو جائیں گے اور یوں کہیں گے: (والله ربنا ما كنا مشركين) اور جب سمجھ میں گے کہ انکار کچھ فائدہ نہیں دے سکتا تو اقراری ہو کر یوں کہیں گے (هولاء الذين كنا ندعو امن دونك) کہ یہ وہ ہیں جن کی ہم آپ کے علاوہ عبادت کیا کرتے تھے اور ان سے جو مدد کی امید رکھتے تھے وہ کوئی بھی مدد نہ پہنچا سکیں گے: **وَقَلُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّجِيْبٍ ۝۱۰** اور یقین کر لیں گے کہ ان کے لیے بھانسنے کا کوئی موقع نہیں۔

لَا يَسْتَعْمِلُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ ۝

انسان کی تنگ ظرفی کا ایک نمونہ و مظہر:

ارشاد فرمایا گیا کہ انسان بھلائی مانگتے نہیں ٹھکتا۔ جیسے مال و دولت، حکومت و اقتدار اور روپیہ پیسہ وغیرہ وغیرہ کہ ان چیزوں کے مانگنے اور چاہنے سے یہ نہ کبھی سیر ہوتا ہے اور نہ اس کی آنکھ بھرتی ہے۔ اور نہ کسی سٹیج اور کسی مرحلے پر یہ اس سے دستکش ہوتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ عام طور پر مفسرین کرام اس آیت کریمہ کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں۔ اور ظاہر اور متبادر بھی یہی ہے۔ لیکن یہ بات تجربے اور مشاہدے کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ عام تجربہ و مشاہدہ یہی ہے کہ اس طرح کے بے بھکے بھلکے اور بکڑے ہوئے لوگوں کا سفینہ جب تک رواں دواں ہوتا ہے یہ کبھی خدائے پاک کی طرف متوجہ ہوتے ہی نہیں۔ بلکہ اپنی عیش و عشرت اور اپنی لن ترانیوں میں مست اور محو مگن رہتے ہیں۔ البتہ جب ان کی کشتی کسی بھنور میں پھنسی ہے تو انکو خدا یاد آتا ہے۔ اور اس وقت یہ خود بھی بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتے ہیں اور دوسروں سے بھی ایسی دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں۔ لیکن جب کشتی بھنور سے باہر آ جاتی ہے تو اس وقت یہ خدا کو بھول جاتے ہیں اور طرح طرح کی باتیں بناتے اور شرمکيات کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ اور اگر مصیبت ذرا دراز ہوگئی تو یہ مایوس اور ناامید ہو کر رہ جاتے ہیں اور اپنی آس توڑ دیتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ یونس آیت نمبر 12 اور آیت نمبر 22 اور 23 اور سورۃ لقمان آیت نمبر 32 وغیرہ مختلف مقامات پر اس کی تصویر پیش فرمائی گئی ہے۔ سو یہ انسان بڑا ہی تنگ ظرف واقع ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ تنگ ظرفی اور ناشکری سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

وَ اِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَسْتَوْسِقُوْا ۝

تنگ ظرف انسان کا حال مصیبت کے موقع پر:

ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو یہ مایوس ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی بیماری آگئی۔ مال و دولت میں کوئی نقصان ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایمان و یقین کی دولت سے محروم اور مادہ و معدہ کے پیچھے چلنے والے انسان کی نفسیات ہمیشہ یہی رہی ہے۔ کل بھی اس کا یہی حال تھا اور آج بھی یہی ہے۔ یہ دنیا دوں اور اس کے مادی فوائد و مصالح ہی اس کا منتہا، مقصود اور اصل متاع ہیں۔ یہ انہی کے لیے جیتا اور انہی کے لیے مرتا ہے۔ جبکہ مؤمن صادق کے نزدیک یہ پوری دنیا بھی پرکاش کی حیثیت نہیں رکھتی۔ سبحان اللہ!۔ کتنا بڑا فرق ہے ان دونوں قسم کے انسانوں کے درمیان اور کس قدر رفعت و عظمت والی شان ہے بندہ مؤمن کی شان بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے تنگ ظرف انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو یہ لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے اور بڑے بڑے پختہ عہد کرتا ہے کہ اگر اس گرفت دیکڑ سے نجات مل جائے تو میں اپنے رب کا بڑا شکر گزار بندہ بن جاؤں گا۔

وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً.....

تنگ ظرف انسان کا منتہائے مقصود متاع دنیا اور بس:

اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ تنگ نظر اور مادہ پرست انسان کا منتہائے مقصود متاع دنیا ہے اور بس۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی کسی انسان کو ملتا ہے وہ محض چکھنے کے طور پر ہوتا ہے۔ اول تو اس لیے کہ وہ جتنا بھی کچھ ہو اس دنیا میں سے کچھ اور اس کا ایک معمولی حصہ ہی ہوتا ہے۔ اور وہ بھی عارضی طور پر اور ایک محدود فرصت کے لیے۔ جبکہ یہ دنیا پوری بھی آخرت کی ابدی اور حقیقی نعمتوں کے مقابلے میں پرکاش کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ پھر کتنا بد نصیب اور کس قدر محروم قسمت ہے وہ انسان جو اس دنیا کے ان معمولی اور عارضی فائدوں پر قانع ہو کر آخرت کی ابدی زندگی اور اس کی نعیم مقیم کو بھول جائے۔ بہر کیف اس سے دنیاوی مال و متاع کی بے حقیقی واضح ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ بہر حال ایسے ہی ہوتا ہے جیسا کہ ایک دیگ سے کچھ دانے چکھنے کے لیے لیے جائیں۔ سو دیگ کے ان چند دانوں پر مست ہو جانا پرلے درجے کی حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ جبکہ آخرت کی نعمتیں اصل اور حقیقی بھی ہیں اور ہمیشہ رہنے والی اور دیر پا بھی۔ (وَ الْأَخِرَةُ خَيْرٌ وَأَكْبَرُ) دنیا سے کہیں بڑھ کر بہتر بھی ہے اور ہمیشہ رہنے والی بھی۔ سو دنیا کے چند روزہ فائدوں پر قانع ہو کر آخرت کو بھول جانا بڑا ہولناک خسارہ ہے۔

نیز تکلیف کے بعد جب اس کو کوئی رحمت ملتی ہے تو یہ کہتا ہے کہ یہ تو ہمارے ہی لیے ہے۔ یعنی میں اس کا حقدار اور اس قائل تھا کہ یہ نعمت مجھے ہی ملتی۔ اور میں نے یہ اپنی لیاقت و قابلیت اور وہیشیاری و چالاکی کی بنا پر حاصل کی ہے۔ اور یہ میرے پاس ہمیشہ رہے گی وغیرہ وغیرہ۔ بنائے دنیا کا یہی حال کل تھا اور یہی آج ہے۔ جبکہ مؤمن صادق کی شان اس سے یکسر مختلف ہوتی ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ اس کی ہر حالت خیر ہی خیر ہوتی ہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے ایمان و یقین کی دولت سے محروم تنگ ظرف اور کوتاہ نظر انسان کے اس غلط پندار کو آشکارا فرمایا گیا ہے کہ جب اس کو اللہ تعالیٰ اپنے کسی

فضل و کرم سے نوازتا ہے تو یہ اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھنے کی بجائے اپنی لیاقت اور قابلیت کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے۔ اور اس طرح ایسا انسان حضرت داہب مطلق۔ جل و علا شانہ۔ کا شکر ادا کرنے کے شرف سے محروم ہو جاتا ہے جو کہ ایک بڑا ہولناک خسارہ ہے۔ سو ایمان و یقین کی دولت ہر خوبی و خیر کی اصل اور اساس ہے جبکہ اس سے محرومی۔ ہر خیر سے محرومی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہ حق پر مستقیم اور ثابت قدم رکھے اور نفس و شیطان کے ہر کمزور فریب سے ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

متاع دنیا کا ایک خطرناک پہلو:

اس ارشاد سے دنیاوی مال و دولت کا ایک بڑا خطرناک پہلو سامنے آتا ہے کہ اس سے ال باطل اپنے آپ کو حق پر سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اس طرح وہ حق سے مزید دور اور محروم ہونے لگتے ہیں کہ ایسا انسان اپنے متاع دنیا کی بنا پر کہنے لگتا ہے کہ میں حق پر ہوں کہ جب مجھے دنیا میں یہ اور یہ کچھ ملا ہوا ہے تو میں ٹھیک ہوں اور میرا راستہ ہی صحیح ہے۔ سو دنیاوی مال و دولت اور مادی ترقی و عروج کا یہ پہلو بہت خطرناک اور بذات خود ایک عذاب اور دائمی محرومی کا پیش خیمہ ہوتا ہے کہ اس طرح ال باطل اپنے معاملہ کو صحیح سمجھتے ہوئے نور حق و صداقت سے اور زیادہ دور اور محروم ہوتے چلے جاتے ہیں جو کہ سب سے بڑا اور حقیقی خسارہ ہے۔ جبکہ نصوص کتاب و سنت کے مطابق نہ دنیاوی مال و دولت کا مل جانا کسی طرح اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب و مقبول ہونے کی دلیل بن سکتا ہے اور نہ ہی اس کا نہ ملنا اس کے یہاں مردود و مطرود ہونے کی علامت۔ بلکہ یہ سب کچھ دراصل انسانی ابتلاء و آزمائش کے لیے مختلف پرچوں کی طرح ہوتا ہے جس کو انسان نے اپنے عقیدہ و عمل اور اخلاق و کردار کے ذریعے حل کرنا ہوتا ہے۔ جس کا صلہ و بدلہ اس کو آخرت کی اپنی دائمی اور ابدی زندگی میں پانا ہوتا ہے۔ ان خیرا فحیروا وان شررا فشررا۔ سو اصل دولت دین و ایمان کی دولت ہے نہ کہ دنیاوی اور مادی مال و دولت۔ پس کسی کو دنیاوی مال و دولت کی بنا پر کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ (فَلَا يَغُرُّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرُّكُمُ بِاللَّهِ الْغُرُورُ)۔

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَى بِجَانِبِهِ ۗ

یہ ایمان و یقین کی دولت سے محروم مادہ پرست انسان کی تنگ نظری اور اس کی نفسیات کے ایک اور مظہر کا ذکر و بیان ہے کہ جب اس کو دنیا نے دوں کی کوئی نعمت ملتی ہے تو یہ اس پر اکرٹ جاتا ہے اور مست ہو جاتا ہے۔ اور جب اسے کوئی تکلیف اور مصیبت آتی ہے تو یہ ناہمیں ناہمیں فٹ ہو کر لمبی چوڑی دعائیں مانگنے اور ہزار ہزار دانے کی تسبیح رولنے لگتا ہے۔ کل بھی اس کا یہی حال تھا اور آج بھی یہی ہے کہ اس کے نزدیک یہ دنیا اور اس کی نعمت و تکلیف ہی سب کچھ ہے۔ جبکہ مؤمن صادق کی شان نعمت اور تکلیف کی ان دونوں حالتوں میں اس سے یکسر مختلف اور اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے کہ وہ نعمت ملنے پر سراپا سپاس بن کر دل و جان سے اپنے خالق و مالک کا شکر بجالاتا اور اس کے حضور جمک جاتا ہے۔ اور تکلیف و مصیبت آنے پر وہ اجرد ثواب کی نیت سے صبر و برداشت سے کام لیتا ہے۔ اس طرح اس کی نعمت بھی اس کے لیے خیر بن جاتی ہے اور اس کی تکلیف اور مصیبت بھی۔ سو ایمان و یقین کی دولت سب خوبیوں اور جملہ کمالات کی اصل اور اساس میں ہے۔ اور اس سے محرومی

سب خرابیوں اور تمام مفاسد و مہالک کی جڑ بنیاد۔ والعیاذ باللہ۔ بہر کیف اس سے ایسے تنگ ظرف اور کوتاہ نظر انسان کے اعراض و استکبار کا ایک مظہر و نمونہ پیش فرمایا گیا ہے کہ ایسے سفلہ لوگوں کو جب ہم کسی انعام سے نوازتے ہیں تو ایسے لوگ غرور و استکبار میں مبتلا ہو کر ہم سے اعراض کرتے اور منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور اگر یہ ہماری کسی گرفت میں آجائیں تو یہ لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ سوائے اس طنطنے کی کوئی اس رس و بنیاد نہیں بلکہ ایسے تنگ ظرف لوگ ذرا میں بہک جانے والے اور ذرا ہی میں بلبلا اٹھنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كَانِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

قرآن کریم کی حقانیت کے بعض دلائل

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ قرآن کے جھٹلانے والے مشرکوں سے کہہ دو کہ مان لو یہ قرآن سچ اللہ ہی کی طرف سے ہے اور تم اسے جھٹلا رہے ہو تو اللہ کے ہاں تمہارا کیا حال ہوگا؟ اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اپنے کفر اور اپنی مخالفت کی وجہ سے راہ حق سے اور مسلک ہدایت سے بہت دور نکل گیا ہو پھر اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ قرآن کریم کی حقانیت کی نشانیاں اور خصالتیں انہیں ان کے گرد و نواح میں دنیا کے چاروں طرف دکھادیں گے۔ مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوں گی وہ سلطنتوں کے سلطان بنیں گے۔ تمام دینوں پر اس دین کو غلبہ ہوگا فتح بدر اور فتح مکہ کی نشانیاں خود ان میں موجود ہوں گی۔ کافر لوگ تعداد اور شان و شوکت میں بہت زیادہ ہوں گے پھر بھی ٹھسی بھرا ہل حق انہیں زیور بر کر دیں گے اور ممکن ہے یہ مراد ہو کہ حکمت الہی کی ہزار ہا نشانیاں خود انسان کے اپنے وجود میں موجود ہیں اس کی صنعت و بناوٹ اس کی ترکیب و جبلت اس کے جداگانہ اخلاق اور مختلف صورتیں اور رنگ و روپ وغیرہ اس کے خالق و صانع کی بہترین یادگار ہیں ہر وقت اس کے سامنے ہیں بلکہ اس کی اپنی ذات میں موجود ہیں پھر اس کا ہیر پھیر کبھی کوئی حالت کبھی کوئی حالت۔ بچپن، جوانی، بڑھاپا، بیماری، تندرستی، تنگی، فراخی رنج و راحت وغیرہ اوصاف جو اس پر طاری ہوتے ہیں۔ شیخ ابو جعفر قرشی نے اپنے اشعار میں بھی اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔ الغرض یہ بیرونی اور اندرونی آیات قدرت اس قدر ہیں کہ انسان اللہ کی باتوں کی حقانیت کے ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی گواہی بس کافی ہے وہ اپنے بندوں کے اقوال و افعال سے بخوبی واقف ہے۔ جب وہ فرما رہا ہے کہ پیغمبر صاحب ﷺ سچے ہیں تو پھر تمہیں کیا شک؟ جیسے ارشاد ہے: (لَٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهُ بِحُجُبٍ ۙ وَالنَّبِيُّ لَٰكِنَّمَا يَشْهَدُ بِمَا وَكَلَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا) (النساء: 166) یعنی لیکن اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ جس کو تمہارے پاس بھیجی ہے اور اپنے علم کے ساتھ نازل فرمائی ہے خود گواہی دے رہا ہے اور فرشتے اس کی تصدیق کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے پھر فرماتا ہے کہ دراصل ان لوگوں کو قیامت کے قائم ہونے کا یقین ہی نہیں اسی لیے بے فکر ہیں نیکیوں سے غافل ہیں برائیوں سے بچتے نہیں۔ حالانکہ اس کا آنا یقینی ہے۔ ابن ابی الدنیا میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا لوگو میں نے تمہیں کسی نئی بات کے لیے جمع نہیں کیا بلکہ صرف اس لیے جمع کیا ہے کہ تمہیں یہ سنادوں کہ روز جزا کے بارے میں میں نے خوب غور کیا میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسے سچا جاننے والا احمق ہے اور

اسے جھوٹا جاننے والا ہلاک ہونے والا ہے۔ پھر آپ منبر سے اتر آئے۔ آپ کے اس فرمان کا کہ اسے سچا جاننے والا احمق ہے یہ مطلب ہے کہ سچا جاننا ہے پھر تیاری نہیں کرتا اور اس کی دل ہلا دینے والی روہشت ناک حالتوں سے غافل ہے اس سے ڈر کر وہ امانت نہیں کرتا جو اسے اس روز کے ڈر سے امن دے سکیں پھر اپنے آپ کو اس کا سچا جاننے والا بھی کہتا ہے یہود و عرب غفلت و شہوت گناہ اور حماقت میں مبتلا ہے اور قیام قیامت کے قریب ہو رہا ہے واللہ اعلم۔ پھر رب العالمین اپنی قدرت کا مدعو جان فرما رہا ہے کہ ہر چیز پر اس کا احاطہ ہے قیام قیامت اس پر ہانکل ہل ہے، ساری مخلوق اس کے قبضے میں ہے جو چاہے کرے کوئی اس کا ہاتھ قیام نہیں سکتا جو اس نے چاہا اور جو چاہے گا ہو کر رہے گا اس کے سوا حقیقی حاکم کوئی نہیں ہے نہ اس کے سوا کسی اور کی ذات کی کسی قسم کی مہارت کے قائل ہے۔

سُورَةُ السُّورَةِ

السُّورَةُ
سُورَةُ ۲۲
مَكِّيَّةٌ ۲۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آيَاتُهَا ۵۳
رُكُوعَاتُهَا ۵

سورہ سُورۃ کی کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس میں تیرن آیتیں ہیں اور پانچ رکوع

حَمْدٌ مَّا عَسَىٰ أَن يَلْمِيَكَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا رَادِبِهِ بِهِ كَذَلِكَ أَمْثَلُ ذَلِكَ الْإِنجَاءَ يُوجِي إِلَيْكَ وَأُوْحَىٰ إِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ
اللَّهُ فَاعِلُ الْإِنجَاءِ الْعَزِيزُ فِي مَلِكِهِ الْحَكِيمُ فِي صُنْعِهِ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَسْكَا وَخُلُقًا
وَعِبَادًا وَهُوَ الْعَلِيُّ عَلَى خَلْقِهِ الْعَظِيمِ الْكَبِيرُ تَكَادُ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ السَّمَوَاتُ يَتَقَطَّرْنَ بِالنُّونِ وَفِي قِرَاءَةِ
بِالنَّاءِ وَالشَّدِيدِ مِن فَوْقِهِنَّ أَيْ تَنْسُقُ كُلُّ وَاحِدَةٍ فَوْقَ الْآخَرِ تَلِيهَا مِن عَظَمَتِهِ تَعَالَى وَالسَّلْبَةُ يُسَبِّحُونَ
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ أَيْ مَلَائِكَتُهُنَّ لِلْحَمْدِ وَاسْتَعْفِرُونَ لِمَن فِي الْأَرْضِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَفُورُ
لِأَوْلِيَاءِهِ الرَّحِيمِ وَهُمْ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَيْ الْأَصْنَامَ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِظَ مُحْصٍ عَلَيْهِمْ
لِيَجْازِيَهُمْ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ نَحْضِلُ الْمَطْلُوبَ مِنْهُمْ مَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ وَكَذَلِكَ مِثْلُ ذَلِكَ
الْإِنجَاءِ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِيُنذِرَ الْخَوْفَ أَمَّ الْقُرَىٰ وَمَن حَوْلَهَا أَيْ أَهْلَ مَكَّةَ وَسَائِرِ النَّاسِ وَتُنذِرَ
النَّاسَ يَوْمَ الْجُمُعِ أَيْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ تُحْمَعُ فِيهِ الْخَلْقُ لَا رَيْبَ فِيهِ قَدِيقٌ مِنْهُمْ فِي الْجَنَّةِ وَقَدِيقٌ فِي
السَّعِيرِ النَّارِ وَكُوشَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً أَيْ عَلَى دِينٍ وَاحِدٍ وَهُوَ الْإِسْلَامُ لَكِن يُدْخِلُ مَنْ
يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمُونَ الْكَافِرُونَ مَا لَهُمْ مِن وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ يَدْفَعُ عَنْهُمْ الْعَذَابَ أَمَّ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ
أَيْ الْأَصْنَامَ أَوْلِيَاءَ أَمْ مُنْقَطِعَةٌ بِمَعْنَى بَلِ الْبَيْ لِلْإِنْتِقَالِ وَهَمْزُهُ الْإِنْكَارُ أَيْ لَيْسَ الْمُتَّخِذُونَ أَوْلِيَاءَ فَاللَّهُ
هُوَ الْوَلِيُّ أَيْ النَّاصِرُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْقَاءُ لِمَجْرَدِ الْعَطْفِ وَهُوَ يُعْنِي الْهَوَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَمَا
اخْتَلَفْتُمْ مَعَ الْكُفَّارِ فِيهِ مِن شَيْءٍ مِنَ الدِّينِ وَغَيْرِهِ فَحُكْمُهُ مِ دُودًا إِلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ

ع

قُلْ لَهُمْ ذِكْرُ اللَّهِ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ اَرْجِعْ فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ مَبْدِئُهُمَا جَعَلَ لَكُمْ مِنْ

الْفَيْسِكِ أَرْوَاجًا حَيْثُ خَلَقَ حَوَاءَ مِنْ ضِلْعِ آدَمَ وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَرْوَاجًا ۚ ذُكُورًا وَإِنَّا نَأْتِيهِمْ بِالْمُعْجَمَةِ

يَخْلُقُكُمْ فِيهِ ۚ فِي الْجَعْلِ الْمَذْكُورِ أَيْ يَكْثُرُ كُمْ بِسَبَبِهِ بِالتَّوَالِدِ وَالضَّمِيرِ لِلنَّاسِ وَالْأَنْعَامِ بِالتَّغْلِيْبِ

لَيْسَ كَيْفِيهِ شَيْءٌ ۚ الْكَافُ زَائِدَةٌ لِأَنَّهُ تَعَالَى لَا مِثْلَ لَهُ وَهُوَ التَّوْبِيحُ لِمَا يُقَالُ الْبَصِيرُ ۝ بِمَا يُفْعَلُ لَهُ

مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ أَيْ مَفَاتِيحُ خَزَائِنِهِمَا مِنَ الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهِمَا يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوسِّعُهُ لِمَنْ

يَشَاءُ إِمْتِحَانًا وَيَقْدَارًا ۚ يُضِيقُهُ لِمَنْ يَشَاءُ إِبْتِلَاءً إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَضَى بِهِ نُوحًا

هُوَ أَوَّلُ أَنْبِيَاءِ الشَّرِيعَةِ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا

فِيهِ ۚ هَذَا هُوَ الْمَشْرُوعُ الْمُوَضَى بِهِ وَالْمُرْخَى إِلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ التَّوْحِيدُ كَبَّرَ

عَظُمَ عَلَى الشُّرَكَائِ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ مِنَ التَّوْحِيدِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ إِلَى التَّوْحِيدِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ

مَنْ يُنِيبُ ۝ يُقْبَلُ عَلَى طَاعَتِهِ وَمَا تَفَرَّقُوا أَيْ أَهْلُ الْأَدْيَانِ فِي الدِّينِ بَأَنَّ وَحَدَّ بَعْضُ وَكَفَرَ بَعْضٌ إِلَّا

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بِالتَّوْحِيدِ بَعِيًّا مِنَ الْكَافِرِينَ بَيْنَهُمْ ۚ وَكَوَلَا كَلِمَةً سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ بِتَاخِيرِ

الْجَزَاءِ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى يَوْمَ الْفَيْصَةِ لَقَضَى بَيْنَهُمْ ۚ بِتَعْدِيبِ الْكَافِرِينَ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِلُوا الْكِتَابَ

مِنْ بَعْدِهِمْ وَهُمْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَرِيْبٍ ۝ مَوْقِعِ

الرَّيْبَةِ فَلِذَلِكَ التَّوْحِيدِ قَادِحٌ بِأَمْرٍ النَّاسِ وَاسْتَقَوْمَ عَلَيْهِ كَمَا أَمَرْتُ ۚ وَلَا تَتَّبِعِ أَهْوَاءَهُمْ ۚ فِي تَرْكِهِ

وَقُلْ أَمَدْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأَمَرْتُ لِأَعْدِلَ أَيْ بِأَنْ أَعْدَلَ بَيْنَكُمْ ۚ فِي الْحُكْمِ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ

لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۚ فَكُلُّ يَجْازِي بِعِلْمِهِ لِأَحْجَةِ خُصُومَةٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۚ هَذَا قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرَ

بِالْجِهَادِ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ فِي الْمَعَادِ لِفَضْلِ الْقَضَاءِ وَإِلَيْهِ الْبَصِيرُ ۝ الْمَرْجِعُ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي دِينِ

فِي اللَّهِ نَبِيٍّ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ ۚ بِالْإِيمَانِ لِيُظْهِرَ مُعْجَزَتَهُ وَهُمْ الْيَهُودُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ ۚ بَاطِلَةٌ عِنْدَ

رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝ اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقًا بِالنُّزُلِ وَالْهَيْزَانِ ۚ

وَالْعَدْلُ وَمَا يُدْرِيكَ يُعَلِّمُكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ أَيُّ اثْنَانِهَا قَرِيبٌ ۝ وَلَعَلَّ مُتَعَلِّقٌ لِلْفِعْلِ عَنِ الْعَمَلِ أَوْ مَا بَعْدَهُ

سَدَّ مُسَدِّ الْمَفْعُولَيْنِ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا ۝ يَقُولُونَ مَتَى تَأْتِي ظَنَّا مِنْهُمْ أَنهَا غَيْرُ آتِيَةٍ وَ

الَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ خَائِفُونَ مِنْهَا ۝ وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۝ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ يُجَادِلُونَ فِي السَّاعَةِ لِيَفِي

صَلَاتِي بَعِيْبًا ۝ اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ ۝ بَرِّهِمْ وَفَاجِرِهِمْ حَيْثُ لَمْ يُهْلِكْهُمْ جُوعًا بِمَعَاصِيهِمْ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۝

مِنْ كُلِّ مِثْقَلٍ مِمَّا يَنْشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ عَلَى مُرَادِهِ الْعَزِيزُ ۝ الْغَالِبُ عَلَى أَمْرِهِ

ترجمہ: حَمَّ ۝ عَسَقَ ۝ اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اسی طرح یعنی اس وحی صحیحہ کے مانند اللہ تعالیٰ جو زبردست ہے اپنے ملک میں حکمت والا ہے اپنی صنعت میں تیری طرف اور تجھ سے انگوں کی طرف وحی بھیجتا ہے اللہ ایسا کا قائل آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے اسی کا ہے ملکیت کے اعتبار سے، تخلیق کے اعتبار سے اور مملوکت کے اعتبار سے اور وہ اپنی مخلوق پر برتر اور عظیم الشان ہے قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں تاء اور یاء کے ساتھ (بنفطرن) نون کے ساتھ ہے اور ایک تراءت میں (نون کے بجائے) تاء مع تشدید طاء ہے یعنی ہر اوپر والا آسمان جس کے نیچے آسمان ہے اللہ کی عظمت کی وجہ سے پھٹ پڑے اور تمام فرشتے اپنے رب کی پاکی حمد کے ساتھ بیان کرتے ہیں تسبیح و تحمید دونوں کو ملا کر کہہ رہے ہیں اور زمین میں جو مؤمنین ہیں ان کے لیے استغفار کر رہے ہیں خوب یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی اپنے اولیاء کو معاف کرنے والا ان پر رحم کرنے والا ہے اور اس کے سوا جن لوگوں نے جنوں کو کارساز بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ ان پر نگران ہے یقیناً ان کو نرادیے گا اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ ان سے مطلوب کو حاصل کریں آپ کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے اور اس وحی کرنے کی مانند ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے آس پاس والوں کو آگاہ کریں یعنی اہل مکہ اور تمام لوگوں کو اور آپ لوگوں کو جمع ہونے کے دن یعنی قیامت سے ڈرائیں جس میں تمام مخلوق جمع کی جائے گی جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے ان میں سے ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ایک امت یعنی ایک دین پر اور وہ اسلام ہے بنا دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کافروں کا کوئی حامی اور مددگار نہیں کہ ان سے عذاب کو دفع کر سکے کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا جنوں کو کارساز بنا لیا ہے۔ ام منقطعہ بمعنی مل ہے جو کہ انتقال کے لئے ہے اور ہمزہ انکار کے لیے ہے یعنی جن کو کارساز بنا لیا ہے وہ کارساز نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ہی ولی ہے یعنی مؤمنین کا مددگار ہے اور فاحض عطف کے لیے ہے وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وحی ہر چیز پر قادر ہے اور جس چیز دین وغیرہ میں کفار کے ساتھ تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ قیامت کے دن اللہ ہی کی طرف لائے گا وہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا آپ ان سے کہئے یہی اللہ میرا رب ہے جس پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے ان کو بے نمونہ بنانے والا ہے اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کے جوڑے بنا دیئے ہیں، بایں طور کہ اس نے حوا کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا فرمایا اور جو پایوں کے

زرد مادہ کے جوڑے بنائے مجھ کے ساتھ اور یذرم بمعنی یہ خلفکم ہے یعنی مذکورہ طریقہ سے تم کو پیدا کرتا ہے اس طریقہ تو والد کے سبب سے تمہاری کثرت کرتا ہے اور ضمیر انسانوں اور حیوانات کی طرف تغلیباً راجع ہے اس کے مثل کوئی شیئی نہیں، کاف زائدہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں، وہ ہر بات کا سننے والا ہر فعل کا دیکھنے والا ہے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے قبضہ قدرت میں ہے یعنی ان دونوں کے خزانوں بارش اور نباتات وغیرہ کی کنجیاں وہ جس کی چاہے امتحاناً روزی کشادہ کر دے اور جس کی چاہے بطور آزمائش تنگ کر دے یقیناً وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور وہ انبیاء شریعت میں سے اول نبی ہیں اور جو ہم نے بذریعہ وحی آپ کی طرف بھیجا ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا، اور اس میں اختلاف نہ کرنا یہی ہے وہ مشروع کہ جس کا تاکیدی حکم دیا گیا اور جس کی محمد ﷺ کی طرف وحی کی گئی اور وہ توحید ہے اور جس چیز کی طرف آپ انھیں بلا رہے ہیں وہ توحید ہے وہ تو مشرکوں پر گراں گزرتی ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے توحید کے لئے منتخب کر لیتا ہے اور جو شخص اس کی اطاعت کی طرف رجوع کرتا ہے اس کی اپنی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اہل ادیان نے دین میں اسی وقت اختلاف کیا بایں طور کہ بعض نے توحید اختیار کی اور بعض نے کفر کیا کہ جب ان کے پاس توحید کا علم آ گیا اور وہ بھی کافروں کی باہمی ضد بحث اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک وقت مقرر تک کے لیے تاخیر عذاب کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو یقیناً دنیا ہی میں کافروں کو عذاب دے کر ان کے اختلاف کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں وہ بھی آپ ﷺ کے بارے میں الجھن ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں پس اے محمد! آپ لوگوں کی اسی توحید کی طرف بلا تے رہئے اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے آپ خود بھی اس پر قائم رہئے اور اس کو ترک کرنے میں ان کی خواہشوں کی اتباع نہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میرا ان پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم سب میں انصاف کرتا رہوں اور ہمارا اور تم سب کا پروردگار اللہ ہی ہے ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں لہذا ہر ایک کو اس کے مطابق صلہ ملے گا ہمارے تمہارے درمیان کوئی نزاع نہیں یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے کے لیے قیامت کے دن ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے اور جو لوگ اللہ کے دین کے بارے میں اس کے نبی سے حجت بازی کرتے ہیں بعد اس کے کہ اس کے معجزات کے ظاہر ہونے کی وجہ سے مان لیا گیا ہے اور وہ یہود ہیں اور ان کی حجت بازی ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب قرآن کو نازل فرمایا ہے۔ انزل کے متعلق ہے اور میزان نازل فرمائی ہے اور آپ کو کیا خبر شاید قیامت یعنی اس کی آمد قریب ہو اور لعل فعل کو عمل سے روکنے والا ہے یا اس کا مابعد قائم مقام دو مفعولوں کے ہے اس کی جلدی ان کو آن پڑی ہے جو اس کو نہیں مانتے سوال کرتے ہیں کہ کب آئے گی؟ یہ یقین کرتے ہوئے کہ وہ آنے والی نہیں ہے اور جو اس کا یقین رکھتے ہیں وہ اس سے ڈر رہے ہیں انھیں اس کے حق ہونے کا پورا علم ہے یا دیکھو جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں وہ در کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نیک ہوں یا بد بڑا ہی لطف کرنے والا ہے اس طرح سے کہ ان کی معصیت کی وجہ سے ان کو بھوکا نہیں مارتا ان سب میں سے

جس کو چاہتا جتنی چاہتا روزی دیتا ہے اور وہ اپنی مراد پر بڑی طاقت اور اپنے امر پر بڑا غلبہ رکھنے والا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **مِثْلَ ذَلِكَ**: اس سورت کے معانی جیسے: **ذَلِكَ**۔ یہ یوحی کے لیے مفعول بہ ہے۔

قولہ: **الْإِنْحَاءِ يُوحَى**: مضارع کو ماضی کی حالت کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا تاکہ استمرار وحی ثابت ہو۔

قولہ: **يَتَفَكَّرُونَ**: اس کی تادالی قراءت مبلغ تر ہے کیونکہ یہ فطر کا مطاوع ہے۔

قولہ: **حَفِظُوا**: یہاں نگہبان کے معنی میں ہے۔

قولہ: **تُحْضَلُ**: فاعل انت ضمیر ہے۔

قولہ: **قَرِيبًا مِنْهُمْ**: منہم کو مقدر مانا تاکہ فریق نگرہ کی یہ صفت بن کر وہ مبتداء بن جائے۔

قولہ: **الْكَافِرُونَ**: تقابل رحمت میں نقحت الظالمون لانا اظہار مبالغہ کے لیے ہے۔

تفسیر مقبولین

سورۃ الشوریٰ مکہ ہے اور مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے جس کی ترین آیات اور پانچ رکوع ہیں، ابن عباس، جابر اور عکرمہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے فرمایا یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس سورۃ کو سورۃ حم عسق بھی کہا جاتا ہے، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سورت میں بعض ائمہ مفسرین کے قول کے مطابق چار آیتیں ایسی ہیں جو مکہ میں نازل نہیں ہوئیں ان کا نزول بعد ہجرت مدینہ منورہ میں ہوا وہ آیات "قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة في القربى" سے چوتھی آیت تک ہیں، بعض دیگر مفسرین جیسے مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے آیت: **اهد بقولون الفتوى** کو مستثنیٰ قرار دیا، کسی نے: "ولو بسط الله الرزق لعباده لبغوا في الارض" کو غیر مکہ کہا، اس سورت کا مضمون سورۃ حم السجدۃ کے مضمون سے مربوط ہے، کیونکہ اس میں بھی مضامین زیادہ تر اثبات رسالت وحی الہی اور عظمت قرآن کے بیان پر مشتمل ہیں اور اسی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ کفار مکہ کی ایذاؤں اور ان کی بیہودہ روش پر رنج نہ فرمائیں۔

كُلَّا لَكَ يُوحَىٰ إِلَيْكَ....

حضرات انبیائے کرام کی ایک امتیازی صفت کا ذکر و بیان:

اس سے معلوم ہوا کہ تمام حضرات انبیاء و رسل کی تعلیم بھی ایک ہی رہی اور ذریعہ تعلیم بھی ایک ہی رہا۔ سوارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح اللہ وحی بھیجتا ہے آپ کی طرف۔ یعنی جس طرح اس سورۃ کریمہ کے مضامین کی وحی فرمائی جا رہی ہے اسی طرح

آپ کی طرف اور ان تمام انبیائے کرام کی طرف بھی اللہ پاک کی طرف سے وحی فرمائی جاتی رہی جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں کہ ان سب کے مشمولات بھی ایک ہی قسم کے تھے اور مقاصد بھی مشترک۔ کیونکہ توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان اور اخلاق فاضلہ کی تعلیم وغیرہ بنیادی عقائد و مسائل ان سب میں مشترک تھے۔ اور مقصد بھی ایک ہی تھا کہ انسانیت وحی کے بتائے ہوئے راستے کو اپنا کردارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار و فیضیاب ہو سکے۔ سو تمام انبیائے کرام کی تعلیم بھی ایک ہی رہی۔ یعنی دین اسلام کی تعلیم جو کہ دین فطرت ہے۔ اور جو اس پوری کائنات کا دین ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی اس فطرت کو اپناؤ۔ اور ان سب حضرات کا طریقہ تعلیم بھی ایک ہی رہا۔ یعنی یہ کہ وحی خداوندی کے ذریعے اور اسی کی روشنی میں لوگوں کو حق و ہدایت کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو انکے خالق و مالک کے آگے جھکا یا جائے اور اس سے ملایا جائے۔ اور وحدت مدعا کا ذکر اور اشارہ آگے آیت نمبر 13 میں فرمایا گیا ہے۔ سو یہ چیز حضرات انبیاء و رسل کے درمیان ایک مشترک امتیازی وصف کے طور پر موجود رہی۔

اللہ پاک کی عظمت شان سے متعلق دو صفتوں کا ذکر:

ارشاد فرمایا گیا جو کہ بڑا ہی زبردست اور نہایت ہی حکمت والا ہے۔ پس چونکہ وہ ذات اقدس و اعلیٰ نہایت زبردست اور سب پر غالب ہے اس لیے جو کرنا چاہے کوئی اس کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ مگر وہ چونکہ انتہا درجہ کا حکیم بھی ہے اس لیے جو کچھ بھی وہ کرتا ہے انتہائی حکیمانہ طریقے پر کرتا ہے۔ سو اسماءِ حسنیٰ میں سے عزیز و حکیم کی دو صفتوں کے حوالے سے ایک طرف تو تخصیص و ترغیب اور تسلیہ و تسکین کا پہلو نکلتا ہے کہ جو لوگ اس دین حنیف کی تعلیم و تذکیر میں لگ جائیں گے وہ عزت اور حکمت کی دولت سے سرشار و مالا مال ہوں گے۔ اور وہ خدائے عزیز و حکیم کی نصرت و امداد سے بھی سرشار ہوں گے۔ اور دوسری طرف ان دونوں صفتوں کے ذکر میں مکررین و مکذبین کیلئے تہدید و تحویف کا پہلو بھی موجود ہے کہ ایسے لوگ عزت و حکمت سے بھی محروم ہوں گے اور خداوند قدوس کی گرفت و پکڑ کے مورد بھی بنیں گے۔ اور جب وہ پکڑنے پر آئے گا۔ تو ان کیلئے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی کہ وہ عزیز اور نہایت ہی زبردست ہے۔ لیکن وہ چونکہ حکیم بھی ہے اس لیے اس کی پکڑ حکمت پر ہی مبنی ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کفر و انکار اور جرم و قصور کے باوجود اگر کسی کو ذمیل ملتی ہے تو اس سے اس کو مست نہیں ہونا چاہیے۔

تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَنْفَطَرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ

یعنی آسمان پھٹ پڑیں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے زور سے، یا بیشمار فرشتوں کے بوجھ سے، یا ان کے ذکر کی کثرت سے خاص تاثیر ہو اور پھٹ پڑے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آسمانوں میں چار انگشت جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ سر بسجود نہ ہو۔ اور بعض نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ جب مشرکین خدا تعالیٰ کے لیے شریک اور بیٹے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں تو خداوند قدوس کی جناب میں یہ ایسی سخت گستاخی ہے جس سے کچھ بعید نہیں کہ آسمان کی اوپر دالی سطح تک پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ فی سورۃ مریم ﴿تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَنْفَطَرْنَ مِنْهُ وَتَلْسَعُ الْأَرْضُ وَنَجْوَى الْجِبَالُ هَذَا﴾ ۱۰. اَنْ دَعَوَا لِلزَّانِحِينَ

تھے کہ اے مکہ قسم ہے اللہ کی ساری زمین سے اللہ کے نزدیک مجھے تو زیادہ محبوب اور زیادہ افضل ہے اگر میں تجھ میں سے نہ نکالا جاتا تو قسم ہے اللہ کی ہرگز تجھے نہ چھوڑتا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو حسن صحیح فرماتے ہیں اور اس لیے کہ تو قیامت کے دن سے سب کو ڈرادے جس دن تمام اول و آخر زمانے کے لوگ ایک میدان میں جمع ہوں گے۔ جس دن کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں جس دن کچھ لوگ جنتی ہوں گے اور کچھ جہنمی یہ وہ دن ہوگا کہ جنتی نفع میں رہیں گے اور جہنمی گمانے میں دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے: ذٰلِكَ يَوْمٌ فَجْئُوْهُ لَهٗ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْذٌ (سورہ: ۱۰۳) یعنی ان واقعات میں اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو آخرت کا وہ دن ہے جس میں تمام لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ سب کی حاضری کا دن ہے۔ ہم تو اسے تھوڑی سی مدت معلوم کے لیے مؤخر کئے ہوئے ہیں۔ اس دن کوئی شخص بغیر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بات تک نہ کر سکے گا ان میں سے بعض تو بد قسمت ہوں گے اور بعض خوش نصیب۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس ایک مرتبہ دو کتابیں اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر آئے اور ہم سے پوچھا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا ہمیں تو خبر نہیں آپ فرمائیے۔ آپ نے اپنی داہنے ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ رب العالمین کی کتاب ہے جس میں جنتیوں کے نام ہیں مع ان کے والد اور ان کے قبیلہ کے نام کے اور آخر میں حساب کر کے میزان لگادی گئی ہے اب ان میں نہ ایک بڑھے نہ ایک گھٹے۔ پھر اپنے بائیں ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ جہنمیوں کے ناموں کا رجسٹر ہے ان کے نام ان کی ولدیت اور ان کی قوم سب اس میں لکھی ہوئی ہے پھر آخر میں میزان لگادی گئی ہے ان میں بھی کی بیشی ناممکن ہے۔ صحابہ نے پوچھا پھر ہمیں عمل کی کیا ضرورت؟ جب کہ سب لکھا جا چکا ہے آپ نے فرمایا ٹھیک ٹھاک رہو بھلائی کی نزدیکی لیے رہو۔ اہل جنت کا خاتمہ نیکیوں اور بھلے اعمال پر ہی ہوگا گودہ کیسے ہی اعمال کرتا ہو اور نار کا خاتمہ جہنمی اعمال پر ہی ہوگا گودہ کیسے ہی کاموں کا مرتکب رہا ہو۔ پھر آپ نے اپنی دونوں مٹھیاں بند کر لیں اور فرمایا تمہارا رب عزوجل بندوں کے فیصلوں سے فراغت حاصل کر چکا ہے ایک فرقہ جنت میں ہے اور ایک جہنم میں اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنے دائیں بائیں ہاتھوں سے اشارہ کیا گویا کوئی چیز سپینک رہے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ یہی حدیث اور کتابوں میں بھی ہے کسی میں یہ بھی ہے کہ یہ تمام عدل ہی عدل ہے حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کی تمام اولاد ان میں سے نکالی اور چوٹیوں کی طرح وہ میدان میں پھیل گئی تو اسے اپنی دونوں مٹھیوں میں لے لیا اور فرمایا ایک حصہ نیکیوں کا دوسرا بدوں کا۔ پھر انہیں پھیلا دیا دوبارہ انہیں سمیٹ لیا اور اسی طرح اپنی مٹھیوں میں لے کر فرمایا ایک حصہ جنتی اور دوسرا جہنمی یہ روایت موقوف ہی ٹھیک ہے واللہ اعلم۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو عبد اللہ نامی صحابی بیمار تھے ہم لوگ ان کی بیمار پرسی کے لیے گئے۔ دیکھا کہ وہ رورہے ہیں تو کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں آپ سے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا ہے کہ اپنی مٹھیں کم رکھا کرو یہاں تک کہ مجھ سے ملو اس پر صحابی نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے تو یہ حدیث رلا رہی ہے کہ حضور ﷺ سے سنا ہے اللہ تعالیٰ اپنی دائیں مٹھی میں مخلوق لی اور اسی طرح دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں بھی اور فرمایا یہ لوگ اس کے لیے ہیں یعنی جنت کے لیے اور یہ اس کے لیے ہیں یعنی جہنم کے لیے اور مجھے کچھ پرداہ نہیں۔ پس مجھے خبر نہیں کہ اللہ کی کس مٹھی میں تھا؟ اس طرح کی اشہات تقدیر کی اور بہت سی حدیثیں ہیں پھر فرماتا ہے اگر

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۗ

ہر اختلاف کا فیصلہ اللہ ہی کے حوالے:

اس ارشاد سے ہر اختلاف اور تنازع کا فیصلہ اللہ ہی کے حکم و ارشاد کے مطابق کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے کہ جب اس ساری کائنات کا خالق و مالک بھی وہی وحدہ لا شریک ہے اور حاکم و حکیم اور علیم و خبیر بھی وہی۔ اور اپنے بندوں پر مہربان اور رحمن و رحیم بھی وہی۔ تو یہ فیصلہ بھی وہی فرما سکتا ہے کہ انسان کے لیے مفید کیا ہے اور مضر کیا۔ اس کا بھلا کس میں ہے اور برا کس میں۔ اس کے لیے حق و حلال کیا ہے اور ناجائز و حرام کیا۔ اس کے لیے بہتر کیا ہے اور بدتر کیا۔ پس اسی کا فیصلہ صحیح اور عین حق و صدق ہو سکتا ہے اور اسی میں انسان کے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا راز مضر ہے۔ اور اسی کی متعین فرمودہ راہ انسان کے لیے حقیقی فوز و فلاح کی ضامن و کفیل ہو سکتی ہے۔ لہذا ہر اختلاف کے موقع پر اور ہر حال میں رجوع بہر حال اسی کی طرف کرنا چاہیے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: { فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ } (النساء: 59) اور یہی راہ ہے حق و صواب کی جس سے روگردانی مؤمن کے لیے کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: { مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ } (الاحزاب: 36) بہر کیف اس میں یہ عظیم الشان اور اہم بنیادی درس دیا گیا ہے کہ ہر اختلاف اور تنازع کی صورت میں اللہ تعالیٰ ہی کے حکم و فیصلہ کی طرف رجوع کرو کہ ہر اختلاف کا فیصلہ اللہ ہی کے حوالے ہے۔

فَاطِرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے اس کی تخلیق میں کوئی بھی شریک نہیں ہے اور اس نے تم کو بھی پیدا فرمایا ہے تمہاری جانوں سے تمہارے جوڑے بنائے ہیں یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا سے لے کر آج تک جو نسلاً بعد نسل بنی آدم پیدا ہو رہے ہیں اور جو پیدا ہوں گے ان میں یہ سلسلہ رکھا ہے کہ مرد بھی پیدا فرمائے ہیں اور عورتیں بھی، مرد عورتوں کے جوڑے ہیں اور عورتیں مردوں کے، اسی طرح اس نے موبیشیوں میں بھی کئی قسمیں پیدا فرمائیں اور ان میں بھی زود مادہ پیدا کیے جن سے ان کی نسلیں چل رہی ہیں۔

يَذُرُّكُمْ فِيهِ ۗ (وہ اس تخلیق کے ذریعے تمہاری تکثیر فرماتا ہے) اور اس کی قدرت سے تمہاری نسلیں چلتی ہیں۔

قال القرطبي أي يخلقكم وينشئكم ﴿فِيهِ﴾ أي في الرحم، وقيل في البطن، وقال الفراء وابن كيسان ﴿فِيهِ﴾ بمعنى به وكذلك قال الزجاج معنى ﴿يَذُرُّكُمْ فِيهِ﴾ يكثركم به، أي يكثركم يجعلكم أزواجاً، أي حلائل، لانهن سبب النسل، وقيل ان الهاء في ﴿فِيهِ﴾ للجعل ودل عليه جعل فكانه قال يخلقكم ويكثركم في الجعل -

(علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں یعنی تمہیں پیدا کرتا ہے اور ماں کے رحم میں پرورش دیتا ہے اور بعض نے کہا فیہ سے مراد ہے پیٹ میں، فراء اور ابن کيسان نے کہا ہے فیہ سے مراد ہے کہ معنی میں ہے اور اسی طرح زجاج کہتے ہیں يَذُرُّكُمْ فِيهِ کا معنی

ہے تمہیں اس کے ذریعہ بڑھاتا ہے یعنی تمہیں خاوند بیوی جوڑے بنا کر بڑھاتا ہے کیونکہ بیویاں نسل کا سبب ہیں بعض نے کہا فیہ میں "حاء" جعل کے لیے ہے اور جعل اس پر دلالت کرتا ہے گویا کہ فرمایا وہ تمہیں پیدا کرتا ہے اور بنانے میں تمہیں زیادہ کرتا ہے۔)

لینس کمثلہ شیء (اللہ کی طرح کوئی بھی چیز نہیں ہے) خالق تعالیٰ شانہ کا وجود حقیقی ہے وہ ہمیشہ سے ہے جس کی کوئی ابتدا نہیں وہ ہمیشہ رہے گا جس کی کوئی انتہا نہیں وہ اپنی ذات اور صفات میں تھا ہے بے مثال ہے اس کی ذات کی طرح کوئی ذات نہیں اس کی صفات کی طرح کسی کی صفات نہیں صفات کے اعتبار سے اگر کوئی لفظ کسی کے لیے بول دیا گیا ہے تو وہ محض اشراک لفظی کے اعتبار سے ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بھی متوحد اور یکتا ہے اور اپنی صفات میں بھی مفرد ہے اور اپنے اسماء میں بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف تجسیم کی نسبت کرتے ہیں یا اس کے لیے مکان اور زمان اور جہت تجویز کرتے ہیں اور جو اسے تشبیہ اور تعطیل سے متصف کرتے ہیں وہ سب گمراہ ہیں خالق تعالیٰ شانہ کی توحید کے منکر ہیں خالق اور مخلوق کی صفات میں کوئی مشابہت نہیں۔

قال القرطبی رحمہ اللہ والذی یعتقد فی هذا الباب أن الله جل اسمه فی عظمتہ وکبریاءہ وملکوئہ وحسنی أسماؤہ وعلی صفاتہ لا یشبہ شیئاً من مخلوقاته ولا یشبہ بہ فلا تشابہ بینہما فی المعنی الحقیقی، اذ صفات القدیم جل وعز بخلاف صفات المخلوق اذ صفاتہم لا تنفک عن الاعراض والاعراض، ہو تعالیٰ منزہ عن ذلك، بل لم یزل باسماؤہ وبصفاتہ علی ما بینہ فی (الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی) وكفی فی هذا قوله الحق: ليس كمثلہ شیء، وقد قال بعض العلماء المحققین: التوحید اثبات ذات غیر مشبہة للذوات ولا معطلۃ من الصفات، وزاد السیوطی رحمہ اللہ بیانا فقال: ليس كذاته ذات، لا كاسمه اسم، ولا كفعله فعل، ولا كصفته صفة الا من جهة موافقة اللفظ، وجلت الذات القديمة ان يكون لها صفة حديثة، كما استحال ان يكون للذات المحدثه صفة قديمة، وهذا كله مذهب اهل الحق والسنة والجماعة رضی اللہ عنہم۔

(علامہ قرطبی فرماتے ہیں اس بات میں جو اعتقاد رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام بزرگی والا ہے اپنی عظمت و کبریائی اور مالکیت میں اور اپنے اسماء حسنی میں اور اپنی صفات میں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوقات کے بالکل مشابہ نہیں ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے مشابہ ہے لہذا حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے کہ قدیم ذات کی صفات بلند ہیں اور بزرگی والی ہیں بخلاف مخلوق کی صفات کے کیونکہ مخلوق کی صفات تو اعراض ہیں اور اعراض جدا نہیں ہو سکتیں اور اللہ تعالیٰ اعراض و اعراض سے منزہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات تو قدیم ہے جیسا کہ ہم نے کتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی میں بیان کیا ہے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی حق ذات کا یہ ارشاد کافی ہے کہ لینس کمثلہ شیء بعض محققین علماء نے کہا ہے توحید ایسی ذات کو یقین سے مان لینے کا نام ہے کہ جو ذات کسی اور ذات کے مشابہ نہیں ہے اور نہ کسی صفت سے معطل ہے۔ علامہ سیوطی نے ایک اور بیان کا اضافہ کیا ہے کہتے ہیں اللہ کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں ہے نہ اس کے نام جیسا کوئی نام ہے

اور نہ اس کے فعل جیسا کوئی فعل ہے اور نہ اس کی صفت جیسی کوئی صفت ہے مگر صرف لفظی موافقت۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند ہے کہ اس میں کوئی صفت نئی پیدا شدہ ہو جیسا کہ یہ محال ہے کہ کسی فانی ذات کی کوئی قدیم صفت ہو یہ اہل حق اہل الہیہ والجماعہ کا مذہب ہے۔)

وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (اور وہ سنے والا ہے دیکھنے والا ہے) وہ ہر بات کو سننا ہے ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ.....

(ربط) سورۃ شوریٰ کی ابتداء حق تعالیٰ شانہ کی عظمت و کبریائی اور توحید کے بیان سے تھی، اسی کے ضمن میں وحی الہی کا اثبات تھا، اور کفر و شرک کا رد اور ابطال اب ان آیات میں ذکر فرمایا جا رہا ہے اللہ رب العزت نے جس قدر بھی پیغمبر مبعوث فرمائے، حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تک اور جتنے ادیان و شرائع مقرر فرمائے ان سب کا مقصد وحید صرف توحید خداوندی رہا، بلکہ جملہ ادیان کی بھی یہی تعلیم تھی، اور ہر پیغمبر کی یہی ہدایت تھی، اب اسی تعلیم ہدایت کو لے کر آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے ہیں، اس لحاظ سے آپ ﷺ کی دعوت کوئی نئی دعوت نہیں، آپ ﷺ کی تعلیم کوئی نئی تعلیم نہیں بلکہ جملہ تعلیمات و ہدایت سادویہ کا لباب و جوہر اور ان کی تکمیل ہیں، اس بنا پر کسی کتابی اور آسمانی مذہب رکھنے والے کو آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے میں اصولاً کوئی تامل نہ ہونا چاہئے، اور آپ ﷺ کا پیغام تمام امتوں کے درمیان وحدت و اتفاق کا پیغام ہے، اس وجہ سے بھی آپ کے پیغام کو قبول کرنے میں کسی کو اختلاف و تردد نہ ہونا چاہئے، چنانچہ ارشاد فرمایا، مقرر کر دیا ہے اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے وہی دین جس کا حکم اللہ نے نوح (علیہ السلام) کو کیا جس کی بنیاد توحید خداوندی ہے اور ہر نبی نے اپنی قوم کو اس کی دعوت دی، اور جس چیز کی ہم نے آپ ﷺ کو وحی بھیجی، اور جس چیز کا ہم نے حکم دیا ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی امتوں کو وہ یہ تھا کہ اللہ کا یہ دین قائم رکھو، اور خدا کی توحید پر قائم رہو، اور اس کے سوا کسی کی بندگی ہرگز نہ کرو، اس کے تمام احکام مانو اور ان پر عمل کرو، اور یہ کہ اس میں تفرقہ نہ ڈالو، تمام انبیاء کی تعلیمات جب کہ ان بنیادی اصول میں متحد تھیں تو عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس دعوت کو قبول کیا جاتا، جو آنحضرت ﷺ لے کر مبعوث ہوئے اور شرک و بت پرستی سے اجتناب کیا جاتا مگر مشرکین پر یہ بات یعنی دعوت توحید بہت گران اور ناگوار ہے جس کی طرف آپ ﷺ ان کو بلا رہے ہیں لیکن اللہ اپنی طرف کھینچتا ہے اسی کو جس کو چاہے اور اپنے تک اسی کو رسائی عطا کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے یعنی اللہ ہی کی مشیت سے اجتناب و انتخاب ہوتا ہے اور توفیق ایمان سے نوازا جاتا ہے اور توفیق ایمان کے بعد جس کو رجوع اور انا بت الی نصیب ہو اسی پر طاعت و بندگی اور قرب کے راستے کھلتے ہیں۔ اور اہم سابقہ کا یہ تفرق و اختلاف، حق میں کسی قسم کے فضا اور التباس کے باعث نہ تھا بلکہ ان لوگوں نے نہیں اختلاف کیا مگر اس کے بعد کے ان کے پاس علم آچکا تھا محض باہمی حسد اور بغض کی وجہ سے ایسی مذموم حرکت اور بدترین روش کا تقاضا تو یہ تھا کہ عذاب خداوندی ان پر مسلط ہوتا اور یہ ہلاک کر دیئے جاتے لیکن اگر ایک فیصلہ آپ ﷺ کے رب کی طرف سے پہلے نہ ہو چکا ہوتا ایک متعین وقت تک مہلت کا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا، عذاب خداوندی نازل ہو جاتا اور دنیا دیکھ لیتی کہ حق سے اختلاف کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے، مگر اللہ نے اپنی حکمت سے یہ طے کر لیا تھا کہ دنیا

دارالامتحان ہے، اسی طرح حق و باطل کی کشمکش چلتی رہے، قیامت قائم ہونے پر ایسے مجرمین اور حق سے اختلاف کرنے والوں کو جہنم کے عذاب میں ڈالا جائے گا اور بے شک ان امم سابقہ کے بعد اب جن لوگوں کو کتاب الہی کا وارث بنایا اور وہ آنحضرت ﷺ کی امت دعوت ہوئے وہ اس کتاب کی طرف شک ہی میں پڑے ہوئے ہیں جو ان کو تروید میں ڈالنے والا ہے، اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ ان منکرین کے انکار اور مشرکین کے شرک سے رنجیدہ نہ ہوں اور نہ ہی ہمت ہاریں بس آپ ﷺ تو اسی چیز کے لیے جس کی دلی آپ ﷺ کو کی گئی اور اس کا حکم نوح کو ابراہیم دسویں اور عیسیٰ علیہ السلام کو کیا گیا، دعوت دیتے رہے اور اسی پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے جیسا کہ آپ ﷺ کو حکم کیا گیا، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے، اس خیال سے کہ ان کی بعض خواہشات اگر مان لی جائیں تو شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں اور بلکہ آپ ﷺ تو یہ اعلان کر دیجئے کہ جب کہ یہ لوگ کسی طرح بھی ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہیں تو میں تو ایمان لا چکا ہوں اس چیز پر جو اللہ نے اپنی کتاب سے نازل کی ہے لہذا اے منکر و کافر و اتم یہ توقع نہ رکھو کہ میں تمہاری کسی خواہش کو پورا کرنے میں اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی یا اس کو نظر انداز کروں گا، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں، انصاف کروں، حق اور باطل کے درمیان فرق کر کے حق پر تمہیں آمادہ کروں اور خود اس پر قائم رہوں۔ اس لیے کہ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ میں تم کو حق کی دعوت دیتے ہوئے خود حق سے انحراف کر جاؤں اور تمہاری باطل خواہش اور خوشنودی کو پورا کرنے کا ارادہ کر لوں۔

اللہ ہی ہمارا رب ہے اور وہی تمہارا بھی رب ہے، اب جب کہ تم کسی طرح حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو بس ہمارے واسطے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے واسطے ہیں، لہذا جیسے تمہارے اعمال ہوں گے، ان کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا، اب کوئی حجت بازی اور خصومت کی گنجائش نہیں، ہمارے تمہارے درمیان، اللہ ہم سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا، جس میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے، وہاں پہنچ کر سب پر حقیقت کھل جائے گی، ایمان و کفر اور توحید و شرک کا انجام نظر آ جائیگا، اور اس وقت مجرمین و مشرکین کو سوائے حسرت و ندامت کے اور کچھ بھی چارہ کار نہ ہوگا، اور جو لوگ اللہ کے دین کے بارے میں حجت بازی کرتے ہیں بعد اس کے کہ اہل عقل کی طرف سے اس کو قبول کر لیا گیا اور سلیم الفطرت انسان ایمان لا چکے تو اب ایسے لوگوں کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر خدا کی طرف سے غضب نازل ہونے والا ہے، اور ان کے واسطے دنیوی عذاب اور غضب خداوندی کے علاوہ آخرت میں بڑا ہی سخت عذاب ہے کیونکہ اللہ کے دین کی سچائی اور اسکی کتاب کی حقانیت ظاہر ہو چکی، سمجھ دار لوگ ایمان لا چکے اور بہت سے وہ لوگ جو اگرچہ مذہبی تعصب اور عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے، مگر کتاب الہی کی سچائی اور حقانیت اقرار کرتے ہیں، اس بنا پر اب حجت پوری ہو گئی، اب اس کے بعد جو لوگ بھی خواہ مخواہ جھگڑے ڈالتے ہیں یا ایمان لانے والوں سے الجھتے ہیں ان کے واسطے ظاہر ہے کہ عذاب خداوندی دنیا اور آخرت میں ہوگا،

ابتداء تشریح احکام اور جملہ انبیاء علیہم السلام کا اصول، شرائع میں اتفاق:

حضرت آدم ﷺ کے بعد سب سے پہلے وہ رسول جن سے تشریح احکام کا سلسلہ شروع ہوا وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں، اور سب سے آخری نبی جن پر سلسلہ نبوت و رسالت ختمی ہوا اور کمالات نبوت کی تکمیل ہوئی، وہ خاتم الانبیاء محمد رسول ﷺ ہیں، حضرت نوح علیہ السلام سے قبل دنیا میں ایمان و کفر اور توحید و شرک کا اختلاف نہ تھا دس قرن اسی طرح گزرے، سب سے پہلے رسول شرک کا مقابلہ کرنے والے حضرت نوح علیہ السلام ہی ہیں، اسی وجہ سے ایک حدیث میں ہے: "اول رسول بعث الی الارض نوح علیہ السلام"۔ کہ سب سے پہلے رسول جو زمین والوں کے واسطے بھیجے گئے وہ نوح علیہ السلام ہیں، مراد یہ ہے کہ وہ پہلے رسول تھے کفر و شرک کے مقابلہ کے لیے، جیسا کہ آیت مبارکہ: "کان الناس امة واحدة فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین" سے معلوم ہوتا کہ آدم علیہ السلام کے وقت سے ایک ہی سچا دین رہا، ایک مدت کے بعد جب لوگوں نے دین میں اختلاف ڈالا تو اللہ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا جو اہل ایمان و طاعت کو ثواب و نجات کی بشارت سناتے تھے اور اہل کفر و معصیت کو عذاب سے ڈراتے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد جس قدر بھی رسول دنیا میں آئے اور کتابیں نازل کی گئیں وہ سب اصول میں ایک تھے کیونکہ راستہ ایک ہی تھا، (توحید و عبادت خداوندی) البتہ فروع میں تفاوت و اختلاف ہونا چاہئے تھا، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس اللہ سرہ نے فرمایا اس کی مثال ایسی ہے جیسے تندرستی ایک ہے، اور بیماریاں بے شمار، جب ایک مرض پیدا ہوا تو اسی کے موافق دوا اور پرہیز مقرر کیا گیا، پھر جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق تجویز ہوا، پھر سب سے آخر میں ایسا طریقہ اور قاعدہ مقرر فرما دیا جو سب بیماریوں سے بچائے اور سب کے بدلے کفایت کرے، وہ طریقہ اسلام ہے، جس کے لیے نبی آخر الزمان ﷺ بھیجے گئے اور وہ نسخہ روحانی قرآن شریف ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے پیغام شفاء ہے،

حضرت نوح علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے درمیان جتنے انبیاء و رسل آئے ان میں اولوالعزم رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یہی زیادہ مشہور ہے اور ان کے مذہب کے پیرو دنیا میں کثیر تعداد میں ہوئے اس وجہ سے اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی وحی اور آپ ﷺ کے دین کی تشریح ان انبیاء علیہم السلام کے شرائع کی شرکت اور مشابہت کے ساتھ بیان کی گئی، نیز اس وجہ سے بھی کہ ان ادیان سے تعلق رکھنے والوں کو آپ ﷺ کا دین قبول کرنے میں کوئی تاثر باقی نہ رہے، جب کہ آپ ﷺ کی کتاب کتب سابقہ کی تصدیق کر رہی ہے، اور ان انبیاء سابقین کی تعلیمات و ہدایات بنیادی اصول کے لحاظ سے متفق و متحد ہیں تو پھر ان انبیاء پر ایمان لانے والے ان کتب سابقہ کے ماننے والے یہود و نصاریٰ کو عقلاً و طبعاً آپ ﷺ پر ایمان لانے سے کسی طرح بھی گریز نہ کرنا چاہئے۔

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْبَيِّنَاتِ ۖ وَمَا يُؤْتِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝

بیان نزول کتاب باحق و صداقت و نزول میزان برائے عدل و انصاف:

(بط) گذشتہ آیات کا حاصل یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی وحی انبیاء سابقین اور اولوالعزم رسولوں کی وحی ہی کی طرح ہے، اور آپ ﷺ کا دین بھی اصولاً وہی دین ہے، آپ ﷺ کی کتاب بھی جملہ کتب سابقہ کے علوم کی حامل اور مصدق ہے، اب ان آیات میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی کتاب حق و صداقت کے ساتھ نازل فرمادی ہے اور یہ کتاب الہی درحقیقت حق و صداق کو تولد کی ترازو ہے، اس ترازو میں حق و باطل کو تولد جاتا ہے، جیسے مادی ترازو میں مادی اشیاء تولد جاتی ہیں، اور پورے تولد سے عدل و انصاف قائم کیا جاتا ہے، اسی طرح یہ کتاب الہی ایک طرف حقوق خداوندی صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے معیار ہے تو دوسری طرف حقوق العباد کو بھی عدل و انصاف سے ادا کرنے کا ایک محکم ضابطہ اور مکمل دستور ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی پر آمادہ کرنے والی قوت و صلاحیت ایمان بالآخرت ہے، اسی یقین کے باعث انسان اپنے اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق ادا کر سکتا ہے، اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہی دراصل ہر انسان کا اپنی ذات کے ساتھ عدل و انصاف کا قائم کرنا ہے، کیونکہ ان حقوق کا اطلاق حقیقت میں اپنی ذات پر ظلم کرنا ہے تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

اللہ ہی ہے جس نے اس کتاب یعنی قرآن کو اتنا حق کے ساتھ اور ترازو کو یعنی عدل و انصاف مقرر فرمایا تو جب یہ کتاب اللہ کی ہے تو اللہ پر ایمان کا متقاضی یہی ہے کہ اس کے احکام کی اطاعت ہو اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ حقوق العباد میں عدل و انصاف قائم کیا جائے، جیسے ترازو میں کوئی چیز برابر تولی جائے۔ یہی نجات کا ذریعہ ہے کہ قرآن پر ایمان لایا جائے، محض خدا کا قائل ہونا یا اس پر ایمان کا دعویٰ کافی نہیں تا وقتیکہ اس کے قانون اور دستور عدل و انصاف پر عمل نہ کیا جائے، منکرین کا بلائیل معارضہ اور حجت بازی اور قیامت کا ذکر اور یہ سوال کرنا کہ وہ کب آئے گی، بے معنی اور لغو بات ہے آپ ﷺ اس پر رنجیدہ نہ ہوں اور آپ کو کیا معلوم شاید یہ کہ قیامت قریب ہو اگر وقوع قیامت کا وقت معلوم نہیں تو اس سے یہ کیونکر تصور کیا جاسکتا ہے کہ آنے والی ہی نہیں جیسے کہ یہ منکرین کہتے ہیں، بات یہ ہے کہ جلد ہی قیامت کے آنے کا مطالبہ کرتے ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان و یقین نہیں رکھتے کیونکہ ان کو قیامت کی عظمت و ہیبت کا اندازہ نہیں ہے اور جو لوگ اس کا یقین رکھتے ہیں وہ تو اس سے کانپتے اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے اور واقع ہو کر رہے گی، خرد دار ہو جاؤ جو لوگ قیامت کے بارہ میں جھگڑتے ہیں وہ انتہائی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں جو گمراہی کا ایسا آخری مقام ہے کہ حق اور یقین سے بہت ہی دور ہو چکا تو اب کیا توقع کی جائے کہ ایسے بدنصیب پھر حق کی طرف رجوع کر لیں گے، اور رہا یہ امر کہ منکرین اور نافرمان دنیا میں عیش و عشرت کر رہے ہیں مال و دولت اور رزق کی کمی نہیں تو اصل یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے کہ مجرموں کو بھی دنیا میں روزی اور راحت دیتا ہے، جس کو چاہے وہ رزق دیتا ہے کیونکہ وہ تورب ہے، اور شان و بویہ تقاضا کرتی ہے کہ ہر جاندار کو روزی عطا فرمائے، خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر، انسان ہو یا حیوان وہ بڑی ہی قوت اور عزت والا ہے جس کے فیصلہ اور تقسیم کو کوئی رد نہیں کر سکتا، اسی طرح آخرت میں بھی اس کے فیصلہ کو کوئی نہیں توڑ سکتا، مجرمین کو آخرت میں عذاب اور سزا سے کوئی بچانے والا نہ

ہوگا، اس لیے ان کفار و مجرمین کو دنیا کی نعمتوں سے مغرور نہ ہونا چاہئے اور اس دھوکہ میں نہ پڑنا چاہئے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی میں بھی ان کا یہ مال و دولت انکے کچھ کام آسکے گا یا یہ اسی طرح آرام و راحت میں رہیں گے، اللہ رب العزت اپنی شانِ لطیفی کے باعث نیک و بد سب ہی کو رزق عطا فرماتا ہے، رزق اور دنیوی راحتوں کی زیادتی اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ شخص اللہ کی نظروں میں بھی پسندیدہ ہے۔ (روح المعانی ج ۲۰ - تفسیر مظہری ج ۸)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عکرمہ سے ”اللَّهُ لَطِيفٌ“ کی تفسیر میں یہ منقول ہے کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں کے ساتھ بہت ہی انعام اور مہربانی کا معاملہ فرمانے والا ہے کہ ان کے حق اور استعداد سے زائد ان کو عطا فرماتا ہے بعض مفسرین نے فرمایا اللہ کا لطف و کرم بندوں کو ان کے حوائج و ضروریات سے بہت زائد عطا فرماتا ہے اور ان کو احکام کا مامور ان کی طاقت سے بہت کم کا فرمایا جاتا ہے، ورنہ تو یہ ہو سکتا تھا کہ انسانی قوی جس قدر عملی محنت برداشت کر سکیں، اتنی محنتوں کا ان کو مأمور کر دیا جاتا، سبحان اللہ کیا لطف و کرم ہے کہ عطا میں تو ضرورت و حاجت کو نہیں دیکھا جا رہا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر جا دیا جا رہا ہے اور اطاعت میں جس قدر انسان کی ہمت ہو سکتی ہے اس سے بہت کم کا مامور بنایا جا رہا ہے جیسا کہ ارشاد ہے، ان الدین یسر، یہ نہیں کہ جس قدر طاقت بشریہ ہے اتنا ہی مکلف کر دیا جاتا، اور پھر ان پابندیوں میں بھی خطا اور نسیان سے درگزر کا ضابطہ عفو مقرر فرما دیا گیا۔

خوف آخرت ایمان و معرفت کا ثمرہ ہے:

آخرت کا خوف ظاہر ہے کہ ایمان و یقین ہی پر مرتب ہو سکتا ہے، جو شخص قیامت پر ایمان رکھتا ہوگا اسی کا دل قیامت کی ہیبت سے کانپے گا اور جس کو قیامت کا یقین نہیں وہ اس کے ذکر ہی کو مذاق شمار کرے گا، اور اسی طرح کی بے وقعتی اس بات کا باعث بنے گی کہ وہ قیامت کا ٹرولانے والے اہل ایمان اور ان کی دعوت فکر کو سن کر یہ کہے کہ لے آؤ جلد ہی سے وہ قیامت جس سے تم ڈرا رہے ہو، اسی استہزاء اور تمسخر کی کیفیت کو قرآن کریم کے یہ لفظ نقل کر رہے ہیں: ”یستعجل بہا الذین لایؤمنون بہا“۔ لیکن ان کے بالقابل جو اہل ایمان ہیں وہ اس سے لرز رہے ہیں اور دل انکے کانپتے ہیں جو: ”وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا“ میں بیان فرمایا گیا، اور یہ خوف ظاہر کہ اعتقاد قیامت ہی سے ہو سکتا ہے لفظ ”مُشْفِقُونَ“ اشفاق سے مشتق ہے لغت میں اشفاق کے معنی کسی چیز کے اندیشہ اور خوف سے دل کا کانپنا، قلب کا یہ اضطراب و خوف ایک تو قیامت کے واقع ہونے اعتقاد پر ہوگا، دوسرے اس عقیدہ اور تخیل پر کہ جو ایمان اور عمل صالح قیامت کے روز کام آتے ہیں، کہیں وہ روز نہ کر دیئے جائیں، رہا یہ امر کہ عارفین اور کامل الایمان اہل اللہ کو اشتیاق موت اور لقاء خداوندی، وہ شوقِ طبعی ہوتا ہے، اور یہ خوف جس کا ذکر کیا گیا یہ کہ شوق کا باعث تقارب کا تصور ہوتا ہے اور خوف کا عشاء قیامت کی ہیبت اور اپنے اعمال کے خیاب کا اندیشہ ہے اور یہ جائز ہے کہ ایک جہت سے قلب میں جذبہ شوق وارد ہو تو دوسری جہت سے خوف سے اضطراب ہو، یہی وہ حقیقت ہے جس کو حدیث میں بیان فرمایا گیا: ”من احب لقاء الله احب لقاءه“۔ جو شخص اللہ کی ملاقات محبوب رکھے گا اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرمائے گا، اسی کیفیت کو قرآن کریم کی اس آیت میں فرمایا: قل یا ایہا الذین ہادوا ان

زَعَمَهُ اَوْلِيَاءُ اللّٰهِ مِنْ حَوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَوْا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ تو یہاں اولیاء اللہ کی پہچان اور خصوصیت ہی یہ بیان کی گئی کہ وہ موت و لقاء خداوندی کے شائق و آرزو مند ہوں اور ولایت کا صدق تناء موت ہی ہے، اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ بات بھی حل ہو گئی جو احوال قبور کے سلسلہ میں بیان کی گئی کہ بعض مردہ جب کہ وہ پروردگار کے قاصدوں یعنی نکیرین کا جواب صحیح صحیح دیدے گا تو کہے گا: "رب اتم الساعة"۔ کہ اسے پروردگار قیامت (جلد ہی ہی) قائم کر دیجئے تو یہ خوف آخرت کے منافی نہیں، کیونکہ یہ اشتیاق اس کو جنت کی نعمتوں کی بشارت من کر حاصل ہوگا، اور اس بشارت کے بعد خوف و اضطراب کا جو منشاء تھا وہ ہو چکا ہوگا، یا یہ کہ یہ شوق عالم برزخ اور احوال آخرت کے انکشاف پر ہے، اور جو خوف ایمان کی خصوصیت بیان کی گئی، وہ دنیوی زندگی، یعنی عالم دنیا میں ہے بہر کیف مومن کی زندگی خوف آخرت اور شوق لقاء خداوندی متضاد جذبوں سے معمور رہتی ہے اور یہ کیفیت دراصل: "یو چون رحمتہ وینخالون عذابہ" کی پوری پوری ترجمان ہوتی ہے۔

اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يُوَزِّقُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ ۝

اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ۔ لفظ لطیف لغت کے اعتبار سے چند معانی میں استعمال ہوتا ہے یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا ترجمہ حنفی بمعنی مہربان سے اور حضرت عکرمہ نے بار یعنی محسن سے کیا ہے۔

حضرت مقاتل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے سبھی بندوں پر مہربان ہے۔ یہاں تک کہ کافر فاجر پر بھی دنیا میں اس کی نعمتیں برسی ہیں جن تعالیٰ کی عنایات اور لطف و کرم اپنے بندوں پر بے شمار انواع و اقسام کے ہیں۔ اس لیے تفسیر قرطبی نے لفظ لطیف کے معنی بھی بہت سے بیان فرمائے ہیں۔ اور حاصل سب کا لفظ صلی اور بار میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا رزق تو ساری مخلوقات کے لیے عام اور شامل ہے۔ دریا اور خشکی میں رہنے والے وہ جانور جن کو کوئی نہیں جانتا اس کا رزق ان کو بھی پہنچتا ہے۔ اس آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اس کا حاصل زیادہ واضح وہ ہے جس کو تفسیر مظہری نے اختیار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رزق کی بے شمار اقسام و انواع ہیں۔ بقدر ضرورت معاش رزق تو سب کے لیے عام ہے۔ پھر خاص خاص اقسام رزق کی تقسیم میں اپنی حکمت باللہ سے مختلف درجات اور پیمانے رکھے ہیں۔ کسی کو مال و دولت کا رزق زیادہ دے دینا۔ کسی کو صحت و قوت کا، کسی کو علم و معرفت کا کسی کو دوسری انواع و اقسام کا اس طرح ہر انسان دوسرے کا محتاج بھی رہتا ہے اور یہی احتیاج ان کو باہمی تعاون و تناصر پر آمادہ کرتی ہے جس پر تمدن انسانی کی بنیاد ہے۔

حضرت جعفر بن محمد نے فرمایا کہ رزق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی بندوں پر دو طرح کی ہے اول تو یہ کہ ہر ایک ذی روح کو اس کے مناسب حال غذا اور ضروریات عطا فرماتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی کو اس کا پورا رزق عمر بھر کا بیک وقت نہیں دے دیتا، در نہ اول تو اس کی حفاظت کرنا مشکل ہو جاتا اور کتنی بھی حفاظت کرتا وہ پھر بھی سڑنے اور خراب ہونے سے بچتا۔ (معلمی و مثلثی القرطبی)

ایک مجرب عمل:

مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری نے فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ سے منقول ہے کہ جو شخص صبح کو ستر مرتبہ پابندی سے یہ آیت پڑھا کرے وہ رزق کی تنگی سے محفوظ رہے گا۔ اور فرمایا کہ بہت مجرب عمل ہے۔ آیت یہی ہے جو ارد پر مذکور ہوئی یعنی

اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿۳۳﴾

طالب آخرت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ ہوگا اور طالب دنیا کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا:

اس آیت کریمہ میں آخرت کے طب کاروں اور دنیا داروں کی نیوٹوں کا اور اہمال کا اور ان کا جو بدلے گا اس کا تکرار فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جو شخص آخرت کی کھیتی پاتا ہے یعنی دنیا میں ایمان سے متصف ہے اور اہمال سالو میں گزارتا ہے اور وہ پاتا ہے کہ میرے اہمال کا آخرت میں ثواب دیا جائے اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ثواب دے گا ایک تنگی کی کم از کم دس نیکیاں تو کسی ہی جاتی ہیں اور ایک تنگی کا عوض سات سو گتہ دینے کا قرآن مجید میں ذکر ہے: ﴿كَسْبَلِ خَبْرًا أَنْتُمْ سَنَعُ سَنَابِلَ لِي كُلِّ سُؤْلَةٍ بِأَنَّ خَبْرًا سَاتِ سَوْتِ ثَوَابِ تَانِي كَعْدَ لَوْ لَتَهُ لَطِيفٌ بِنَشْأِ﴾ بھی فرمایا حضرات علماء کرام نے اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ نیکیوں میں اضافہ ہوگا اور بڑھا جائے گا کہ ان کا ثواب مگر کوئی سات سو پڑھ کر نہیں ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ دے گا جس کی تفصیلات احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں ہم عمل پیمانے والوں اور دین کا چرچا کرنے والوں اور اہمال سالو کو آگے بڑھانے والوں کا ثواب تو بہت ہی زیادہ ہے جب تک معصین و مستغنیین کے ہمارے ہونے اہمال اور پڑھانے ہونے امور کے ساتھ بق لوگ مل کر رہتے ہیں گے ان حضرات کو ان کے مل کا بھی ثواب ملتا ہے گا اور مل کرنے والوں کے ثواب میں سے کچھ بھی کی نہ ہوگی جس طرح دانہ ڈالنے کے بعد کھیتی بڑھتی ہے اور ایک دانہ ہونے سے بہت سے دانے حاصل ہو جاتے ہیں اسی طرح آخرت کے اہمال میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے اسی لیے آخرت کے لیے مل کرنے والوں کے مل کو آخرت کی کھیتی سے تعبیر فرمایا کہ یہ لوگ دنیا کے طب ہیں دنیا ہی کو پاتے ہیں اسی کے لیے مل کرتے ہیں ہم انہیں دنیا میں سے دھو دے دیں گے جتنا وہ پاتے ہیں اتنا دیں یا اس سے کم پیش دیں بہر حال جو کچھ ملے گا تو اسی ہوگا آخرت کے اجر و ثواب کے مقابلے میں تو کسی دنیا دار کا بڑے سے بڑا حصہ پانچ کے درجہ میں بھی نہیں آسکا جتنی بھی دنیا مل جائے تو زوی ہی ہوگی اور یہ بھی ضروری نہیں کہ طب دنیا کو دنیا مل ہی جائے جو کچھ ملے گا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر متوقف ہے اور چونکہ اصلی دنیا دار مومن نہیں ہوتے اس لیے آخرت میں انہیں کچھ بھی نہیں ملتا۔ سورۃ الاسراء کی آیت کی تشریح اور تشریح دوبارہ پڑھ لیں ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْمُعَاجِلَةَ فَلْيَسْتَعِظْ بِمَا نُنزَلُ فِي الْآيَاتِ لَعَلَّ يَتَّقِي ۚ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ فَلْيَصْطِرْ بِمَا نُنزَلُ فِي الْآيَاتِ لَعَلَّ يَرْجُو ۚ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ فَلْيَصْطِرْ بِمَا نُنزَلُ فِي الْآيَاتِ لَعَلَّ يَرْجُو ۚ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ فَلْيَصْطِرْ بِمَا نُنزَلُ فِي الْآيَاتِ لَعَلَّ يَرْجُو ۚ﴾ (جو شخص دنیا کی نیت رکھے گا ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا پاتا ہے جس کے لیے پاتا ہے دے دیں گے پھر ہم اس کے لیے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بد حال رہتا ہے اور اہمال ہوگا اور جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لیے کوشش کرے گا ہمیں کوشش اس کے لیے ہوتی پاتے اور وہ مومن بھی ہوگا سو یہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر دانی کی جائے گی۔)

اور تشدید کے ساتھ ہے لہذا وہ اپنے بعض بندوں کے لئے روزی کشادہ کر دیتا ہے نہ کہ بعض کے لئے اور فراخی (رزق) سے سرکشی پیدا ہوتی ہے وہ اپنے بندوں سے پورا باخبر اور خوب دیکھنے والا ہے وہ ایسی ذات ہے کہ لوگوں کے بارش سے ناامید ہوجانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے یعنی اپنی بارش کو پھیلا دیتا ہے اور وہ مؤمنین کے لئے محسن اور بندوں کے نزدیک قابل حمد ہے اور اس کی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کو پیدا کرنا ہے اور ان جانوروں کا پیدا کرنا جو زمین و آسمان میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ اس کو کہتے ہیں جو زمین پر چلتا ہو انسان وغیرہ اور وہ جب چاہے ان کو حشر کے لئے جمع کرنے پر قادر ہے (جمعہم) کی ضمیر میں ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ دیا گیا ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قولہ: وَ هُوَ الْقَوَابُ: آخرت کو کہتی ہے تشبیہی اسی لیے کہتے ہیں الدنيا مزرعة الآخرة۔
- قولہ: مِنْهُمَا: یعنی اس میں سے بعض۔
- قولہ: شَرَعُوا: یہاں شیطین کی تزیین مراد ہے۔
- قولہ: ذٰلِكَ الَّذِي: یعنی وہ ثواب جس کی اللہ تعالیٰ ان کو خوشخبری دیتے ہیں۔
- قولہ: مُخْتَفًا: یہ مشد باب تفعیل سے آتا ہے۔
- قولہ: حَسَنًا: یہ مصدر ہے۔
- قولہ: مِنْهُمْ: قبول کا لفظ من سے دوسرے مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور عن سے اپنے اندر اخذ، ابانتہ کا معنی لیے ہوتا ہے۔
- قولہ: يُحِبُّنَهُمْ: یہ یحبیب کے معنی میں ہے اور لام حذف ہے جیسا و اذا کالوہم میں حذف ہے۔
- قولہ: مِّنْ فَضْلِهِ: اس سے زائدہ جو انہوں نے مانگا محض فضل سے دیتا ہے۔
- قولہ: هِيَ: اس سے زندہ مراد ہے فرشتے بھی اس میں شامل ہیں۔
- قولہ: مَا يَدْبُ عَلَى الْأَرْضِ: مراد لیں تو فرشتے مراد نہ ہوں گے۔
- قولہ: إِذَا يَشَاءُ: اذا ماضی و مضارع دونوں پر آتا ہے۔

تفسیر مقبولین

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ....

جو لوگ توحید خداوندی کے قائل نہیں اور انہوں نے شرک جیسے ناپاک اعتقاد سے اپنے قلب کو آلودہ کر رکھا ہے وہ بتائیں کہ کیا ان کے واسطے کچھ شرکاء ہیں کہ جو انہوں نے خدا کے ساتھ تجویز کر رکھے ہیں تو کیا ان شرکاء نے ان کے واسطے ایسا

دین مقرر کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ ظاہر ہے کہ نہ خدا کے ساتھ کوئی شریک ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ خدا کے سوا دوسرے معبودانکے لیے کوئی دین تجویز کر لیں جو یقیناً خدا کی اجازت سے نہیں ہو سکتا، اس وجہ سے ایسے مشرکین کے من گھڑت خیالات اور رسول کو یہ کہنا کہ یہ اللہ کا دین ہے محض مہمل اور بے معنی بات ہے، یہ بات بلاشبہ ایسی تھی کہ فوراً ہی اللہ کے عذاب سے ان مجرمین اور گستاخوں کو تباہ کر دیا جاتا مگر یہ اللہ کی طرف سے ڈھیل اور مہلت ہے اور اگر اللہ کا یہ قول فیصل طے شدہ نہ ہوتا کہ ایسے مجرموں کو دنیا میں مہلت دی جائے گی اور آخرت میں عذاب شدید میں مبتلا ہونا پڑے گا تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا، اور ان کا کام تمام ہو جاتا اور بے شک ظالموں کو دیکھے گا کہ کانپ رہے ہوں گے ان اعمال سے جو انہوں نے کئے اور وہ عذاب ان پر ضرور مسلط ہو کر رہے گا، جس سے وہ کسی بھی صورت سے نہ بچ سکیں گے، یہ تو منکرین و کافرین کا ہوگا، اور اس کے برعکس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ جنتوں کے باغات میں ہوں گے ان کے واسطے ہر وہ چیز ہوگی جو وہ چاہیں گے اپنے پروردگار کے پاس یہی ہے بہت بڑی فضیلت اور انعام اکرام یہی ہے جو جس کی بشارت دے رہا ہے، اللہ اپنے بندوں کو جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے، مجرمین کو تنبیہ اور عذاب آخرت سے ڈرانا اور ان کے بالقابل مؤمنین و مطیعین کو ثواب آخرت اور نعماء جنت کی بشارت سنانا انتہائی اخلاص اور ہمدردی ہے اگر اس کے باوجود بھی ایسے لوگ جن کی عقلیں بھی بیمار اور قلوب گندہ ہیں وہ اللہ کے پیغمبر کے اخلاص و ہمدردی پر یقین نہیں رکھتے تو اسے پیغمبر آپ ﷺ کہہ دیجئے، اے لوگو! میں تم سے اس مشفقانہ نصیحت اور ہمدردانہ وعظ اور تبلیغ و دعوت پر کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتا ہوں، اور اس پر کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر صرف اس محبت کا جو قربت داری میں ہوتی ہے کہ تم میرے ساتھ اس قربت نسبتی کا جو مجھے قریش کے ہر قبیلہ اور شاخ کے ساتھ حاصل ہے لحاظ کر کے کم از کم ایذا تو نہ پہنچاؤ اور اس حق قربت کے باعث میری طرف رخ کر دو اور توجہ سے میری بات سنو، اگر تم میری مدد نہیں کرتے تو کم از کم ایذا تو نہ پہنچاؤ، اور جب کہ میں تم سے کسی مالی صلہ اور معاوضہ کا طالب بھی نہیں تو یہ میرا انتہائی اخلاص ہے اور تعلق قربت اس کا باعث ہونا چاہئے کہ میری بات پر غور کرو، اور اس کو قبول کرو، حق نبوت نہیں مانتے تو حق کا لحاظ کر لو، جو عقل اور فطرت کا تقاضا ہے، اور میں تم کو پھر یہی بات ہمدردی اور نصیحت کے طور پر کہتا ہوں جو شخص بھی کوئی نیکی کا کام کرے گا، اللہ رب العزت کا یہ پیغام ہے کہ ہم اس کے واسطے اس کی نیکی میں اجر و ثواب کا اضافہ کرتے ہیں، بے شک اللہ تو بہت ہی درگزر کرنے والا درگزر دان ہے کہ اگر اعمال میں کسی طرح کی تقصیر کو تا ہی واقع ہو جائے تو درگزر فرماتا ہے، اور جو کچھ بندہ نیکی کرتا ہے اس کو وہ سراہتا ہے وہ درگزر دان ہے اہل ایمان و عمل صالح کو انعامات و اجر سے محروم نہیں رکھتا،

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۗ

إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ کی تفسیر:

آنحضرت ﷺ کا کفار مکہ کو یہ خطاب بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا تھا: یا قوم! ہم تو خود تو خونئی وقد تعلمون انی رسول اللہ الیکم۔ یعنی اے میری قوم تم مجھے کیوں ستاتے ہو، حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں

اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بھیجا ہوا تو اس طرح آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا اے میری قوم میں تم سے اس دعوت و تبلیغ اور پیغام نصیحت پر کوئی معاوضہ تو نہیں چاہتا البتہ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم سے جو قرابت و رشتہ داری ہے، اس کے باعث میری طرف کچھ رخ کرو، اور میری بات سنو، مجھے ایذا نہ پہنچاؤ، اگر ایمان نہیں لاتے تو میرے حال پر مجھ کو چھوڑ دو تا کہ میں خدا کا یہ پیغام دوسروں تک پہنچا دوں۔

قرابت کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم میری اطاعت کرتے، اگر اطاعت نہیں کی تو ایذا رسائی سے تو باز آ جاؤ، آخر میں تمہارا عزیز و قریب ہوں کوئی دشمن تو نہیں، اس لیے میری بات سنو، اور اس پر توجہ کرو۔

وقت نیکی نہ داری بد ممکن۔ روجود خود ستم بید ممکن

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ”الاموۃ فی القربی“ کے یہی معنی منقول ہیں۔

قریش مکہ کی طرف سے جب ایذاؤں اور رکاوٹوں کی یہ نوبت آ گئی کہ آپ ﷺ ظاہر اسباب میں پیغام خداوندی لوگوں تک پہنچانے پر قادر نہ رہے تو آپ ﷺ اسی کیفیت کو اس طرح فرمایا کرتے، معنوی ان ابلغ کلام ربی۔ مجھے تو قریش کے لوگوں نے اس بات سے مجبور کر رکھا ہے کہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا دوں، تو اس صورت حال میں اس آیت کا نزول ہوا جس میں آپ ﷺ نے حق قرابت کا احساس دلاتے ہوئے یہی چاہا کہ کلام رب اور پیغام خداوندی پہنچانے میں تم میری دشمنی سے باز آ جاؤ، ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ غرض جملہ اکابر مفسرین اور امت کے تمام محدثین بالعموم یہی مطلب بیان کرتے ہیں، عامر شعبی صحاح علی بن ابی طلحہ عوفی اور یوسف بن مہران رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباسؓ سے یہی معنی بیان کیے ہیں، امر مفسرین میں سے مجاہد، قتادہ اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا، (تفسیر ابن کثیر جلد ۱) سعید بن جبیرؓ نے فرمایا، میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کو فرمایا۔

”لا اسئلكم علیہ اجر الا ان لا تؤذونی نفسی الموۃ فی القربی لقرابتی منکم و تحفظوا القرابة

التی بیننی و بینکم“۔ یعنی میں تم سے کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تم مجھے ایذا نہ پہنچاؤ، میری اس قرابت کی وجہ سے جو تم سے ہے اور تم اس قرابت کا لحاظ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد رابع)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل میں شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ (ایک زمانہ تھا کہ) لوگ کثرت سے اس آیت کے بارے میں ہم سے دریافت کرتے اور حجت بازی کرتے، ہم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ یہ صورت حال ہے آپ آیت کی مراد بیان فرمائیں تو ابن عباسؓ نے اس کی مراد میں یہ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا نسب قریش کی تمام شاخوں سے ملتا تھا کوئی شاخ ایسی نہ تھی کہ جس سے رسول اللہ ﷺ کا نسب نہ ملتا ہو، آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ پر جو قریش مکہ نے انکار کیا آپ کو جھٹلایا عداوت اور ستانے پر تل گئے تو اس پر آپ نے فرمایا اے لوگو! میں تم سے کچھ نہیں طلب کرتا بجز (سودۃ فی القربی) اس لیے تم میری قرابت کا لحاظ کرو، اور مجھے ایذا نہ پہنچاؤ اور قدرت دو کہ میں اپنے

رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا دوں۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۲۵)

الفرض اس تفسیر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ: **إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ** میں استثناء، استثناء متصل نہیں بلکہ استثناء منقطع ہے، استثناء متصل ہونے کی صورت میں تو مراد میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کوئی اجرت و معاوضہ نہیں مانگتا۔ جو اس معاوضہ محبت و قربت کے یعنی تبلیغ رسالت کے معاوضہ سے مجھ کو بس یہ معاوضہ محبت و قربت مطلوب ہے مگر اس کے برعکس روایات مذکورہ کی بنا پر یہ استثناء منقطع ہو گا جہاں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہیں ہوتا، اس کی مثال ایسی ہے: "لا ینذوقون فیہا بردا ولا شرابا الا حمیما وغساقا" میں جس طرح استثناء "بردا و شرابا" سے "حمیما وغساقا" کا کیا گیا کیونکہ یہ ماقبل کی جنس سے نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ دوزخی نہیں چکھ سکیں گے کوئی ٹھنڈک اور نہ ہی کوئی پینے کی چیز مگر کھولتا ہوا گرم پانی اور پیپ (زخموں کی) تو یہ استثناء منقطع ہے، اسی طرح **إِلَّا الْمَوَدَّةَ**۔ یعنی استثناء منقطع ہے اس لیے کہ **"الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ"** جنس اجرت سے نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ: **"إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ"** جنس رسالت کا کسی قسم کا معاوضہ ہے نہیں کہلایا جاسکتا۔

الفاظ آیت کی دلالت اسی مراد کو متعین کر رہی ہے تمام اہل سنت حضرات اور ائمہ مفسرین نے اسی کو اختیار کیا، جیسا کہ بیان کیا گیا، نیز آیت میں لفظ **فِي الْقُرْبَىٰ** بھی اسی معنی کی تائید کر رہا ہے، جس کا لفظی ترجمہ یہی ہے کہ گردہ محبت جو قربت داری میں ہو یوں نہیں فرمایا گیا، **إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ** اگر یہ عنوان ہوتا تو احتمال ہو سکتا تھا کہ اس کی یہ تاویل کی جاسکے، اہل قربت کی محبت کا اگرچہ اس تقدیر پر یہ معنی بھی لفظی دلالت سے بعید ہوتے تو **"فِي الْقُرْبَىٰ"** کے عنوان نے اس احتمال بعید کو بھی ختم کر ڈالا، اور وہی مراد متعین ہو گئی جو روایات مذکورہ کے حوالہ سے ذکر کی گئی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہ اپنے ترجمہ قرآن فتح الرحمن میں لکھتے ہیں،

"جو کوئی ظلم از شمار تبلیغ قرآن سچ مزد سے لیکن باید کہ پیش گیرید دوستی در میان خویشا و عدال"۔

اور پھر اس پر حاشیہ میں یہ فرماتے ہیں یعنی با من صلہ رحمی کنید ایذا نہ رسانید کہ میرے ساتھ صلہ رحمی کرو اور ایذا نہ پہنچاؤ، اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اپنے ترجمہ قرآن میں لکھتے ہیں "تو کہہ میں مانگتا نہیں اس پر کچھ نیک (صلہ) مگر دوستی چاہئے ناتے ہیں"۔ اور حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں یعنی قرآن پہنچانے پر نیک نہیں مانگتا مگر قربت کی دوستی"۔ یعنی میں تمہارا بھائی ہوں ذات کا مجھ سے بدہی نہ کر۔ اسی طرح حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ نہیں مانگتا میں تم سے اوپر اس کے کچھ بدلہ مگر دوستی سچ قربت کے۔

فرقہ شیعہ اس آیت کی یہ مشہور و معروف اور جملہ ائمہ مفسرین کی اختیار کردہ تفسیر کو جو الفاظ کی دلالت سے پوری پوری مطابقت رکھتی ہے، چھوڑ کر جداگانہ تفسیر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ: **إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ** سے رسول ﷺ کے قربت والوں سے محبت کرنا مراد ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ تم لوگوں سے یہ کہہ دو کہ تم سے اپنی تعلیم و دعوت اور تبلیغ پر کوئی اجرت و معاوضہ نہیں مانگتا البتہ صرف یہ مانگتا ہوں کہ میری قربت والوں سے محبت کرو اور میری قربت والے صرف چار ہیں، فاطمہ، علی، حسن، حسین، یہ عجیب فلسفہ ہے کہ قربت کے تمام رشتوں کو خارج قرار دے دیا جائے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی تین دیگر صاحبزادیاں بھی آپ ﷺ کے چچ حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد بھی قربت داروں کی فہرست سے خارج ہوں، بہر کیف شیعہ فرقہ کی تفسیر رو سے اجرت رسالت قربت داروں کی اور ان میں سے بھی صرف چار کی محبت ہے، پھر یہ کہ قربت داروں کی محبت بھی محض محبت کے معنی کے لحاظ سے نہیں بلکہ یہ کہ میرے بعد ان کو اور ان کی اولاد کو

خلفہ اور بادشاہ بناؤ، جس کا حاصل دنیا یہ سمجھ سکتی ہے کہ آپ یہ فرمانا چاہتے ہیں میری محنت و جانفشانی سے جو غلبہ و اقتدار حاصل ہو یعنی یہ حکومت اس طرح مجھ کو مل جائے وہ نسل میری اولاد ہی میں رہے نسل میری اولاد ہی میں رہے باہر جانے نہ پائے، اہل حق کے قول اور شیعہ فرقہ کی تفسیر میں فرق ظاہر ہے۔

(۱) پہلے قول کے لحاظ سے القربی کا مفہوم قرابت ہے، جو لغت وضع کے مطابق ہے اور دوسرے قول کی رو سے قربی کے معنی قرابت داروں کے ہوئے، حالانکہ اس معنی کے واسطے اہل عرب لفظ القربیٰ جو جمع قریب ہے استعمال کرتے ہیں، جیسے کریم کی جمع "کرما"۔ لفظ القربیٰ تو اپنی وضع عربیہ کی رو سے یہ مفہوم نہیں ادا کرتا۔

(۲) اس کے علاوہ اصل قابل غور یہ امر ہے کہ آیت مبارکہ کا یہ مطلب تجویز کرنا سراسر شان نبوت اور منصب رسالت کے خلاف ہے بلکہ مقام نبوت کے تقدس و عظمت پر ایک بہتان عظیم ہے، یہ شیوہ تو اہل دنیا اور خود غرض قسم کے لوگوں کا ہوتا ہے کہ کوئی کام کریں تو یہ چاہیں کہ اس کا فائدہ ان کی اولاد کو پہنچے، حالانکہ اس قسم کے ادہام و شکوک سے تو انبیاء علیہم السلام کی ذات پاک کو پاک رکھنے کے لیے یہ قانون مقرر کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کا کوئی ترکہ نہیں ہوتا، اور ان کی اولاد دور شان کے مال کے وارث نہیں ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد حتیٰ کہ آزاد کردہ غلاموں پر صدقات حرام کر دیئے گئے، بہر کیف اگر یہ بات تصور کی جائے جو شیعہ کہتے ہیں تو لامحالہ ایک قسم کا معاوضہ ہوگا، خدمات نبوت کے انجام دینے پر جو قرآن کریم اور انبیاء علیہم السلام کے طرز کے سراسر منافی ہوگا، بار بار قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: لَا اسْتَلْكُم عَلَيْهِ اجْرًا کہ میں اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، اور خود آنحضرت ﷺ کے اس اعلان کے صریح خلاف ہوگا جو قرآن کریم نے متعدد جگہوں پر ذکر فرمایا۔ مثلاً:

(۱) قُلْ لَا اسْتَلْكُم عَلَيْهِ اجْرًا ان هو الا ذكْرٰى للعلمين۔ (سورۃ انعام)

(۲) وما استلھم عليه من اجر ان هو الا ذكْرٰى للعلمين۔ (سورۃ یوسف)

(۳) امرتسلھم خرجا فخر ارج ربك خیر و هو خیر الرازقین (المؤمنون)

(۴) قُلْ مَا اسْتَلْكُم عَلَيْهِ من اجر الا من شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا (فرقان)

(۵) قُلْ مَا سالتکم من اجر فهو لکم ان اجری الا علی اللہ و هو علی کل شیء شہید (سورۃ سبا)

(۶) قُلْ مَا اسْتَلْكُم عَلَيْهِ من اجر وما انا من المتکلفین ان هو الا ذكْرٰى للعلمين

(۷) امرتسلھم اجر الفھم من مغرم مشقلون (سورۃ طور)

تو ان تمام آیات کے ہوتے ہوئے ایسا کوئی مطلب اختراع کرنا جس سے منصب رسالت کی ذمہ داریاں ادا کرنے پر اجرت و نفع کا طلب کرنا لازم آتا ہو، کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، اگر بالفرض ایسا کوئی مضمون تصور کیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ آنحضرت ﷺ کا درجہ دوسرے انبیاء سے گھٹ جائے، کیونکہ کسی اور پیغمبر نے تو اداء رسالت پر اس چیز کا مطالبہ نہیں کیا کہ اس کی اولاد اور قرابت داروں سے اس قسم کے منافع اور فوائد پہنچانے کا معاملہ کیا جائے،

(۳)۔ پھر یہ کہ قرآن نے انبیاء علیہم السلام کے واجب الاتباع ہونے کی دلیل بھی بیان کی ہے کہ وہ طالب اجرت نہیں

ہوتے جیسا کہ سورۃ یسین "اتبعوا من لا یسئلکم اجرا وہم مہتدون"۔ یعنی ان لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت پر ہیں تو آیت "الا المودۃ فی القربی" کا یہ مطلب تجویز کرنا جس سے آنحضرت ﷺ کا طالب اجرت ہونا لازم آتا ہے، یہ آپ ﷺ کے لازم الاتباع ہونے کو ساقط کر دے گا۔ العیاذ باللہ۔

(۴) پھر یہ کہ سورۃ شوریٰ بالاتفاق مکی سورت ہے، اور یہ بات اطہر من الشمس ہے کہ حضرت فاطمہؑ کا نکاح حضرت علیؑ سے مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا، اور حضرت حسن بن علیؑ غزوہ بدر کے بعد ۳ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت حسینؑ ۴ھ میں پیدا ہوئے اور جب یہ سورت مکی ہے تو لامحالہ یہ آیت حسنؑ و حسینؑ کی پیدائش سے کئی سال قبل نازل ہو چکی تھی، تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ اس آیت کی تفسیر ایسی قرابت سے فرمائیں جس کا اس وقت کہیں وجود ہی نہیں، بالخصوص اس صورت میں کہ القربی معرف باللام ہے اور معرف وہاں لایا جاتا ہے، جہاں مخاطبین کو معلوم اور ان کے نزدیک معروف ہو اور جو پیدا بھی نہیں وہ مخاطبین کو معروف و معلوم کیسے ہو سکتا ہے، زائد سے زائد یہ ممکن ہے کہ آیت سے حضرت فاطمہؑ و حضرت علیؑ کی محبت کا وجوب ثابت کیا جائے تو اس سے اہل سنت کب منکر ہیں، اہل سنت کے نزدیک تو اہل بیت کی محبت جزو ایمان ہے البتہ وجوب محبت سے دوسروں کے ساتھ ساتھ حضرت فاطمہؑ کا بھی امام ہونا لازم آئے گا، پھر یہ بھی ضروری ہوگا کہ نصوص قرآن و حدیث میں جن لوگوں کے ساتھ محبت کا حکم دیا گیا مثلاً علماء و صلحاء تو ان کی بھی امامت ضروری ہو، اور ان کو بھی امام معصوم کے درجہ میں قرار دیا جائے اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی صاحب فہم اس امر کا جواز تصور نہیں کر سکتا،

(۵) نیز یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا ہے: **إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ** تو اگر کسی تاویل کے ذریعے القربی سے "قوی القربی" یعنی قرابت والے مراد لیے جائیں تو پھر کلام خداوندی میں للقربی یعنی قرابت داروں کے واسطے، نہ کہ فی القربی جیسے کہ آیت مبارکہ میں ہے، اور قرآن کریم میں جہاں بھی کہیں قرابت داروں کا ذکر ہے وہاں لفظ "قوی القربی" کا لایا گیا، چنانچہ ارشاد ہے: **وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِي الْقُرْبَىٰ** اور آیت: **مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِي الْقُرْبَىٰ حَقُّهُ** اور **إِنِّي الْمَالِ عَلَىٰ حَبِّ ذُرَّةٍ خُومٍ الْقُرْبَىٰ**۔ غرض جہاں بھی کہیں قرآن کریم کو قرابت داروں کا ذکر مقصود تھا وہاں لفظ ذوی القربی آیا ہے نہ کہ فی القربی، تو یہ بات واضح ہے کہ "فی القربی" کا مفہوم وہی ہے جو اہل حق نے بیان کیا، اور تمام ائمہ مفسرین سلف اور حضرات صحابہؓ سے نقل کیا گیا، وہ تفسیر جمہور مفسرین کے نزدیک معتبر ہے۔ البتہ "فی القربی" کی ایک اور تفسیر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت قتادہؒ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کی ہے: **الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ**، اے الا ان تو ادا واللہ تعالیٰ وان تقربوا۔" الیہ بطاعته "یعنی میں تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تم اللہ سے محبت کا معاملہ کرو، اور اس کا تقرب حاصل کرو، طاعت و بندگی کے ذریعہ سے گویا یہ تشریح و تفسیر ہے: **"بالتی تقربکم عندنا زلفی الامن امن و عمل صالحا"**۔ کی مراد یہ کہ بس تم سے میں صرف اسی چیز کا طالب ہوں جو تم کو اللہ سے قریب کر دے، اور وہ اس پر ایمان لانا اور اس کی اطاعت و بندگی ہے۔

ذوی القربی کی محبت اہل سنت کے نزدیک ایمان کی بنیاد ہے:

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ آل بیت رسول اللہ ﷺ کی محبت ایمان کی اساس اور روح ہے، حضرت علیؑ بن ابی طالب حضرت سیدہؑ، حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ، اور جملہ اہل بیت کی محبت فرض دلائل سے ہے، اور اہل بیت میں آپ ﷺ کے عم محترم حضرت عباسؑ بن عبدالمطلب اور آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؑ اور دیگر اقارب نبوی جو شرف باسلام ہوئے سب داخل ہیں، ہر شخص کی محبت و عظمت اس کے مرتبے کے بقدر لازم ہے تو سوال طلب امر یہ ہے کہ اگر اس آیت کے باعث شیعوں کے نزدیک محبت کے لیے اطاعت لازم ہے تو بلا تخصیص تمام اقارب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہونی چاہئے، اور حضرت فاطمہؑ کے علاوہ دیگر تین صاحبزادیاں حضرت زینبؑ، حضرت رقیہؑ، اور حضرت ام کلثومؑ کی اطاعت بھی فرض ہونی چاہئے، اور ان کے اصول سے حضرت فاطمہؑ کو امام بھی ہونا چاہئے اور جب فاطمہؑ کی امامت ضروری ہوئی تو دیگر صاحبزادیوں کی بھی امامت کا درجہ فرض ہونا چاہئے، اور ظاہر ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں، بہر حال یہ آیت اگر اہل بیت کی محبت کو لازم کرتی ہے تو اہل سنت خود اس کے قائل ہیں لہذا اہل تشیع کو اہل سنت پر اعتراض کا کوئی حق نہیں اگر پھر بھی اعتراض کریں تو یہ اعتراض کا کوئی حق نہ ہوگا بلکہ بہتان ہوگا اور اگر محبت سے اطاعت کے لزوم کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہم ان سے یہ پوچھیں گے کہ پھر جملہ اہل بیت کی اطاعت کی فرضیت کے کیوں قائل نہیں، اور اس کا جواب دو کہ بعض اہل بیت کی محبت کو فرض کہتے ہو، اور بعض کی محبت سے گریز بلکہ نفرت کرتے ہو، اور اس جواب دو کہ حضرت علیؑ تو ایک صاحبزادی سے شرف زوجیت کے باعث امام معصوم اور خلیفہ بلا فصل ہوئے لیکن حضرت عثمان ذوالنورینؓ دو صاحبزادیوں سے شرف زوجیت رکھنے کے باوجود نہ امام ہوئے نہ معصوم اور نہ مستحق محبت ہوئے ظاہر ہے کہ اس کا کوئی جواب قیامت تک نہیں دیا جاسکتا، اور اس وجہ تفریق پر، بجا طور پر یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے: فاقوا ابوہا نکم ان کنتم صدقین۔

أَمْ يَكُونُونَ أَفْئِرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَلْبَاءٌ....

یعنی بفرس مجال اگر کوئی بات بھی خدا کی نسبت جھوٹ بنا کر کہہ دے تو اللہ کو قدرت ہے کہ تیرے دل پر مہر کر دے، پھر فرشتہ یہ کلام بجز سے لے کر تیرے قلب پر نہ اتر سکے اور سلسلہ وحی کا بند ہو جائے۔ بلکہ پہلا دیا ہوا بھی سلب کر لیا جائے گا قال (وَلَيْنَ بَشَرًا لَّنُلَاقِيَنَّكَ بِأَلْسِنَتِنَا أَوْ عَتِيقًا إِنَّكَ لَا تَهْدِي أُولَئِكَ سَبِيلًا إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ جَهَنَّمَ) (الاسراء: ۸۷، ۸۷) مگر چونکہ واقع میں قطعاً کذب و افتراء کا شائبہ نہیں۔ اس لیے محض بد بختوں کی قدر ناشناسی اور طعن و تشنیع کی بناء پر یہ بعض منقطع نہیں کیا جاسکتا۔ بیشک اللہ اس کو جاری رکھے گا اور اپنی باتوں سے عملی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کر کے رہے گا۔ اس وقت سب کو صاف کھل جائے گا کہ فریقین میں جھوٹا اور مفتری کون ہے اور کس کے دل پر اللہ نے فی الواقع مہر لگا دی ہے کہ خیر کے اترنے اور حق کے قبول کرنے کی اس میں مطلقاً گنجائش نہیں رہی۔ رہا یہ سوال کہ اللہ کی وہ باتیں کیا ہیں جن سے جھوٹ ملتا ہے اور حق ثابت ہو جائے تو میرے نزدیک وہ ہی دلائل و براہین ہیں جو قرآن اور پیغمبر کی صداقت پر اس نے قائم کی ہیں۔ بالخصوص وہ آیات آنفسہ و آفاقہ جن کا ذکر سورۃ تم السجدہ کے آخر پر تسلو بیہذا ایقنا فی

الْأَقَابِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ أَلْفَقَوْا كَيْفَ كَانُوا يَكْفُرُونَ
اور کھونے والوں کا حال اعلانیہ واضح ہو جائے گا۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۳۲﴾

اس آیت میں منکرین و معاندین کو نصیحت کی گئی ہے کہ اب بھی کفر و انکار سے باز آ جائیں اور توبہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کی خطاؤں کو بخش دیتا ہے۔

توبہ کی حقیقت:

توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں، اور شرعی اصطلاح میں کسی گناہ سے باز آنے کو توبہ کہتے ہیں۔ اور اس کے صحیح و معتبر ہونے کے لیے تین شرائط ہیں۔

ایک یہ کہ جس گناہ میں فی الحال مبتلا ہے اس کو فوراً ترک کر دے، دوسرے یہ کہ ماضی میں جو گناہ ہو اس پر نادم ہو، اور تیسرے یہ کہ آئندہ اسے ترک کرنے کا پختہ عزم کر لے اور کوئی شرعی فریضہ چھوڑا ہوا ہے تو اسے ادا یا قضا کرنے میں لگ جائے اور اگر گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے تو اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا مال اپنے اوپر واجب ہے اور وہ شخص زندہ ہے تو یا اسے وہ مال لوٹائے یا اس سے معاف کرائے اور اگر وہ زندہ نہیں اور اس کے ورثہ موجود ہیں تو ان کو لوٹائے، اگر ورثہ بھی نہیں ہیں تو بیت المال میں داخل کرائے، بیت المال بھی نہیں ہے یا اس کا انتظام صحیح نہیں ہے تو اس کی طرف سے صدقہ کر دے، اور اگر کوئی غیر مالی حق کسی کا اپنے ذمہ واجب ہے، مثلاً کسی کو ناحق سنایا ہے، برا بھلا کہا ہے یا اس کی غیبت کی ہے تو اسے جس طرح ممکن ہے راضی کر کے اس سے معافی حاصل کرے۔

اور یہ تو ہر قسم کی توبہ کے لیے ضروری ہے ہی کہ گناہ کا ترک کرنا اللہ کے لیے ہے، اپنے کسی جسمانی ضعف یا مجبوری کی بنا پر نہ ہو۔ اور شریعت میں اصل مطلوب توبہ ہے کہ توبہ سارے ہی گناہوں سے کی جائے، لیکن اگر صرف کسی خاص گناہ سے توبہ کی گئی تو اہل سنت کے مسلک کے مطابق اس گناہ کی حد تک توبہ معافی ہو جائے گی، دوسرے گناہوں کا وبال سر پر رہے گا۔
وَ كُوْبَسَطِ اللَّهُ الرَّزْقَ لِوَعِبَادِهِ لِيُعْبُوْا فِي الْأَرْضِ.....

خدا کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ اگر چاہے تو اپنے تمام بندوں کو غنی اور تو نگر بنا دے لیکن اس کی حکمت مقتضی نہیں کہ سب کو بے اندازہ روزی دے کر خوش عیش رکھا جائے۔ ایسا کیا جاتا تو عموماً لوگ طغیان و تمرد اختیار کر کے دنیا میں اودھم مچا دیتے۔ نہ خدا کے سامنے جھکتے نہ اس کی مخلوق کو خاطر میں لاتے، جو سامان دیا جاتا کوئی اس پر قناعت نہ کرتا حرص اور زیادہ بڑھ جاتی جیسا کہ ہم بحالت موجودہ بھی عموماً صرفہ الحال لوگوں میں مشاہدہ کرتے ہیں، جتنا آ جائے اس سے زیادہ کے طالب رہتے ہیں، کوشش اور تمنا یہ ہوتی ہے کہ سب کے گھر خالی کر کے اپنا گھر بھر لیں۔ ظاہر ہے کہ ان جذبات کے ماتحت عام غنا اور خوشحالی کی صورت میں کیسا عام اور زبردست تصادم ہوتا اور کسی کو کسی سے دینے کی کوئی وجہ نہ رہتی۔ ہاں دنیا کے عام مذاق و رجحان کے خلاف فرض کیجئے کسی وقت غیر معمولی طور پر کسی مصلح اعظم اور مامور من اللہ کی نگرانی میں عام خوشحالی اور فارغ المبارکی

کے باوجود باہمی آویزش اور طغیان و سرکشی کی نوبت نہ آئے اور زمانہ کے انقلاب عظیم سے دنیا کی طبائع ہی میں انقلاب پیدا کر دیا جائے وہ اس عادی اور اکثری قاعدہ سے مستثنیٰ ہوگا۔ بہر حال دنیا کو بحالت موجودہ جس نظام پر چلاتا ہے اس کا مقتضی یہ ہی ہے کہ غناء عام نہ کیا جائے بلکہ ہر ایک کو اس کی استعداد اور احوال کی رعایت سے جتنا مناسب ہو جانچ تول کر دیا جائے۔ اور یہ خدا ہی کو خبر ہے کہ کس کے حق میں کیا صورت اصلح ہے۔ کیونکہ سب کے اگلے اور پچھے حالات اسی کے سامنے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ.....

یعنی بہت مرتبہ ظاہری اسباب و حالات پر نظر کر کے جب لوگ بارش سے مایوس ہو جاتے ہیں اس وقت حق تعالیٰ بارانِ رحمت نازل فرماتا اور اپنی مہربانی کے آثار و برکات چاروں طرف پھیلا دیتا ہے۔ تاکہ بندوں پر ثابت ہو جائے کہ رزق کی طرح اسباب رزق بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں جیسے وہ روزی ایک خاص اندازہ سے عطا کرتا ہے، بارش بھی خاص اوقات اور خاص مقدار میں مرحمت فرماتا ہے۔ بات یہ ہے کہ سب کام اسی کے اختیار میں ہیں اور جو کچھ وہ کرے عین حکمت و صواب ہے کیونکہ تمام خوبیاں اور کمالات اس کی ذات میں جمع ہیں۔ اور ہر قسم کی کار سازی اور اعانت و امداد وہیں سے ہو سکتی ہے۔ (تنبیہ) اللہ کی رحمت و قدرت کی طرف سے مایوس ہو جانا کافروں کا شیوہ ہے لیکن ایک مؤمن کی نظر میں اسباب کا سلسلہ یا اس انگیز ہو سکتا ہے جیسے فرمایا: (فَلَمَّا اسْتَيْسَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا) (یوسف: 80) اور (حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرًا مِّنْ نَّسَاءِ ۗ وَلَا يَرِيْدُ تَأْسِنًا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ) (یوسف: 110)

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ....

وَمَا بَدَأَ فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ ۗ - دَابَّةٌ: اصل لغت میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے اختیار سے چلنے اور حرکت کرنے والی ہو، بعد میں یہ لفظ صرف جانوروں کے لیے استعمال ہونے لگا ہے۔ اس آیت میں آسمان اور زمین دونوں کی طرف نسبت کر کے یہ کہا گیا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی چلنے والی مخلوقات پیدا کی ہیں۔ زمین پر چلنے والی مخلوقات تو ظاہر ہیں، آسمان میں ان سے مراد ملائکہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آسمانوں میں کچھ ایسے جانور موجود ہوں جو ابھی تک انسان کے علم میں نہیں آسکے۔

بہر کیف، مقصد یہ ہے کہ گونظام عالم کی مصلحت ہے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مال و دولت میں وسعت عطا نہیں کی، بلکہ ایک حکیمانہ انداز سے رزق کی تقسیم فرمائی ہے، لیکن کائنات کی جو نعمتیں عمومی فائدے کی ہیں، ان سے ہر شخص کو بہرہ اندوز کیا ہے۔ بارش، ہادل، زمین، آسمان اور ان کی مخلوقات سب انسانوں کے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور یہ سب چیزیں اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے بعد کسی شخص کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس کے اپنے اعمال سے پہنچتی ہے۔ لہذا اسے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنے کے بجائے اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہئے۔

وَمَا آصَابَكُمْ خِطَابٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ مَّوْصِيْفَةٍ بَلِيْغَةٍ وَشِدَّةٍ فَيَمَّا كَسَبْتُمْ اٰيٰدِيْكُمْ اٰى كَسَبْتُمْ مِنَ الذُّنُوْبِ وَ غِيْرَ بِالْاٰمِدِيْ لِاَنَّ الْاَفْعَالَ تَزْوِلُ بِهَا وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۗ مِنْهَا فَلَا يَجٰزِيْ عَلَيْهِ وَهُوَ تَعَالٰى الْكُرْمِ

مِنْ أَنْ يَبْنَى الْجَزَاءَ فِي الْآخِرَةِ وَأَمَّا غَيْرَ الْمُذْنِبِينَ فَمَا يُصِيبُهُمْ فِي الدُّنْيَا الرَّفْعُ دَرَجَاتِهِمْ فِي الْآخِرَةِ وَمَا
 أَنْتُمْ يَا مُشْرِكِينَ مُعْجِزِينَ اللَّهَ هَرَبًا فِي الْأَرْضِ فَتَمُوتُوا وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَىْ غَيْرِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا
 كَوْفِرٍ ۝ يَدْفَعُ عَذَابَهُ عَنْكُمْ وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ السُّفُنُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ كَالْجِبَالِ فِي الْعَظْمِ إِنْ يَشَاءُ
 يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلَنَ يُبْصِرْنَ رَوَاكِدًا تُوَابِتٌ لَا تَجْرِي عَلَى ظَهْرِهِ إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝ هُوَ
 الْمُؤْمِنُ يُضَبِّرُ فِي الشِّدَّةِ وَيَشْكُرُ فِي الرِّخَاءِ أَوْ يُؤْيِقُهُنَّ عَطْفٌ عَلَى يَسْكُنُ أَىْ يُغْرِ قُهُنَّ بِعَضْفِ الرِّيحِ
 بِأَهْلِيهِنَّ بِمَا كَسَبُوا أَىْ أَهْلَهُنَّ مِنَ الذُّنُوبِ وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ۝ مِنْهَا فَلَا يُغْرِقُ أَهْلَهُ وَيَعْلَمُ بِالرَّفْعِ
 مُسْتَانِفٍ وَبِالنَّصْبِ مَعْطُوفٍ عَلَى تَعْلِيلٍ مُقَدَّرٍ أَىْ يُغْرِ قُهُمْ لِيُنْتَقِمَ مِنْهُمْ وَيَعْلَمُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا
 لَهُمْ مِنْ مَخْجِصٍ ۝ مَهْرَبٍ مِنَ الْعَذَابِ وَجُمْلَةُ النَّفْيِ شَدَتْ مَسَدًا مَفْعُولِي يَعْلَمُ أَوِ النَّفْيِ مَعْلُوقٍ عَنِ
 الْعَمَلِ فَمَا أَوَيْتُمْ خِطَابَ الْمُؤْمِنِينَ وَغَيْرِهِمْ مِنْ شَيْءٍ مِنْ آثَابِ الدُّنْيَا فَمَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا يَسْمَعُ بِهِ
 فِيهَا ثُمَّ يُرْوَلُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الثَّوَابِ خَيْرٌ وَأَنْتُمْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَكَلَّمُونَ ۝ وَيُعْطَى عَلَيْهِ وَ
 الَّذِينَ يُجَادِلُونَ كِبَرُ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشُ وَ مُوجِبَاتِ الْحُدُودِ مِنْ عَطْفِ الْبَعْضِ عَلَى الْكُلِّ إِذَا مَا غَضِبُواهُمْ
 يُغْفِرُونَ ۝ يَسْجَاوِرُونَ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ أَجَابُوا إِلَى مَا دَعَاهُمْ إِلَيْهِ مِنَ التَّوْحِيدِ وَالْعِبَادَةِ وَأَقَامُوا
 الصَّلَاةَ إِذَا مَرُّهَا وَأَمْرُهُمُ الَّذِي يَبْدُو لَهُمْ سُورَى بَيْنَهُمْ يَسْأَوِرُونَ فِيهِ وَلَا يُعْجَلُونَ وَمِنَّا رَزَقْنَاهُمْ
 أَعْطَيْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ فِي طَاعَةِ اللَّهِ وَمَنْ ذُكِرَ صِنْفٌ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ الظُّلْمُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ۝
 صِنْفٌ أَىْ يُنْتَقِمُونَ مِنْ ظَلَمِهِمْ بِمِثْلِ ظَلَمِهِ كَمَا قَالَ تَعَالَى ۝ خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
 الرَّابِعَةُ سَبَّحُوا لِمَشَابِيهِهَا الْأُولَى فِي الصُّورَةِ وَهَذَا ظَاهِرٌ فِيمَا يُقْتَضَى فِيهِ مِنَ الْجَزَاحَاتِ قَالَ بَعْضُهُمْ
 وَإِذَا قَالَ لَهُ أَخْرَاكَ اللَّهُ فَيَجِيبُهُ أَخْرَاكَ اللَّهُ لَمَنْ عَفَا عَنْ ظَالِمِهِ وَأَصْلَحَ الْوَدَّيْنَةَ وَبَيْنَهُ بِالْعَمْرِ عَنهُ فَاجْرَهُ
 عَلَى اللَّهِ أَىْ أَنْ اللَّهُ يَجْرَهُ لَا مُحَالَةَ إِنَّهُ لَا يُجِبُ الظَّالِمِينَ ۝ أَىِ الْبَادِيهِنَّ بِالظُّلْمِ فَيَرْتَبُ عَلَيْهِمْ عِقَابُهُ وَ
 لَمَنْ انْتَصَرَ بَعْدَ ظَلَمِهِ أَىِ ظَلَمَ الظَّالِمِ إِيَّاهُ فَأُولَئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ۝ هُوَ اخذَهُ إِكْمًا السَّجْدِ عَلَى الَّذِينَ

يَطْلُبُونَ النَّاسَ وَيَبْعُونَ يَتْلَمُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ بِالْمَعَاصِي أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ مُؤَلَّمٌ وَمَنْ صَبَرَ فَلَمْ يَنْتَصِرْ وَغَفَرَ تَجَاوَزَ إِنَّ ذَلِكَ الصَّبْرَ وَالْتِجَاوُزَ لَيُنْعِمُ اللَّهُ بِالْأَمْوَالِ أَيْ مَغْرُورًا مَاتَهَا بِمَعْنَى

الْمَطْلُوبَاتِ شَرَعًا

تو کچھ چاہتا ہے اور تمہیں مسلمانوں کو خطاب ہے جو مصیبت بلا اور شدت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے ہوتی ہے جتنی تم نے جو گناہ کئے ہیں اور اکثر کام ہاتھوں سے کئے جاتے ہیں اس لئے ہاتھوں ہی کی طرف نسبت کردی اور بہت سے کاموں سے تو وہ درگزر کر دیتا ہے کہ ان پر دنیا میں سزا نہیں دیتا اور پھر آخرت میں ان پر سزا دینا اس کے کرم سے بعید ہوگا، البتہ بے قصور لوگوں کو جو دنیا میں مصیبتیں پیش آتی ہیں ان سے ان کے اخروی درجات بلند کرنے مقصود ہوتے ہیں اور اے مشرکین تم اللہ کو زمین میں ہر انہیں سکتے کہ اس سے بچ نکلو اور اللہ کے سوا علاوہ تمہارا کوئی بھی حامی و مددگار نہیں ہے جو تمہیں اس کے عذاب سے بچا سکے اور ہملہ اس کی نشانیوں کے جہاز کشتیاں ہیں سمندر میں پہاڑ جیسی پہاڑ کے برابر بڑی وہ اگر چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ کھڑے کے کھڑے ٹھہرے ہوئے رہ جائیں سمندر کی سطح پر بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر شاکر کے لئے اس سے مؤمن مراد ہیں جو مصیبت میں صبر اور عیش میں شکر کرتے ہیں یا جہازوں کو تباہ کر دے اس کا عطف لیکن پر ہے یعنی ہواؤں کے جھوکوں سے جہازوں کو سواروں سمیت غرق کر دے ان کے اعمال کی وجہ سے سواروں کے گناہوں کے باعث اور بہت سے لوگوں سے درگزر کرے ان کو غرق نہ کرے اور معلوم ہو جانا چاہئے معلوم رفع کے ساتھ متانفہ ہے اور نصب کی صورت میں علت مقدر پر معطوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی لغز قہم لیبقم مہم ویعلم ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں میں جھگڑے نکالتے رہتے ہیں کہ ان کے لئے بچاؤ نہیں ہے عذاب سے چھٹکارا اور جملہ صیغہ، یعلم کے دونوں مفعولوں کی جگہ سے یا حرف نفی کا لفظوں میں عمل نہیں ہے، سو تمہیں مسلمانوں اور دوسروں کو خطاب ہے جو کچھ دنیا کا ساز و سامان دیا دلا یا گیا ہے وہ محض دنیاوی زندگی میں برتنے کے لیے ہے نفع اٹھانے کے بعد سب فنا ہو جائے گا اور جو اللہ کے یہاں ثواب ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ پائیدار وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اگلے جملہ کا اس پر عطف ہے اور جو کہ بچتے ہیں کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے جن پر شرعی حدود واجب ہو جاتی ہے یہ بعض کا کل پر عطف ہے اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف درگزر کر دیتے ہیں اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم مانا تو حید و عبادت کی دعوت قبول کر لیتے ہیں اور نماز کے پابند ہیں مستقل نمازی ہیں اور ان کا ہر کام جو انہیں درپیش ہوتا ہے آپس کے مشورے سے ہوتا ہے باہمی صلاح مشورہ کرتے ہیں جلد بازی سے کام نہیں لیتے اور ہم نے جو کچھ عطا کیا دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں جن لوگوں کا ذکر ہوا یہ ایک قسم ہے اور جو لوگ ایسے ہیں کہ ان پر ظلم ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں یہ دوسری قسم ہوئی یعنی جو شخص ان پر ظلم کرتا ہے وہ اس سے اتنا ہی انتقام لیتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی سے ہونا چاہئے بدلہ کو برائی کہنا اس لیے ہے کہ صورت شکل میں پہلی

برائی جیسا ہوتا ہے اور صورتاً یہ مشابہت ان زخموں میں ظاہر ہے جن میں قصاص کا حکم ہے بعض عمامہ کا کہنا ہے کہ اگر کوئی اخزاک اللہ کہے تو اس کے جواب میں اخزاک اللہ کہنے کی اجازت ہے پھر جو شخص معاف کر دے ظالم کو اور اصلاح کرے معاف کرتے ہوئے باہمی محبت بحال کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے یعنی ضرور اس کو اجر عطا فرمائے گا واقعی ظالموں سے اللہ کا تعلق نہیں ہے یعنی ظلم کی ابتدا کرنے والے کو وہ مستحق سزا ہو جاتے ہیں اور جو اپنے اوپر ظالم کا ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے سوائے لوگوں پر کوئی اعتراض نہیں ہے الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور سرکشی پھیلاتے ہیں زمین میں ناحق شرعاً غلط طریقہ پر ایسوں کے لیے دردناک تکلیف دہ عذاب ہے اور جو شخص صبر کرے بدلہ نہ لے اور معاف کر دے درگزر کرے یہ صبر اور معافی البتہ بڑے امت کے کاموں میں سے ہے یعنی لائق عزیمت ہے اس معنی کو کہ شرعاً مطلوب ہے۔

کلمات تفسیر یہ کی توضیح و تشریح

- قوله: يَا هَلِيْنَ: یہ محاسبوا کے قرینہ سے مقدر مانا۔
 قوله: شُوْزَى: ذومخروف ہے۔ یہ مصدر ہے۔ اور استشار کے معنی میں ہے۔
 قوله: مَنْ ذِكْرٍ صِنْفٍ: اس سے اشارہ کیا کہ پہلی آیات میں ایک قسم ذکر کی اور ایک بعد میں۔
 قوله: لِمُشَابِهَتِهِمَا: جزاؤں میں کو مشابہت سے سبب کہا گیا ہے۔
 قوله: الْوَدَّ: دوستی، تعلق۔
 قوله: مَعْرُومَاتٍ: شرعی عزائم۔

تفسیر مقبولین

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ آيَاتِكُمْ وَاعْتَمَدُوا عَنْ كَثِيرٍ ۖ
 جو بھی کوئی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے:

پھر فرمایا کہ تم سے جس کسی کو جو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے پہنچ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر گناہ پر تکلیف نہیں بھیجتا اگر ہر گناہ کی وجہ سے مصیبت بھیجی جائے تو ہو سکتا ہے کہ آرام و راحت کا نمبر ہی نہ آئے بہت سے گناہوں سے اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے لہذا ان کی وجہ سے کوئی مصیبت نہیں آتی۔
 حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی بندہ کو کوئی ذرا سی تکلیف یا بڑی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو وہ گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ جن گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے وہ ان گناہوں سے زیادہ

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورت کو جان و مال اور اولاد میں تکلیف پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب وہ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کا کوئی گناہ بھی باقی نہ ہوگا۔ (رواہ الترمذی) معلوم ہوا کہ اہل ایمان پر جو تکلیفیں آتی ہیں ان سے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں اور یہ بہت بڑا فائدہ ہے کیونکہ آخرت میں گناہوں پر جو عذاب ہے وہ بہت سخت ہے دنیا میں جو تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں وہ معمولی چیزیں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لیے کوئی بلند مرتبہ دینے کا فیصلہ فرمادیتا ہے لیکن وہ اپنے مل سے اس مرتبہ تک پہنچنے سے قاصر رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تکلیف میں مبتلا فرمادیتا ہے یہ تکلیف اس کے مال جان اور اولاد میں پہنچ جاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اس پر صبر عطا فرمادیتا ہے یہاں تک کہ اس مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے جو اللہ کی طرف سے اس کے لیے پہلے سے مقرر کر دیا گیا تھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۱۸۲۸ از احمد ابو داؤد)

یاد رہے کہ دَمًا أَصَابَكُمْ میں جو خطاب ہے یہ عام مؤمنین سے ہے لہذا یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ حضرات انبیاء کرام تو معصوم تھے ان پر تکلیفیں کیوں آئیں ان حضرات کو جو تکلیفیں پہنچیں گناہوں کی وجہ سے نہیں بلکہ رفع درجات کے لیے پہنچیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں جس حال میں رکھے اس میں رہو گے اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے، اور غیر اللہ سے امیدیں باندھنا بھی ناکندہ مند نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ولی (یعنی کارساز) لیسیر (یعنی مددگار) نہیں ہے

وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝

سمندروں کی تسخیر قدرت الہی کی نشانی:

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی قدرت کے نشان اپنی مخلوق کے سامنے رکھتا ہے کہ اس نے سمندروں کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ کشتیاں ان میں برابر آئیں جائیں۔ بڑی بڑی کشتیاں سمندروں میں ایسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسے زمین میں اونچے پہاڑ۔ ان کشتیوں کو ادھر سے ادھر لے جانے والی ہوائیں اس کے قبضے میں ہیں اگر وہی چاہے تو ان ہواؤں کو روک لے پھر توبادبان بیکار ہو جائیں اور کشتی رک کر کھڑی ہو جائے ہر وہ شخص جو سختیوں میں صبر کا اور آسانوں میں شکر کا عادی ہو اس کے لیے تو بڑی عبرت کی جا ہے وہ رب کی عظیم الشان قدرت اور اس کی بے پایاں سلطنت کو ان نشانوں سے سمجھ سکتا ہے اور جس طرح ہوائیں بند کر کے کشتیوں کو کھڑا کر لینا اور روک لینا اس کے بس میں ہے اسی طرح ان پہاڑوں جیسی کشتیوں کو دم بھر میں ڈبو دینا بھی اس کے ہاتھ ہے اگر وہ چاہے تو اہل کشتی کے گناہوں کے باعث انہیں فرق کر دے۔ ابھی تو وہ بہت سے گناہوں سے درگزر فرما لیتا ہے اور اگر سب گناہوں پر پکڑے تو جو بھی کشتی میں بیٹھے سیدھا سمندر میں ڈوبے لیکن اس کی بے پایاں رحمت ان کو اس پار سے اس پار کر دیتی ہے۔ علماء تفسیر نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اسی ہوا کو ناموافق کر دے۔ تیز تند آمدی چلا دے جو

کشتی کو سیدھی راہ چلنے ہی نہ دے ادھر سے ادھر کر دے سنبھالے نہ سنبھل سکے جہاں جانا ہے اس طرف جا ہی نہ سکے اور یونہی سرگشتہ و حیران ہو ہو کر اہل کشتی تباہ ہو جائیں۔ الغرض اگر بند کر دے تو کھڑے کھڑے ناکام رہیں اگر تیز کر دے تو ناکامی۔ لیکن یہ اس کا لطف و کرم ہے کہ خوشگوار موافق ہوائیں چلاتا ہے اور لمبے لمبے سفر ان کشتیوں کے ذریعہ یعنی آدم طے کرتا ہے اور اپنے مقصد کو پالیتا ہے یہی حال پانی کا ہے کہ اگر بالکل نہ برسائے خشک سالی رہے دنیا تباہ ہو جائے۔ اگر بہت ہی برسا دے تو ترسالی کوئی چیز پیدا نہ ہونے دے اور دنیا ہلاک ہو جائے۔ ساتھ ہی مینہ کی کثرت طغیانی کا مکانون کے گرنے کا اور پوری بربادی کا سبب بن جائے یہاں تک کہ رب کی مہربانی سے جن شہروں میں اور جن زمینوں میں زیادہ بارش کی ضرورت ہے وہاں کثرت سے مینہ برستا ہے اور جہاں کم کی ضرورت ہے وہاں کمی سے پھر فرماتا ہے کہ ہماری نشانوں سے جھگڑنے والے ایسے موقعوں پر تو مان لیتے ہیں کہ ہماری قدرت سے باہر نہیں۔ ہم اگر انتقام لینا چاہیں ہم اگر عذاب کرنا چاہیں تو وہ چھوٹ نہیں سکتے سب ہماری قدرت اور مشیت تلے ہیں۔ (فسبحانہ ما اعظم شانہ)

شاید کسی کے دل میں دوسرا آئے کہ اب تو بڑے بڑے جہاز پٹرول سے چلتے ہیں، ہواؤں کا ان کے چلنے میں دخل نہیں ہے اس دوسرے کا جواب یہ ہے کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت اور بندوں کو احتیاج بیان کرنا ہے پٹرول بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور اس کے استعمال کا طریقہ بھی بتایا اور مشینوں اور انجنوں کی سمجھ اور ان کے چلانے کے طریقے بھی تو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمائے ہیں۔

وَيَعْلَمُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ مِنْ مَّجِيصٍ ۝

(اور جب کشتی والوں کی ہلاکت ہونے لگے تو وہ لوگ جان لیں جو ہماری آیتوں میں جھگڑے کرتے ہیں کہ ان کے لیے بچاؤ کی کوئی جگہ نہیں ہے جو لوگ قرآن کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے مشرک ہیں جنوں کی دہائی دیتے ہیں ان کے سامنے جب کشتیوں اور کشتیوں میں سوار ہونے والوں کی تباہی کا منظر سامنے آ جائے تو وہ سمجھ لیں کہ اللہ کے عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں اور غیر اللہ کو پکارنے کا کوئی نفع نہیں۔

قال البغوی فی معالم التنزیل ﴿وَيَعْلَمُ﴾ قرأ أهل المدينة والشام ﴿وَيَعْلَمُ﴾ برفع الميم على الاستئناف كقوله عز وجل فی سورة براءة ﴿وَيَعْلَمُ اللَّهُ عَلٰی مَنْ يَشَاءُ﴾ وقرأ الآخرون بالنصب على الصرف والجزم اذا صرف عنه معطوفه نصب، وهو كقوله تعالى ﴿وَيَعْلَمُ الظُّلُمَاتِ﴾ صرف من حال اجزم الى النصب استخفافاً وكرهية لتوالى الجزم۔ (علامہ بغوی) نے معالم التنزیل میں کہا ہے ﴿وَيَعْلَمُ﴾ کو مدینہ اور شام کے قراء نے ﴿وَيَعْلَمُ﴾ ميم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اس لیے یہ نیا جملہ ہے جیسا کہ سورہ براءة میں ہے: ﴿وَيَعْلَمُ اللَّهُ عَلٰی مَنْ يَشَاءُ﴾ اور دوسروں نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے صرف کی بنیاد پر کیونکہ جب جزم سے اس کا معطوف پھیرا جاتا ہے تو نصب دی جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿وَيَعْلَمُ الظُّلُمَاتِ﴾ ہے۔ جزم سے نصب کی طرف اس لیے پھیرا گیا ہے تاکہ تخفیف بھی ہو جائے اور مسلسل دو جزم میں بھی نہ آئیں۔

فَبَا أَيُّكُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا.....

آیات مذکورہ میں دنیا کی نعمتوں کا ناقص ہونا اور فانی ہونا اور اس کے مقابل آخرت کی نعمتوں کا کامل ہونا اور دائمی ہونا بیان فرمایا ہے۔ اور آخرت کی نعمتوں کے حصول کے لیے سب سے اہم اور بڑی شرط تو ایمان ہے کہ اس کے بغیر وہ نعمتیں وہاں کسی کو نہ ملیں گی۔ لیکن ایمان کے ساتھ اگر اعمال صالحہ کا بھی پورا اہتمام کر لیا تو آخرت کی یہ نعمتیں اول ہی مل جائیں گی۔ ورنہ اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کی سزا بھگتنے کے بعد ملیں گی۔ اس لیے آیات مذکورہ میں سب سے پہلی شرط تو الذین امنوا بیان فرمائی۔ اس کے بعد خاص خاص اعمال کا ذکر فرمایا گیا جن کے بغیر ضابطہ کے مطابق آخرت کی نعمتیں شروع سے نہ ملیں گی بلکہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ملیں گی۔ اور ضابطہ کے مطابق اس لیے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو سب گناہوں کو معاف فرما کر اول ہی آخرت کی نعمتیں بڑے سے بڑے قاسق کو دے سکتے ہیں وہ کسی قانون کے پابند نہیں۔ اب وہ اعمال و صفات دیکھئے جن کو اس جگہ اہمیت سے ذکر فرمایا ہے۔

پہلی صفت:

وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۲۱﴾ یعنی ہر کام اور ہر حال میں اپنے رب پر بھروسہ رکھیں، اسکے سوا کسی کو حقیقی کارساز نہ سمجھیں۔

دوسری صفت:

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ، یعنی جو کبیرہ گناہوں سے خصوصاً بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرنے والے ہیں۔ کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ اس کی تفصیل سورۃ نساء وغیرہ میں پہلے بیان ہو چکی اور احقر نے ایک مختصر سے رسالہ میں کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی پوری فہرست بھی لکھ دی ہے۔ جو گناہ بے لذت کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔ کبیرہ گناہوں میں سبھی گناہ داخل تھے، ان میں سے فواحش کو الگ کر کے بیان فرمانے میں یہ حکمت ہے کہ فواحش کا گناہ عام کبیرہ گناہوں سے زیادہ سخت بھی ہے اور وہ ایک مرض متعدف ہوتے ہیں، جس سے دوسرے لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں فواحش کا لفظ ان کاموں کے لیے بولا جاتا ہے جن میں بے حیائی ہو جیسے زنا اور اس کے مقدمات۔ نیز وہ اعمال بد جو اوصالی کے ساتھ علانیہ کئے جاویں وہ بھی فواحش کہلاتے ہیں کہ ان کا وبال بھی نہایت شدید اور پورے انسانی معاشرہ کو خراب کرنے والا ہے۔

تیسری صفت:

وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿۲۲﴾ یعنی وہ جب غصہ میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔ یہ حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ کیونکہ کسی کی محبت یا کسی پر غصہ یہ دونوں چیزیں جب غالب آتی ہیں تو اچھے بھلے عاقل فاضل آدمی کو اندھا بہرا کر دیتی ہیں۔ وہ جائز، ناجائز، حق و باطل اور اپنے کئے کے نتائج پر غور کرنے کی صلاحیت کو بیٹھتا ہے۔ جس پر غصہ آتا ہے اس کی کوشش یہ ہونے لگتی ہے کہ مقدور بھرا اس پر غصہ اتارا جائے۔ مؤمنین و صالحین کی اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ غصے کے وقت حق و ناحق کی حدود پر قائم رہیں بلکہ اپنا حق ہوتے ہوئے بھی معاف کر دیتے ہیں۔

چوتھی صفت:

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ

استجاب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ملے اس کو فوراً بے چون و چرا اور بے تاثر قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو جائے وہ اپنی طبیعت کے مطابق ہو یا مخالف، ہر حال میں اس کی تعمیل کرے۔ اس میں اسلام کے تمام فرائض کی ادائیگی اور تمام محرمات و مکروہات سے بچنے کی پابندی شامل ہے مگر فرائض میں چونکہ نماز سب سے اہم فرض ہے۔ اور اس میں یہ خاصہ بھی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے دوسرے فرائض کی پابندی اور ممنوع چیزوں سے بچنے کی توفیق بھی ہو جاتی ہے اس لیے اس کو ممتاز کر کے فرمایا، واقاموا الصلوٰۃ یعنی یہ لوگ نماز کو اس کے تمام واجبات اور آداب کے ساتھ صحیح ادا کرتے ہیں۔

پانچویں صفت:

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ۖ: یعنی ان کے کام آپس میں مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔ شوریٰ بروزن بشری مصدر ہے۔ تقدیر عبارت ذو شوریٰ ہے۔ مراد یہ ہے کہ مہمات امور جن میں شریعت نے کوئی خاص حکم متعین نہیں کر دیا ہے ان کو طے کرنے میں یہ باہمی مشورہ سے کام لیتے ہیں۔ مہمات امور کی قید خود لفظ امر سے مستفادہ ہے۔ کیونکہ عرف میں امر ایسے ہی کاموں کے لیے بولا جاتا ہے جن کی اہمیت ہو۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران کی (آیت) وشاورہم فی الامر کے تحت تفصیل مگر چکی ہے اس میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ مہمان امور میں امور مملکت و حکومت بھی داخل ہیں اور عام معاملات مہمہ بھی۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ مہمات مملکت میں مشورہ لینا واجب ہے۔ اسلام میں امیر کا انتخاب بھی مشورہ پر موقوف کر کے زمانہ جاہلیت کی شخصی بادشاہتوں کو ختم کیا ہے۔ جنہیں ریاست بطور وراثت کے ملتی تھی۔ اسلام نے سب سے پہلے اس کو ختم کر کے حقیقی جمہوریت کی بنیاد ڈالی مگر مغربی جمہوریت کی طرح عوام کو ہر طرح کے اختیارات نہیں رہتے، اہل شوریٰ پر کچھ پابندیاں عائد فرمائی ہیں۔ اس طرح اسلام کا نظام حکومت شخصی بادشاہت اور مغربی جمہوریت دونوں سے الگ ایک نہایت معتدل دستور ہے۔ اس کی تفصیل معارف القرآن جلد دوم ۵۱۲ سے ص ۲۲۲ تک میں ملاحظہ فرمادیں۔

امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے مشورہ کی اہمیت واضح ہو گئی اور یہ کہ ہم اس پر مامور ہیں کہ ایسے مشورہ طلب اہم کاموں میں جلد بازی اور خود رائی سے کام نہ کریں۔ اہل عقل و بصیرت سے مشورہ لے کر قدم اٹھائیں۔

مشورہ کی اہمیت اور اس کا طریقہ:

خلیب بغدادی نے حضرت علی مرتضیٰ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آئے، جس میں قرآن نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور آپ سے بھی اس کا کوئی حکم ہمیں نہیں ملا تو ہم کیسے عمل کریں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اس کے لئے میری امت کے عبادت گزاروں کو جمع کر لو اور آپس میں مشورہ کر کے طے کر لو۔ کسی کی تہارائے سے

فیصلہ کرو۔

اس روایت کے بعض الفاظ میں فقہاء و عابدین کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مشورہ ان لوگوں سے لینا چاہئے جو فقہاء یعنی دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے اور عبادت گزار ہوں۔

صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ جو مشورہ اس طریق پر نہیں بلکہ بے علم بے دین لوگوں میں دائر ہو اس کا فساد اس کی اصلاح پر غالب رہے گا۔

بہیقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی کام کا ارادہ کیا اور اس میں مشورہ لے کر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ارشاد امرو کی طرف ہدایت فرمادے گا۔ یعنی اس کا رخ اس طرف پھیر دے گا جو اس کے لیے انجام کار خیر اور بہتر ہو۔ اسی طرح کی ایک حدیث بخاری نے الادب المفرد میں اور عبد بن حمید نے مسند میں حضرت حسن سے بھی نقل کی ہے۔ جس میں آپ نے آیت مذکورہ پڑھ کر یہ فرمایا ہے۔

ماتشاور قوم قط الاھدوا لارشدا مرہم۔

جب کوئی قوم مشورہ سے کام کرتی ہے تو ضرور ان کو صحیح راستہ کی طرف ہدایت کر دی جاتی ہے۔

خلافت: ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تمہارے امراء اور حکام وہ لوگ ہوں جو تم میں بہتر ہیں اور تمہارے مالدار لوگ سخی ہوں (کہ اللہ کی راہ میں اور غرباء پر خرچ کریں) اور تمہارے کام باہمی مشورہ سے طے ہوا کریں۔ اس وقت تک تمہارے لیے زمین کے اوپر رہنا یعنی زندہ رہنا بہتر ہے اور جب تمہارے امراء و حکام تمہاری قوم کے برے لوگ ہو جاویں اور تمہارے مالدار بخیل ہو جاویں اور تمہارے کام عورتوں کے سپرد ہو جاویں کہ وہ جس طرح چاہیں کریں۔ اس وقت تمہارے لیے زمین کی پیٹھ کی بجائے زمین کا پیٹ بہتر ہوگا یعنی زندگی سے موت بہتر ہوگی۔ (روح المعانی)

چھٹی صفت:

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۹۱﴾ یعنی وہ لوگ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ جس میں زکوٰۃ، فرض اور نفعی صدقات سب شامل ہیں۔ عام اسلوب قرآن کے مطابق زکوٰۃ و صدقات کا ذکر نماز کے متصل آنا چاہئے تھا، یہاں نماز کے ذکر کے بعد مشورہ کا مسئلہ پہلے بیان کر کے پھر زکوٰۃ کا بیان آیا۔ اس میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ اقامت نماز کے لیے مساجد میں پانچ وقت اجتماع ہوتا ہے۔ اس اجتماع سے مشورہ طلب امور میں مشورہ لینے کا کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ (روح المعانی)

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿۹۲﴾

ساتویں صفت:

یعنی جب ان پر کوئی ظلم کرتا تو یہ برابر کا انتقام لیتے ہیں۔ اس میں حد مساوات سے تجاوز نہیں کرتے، یہ صفت درحقیقت تیسری صفت کی تشریح و تفصیل ہے۔ کیونکہ تیسری صفت کا مضمون یہ تھا کہ یہ لوگ اپنے مخالف کو معاف کر دیتے ہیں۔ مگر بعض

حالات ایسے بھی پیش آسکتے ہیں کہ معاف کر دینے سے فساد بڑھتا ہے تو وہاں انتقام لینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ اس کا قانون اس آیت میں بتا دیا گیا کہ اگر کسی جگہ انتقام لینا ہی مصلحت سمجھا جائے تو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس سے انتقام لینے میں برابری سے آگے نہ بڑھیں ورنہ یہ خود ظالم ہو جائیں گے۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا: **وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا**۔ یعنی برائی کی جزا اس کی برابر برائی کرنا ہے۔ یعنی جتنا نقصان مالی یا جسمانی کسی نے تمہیں پہنچایا ہے ٹھیک اتنا ہی تم پہنچا دو۔ جیسی برائی اس نے تمہارے ساتھ کی ہے ویسی ہی تم کو لو مگر اس میں یہ شرط ہے کہ وہ برائی فی نفسہ گناہ نہ ہو۔ مثلاً کسی شخص نے اس کو جبراً شراب پلا دی تو اس کے جواب میں اس کے لیے جائز نہ ہوگا کہ وہ اس کو زبردستی شراب پلا دے۔

اس آیت میں اگرچہ برابر کا بدلہ لینے کی اجازت دے دی گئی ہے مگر آگے یہ بھی فرما دیا کہ: **لَقَدْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ** یعنی جو معاف کر دے اور اصلاح کا راستہ اختیار کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ جس میں یہ ہدایت کر دی کہ معاف کر دینا افضل ہے۔ اس کے بعد دو آیتوں میں اسی کی مزید تفصیل آئی ہے۔

عفو و انتقام میں معتدل فیصلہ:

حضرت ابراہیم خلی نے فرمایا کہ سلف صالحین یہ پسند نہ کرتے تھے کہ مؤمنین اپنے آپ کو فساق فجار کے سامنے ذلیل کریں اور ان کی جرأت بڑھ جائے۔ اس لیے جہاں یہ خطرہ ہو کہ معاف کرنے سے فساق فجار کی جرأت بڑھے گی وہ اور نیک لوگوں کو ستائیں گے وہاں انتقام لے لینا بہتر ہوگا اور معافی کا افضل ہونا اس صورت میں ہے جبکہ ظلم کرنے والا اپنے فعل پر نادم ہو اور ظلم پر اس کی جرأت بڑھ جانے کا خطرہ نہ ہو۔ قاضی ابوبکر ابن عربی نے احکام القرآن میں اور قرطبی نے اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ عفو و انتقام کے دونوں حکم مختلف حالات کے اعتبار سے ہیں۔ جو ظلم کرنے کے بعد شرمندہ ہو جائے اس سے عفو افضل ہے اور جو اپنی ضد اور ظلم پر اصرار کر رہا ہو اس سے انتقام لینا افضل ہے۔

اور حضرت اشرف المصنف نے بیان القرآن میں اس کو اختیار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں مؤمنین، مخلصین اور صالحین کی دو خصوصیتیں ذکر فرمائی ہیں۔ **هُمُ يَعْفُرُونَ** ۱۰۱ میں تو یہ بتلایا کہ یہ حصہ میں مغلوب نہیں ہوتے بلکہ رحم و کرم ان کے مزاج میں غالب رہتا ہے معاف کر دیتے ہیں۔ اور **هُمُ يَنْتَصِرُونَ** ۱۰۲ میں یہ بتلایا کہ یہ بھی انہیں صالحین کی خصوصیت ہے کہ اگر کبھی ظلم کا بدلہ لینے کا داعیہ ان کے دل میں پیدا بھی ہو اور بدلہ لینے لگیں تو اس میں حق سے تجاوز نہیں کرتے، اگرچہ معاف کر دینا ان کے لیے افضل ہے۔

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا

برائی کا بدلہ برائی کے برابر لے سکتے ہیں، معاف کرنے اور صلح کرنے کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے:

پہلے جو آیات مذکور ہوئیں ان میں سے آخری آیت میں نیک بندوں کی صفات میں یہ بتایا تھا کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو بدلہ لے لیتے ہیں اس میں چونکہ کمی دیشی کا ذکر نہیں ہے اور یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ معاف کر دینا اور بدلہ نہ لینا افضل ہے اس لیے بطور استدراک ان آیات میں اولاً تو یہ بتایا کہ برائی کا بدلہ بس اسی قدر لینا جائز ہے جتنی زیادتی دوسرے فریق نے کی ہو،

اگر کسی نے اس سے زیادہ بدلہ لے لیا جو اس پر زیادتی کی گئی تھی تو اب وہ اسی قدر ظلم کرنے والا ہو جائے گا۔ ثانیاً یہ فرمایا کہ بدلہ لینا جائز تو ہے لیکن افضل یہ ہے کہ بدلہ نہ لیا جائے معاف کر دیا جائے، جو شخص معاف کر دے گا اس کا یہ معاف کر دینا ضائع نہ جائے گا اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے اس کا اجر عطا فرمائے گا معاف نہ کرے تو زیادتی بھی نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ ثانیاً یہ فرمایا کہ جس شخص پر کوئی ظلم کیا گیا اور اس نے اسی قدر بدلہ لے لیا جتنا اس پر ظلم ہوا تھا تو اب اس کا مواخذہ کرنا جائز نہیں کیونکہ اس نے اپنا حق لیا ہے ظالم یا ظالم کی مدد کرنے والا دوست احباب کنبہ و قبیلہ کے لوگ اب اگر اس سے بدلہ کا بدلہ لیں گے تو یہ لوگ ظالم ہو جائیں گے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں جگہ ان کی گرفت ہوگی یہ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ رابعاً ایک عام اعلان فرمایا کہ مہر کرنا اور معاف کرنا بڑی اہمیت اور مہر کے کاموں میں سے ہے، ہر شخص اس پر عمل کرنے کو تیار نہیں ہوتا حالانکہ اس کا اجر و ثواب بہت بڑا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص (بدلہ لینے کی) قدرت رکھتے ہوئے معاف کر دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ۱۳۱)

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ شَيْءٍ يُؤْتِيهِمْ مِنْ بَعْدِهِ ۗ اِىْ اَحَدٍ يَلِيْ هِدَايَتَهُ بَعْدَ اَضْلَالِ اللّٰهِ اِيَّاهُ وَ تَحْمِيِ الظّٰلِمِيْنَ لَبَاۗءَا
 الْعَذَابِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ اِلٰى الدُّنْيَا مِنْ سَبِيْلِ ۙ طَرِيْقٍ وَ تَرٰهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا اِى النَّارِ حٰشِعِيْنَ
 خَافِيْنَ مُتَوَاضِعِيْنَ مِنَ الدَّلٰلِ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهَا مِنْ طَرَفٍ خَفِيٍّ ۗ ضَعِيْفِ النَّظْرِ مُسَارِقَةٌ وَمِنْ اِبْتِدَآئِيَّةٍ
 اَوْ يَمْنٰى الْبِنَاءِ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ وَاٰهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ يَتَخَلَّفُوْنَ فِيْ
 النَّارِ وَ عَدِمَ وُصُوْلُهُمْ اِلَى الْخُوْرِ الْمُعَدَّةِ لَهُمْ فِي الْجَنَّةِ لَوِ اٰمَنُوْا وَالْمَوْضُوْلُ خَبِيْرٌ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ
 الْكَافِرِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۙ دٰلِمٌ هُوَ مِنْ مَّقُوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ اَوْلِيَآءٍ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِنْ دُوْنِ
 اللّٰهِ اِىْ غَيْرِهِ يَدْفَعُ عَذَابَهُ عَنْهُمْ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيْلِ ۙ طَرِيْقٍ اِلَى الْحَقِّ فِي الدُّنْيَا وَ اِلَى
 الْجَنَّةِ فِي الْاٰخِرَةِ ۗ اَسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ ۗ اَجِيْبُوْهُ بِالْحَمْدِ وَالْعِبَادَةِ ۗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّآتِيَ يَوْمٌ هُوَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ لَا مَرَدَّ
 لَهُ مِنَ اللّٰهِ اِىْ اِنَّهُ اِذَا اَتَى بِهٖ لَا يَرُدُّهُ مَا لَكُمْ مِنْ مَلٰٓئِكَةٍ تَلٰجِئُوْنَ اِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ مَا لَكُمْ مِنْ مُّكَيِّدٍ ۙ اِنْكَارٍ
 لِّدُنُوْبِكُمْ ۗ اِنَّ اَعْرَضُوْا عَنِ الْاِجَابَةِ فَمَا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حٰفِيْظًا ۗ نَحْفَظُ اَعْمَالَهُمْ ۗ اِنَّ مُوٰفِقَ الْمَطْلُوْبِ

مِنْهُمْ إِنَّ مَا عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ * وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ وَإِنَّا لَأَوَّلُ أَقْتِنَا الْإِنْسَانَ وَمَا رَحِمْنَا بِغَمَّةٍ كَانَتْ
وَالصِّحْحَةُ قَرِيبٌ بِهَا وَإِنْ قُوتِبَهُمُ الصُّحُورُ لِلْإِنْسَانِ بِإِعْتِبَارِ الْجَنَسِ سَهْلَةً * بَلَاؤُهُمَا قَدَمَتْ أَيْدِيَهُمْ أَيْ
قَدَمُوهُ وَعَبَّرَ بِالْأَيْدِيِّ لِأَنَّ الْأَكْثَرَ الْأَفْعَالُ تُزَاوِلُ بِهَا فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَقَوْلِهِ ۞ لِلنِّعْمَةِ يَلْتَمِسُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ الْأَوْلَادِ إِنَّا نُنَاكِهُمُ وَإِنَّا لَنُؤْتِيهِمُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ۞ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ أَيْ يَجْعَلُهُمْ
ذَكَرْنَا وَإِنَّا لَمَّا وَجَعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيبًا * فَلَا يُلِدُ وَلَا يُؤَلِّدُ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَخْلُقُ قَدِيرٌ ۞ عَلَى مَا يَشَاءُ وَمَا
كَانَ لِيَشْرَ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُؤْخَى إِلَيْهِ وَحَيًّا فِي الْمَنَامِ أَوْ بِالْإِلْهَامِ أَوْ الْإِيمَانِ وَدَرَاهُ حَجَابٌ بِأَنْ يُسْمَعَ
كَلَامُهُ وَلَا يَرَاهُ كَمَا وَقَعَ لِمُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْ إِذَا أَنْ يُرْسِلَ رَسُولًا مَلَكًا كَجِبْرِيلَ كَيْدُوحِي الرُّسُولِ
إِلَى الرُّسُولِ إِلَيْهِ أَيْ يُكَلِّمُهُ بِالْأُذُنِ أَيْ اللَّهُ مَا يَشَاءُ * اللَّهُ إِنَّهُ عَزِيزٌ عَنِ صِفَاتِ الْمُحْدِثِينَ حَكِيمٌ ۞
فِي صُنْعِهِ وَكَذَلِكَ أَيْ مِثْلَ إِبْحَانِنَا إِلَى غَيْرِكَ مِنَ الرُّسُلِ أَوْ حِينًا إِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ رُوحًا هُوَ الْقُرْآنُ بِهِ
تُحْيِي الْقُلُوبَ مِنَ أَمْرِنَا * الَّذِي نُؤْتِيهِ إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَدْرِي تُعْرِفُ قَبْلَ الرُّوحِ إِلَيْكَ مَا كُنْتُ الْقُرْآنُ وَ
لَا الْإِنْسَانُ أَيْ شَرَايِعُهُ وَمَعَالِمُهُ وَالتَّفْصِيحُ مُعَلَّقٌ لِلْفِعْلِ عَنِ الْعَمَلِ أَوْ مَا بَعْدَهُ شَدَّ مَسَدَ الْمُفْعُولِينَ وَلَكِنْ
جَعَلْنَاهُ أَيْ الرُّوحَ أَوْ الْكِتَابَ نُورًا مُهْدِيًّا بِهِ مَنْ لَشَاءَ مِنْ عِبَادِنَا * إِنَّكَ لَتَهْدِي * تَدْعُو بِالْمُؤْخَى إِلَيْكَ إِلَى
صِرَاطٍ طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ ۞ دِينِ الْإِسْلَامِ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ * مَلَكًا وَخَلْقًا

عَ وَعَبِيدًا إِلَّا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ۞ تُرْجِعُ

تو کچھ پہنچا: اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کے بعد اس شخص کا کوئی چارہ ساز نہیں یعنی اللہ کے گمراہ کر دینے کے بعد کوئی
ایسا نہیں جس کی ہدایت اسے نصیب ہو سکے اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے جب کہ انھیں عذاب کا مشاہدہ ہوگا بول انھیں گے
کہ واپس جانے کی کوئی صورت ہے دنیا میں اور آپ ان کو اس حالت میں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ کی آگ کے سامنے لائے
جائیں گے جھکے ہوئے ہوں گے خوفزدہ عاجزانہ مارے ذلت کے دیکھتے ہوں گے دوزخ کو چپکے چپکے چوری چھپے من ابتدا یہ
ہے اور یا بمعنی با ہے اور ال ایمان کہیں گے کہ پورے گھانٹے میں وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے
قیامت کے روز خسارہ میں پڑے ہمیشہ جہنم میں رہنے اور جنت کی موعودہ حور سے محرومی کی وجہ سے ایمان لانے کی صورت
میں، اللہ خبر ہے ان کی یاد رکھو کہ ظالم لوگ کافر دائمی عذاب میں رہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کا مقول ہے اور ان کے کوئی مددگار نہ

ہوں گے جو اللہ سے الگ ان کی مدد کریں یعنی اللہ کے علاوہ جو ان سے اللہ کا عذاب دور کر سکے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر ڈالے اس کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں یعنی دنیا میں حق کی راہ اور آخرت میں جنت کی راہ تم اپنے پروردگار کا حکم مان لو تو وحید عبادت کو اختیار کرو اس دن قیامت کے آنے سے پہلے جو اللہ کی طرف سے ملے گا نہیں آنے کے بعد لوٹنے کی کوئی صورت نہ ہوگی نہ تم کو کوئی پناہ ملے گی جس کی پناہ میں تم جا سکو اس روز اور نہ تمہاری نسبت کوئی انکار کرنے والا ہوگا یعنی تمہارے گناہوں کا انکار کرنے والا پھر اگر یہ لوگ امراض کریں ماننے سے تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ان کے اعمال کے اس طرح ذمہ دار ہوں کہ وہ حکم کے مطابق ہوں آپ کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے اور ہم جب آدمی کو اپنی عنایت کا کچھ مزہ چکھادیتے ہیں جیسے خوشحالی اور تندرستی تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے فیہر انسان کی طرف جنس کے لحاظ سے راجع ہے ان کے اعمال کے بدلہ جو اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں پہلے اور ہاتھوں سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر کام انھیں سے ہوتے ہیں تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے خدا کی نعمت کی اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کو وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اولاد میں بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے یا ان کو جمع کر دیتا ہے یعنی ان کو پیدا کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے یعنی نہ عورت جن سکتی ہے نہ مرد جنوا سکتا ہے وہ بڑا جاننے والا ہے کہ کیا پیدا کرنا ہے بڑی قدرت والا ہے اپنی مشیت پر اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اس سے ہمکلامی ہو مگر یا تو اس پر وحی اتار دے بطور وحی خواب میں ہو یا بذریعہ الہام یا پس پردہ وہ اس طرح کہ اس کا کلام سنے مگر اس کو دیکھے نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہوا یا کسی فرشتہ کو بھیج دے جیسے جبریل کہ وہ پیغام پہنچا دے یعنی فرشتہ پیغمبر سے ہمکلام ہو جو اللہ کو منظور ہو بلاشبہ وہ بڑا عالی شان ہے مخلوق کی صفات سے بڑی حکمت والا ہے اپنی کارگیری میں اور اس طرح جس طرح ہم نے آپ کے علاوہ اور پیغمبروں کو وحی کی ہے ہم نے آپ کے پاس اے محمد! زندگی بھیجی ہے قرآن جس سے دل زندہ ہوتے ہیں یعنی اپنا حکم جو آپ پر ہم نے وحی کیا ہے آپ کو تو یہ خبر نہیں تھی وحی آنے سے پہلے آپ کو معلوم نہیں تھا کہ کتاب قرآن کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے یعنی اس کے احکام اور لیکن ہم نے اس کو بتایا ہے یعنی روح یا قرآن کو نور جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے رستے دین اسلام کی ہدایت کر رہے اپنی وحی کے مطابق دعوت دے رہے ہیں یعنی اس خدا کے رستے کی کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اسی کا ہے اسی کے مملوک، مخلوق بندے ہیں یاد رکھو سب امور اسی کی طرف لوٹیں گے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **كَذٰبٍ حٰفِيٍّ** : یعنی کمزور نگاہ، چرائی ہوئی نگاہ۔

قولہ: **مَا لَكُمْ مِّنْ عٰبِدِيْٓنِيْ** : نکیر بمعنی منکر ہے اے اللہ جنت! تم پر کوئی روک نہیں۔

قولہ: وَإِنَّ الْإِنْسَانَ: بظاہر یہ جملہ جواب شرط ہے مگر اصل مقدر جواب کی تلمیح ہے الف لام جنس کا ہے۔

قولہ: مَا لِكُنَّاب: مضاف مقدر ہے ای جواب الکتاب۔

قولہ: وَلَا الْإِيمَانُ: یہاں ایمان سے تفصیلات ایمان مراد ہیں۔

تفسیر مقبولین

وَتَوَلَّهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَشِيعُونَ مِنَ الذَّلِيلِ.....

گزشتہ آیت میں یہ فرمایا گیا تھا کہ جب وہ ظالم عذاب کو دیکھیں گے تو وہ کہیں گے کیا کوئی واپسی کی سبیل بھی ہو سکتی ہے، اس آیت میں اس کے بعد کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ ضمنی طور پر عذاب کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اس عذاب سے نازِ جہنم مراد ہے، کیونکہ ضمیر مؤنث لائی گئی ہے۔ اس لیے اسے نازِ جہنم ہی کہا جاسکتا ہے کہ آج تو یہ لوگ جہنم کا مذاق اڑاتے ہیں لیکن جب جہنم کی آگ کو دیکھیں گے تو ساری شوخیاں بھول جائیں گے۔ اس طرح سر جھکائے ہوئے ہوں گے معلوم ہوگا کہ دنیا بھر کی ذلتیں ان کے سر پر لاد دی گئی ہیں۔ اور ان میں یہ ہمت نہیں ہوگی کہ جہنم کے عذاب کی طرف رخ کر سکیں۔ البتہ نظر بچا بچا کر کن انکھیوں سے جہنم کی طرف دیکھنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ جب کوئی مجرم قتل کے لیے قتل کی طرف لے جایا جاتا ہے تو اس کے اندر یہ ہمت نہیں ہوتی کہ وہ کھلی آنکھوں سے جلاد کی تلوار کو دیکھ سکے۔ البتہ نظر بچا بچا کر اسے دیکھنے کی کوشش ضرور کرتا ہے تاکہ کچھ اندازہ ہو سکے کہ اس کے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر اصحابِ ایمان پکارا نہیں گئے کہ یہ ہیں وہ لوگ جو دنیا میں اپنی جاہ و منزلت اور دولت و رفاہیت پر اس قدر نازاں تھے کہ عذاب کا ذکر ہی انھیں ہدمزہ کر دیتا تھا اور وہ کسی طرح بھی اپنے انجام کے بارے میں سوچنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ ناعاقبت اندیش لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اس رویے سے نہ صرف اپنا نقصان کیا بلکہ اپنے متعلقین کا بیڑہ بھی غرق کر دیا اور ان کی اس برہمگشی نے اس خسارے سے انھیں دوچار کر دیا جس سے بڑا خسارہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بڑے سے بڑا نقصان بھی اپنے اثرات میں محدود ہوتا ہے، ایک وقت آتا ہے جب یہ اثرات ختم ہو جاتے ہیں یا ان کی تلافی ہو جاتی ہے۔ لیکن جہنم کی سزا ایک ایسا خسارہ ہے جس کا نہ کبھی اختتام ہوگا اور نہ اس میں کمی آئے گی۔ جو اس میں پکڑا گیا وہ ابدی عذاب میں گرفتار ہو گیا۔ اس لیے اس سے بڑھ کر اور خسارہ کون سا ہو سکتا ہے۔

إِسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ قَبْلَ.....

اس سے ان غافل منکرین و مکذبین کے ضمیروں کو جھنجھوڑتے ہوئے ان کو بطور زبردستی دعوتِ حق کو قبول کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے، کہ تم لوگوں کیلئے اب بھی اصلاحِ احوال اور اپنی بگڑی بنانے کا موقع موجود ہے، اس سے فائدہ اٹھانے کیلئے اپنے رب کی دعوت کو قبول کر لو۔ اور اس طرح اپنی عاقبت بنانے کا سامان کر لو۔ قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصت محدود و مختصر تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔ اور تم لوگوں کو ہمیشہ کے عذاب اور دائمی خسارے میں مبتلا ہونا پڑے۔ کیونکہ

تمہارے رب کی طرف سے جب وہ دن آجائے گا جو اٹل ہے تو اس وقت تمہارا اس کو قبول کرنا نہ کرنا ایک برابر ہوگا، اس دن نہ تمہارے لیے کوئی پناہ ممکن ہوگی۔ اور نہ ہی تمہارے اندر اس دن کسی چیز کو رد کرنے کی کوئی طاقت ہوگی۔ بلکہ اس دن جو کچھ تمہارے سامنے آئے گا تمہیں بے چون و چرا اسکے آگے سر جھکا دینا پڑے گا۔ سو اس سے حیات دنیا کو اس فرصت محدود کی قدر و قیمت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آخرت کی ابدی زندگی کی کمائی اور وہاں کی فوز و فلاح سے سرفرازی کیلئے کوشش اور محنت کا موقع اسی میں، اور صرف اسی میں ہے، اسکے بعد اسکے لیے نہ کوئی موقع ہوگا، اور نہ کسی طرح یا کوئی امکان، جبکہ آج دنیاوی زندگی کی اس فرصت میں آخرت کی کمائی کے اس عظیم الشان اور حقیقی مقصد کے حصول اور اس سے سرفرازی کیلئے ہر قسم کے مواقع موجود ہیں،

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ حَفِيظًا.....

یعنی آپ ذمہ دار نہیں کہ زبردستی سزا کر چھوڑیں۔ آپ کا فرض پیغام الہی پہنچا دینا ہے۔ وہ آپ ادا کر رہے ہیں۔ یہ نہیں مانتے تو جائیں جہنم میں۔ نیز ان کے اعراض سے آپ غمگین نہ ہوں۔ انسان کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے (الامن شاء اللہ) کہ اللہ انعام و احسان فرمائے تو اٹرنے اور اترانے لگتا ہے۔ پھر جہاں اپنی کرتوت کی بدولت کوئی اتنا پڑ گئی، بس سب نعمتیں بھول جاتا ہے اور ایسا ناشکرا بن جاتا ہے کہ گویا کبھی اس پر اچھا وقت آیا ہی نہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ فراموشی اور عیش کی حالت ہو یا تنگی اور تکلیف کی۔ اپنی حد پر قائم نہیں رہتا البتہ مؤمنین قانتین کا شیوہ یہ ہے کہ سختی پر صبر اور فراموشی کی حالت میں منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے ہیں اور کسی حال اس کے انعامات و احسانات کو فراموش نہیں کرتے۔

بِذَلِكَ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ.....

اللہ ہی کیلئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ پس انسان کو ہمیشہ اسی سے مانگنا چاہیے۔ اور جو بھی کچھ ملے اس پر مفتون و مغرور نہ ہو۔ اور اسے اپنی عقل و فکر اور کوشش و قابلیت کا نتیجہ قرار دینے کی بجائے اللہ پاک کا عطیہ و احسان سمجھ کر اس کا مزید از مزید شکر ادا کرے کہ شکر نعمت سے نعمت بڑھتی ہے۔ اور اس میں برکت آتی ہے۔ اور وہ محفوظ رہتی ہے۔ سو اس سے ایسے بھکے بھکے لوگوں کو ان کی اس بیماری کا علاج بتا دیا کہ اگر یہ لوگ اس حقیقت پر ایمان رکھتے کہ آسمان و زمین کی اس ساری کائنات پر حکومت و بادشاہی اللہ وحدہ لا شریک ہی کی ہے۔ وہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے تو یہ لوگ تنگ ظرنی اور ناشکری کی ایسی حالت میں مبتلا ہونے کی بجائے ہمیشہ صبر و شکر سے کام لیتے۔ بہر کیف اس ارشاد سے اس بنیادی عقیدے کو بیان فرمایا گیا ہے جس سے محرومی کے باعث لوگوں کے اندر یہ تنگ ظرنی اور ناشکری پیدا ہوتی ہے اور وہ راہ حق و ہدایت سے بھٹک کر طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہوتا اور جگہ جگہ ذلت و رسوائی کے دھکے کھاتا ہے۔

اولاد کا اختیار اللہ کے پاس ہے:

حاصل یہ کہ خالق مالک اور متصرف زمین و آسمان کا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا جسے چاہے دے جسے چاہے نہ دے جو چاہے پیدا کرے اور بنائے جسے چاہے صرف لڑکیاں دے جیسے حضرت لوط علیہ

کے نور محیط کی کوئی شے چھپا نہیں سکتی۔ بلکہ انسان کی قوت پرنائی کا ضعف ہی اس کے لیے زیارت حق کے درمیان حجاب ہوتا ہے۔ اسی لیے جنت میں جبکہ اس کی پرنائی قوی کر دی جائے گی تو وہاں ہر جنتی حق تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ کی تصریح کے مطابق اہل سنت و الجماعت کا مذہب ہے۔

یہ قانون جو آیت مذکورہ میں ارشاد ہے، دنیا کے متعلق ہے کہ دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ سے کلام مشافہا یعنی بے حجاب نہیں کر سکتا۔ اور انسان کی تخصیص کلام میں اس لیے ہے کہ گفتگو انسان ہی کے متعلق تھی۔ ورنہ ظاہر یہ ہے کہ فرشتوں سے بھی اللہ تعالیٰ کا کلام بالمشافہتہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ترمذی کی روایت میں جبرائیل علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں بہت قریب ہو گیا تھا اور پھر بھی ستر ہزار حجاب رہ گئے تھے۔ اور شب معراج میں رسول اللہ ﷺ کا حق تعالیٰ سے بالمشافہتہ کلام اگر ثابت ہو جائے جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے تو وہ اس کے منافی نہیں، کیونکہ وہ کلام اس عالم میں نہیں تھا، عالم سموات میں تھا۔ واللہ اعلم۔

تیسری صورت:

اَوْ يُوسِلَ رَسُوْلًا ۙ ہے۔ یعنی کسی فرشتہ جبرائیل وغیرہ کو اپنا کلام دے کر بھیجا جائے وہ رسول کو پڑھ کر سنا دے۔ اور یہی طریقہ عام ہے، قرآن مجید پورا اسی طرح بواسطہ ملائکہ نازل ہوا ہے۔ مذکورہ تفصیل میں لفظ وحی کو صرف القاء فی القلب کے معنی میں لیا گیا ہے مگر اکثر یہ لفظ تمام اقسام کلام ربانی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک طویل حدیث میں جو وحی آتی ہے اس کی بھی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی تو فرشتہ اپنی اصل ہیئت میں ہوتا ہے کبھی بشکل انسانی سامنے آتا ہے۔ واللہ سبحانہ، وتعالیٰ اعلم۔

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اٰمِرِنَا ۗ.....

یہ آیت پہلی ہی آیت کے مضمون کا تکملہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں بالمشافہتہ کلام تو کسی کا نہ ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں پر اپنی وحی بھیجتے ہیں جس کے تین طریقے پہلی آیت میں بیان ہوئے۔ اسی سنت الہیہ کے مطابق آپ پر بھی وحی بھیجی جاتی ہے۔ یہودیوں کا یہ مطالبہ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے بالمشافہتہ کیوں مخاطب نہیں ہوتے محض جاہلانہ اور معاندانہ ہے۔ اس لیے یہ فرمایا کہ کسی انسان کو یہاں تک کہ کسی رسول کو جو کچھ بھی علم ملتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا عطیہ ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی ان کو یہ نہ بتلا دیں تو انہیں کسی کتاب کی واقفیت ہو سکتی ہے نہ تفصیلات ایمان کی کتاب کی واقفیت قبل وحی نہ ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ ایمان سے واقفیت نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ایمان کی تفصیلات اور شرائع ایمان یا ایمان کا اعلیٰ مقام جو بعد وحی حاصل ہوتا ہے، وحی سے پہلے اس کی واقفیت نہیں ہوتی۔ ورنہ باجماع امت یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ جس انسان کو اپنا رسول و نبی بناتے ہیں اس کو ابتداء ہی سے ایمان پر پیدا فرماتے ہیں۔ ان کی فطرت ایمان پر مبنی ہوتی ہے۔ عطاء نبوت اور نزول وحی سے پہلے بھی وہ بچے مؤمن ہوتے ہیں۔ اصول ایمان ان کی فطرت و خلقت میں داخل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام سے جب ان کی قوموں نے مخالفت کی تو ان پر طرح طرح کے الزام لگائے مگر کسی پیغمبر پر کسی امت نے یہ الزام نہیں لگایا کہ تم بھی تو نبوت کے دعوے سے پہلے ہماری طرح بتوں کو پوجا کرتے تھے۔ قرطبی نے اپنی تفسیر میں اور قاضی میاض نے خطا میں اس مضمون کو پوری تفصیل سے لکھا ہے۔

سُورَةُ الشُّجُرَاتِ

سُورَةُ الشُّجُرَاتِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰیَاتُهَا ۸۹ رُكُوْعَاتُهَا ۷

سورة شجرہ مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی نوایں آیتیں ہیں اور سات رکوع

حَمْدٌ ۙ اِنَّهُ اعْلَمُ بِمَرَادِهِۦ وَ الْكِتٰبِ الْقُرْآنِ الْبَيِّنِ ۙ الْمُظْهِرِ طَرِيقِ الْهُدٰى وَمَا يَخْتٰجُ اِلَيْهِ مِنَ الشَّرِيعَةِ
اِنَّا جَعَلْنٰهُ اَوْ جَدْنَا الْكِتٰبَ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا ۙ بِلُغَةِ الْعَرَبِ لَعَلَّكُمْ يَافْهَمُوْنَ ۙ تَفْهَمُوْنَ مَعَانِيَهٗ وَ
اِنَّهُ مُشَبَّهٌ فِىْ اَمْرِ الْكِتٰبِ اَصْلُ الْكِتٰبِ اَبِي اللُّوْحِ الْمَحْفُوْظِ لَدَيْنَا ۙ بَدَلٌ عِنْدَنَا لَعَلَّ عَلَى الْكِتٰبِ قَبْلَهُ
حَكِيْمٌ ۙ ذُو حِكْمَةٍ بَالِغَةٍ اَنْضَبُ نُمِسِكُ عَنْكُمْ الذِّكْرَ الْقُرْآنَ صَفْحًا اِمْسَاكَ كَا فَلَآ تُؤْمِرُوْنَ وَلَا تَنْهَوْنَ
لَا حِلَّ اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۙ وَ كَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِى الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَمَا كَانَ يَأْتِيهِمْ اَتَاھُمْ مِنْ نَّبِيٍّ اِلَّا
كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۙ كَا سْتَهْزِءُ قَوْمِكَ بِكَ وَ هٰذَا تَسْلِيَةٌ لَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاهْلِكْنَا اَشَدَّ مِنْھُمْ
مِنْ قَوْمِكَ بَطْشًا قُوَّةً وَ مَضٰى سَبَقَ فِىْ اٰیٰتِ مَثَلِ الْاَوَّلِيْنَ ۙ صِفَتْھُمْ فِى الْاَهْلَاكِ فَعَاقِبَةُ قَوْمِكَ
كَذٰلِكَ وَ لٰكِنْ لَّا تَمُ قَسَمَ سَالَتْھُمْ فَمَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لِيَقُوْلُنَّ حٰذِفٌ مِنْهُ نُوْنُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي التَّنُوٰتِ
وَ اَوَّ الصِّمْرِ لِاَلْبِقَاءِ السَّاكِنِيْنَ ۙ خَلَقْتَنَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۙ اَخْرَجُوْا بِھُمْ اَيُّ اللّٰهُ ذُو الْعِزَّةِ وَالْعِلْمِ زَادَ تَعَالٰى
الَّذِى جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا ۙ فِرَاشًا كَالْمُهْدِ لِلصَّبِيِّ وَ جَعَلَ لَكُمُ فِيْھَا سُبُلًا ۙ طَرُقًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۙ اِلَى
مَقٰصِدِكُمْ فِى اَسْفَارِكُمْ وَ الَّذِى نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً بِقَدَرٍ ۙ اٰى بِقَدْرِ حَاجَتِكُمْ اِلَيْهٖ وَ لَمْ يَنْزِلْهُ طَرَفَانَا
كَانَشَرْنَا اَحْيَيْنَا بِهٖ بِلَدَّةٍ مَّيْتًا ۙ كَذٰلِكَ اٰى مِثْلُ هٰذَا الْاَحْيَاءِ تُخْرَجُوْنَ ۙ مِنْ قُبُوْرِكُمْ اَحْيَاءٌ وَ الَّذِى خَلَقَ
الْاَنْوَاجَ الْاَصْنَافَ كُلَّھَا وَ جَعَلَ لَكُمُ مِنَ الْفَلَکِ السُّفُنَ وَالْاَنْعَامَ ۙ كَالْاِبِلِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۙ حٰذِفُ الْعَايِدِ

اِخْتِصَارًا وَهُوَ سَجُورٌ فِي الْأَوَّلِ أَي فِيهِ مَنْصُوبٌ فِي الثَّانِي لِيَسْتَوِيَ لِيَسْتَقِرُّ وَعَلَى طَهْوَرِهِ ذِكْرُ الضَّمِيرِ
 وَجُمِعَ نَظْرُ اللَّفْظِ مَا وَمَعْنَاهَا ثُمَّ تَذَكَّرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا
 وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿١٠﴾ مُطِيعِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَنَسْقِلُونَ ﴿١١﴾ لِمَنْصُرِفُونَ وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا حَيْثُ
 قَالُوا الْمَلِكَةُ بَنَاتُ اللَّهِ لِأَنَّ الْوَلَدَ جُزْءُ الْوَالِدِ وَالْمَلِكَةُ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ إِنَّ الْإِنْسَانَ الْقَبْلُ ذَلِكَ لَكُفُورٌ
 مُبِينٌ ﴿١٢﴾ بَيْنَ ظَاهِرِ الْكُفْرِ أَوْ بِمَعْنَى هَمْزَةِ الْإِنْكَارِ وَالْقَوْلُ مُقَدَّرٌ أَي اتَّقُولُونَ اتَّخَذْنَا مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ
 لِنَفْسِهِ وَأَصْفَكُمْ أَخْلَصَكُمْ بِالْبَيْنِ ﴿١٣﴾ الْأَلَزَامُ مِنْ قَوْلِكُمْ السَّابِقِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْمُتَكَبَّرِ وَإِذَا بُشِّرَ
 أَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا جَعَلَ لَهُ شَيْبًا يَنْسِبُ الْبَنَاتِ إِلَيْهِ لِأَنَّ الْوَلَدَ يَنْسَبُ الْوَالِدَ الْمَعْنَى إِذَا أَخْبِرَ
 أَحَدُهُمْ بِالْبِنْتِ تَوَلَدَ لَهُ ذَلِكَ صَارَ وَجْهَهُ مُسْوَدًّا مُتَغَيِّرًا تَغَيَّرَ مُعْتَمٌ وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿١٤﴾ مُشْتَلًى غَمًّا فَكَيْفَ
 يُنْسَبُ الْبَنَاتُ إِلَيْهِ تَعَالَى عَنْ ذَلِكَ أَوْ هَمْزَةُ الْإِنْكَارِ وَوَأُولَ الْعُطْفِ لِجُمْلَةِ أَي يَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَنْ يُنْشَأُ
 أَي يُرَبِّي فِي الْجِلْيَةِ الزَّيْنَةَ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ عَلَيْهِ مُبِينٌ ﴿١٥﴾ مَظْهَرُ الْحُجَّةِ لِيُضَعِّفَ عَنْهَا بِالْأَثَرِ وَجَعَلُوا
 الْمَلِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبْدُ الرَّحْمَنِ إِنَّا أَنَا أَشْهَدُوا حَضَرُوا خَلَقَهُمْ سَتَكْتُبُ شَهَادَتَهُمْ بِأَنَّهُمْ إِنَاتٌ وَ
 يُسْأَلُونَ ﴿١٦﴾ عَنْهَا فِي الْآخِرَةِ فَيَتَرْتَّبُ عَلَيْهَا الْعِقَابُ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ أَي الْمَلِكَةَ
 فَعِبَادَتُنَا يَا هُمْ بِمَشِيئَتِهِ فَهَوَاضٍ بِهَا قَالَ تَعَالَى مَا لَهُمْ بِذَلِكَ الْعَمُورِ مِنَ الرِّضَا بِعِبَادَتِهَا مِنْ عِلْمٍ إِنَّ
 مَا لِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿١٧﴾ يَكْذِبُونَ فِيهِ فَيَتَرْتَّبُ عَلَيْهِمُ الْعِقَابُ بِهِ أَمْ أَتَيْنَهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ أَي الْقُرْآنَ
 بِعِبَادَةِ غَيْرِ اللَّهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَسْبِحُونَ ﴿١٨﴾ أَي لَمْ يَقَعْ ذَلِكَ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ مِلَّةٍ وَإِنَّا
 مَا شُورُنَّ عَلَى آلِهِمْ مُهْتَدُونَ ﴿١٩﴾ بِهِمْ وَكَانُوا يَعْبُدُونَ غَيْرَ اللَّهِ وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ
 إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا أَتُنَبِّئُهُمْ بِمَا قَوْلُ قَوْمِكِ إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ مِلَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آلِهِمْ مُقْتَدُونَ ﴿٢٠﴾ مُتَّبِعُونَ
 قَالَ لَهُمْ اتَّبِعُوا ذَلِكَ قُلْ أَوْ لَوْ جِئْتُمْ بِأَهْدَى مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ أَنتُمْ وَمَنْ
 قَبْلَكَ كُفْرُونَ ﴿٢١﴾ قَالَ تَعَالَى تَخْرِيفًا لَهُمْ فَاتَّقِنَا مِنْهُمْ أَي مِنَ الْمَكْذِبِينَ لِلرُّسُلِ قَبْلَكَ فَانظُرْ كَيْفَ

تو بچھڑنا: سورہ زخرف کی ہے اور کہا گیا ہے کہ آیت ”وَسُئِلَ مَنْ أَرْسَلْنَاكَ“ کی نہیں ہے اس میں تو اسی آیتیں ہیں۔
 ختم ۱ اس سے اللہ ہی اپنی مراد کو بہتر جانتا ہے قسم ہے اسکی کتاب قرآن کی جو ہدایت کے راستوں کو اور اس شریعت کو جس کی
 (انسان) کو ضرورت ہے ظاہر کر دینے والی ہے کہ ہم نے اس کو کر دیا ہے کتاب کو موجود عربی زبان لغت عرب میں تاکہ تم مکہ
 والو سمجھ سکو اس کی مرادات اور ثابت ہے بنیادی اصل کتاب یعنی لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے یہ بدل ہے بمعنی عندا بلند
 رتبہ ہے پچھلی کتابوں پر حکمت بھری انتہائی حکمت والی ہے کیا ہم تم سے ہٹالیں گے روک لیں گے اس نصیحت قرآن کو کہ نہ
 تمہیں کوئی حکم دیا جائے اور نہ تمہیں کسی چیز کی ممانعت کی جائے محض اس لئے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو اور کتنے پیغمبر ہم
 پچھلے لوگوں میں بھیجے رہے اور کوئی نبی ان کے پاس ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انھوں نے ٹھٹھانہ کیا ہو جیسے آپ کی قوم آپ کا
 ٹھٹھا کر رہی ہے اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے پھر ہم نے ان لوگوں کو غارت کر ڈالا جو ان آپ کی قوم والوں سے
 زیادہ زور آور طاقتور تھے اور ہو چکی ہے آیات میں گزر چکی ہے پہلے لوگوں کی حالت تباہی کی کیفیت یہی انجام آپ کی قوم کا
 بھی ہو سکتا ہے اور اگر لام قسمیہ ہے آپ ان سے پوچھیں کہ زمین و آسمان کس نے پیدا کئے؟ ضرور یہی جواب دیں گے
 لَيَقُولُنَّ مِیْن نُّونٍ نُّونٍ نُّونٍ جمع ہو جانے کی وجہ سے حذف کیا گیا اور واؤ ضمیر کو دوسرا کن جمع ہونے کی وجہ سے حذف کیا
 گیا ہے کہ ان کو زبردست جاننے والے نے پیدا کیا ہے یہاں تک ان کا جواب پورا ہو گیا، مراد اس سے اللہ ہے جو ذی عزت،
 ذی علم ہے آ کے حق تعالیٰ اضافہ فرما رہے ہیں جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا جیسے بچہ کے لیے جھولا اور پالنا ہوتا ہے
 اور اس میں تمہارے لیے اس نے راستے بنا دے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو سفر میں ہو جو تمہارے مقاصد ہوں اور جس
 نے آسمان سے پانی ایک خاص انداز سے برسایا یعنی تمہاری ضرورتوں کے مطابق بارش ہوتی ہے طوفانی صورت میں نہیں پھر
 ہم نے اُگایا، پیداوار کر دی اس کے ذریعہ مردہ زمین کو اسی طرح یعنی جلانے کی طرح تم نکالے جاؤ گے اپنی قبروں میں سے
 زندہ کر کے اور جس نے تمام اقسام منغیس بنائیں اور تمہارے سنے وہ کشتیاں اور چوپائے جیسے اونٹ بنائے جن پر تم سوار
 ہوتے ہو اس میں اختصار کے طور پر عائد کو حذف کر دیا گیا ہے اور وہ پہلے لفظ میں مجرور یعنی فیہ ہے اور دوسرے لفظ
 میں منصوب ہے تاکہ تم اس کی پیٹھ پر جم کر مضبوطی سے بیٹھو ضمیر کو مذکر اور لفظ ظہر کی جمع مایا گیا ماکہ لفظ اور معنی کی رعایت کرتے
 ہوئے پھر جب تم اس پر بیٹھ چکو تو اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو اور یوں کہو کہ اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں
 کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے طاقتور نہ تھے جو ان کو قابو میں کر لیتے اور ہم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے
 اور ان لوگوں نے خدا کے بندوں میں سے خدا کا جز ٹھہرا دیا چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور بیٹا باپ کا جز ہی ہوتا
 ہے حالانکہ فرشتے خدا کے بندے ہیں واقعی انسان جس کا عقیدہ یہ ہو صریحاً شکر ہے جس کا کفر واضح ہے کیا ہمزہ انکار کے معنی
 میں ہے اور قول مقدر ہے یعنی اتقولون خدا نے پسند کیں اپنے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے خاص انتخاب کئے بیٹے
 جو تمہارے پہلے قول سے لازم آ رہا ہے اس لیے یہ بات بھی قول رد ہے حالانکہ جب تم میں سے کسی کو خوشخبری دی جاتی ہے اس

چیز کے ہونے کی جس کو خدائے رحمان کے لیے نمونہ بنا رکھا ہے اللہ کے لیے لڑکیوں کو تجویز کرنا نمونہ ماننا ہے کیونکہ اولاد باپ کا نمونہ ہوتی ہے حاصل یہ کہ جب تم میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے سارے دن اس کا چہرہ رونق خم کے مارے کالا رہتا ہے اور دل ہی میں کڑھتا رہتا ہے غم سے گھٹتا ہے پھر خدا کی طرف نسبت کرنا کیسا ہے جب کہ وہ نفس اولاد ہی سے پاک کیا ہمزہ انکار ہے اور واؤ جملہ کے عطف کے لیے ہے یعنی بجعلون لله جو کہ پرورش پائے پلے آرائش زیب و زینت میں اور مباحثہ میں قوت بیانیہ نہ رکھے صنف نازک ہونے کی وجہ سے دلیل کے اظہار میں کمزور ہو اور انہوں نے فرشتوں کو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے کیا جو لوگ موجود حاضر تھے فرشتوں کی پیدائش کے وقت انکا یہ دعویٰ لکھ لیا ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور ان سے باز پرس ہوگی اس کے متعلق آخرت میں چنانچہ اس پر سزا ہوگی اور وہ لوگ یوں کہتے ہیں اگر چاہتا اللہ تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے یعنی فرشتوں کی لہذا ہمارا فرشتوں کی بندگی کرنا اللہ کے ارادہ سے ہے تو اس کی مرضی سے بھی ہوا فرماتے ہیں ان کو اس کی اپنے پرستش کرنے کو اللہ کو رضامندی کی دلیل کرنا کچھ تحقیق نہیں ہے یہ محض بے تحقیق بات ہے غلط بات کہہ رہے ہیں لہذا اس کی سزا پائیں گے کیا ہم نے ان کو اس قرآن سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے غیر اللہ کی پرستش کے متعلق کہ یہ اس سے استدلال کر رہے ہیں یعنی ایسے نہیں ہوا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ دستور پر پایا ہے اور ہم انہیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں چنانچہ پہلے لوگ غیر اللہ کی پرستش کیا کرتے تھے اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے (مالداروں نے) جیسے آپ کی قوم کے لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ دستور پر پایا ہے اور ہم بھی انہیں کے پیچھے پیچھے ہیروئی میں چل رہے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے پھر بھی تم ہیروئی ہی کرتے رہو گے اگرچہ میں اس سے بہتر طریقہ تمہارے پاس لے کر آیا ہوں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہو وہ کہنے لگے کہ جس پیغام کو دے کر تمہیں اور تم سے پچھلوں کو بھیجا گیا ہے ہم اس کو مانتے ہی نہیں حق تعالیٰ ان کو دھمکاتے ہوئے فرماتے ہیں سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا جو آپ سے پہلے پیغمبروں کو جھٹلانے والے تھے سو دیکھئے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: **أَوْ جَدْنَا**: احکام شریعت کے اعتبار سے کہانہ کہ قرآنیت کے اعتبار سے۔

قولہ: **فِي آيَةِ الْكِتَابِ**: اس کا تعلق علی سے ہے۔

قولہ: **بَدَلٌ**: بدل کو مبدل منہ سے مقدم کر سکتے ہیں، جب کہ وہ طرف ہو۔

قولہ: **تَلَقَّنَا حِكِيمَةً**: یہ ان کی خبریں ہیں۔

قولہ: **مَفْعًا**: یہ غیر لفظ سے مصدر سے ہے۔

قولہ: **زَادَ تَعَالَى**: ان کا پہلا مقولہ العلیم ہے اور دوسرا مقولہ الذی جعل۔۔۔ الایہ ہے۔ اور اس کا مابعد اللہ تعالیٰ کی

طرف سے وصف بیان کیا گیا۔

قولہ: مَا تَزْكُرُونَ: اس میں ضمیر عامکہ محذوف ہے ای تر کبونہ۔

قولہ: فیه: یہ منصوب ہے جب رکوب کا مفعول دابہ ہو تو بلا واسطہ متعدی ہو جاتا ہے اور جب کشتی ہو تو فی سے متعدی ہوتا ہے۔

قولہ: مقرنین: یہ اقرن سے زبردستی ساٹھی بنایا۔

قولہ: القول السابق: کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

قولہ: جعل له شبها: جعل کا پہلا مفعول محذوف ہے اور جعل ہ ضرب کی تفسیر ہے اور اس کی لہ ضمیر رحمان کی طرف لوٹتی ہے

اور شبہا یہ مثلاً کی تفسیر ہے اور بالنسبة یہ جعل سے متعلق ہے۔

قولہ: یحملہ: یعنی اس کا تعلق جملہ سے ہے۔

قولہ: علی امة: طریقہ یا ملت کے معنی میں ہے۔

قولہ: ما ارسلنا: یہ جملہ استیناف کے لیے ہے۔

تفسیر مقبولین

سورۃ زخرف بھی کئی سورتوں میں ہے، اور کئی آیات و سورتوں کی طرح اس کے مضامین بھی بالعموم توحید و رسالت کے دلائل پر مشتمل ہیں، اور شرک کی دلائل عقل و فطرت سے تردید کی گئی، اس کی نو اسی آیات اور سات رکوع ہیں۔

گزشتہ سورۃ شوریٰ کی ابتداء اثبات وحی سے تھی اور اسی پر اس کی انتہاء بھی ہوئی کہ رسالت و نبوت کو ثابت کرتے ہوئے وحی الہی کی قسموں کی تحقیق و تفصیل بیان فرمائی گئی، اب اس سورت کی ابتداء سورۃ سابقہ کی نہایت کے ساتھ مربوط ہے کہ ابتداء سورت میں کتاب الہی کی عظمت بیان کی جا رہی ہے کہ وہ کتاب مبین ہے اور قرآن کریم کلام عربی ہے جس کے عربی ہونے کی وجہ سے اہل عرب اسکے اعجاز و حقانیت کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور اس طرح ان کو قرآن کریم پر ایمان لانے اور اس کو کلام الہی ماننے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہئے۔

حَمْدٌ ۙ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۙ

اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَمْدٌ ۙ قسم ہے وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۙ دوسری قسم ہے، اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ جس کی چاہے قسم اٹھائے اس کا جواب قسم اِنَّا جَعَلْنَاهُ ۙ ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے وَالْكِتَابِ کا جواب حَمْدٌ ۙ کو بنایا جس طرح تو کہتا ہے: نزل والله، و جب والله تو اس نے وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۙ پر وقف کیا ہے، جس نے جواب قسم اِنَّا جَعَلْنَاهُ ۙ کو بنایا ہے اس نے وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۙ پر وقف نہیں کیا۔ جَعَلْنَاهُ کا معنی ہے ہم نے اس کا نام رکھا اور ہم نے اس کی صفت بیان کی۔ اسی وجہ سے یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحْرَةٍ (المائدہ: ۱۰۲) سدی نے کہا: ہم نے اسے نازل کیا ہے جو قرآن ہے۔ مجاہد نے کہا: ہم نے یہ کہا۔ زجاج اور

سفیان ثوری نے کہا: ہم نے اسے بیان کیا۔ عربیہ ہم نے اسے عربوں کی زبان میں نازل کیا کیونکہ ہر نبی کی کتاب اس کی قوم کی زبان میں نازل کی گئی (۲) یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء نے کہا: مقاتل نے کہا: آسمان والوں کی زبان عربی ہے (۳) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو انبیاء پر نازل کی گئیں کیونکہ کتاب اسم جنس ہے گویا جتنی بھی کتابیں نازل کی گئیں ان کی قسم اٹھائی کہ اس نے قرآن کو عربی بنا یا جعلنہ میں ضمیر قرآن کے لیے ہے اگرچہ اس سورت میں اس کا پہلے ذکر نہیں ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: انا انزلنہ فی لیلۃ القدر۔ لعلکم تعقلون۔ تاکہ تم اس کے احکام اور اس کے معانی کو سمجھو۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ عربوں کے لیے خاص ہوگا عجیبوں کے لیے نہیں ہوگا (۴) یہ ابن عباس کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: معنی ہے تاکہ تم سوچ و بچار کرو۔ اس تعبیر کی بنا پر عربوں اور عجیبوں سب کے لیے عام ہوگا۔ کتاب کی صفت مبین سے لگائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے احکام اور فرائض کو بیان فرمایا ہے جس طرح کئی مواقع پر یہ بحث گزر چکی ہے۔

قرآن کی قسم کھائی جو واضح ہے جس کے معانی روشن ہیں:

جس کے الفاظ نورانی ہیں جو سب سے زیادہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل ہوا ہے یہ اس لیے کہ لوگ سوچیں سمجھیں اور وعظ و پند فیہ صحت و عبرت حاصل کریں ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے جیسے اور جگہ ہے عربی واضح زبان میں اسے نازل فرمایا ہے، اس کی شرافت و مرتبت جو عالم بالا میں ہے اسے بیان فرمایا تاکہ زمین والے اس کی منزلت و توقیر معلوم کر لیں۔ فرمایا کہ یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے (لَدَيْنَا) سے مراد ہمارے پاس (لَعَلَّيْكُمْ) سے مراد مرتبے والا عزت والا شرافت اور فضیلت والا ہے۔ (حکیم) سے مراد (محکم) مضبوط جو باطل کے ملنے اور ناحق سے خلط ملط ہو جانے سے پاک ہے اور آیت میں اس پاک کلام کی بزرگی کا بیان ان الفاظ میں ہے: (إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ) (الواقف: ۷۷) اور جگہ ہے: كَلَّمَآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ (یس: ۱۱) یعنی یہ قرآن کریم لوح محفوظ میں درج ہے اسے بجز پاک فرشتوں کے اور کوئی ہاتھ لگا نہیں پاتا یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے اور فرمایا قرآن نصیحت کی چیز ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرے وہ ایسے صحیفوں میں سے ہے جو معزز ہیں بلند مرتبہ ہیں اور مقدس ہیں جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں جو ذی عزت اور پاک ہیں ان دونوں آجوں سے علماء نے استنباط کیا ہے کہ بے وضو قرآن کریم کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے جیسے کہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے بشرطیکہ وہ صحیح ثابت ہو جائے۔ اس لیے کہ عالم بالا میں فرشتے اس کتاب کی عزت و تعظیم کرتے ہیں جس میں یہ قرآن لکھا ہوا ہے۔ پس اس عالم میں ہمیں بطور اولیٰ اسکی بہت زیادہ تکریم و تعظیم کرنی چاہیے کیونکہ یہ زمین والوں کی طرف ہی بھیجا گیا ہے اور اس کا خطاب انہی سے ہے تو انہیں اس کی بہت زیادہ تعظیم اور ادب کرنا چاہیے اور ساتھ ہی اس کے احکام کو تسلیم کر کے ان پر عامل بن جانا چاہیے کیونکہ رب کا فرمان ہے کہ یہ ہمارے ہاں ام الکتاب میں ہے اور بلند پایہ اور باحکمت ہے اس کے بعد کی آیت کے ایک معنی تو یہ کئے گئے ہیں کہ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ باوجود اطاعت گزاری اور فرمانبرداری نہ کرنے کے ہم تم کو چھوڑ دیں گے اور تمہیں عذاب نہ کریں گے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس امت کے پہلے گزرنے والوں نے جب اس قرآن کو

شرکین عرب بھی مانتے تھے۔ جیسا کہ قرآن پاک جا بجا اس کی تصریح کرتا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ قطعی طور پر مشرک تھے۔ پس ضروری ہے کہ اللہ پاک کی وحدانیت کے اقرار کے ساتھ ساتھ مخلوق سے ہر قسم کی صفت الوہیت کا انکار بھی کیا جائے۔ کہ اس وحدہ لاشریک کے سوانہ کوئی حاجت روائ، نہ مشکل کشا۔ نہ کسی کے لیے دست بستہ قیام جائز اور نہ رکوع و سجود۔ نہ کسی کے گرد طواف کرنا، چکر لگانا اور پھیرے ماننا اور نہ کسی کے نام کی نذر و نیاز دینا کہ یہ سب مختلف شکلیں اور قسمیں ہیں عبادت کی۔ اور عبادت و بندگی کی ہر شکل اور ہر قسم کا حق دار وہی وحدہ لاشریک ہے جو کہ سب کا خالق و مالک اور معبود برحق ہے۔ مگر اس کے باوجود آج کا کلمہ گو مشرک ایمان و یقین کا دعویٰ کرنے اور توحید کا دم بھرنے کے باوصف طرح طرح کی شکایات میں مبتلا ہے۔ غیر اللہ کے لیے سجدے ہو رہے ہیں۔ طواف کئے جا رہے ہیں۔ اور ان کو حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے غائبانہ پکارا جا رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور دوسری بات یہاں سے یہ معلوم ہوئی کہ۔ {إِذْ نَسُوا لَكُمْ بَرَآءَتِ الْعَالَمِينَ} کا وہ مطلب نہیں جو اہل بدعت کے بعض بڑوں نے لیا ہے۔ کیونکہ مشرکین اپنے خود ساختہ معبودوں کو من کل الوجوه اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے جیسا کہ قرآن تصریح کرتا ہے۔ پس اہل بدعت کے مغالطے بے بنیاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ زلف و ضلال کے ہر شاہے سے اپنا پناہ میں رکھے۔ آمین۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا

زمین کے عظیم الشان بچھونے میں سامان غور و فکر:

ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے زمین کو تمہارے لیے ایک عظیم الشان بچھونا بنایا۔ ایک ایسا عظیم الشان اور بے مثال قسم کا بچھونا جو اس کی بے حد و حساب اور گونا گوں مخلوق اور اس مخلوق کی لاتعداد بے شمار ضروریات کے لیے کفایت کرتا ہے۔ جبکہ تمہارے بنائے ہوئے بچھونے اے لوگو! ہر طرح کے تکلفات کے باوجود بمشکل چند آدمیوں کے لیے کافی ہو سکتے ہیں اور وہ بھی ایک محدود دائرے میں۔ پس مہدٰ کی توہین تعظیم کے لیے ہے اور اس میں اس طرح کے عظیم الشان مطالب و مضامین کے دفتروں کے دفتر مخفی و مستور ہیں۔ فسبحان اللہ والحمد للہ رب العالمین۔ سو اس ارشاد ربانی میں یہ تعلیم و تلقین ہے کہ انسان اگر چار سو پھلی بکھری اس عظیم الشان کائنات اور اپنے پاؤں تلے کبھی زمین کے اس عظیم الشان بچھونے ہی میں صحیح طور سے غور و فکر کر لے تو اس کو اس میں حضرت خالق۔ جل مجدہ۔ کی قدرت مطلقہ، حکمت بالغہ، رحمت شاملہ اور عنایت کاملہ کے عظیم الشان مظاہر نظر آئیں گے۔ اور ایسے کہ وہ بے ساختہ پکار اٹھے گا۔ {رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ} (آل عمران: 191) سو کائنات کی اس کھلی کتاب کے ان عظیم الشان مظاہر میں غور و فکر سے کام لینے والوں کیلئے اس کے خالق و مالک کی قدرت و حکمت، اس کی وحدانیت و یکتائی اور عقیدہ قیامت و آخرت کی صداقت و حقانیت کے عظیم الشان دلائل ملیں گے {وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّمُؤْمِنِينَ} (الذاریات: 20) مگر مشکلوں کی مشکل یہ ہے کہ غفلت کا مارا انسان اس بارے غور و فکر سے کام لیتا ہی نہیں۔ وہ حیوانوں کی طرح اس سے طرح طرح کے فائدے تو اٹھاتا ہے اور لگاتار مسلسل اٹھاتا ہے لیکن اس بارے سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ یہ سب کچھ آخر کیا دھرا کس کا ہے؟ سو وہی

ہے اللہ وحدہ لا شریک جو کہ معبود برحق ہے۔

وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ

زمین کے اندر پائے جانے والے راستوں میں سامان غور و فکر:

اسی نے رکھ دیے اس زمین کے اندر طرح طرح کے عظیم الشان راستے تاکہ تم لوگ ہدایت و راہنمائی حاصل کر سکو۔ یعنی تاکہ تم ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ملک سے دوسرے ملک جانے کے لیے راستے پاسکو۔ اور اس عظیم الشان بے مثال انتظام کو دیکھ کر تم لوگ اپنے خالق و مالک کی معرفت اور اس پر ایمان اور ہدایت کی راہ پاسکو کہ کس قدر رحیم و کریم و ہاب و قدر اور منعم و مہربان ہے ہمارا وہ رب جس نے ہمارے لیے طرح طرح کی ان عظیم الشان نعمتوں کو اس قدر وسعت و کشائش اور بے مثال حکمت و عنایت سے اس طرح پھیلا دیا۔ اور ہماری طرف سے کسی اپیل و درخواست کے بغیر از خود محض اپنی شان کریمی سے ہمیں ان سے سرفراز فرما دیا۔ اور ہمیں سے تم لوگ یہ بھی سوچو کہ اس کی معرفت اور اس کی عبادت و بندگی کا کس قدر بڑا اور عظیم الشان حق ہم پر عائد ہوتا ہے۔ سو کتنے ظالم اور کس قدر بے انصاف ہیں وہ لوگ جو اس رب کریم کو بھول کر اور اس سے منہ موڑ کر۔ غیروں کے آگے جھکتے اور طرح طرح کی بے حقیقت ہستیوں اور خود ساختہ اور فرضی سرکاروں کی پوجا پاٹ کی ذلت اٹھاتے ہیں۔ بہر کیف اگر تم لوگ صحیح طور پر غور و فکر سے کام لو تو تمہیں زمین کے اندر پائے جانے والے طرح طرح کے ان عظیم الشان نشانہائے قدرت سے راہ حق و ہدایت نصیب ہو سکتی ہے اور تم دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہو سکتے ہو۔

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ ۝

پانی کی نعمت میں غور و فکر کی دعوت و تحریک:

اور اس نے آسمان سے پانی اتارا ایک خاص اندازے کے ساتھ۔ یعنی تمہاری ضروریات و حاجات کے عین مطابق۔ نہ اتنا کم کہ تمہاری ضرورتوں کے لیے کفایت نہ کر سکے اور نہ اتنا زیادہ کہ تمہیں غرق کر دے اور طوفان نوح کی طرح تمہاری بلاکت و بربادی کا باعث بن جائے۔ فالحمد لله رب العالمین، سو آسمان سے پانی کے اس جوہر حیات آفریں کا اس طرح اتارنا اور ایک نہایت ہی معقول اور مناسب اندازے اور مقدار میں نازل ہونا کوئی بخت و اتفاق یا محض ہوا اور موسیٰ حالات کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ یہ ایک خدائے عزیز و عظیم اور قدیر و حکیم کی تقدیر اور اس کی نہایت ہی پر حکمت منصوبہ بندی کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ سو یہ کتنی بے انصافی اور ناتقدیری ہے کہ انسان ظواہر و مظاہر میں انک کر اور الجھ کر اسی خدائے رحمن و رحیم، عزیز و عظیم اور خیر و قدیر کو بھول جائے اور اس کی بجائے اس کی اس پر حکمت کا نجات کے مختلف مظاہر ہی کو پوجنے لگے۔ کسی نے سورج کو اپنا معبود بنا لیا اور کسی نے جل پوجا کے نام سے پانی کی پوجا کے ظلم کا ارتکاب کیا اور کسی نے کسی اور ایری غیر مخلوق کی پوجا کی ذلت اٹھائی اور اپنی بربادی کا سامان کیا۔

مردہ زمین کو زندہ کرنے میں سامان غور و فکر:

پھر اسی پانی کے ذریعے ہم ہی نے جلا اٹھایا مردہ۔ ویران۔ پڑی زمین کو۔ اپنی قدرت کاملہ، حکمت بالغہ اور عنایت شاملہ سے۔ تو جو خالق کل اور مالک مطلق تمہاری جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اس طرح ظاہری اور حسی بارش کا انتظام فرماتا ہے اور اس کے ذریعے وہ مردہ پڑی زمین کو زندہ فرماتا ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری روحانی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ہدایت و ارشاد کی معنوی اور روحانی بارش کا کوئی انتظام نہ فرمائے؟ اور تمہارے دلوں کی کھیتوں کی سرسبزی و شادابی کا بندوبست نہ کرے؟ جبکہ جسم و جان کے اس مرکب میں اصل چیز تو قلب و روح ہی ہے۔ جسم تو بس اس کے لیے ایک سواری اور مرکب ہے۔ سو اس ربِّ رحمن و رحیم نے تمہاری ہدایت و راہنمائی کیلئے نہایت ہی عظیم الشان انتظام فرمایا ہے کہ ایک طرف تو اس نے تمہارے سامنے کائنات کی اس کھلی کتاب کو نہایت ہی پر حکمت طریقے سے سجا کر رکھ دیا ہے جس میں حق اور حقیقت کو روشن کرنے والے عظیم الشان درہمائے عبرت و بصیرت ہر چہار سو پھیلائے ہیں۔ اور اس طور پر کہ وہ اپنی زبان حال سے پکار پکار کر دعوت غور و فکر دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف تمہارے خالق و مالک ربِّ عظیم و قدیر نے تمہیں عقل و بصیرت کی اس عظیم الشان اور بے مثال روشنی سے نوازا اور سرفراز فرمایا جو ایک عظیم الشان اور بے مثال روشنی ہے۔ جس سے کام لیکر تم لوگ راہ حق و ہدایت کو پا اور اپنا سکتے ہو۔ اور تیسری طرف اس نے حضرات انبیاء و رسل کی قدسی صفات ہستیوں کو تمہاری ہدایت و راہنمائی کیلئے اپنا نمائندہ اور رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں جنکی آخری اور کامل شکل قرآن مجید ہے۔ جو سب کتابوں کی جامع، انکے اصولی مضامین و مطالب کی محافظہ نگہبان اور ان کی امین و پاسدار ہے۔ سو اس سب کے باوجود جو لوگ راہ حق و ہدایت سے منہ موڑتے ہیں وہ بڑے ہی محروم اور بد بخت لوگ ہیں۔ اور ان کیلئے اب کسی عذر و معذرت کی کوئی گنجائش نہیں۔ بہر کیف پانی کے ذریعے زمین کو زندہ کرنے کے اس عمل میں عظیم الشان قدرت و حکمت ہے۔

بعث بعد الموت کی تذکیر و یاد دہانی:

اور اسی طرح تم سب لوگوں کو نکالا جائے گا تمہاری قبروں سے۔ یعنی جس طرح کہ اس مردہ زمین سے وہ طرح طرح کی نباتات کو نکالتا ہے اور تم لوگ خود اس کا برابر اور ہمیشہ مشاہدہ کرتے ہو۔ مگر غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ کہ جس قادر مطلق۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ کی قدرت مطلقہ اور حکمت بالغہ سے مردہ زمین اور اس کے اندر کی بے شمار مردہ چیزوں کو زندہ کرنے کا یہ کام ہیہم جاری ہے آخروہ تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے کیوں نہیں اٹھائے گا؟ اور یہ کام آخر اس کیلئے کیوں کر مشکل ہو سکتا ہے؟ سو اس طرح یہاں سے قیاس شرعی کی حجیت کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ یہاں پر مردوں کے قبروں سے نکلنے کو زمین سے نباتات کے نکلنے پر قیاس فرمایا گیا ہے۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ جس طرح ہم پانی کے ذریعے مردہ پڑی ہوئی بے آب و گیاہ زمین کو اس طرح زندہ کر دیتے ہیں کہ وہ لہلہا اٹھتی ہے۔ سو اسی طرح تم لوگوں کو مرنے اور گل سڑ جانے کے بعد دوبارہ اس زمین سے زندہ کر کے اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ بارش کے ذریعے زمین کو زندہ کرنے کا یہ پہلو چونکہ خاص اہمیت

کا حال ہے اس نے اس کو شکم کے سینے سے بیان فرمایا گیا ہے۔ جو اس کے اس پہلو کے اہتمام کو ظاہر کرتا ہے۔ سبحان اللہ! کیا کیا باریکیاں اور لطافتیں اور نزاکتیں اللہ تعالیٰ کے اس کلام مجید میں ہیں۔
وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا

تمہاری سواریوں میں سامان غور و فکر:

اسی نے پیدا فرمائے تمہارے لیے وہ بحری جہاز اور چوپائے جن پر تم لوگ سوار ہوتے ہو۔ تاکہ اس طرح تم لوگ اپنی جوانی و ضروریات کے لیے بحر و بر کے سفر کر سکو۔ اور اس طرح قسما قسم کے فوائد و منافع حاصل کر سکو۔ نیز وہ تمہارے لیے آسنہ چل کر طرح طرح کی ایسی اور سواریاں پیدا فرمائے گا جو ابھی تمہارے علم و ادراک کی گرفت میں بھی نہیں آ سکتیں۔ جیسا کہ سورہ نمل میں ارشاد فرمایا گیا: { وَالْحَمِيلَ وَالْبَيْغَالَ وَالْحَمِيدَ لِتَرْكَبُوَهَا وَرِيثَةَ وَبِخْلِي مَا لَا تَعْلَمُونَ } (النمل: 8) یعنی اللہ پاک نے تمہاری سواری کے لیے گھوڑے، نچر اور گدھے پیدا فرمائے تاکہ تم ان پر سواری بھی کر سکو اور تمہارے لیے زیب و زینت کا سامان بھی ہو سکے۔ اور وہ آئندہ تمہارے لیے وہ کچھ پیدا فرمائے گا جو تم ابھی جان بھی نہیں سکتے۔ سو اس طرح یہ ارشاد بانی تمام جدید ترین سواریوں کو عام اور شامل ہے۔ للہ الحمد رب العالمین۔ سو بحر و بر کی یہ الگ الگ سواریاں جو اس طرح انسان کی طرح طرح کی خدمات انجام دے رہی ہیں، جہاں ایک طرف اس خالق و مالک کی قدرت مطلقہ، حکمت بالغہ اور رحمت شاملہ کی واضح نشانیاں اور کھلے دلائل ہیں، وہیں یہ اس کی توحید اور وحدانیت مطلقہ کا بھی ثبوت ہے کہ یہ سب کچھ ایک ہی ارادہ مطلقہ کی کرشمہ سازی ہے جو یہ سب اشیاء ایسے توفیق کے ساتھ انسان کی خدمت میں محو و مصروف ہیں۔ نیز یہ قیامت کے امکان اور اس کی ضرورت کے واضح دلائل ہیں۔ سو کائنات کی اس کھلی کتاب میں عظیم الشان دلائل موجود ہیں۔

لَتَسْتَوِيَ عَلَى ظُهُورِهِمْ تَذَكُّرًا نِعْمَةً رَبِّكُمْ

(تاکہ تم اچھی طرح ان کی پشتوں پر بیٹھ جاؤ) جب خوب اچھی طرح جم کر جانوروں کی پشت پر بیٹھ جاتے ہیں تو اس کو ایڑھا مار کر چلاتے ہیں اور ان کی پشتوں پر بیٹھنے اور جمنے کے طریقے بھی اللہ تعالیٰ نے بتا دیے ہیں، گھوڑے پر زین کتے ہیں اور اونٹ پر کجاوہ باندھتے ہیں اس کے اٹھے ہوئے کو ہان کے باوجود اس کی کمر پر بیٹھتے ہیں اور اس پر سفر کرتے ہیں۔

وقوله تعالى: مَا تَزْكِبُونَ ﴿۱﴾ ما موصولہ والعائد محذوف والضمير المجرور في ظهوره عائد الى لفظ ما وجمع الظهور رعاية للمعنى "اللہ تعالیٰ کے ارشاد مَا تَزْكِبُونَ ﴿۱﴾ میں موصولہ ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے اور ظہورہ کی ضمیر مجرور لفظ ما کی طرف لوٹتی ہے اور ظہور کو معنی کی رعایت کرتے ہوئے جمع لایا گیا ہے۔"

سوار ہونے کی دعا:

لَهُ تَذَكُّرًا نِعْمَةً رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ (پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب ان پر ٹھیک طرح سے بیٹھ جاؤ) یہ یاد کرنا زبان اور دل دونوں سے ہونا چاہیے زبان سے یاد کرنے کی دعا بھی بتادی فرمایا: وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ

خلاف بات کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتا ہے۔ یہ منہ حقیقی کی شکرگزاری کے تقاضوں کے خلاف ہے اور مرتع ہاشمی ہے۔

أَوْ اتَّخَذَ مِنَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْلَحَكُمْ بِالْبَنِينَ ۝

یعنی چاہیے تھا اللہ کی نعمتوں کو پہچان کر شکر ادا کرے۔ یہ مرتع ہاشمی پر اتر آیا۔ اور اس کی جناب میں گستاخیاں کرنے لگا۔ اس سے بڑی گستاخی اور ناشکری کیا ہوگی کہ اس کے لیے اولاد تجویز کی جائے، وہ بھی بندوں میں سے اور وہ بھی بیٹیاں، اول تو اولاد باپ کے وجود کا ایک جزو ہوتا ہے تو خداوند قدوس کے لیے اولاد تجویز کرنے کے یہ معنی ہوئے کہ وہ اجزاء سے مرکب ہے اور مرکب کا حادث ہونا ضروری ہے، دوسرے ولد اور والد میں بجانست ہونی چاہیے دونوں ایک جنس نہ ہوں تو ولد یا والد کے حق میں عیب ہے۔ یہاں مخلوق و خالق و بجانست کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ تیسرے لڑکی باعتبار تو آئے جسمیہ و عقلیہ کے عموماً لڑکے سے ناقص اور کمزور ہوتی ہے گویا معاذ اللہ خدا نے اپنے لیے اولاد بھی رکھی تو گھٹیا اور ناقص۔ کیا تم کو شرم نہیں آتی کہ اپنے حصہ میں عمدہ اور بڑھیا چیز اور خدا کے حصہ میں ناقص اور گھٹیا چیز لگاتے ہو۔

أَوْ مَنْ يُنَشِّئُوا فِي الْجَلِيلَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَابِ عَنِينٌ مُّبِينٌ ۝

یعنی کیا خدا نے اولاد بتانے کے لیے لڑکی کو پسند کیا ہے جو عادتاً زیر پائش میں نشوونما پائے اور زیورات وغیرہ کے شوق میں مستغرق رہے جو دلیل ہے ضعف رائے و عقل کی، اور وہ بوجہ ضعف قوت فکریہ کے مباحثہ کے وقت قوت بیان نہ رکھے۔ چنانچہ غورتوں کی تقریروں میں ذرا غور کرنے سے مشاہدہ ہوتا ہے کہ نہ اپنے دعوے کو کافی بیان سے ثابت کر سکیں، نہ دوسرے کے دعوے کو گرا سکیں، ہمیشہ ادھوری بات کہیں گی یا فضول باتیں اس میں ملادیں گی جن کو مطلوب میں کچھ دخل نہ ہو کہ اس سے بھی تمہیں مقصود میں خلل پڑ جاتا ہے اور مباحثہ کی تخصیص اس حیثیت سے ہے کہ اس میں بوجہ بیان کی احتیاج زیادہ ہونے کے ان کا بجز زیادہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ پس ہر کلام طویل اسی کے حکم میں ہے اور معمولی جملوں کا ادا ہو جانا مثلاً میں آئی تھی وہ گئی تھی، قوت بیان کی دلیل نہیں۔

وَجَعَلُوا اللَّيْلَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَّا كُنَّا

اس کے بعد فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتانے والوں کی تردید کی اور بطور استفہام انکاری ارشاد فرمایا کہ تم کیسی باتیں کرتے ہو کیا اس نے اپنے لیے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں پسند کر لیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا اس کے لیے اولاد ہونا عیب کی بات ہے وہ اس عیب سے پاک ہے لیکن تم اپنی بیوقوفی تو دیکھو کہ رحمان جل مجدہ کے لیے اولاد تجویز کرنے بیٹھے تو اس کے لیے بیٹیاں تجویز کر دیں اسی کو سورۃ النجم میں فرمایا: ﴿الْكُفْرَ الَّذِي لَهُ الْأُنثَىٰ، تِلْكَ إِذَا قَسَمَةٌ صِدْقًا﴾ (کیا تمہارے لیے بیٹے اور اس کے لیے بیٹیاں یہ تو اس حالت میں بے ذہنگی تقسیم ہے۔)

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ان کا اپنا یہ حال ہے کہ جب انہیں خبر دی جاتی ہے کہ تمہارے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو اس خبر سے چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور غم میں گھٹنے لگتا ہے جس چیز کو اپنے لیے اتنا زیادہ مکروہ سمجھتے ہیں اس کو اللہ کے لیے تجویز کرتے ہیں اور یہ نہ سوچا کہ جو چیز زینت میں اور زیور میں نشوونما پاتی ہے یعنی لڑکی اور کسی سے جھگڑا ہوگا۔ نہ تو ٹھیک طرح اپنا دعویٰ بھی بیان

یہ کہہ کر کیا ایسی چیز کو اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں؟ ایسی کمزور چیز کو اللہ کی اولاد تجویز کر بیٹھے، حماقت پر حماقت کرتے چلے گئے۔
 اَشْهَدُ وَ اَخْلَقَهُمْ ۱ (کیا یہ اس وقت حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا) یعنی یہ تو موجود نہیں تھے
 انہوں نے اللہ کی مخلوق کے بارے میں کیسے تجویز کر لیا کہ وہ عورتیں ہیں یہ ان کی جرات جاہلانہ اور شرکانہ ہے: سَتَكْتَبُ
 بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ان کا جو یہ دعویٰ ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں لکھا جاتا ہے قیامت کے دن اسے اپنے اعمال نامہ میں پائیں گے:
 وَ يُسْئَلُونَ ۲ (اور ان سے سوال کیا جائے گا) کہ تم نے جو یہ بات کہی تھی اس کی کیا دلیل تھی۔ والسین فی قولہ نعالین
 سنکتب زیدت للتاکید کما ذکرہ صاحب الروح ص ۲۷ ج ۲۵ سَتَكْتَبُ میں جو سین ہے یہ تاکید کے لیے زیادہ کی گئی
 ہے جیسا کہ صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے۔

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنَاہُمْ ۱

مشرکین کی ایک جاہلانہ بات کی تردید، آباء و اجداد کو پیشوا بنانے کی حماقت اور ضلالت

جب مشرکین کو متنبہ کیا جاتا اور بتایا جاتا تھا کہ تم جو شرک میں پڑے ہوئے ہو یہ گمراہی ہے اور تمہارا خالق اور مالک جل
 مجدہ اس سے راضی نہیں ہے تو کٹ جمتی کے طور پر یوں کہتے تھے کہ اگر ہمارے اس عمل سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے تو ہمیں
 اپنے علاوہ دوسروں کی عبادت کیوں کرنے دیتا ہے ان لوگوں کے نزدیک بت پرستی کا عمل صحیح ہونے کی یہ ایک بڑی دلیل تھی
 اللہ جل شانہ نے فرمایا: مَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَکُمْ ۱ (ان کو اس بات کی کچھ تحقیق نہیں): اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُونَ ۲ (یہ لوگ
 صرف اُنکل بچو باتیں کرتے ہیں) مشرکین کی یہ بات سورہ انعام کی آیت: ﴿سَيَقُولُ الَّذِينَ اَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا
 اَشْرَكْنَا﴾ (الآیہ) اور سورہ نحل کی آیت: وَقَالَ الَّذِينَ اَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۱ میں بھی
 گزر چکی ہے ان لوگوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا جب اس نے ہمیں غیر
 اللہ کی عبادت کا موقع دیا یعنی ہمیں جبراً اس عمل سے نہیں روکا تو معلوم ہو گیا کہ وہ ہمارے عمل سے راضی ہے یہ ان لوگوں کی
 جاہلانہ اور احمقانہ دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسانوں کو ابتلاء اور آزمائش کے لیے پیدا فرمایا ہے اور آزمائش جب
 ہی ہو سکتی ہے جب حق اور ناحق بیان کر دیا جائے اور اچھے برے اعمال بتادیئے جائیں اور کرنے نہ کرنے کا اختیار دے دیا
 جائے اگر جبراً کوئی کام کر دیا جائے تو اس میں امتحان نہیں ہوتا لہذا ان لوگوں کا یہ کہنا کفر و شرک کے اعمال پر ہم کو قدرت اور
 اختیار دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے اس عمل سے اللہ تعالیٰ راضی ہے یہ ان لوگوں کی جہالت کی بات ہے کیونکہ
 امتحان کے لیے قدرت دے دینا راضی ہونے کی دلیل نہیں یہ لوگ اپنے کفر و شرک کو جائز کرنے کے لیے اُنکل بچو باتیں کرتے
 ہیں: اَمْ اَتَيْنٰہُمْ کِتٰبًا مِنْ قَبْلِہٖ (کیا ہم نے انہیں اس قرآن سے پہلے کوئی کتاب دی ہے جس سے وہ اس پر استدلال
 کرتے ہیں) یعنی مشرکین عرب کے پاس ہم نے قرآن مجید سے پہلے کوئی کتاب نازل نہیں کی اگر اس سے پہلے ان پر کوئی
 کتاب نازل کی جاتی اور اس میں شرک کی اجازت ہوتی تو اس کی دلیل میں پیش کرتے، ان کے پاس باپ دادوں کی تقلید
 کے علاوہ کچھ نہیں ہے، جب انہیں تنبیہ کی جاتی ہے کہ تم باطل پر ہو تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا

ہے ہم انہیں کے پیچھے چل رہے ہیں اور اسی کو ہدایت سمجھ رہے ہیں۔

دلائل صحیحہ قاہرہ کو نہ ماننا اور باپ دادوں کا اتباع کرنا دنیا میں پرانی رسم ہے اسی کو فرمایا: وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّنْ قَرْيَةٍ، اور جس طرح یہ لوگ جواب دیتے ہیں یہی حال ان لوگوں کا تھا جن کی طرف ہم نے آپ سے پہلے ڈرانے والے بھیجے تھے ان کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا ہے اور انہیں کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں وہ ہمارے امام تھے اور ہم ان کے مقتدی ہیں۔

لوگوں کی یہ جاہلانہ بات سورہ بقرہ اور سورہ مائدہ اور سورہ لقمان میں بھی ذکر فرمائی سورہ بقرہ میں ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: أُولَئِكَ كَانُوا لَنَا آيَةً ۖ وَلَا يَتْلُونَ آيَاتِنَا إِلَّا لَعْنَةً ۖ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (کیا اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ سمجھ نہ رکھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں) سورہ لقمان میں فرمایا: أُولَئِكَ كَانُوا لَنَا آيَةً ۖ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (کیا اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ شیطان انہیں دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو) خلاصہ یہ کہ باپ دادوں کی تقلید کوئی چیز نہیں، ہاں اگر وہ ہدایت پر ہوں تو ان کا اتباع کیا جائے گراہی میں کسی کا بھی اتباع کرنا گراہی ہے، اتباع اس کا کرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہو۔ کما قال تعالیٰ: اتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ. قُلْ أَرَأَيْتُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ.....

سابقہ امتوں کی طرف جو نذیر بھیجے گئے ان کے مالدار لوگوں نے جو انہیں جواب دیا کہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقے پر ہیں اسی کا اقتداء کرتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے حضرات نے سوال کیا کہ تم نے جن طریقوں پر اپنے دادوں کو پایا ہے اگر ہم اس سے بڑھ کر اور بہتر ہدایت لے کر آئے ہوں کیا پھر بھی تم اپنے باپ دادوں کا اتباع کرتے رہو گے اس پر ان لوگوں نے جواب دیا کہ تم جو کچھ لے کر آئے ہو ہم اسے نہیں مانتے جب ان لوگوں نے حق کو نہ مانا اور حضرات انبیاء کرام کی تکذیب کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب میں مبتلا فرمادیا: فَاتَّقِنَا مِنْهُمْ فَأَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكذِبِينَ ﴿۱۰﴾ (سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا سو دیکھ لیجئے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟)

وَ اذْكُرْ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لَآئِهٖ وَ قَوْمِهٖ اِنِّىۤ اَبْرَاۤءُ اٰىۤ اَبْرٰى ؕ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِىۤ فَطَرَنِىۤ خَلْقَنِىۤ فَآتٰهُ سَيِّئٰتِىۤ ۙ يٰۤاٰتِىۤ رَبِّىۤ لَدِيۤنِىۤ وَ جَعَلَهَا ۙ اٰى كَلِمَةً التَّوْحِيۡدِ الْمَقْهُوۡمَةِ مِنْ قَوْلِهٖ اِنِّىۤ ذٰهَبُ اِلَىٰ رَبِّىۤ سَيِّئٰتِىۤ
كَلِمَةً بَاقِيَةً فِى عَقِيۡبِهٖ ذُرِّيَّتِهٖ فَلَا يَزَالُ فِيۤهِمْ مَنْ يُّوَحِّدُ اللّٰهَ لَعَلَّهُمْ اٰى اَهْلٍ مَّكَّةَ يَرْجِعُوۡنَ ﴿۱۰﴾ عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ اِلَىٰ دِيۡنِ الْاِزْهٰىمِ اِيۡبِهِمْ بَلْ مَشَعَتْ هٰۤؤُلَآءِ الْمُشْرِكِيۡنَ وَ اَبَآءَهُمْ وَ لَمْ اُعٰجِلْهُمۡ بِالْعُقُوۡبَةِ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ الْقُرْآنُ وَ رَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۱﴾ مُظهِرٌ لَّهُمُ الْاَحْكَامَ الشَّرْعِيَّةَ وَ هُوَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ لَنَا جَآءَهُمُ الْحَقُّ الْقُرْآنُ قَالُوۡا هٰذَا جِزْءٌ مِّنْ اِنۡبِيَآءِ كُفِرُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَ قَالُوۡا لَوْلَا هٰذَا لَوْلَا هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْ

الْقَرِيْبَيْنِ مِنْ آيَةِ مِنْهُمَا عَظِيمٍ ۝ أَيُّ الْوَالِدَيْنِ الْمَغِيْرَةُ بِسَكَّةٍ وَغُرُزُهُ بُرٌّ مَسْعُوْدٌ التَّقْفِيْ بِالْعَطَائِفِ أَهْمٌ
 يَلْسُوْنَ رَحْمَتُ رَبِّكَ ۝ الشُّبُوْرَةُ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ فَمِيْشَتَهُمْ فِي الْعَوْرَةِ الدُّنْيَا فَجَعَلْنَا بَعْضَهُمْ غَنِيًّا وَبَعْضَهُمْ
 فَقِيْرًا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ بِالْفَنِيِّ فَوْقَ بَعْضٍ وَدَرَجَاتٍ لِّيَخْذَ بَعْضُهُمُ الْغَنِيُّ بَعْضًا الْفَقِيْرُ سَخِيْرًا مَسْخَرًا فِي
 الْعَمَلِ لَهُ بِالْأُجْرَةِ وَالْيَأَى لِّلنَّسَبِ وَقُرْبَى بِكُفْرِ السَّبِيْنِ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ أَيُّ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْعَلُوْنَ ۝ فِي
 الدُّنْيَا وَكَوَلَّا أَنْ يَكُوْنَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدًا ۝ عَلَى الْكُفْرِ لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرُّحْمٰنِ لِيُؤْتِيَهُمْ بَدَلٌ مِّنْ لِّمَنْ
 سَقَقْنَا بَفْتَحِ السَّبِيْنِ وَسَكُوْنَ الْقَافِ وَبِضَمِّهِمَا جَمْعًا قِيْنِ فِضَّةٍ وَمَعَالِجٍ كَالدَّرَجِ مِنْ فِضَّةٍ عَلَيْهَا
 يَطْهَرُوْنَ ۝ يَغْلُوْنَ إِلَى السَّطْحِ وَلِيُؤْتِيَهُمْ آبَاؤًا مِنْ فِضَّةٍ ۝ جَعَلْنَا لَهُمْ سُرْرًا مِنْ فِضَّةٍ جَمْعٌ سَرِيْرٌ عَلَيْهَا
 يَكِيُوْنَ ۝ وَرُحْرُقًا ۝ ذَهَبًا الْمَعْنَى لَوْلَا خَوْفُ الْكُفْرِ عَلَى الْمُؤْمِنِ مِنْ إِعْطَاءِ الْكَافِرِ مَا ذَكَرَ لَا عَطِيْنَاهُ
 ذَلِكَ لِقَلَّةِ خَطَرِ الدُّنْيَا عِنْدَنَا وَعَدَمِ حَظِّهِ فِي الْآخِرَةِ فِي التَّعِيْمِ وَإِنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ التَّقِيْلَةِ كُلُّ ذَلِكَ لَمَّا
 بِالْتَّخْفِيْفِ فَمَا زَالِدُهُ وَبِالتَّشْدِيْدِ بِمَعْنَى الْإِفَانِ نَافِيَةٌ مَتَاعِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۝ يَسْتَمْعِ بِهِ فِيهَا ثُمَّ يَرْوُلُ وَالْآخِرَةُ
 الْجَنَّةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

۱۳۳

تو کچھ کہتا ہے: اور یاد کیجئے یہ کہ ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں بیزار، بے تعلق ہوں ان چیزوں سے جن کی تم
 پوجا کرتے ہو مگر ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا بنا یا پھر وہی میری دینی راہنمائی کرتا ہے اور کہئے ابراہیم اس کو یعنی توحید کو جو ان
 کے قول: انی الی ربی صیہدین سے سمجھ میں آ رہا ہے ایک قائم رہنے والی بات اپنی اولاد نسل میں چنانچہ کوئی نہ کوئی ان کی
 نسل میں پرستار توحید رہتا ہے تاکہ یہ لوگ مکہ والے بازرہیں اپنے موجود طریقہ سے اپنے آبائی دین ابراہیم کی طرف بلکہ میں
 نے ان مشرکین کو اور ان کے باپ و اوروں کو خوب سامان دیا ہے اور ان کو مزادینے میں جلدی نہیں کی یہاں تک کہ ان کے
 پاس سچا قرآن اور صاف صاف بتلانے والا رسول آیا جو شرعی احکام ان کو بتلاتا ہے یعنی محمد ﷺ اور جب ان کے پاس یہ سچا
 قرآن پہنچا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے ہم اس کو نہیں مانتے اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی ایک میں
 کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا یعنی ولید بن مغیرہ پر کہ میں یا عروہ بن مسعود ثقفی پر طائف میں کیا یہ لوگ آپ کے
 رب کی رحمت نبوت تقسیم کرنا چاہتے ہیں ہم نے تو ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے دنیاوی زندگی میں کہ ان میں سے کسی کو ہم نے
 امیر بنا دیا اور کسی کو فقیر اور ہم نے ایک کو خوشحالی سے دوسرے پر برتری دے رکھی ہے تاکہ ایک امیر دوسرے غریب سے کام
 لیتا رہے اور اجرت کے ذریعہ کام پر مجبور کر سکے۔ سزا میں یا نسبت کے لیے ہے اور یہ لفظ سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا

ہے۔ اور آپ کے پروردگار کی رحمت جنت بدر جہا اس سے بہتر ہے جس کو یہ دنیا میں سیلتے پھرتے ہیں اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ کفر پر جائیں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں تو ہم ان کے لیے ان کے گھر کی لہن میں من سے بدل ہے چھتیس سقف سین کے فتح اور قاف کے سکون کے ساتھ اور دونوں کے ضمہ کے ساتھ چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی بیڑھیاں بھی چاندی کی بنا دیتے جن پر یہ چڑھا کرتے چھت پر جانے کے لیے اور ان کے گھروں کے دروازے بھی چاندی کے اور ہم نے ان کے لئے بنائے تخت بھی چاندی کے سرور برکی جمع ہے جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کے بھی حاصل یہ ہے کہ اگر مذکورہ چیزوں کے کافر کو دیدینے سے مومن کا کافر بن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ضرور کافر کو یہ ساری چیزیں دے ڈالتے کیوں کہ دنیا ہمارے نزدیک حقیر ہے اور آخرت میں اس کے لئے جنت کا حصہ نہیں ہے اور یہ ان مغفلہ ہے جو اصل میں مسئلہ تماسب کچھ بھی ہیں۔ لہذا تخفیف کے ساتھ اگر ہے تو مازاندہ ہوگا اور تشدید کی صورت میں بمعنی الا ہو کر ان نافیہ ہو جائے صرف دنیاوی زندگی کی چند روزہ کامیابی ہے جس سے نفع اٹھانے کے بعد ختم ہو جائے گی اور آخرت جنت آپ کے پروردگار کے ہاں خدا ترسوں کے لیے ہے

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قولہ: **برئ**: البراء مصدر ہے جس کو صفت کے لیے استعمال کیا۔
 قولہ: **یہ کفار کی طرف سے انکار ہے اور ان کی ضد پر تعجب کا اظہار ہے۔**
 قولہ: **سَخِرْنَا**: مجبوراً کسی کام پر لگایا ہوا۔ بگاڑ والا۔
 قولہ: **وَالْآخِرَةُ**: انجام کار۔
 قولہ: **أَنْ يَكُون**: اس میں مضاف محذوف ہے کہ اہیہ ان یکون۔
 قولہ: **خَطَرَ الدُّنْيَا**: دنیا کی عزت و عظمت۔

تفسیر مقبولین

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبْنَيْهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ ﴿۱۰﴾

ال باطل سے اظہار بیزاری کا درس:

سراسر سے شرک اور مشرکین سے اظہار بیزاری کے لیے اسوۂ ابراہیمی کی تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی۔ سوار شاد فرمایا گیا کہ یاد کرو ابراہیم کو جب انہوں نے باپ اور اپنی قوم کو خطاب کر کے اعلان براءت کیا۔ سو دیکھو کہ انہوں نے کس طرح اپنے باپ دادا کے شرک پر طریقوں کے خلاف علم انکار و جہاد بلند کیا۔ پس تم لوگوں نے اے مشرکین مکہ، اگر باپ دادا ہی کی پیروی

کرتی ہے تو پھر ابراہیم جیسے باپ دادا کی پیروی کرو جنہوں نے شرک اور مشرکین سے صاف طور پر اعلان براءت کیا۔ خاص کر جب کہ تم لوگ ان کی نسل میں سے ہونے کے دعویدار بھی ہو۔ اور اس انتساب پر فخر بھی کرتے ہو۔ بڑوں کی پیروی کرتی ہے تو ایسے طمبردارانِ حق و توحید کی پیروی کرو تا کہ تم راہِ راست پاسکو نہ کہ ان مشرک باپ دادوں کی جو راہِ حق و ہدایت سے بہک اور ہنک کر ابدی ہلاکت اور تباہی کی راہ پر چلتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس طرح مشرکین مکہ کے دلوں پر دستک دی گئی اور ان کے ضمیروں کو چھوڑا گیا کہ اگر تم لوگوں نے اپنے آباء و اجداد کے طور طریقوں ہی پر چلنا ہے تو تم اپنے اصل جدِ امجد حضرت ابراہیم ظلیل کو کیوں بھول جاتے ہو جنہوں نے اس قدر واضح کاف الفاظ میں شرک سے بیزاری کا اظہار کیا۔ اور شرک ہی کی بنا پر انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو چھوڑا اور ان سے قطعی طور پر الگ ہو گئے۔ اور اپنے اس قول و فعل سے انہوں نے واضح کر دیا کہ دین و ایمان کی دولت سب سے بڑی دولت ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت سب سے مقدم اور سب پر فائق ہے۔

چنانچہ ابراہیم نے اپنے مشرک باپ اور مشرک قوم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ میں قطعی طور پر بری اور بیزار ہوں ان تمام معبودانِ باطلہ سے جن کی پوجا تم لوگ کرتے ہو؟۔ بڑا جب باء کے فتح کے ساتھ ہو تو اس وقت یہ مصدر ہوتا ہے۔ جیسے طلاق اور اس صورت میں یہ حمل مصدر علی سبیل المبالغہ ہوگا۔ اور جب بڑا یعنی باء کے ضمے کے ساتھ ہو تو اس وقت یہ اسم مفرد ہوگا مبالغہ کے لیے۔ جیسے طوال اور کرام وغیرہ۔ (معان التادل) سو بڑا کے اس لفظ میں مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جیسے زید عدل میں ہے۔ پس اس اعتبار سے اس کا معنی ہوگا کہ میں تم لوگوں سے پوری طرح اور یک قلم بری ہوں۔ میرے اور تمہارے درمیان اب کوئی رابطہ اور تعلق نہیں رہا۔ تم لوگ الگ اور میں الگ۔ سو مشرکین مکہ کو یہ درس دیا گیا کہ اگر تم لوگوں کو حضرت ابراہیم سے انتساب پر فخر ہے تو تم کو چاہیے کہ ان کے اس مثالی اسوہ اور نمونہ کو اپنا ڈاؤنشرک اور مشرکین سے اسی طرح بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان و اظہار کرو جس طرح حضرت ابراہیم نے کیا تھا۔ علی الصلوٰۃ والسلام۔

إِلَّا الَّذِي فَكَّرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ۝

معبودِ حقیقی کا استثناء:

حضرت ابراہیم نے اپنے اعلان براءت کے ضمن میں معبودِ حقیقی کا استثناء کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے۔ استثناء منقطع بھی ہو سکتا ہے اور متصل بھی۔ منقطع تو ظاہر ہے۔ اور متصل اس لیے کہ اللہ پاک کی عبادت و بندگی کے وہ لوگ بھی قائل تھے اور وہ کہتے تھے کہ معبودِ حقیقی تو وہی ہے۔ یہ بت وغیرہ تو محض ذریعے اور واسطے ہیں اس کی جناب میں قرب حاصل کرنے کے لیے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر مشرکین کے اس شرکیہ فلسفے کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: (مَا تَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوهُمْ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو الْعَرْشِ الْعَلِيِّ) (الزمر: 30) اور ذاتِ حق جل جلالہ پر کلہ ما کا شمول و اطلاق اس صورت میں تغلیب کے طور پر ہوگا۔ کیونکہ ان کے معبودوں کی اکثریت بتوں وغیرہ غیر ذوی العقول ہی پر مشتمل تھی۔ خداوندِ قدوس کی عبادت تو ان کے یہاں محض برائے نام تھی۔ بہر کیف اپنے اس اعلان سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں پر واضح فرمادیا کہ جن خود ساختہ معبودوں کی پوجا تم لوگ کرتے ہو وہ سب بالکل بے حقیقت ہیں۔ میں صرف اس وحدہ لا شریک کی عبادت و

بندگی کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا جس نے مجھے پیدا فرمایا کہ معبود حقیقی وہی وحدہ لا شریک ہے۔

حضرت ابراہیم نے اپنے رب کی ہدایت درانہائی پر اعتماد کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہی میرا رب میری رہنمائی فرماتا ہے اور فرمائے گا ہر مرحلے پر اور ہر معاملے میں۔ کیونکہ ہدایت درانہائی کا سرچشمہ دراصل وہی ذات اقدس وحدہ لا شریک ہے۔ اسی لیے یہاں ہدایت کو عام رکھا گیا ہے۔ اور فعل مضارع تجدد و استمرار کے لیے ہے۔ اور سین محض تاکید کے لیے ہے یا استقبال کے لیے۔ سو یہاں سے معلوم ہوا کہ عبادت و بندگی کے لائق وہی ذات ہو سکتی ہے جس میں پیدا کرنے اور ہدایت بخشنے کی دو صفتیں پائی جاتی ہوں۔ اور وہ صرف اللہ پاک کی ذات اقدس و اعلیٰ ہی ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ پس عبادت و بندگی کے لائق بھی صرف وہی ذات ہے اور باقی کسی بھی معبود میں جب ان دونوں صفتوں میں سے کوئی بھی صفت نہیں پائی جاسکتی تو اس کیلئے کسی طرح کی عبادت کا بھی کوئی استحقاق نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ لکڑی پتھر وغیرہ کی بے جان صورتیاں ہوں یا کوئی زندہ و مردہ انسان کہ عبادت و بندگی کی ہر قسم اور ہر شکل اللہ وحدہ لا شریک ہی کا حق اور اسی کے ساتھ مختص ہے۔ اس کے سوا کسی کے لیے بھی عبادت و بندگی کی کوئی بھی شکل اور کسی بھی قسم کا بجالانا شرک ہوگا۔ جو کہ ظلم عظیم اور ناقابل معافی جرم ہے۔ سو حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ میرے رب نے اس سے پہلے بھی میری راہنمائی فرمائی جس سے مجھے حق و ہدایت اور توحید کی راہ نصیب ہوئی اور آئندہ اپنے باپ اور اپنے قوم قبیلہ کو چھوڑنے سے جن مصائب و آلام سے مجھے بطور خاص واسطہ پڑے گا ان میں بھی وہی خالق و مالک میری مدد فرمائے گا کہ اسی کے نام پر اور اسی کی رضاء کیلئے میں یہ سب بازی کھیل رہا ہوں۔ اس لیے میرا بھروسہ اسی پر ہے۔ پس اس راہ کی تمام مشکلات میں وہی میری راہنمائی فرمائے گا۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۵۱﴾

مطلب یہ ہے کہ اپنے عقیدہ توحید و انہوں نے اپنی ذات تک ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ اپنی اولاد کو بھی اسی عقیدے پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی۔ چنانچہ آپ کی اولاد میں ایک بڑی تعداد موحدین کی ہوئی اور خود مکہ مکرمہ اور اس کے گرد و نواح میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت تک ایسے سلیم الفطرت حضرات موجود تھے جو صدیاں گزرنے کے بعد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی دین پر ہی قائم رہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی ذات کے علاوہ اپنی اولاد کو دین صحیح پر کار بند کرنے اور رکھنے کی فکر بھی انسان کے فرائض میں داخل ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں بھی قرآن کریم نے بتایا ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو صحیح دین پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔ لہذا جس صورت سے ممکن ہو اولاد کے اعمال و اخلاق کی اصلاح میں اپنی پوری کوشش صرف کر دینا ضروری بھی ہے اور انبیاء کی سنت بھی۔ اور یوں تو اولاد کی اصلاح کے بہت سے طریقے ہیں جنہیں حسب موقع اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لطائف الحسن والاخلاق میں لکھا ہے کہ اولاد کی اصلاح کے لیے زیادہ کارگر عمل یہ ہے کہ والدین ان کی دینی اصلاح کے لیے دعا کا اہتمام کریں۔ افسوس ہے کہ اس آسان تدبیر سے آج کل غفلت عام ہوتی جا رہی ہے۔ اور اس کے انجام بد کا مشاہدہ خود والدین کرتے رہتے ہیں۔

مکہ والوں کا جاہلانہ اعتراض اور اس کا جواب:

دنیا دار دنیا ہی کو بڑی چیز سمجھتے ہیں جس کے پاس دنیاوی مال و اسباب زیادہ ہوں یا چودھری قسم کا آدمی ہو کسی قسم کی سرداری اور بڑائی حاصل ہو اسی کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں، خواہ کیسا ہی بڑا عالم، خائن، سودخور، کنجوس کمسی چوس ہو، جب کسی ہستی یا محلہ میں داخل ہو اور دریافت کر دے کہ یہاں کا بڑا آدمی کون ہے تو وہاں کے رہنے والے کسی ایسے ہی شخص کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو مالدار اور صاحب اقتدار ہو، اخلاق فاضلہ والے انسان، اللہ کے عبادت گزار بندے، علوم و معارف کے حاطین کی بڑائی کی طرف لوگوں کا ذہن جاتا ہی نہیں، عموماً انسانوں کا یہی مزاج اور حال رہا ہے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق فاضلہ اور نصابِ حمیدہ کے سب معتقد اور معترف تھے لیکن جب آپ نے اپنی نبوت اور رسالت کا اعلان کیا تو جہاں تکذیب اور انکار کے لیے لوگوں نے بہت سے بہانے ڈھونڈے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ پیسے والے آدمی نہیں اور آپ کو دنیاوی اعتبار سے کوئی اقتدار بھی حاصل نہیں لہذا آپ کیسے نبی اور رسول ہو گئے؟ اگر اللہ کو رسول بھیجنا ہی تھا اور قرآن نازل کرنا ہی تھا تو شہر مکہ یا شہر طائف کے بڑے آدمیوں میں سے کسی شخص کو رسول بنانا چاہیے تھا وہی رسول ہوتا اسی پر قرآن نازل ہوتا اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شخص کو رسول بنایا جو پیسہ کوڑی کے اعتبار سے برتر نہیں اور جسے کوئی اختیار اور اقتدار کی برتری حاصل نہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کا اشارہ ولید بن مغیرہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کی طرف تھا پہلا شخص اہل مکہ میں اور دوسرا شخص اہل طائف میں سے تھا یہ دونوں دنیاوی اعتبار سے بڑے سمجھے جاتے تھے ان ناموں کی تعین میں اور بھی اقوال ہیں اللہ تعالیٰ شانہ نے ان لوگوں کی بات کی تردید فرمائی اور جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: **أَنَّهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۗ** (کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت یعنی نبوت کو تقسیم کرتے ہیں) یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ انہیں کیا حق ہے کہ منصب نبوت کو اپنے طور پر کسی کے لیے تجویز کریں رسول بنانے کا اختیار انہیں کس نے دیا ہے کہ یہ جس کے لیے چاہیں عہدہ نبوت تجویز کریں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے اللہ بندوں میں سے جسے چاہے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمائے وہ جسے منصب نبوت عطا فرماتا ہے اسے ان اوصاف سے متصف فرمادیتا ہے جن کا نبوت کے لیے ہونا ضروری ہے سورہ انعام میں فرمایا: **اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ** (اللہ خوب جاننے والا ہے اپنے پیغام کو جہاں بھیجے) ان لوگوں کو نہ کسی کو نبی بنانے کا اختیار ہے نہ نبی کے اوصاف تجویز کرنے کا۔ پھر فرمایا: **نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا** (ہم نے ان کے درمیان معیشت یعنی زندگی کا سامان دنیا دلی زندگی میں بانٹ دیا) **وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ** (اور درجات کے اعتبار سے ہم نے بعض کو بعض پر فوقیت دے دی) کسی کو غنی بنایا کسی کو فقیر کسی کو مالک اور کسی کو مملوک: **لِيَتَّبِعُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سَخِرَ بَعْضًا لِبَعْضٍ لَوْ كَانُوا يَدْرُسُونَ** (اور بعض لوگوں کو اپنے کام میں لاتے رہیں) اگر کبھی برابر کے مالدار ہوتے تو کوئی کسی کا کام کیوں کرتا، اب صورت حال یہ ہے کہ کم پیسے والے مالداروں کے باغوں اور کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں اور طرح طرح کے کاموں کی خدمت انجام دیتے ہیں اس طرح سے عالم کا نظام قائم ہے مالدار کام لیتے ہیں کم پیسے والے

مزدوری لیتے ہیں دنیا اس طرح چل رہی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ شانہ نے دنیاوی معیشت کو انسانوں کی رائے پر نہیں رکھا جو ادنیٰ درجہ کی چیز ہے اور اپنی حکمت کے موافق بندوں کی مصلحتوں کی رعایت فرماتے ہوئے خود ہی مال تقسیم فرمادیا تو نبوت کا منصب کسی کو لوگوں کی رائے کے موافق کیسے دے دیا جاتا، جو بہت ہی بلند و بالا چیز ہے۔

قال القرطبي فاذا لم يكن امر الدنيا اليهم فيكف يفوض امر النبوة اليه، وَ رَحِمَتْ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٠﴾ (علامہ قرطبی فرماتے ہیں جب دنیا کا معاملہ ان کے سپرد نہیں تو نبوت اس کے اختیار میں کیسے دی جاسکتی ہے اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کرتے ہیں) یعنی جن لوگوں کو دنیاوی چیزیں دی گئی ہیں وہ انہیں جمع کرنے سمیٹنے میں لگے ہوئے ہیں انہیں سمجھنا چاہیے کہ پروردگار جل مجدہ کی رحمت یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں اس سے بہتر ہیں۔

تقسیم معیشت کا قدرتی نظام:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ (ہم نے تقسیم کیا ہے ان کے درمیان ان کی معیشت کو) مقصد یہ ہے کہ ہم نے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ یہاں ہر شخص اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے دوسرے کی امداد کا محتاج ہو اور تمام لوگ اسی باہمی احتیاج کے رشتے میں بندھے ہوئے پورے معاشرے کی ضروریات کی تکمیل کر رہے ہیں۔ اس آیت نے کھول کر یہ بات بتلا دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقسیم معیشت کا کام (اشتراکیت کی طرح) کسی با اختیار انسانی ادارے کے سپرد نہیں کیا جو منصوبہ بندی کے ذریعہ یہ طے کرے کہ معاشرے کی ضروریات کیا ہیں؟ انہیں کس طرح پورا کیا جائے وسائل پیداوار کو کس تناسب کے ساتھ کن کاموں میں لگایا جائے اور ان کے درمیان آمدنی کی تقسیم کس بنیاد پر کی جائے؟ اس کے بجائے یہ تمام کام اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کا محتاج بنا کر دنیا کا نظام ہی ایسا بنا دیا ہے جس میں اگر (اجارہ داریوں وغیرہ کے ذریعہ) غیر فطری رکاوٹیں پیدا کی جائیں تو وہ نظام خود بخود یہ تمام مسائل حل کر دیتا ہے۔

باہمی احتیاج کے اس نظام کو موجودہ معاشی اصطلاح میں طلب و رسد کا نظام کہا جاتا ہے۔ طلب و رسد کا قدرتی قانون یہ ہے کہ جس چیز کی رسد کم ہو اور طلب زیادہ اس کی قیمت بڑھتی ہے لہذا وسائل پیداوار اس چیز کی تیاری میں زیادہ نفع دیکھ کر اسی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب رسد طلب کے مقابلے میں بڑھ جاتی ہے تو قیمت گھٹ جاتی ہے چنانچہ اس چیز کی مزید تیاری نفع بخش نہیں رہتی اور وسائل پیداوار اس کے بجائے کسی اور ایسے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں جس کی ضرورت زیادہ ہو۔ اسلام نے طلب و رسد کی انہی قدرتی قوتوں کے ذریعہ دولت کی پیدائش اور تقسیم کا کام لیا ہے اور عام حالات میں تقسیم معیشت کا کام کسی انسانی ادارے کے حوالہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منصوبہ بندی کے خواہ کتنے ترقی یافتہ طریقے دریافت کر لیے جائیں لیکن ان کے ذریعہ معیشت کی ایک ایک جزوی ضرورت کا احاطہ ممکن نہیں اور اس قسم کے معاشرتی مسائل عموماً ایسے ہی قدرتی نظام کے تابع چلتے ہیں۔ زرعی کے بیشتر معاشرتی مسائل اسی طرح قدرتی طور پر خود بخود طے پاتے ہیں، اور

انہیں حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کرنا زندگی میں ایک مصنوعی جکڑ بند پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات کہ دن کا وقت کام کے لیے ہے اور رات کا سونے کے لیے کسی معاہدہ عمرانی یا انسانی منصوبہ بندی کے تحت طے نہیں پائی، بلکہ قدرت کے خود کار نظام نے خود بخود یہ فیصلہ کر دیا ہے، اسی طرح یہ مسئلہ کہ کون شخص کس سے شادی کرے طبعی مناسباتوں کے فطری نظام کے تحت خود بخود انجام پاتا ہے اور اسے منصوبہ بندی کے ذریعہ حل کرنے کا کسی کو خیال نہیں آیا۔ یا مثلاً یہ بات کہ کون شخص علم و فن کے کس شعبہ کو اپنا میدان بنائے، اسے طبعی لائق اور مناسبت کے بجائے حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کر دینا ایک خواہ مخواہ کی زبردستی ہے اور اس سے نظام فطرت درہم برہم ہو سکتا ہے۔ اسی طرح نظام معیشت کو بھی قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور ہر شخص کے دل میں رہی کام ڈال دیا ہے جو اس کے لیے زیادہ مناسب ہے اور جسے وہ بہت طریقے سے انجام دے سکتا ہے چنانچہ ہر شخص خواہ وہ ایک خاکروب ہی کیوں نہ ہو اپنے کام پر خوش ہے اور اسی کو اپنے لیے سرمایہ فخر سمجھتا ہے۔ کل حزب بمال دیہم فرحون البتہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح اسلام نے افراد کو اتنی آزادی نہیں دی کہ وہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت سمیٹ کر دوسروں کے لیے رزق کے دروازے بند کر دے، بلکہ ذرائع آمدنی میں حلال و حرام کی تفریق کر کے سود، شہ، قمار اور ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دے دیا ہے پھر جائز آمدنی پر بھی زکوٰۃ و عشر وغیرہ کے واجبات عائد کر کے ان خرابیوں کا انسداد کر دیا ہے جو موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں پائی جاتی ہیں اس کے باوجود بھی اگر کبھی اجارہ داریاں قائم ہو جائیں تو ان کو توڑنے کے لیے حکومت کی مداخلت کو جائز رکھا ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں، اس موضوع پر احقر کے مستقل رسالہ "مسئلہ سود" اسلام کا نظام تقسیم دولت اور اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات" ملاحظہ فرمائے جائیں۔

معاشی مساوات کی حقیقت:

وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ (اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ معاشی مساوات (اس معنی میں کہ دنیا کے تمام افراد کی آمدنی بالکل برابر ہو) نہ مطلوب ہے نہ ممکن العمل۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے ہر رکن پر کچھ فرائض عائد کئے ہیں اور کچھ حقوق دیئے ہیں اور دونوں میں اپنی حکمت سے یہ تناسب رکھا ہے کہ جس کے ذمہ جتنے فرائض ہیں اس کے اتنے ہی حقوق ہیں۔ انسان کے علاوہ جتنی مخلوقات ہیں ان کے ذمہ چونکہ فرائض سب سے کم ہیں کہ وہ شرعاً حلال و حرام اور ناجائز و جائز کے مکلف نہیں ہیں اس لیے ان کے حقوق بھی سب سے کم ہیں چنانچہ انسان کو ان کے معاملہ میں وسیع آزادی عطا کی گئی ہے کہ وہ ان سے چند معمولی سی پابندیوں کے ساتھ جس طرح چاہے نفع اٹھا سکتا ہے۔ چنانچہ بعض حیوانات کو وہ کاٹ کر کھاتا ہے بعض پر سواری کرتا ہے، بعض مخلوقات کو پامال کرتا ہے مگر اسے ان مخلوقات کی حق تلفی نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے کہ ان مخلوقات پر چونکہ فرائض کم ہیں اس لیے ان کے حقوق بھی کم ہیں۔ پھر کائنات میں سب سے زیادہ فرائض انسان اور جنات پر عائد کئے گئے ہیں کہ وہ اپنے ہر قول و فعل اور ہر نقل و حرکت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہیں اور اگر اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کریں تو آخرت کے عذاب کے مستحق ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنات کو حقوق بھی دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ عطا کئے ہیں۔ پھر انسانوں میں یہ لحاظ ہے کہ جس کی

ذمہ داری اور فرائض دوسروں سے زیادہ ہیں، اس کے حقوق بھی زائد ہیں۔ انسانوں میں سب سے زیادہ ذمہ داری انبیاء علیہم السلام پر ہوتی ہے، چنانچہ ان کو بہت سے حقوق بھی دوسروں سے زائد عطا کئے گئے ہیں۔

نظام معیشت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی رعایت رکھی ہے کہ ہر شخص کو اتنے معاشی حقوق دیئے جائیں جتنے فرائض کی ذمہ داری وہ اپنے سر لے، اور ظاہر ہے کہ فرائض میں یکسانیت کا پیدا ہونا بالکل ناممکن اور ان میں تفاوت ناگزیر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہر شخص کے معاشی وظائف و فرائض دوسروں سے بالکل مساوی ہوں اس لیے کہ معاشی وظائف و فرائض انسانوں کی فطری صلاحیتوں پر موقوف ہیں جن میں جسمانی طاقت، صحت، دماغی قوت اور عمر، ذہنی معیار، چستی اور پھرتی جیسی خبریں داخل ہیں اور یہ بات ہر شخص کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے کہ ان اوصاف کے اعتبار سے انسانوں میں یکسانیت اور مساوات پیدا کرنا بڑی سے بڑی ترقی یافتہ اشتراکی حکومت کے بس میں بھی نہیں، جب انسانوں کی صلاحیتوں میں تفاوت ناگزیر ہے تو ان کے فرائض میں بھی لازماً تفاوت ہوگا اور معاشی حقوق چونکہ انہی فرائض پر موقوف ہیں اس لیے معاشی حقوق یعنی آمدنی میں بھی تفاوت ناگزیر ہے کیونکہ اگر سب کی آمدنی بالکل مساوی کر دی جائے اور فرائض میں تفاوت رہے تو اس سے کبھی عدل و انصاف قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اس صورت میں بعض لوگوں کی آمدنی ان کے فرائض سے زیادہ اور بعض کی ان کے فرائض سے کم ہو جائے گی جو صریحاً ناانصافی ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ آمدنی میں مکمل مساوات کسی بھی دور میں ترین انصاف نہیں ہو سکتی لہذا اشتراکیت اپنی ترقی کے انتہائی دور (مکمل کیونزم) (اشتراکیت کا کہنا یہ ہے کہ فی الحال تو آمدنی کی مکمل مساوات ممکن نہیں، لیکن اگر اشتراکیت کے ابتدائی اصولوں پر عمل کیا جاتا ہے تو ایک وقت ایسا آ جائے گا جب آمدنی میں مکمل مساوات یا اطلاق میں مکمل اشتراک پیدا ہو جائے گا اور یہ مکمل کیونزم کا دور ہوگا) میں بھی جس مساوات کا دعویٰ کرتی ہے وہ کسی بھی حال میں نہ قابل عمل ہے اور نہ ترین عدل و انصاف۔ البتہ یہ طے کرنا کہ کس کے فرائض زیادہ اور کس کے کم ہیں، اور ان کی مناسبت سے اسے کتنے حقوق ملنے چاہئیں ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے اور انسان کے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے جس سے وہ اس بات کا ٹھیک ٹھیک تعین کر سکے۔ بعض اوقات یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک ماہر اور تجربہ کار انجینئر نے ایک گھنٹہ میں اتنی آمدنی حاصل کر لی ہے جو ایک غیر ہنرمند مزدور نے دن بھر منوں مٹی ڈھو کر بھی حاصل نہیں کی، لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو قطعاً نظر اس سے کہ مزدور کی دن بھر کی آزاد محنت ذمہ داری کے اس بوجھ کے برابر نہیں ہو سکتی جو انجینئر نے اٹھا رکھا ہے۔ انجینئر کی یہ آمدنی صرف اس ایک گھنٹے کی محنت کا صلہ نہیں بلکہ اس میں سالہا سال کی اس دماغ سوزی، عرق ریزی اور جانفشانی کے صلے کا ایک حصہ بھی شامل ہے جو اس نے انجینئرنگ کی تعلیم و تربیت اور پھر اس میں تجربہ و مہارت حاصل کرنے میں برداشت کی ہے۔ اشتراکیت نے اپنے ابتدائی دور میں آمدنی کے اس تفاوت کو تسلیم تو کر لیا ہے چنانچہ تمام اشتراکی ممالک میں آبادی کے مختلف طبقات کے درمیان تنخواہوں کا زبردست تفاوت پایا جاتا ہے لیکن ٹھوکر یہاں کھائی ہے کہ تمام وسائل پیداوار کو حکومت کی تحویل میں دے کر وسائل کے لیے فرائض کا تعین اور پھر ان کی مناسبت سے ان پر آمدنی کی تقسیم بھی تمام تر حکومت ہی کے حوالہ کر دی ہے۔ حالانکہ جیسا اوپر عرض کیا گیا فرائض اور حقوق کے درمیان تناسب باقی رکھنے کے لیے انسان کے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے

چنانچہ اشتراکیت کے طریق کار کے تحت ملک بھر کے انسانوں کی روزی کالعین حکومت کے چند کارندوں کے ہاتھ میں آ گیا ہے اور انہیں یہ اختیار مل گیا ہے کہ جس شخص کو جتنا چاہیں دیں، جتنا چاہیں روک لیں۔ اول تو اس میں بددیانتیوں اور اتربا نوازیوں کو ایک بڑا میدان مل جاتا ہے جس کے سہارے افسر شاہی پھلتی پھولتی ہے، دوسرے اگر حکومت کے تمام کارندوں کو فرشتہ بھی تصور کر لیا جائے اور وہ فی الواقعہ یہی چاہیں کہ ملک میں آمدنی کی تقسیم حق و انصاف کی بنیاد پر ہو تو ان کے پاس آخروہ کونسا چیلانہ ہے جس سے وہ یہ فیصلہ کر سکیں کہ ایک انجینئر اور ایک مزدور کے فرائض میں کتنا تفاوت ہے، اور اس کی نسبت سے ان کی آمدنیوں میں کتنا تفاوت قرین انصاف ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس بات کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ انہی عقل کے ادراک سے قطعی ماورا ہے اس لیے اسے قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ آیت زیر بحث دَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ میں اللہ تعالیٰ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس تفاوت کالعین ہم نے انسانوں کے حوالہ کرنے کے بجائے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مطلب یہاں بھی یہی ہے کہ دنیا میں ہر شخص کی ضروریات دوسرے کے ساتھ وابستہ کر کے نظام ایسا بنا دیا ہے کہ ہر شخص اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے دوسرے کو اتنا دینے پر مجبور ہے جتنے کا وہ مستحق ہے۔ یہاں بھی باہمی احتیاج پر مبنی طلب و رسد کا نظام ہر شخص کی آمدنی کالعین کرتا ہے، یعنی ہر شخص اس بات کا فیصلہ خود کرتا ہے کہ جتنے فرائض میں نے اپنے ذمہ لیے ہیں ان کا کتنا معاوضہ میرے لیے کافی ہے اس سے کم ملے تو یہ کام کرنے پر راضی نہ ہو اور یہ زیادہ مانگنے لگے تو کام لینے والا اس سے کام نہ لے۔ لِيَسْتَجِزُوا بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا کا یہی مطلب ہے کہ ہم نے آمدنی میں تفاوت اس لیے رکھا ہے تاکہ ایک شخص دوسرے سے کام لے سکے ورنہ سب کی آمدنی برابر ہوتی تو کوئی کسی کے کام نہ آتا۔

ہاں البتہ بعض غیر معمولی حالات میں بڑے بڑے سرمایہ دار طلب و رسد کے اس قدرتی نظام سے ناجائز فائدہ اٹھا کر غریبوں کو اس بات پر مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے حقیقی استحقاق سے کم اجرت پر کام کریں۔ اسلام نے اول تو حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے وسیع احکام کے ذریعہ نیز اخلاقی ہدایات اور تصور آخرت کے ذریعہ ایسی صورت حال کو پیدا ہونے سے روکا ہے، اور اگر کبھی کسی مقام پر یہ صورت پیدا ہو جائے تو اسلامی حکومت کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ ان غیر معمولی حالات کی حد تک وہ اجرتوں کالعین کر سکتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ صرف غیر معمولی حالات کے لیے ہے اس لیے اس مقصد کے لیے تمام وسائل پیداوار کو حکومت کے حوالہ کر دینے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے نقصانات فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔

اسلامی مساوات کا مطلب:

مذکورہ بالا ارشادات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آمدنی میں مکمل مساوات نہ عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔ نہ عملاً کہیں قائم ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے، اور نہ یہ اسلام کو مطلوب ہے۔ البتہ اسلام نے جس مساوات کو قائم کیا ہے وہ قانون، معاشرت اور ادائے حقوق کی مساوات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا قدرتی طریق کار کے تحت جس شخص کے جتنے حقوق متعین ہو جائیں انہیں حاصل کرنے کے قانونی، تمدنی اور معاشرتی حق میں سب برابر ہیں اس بات کے کوئی معنی

نہیں ہیں کہ ایک امیر یا صاحب جاہ و منصب انسان اپنا حق عزت کے ساتھ باآسانی حاصل کر لے اور غریب کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے در بدر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں اور ذلیل و حقیر ہونا پڑے۔ قانون امیر کے حقوق کی حفاظت کرے اور غریب کو بے یار و مددگار چھوڑ دے، اسی کو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا:

والله ما عندی اقوی من اضعیف حتی اخذ الحق له ولا عندی اضعف من القوی حتی اخذ الحق منه "خدا کی قسم میرے نزدیک ایک کمزور آدمی سے زیادہ قوی کوئی نہیں تا وقت کہ میں اس کا حق اسے نہ دلا دوں اور میرے نزدیک ایک قوی آدمی سے زیادہ کمزور کوئی نہیں جب تک کہ میں اس سے (کمزور) کا حق وصول نہ کر لوں۔"

اس طرح ٹھینٹھ معاشی نقطہ نظر سے اسلامی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں ہر شخص کو کمائی کے یکساں مواقع حاصل ہیں اور اسلام اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ چند بڑے بڑے دولت مند مال و دولت کے دہانوں پر قابض ہو کر اپنی اجارہ داریاں قائم کر لیں اور چھوٹے تاجروں کے لیے بازار میں بیٹھنا دو بھر بنا دیں۔ چنانچہ سود، شہ، قمار، ذخیرہ اندوزی اور اجارہ دارانہ تجارتی معاہدوں کو ممنوع قرار دے کر نیز زکوٰۃ، عشر، خراج، نفقات، صدقات اور دوسرے واجبات عائد کر کے ایسا ماحول پیدا کر دیا گیا ہے جس میں ہر انسان اپنی ذاتی صلاحیت، محنت اور سرمایہ کے تناسب سے کمائی کے مناسب مواقع حاصل کر سکتا ہے اور اس سے ایک خوشحال معاشرے کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ اس کے باوجود آمدنی کا جو تفاوت باقی رہے وہ درحقیقت ناگزیر ہے اور جس طرح انسانوں کے درمیان حسن و جمال، قوت و صحت، عقل و ذہانت اور آل و اولاد کے تفاوت کو منانا ممکن نہیں، اسی طرح اس تفاوت کو بھی منایا نہیں جاسکتا۔

وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ

مال و دولت کی زیادتی فضیلت کا سبب نہیں ہے:

کفار نے جو یہ کہا تھا کہ مکہ اور طائف کے کسی بڑے مالدار کو نبی کیوں نہ بنا دیا گیا؟ ان آیات میں اس کا دوسرا جواب دیا گیا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیشک نبوت کے لیے کچھ شرائط صلاحیت کا پایا جانا ضروری ہے لیکن مال و دولت کی زیادتی کی بنا پر کسی کو نبوت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ مال و دولت ہماری نگاہ میں اتنی حقیر چیز ہے کہ اگر تمام لوگوں کے کافر بن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم سب کافروں پر سونے چاندی کی بارش کر دیتے اور صحیح ترمذی کی ایک حدیث میں آنحضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے: لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ماسغى كافرا منها شربة ماء (یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی درجہ رکھتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا) اس سے معلوم ہوا کہ نہ مال و دولت کی زیادتی کوئی فضیلت کی چیز ہے نہ اس کی کمی انسان کے کم رتبہ ہونے کی علامت ہے۔ البتہ نبوت کے لیے کچھ اعلیٰ درجہ کے اوصاف ضروری ہیں وہ سرکارِ عالم ﷺ میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں، اس لیے یہ اعتراض بالکل لغو اور باطل ہے۔

اور مذکورہ آیات میں یہ جو کہا گیا ہے کہ اگر کافروں پر مال و دولت کی اتنی فراوانی کر دی جاتی تو سب لوگ کافر ہو جاتے،

سَأَلُونَكَ عَنِ الْقِيَامِ بِحَقِّهِ وَنَسَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ أَىٰ غَيْرَهُ إِلَهًا
يَعْبُدُونَ ۗ قِيلَ هُوَ عَلَىٰ ظَاهِرِهِ بِأَنَّ جُمُعَ لَهُ الرُّسُلُ لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ وَقِيلَ الْمُرَادُ أُمَّمٌ مِنْ أَىٰ أَهْلِ الْكِتَابِينَ
وَلَمْ يَسْأَلْ عَلَىٰ وَاحِدٍ مِنَ الْقَوْلَيْنِ لِأَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْأَمْرِ بِالسُّؤَالِ التَّفَرُّدَ لِمُشْرِكِي قُرَيْشٍ إِنَّهُ لَمْ يَأْتِ
رَسُوْلٌ مِنَ اللَّهِ وَلَا كِتَابٌ بِعِبَادَةِ غَيْرِ اللَّهِ

ترجمہ: جو شخص اللہ کے ذکر قرآن سے اندھا بن جائے منہ موڑ لے ہم اس پر اس وجہ سے ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں
سو وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور وہ یعنی شیاطین ان دنیا داروں کو راہ ہدایت سے روکتے رہتے ہیں
اور یہ لوگ اس خیال میں رہتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں حج کی ضمیر لانے میں من کے معنی رعایت ہے یہاں تک کہ جب ایسا شخص
ہمارے پاس آئے گا دنیا دار اپنے ساتھی کے ساتھ قیامت میں تو کہے گا اس ساتھی سے کہ اے کاش یا تمبیہ کے لیے ہے
میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کے برابر فاصلہ ہوتا یعنی جس قدر دوری مشرق اور مغرب کے درمیان ہوتی ہے
سو برا ساتھی ہے تو میرے لیے حق تعالیٰ فرماتے ہیں اور ہرگز تمہارے کام نہ آئے گی۔ یہ بات دنیا دار و تمہاری تمنا اور ندامت
آج جب کہ تم ظلم کر چکے تھے یعنی دنیا میں شرک کرنے کی وجہ سے آج تمہارا ظلم واضح ہو چکا تھا یقیناً تم سب مع اپنے ساتھیوں
کے عذاب میں شریک ہو۔ ائمہ جملہ علت عدم نفع کی بتقدیر اللام اور ذابدل ہے ایوم کا سو کیا آپ یہ ان بہروں کو سنا سکتے ہیں یا
اندھس کو اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی میں ہیں راہ پر لا سکتے ہیں یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے پھر اگر امام میں ان شرطیہ
کے نون کا ما زائدہ میں ادغام ہو گیا ہم آپ کو اٹھالیں گے کہ ان پر عذاب آنے سے پہلے آپ کی وفات ہو جائے تو بھی ہم ان
سے بدلہ لینے والے ہیں آخرت میں یا اگر ہم آپ کو آپ کی زندگی ہی میں دکھلا دیں جس عذاب کا ہم نے ان سے وعدہ کر
رکھا ہے تب بھی ہم کو ان کے عذاب پر ہر طرح کی قدرت طاقت ہے سو آپ اس قرآن پر قائم رہیے جو آپ پر وحی کے ذریعہ
نازل کیا گیا ہے یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں اور یہ قرآن آپ کے لئے ذکر بڑے شرف کی چیز ہے اور آپ کی قوم کے
لئے ان کی مادری زبان میں اترنے کی وجہ سے اور عنقریب تم پوچھ جاؤ گے اس کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں اور آپ
ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمن کے سوا علاوہ دوسرے معبود
ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی پرستش کی جائے بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر ہے یعنی واقعہ معراج میں سب
پیغمبر اسی لیے جمع کیے گئے اور بعض کی رائے ہے ان پیغمبروں کے امتی یعنی اہل کتاب مراد ہیں تاہم دونوں صورتوں میں
آنحضرت ﷺ نے کسی پیغمبر سے دریافت نہیں فرمایا کیونکہ یہاں سوال کرنے کا منشاء مشرکین قریش پر یہ ثابت کرنا ہے کہ
کوئی رسول اور کوئی کتاب غیر اللہ کی پرستش کے لیے نہیں آئی۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: نُسَبِّبُ: یعنی ہم مسلط کر دیتے ہیں، اس طور پر کہ ان کو خیال بھی نہیں ہوتا۔

قوله: لَهُ قُوَيْنٌ: ایسا ساتھی جو اس سے جدا نہ ہو۔

قوله: فِي الْجَنَّةِ: ضمیر میں جنس کا لحاظ کیا گیا۔

قوله: بِقَرِينِهِ: بائع کے معنی میں ہے۔

قوله: مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ: اصل اس طرح ہے بعد للشرق من المغرب تغلبا الشقوقین کہہ دیا۔

تفسیر مقبولین

وَمَنْ يُعِشْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قُوَيْنٌ ۝

یُعِشْ کے وزن پر مضارع کا صیغہ ہے من شرطیہ داخل ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے جس کی وجہ سے واؤ حذف ہو گیا اس کا لغوی معنی یہ ہے کہ آنکھوں میں کوئی بیماری نہ ہو تب بھی نظر نہ آئے اور بعض حضرات نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ نظر کمزور ہو جائے جس سے اچھی طرح نظر نہ آئے آیت کا مطلب یہ ہے بہت سے لوگوں کے پاس حق آیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت آئی یعنی انہوں نے قرآن کو سنا اور سمجھا لیکن تصدأر دة اس کی طرف سے اندھے بن گئے جو لوگ اس طریقے کو اختیار کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ایک شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اب یہی شیطان ان کا ساتھی بنا رہتا ہے اور ان کو حق قبول نہیں کرنے دیتا اور حق پر نہیں آنے دیتا یہ شیاطین جو اس قسم کے لوگوں کے ساتھی بن جاتے ہیں ان گراہی اختیار کرنے والے لوگوں کو راہ حق سے روکتے رہتے ہیں اور یہ لوگ جن کے ساتھی شیاطین بن جاتے ہیں راہ حق سے ہٹ جاتے اور گراہی میں پڑ جانے کے باوجود یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں، یہ شیطان اس قرین کے علاوہ ہے جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے کہ تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک قرین فرشتہ اور ایک قرین شیطان مقرر ہے۔

(رواہ مسلم)

ان گراہوں کی دنیا میں تو شیاطین سے دوستی ہے لیکن جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو گراہ ہونے والا آدمی اپنے ساتھی یعنی شیطان سے کہے گا کہ تو نے میرا ناس کھویا کاش دنیا میں میرے اور تیرے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا جتنا مغرب اور مشرق کے درمیان ہے تو میرا برا ساتھی تھا تو نے مجھے گراہ کیا اور کفر و شرک اور برے اعمال کو اچھا کر کے بتایا۔ کیا فی السورة حم السجده: وَقَبَضْنَا لَهُمْ قُرْآنًا فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (اور ہم نے ان کے لیے کچھ ساتھ رہنے والے مقرر کر رکھے تھے سو انہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نظر میں اچھے بنا کر دکھا رکھے تھے۔)

دنیا میں تو گمراہوں کا دوستانہ تھا شیاطین بھی کافر تھے اور جن انسانوں کو بہکاتے تھے وہ بھی ان کے بہکانے کی وجہ سے کفر پر تھے رہتے تھے پھر جب قیامت کے دن موجود ہوں گے تو سب کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا وہاں ایک دوسرے کو عذاب میں دیکھیں گے لیکن اس بات سے کسی کو کچھ نفع نہ ہوگا کہ سب دوزخ میں ہیں اور سب عذاب میں ہیں یعنی جس طرح دنیا میں ایک دوسرے کو مصیبت میں دیکھ کر تسلی ہو جاتی ہے کہ ہم تنہا مصیبت میں نہیں ہیں، دوسرے لوگ بھی اس مصیبت میں مبتلا ہیں جو ہم پر آئی ہے وہاں اس بات سے کسی کو کچھ نفع نہ ہوگا کہ سب عذاب میں شریک ہیں کیونکہ وہاں کا عذاب بہت سخت ہے۔ دنیا میں جو بہت سے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی جاتی ہے تو حق کو جانتے اور پہچانتے ہوئے اسلام قبول نہیں کرتے اور نفس و شیطان ان کو یہ سمجھا دیتا ہے کہ اور بھی تو کروڑوں ایسے لوگ ہیں جو مسلمان نہیں ہیں جو ان کا حال ہوگا وہی ہمارا ہو جائے گا ایسے لوگوں کو بتا دیا کہ عذاب میں پڑنے والوں کے ساتھ عذاب میں جانا یہ کوئی سمجھداری نہیں ہے جب سب عذاب میں جائیں گے تو یہ دیکھ کر کچھ فائدہ نہ ہوگا کہ دوسرے لوگ بھی عذاب میں ہیں۔

بہت سے وہ لوگ جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں ان کا بھی یہ طریقہ ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فریض انجام

دو، حرام سے بچو اور گناہوں کو چھوڑ دو کہہ دیتے ہیں کہ اور کون شریعت پر چل رہا ہے جو ہم چلیں، یہ جاہلانہ جواب ہے یہاں تو گنہگاروں کی جماعت میں شریک ہونا نفس کو اچھا لگ رہا ہے لیکن روز قیامت جب گنہگاروں کی صف میں کھڑے ہوں گے اور عذاب میں مبتلا ہوں گے اس وقت اس بات سے کسی کو کچھ فائدہ نہ ہوگا کہ ہم بھی عذاب میں ہیں تو کیا ہو اور ہزاروں آدمی بھی تو عذاب میں ہیں اس بات کا خیال کرنے سے کسی کا عذاب ہلکا نہیں ہو جائے گا۔

أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

پیغمبر کے لیے تسکین و تسلیہ کا سامان:

پیغمبر کی تسکین و تسلیہ کے لیے فرمایا گیا کہ یہ لوگ اگر نہیں سنتے تو اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں بلکہ اصل رکاوٹ انکا عناد اور ہٹ دھرمی ہے جس کی بنا پر یہ اندھے بہرے بن کر رہ گئے ہیں۔ سو آپ کی تذکیر و موعظت ان ہی لوگوں کے اندر کارگر ہو سکتی ہے جو زندہ ہوں اور ان کے اندر دیکھنے سننے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت باقی ہو۔ جبکہ ان لوگوں نے اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر علم و ادراک کی صلاحیتوں کو تباہ کر دیا ہے۔ اور یہ اندھے اور بہرے بن کر رہ گئے ہیں۔ اور اندھوں بہروں کو راستہ دکھانا کسی کے بس میں نہیں۔ یعنی یہ لوگ صرف گمراہ ہی نہیں بلکہ گمراہی میں غرق اور اس میں غوطہ زن ہیں۔ تو پھر ان کو ہدایت کس طرح ہو سکتی ہے؟ کشتی پانی میں ہو تو پار لگ سکتی ہے مگر جب پانی کشتی میں بھر آئے تو اس کے پار لگنے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ پس آپ ایسے اندھوں بہروں کی وجہ سے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں۔ اور ان پر اتنا افسوس نہ کریں کہ اس میں اپنی جان عزیز کو بھی داؤ پر لگادیں۔ { فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ } (فاطر: 8) سو یہ دراصل آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ﷺ جو ان کی ہدایت کی حرم رکھتے ہیں اسکا کوئی فائدہ نہیں کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی حرم کے باوجود ایمان لانے والے نہیں۔ اس لیے آپ ان کی اتنی فکر نہ کریں۔ { وَمَا اسْأَلُوا النَّاسِ وَتَوْ حَرَضْتَ

لیے بڑے شرف اور فخر کی چیز ہے، نزول قرآن سے لے کر آج تک پورے عالم میں قرآن مجید پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے جتنے بھی پڑھانے والے ہیں سب کی سند حضرات صحابہ تک پہنچی ہے جنہوں نے قرآن کو سیکھا اور سکھایا اور اس کی قراءت اور روایات اور طرق ادا کو آگے بڑھایا۔ قرآن مجید کی وجہ سے عربی زبان کی پوری دنیا میں اہمیت ہو گئی اس کے قواعد لکھے گئے بلاغت پر کتابیں تصنیف کی گئیں قرآن کی وجہ سے خود عرب بھی بلند ہو گئے ورنہ نزول قرآن سے پہلے دنیا میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ یمن میں کسریٰ کا اقتدار تھا اور شام میں قیصر نصرانی کا اور مدینہ منورہ میں یہودی صاحب اقتدار بنے ہوئے تھے۔

لِقَوْلِكَ ۱ سے بعض حضرات نے قریش مکہ کو مراد لیا کیونکہ قرآن مجید ان کی لغت میں نازل ہوا اور بعض حضرات نے مطلقاً عربی بولنے والوں کو مراد لیا ہے یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ ذکر سے تذکرہ مراد لیا جائے جس کا حاصل ترجمہ شرف اور فخر کیا گیا۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے: لِقَوْلِكَ ۲ سے عام مؤمنین مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم یعنی اہل ایمان کے لیے نصیحت ہے۔

وَسَوْفَ تُنْفَلُونَ ۳ (اور تم لوگوں سے سوال ہوگا) کہ اس قرآن کا کیا حق ادا کیا اور اس پر کیا عمل کیا اور اس کی کیا قدر کی۔ وَسْئَلُ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا (اور جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان سے دریافت کر لیجئے کیا ہم نے رحمن کے علاوہ معبود ٹھہرائے جن کی عبادت کی جائے) یعنی ایسا نہیں ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام تو وفات پا چکے، ان سے پوچھنے کا حکم کیسے دیا جا رہا ہے؟ اس کا جواب بعض مفسرین نے تو یہ دیا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی معجزہ کے طور پر سابقہ انبیاء علیہم السلام سے آپ کی ملاقات کرادے تو اس وقت ان سے یہ بات پوچھ لیجئے، چنانچہ شب معراج میں آپ کی ملاقات تمام انبیاء سے ہوئی اور علامہ قرطبی نے بعض روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کرنے کے بعد ان سے یہی بات پوچھی تھی لیکن ان روایات کی سند ہمیں معلوم نہیں ہو سکی چنانچہ اکثر مفسرین نے آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ خود انبیاء علیہم السلام سے پوچھنا مراد نہیں بلکہ ان پر نازل ہونے والوں صحیفوں سے تحقیق کرنا اور ان کی امتوں کے علماء سے پوچھنا مراد ہے۔ چنانچہ انبیاء بنی اسرائیل کے جو صحیفے اب بھی موجود ہیں ان میں بہت سی تحریفات کے باوجود توحید کی تعلیم اور شرک سے بیزاری کی تعلیم آج تک شامل ہے۔ مثال کے طور پر موجودہ بائبل کی درج ذیل عبارتیں ملاحظہ فرمائیے۔

انبیاء کے صحیفوں میں توحید کی تعلیم:

موجودہ تورات میں ہے:

”تا کہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں“ (استثناء ۱: ۵۳)

اور: ”سن اے اسرائیل، خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے“ (استثناء ۱: ۶)

اور حضرت اشعیاؑ کے صحیفہ میں ہے:

”میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں، میرے سوا کوئی خدا نہیں، تا کہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا

کوئی نہیں، میں ہی خداوند ہوں، میرے سوا کوئی دوسرا نہیں" (یسعہ ۱۱:۱۰۰)

اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول موجودہ انجیلوں میں مذکور ہے:

"اے اسرائیل، سن، خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی پیاری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ" (مرس ۲۱:۱۳ و مئی ۲۲:۶۳)

منقول ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیر" (۲:۷۱۷)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَ مَلَائِكِهِ ۖ أَيُّ الْقَبِيحِ قَقَالَ إِنَّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا
الذَّالَّةِ عَلَىٰ رِسَالَتِهِ إِذَا هُمْ فِيهَا يَصْحَكُونَ ۖ وَمَا يُذِخُهُمْ مِنْ آيَةٍ ۖ مِنْ آيَاتِ الْعَذَابِ كَالطُّوفَانِ وَهُوَ مَا دَخَلَ
بِيُوتَهُمْ وَوَصَلَ إِلَىٰ خُلُقِ الْجَالِسِينَ سَبْعَةَ أَيَّامٍ وَالْجَزَاءُ إِلَّا هِيَ الْكِبْرُ مِنْ أُخْتِهَا ۖ قَرَّبْتِهَا النَّبِيَّ قَبْلَهَا وَ
أَخَذَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۖ عَنْ كُفْرِهِمْ وَقَالُوا لِمُوسَىٰ لَمَّا رَأَىٰ الْعَذَابَ يَا أَيُّهَا الشَّجِرُ أَيُّ الْعَالَمِ
الْكَامِلِ لِأَنَّ السِّحْرَ عِنْدَهُمْ عِلْمٌ عَظِيمٌ ۖ ادْعُ لِنَارِكَ بِمَا عَمِدَ عِنْدَكَ ۖ مِنْ كَشْفِ الْعَذَابِ عَنَّا إِنَّ أَمْنَا
إِنَّا كَاهِنُونَ ۖ أَيُّ مُؤْمِنُونَ فَلَمَّا كَشَفْنَا ۖ بِدَعَاءِ مُوسَىٰ عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُشُونَ ۖ يَنْقُضُونَ
عَهْدَهُمْ وَيُصِرُّونَ عَلَىٰ كُفْرِهِمْ وَ نَادَىٰ فِرْعَوْنُ ۖ ائْتِخَارًا فِي قَوْمِهِ قَالَ يَقَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَ هَذِهِ
الْأَنْهَارُ أَيُّ مِنَ النَّيْلِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۖ أَيُّ تَحْتَ قُضُورِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۖ عَظُمَتِي أَمْ تُبْصِرُونَ وَ جِنْدِ
أَنَا خَيْرٌ مِنْ هَذَا أَيُّ مُوسَىٰ الَّذِي هُوَ مَهِينٌ ۖ ضَعِيفٌ حَقِيرٌ وَ لَا يَكَادُ يُبِينُ ۖ يُظَاهِرُ كَلَامَهُ لِلثَّغْتِ
بِالْجَمْرِ النَّبِيَّ تَنَاوَلَهَا فِي صِغَرِهِ فَلَوْلَا هَلَا أَلْقَىٰ عَلَيْهِ ۖ إِنَّ كَانَ صَادِقًا ۖ سُورَةُ مِنْ ذَهَبٍ جَمْعُ سُورَةٍ
كَأَعْرَابِ جَمْعُ سَوَارٍ كَعَادَتِهِمْ ۖ فِيمَا يَسُودُونَ أَنَّهُ أَنْ يَلْبَسُوا سُورَةَ ذَهَبٍ وَيَطُوقُوا طَوْقَ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ
لِلنَّيْكَةِ مُقْتَرِنِينَ ۖ مُتَابِعِينَ يَشْهَدُونَ بِصِدْقِهِ فَاسْتَحَفَّ ۖ اسْتَفْرَفَ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ فَاطَاعُوهُ ۖ فِيمَا يُرِيدُ مِنْ
كُذِّبَ مُوسَىٰ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۖ فَلَمَّا أَسْفُونَا ۖ أَعْضَبُونَا ۖ اتَّقَيْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْعِينَ ۖ

جَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا ۖ جَمْعُ سَالِفٍ كَخَادِمٍ وَ خَدِمَ أَيُّ سَابِقِينَ عِبْرَةٌ وَ مَثَلًا لِلْآخِرِينَ ۖ بَعْدَهُمْ يَمْتَثِلُونَ بِحَالِهِمْ

أَلَا يَفْقَهُونَ عَلَىٰ مِثْلِ أَعْمَالِهِمْ

تو چیخا: اور ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امراء قبیلوں کے پاس بھیجا تھا سوائے انہوں نے فرمایا کہ میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں پھر جب موسیٰ ہماری نشانیاں لے کر آئے جو ان کے رسول ہونے پر دلالت کرنے والی تھیں تو وہ یکا یک ان پر لگے پھینے اور ہم ان کو جو نشانی دکھلاتے تھے عذاب کی نشانیوں میں سے مثلاً طوفان کا پانی ان کے گھروں میں داخل ہوا اور ایک ہفتہ بیٹھنے والوں کے گلے گلے آتا رہا اسی طرح نذیبوں کا عذاب تو ہر دوسری نشانی پہلی نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی جو اس سے پہلے آچکی ہوتی اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا تا کہ وہ باز آجائیں اپنے کفر سے اور وہ لوگ بولے عذاب آنے پر حضرت موسیٰ سے اے جاوگر! ماہر کامل کیونکہ جاوہان کی نظر میں سب سے بڑا علم تھا اپنے پروردگار سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے کہ اگر ہم ایمان لے آئیں تو ہم سے عذاب اٹھالیا جائے گا ہم ضرور راہ پر آجائیں گے ایمان لے آئیں گے پھر جب ہم نے موسیٰ کی دعا سے ان سے وہ عذاب ہٹالیا تب بھی انہوں نے عہد توڑ دیا اپنے کفر پر بدستور جے رہے اور فرعون نے فخر یہ اپنی قوم میں منادی کرائی کہا اے میری قوم! کیا سلطنت مصر میری نہیں؟ اور یہ دریائے نیل کی نہریں میرے نل کے پائیں میں بہ رہی ہیں کیا تم میری عظمت کو دیکھتے نہیں ہو؟ یاد دیکھ رہے ہو اس صورت میں تو میں بہتر ہوں اس موسیٰ سے جو گھٹیا درجہ کا ہے کمزور حقیر ہے اور قوت بیان یہ بھی نہیں رکھتا قادر الکلام اس لکنت سے جو بچپن میں ان کی زبان میں چنگاری رکھنے کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی سو اس کے سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے اگر وہ سچا تھا "اساور" جمع ہے "اسورۃ" کی جیسے "اغریۃ" اور "اسورۃ" کی امراء اپنی عادت کے مطابق سونے کے کنگن اور ہار پہنا کرتے تھے یا فرشتے اس کے جلو میں پرے باندھ کر آئے ہوتے اس کی سچائی کی تصدیق کرنے کے لیے غرض فرعون نے اپنی قوم کو دبا لیا مغلوب کر دیا سو وہ اس کے آگے جھک گئے موسیٰ کی تکذیب کے سلسلہ میں وہ لوگ تھے ہی شرارت کے بھرے ہوئے پھر جب ان لوگوں نے ہمیں غصہ دلایا برہم کر دیا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور ان سب کو ڈبو دیا اور ہم نے ان کو انسانہ سلف جمع ہے سالف کی جیسے خادم کی جمع خدم آتی ہے یعنی مقدمہ عبرت اور نمونہ بنا دیا آئندہ آنے والوں کے لئے بعد کے لوگ ان کے حالات سے سبق لے کر ایسے کام نہیں کریں گے

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: الْعَالِمُ: بحر ان کے ہاں معزز علم تھا۔ اس لیے اس لقب نے انہوں نے موسیٰ سے استدعا کی۔
 قوله: مِنَ النَّيْلِ: نل سے اس وقت چار بڑی نہریں ہیں: ۱۔ عبدالملک، ۲۔ طولون، ۳۔ دمیاط، ۴۔ تیس۔
 قوله: تُبْصِرُونَ: ام متعلہ مسبب کاسب کے قائم مقام قرار دیا اور وہ البصار ہیں۔
 قوله: لِلنَّغْتِیۃ: لکنت۔ اغربہ جمع غراب۔
 قوله: سَالِفًا: جمع سالیف یہ مصدر نہیں۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم فرعون کے پاس پہنچنا اور ان لوگوں کا معجزات دیکھ کر تکذیب اور تضحیک کرنا، فرعون کا اپنے ملک پر فخر کرنا اور بالآخر اپنی قوم کے ساتھ غرق ہونا:

ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت و رسالت اور فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں اور چودھریوں کی تکذیب پھر ہلاکت اور تکذیب کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے اشراف قوم کے پاس اللہ تعالیٰ کی نشانیاں یعنی معجزات لے کر پہنچے تو ان لوگوں نے ان کا مذاق بنایا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاشی کو ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ اڑ دھا بن گئی تو فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا کہ اجی یہ کیا معجزہ ہے یہ تو جادو کا کرشمہ ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے جادوگر بلائے ان سے مقابلہ کرایا جادوگروں نے اپنی لاشیاں اور رسیاں ڈالیں جو حاضرین کو دیکھنے میں دوڑتے ہوئے سانپ معلوم ہو رہی تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو وہ ان کے بنائے ہوئے دھندے کو چٹ کرنے لگا اس پر جادوگر ہار مان گئے جس کا واقعہ سورۃ الاعراف، سورۃ ط اور سورۃ الشعراء میں مذکور ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ یہ بیضا تھا اس کا مقابلہ کرنے کی توہمت ہی نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی، کیونکہ وہ امر غیر اختیار تھا ان کے علاوہ اور بھی معجزات تھے جو فرعونوں کے لیے بھیجے گئے تھے، جن کا ذکر سورۃ اعراف میں یوں بیان فرمایا ہے: فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجُرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالذَّلَّةَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ یعنی ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیج دیا یہ چیزیں ان پر عذاب کے طور پر تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعدد معجزات تھے جب کوئی نشانی ظاہر ہوتی تھی تو وہ اپنی ساتھ والی دوسری نشانی سے بڑھ چڑھ کر ہوتی تھی عذاب آتا تھا تو کہتے تھے کہ ہم تو اسے جادو ہی سمجھ رہے ہیں تم کہتے ہو یہ میرے رب کی طرف سے ہے جو مجھے بطور معجزہ عطاء کیا ہے اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ اگر تم ایمان لے آؤ گے تو میرا رب تمہارے اس عذاب کو ہٹا دے گا ہماری سمجھ میں یہ بات آتی تو نہیں ہے ہم تو تمہیں جادوگر ہی سمجھ رہے ہیں لیکن اگر تمہارے رب نے ہمارا عذاب ہٹا دیا تو ہم ضرور راہ پر آ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہٹا دیا جاتا تھا تو اپنا عہد توڑ دیتے تھے اور کافر کے کافر ہی رہتے تھے فرعون کو فکر لگی ہوئی تھی کہ یہ شخص بڑے بڑے معجزات دکھاتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ میری قوم کے لوگ اس بات کو قبول کر لیں اور میری حکومت اور سلطنت جاتی رہے اور یہی بڑا بن جائے لہذا اس نے اپنی قوم میں ایک منادی کرادی اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے کہا کہ دیکھو میں مصر کا بادشاہ ہوں میرے نیچے نہیں بہتی ہیں میں اس شخص سے بہتر ہوں جو نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے یہ میرے مقابلے میں ذلت والا ہے اس کی ماں حیثیت بھی نہیں اور یہ اور اس کا بھائی اس قوم میں سے ہے جو ہمارے خدمت گزار ہیں فرما بندگان ہیں: فَلَقَالُوا أَأَتُونَا بِبَشَرٍ مِّثْلِنَا وَقَوْمُهُمْ لَنَا غِيبُونَ يَدُولُوا دُونَنَا

سے کم ہے اس کی کچھ حیثیت نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ اچھی طرح بیان بھی نہیں کر سکتا (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں جو کلمت تھی اس کی طرف اشارہ کیا) اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر یہ شخص نبی ہے تو بہت بڑا مالدار ہونا چاہیے اگر نبی ہوتا تو اس پر سونے کے ننگن ڈالے جاتے اور چوتھی بات یہ ہے کہ اس کی تائید کے لیے فرشتے آنے چاہئیں تھے جو لگا تار منس بنا کر آجاتے اس کی تائید اور مدد کرتے۔

ہر قوم کے چھوٹے لوگ بڑے لوگوں کی طرف دیکھا کرتے ہیں بڑے لوگ نزعون کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے ان کی دیکھا دیکھی قوم کے دوسرے لوگ بھی مغلوب ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے نزعون کی اطاعت کا دم بھرتے رہے اس کی قوم کے چھوٹے بڑے لوگ فاسق اور نافرمان تھے شرارت سے بھرے ہوئے تھے انہوں نے کفر پر رہنے کا فیصلہ کیا سمجھانے سے باز نہ آئے، موسیٰ علیہ السلام کی اور معجزات کی بے ادبی کی اور معجزات کو جادو بتایا یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کا غضب نازل کرنے والی تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے بدلہ لے لیا اور ان سب کو ڈبو دیا غرق کرنے تک کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا کہ ہم نے انہیں بعد میں آنے والوں کے لیے سلف یعنی پہلے گزر جانے والا نمونہ بنا دیا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں پہلے آئے سرکشی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے ڈبو دیئے گئے بعد میں آنے والوں کے لیے ان کا واقعہ عبرت اور نصیحت ہے قصص الاولین مواظبا للآخرین، پہلے لوگوں کے واقعات جنہیں سلف کہا جاتا ہے بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت ہوتے ہیں اور اس بات کا نمونہ بن جاتے ہیں کہ جو قوم ان کی طرح اعمال کرے گی ان کے ساتھ پرانے لوگوں جیسا معاملہ کیا جائے گا۔

قوله تعالى: أَمْ أَنَا خَيْرٌ قَالَ أَبُو عبيدة ام بمعنى بل ليس بحرف عطف، وقال الفراء ان شئت جعلتها من الاستفهام وان شئت جعلتها من النسق على قوله أَلَيْسَ لِي مُلْكٌ وَمَصْرٌ وَقِيلَ هِيَ زَائِدَةٌ وَقوله مقترنين معناه قال ابن عباس رضي الله عنه يعاونونه على من خالفه وقال قتادة متتابعين قال مجاهد يمشون معه والمعنى هل ضم اليه الملائكة التي يزعم أنها عند ربه حتى يتكثروا بهم يصر فهم على امره ونهيه فيكون ذلك اهيب في القلوب۔

وقوله تعالى: فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ، قال ابن الاعرابي للمعنى فاستجهل قومه لنخفة أحلامهم وقلة عقولهم، وقيل استخف قومه قهرهم حتى اتبعوه يقال استخفه خلاف استقله واستخف به اهانه۔
قوله تعالى: فَلَمَّا أَسْفَوْنَا، عن ابن عباس أي غاظونا واغضبونا والغضب من الله اما ارادة العقوبة فيكون من صفات الذات اما عين العقوبة فيكون من صفات الفعل۔ (من القرطبي ص ۱۰۱ ج ۱۶)

ارشاد الہی: اَمْ أَنَا خَيْرٌ، ابو عبیدہ نے کہا ام، مل کے معنی میں ہے، حرف عطف نہیں ہے، فراء کہتے ہیں اگر چاہو تو استفہام کے لیے سمجھو چاہو تو: أَلَيْسَ لِي مُلْكٌ وَمَصْرٌ پر عطف مان لو، بعض نے کہا زائد ہے۔

مُقْتَرِنِينَ ﴿۱۰۱﴾ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں: اس کا معنی ہے وہ مخالفوں کے خلاف اس کی مدد کرتے، قتادہ کہتے ہیں اس کا معنی ہے متتابعین یعنی اس کی پیروی کرتے، مجاہد کہتے ہیں اس کے ساتھ چلتے مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ

الطَّيغُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوا هَذَا صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَبِي عِيسَى هُوَ

اللَّهُ أَوْ ابْنُ اللَّهِ أَوْ نَالِثُ ثَلَاثَةِ قَوَائِلٍ كَلِمَةُ عَذَابٍ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا كَفَرُوا بِمَا قَالُوا فَبِي عِيسَى مِنْ عَذَابٍ

يَوْمَ الْيَوْمِ ۝ مَثَلٌ هَلْ يَنْظُرُونَ أَيُّ كُفَّارٍ مَكَّةَ أَيُّ مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَدَلٌ مِنَ السَّاعَةِ

بَقِيَّةٌ فَجَاءَتْ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ بَوُئِيَ مَجِئُهَا قَبْلَهُ الْخَلَائِفَ عَلَى الْمُعْصِيَةِ فِي الدُّنْيَا يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

بِأَنَّ مَثَلًا بِقَوْلِهِ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝ الْمُتَخَائِبِينَ فِي اللَّهِ عَلَى طَاعَتِهِ فَإِنَّهُمْ أَصْدِقَاءُ وَبِقَالَ لَهُمْ-

ترجمہ چھٹا: اور جب ابن مریم کے لیے ایک مضمون بیان کیا گیا جب یہ آیت نازل ہوئی، اُنکے وہاں نَعْبُدُونَ میں کون
 لہو... تو مشرکین بولے کہ ہم اس پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رکھے جائیں کیونکہ ان کی بھی
 پرستش کی گئی ہے تو کیا ایک آپ کی قوم کے لوگ مشرکین چلانے لگے اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ
 ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا وہ عیسیٰ علیہ السلام اس لیے ہم راضی ہیں ہمارے معبود ان کے ساتھ رہیں ان لوگوں نے یہ بات
 جو آپ سے بیان کی ہے تو محض جھگڑے کی غرض سے ہے غلط فہم کو اس سے ورنہ یہ جانتے ہیں کہ ماغیر عاقل کے لیے آتا ہے اس
 لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس میں آتے ہی نہیں بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑا، بات کا جھگڑا بنانے والے عیسیٰ علیہ السلام تو محض
 ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے نبوت دے کر فضل کیا تھا اور ان کو بلا باپ کے پیدا کر کے بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنایا تھا
 عجیب و غریب مثال جس سے اللہ کی قدرت معلوم ہوتی ہے کہ جو وہ چاہتا ہے وہی ہو جاتا ہے اور اگر ہم چاہتے تو تمہارے
 بجائے تم میں فرشتے پیدا کرتے کہ زمین پر وہ یکے بعد دیگرے رہا کرتے ہم تمہیں ہلاک کر دیتے اور وہ عیسیٰ قیامت کے یقین
 کا ذریعہ ہیں ان کے نازل ہونے کے بعد قیامت آئیگی، تو تم لوگ اس میں تردد نہ کرو۔ تمہارا اصل میں تمہارے تھانوں میں
 جزم کی وجہ سے اور اذیتاں سائیں کی وجہ سے گر گیا ہے اس میں تشکیک کا معنی کیا جاتا ہے ان سے کہئے کہ تم میری پیروی کرو
 توحید کے متعلق یہ جو میں بتا رہا ہوں سیدھا راستہ طریقہ ہے اور تمہیں شیطان روکنے نہ پائے اللہ کے دین سے برگشتہ نہ کرے
 بلاشبہ وہ تمہارا صریح کھلا دشمن ہے اور عیسیٰ علیہ السلام جب معجزات، نشانات و احکام لے کر آئے کہنے لگے تمہارے پاس سمجھ کر
 باتیں نبوت اور انجیل کے احکام لے کر آیا ہوں اور تاکہ بعض وہ باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم سے بیان کر دوں یعنی
 تورات کے دین وغیرہ کے احکام بیان کر دوں سو تم اللہ سے ڈرو میرا کہنا مان لو بلاشبہ اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا بھی سو اس کی
 عبادت کرو یعنی ہے سیدھی راہ سو مختلف گروہوں نے آپس میں اختلاف ڈال لیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کفر یہ کلمات
 کہتے کہ عیسیٰ ہی اللہ ہے یا اللہ کا بیٹا ہے یا تین خداؤں میں تیسرا ہے بڑی خرابی ہے ظالموں کا فرد کیلئے اس سبب سے
 جو انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا ایک دردناک عذاب و پل کلمہ عذاب ہے یہ لوگ کفار مکہ نہیں انتظار کر رہے
 ہیں مگر قیامت کا کہ وہ دفعتاً ان پر آن پڑے۔ ان کا تمہیں، اللہ سے بدل ہے اور ان کو اس کے آنے کا پہلے احساس بھی نہ ہو
 تمام دوست دنیا میں گناہ کے ساتھی اس روز کا تعلق اگلے جملے سے ہے معصیت کی بنیاد پر دنیا میں ایک دوسرے کے دشمن ہو

کلماتِ تفسیر یہ کہ توضح و تشریح

- قوله: وَالشَّرَائِعِ: واضح احکامات۔
 قوله: الاحزاب: جمع حزب گروہ جماعت۔
 قوله: من بينهم: لفرانیوں کے مابین۔
 قوله: الْأَخْلَاءَ: دوست۔ متشکل متصل ہے۔

تفسیر مقبولین

وَلَمَّا صُوبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۝

ان آیات کے شان نزول میں مفسرین نے تین روایتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ ایک مرتبہ آنحضرت محمد ﷺ نے قبیلہ قریش کے لوگوں سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا تھا: "یا مشرک قریش لا ینفینا احدی بعد من دون الله" یعنی "اے قریش کے لوگو! اللہ کے سوا جس کسی کی عبادت کی جاتی ہے اس میں کوئی خیر نہیں" اس پر مشرکین نے کہا کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں لیکن آپ خود مانتے ہیں کہ وہ اللہ کے نیک بندے اور اس کے نبی تھے۔ ان کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (قرطبی) دوسری روایت یہ ہے کہ جب قرآن کریم کی: انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم (بلاشبہ اے مشرک، تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن نہیں گے) نازل ہوئی تو اس پر عبداللہ بن الزبیری نے جو اس وقت کافر تھے، یہ کہا کہ اس آیت کا تو میرے پاس بہترین جواب موجود ہے، اور وہ یہ کہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اور یہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کی تو کیا یہ دونوں بھی جہنم کا ایندھن نہیں گے؟ یہ بات سن کر قریش کے مشرکین بہت خوش ہوئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ آیت نازل فرمائی کہ: ان الذین سبقت لهم من الحسنى اولئک عنها معذونہ اور دوسری سورۃ زلزلہ کی مذکورہ بالا آیات۔ (ابن کثیر و طبرانی)

تیسری روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین مکہ نے یہ بے اودہ خیال ظاہر کیا کہ حضرت محمد ﷺ سے تمام خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتے ہیں، ان کی مرضی یہ ہے کہ جس طرح نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو پوجتے ہیں اس طرح ہم بھی ان کی عبادت کیا کریں، اس پر مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں۔ اور درحقیقت تینوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں، کفار نے تینوں ہی باتیں کہیں ہوں گی جن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایسی جامع آیات نازل فرمادیں جن سے ان کے تینوں اعتراضات کا جواب ہو گیا۔ اس آفری اعتراض کا جواب تو مذکورہ آیات میں بالکل واضح ہے کہ جن لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت شروع کر دی ت

انہوں نے نہ کسی خدائی حکم سے ایسا کیا، نہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ خواہش تھی اور نہ قرآن ان کی تائید کرتا ہے انہیں تو حضرت عیسیٰ کے باپ کے بغیر پیدا ہونے سے مخالف لگاتا تھا اور قرآن اس مخالف کی تردید کرتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ (معاذ اللہ) عیسائیوں کی دیکھا دیکھی اپنی خدائی کا دعویٰ کر بیٹھیں۔

اور پہلی اور دوسری ردایوں میں کفار کے اعتراض کا حاصل تقریباً ایک ہی ہے۔ ان کا جواب مذکورہ آیات سے اس طرح لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا تھا کہ اللہ کے سوا جتنوں کو لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے وہ جہنم کا بندھن ہوں گے۔ یا حضور نے جو فرمایا تھا کہ ان میں خیر نہیں، اس سے مراد وہ معبود تھے جو یا تو بے جان ہوں جیسے پتھر کے بت، یا جاندار ہوں مگر خود اپنی عبادت کا حکم دیتے یا اسے پسند کرتے ہوں جیسے شیاطین، فرعون اور نمرود وغیرہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں جبکہ وہ کسی بھی مرحلہ پر اپنی عبادت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ نصاریٰ ان کی کسی ہدایت کی بنا پر ان کی عبادت نہیں کرتے، بلکہ انہیں ہم نے اپنی قدرت کا ایک نمونہ بنا کر بغیر باپ کے پیدا کیا تھا تاکہ لوگوں پر یہ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی تخلیق میں اسباب کے کسی واسطے کی ضرورت نہیں لیکن نصاریٰ نے اس کا غلط مطلب لے کر انہیں معبود بنا لیا، حالانکہ ان کا یہ معبود بنانا عقلاً بھی غلط تھا اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے بھی بالکل خلاف تھا۔ کیونکہ انہوں نے ہمیشہ توحید کی تعلیم دی تھی۔ غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی عبادت سے بیزار ہونا اس بات سے مانع ہے کہ انہیں دوسرے باطل معبودوں کی صف میں شامل کیا جائے۔

اس سے کفار کا یہ اعتراض بھی ختم ہو گیا جس کا ذکر خلاصہ تفسیر میں آیا ہے کہ جن کو آپ خود خیر کہتے ہیں (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ان کی بھی عبادت ہوئی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی عبادت کچھ بری بات نہیں۔ مذکورہ آیات میں اس کا جواب واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو عبادت ہوئی، وہ اللہ کی مرضی کے بھی خلاف تھی اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے بھی۔ لہذا اس سے شرک کی صحت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ فَلَاحَةً فِي الْأَرْضِ يَخْتَلِفُونَ ۝

اس کے بعد فرمایا: وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ فَلَاحَةً فِي الْأَرْضِ يَخْتَلِفُونَ.... (اور اگر ہم چاہتے تو زمین میں تم سے فرشتے پیدا کر دیتے جو بکے بعد دیگرے زمین میں رہا کرتے) یعنی انسانوں سے فرشتے پیدا کر دیتے جو زمین میں رہتے ان کی پیدائش بھی آدمیوں کی طرح ہوتی اور موت بھی یعنی وہ دنیا میں آتے جاتے رہتے یہ الفاظ کا ظاہری ترجمہ ہے وهو قول فی تفسیرہ اس کا دوسرا مطلب مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو فرشتوں کو زمین میں آباد کر دیتے اپنی مخلوق کو ہم جہاں چاہیں آباد کریں مخلوق مخلوق ہی ہے، کہیں بھی رہے وہ عبادت کے لائق نہیں ہو سکتی فرشتوں کا آسمان میں ٹھہرنا کوئی ایسا شرف نہیں ہے کہ وہ معبود ہو گئے یا یہ کہ انہیں اللہ کی بیٹیاں کہا جاسکے والمعنی لو نشاء لاسکنا الارض للثکة ولبس فی اسکاننا ایامہم السماء شرف حتی یعبدا او یقال لہم بنات اللہ (سختی یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہم فرشتوں کو زمین میں ٹھہرا دیتے، ان کے آسمان میں ٹھہرانے میں کوئی ان کا ایسا شرف نہیں ہے کہ ان کی عبادت شروع کر دی جائے یا انہیں اللہ کی بیٹیاں قرار دیا جائے۔

آیت بالا کا ایک مطلب معالم التنزیل ج ۴: ص ۱۴۳ میں یہ لکھا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو تمہیں ہلاک کر دیں اور تمہارے

بدل زمین میں فرشتے پیدا کر دیں جو زمین کے آباد کرنے میں تمہارے خلیفہ ہو جائیں اور میری عبادت اور فرمانبرداری کریں۔ نیکون لفظہ منکم بمعنی بدلا منکم قال الفرطبی ناقلا عن الزهری ان من قد نکون للبدل بدلیل هذه الایة

وَإِنَّهُ لَعَلَّمُ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَهْتَرُونَ بِهَا وَاتَّبِعُونْ هَذَا صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝

وَإِنَّهُ لَعَلَّمُ لِلسَّاعَةِ (اور بلاشہودہ قیامت کے علم کا ذریعہ ہے):

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ انہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور مراد یہ ہے کہ قرآن مجید قرب قیامت کی نشانی ہے کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا تشریف لانا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اب قیامت قریب ہے کما قال النبی ﷺ بعثت انا والساعة کما تین (میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں جیسے یہ دونوں اگلیاں قریب قریب ہیں۔)

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ انہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ ﷺ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے ان کا نزول قرب قیامت کی دلیل ہوگا (یاد رہے کہ قرب اور بعد امور اضافیہ میں سے ہیں۔)

اور بعض حضرات نے آیت کا مطلب یہ بتایا کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کے معجزات میں مردوں کا زندہ کرنا بھی تھا جسے ان کے زمانہ کے لوگوں نے دیکھا یہ مردوں کا زندہ ہونا قیامت کے دن اسوات کے زندہ ہونے کا نمونہ بن گیا۔

فَلَا تَهْتَرُونَ بِهَا وَاتَّبِعُونْ (سو تم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو اور میری اتباع کرو) هَذَا صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ (یہ سیدھا راستہ ہے)

وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ

اللہ کا خوف اور پیغمبر کی اطاعت ذریعہ نجات:

عیسیٰ نے ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ ان تمام چیزوں میں جن کا تعلق دین و شریعت سے ہے کہ وہ تو تمہاری عقلوں کے احاطہ و ادراک سے باہر ہیں۔ بخلاف ان دنیاوی امور کے جو تمہاری عقل میں آسکتے ہیں کہ ان میں تم لوگ شریعت کی مقرر فرمود حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنی عقل و فکر اور فہم و فراست سے کام لے سکتے ہو جیسا کہ تاہیر نقل کے قصے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ وَ أَنَا أَعْلَمُ بِأُمُورِ دِينِكُمْ - سو دنیاوی امور میں تو انسان محض اپنی عقل و فکر کی بنا پر کام کر سکتا ہے۔ جبکہ حدود شریعت کی خلاف ورزی نہ ہو۔ لیکن دینی امور میں حضرات انبیائے کرام کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان کی اتباع و پیروی کیے بغیر بہر حال اور بہر صورت کوئی چارہ نہیں۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ جب حضرت عیسیٰ کھلے دلائل کے ساتھ بنی اسرائیل کے پاس پہنچ گئے تو ان سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس کوئی نیا دین لے کر نہیں آیا۔ بلکہ تم لوگوں کو اسی دین کی دعوت دے رہا ہوں جس کی دعوت حضرت موسیٰ نے دی تھی۔ اور حکمت دین کی جس دولت سے تم لوگوں نے اپنے آپ کو محروم کر دیا تھا وہ لیکر آیا ہوں۔ پس تم

لوگوں کیلئے صحت و سلامتی اور نجات و فلاح کی راہ یہی ہے کہ تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت و پیروی کرو۔ سو خوف نہ کرو اور اطاعت و اتباع رسول والی راہ ہی ذریعہ نجات اور وسیلہ فوز و فلان ہے۔

فَلتَخْتَلَفِ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۝

حضرت عیسیٰ کے نام لیواؤں کی گروہ بندیوں کا ذکر:

ارشاد فرمایا گیا کہ پھر ان لوگوں کے مختلف گروہ آپس میں اختلاف ہی میں پڑے رہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ کے اس واضح اور صاف و صریح اعلانِ حق و صداقت کے باوجود وہ لوگ اختلافات کی دلدل ہی میں پھنسے رہے اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ کسی نے حضرت عیسیٰ کو عینِ خدا قرار دیا۔ کسی نے خدا کا بیٹا مانا۔ اور کسی نے تین خداؤں میں سے ایک۔ اور کسی نے کہا کہ نہیں وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور یہی حق ہے۔ اور اسی کے اہل حق قائل ہیں۔ اور ان لوگوں نے تثلیث اور کفارہ جیسے شرکیہ اور گمراہانہ پھندے ایجاد کر کے دینِ عیسیٰ کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ اس کا کچھ کا کچھ کر دیا۔ اور حضرت عیسیٰ کی تعلیم توحید کا بالکل خاتمہ کر دیا۔ اور اپنی ان بدعات کی تعبیر و تشریح کا سلسلے میں آگے یہ لوگ مزید اختلافات اور گروہ بندیوں کا شکار ہو گئے۔

الْاِخْلَافَ يَوْمَ يُؤْمِنُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوًّا اِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝

دوستی و رقیقت وہی ہے جو اللہ کے لیے ہو:

(تمام دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے بجز خدا سے ڈرنے والوں کے) اس آیت نے یہ بات کھول کر بتا دی کہ یہ دوستانہ تعلقات جن پر انسان دنیا میں ناز کرتا ہے اور جن کی خاطر حلال و حرام ایک کر ڈالتا ہے قیامت کے روز صرف یہ کہ کچھ کام نہ آئیں گی بلکہ عداوت میں تبدیل ہو جائیں گی۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے اس آیت کے تحت حضرت علی کا یہ ارشاد و مصنف عبدالرزاق اور ابن ابی حاتم کی روایت سے نقل کیا ہے کہ دو دوست مؤمن تھے اور دو کافر، مؤمن دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوا اور اسے جنت کی خوشخبری سنائی گئی تو اسے اپنا دوست یاد آیا۔ اس نے دعا کی کہ یا اللہ، میرا فلاں دوست مجھے آپ کی اور آپ کے رسول کی اطاعت کی تاکید کرتا، بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا تھا اور یہ یادلاتا رہتا تھا کہ مجھے ایک دن آپ کے پاس حاضر ہونا ہے، لہذا یا اللہ، اس کو میرے بعد گمراہ نہ کیجئے گا تاکہ وہ بھی (جنت کے) وہ مناظر دیکھ سکے جو آپ نے مجھے دکھائے ہیں، اور آپ جس طرح مجھ سے راضی ہوئے ہیں اسی طرح اس سے بھی راضی ہو جائیں۔ اس دعا کے جواب میں اس سے کہا جائے گا کہ جاؤ، اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں نے تمہارے اس دوست کے لیے کیا اجر و ثواب رکھا ہے تو تم رُوکم اور نسوز یادہ۔ اس کے بعد جب دوسرے دوست کی وفات ہو چکے گی تو دونوں کی ارواح جمع ہوں گی، باری تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ تم میں سے ہر شخص دوسرے کی تعریف کرے، تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں یہ کہے گا کہ وہ بہترین بھائی، بہترین ساتھی اور بہترین دوست ہے۔

اس کے برخلاف جب دو کافر دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوگا اور اسے بتایا جائے گا کہ اس کو جہنم میں ڈالا جائے گا

تو اسے بھی اپنا دوست یاد آئے گا اس وقت وہ یہ دعا کرے گا کہ یا اللہ، میرا فلاں دوست مجھے آپ کی اور آپ کے رسول کی نافرمانی کرنے کا حکم دیتا تھا، برائی کی تاکید کرتا اور بھلائی سے روکتا تھا، اور مجھ سے کہا کرتا تھا کہ میں کبھی آپ کے حضور حاضر نہ ہوں گا، لہذا یا اللہ، اس کو میرے بعد ہدایت نہ دیجئے گا، تاکہ وہ بھی (دوزخ کے) وہ مناظر دیکھے جو آپ نے مجھے دکھائے ہیں، اور آپ جس طرح مجھ سے ناراض ہوئے ہیں اسی طرح اس سے بھی ناراض ہوں۔ اس کے بعد دوسرے دوست کا بھی انتقال ہو جائے گا تو دونوں کی رو میں جمع کی جائیں گی اور ان سے کہا جائے گا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے ساتھی کی تعریف کرے، تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہے گا کہ یہ بدترین بھائی، بدترین ساتھی اور بدترین دوست ہے۔ (ابن کثیر ص: 134 ج 4) اسی لیے دنیا و آخرت دونوں کے لحاظ سے بہترین دوستی وہ ہے جو اللہ کے لیے ہو۔ جن دو مسلمانوں میں صرف اللہ کے لیے محبت ہو ان کے بڑے فضائل احادیث میں وارد ہوئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میدان حشر میں یہ لوگ اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے۔ اور اللہ کے لیے محبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے سے اس بنا پر تعلق ہو کہ وہ اللہ کے دین کا سچا پیرو ہے۔ چنانچہ علوم دین کے اساتذ، شیخ و مرشد، علماء اور اہل اللہ سے نیز عالم اسلام کے تمام مسلمانوں سے بے لوث محبت اس میں داخل ہے۔

لِيَعْبَادُوا لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿۱۹﴾ الَّذِينَ آمَنُوا نَعْتَمَ لِعِبَادِي بِإِيتِنَا الْقُرْآنِ وَ كَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿۲۰﴾ أَدْخَلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ مُتَبَدِّئًا وَأَزْوَاجِكُمْ زُوجَاتِكُمْ يُحْبَبُونَ ﴿۲۱﴾ تُسَرُّونَ وَ تَكْرَهُونَ خَيْرَ الْمُبْتَدِّئِ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ بِقِصَاعٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَ الْأَوَّابُ حَمْعٌ كُؤُوبٍ وَ هُوَ أَنَا لَا عُرْوَةَ لَهُ لِيَشْرَبَ الشَّارِبُ مِنْ حَيْثُ شَاءَ وَ فِيهَا مَا كَشَّهِيَهِ الْأَنْفُسُ تَلَذُّذًا وَ تَلَذُّ الْأَعْيُنُ ﴿۲۲﴾ نَظَرُوا أَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۳﴾ وَ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۴﴾ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا أَيُّ بُعْضُهَا تُأْكُلُونَ ﴿۲۵﴾ وَ مَا يُؤْكُلُ يُوْخَلِفُ بَدْلَهُ إِنَّ الْجِيمِينَ فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿۲۶﴾ لَا يَغْتَرُّ بِخَفْفِ عَنْهُمْ وَ هُمْ فِيهِ مُبْسُونَ ﴿۲۷﴾ سَاكِنُونَ سُكُونَتِ يَاسٍ وَ مَا ظَلَمْنَاهُمْ وَ لَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿۲۸﴾ وَ نَادُوا يَبْنَكَ هُوَ خَازِنُ النَّارِ لِيَقْضِيَ عَلَيْنَا رَبُّكَ لِيَمِئْتَنَا قَالَ بَعْدَ أَلْفِ سَنَةٍ إِنَّكُمْ لَمُكْرَمُونَ ﴿۲۹﴾ مُقِيمُونَ فِي الْعَذَابِ دَائِمًا قَالَ تَعَالَى لَقَدْ جِئْتُمْكُمْ أَيُّ أَهْلِ مَكَّةَ بِالْحَقِّ عَلَى لِسَانِ الرُّسُلِ وَ لَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَرِهُونَ ﴿۳۰﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَيْ كَفَرُوا مَكَّةَ أَحْكَمُوا أَمْراً فِي كَيْدِ مُحَمَّدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۳۱﴾ مُحْكَمُونَ كَيْدَنَا فِي أَهْلَانَا كَيْدُهُمْ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوَاهُمْ مَا يَسْرُرُونَ إِلَى غَيْرِهِمْ وَمَا يُجْهَرُونَ بِهِ بَيْنَهُمْ بَلْ نَسْمَعُ ذَلِكَ وَ رُسَلْنَا

الْحَفِظَةُ لَدَيْهِمْ عِنْدَهُمْ يَكْتُبُونَ ۝ ذَلِكَ قُلٌّ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَكَدًّا فَرَضًا فَإِنَّا أَزَلُّ الْعَبِيدِينَ ۝ لِلْوَالِدِ لَكِنْ
 ثَبِتَ أَنْ لَا وَلَدَ لَهُ تَعَالَى فَانْتَفَتْ عِبَادَتُهُ سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ الْكَرْسِيِّ عَمَّا يَصِفُونَ ۝
 يَقُولُونَ مِنَ الْكِبْرِ بِنِسْبَةِ الْوَالِدِ إِلَيْهِ لَدَرَهُمْ يَخُوضُوا فِي بَاطِلِهِمْ وَيَلْعَبُوا فِي ذُنُوبِهِمْ حَتَّى يُلَاقُوا
 يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ۝ فِيهِ الْعَذَابُ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ وَهُوَ الَّذِي هُوَ فِي السَّمَاءِ اللَّهُ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ وَ
 إِسْفَاطِ الْأُولَى وَتَسْهِيلِهَا كَالْيَاءِ أَيْ مَعْبُودٌ وَفِي الْأَرْضِ اللَّهُ وَكُلٌّ مِنَ الظَّرْفَيْنِ مُتَعَلِّقٌ بِمَا بَعْدَهُ وَهُوَ
 الْحَكِيمُ فِي تَدْبِيرِ خَلْقِهِ الْعَلِيمُ ۝ بِمَضَالِحِهِمْ وَتَبَرُّكِ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ
 عِلْمُ السَّاعَةِ ۝ مَتَى تَقُومُ وَآلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَعْْبُدُونَ أَيْ الْكُفَّارُ مِنَ
 دُونِهِ أَيْ اللَّهُ الشَّفَاعَةُ لِأَحَدٍ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ أَيْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ بِقُلُوبِهِمْ مَا
 شَهِدُوا بِهِ بِالسِّيْتِهِمْ وَهُمْ عَمِيٌّ وَعَزِيزٌ وَالْمَلَائِكَةُ فَإِنَّهُمْ يَشْفَعُونَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنْ لَمْ تَقَسِّمْ سَأَلْتَهُمْ
 مَنْ خَلَقَهُمْ لِيَقُولَنَّ اللَّهُ حَذَفَ مِنْهُ نُورُ الرَّفْعِ وَوَاوُ الضَّمِيرِ فَكَأَنِّي يُوقِفُونَ ۝ يُضَرِّفُونَ عَنْ عِبَادَةِ اللَّهِ
 تَعَالَى وَقِيلَهُ أَيْ قَوْلِ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَصَبَهُ عَلَى الْمُضَدِّ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ أَيْ وَقَالَ
 يُرَبِّ إِنْ هُوَ لِأَقْوَمُ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ قَالَ تَعَالَى فَاصْبِرْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ مِنْكُمْ وَهَذَا قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرَ
 بِقِتَالِهِمْ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ بِالْيَاءِ تَهْدِيْدُهُمْ

ترجمہ: ان سے کہا جائے اے میرے بند! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمزدہ ہو گے جو ہماری آیتوں پر قرآن پر
 ایمان لائے یہ عبادی کی صفت ہے اور وہ نماز پڑھتے اور تم اور تمہاری بیویاں خوش خوشی اور اکرام کے ساتھ جنت میں داخل
 ہو جاؤ، یہ مبتداء خبر ہے اور ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گھاس لائے جائیں گے اکواب، کوب کی جمع ہے اس برتن کو کہتے
 ہیں جس میں ٹوٹی نہ ہوتا کہ پینے والا جدر سے چاہے پی لے اور وہاں وہ چیزیں ملیں گی جن کو ان کا دل چاہے گا اور جن کو دیکھ کر
 آنکھیں لذت اندوز ہوں گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے اور یہ وہی جنت ہے جس کے تم اعمال کے بدلے وارث بنائے گئے
 ہو یہاں تمہارے لئے بکثرت میوے ہیں جن میں سے تم ہمیشہ کھاتے رہو گے اور جو کھایا جائے گا اس کا بدلہ موجود
 ہو جائیگا بے شک مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے کبھی بھی ان سے ہلکا نہیں کیا جائیگا اور وہ اسی میں مایوسی کے ساتھ
 خاموش پڑے رہیں گے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے اور وہ پکار پکار کر کہیں گے اے مالک داروغہ جہنم تیرا
 رب ہمارا کام ہی تمام کر دے تاکہ ہم مرجائیں ہزار سال کے بعد وہ جواب دیا تم کو تو ہمیشہ عذاب میں رہتا ہے اے المل مکہ

ہم تمہارے پاس رسولوں کی زبانی حق لے آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت رکھنے والے تھے کیا کفار مکہ نے محمد ﷺ کو نقصان پہنچانے کے لیے کوئی پختہ تدبیر کر رکھی ہے تو یقین مانو کہ ہم بھی ان کی ہلاکت کے بارے میں پختہ تدبیر کرنے والے ہیں کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے جن باتوں کو وہ ارادہ طور پر کرتے ہیں اور جن باتوں کو وہ آپس میں علی الاعلان کرتے ہیں ہاں کیوں نہیں؟ اس کو ضرور سنتے ہیں ہمارے نگران فرستادے ان کے پاس اس کو لکھ لیتے ہیں آپ کو کہہ دیجئے اگر بالفرض رحمن کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے ولد کی عبادت کرنے والا ہوتا لیکن یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولاد نہیں ہے لہذا اس کی عبادت بھی منٹھی ہو گئی آسمانوں کا اور زمین کا مالک جو کہ عرش کرسی کا بھی مالک ہے اس کی جانب ولد کی نسبت کر کے جو جھوٹ بک رہے ہیں وہ ان سے پاک ہے اب آپ انہیں اسی باطل بحث مباحثہ اور دنیوی کھیل کود میں چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑ جائے جس دن میں ان سے عذاب کا وعدہ کیا جاتا ہے اور وہ قیامت کا دن ہے وہی آسمانوں میں مجبور ہے دونوں ہمزوں کی تحقیق اور اولیٰ کو ساقط کر کے اور اسکی یاء کی مانند تسہیل کر کے اور زمین میں بھی وہی قابل عبادت ہے اور دونوں ظرفوں میں سے ہر ایک اپنے مابعد سے متعلق ہے وہ اپنی مخلوق کی تدبیر کے بارے میں بڑی حکمت والا ہے اور ان کی مصلحتوں کے بارے میں بڑے علم والا ہے اور وہ بڑی عظمت والا ہے جس کے پاس آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی بادشاہت ہے اور قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے کہ کب ہوگی اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے تاء اور یاء کے ساتھ اور جن غیر اللہ کو کافر پوجتے ہیں وہ کسی کی شفاعت کرنے کا حق نہیں رکھتے ہاں جو حق بات کا اقرار کریں لا الہ الا اللہ کہہ کر اور وہ جانتے بھی ہیں اس چیز کو دریافت کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ لمن میں لام قسمیہ ہے ليقولن میں نون رفع اور واؤ ضمیر حذف کردئے گئے ہیں تو پھر یہ کہاں لٹے چلے جا رہے ہیں؟ اور اس کو محمد ﷺ کے اس قول کی بھی خبر ہے کہ اے میرے پروردگار یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے اور قبیلہ پر نصب فعل مقدر کا مصدر ہونے کی وجہ سے ہے ای قال قبیلہ آپ ان سے منہ پھیریں اور کہہ دیں میں تم کو سلام کرتا ہوں اور یہ جہاد کا حکم آنے سے پہلے کی بات ہے تو ان کو عنقریب معلوم ہو جائیگا یاء اور تاء کے ساتھ یہ ان کے لیے دھمکی ہے۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و شرح

قولہ: اَلْوَابُ: جمع کُوب جس کا رستہ نہ ہو۔

قولہ: يَبْلُوكَ: یہ خازن نار کا نام ہے۔ مطلب یہ ہے تم اپنے رب سے سوال کرو کہ وہ ہمیں موت دے دے۔

قولہ: بِسْرَهُمْ: حدیث نفس۔

قولہ: لِلْوَالِدِ: نبی تو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

قولہ: هُوَ: اس سے اشارہ ہے موصول کی طرف لٹنے والی ضمیر مخذوف ہے اور وہ ہوا ہے جو کہ مبتداء ہے۔

قوله: كُلُّ مِنَ الظَّرْفَيْنِ مُتَعَلِّقٌ بِمَا بَعْدَهُ : کیونکہ وہ معبود کے معنی میں ہے۔
 قوله: سَلَّمَ مِنْكُمْ : اس سے اشارہ ہے کہ یہ سلام ستارکت ہے وہ منکم مقدر سے ہوتا ہے۔
 قوله: فَسَوْفَ يَطْلُبُونَ : یہ تمدید ہے۔

تفسیر مقبولین

يُجِبَادُ لَا خَوْفَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٦﴾

متقی لوگوں کیلئے اس روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مژدہ جانفزا اسنایا جائے گا کہ اب نہ تم پر کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی تم غمگین ہوؤ گے۔ یعنی نہ آئندہ کا کوئی خوف ہوگا کہ اب تمہیں جنت کی سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی نصیب ہو چکی ہے جو کبھی چھیننے والی نہیں۔ کیونکہ یہ عطا و بخشش ہوگی اس اکرم الاکر میں کی طرف سے جو نعمت دے کر چھینتا نہیں۔ خاص کر آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں جہاں اس کی شان عطا و بخشش اپنے عروج و کمال پر ہوگی۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ اسی طرح ان خوش نصیب حضرات کو اپنی دنیا اور اپنے ماضی پر بھی کوئی غم اور افسوس نہیں ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے صدق و اخلاص اور توفیق و عنایت خداوندی کی بنا پر دنیا میں راہ حق و ہدایت کو اپنایا ہوگا اور اپنی متاع زندگی کو اس کے صحیح مصرف میں صرف کیا ہوگا۔ اس لیے وہ اپنے ماضی اور اپنے اعمال کے بارے میں شاداں و فرحاں ہوں گے۔ سبحان اللہ!۔ کیسی پاکیزہ اور کامیاب زندگی ہوگی جنت کی وہ زندگی جہاں نہ ماضی کا کوئی غم و افسوس ہوگا اور نہ مستقبل کا کوئی خوف و اندیشہ۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تقویٰ و پرہیزگاری کی دولت کتنی بڑی اور کس قدر عظیم الشان دولت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرتی ہے۔

أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿٦﴾

متقیوں کے لیے دخول جنت کا حکم و ارشاد:

ان سے کہا جائے گا کہ اب داخل ہو جاؤ جنت میں تم بھی اور تمہاری بیویاں بھی۔ جنہوں نے اپنی دنیاوی زندگی ایمان و اطاعت کے ساتھ گزاری ہوگی۔ اور ان میں سے جو یکے بعد دیگرے مختلف شوہروں کے عقد میں رہی ہوں گی وہ اپنے آخری شوہر کو ملیں گی اگر وہ جنتی ہوا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ بہر حال یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے مہارکباد ہوگی جو اس روز ان خوش نصیبوں کو سنائی جائے گی کہ اے میرے بندو اب تم خوف اور حزن کے دارالابلاء سے نکل کر جنت کی اس ابدی بادشاہی میں داخل ہو گئے ہو جس میں تم پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی تم کبھی غمگین ہوؤ گے۔ واضح رہے کہ خوف مستقبل کے خطرات سے ہوتا ہے اور غم ماضی اور حال کی ناکامیوں اور صدمات سے۔ سو جنت ایسی جگہ ہوگی جہاں اہل ایمان ان دونوں ہی سے محفوظ رہیں گے۔ جبکہ دنیا میں یہ چیز کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ سو جنت ابدی اور حقیقی بادشاہی کی جگہ ہوگی۔

جس طرح وراثت انسان کو اپنے کسی عمل کے بدلے میں نہیں ملتی اسی طرح جنت بھی انسان کو محض اللہ پاک کے فضل و کرم سے ملے گی۔ اسی لیے اسے فضل خداوندی اور اس کی مہربانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نیز مؤمن کافر کے حصے کی جنت کا بھی وارث بنا ہے جو کہ ایمان کی صورت میں اس کو ملتی ہے۔ جیسا کہ حدیث مرفوعہ میں وارد ہے کہ ہر شخص کے لیے ایک ٹھکانا ہے جنت میں بھی اور دوزخ میں بھی۔ پس کافر دوزخ میں مؤمن کے حصے کی آگ کا بھی وارث بنا ہے اور مؤمن جنت میں کافر کے حصے کی جنت کا بھی وارث بنا ہے۔ سو کیا کہنے نعمت ایمان کے نتائج و ثمرات کے کہ اس کے بعد نوازشیں ہی نوازشیں اور عنایتیں ہی عنایتیں ہیں۔

نیز اس سے اہل جنت کے لیے ایک اور خوش کن اعلان اور اس عظیم الشان خوش خبری کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ جنت تمہارے اپنے اعمال کا بدلہ ہے۔ سوار شاد فرمایا گیا کہ ان سے مزید کہا جائے گا کہ تم کو اس کا وارث بنا دیا گیا تمہارے اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم لوگ کرتے رہے تھے یعنی اپنی دنیاوی زندگی میں۔ پس جنت تو اصل میں اللہ پاک کے فضل و کرم ہی سے ملے گی مگر اس کے اس فضل و کرم کا سبب اور ذریعہ انسان کے اپنے وہ نیک عمل ہی ہوں گے جو وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کرتا رہا ہوگا۔ اور پھر کرم بالائے کرم یہ کہ جنتیوں کو وہاں پر اعلانیہ طور پر یہ بتایا بھی جائے گا کہ یہ جنت تمہارے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ و ثمرہ ہے تاکہ اس طرح اہل جنت کا سرور و وبال ہو جائے۔ سو یہ بھی اس اکرم الاکریمین کی شان کرم کا ایک عظیم الشان مظہر ہوگا۔ ورنہ جنت کی ان سدا بہار اور ابدی نعمتوں کے مقابلے میں انسانی اعمال کی حیثیت ہی کیا ہے۔ یہ اعمال تو اللہ پاک کی ان بے شمار نعمتوں میں سے بھی کسی کا بدل نہیں بن سکتے جن سے ہم اس دنیا میں مستفید اور بہرہ ور ہوتے ہیں۔ بہر کیف انسان کو چونکہ اپنے کیے کا پھل ملنے پر طبعی طور سے زیادہ خوشی ہوتی ہے اس لیے وہاں اہل جنت کیلئے یہ اعلان فرمایا جائے گا کہ یہ تمہارے اپنے اعمال کا بدلہ ہے جس سے ان کا لطف و سرور مزید از مزید و وبال ہوگا۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿۱﴾

دوزخ اور دوزخیوں کی درگت:

اوپر چونکہ نیک لوگوں کا حال بیان ہوا تھا اس لیے یہاں بد بختوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ یہ گنہگار جہنم کے عذابوں میں ہمیشہ رہیں گے ایک ساعت بھی انہیں ان عذابوں میں تخفیف نہ ہوگی اور اس میں وہ ناامید محض ہو کر پڑے رہیں گے ہر بھلائی سے وہ مایوس ہو جائیں گے ہم ظلم کرنے والے نہیں بلکہ انہوں نے خود اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنی جان پر آپ ہی ظلم کیا ہم نے رسول بھیجے کتابیں نازل فرمائیں حجت قائم کر دی لیکن یہ اپنی سرکشی سے عصیان سے طغیان سے باز نہ آئے اس پر یہ بدلہ پایا اس میں اللہ کا کوئی ظلم نہیں اور نہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہے یہ جنہی مالک کو یعنی داروغہ جہنم کو پکاریں گے صحیح بخاری میں ہے حضور ﷺ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ موت کی آرزو کریں گے تاکہ عذاب سے چھوٹ جائیں لیکن اللہ کا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ كَانُوا جَاهِلِينَ (فاطر: ۳۶) یعنی نہ تو انہیں موت آئے گی اور نہ عذاب کی تخفیف ہوگی اور فرمان باری ہے آیت: وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى (الزلزال: ۱۱) یعنی وہ بد بخت اس نصیحت سے علیحدہ ہو جائے گا جو

بڑی سخت آگ میں پڑے گا پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جئے گا۔ پس جب یہ داروغہ جہنم سے نہایت لجاجت سے کہیں گے کہ آپ ہماری موت کی دعا اللہ سے کیجئے تو وہ جواب دے گا کہ تم اسی میں پڑے رہنے والے ہو مرد گئے نہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں مکہ ایک ہزار سال ہے۔ یعنی نہ مرد گئے نہ چھٹکارا پاؤ گے نہ بھاگ سکو گے پھر ان کی سیاہ کاری کا بیان ہو رہا ہے کہ جب ہم نے ان کے سامنے حق کو پیش کر دیا واضح کر دیا تو انہوں نے اسے مانا تو ایک طرف اس سے نفرت کی۔ ان کی طبیعت ہی اس طرف مائل نہ ہوئی حق اور حق والوں سے نفرت کرتے رہے اس سے رکتے رہے ہاں ناحق کی طرف مائل رہے ناحق والوں سے ان کی خوب بنتی رہی۔ پس تم اپنے نفس کو یہی ملامت کرو اور اپنے ہی اوپر افسوس کرو لیکن آج کا افسوس بھی بے فائدہ ہے پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے بدترین مکر اور زبردست دَاؤ کھیلنا چاہا تو ہم نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا حضرت مجاہد کی یہی تفسیر ہے اور اس کی شہادت اس آیت میں ہے: **وَمَكَرُوا مَكْرًا وَكَمْ كَرَامًا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ** (ہم: ۵۰) یعنی انہوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی اس طرح مکر کیا کہ انہیں پتہ بھی نہ چلا۔ مشرکین حق کو ٹالنے کے لیے طرح طرح کی حیلہ سازی کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں دھوکے میں ہی رکھا اور ان کا وبال جب تک ان کے سروں پر نہ آ گیا اور ان کی آنکھیں نہ کھلیں اسی لیے اس کے بعد ہی فرمایا کہ کیا ان کا گمان ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور خفیہ سرگوشیاں سن نہیں رہے؟ ان کا گمان بالکل غلط ہے ہم تو انکی سرشت تک سے واقف ہیں بلکہ ہمارے مقرر کردہ فرشتے بھی ان کے پاس بلکہ ان کے ساتھ ہں جو نہ صرف دیکھ ہی رہے ہیں بلکہ لکھ بھی رہے ہیں۔

وَنَادُوا يٰلَيْلِكَ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۗ قَالَ إِنَّكُمْ مُّكْرِتُونَ ۝

اس کے بعد ان کی ایک درخواست کا ذکر ہے۔ حضرت مالک جو دوزخ کے خازن یعنی ذمہ دار ہیں ان سے عرض معروض کریں گے: **وَنَادُوا يٰلَيْلِكَ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ**۔ اور اہل دوزخ پکار کر کہیں گے کہ اے مالک تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کر دے (یعنی ہمیں موت ہی دیدے تاکہ ہم اس عذاب سے چھوٹ جائیں وہ جواب دیں گے: **إِنَّكُمْ مُّكْرِتُونَ ۝** (بلاشبہ تم کو اسی میں رہنا ہے۔)

سنن ترمذی میں ہے کہ اہل دوزخ آپس میں مشورہ کریں گے کہ داروغہ ہائے دوزخ سے عرض معروض کریں، لہذا وہ ان سے کہیں گے: **ادْعُوا رَبَّكُمْ يَخْفَىٰ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ** (تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی ایک دن تو ہم سے عذاب ہٹا کر دے) وہ جواب دیں گے: **أَوَلَمْ نَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ** (کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر معجزات لے کر نہیں آتے تھے اور دوزخ سے بچنے کا طریقہ نہیں بتلاتے تھے؟) اس پر دوزخی جواب دیں گے کہ ٹی یعنی ہاں آتے تو تھے لیکن ہم نے ان کا کہنا نہ مانا، فرشتے جواب میں کہیں گے: **وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ** (تو پھر ہم تمہارے لیے دعا نہیں کر سکتے تم ہی دعا کرو اور وہ بھی بے نتیجہ ہوگی) کیونکہ کافروں کی دعا (آخرت میں) بالکل بے اثر ہے، **يٰلَيْلِكَ لِيَقْضِ عَلَيْنَا** اے مالک (تم دعا کرو کہ) تمہارا پروردگار (ہم کو موت دے کر) ہمارا کام تمام کر دے وہ جواب دیں گے: **إِنَّكُمْ مُّكْرِتُونَ** تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے (نہ نکلو گے نہ مرو گے)

حضرت امش فرماتے تھے کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ مالک (علیہ السلام) کے جواب میں اور دوزخیوں کی درخواست

میں ہزار برس کی مدت کا فاصلہ ہوگا۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كِبْرًا ۝

شرکین کو خطاب ہے کہ ہم نے تمہارے پاس حق پہنچا دیا حق واضح کر دیا توحید کی دعوت سامنے رکھ دی اس کے دلائل بیان کر دیے لیکن تم نہیں مانتے تم میں سے اکثر لوگ حق کو برا جانتے ہیں اور اس سے نفرت کرتے ہیں یہ حق سے دور بھاگنا انہی حالات کا پیش خیمہ ہے جو اہل دوزخ کے احوال میں بیان کیے گئے ہیں۔

قریش مکہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینے کے مشورے کرتے رہتے تھے موقع ملنے پر تکلیف بھی پہنچاتے تھے آپ کو شہید کرنے کا بھی مشورہ کیا آپ کی دعوت انہیں بہت ہی ناگوار تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **أَمْ أَمْرًا آمُرًا** (کیا انہوں نے کوئی مضبوط تدبیر کر لی ہے اور اس کے مطابق آپ کو تکلیف دینے کا ہنٹا مشورہ کر چکے ہیں): **فَالَا مُمْبِرُونَ** (سو ہم مضبوط تدبیر کرنے والے ہیں) یعنی ان لوگوں کا اپنی تدبیروں پر بھروسہ کرنا اور یہ خیال کرنا کہ ہم آپ کی مخالفت میں کامیاب ہو جائیں گے یا آپ کو شہید کر دیں گے یہ ان کی ناگہمی ہے بے وقوفی کی باتیں ہیں ہماری مدد آپ کے ساتھ ہے ہمارے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوں گی۔ **سورة الطور** میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا وہاں ارشاد فرمایا: **أَمْ يُؤْمِنُونَ كَيْدًا** **فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ** (کیا یہ لوگ تدبیر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں سو جن لوگوں نے کفر کیا وہی تدبیر میں گرفتار ہونے والے ہیں۔)

أَمْ أَمْرًا آمُرًا فَا لَمْ يُمْبِرُونَ ۝

کفار عرب پیغمبر کے مقابلہ میں طرح طرح کے منصوبے گانٹھتے اور تدبیریں کرتے تھے۔ مگر اللہ کی خفیہ تدبیر ان کے سب منصوبوں پر پانی پھیر دیتی تھی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ کافروں نے مل کر مشورہ کیا کہ تمہارے تعاقب سے اس نبی کی بات بڑھی۔ آئندہ جو اس دین میں آئے اسی کے رشتہ دار اس کو مار مار کر لٹا پھیریں اور جو اجنبی شخص شہر میں آئے اس کو پہلے سادو کہ اس شخص کے پاس نہ بیٹھے۔ یہ بات انہوں نے ظہرائی اور اللہ نے ظہر ایا ان کو ذلیل و رسوا کرنا اور اپنے دین اور پیغمبر کو عروج دینا۔ آخر اللہ کا ارادہ غالب رہا۔

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۚ بَلْ لَوْ عَلَّمْنَا كَيْدَهُمْ لَآتَيْنَهُمْ يَكْتُمُونَ ۝

اس آیت سے گمراہی کے ایک بڑے سبب اور باعث کی نشاندہی فرمادی گئی، وہ یہ کہ گمراہ انسان اپنی بدبختی سے یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے کرٹوٹوں کو جانتا نہیں، اس لیے وہ طرح طرح کے پردوں وغیرہ میں چھپ کر برائیاں کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ اسکے ان کرٹوٹوں کی اس کو علم و آگہی نہیں، جس کے نتیجے میں وہ برائی پر دلیر ہو جاتا ہے، اور پھر اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرتا چلا جاتا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا کہ قیامت کے روز ایسے لوگوں سے خطاب کر کے کہا جائیگا کہ تم لوگ ایسے نہیں تھے کہ تم اس سے چھپ جاتے کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں، اور تمہاری کھالیں، تمہارے خلاف گوئی دیں، مگر تم لوگوں نے یہی سمجھ رکھا تھا کہ اللہ بہت سے ان کاموں کو نہیں جانتا جو تم کرتے رہے تھے، اور تمہارے اسی گمان نے جو تم لوگوں نے اپنے رب کے بارے میں قائم کر رکھا تھا تمہیں تہا ہی کے گھاٹ اتار دیا، جس کے نتیجے میں تم لوگ اس انتہائی

عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارے لیے سفارش کر دیں گے۔

یہ ان کا ایک بہانہ تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے جن کو شفاعت کرنے کی اجازت نہیں دی وہ کیا سفارش کر سکتے ہیں اور بے جان کیسے سفارش کریں گے جس کی بارگاہ میں سفارش کی ضرورت ہوگی اس نے کب فرمایا کہ یہ میرے ہاں سفارشی نہیں گے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اس کے نبیوں نے توحید کی دعوت دی اور شرک سے روکا ان کی بات نہ مانی شرک بنے اور جواز شرک کا حیلہ بھی تراش لیا ان لوگوں کو واضح طور پر بتا دیا کہ جنہیں اللہ کے سوا پکارتے ہو اور اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو یہ اللہ کی بارگاہ میں کوئی سفارش نہیں کر سکیں گے ہاں اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے ہیں وہ شفاعت کر سکیں گے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت دی جائے گی لیکن وہ بھی ہر شخص کی سفارش نہیں کریں گے جس کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اس کی سفارش کریں گے اس مضمون کو یہاں سورہ زخرف میں: **إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُونَ** اور سورہ بقرہ میں: **مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ** میں اور سورہ انبیاء کی آیت: **وَأَلَّا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ** از تقطی میں بیان فرمایا ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ **إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُونَ** سے حضرات ملائکہ اور حضرت یحییٰ اور حضرت عزیر اور ان جیسے حضرات مراد ہیں گوان حضرات کی عبادت کی گئی لیکن اس میں ان کا کوئی دخل نہ تھا یہ حضرات شفاعت کر سکیں گے لیکن کافروں کے لیے شفاعت نہ کریں گے اور نہ ہی انہیں اس کی اجازت ہوگی۔

وَقِيلَ لَهُ يَرْبُّ إِن هَذَا لَآءٍ قَوْمٌ لَا يَوْمِنُونَ ۝

یہ جملہ اس بات کو واضح کرنے کے لیے لایا گیا ہے کہ ان کافروں پر غضب خداوندی نازل ہونے کے کتنے شدید اسباب موجود ہیں۔ ایک طرف تو ان کے جرائم فی نفسہ سخت ہیں، دوسری طرف وہ رسول جو رحمت للعالمین اور شفیع المذنبین بنا کر بھیجے گئے ہیں جیسے تمام جب خود ان لوگوں کی شکایت کریں اور یہ فرمائیں کہ یہ لوگ بار بار فرمائش کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کس قدر اذیت پہنچائی ہوگی، ورنہ معمولی تکلیف پر رحمت للعالمین ﷺ اللہ تعالیٰ سے ایسی پرورد شکایت نہ فرماتے۔ اس تفسیر کے مطابق وقیلہ ایک آیت پہلے کے لفظ **السلامہ** پر معطوف ہے، اس آیت کی اور بھی متعدد تفسیریں کی گئی ہیں۔

سُورَةُ الذَّخَانِ

سُورَةُ الذَّخَانِ
۵۹ آيات
۳ رکعات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الذَّخَانِ
۵۹ آيات
۳ رکعات

سورہ ذخان کہ جس کا نازل ہوا ہے شکر اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس میں آیتیں ہیں اور تمہیں روز

سُورَةُ الذَّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَقِيلَ اَلَا كَاثِبُوا الْعَذَابِ الْاٰيَةُ وَهِيَ مِثْتُ اَوْ مَبْعُغٌ اَوْ تَسْبَعٌ اَوْ خَمْسُونَ اٰيَةً

سورہ ذخان مکہ ہے اور بعض کے نزدیک آیت کا شکر العذاب کہ نہیں۔ کل آیات ۵۶ یا ۵۷ یا ۵۹ ہیں۔

یہ سورت ان اہم اور عظیم سورتوں میں شمار کی گئی ہے جو آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز میں پڑھا کرتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کو ان بیس سورتوں میں شامل کیا ہے جو نماز کبلائی ہیں اور ان کو آنحضرت ﷺ نے بیس مضمون کی مشابہت کی وجہ سے ملا کر دو سو تیس ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے۔ ابن مردودہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابوامامہ باطنی سے روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو شخص جمعہ کی شب میں یا جمعہ کے دن سورت الذخان کی تلاوت کرے اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت میں ایک محل بنا دیتا ہے، یہی رحمت اللہ علیہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جو شخص جمعہ کی شب میں حم الذخان اور سورت یسین کی تلاوت کرے تو صبح کو وہ اس حال میں اٹھے گا کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کر دی گئی ہوگی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ صبح کو اٹھے گا اس حال میں کہ ستر ہزار فرشتے اس کے واسطے دعائے مغفرت کرتے ہوں گے۔

(لاحظ) گزشتہ سورت کے اکثر مضامین قرآن حکیم کی حقانیت اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کے اثبات پر مشتمل تھے، قرآن حکیم کے کلام الہی ہونے پر دلائل و براہین کے سلسلہ کے بعد منکرین و مجرمین کی سزاؤں اور ان کے عبرت ناک احوال کا ذکر تھا اور اسی پر سورت کا مضمون ختم فرمایا، اب اس سورت کا آغاز بھی قرآنی عظمتوں کے مضمون سے ہو رہا ہے اور یہ کہ اس کا نزول جس مبارک رات میں ہوا وہ کیسی عظیم برکتوں والی رات تھی اور اس شب مبارک کی کیا خصوصیات ہیں تو جو کتاب الہی خود عظمت والی ہو اور جس زمانہ میں اتاری جائے وہ بھی برکتوں والا زمانہ ہو، تو بلاشبہ اس پر ایمان اور اس کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری بھی ہر خیر و برکت کا موجب ہوگی۔

حَدَّثَنَا كُنْفَةَ اَعْلَمَ بِمَزَادِهِ بِهِ وَالْكِتَابِ الْقُرْآنِ الْمُهَيَّبِ الْمَطْبُورِ لِلتَّلَالِ مِنَ الْخَزَامِ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي كَيْلَةٍ

مَبْرُكَةٍ هِيَ نَيْلَةُ الْقَلْبِ اَوْ نَيْلَةُ النُّصَبِ مِنْ شُعْبَانَ نَزَلَ فِيهَا مِنْ اَمِ الْكِتَابِ مِنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ اِلَى السَّمَاءِ

الدُّنْيَا إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ۝ مُخَوِّفِينَ بِهِ فُؤَادًا ۝ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ أَوْ لَيْلَةَ نِصْفِ شَعْبَانَ يُفْرَقُ بِفَضْلِ كُلِّ أَمْرٍ
حَكِيمٍ ۝ مُحَكَّمٍ مِنَ الْأَرْزَاقِ وَالْأَجَالِ وَغَيْرِهَا الَّتِي تُكُونُ فِي السَّنَةِ إِلَى مِثْلِ تِلْكَ اللَّيْلِ أَمْرًا فَرَقًا
مَنْ عِنْدَنَا ۝ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ الرُّسُلَ مُحَدِّثِينَ قَبْلَهُ رَحْمَةً رَافَةً بِالْمُرْسَلِ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّكَ ۝ إِنَّهُ هُوَ
السَّمِيعُ الْغَلِيمُ ۝ بِأَفْعَالِهِمْ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۝ يَرْفَعُ رُبَّ خَبْرٍ ثَالِثًا وَيَجْزِيهِ بَدَلًا
مِنْ رَبِّكَ إِنْ كُنْتُمْ بِأَهْلِ مَكَّةَ مُؤْمِنِينَ ۝ إِنَّهُ تَعَالَى رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَاتَّقُوا بَانَ مُحَدِّدًا
رَسُولَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۝ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنَ الْبُعْثِ يُكَلِّبُونَ ۝
اسْتَهْزَأُوا بِكَ يَا مُحَمَّدُ فَقَالَ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعِ كَسْبَعِ يُوسُفَ قَالَ تَعَالَى فَارْتَقِبْ لَهُمْ يَوْمَ تَأْتِي
السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ۝ فَاجْتَدَبَتِ الْأَرْضُ وَاسْتَدْبَاهُمُ الْجُوعُ إِلَى أَنْ رَأَوْا مِنْ سُدَّتِهِ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ بَيْنَ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ يُعْشى النَّاسُ ۝ فَقَالُوا هَذَا عَذَابٌ كَلِيمٌ ۝ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ۝
مُضِدِّقُونَ بِنَبِيِّكَ قَالَ تَعَالَى أَلَيْسَ لَكُمْ الذِّكْرَىٰ أَيْ لَا يَتَفَعَّلُهُمُ الْإِيمَانُ عِنْدَ تَرْوِيلِ الْعَذَابِ وَقَدْ جَاءَهُمْ
رَسُولٌ مُبِينٌ ۝ بَيْنَ الرِّسَالَةِ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ ۝ أَيْ يُعَلِّمُهُ الْقُرْآنَ بِشَرِّ مَجْهُونٌ ۝ إِنَّا كَاشِفُو
الْعَذَابِ أَيْ الْجُوعِ عَنْكُمْ زَمَانًا قَلِيلًا ۝ فَكَشَفْنَا عَنْهُمْ آيَاتِنَا ۝ إِلَىٰ كُفْرِكُمْ فَعَادُوا إِلَيْهِ أذْكُر
يَوْمَ كَبَطَسَ الْبَطْشَةُ الْكُبْرَىٰ ۝ هُوَ يَوْمٌ بَدْرٌ ۝ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ ۝ مِنْهُمْ وَالْبَطْشُ الْأَخْذُ بِقُوَّةٍ وَقَدْ فَتَنَّا بَلَوْنَا
قُلُوبَهُمْ قَوْمٌ يَؤُوعُونَ ۝ مَعَهُ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ هُوَ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَوَيْمٌ ۝ عَلَى اللَّهِ تَعَالَىٰ أَنْ أَيْ بَانَ
أَذْوَالِكُمْ مَا أَذْعَوْكُمْ مِنَ الْإِيمَانِ أَيْ أَظْهَرُوا إِيْمَانَكُمْ بِالطَّاعَةِ لِي بِأَعْبَادِ اللَّهِ ۝ إِلَىٰ لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝
عَلَىٰ مَا أَرْسَلْتُ بِهِ ۝ وَأَنْ لَا تَقُولُوا تَنْجِبُوا عَلَيَّ اللَّهُ ۝ بِتَرْكِ طَاعَتِهِ إِلَىٰ أَيْتِيكُمْ بِسُلْطَانٍ بَرَهَانَ مُبِينٍ ۝ بَيْنَ
عَلَىٰ رِسَالَتِي فَتَوَعَّدُوهُ بِالرَّجْمِ فَقَالَ وَلَا يَنْعَلُكَ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْتَجِمُونِ ۝ بِالْحِجَارَةِ وَإِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا
لَوْ مُضِدِّقُونَ لِي فَاعْتَرِكُونِ ۝ فَاتْرِكُوا إِذْ أَيْ فَلَمْ يَتْرِكُوهُ قَدْ حَارَبْتَهُ أَنْ أَيْ بَانَ هَذَا قَوْمٌ مُجْرِمُونَ ۝
مُشْرِكُونَ فَقَالَ تَعَالَىٰ فَكُسرَ بِقَطْعِ الْهَمْزَةِ وَوَضَلِهَا بِعِبَادِي ۝ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَيْلًا إِكْلَامٌ مُكَلِّبُونَ ۝

قوله

قوله

قوله

ہر ہے ہم بدلہ لیں گے ان سے اور "بھٹس" کہتے ہیں ملت بگاڑ کو اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو فرعون سمیت آج سے دو ہزار سال پہلے ایک عظیم موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے جو اللہ کے نزدیک معزز تھے کہ میرے کہنے پر ہلاؤ اس انسان کی تمہیں دعوت دے رہا ہوں اس کو پھرا کر دھیرا کرنا ہر داری کر کے اللہ کے بندوں میں تمہارے پاس رسول بن کر آیا ہوں انہیں وار ہوں یہ تمام پہنچانے میں اور تم سرکشی ظلم نہ کرو اللہ پر اس کی نافرمانی کر کے میں تمہارے سامنے ایک واضح کلمہ دیکھ کر پشیمان ہوں اپنی رسالت پر اس پر مشرکین نے آپ پر اعتراض کرنے کی دھمکی دی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے آپ کو اپنے اور تمہارے پروردگار کی بنا میں دیتا ہوں اس سے کہ تم مجھے سگسار کرو اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے میری تصدیق نہیں کرتے تو تم مجھ سے الگ ہی رہو میرے درپے آزار نہ ہو لیکن وہ بدستور رہنے آزار نہ ہو تب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں، مشرک ہیں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تو اب لے کر چلے لفظ اسر ہنزہ قلمی کے ساتھ اور ہنزہ وصل کے ساتھ ہے میرے بندوں بنی اسرائیل کو راتوں رات، بلاشبہ تمہارا تعاقب کیا جائے گا فرعون اور اس کا لشکر تمہارا پیچھا کریں گے اور تم اس دریا کو چھوڑ دینا آپ اور آپ کے ساتھی پار ہو جائیں سکون کی حالت میں کہ پانی میں راستے سے رہیں تاکہ قبل اس میں داخل ہو سکیں ان کا سارا لشکر ڈوب دیا جائے گا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر مطمئن ہو گئے اور فرعون کا لشکر فرقا ب ہو گیا ان لوگوں نے کتنے باغات چھوڑے اور چشمے رواں اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات آراستہ مجلسیں اور آرام کے سامان جن میں وہ خوش گن رہا کرتے تھے اسی طرح ہوا یہ خبر ہے مبتدائے محذوف الامر کی اور ہم نے ان کو اموال کا وارث بنا دیا دوسری قوم بنی اسرائیل کو سوان پر نہ زمین و آسمان کو روانا آیا برخلاف مسلمانوں کے کہ ان کی سوت پر ان کے نماز پڑھنے کی جگہ زمین میں اور اعمال پڑھنے کی جگہ آسمان میں روتی ہے اور نہ ان کو مہلت توہ کے لئے دیکھ دی گئی۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: فرقا: یہ بگڑنے کا مصدر ہے۔

قولہ: رَحْمَةً: یہ مفعول ہے۔

قولہ: مِنْ دَهَانٍ: رب کے لفظ کو ضمیر کی جگہ لائے، اس لیے کہ رسالت ربوبیت کا تقاضا ہے۔

قولہ: بِعَلْمِنَا: بعض نے کہا توفیق جی غلام سکھاتا تھا بعض نے مجنون کہا۔

قولہ: الْبَطَلَةَ الْكُبْرَى: اس لیے کہ وہ دبدبے پر مشتمل تھی۔

قولہ: مَجْرُمُونَ: یہ دعا کی تعریف ہے۔

تفسیر مقبولین

حکم ۱

(بط) گزشتہ سورت کا مضمون تو حیدر رسالت کا اثبات تھا اور اس سے اختلاف و اعراض کرنے والے مجرمین کی بد نصیبی کا ذکر کرتے ہوئے ان کے افسوس ناک عبرت ناک انجام کا بیان تھا اور اسی موضوع پر سورت کا مضمون ختم فرما دیا گیا تھا کہ اگر ان واقعات کو سنکر بھی قریش کے لوگ آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تو ان کو سوچ لینا چاہئے کہ ایسا ہی عبرت ناک انجام ان کا بھی ہوگا، ساتھ ہی آپ ﷺ کو تسلی دینا بھی مقصود تھا کہ قریش مکہ کی مخالفت و دشمنی سے آپ زائد پریشان نہ ہوں اور اتمام حجت کے ساتھ فرما دیا گیا تھا: "وقل سلام فسوف يعلمون"۔ تو اسی مناسبت سے اب اس سورت کی ابتداء قرآن کی عظمت و حقانیت سے ہو رہی ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس کتاب الہی کی حقانیت و عظمت اس طرح سمجھی جاسکتی ہے کہ وہ ذات جس نے یہ کتاب نازل کی وہ بھی بڑی عظمتوں والی ذات ہے اور جس زمانہ اور ساعت میں اس کو اتارا گیا اس کی برکتوں اور عظمتوں کی بھی کوئی انتہا نہیں، تو جب اس کتاب کو نازل کرنے والی ذات بھی باعظمت ہے اور زمانہ نزول بھی برکتوں اور عظمتوں کا زمانہ ہے تو ظاہر ہے کہ اس کتاب الہی کی عظمت و بلندی کی کوئی حد و انتہا ہی نہیں ہو سکتی

کیلئے مَبْرُكَةٌ سے مراد جہور مفسرین کے نزدیک شب قدر ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ اس رات کو مبارک فرمانا اس لیے ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر بے شمار خیرات و برکات نازل ہوتی ہیں اور قرآن کریم کا شب قدر میں نازل ہونا قرآن کی سورۃ قدر میں تصریح کے ساتھ آیا ہے۔ انا انزلناه فی لیلة القدر۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یہاں بھی لیلة مبارکہ سے مراد شب قدر ہی ہے۔ اور ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں ابتداء دنیا سے آخر تک اپنے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائی ہیں وہ سب کی سب ماہ رمضان المبارک ہی کی مختلف تاریخوں میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت قتادہ نے بروایت واہلہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صحف ابراہیم علیہ السلام رمضان کی پہلی تاریخ میں اور تورات رمضان کی چھٹی تاریخ میں، زبور بارہویں میں، انجیل اٹھارویں میں اور قرآن چوبیس تاریخ گزرنے کے بعد یعنی پچیسویں شب میں نازل ہوا۔ (ترمذی)

قرآن کے شب قدر میں نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ سے پورا قرآن سہ ماہ دنیا پر اسی رات میں نازل کر دیا گیا تھا۔ پھر تیس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتا رہا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر سال میں جتنا قرآن نازل ہوتا مقدر ہوتا تھا اتنا ہی شب قدر میں لوح محفوظ سے سہ ماہ دنیا پر نازل کر دیا جاتا تھا۔ (ترمذی)

اور بعض مفسرین عکرمہ وغیرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس آیت میں لیلة مبارکہ سے مراد شب برات یعنی نصف شعبان کی رات قرار دی ہے مگر اس رات میں نزول قرآن دوسری تمام نصوص قرآن اور روایات حدیث کے خلاف ہے شہد رمضان اللہ الذی انزل فیہ القرآن اور انا انزلناه فی لیلة القدر جیسی کھلی نصوص کے ہوتے ہوئے بغیر کسی قوی دلیل کے

نہیں کہا جاسکتا کہ نزول قرآن شب برات میں ہوا۔ البتہ شعبان کی پندرہویں شب کو بعض روایات حدیث میں شب برات یا سیدہ لیلہ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس رات کا مبارک ہونا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا ذرا ہے۔ اس کے ساتھ بعض روایات میں یہ مضمون بھی آیا ہے جو اس جگہ لیلہ مبارکہ کی صفت میں بیان فرمایا ہے یعنی لَيْلَتُنَا يُنَزَّلُ فِي كُلِّ أَمْرٍ حَكِيمٌ۔ امز امر عدما یعنی اس رات میں ہر حکمت والے معاملہ کا فیصلہ ہماری طرف سے کیا جاتا ہے جس کے معنی حضرت ابن عباس یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ رات جس میں نزول قرآن ہوا، یعنی شب قدر، اسی میں مخلوقات کے متعلق تمام اہم امور جن کے فیصلے اس سال میں اگلی شب قدر تک واقع ہونے والے ہیں طے کئے جاتے ہیں کہ کون کون اس سال میں پیدا ہوں گے، کون کون آدمی اس میں مرے گا، کس کو کس قدر رزق اس سال میں دیا جائے گا۔ یہی تفسیر دوسرے ائمہ تفسیر حضرت قتادہ، مجاہد، حسن وغیرہم سے بھی منقول ہے اور مہدوی نے فرمایا کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ یہ تمام فیصلے جو تقدیر الہی میں پہلے ہی سے طے شدہ تھے اس رات میں متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں، کیونکہ قرآن و سنت کی دوسری نصوص اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلے انسان کی پیدائش سے بھی پہلے ازل ہی میں لکھ دیئے تھے۔ تو اس رات میں ان کے طے کرنے کا حاصل یہی ہو سکتا ہے کہ قضا و قدر کی سنجیدہ جن فرشتوں کے ذریعہ ہوتی ہے اس رات میں یہ سالانہ احکام ان کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ (زلمی)

چونکہ بعض روایات حدیث میں شب برات یعنی شعبان کی پندرہویں شب کے متعلق بھی آیا ہے کہ اس میں آجال و ارزاق کے فیصلے لکھے جاتے ہیں۔ اس لیے بعض حضرات نے آیت مذکورہ میں لیلہ مبارکہ کی تفسیر لیلۃ البرات سے کر دی ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یہاں اس رات میں نزول قرآن کا ذکر سب سے پہلے ہے اور اس کا رمضان میں ہونا قرآن کی نصوص سے متعین ہے۔ اور شب برات کے متعلق جو یہ مضمون بعض روایات میں آیا ہے کہ اس میں ارزاق وغیرہ کے فیصلے ہوتے ہیں اول تو ابن کثیر نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ روایت مرسل ہے اور ایسی روایت نصوص صریحہ کے مقابلہ میں قابل اعتماد نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح قاضی ابوبکر بن عربی نے فرمایا کہ نصف شعبان کی رات کے بارے میں کوئی قابل اعتماد روایت ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ رزق اور موت و حیات کے فیصلے اس رات میں ہوتے ہیں بلکہ انہوں نے فرمایا کہ اس رات کی فضیلت میں بھی کوئی قابل اعتماد حدیث نہیں آئی لیکن روح النانی وغیرہ کے فیصلے نصف شعبان کی رات میں لکھے جاتے ہیں اور شب قدر میں فرشتوں کے حوالے کئے جاتے ہیں اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس طرح دونوں قول میں تطبیق ہو سکتی ہے ورنہ اصل بات جو ظاہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہ یہی ہے کہ سورۃ دخان کی آیت میں لیلہ مبارکہ اور فیہا یفرق وغیرہ کے سب الفاظ شب قدر ہی کے متعلق ہیں۔ رہا شب برات کی فضیلت کا معاملہ، سو وہ ایک مستقل معاملہ ہے جو بعض روایات حدیث میں منقول ہے مگر وہ اکثر ضعیف ہیں اس لیے قاضی ابوبکر بن عربی نے اس رات کی کسی فضیلت سے انکار کیا ہے لیکن شب برات کی فضیلت کی روایات اگرچہ باعتبار سند کے ضعف سے کوئی خالی نہیں لیکن تعدد طرق اور تعدد روایات سے ان کو ایک طرح کی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لیے بہت سے مشائخ نے ان کو قبول کیا ہے کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر عمل کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

دخان سے کیا مراد ہے؟

اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ دھواں قیامت کی نشانیوں میں سے ہوگا جب ظاہر ہوگا تو زمین میں چالیس دن رہے گا اور آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دے گا۔ اس کی وجہ سے اہل ایمان کی کیفیت زکام جیسی ہو جائے گی اور کفار اور لارکی ناکوں میں گھس جائے گا اور سانس لینے میں انہیں سخت تکلیف ہوگی۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ اور زید بن علی اور حسن اور ابن ابی علیہ رحمہم اللہ کا یہی فرمانا ہے کہ دھواں اب تک ظاہر نہیں ہوا قیامت کے قریب ہوگا۔ صحیح مسلم میں دس نشانیوں کے ذیل میں دھوئیں کا تذکرہ موجود ہے جس کے راوی حضرت حذیفہ بن اسید لغاری ہیں (صحیح مسلم ص ۳۹۶: ۶۵) جن حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں جس دھوئیں کا ذکر ہے وہ قیامت کے قریب ظاہر ہوگا ان حضرات کا استدلال اسی حدیث سے ہے۔

دوسرا قول حضرت عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے۔ جسے حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے جب حضرت عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا گیا کہ مذکورہ دخان سے قرب قیامت کا دھواں مراد ہے، تو حضرت ابن مسعود کو یہ سن کر ناگواری ہوئی اور فرمایا کہ جسے علم ہو وہ علم کی بات بتا دے اور جسے علم نہ ہو وہ یوں کہہ دے کہ اللہ کو معلوم ہے کیونکہ نہ جاننے کا اقرار کرنا علم کی بات ہے اس کے بعد فرمایا جب قریش مکہ نے رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کی تو آپ نے ان کو بدو عادے دی اللہم ائنی علیکم سبع کسوع یوسف (اے اللہ ان کے مقابلہ میں میری مدد فرما ان پر سات سال تک قحط بھیج دے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط آیا تھا) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی جب قحط پڑا اور قریش مصیبت میں مبتلا ہوئے تو ان کی ہر چیز ختم ہو گئی یہاں تک کہ وہ مردار اور ہڈیاں کھانے لگے بھوک کی مصیبت کی وجہ سے ان کا یہ حال ہو گیا کہ آسمان کی طرف دیکھتے تو دھواں نظر آتا تھا اسی کو اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمادیا تھا: فَأَزْقِيهِمْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ۔ جب قریش مکہ عذاب میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے دعا کی: رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ اے ہمارے رب عذاب دور فرما دیجیے بلاشبہ ہم ایمان لے آئیں گے۔

حضرت عبداللہ نے اِنَّا كَاثِرُوا الْعَذَابَ قَلِيلًا اِنَّكُمْ حَاہِدُونَ ۝ کی تلاوت کی پھر فرمایا کیا قیامت کے دن عذاب اگلی دور کر دیا جائے گا؟ یعنی آیت کریمہ میں عذاب دور کرنے کا ذکر ہے اور قیامت کے دن کا عذاب دور نہیں کیا جائے گا لہذا معلوم ہوا کہ سورت ادخان میں دخان زمین سے قیامت کے دن کا عذاب مراد نہیں، اس کے آگے قصہ یہ ہے کہ جب قریش مکہ بہت زیادہ مصیبت میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے آپ کی خدمت میں ابوسفیان کو بھیجا وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے عرض کیا اے محمد ﷺ آپ صلہ رحمی کا حکم کرتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے آپ اللہ سے دعا کر دیجیے کہ اس عذاب کو ہٹا دے آپ نے دعا کر دی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش بھیج دی گئی وہ لوگ اچھی حالت میں ہو گئے لیکن کلمہ پر ہی باقی رہے جیسے اِنَّكُمْ غَاہِدُونَ میں بیان فرمایا جب کلمہ پر ہی باقی رہے تو آیت کریمہ: يَوْمَ نَبْطِشُ

البَطْنَةُ الْكُبْرَى ۱۰ اِنَّا مُتَّقُونَ ۱۱ نازل ہوئی جس دن ہم پکڑیں گے بڑی پکڑ، بے شک ہم بدلہ لینے والے ہیں بڑی پکڑ سے غزوه بدر مراد ہے ان لوگوں نے وعدہ تو کیا تھا کہ ہم عذاب دور ہونے پر مؤمن ہو جائیں گے لیکن عذاب نل جانے کے باوجود ایمان نہ لائے اس لیے فرمایا: اَلَىٰ كَهْمُ الَّذِیْ كُورِیٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰﴾ کہیں ہے ان کو نصیحت اور حال یہ ہے کہ ان کے پاس رسول آچکا ہے جس کی دعوت و دلائل سب واضح ہیں: ثَلَاثَةٌ تَوَلَّوْا عَنَّا... پھر انہوں نے اس کی طرف سے روگردانی کی اور اعراض کیا۔ اور کہنے لگے کہ اس کو دوسروں نے سکھایا ہے اور یہ دیوانہ ہے یعنی رسول مبین کی واضح دعوت اور دلائل سے اعراض کر چکے ہیں اور اس کے بارے میں کہہ چکے ہیں کہ دوسروں کا پڑھایا ہوا ہے اور دیوانہ ہے ان سے یہ امید کرنا کہ عذاب چلے جانے پر ایمان لے آئیں گے بے جا امید ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُوْلٌ كُوْبِرٌ ﴿۱۱﴾

ان آیات میں فرعون کی نافرمانی کا اور بطور سزا لشکروں سمیت سمندر میں ڈوب جانے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان سے یعنی قریش مکہ سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا ان کے پاس رسول کریم یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم و معظم تھے انہوں نے فرعون سے اور اس کی جماعت سے کہا کہ بنی اسرائیل کو تم دکھ تکلیف دیتے ہو انہیں مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے ان اللہ کے بندوں کو تم میرے حوالے کر دو اور میرے ساتھ بھیج دو میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے میں اس کا رسول امین ہوں تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ سرکشی نہ کرو۔ اللہ کے مقابلے میں مت آؤ۔ اس کی اطاعت کرو میں تمہارے پاس واضح دلیل یعنی معجزات کثیرہ لے کر آیا ہوں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ فرمائی اور حق بات پہنچائی تو فرعون اور اس کی جماعت نے ان کے قتل کے مشورے شروع کر دیئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس سے اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کر دو یعنی مجھے پتھروں سے مار کر ہلاک کرو۔ مزید فرمایا کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم یہ کرو کہ مجھ سے دور رہو مجھے کسی قسم کی تکلیف مت پہنچاؤ کیونکہ اس سے تمہارا جرم اور زیادہ شدید ہو جائے گا وہ لوگ ہدایت پر نہ آئے اور سرکشی کرتے رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ لوگ مجرم ہیں ان کو سزا دی جائے اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہو جاؤ آبادی سے نکل جاؤ اور سمندر کی راہ لے لو جب تم روانہ ہو جاؤ گے تو تمہارا اچھا کیا جائے گا یعنی فرعون اور اس کا لشکر تمہارے پیچھے آ پہنچے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت روانہ ہو گئے، فرعون کو پتہ چلا تو وہ بھی اپنے لشکروں کو لے کر ان کے پیچھے چل دیا اللہ تعالیٰ شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہلے سے ہی ہدایت کر دی تھی کہ جب سمندر پر پہنچو تو سمندر میں اپنی لاشیں مار دینا اس کا معجزہ والا اثر یہ ہوگا کہ پانی رک جائے گا اور جگہ خشک ہو جائے گی اور اس میں راستے نکل آئیں گے تم اس سمندر کو اس کی حالت پر ٹھہرا چھوڑ کر پار ہو جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا کہ ٹھانٹیں مارتے سمندر میں راستے بن گیا جگہ خشک ہو گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ ان راستوں میں داخل ہو گئے اور سمندر اپنی ہیبت اور حالت پر سکون کے ساتھ ٹھہرا ہوا رہ گیا پیچھے سے فرعون اپنے لشکر کو لے کر آیا اور بنی اسرائیل کے پیچھے اپنی فوجیں ڈال دیں بنی اسرائیل پار ہو گئے اور فرعون

اپنے لکڑوں سمیت ڈوب گیا سمندر میں راستے بن جانے کی وجہ سے جو قرار و سکون ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے دور فرما دیا پانی آپس میں مل گیا جیسا کہ پہلے ہی فرمایا تھا جو راستے بن گئے تھے وہ ختم ہو گئے اور فرعون اپنے لکڑ سمیت غرق ہو گیا اسی کو فرمایا: **وَأَتْرُكُ الْبَحْرَ رَهْوًا إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُونَ** ﴿۷۰﴾

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ ﴿۷۱﴾

(سوان پر آسمان اور زمین کو روٹا نہ آیا اور وہ مہلت دیئے جانے والے نہ تھے) یعنی اللہ تعالیٰ نے مغضوب اور منغضب علیہم ہونے کی وجہ سے ہلاک فرما دیا اور یہ لوگ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے مغضوب تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو بھی ان سے بغض تھا گو کرمی طور پر باسرا الہی ان پر بارش ہوتی تھی اور زمین بھی ان کا رزق اگاتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے عظیم آسمان و زمین ان سے راضی نہ تھے لہذا ان کے بیک وقت غرق ہونے پر انہیں ذرا بھی ترس نہ آیا اور ان کی ہلاکت کی وجہ سے وہ ذرا بھی نہ روئے۔

مؤمن کی موت پر آسمان وزمین کا رونا:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بھی کوئی مؤمن بندہ ہے اس کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک دروازے سے اس کا عمل اور پر جاتا ہے اور ایک دروازے سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے۔ جب اس کی موت ہو جاتی ہے تو دونوں دروازے اس پر رونے لگتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسی کو فرمایا: **فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ** ﴿۷۱﴾ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الدخان)

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿۷۲﴾ قَتَلَ الْأَبْنَاءَ وَاسْتَحْدَامِ النِّسَاءِ مِنْ فِرْعَوْنَ ۖ قِيلَ
بَدَلْ مِنْ الْعَذَابِ بِتَقَدِيرٍ مُضَافٍ أَيْ عَذَابٍ وَ قِيلَ حَالٍ مِنَ الْعَذَابِ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ
السُّرْفِينِ ﴿۷۳﴾ وَ لَقَدْ اخْتَرْنَا لَهُمْ أَيْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ عِلْمِهِمْ مِنْ آبَائِهِمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۷۴﴾ أَيْ عَالَمِي
زَمَانِهِمْ أَيْ الْعُقَلَاءِ وَ آتَيْنَاهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُّبِينٌ ﴿۷۵﴾ نِعْمَةٌ ظَاهِرَةٌ مِنْ فَلَاقِ الْبَحْرِ وَالْمَرِّ
وَالسُّلُوبِ وَغَيْرِهَا إِنَّ هَؤُلَاءِ أَيْ كُفَّارٌ مَّكَّةَ لِيَقُولُونَ ﴿۷۶﴾ إِنَّ هِيَ مَا الْمَوْتَةُ الَّتِي بَعْدَهَا الْحَيَاةُ إِلَّا
مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ أَيْ وَهُمْ نُطْفٍ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ﴿۷۷﴾ بِمَبْعُوثِينَ أَحْيَاءَ بَعْدَ الثَّانِيَةِ فَأَتُوا بِآبَائِنَا
أَحْيَاءَ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۷۸﴾ إِنَّا بَعَثْنَا فِي نُوحٍ إِذْ قَالَتْ نَعَالَىٰ أَنَّهُمْ خَلْقٌ أُمَّ قَوْمٍ مُّجْرِمٍ ۖ هُوَ
نَبِيُّ أَوْزَجِلٍ صَالِحٍ وَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ مِنَ الْأُمَّمِ أَهْلَكْنَاهُمْ ۖ لِيَكْفُرَهُمْ وَ الْمَعْنَى لِيَسُوْا أَقْوَىٰ مِنْهُمْ

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: مِبْقَاتُهُمْ: وعدہ کا وقت۔

قوله: يَوْمَ لَا يُغْنِي: کام آنا، بدلہ دینا۔

قوله: مَوْلَى: مددگار۔

تفسیر مقبولین

بنی اسرائیل پر انعام اور امتنان:

اس کے بعد بنی اسرائیل پر امتنان کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب سے نجات دی یعنی فرعون سے اور یہ بھی فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے دنیا جہان والوں پر فوقیت دی۔ یعنی ان کے زمانے میں جو لوگ تھے ان سب کے مقابلے میں انہیں برتری عطا فرمائی۔ فی معالم التنزیل علی عالمی زمانہم مزید فرمایا کہ ہم نے انہیں اپنی قدرت کی ایسی بڑی بڑی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا۔ یعنی وہ ایسی چیز تھی جو ان کے لیے نعمت تھیں، اور قدرت الہی کی بڑی نشانیاں تھیں۔ مثلاً انہیں فرعون کے چنگل سے نکالنا جو ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کے لیے سمندر کو پھاڑ دینا اور بادلوں کا سایہ کرنا اور من و سلویٰ نازل کرنا پھر انہیں زمین میں اقتدار بخشنا ان میں انبیاء اور ملوک پیدا فرمانا۔

وَلَقَدْ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلِيٍّ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٧﴾

بنی اسرائیل کی عظمت و برتری اپنے دور کے سب جہانوں پر:

حضرات علماء و مفسرین کہتے ہیں کہ ان لوگوں کی یہ فضیلت و برتری صرف ان کے اپنے دور کے اعتبار سے تھی ورنہ مطلق فضیلت اور سب زمانے کے لوگوں کے مقابلے میں بڑائی تو صرف امت محمدیہ ہی کو حاصل ہے۔ { كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلْعَالَمِينَ } اور یہ اس لیے کہ ان کے اس دور میں دین و شریعت کے علم کی روشنی ان ہی لوگوں کے پاس تھی۔ اور یہ ایک اہم اور بنیادی حقیقت ہے کہ جو قوم خداوند قدوس کی شریعت کی حامل ہوتی ہے طبعی اور فطری طور پر وہی اس کی اہل اور حق دار ہوتی ہے کہ خلق خدا کی راہنمائی کرے۔ اور ان کا یہ منصب اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی پوری دیاقتداری کے ساتھ ادا کرے۔ سو وہ اگر اپنے فرائض منصبی کو صحیح طور پر ادا نہیں کرے گی تو اس کو اس کے اس منصب سے معزول کر دیا جائے گا۔ اور اس کی جگہ دوسری قوم کو اس کے مقام پر فائز کر دیا جائے گا جو اس منصب کی ذمہ داریوں کو صحیح

طریقے سے نبھائے گی۔ سو بنی اسرائیل کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ایک خاص دور میں ان کو لوگوں کی امامت و پیشوائی کے اس اہم منصب پر فائز کیا گیا۔ لیکن جب انہوں نے اس کی ذمہ داریوں سے تغافل برتا اور وہ اس کے اہل نہ رہے تو ان کو اس سے معزول کر دیا گیا۔ اور اس کے بعد خلق خدا کی ہدایت و راہنمائی کے اس منصب مطیل پر امت مسلمہ کو فائز کیا گیا۔ سو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے سرفرازی نسلی یا موروثی بنیادوں پر نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنے عمل و کردار اور الہیت کی بنا پر ہوتی ہے۔ اور اب ان کی لیے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ وہ اس دین حق اسلام کو صدق دل سے اپنائیں اور اس کی تعلیمات مقدسہ پر خود بھی عمل پیرا ہوں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں۔ اس طرح وہ اپنے کھوئے ہوئے مقام کو پھر پالیں گے ورنہ ان کے لیے ہمیشہ کی ذلت و خواری ہے۔

وَآتَيْنَهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهَا تَلْوَاهٌ ۝ مُبِينٌ ۝

ہم نے انکو طرح طرح کی ایسی نشانیوں سے نوازا جن میں کھلی آزمائش کا سامان تھا۔ مثلاً یہ کہ ان کو فرعون کی غلامی سے نجات دی۔ ان کے لیے چلتے سمندر کو پھاڑ کر راستے بنا دیئے۔ بادلوں سے ان کے لیے سائے کا انتظام کیا اور ان پر من و سلوکی کی نعمتیں اتاریں وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ سب کچھ ان کے سوا اور کسی قوم کو نصیب نہیں ہوا۔ اور یہ چیزیں جہاں ایک طرف نعمتیں تھیں وہاں دوسری طرف ان کے لیے ابتلاء و آزمائش کا سامان بھی تھیں کہ وہ ان کا حق کیا اور کس طرح ادا کرتے ہیں؟ اسی لیے لفظ بلاء استعمال فرمایا گیا ہے۔ جس کے معنی نعمت کے بھی آتے ہیں اور آزمائش کے بھی۔ {فَيَنْظُرُو كَيْفَ تَعْمَلُونَ} یعنی تاکہ وہ دیکھیں کہ ان اور ان نعمتوں سے مستفید و بہرہ ور ہو کر تم لوگ کس عمل کا مظاہرہ کرتے ہو۔ سو بلاء کے اصل معنی آزمائش کے ہوتے ہیں اور آزمائش چونکہ نعمت کے ذریعے بھی ہوتی ہے اور مصیبت کے ذریعے بھی اس لیے اس کو یہاں پر بلاء کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ نعمت کا امتحان شکر کی جانچ کیلئے ہوتا ہے اور مصیبت کا امتحان صبر و رضا کی جانچ کیلئے۔

إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ۝

منکرین کا کہنا ہے کہ ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ جیسا کہ تم لوگ کہتے ہو۔ اے مسلمانو!۔ کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا ہے۔ اور اپنے کئے کرائے کا حساب دینا اور اس کا بدلہ پانا ہے۔ بلکہ زندگی تو یہی دنیاوی زندگی ہے اور بس۔ سو جو اس میں نیش کر گیا وہ کر گیا۔ پھر اٹھنا اٹھنا کچھ نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ قیامت وغیرہ کا ڈر ادا تو محض ایک ہوا ہے۔ موت تو بس یہی موت ہے جس سے اس دنیا میں سابقہ اور واسطہ پیش آتا ہے اور بس۔ اور یہی موت اول بھی ہے اور آخر بھی۔ اس کے بعد نہ کوئی موت ہے نہ زندگی۔ اور موت اولیٰ یعنی پہلی موت کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے بعد کوئی دوسری موت بھی ہو۔ جیسا کہ ہم لوگ اپنے محاورے میں بولتے ہیں کہ فلاں شخص کے یہاں پہلا بچہ پیدا ہوا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے یہاں دوسرا بچہ بھی پیدا ہو۔ بلکہ اس کے لیے اتنی بات کافی ہوتی ہے کہ اس کے یہاں اس سے پہلے کوئی بچہ نہ ہوا ہو۔ جیسے کوئی کہتا ہے کہ یہ پہلی کمانی ہے جو مجھے آج حاصل ہوئی۔ عام اس سے کہ اس کے یہاں اس کے بعد کوئی اور کمانی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ (محاسن التذیل وغیرہ)۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ منکرین کا کہنا ہے کہ ہمیں کبھی دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔

فَأَنذَرْنَا بآبَائِنَا إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

(اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادوں کو لا موجود کرو) قرآن کریم نے ان کے اس اعتراض کا جواب اس لیے نہیں دیا کہ بالکل ظاہر تھا اور وہ یہ کہ تمام انسانوں کی دوبارہ زندگی کا دعویٰ آخرت میں کیا جا رہا ہے اسی وقت اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کرے گا۔ دنیا میں موت و حیات قدرت کے مخصوص قوانین اور مصالح کی پابند ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس وقت کسی کو دوسری زندگی عطا نہیں فرما رہا تو یہ اس بات کی دلیل کیسے بن گئی کہ آخرت میں بھی وہ دوبارہ زندہ نہ کر سکے گا۔ منطقی اصطلاح میں اس جواب کو یوں تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ مقید کا عدم وقوع مطلق کے عدم وقوع کو مستلزم نہیں ہو سکتا۔ (ہاں قرآن) **أَهْلُ خَيْرٍ أَمْ قَوْمُ تُبَيْعٍ**.....

منکرین قیامت کی کٹختی، یہ لوگ قوم تبع سے بہتر نہیں ہیں جو ہلاک کر دیئے گئے:

ان آیات میں اول تو منکرین بعث کا قول نقل فرمایا ہے، پھر ان کی بات کی تردید فرمائی ہے منکرین نے یہ کہا کہ یہ جو تم کہتے ہو کہ مرنا ہے اور مر کر جی اٹھنا ہے اور حساب و کتاب ہے یہ ہم نہیں مانتے ہمارے نزدیک بس یہی بات طے شدہ ہے کہ ہم پہلی بار جو مریں گے تو بس مر گئے اس کے بعد دوبارہ زندہ ہونے والی بات نہیں مانتے، ان لوگوں نے مزید یوں بھی کہا کہ تم دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دیتے ہو تو چلو ہمارے باپ دادوں کو لا کر دکھا دو اگر تم اپنی بات میں سچے ہو (کہ دوبارہ اٹھنا ہے اور قیامت قائم ہونی ہے) ان کی تردید میں فرمایا: **أَهْلُ خَيْرٍ أَمْ قَوْمُ تُبَيْعٍ** وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلُكَلْبَهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝ کیا یہ لوگ بہتر ہے یا تبع کی قوم بہتر تھی اور جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بہتر تھے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا بلاشبہ وہ مجرم تھے یعنی یہ جو ایسی باتیں کر رہے ہیں کہ اللہ کے رسول کی رسالت اور دعوت کے منکر ہیں اپنے کو دنیاوی طور پر بڑی قوت والا سمجھ رہے ہیں اور اسی بنیاد پر منکر ہو رہے ہیں یہ سوچتا اور سمجھتا بالکل ہی غلط ہے ان کی کیا حیثیت ہے ان سے پہلے (یعنی کے بادشاہ) تبع کی قوم گزر چکی ہے اور ان میں بھی بہت سی قومیں گزری ہیں جنہیں اپنی قوت اور شوکت پر بڑا سمجھتا تھا رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے جب ان پر عذاب آیا تو شوکت و قوت نے کچھ بھی کام نہ دیا سورہ سہا میں فرمایا: **وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَ مَا نَلْعَنُوا مِمَّا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا أَرْسُلًا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ** (اور ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا اور حال یہ ہے کہ یہ لوگ اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے ان کو دیا تھا سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا سو کیسا تمہارا عذاب۔)

تبع کون تھے؟

یہ تبع کون تھا؟ جس کی قوم کا تذکرہ فرمایا ہے، اس کے بارے میں مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ صاحب معالم التنزیل ص ۱۵۳ ج ۴ نے اس پر لہجہ مضمون پر قلم فرمایا ہے اتنی بات تو تقریباً سبھی نے لکھی ہے کہ تبع یمن کے بادشاہ کا لقب تھا جیسے قیس و کسریٰ، اور نجاشی اپنے اپنے علاقوں کے بادشاہوں کے القاب تھے اسی طرح یمن کے بادشاہ کو تبع کہا جاتا تھا یہ کون سا تبع تھا جس کا آیت بالا میں ذکر ہے؟ اس کا نام اسعد بن ملیک اور کنیت ابو کرب لکھی ہے محمد بن اسحاق (صاحب السیرة) حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ تبع مدینہ منورہ کے راستے سے گزر رہا تھا اس نے اہل مدینہ پر حملہ کرنے کا

قیاس ہے یہاں تک لکھنے کے بعد تفسیر ابن کثیر میں دیکھا انہوں نے اس تیج کا نام اسعد بتایا ہے اور کنیت ابو کریب لکھی ہے اور باپ کا نام ملیکہ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا کہ اس نے ۳۲۶ سال تک حکومت کی اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی قوم نے اس کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن جب اس کی وفات ہوئی تو وہ لوگ مرتد ہو گئے آگ اور جہنم کی پوجا کرنے لگے لہذا اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب میں مبتلا فرما دیا جیسا کہ سورہ سہا میں مذکور ہے مفسر ابن کثیر کا فرمانا ہے کہ قوم تیج اور سہا ایک ہی قوم کا مصداق ہے۔ (ابن کثیر ص ۱۱۴۲، ۱۱۴۳ جلد ۴)

مَا خَلَقْنَاهُمْ إِلَّا بِالْحَقِّ وَالْحَقُّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵﴾

(ہم نے ان دونوں یعنی زمین و آسمان کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے) مطلب یہ ہے کہ اگر سوچنے سمجھنے والی عقل ہو تو آسمان و زمین اور ان کے اندر جو مخلوقات پیدا کی گئی ہیں وہ سب بہت سے حقائق پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً ایک تو قدرت خداوندی پر۔ دوسرے آخرت کے ارکان پر، کیونکہ جس ذات نے ان عظیم اجسام کو عدم سے وجود عطا کیا وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں ایک مرتبہ فنا کر کے دوبارہ پیدا کر دے۔ تیسرے جزا و سزا کی ضرورت پر، کیونکہ اگر آخرت کی جزا و سزا نہ ہو تو یہ سارا کارخانہ وجود بیکار ہو جاتا ہے۔ اس کی تخلیق کی تو حکمت ہی یہ ہے کہ اسے دارالامتحان بنایا جائے اور اس کے بعد آخرت میں جزا و سزا دی جائے ورنہ نیک و بد دونوں کا انجام ایک ہونا لازم آتا ہے جو اللہ کی شان حکمت سے بعید ہے۔ چوتھے یہ کائنات سوچنے سمجھنے والوں کو احاطت خداوندی پر ابھارنے والی بھی ہے کیونکہ یہ ساری مخلوقات اس کا بہت بڑا انعام ہیں اور بندے پر واجب ہے کہ اس نعمت کا شکر اس کے اخلاق کی اطاعت کر کے ادا کرے۔ (معارف مفتی شفیع)

إِنَّ شَجَرَةَ الزُّقُورِ ﴿۱﴾ هِيَ مِنْ أَحْبَبِ الشَّجَرِ الْمُرِّ بِنَهَامَةٍ يُسَبِّهَا اللَّهُ فِي الْجَحِيمِ طَعَامُ الْأَكْيَمِ ﴿۲﴾ أَيْ أَبِي جَهْلٍ وَأَصْحَابِهِ ذَوِي الْأَيْمِ الْكَثِيرِ كَالْمُهْلِ ﴿۳﴾ أَيْ كَذَرْدَى الزَّيْتِ الْأَسْوَدِ خَيْرٌ ثَانٍ يَغْلِي فِي الْبَطُونِ ﴿۴﴾ بِالْفَرْقَانِيَةِ خَبْرٌ ثَالِثٌ وَبِالتَّحْتَانِيَةِ حَالٌ مِنَ الْمُهْلِ كَغَلِي الْحَيْمِيِّ ﴿۵﴾ الْعَاءِ الشَّدِيدِ الْحَرَازَةِ حُدُوهُ يُقَالُ لِلزَّبَانِيَةِ حُدُوا الْأَيْمِ فَأَعْيَلُوهُ بِكُسْرِ التَّاءِ وَصَعِمَهَا جُرُوهُ بِغَلْطَةٍ وَشِدَّةٍ إِلَى سَوَاءِ الْحَيْمِيِّ ﴿۶﴾ وَشَطَّ النَّارِ ثُمَّ صَبُّوا لَوْقَ رَأْسِهِ مِنَ عَذَابِ الْحَيْمِيِّ ﴿۷﴾ أَيْ مِنَ الْحَمِيمِ الَّذِي لَا يُفَارِقُهُ الْعَذَابُ فَهُوَ أَبْلَغُ مَعَانِي آيَةِ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُؤُسِهِمُ الْحَمِيمُ وَيُقَالُ لَهُ ذِي أَيِّ الْعَذَابِ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيدُ الْكَبِيرُ ﴿۸﴾ بِرُغْمِكَ وَقَوْلِكَ مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا أَعْرَوا أَكْرَمَ مِنِّي وَيُقَالُ لَهُمْ إِنَّ هَذَا الَّذِي تَرَوْنَ مِنَ الْعَذَابِ مَا كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَرْوُونَ ﴿۹﴾ فِيهِ تَشْكُرُونَ إِنَّ الْمُشْكِرِينَ فِي مَقَاهِرِ مَجْلِسِ آمِينَ ﴿۱۰﴾ يَوْمَ فِيهِ الْخَوْفُ فِي جَلَّتِ بَسَاتِينِ وَعِيُونَ ﴿۱۱﴾ يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ وَاسْتَبْرَقٍ أَيْ مَارِقٍ مِنَ الدِّيَبَاجِ وَمَا غَلَطَ مِنْهُ فَتَطْلِينِ ﴿۱۲﴾ حَالٌ أَيْ لَا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى قَفَا

نَغِيضُ لَبَدْرَانَ الْأَسْرَةَ بِهِمْ كَذَلِكَ ۖ يَمَقْدُرُ قَبْلَهُ الْأَمْرُ وَرَوْحُهُمْ مِنَ التَّرْوِيجِ أَوْ قَرْنَاهُمْ بِحَوْزِ عَيْنِي ۖ

بِسَاءٍ بِيضٍ وَاسْبَغَاتِ الْأَعْيُنِ جَسَائِهَا يَدْعُونَ ۖ يَطْلُبُونَ الْخَدْمَ فِيهَا أَيِ الْجَنَّةِ أَنْ يَأْتُوا بِهَا فَكَيْفَةً

مِنْهَا أَوْ مِنْهَا ۖ مِنْ انْقِطَاعِهَا وَمَضَرَّتِهَا وَمِنْ كُلِّ مَخْرُوفٍ خَالَ لَا يَدُو لَوْ كُنَ فِيهَا السَّوْتُ إِلَّا الْمَوْتَةُ ۖ الْأُولَى

أَيِ الَّتِي فِي الدُّنْيَا بَعْدَ حَيَاتِهِمْ فِيهَا قَالَ بَعْضُهُمْ إِلَّا بِمَعْنَى بَعْدَ وَقْتِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۖ فَضَلًا مَعْدُرُ

بِمَعْنَى تَفْضُلًا مَطْهُوبٌ بِتَفْضُلٍ مَقْدَرًا مِمَّنْ رَزَاكَ ۖ ذَلِكَ هُوَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ ۖ فَإِنَّمَا يَسْتَرْهُ سَهَلْنَا الْقُرْآنَ

بِلِسَانِكَ ۖ بِلَغْنِكَ لِنَهْمَةِ الْعَرَبِ مِنْكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۖ يَتَعَطَّرُونَ قَبْرًا مُمْتَنًا لَكِنِّهِمْ لَا يُؤْمِنُونَ فَارْتَقِبْ

عَلَيْكُمْ ۖ أَنْتُمْ أَنْتُمْ أَنْتُمْ أَنْتُمْ ۖ هَلَا كُنْتُمْ وَهَذَا تَبْلُ تَرْوِيلِ الْأَمْرِ بِجَهَادِهِمْ

تَرْوِيلِ جَمْعُهَا: بلاشبہ زقوم کا درخت جو بدترین کڑوا درخت تھا جس میں ہوتا ہے دوزخ میں اللہ پیدا فرمائے گا بڑے مجرم کا کھانا ہو گا۔ ابوجہل اور اس کے یار دوستوں کے لیے جو بڑے پانی تھے جو تیل کی تھمٹ جیسا ہوگا۔ سیاہ تیل کی گار کی طرح یہ خبر خانی ہے۔ وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا، تغلی خبر ثالث ہے اور بظنی حال ہے من اکل سے جیسے گرم پانی انتہائی تیز کھولتا ہے۔ اس کو پکڑ دوزخ کے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان مجرموں کو گرفتار کر لو۔ پھر ان کو کھیٹتے ہوئے کسرہ تا اور ضمہ کے ساتھ نہایت سختی سے کھینچتا۔ دوزخ کے پتھوں سے درمیان تک لے جاؤ پھر اس کے سر پر کھولتا ہوا تکلیف دہ پانی انڈیل دو یعنی ایسا گرم پانی جو تکلیف دہ ہو یہ الفاظ دوسری آیت یصیب من فوق رؤسہم الحمیمہ سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں اور اس سے کہہ دیا جائے گا لے عذاب چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے اپنے خیال میں اور تیرا کہنا یہ تھا کہ مکہ میں تجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے اور دوزخیوں سے کہا جائے گا کہ یہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو وہی چیز ہے جس میں تم شک شبہ کیا کرتے تھے۔ یقیناً اللہ سے ڈرنے والے ایسی جگہ ہوں گے جہاں امن ہوگا خوف نہیں ہوگا یعنی باغات اور نہریں ہوں گی وہ باریک اور دبیر لباس پہنیں گے ریشم کا باریک اور دبیر لباس آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ یہ حال ہے یعنی اسپرنگ دار کرسیوں کی وجہ سے آپس میں منہ پھیرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ بات اسی طرح ہے۔ کذا لک سے پہلے الامر مقدر ہے اور ہم ان کی شادی کر دیں گے۔ یہ لفظ تزویج سے ہے یا یہ معنی ہیں کہ ان کو باہم جوڑے ملا دیں گے گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتوں سے۔ گورے رنگ کی بڑی آنکھوں والی حسین عورتوں سے منگواتے ہوں گے۔ خدمت گاروں سے فرمائش کرتے ہوں گے۔ وہاں جنت میں ہر قسم کے پھل ملیں گے، اطمینان کے ساتھ نہ ان کے ختم ہو جانے کا کھٹکا ہوگا اور نہ نقصان کا اندیشہ اور نہ کسی اور طرح کا ڈر۔ یہ حال ہے وہاں اس موت کے سوا جو دنیا میں آچکی تھی اور موت کا ڈانٹہ نہیں چکھیں گے۔ یعنی دنیاوی زندگی میں جو موت پیش آچکی ہے اور بعض نے الا بمعنی بعد کہا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے بچالے گا۔ یہ سب کچھ مہربانی فضل مصدر ہے بمعنی تفضل منسوب ہے۔ تفضل مقدر کی وجہ سے آپ کے پروردگار کی ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے سو اس قرآن کو ہم نے آسان سہل کر دیا ہے آپ کی زبان

میں عربی لغت میں تاکہ عرب آپ کی بات سمجھ سکیں اس امید پر کہ یہ نصیحت قبول کریں۔ راہِ راست پر آ کر ایمان لے آئیں لیکن یہ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔ سوابِ منتظر رہے ان کی تباہی کا انتظار کیجئے۔ یہ لوگ بھی منتظر ہیں آپ کی وفات کے۔ یہ حکم جہاد کے آنے سے پہلے کا ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: **كَذَرْدَى الزَّيْتِ**: تلچھٹ۔

قولہ: **خَبْرٌ نَالِثٌ**: یہ درخت کی تیسری خبر ہے۔

قولہ: **فَاعْتَلَوْهُ**: سختی سے گھسیٹو، العتل: گریبان سے پکڑنا۔

قولہ: **عَذَابِ الْحَيِيمِ**: گرم پانی کو مستقل عذابِ مبالغہ کے لیے فرمایا۔

قولہ: **فَارْتَقَبْ**: اس کا اور پھر مرتقبوں کا مفعول محذوف ہے۔

تفسیر مقبولین

إِنَّ شَجَرَةَ الزُّقُورِ

زقوم منکرین قیامت کی خوراک ہوگا:

منکرین قیامت کو جو سزا دیا گیا ہے کہ ان مجرموں کو جو اپنے قول اور فعل کو نافرمانی سے لٹوٹ کئے ہوئے تھے آج زقوم کا درخت کھلایا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ابو جہل ہے۔ گودراصل وہ بھی اس آیت کی وعید میں داخل ہے لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ آیت صرف اسی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابو درداء ایک شخص کو یہ آیت پڑھا رہے تھے مگر اس کی زبان سے لفظ (اٹیم) ادا نہیں ہوتا تھا اور وہ بھائے اس کے تیم کہہ دیا کرتا تھا تو آپ نے اسے (طعام الفاجر) پڑھوایا یعنی اسے اس کے سوا کھانے کو اور کچھ نہ دیا جائے گا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی زمین میں ٹپک جائے تو تمام زمین والوں کی معاش خراب کر دے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے، یہ مثل تلچھٹ کے ہوگا۔ اپنی حرارت بد مزگی اور نقصان کے باعث پیٹ میں جوش مارتا رہے گا اللہ تعالیٰ جہنم کے داروں سے فرمائے گا کہ اس کا فرکو پکڑ لو وہیں ستر بزار فرشتے رڑیں گے اسے اندھا کر کے منہ کے گل گھسیٹ لے جاؤ اور بیچ جہنم میں ڈال دو پھر اس کے سر پر جوش مارتا گرم پانی ڈالو۔ جیسے فرمایا: **يُنْصَبُ مِنْ قَوْي زُؤُوسُهُمُ الْحَيِيمُ** (الحج: ۱۹) یعنی ان کے سروں پر جہنم کا جوش مارتا گرم پانی بہایا جائے گا جس سے ان کی کھالیں اور پیٹ کے اندر کی تمام چیزیں سوخت

ہو جائیں گی اور یہ بھی ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ فرشتے انہیں لوہے کے ستونوں سے ماریں گے جن سے ان کا دماغ پاش پاش ہو جائے گا پھر اوپر سے یہ جسم ان پر ڈالا جائے گا یہ جہاں جہاں پہنچے گا ہڈی کو کھال سے جدا کر دے گا یہاں تک کہ اس کی آنتیں کاٹا ہوا پنڈلیوں تک پہنچ جائے گا۔ اللہ ہمیں محفوظ رکھے پھر انہیں شرمسار کرنے کے لیے اور زیادہ پشیمان بنانے کے لیے کہا جائے گا کہ لومزہ چکھو تم ہماری نگاہوں میں نہ عزت والے ہونہ بزرگی والے۔ مغازی امویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو جہل ملعون سے کہا کہ مجھے اللہ کا حکم ہوا ہے کہ تجھ سے کہہ دوں تیرے لیے دلیل ہے تجھ پر افسوس ہے پھر مکرر کہتا ہوں کہ تیرے لیے خرابی اور افسوس ہے۔ اس پاجی نے اپنا کپڑا آپ کے ہاتھ سے گھسیٹتے ہوئے کہا جا تو اور تیرا رب میرا کیا بگاڑ سکتے ہو؟ اس تمام وادی میں سب سے زیادہ عزت و کرم والا میں ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے بدر والے دن قتل کرایا اور اسے ذلیل کیا اور اس سے کہا جائے گا کہ لے اب اپنی عزت کا اور اپنی تکبر کا اور اپنی بزرگی اور بڑائی کا لطف اٹھا اور ان کافروں سے کہا جائے گا کہ یہ ہے جس میں ہمیشہ شک شبہ کرتے رہے۔ جیسے اور آجوں میں ہے کہ جس دن انہیں دھکے دے کر جہنم میں پہنچایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ دوزخ ہے جسے تم جھٹلاتے رہے کیا یہ جادو ہے یا تم دیکھ نہیں رہے؟ اسی کو یہاں بھی فرمایا ہے کہ یہ ہے جس میں تم شک کر رہے تھے۔

ذُئِ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ۝

دنیا کی بڑائی کا انجام:

اس سے کہا جائے گا کہ اب تو اس کا مزہ چکھ کہ دنیا میں تو بڑا عزت دار بنا ہوا تھا۔ یعنی دنیا میں تو تو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھا کرتا تھا۔ اور اسی وجہ سے تو حق کا انکار کرتا تھا۔ اور اس سے محروم رہا تھا۔ سو اب تو مزہ چکھ لے اپنے کفر و انکار اور اپنے کئے کرائے کا۔ یہ اس بد بخت کی حقیر و تذلیل کے لیے اس سے کہا جائے گا۔ اور اس طرح وہ دوزخ کی ظاہری آگ کے ساتھ ساتھ حقیر و تذلیل اور حسرت و یاس کی اس باطنی آگ میں بھی جلے گا۔ اور عذاب در عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اور ہر ہر دوزخی سے اس طرح کہنا اس ہولناک عذاب کی زبان حال سے بھی ہو سکتا ہے اور عذاب دینے والوں کی زبان حال سے بھی۔ سو ان بد بختوں کی تذلیل و حقیر کیلئے ان سے کہا جائے گا کہ اب تم چکھو مزہ اس عذاب کا۔ یہ وہی کچھ ہے جس کے بارے میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔ والعیاذ باللہ۔ اور اس کے بارے میں تم طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر کے لو حق و ہدایت سے خود بھی مزید از مزید دور و نفور اور محروم ہوتے تھے اور دوسروں کو بھی محروم کرتے تھے۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم کا دنیا پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ان نہیں حقائق سے جن کو جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ ممکن ہی نہیں اتنا تنگی اور اس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ اس دنیا میں ہی آگاہ فرما دیا ہے تاکہ جنہوں نے پچھا ہونگے جائیں قبل اس سے کہ فرصت ممر اور حیات دنیا کی یہ مہلت ان کے ہاتھ سے لکل جائے اور ان کو ہمیشہ کے لیے بچھتا پڑ جائے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

اِنَّ الشُّكُوْبِيْنَ فِيْ مَقَاوِرٍ اَمِيْنٍ ۝

متقیوں کے انعامات، باغ اور چشمے، لباس اور ازواج، ہر قسم کے پھل اور حیات ابدی:

دوزخیوں کے عذاب بتانے کے بعد اہل جنت کے بعض انعامات ذکر فرمائے۔ اولاً تو یہ فرمایا کہ متقی لوگ امن وامان کی جگہ میں ہوں گے۔ یعنی جنت اسکی جگہ ہے کہ جہاں کسی قسم کا خوف و ہراس، بے اطمینانی، بے چینی نہیں ہوتی اور ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے انہیں کبھی خوف یا غم نہ ہوگا نہ وہاں سے نکالے جانے کا خطرہ ہوگا۔ ثانیاً فرمایا کہ یہ متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ ثانیاً یہ فرمایا کہ سندس اور استبرق کا لباس پہنیں گے سندس باریک ریشم کو اور استبرق مومنے ریشم کو کہتے ہیں۔ رابعاً یہ فرمایا کہ آپس میں مقابل ہو کر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے گے مفسرین نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: لا یری بعضهم قفا بعض یعنی اس ترتیب سے آسنے سامنے بیٹھے ہوں گے کہ کسی کی پشت کسی کی طرف نہ ہوگی۔ خامساً یہ فرمایا کہ ہم حور عین سے ان کا نکاح کر دیں گے لفظ حور حوراء کی جمع ہے (اگر چہ اردو استعمال میں حور کو مفرد سمجھا جاتا ہے) حوراء گورے رنگ کی عورت کو کہتے ہیں جس کا رنگ خوب آنکھوں میں بچ رہا ہو اور اچھا لگ رہا ہو اور عین عیناء کی جمع ہے اس کا معنی ہے بڑی آنکھوں والی عورت، اللہ تعالیٰ حور عین کو اہل جنت کے نکاح میں دے دیں گے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سے اگر کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو آسمان اور زمین کو روٹن کر دے اور ان دونوں کے درمیان کو خوشبوؤں سے بھر دے اور فرمایا کہ یہ واقعی بات ہے کہ اس کے سر کا دوپٹہ دنیا سے اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔ (رواہ بخاری)

اور حضرت ابو سعید خدریؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اگر فرمان نقل کیا ہے کہ ہر جنتی کی (کم از کم) دو بیویاں ہوں گی ان میں سے ہر ایک ستر جوڑے پہنے ہوئے ہوگی اس کی پنڈلی کا گودا باہر سے نظر آئے گا۔ (رواہ ترمذی)

سادساً یہ فرمایا کہ اہل جنت ہر قسم کے سیوے طلب کریں گے۔ سابعاً فرمایا کہ وہاں انہیں کبھی بھی موت نہیں آئے گی دنیا میں جو موت آگئی تھی اس کے بعد اور کسی موت کا خطرہ نہ ہوگا۔ ثانیاً یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دوزخ سے بچالے گا عذاب دوزخ سے بچانا اور جنت میں داخل فرمانا یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا (اللہ تعالیٰ کے ذمہ کسی کا کچھ واجب نہیں ہے پس کا فضل ہے کہ اس نے ایمان پر اور اعمال صالحہ پر جنت دینے کا اور دوزخ سے محفوظ فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے۔)

آخر میں فرمایا ہے: ذٰلِكَ هُوَ الْغَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۰﴾ (یہ جو کچھ مذکور ہوا بڑی کامیابی ہے اس میں اہل دنیا کو عجیب ہے کہ تم جس چیز کو کامیابی سمجھ رہے ہو وہ فانی چیزیں ہیں جنت کی طرف رخ کر دو اور اس کے اعمال میں لگو وہاں جو ملے گا وہ بڑی کامیابی ہے۔

فَاَلْسَا يَسْتَرْثُوْنَ بِمَا كَانُوا يَسْأَلُوْنَ لَعَلَّهُمْ يَرْثُوْنَ ﴿۱۱﴾

یہ سورت اللہ خان کی آخری دو آیتیں ہیں یہ سورت قرآن کریم کی قسم کھانے اور سہارک رات میں نازل فرمانے کے ذکر سے شروع ہوئی تھی آخر سورت میں پھر قرآن کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے اس کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے آپ کی زبان مرلی ہے یہ بھی مرلی ہے آپ سے پڑھیں اور ان کے سامنے بیان کریں تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں نیز یہ فرمایا کہ آپ

مطلب: شکر کا اہمیت اور اس کے فوائد

انکار فرما میں یہ نوک بھی انکار کر رہے ہیں۔ یعنی اگر یہ نوک نصرت قبول نہیں کرتے اور اس انکار میں کہہ رہے ہیں تو ان کو
جانے تو آپ کھنکھیں میں سے انکار اور آرزو سے کچھ ہونے والا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ کی مدد کرنے کا یہ سبب ہے کہ ان
فرہ و باہر نفلوں کی شاہین لکھنوی یہ زمانہ فتنوی قل من غنوا فوالی مغنمہ من شکرہم من (ہر سبب میں یہ
شکر ہے جس سے ہم اس کے ہر سے جس موت کے ہونے کا انکار کر رہے ہیں آپ فرما دیجئے تم انکار کرو کہ اس میں بھی تمہارے ہر
انکار کرنے والوں میں سے ہوں۔)

سُورَةُ الْجَاثِيَةِ

الْجَاثِيَةِ

سُورَةٌ مَكِّيَّةٌ ۲۵ آيَاتٌ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آيَاتُهَا ۲۵

لُكَاةَاتُهَا ۳

سورہ جاثیہ کہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اس میں ستریس آیتیں ہیں اور چار روئے

سُورَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ اَلْاَقْلُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُ وَاَلْاٰيَةُ وَهِيَ سِتُّ اَوْ سَبْعٌ وَّلْتَلُوْنَ اٰيَةً

سورہ جاثیہ مکہ ہے بجز آیت قل للذین امنوا الخ کے اس میں کل آیات ۳۶ یا ۳۷ ہیں

حَمْدٌ ۙ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهٖ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ مُبْتَدِءًا مِّنْ اَللّٰهِ خَيْرُهُ الْعَزِيْزُ فِيْ مَلِكِهِ الْعَلِيْمُ ۙ فِيْ صُنْعِهِ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ اٰيٌ فِيْ خَلْقِهِنَّمَا لَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ وَ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوْءَ مَا يُحْكَمُ لَهُمْ فِيْ خَلْقِ كُلِّ مِثْلٍ مِّنْكُمْ مِنْ نُّطْقٍ لَّمْ يَلْمِزْهُمْ اَوْ تَكْفُرْ ۗ ثُمَّ لَمَّا لَمَّ اِلٰهُ الْاِنْسٰنَ اَنۡ يَّصَارَ اِنْسٰنًا ۗ خَلَقَ مَا يَبْتَغٰى يُفَرِّقُ فِي الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ هِيَ مَا يَتَدَبُّ عَلٰى الْاَرْضِ مِنَ النَّاسِ وَغَيْرِهِمْ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ۙ بِالْبَيْتِ وَ فِي اَخْتِلَافِ الْاَيْلِ وَ النَّهَارِ اِخْتِلَافِ الْاَيْلِ وَ النَّهَارِ ذَهَابِهِمَا وَ مَجِيْهِمَا مَا وَّ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ مُّطَهَّرٍ لِاَنَّهُ سَبَبُ الرِّزْقِ فَاَحْيَا بِهٖ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ تَصْرِيفِ الرِّيْحِ نَقْلِيْهَا مَرَّةً جَنُوْبًا وَ مَرَّةً شِمٰلًا وَ تَبٰرِكَةُ وَ حٰزَةُ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ۙ الدّٰلِيْلُ فَيُؤْمِنُوْنَ ۙ تِلْكَ الْاٰيٰتُ الْمَذْكُوْرَةُ اٰيٰتُ اللّٰهِ حُجَجُهُ الدّٰلٰةُ عَلٰى وَحْدٰنِيَّتِهِ تَتْلُوْهَا نَفْسُهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۙ مُتَعَلِّقٌ بِتَلْوٰتِهَا فَيَاكْفِيْ حَدِيْثًا بَعْدَ اللّٰهِ اٰيٌ حَدِيْثُهُ وَ هُوَ الْقُرْاٰنُ وَ اٰيٰتُهُ حُجَجُهُ يُوْمِنُوْنَ ۙ اٰيٌ كُفٰرٌ مِّنْكَ اٰيٌ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَ فِي قِرَاةٍ بِاللَّيْلِ وَ يَلٌ كَلِمَةٌ عَذَابٌ يَّحْمِلُ اَمَّا كِذٰبٌ اَفْهَمُ ۙ كَبِيْرٌ اِلَّا نَمَّ يَسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ يَمُثِّلُ عَلَيْهِ لَمَّا يَبْصُرُ عَلٰى كُفْرِهِ مَسْتَكْبِرًا مُّشْكِبًا عَنِ الْاِنْسٰنِ كَانَ لَمْ يَسْمَعُهَا كَبِيْرَةٌ بَعْدَ اٰيٰتِهِمْ ۙ مُؤَلِّمٌ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا اِي الْقُرْاٰنِ هَيْتًا اِذْ حَدَّثَهَا فَهَرَوٰۗا اٰيٌ مَّهْرُوْرًا بِهَا اَلْوَيْلُ اٰيٌ اَلْفَاكُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۙ ذُو اَهَانَةٍ مِنْ دَرَجٰتِهِمْ اٰيٌ اَمَامِهِمْ لَانَتُهُمْ فِي الدُّنْيَا

پانی وغیرہ۔ اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں چوپائے، درخت، گھاس، نہریں وغیرہ حاصل یہ کہ سب لوگوں کے فائدہ کی خاطر پیدا کیا ان سب کو تاکید ہے اپنی طرف سے مسخر بنا دیا حال واقع ہے یعنی اللہ ہی طرف سے یہ سب چیزیں انسان کے لیے مسخر ہوئی ہیں بیشک ان باتوں میں ان لوگوں کے لیے دلائل ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں پھر ایمان لے آتے ہیں آپ ایمان لانے والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو یقین خوف نہیں رکھتے اللہ کے معاملات کا، واقعات کا۔ کفار سے جو کچھ تمہیں تکلیفیں پہنچیں ان کو جانے دو یہ جہاد سے پہلے کی بات ہے تاکہ صلہ دے اللہ ایک قراوت میں تجزی نون کے ساتھ ایک قوم کو عمل کا کفار کی اذیتوں پر چشم پوشی کرنے کا جو شخص نیک کام کرتا ہے سو اپنے ذاتی نفع کے لیے کرتا ہے اور جو شخص برا کام کرتا ہے سو اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے۔ پھر تمہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ جانا ہے جہاں نیک و بد کو بدلہ ملے گا اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب تورات اور حکومت لوگوں کے درمیان فیصلے اور نبوت دی تھی حضرت موسیٰ ہارون بھی انہیں میں ہوئے ہیں اور ہم نے ان کو نفیس نفیس چیزیں حلال جیسے من و سلوئی کھانے کو دی تھیں اور ہم نے انکو جہاں والوں اس دور کے دانشوروں پر فوقیت بخشی تھی اور ہم نے ان کو دین کے بارے میں کھلی کھلی دلیلیں دی تھیں حلال و حرام کے احکام اور آنحضرت ﷺ کی بعثت سوانہوں نے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے متعلق علم آنے کے بعد بھی باہم اختلاف کیا آپس کی ضد اضدی کی وجہ سے حسد کے سبب جو ان میں عناد بڑھا آپ کا رب قیامت کے روز ان کے درمیان ان باتوں کے متعلق فیصلہ کرے گا جن میں باہم یہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ پھر ہم نے اے محمد! آپ کو ایک خاص طریقہ پر دین کے کر دیا سو آپ اسی پر چلتے رہے اور ان لوگوں کی خواہش پر دھیان نہ دیجئے جو جہلاء ہیں غیر اللہ کی پرستش کے سلسلہ میں آپ کے کام نہ آئیں گے۔ بچاؤ نہ کر سکیں گے۔ اللہ کے مقابلہ میں ذرا بھی اور عالم کافر ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ متقیوں مؤمنوں کا دوست ہے۔ یہ قرآن عام لوگوں کے لیے دانشمندیوں کا ذریعہ ایسے اصول کا مجموعہ ہے جن سے احکام وحدود میں بصیرت ملتی ہے اور ہدایت و رحمت ہے یقین لانے والوں کے لیے قیامت پر کیا ہرزہ انکاری ہے یہ خیال کرتے ہیں جو برے برے کام کفر و معاصی کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا ان سب کا مرنا جینا یکساں ہو جائے۔ سوا خبر ہے اور محیاء مبتدا ہے اور محاطہ معطوف ہے اور یہ جملہ کاف سے بدل ہے۔ محیاء و محاطہ دونوں ضمیریں کفار کی طرف راجع ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم ان شریروں کو آخرت میں مؤمنین کے برابر بھلائی میں یکساں کر دیں گے یعنی دنیا میں جیسی عیش و عشرت کرتے تھے یہاں بھی وہی حالت برقرار رہے گی۔ چنانچہ یہ لوگ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے لیے قیامت ہوئی تو ہمیں بھی مسلمانوں کی طرح بھلائی نصیب ہوگی۔ حق تعالیٰ بذریعہ ہرزہ انکار فرماتے ہیں یہ برا فیصلہ کرتے ہیں یعنی واقعہ اس طرح نہیں ہوگا بلکہ کفار دنیاوی عیش و عشرت کے برخلاف آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوں گے اور مسلمانوں کو آخرت میں ان نیک اعمال کا ثواب ملے گا جو انہوں نے دنیا میں رہ کر نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ ادا کی تھی اس میں ما مصدر یہ ہے یعنی ان کا حکم لگانا لفظ فیصلہ ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: فِي خَلْقِهِمَا: خلق کو مقدر مانا تاکہ معطوف کے مناسب ہو۔
 قوله: خَلَقَ مَا يَبْتَغَى: مَا يَبْتَغَى سے پہلے خَلَقَ مصدر جو مقدر ہے وہ اس لیے نہیں کہ اس کا عطف خَلَقَ کی ضمیر
 مجرد پر ہے، بلکہ اس کا عطف مضاف خلق پر ہے۔
 قوله: آيَتِهِ: سے مراد دلائل متلوہ ہیں۔
 قوله: يُصِرُّ: ضد کرنا، اصرار کرنا۔
 قوله: عَذَابٌ: رجز شدید عذاب کو کہتے ہیں۔
 قوله: يَغْفِرُوا: جواب کی دلالت سے مقولہ حذف کر دیا تقدیر عبارت یہ ہے: فَلَ لَهُمْ اغْفِرُوا وَامْغُرُوا۔
 قوله: لِيَجْزِيَ: یہ امر کی علت ہے اور وہ اغفر و امقدر ہے۔ قوما سے مراد مؤمن ہیں۔
 قوله: بَيِّنَاتٍ: دین کے سلسلہ میں دلائل یا آپ ﷺ کی نبوت کے نشانات۔
 قوله: لِيُنْفِي حَدَّثَ: اس میں اشارہ ہے کہ بغیا مفعول لہ ہے۔ حَدَّثَ بَيْنَهُمْ سے اشارہ کر دیا، بین فعل مقدر کا ظرف
 اور فعل حدث ہے۔
 قوله: فِي عِبَادَ غَيْرِ اللَّهِ: یہ لاتبع کے متعلق ہے۔
 قوله: مَعَالِمٌ: علامات یا معلم کی جمع ہے ماخذ علم۔
 قوله: بِسَعْنَى هُنْزَةِ الْإِنكَارِ: حبان کا انکار۔
 قوله: إِكْتَسَبُوا: کمانا، جارحہ: کمانے والا۔
 قوله: أَنْ تُجْعَلَهُمْ: کر دیں۔ صار کے معنی میں ہے۔
 قوله: سَوَاءٌ: یہ نہ جعلہم کے دوسرے مفعول کا بدل ہے اور وہ كَالَّذِينَ آمَنُوا ہے اور مَحْيَاهُمْ یہ سَوَاءٌ کا فاعل ہے
 مستوی کی تاویل سے اور مِمَّا تَبَهُمُ کا عطف مَحْيَاهُمْ پر ہے۔
 قوله: بِئْسَ حُكْمًا: حکما ضمیر مستقر کی تہیز ہے۔ اور حکمہم یہ مما بھکمون کی تعبیر ہے مصدر کی تاویل سے اور یہ
 یہ خصوص بالذم ہے اور اس کا فاعل بئس میں ضمیر ہے۔

تفسیر مقبولین

(باط) گزشتہ سورت کا مضمون ان اوصاف کے بیان پر ختم کیا گیا تھا۔ جو انسانی فوز و صلاح اور سعادت کے ضامن ہیں اور یہ

کہ قرآن کریم عربی زمین میں آسن وہاں بنا کر نازل کیا گیا اب اگر اس کے بعد بھی لوگ ہدایت قبول نہ کریں تو یہ انکی عمروی اور بد نصیبی ہے تو اس مناسبت سے سورۃ جاہد کی ابتدا عظمت کو دیکھ کر اس کی کتاب کی عظمت کو بھی پہچان سکیں، ساتھ انعامات کا بھی ذکر ہے اور قادر مطلق و نعم حقیقی کی نافرمانی پر تشبیہ و وعید بھی۔

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝

یہ کتاب عزیز و حکیم کی طرف سے ہے، آسمان اور زمین، انسان کی تخلیق، لیل و نہار کے اختلاف اور بارش کے نزول میں معرفت الہیہ کی نشانیاں ہیں۔

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے وہ عزیز بھی ہے حکیم بھی ہے، اس کے بعد توحید کی نشانیاں بیان فرمائیں۔ ارشاد فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں، اہل ایمان ان کو دیکھتے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ تمہارے پیدا کرنے میں اور جو چوپائے زمین میں پھیلا رکھے ہیں ان سب میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں اور دلائل ہیں جو لوگ یقین رکھتے ہیں اس طرح رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو آسمانوں سے رزق نازل فرمایا یعنی بارش جس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ فرمایا یعنی اس کی خشکی کو دور فرمایا اس میں لہلہاتی ہوئی کھیتیاں اور سبزیاں پیدا فرمادیں اور ہوا کو بھیج کر جو مختلف کاموں میں لگایا جو کبھی پورب کو جاتی ہیں اور کبھی پچھتم کو کبھی گرم ہے، کبھی ٹھنڈی، کبھی نفع دینے والی ہے، کبھی ضرر پہنچانے والی ان سب چیزوں میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں عقل والے دیکھتے اور سمجھتے ہیں یہ سب امور قادر مطلق جل شانہ کی مشیت اور ارادہ سے وجود میں آتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ آیات جن کو ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں جو وحی کے ذریعے آپ تک پہنچتی ہیں یہ آپ کو فرشتہ سنا تا ہے پھر آپ کے ذریعے آپ کے مخاطبین کو پہنچتی ہیں لیکن یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ان آیات کو سننے کے بعد ان کو کیا انتظار ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل سامنے آگئے۔ اس کی آیات جو وحی کے ذریعے آپ تک پہنچیں آپ سے ان لوگوں نے نہیں ان پر وہ ایمان نہیں لائے اس سب کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔

وَيٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ہر جھوٹے، گنہگار اور متکبر اور منکر کے لیے عذاب الیم ہے:

قریش مکہ میں جو لوگ ایمان نہیں لائے ان میں بعض لوگ کفر و شرک کے سرغنہ ہوئے تھے۔ جو اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی قبول نہیں کرنے دیتے تھے ان میں سے ابو جہل بھی تھا اور نضر بن حارث بھی، معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ: وَيٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا نَصْرُ بِنِ حَارِثِ بْنِ حَارِثِ بْنِ اَبِيْ سَهْمٍ الَّذِيْ هُوَ مِنْكُمْ يَدْعُوْكُمْ لِيُقَرَّبَ اِلَيْكُمْ فَاِنْ رَدُّوْهُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فَاِنْ رَدُّوْهُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فَاِنْ رَدُّوْهُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ (قصے کہانیاں) خرید کر لاتا تھا اور لوگوں کو سنا تا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ جائیں اور قرآن شریف نہ سنیں۔ جس کا کچھ بیان سورہ لقمان کے پہلے رکوہ میں آیت کریمہ: وَ مِنْ النَّاسِ مَنْ يُشَاقِقُكَ بِالْحَدِيْثِ كَيْفَ كُنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ کے ذیل میں مگر

پکا ہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ شان نزول خواہ کسی ایک شخص کے بارے میں ہو، لیکن الفاظ کا عموم ہر اس شخص کو شامل ہے جو اپنے عمل اور کردار سے آیت کے مفہوم کے مصداق ہو اور شاد فرمایا کہ ہر الکالم یعنی خوب جھوٹ بولنے والے اور ہر انہیم یعنی بڑے گنہگار کے لیے دلیل ہے یعنی خرابی اور بربادی اور ہلاکت ہے (جس شخص کے بارے میں آیت نازل ہوئی وہ چونکہ بہت جھوٹا اور بہت بڑا گنہگار تھا اس لیے یہ دونوں لفظ لائے گئے اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ تھوڑا جھوٹ اور تھوڑے گناہ جائز ہیں۔)

اس بڑے جھوٹے اور بڑے گنہگار کی صفت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: يَسْمَعُ آيَاتِ اللّٰهِ تُثَلِّي عَلَيْهِ (یہ اللہ کی آیات کو سنا ہے جو اس پر پڑھی جاتی ہیں) ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا مَّحْمُودًا عَلَيْهِ كُفْرًا وَرُشْرَارًا پر اور گنہگاری پر اصرار کرتا ہے اس کا یہ اصرار تکبر کرنے کی حالت میں ہے: كَاٰن لَّمْ يَسْمَعْهَا (دو تکبر کرتے ہوئے اس طرح بے رخی اختیار کر لیتا ہے کہ گویا اس نے اللہ کی آیات کو سنا ہی نہیں) كَذِبًا عَصَاۤءٍ اَلِيْمًا (سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں) یہ شخص یہ نہ سمجھے کہ دنیا میں بڑا ہوں سردار بنا ہوا ہوں ہمیشہ اس حال میں رہوں گا یہ دنیا فانی ہے تھوڑی سی ہے پھر مرنا بھی ہے، موت کے بعد اللہ کے رسول ﷺ اور کتاب کو جھٹلانے والے دردناک عذاب میں داخل ہوں گے۔

الکالم اور آٰخِرُوۡنَہٗ (جس کا ذکر اوپر ہوا) کی مزید بے ہودگی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاِذَا عَلِمَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا شٰٓئِمًا اَتَّخَذَہَا هُزُوًا (یعنی ہماری آیات میں سے کوئی آیت اس کے پاس پہنچ جاتی ہے تو وہ اس کا مذاق بناتا ہے یعنی تمسخر کرتا ہے): لَوْ يَدْرٰٓءُکَ لَہُمْ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ (ان لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے: مِمَّنۡ قَدَّوۡا وُجُوۡہَہُمۡ جَہَنَّمَ (ان کے آگے دوزخ ہے اپنے شرک کی وجہ سے اس میں داخل ہوں گے): وَلَا یُغْنِیۡ عَنْہُمۡ مَا کَسَبُوۡا شِیۡئًا وَلَا مَا اَتَّخَذُوۡا مِنْ دُوۡنِ اللّٰہِ اٰۡلٰہًا (اور انہوں نے جو بھی کچھ کما یا وہ انہیں کچھ بھی نفع نہ دے گا اور اللہ کے سوا جو انہوں نے اپنے خیال میں اولیاء یعنی کارساز بنا رکھے تھے وہ بھی کچھ نفع نہ دیں گے): وَ لَہُمْ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ (اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔)

اللّٰہُ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلُکَ.....

دریا کا مسخر ہونا:

پھر مسئلہ توحید پر دلائل بیان کرتا ہے اور عرب کے روزمرہ کی بات میں اپنی قدرت کا نمونہ دکھاتا ہے تاکہ وہ خدا تعالیٰ پر ایمان لاویں: فَتَالِ اللّٰہُ: اِنَّہُ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ کَمَا اللّٰہُ وہ ہے کہ جس نے تمہارے لیے دریا کو بس میں کر دیا کہ اس میں کشتیاں چلتی ہیں اور روزی تلاش کرتے ہیں تاکہ تم ٹھکر کرو۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے دریا میں کہ سوائے پانی کے اور کچھ نظر نہیں آتا ہے ہواؤں کے ذریعہ سے لاکھوں من بوجھ لے کر پانی مین پر سے گزرتے ہیں اور ہوا بھی وہ ٹپے ہے کہ اگر مخالف ہو جاوے تو یہی ہلاک کرنے کو بس ہے اب وہ کون ہے کہ جس کے بس میں کہہ ماہ اور کہہ ہوا ہے؟

ہر چیز کا مسخر ہونا:

وَسَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیۡعًا قَبۡلَہٗ (اس پر کیا موقوف ہے جس قدر چیزیں آسمان و زمین میں ہیں

آفتاب ستارے، بارش، آندھی، حجر، شجر، حیوانات سب تمہارے لیے بس میں کر دیے اور کام پر لگا رکھے ہیں۔ مطلب یہ کہ سب چیزوں سے تم کو لو لیا گیا ہے اس میں بڑی بڑی نشانیوں ہیں فکر کرنے والوں کو اگر صرف ایک روٹی، ہم پہنچنے کے سامانوں کو غور کیا جائے تو یہ ساختہ بول اٹھے کہ یہ سب کاری گری اسی قادر معجز کی ہے۔ ان دلائل سے خدا تعالیٰ کا وجود اور اس کا وحدہ لا شریک نہ ہونا اور محسن و مربی ہونا کمال درجہ پر ثابت ہو گیا اور اس کا علم بھی ظاہر ہوا کہ بندوں کی سرکشاں دیکھتا ہے اور ایسا قادر ہے مگر پھر بھی درگزر کرتا ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے کہ قل للذین امنوا ایمانداروں سے کہہ دے وہ بھی حلم و مغفرت کی عادت سیکھیں اور ان لوگوں سے جو اللہ کے وقائع کے قائل نہیں اور اس کے مصائب سے نہیں ڈرتے جو اعداء دین پر نازل ہوئی تھیں ان سب کو وہ جھوٹ جانتے ہیں اور ایمانداروں سے سختی سے پیش آتے ہیں سخت کلامی بدگوئی، بد مزاجی، بد معاملگی، دست درازی، مومنوں پر کرتے ہیں درگزر کریں انتقام کے درپے نہ ہوا کریں۔ کفار مکہ مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے مسلمان بھی انہیں کے ملک اور انہیں کے قوم کے لوگ تھے غصہ آتا تھا کہ ان سے لڑیں ماریں ماریں مگر صبر کرنے کا حکم ہوا۔ یہ مسئلہ جہاد کے مخالف نہیں ہے کس لیے کہ جہاد تھا اپنے دشمن سے بدلہ لینے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مجموعی طاقت اسلامیہ کا فعل ہے جو اس کے موقع پر ضرورت عمل میں لائی جاتی ہے۔

یٰجِزِیْ مَعَا فِ کْرِیْمِ تَا کَ اللّٰہُ خُودِ اِس قَوْمِ کُفَّارِ کُو اِن کَ اَعْمَالِ کَا بَدَلِ دَے اِگَر تَم نَے اَپ بَدَل لَے لِیَا تُو پُحْر خُذ اَنہِیْن لَے مَکَا۔ تم صبر کرو تمہاری طرف سے وہ بدلہ لے گا۔ تو ماسے بعض مفسرین کے نزدیک مسلمان مراد ہیں تب یہ معنی ہوئے انے ایماندارو! معاف کیا کرو تا کہ اللہ ایک قوم یعنی ایمانداروں کو ان کے اعمال کا نیک بدلہ دے مجملہ ان کے اعمال حسنہ کے یہ معاف کرتا ہے۔ اور معاف کرنا اس لیے چاہے کہ من عمل صالحی فلنفسہ ان لٰح جو کوئی نیک کام کرے گا اس کا آپ عمدہ پھل پادے گا اور جو کوئی بدی کرتا ہے اپنے سر پر بوجھ دھوتا ہے پھر تم کیوں ان کی بدی سے ڈرتے ہو اور کس لیے ان سے الجھتے ہو جہاں نیک بات کہنے اور بدی سے منع کرنے میں فتنہ و فساد ہو وہاں سکوت کرنا اولیٰ ہے جیسا کہ یہ آیت اس طرف ایما کر رہی ہے۔

قُلْ لِلّٰہِ یٰن اٰمَنُو اِغْفِرُوْا....

اس آیت کے شان نزول میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مکہ مکرمہ میں کسی مشرک نے حضرت عمرؓ پر دشنام طرازی کی تھی۔ حضرت عمر نے اس کے بدلے میں اسے کچھ تکلیف پہنچانے کا ارادہ فرمایا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس روایت کے مطابق یہ آیت مکی ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ غزوہ بنو المصطلق کے موقع پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ نے مرہ سیح نامی ایک کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی بھی مسلمانوں کے لشکر میں شامل تھا اس نے اپنے غلام کو کنویں سے پانی بھرنے کے لیے بھیجا، اسے واپسی میں دیر ہو گئی۔ عبداللہ بن ابی نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ حضرت عمر کا ایک غلام کنویں کے ایک کنارے پر بیٹھا ہوا تھا اس نے کسی کو اس وقت تک پانی بھرنے کی اجازت نہیں دی جب تک کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر کے مشکیزے نہیں بھر گئے اس پر عبداللہ بن ابی نے کہا کہ ہم پر اور ان لوگوں پر تو وہی مثل صادق آتی ہے من کلہک یا کلک (اپنے کتے کو موٹا کر دو تو وہ تم کو کھا جائے گا) حضرت عمر کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ تلوار سنبھال کر عبداللہ بن ابی کی طرف چلے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس روایت کے مطابق یہ آیت مدنی ہے (قرطبی و

روح المعانی ان روایتوں کی اسنادی تحقیق سے اگر دونوں کی صحت ثابت ہو تو دونوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ دراصل یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھی، پھر جب غزوہ بنو المصطلق کے موقع پر اسی سے ملتا جلتا واقعہ پیش آیا تو آنحضرت ﷺ نے اس آیت کو اس موقع پر بھی تلاوت فرما کر واقعہ کو اس پر بھی منطبق فرمایا اور شان نزول کی روایات میں ایسا بکثرت ہوا ہے یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یا دہانی کے لیے غزوہ بنو المصطلق کے واقعہ میں دوبارہ یہ آیت لے آئے ہوں کہ یہ موقع اس آیت پر عمل کرنے کا ہے۔ اصول تفسیر کی اصطلاح میں اسے "نزل مکرر" کہا جاتا ہے اور آیت میں ایام اللہ کے لفظ سے مراد بیشتر مفسرین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے وہ معاملات ہیں جو وہ آخرت میں انسانوں کے ساتھ کرے گا یعنی جزا و سزا کیونکہ "ایام" کا لفظ "واقعات و معاملات" کے معنی میں عربی میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

یہاں دوسری بات یہ قابل غور ہے کہ بات یوں بھی کہی جاسکتی تھی کہ "آپ ایمان والوں سے فرمادیتے کہ وہ مشرکین سے درگزر کریں۔" اس کے بجائے کہ یوں کہا گیا ہے کہ "ان لوگوں سے درگزر کریں، جو خدا تعالیٰ کے معاملات کا یقین نہیں رکھتے۔" اس سے شاید اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ ان لوگوں کو اصل سزا آخرت میں دی جائے گی اور چونکہ یہ لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے اس لیے یہ سزا ان کے لیے غیر متوقع اور اچانک ہوگی اور غیر متوقع تکلیف بہت زیادہ ہوتی ہے اسلئے ان کو پہنچنے والا عذاب بہت سخت ہوگا اور اس کے ذریعہ ان کی تمام بد عنوانیوں کا پورا پورا بدلہ لے لیا جائے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ

بنی اسرائیل پر طرح طرح کے انعامات، کتاب حکم اور نبوت سے سرفراز فرمایا، طیببات کا عطیہ اور جہانوں پر فضیلت: یہ دو آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی اور حکم دیا۔ بعض حضرات نے حکم کا ترجمہ فقہ فی الدین کیا ہے اور بعض حضرات نے اس سے حکمتیں مراد لی ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت بھی دی یعنی ان میں کثرت سے نبی بھیجے سورہ مائدہ میں فرمایا: وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ أَدْخَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلْتُمْ بَيْنَكُمْ أُلِيَاءَ وَجَعَلْتُمْ مُلُوكًا وَانْتُمْ كَانْتُمْ يَوْمًا فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بہت سے پیغمبر بنائے اور تم کو صاحب ملک بنایا اور تم کو وہ چیزیں دیں جو دنیا جہاں والوں میں سے کسی کو نہیں دیں۔)

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (اور ہم نے انہیں جہانوں پر فضیلت دی ان کے زمانہ میں جو لوگ لذت والی چیزیں عطا فرمائیں: فَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ) (اور ہم نے انہیں جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی۔)

وَأَتَيْنَاهُمُ بَنَاتٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ (اور ہم نے انہیں دین کے بارے میں کلمے ہوئے واضح دلائل عطا فرمائے) جن میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بھی تھے۔ صاحب روح المعانی نے بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی نشانیاں مراد ہیں یہودیوں کو آپ کی بعثت کی نشانیاں معلوم تھیں لیکن جب آپ تشریف لائے تو یہ لوگ

جانتے ہوئے آپ کی بعثت اور رسالت کا یقین ہوتے ہوئے منکر ہو گئے۔ لَقَدْ جَاءَهُمْ بَيِّنَاتٌ مِّنَّا فَكَفَرُوا فَكَلِمَاتُ اللَّهِ يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ سَرَعًا
 جز آجیگی جس کو وہ سمجھتے ہیں اس کا انکار کر رہے۔

فَاَلْحَسْبُ لَكُمْ آيَاتٍ مِّنْهُ... (سورہ انعام)

(سوانہوں نے آپس میں اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد ان کے پاس علم آ گیا آپس کی ضد اضدی کی وجہ سے) بیخبر کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ آپس کی ضد اضدی کی وجہ سے اختلاف میں لگ گئے دلائل واضح سامنے ہوتے ہوئے حق سے منہ موڑا اور ریاست اور چودہ راہت کی وجہ سے اختلافات میں پڑ گئے اور ایک معنی یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد کرتے ہوئے آپس میں اختلاف کیا پہلے تو آپ کی آمد کے منتظر تھے۔ جب آپ تشریف لے آئے تو کہنے لگے کہ عرب میں سے کیسے کوئی شخص نبی ہو سکتا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتایا گیا ہے کہ تم میں سے ہمیشہ نبی آ رہے گا ان میں سے صرف چند ہی آدمی مسلمان ہوئے اور آج تک اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سرگرمیاں جاری ہیں۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے دنیاوی ریاست اور چودہ راہت کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے بغاوت کی اور انہوں کو کرام کو قتل کر دیا یہی حال آپ کے زمانہ کے شرکین کا ہے ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں آگئی ہیں لیکن دنیاوی ریاست کے پھسے جانے کے ڈر سے اسلام قبول نہیں کرتے: **إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ** (بلاشبہ آپ عرب قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے۔)

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأُمِّيِّينَ... (سورہ بقرہ)

پچھلی امتوں کی شریعتوں کا حکم ہمارے لیے:

(پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے پر کر دیا یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ دین اسلام کے چوتھے اصولی عقائد ہیں مثلاً توحید و آخرت وغیرہ اور کچھ عملی زندگی سے متعلق احکام ہیں۔ جہاں تک اصولی عقائد کا تعلق ہے وہ تو ہر نبی کی امت میں یکساں رہے ہیں اور ان میں کبھی ترمیم اور تبدیلی نہیں ہوتی لیکن عملی احکام مختلف انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں اپنے اپنے زمانے کے لحاظ سے بدلتے رہے ہیں، آیت مذکورہ میں انہی دوسری قسم کے احکام کو دین کے ایک خاص طریقے سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور اسی وجہ سے فقہاء نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امت محمدیہ کے لیے صرف شریعت محمدی ہی کے احکام واجب العمل ہیں۔ پچھلی امتوں کو جو احکام دیئے گئے تھے وہ ہمارے لیے اس وقت تک واجب العمل نہیں ہیں جب تک قرآن و سنت سے ان کی تائید نہ ہو جائے۔ پھر تائید کی ایک شکل تو یہ ہے کہ قرآن یا حدیث میں صراحتاً یہ فرمایا گیا ہو کہ فلاں نبی کی امت کا یہ حکم ہمارے لیے بھی واجب العمل ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی پچھلی امت کا کوئی حکم بطور تحسین و مدح بیان فرمائیں اور اس کے بارے میں یہ نہ فرمائیں کہ یہ حکم ہمارے زمانے میں منسوخ ہو گیا ہے۔ اس سے بھی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حکم ہماری شریعت میں بھی جاری ہے اور درحقیقت اس حکم کا واجب العمل ہونا بھی اس صورت میں شریعت محمدی کا ایک جز ہونے کی حیثیت ہی سے ہوتا ہے۔ یہاں اتنی بات مسئلہ کی حقیقت سمجھنے

کے لیے کافی ہے۔ تفصیلات اصول نقد کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

وَالْحَقُّ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِخَلْقِ لَيْدُلٍ عَلَى قُدْرَتِهِ وَوَحْدَانِيَّتِهِ وَلِيَتَجَزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ
 مِنَ الْمَعَاصِي وَالطَّاعَاتِ فَلَا يُسَاوِي الْكَافِرُ الْمُؤْمِنَ وَهُمْ لَا يظْلَمُونَ ۝ أَلَمْ نَجْعَلِ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ الْغَيْبُ
 مَا يَنْهَوَاهُ مِنْ حَجَرٍ بَعْدَ حَجَرٍ يَرَاهُ أَحْسَنَ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمِهِ مِنْهُ تَعَالَى أَيُّ عَالِمِي بَابِ اللَّهِ مِنْ أَهْلِ
 الضَّلَالَةِ قَبْلَ خَلْقِهِ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ فَلَمْ يَسْمَعْ الْهُدَى وَلَمْ يَعْطِلْهُ وَجَعَلَ عَلَى بَصِيرِهِ غِشْوَةً
 ظُلْمَةً فَلَمْ يَبْصُرِ الْهُدَى وَيُقَدِّرْ هَذَا الْمَفْعُولُ الثَّانِي لَمْ يَأْتِ أَيُّ أَيُّهُنْدِي فَسُنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَيُّ بَعْدَ
 إِضْلَالِهِ آيَاهُ أَيُّ لَا يَهْتَدِي أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ تَتَعَطَّرُونَ فِيهِ إِذْ غَامِ أَحَدِي الثَّانِي فِي الدَّالِ وَقَالُوا أَيُّ
 مُشْكِرُوا الْبُعْثِ مَا هِيَ أَيُّ الْحَيَوَةُ إِلَّا حَيَاتُنَا الَّتِي فِي الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا أَيُّ يَمُوتُ بَعْضٌ وَيَحْيِي بَعْضٌ
 بَأَنَّ يُولَدُوا وَمَا يَهْدِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ أَيُّ مَرُورُ الزَّمَانِ قَالَ تَعَالَى وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ الْمَقْضُولِ مِنْ عِلْمٍ إِنْ
 مَا هُمْ إِلَّا يَظْلَمُونَ ۝ وَإِذَا تَشَلَّى عَلَيْهِمُ الْيَتْمَانُ مِنَ الْقُرْآنِ الدَّالَّةُ عَلَى قُدْرَتِنَا عَلَى الْبُعْثِ بَيِّنَاتٍ وَأَصْحَابِ
 حَالٍ مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا لَتُبَايَعُنَا أَيْحِيَاهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ أَنَا بُعِثْتُ قَبْلَ اللَّهِ يُحْيِيكُمْ حِينَ
 كُنْتُمْ نَاطِقَاتٍ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ شَكٍّ فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ وَهُمْ لَنَالِقُونَ
 مَا ذُكِرُوا لَا يَظْلَمُونَ ۝

۷۵۹

ترجمہ چوتھا: اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا بالحق خلق سے متعلق ہے۔ تاکہ اللہ کی قدرت و وحدانیت پر دلالت کرے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جاسکے جو اس نے نافرمانی اور فراموشی کے کام کئے۔ جس سے یہی نکلا کہ کافر و مؤمن برابر نہیں اور ان پر ذرا ظلم روا نہیں رکھا جائے گا۔ سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی (مجھے بتلائیے) جس نے اپنا معبود اپنی نفسانی خواہش کو بنا رکھا ہے ایک بتھر کے بعد دوسرا بتھر اس سے اچھا ملتا ہے تو اسی کو خدا بنا لیتا ہے اور اللہ نے اس کو کبھی بوجھ کے باوجود گمراہ کر دیا ہے یعنی اللہ کو اس کی پیدائش کے پہلے ہی سے اس کا گمراہ ہونا معلوم تھا اور اسکے کان اور دل پر مہر لگادی ہے اس لیے نہ وہ ہدایت کو سنا ہے اور نہ سمجھتا ہے اور اس کی نگاہ پر پردہ ڈال دیا ہے حکمت کا۔ اس لیے اس کو ہدایت نظر نہیں آتی اور یہاں روایت کا مفعول ثانی مقدر ہے یعنی صحیحی سوائے شخص کو اللہ کے گمراہ کر دینے کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے؟ کوئی ہدایت نہیں دے سکتا کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے اس میں دو تاؤں میں سے ایک کا ذال میں ادغام ہے اور یہ لوگ منکرین قیامت یوں کہتے ہیں کہ ہماری اس دنیاوی زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی

نہیں ہے ہم مرتے جیتے ہیں یعنی بعض مرتے ہیں اور بعض کو پیدا ہو کر زندگی ملتی ہے اور ہمیں صرف زمانہ کے گزرنے سے موت آتی ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے یہ محض اکل سے ہانک رہے ہیں اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں قرآن کریم کی جن سے قیامت کی نسبت ہماری قدرت معلوم ہوتی ہے کمل کمل واضح۔ یہ حال ہے تو ان کا اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے سامنے لے آؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ ہم قیامت میں اٹھائے جائیں گے آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی نے تمہیں زندگی بخشی نطفہ ہونے کی حالت میں پھر وہی تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ کر کے کر جمع کرے گا قیامت کے روز جس کے آنے میں شک و شبہ نہیں لیکن اکثر لوگ جو ان باتوں کے قائل ہیں نہیں سمجھتے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **إِلَّا الدَّهْرُ**: اس سے اصل دنیا کی کل مدت مراد ہے۔

قولہ: **الْمَقُولِ**: وہ لوگ حوادث کی نسبت حرکت افلاک کی طرف کرتے تھے۔

تفسیر مقبولین

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ

عالم آخرت اور اس میں جزا و سزا عقلاً ضروری ہے مذکورہ دو آیتوں میں سے پہلی آیت کا حاصل ایک عقلی استدلال ہے روز جزا کے ضروری ہونے پر وہ یہ ہے کہ یہ بات تو ہر شخص کے مشاہدہ میں ہے کسی کو اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ دنیا میں اچھے برے اعمال کا بدلہ پورا نہیں ملتا، بلکہ عام طور سے کفار، فجار، دولت دنیا اور عیش و عشرت میں زندگی گزارتے ہیں اور اللہ کے اطاعت شعار بندے فقر و فاقہ اور مصائب و آفات میں مبتلا رہتے ہیں۔ اول تو دنیا میں بدکردار مجرموں کے جرم کا علم ہی اکثر نہیں ہوتا، علم بھی ہو گیا تو اکثر پکڑے نہیں جاتے کبھی پکڑے بھی گئے تو حلال حرام جھوٹ سچ کی پروا کئے بغیر سزا سے بچنے کے راستے ڈھونڈ لیتے ہیں اور سینکڑوں میں کسی ایک کو سزا ہو بھی گئی تو وہ بھی اس کے عمل کی پوری سزا نہیں ہوتی۔ اس طرح خدا تعالیٰ کے باغی اپنی خواہشات کے پیرو اس دنیا کی زندگی میں دندناتے پھرتے رہتے ہیں اور پیارے مومن پابند شریعت بہت سی دولت اور لذتوں کو تو حرام سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور مصائب و آفات سے بچنے کے لیے بھی صرف جائز طریقے اختیار کرتے ہیں اس لیے دنیا میں ان کا بڑی راحتوں اور لذتوں سے محروم رہنا ظاہر ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اس دنیا میں اعمال کی پوری جزا نہیں ملتی تو اب اگر اس دنیا کے بعد دوسرا عالم آخرت اور اس میں دوبارہ زندگی اور جزا و سزا کا نفاذ نہ ہو تو پھر دنیا میں کسی چوری، ڈاکے، زنا، قتل وغیرہ کو جرم کہنا حماقت کے سوا کیا ہے۔ یہ لوگ تو اکثر دنیا میں بڑی کامیاب زندگی گزارتے

ہیں۔ ایک چور ڈاکورات بھر میں اتنی دولت حاصل کر لیتا ہے جو ایک گریجویٹ سالوں کی ملازمت اور محنت سے حاصل نہیں کر سکتا تو اگر آخرت اور اس کا حساب کتاب کچھ نہ ہو تو اس چور ڈاکو کو اس شریف گریجویٹ سے بہتر اور افضل کہنا پڑے گا جو کوئی ذی عقل گوارا نہیں کر سکتا۔ رہا یہ کہنا کہ ان لوگوں پر دنیا میں سخت سزائیں ہر حکومت میں مقرر ہیں مگر آج کل کا تجربہ یہ بتلا رہا ہے کہ مجرم صرف وہ پکڑا جاتا ہے جو بے وقوف ہو، ہوشیار عادی مجرم کے لیے سزا سے بچنے کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ ایک رشوت ہی کا چور دروازہ ان کے فرار کے لیے کافی ہے خلاصہ یہ ہے کہ یا تو یہ تسلیم کیا جائے کہ دنیا میں کوئی بھلائی برائی، نیکی بدی کوئی چیز نہیں، اپنا مطلب جس طرح حاصل ہو وہ عین ثواب ہے مگر اس کا دنیا میں کوئی قائل نہیں اور جب نیکی بدی کا امتیاز تسلیم کیا جائے تو پھر دونوں کا انجام برابر ہے بلکہ بد اور مجرم نیک سے زیادہ آرام میں رہے، اس کی برابر کوئی ظلم نہیں ہو سکتا۔ اسی کو قرآن کریم کی آیت مذکورہ میں فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ مجرم اور غیر مجرم دونوں کو دنیا و آخرت میں برابر کر دیا جائے۔ سَوَاءٌ مَن جِيحًا هُمْ وَ مَمَّا تَهْتَفُ ۚ یہ نہایت احمقانہ فیصلہ ہے جبکہ دنیا میں نیکی بدی کی جزا سزا پوری نہیں ملتی آخرت کی دوسری زندگی اور اس میں جزا سزا ہونا لازمی ہے۔ دوسری آیت میں بھی اسی مضمون کی تکمیل کے لیے فرمایا گیا: وَلَا تَجْزِي كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ یعنی ظلم و جور کے منانے اور انصاف قائم کرنے کے لیے روز جزاء ہونا ضروری ہے۔ رہا یہ شبہ کہ دنیا ہی میں ہر عمل کا بدلہ اچھا یا برا کیوں نہ نسا دیا گیا یہ اس حکمت تکوینی کے خلاف ہے کہ اس عالم کو حق تعالیٰ نے دار العمل اور دار الامتحان بنایا ہے دار الجزا نہیں بتایا۔ واللہ اعلم (معارف القرآن صفحہ ۱۷۷)

اَلْوَعِيَّتِ مِّنَ اِتِّخَاذِ الْاِلٰهَةِ هُوَانًا ۙ

ان آیات میں مشرکین کی گمراہی بتلائی کہ وہ غیر اللہ کی بھی عبادت کرتے ہیں اور وقوع قیامت کا بھی انکار کرتے ہیں ان لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کی خواہش ہی کو معبود بنا رکھا ہے جس کی عبادت کرنے کو جی چاہتا ہے اسی کی عبادت کرنے لگ جاتے ہیں کبھی پتھر کے سامنے جھکے عاجزی کر رہے ہیں کبھی اس پتھر کو سجدہ کیے ہوئے نظر آتے ہیں، علامہ قرطبی نے حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ عرب کے مشرکین کا یہ طریقہ تھا کہ کسی پتھر کو پوجنے لگتے تھے پھر جب اس سے اچھا پتھر نظر آ جاتا تھا تو پہلے پتھر کو پھینک دیتے تھے اور دوسرے پتھر کو پوجنے لگتے تھے یعنی ان کا معبود ان کی نفس کی خواہش کے مطابق ہوتا تھا۔

آیت کا دوسرا معنی مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ آپ نے انہیں دیکھا جو اپنے نفس کے پابند ہیں؟ انہیں ہدایت سے کوئی محبت نہیں اور گمراہی سے کوئی نفرت نہیں جو نفس چاہتا ہے وہی کہتے ہیں اور وہی کرتے ہیں یہ تفسیر پہلے مفہوم کو بھی شامل ہے عربی میں صَوٰی خواہش نفس کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جتنی جگہ بھی صَوٰی کا ذکر ہے مذمت کے ساتھ ہی ہے سورۃ القصص میں فرمایا: وَمَنْ اَصْلُ عَمَلِهِ اتِّبَاعُ هَوٰٓءِ بَغْوٍ هٰذِیْ مِنْ لَّدُنْیْ (اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جس نے اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش نفس کا اتباع کیا)۔

اتہاع صومئی کے بارے میں ضروری تشبیہ:

جیسا کہ نفس کی خواہش کلمہ پر جما کر رکھتی ہے اور اسلام قبول کرنے سے باز رکھتی ہے اسی طرح بہت سے مدعیان اسلام بھی نفس کے پابند ہونے کی وجہ سے بڑھ چڑھ کر گناہ کرتے ہیں جو نفس کی خواہش ہوتی ہے وہی کرتے ہیں نمازیں بھی چھوڑتے ہیں، زکوٰۃ میں بھی حساب کر کے نہیں دیتے حرام مال بھی کھاتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں دشمنوں کی طرح صلہ و صورت بناتے ہیں اور ان جیسا لباس پہنتے ہیں اور طرح طرح کے گناہوں کے مرکب رہتے ہیں اتہاع صومئی یعنی نفس کی خواہش پر چلنا برباد کر دینے والی چیز ہے اور نفس کی مخالفت کرنا کامیابی کا راستہ ہے سورۃ النازعات میں فرمایا: **وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ فَيَأْتِي الْجَنَّةَ مِنَ الْبَأْسَىٰ** (اور لیکن جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔)

مومن بندہ پر لازم ہے کہ نفس کی خواہشوں سے خبردار رہے جائز اور حلال خواہش پوری کرنے کی اجازت ہے لیکن اگر نفس کی ہر خواہش پورا کرنے کے پیچھے پڑا تو نفس تباہ کر کے چھوڑے گا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہوشیار وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو کرے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور امتی وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اس کی خواہشوں کے پیچھے لگا دیا اور اللہ تعالیٰ سے امیدیں ہاندھتا رہا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۰۸)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں نجات دینے والی یہ چیزیں ہیں: (۱) پوشیدہ اور ظاہر طریقے پر اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا۔ (۲) رضا مندی اور ناراضگی میں حق بولنا۔ (۳) مالداری اور تنگدستی میں میمانہ روی اختیار کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں: (۱) نفس کی خواہش جس کا اتہاع کیا جائے۔ (۲) کجی جس کی اطاعت کی جائے۔ (۳) انسان کا اپنے نفس پر اتنا اور یہ ان میں سب سے زیادہ ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۱)

مومن پر لازم ہے کہ نفس کی خواہشوں کو رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کے تابع کر دے جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے: **(لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ)** (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰) البتہ اس کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے نفس کو دبان پڑتا ہے اور اسے خیر کے لیے آمادہ کرنا پڑتا ہے۔

وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عَاقِبَتِهِ (اور اسے اللہ نے ظلم والا ہوتے ہوئے گمراہ کر دیا) **وَجَعَلَهُ عَلَىٰ صَبْرٍ حَرِيصًا** (یہ تینوں جملے پہلے جملہ پر معطوف ہیں چاروں جملوں کا ترجمہ یوں ہوا کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنالیا اور اللہ نے اسے ظلم کے باوجود گمراہ فرما دیا اور اس کے کالوں پر اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا: **لَنْ يَهْدِيَ اللَّهُ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَهُمْ** (سوال اللہ کے گمراہ کرنے کے بعد اسے کون ہدایت دے گا) **أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ** (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) درحقیقت نفس کی خواہشوں کے پیچھے چلنا انسان کی بربادی کا سب سے بڑا

سبب ہے اتہاع ہوئی کرتے کرتے اور جی چاہی زندگی پر چلتے چلتے قبول حق کی استعداد ختم ہو جاتی ہے پھر علم بھی کام نہیں دے جانتے اور سمجھتے ہوئے حق کو قبول نہیں کرتا کان بھی حق سننے کو تیار نہیں اور دل بھی قبول نہیں کرتا اور آنکھوں پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے اتنی دور کی گمراہی میں پڑ جانے کے بعد ہدایت پر آنے کی کوئی بھی امید نہیں رہتی۔

قوله تعالى: عَلِيٌّ عَلِيمٌ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ حَالًا مِنْ الْفَاعِلِ أَيْ أَضْلَهُ اللَّهُ عَالِمًا بَأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الضَّلَالِ فِي سَابِقِ عِلْمِهِ، وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ حَالًا مِنَ الْمَفْعُولِ أَيْ أَضْلَهُ عَالِمًا بِطَرِيقِ الْهُدَى۔

علی علیہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ فاعل سے حال ہو یعنی اللہ نے اسے گمراہ کیا اپنے ازلی علم سے یہ جانتے ہوئے کہ یہ گمراہوں میں سے ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مفعول سے حال ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا اس حال میں یہ ہدایت کا راستہ جانتا تھا۔ فَمَنْ يَهْدِي يُوْهِدُ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو گمراہ کرنے کے بعد اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ بعض نے کہا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اسے کون ہدایت دے سکتا ہے۔

وقوله تعالى: ﴿فَمَنْ يَهْدِي يُوْهِدُ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ﴾ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۵﴾ اے ای من بعد اضلال اللہ ایاه وقیل معناه

فمن يهديه غير الله (تیسرا اور البیان)

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ.....

دہریوں کی جاہلانہ باتیں اور ان سے ضروری سوال:

اس کے بعد مشرکین کے انکار قیامت کا تذکرہ فرمایا۔ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا، ان لوگوں نے کہا کہ جس کا نام زندگی ہے وہ ہماری اس دنیا والی زندگی کے سوا کچھ نہیں ہے ہمیں ایک ہی بار یہ زندگی ملی ہے مرنے کے بعد پھر جی اٹھنا نہیں مَمُوتٌ وَنَحْيًا موت و حیات کا یہ سلسلہ جاری ہے ہم مرجائیں گے اور ہماری اولاد اس دنیا میں پیچھے زندہ رہ جائے گی پھر وہ بھی مرجائیں گے اور ان کی اولاد زندہ رہ جائے گی یہ قیامت کا آنا اور حساب کتاب ہونا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ وَمَا يُوْهِدُكُمُ إِلَّا الدُّهُرُ، اور ہمیں ہلاک نہیں کرے گا مگر زمانہ۔ عموماً منکرین اسلام کا یہی عقیدہ ہے کہ زمانہ ہی سب کچھ کرتا ہے دنیا میں آتے ہیں مرجاتے ہیں قیامت اور حساب و کتاب کچھ نہیں ان میں بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بھی قائل ہیں لیکن موت اور حیات اور انقلابات اور حوادث اور مصائب کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جب تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ زمانہ نے ایسا کیا اور زمانہ کو جو برا کہتے ہیں یہ برا کہنا اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچتا ہے کیونکہ سب کچھ حوادث اور انقلابات اسی کی مشیت اور ارادہ سے وجود میں آتے ہیں اور زمانہ خود اسی کی مخلوق ہے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کو نہیں مانتے اور ہر نشیب و فراز کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں نہ عالم کی ابتداء کے قائل ہیں اور نہ انتہا کے، ان کو عرف عام میں دہریہ کہا جاتا ہے ان لوگوں سے اگر بات کی جائے کہ زمانہ تو رات دن گزرنے کا نام ہے اس میں کوئی تاثیر نہیں پھر زمانہ میں تو خود تغیرات ہیں وہ فاعل بخار کیسے ہو سکتا ہے اور یہ جو مخلوق کی انواع و اقسام ہیں اور آپس میں امتیازات ہیں انسانوں میں قلب ہے اور جوارح ہیں، اور درخت ہیں ان کے پھل مختلف ہیں مزے مختلف ہیں، جانور کی صورتیں اور ان کے اعمال مختلف ہیں اور اس طرح کے ہزاروں امتیازات ہیں یہ صرف رات دن کے گزرنے سے وجود میں سے کیسے آگئے، آم کا پھل بڑا اور

ہاسن کا چھوٹا کیوں ہے مجبور کا تالبا کیوں ہے اس کے پھل چھوٹے کیوں ہیں بڑے بڑے سمندروں کا پانی شور کیوں ہے
میٹھا کیوں نہیں ہوتا، کسی کے اولاد ہوتی ہی نہیں کسی کے صرف لڑکے ہوتے ہیں کسی کے صرف لڑکیاں ہوتی ہیں تو ان سب
باتوں کے جواب سے رہبر یہ عاجز رہ جاتے ہیں۔

وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ ؕ (اور انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس کے بارے میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے) اِنْ
هَذَا إِلَّا يُلْقُونَ ﴿۱۰﴾ (بس اٹکل پھر باتیں کرتے ہیں) ان لوگوں کی ان باتوں کی وجہ سے قیامت رک نہ جائے گی، وہ ضرور
واقع ہوگی جو اس کے مکروں کے لیے عذاب شدید کا باعث بنے گی۔

وَإِذَا تُثَلِّى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ

مکرمین قیامت کی حجت بازی

اور جب ان کے اوپر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں جن میں قیامت واقع ہونے کا بھی تذکرہ ہوتا ہے اور اس کے
امکان اور وقوع کے دلائل دیئے جاتے ہیں تو اصلی دلیل سے عاجز ہو کر کٹ جتی پر اتر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت آنے
کی جو خبر دے رہے ہو اگر تمہارا یہ خبر دینا سچ ہے تو ہمارے باپ دادوں کو سامنے لے آؤ جنہیں مرے ہوئے زمانہ دراز گزار
چکا ہے اگر وہ لوگ زندہ ہو کر سامنے آجائیں تو ایک تو ہمیں موت کے بعد زندہ ہونے کا یقین آجائے گا دوسرے ہم ان سے
پوچھ لیں گے کہ موت کے بعد کیا کیا ہوا اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: قُلِ اللَّهُ يُخَيِّبُكُمْ (آپ فرمادیجئے کہ اللہ تمہیں زندگی دیتا
ہے) یعنی بے جان نطفہ سے پیدا فرماتا ہے۔ ثُمَّ يُيَسِّتُكُمْ (پھر تمہیں موت دے گا) ثُمَّ يَجْعَلُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لِآ
دِيْبٍ فِيْنِيْهِ۔ پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں یعنی تم مانو یا نہ مانو ایسا ہوتا ہی ہے اللہ تعالیٰ کسی کا
پابند نہیں جو تمہارے کہنے کے مطابق تمہارے باپ دادوں کو زندہ فرمائے، اس نے وقوع قیامت کی خبر دے دی امکان اور
وقوع کے دلائل بیان فرمادیئے سب پر حجت پوری ہوگئی۔ وَلٰكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے
کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے نبیوں نے جو وقوع قیامت کی خبر دی ہے وہ سچ ہے۔

وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ۗ يُنذِرُ مِنْهُ يَوْمَئِذٍ يُخَسِرُ الْبٰطِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ الْكَٰفِرُوْنَ اٰمِيْ يَظْهَرُوْنَ

يُخَسِرُوْنَ اِنَّهُمْ يٰۤاٰنْ يَصِيْرُوْنَ اِلَى النَّارِ وَ تَرَىٰ كُلَّ اُمَّةٍ اٰمِيْ اَهْلٍ دِيْنٍ جَاهِلِيَّةٍ ۗ عَلٰى الرَّحْبِ اَوْ مُجْتَمِعَةً كُلَّ

اُمَّةٍ تَدْعِيْ اِلٰى كِتٰبِهَا ۗ كِتٰبُ اَعْمَالِهَا وَقَالَ لَهُمْ اَلْيَوْمَ نَجْزِيْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اٰمِيْ جَزَاؤُهُ هٰذَا كِتٰبُنَا

دِيْنًا اَلْحَفْظَةُ يَلْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ اِلَّا لَنْكَاسْتَلْبِخْ ۗ نٰبِئْ وَ نَحْفِظْ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۗ جَنَّتِهٖ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ السَّوِيْبُ ﴿۱۵﴾ اَلْبَيْتِ الطَّاهِرِ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

فَيَقَالُ لَهُمْ اَقْلَمُ ثَلٰثُ الْاَيٰتِي الْفُرٰنُ كُنْتُمْ عَلَيْنَا فَاَسْتَكْبَرْتُمْ ۗ تَكْبَرْتُمْ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۶﴾ كٰفِرِيْنَ وَ

اِذَا قِيْلَ لَكُمْ اِنَّهَا الْكُفٰرُ اِنْ وَعَدَ اللّٰهُ بِالْبَعْثِ حَقًّا وَ السَّاعَةُ ۗ بِالرُّفْعِ وَ النَّصْبِ لَا رَيْبَ فِيْهَا فَاَلَمْ تَلْمُؤْا

مَنْ يَلْمِ شَيْئًا مِنْهَا لَمْ يَلْمِ شَيْئًا مِنْ عِندِ اللَّهِ (سورة الاحزاب: ۱۷) مَنْ يَلْمِ شَيْئًا مِنْهَا لَمْ يَلْمِ شَيْئًا مِنْ عِندِ اللَّهِ (سورة الاحزاب: ۱۷)

تَذَرْنِي مَا شِئْتُمْ إِنَّ لَطْفِي أَكْفَلَا قَالَ الْمُرَادُ اسْتَدَانَ نَعْمَ لَا مَعْنَى مَسَاوَةً مَعْنَى يَسْتَقْبِلُونَ نَهَانِي
 وَهِيَ ظَهَرَ لَهُمْ فِي الْأَجْزَاءِ سَوَاتٍ مَا عَمِلُوا فِي الدُّنْيَا مِنْ حِرَائِبِهَا وَحَقَّ سِرُّهُمَا فَدَلَّاهُمْ
 بِسَمْعِهِمْ ۝ أَي الْعَذَابِ وَقِيلَ الْيَوْمَ نُنَسِّكُكُمْ نَزَلَكُمْ فِي النَّارِ كَمَا نَسَّيْتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا أَيْ
 نَزَلَكُمْ الْعَذَابَ لِلْقَابِ وَمَا نَكُمُ النَّارُ وَمَا نَكُمُ مِنَ الْعَوْرِينَ مَا مَعْنَى مِنْهَا ذَلِكُمْ بِأَقْتُمْ الْعَذَابُ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ
 الْفُرْقَانِ هُرُوكًا وَغَرَّتْكُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا حَتَّى لُنْتُمْ لَانْفِثَ وَلَا حِسَابَ فَنِيَوْمَ لَا يَخْرُجُونَ بِأَسْمَاءٍ يُسَاعِلُ
 وَالْمُتَعَلِّقُ مِنْهَا مِنَ النَّارِ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ أَيْ لَا يُطَلَّبُ مِنْهُمْ أَنْ يُرْصِدُوا رَتْلَهُمْ بِأَشْرَافِهَا وَالْعَطَاةُ
 لِأَنَّهَا لَا تَنْفَعُ بِوَيْبِذِ قَبْلِهِ الْعَدُوِّ الْوَضْفُ بِالْجَبِيلِ عَلَى وَقَائِهِ وَعَدِيدِهِ فِي السُّكَّدِ فِي رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ
 الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ خَالِقِ مَا ذُكِرَ وَالْعَالَمِ مَا سِوَى اللَّهِ وَجَمِيعِ لِاخْتِلَافِ أَنْوَاعِهِ وَرَبِّ بَدَلِ وَرَبِّ
 الْكِبَرِيَاءِ الْعَظْمَاءِ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خَالَ أَيْ كَاتِبَةٌ فِيهِمَا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ تَقَدَّمَ

۱۷

ترجمہ: اور اللہ کی سلطنت ہے آسمان اور زمین میں اور جس روز قیامت ہوگی آگے بدل ہے اس روز خلا کار لوگ نونے
 میں ہوں گے مراد کافر ہیں یعنی ان کا خسارہ کل کر سامنے آجائے گا جب وہ جہنم رسید ہو جائیں گے اور آپ ہر فرقہ مذہبی
 جماعت کو دیکھیں گے کہ اوندھے منہ گر پڑیں گے زانو کے بل یا اوندھے منہ ہر فرقہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائیگا اور اس
 سے کہا جائے گا کہ آج تمہارے کیے کا بدلہ صلہ تمہیں ملے گا یہ ہمارا دفتر حافظہ خاندہ ہے۔ جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول
 رہا ہے ہم تمہارے اعمال لکھواتے محفوظ کرتے جاتے تھے سو جو ایمان مائے اور انہوں نے اچھے کام کیے تو ان کو ان کا رب
 اپنا رحمت جنت میں داخل کر دے گا اور یہ کھلی روشن واضح کامیابی ہے اور جو لوگ کافر رہے۔ ان سے کہا جائے گا کیا میری
 آیات قرآن تمہیں پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں سو تم نے تکبر کیا اور تم بڑے مجرم کافر رہے اور جب ان سے کہا جاتا تھا اللہ
 کا وعدہ قیامت برحق ہے اور قیامت میں رفع اور نصب کے ساتھ ہے کوئی شک شبہ نہیں تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے
 قیامت کیا چیز ہے؟ محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے میری رائے ہے کہ اصل عبارت: ان انحن لا نظن ظننا ہے
 اور ہمیں یقین نہیں ہے کہ قیامت آئے گی اور ان کو آخرت میں ظاہر ہو جائیں گے تمام برے اعمال جو دنیا میں کیے تھے یعنی
 ان کی ہنر اور آگہی کے پکڑ لے گا ان کو جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہہ دیا جائے گا کہ آج ہم تم کو بھلائے
 دیتے ہیں دوزخ میں ڈال کر اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا یعنی قیامت کی تیاری نہیں کی تھی اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی
 تمہارا مددگار اس سے بچاؤ کا راستہ نہیں ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات قرآن کی منسی اڑائی تھی اور تم کو دنیاوی
 زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھی کہ تم یہ کہہ اٹھے کہ نہ قیامت ہوگی نہ حساب و کتاب، سو آج نہ یہ دوزخ جہنم سے نکالے
 جائیں گے لایزر جون، معروف، مجہول دونوں طرح ہے اور نہ ان سے اللہ کی خلقی کا تدارک چاہا جائے گا یعنی ان سے خواہش

نہیں کی جائے گی کہ وہ اللہ کی فرمانبرداری اور توبہ کر کے اس کو راضی کر لیں۔ کیوں کہ اب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ مکذبین کے متعلق اس کے وعدہ پورا کرنے پر اسکی تعریف ہے جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین اور سارے عالم کا۔ مذکورہ چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے عالم سے مراد اللہ کے علاوہ کائنات ہے اور جمع، اختلاف نوع کی وجہ سے لائی گئی ہے اور بدل ہے اور اسی کی بڑی عظمت ہے آسمانوں اور زمین میں حال ہے ای کائنات فی السموات والارض۔ اور وہی زبردست حکمت والا ہے پہلے اس پر کلام ہو چکا ہے۔

کلمات تفسیر کی توضیح و تشریح

- قولہ: غُلِيَ الرَّكِبُ: مضبوطی سے بیٹھا جانا۔ اکیوں کے پوروں کے بل بیٹھنا۔
 قولہ: جَنُوهُ: یہ جنوہ سے ہے وہ جماعت کو کہتے ہیں۔
 قولہ: التَّرْفِيعُ: اس پر رُفْعِ ابتداء کی وجہ سے ہے۔
 قولہ: وَالنَّضْبُ: نصب کی صورت میں ان کے ام پر عطف ہے۔
 قولہ: مَا تَشَاءُ: قیامت کیا ہے۔ یہ بطور استفہاب کہا۔
 قولہ: اِنِّي نَحْنُ: اصل لِنظُن ظننا تھا۔ حرف نفی داخل کیا گیا۔ یہ استثناء ظن کے ثبوت کے لیے اور ماسواہ کی نفی کے لیے ہے۔ گویا اس طرح کہا: مانحن الانظن ظنا۔
 قولہ: بَدَّلُ: یہ اول سے بدل ہے۔

تفسیر مقبولین

وَتَرَى كَثْرًا مِّنْ أَقْوَامٍ يَخْتَفُونَ.....

حنو سے مشتق ہے جس کے معنی گھٹنوں کے بل بیٹھنے کے ہیں اور حضرت سفیان نے فرمایا، جنو اس طرح بیٹھنے کو کہتے ہیں کہ جس میں زمین پر صرف گھٹنے اور پاؤں کے نیچے تک جائیں، اس طرح کی لشت ہول اور خوف کی وجہ سے ہوگی۔ اور ظاہر کَثْرًا مِّنْ أَقْوَامٍ کے لفظ سے یہ ہے کہ یہ صورت خوف تمام اہل مشرکوں کا فریضہ و بد سب کو پیش آئے گی اور بعض دوسری آیات اور روایات میں جو مشرکوں کے خوف و فرح سے انبیاء و صلحاء کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے یہ اس کے متناہی نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ بہشت و خوف تھوڑی مدت کے لیے انبیاء و صلحاء پر بھی طاری ہو، مگر تھوڑی دیر تک ہونے کی بنا پر اس کو نہ ہونے کے حکم میں رکھا گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کَثْرًا مِّنْ أَقْوَامٍ سے مراد عام اہل مشرک ہوں بلکہ اکثر مراد ہوں جیسا کہ لفظ کل بعض اوقات اکثر کے لیے بولا جاتا ہے اور بعض حضرات مفسرین نے حاشیہ کے معنی ایسی لشت کے کئے ہیں جسے لازم ہوتی ہے تو پھر وہ احوال

خود ہی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ نشست خوف کی نہیں ادب کی نشست ہے۔ **كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا** کتاب سے مراد اس جگہ کہ مفسرین کے نزدیک وہ نامہ اعمال ہے جو فرشتے دنیا میں لکھتے رہے تھے اور اب محشر میں یہ تحائف اعمال ازا دیئے جائیں گے ہر ایک آدمی کا نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں پہنچ جائے گا اور اس سے کہا جائے گا۔ یعنی اپنا نامہ اعمال پڑھ لو اور خود ہی حساب کا لو کہ تمہیں ان اعمال کا کیا بدلہ ملنا چاہئے اور اس اعمال نامہ کی طرف بلائے کا مطلب ان کے حساب کی طرف بلانا ہے۔ واللہ اعلم

مزید ارشاد ہوگا: **هَذَا كِتَابُنَا يَنْطَلِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ** (یہ ہماری کتاب ہے (یعنی تمہارے اعمال نامے ہیں) جو تمہارے اعمال کے بارے میں بالکل صحیح گواہی دے رہے ہیں) **إِنَّا كُنَّا نَسْتَفِيحُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ** (بے شک ہم لکھوا لیتے تھے جو تم کرتے تھے) جو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور تھے بندوں کے اعمال لکھنا ان کے سپرد تھا یہ انہیں کے لکھے ہوئے اعمال نامے ہیں جو بالکل صحیح ہیں۔

فَاللَّحِقُ لِقَاءَ حَاشِيَةٍ صحت کا ترجمہ اگر **مُجْتَمَعَةٌ** ہو تو اس پر بھی کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا اور اگر یہ معنی لیے جائیں کہ حساب کے وقت سب ادب سے دوڑانوں بیٹھے ہوں گے تو اس پر بھی کوئی اشکال نہیں اگر یہ معنی لیے جائیں کہ حساب کے ڈر اور گھبراہٹ کی وجہ سے سب گھسٹوں کے بل کرے ہوئے ہوں گے اور حضرات انبیاء کرام کی امتوں کے صالحین کو ان میں سے عام مخصوص نہ بعض کے طور پر مستثنیٰ مان لیا جائے تب بھی اشکال باقی نہیں رہتا اگر لفظ **كُلُّ** کا مصداق سب ہی کو لیا جائے تو یہ بظاہر **وَمَنْ هُمْ قَوْمٌ فَزَيِّعْ يَوْمَ يُؤْتِي السَّمَوَاتُ مَوْتَهُنَّ** کے معارض معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ اس کیفیت کی مدت اور مقدار بیان نہیں کی گئی اس لیے اگر ڈر اور کو صالحین کی بھی یہ کیفیت ہو جائے تو یہ بھی معارض نہیں ہے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا

اس کے بعد اہل ایمان کی جزا بیان فرمائی: **فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا** جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو ان کا رب انہیں اپنی رحمت میں یعنی جنت میں داخل فرمائے گا، جہاں رحمت ہی رحمت ہوگی یہ جنت اور رحمت کملی ہوئی کا مہیا بی ہے

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا

پھر کافرین کی سزا کا تذکرہ فرمایا: **وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا** جن لوگوں نے کفر کیا قیامت کے دن عذاب میں داخل ہوں گے جب مصیبت میں گرفتار ہوں گے تو چہ نکارہ کے لیے معذرت کریں گے اس وقت ان سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال کیا جائے گا۔ **أَفَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ آيَاتِي تُسَلِّ عَلَيْكُمْ فَانْتَكَبْتُمْ** کیا تمہارے اوپر میری آیات تلاوت نہیں کی جاتی تھیں؟ جب یہ آیات تمہارے پاس پہنچیں تو تم نے تکبر کیا اور حق قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھا، کفر پر قائم رہنے ہی میں تم اپنی بڑائی سمجھتے رہے۔ **وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ** (اور تم جرم کرنے والے لوگ تھے) تم نے تکبر کیا حق کو ٹھکرایا مجرمانہ ذمہ لیا اختیار کی آج تمہارے لیے اسی جرم کی سزا کا فیصلہ کیا گیا ہے ان سے مزید خطاب ہوگا کہ دنیا میں تمہارا یہ حال تھا کہ جب تم سے یہ کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے قیامت ضرور آئے گی اس میں شک نہیں ہے تو جواب یوں دے دیتے تھے: **مَتَىٰ نُنْفِئُ مَا لَنَا سَاعَةٌ** (ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے) **إِنْ لَّنُنْفِئُ إِلَّا قَلِيلًا** (ہم خیال نہیں کرتے مگر تھوڑا سا) مطلب یہ تھا کہ

ہاری کجھ میں تو نہیں آیا کہ قیامت قائم ہوگی لوگوں کے کہنے سے یوں ہی چلا ہوا خیال دل میں آجاتا ہے۔ وَ مَا نَحْنُ بِمُسْتَغْنِينَ ۝ (اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں۔)

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتٍ مَّا عَمِلُوا وَحَاقَىٰ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهِم يَسْتَهْزِءُونَ ۝

یہ دنیا چونکہ عمل و امتحان کا جہاں ہے اس لیے یہاں ہر چیز جس پر وہ ہے، اور اس کی اصل حقیقت عقلی و مستور ہے، مگر آخرت کا وہ جہاں چونکہ کشف حقائق اور ظہور نتائج کا جہاں ہوگا، اس لیے وہاں پر ہر چیز اپنی اصلی اور حقیقی شکل و صورت میں سامنے آجائے گی، سو دنیا میں لوگ جن مختلف عقلی اور اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں ان کے برے نتائج چونکہ فوراً ان کے سامنے نہیں آتے، اس لیے وہ ایسے جرائم کے ارتکاب پر دلیر ہو جاتے ہیں، اور اس حد تک کہ وہ کسی ناصح کی نصیحت کو قبول کرنے اور اس پر کان دھرنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ اخلاقیات کا درس دینے والے ایسے ہمعین کو الٹا بہت قوف سمجھنے اور ان کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ لیکن قیامت کے روز جب حقائق سے پردہ اٹھے گا تو ان کو اپنے برے اعمال اپنی اصل شکل میں نظر آئیں گے اور اس طور پر کہ اس دن اندھے سے اندھے شخص کو بھی نظر آجائے گا کہ اس نے دنیا میں برائیوں اور جرائم کی جو بس بھری فصل اس نے بوئی تھی اس کا انجام کس قدر ہولناک ہے اللہ کے رسولوں اور اسکے نیک بندوں نے ان کو جس انجام سے خبردار کیا تھا وہ اپنے انداز میں کتنے سچے اور کس قدر حق بجانب تھے۔ لیکن انہوں نے اسکی کوئی پروا نہ کی تھی۔ تب یہ لوگ رہ رہ کر افسوس کریں گے، اور چیخ چیخ کر ایمان لانے کا اعلان کریں گے، اور کہیں گے آمنا یعنی ہم ایمان لے آئے، مگر اس وقت کے ان کے ماننے حق کو تسلیم کرنے، اور افسوس کرنے کا ان کو کوئی فائدہ بہر حال نہیں ہوگا۔ سوائے ان کی آتش یا اس وحشت میں اضافے کے سوائے وہی عذاب ان کو پوری طرح اپنے گھیرے میں لے چکا ہوگا۔ جس کا وہ اپنی دنیاوی زندگی میں بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ مذاق اڑایا کرتے تھے اور اس وقت وہ اس ہولناک عذاب میں اس طرح گھر چکے ہونگے کہ ان کے نیلے اس سے گریز و فرار کی کوئی راہ ممکن نہیں ہوگی، اور ان سے صاف طور پر کہہ دیا جائے گا کہ اب ہم نے تم لوگوں کو بھلا دیا جس طرح تم اپنے اس دن کی پیشی کو بھلا رکھا تھا، اور پھیلا دینے سے مراد اس کا لازم اور نتیجہ ہے، یعنی اب ہم تم پر کوئی رحمت و عنایت نہیں کریں گے، بلکہ تم لوگوں کو اس طرح نظر انداز کر دیں گے جس طرح کسی بھولی بھری چیز کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، پس اب تم کو ہمیشہ کیلئے اسی عذاب کے اندر رہنا ہے، کیونکہ آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں کیلئے کمائی کا موقع دنیاوی زندگی کی فرصت محدود ہی میں تھا جس کو تم لوگوں نے اپنے کفر و انکار، اور عناد و استکبار کی نذر کر دیا، اور وہ فرصت تمہارے ہاتھوں سے ہمیشہ کیلئے نکل گئی، پس اب تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے، جس میں تم نے ہمیشہ کیلئے پھنسا ہے، اور تمہارے لیے اب کوئی مددگار بھی ممکن نہیں۔

تفسیر ابن کثیر

رشتہ المصنفین
حافظ عماد الدین ابوالخیر ابن کثیر



مترجمہ
عظیمیہ خدیجہ مولانا محمد شفیع نونہا کرمی

مکتبہ اسلامیہ
لاہور پاکستان

مکتبہ اسلامیہ رجسٹرڈ

۱۸- اردو بازار لاہور، پاکستان

37231788-37211788